

تَفْصِيْلُ الْقُرْآنِ

# اسان ترجمہ قرآن

تشریحات کے ساتھ

از

مفتی محمد تقی عثمانی

مکتبہ معارف القرآن کراچی

(Quranic Studies Publishers)

Karachi - Pakistan.











توضیح القرآن

# اسان ترجمہ قرآن

تشریحات کے ساتھ

از

مفتی محمد تقی عثمانی

مکتبہ معارف القرآن کراچی

(Quranic Studies Publishers)

Karachi, Pakistan.



# جملہ حقوق طباعت بحق مکتبہ معارف القرآن کراچی محفوظ ہیں

ISBN 978-969-9306-04-4

عرض ناشر: الحمد للہ اگرچہ مکتبہ معارف القرآن کراچی نے ”آسان ترجمہ قرآن“ کی تصحیح و طباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔ اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔



مکتبہ معارف القرآن کراچی  
(Quranic Studies Publishers)

maktabamaarifulquran.com

Compound Jamia Darul-uloom Karachi.  
Korangi Industrial Area, Post Code-75180,  
Karachi - Pakistan.

باہتمام : خضر اشفاق قاسمی

طبع جدید : شعبان ۱۴۳۱ھ - جولائی ۲۰۱۰ء

مطبع : کفایت پرنٹرز کراچی

ناشر : مکتبہ معارف القرآن کراچی  
(Quranic Studies Publishers)

فون : (92-21) 35031565, 35031566

ای میل : info@quranicpublishers.com

mm.q@live.com

ویب سائٹ : www.maktabamaarifulquran.com



## ملنے کے پتے

❖ Azhar Academy Ltd.,  
54-68, Little Ilford Lane,  
Manor Park-London E-12, 5QA, U.K.  
Ph : +44-20-8911-9797

❖ Darul Uloom Al-Madania,  
182, Sobieski Street Buffalo,  
NY, 14212-U.S.A

❖ ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی۔

❖ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی۔

❖ بیت القرآن، اردو بازار، کراچی۔

❖ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔

❖ بیت العلوم، ۲۰، نابھ روڈ، لاہور۔





نَحْمَدُكَ وَنُتَعِّينُكَ وَنُتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنُتَوَكَّلُ عَلَيْكَ

وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا

مَنْ تَحْيَاهُ اللَّهُ فَلَا مُصِيبَ لَهُ وَمَنْ تُصِيبْهُ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ

وَنُشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ

وَنُشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْكَ وَعَلَى آلِكَ وَصَحَابِكَ أَجْمَعِينَ









بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيدنا ومولانا  
محمد خاتم النبيين، وعلى آله واصحابه اجمعين، وعلى من  
تبعهم باحسان إلى يوم الدين۔

## پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے اس ناکارہ بندے کو اپنے کلام  
مجید کے اس ترجمے اور تشریح کی توفیق عطا فرمائی جو اس وقت آپ کے سامنے ہے۔

آج سے چند سال پہلے تک میرا خیال یہ تھا کہ اُردو میں مستند علمائے کرام کے اتنے ترجمے موجود ہیں کہ ان  
کے بعد کسی نئے ترجمے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ جب کچھ حضرات مجھ سے قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کی فرمائش  
کرتے تو اس خدمت کو عظیم سعادت سمجھنے کے باوجود اول تو اپنی نااہلی کا احساس آڑے آتا، اور دوسرے کسی نئے ترجمے  
کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

لیکن پھر مختلف اطراف سے احباب نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ اُردو کے جو مستند ترجمے اس وقت موجود ہیں، وہ  
عام مسلمانوں کی سمجھ سے بالاتر ہو گئے ہیں، اور ایسے آسان ترجمے کی واقعی ضرورت ہے جو معمولی پڑھے لکھے افراد کی سمجھ  
میں بھی آ سکے۔ یہ مطالبہ اتنی کثرت سے ہوا کہ موجودہ ترجموں کا باقاعدہ جائزہ لینے کے بعد مجھے بھی اس مطالبے میں  
وزن نظر آنے لگا، اور جب میرا انگریزی ترجمہ مکمل ہو کر شائع ہوا تو یہ مطالبہ اور زیادہ زور پکڑ گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نام پر میں نے ترجمہ شروع کیا، لیکن ساتھ ہی مجھے یہ خیال تھا کہ عام مسلمانوں کو قرآن  
کریم کا مطلب سمجھنے کے لئے ترجمے کے ساتھ مختصر تشریحات کی بھی ضرورت ہوگی، اس خیال کے پیش نظر میں نے  
ترجمے کے ساتھ مختصر تشریحی حواشی بھی لکھنے کا اہتمام کیا۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو بذاتِ خود ایک عظیم معجزہ ہے، اس لئے اُس کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ جو  
قرآن کریم کی بلاغت اور اس کے بے مثال اُسلوب اور تاثیر کو کسی دوسری زبان میں منتقل کر دے، بالکل ناممکن ہے۔



لیکن اپنی بساط کی حد تک بندہ نے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کریم کا مطلب آسان، بامحاورہ اور رواں انداز میں واضح ہو جائے۔ یہ ترجمہ بالکل لفظی ترجمہ بھی نہیں ہے، اور اتنا آزاد بھی نہیں ہے جو قرآن کریم کے الفاظ سے دُور چلا جائے۔ وضاحت کو پیش نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ حتی الوسع قرآن کریم کے الفاظ سے بھی قریب رہنے کی کوشش کی گئی ہے، اور جہاں قرآن کریم کے الفاظ میں ایک سے زیادہ تفسیروں کا احتمال ہے، وہاں یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ ترجمے کے الفاظ میں بھی وہ احتمالات باقی رہیں۔ اور جہاں ایسا ممکن نہ ہو سکا، وہاں سلف کے مطابق جو تفسیر زیادہ رائج معلوم ہوئی، اُس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

تشریحی حواشی میں صرف اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ترجمہ پڑھنے والے کو جہاں مطلب سمجھنے میں کچھ دُشواری ہو، وہاں وہ حاشیہ کی تشریح سے مدد لے سکے، لمبے تفسیری مباحث اور علمی تحقیقات کو نہیں چھیڑا گیا، کیونکہ اس کے لئے بفضلہ تعالیٰ مفصل تفسیریں موجود ہیں۔ البتہ ان مختصر حواشی میں چھنی چھنائی بات عرض کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو بہت سی کتابوں کے مطالعے کے بعد حاصل ہوئی ہے۔

اس خدمت کا بہت سا حصہ بلکہ شاید زیادہ حصہ میرے مختلف سفروں کے درمیان انجام پایا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کمپیوٹر میں تمام ضروری کتابوں کا ذخیرہ میرے ساتھ تھا، اس لئے ضروری کتابوں کی مراجعت میں کوئی دُشواری پیش نہیں آئی۔

قرآن کریم کی یہ ناچیز خدمت اس احساس کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کہ اس بے مثال کلام کی خدمت کے لئے جس علم اور تقویٰ کی ضرورت ہے، میں اُس سے تہی دامن ہوں۔ لیکن جس مالکِ کریم کا یہ کلام ہے، وہ جس ذرّہ بے مقدار سے جو کام لینا چاہے، لے لیتا ہے۔ لہذا اگر اس خدمت میں کوئی بات اچھی اور دُرست ہے تو وہ صرف اُسی کی توفیق سے ہے، اور اگر کوئی کوتاہی ہے تو وہ میری نااہلی کی وجہ سے ہے۔ اُسی مالکِ کریم کی بارگاہ میں یہ التجا ہے کہ وہ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما کر اُسے مسلمانوں کے لئے مفید بنادے، اور اس ناکارہ کے لئے آخرت کا ذخیرہ، وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ۔

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

۲۰/ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ



# فہرست

صفحہ نمبر	سورۃ کا نام
۱۵	مقدمہ.....
۳۷	سورۃ الفاتحہ.....
۴۰	سورۃ البقرۃ.....
۱۳۸	سورۃ آل عمران.....
۱۸۲	سورۃ النساء.....
۲۳۵	سورۃ المائدۃ.....
۲۷۷	سورۃ الانعام.....
۳۲۰	سورۃ الاعراف.....
۳۷۳	سورۃ الانفال.....
۴۰۰	سورۃ التوبۃ.....
۴۴۶	سورۃ یونس.....
۴۷۱	سورۃ ہود.....
۴۹۸	سورۃ یوسف.....
۵۳۱	سورۃ الرعد.....
۵۴۸	سورۃ ابراہیم.....
۵۶۱	سورۃ الحجر.....
۵۷۴	سورۃ النحل.....
۵۹۹	سورۃ بنی اسرائیل.....
۶۲۳	سورۃ الکہف.....

صفحه نمبر	سورة کا نام
۶۵۰	سورة مريم
۶۶۵	سورة طه
۶۸۸	سورة الانبياء
۷۰۸	سورة الحج
۷۲۷	سورة المؤمنون
۷۴۲	سورة النور
۷۶۴	سورة الفرقان
۷۷۸	سورة الشعراء
۷۹۸	سورة النمل
۸۱۵	سورة القصص
۸۳۷	سورة العنكبوت
۸۵۱	سورة الروم
۸۶۵	سورة لقمان
۸۷۴	سورة السجدة
۸۸۱	سورة الاحزاب
۹۰۶	سورة سبا
۹۲۰	سورة فاطر
۹۳۱	سورة يس
۹۴۳	سورة الصافات
۹۵۸	سورة ص
۹۷۱	سورة الزمر
۹۸۵	سورة المؤمن
۱۰۰۰	سورة حم السجدة
۱۰۱۲	سورة الشورى



صفحه نمبر	سورة کا نام
۱۰۲۲	سورة الزخرف
۱۰۳۶	سورة الدخان
۱۰۴۲	سورة الجاثیہ
۱۰۴۹	سورة الاحقاف
۱۰۵۹	سورة محمد
۱۰۶۹	سورة الفتح
۱۰۸۲	سورة الحجرات
۱۰۹۰	سورة ق
۱۰۹۷	سورة الذاریات
۱۱۰۴	سورة الطور
۱۱۱۰	سورة النجم
۱۱۱۸	سورة القمر
۱۱۲۵	سورة الرحمن
۱۱۳۲	سورة الواقعة
۱۱۴۱	سورة الحديد
۱۱۵۲	سورة المجادلہ
۱۱۶۰	سورة الحشر
۱۱۶۹	سورة الممتحنہ
۱۱۷۷	سورة الصف
۱۱۸۲	سورة الجمعہ
۱۱۸۶	سورة المنافقون
۱۱۹۱	سورة التغابن
۱۱۹۶	سورة الطلاق
۱۲۰۳	سورة التحریم

صفحہ نمبر	سورۃ کا نام
۱۲۰۹	سورۃ الملک
۱۲۱۵	سورۃ القلم
۱۲۲۱	سورۃ الحاقہ
۱۲۲۵	سورۃ المعارج
۱۲۲۹	سورۃ نوح
۱۲۳۲	سورۃ الجن
۱۲۳۷	سورۃ المزمل
۱۲۴۱	سورۃ المدثر
۱۲۴۷	سورۃ القیامہ
۱۲۵۱	سورۃ الدھر
۱۲۵۴	سورۃ المرسلات
۱۲۵۷	سورۃ النبا
۱۲۶۰	سورۃ النازعات
۱۲۶۳	سورۃ عبس
۱۲۶۶	سورۃ التکویر
۱۲۶۹	سورۃ الانفطار
۱۲۷۱	سورۃ المطففین
۱۲۷۴	سورۃ الانشقاق
۱۲۷۷	سورۃ البروج
۱۲۸۰	سورۃ الطارق
۱۲۸۲	سورۃ الاعلیٰ
۱۲۸۴	سورۃ الغاشیہ
۱۲۸۶	سورۃ الفجر
۱۲۸۹	سورۃ البلد



صفحہ نمبر	سورۃ کا نام
۱۲۹۲	سورۃ الشمس
۱۲۹۳	سورۃ الیل
۱۲۹۶	سورۃ الضحیٰ
۱۲۹۸	سورۃ الم نشرح
۱۲۹۹	سورۃ التین
۱۳۰۱	سورۃ العلق
۱۳۰۳	سورۃ القدر
۱۳۰۴	سورۃ البینہ
۱۳۰۶	سورۃ الزلزال
۱۳۰۷	سورۃ العادیات
۱۳۰۸	سورۃ القارعہ
۱۳۰۹	سورۃ التکاثر
۱۳۱۰	سورۃ العصر
۱۳۱۱	سورۃ البہزۃ
۱۳۱۲	سورۃ الفیل
۱۳۱۴	سورۃ قریش
۱۳۱۵	سورۃ الماعون
۱۳۱۶	سورۃ الکوث
۱۳۱۷	سورۃ الکافرون
۱۳۱۸	سورۃ النصر
۱۳۱۹	سورۃ اللہب
۱۳۲۱	سورۃ الاخلاص
۱۳۲۳	سورۃ الفلق
۱۳۲۴	سورۃ الناس





## مقدمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَّمَ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

## وحی اور اُس کی حقیقت

قرآن کریم چونکہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعے نازل کیا گیا ہے، اس لئے سب سے پہلے وحی کے بارے میں چند ضروری باتیں سمجھ لینی چاہئیں۔

### وحی کی ضرورت

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دُنیا میں آزمائش کے لئے بھیجا ہے، اور اس کے ذمے کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت میں لگا دیا ہے، لہذا دُنیا میں آنے کے بعد انسان کے لئے دو کام ناگزیر ہیں، ایک یہ کہ وہ اس کائنات سے اور اس میں پیدا کی ہوئی اشیاء سے ٹھیک ٹھیک کام لے، اور دوسرے یہ کہ اس کائنات کو استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام کو مد نظر رکھے، اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔

ان دونوں کاموں کے لئے انسان کو ”علم“ کی ضرورت ہے، اس لئے کہ جب تک اُسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کونسی چیز کے کیا خواص ہیں؟ ان سے کس طرح فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے؟ اس وقت تک وہ دُنیا کی کوئی بھی چیز اپنے فائدے کے لئے استعمال نہیں کر سکتا، نیز جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کیا ہے؟ وہ کونسے کاموں کو پسند اور کن کو ناپسند فرماتا ہے؟ اس وقت تک اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ممکن نہیں۔



چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعے اسے مذکورہ بالا باتوں کا علم حاصل ہوتا رہے، ایک انسان کے حواس، یعنی آنکھ، کان، منہ اور ہاتھ پاؤں، دوسرے عقل اور تیسرے وحی۔ چنانچہ انسان کو بہت سی باتیں اپنے حواس کے ذریعے معلوم ہو جاتی ہیں، بہت سی عقل کے ذریعے، اور جو باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہو سکتیں اُن کا علم وحی کے ذریعے عطا کیا جاتا ہے۔

علم کے ان تینوں ذرائع میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص حد اور مخصوص دائرہ کار ہے، جس کے آگے وہ کام نہیں دیتا، چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس سے معلوم ہو جاتی ہیں، اُن کا علم نری عقل سے نہیں ہو سکتا، مثلاً ایک دیوار کو آنکھ سے دیکھ کر آپ کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اس کا رنگ سفید ہے، لیکن اگر آپ اپنی آنکھوں کو بند کر کے صرف عقل کی مدد سے اس دیوار کا رنگ معلوم کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے، اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، وہ صرف حواس سے معلوم نہیں ہو سکتیں، مثلاً آپ صرف آنکھوں سے دیکھ کر یا ہاتھوں سے چھو کر یہ پتہ نہیں لگا سکتے کہ اس دیوار کو کسی انسان نے بنایا ہے، بلکہ اس نتیجے تک پہنچنے کے لئے عقل کی ضرورت ہے۔

غرض جہاں تک حواسِ خمسہ کام دیتے ہیں، وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی، اور جہاں حواسِ خمسہ جواب دے دیتے ہیں، وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے۔ لیکن اس عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں ہے، یہ بھی ایک حد پر جا کر رک جاتی ہے، اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ حواس کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعے، مثلاً اسی دیوار کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ اس کو کس طرح استعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی، اور کس طرح استعمال کرنے سے ناراض ہوگا؟ یہ نہ حواس کے ذریعے ممکن ہے، نہ عقل کے ذریعے، اس قسم کے سوالات کا جواب انسان کو دینے کے لئے جو ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اسی کا نام ”وحی“ ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب فرما کر، اسے اپنا پیغمبر قرار دے دیتا ہے اور اس پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے، اسی کلام کو ”وحی“ کہا جاتا ہے۔

یہ بات ایک اور مثال سے شاید زیادہ واضح ہوگی، فرض کیجئے کہ میرے ہاتھ میں ایک پستول ہے، اُسے آنکھ سے دیکھ کر میں اس کا سائز اور اس کی صورت معلوم کر سکتا ہوں، میں ہاتھ سے چھو کر یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ یہ کسی ٹھوس چیز سے بنی ہوئی ہے، اُس کا ٹریگر دبا کر میں یہ جان سکتا ہوں کہ اس سے ایک گولی پوری قوت سے نکل کر دُور گئی ہے، اس کی آواز سن کر مجھے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سے ایک دھماکا پیدا ہوتا ہے، اور اُس کی نالی کو سونگھ کر یہ پتہ لگا سکتا ہوں کہ اس میں سے بارود کی بو آرہی ہے، یہ ساری اطلاعات مجھے میرے ظاہری حواس یعنی آنکھ، ہاتھ، کان اور ناک نے فراہم کی ہیں۔ لیکن اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اسے کس نے بنایا؟ تو میرے یہ ظاہری حواس اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے، اس موقع پر میں عقل سے سوچتا ہوں تو عقل مجھے یہ بتاتی ہے کہ یہ پستول جس انداز سے بنا ہوا ہے، وہ خود بخود وجود میں نہیں



آسکتا، یقیناً کسی کاریگر نے اُسے بنایا ہے، وہ کاریگر نہ میری آنکھوں سے نظر آ رہا ہے، اور نہ میرے کان اس کی آواز سن رہے ہیں، مگر اپنی عقل کے ذریعے مجھے یہ علم حاصل ہو گیا کہ اسے کسی کاریگر انسان نے بنایا ہے۔

اب ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ہتھیار کا کونسا استعمال جائز اور کونسا ناجائز ہے؟ اس سوال کے جواب میں بھی میری عقل ایک حد تک میری مدد کر سکتی ہے، میں عقل سے سوچ سکتا ہوں کہ اس ہتھیار کے ذریعے کسی بے گناہ کو قتل کرنا بہت بُرا کام ہے، جس کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس کو بے گناہ کہا جائے اور کس کو مجرم؟ اور کونسا جرم ایسا ہے جس کی سزا میں اس پستول کو استعمال کر کے کسی کو قتل کیا جاسکتا ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن پر اگر میں صرف عقل کی بنیاد پر غور کروں تو عقل مجھے الجھن میں ڈال دیتی ہے۔ مثلاً اگر ایک قاتل میرے سامنے ہے، جس نے کسی بے گناہ کی جان لی، اس کے بارے میں، میں عقل سے سوچتا ہوں تو کبھی عقل یہ کہتی ہے کہ اس قاتل نے ایک جیتے جاگتے انسان کو موت کی نیند سلا دیا، اس کی بیوی کو بیوگی کا زخم لگایا، بچوں کو بلاوجہ یتیم بنا کر انہیں باپ کی شفقت سے محروم کیا، اس لئے یہ مجرم اس لائق ہے کہ اُسے بھی موت کے گھاٹ اُتار کر دوسروں کے لئے عبرت کا سامان بنادیا جائے۔ لیکن دوسری طرف وہی عقل ایک دوسری دلیل دیتی ہے، وہ کہتی ہے کہ جس مقتول کو مرنا تھا وہ تو مر گیا، قاتل کو قتل کرنے سے نہ وہ واپس آسکتا ہے، نہ اس کی بیوی بچوں کو اُن کا محبوب واپس مل سکتا ہے، اس کے بجائے اگر اس قاتل کو بھی قتل کیا جائے گا تو اُس کے وہ بیوی بچے مصائب کا شکار ہوں گے جن کا کوئی جرم نہیں ہے۔

یہ دونوں دلیلیں عقل ہی کے سہارے وجود میں آئی ہیں، اس لئے نری عقل کے بھروسے پر کوئی ایسا فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے جس پر سب کی عقل مطمئن ہو جائے۔

یہ وہ موقع ہے جہاں نہ میرے حواس کوئی فیصلہ کن جواب دینے کے قابل ہیں، نہ میری عقل۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی درکار ہوتی ہے جو وہ اپنے پیغمبروں پر وحی نازل کر کے انسانیت کو فراہم کرتا ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ وحی انسان کے لئے وہ اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق اُن سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو عقل اور حواس کے ذریعے حل نہیں ہو سکتے، لیکن ان کا علم حاصل کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں، بلکہ اس کی ہدایت کے لئے وحی الہی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور چونکہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اُس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی، اس لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہو ہی جائے، بلکہ جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں، بلکہ حواس کا کام ہے، اسی طرح بہت سے دینی عقائد کا علم عطا کرنا بھی عقل کے بجائے وحی کا منصب ہے، اور ان کے ادراک کے لئے نری عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں۔

جو شخص (معاذ اللہ) خدا کے وجود ہی کا قائل نہ ہو، اس سے تو وحی کے مسئلے پر بات کرنا بالکل بے سود ہے، لیکن



جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرتِ کاملہ پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لئے وحی کی عقلی ضرورت، اس کے امکان اور حقیقی وجود کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔ اگر آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ کائنات ایک قادرِ مطلق نے پیدا کی ہے، وہی اس کے مربوط اور مستحکم نظام کو اپنی حکمتِ بالغہ سے چلا رہا ہے، اور اسی نے انسان کو کسی خاص مقصد کے تحت یہاں بھیجا ہے، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اُسے بالکل اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو، اور اُسے یہ تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دنیا میں آیا ہے؟ یہاں اس کے ذمے کیا فرائض ہیں؟ اس کی منزل مقصود کیا ہے؟ اور وہ کس طرح اپنے مقصدِ زندگی کو حاصل کر سکتا ہے؟ کیا کوئی شخص جس کے ہوش و حواس سلامت ہوں ایسا کر سکتا ہے کہ اپنے کسی نوکر کو ایک خاص مقصد کے تحت کسی سفر پر بھیج دے، اور اُسے نہ چلتے وقت سفر کا مقصد بتائے، اور نہ بعد میں کسی پیغام کے ذریعے اُس پر یہ واضح کرے کہ اسے کس کام کے لئے بھیجا گیا ہے؟ اور سفر کے دوران اس کی ڈیوٹی کیا ہوگی؟ جب ایک معمولی عقل کا انسان بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا تو آخر اس خداوندِ قدوس کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جاسکتا ہے جس کی حکمتِ بالغہ سے کائنات کا یہ سارا نظام چل رہا ہے؟ یہ آخر کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند، سورج، آسمان، زمین، ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا ہو، وہ اپنے بندوں تک پیغامِ رسائی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کر سکے جس کے ذریعے انسانوں کو ان کے مقصدِ زندگی سے متعلق ہدایات دی جاسکیں؟ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ پر ایمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا، بلکہ ان کی رہنمائی کے لئے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے، بس رہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی و رسالت ہے۔

اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ ”وحی“ محض ایک دینی اعتقاد ہی نہیں، بلکہ ایک عقلی ضرورت ہے، جس کا انکار درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کا انکار ہے۔ یہ وحی اللہ تعالیٰ نے اُن ہزاروں پیغمبروں پر نازل فرمائی جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں لوگوں کی ہدایت کا سامان کیا۔ یہاں تک کہ حضورِ اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم قیامت تک آنے والے انسانوں کی رہنمائی کے لئے نازل فرمایا گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس مقدس سلسلے کی تکمیل ہو گئی۔

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کے طریقے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوتی تھی، صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے، اور وحی کی یہ صورت میرے لئے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ اس آواز نے کہا ہوتا ہے، مجھے یاد ہو چکا ہوتا



ہے، اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی صورت میں آ جاتا ہے۔ (صحیح بخاری ج: ۱ ص: ۲)

اس حدیث میں آپ نے ”وحی“ کی آواز کو گھنٹیوں کی آواز سے جو تشبیہ دی ہے، شیخ محی الدین ابن عربی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک تو وحی کی آواز گھنٹی کی طرح مسلسل ہوتی ہے اور بیچ میں ٹوٹتی نہیں، دوسرے گھنٹی جب مسلسل بجتی ہے تو عموماً سننے والے کو اس کی آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ اس کی آواز ہر جہت سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، اور کلام الہی کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی کوئی ایک سمت نہیں ہوتی، بلکہ ہر جہت سے آواز سنائی دیتی ہے، اس کیفیت کا صحیح ادراک تو بغیر مشاہدے کے ممکن نہیں، لیکن اس بات کو عام ذہنوں سے قریب کرنے کے لئے آپ نے اُسے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دی ہے۔ (فیض الباری ج: ۱ ص: ۱۹ و ۲۰)

جب اس طریقے سے آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا تھا، حضرت عائشہؓ اسی حدیث کے آخر میں فرماتی ہیں کہ میں نے سخت جاڑوں کے دن میں آپ پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھی ہے، ایسی سردی میں بھی جب وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو آپ کی مبارک پیشانی پسینے سے شرابور ہو چکی ہوتی تھی۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کا سانس رکنے لگتا، چہرہ انور متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا، سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے، اور آپ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ (الاتقان ج: ۱ ص: ۴۶)

وحی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدت پیدا ہو جاتی کہ آپ جس جانور پر اُس وقت سوار ہوتے، وہ آپ کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا۔ اور ایک مرتبہ آپ نے اپنا سر اقدس حضرت زید بن ثابتؓ کے زانو پر رکھا ہوا تھا، کہ اسی حالت میں وحی نازل ہونی شروع ہو گئی، اس سے حضرت زیدؓ کی ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ وہ ٹوٹنے لگی۔

(زاد المعاد ج: ۱ ص: ۱۸ و ۱۹)

بعض اوقات اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز دُوروں کو بھی محسوس ہوتی تھی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے چہرہ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی۔

(تبویب مسند احمد، کتاب السیرۃ النبویہ ج: ۲۰ ص: ۲۱۲)

وحی کی دُوسری صورت یہ تھی کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپ کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیتا تھا، ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبریل علیہ السلام مشہور صحابی حضرت وحیہ کلبیؓ کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے، البتہ بعض اوقات کسی دُوسری صورت میں بھی تشریف لائے ہیں۔ بہر کیف! جب حضرت جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں وحی لے کر آتے تو نزولِ وحی کی یہ صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سب سے آسان ہوتی تھی (الاتقان ج: ۱ ص: ۴۶)۔



وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام کسی انسان کی شکل اختیار کئے بغیر اپنی اصل صورت میں دکھائی دیتے تھے، لیکن ایسا آپ کی تمام عمر میں صرف تین مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ اس وقت جب آپ نے خود حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی، دوسری مرتبہ معراج میں اور تیسری بار نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے میں مکہ مکرمہ کے مقام اجداد پر، پہلے دو واقعات تو صحیح سند سے ثابت ہیں، البتہ یہ آخری واقعہ سنداً کمزور ہونے کی وجہ سے مشکوک ہے۔ (فتح الباری ج: ۱ ص: ۱۸ و ۱۹)

چوتھی صورت براہ راست اور بلا واسطہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہم کلامی کی ہے، یہ شرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کی حالت میں صرف ایک بار، یعنی معراج کے وقت حاصل ہوا ہے، البتہ ایک مرتبہ خواب میں بھی آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں۔ (اتقان ج: ۱ ص: ۴۶)

وحی کی پانچویں صورت یہ تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام کسی بھی صورت میں سامنے آئے بغیر آپ کے قلب مبارک میں کوئی بات القاء فرمادیتے تھے، اسے اصطلاح میں "نفث فی الرءء" کہتے ہیں۔ (ایضاً)

## تاریخ نزول قرآن

اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآن کریم کا تدریجی نزول جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر ہوا، اس کا آغاز اس وقت ہوا جب آپ کی عمر چالیس سال تھی، اس نزول کی ابتدا بھی صحیح قول کے مطابق لیلۃ القدر میں ہوئی ہے، لیکن یہ رات رمضان کی کونسی تاریخ تھی؟ اس بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی، بعض روایات سے رمضان کی سترھویں، بعض سے اُنیسویں اور بعض سے ستائیسویں شب معلوم ہوتی ہے (تفسیر ابن جریر ج: ۱۰ ص: ۷۷)۔

## سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت

صحیح قول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی سب سے پہلی جو آیتیں اُتریں وہ سورہ علق کی ابتدائی آیات ہیں، صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ اس کا واقعہ یہ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی ابتدا تو سچے خوابوں سے ہوئی تھی، اس کے بعد آپ کو تنہائی میں عبادت کرنے کا شوق پیدا ہوا، اور اس دوران آپ غار حراء میں کئی کئی راتیں گزارتے، اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ ایک دن اسی غار میں آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتہ آیا اور اس نے سب سے پہلی بات یہ کہی کہ "اقْرَأْ" (یعنی پڑھو) حضور نے فرمایا کہ: "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" اس کے بعد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ بیان کیا کہ میرے اس جواب پر فرشتے نے مجھے پکڑا اور مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھ پر مشقت کی انتہا ہو گئی، پھر اُس نے مجھے چھوڑ دیا، اور دوبارہ کہا کہ "اقْرَأْ"، میں نے



جواب دیا کہ: ”میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں“ فرشتے نے مجھے پھر پکڑا اور دوبارہ اس زور سے بھینچا کہ مجھ پر مشقت کی انتہا ہو گئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ کر کہا کہ ”اِقْرَأْ“، میں نے جواب دیا کہ: ”میں پڑھا ہوا نہیں ہوں“ اس پر اُس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑا اور بھیج کر چھوڑ دیا، پھر کہا:۔

”اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝“ الخ

(العلق: ۱-۵)

”پڑھو اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا، پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کریم ہے“ الخ۔

یہ آپ پر نازل ہونے والی پہلی آیات تھیں، اس کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ بند رہا، اسی زمانے کو ”فترت وحی“ کا زمانہ کہتے ہیں، پھر تین سال کے بعد وہی فرشتہ جو غار حراء میں آیا تھا، آپ کو آسمان و زمین کے درمیان دکھائی دیا، اور اس نے سورہ مدثر کی ابتدائی آیات آپ کو سنائیں، اس کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

## مکی اور مدنی آیات

آپ نے قرآن کریم کی سورتوں کے عنوان میں دیکھا ہوگا کہ کسی سورۃ کے ساتھ ”مکی“ اور کسی کے ساتھ ”مدنی“ لکھا ہوتا ہے، اس کا صحیح مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے۔ مفسرین کی اصطلاح میں ”مکی آیت“ کا مطلب وہ آیت ہے جو آپ کے بغرض ہجرت مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے نازل ہوئی، اور ”مدنی آیت“ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ آپ کے مدینہ پہنچنے کے بعد نازل ہوئی۔ بعض لوگ ”مکی“ کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شہر مکہ میں نازل ہوئی، اور ”مدنی“ کا یہ کہ وہ شہر مدینہ میں اُتری، لیکن یہ مطلب درست نہیں، اس لئے کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو شہر مکہ میں نازل نہیں ہوئیں، لیکن چونکہ ہجرت سے پہلے نازل ہو چکی تھیں، اس لئے انہیں ”مکی“ کہا جاتا ہے، چنانچہ جو آیات منی، عرفات یا سفر معراج کے دوران نازل ہوئیں وہ بھی ”مکی“ کہلاتی ہیں، یہاں تک کہ جو آیتیں سفر ہجرت کے دوران مدینہ کے راستے میں نازل ہوئیں، ان کو بھی ”مکی“ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بہت سی آیات ایسی ہیں جو شہر مدینہ میں نازل نہیں ہوئیں، مگر وہ ”مدنی“ ہیں، چنانچہ ہجرت کے بعد آپ کو بہت سے سفر پیش آئے جن میں آپ مدینہ طیبہ سے سینکڑوں میل دور بھی تشریف لے گئے، ان تمام مقامات پر نازل ہونے والی آیتیں ”مدنی“ ہی کہلاتی ہیں، یہاں تک کہ ان آیتوں کو بھی ”مدنی“ کہا جاتا ہے جو فتح مکہ یا غزوہ حدیبیہ کے موقع پر خاص شہر مکہ یا اس کے مضافات میں نازل ہوئیں، چنانچہ آیت قرآنی: ”إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا“ (۵۸:۴) ”مدنی“ ہے، حالانکہ وہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

(البرہان ج: ۱ ص: ۱۸۸، ومنابل العرفان ج: ۱ ص: ۱۸۸)



پھر بعض سورتیں تو ایسی ہیں کہ وہ پوری کی پوری مکی یا پوری کی پوری مدنی ہیں، مثلاً سورہ مدثر پوری مکی ہے، اور سورہ آل عمران پوری مدنی، لیکن بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ پوری سورت مکی ہے، لیکن اس میں ایک یا چند آیات مدنی بھی آگئی ہیں، اور بعض مرتبہ اس کے برعکس بھی ہوا ہے، مثلاً سورہ اعراف مکی ہے، لیکن اس میں: ”وَسُئِلُهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ“ سے لے کر ”وَإِذَا أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ“ الٰغتر تک کی آیات مدنی ہیں (۷: ۱۶۳)۔ اسی طرح سورہ حج مدنی ہے، لیکن اس میں چار آیتیں یعنی: ”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى“ سے لے کر ”عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ“ تک مکی ہیں (۲۲: ۵۲-۵۵)۔

اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ کسی سورت کا مکی یا مدنی ہونا عموماً اس کی اکثر آیتوں کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جس سورت کی ابتدائی آیات ہجرت سے پہلے نازل ہو گئیں اُسے مکی قرار دے دیا گیا، اگرچہ بعد میں اس کی بعض آیتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہوں۔ (مناہل العرفان ج: ۱ ص: ۱۹۲)

## قرآن کریم کا تدریجی نزول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم دفعہ اور ایک ہی دفعہ نازل نہیں ہوا، بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے تقریباً تیس سال میں اتارا گیا ہے، بعض اوقات جبریل علیہ السلام ایک چھوٹی سی آیت بلکہ آیت کا کوئی ایک جز لے کر بھی تشریف لے آتے، اور بعض مرتبہ کئی کئی آیتیں بیک وقت نازل ہو جاتیں، قرآن کریم کا سب سے چھوٹا حصہ جو مستقلاً نازل ہوا وہ ”غَيْثُ أُولَى الصَّامِرِ“ (النساء: ۹۵) ہے جو ایک طویل آیت کا ٹکڑا ہے، دوسری طرف پوری سورہ انعام ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی ہے۔ (ابن کثیر ج: ۲ ص: ۱۲۲)

سارے قرآن کریم کو ایک دفعہ نازل کرنے کے بجائے تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل کیا گیا؟ یہ سوال خود مشرکین عرب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، باری تعالیٰ نے اس سوال کا جواب خود ان الفاظ میں دیا ہے:-

”وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۖ كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ

تَرْتِيلاً ۚ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۝“ (الفرقان)

”اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ: ”ان پر سارا قرآن ایک ہی دفعہ میں کیوں نازل نہیں کر دیا گیا؟“

(اے پیغمبر!) ہم نے ایسا اس لئے کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہارا دل مضبوط رکھیں، اور ہم نے

اُسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھوایا ہے۔ اور جب کبھی یہ لوگ تمہارے پاس کوئی انوکھی بات لے کر آتے ہیں،

ہم تمہیں (اُس کا) ٹھیک ٹھیک جواب اور زیادہ وضاحت کے ساتھ عطا کر دیتے ہیں۔“

امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں قرآن کریم کے تدریجی نزول کی جو حکمتیں بیان فرمائی ہیں، یہاں ان کا



خلاصہ سمجھ لینا کافی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:-

۱- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے، لکھتے پڑھتے نہیں تھے، اس لئے اگر سارا قرآن ایک مرتبہ نازل ہو گیا ہوتا تو اس کا یاد رکھنا اور ضبط کرنا دشوار ہوتا، اس کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اس لئے ان پر تورات ایک ہی مرتبہ نازل کر دی گئی۔

۲- اگر پورا قرآن ایک دفعہ نازل ہو جاتا تو تمام احکام کی پابندی فوراً لازم ہو جاتی، اور یہ اس حکیمانہ تدبیر کے خلاف ہوتا جو شریعت محمدی میں ملحوظ رہی ہے۔

۳- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے ہر روز نئی اذیتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں، جبریل علیہ السلام کا بار بار قرآن کریم لے کر آنا ان اذیتوں کے مقابلے کو آسان بنا دیتا تھا، اور آپ کی تقویت قلب کا سبب بنتا تھا۔

۴- قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ لوگوں کے سوالات کے جواب اور مختلف واقعات سے متعلق ہے، اس لئے ان آیتوں کا نزول اسی وقت مناسب تھا جس وقت وہ سوالات کئے گئے، یا وہ واقعات پیش آئے، اس سے مسلمانوں کی بصیرت بھی بڑھتی تھی، اور قرآن کریم کی غیبی خبریں بیان کرنے سے اس کی حقانیت اور زیادہ آشکار ہو جاتی تھی۔ (تفسیر کبیر ج: ۶ ص: ۳۳۶)

## شان نزول

قرآن کریم کی آیتیں دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے از خود نازل فرمائیں، کوئی خاص واقعہ یا کسی کا کوئی سوال وغیرہ ان کے نزول کا سبب نہیں بنا۔ دوسری آیات ایسی ہیں کہ جن کا نزول کسی خاص واقعے کی وجہ سے یا کسی سوال کے جواب میں ہوا، جسے ان آیتوں کا پس منظر کہنا چاہئے، یہ پس منظر مفسرین کی اصطلاح میں ”سبب نزول“ یا ”شان نزول“ کہلاتا ہے، مثلاً سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۱ ہے:-

”وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَةَ حَتَّىٰ يُؤْمِنَ ۚ وَلَا مَؤْمِنَةٌ حَتَّىٰ يُؤْمِنَ ۚ وَلَوْ أَعَجَبْتُمْ ۚ“

”اور مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ یقیناً ایک مؤمن

باندی کسی بھی مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ مشرک عورت تمہیں پسند آرہی ہو۔“

یہ آیت ایک خاص واقعے میں نازل ہوئی تھی، زمانہ جاہلیت میں حضرت مرشد بن ابی مرشد غنویؒ کے عناق نامی ایک عورت سے تعلقات تھے، اسلام لانے کے بعد یہ مدینہ طیبہ چلے آئے، اور وہ عورت مکہ مکرمہ میں رہ گئی، ایک مرتبہ حضرت مرشدؒ کسی کام سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو عناق نے انہیں گناہ کی دعوت دی، حضرت مرشدؒ نے صاف



انکار کر کے فرمایا کہ اسلام میرے اور تمہارے درمیان حائل ہو چکا ہے، لیکن اگر تم چاہو تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت کے بعد تم سے نکاح کر سکتا ہوں، مدینہ طیبہ تشریف لا کر حضرت مرثدؓ نے آپ سے نکاح کی اجازت چاہی اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور اس نے مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کر دی۔ (اسباب النزول للواحدی ص: ۳۸)

یہ واقعہ مذکورہ بالا آیت کا ”شان نزول“ یا ”سبب نزول“ ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر میں ”شان نزول“ نہایت اہمیت کا حامل ہے، بہت سی آیتوں کا مفہوم اس وقت تک صحیح طور سے سمجھ میں نہیں آ سکتا جب تک اُن کا شان نزول معلوم نہ ہو۔

## تاریخ حفاظت قرآن

### عہد رسالت میں حفاظت قرآن

قرآن کریم چونکہ ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل نہیں ہوا، بلکہ اس کی مختلف آیات ضرورت اور حالات کی مناسبت سے نازل کی جاتی رہی ہیں، اس لئے عہد رسالت میں یہ ممکن نہیں تھا کہ شروع ہی سے اُسے کتابی شکل میں لکھ کر محفوظ کر لیا جائے، چنانچہ ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ زور حافظے پر دیا گیا، شروع شروع میں جب وحی نازل ہوتی تو آپ اُس کے الفاظ کو اُسی وقت دُہرانے لگتے تھے، تاکہ وہ اچھی طرح یاد ہو جائیں، اس پر سورہ قیامہ کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت فرمائی کہ قرآن کریم کو یاد رکھنے کے لئے آپ کو عین نزول وحی کے وقت جلدی جلدی الفاظ دُہرانے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ خود آپ میں ایسا حافظہ پیدا فرمادے گا کہ ایک مرتبہ نزول وحی کے بعد آپ اُسے بھول نہیں سکیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ ادھر آپ پر آیات قرآنی نازل ہوتیں اور ادھر وہ آپ کو یاد ہو جاتیں، اس طرح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک قرآن کریم کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ تھا، جس میں کسی ادنیٰ غلطی یا ترمیم و تغیر کا امکان نہیں تھا، پھر آپ مزید احتیاط کے طور پر ہر سال رمضان کے مہینے میں حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن سنایا کرتے تھے، اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ نے دو مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ دُور کیا۔ (صحیح بخاری مع فتح الباری ج: ۹ ص: ۳۶)

پھر آپ صحابہ کرامؓ کو قرآن کریم کے معانی کی تعلیم ہی نہیں دیتے تھے، بلکہ انہیں اس کے الفاظ بھی یاد کراتے تھے، اور خود صحابہ کرامؓ کو قرآن کریم سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کا اتنا شوق تھا کہ ہر شخص اس معاملے میں دُوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا تھا، بعض عورتوں نے اپنے شوہروں سے سوائے اس کے کوئی مہر طلب نہیں کیا کہ وہ انہیں قرآن



کریم کی تعلیم دیں گے۔ سینکڑوں صحابہؓ نے اپنے آپ کو ہر غم ماسوا سے آزاد کر کے اپنی زندگی اسی کام کے لئے وقف کر دی تھی، وہ قرآن کریم کو نہ صرف یاد کرتے، بلکہ راتوں کو نماز میں اسے دُہراتے رہتے تھے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آتا تو آپ اُسے ہم انصاریوں میں سے کسی کے حوالے فرما دیتے، تاکہ وہ اسے قرآن سکھائے۔ اور مسجد نبوی میں قرآن سیکھنے سکھانے والوں کی آوازوں کا اتنا شور ہونے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تاکید فرمانا پڑی کہ اپنی آوازیں پست کرو، تاکہ کوئی مغالطہ پیش نہ آئے۔ (منابل العرفان ج: ۱ ص: ۲۳۴)

چنانچہ تھوڑی ہی مدت میں صحابہ کرامؓ کی ایک ایسی بڑی جماعت تیار ہو گئی جسے قرآن کریم از بر حفظ تھا، اس جماعت میں خلفائے راشدینؓ کے علاوہ حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن السائبؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت اُم سلمہؓ وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔<sup>(۱)</sup>

غرض ابتدائے اسلام میں زیادہ زور حفظ قرآن پر دیا گیا، اور اس وقت کے حالات میں یہی طریقہ زیادہ محفوظ اور قابل اعتماد تھا، اس لئے کہ اس زمانے میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی، کتابوں کو شائع کرنے کے لئے پریس وغیرہ کے ذرائع موجود نہ تھے، اس لئے اگر صرف لکھنے پر اعتماد کیا جاتا تو نہ قرآن کریم کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہو سکتی، اور نہ اُس کی قابل اعتماد حفاظت، اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو حافظے کی ایسی قوت عطا فرمادی تھی کہ ایک ایک شخص ہزاروں اشعار کا حافظ ہوتا تھا، اور معمولی معمولی دیہاتیوں کو اپنے اور اپنے خاندان ہی کے نہیں، اُن کے گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد ہوتے تھے، اس لئے قرآن کریم کی حفاظت میں اسی قوت حافظہ سے کام لیا گیا، اور اسی کے ذریعے قرآن کریم کی آیات اور سورتیں عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ گئیں۔

## کتابتِ وحی

قرآن کریم کو حفظ کرانے کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو لکھوانے کا بھی خاص اہتمام فرمایا، حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے لئے وحی کی کتابت کرتا تھا، جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو سخت گرمی لگتی، اور آپ کے جسم اطہر پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے، پھر جب آپ سے یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی یا (کسی اور چیز کا) ٹکڑا لے کر خدمت میں حاضر ہوتا، آپ لکھواتے رہتے، اور

(۱) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”علوم القرآن“ احقر کی مفصل کتاب۔



میں لکھتا جاتا، یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو قرآن کو نقل کرنے کے بوجھ سے مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے، اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا، بہر حال! جب میں فارغ ہوتا تو آپ فرماتے: ”پڑھو!“ میں پڑھ کر سناتا، اگر اس میں کوئی فروگزاشت ہوتی تو آپ اس کی اصلاح فرما دیتے اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے۔ (مجمع الزوائد ج: ۱ ص: ۱۵۶ بحوالہ طبرانی)

حضرت زید بن ثابتؓ کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہؓ کتابتِ وحی کے فرائض انجام دیتے تھے، جن میں خلفائے راشدینؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت خالد بن الولیدؓ، حضرت ثابت بن قیسؓ، حضرت ابان بن سعیدؓ وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الباری ج: ۹ ص: ۱۸، اور زاد المعاد ج: ۱ ص: ۳۰)۔

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب قرآن کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ کا تب وحی کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے تھے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں فلاں آیات کے بعد لکھا جائے۔ (فتح الباری ج: ۹ ص: ۱۸) اُس زمانے میں چونکہ عرب میں کاغذ کمیاب تھا، اس لئے یہ قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی سلوں، چمڑوں کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں، البتہ کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ (ایضاً ج: ۹ ص: ۱۱)

اس طرح عہد رسالت میں قرآن کریم کا ایک نسخہ تو وہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا، اگرچہ وہ مرتب کتاب کی شکل میں نہیں تھا، بلکہ متفرق پارچوں کی شکل میں تھا، اس کے ساتھ ہی بعض صحابہ کرامؓ بھی اپنی یادداشت کے لئے آیات قرآنی اپنے پاس لکھ لیتے تھے، اور یہ سلسلہ اسلام کے ابتدائی عہد سے جاری تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے ہی اُن کی بہن اور بہنوئی کے ایک صحیفے میں آیات قرآنی لکھی ہوئی تھیں۔ (سیرت ابن ہشام)

## حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جمع قرآن

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کریم کے جتنے نسخے لکھے گئے تھے، اُن کی کیفیت یہ تھی کہ یا تو وہ متفرق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے، کوئی آیت چمڑے پر، کوئی درخت کے پتے پر، کوئی ہڈی پر، یا وہ مکمل نسخے نہیں تھے، کسی صحابی کے پاس ایک سورت لکھی ہوئی تھی، کسی کے پاس دس پانچ سورتیں اور کسی کے پاس صرف چند آیات، اور بعض صحابہؓ کے پاس آیات کے ساتھ تفسیری جملے بھی لکھے ہوئے تھے۔

اس بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہ ضروری سمجھا کہ قرآن کریم کے ان منتشر حصوں



کو یک جا کر کے محفوظ کر دیا جائے، انہوں نے یہ کارنامہ جن محرکات کے تحت اور جس طرح انجام دیا، اس کی تفصیل حضرت زید بن ثابتؓ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جنگ یمامہ کے فوراً بعد حضرت ابو بکرؓ نے ایک روز مجھے پیغام بھیج کر بلوایا، میں ان کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، حضرت ابو بکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ: ”عمر نے ابھی آ کر مجھ سے یہ بات کہی ہے کہ جنگ یمامہ میں قرآن کریم کے حفاظ کی ایک بڑی جماعت شہید ہو گئی، اور اگر مختلف مقامات پر قرآن کریم کے حافظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ ناپید نہ ہو جائے، لہذا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے حکم سے قرآن کریم کو جمع کروانے کا کام شروع کر دیں“ میں نے عمر سے کہا کہ جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، وہ ہم کیسے کریں؟

عمر نے جواب دیا کہ: ”خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہی بہتر ہے“ اس کے بعد عمر مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ مجھے بھی اس پر شرح صدر ہو گیا، اور اب میری رائے بھی وہی ہے جو عمر کی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ: ”تم نو جوان اور سمجھ دار آدمی ہو، ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کتابت وحی کا کام بھی کرتے رہے ہو، لہذا تم قرآن کریم کی آیتوں کو تلاش کر کے انہیں جمع کرو۔“

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ: ”خدا کی قسم! اگر یہ حضرات مجھے کوئی پہاڑ ڈھونے کا حکم دیتے تو مجھ پر اس کا اتنا بوجھ نہ ہوتا جتنا جمع قرآن کے کام کا ہوا، میں نے اُن سے کہا کہ: آپ وہ کام کیسے کر رہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ: ”خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہی بہتر ہے۔“ اس کے بعد حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اسی رائے کے لئے کھول دیا جو حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی رائے تھی، چنانچہ میں نے قرآنی آیات کو تلاش کرنا شروع کیا، اور کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کریم کو جمع کیا۔“ (صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن)

## جمع قرآن کے سلسلے میں حضرت زید بن ثابتؓ کا طریق کار

اس موقع پر جمع قرآن کے سلسلے میں حضرت زید بن ثابتؓ کے طریق کار کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، جیسا کہ پیچھے ذکر آچکا ہے، وہ خود حافظ قرآن تھے، لہذا وہ اپنی یادداشت سے پورا قرآن لکھ سکتے تھے، اُن کے علاوہ بھی سینکڑوں حفاظ اُس وقت موجود تھے، اُن کی ایک جماعت بنا کر بھی قرآن کریم لکھا جاسکتا تھا۔

نیز قرآن کریم کے جو نسخے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لکھے گئے تھے، حضرت زیدؓ ان سے بھی قرآن کریم نقل فرما سکتے تھے، لیکن انہوں نے احتیاط کے پیش نظر صرف کسی ایک طریقے پر بس نہیں کیا، بلکہ ان تمام ذرائع سے بیک وقت کام لے کر اس وقت تک کوئی آیت اپنے صحیفوں میں درج نہیں کی جب تک اس کے متواتر ہونے



کی تحریری اور زبانی شہادتیں نہیں مل گئیں۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی جو آیات اپنی نگرانی میں لکھوائی تھیں، وہ مختلف صحابہؓ کے پاس محفوظ تھیں، حضرت زیدؓ نے انہیں یکجا فرمایا تا کہ نیا نسخہ ان سے ہی نقل کیا جائے، چنانچہ یہ اعلان عام کر دیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآن کریم کی جتنی آیات لکھی ہوئی موجود ہوں وہ حضرت زیدؓ کے پاس لے آئے، اور جب کوئی شخص اُن کے پاس قرآن کریم کی کوئی لکھی ہوئی آیت لے کر آتا تو وہ مندرجہ ذیل چار طریقوں سے اس کی تصدیق کرتے تھے:-

۱- سب سے پہلے اپنی یادداشت سے اس کی توثیق کرتے۔

۲- پھر حضرت عمرؓ بھی حافظ قرآن تھے، اور روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اُن کو بھی اس کام میں حضرت زیدؓ کے ساتھ لگا دیا تھا، اور جب کوئی شخص کوئی آیت لے کر آتا تھا تو حضرت زیدؓ اور حضرت عمرؓ دونوں مشترک طور پر اسے وصول کرتے تھے۔ (فتح الباری ج: ۹ ص: ۱۱ بحوالہ ابن ابی داود)

۳- کوئی لکھی ہوئی آیت اُس وقت تک قبول نہیں کی جاتی تھی جب تک دو قابل اعتبار گواہوں نے اس بات کی گواہی نہ دے دی ہو کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھی۔ (اتقان ج: ۱ ص: ۶۰)

۴- اس کے بعد ان لکھی ہوئی آیتوں کا اُن مجموعوں کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا تھا جو مختلف صحابہؓ نے تیار کر رکھے تھے۔ (البرہان فی علوم القرآن للزرکشی ج: ۱ ص: ۲۳۸)

## حضرت عثمانؓ کے عہد میں جمع قرآن

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اسلام عرب سے نکل کر روم اور ایران کے دُور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا، ہر نئے علاقے کے لوگ جب مسلمان ہوتے تو وہ ان مجاہدین اسلام یا اُن تاجروں سے قرآن کریم سیکھتے جن کی بدولت انہیں اسلام کی نعمت حاصل ہوئی تھی، اور مختلف صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف قراءتوں کے مطابق سیکھا تھا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سب قراءتوں کے مطابق اسے پڑھنے کی اجازت تھی، اس لئے ہر صحابی نے اپنے شاگردوں کو اسی قراءت کے مطابق قرآن پڑھایا جس کے مطابق خود انہوں نے حضور سے پڑھا تھا، اس طرح قراءتوں کا یہ اختلاف دُور دراز ممالک تک پہنچ گیا، جب تک لوگ اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآن کریم کی مختلف قراءتیں ہیں اور سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُتاری ہوئی ہیں، اُس وقت تک اس اختلاف سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی، لیکن جب یہ اختلاف دُور دراز ممالک میں پہنچا اور یہ بات اُن میں پوری طرح مشہور نہ ہو سکی کہ قرآن کریم کی مختلف قراءتیں ہیں، تو اس وقت لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے، بعض لوگ اپنی قراءت کو صحیح اور دُوسرے کی



قراءت کو غلط قرار دینے لگے، ان جھگڑوں سے ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآن کریم کی متواتر قراءتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی میں مبتلا ہوں گے، دوسرے سوائے حضرت زیدؓ کے لکھے ہوئے ایک نسخے کے جو مدینہ طیبہ میں موجود تھا، پورے عالم اسلام میں کوئی ایسا معیاری نسخہ موجود نہ تھا جو پوری امت کے لئے حجت بن سکے، کیونکہ دوسرے نسخے انفرادی طور پر لکھے ہوئے تھے، اور ان میں تمام قراءتوں کو جمع کرنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا، اس لئے ان جھگڑوں کے تصفیے کی قابل اعتماد صورت یہی تھی کہ ایسے نسخے پورے عالم اسلام میں پھیلا دیئے جائیں جن میں تمام معتبر قراءتیں جمع ہوں اور انہیں دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ کوئی قراءت صحیح اور کوئی غلط ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہی عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔

اس غرض کے لئے حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس (حضرت ابوبکرؓ کے تیار کرائے ہوئے) جو صحیفے موجود ہیں، وہ ہمارے پاس بھیج دیجئے، ہم اُن کو مصاحف میں نقل کر کے آپ کو واپس کر دیں گے۔ حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار صحابہؓ کی ایک جماعت بنائی جو حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمن بن حارث بن ہشامؓ پر مشتمل تھی، اس جماعت کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے صحیفوں سے نقل کر کے کئی ایسے مصاحف تیار کرے جن میں سورتیں بھی مرتب ہوں۔ ان چار صحابہؓ میں سے حضرت زیدؓ انصاری تھے اور باقی تینوں حضرات قریشی، اس لئے حضرت عثمانؓ نے ان سے فرمایا کہ: ”جب تمہارا اور زیدؓ کا قرآن کے کسی حصے میں اختلاف ہو (یعنی اس میں اختلاف ہو کہ کونسا لفظ کس طرح لکھا جائے؟) تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا، اس لئے کہ قرآن کریم انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔“

بنیادی طور پر تو یہ کام مذکورہ چار حضرات ہی کے سپرد کیا گیا تھا، لیکن پھر دوسرے صحابہؓ کو بھی ان کی مدد کے لئے ساتھ لگادیا گیا،<sup>(۱)</sup> ان حضرات نے کتابت قرآن کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کام انجام دیئے:-

۱۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جو نسخہ تیار ہوا تھا، اس میں سورتیں مرتب نہیں تھیں، بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی، ان حضرات نے تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا۔

(مستدرک ج: ۲ ص: ۲۲۹)

۲۔ قرآن کریم کی آیات اس طرح لکھیں کہ ان کے رسم الخط میں تمام متواتر قراءتیں سما جائیں، اسی لئے اُن

(۱) یہ پوری تفصیل اور اس سلسلے کی تمام روایات ”فتح الباری“ ج: ۹ ص: ۱۵۳ تا ۱۵۴ سے مأخوذ ہیں۔



پر نہ نقطے لگائے گئے اور نہ حرکات (زیر، زبر، پیش) تاکہ اسے تمام متواتر قراءتوں کے مطابق پڑھا جاسکے، مثلاً ”نَسْرَهَا“ لکھا تاکہ اسے ”نَنْسُرُهَا“ اور ”نُنْشِرُهَا“ دونوں طرح پڑھا جاسکے، کیونکہ یہ دونوں قراءتیں دُرست ہیں۔ (منابِل العرفان ج: ۱ ص: ۲۵۳ و ۲۵۴)

۳- اب تک قرآنِ کریم کا مکمل معیاری نسخہ جو پوری اُمت کی اجتماعی تصدیق سے تیار کیا گیا ہو، صرف ایک تھا، ان حضرات نے اس نئے مرتب مصحف کی ایک سے زائد نقلیں تیار کیں، عام طور سے مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے پانچ مصاحف تیار کرائے تھے، لیکن ابو حاتم بھستانیؒ کا ارشاد ہے کہ کل سات نسخے تیار کئے گئے تھے، جن میں سے ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا، اور ایک مدینہ طیبہ میں محفوظ رکھا گیا۔ (فتح الباری ج: ۹ ص: ۱۷)

## احزاب یا منزلیں

صحابہؓ اور تابعینؒ کا معمول تھا کہ وہ ہر ہفتے ایک قرآن ختم کر لیتے تھے، اس مقصد کے لئے انہوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر کی ہوئی تھی جسے ”حزب“ یا ”منزل“ کہا جاتا ہے، اس طرح پورے قرآن کو کل سات احزاب پر تقسیم کیا گیا تھا۔ (البرہان ج: ۱ ص: ۲۵۰)

## اجزاء یا پارے

آج کل قرآنِ کریم میں<sup>۱</sup> اجزاء پر منقسم ہے، جنہیں تمیں<sup>۲</sup> پارے کہا جاتا ہے، یہ پاروں کی تقسیم معنی کے اعتبار سے نہیں، بلکہ بچوں کو پڑھانے کے لئے آسانی کے خیال سے قرآنِ کریم تمیں<sup>۲</sup> مساوی حصوں پر منقسم کر دیا گیا ہے، چنانچہ بعض اوقات بالکل ادھوری بات پر پارہ ختم ہو جاتا ہے۔ یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ تمیں<sup>۲</sup> پاروں کی تقسیم کس نے کی ہے؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مصاحف نقل کراتے وقت انہیں تمیں مختلف صحیفوں میں لکھوایا تھا، لہذا یہ تقسیم آپ ہی کے زمانے کی ہے۔ لیکن متقدمین کی کتابوں میں اس کی کوئی دلیل احقر کو نہیں مل سکی، البتہ علامہ بدرالدین زرکشیؒ نے لکھا ہے کہ قرآن کے تمیں<sup>۲</sup> پارے مشہور چلے آتے ہیں اور مدارس کے قرآنی نسخوں میں اُن کا رواج ہے (البرہان ج: ۱ ص: ۲۵۰ و منابِل العرفان ج: ۱ ص: ۴۰۲) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم عہدِ صحابہؓ کے بعد تعلیم کی سہولت کے لئے کی گئی ہے، واللہ اعلم۔

## رُکوع

برصغیر کے نسخوں میں ایک علامت جو آج تک رائج چلی آتی ہے، رُکوع کی علامت ہے، اور اس کی تعیین



قرآن کریم کے مضامین کے لحاظ سے کی گئی ہے، یعنی جہاں ایک سلسلہ کلام ختم ہوا، وہاں رُکوع کی علامت (حاشیہ پر حرف ”ع“) بنادی گئی۔ احقر کو جستجو کے باوجود مستند طور پر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ رُکوع کی ابتدا کس نے اور کس دور میں کی؟ البتہ یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ اس علامت کا مقصد آیات کی ایسی متوسط مقدار کی تعیین ہے جو ایک رکعت میں پڑھی جاسکے، اور اس کو ”رُکوع“ اسی لئے کہتے ہیں کہ نماز میں اس جگہ پہنچ کر رُکوع کیا جائے۔

## رُموزِ اوقاف

تلاوت اور تجوید کی سہولت کے لئے ایک اور مفید کام یہ کیا گیا کہ مختلف قرآنی جملوں پر ایسے اشارے لکھ دیئے گئے جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ اس جگہ وقف کرنا (سانس لینا) کیسا ہے؟ ان اشارات کو ”رُموزِ اوقاف“ کہتے ہیں، اور ان کا مقصد یہ ہے کہ ایک غیر عربی داں انسان بھی جب تلاوت کرے تو صحیح مقام پر وقف کر سکے، اور غلط جگہ سانس توڑنے سے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو۔ ان میں سے اکثر رُموز سب سے پہلے علامہ ابو عبد اللہ محمد بن طیفور سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ نے وضع فرمائے (النشر فی القراءات العشر ج: ۱ ص: ۲۲۵) ان رُموز کی تفصیل یہ ہے:-

ط یہ ”وقف مطلق“ کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں بات پوری ہو گئی ہے، اس لئے یہاں وقف کرنا بہتر ہے۔

ج یہ ”وقف جائز“ کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں وقف کرنا جائز ہے۔

ز یہ ”وقف مجوز“ کا مخفف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وقف کرنا درست تو ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ وقف نہ کیا جائے۔

ص یہ ”وقف مرخص“ کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ بات تو پوری نہیں ہوئی، لیکن جملہ چونکہ طویل ہو گیا ہے، اس لئے سانس لینے کے لئے دوسرے مقامات کے بجائے یہاں وقف کرنا چاہئے۔

(المنہج الفکرية ص: ۶۳)

م یہ ”وقف لازم“ کا مخفف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف نہ کیا جائے تو آیت کے معنی میں فحش غلطی کا امکان ہے، لہذا یہاں وقف کرنا زیادہ بہتر ہے، بعض حضرات اسے وقف واجب بھی کہتے ہیں، لیکن اس سے مراد فقہی واجب نہیں جس کے ترک سے گناہ ہو، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ تمام اوقاف میں اس جگہ وقف کرنا سب سے زیادہ بہتر ہے۔

لا یہ ”لا تقف“ کا مخفف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ”یہاں نہ ٹھہرو“، لیکن اس کا منشاء یہ نہیں ہے کہ



یہاں وقف کرنا ناجائز ہے، بلکہ اس میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں وقف کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اس کے بعد والے لفظ سے ابتدا کرنا بھی جائز ہے، لہذا اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف کیا جائے تو بہتر یہ ہے کہ اسے دوبارہ لوٹا کر پڑھا جائے، اگلے لفظ سے ابتدا کرنا مستحسن نہیں۔ (النشر ج: ۱ ص: ۲۳۳)

ان رُمول کے بارے میں تو یقینی طور پر ثابت ہے کہ یہ علامہ سجاوندی کے وضع کئے ہوئے ہیں، ان کے علاوہ بھی بعض رُمول قرآن کریم کے نسخوں میں موجود ہیں، مثلاً:-

**مع** یہ ”معانقہ“ کا مخفف ہے، یہ علامت اس جگہ لکھی جاتی ہے جہاں ایک ہی آیت کی دو تفسیریں ممکن ہیں، ایک تفسیر کے مطابق وقف ایک جگہ ہوگا، اور دوسری تفسیر کے مطابق دوسری جگہ، لہذا ان میں سے کسی ایک جگہ وقف کیا جاسکتا ہے، لیکن ایک جگہ وقف کرنے کے بعد دوسری جگہ وقف کرنا درست نہیں۔ مثلاً: ”ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ ۖ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۖ كَزُرٍ أَخَذَرَبَ شَظْءَهُ“ اس میں اگر ”التَّوْرَةِ“ پر وقف کر لیا تو ”الْإِنْجِيلِ“ پر وقف درست نہیں، اور اگر ”الْإِنْجِيلِ“ پر وقف کرنا ہے تو ”التَّوْرَةِ“ پر وقف درست نہیں، ہاں دونوں جگہ وقف نہ کریں تو درست ہے، اس کا ایک نام ”مقابلہ“ بھی ہے، اور اس کی سب سے پہلے نشان دہی امام ابو الفضل رازی نے فرمائی ہے۔

(النشر ج: ۱ ص: ۲۳۷، والاتقان ج: ۱ ص: ۸۸)

**سکتہ** یہ ”سکتہ“ کی علامت ہے، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس جگہ رُکنا چاہئے، لیکن سانس نہ ٹوٹے پائے، یہ عموماً اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں ملا کر پڑھنے سے معنی میں غلط فہمی کا اندیشہ ہو۔

**وقفہ** اس جگہ ”سکتہ“ سے قدرے زیادہ دیر تک رُکنا چاہئے، لیکن سانس یہاں بھی نہ ٹوٹے۔

**ق** یہ ”قیل علیہ الوقف“ کا مخفف ہے، مطلب یہ ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک یہاں وقف ہے اور بعض کے نزدیک نہیں ہے۔

**قف** یہ لفظ ”قف“ ہے جس کے معنی ہیں ”ٹھہر جاؤ“ اور یہ اس جگہ لایا جاتا ہے، جہاں پڑھنے والے کو یہ خیال ہو سکتا ہو کہ یہاں وقف درست نہیں۔

**صلے** یہ ”الوصل اولی“ کا مخفف ہے، جس کے معنی ہیں کہ ”ملا کر پڑھنا بہتر ہے“۔

**صل** یہ ”قد یوصل“ کا مخفف ہے، یعنی یہاں بعض لوگ ٹھہرتے ہیں، اور بعض ملا کر پڑھنے کو پسند کرتے ہیں۔

**وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم** یہ ان مقامات پر لکھا جاتا ہے جہاں کسی روایت کی رُوسے

یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کرتے ہوئے اس جگہ وقف فرمایا تھا۔



## علم تفسیر

اب کچھ ضروری معلومات علم تفسیر کے سلسلے میں پیش خدمت ہیں۔ عربی زبان میں ”تفسیر“ کے لفظی معنی ہیں ”کھولنا“ اور اصطلاح میں علم تفسیر اس علم کو کہتے ہیں جس میں قرآن کریم کے معانی بیان کئے جائیں، اور اس کے احکام اور حکمتوں کو کھول کر واضح کیا جائے (البرہان) قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے:-

”وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ“ (۴۴:۱۶)

”اور ہم نے قرآن آپ پر اتارا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے وہ باتیں وضاحت سے بیان فرمادیں جو ان کی طرف اتاری گئی ہیں۔“  
نیز قرآن کریم کا ارشاد ہے:-

”لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ“ (۱۶۴:۳)

”بلاشبہ اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا جبکہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کرے، اور انہیں پاک صاف کرے، اور انہیں اللہ کی کتاب اور دانائی کی باتوں کی تعلیم دے۔“

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی نہیں سکھاتے تھے، بلکہ اس کی پوری تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کو ایک ایک سورت پڑھنے میں بعض اوقات کئی کئی سال لگ جاتے تھے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرما تھے، اُس وقت تک کسی آیت کی تفسیر معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں تھا، صحابہ کرام کو جہاں کوئی دشواری پیش آتی وہ آپ سے رُجوع کرتے اور انہیں تسلی بخش جواب مل جاتا، لیکن آپ کے بعد اس بات کی ضرورت تھی کہ تفسیر قرآن کو ایک مستقل علم کی صورت میں محفوظ کیا جاتا، تا کہ اُمت کے لئے قرآن کریم کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے صحیح معنی بھی محفوظ ہو جائیں، اور ملحد و گمراہ لوگوں کے لئے اس کی معنوی تحریف کی گنجائش باقی نہ رہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے اس اُمت نے یہ کارنامہ اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ آج ہم یہ بات بلا خوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کی اس آخری کتاب کے صرف الفاظ ہی محفوظ نہیں ہیں، بلکہ اس کی وہ صحیح تفسیر و تشریح بھی محفوظ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔



## تفسیر قرآن کے بارے میں ایک شدید غلط فہمی

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ قرآن کریم کی تفسیر ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے، جس کے لئے صرف عربی زبان جان لینا کافی نہیں، بلکہ تمام متعلقہ علوم میں مہارت ضروری ہے، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ مفسر قرآن کے لئے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان کے نحو و صرف اور بلاغت و ادب کے علاوہ علم حدیث، اصول فقہ و تفسیر اور عقائد و کلام کا وسیع و عمیق علم رکھتا ہو، کیونکہ جب تک ان علوم سے مناسبت نہ ہو، انسان قرآن کریم کی تفسیر میں کسی صحیح نتیجے تک نہیں پہنچ سکتا۔

افسوس ہے کہ کچھ عرصے سے مسلمانوں میں یہ خطرناک وبا چل پڑی ہے کہ بہت سے لوگوں نے صرف عربی پڑھ لینے کو تفسیر قرآن کے لئے کافی سمجھ رکھا ہے، چنانچہ جو شخص بھی معمولی عربی زبان پڑھ لیتا ہے، وہ قرآن کریم کی تفسیر میں رائے زنی شروع کر دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ عربی زبان کی نہایت معمولی شد بد رکھنے والے لوگ، جنہیں عربی پر بھی مکمل عبور نہیں ہوتا، نہ صرف من مانے طریقے پر قرآن کی تفسیر شروع کر دیتے ہیں، بلکہ پرانے مفسرین کی غلطیاں نکالنے کے درپے ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ستم ظریف تو صرف ترجمے کا مطالعہ کر کے اپنے آپ کو قرآن کا عالم سمجھنے لگتے ہیں، اور بڑے بڑے مفسرین پر تنقید کرنے سے نہیں چوکتے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ انتہائی خطرناک طرز عمل ہے، جو دین کے معاملے میں نہایت مہلک گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، دنیوی علوم و فنون کے بارے میں ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض انگریزی زبان سیکھ کر میڈیکل سائنس کی کتابوں کا مطالعہ کر لے تو دنیا کا کوئی صاحب عقل اسے ڈاکٹر تسلیم نہیں کر سکتا، اور نہ اپنی جان اس کے حوالے کر سکتا ہے، جب تک کہ اس نے کسی میڈیکل کالج میں باقاعدہ تعلیم و تربیت حاصل نہ کی ہو، اس لئے کہ ڈاکٹر بننے کے لئے صرف انگریزی سیکھ لینا کافی نہیں، بلکہ باقاعدہ ڈاکٹری کی تعلیم و تربیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح کوئی انگریزی داں انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے انجینئر بننا چاہے تو دنیا کا کوئی بھی باخبر انسان اسے انجینئر تسلیم نہیں کر سکتا، اس لئے کہ یہ کام صرف انگریزی زبان سیکھنے سے نہیں آ سکتا، بلکہ اس کے لئے ماہر اساتذہ کے زیر تربیت رہ کر ان سے باقاعدہ اس فن کو سیکھنا ضروری ہے۔ جب ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے لئے یہ کڑی شرائط ضروری ہیں تو آخر قرآن و حدیث کے معاملے میں صرف عربی زبان سیکھ لینا کافی کیسے ہو سکتا ہے؟ زندگی کے ہر شعبے میں ہر شخص اس اصول کو جانتا اور اس پر عمل کرتا ہے کہ ہر علم و فن کے سیکھنے کا ایک خاص طریقہ اور اس کی مخصوص شرائط ہوتی ہیں، جنہیں پورا کئے بغیر اس علم و فن میں اس کی رائے معتبر نہیں سمجھی جاتی، تو آخر قرآن و سنت اتنے لاوارث کیسے ہو سکتے ہیں کہ ان کی تشریح و تفسیر کے لئے کسی علم و فن کے حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو، اور اس کے معاملے میں جو شخص



چاہے رائے زنی شروع کر دے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ:-

”وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ“ (۱۷:۵۳)

”اور بلاشبہ ہم نے قرآن کریم کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔“

اور جب قرآن کریم ایک آسان کتاب ہے تو اس کی تشریح کے لئے کسی لمبے چوڑے علم و فن کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ استدلال ایک شدید مغالطہ ہے، جو خود کم فہمی اور سطحیت پر مبنی ہے، واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں جن میں عام نصیحت کی باتیں، سبق آموز واقعات اور عبرت و موعظت کے مضامین بیان کئے گئے ہیں، مثلاً دنیا کی ناپائیداری، جنت و دوزخ کے حالات، خوفِ خدا اور فکرِ آخرت پیدا کرنے والی باتیں، اور زندگی کے دوسرے سیدھے سادے حقائق، اس قسم کی آیتیں بلاشبہ آسان ہیں، اور جو شخص عربی زبان سے واقف ہو وہ انہیں سمجھ کر نصیحت حاصل کر سکتا ہے، مذکورہ بالا آیت میں اسی قسم کی تعلیمات کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کو ہم نے آسان کر دیا ہے، چنانچہ خود اس آیت میں لفظ ”لِلذِّكْرِ“ (نصیحت کے واسطے) اس پر دلالت کر رہا ہے۔

اس کے برخلاف دوسری قسم کی آیتیں وہ ہیں جو احکام و قوانین، عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں، اس قسم کی آیتوں کا کماحقہ سمجھنا اور ان سے احکام و مسائل مستنبط کرنا ہر شخص کا کام نہیں، جب تک اسلامی علوم میں بصیرت اور پختگی حاصل نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مادری زبان اگرچہ عربی تھی، اور عربی سمجھنے کے لئے انہیں کہیں تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے میں طویل مدتیں صرف کرتے تھے۔ علامہ سیوطیؒ نے امام ابو عبد الرحمن سلمیٰؒ سے نقل کیا ہے کہ جن حضرات صحابہؓ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے، مثلاً حضرت عثمان بن عفانؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ وغیرہ، انہوں نے ہمیں بتایا کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی دس آیتیں سیکھتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان آیتوں کے متعلق تمام علمی اور عملی باتوں کا احاطہ نہ کر لیں، وہ فرماتے تھے کہ:-

”فَتَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ وَالْعِلْمَ وَالْعَمَلَ جَمِيعًا“ (الاتقان ج: ۲ ص: ۱۷۶)

”ہم نے قرآن اور علم و عمل ساتھ ساتھ سیکھا ہے۔“

چنانچہ موطا امام مالکؒ میں روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے صرف سورہ بقرہ یاد کرنے میں پورے آٹھ سال صرف کئے، اور مسند احمد میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ: ”ہم میں سے جو شخص سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھ لیتا، ہماری نگاہوں میں اُس کا مرتبہ بہت بلند ہو جاتا تھا۔“ (الاتقان ج: ۲ ص: ۱۷۶ نوع: ۷۷)

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات صحابہؓ جن کی مادری زبان عربی تھی، جو عربی کے شعر و ادب میں مہارت



تامہ رکھتے تھے، اور جن کو لمبے لمبے قصیدے معمولی توجہ سے ازبر ہو جایا کرتے تھے، انہیں قرآن کریم کو یاد کرنے اور اس کے معانی سمجھنے کے لئے اتنی طویل مدت کی کیا ضرورت تھی کہ آٹھ آٹھ سال صرف ایک سورت پڑھنے میں خرچ ہو جائیں؟ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآن کریم اور اس کے علوم کو سیکھنے کے لئے صرف عربی زبان کی مہارت کافی نہیں تھی، بلکہ اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ اب ظاہر ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کو عربی زبان کی مہارت اور نزولِ وحی کا براہِ راست مشاہدہ کرنے کے باوجود ”عالم قرآن“ بننے کے لئے باقاعدہ حضور سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی، تو نزولِ قرآن کے سینکڑوں سال بعد عربی کی معمولی شد بد پیدا کر کے یا صرف ترجمے دیکھ کر مفسرِ قرآن بننے کا دعویٰ کتنی بڑی جسارت اور علم و دین کے ساتھ کیسا افسوسناک مذاق ہے؟ ایسے لوگوں کو جو اس جسارت کا ارتکاب کرتے ہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ:-

”من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبتوا مقعدہ فی النار“

”جو شخص قرآن کے معاملے میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔“

اور:-

”من تکلم فی القرآن برایہ فأصاب فقد أخطأ“

”جو شخص قرآن کے معاملے میں (محض) اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں کوئی صحیح بات بھی

کہہ دے تب بھی اس نے غلطی کی۔“ (ابوداؤد و نسائی، از اتقان ج: ۲ ص: ۱۷۹)



# سُورَةُ الْفَاتِحَةِ

## تعارف

سورۃ فاتحہ نہ صرف قرآن کریم کی موجودہ ترتیب میں سب سے پہلی سورت ہے، بلکہ یہ پہلی وہ سورت ہے جو مکمل طور پر نازل ہوئی، اس سے پہلے کوئی سورت پوری نہیں نازل ہوئی تھی، بلکہ بعض سورتوں کی کچھ آیتیں آئی تھیں۔ اس سورت کو قرآن کریم کے شروع میں رکھنے کا منشا بظاہر یہ ہے کہ جو شخص قرآن کریم سے ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہو، اسے سب سے پہلے اپنے خالق و مالک کی صفات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے اور ایک حق کے طلب گار کی طرح اسی سے ہدایت مانگنی چاہئے۔ چنانچہ اس میں بندوں کو وہ دُعا سکھائی گئی ہے جو ایک طالب حق کو اللہ سے مانگنی چاہئے، یعنی سیدھے راستے کی دُعا۔ اس طرح اس سورت میں صراطِ مستقیم یا سیدھے راستے کی جو دُعا مانگنی گئی ہے، پورا قرآن اس کی تشریح ہے کہ وہ سیدھا راستہ کیا ہے؟



## آیت ۷ سورۃ الفاتحہ مکیہ ۵ رکوع ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ مُلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝  
إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝  
صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

سورۃ فاتحہ مکی ہے اور اس میں سات آیتیں اور ایک رکوع ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے جو روز جزا کا مالک ہے (اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما اُن لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا ہے نہ کہ اُن لوگوں کے راستے کی جن پر غضب نازل ہوا ہے، اور نہ ان کے راستے کی جو بھٹکے ہوئے ہیں

۱) عربی کے قاعدے سے ”رحمن“ کے معنی ہیں وہ ذات جس کی رحمت بہت وسیع (Extensive) ہو، یعنی اس رحمت کا فائدہ سب کو پہنچتا ہو، اور ”رحیم“ کے معنی ہیں وہ ذات جس کی رحمت بہت زیادہ (Intensive) ہو، یعنی جس پر ہو مکمل طور پر ہو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں سب کو پہنچتی ہے، جس سے مومن کافر سب فیض یاب ہو کر رزق پاتے ہیں، اور دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور آخرت میں اگرچہ کافروں پر رحمت نہیں ہوگی، لیکن جس کسی پر (یعنی مومنوں پر) ہوگی، مکمل ہوگی کہ نعمتوں کے ساتھ کسی تکلیف کا کوئی شائبہ نہیں ہوگا۔ ”رحمن“ اور ”رحیم“ کے معنی میں جو یہ فرق ہے، اس کو ظاہر کرنے کے لئے ”رحمن کا ترجمہ ”سب پر مہربان“ اور ”رحیم کا ترجمہ ”بہت مہربان“ کیا گیا ہے۔

۲) اگر آپ کسی عمارت کی تعریف کریں تو درحقیقت وہ اس کے بنانے والے کی تعریف ہوتی ہے، لہذا اس کائنات میں جس کسی چیز کی تعریف کی جائے وہ بالآخر اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے، کیونکہ وہ چیز اسی کی بنائی ہوئی ہے۔ ”تمام جہانوں کا پروردگار“ کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ انسانوں کا جہان ہو یا جانوروں کا، جمادات کا جہان ہو یا نباتات کا، آسمانوں کا جہان ہو یا ستاروں، سیاروں اور فرشتوں کا، سب کی تخلیق اور پرورش اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے، اور ان جہانوں میں جو کوئی چیز قابل تعریف ہے، وہ اللہ کی تخلیق اور شان ربوبیت کی وجہ سے ہے۔

۳) ”روز جزا“ کا مطلب ہے وہ دن جب تمام بندوں کو ان کے دنیا میں کئے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ یوں تو روز جزا سے پہلے بھی کائنات کی ہر چیز کا اصلی مالک اللہ تعالیٰ ہے، لیکن یہاں خاص طور پر روز جزا کے مالک ہونے کا ذکر اس لئے کیا گیا



کہ دُنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہی انسانوں کو بہت سی چیزوں کا مالک بنایا ہوا ہے، یہ ملکیت اگرچہ ناقص اور عارضی ہے، تاہم ظاہری صورت کے لحاظ سے ملکیت ہی ہے۔ لیکن قیامت کے دن جب جزا و سزا کا مرحلہ آئے گا تو یہ ناقص اور عارضی ملکیتیں بھی ختم ہو جائیں گی، اُس وقت ظاہری ملکیت بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی نہیں ہوگی۔

(۴) یہاں سے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے، اور اسی کے ساتھ یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی قسم کی عبادت کے لائق نہیں، نیز ہر کام میں حقیقی مدد اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنی چاہئے، کیونکہ صحیح معنی میں کارساز اُس کے سوا کوئی نہیں۔ دُنیا کے بہت سے کاموں میں بعض اوقات کسی انسان سے جو مدد مانگی جاتی ہے، وہ اُسے کارساز سمجھ کر نہیں، بلکہ ایک ظاہری سبب سمجھ کر مانگی جاتی ہے۔



# سُورَةُ الْبَقَرَةِ

## تعارف

یہ قرآن کریم کی سب سے لمبی سورت ہے، اس کی آیات ۶۷ تا ۲۵۳ میں اُس گائے کا واقعہ مذکور ہے جسے ذبح کرنے کا حکم بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا، اس لئے اس سورت کا نام سورۃ بقرہ ہے، کیونکہ بقرہ عربی میں گائے کو کہتے ہیں۔ سورت کا آغاز اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کے بیان سے ہوا ہے، اسی ضمن میں انسانوں کی تین قسمیں، یعنی مؤمن، کافر اور منافق بیان کی گئی ہیں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے، تاکہ انسان کو اپنی پیدائش کا مقصد معلوم ہو۔ اس کے بعد آیات کے ایک طویل سلسلے میں بنیادی طور پر خطاب یہودیوں سے ہے جو بڑی تعداد میں مدینہ منورہ کے آس پاس آباد تھے۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں نازل فرمائیں، اور جس طرح انہوں نے ناشکری اور نافرمانی سے کام لیا اس کا مفصل بیان ہے۔ پہلے پارے کے تقریباً آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے، اس لئے کہ انہیں نہ صرف یہودی اور عیسائی بلکہ عرب کے بت پرست بھی اپنا پیشوا مانتے تھے۔ ان سب کو یاد دلایا گیا ہے کہ وہ خالص توحید کے قائل تھے اور انہوں نے کبھی کسی قسم کے شرک کو گوارا نہیں کیا۔ اسی ضمن میں بیت اللہ کی تعمیر اور اسے قبلہ بنانے کا موضوع زیر بحث آیا ہے۔ دوسرے پارے کے شروع میں اس کے مفصل احکام بیان کرنے کے بعد اس سورت میں مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق بہت سے احکام بیان فرمائے گئے ہیں جن میں عبادات سے لے کر معاشرت، خاندانی امور اور حکمرانی سے متعلق بہت سے مسائل داخل ہیں۔



﴿ آیتھا ۲۸۶ ﴾ ﴿ سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ ۸۷ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۲۰ ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

الْمَآ ○ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۚ فِيْهِ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○

سورۃ بقرہ مدنی ہے اور اس میں ۲۸۶ آیتیں اور ۲۰ رُکوع ہیں۔

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الْمَآ ○ یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں، یہ ہدایت ہے ان ڈر رکھنے والوں کے لئے ○

(۱) مختلف سورتوں کے شروع میں یہ حروف اسی طرح الگ الگ نازل ہوئے تھے، ان کو ”حروف مقطعات“ کہتے ہیں، اور صحیح بات یہ ہے کہ ان کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ایک راز ہے جس کی تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں، اور عقیدے یا عمل کا کوئی مسئلہ ان کے سمجھنے پر موقوف نہیں۔

(۲) یعنی اس کتاب کی ہر بات کسی شک و شبہ کے بغیر درست ہے۔ انسان کی لکھی ہوئی کسی کتاب کو سو فیصد شک سے بالاتر نہیں سمجھا جاسکتا، کیونکہ انسان کتنا ہی بڑا عالم ہو اس کا علم محدود ہوتا ہے، اور اکثر اس کی کتاب اس کے ذاتی گمان پر مبنی ہوتی ہے، لیکن چونکہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی ہے، جس کا علم لامحدود بھی ہے اور سو فیصد یقینی بھی، اس لئے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، کسی کو شک ہو تو یہ اس کی ناتجہی کی وجہ سے ہوگا، کتاب کی کوئی بات شبہ والی نہیں۔

(۳) اگرچہ قرآن کریم نے صحیح راستہ ہر ایک کو دکھایا ہے، خواہ وہ مؤمن ہو یا کافر، اس لئے اس معنی کے لحاظ سے اس کی ہدایت سب کے لئے ہے، لیکن نتیجے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس ہدایت کا فائدہ انہی کو پہنچتا ہے جو اس کی بات مان کر اس کے تمام احکام اور تعلیمات پر عمل کریں۔ اس لئے یہ فرمایا گیا کہ ”یہ ہدایت ہے ڈر رکھنے والوں کے لئے جو بے دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں الخ“ ڈر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھے کہ اسے ایک دن اللہ کے حضور اپنے تمام اعمال کا جواب دینا ہے، لہذا مجھے کوئی کام ایسا نہ کرنا چاہئے جو اس کی ناراضی کا باعث ہو۔ اسی خوف اور دھیان کا نام تقویٰ ہے۔

”بے دیکھی چیزوں“ کے لئے قرآن کریم نے ”غیب“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو آنکھوں سے دیکھائی نہیں دیتیں، نہ ہاتھ سے چھو کر یا ناک سے سونگھ کر انہیں محسوس کیا جاسکتا ہے، بلکہ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی یا تو قرآن کریم میں اُن کا ذکر ہے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ذریعے وہ باتیں معلوم کر کے ہمیں بتائی ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات، جنت و دوزخ کے حالات، فرشتے وغیرہ۔ یہاں اللہ کے نیک بندوں کی یہ تعریف کی جا رہی ہے کہ یہ لوگ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر یقین کر کے اُن چیزوں کو دل سے مانتے ہیں جو انہوں نے آنکھوں سے نہیں دیکھیں۔ یہ دنیا چونکہ امتحان کی جگہ ہے، اس لئے اگر یہ چیزیں آنکھوں سے نظر آجاتیں اور پھر کوئی شخص اُن پر ایمان لاتا تو کوئی امتحان نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو انسان کی نگاہ سے پوشیدہ رکھا ہے،



الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۴﴾ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ  
بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

جو بے دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اُس میں سے (اللہ کی خوشنودی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں ﴿۴﴾ اور جو اُس (وحی) پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ پر اتاری گئی اور اُس پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئی، ﴿۵﴾

لیکن اُن کے وجود کے بیشمار دلائل مہیا فرمادیئے ہیں کہ جب کوئی شخص ذرا انصاف سے غور کرے گا تو ان باتوں پر ایمان لے آئے گا، اور امتحان میں کامیاب ہوگا۔ قرآن کریم نے بھی وہ دلائل بیان فرمائے ہیں جو ان شاء اللہ آگے آتے رہیں گے، ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ قرآن کریم کو حق طلبی کے جذبے سے غیر جانبدار ہو کر پڑھا جائے، اور یہ خیال دل میں رکھا جائے کہ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ اس میں لاپرواہی برتی جائے۔ یہ انسان کی ہمیشہ کی زندگی کی بہتری اور تباہی کا معاملہ ہے۔ لہذا یہ دُر دل میں ہونا چاہئے کہ کہیں میری نفسانی خواہشات قرآن کریم کے دلائل ٹھیک ٹھیک سمجھنے میں رکاوٹ نہ بن جائیں، اس لئے مجھے اس کی دی ہوئی ہدایت کو تلاش حق کے جذبے سے پڑھنا چاہئے، اور پہلے سے دل میں جمے ہوئے خیالات سے ذہن کو خالی کر کے پڑھنا چاہئے، تاکہ مجھے واقعی ہدایت نصیب ہو۔ ”یہ ہدایت ہے دُر رکھنے والوں کے لئے“ کا ایک مطلب یہ بھی ہے۔ ﴿۴﴾ جو لوگ قرآن کریم کی ہدایت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، یہاں ان کی اہم صفات بیان فرمائی گئی ہیں، ان میں سب سے پہلی صفت تو یہ ہے کہ وہ ”غیب“ یا اُن دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں جس کی تفصیل پیچھے گزری۔ اس میں تمام ایمانیات داخل ہو گئے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا، یا جو کچھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اُس سب پر ایمان لاتے ہیں۔ دوسری چیز نماز قائم کرنا بیان کی گئی ہے جو بدنی عبادتوں میں سب سے اہم ہے، اور تیسری چیز اپنے مال میں سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے، جس میں زکوٰۃ و صدقات آجاتے ہیں جو مالی عبادت ہیں۔

﴿۵﴾ یعنی اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ جو وحی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی وہ بھی بالکل سچی ہے، اور جو آپ سے پہلے انبیائے کرام (علیہم السلام) مثلاً حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما السلام وغیرہ پر نازل کی گئی تھی وہ بھی بالکل سچی تھی، اگرچہ بعد میں لوگوں نے اسے ٹھیک ٹھیک محفوظ نہ رکھا، بلکہ اس میں تحریف کر دی۔

اس آیت میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی موجود ہے کہ وحی کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ آپ کے بعد کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوگا جس پر وحی آئے یا اُسے پیغمبر بنایا جائے، کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی اور آپ سے پہلے کے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی وحی کا ذکر فرمایا ہے، آپ کے بعد کسی وحی کا ذکر نہیں فرمایا۔ اگر آپ کے بعد بھی کوئی نیا پیغمبر آنے والا ہوتا یا اُس کی وحی پر ایمان لانا ضروری ہوتا تو اُس کو بھی یہاں بیان فرمایا جاتا، جیسا کہ پچھلے پیغمبروں سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ آپ حضرات کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں، آپ کو ان پر بھی ایمان رکھنا ہوگا۔ (دیکھئے قرآن کریم، سورہ آل عمران، آیت: ۸۱)۔



وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿۴﴾ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵﴾ إِنَّ  
الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۶﴾ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ  
قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۷﴾

ع

اور آخرت پر وہ مکمل یقین رکھتے ہیں ﴿۴﴾ یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے پروردگار کی طرف سے صحیح راستے پر ہیں، اور یہی وہ لوگ  
ہیں جو فلاح پانے والے ہیں ﴿۵﴾ بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر اپنا لیا ہے، اُن کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں،  
چاہے آپ ان کو ڈرائیں، یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۶﴾ اللہ نے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر مہر  
لگا دی ہے، اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، اور اُن کے لئے زبردست عذاب ہے ﴿۷﴾

﴿۴﴾ ”آخرت“ سے مراد وہ زندگی ہے جو مرنے کے بعد حاصل ہوگی، اور جو ہمیشہ کے لئے ہوگی، اور اس میں ہر بندے کو دنیا میں  
کئے ہوئے اعمال کا حساب دینا ہوگا، اور اسی کی بنیاد پر یہ فیصلہ ہوگا کہ وہ جنت میں جائے گا یا جہنم میں۔ اگرچہ یہ ”آخرت“ بھی  
اُن ”اُن دیکھی چیزوں“ (غیب) میں شامل ہے جس پر ایمان لانے کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا تھا۔ لیکن آخر میں اسے علیحدہ  
کر کے خصوصی اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ”آخرت“ کا عقیدہ ہی درحقیقت انسان کی سوچ اور اس  
کی عملی زندگی کو صحیح راستے پر رکھتا ہے۔ جو انسان یہ یقین رکھتا ہو کہ ایک دن مجھے اللہ کے سامنے پیش ہو کر اپنے ہر عمل کا جواب دینا  
ہے، وہ کسی گناہ یا جرم کے ارتکاب پر کبھی ڈھٹائی کے ساتھ آمادہ نہیں ہوگا۔

﴿۵﴾ یہاں اُن کافروں کا ذکر ہو رہا ہے جنہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ چاہے کتنے واضح اور روشن دلائل اُن کے سامنے آجائیں، وہ  
کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان نہیں لائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر  
میں فرمایا کہ ”یہ وہ لوگ ہیں جو کفر پر اڑ گئے ہیں“ ترجمے میں ”کفر اپنا لیا ہے“ کے الفاظ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے استعمال  
کئے گئے ہیں۔

﴿۸﴾ ”ڈرانا“ انذار کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کو بکثرت ”ڈرانے“ سے تعبیر فرمایا  
ہے، کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام لوگوں کو کفر اور بد اعمالیوں کے بُرے انجام سے ڈراتے ہیں۔ لہذا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ  
آپ چاہے اُن کو دعوت دیں، یا نہ دیں، اُن کے سامنے دلائل پیش کریں یا نہ کریں، چونکہ انہوں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ کوئی بات  
ماننی نہیں ہے، اس لئے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

﴿۹﴾ اس آیت میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی بڑی خطرناک چیز ہے، اگر کوئی شخص ناواقفیت یا غفلت وغیرہ کی وجہ  
سے کسی غلطی کا ارتکاب کرے تو اس کی اصلاح کی امید ہو سکتی ہے، لیکن جو شخص غلطی پر اڑ جائے اور یہ تہیہ کر لے کہ کسی بھی حالت  
میں بات نہیں ماننی، تو اُس کی ضد کا آخری انجام یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے جس کے بعد  
اس سے حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حالت سے محفوظ رکھے۔ لہذا اس پر یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ



وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝۱ يُخَدِّعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يُخَدِّعُونَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝۲ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ ۝۳ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ۝۴ وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ قَالُوا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۝۵ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلٰكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۶ وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا اَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۝۷ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلٰكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ۝۸

کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لے آئے، حالانکہ وہ (حقیقت میں) مؤمن نہیں ہیں ۱۰ وہ اللہ کو اور اُن لوگوں کو جو (واقعی) ایمان لا چکے ہیں، دھوکا دیتے ہیں۔ اور (حقیقت تو یہ ہے کہ) وہ اپنے سوا کسی اور کو دھوکا نہیں دے رہے، لیکن انہیں اس بات کا احساس نہیں ہے ۱۱ ان کے دلوں میں روگ ہے، چنانچہ اللہ نے ان کے روگ میں اور اضافہ کر دیا ہے، اور ان کے لئے دردناک سزا تیار ہے، کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے ۱۲ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم زمین میں فساد نہ مچاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ۱۳ یاد رکھو! یہی لوگ فساد پھیلانے والے ہیں، لیکن انہیں اس بات کا احساس نہیں ہے ۱۴ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اسی طرح ایمان لے آؤ جیسے دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لائیں جیسے بے وقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟ خوب اچھی طرح سن لو کہ یہی لوگ بے وقوف ہیں، لیکن وہ یہ بات نہیں جانتے ۱۵

جب خود اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پر مہر لگا دی تو وہ معذور ہو گئے، اس لئے کہ یہ مہر لگانا خود انہی کی ضد اور یہ تہیہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ حق بات نہیں ماننی۔

۱۰ سورت کے شروع میں پہلے مؤمنوں کے اوصاف اور ان کا انجام بیان فرمایا گیا، پھر اُن لوگوں کا ذکر ہوا جو کھلے کافر ہیں۔ اب یہاں سے ایک تیسرے گروہ کا بیان ہو رہا ہے جسے ”منافق“ کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ ظاہر میں تو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، مگر دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

۱۱ یعنی بظاہر تو وہ اللہ اور مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں، کیونکہ اس دھوکے کا انجام خود اُن کے حق میں بُرا ہوگا، وہ سمجھ رہے ہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے وہ کفر کے دُنیوی انجام سے بچ گئے، حالانکہ آخرت میں اُن کو جو عذاب ہوگا، وہ دُنیا کے عذاب سے زیادہ سنگین ہے۔

۱۲ یہ وہی بات ہے جو پیچھے آیت نمبر ۷ میں کہی گئی تھی۔ یعنی شروع میں انہوں نے اپنے اختیار سے اس گمراہی کو اپنایا اور اُس پر



وَإِذَا لقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شُيُطَانِهِمْ قَالُوا إِنَّمَا كُنَّا مَعَكُمْ لَا إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَءُونَ ﴿١٣﴾ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبَحَتِ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٥﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٍ لَا يَبْصُرُونَ ﴿١٦﴾ صُمُّ بَكْمٌ عُمَىٰ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٧﴾

اور جب یہ اُن لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے آئے، اور جب یہ اپنے شیطانوں کے پاس تنہائی میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو مذاق کر رہے تھے ﴿۱۳﴾ اللہ ان سے مذاق (کا معاملہ) کرتا ہے اور انہیں ایسی ڈھیل دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں ﴿۱۴﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے، لہذا نہ اُن کی تجارت میں نفع ہوا، اور نہ انہیں صحیح راستہ نصیب ہوا ﴿۱۵﴾ اُن کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے ایک آگ روشن کی، پھر جب اس (آگ نے) اس کے ماحول کو روشن کر دیا تو اللہ نے اُن کا نور سلب کر لیا اور انہیں اندھیریوں میں چھوڑ دیا کہ انہیں کچھ سمجھائی نہیں دیتا ﴿۱۶﴾ وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، چنانچہ اب وہ واپس نہیں آئیں گے ﴿۱۷﴾

اڑ گئے، یہ اُن کے دل کی بیماری تھی۔ پھر اُن کی ضد کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی بیماری کو اور بڑھا دیا کہ اب انہیں واقعی ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوگی۔

﴿۱۳﴾ ”اپنے شیطانوں“ سے مراد وہ سردار ہیں جو ان منافقین کی سازشوں میں اُن کے سربراہ اور رہنما کی حیثیت رکھتے تھے۔  
 ﴿۱۴﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی رستی دراز کر رکھی ہے کہ ان کے دو غلے پن کی فوری سزا دنیا میں انہیں نہیں مل رہی جس سے وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہماری تدبیر کارگر ہوگئی، چنانچہ وہ اپنی اس گمراہی میں اور پختہ ہوتے جا رہے ہیں۔ آخرت میں انہیں ایک دم پکڑ لیا جائے گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ عمل اُن کے ”مذاق“ کا نتیجہ تھا، اُسے یہاں ”اللہ اُن سے مذاق کرتا ہے“ کے عنوان سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

﴿۱۵﴾ یہاں سے اُن منافقوں کی مثال دی جا رہی ہے جو اسلام کے واضح دلائل سامنے آنے کے باوجود نفاق کی گمراہی میں پھنسے رہے۔ اسلام کے واضح دلائل کو آگ کی روشنی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح اس روشنی سے ماحول کی چیزیں صاف نظر آنے لگتی ہیں، اسی طرح اسلام کے دلائل سے حقیقت اُن پر واضح ہوگئی، لیکن پھر ضد اور عناد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ روشنی ان سے سلب کر لی اور وہ دیکھنے کی قوت سے محروم ہو گئے۔



أَوْ كَصِيبٍ مِّنَ السَّيِّئِ فِيهِ ظُلُمٌ ۖ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۗ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٥﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطِفُ أَبْصَارَهُمْ ۗ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَّشْوَافِيهِ ۙ وَإِذَا آتَا ظِلْمَهُ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۗ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٧﴾

یا پھر (ان منافقوں کی مثال ایسی ہے) جیسے آسمان سے برسی ایک بارش ہو، جس میں اندھیریاں بھی ہوں، اور گرج بھی اور چمک بھی۔ وہ کڑکوں کی آواز پر موت کے خوف سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیتے ہیں۔ اور اللہ نے کافروں کو گھیرے میں لے رکھا ہے ﴿۱۵﴾ ایسا لگتا ہے کہ بجلی اُن کی آنکھوں کو اُچک لے جائے گی۔ جب بھی بجلی اُن کے لئے روشنی کر دیتی ہے، وہ اُس (روشنی) میں چل پڑتے ہیں، اور جب وہ اُن پر اندھیرا کر دیتی ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں، اور اگر اللہ چاہتا تو اُن کے سننے اور دیکھنے کی طاقتیں چھین لیتا، بیشک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۱۶﴾ اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور اُن لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گزرے ہیں، تاکہ تم متقی بن جاؤ ﴿۱۷﴾

﴿۱۶﴾ منافقوں کی پہلی مثال تو اُن منافقین سے متعلق تھی جو اسلام کے واضح دلائل سامنے آنے کے باوجود خوب سوچ سمجھ کر کفر اور نفاق کا راستہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ اب منافقین کے اس گروہ کی مثال دی جا رہی ہے جو اسلام لانے کے بارے میں تذبذب کا شکار تھا۔ جب اسلام کی حقانیت کے دلائل سامنے آتے تو اس کے دل میں اسلام کی طرف جھکاؤ پیدا ہوتا اور وہ اسلام کی طرف بڑھنے لگتے، لیکن جب اسلامی احکام کی ذمہ داریاں اور حلال و حرام کی باتیں سامنے آتیں تو وہ اپنی خود غرضی کی وجہ سے رُک جاتے۔ یہاں اسلام کو ایک برسی ہوئی بارش سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اس میں کفر و شرک کی خرابیوں کا جو بیان ہے، اُسے اندھیروں سے، اور اس میں کفر و شرک پر عذاب کی جو دھمکیاں دی گئی ہیں، انہیں گرج سے تشبیہ دی گئی ہے، نیز قرآن کریم میں حق کے جو دلائل اور حق کو تھا منے والوں کے لئے جنت کے جو وعدے کئے گئے ہیں، انہیں بجلی کی روشنی سے۔ جب یہ روشنی ان کے سامنے چمکتی ہے تو وہ چل پڑتے ہیں مگر کچھ دیر میں ان کی خواہشات کی ظلمت ان پر چھا جاتی ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں۔

﴿۱۷﴾ یعنی جب قرآن کریم کفر اور فسق پر عذاب کی وعیدیں سناتا ہے تو یہ اپنے کان بند کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم عذاب سے محفوظ ہو گئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام کافروں کو گھیرے میں لے رکھا ہے اور وہ اس سے بچ کر نہیں جاسکتے۔



الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا أَنْ تَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۲﴾ وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ ۚ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِمَّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۳﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۲۴﴾

(وہ پروردگار) جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا، اور آسمان کو چھت، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے تمہارے رزق کے طور پر پھل نکالے، لہذا اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، جبکہ تم (یہ سب باتیں) جانتے ہو ﴿۲۲﴾ اور اگر تم اس (قرآن) کے بارے میں ذرا بھی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتارا ہے، تو اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا لاؤ، اور اگر سچے ہو تو اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو ﴿۲۳﴾ پھر بھی اگر تم یہ کام نہ کر سکو، اور یقیناً کبھی نہیں کر سکو گے، تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ ﴿۲۴﴾

(۱۸) ان دو آیتوں میں اسلام کے بنیادی عقیدے تو حید کی دعوت دی گئی ہے، اور مختصر انداز میں اس کی دلیل بھی بیان کر دی گئی ہے، اہل عرب یہ مانتے تھے کہ ساری کائنات کو پیدا کرنا، زمین و آسمان کی تخلیق اور آسمان سے بارش برسانا، اور اس سے پیداوار اُگانا، یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہیں، اس کے باوجود وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے کام بتوں کے سپرد کر رکھے ہیں، اور وہ بت اپنے اپنے کاموں میں براہ راست فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، لہذا وہ ان بتوں کی عبادت اس لئے کرتے تھے کہ وہ ان کی مدد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ہر چیز پیدا کرنے والے ہم ہیں، اور ہمیں کائنات چلانے کے لئے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں، تو عبادت کسی اور کی کرنا کتنے بڑے ظلم کی بات ہے۔

(۱۹) پچھلی آیات میں تو حید کا بیان تھا، اب اسلام کے دوسرے اہم عقیدے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بیان ہے، اور عرب کے جو لوگ قرآن پر ایمان لانے کے بجائے یہ الزام لگاتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہیں اور انہوں نے اپنی طرف سے یہ کلام بنا لیا ہے، انہیں زبردست چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر ایسا کلام کوئی انسان بنا سکتا ہے تو تم بڑے فصیح و بلیغ ہو، تم سب مل کر قرآن جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ، ساتھ ہی قرآن نے دعویٰ کیا ہے کہ تم سب مل کر بھی ایسا نہیں کر سکو گے۔ اور واقعہ یہی ہے کہ اہل عرب جو اپنی زبان و ادب پر ناز کرتے تھے، ان سب کو اس چیلنج کے بعد سانپ سونگھ گیا، اور کوئی شخص یہ چیلنج قبول کرنے کے لئے آگے نہ بڑھا، بڑے بڑے شاعروں اور ادیبوں نے اس خدائی کلام کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے، اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کریم کی سچائی روزِ روشن کی طرح ثابت اور واضح ہو گئی۔



وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأَتُوا بِهِمْ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيَ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٢٧﴾

اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کو خوشخبری دے دو کہ ان کے لئے ایسے باغات (تیار) ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جب کبھی ان کو ان (باغات) میں سے کوئی پھل رزق کے طور پر دیا جائے گا، تو وہ کہیں گے ”یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے بھی دیا گیا تھا“ اور انہیں وہ رزق ایسا ہی دیا جائے گا جو دیکھنے میں ملتا جلتا ہوگا، اور ان کے لئے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی، اور وہ ان (باغات) میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۲۵﴾ بیشک اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ وہ (کسی بات کو واضح کرنے کے لئے) کوئی بھی مثال دے، چاہے وہ چھپر (جیسی معمولی چیز) کی ہو، یا کسی ایسی چیز کی جو چھپر سے بھی زیادہ (معمولی) ہو، اب جو لوگ مؤمن ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ مثال ایک حق بات ہے جو ان کے پروردگار کی طرف سے آئی ہے۔ البتہ جو لوگ کافر ہیں، وہ یہی کہتے ہیں کہ بھلا اس (حقیر) مثال سے اللہ کا کیا مطلب ہے؟ (اس طرح) اللہ اس مثال سے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کرتا ہے، اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے۔ (مگر) وہ گمراہ انہی کو کرتا ہے جو نافرمان ہیں ﴿۲۶﴾ وہ جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پختہ کرنے کے بعد بھی توڑ دیتے ہیں، اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، انہیں کاٹ ڈالتے ہیں، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، ایسے ہی لوگ بڑا نقصان اٹھانے والے ہیں ﴿۲۷﴾

(۲۰) یہ اسلام کے تیسرے عقیدے یعنی ”آخرت پر ایمان“ کا بیان ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے جس میں ہر انسان کو اپنے تمام اعمال کا جواب دینا ہوگا۔ اگر ایمان کے ساتھ نیک عمل کئے ہوں گے تو وہ جنت نصیب ہوگی جس کی ایک جھلک اس آیت میں دکھائی گئی ہے۔

(۲۱) اس کا مطلب ایک تو یہ ہو سکتا ہے کہ جنت ہی میں انہیں وقفوں وقفوں سے ایسے پھل دیئے جائیں گے جو دیکھنے میں بالکل ملتے جلتے ہوں گے، مگر لذت اور ذائقے میں ہر پھل نیا ہوگا، اور دوسرا مطلب یہ بھی ممکن ہے کہ جنت کے پھل دیکھنے میں دنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے، اس لئے انہیں دیکھ کر جنتی یہ کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہیں جو ہمیں پہلے یعنی دنیا میں ملے تھے، لیکن جنت



میں ان کی لذت اور خصوصیات دُنیا کے پھلوں سے کہیں زیادہ ہوں گی۔

(۲۲) بعض کافروں نے قرآن کریم پر یہ اعتراض کیا تھا کہ اس میں کچھ مثالیں مکھی، مچھر، مکڑی وغیرہ کی دی گئی ہیں، اگر یہ واقعی خدا کا کلام ہوتا تو اس میں ایسی حقیر چیزوں کا ذکر نہ ہوتا۔ ظاہر ہے کہ یہ اعتراض بڑا بے تکا اعتراض تھا، کیونکہ مثال ہمیشہ مضمون کی مناسبت سے دی جاتی ہے، اگر کسی حقیر و ذلیل چیز کی مثال دینی ہو تو ایسی ہی کسی چیز سے دی جائے گی جو حقیر و ذلیل ہو۔ یہ کسی کلام کا عیب تو کیا ہوتا؟ اُس کی فصاحت و بلاغت کی دلیل ہے، مگر یہ بات انہی کی سمجھ میں آتی ہے جو طالبِ حق ہوں اور حق پر ایمان لا چکے ہوں، لیکن جنہوں نے کفر کی قسم کھا رکھی ہے، انہیں تو ہر بات پر ہر حالت میں اعتراض کرنا ہے، اس لئے وہ ایسی بے تکی باتیں کہتے ہیں۔

(۲۳) یعنی قرآن کریم کی یہی آیتیں جو طالبِ حق کو ہدایت بخشتی ہیں، ایسے لوگوں کے لئے مزید گمراہی کا سبب بن جاتی ہیں جنہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ کر یہ طے کر لیا ہے کہ حق بات ماننی نہیں ہے، کیونکہ وہ ہر نئی آیت کا انکار کرتے ہیں، اور ہر آیت کا انکار ایک مستقل گمراہی ہے۔

(۲۴) عہد سے مراد اکثر مفسرین نے وہ عہدِ اُلت لیا ہے جس کا ذکر سورۃ اعراف (۱۷۲:۷) میں آنے والا ہے، وہیں ان شاء اللہ اس کی تفصیل آئے گی، یہاں اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کرنے سے بہت پہلے آنے والی تمام رُوحوں کو جمع کر کے ان سے پوچھا تھا کہ ”کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟“ سب نے اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہونے کا اقرار کر کے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے۔ پھر اس آیت میں عہد کو پختہ کرنے سے مراد بظاہر یہ ہے کہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے رسول آتے رہے جو اس عہد کو یاد دلا کر اللہ تعالیٰ کے خالق و مالک ہونے پر دلائل قائم کرتے رہے۔

اس عہد کی ایک اور تشریح بھی ممکن ہے، اور وہ یہ کہ اس سے مراد وہ عملی اور خاموش عہد (Tacit Covenant) ہے جو ہر انسان پیدا ہوتے ہی اپنے خالق و مالک سے کرتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے ہر شخص جو کسی ملک میں پیدا ہوتا ہے وہ اس ملک کا شہری ہونے کے ناتے یہ خاموش عہد کرتا ہے کہ وہ اس ملک کے قوانین کا پابند ہوگا۔ خواہ زبان سے اس نے کچھ نہ کہا ہو، لیکن اس کا کسی ملک میں پیدا ہونا ہی اس عہد کے قائم مقام ہے۔ اسی طرح اس کائنات میں جو شخص بھی پیدا ہوتا ہے وہ خود بخود اس عہد کا پابند ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرے گا۔ اس عہد کے لئے زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ غالباً اسی وجہ سے اگلی آیت میں باری تعالیٰ نے فوراً یہ ارشاد فرمایا کہ ”تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا طرزِ عمل آخر کیسے اختیار کر لیتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، اُسی نے تمہیں زندگی بخشی“ یعنی اگر ذرا غور کرو تو تنہا یہ بات کہ کسی نے تمہیں پیدا کیا ہے، تمہاری طرف سے یہ عہد و پیمان ہے کہ تمہارے لئے اس کی نعمتوں کا اعتراف اور اُس کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنا لازمی ہوگا۔ ورنہ یہ کونسی عقل اور کونسا انصاف ہے کہ پیدا تو اللہ تعالیٰ کرے، اور فرمانبرداری اس کے بجائے کسی اور کی کی جائے، پھر اس خاموش عہد کو مزید پختہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے ذریعے متواتر تمہیں اس عہد کی یاد دہانی کراتا رہا ہے، اور ان پیغمبروں نے وہ مضبوط دلائل تمہارے سامنے پیش کئے ہیں جن سے یہ عہد مزید پختہ ہو گیا ہے کہ انسان کو ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی ہے۔

(۲۵) اس سے مراد رشتہ داروں کے وہ حقوق پامال کرنا ہے جنہیں صلہ رحمی کہا جاتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اُن کافروں کی تین



كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَئًا فَاحْيَاكُمْ ۖ ثُمَّ يُبَيِّتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٠﴾  
 هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۚ  
 وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۚ قَالُوْۤا  
 اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ

تم اللہ کے ساتھ کفر کا طرز عمل آخر کیسے اختیار کر لیتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، اُسی نے تمہیں زندگی بخشی، پھر وہی تمہیں موت دے گا، پھر وہی تم کو (دوبارہ) زندہ کرے گا، اور پھر تم اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے ﴿۲۰﴾ وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لئے پیدا کیا، پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، چنانچہ ان کو سات آسمانوں کی شکل میں ٹھیک ٹھیک بنادیا، اور وہ ہر چیز کا پورا علم رکھنے والا ہے ﴿۲۱﴾ اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، وہ کہنے لگے: ”کیا آپ زمین میں ایسی مخلوق پیدا کریں گے جو اس میں فساد مچائے، اور خون خرابہ کرے،

صفات بیان فرمائی ہیں: ایک یہ کہ وہ اللہ سے کیا ہوا عہد توڑتے ہیں، دوسرے یہ کہ وہ رشتہ داروں کے حقوق پامال کرتے ہیں، اور تیسرے یہ کہ زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ ان میں سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہے، یعنی نہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ عقیدہ رکھتے ہیں جو رکھنا چاہئے، اور نہ اس کی وہ عبادت کرتے ہیں جو اُن پر فرض ہے۔ دوسری اور تیسری چیز کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اللہ تعالیٰ نے مختلف رشتوں کے جو حقوق مقرر فرمائے ہیں، اُن کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی سے ہی ایک پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے، اگر ان رشتوں کو کاٹ کر باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے حقوق پامال کرنا شروع کر دیں تو وہ خاندانی نظام تباہ ہو جاتا ہے جس پر ایک صحت مند تمدن کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ لہذا اس کا لازمی نتیجہ زمین میں فساد کی صورت میں نکلتا ہے، اسی لئے قرآن کریم نے رشتوں کو کاٹنے اور زمین میں فساد مچانے کو سورہ محمد میں بھی ایک ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے: ”فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتَقَطَّعُوْا اَرْحَامَكُمْ“ (۲۲:۴۷)۔

﴿۲۱﴾ انسان کو توجہ دلائی جا رہی ہے کہ وہ کائنات کی جتنی چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے سب اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی ہیں، ان میں سے ہر چیز اس کی توحید کی گواہی دے رہی ہے، اس کے باوجود اس کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کرنا کتنی بڑی ناشکری ہے۔ اسی آیت سے فقہاء نے یہ اصول بھی مستنبط کیا ہے کہ دنیا کی ہر چیز اصل میں حلال ہے اور جب تک کسی چیز کی حرمت پر کوئی دلیل نہ ہو اس وقت تک اس کو حلال ہی سمجھا جائے گا۔

﴿۲۷﴾ آیت ۲۱ اور ۲۲ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت واجب ہونے کی نہایت مختصر اور سادہ، مگر مضبوط دلیل یہ دی گئی تھی کہ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے وہی عبادت کا مستحق ہے۔ آیت ۲۸ میں کافروں کے کفر پر تعجب کا اظہار بھی اسی بنا پر کیا گیا تھا۔ اب انسان کی پیدائش کا پورا واقعہ بیان کر کے اس دلیل کو مزید پختہ کیا جا رہا ہے۔ آیت میں خلیفہ سے مراد انسان ہے، اور اس کے خلیفہ ہونے کا



وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۸﴾ وَعَلَّمَ آدَمَ  
الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ  
صَادِقِينَ ﴿۲۹﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۳۰﴾  
قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ ۖ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ  
غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۳۱﴾

حالانکہ ہم آپ کی تسبیح اور حمد و تقدیس میں لگے ہوئے ہیں؟“ اللہ نے کہا: ”میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے“ ﴿۲۸﴾ اور آدم کو (اللہ نے) سارے کے سارے نام سکھا دیے، پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور (اُن سے) کہا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتلاؤ ﴿۲۹﴾ وہ بول اُٹھے: آپ ہی کی ذات پاک ہے، جو کچھ علم آپ نے ہمیں دیا ہے اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔ حقیقت میں علم و حکمت کے مالک تو صرف آپ ہیں ﴿۳۰﴾ اللہ نے کہا: ”آدم! تم ان کو ان چیزوں کے نام بتاؤ“ چنانچہ جب اس نے ان کے نام ان کو بتا دیے تو اللہ نے (فرشتوں سے) کہا: ”کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے بھید جانتا ہوں؟ اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو مجھے اس سب کا علم ہے“ ﴿۳۱﴾

مطلب یہ ہے کہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر خود بھی عمل کرے اور اپنی طاقت کے مطابق دوسروں سے بھی کروانے کی کوشش کرے۔

﴿۲۸﴾ فرشتوں کے اس سوال کا منشاء خدا نخواستہ کوئی اعتراض کرنا نہیں تھا بلکہ وہ حیرت کر رہے تھے کہ ایک ایسی مخلوق کو پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے جو نیکی کے ساتھ بدی کی صلاحیت بھی رکھتی ہوگی جس کے نتیجے میں زمین پر فساد پھیلنے کا امکان ہوگا۔ مفسرین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انسان سے پہلے زمین پر جنات پیدا کئے گئے تھے اور انہوں نے آپس میں لڑکر ایک دوسرے کو ختم کر ڈالا تھا۔ فرشتوں نے سوچا کہ شاید انسان کا انجام بھی ایسا ہی ہو۔

﴿۲۹﴾ ناموں سے مراد کائنات میں پائی جانے والی چیزوں کے نام، ان کی خاصیتیں اور انسان کو پیش آنے والی مختلف کیفیات کا علم ہے، مثلاً بھوک، پیاس، صحت اور بیماری وغیرہ۔ اگرچہ آدم علیہ السلام کو ان چیزوں کی تعلیم دیتے وقت فرشتے بھی موجود تھے، لیکن چونکہ ان کی فطرت میں ان چیزوں کی پوری سمجھ نہیں تھی اس لئے جب ان کا امتحان لیا گیا تو وہ جواب نہیں دے سکے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے عملی طور پر انہیں باور کرا دیا کہ جو کام اس نئی مخلوق سے لینا مقصود ہے وہ فرشتے انجام نہیں دے سکتے۔

﴿۳۰﴾ بظاہر ان الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام صرف حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائے گئے تھے، اور فرشتے اس تعلیم میں شریک نہیں تھے۔ اس صورت میں ان سے ان ناموں کے بارے میں پوچھنا یہ جتانے کے لئے تھا کہ تم میں وہ صلاحیت نہیں رکھی گئی جو آدم علیہ السلام کی تخلیق سے مقصود ہے۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ آدم علیہ السلام کو سکھاتے وقت فرشتے موجود تو تھے لیکن



وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ ۖ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۵﴾

اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ: آدم کو سجدہ کرو، چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے کہ اس نے انکار کیا، اور متکبرانہ رویہ اختیار کیا اور کافروں میں شامل ہو گیا ﴿۳۴﴾ اور ہم نے کہا: ”آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، اور اس میں سے جہاں سے چاہو جی بھر کے کھاؤ، مگر اس درخت کے پاس بھی مت جانا، ورنہ تم ظالموں میں شمار ہو گے۔“ ﴿۳۵﴾

چونکہ ان میں ان باتوں کو سمجھنے یا یاد رکھنے کی صلاحیت نہیں تھی اس لئے وہ امتحان کے وقت جواب نہ دے سکے۔ اس صورت میں ان کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ ہمیں وہی علم حاصل ہو سکتا ہے جو آپ ہمیں دینا چاہیں اور اس کی صلاحیت ہمارے اندر پیدا کر دیں۔

(۳۱) فرشتوں کے سامنے آدم علیہ السلام کی عظمت کا عملی مظاہرہ اور ان کا امتحان لینے کے لئے انہیں آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ سجدہ عبادت کا نہیں تعظیم کا سجدہ تھا جو بعض پچھلی شریعتوں میں جائز تھا، بعد میں تعظیم کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کی سختی سے ممانعت کر دی گئی تاکہ شرک کا کوئی شاخہ بھی پیدا نہ ہو۔ یہ سجدہ کروانا اس بات کا بھی مظاہرہ تھا کہ فرشتوں کو اس بات کی تلقین کی جا رہی ہے کہ کائنات میں جو چیزیں ان کے اختیار میں دی گئی ہیں وہ انسان کے لئے مسخر کر دی جائیں، تاکہ یہ دیکھا جائے کہ وہ ان کو صحیح استعمال کرتا ہے یا غلط۔

(۳۲) اگرچہ براہ راست سجدے کا حکم فرشتوں کو دیا گیا تھا، مگر اس میں تمام جاندار مخلوقات بھی شامل تھیں، لہذا ابلیس جو جنات میں سے تھا اس پر بھی اس حکم کی تعمیل لازم تھی۔ لیکن جیسا کہ خود قرآن کریم نے دوسری جگہ بیان فرمایا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے کہنے لگا کہ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے، اس لئے میں اس سے افضل ہوں، میں اسے کیوں سجدہ کروں؟ (قرآن کریم، سورہ اعراف ۷: ۱۲)۔ اس واقعے سے دو سبق ملتے ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے آپ کو بذات خود دوسروں سے بڑا سمجھنا اور اپنی بڑائی بگھارنا کتنا بڑا گناہ ہے۔ اور دوسرا سبق یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی واضح حکم آجائے تو بندے کا کام یہ ہے کہ اس حکم کو دل و جان سے بجالائے، چاہے اس کی حکمت اور فائدہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

(۳۳) یہ کونسا درخت تھا؟ قرآن کریم نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی، نہ اس کے جاننے کی ضرورت ہے۔ اتنا جان لینا کافی ہے کہ جنت کے درختوں میں ایک درخت ایسا تھا جس کا پھل کھانے سے انہیں روک دیا گیا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ گندم کا درخت تھا، بعض میں انگور کا ذکر ہے، مگر کوئی روایت ایسی نہیں جس پر پورا بھروسہ کیا جاسکے۔



فَازِلَهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

پھر ہوا یہ کہ شیطان نے ان دونوں کو وہاں سے ڈگمگا دیا، اور جس (عیش) میں وہ تھے اس سے انہیں نکال کر رہا اور ہم نے (آدم، ان کی بیوی اور ابلیس سے) کہا: ”اب تم سب یہاں سے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے، اور تمہارے لئے ایک مدت تک زمین میں ٹھہرنا اور کسی قدر فائدہ اٹھانا (طے کر دیا گیا) ہے“ ۝ پھر آدم نے اپنے پروردگار سے (توبہ کے) کچھ الفاظ سیکھ لئے (جن کے ذریعے انہوں نے توبہ مانگی) چنانچہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ بیشک وہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ۝

(۳۴) یعنی شیطان نے انہیں بہکا کر اس درخت کا پھل کھانے پر آمادہ کر دیا۔ اور بہانہ یہ بنایا کہ یوں تو یہ درخت بڑا مفید ہے، کیونکہ اس کو کھانے سے ابدی زندگی حاصل ہو جاتی ہے، لیکن شروع میں آپ کو اس لئے منع کیا گیا تھا کہ آپ کی جسمانی کیفیت اس کو برداشت نہ کر سکتی تھی، اب چونکہ آپ جنت کے ماحول کے عادی ہو گئے ہیں، اور آپ کے قوی مضبوط ہو چکے ہیں، اس لئے اب وہ ممانعت باقی نہیں رہی۔ اس واقعے کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: سورۃ اعراف (۱۹: ۷ تا ۲۳) اور سورۃ طہ (۱۲۰: ۲۰)۔

(۳۵) مطلب یہ ہے کہ اس واقعے کے نتیجے میں آدم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ کو جنت سے اور شیطان کو آسمانوں سے نیچے زمین پر اترنے کا حکم دے دیا گیا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ انسان اور شیطان کے درمیان رہتی دنیا تک دشمنی قائم رہے گی، اور زمین کا یہ قیام ایک معین مدت تک ہوگا جس میں کچھ دنیوی فائدے اٹھانے کے بعد سب کو بالآخر اللہ تعالیٰ کے پاس دوبارہ پیش ہونا ہوگا۔

(۳۶) جب آدم علیہ السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ پریشان ہو گئے، لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے کن الفاظ میں معافی مانگیں، اس لئے زبان سے کچھ نکل نہیں رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جو دلوں کے حال سے بھی خوب واقف ہیں اور رحیم و کریم بھی ہیں، ان کی اس کیفیت کے پیش نظر خود ہی ان کو توبہ کے الفاظ سکھائے جو سورۃ اعراف میں مذکور ہیں: قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا ۖ وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ یعنی: ”اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر گزرے ہیں، اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا، اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔“ اس طرح اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھیجنے سے پہلے انسان کو یہ تعلیم دے دی کہ جب کبھی نفسانی خواہشات یا شیطان کے بہکاوے میں آکر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، تو اسے فوراً اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہئے، اور اگرچہ توبہ کے لئے کوئی خاص الفاظ لازمی نہیں ہیں، بلکہ ہر وہ جملہ جس میں اپنے کئے پر ندامت اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا ارادہ شامل ہو، اس کے ذریعے توبہ ممکن ہے، لیکن چونکہ یہ الفاظ خود اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے ہیں، اس لئے ان الفاظ میں توبہ کرنے سے قبولیت کی زیادہ اُمید ہے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ، جیسا کہ پیچھے آیت ۳۰ سے واضح ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے آدم علیہ السلام کو زمین پر



قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۶﴾ يُبْنَىٰ إِسْرَآءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَاتَّهَبُونَ ﴿۳۷﴾

ہم نے کہا: ”اب تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر اگر میری طرف سے کوئی ہدایت تمہیں پہنچے، تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔ ﴿۳۵﴾ اور جو لوگ کفر کا ارتکاب کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“ ﴿۳۶﴾

اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی، اور تم مجھ سے کیا ہوا عہد پورا کرو، تاکہ میں بھی تم سے کیا ہوا عہد پورا کروں، اور تم (کسی اور سے نہیں، بلکہ) صرف مجھی سے ڈرو۔ ﴿۳۷﴾

اپنا نائب بنا کر بھیجنے کے لئے پیدا فرمایا تھا، لیکن زمین پر بھیجنے سے پہلے انہیں جنت میں رکھنے اور اس کے بعد کے واقعات کا تکوینی مقصد بظاہر یہ تھا کہ ایک طرف حضرت آدم علیہ السلام جنت کی نعمتوں کا خود تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ ان کی اصل منزل کیا ہے، اور زمین پر پہنچنے کے بعد اس منزل کے حصول میں کس قسم کی رکاوٹیں پیش آ سکتی ہیں، اور ان سے نجات پانے کا کیا طریقہ ہوگا؟ چونکہ فرشتوں کے مقابلے میں انسان کا امتیاز ہی یہ تھا کہ اس میں اچھائی اور بُرائی دونوں کی صلاحیت رکھی گئی تھی، اس لئے ضروری تھا کہ اسے زمین پر بھیجنے سے پہلے ایسے تجربے سے گزارا جائے۔ پیغمبر چونکہ معصوم ہوتے ہیں اور ان سے کوئی بڑا گناہ سرزد نہیں ہو سکتا، اس لئے آدم علیہ السلام کی یہ غلطی درحقیقت اجتہادی غلطی (Bonafide Mistake) تھی، یعنی سوچ کی یہ غلطی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو شیطان کے بہکانے سے ایک خاص وقت تک محدود سمجھ لیا، ورنہ اللہ تعالیٰ کی کھلی نافرمانی کا ہرگز ان سے تصور نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم چونکہ یہ تصور بھی ایک پیغمبر کے شایان شان نہ تھا اس لئے اسے بعض آیات میں گناہ یا حکم عدولی سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس پر توبہ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ ساتھ ہی زیر نظر آیت میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، اور اس طرح اس عیسائی عقیدے کی تردید فرمادی گئی ہے جس کا کہنا یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کا یہ گناہ ہمیشہ کے لئے انسان کی سرشت میں داخل ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں ہر بچہ ماں کے پیٹ سے گناہگار پیدا ہوتا ہے، اور اس مشکل کے حل کے لئے اللہ تعالیٰ کو اپنا بیٹا دُنیا میں بھیج کر اسے قربان کرنا پڑا تاکہ وہ ساری دُنیا کے لئے کفارہ بن سکے۔ قرآن کریم نے دو ٹوک الفاظ میں اعلان فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تھی اس لئے نہ وہ گناہ باقی رہا تھا، نہ اس کے اولاد آدم کی طرف منتقل ہونے کا کوئی سوال ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ عدل میں ایک شخص کے گناہ کا بوجھ دوسرے کے سر پر نہیں ڈالا جاتا۔

﴿۳۷﴾ ”اسرائیل“ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے، ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ تمام تر یہودی اور اکثر عیسائی اسی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کی اچھی خاصی تعداد آباد تھی، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے



وَأْمُرُوا بِمَا أُنزِلَتْ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ ۖ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَإِيَّاي فَاتَّقُونِ ﴿٥٠﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٥١﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿٥٢﴾

اور جو کلام میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ، جبکہ وہ اُس کتاب (یعنی تورات) کی تصدیق بھی کر رہا ہے جو تمہارے پاس ہے، اور تم ہی سب سے پہلے اس کے منکر نہ بن جاؤ۔ اور میری آیتوں کو معمولی سی قیمت لے کر نہ بیچو، اور (کسی اور کے بجائے) صرف میرا خوف دل میں رکھو ﴿۵۰﴾ اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو، اور نہ حق بات کو چھپاؤ جبکہ (اصل حقیقت) تم اچھی طرح جانتے ہو ﴿۵۱﴾ اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور رُکوع کرنے والوں کے ساتھ رُکوع کرو ﴿۵۲﴾

مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد نہ صرف ان کو اسلام کی دعوت دی تھی، بلکہ ان سے امن کا معاہدہ بھی فرمایا تھا۔ لہذا اس مدنی سورت میں زیر نظر آیت سے آیت ۱۴۳ تک مسلسل بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے جس میں انہیں اسلام کی دعوت بھی دی گئی ہے اور ان کو نصیحت کرنے کے ساتھ ان کی بدعنوانیوں پر متنبہ بھی کیا گیا ہے۔ شروع میں ان کو یاد دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کیسے کیسے انعامات فرمائے تھے، اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہو کر اس عہد کو پورا کرتے جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا تھا کہ وہ تورات پر ٹھیک ٹھیک عمل کریں گے اور اللہ کے بھیجے ہوئے ہر نبی پر ایمان لائیں گے۔ لیکن انہوں نے تورات پر عمل کرنے کے بجائے اس کی من مانی تائید و تائیل شروع کر دی اور اس کے احکام کو بدل ڈالا۔ چونکہ اس طرز عمل کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حق کو قبول کرنے کی صورت میں انہیں اپنے ہم مذہب لوگوں کا ڈر تھا کہ وہ کہیں ان سے بدظن نہ ہو جائیں، اس لئے ان دو آیتوں کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ مخلوق سے ڈرنے کے بجائے انہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے، اور اللہ کے سوا کسی کا خوف دل میں نہیں رکھنا چاہئے۔ بنی اسرائیل کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ قرآن کریم وہی دعوت لے کر آیا ہے جو تورات اور انجیل کی دعوت تھی اور جن آسمانی کتابوں پر وہ ایمان رکھتے ہیں، قرآن کریم انہیں جھٹلانے کے بجائے دو طرح سے ان کی تصدیق کرتا ہے: ایک اس لحاظ سے کہ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ کتابیں اللہ ہی کی نازل کی ہوئی تھیں، (یہ اور بات ہے کہ بعد کے لوگوں نے ان میں کافی رد و بدل کر ڈالا جس کی حقیقت قرآن نے واضح فرمائی) اور دوسرے قرآن اس حیثیت سے ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے کہ ان کتابوں میں آخری نبی کی تشریف آوری کی جو پیشینگوئیاں کی گئی تھیں قرآن کریم نے انہیں سچا کر دکھایا۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ بنی اسرائیل عرب کے بت پرستوں سے پہلے اس پر ایمان لاتے، لیکن ہو یہ رہا ہے کہ جس تیز رفتاری سے بت پرست اسلام لارہے ہیں اس رفتار سے یہودی ایمان نہیں لارہے، اور اس طرح گویا بنی اسرائیل قرآن کی تکذیب کرنے میں پیش پیش ہیں۔ اسی لئے کہا گیا کہ: ”تم ہی سب سے پہلے اس کے منکر نہ بن جاؤ“۔ بعض یہودیوں کا طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ رشوت لے کر تورات کی تشریح عام لوگوں کی خواہشات کے مطابق کر دیا کرتے تھے، اور بعض اوقات اس کے احکام کو چھپا لیتے تھے۔ ان کے اس طرز عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ”میری آیتوں کو معمولی سی قیمت لے کر نہ بیچو، اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو، اور نہ حق بات کو چھپاؤ“۔ ﴿۵۰﴾ رُکوع کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا کہ یہودیوں کی نماز میں رُکوع نہیں ہوتا تھا۔



أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۳۳﴾  
 وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴿۳۴﴾ الَّذِينَ يَظُنُّونَ  
 أَنَّهُم مُّلاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿۳۵﴾ لِيَبْنِيَ إِسْرَآءِيلُ أَذْكَرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ  
 عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۶﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا  
 يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۳۷﴾ وَإِذْ نَجَّيْنَكُمْ مِّنْ آلِ  
 فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يَدْبَحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَلِكُمْ  
 بَلَاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۳۸﴾

کیا تم (دوسرے) لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو، اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو! کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں؟ ﴿۳۳﴾

اور صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ نماز بھاری ضرور معلوم ہوتی ہے، مگر اُن لوگوں کو نہیں جو خشوع (یعنی دھیان اور عاجزی) سے پڑھتے ہیں ﴿۳۴﴾ جو اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں، اور ان کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۳۵﴾ اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی، اور یہ بات (یاد کرو) کہ میں نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی تھی ﴿۳۶﴾ اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص بھی کسی کے کچھ کام نہیں آئے گا، نہ کسی سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی، نہ کسی سے کسی قسم کا فدیہ لیا جائے گا، اور نہ ان کو کوئی مدد پہنچے گی ﴿۳۷﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے نجات دی جو تمہیں بڑا عذاب دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ ﴿۳۸﴾ اور اس ساری صورتِ حال میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارا بڑا امتحان تھا ﴿۳۹﴾

﴿۳۹﴾ فرعون مصر کا بادشاہ تھا جہاں بنی اسرائیل بڑی تعداد میں آباد تھے، اور فرعون کی غلامی میں دن گزار رہے تھے۔ فرعون کے سامنے کسی نجومی نے یہ پیشینگوئی کر دی کہ اس سال بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جو اس کی بادشاہی کا خاتمہ کر دے گا۔ یہ سن کر اس نے یہ حکم دے دیا کہ اسرائیلیوں میں جو کوئی بچہ پیدا ہوا اسے قتل کر دیا جائے، البتہ لڑکیوں کو زندہ رکھا جائے تاکہ ان سے خدمت لی جاسکے۔ اس طرح بہت سے نوزائیدہ بچے قتل کئے گئے، اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی سال پیدا ہوئے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا۔ اس کا مفصل واقعہ سورہ طہ اور سورہ القصص میں خود قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے۔



وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۵۰﴾ وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۲﴾ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۵۳﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۖ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۖ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۵۴﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّعِقَةُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۵۵﴾

اور (یاد کرو) جب ہم نے تمہاری خاطر سمندر کو پھاڑ ڈالا تھا، چنانچہ تم سب کو بچالیا تھا اور فرعون کے لوگوں کو (سمندر میں) غرق کر ڈالا تھا، اور تم یہ سارا نظارہ دیکھ رہے تھے ﴿۵۰﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ ٹھہرایا تھا، پھر تم نے ان کے پیچھے (اپنی جانوں پر) ظلم کر کے نکھڑے کو معبود بنالیا ﴿۵۱﴾ پھر اس سب کے بعد بھی ہم نے تم کو معاف کر دیا تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿۵۲﴾ اور (یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اور حق و باطل میں تمیز کا معیار (بخشا) تاکہ تم راہِ راست پر آؤ ﴿۵۳﴾ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”اے میری قوم! حقیقت میں تم نے نکھڑے کو معبود بنا کر خود اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، لہذا اب اپنے خالق سے توبہ کرو، اور اپنے آپ کو قتل کرو۔ تمہارے خالق کے نزدیک یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔“ اس طرح اللہ نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ بیشک وہی ہے جو اتنا معاف کرنے والا، اتنا رحم کرنے والا ہے ﴿۵۴﴾ اور جب تم نے کہا تھا: ”اے موسیٰ! ہم اُس وقت تک ہرگز تمہارا یقین نہیں کریں گے جب تک اللہ کو ہم خود کھلی آنکھوں نہ دیکھ لیں“ نتیجہ یہ ہوا کہ کڑ کے نے تمہیں اس طرح آ پکڑا کہ تم دیکھتے رہ گئے ﴿۵۵﴾

(۴۱) اس کا واقعہ بھی مذکورہ بالا دو سورتوں میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔

(۴۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ کوہ طور پر آ کر چالیس دن اعتکاف کریں تو انہیں تورات عطا کی جائے گی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ ان کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سامری جادوگر نے ایک گائے کا نکھڑا بنایا اور بنی اسرائیل کو اسے اپنا معبود قرار دینے اور اس کی عبادت کرنے پر آمادہ کر لیا، اور اس طرح وہ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع ہوئی تو وہ گھبرا کر واپس تشریف لائے اور بنی اسرائیل کو توبہ کی تلقین فرمائی۔ اس توبہ کا ایک حصہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل میں سے جو لوگ اس شرک میں ملوث نہیں ہوئے تھے وہ ملوث ہونے والوں کو قتل کریں۔ چنانچہ ان کی ایک بڑی تعداد قتل کی گئی، اور اس طرح ان کی توبہ قبول ہوئی۔ یہ واقعات ان شاء اللہ تفصیل سے سورۃ اعراف اور سورۃ طہ میں آئیں گے۔



ثُمَّ بَعَثْنَاكَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكَ لَعَلَّكَ تَشْكُرُونَ ﴿۵﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۶﴾ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَاذْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ ۖ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۷﴾

پھر ہم نے تمہیں تمہارے مرنے کے بعد دوسری زندگی دی تاکہ تم شکر گزار بنو۔ ﴿۵﴾ اور ہم نے تم کو بادل کا سایہ عطا کیا، اور تم پر من و سلویٰ نازل کیا (اور کہا کہ:)"جو پاکیزہ رزق ہم نے تمہیں بخشا ہے (شوق سے) کھاؤ۔" اور (یہ نافرمانیاں کر کے) انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ہی ظلم کرتے رہے ﴿۶﴾ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے کہا تھا کہ: "اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو جی بھر کر کھاؤ، اور (بستی کے) دروازے میں جھکے سروں کے ساتھ داخل ہونا، اور یہ کہتے جانا کہ (یا اللہ!) ہم آپ کی بخشش کے طلب گار ہیں، (اس طرح) ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے، اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ (ثواب) بھی دیں گے۔" ﴿۷﴾

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ طور سے تورات لے کر تشریف لائے تو بنی اسرائیل نے ان سے کہا کہ ہمیں کیسے یقین آئے کہ واقعی اللہ نے ہمیں اس کتاب پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے؟ شروع میں ان پر حجت تمام کرنے کے لئے انہیں اللہ تعالیٰ نے براہ راست خطاب فرما کر تورات پر عمل کا حکم دیا، مگر وہ کہنے لگے کہ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے نہ دیکھ لیں گے ہمیں یقین نہ آئے گا۔ ان کے اس گستاخانہ طرزِ عمل پر ایک بجلی کے کڑکے نے انہیں آگھیرا اور وہ بعض روایات کے مطابق مر گئے، اور بعض کے مطابق بے ہوش ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندگی دی۔ اس واقعے کی تفصیل بھی ان شاء اللہ سورۃ اعراف میں آئے گی۔

جیسا کہ سورۃ مائدہ میں آئے گا، بنی اسرائیل نے جہاد کے ایک حکم کی نافرمانی کی تھی جس کی پاداش میں انہیں صحرائے سینا میں مقید کر دیا گیا تھا، لیکن اس سزایابی کے دوران بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں جن نعمتوں سے نوازا یہاں ان کا ذکر ہو رہا ہے۔ صحرا میں چونکہ کوئی چھت ان کے سروں پر نہیں تھی اس لئے ان کو ڈھوپ کی تمازت سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ ایک بادل ان پر مسلسل سایہ کئے رہتا تھا۔ اسی صحرا میں جہاں کوئی غذا دستیاب نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے غیب سے من و سلویٰ کی شکل میں انہیں بہترین خوراک مہیا فرمائی۔ بعض روایات کے مطابق من سے مراد ترنجبین ہے جو اس علاقے میں افراط سے پیدا کر دی گئی تھی، اور سلویٰ سے مراد بیڑیں ہیں جو بنی اسرائیل کی قیام گاہوں کے آس پاس کثرت سے منڈلاتی رہتیں، اور کوئی انہیں پکڑنا چاہتا تو وہ بالکل مزاحمت نہیں کرتی تھیں۔ بنی اسرائیل نے ان تمام نعمتوں کی بڑی طرح ناقدری کی اور اس طرح خود اپنی جانوں پر ظلم کیا۔



فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا أَرِجًا مِّنَ  
السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۵۹﴾ وَإِذَا سَأَلَكَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ  
فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن  
رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْتُوا فِي الْآرِضِ مُمْسِدِينَ ﴿۶۰﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ  
وَاحِدٍ فَاذْعُ لَنَا رَبِّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُثْبِتُ الْآرِضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّآءٍ يَّهَا وَفُؤْمِهَا وَعَدَسِيَّهَا  
وَبَصِلَهَا ۖ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۖ

مگر ہوا یہ کہ جو بات اُن سے کہی گئی تھی، ظالموں نے اُسے بدل کر ایک اور بات بنالی۔ نتیجہ یہ کہ جو نافرمانیاں وہ کرتے  
آ رہے تھے ہم نے اُن کی سزائیں ان ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا ﴿۵۹﴾ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب موسیٰ  
نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا: ”اپنی لاٹھی پتھر پر مارو“ چنانچہ اس (پتھر) سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر  
ایک قبیلے نے اپنے پانی لینے کی جگہ معلوم کر لی۔ (ہم نے کہا:) اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ پیو، اور زمین میں فساد مچاتے مت  
پھرنا ﴿۶۰﴾ اور (وہ وقت بھی) جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کر سکتے، لہذا ہماری خاطر اپنے  
پروردگار سے مانگئے کہ وہ ہمارے لئے کچھ وہ چیزیں پیدا کرے جو زمین اُگایا کرتی ہے، یعنی زمین کی ترکاریاں، اس کی  
ککڑیاں، اس کا گندم، اس کی دالیں اور اس کی پیاز۔ موسیٰ نے کہا: ”جو (غذا) بہتر تھی کیا تم اُس کو ایسی چیزوں سے بدلنا  
چاہتے ہو جو گھٹیا درجے کی ہیں؟

(۲۵) اسی صحرا میں رہتے ہوئے جب مدت گزر گئی اور بنی اسرائیل من و سلویٰ سے بھی اُکتا گئے تو انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ ہم  
ایک ہی قسم کے کھانے پر گزارہ نہیں کر سکتے۔ ہم زمین کی ترکاریاں وغیرہ کھانا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ مطالبہ آگے آیت ۶۱  
میں آ رہا ہے۔ اس موقع پر ان کی یہ خواہش بھی پوری کی گئی اور یہ اعلان فرمایا گیا کہ اب تمہیں صحرا کی خاک چھاننے سے نجات دی  
جاتی ہے۔ سامنے ایک شہر ہے اس میں چلے جاؤ، لیکن اپنے گناہوں پر ندامت کے اظہار کے طور پر سر جھکائے ہوئے اور معافی  
مانگتے ہوئے شہر میں داخل ہو، وہاں اپنی رغبت کے مطابق جو حلال غذا چاہو کھا سکو گے۔ لیکن ان ظالموں نے پھر ضد کا مظاہرہ  
کیا۔ شہر میں داخل ہوتے ہوئے سر تو کیا جھکاتے، سینے تان تان کر داخل ہوئے، اور معافی مانگنے کے لئے انہیں جو الفاظ کہنے کی  
تلقین کی گئی تھی ان کا مذاق بنا کر ان سے ملتے جلتے ایسے نعرے لگاتے ہوئے داخل ہوئے جن کا مقصد مسخرہ پن کے سوا کچھ نہ تھا۔  
جو لفظ انہیں معافی مانگنے کے لئے سکھایا گیا تھا وہ تھا: ”حِطَّة“ (یا اللہ! ہمارے گناہ بخش دے) انہوں نے اسے بدل کر جس لفظ  
کے نعرے لگائے وہ تھا: ”حِنْطَة“ یعنی گندم!

(۲۶) یہ واقعہ بھی اس وقت کا ہے جب بنی اسرائیل میدانِ تیہ (صحرائے سینا) میں محصور تھے، وہاں پانی کا کوئی چشمہ نہیں تھا۔



إِهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَّا سَأَلْتُمْ ۖ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۖ وَبَاءَ عُرْوُ بِغَضَبٍ  
 مِّنَ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ  
 بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿١١﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَ  
 الصَّبِيَّةَ مَنَ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا  
 خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٢﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ۖ

(خیر!) ایک شہر میں جا اترو، تو وہاں تمہیں وہ چیزیں مل جائیں گی جو تم نے مانگی ہیں۔ اور ان (یہودیوں) پر ذلت اور  
 بیکسی کا ٹھپہ لگا دیا گیا، اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور  
 پیغمبروں کو ناحق قتل کر دیتے تھے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی، اور وہ سجد زیادتیاں کرتے تھے ﴿۱۱﴾  
 حق تو یہ ہے کہ جو لوگ بھی، خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی یا نصرانی یا صابی، اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئیں  
 گے اور نیک عمل کریں گے، وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنے اجر کے مستحق ہوں گے، اور ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ کسی  
 غم میں مبتلا ہوں گے۔ ﴿۱۲﴾

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے (تورات پر عمل کرنے کا) عہد لیا تھا، اور کوہ طور کو تمہارے اوپر اٹھا کھڑا کیا تھا

اللہ تعالیٰ نے ایک معجزے کے طور پر پتھر سے بارہ چشمے پیدا فرمادیئے۔ حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام کے بارہ بیٹے  
 تھے، ہر بیٹے کی اولاد ایک مستقل قبیلہ بن گئی، اور اس طرح بنی اسرائیل بارہ قبیلوں میں تقسیم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قبیلے کے لئے  
 الگ چشمہ جاری فرمادیا تاکہ کوئی الجھن پیش نہ آئے۔

﴿۴۷﴾ یہ وہی واقعہ ہے جو اوپر حاشیہ نمبر ۴۵ میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿۴۸﴾ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور ان کی نافرمانیوں کے تذکرے کے بیچ میں یہ آیت کریمہ بنی اسرائیل کے ایک  
 باطل گھمنڈ کی تردید کے لئے آئی ہے۔ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ صرف اُنہی کی نسل اللہ کے منتخب اور لاڈلے بندوں پر مشتمل ہے۔ ان  
 کے خاندان سے باہر کا کوئی آدمی اللہ کے انعامات کا مستحق نہیں ہے۔ (آج بھی یہودیوں کا یہی عقیدہ ہے۔ اسی لئے یہودی  
 مذہب ایک نسل پرست مذہب ہے، اور اس نسل کے باہر کا کوئی شخص یہودی مذہب اختیار کرنا بھی چاہے تو یا اختیار کر ہی نہیں سکتا یا  
 اُن حقوق کا مستحق نہیں ہو سکتا جو ایک نسلی یہودی کو حاصل ہیں)۔ اس آیت نے واضح فرمایا کہ حق کسی ایک نسل میں محدود نہیں  
 ہے۔ اصل اہمیت ایمان اور نیک عمل کو حاصل ہے، جو شخص بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور عمل صالح کی بنیادی شرطیں پوری  
 کر دے گا، خواہ وہ پہلے کسی بھی مذہب یا نسل سے تعلق رکھتا ہو، اللہ کے نزدیک اجر کا مستحق ہوگا۔ یہودیوں اور نصرانیوں کے علاوہ  
 عرب میں کچھ ستارہ پرست لوگ رہتے تھے جنہیں ”صابی“ کہا جاتا تھا، اس لئے ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں یہ بھی واضح  
 رہے کہ اللہ پر ایمان لانے میں اس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا بھی داخل ہے، لہذا نجات پانے کے لئے رسول اکرم صلی اللہ



خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۲۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۲۴﴾

(کہ) جو (کتاب) ہم نے تمہیں دی ہے اس کو مضبوطی سے تھامو، اور اس میں جو کچھ (لکھا) ہے اُس کو یاد رکھو، تاکہ تمہیں تقویٰ حاصل ہو ﴿۲۳﴾ اس سب کے باوجود تم دوبارہ (راہِ راست سے) پھر گئے۔ چنانچہ اگر اللہ کا فضل اور رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم ضرور سخت نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو جاتے ﴿۲۴﴾

علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ پیچھے آیت ۴۰-۴۱ میں اسی لئے تمام بنی اسرائیل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ مزید دیکھئے قرآن کریم کی آیات ۵: ۶۵، ۷: ۱۵۵، ۷: ۱۵۷۔

(۲۹) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے تو بنی اسرائیل نے دیکھا کہ اس کے بعض احکام بہت سخت ہیں، اس لئے اس سے بچنے کے بہانے تلاش کرنے شروع کر دیئے۔ پہلے تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خود کہے کہ تورات پر عمل کرنا ضروری ہے۔ مطالبہ اگرچہ نامعقول تھا مگر اُن پر حجت تمام کرنے کے لئے اُن میں سے ستر آدمی منتخب کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر بھیجے گئے (جیسا کہ قرآن کریم نے سورہ اعراف ۷: ۱۵۵ میں بیان فرمایا ہے) جن کو اللہ تعالیٰ نے براہِ راست تورات پر عمل کا حکم دیا۔ مگر جب یہ واپس لوٹے تو انہوں نے اپنی قوم کے سامنے تصدیق تو کی کہ اللہ تعالیٰ نے تورات پر عمل کا حکم دیا ہے، لیکن ایک بات اپنی طرف سے بڑھادی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جتنا تم سے ہو سکے اتنا عمل کر لینا، لیکن جو نہ ہو سکے وہ ہم معاف کر دیں گے، چنانچہ تورات کے جس حکم میں بھی انہیں کچھ مشکل نظر آتی وہ یہ بہانہ تراش لیتے کہ یہ حکم بھی اُسی چھوٹ میں داخل ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے کوہ طور ان کے سروں پر بلند کر دیا کہ تورات کے تمام احکام کو تسلیم کرو، جب انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں پہاڑ اُن پر گرنا نہ دیا جائے، تب ان لوگوں نے تورات کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کا عہد کیا۔ اس آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ کوہ طور کو ان کے سروں پر بلند کرنے کی یہ صورت بھی ممکن ہے کہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا کر ان کے سروں پر معلق کر دیا گیا ہو، جیسا کہ حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے متعدد تابعین سے نقل کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ کچھ بھی بعید نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی اور ایسی صورت پیدا فرمادی گئی ہو کہ ان لوگوں کو ایسا محسوس ہوا ہو کہ پہاڑ اُن پر آگرے گا، مثلاً کوئی زلزلہ آگیا ہو جس سے انہیں ایسا لگا کہ پہاڑ گرنے والا ہے۔ چنانچہ سورہ اعراف (آیت ۱۷۱) میں اس واقعے کے بارے میں الفاظ یہ ہیں: وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ ۖ اس میں لفظ "نتق" استعمال ہوا ہے جس کے معنی لغت میں زور زور سے ہلانے کے آتے ہیں۔ (دیکھئے: قاموس اور مفردات القرآن) لہذا آیت کا یہ ترجمہ بھی ممکن ہے کہ: "جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر زور سے اس طرح بلایا کہ ان کو یہ گمان ہوا کہ وہ ان پر گر پڑے گا" یہاں یہ بات واضح رہے کہ کسی شخص کو ایمان قبول کرنے پر تو زبردستی مجبور نہیں کیا جاسکتا، لیکن جب ایک شخص ایمان لے آئے تو اسے نافرمانی پر سزا بھی دی جاسکتی ہے اور ڈرا دھمکا کر حکم ماننے پر آمادہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ بنی اسرائیل چونکہ ایمان پہلے ہی لاکھ تھے اس لئے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرا کر فرمانبرداری پر آمادہ کیا گیا۔



وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۖ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّبَاطِلِينَ ۖ يَدَايَاهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝ وَاذْكَالَ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۖ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ ۖ لَا فَارِصٌ وَلَا بَكْرٌ ۖ عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَهَا ۖ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ ۖ صَفْرَاءُ ۖ فَاقْعَمْ عَنْ هَا ۖ تَسِرُّ النَّظْرِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۖ إِنَّ الْبَقَرَ تَشْبَهُ عَلَيْنَا ۖ وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ۝

اور تم اپنے ان لوگوں کو اچھی طرح جانتے ہو جو سنبچر (سبت) کے معاملے میں حد سے گزر گئے تھے، چنانچہ ہم نے اُن سے کہا تھا کہ تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ ۝ پھر ہم نے اس واقعے کو اُس زمانے کے اور اُس کے بعد کے لوگوں کے لئے عبرت، اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کا سامان بنا دیا ۝ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔ وہ کہنے لگے کہ کیا آپ ہمارا مذاق بناتے ہیں؟ موسیٰ نے کہا: میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں (ایسے) نادانوں میں شامل ہوں (جو مذاق میں جھوٹ بولیں) ۝ انہوں نے کہا کہ آپ ہماری خاطر اپنے رب سے درخواست کیجئے کہ ہمیں صاف صاف بتائے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ اس نے کہا: ”اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو کہ نہ بہت بوڑھی ہو نہ بالکل بچی، (بلکہ) ان دونوں کے بیچ بیچ میں ہو۔ بس اب جو حکم تمہیں دیا گیا ہے اس پر عمل کرلو“ ۝ کہنے لگے: آپ ہماری خاطر اپنے رب سے درخواست کیجئے کہ ہمیں صاف صاف بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰ نے کہا: ”اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسے تیز زرد رنگ کی گائے ہو جو دیکھنے والوں کا دل خوش کر دے“ ۝ انہوں نے (پھر) کہا کہ آپ ہماری خاطر اپنے رب سے درخواست کیجئے کہ ہمیں صاف صاف بتائے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ اس گائے نے تو ہمیں شبہ میں ڈال دیا ہے۔ اور اللہ نے چاہا تو ہم ضرور اس کا پتہ لگا لیں گے ۝

(۱۵۰) سنبچر کو عربی اور عبرانی زبان میں ”سبت“ کہتے ہیں۔ یہودیوں کے لئے اسے ایک مقدس دن قرار دیا گیا تھا جس میں ان کے لئے معاشی سرگرمیاں ممنوع تھیں۔ جن یہودیوں کا یہاں ذکر ہے وہ (غالباً) حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں) کسی سمندر کے کنارے رہتے تھے اور مچھلیاں پکڑا کرتے تھے۔ سنبچر کے دن مچھلیاں پکڑنا ان کے لئے ناجائز تھا، مگر شروع میں انہوں نے کچھ حیلے کر کے اس حکم کی خلاف ورزی کرنی چاہی، اور پھر کھلم کھلا مچھلیاں پکڑنی شروع کر دیں۔ کچھ نیک لوگوں نے انہیں سمجھایا، مگر وہ باز نہ آئے۔ بالآخر ان پر عذاب آیا اور ان کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندر بنا دیا گیا۔ اس واقعے کی تفصیل سورۃ اعراف (۷: ۱۶۳-۱۶۶) میں آنے والی ہے۔

جیسا کہ نیچے آیت ۷۲ میں آرہا ہے، یہ حکم ایک مقتول کا قاتل دریافت کرنے کے لئے دیا گیا تھا اس لئے بنی اسرائیل نے



قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا قَالُوا لَنْ جُنَّتْ بِآلِ حَقٍّ ۖ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٥١﴾ وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا ۖ فَادَّعَاكُمْ فِيهَا ۖ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٥٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهَا بِبَعْضِهَا ۖ كَذَلِكَ يُخَيِّ اللَّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٥٣﴾

موسیٰ نے کہا: اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو جو کام میں جت کر زمین نہ گاہتی ہو، اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو، پوری طرح صحیح سالم ہو جس میں کوئی داغ نہ ہو۔ انہوں نے کہا: ہاں! اب آپ ٹھیک ٹھیک پتہ لے کر آئے۔ اس کے بعد انہوں نے اُسے ذبح کیا، جبکہ لگتا نہیں تھا کہ وہ کرپائیں گے ﴿۵۱﴾ اور (یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، اور اُس کے بعد اُس کا الزام ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے، اور اللہ کو وہ راز نکال باہر کرنا تھا جو تم چھپائے ہوئے تھے ﴿۵۲﴾ چنانچہ ہم نے کہا کہ اس (مقتول) کو اس (گائے) کے ایک حصے سے مارو۔ اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے، اور تمہیں (اپنی قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھ سکو ﴿۵۳﴾

اس کو مذاق سمجھا کہ گائے ذبح کرنے سے قاتل کیسے معلوم ہوگا؟

﴿۵۲﴾ مطلب یہ ہے کہ شروع میں جب انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا تو کسی خاص قسم کی گائے نہیں بتائی گئی تھی، چنانچہ وہ کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو حکم پورا ہو جاتا۔ لیکن انہوں نے خواہ مخواہ کھود کر یہ شروع کر دی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے بھی نئی شرطیں عائد فرمائیں، اور ایسی گائے تلاش کرنا مشکل ہو گیا جو ان شرطوں کو پورا کرتی ہو۔ یہاں تک کہ ایک مرحلے پر ایسا محسوس ہونے لگا کہ شاید وہ ایسی گائے تلاش کر کے ذبح کرنے کے قابل نہ ہوں۔ اس واقعے میں سبق یہ دیا گیا ہے کہ بلاوجہ غیر ضروری کھوج میں پڑنا ٹھیک نہیں۔ جو بات جتنی سادہ ہو اس پر اتنی ہی سادگی سے عمل کر لینا چاہئے۔

﴿۵۳﴾ اس واقعے کی تفصیل تاریخی روایات میں یہ آئی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے اپنے ایک بھائی کو اس کی میراث حاصل کرنے کی خاطر قتل کیا اور اس کی لاش سڑک پر ڈال دی، پھر خود ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس شکایت لے کر پہنچ گیا کہ قاتل کو پکڑ کر سزا دی جائے۔ اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں گائے ذبح کرنے کو کہا جس کا واقعہ اوپر گذرا۔ جب گائے ذبح ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ گائے کا کوئی عضو اٹھا کر مقتول کی لاش پر مارو تو وہ زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس طرح قاتل کا پول کھل گیا، اور وہ پکڑا گیا۔ قاتل کی دریافت کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنے کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ قاتل کو کوئی بہانہ بنانے کا ہر راستہ بند ہو گیا، اور دوسرا فائدہ یہ کہ مردوں کو زندہ کرنے کی خدائی طاقت کا عملی مظاہرہ کر کے ان لوگوں کی زبانیں بند کر دی گئیں جو دوسری زندگی کو ناممکن سمجھتے تھے۔ غالباً اس واقعے کے بعد ہی بنی اسرائیل میں یہ طریقہ جاری ہوا کہ جب کوئی شخص مقتول پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ چل رہا ہو تو ایک گائے ذبح کر کے اس پر اپنے ہاتھ دھوئیں اور قسم کھائیں کہ ہم نے اسے قتل نہیں کیا، جس کا ذکر بائبل کی کتاب استثناء ۱۲-۸ تا ۱۱ میں آیا ہے۔



ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۖ وَإِنَّ مِنْ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۵۴﴾ أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ يَحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵۵﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بِعَضُوبِهِمْ إِلَى بَعْضٍ قَالُوا اتَّخَذُوا آلَهُمُ الْبَقَرَةَ ۚ فَاتَّخَذُوا آلَهُمُ الْبَقَرَةَ ۚ عَلَيْهِمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۵۶﴾

اس سب کے بعد تمہارے دل پھر سخت ہو گئے، یہاں تک کہ وہ ایسے ہو گئے جیسے پتھر! بلکہ سختی میں کچھ ان سے بھی زیادہ۔ (کیونکہ) پتھروں میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ بہتی ہیں، اور انہی میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جو خود پھٹ پڑتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے، اور انہی میں وہ (پتھر) بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے لڑھک جاتے ہیں۔ اور (اس کے برخلاف) جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے ﴿۵۴﴾

(مسلمانو!) کیا اب بھی تمہیں یہ لالچ ہے کہ یہ لوگ تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کے لوگ اللہ کا کلام سنتے تھے، پھر اس کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد بھی جانتے بوجھتے اس میں تحریف کر ڈالتے تھے ﴿۵۵﴾ اور جب یہ لوگ ان (مسلمانوں) سے ملتے ہیں جو پہلے ایمان لا چکے ہیں تو (زبان سے) کہہ دیتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں، اور جب یہ ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں جاتے ہیں تو (آپس میں ایک دوسرے سے) کہتے ہیں کہ: ”کیا تم ان (مسلمانوں) کو وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ یہ (مسلمان) تمہارے پروردگار کے پاس جا کر انہیں تمہارے خلاف دلیل کے طور پر پیش کریں؟“ کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں؟“ ﴿۵۶﴾

﴿۵۴﴾ یعنی بعض مرتبہ تو پتھروں سے چشمے نکل آتے ہیں، جیسا کہ بنی اسرائیل خود دیکھ چکے تھے کہ کس طرح ایک سنگاخ چٹان سے پانی کے چشمے بہہ پڑے تھے، (دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۶۰) اور بعض اوقات بھاری مقدار میں تو پانی نہیں نکلتا، مگر پتھر شق ہو کر تھوڑا بہت پانی نکال دیتا ہے، اور کچھ پتھر اللہ کے خوف سے لڑھک بھی پڑتے ہیں، مگر ان کے دل ایسے سخت ہیں کہ ذرا نہیں پسجتے۔ کسی زمانے میں یہ بات کچھ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ پتھر جیسی بے جان چیز میں خوف کا کیا تصور ہو سکتا ہے؟ لیکن قرآن کریم نے کئی جگہوں پر یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ جن چیزوں کو ہم بظاہر بے جان یا بے شعور سمجھتے ہیں ان میں بھی کچھ نہ کچھ شعور موجود ہے۔ مثلاً دیکھئے سورہ بنی اسرائیل (۱۷: ۴۴) اور سورہ احزاب (۳۳: ۷۲) لہذا اگر اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ کچھ پتھر اللہ کے خوف سے لڑھک جاتے ہیں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ آج تو سائنس بھی رفتہ رفتہ اس نتیجے پر پہنچ رہی ہے کہ جمادات میں بھی نمودار شعور کی کچھ نہ کچھ صلاحیت موجود ہے۔

﴿۵۵﴾ تورات میں آخر زمانے میں آنے والے نبی کی جو پیشینگوئیاں موجود تھیں وہ تمام تر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی



أَوْ لَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۷۷﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ  
إِلَّا أَمَانِي وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ  
هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا  
يَكْسِبُونَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوا لَنْ تَمْسَنَا السَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً ۖ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا  
فَلَنْ يُخْلَفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۰﴾ بَلَى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً  
وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۱﴾

کیا یہ لوگ (جو ایسی باتیں کرتے ہیں) یہ نہیں جانتے کہ اللہ کو ان ساری باتوں کا خوب علم ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں؟ ﴿۷۷﴾ اور ان میں سے کچھ لوگ ان پڑھ ہیں جو کتاب (تورات) کا علم تو رکھتے نہیں، البتہ کچھ آرزوئیں پکائے بیٹھے ہیں، اور ان کا کام بس یہ ہے کہ وہ ہم و گمان باندھتے رہتے ہیں ﴿۷۸﴾ لہذا تباہی ہے ان لوگوں کی جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر (لوگوں سے) کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ اس کے ذریعے تھوڑی سی آمدنی کمالیں۔ پس تباہی ہے ان لوگوں پر اس تحریر کی وجہ سے بھی جو ان کے ہاتھوں نے لکھی، اور تباہی ہے ان پر اس آمدنی کی وجہ سے بھی جو وہ کماتے ہیں ﴿۷۹﴾

اور یہودیوں نے کہا ہے کہ ہمیں گنتی کے چند دنوں کے علاوہ آگ ہرگز نہیں چھوئے گی۔ آپ ان سے کہئے کہ کیا تم نے اللہ کی طرف سے کوئی عہد لے رکھا ہے جس کی بنا پر وہ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا، یا تم اللہ کے ذمے وہ بات لگا رہے ہو جس کا تمہیں کچھ پتہ نہیں؟ ﴿۸۰﴾ (آگ تمہیں) کیوں نہیں (چھوئے گی)؟ جو لوگ بھی بدی کماتے ہیں اور ان کی بدی انہیں گھیر لیتی ہے تو ایسے لوگ ہی دوزخ کے باسی ہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے ﴿۸۱﴾

تھیں، بعض منافق یہودی جو مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے یہ پیشینگوئیاں مسلمانوں کو سنا دیتے تھے، اس پر دوسرے یہودی تنہائی میں ان کو ملامت کرتے تھے کہ مسلمان ان پیشینگوئیوں کو جان لیں گے تو قیامت میں ہمارے خلاف استعمال کریں گے اور ہمارے پاس ان کا کوئی جواب نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ انتہائی بے وقوفی کی بات تھی، کیونکہ اگر مسلمانوں سے یہ پیشینگوئیاں چھپا بھی لی جائیں تو اللہ سے تو نہیں چھپ سکتیں۔

﴿۵۶﴾ یہاں قرآن کریم نے ترتیب یہ رکھی ہے کہ پہلے ان یہودی علماء کا ذکر فرمایا ہے جو تورات میں جان بوجھ کر رد و بدل کرتے تھے، پھر ان پڑھ یہودیوں کا جنہیں تورات کا علم تو تھا نہیں، مگر انہیں مذکورہ بالا علماء نے ان جھوٹی آرزوؤں میں مبتلا کر رکھا تھا کہ سارے یہودی اللہ کے لاڈلے ہیں، اور وہ بہر صورت جنت میں جائیں گے۔ ان کا سارا علم اسی قسم کے گمانوں پر مشتمل تھا۔ چونکہ ان کے اس گمان کی بنیادی وجہ علماء کی تحریفات تھیں اس لئے آیت ۸۶ میں ان کی تباہی کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔

﴿۵۷﴾ بدی کے گھیرے میں لینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کریں جس کے بعد کوئی نیک عمل آخرت میں کارآمد نہ ہو، اور وہ گناہ کفر اور شرک ہے۔



۵۷ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝۵۸ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَآءَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۖ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنتُمْ مُّعْرِضُونَ ۝۵۹ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَ ۝۶۰ ثُمَّ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فِرْيَقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظْهَرُونَ عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَإِنْ يَأْتِوكُمْ أُسْرَىٰ تُمْسِكُوهُمْ وَهُمْ وَهَمٌ مَّحْرَمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ أَفْثُو مَمْنُونٍ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۖ فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ مِّنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ ۖ وَمَا لِلَّهِ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝۶۱

اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں، تو وہ جنت کے باسی ہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے ۵۷ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا تھا کہ: ”تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے، اور والدین سے اچھا سلوک کرو گے، اور رشتہ داروں سے بھی اور یتیموں اور مسکینوں سے بھی۔ اور لوگوں سے بھلی بات کہنا، اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا۔“ (مگر) پھر تم میں سے تھوڑے سے لوگوں کے سوا باقی سب (اس عہد سے) منہ موڑ کر پھر گئے ۵۸ اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے پکا عہد لیا تھا کہ: ”تم ایک دوسرے کا خون نہیں بہاؤ گے، اور اپنے آدمیوں کو اپنے گھروں سے نہیں نکالو گے“ پھر تم نے اقرار کیا تھا، اور تم خود اس کے گواہ ہو ۵۹ اس کے بعد (آج) تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنے ہی آدمیوں کو قتل کرتے ہو، اور اپنے ہی میں سے کچھ لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال باہر کرتے ہو، اور ان کے خلاف گناہ اور زیادتی کا ارتکاب کر کے (ان کے دشمنوں کی) مدد کرتے ہو، اور اگر وہ (دشمنوں کے) قیدی بن کر تمہارے پاس آجاتے ہیں تو تم ان کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو، حالانکہ ان کو (گھر سے) نکالنا ہی تمہارے لئے حرام تھا۔ ۶۰ تو کیا تم کتاب (تورات) کے کچھ حصے پر تو ایمان رکھتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟ اب بتاؤ کہ جو شخص ایسا کرے اُس کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دُنیوی زندگی میں اُس کی رُسوائی ہو؟ اور قیامت کے دن ایسے لوگوں کو سخت ترین عذاب کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے ۶۱

(۵۸) اس کا پس منظر یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو قبیلے آباد تھے، بنو قریظہ اور بنو نضیر۔ دوسری طرف بُت پرستوں کے بھی دو قبیلے تھے، اوس اور خزرج۔ قریظہ کی دوستی اوس قبیلے سے تھی، اور بنو نضیر کی خزرج سے۔ جب اوس اور خزرج میں لڑائی



أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٥٩﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ ۖ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۖ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ ۖ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ ۖ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿٦٠﴾ وَقَالُوا اقْلُوبْنَا عِلْفًا ۖ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٦١﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دُنیوی زندگی کو آخرت کے بدلے خرید لیا ہے، لہذا نہ اُن کے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی اور نہ اُن کی مدد کی جائیگی ﴿۵۹﴾ اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے۔ اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو کھلی کھلی نشانیاں دیں، اور روح القدس سے ان کی تائید کی۔ ﴿۵۹﴾ پھر یہ آخر کیا معاملہ ہے کہ جب کبھی کوئی رسول تمہارے پاس کوئی ایسی بات لے کر آیا جو تمہاری نفسانی خواہشات کو پسند نہیں تھی تو تم اکڑ گئے؟ چنانچہ بعض (انبیاء) کو تم نے جھٹلایا، اور بعض کو قتل کرتے رہے ﴿۶۰﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”ہمارے دل غلاف میں ہیں۔“ نہیں! بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر پھٹکار ڈال رکھی ہے، اس لئے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں ﴿۶۱﴾

ہوتی تو قریظہ اوس کا ساتھ دیتے، اور بنو نضیر خزر ج کا۔ نتیجہ یہ کہ یہودیوں کے دونوں قبیلے بالواسطہ ایک دوسرے کے مد مقابل آجاتے اور ان لڑائیوں میں جہاں اوس اور خزر ج کے آدمی مارے جاتے وہاں قریظہ اور نضیر کے یہودی بھی قتل ہوتے، یا اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوتے۔ اس طرح اگرچہ بنو قریظہ اور بنو نضیر دونوں قبیلے یہودی تھے، مگر وہ ایک دوسرے کے دشمنوں کی امداد کر کے آپس میں ایک دوسرے کے قتل اور خانماں بربادی میں حصہ دار ہوتے تھے۔ ہاں اگر کوئی یہودی دشمن کے ہاتھوں قید ہو جاتا تو وہ سب مل کر اس کا فدیہ ادا کرتے اور اسے چھڑا لیتے جس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ ہمیں تورات نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر کوئی یہودی دشمن کی قید میں چلا جائے تو اسے چھڑائیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ جس تورات نے یہ حکم دیا ہے اسی نے یہ حکم بھی تو دیا تھا کہ نہ ایک دوسرے کو قتل کرنا، نہ ایک دوسرے کو گھر سے نکالنا۔ ان احکام کو تو تم نے چھوڑ دیا اور صرف فدیہ کے حکم پر عمل کر لیا۔ ﴿۵۹﴾ ”روح القدس“ کے لفظی معنی ہیں: مقدس روح، اور قرآن کریم میں یہ لقب حضرت جبریل علیہ السلام کے لئے استعمال کیا گیا ہے، (دیکھئے: سورہ نحل ۱۶: ۱۰۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت جبریل علیہ السلام کی یہ تائید حاصل تھی کہ وہ ان کے دشمنوں سے ان کی حفاظت کے لئے ان کے ساتھ رہتے تھے۔

﴿۶۰﴾ ان کے اس جملے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی شیخی بگھارتے تھے کہ ہمارے دلوں پر ایک حفاظتی غلاف ہے جس کی وجہ سے کوئی غلط بات ہمارے دلوں میں گھر نہیں کر سکتی۔ اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے آپ سے مایوس کرنے کے لئے طنز اُیہ کہتے تھے کہ آپ تو بس یہ سمجھ لو کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھا ہوا ہے، اور ہمیں اسلام کی دعوت دینے کی فکر میں نہ پڑو۔



وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ<sup>۱۸</sup> وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا<sup>۱۹</sup> فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ<sup>۲۰</sup> بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ بَغْيًا أَنْ يَنْزِلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ<sup>۲۱</sup> فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ<sup>۲۲</sup> وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ<sup>۲۳</sup> وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا نَأْمُرُ بِمَا أَنزَلَ عَلَيْنَا وَنُكْفِرُ بِمَا وَرَاءَهُ<sup>۲۴</sup> وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ<sup>۲۵</sup> قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ<sup>۲۶</sup>

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آئی (یعنی قرآن) جو اُس (تورات) کی تصدیق بھی کرتی ہے جو پہلے سے ان کے پاس ہے، (تو ان کا طرز عمل دیکھو!) باوجودیکہ یہ خود شروع میں کافروں (یعنی بت پرستوں) کے خلاف (اس کتاب کے حوالے سے) اللہ سے فتح کی دُعائیں مانگا کرتے تھے، مگر جب وہ چیز ان کے پاس آگئی جسے انہوں نے پہچان بھی لیا، تو اس کا انکار کر بیٹھے۔ پس پھٹکار ہے اللہ کی ایسے کافروں پر! <sup>(۱۹)</sup> بُری ہے وہ قیمت جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا ہے، کہ یہ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کا صرف اس جلن کی بنا پر انکار کر رہے ہیں کہ اللہ اپنے فضل کا کوئی حصہ (یعنی وحی) اپنے بندوں میں سے جس پر چاہ رہا ہے (کیوں) اتار رہا ہے؟ چنانچہ یہ (اپنی اس جلن کی وجہ سے) غضب بالائے غضب لے کر لوٹے ہیں۔ <sup>(۲۲)</sup> اور کافر لوگ ذلت آمیز سزا کے مستحق ہیں۔ <sup>(۲۰)</sup> اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کلام اتارا ہے اس پر ایمان لے آؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو (صرف) اُسی کلام پر ایمان رکھیں گے جو ہم پر نازل کیا گیا، (یعنی تورات) اور وہ اس کے سوا (دوسری آسمانی کتابوں) کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ وہ بھی حق ہیں، (اور) جو کتاب ان کے پاس ہے وہ اُس کی تصدیق بھی کرتی ہیں۔ (اے پیغمبر!) تم ان سے کہو کہ اگر تم واقعی (تورات پر) ایمان رکھتے تھے تو اللہ کے نبیوں کو پہلے زمانے میں کیوں قتل کرتے رہے؟ <sup>(۲۶)</sup>

<sup>(۲۱)</sup> جب یہودیوں کی بت پرستوں سے جنگ ہوتی یا بحث و مباحثہ ہوتا تو وہ یہ دُعائیں مانگا کرتے تھے کہ یا اللہ! آپ نے تورات میں جس آخری نبی کی خبر دی ہے اسے جلدی بھیج دیجئے تاکہ ہم ان کے ساتھ مل کر بت پرستوں پر فتح حاصل کریں۔ مگر جب وہ نبی (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لے آئے تو وہ اس حسد میں مبتلا ہو گئے کہ انہیں بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں کیوں بھیجا گیا؟ چنانچہ یہ جان لینے کے باوجود کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ ساری علامتیں صادق آتی ہیں جو تورات میں نبی آخر الزمان کی بیان کی گئی ہیں انہوں نے آپ کو ماننے سے انکار کر دیا۔

<sup>(۲۲)</sup> یعنی ایک غضب کے مستحق تو وہ اپنے کفر کی وجہ سے تھے، دوسرا غضب ان پر حسد اور ضد کی وجہ سے ہوا۔



وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهَا وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٩٢﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ۖ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا ۚ قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۚ قُلْ بِسْمَايَا مُرْكُمُ بِهِ إِيْبَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾ قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيهِمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٩٥﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاتِهِ ۖ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرَ أَلْفَ سَنَةٍ ۖ وَمَا هُوَ بِزَرْحِهِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ إِنَّ يُعَمَّرَ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾

اور خود موسیٰ تمہارے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے، پھر تم نے ان کے پیٹھ پیچھے یہ ستم ڈھایا کہ گائے کے نچھڑے کو معبود بنا لیا ﴿٩٢﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تمہارے اوپر طور کو بلند کر دیا (اور یہ کہا کہ) ”جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی سے تھامو“ اور (جو کچھ کہا جائے اسے ہوش سے) سنو۔“ کہنے لگے: ”ہم نے (پہلے بھی) سن لیا تھا، مگر عمل نہیں کیا تھا (اب بھی ایسا ہی کریں گے)“ اور (در اصل) اُن کے کفر کی نحوست سے اُن کے دلوں میں نچھڑا بسا ہوا تھا۔ آپ (اُن سے) کہئے کہ اگر تم مؤمن ہو تو کتنی بُری ہیں وہ باتیں جو تمہارا ایمان تمہیں تلقین کر رہا ہے! ﴿٩٣﴾ آپ (اُن سے) کہئے کہ: ”اگر اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے ہی لئے مخصوص ہے (جیسا کہ تمہارا کہنا ہے) تو موت کی تمنا تو کر کے دکھاؤ، اگر واقعی سچے ہو“ ﴿٩٤﴾ اور (ہم بتائے دیتے ہیں کہ) انہوں نے اپنے جو کرتوت آگے بھیج رکھے ہیں، ان کی وجہ سے یہ کبھی ایسی تمنا نہیں کریں گے۔ اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿٩٥﴾ (بلکہ) یقیناً تم ان لوگوں کو پاؤ گے کہ انہیں زندہ رہنے کی حرص دوسرے تمام انسانوں سے زیادہ ہے، یہاں تک کہ مشرکین سے بھی زیادہ۔ ان میں کا ایک ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ ایک ہزار سال عمر پائے، حالانکہ کسی کا بڑی عمر پالینا اسے عذاب سے دُور نہیں کر سکتا۔ اور یہ جو عمل بھی کرتے ہیں اللہ اسے اچھی طرح دیکھ رہا ہے ﴿٩٦﴾

(۶۳) اس واقعے کی تفصیل اسی سورت میں پیچھے آیت نمبر ۶۳ کے حاشیہ میں گذر چکی ہے، اور نچھڑے کا واقعہ آیت ۵۱ کے تحت۔  
(۶۴) یہ بھی قرآن کریم کی طرف سے ایک چیلنج تھا جسے قبول کر لینا ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ وہ باسانی کم از کم زبان سے علی الاعلان موت کی تمنا کر کے دکھا سکتے تھے، لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ خدائی چیلنج ہے، اس لئے ایسی تمنا کا اظہار انہیں فوراً قبر میں پہنچا دے گا، اس لئے کسی نے ایسی جرأت نہیں کی۔



قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجَبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٩٥﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿٩٧﴾ أَوَكَلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَبَذَهُ فَرِيقٌ مِنْهُمْ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٨﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ ۚ كِتَابَ اللَّهِ وَرَأَوْا ظُهُورَهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩٩﴾ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكٍ سُلَيمٍ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٌ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ

(اے پیغمبر!) کہہ دو کہ اگر کوئی شخص جبریل کا دشمن ہے تو (ہوا کرے) انہوں نے تو یہ کلام اللہ کی اجازت سے تمہارے دل پر اتارا ہے جو اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کر رہا ہے، اور ایمان والوں کے لئے مجسم ہدایت اور خوشخبری ہے ﴿۹۵﴾ اگر کوئی شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں اور رسولوں کا، اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو (وہ سن رکھے کہ) اللہ کافروں کا دشمن ہے ﴿۹۶﴾ اور بیشک ہم نے آپ پر ایسی آیتیں اتاری ہیں جو حق کو آشکار کرنے والی ہیں، اور ان کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو نافرمان ہیں ﴿۹۷﴾ یہ آخر کیا معاملہ ہے کہ ان لوگوں نے جب کوئی عہد کیا، ان کے ایک گروہ نے اسے ہمیشہ توڑ پھینکا؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ ایمان لاتے ہی نہیں ﴿۹۸﴾ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول آئے جو اُس (تورات) کی تصدیق کر رہے تھے جو ان کے پاس ہے، تو اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب (تورات و انجیل) کو اس طرح پس پشت ڈال دیا گویا وہ کچھ جانتے ہی نہ تھے (کہ اس میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا ہدایات دی گئی تھیں) ﴿۹۹﴾ اور یہ (بنی اسرائیل) اُن (منتروں) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان (علیہ السلام) کی سلطنت کے زمانے میں شیاطین پڑھا کرتے تھے۔ اور سلیمان (علیہ السلام) نے کوئی کفر نہیں کیا تھا، البتہ شیاطین لوگوں کو جادو کی تعلیم دے کر کفر کا ارتکاب کرتے تھے۔ ﴿۱۰۰﴾

(۹۵) بعض یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ کے پاس جبریل علیہ السلام وحی لاتے ہیں وہ چونکہ ہمارے لئے بڑے سخت احکام لایا کرتے تھے اس لئے ہم انہیں اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اور فرشتہ وحی لا رہا ہوتا تو ہم کچھ غور کر سکتے تھے۔ یہ آیت اس کے جواب میں نازل ہوئی ہے، اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام تو محض پیغام پہنچانے والے ہیں، جو کچھ لاتے ہیں اللہ کے حکم سے لاتے ہیں۔ لہذا نہ ان سے دشمنی کی کوئی معقول وجہ ہے اور نہ اس کی وجہ سے اللہ کے کلام کو رد کرنے کے کوئی معنی ہیں۔

(۱۰۱) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی ایک اور بد عملی کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور وہ یہ کہ جادوؤں کے پیچھے لگنا شرعاً



وَمَا أَنزَلْ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۚ وَمَا يَعْلَمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا هُمْ بِضَآئِرٍ يَنْبَغِي بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلْقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۶﴾

نیز (یہ بنی اسرائیل) اُس چیز کے پیچھے لگ گئے جو شہر بابل میں ہاروت اور ماروت نامی دو فرشتوں پر نازل کی گئی تھی۔<sup>(۱۰۶)</sup> یہ دو فرشتے کسی کو اس وقت تک کوئی تعلیم نہیں دیتے تھے جب تک اس سے یہ نہ کہہ دیں کہ: ”ہم محض آزمائش کے لئے (بھیجے گئے) ہیں، لہذا تم (جادو کے پیچھے لگ کر) کفر اختیار نہ کرنا۔“ پھر بھی یہ لوگ اُن سے وہ چیزیں سیکھتے تھے جس کے ذریعے مرد اور اس کی بیوی میں جدائی پیدا کر دیں۔ (ویسے یہ واضح رہے کہ) وہ اس کے ذریعے کسی کو اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔<sup>(۱۰۸)</sup> (مگر) وہ ایسی باتیں سیکھتے تھے جو اُن کے لئے نقصان دہ تھیں، اور فائدہ مند نہ تھیں۔ اور وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ جو شخص ان چیزوں کا خریدار بنے گا، آخرت میں اُس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ چیز بہت بُری تھی جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں بیچ ڈالیں۔ کاش کہ ان کو (اس بات کا حقیقی) علم ہوتا۔<sup>(۱۰۷)</sup>

ناجائز تھا، بالخصوص اگر جادو میں شرکیہ کلمات منتر کے طور پر پڑھے جائیں تو ایسا جادو کفر کے مرادف ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں کچھ شیاطین نے، جن میں انسان اور جنات دونوں شامل ہو سکتے ہیں، بعض یہودیوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کا سارا راز جادو میں مضمر ہے، اور اگر تم جادو سیکھ لو گے تو تمہیں بھی حیرت انگیز اقتدار نصیب ہوگا۔ چنانچہ یہ لوگ جادو سیکھنے اور اُس پر عمل کرنے میں لگ گئے، حالانکہ جادو پر عمل کرنا نہ صرف ناجائز تھا، بلکہ اس کی بعض قسمیں کفر تک پہنچتی تھیں۔ دوسرا غضب یہودیوں نے یہ کیا کہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام کو جادو گر قرار دے کر ان کے بارے میں یہ مشہور کر دیا کہ انہوں نے آخری عمر میں بتوں کو پوجنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے بارے میں یہ جھوٹی داستانیں انہوں نے اپنی مقدس کتابوں میں شامل کر دیں جو آج تک بائبل میں درج چلی آتی ہیں۔ چنانچہ بائبل کی کتاب سلاطین اول ۱۱-۱۲ تا ۲۱ میں ان کے معاذ اللہ مرتد ہونے کا بیان آج بھی موجود ہے۔ قرآن کریم نے اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام پر اس ناپاک بہتان کی تردید فرمائی ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جن لوگوں نے قرآن کریم پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں سے مأخوذ ہے، وہ کتنا غلط الزام ہے۔ یہاں قرآن کریم صریح الفاظ میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں کی تردید کر رہا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا جس سے وہ یہ خود معلوم کر سکتے کہ یہودیوں کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ اس بات کا علم آپ کو وحی کے سوا کسی اور راستے سے نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا یہ آیت بذات خود آپ کے صاحبِ وحی رسول ہونے کی واضح دلیل ہے کہ آپ نے نہ صرف یہ بتلایا کہ یہودیوں کی کتابوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام پر کیا بہتان لگایا گیا ہے، بلکہ اس قدر جم کر اس کی تردید فرمائی ہے۔

(۱۰۷) بابل عراق کا مشہور شہر تھا۔ ایک زمانے میں وہاں جادو کا بڑا چرچا ہو گیا تھا، اور یہودی بھی اس ناجائز کام میں بُری طرح



ملوث ہو گئے تھے۔ انبیائے کرام اور دوسرے نیک لوگ انہیں جادو سے منع کرتے تو وہ بات نہ مانتے تھے۔ اس سے بھی خطرناک بات یہ تھی کہ لوگوں نے جادو گروں کے شعبدوں کو معجزے سمجھ کر انہیں اپنا دینی مقتدا بنالیا تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دو فرشتے جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا دنیا میں انسانی شکل میں بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو جادو کی حقیقت سے آگاہ کریں، اور یہ بتائیں کہ خدائی معجزات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ معجزہ براہ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس میں کسی ظاہری سبب کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس جادو کے ذریعے جو کوئی شعبدہ دکھایا جاتا ہے وہ اسی عالم اسباب کا ایک حصہ ہے۔ یہ بات واضح کرنے کے لئے ان فرشتوں کو جادو کے مختلف طریقے بھی بتانے پڑتے تھے تاکہ یہ دکھایا جاسکے کہ کس طرح وہ سبب اور مسبب کے رشتے سے منسلک ہیں، لیکن جب وہ ان طریقوں کی تشریح کرتے تو ساتھ ساتھ لوگوں کو متنبہ بھی کر دیتے تھے کہ یاد رکھو! یہ طریقے ہم اس لئے نہیں بتا رہے ہیں کہ تم ان پر عمل شروع کر دو، بلکہ اس لئے بتا رہے ہیں کہ تم پر جادو اور معجزے کا فرق واضح ہو، اور تم جادو سے پرہیز کرو۔ اس لحاظ سے ہمارا وجود تمہارے لئے ایک امتحان ہے کہ ہماری باتوں کو سمجھ کر تم جادو سے پرہیز کرتے ہو یا ہم سے جادو کے طریقے سیکھ کر ان پر عمل شروع کر دیتے ہو۔ یہ کام انبیاء کے بجائے فرشتوں سے بظاہر اس بنا پر لیا گیا کہ جادو کے فارمولے بتانا، خواہ وہ صحیح مقصد سے کیوں نہ ہو، انبیائے کرام کو زیب نہیں دیتا تھا۔ اس کے برعکس فرشتے چونکہ غیر مکلف ہوتے ہیں، اس لئے ان سے بہت سے تکوینی کام لئے جاسکتے ہیں۔ بہر حال! نافرمان لوگوں نے ان فرشتوں کی طرف سے کہی ہوئی باتوں کو تو نظر انداز کر دیا، اور ان کے بتائے ہوئے فارمولوں کو جادو کرنے میں استعمال کیا اور وہ بھی ایسے گھناؤنے مقاصد کے لئے جو ویسے بھی حرام تھے، مثلاً میاں بیوی میں پھوٹ ڈال کر نوبت طلاق تک پہنچا دینا۔

(۶۸) یہاں سے جملہ معترضہ کے طور پر ایک اور اصولی غلطی پر متنبہ کیا جا رہا ہے، اور وہ یہ کہ جادو پر ایمان رکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ جادو میں بذات خود ایسی تاثیر موجود ہے جس سے مطلوبہ نتیجہ خود بخود اللہ کے حکم کے بغیر بھی برآمد ہو جاتا ہے، گویا اللہ چاہے یا نہ چاہے، وہ نتیجہ پیدا ہو کر رہے گا۔ یہ عقیدہ بذات خود کفر تھا۔ اس لئے یہ واضح کر دیا گیا کہ دنیا کے دوسرے اسباب کی طرح جادو بھی محض ایک سبب ہے اور دنیا میں کوئی سبب بھی اپنا مسبب یا نتیجہ اس وقت تک ظاہر نہیں کر سکتا جب تک اللہ کی مشیت اس کے ساتھ متعلق نہ ہو۔ کائنات کی کسی چیز میں بذات خود نہ کسی کو نفع پہنچانے کی طاقت ہے نہ نقصان پہنچانے کی۔ لہذا اگر کوئی ظالم کسی پر ظلم کرنا چاہتا ہے تو وہ اللہ کی قدرت اور مشیت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ البتہ چونکہ یہ دنیا ایک امتحان کی جگہ ہے اس لئے یہاں اللہ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے کوئی گناہ کرنا چاہتا ہے یا کسی پر ظلم کرنا چاہتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ تکوینی مصلحت کے مطابق سمجھتا ہے تو اپنی مشیت سے وہ کام کر دیتا ہے۔ اسی کے نتیجے میں ظالم کو گناہ اور مظلوم کو ثواب ملتا ہے، ورنہ اگر اللہ اسے اس کام کی قدرت ہی نہ دے تو امتحان کیسے ہو؟ لہذا جتنے گناہ کے کام دنیا میں ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور مشیت سے ہوتے ہیں، اگرچہ اس کی رضامندی ان کو حاصل نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی رضامندی میں فرق یہی ہے کہ مشیت اچھے بُرے ہر کام سے متعلق ہو سکتی ہے، مگر رضامندی صرف جائز اور ثواب کے کاموں سے مخصوص ہے۔

(۶۹) اس آیت کے شروع میں تو یہ کہا گیا ہے کہ وہ یہ حقیقت جانتے ہیں کہ جو شرکانہ جادو کا خریدار ہوگا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، لیکن آیت کے آخری حصے میں فرمایا ہے کہ ”کاش وہ علم رکھتے“ جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اس حقیقت کا علم نہیں ہے۔ بظاہر دونوں باتیں متضاد لگتی ہیں، لیکن درحقیقت اس انداز بیان سے یہ عظیم سبق دیا گیا ہے کہ نرا علم جس پر عمل نہ ہو حقیقت میں علم کہلانے کا مستحق نہیں، بلکہ وہ کالعدم ہے۔ لہذا اگر وہ یہ بات جانتے تو ہیں مگر ان کا عمل اس کے برخلاف ہے تو وہ علم کس کام کا؟ کاش کہ وہ حقیقی علم رکھتے تو اس پر ان کا عمل بھی ہوتا۔



وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ ۖ لَّوْكَانُوا يَعْلَمُونَ ۝۴۰ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ  
آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۚ وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴۱ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ  
كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۖ وَاللّٰهُ  
يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَّشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۴۲ مَا نُنْسخُ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِيْهَا نَاتٍ  
بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلَهَا ۚ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۳

اور (اس کے برعکس) اگر وہ ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کے پاس سے ملنے والا ثواب یقیناً کہیں زیادہ بہتر ہوتا۔  
کاش کہ اُن کو (اس بات کا بھی حقیقی) علم ہوتا۔ ۝۴۰

ایمان والو! (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر) ”رَاعِنَا“ نہ کہا کرو، اور ”اَنْظُرْنَا“ کہہ دیا کرو۔ اور سنا کرو۔  
اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے ۝۴۱ کافر لوگ، خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے، یہ پسند نہیں  
کرتے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی بھلائی تم پر نازل ہو، حالانکہ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے  
مخصوص فرما لیتا ہے۔ اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے۔ ۝۴۲

ہم جب بھی کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا اُسی جیسی (آیت) لے آتے ہیں۔  
کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے؟ ۝۴۳

(۷۰) مدینہ میں رہنے والے بعض یہودیوں کی ایک شرارت یہ تھی کہ وہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تو آپ سے  
کہتے تھے: رَاعِنَا۔ عربی میں اس کے معنی یہ ہیں کہ ”ہماری رعایت فرمائیے“ اس لحاظ سے یہ لفظ ٹھیک تھا اور اس میں گستاخی  
کے کوئی معنی نہیں تھے۔ لیکن عبرانی زبان میں جو یہودیوں کی مذہبی زبان تھی، اس سے ملتا جلتا ایک لفظ بددعا اور گالی کے  
طور پر استعمال ہوتا تھا، نیز اگر اسی لفظ میں عین کو ذرا کھینچ کر بولا جائے تو وہ رَاعِنَا بن جاتا ہے۔ جس کے معنی ہیں: ”ہمارے  
چرواہے!“ غرض یہودیوں کی اصل نیت اس لفظ کو خراب معنی میں استعمال کرنے کی تھی، لیکن چونکہ عربی میں بظاہر اس کا مطلب  
ٹھیک تھا، اس لئے بعض مخلص مسلمانوں نے بھی یہ لفظ بولنا شروع کر دیا۔ یہودی اس بات سے بڑے خوش ہوتے اور اندر اندر  
مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اس لئے اس آیت نے مسلمانوں کو اس شرارت پر متنبہ بھی کر دیا، آئندہ اس لفظ کے استعمال پر  
پابندی بھی لگا دی اور یہ سبق بھی دے دیا کہ ایسے الفاظ کا استعمال مناسب نہیں ہے جن میں کسی غلط مفہوم کا احتمال ہو، یا ان سے کوئی  
غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہو۔ نیز اگلی آیت میں اس سارے عناد کی اصل وجہ بھی بتا دی کہ درحقیقت ان کو یہ حسد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے  
نبوت کی نعمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں عطا فرمادی ہے۔ رَاعِنَا کے بجائے اَنْظُرْنَا کا لفظ سکھا دیا کیونکہ اس کے معنی  
ہیں ”ہم پر (شفقت کی) نظر فرمائیے“ اس میں کسی اور معنی کا احتمال نہیں۔

(۷۱) اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ مختلف زمانوں کے حالات کی مناسبت سے شریعت کے فروعی احکام میں تبدیلی فرماتے  
رہے ہیں۔ اگرچہ دین کے بنیادی عقائد مثلاً توحید، رسالت، آخرت وغیرہ ہر دور میں ایک رہے ہیں، لیکن جو عملی احکام حضرت



أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا  
 نَصِيرٍ ﴿٥٨﴾ أَمْ تَرِيدُونَ أَن تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سَأَلَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ ۚ وَمَن يَتَّبِعِ الْكُفْرَ  
 بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿٥٩﴾ وَكَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِّنْ بَعْدِ  
 إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖ حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا  
 حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٦٠﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ  
 وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٦١﴾

کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ وہ ذات ہے کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت تنہا اُسی کی ہے، اور اللہ کے سوانہ کوئی تمہارا  
 رکھوالا ہے نہ مددگار؟ ﴿۵۸﴾ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے اُسی قسم کے سوال کرو جیسے پہلے موسیٰ سے کئے جا چکے ہیں؟  
 اور جو شخص ایمان کے بدلے کفر اختیار کرے وہ یقیناً سیدھے راستے سے بھٹک گیا ﴿۵۹﴾ (مسلمانو!) بہت سے اہل کتاب  
 اپنے دلوں کے حسد کی بنا پر یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں پلٹا کر پھر کافر بنادیں، باوجودیکہ حق اُن  
 پر واضح ہو چکا ہے۔ چنانچہ تم معاف کرو اور درگزر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ خود اپنا فیصلہ بھیج دے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر  
 قادر ہے ﴿۶۰﴾ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور (یاد رکھو کہ) جو بھلائی کا عمل بھی تم خود اپنے فائدے کے لئے آگے بھیج  
 دو گے اُس کو اللہ کے پاس پاؤ گے۔ بیشک جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے ﴿۶۱﴾

موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے ان میں سے بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں تبدیل کر دیئے گئے، اور آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے زمانے میں ان میں مزید تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع میں نبوت عطا  
 ہوئی تو آپ کی دعوت کو مختلف مراحل سے گزرنا تھا، مسلمانوں کو طرح طرح کے مسائل درپیش تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے احکام  
 میں تدریج اختیار فرمائی۔ کسی وقت ایک حکم دیا گیا، بعد میں اس کی جگہ دوسرا حکم آ گیا، جیسا کہ قبلے کے تعین میں احکام بدلے گئے  
 جن کی کچھ تفصیل آگے آیت ۱۱۵ میں آرہی ہے۔ فروعی احکام میں ان حکیمانہ تبدیلیوں کو اصطلاح میں ”شیخ“ کہتے ہیں۔

یہودیوں نے بالخصوص اور دوسرے کافروں نے بالعموم اس پر یہ اعتراض اٹھایا کہ اگر یہ سارے احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں  
 تو ان میں یہ تبدیلیاں کیوں ہو رہی ہیں؟ یہ آیت کریمہ اس سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ  
 اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق بدلے ہوئے حالات میں یہ تبدیلیاں کرتے ہیں، اور جو حکم بھی منسوخ کیا جاتا ہے اس کی جگہ ایسا  
 حکم لایا جاتا ہے جو بدلے ہوئے حالات میں زیادہ مناسب اور بہتر ہوتا ہے، یا کم از کم اتنا ہی بہتر ہوتا ہے جتنا بہتر پہلا حکم تھا۔

(۷۲) یہ خطاب یہودیوں کو بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بجائے طرح طرح کے مطالبے پیش کرتے  
 تھے، اور ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے باوجود یہودی ان  
 سے نامعقول اور غیر ضروری سوالات اور مطالبے کرتے رہے ہیں، تم ایسا نہ کرنا۔



وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرًا ۚ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلَىٰ ۚ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَاءُ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ وَوَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا ۚ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

اور یہ (یعنی یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ: ”جنت میں سوائے یہودیوں یا عیسائیوں کے کوئی بھی ہرگز داخل نہیں ہوگا۔“ یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں۔ آپ ان سے کہئے کہ اگر تم (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو تو اپنی کوئی دلیل لے کر آؤ ۝ کیوں نہیں؟ (قاعدہ یہ ہے کہ) جو شخص بھی اپنا رخ اللہ کے آگے جھکا دے، اور وہ نیک عمل کرنے والا ہو، اُسے اپنا اجر اپنے پروردگار کے پاس ملے گا۔ اور ایسے لوگوں کو نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۝ اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائیوں (کے مذہب) کی کوئی بنیاد نہیں، اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں (کے مذہب) کی کوئی بنیاد نہیں، حالانکہ یہ سب (آسمانی) کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح وہ (مشرکین) جن کے پاس کوئی (آسمانی) علم ہی سرے سے نہیں ہے، انہوں نے بھی ان (اہل کتاب) کی جیسی باتیں کہنی شروع کر دی ہیں۔ چنانچہ اللہ ہی قیامت کے دن ان کے درمیان اُن باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں یہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔ ۝

اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں پر اس بات کی بندش لگا دے کہ ان میں اللہ کا نام لیا جائے، اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔ ایسے لوگوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان (مسجدوں) میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔ ۝ ایسے لوگوں کے لئے دُنیا میں رُسوائی ہے، اور انہی کو آخرت میں زبردست عذاب ہوگا۔ ۝

(۷۳) یعنی یہودی کہتے ہیں کہ صرف یہودی جنت میں جائیں گے، اور عیسائی کہتے ہیں کہ صرف عیسائی۔

(۷۴) اوپر یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب تینوں گروہوں کا ذکر آیا ہے۔ یہ تینوں گروہ کسی نہ کسی زمانے میں اور کسی نہ کسی شکل میں اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ مثلاً عیسائیوں نے شاہ طیطوس کے زمانے میں بیت المقدس پر حملہ کر کے اسے تاخت و تاراج کیا۔ ابرہہ نے جو عیسائی ہونے کا مدعی تھا بیت اللہ پر حملہ کر کے اُسے ویران کرنے کی کوشش کی۔ مشرکین مکہ مسلمانوں کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے روکتے رہے، اور یہودیوں نے بیت اللہ کے تقدس سے انکار کر کے عملاً



وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُولُوْا فَنُفِثْ وَجْهُ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿١٥﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۚ سُبْحَنَهُ ۖ بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ كُلُّ لَّهُ قُنْتُونَ ﴿١٦﴾

اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ہیں۔ لہذا جس طرف بھی تم رخ کرو گے، وہیں اللہ کا رخ ہے۔ بیشک اللہ بہت وسعت والا، بڑا علم رکھنے والا ہے ﴿۱۵﴾ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنایا ہوا ہے، (حالانکہ) اس کی ذات (اس قسم کی چیزوں سے) پاک ہے، بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اُسی کا ہے۔ سب کے سب اس کے فرماں بردار ہیں ﴿۱۶﴾

لوگوں کو اس کی طرف رخ کرنے سے روکا۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ایک طرف ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ ہے کہ تنہا وہی جنت کا حق دار ہے، اور دوسری طرف ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت میں رکاوٹ ڈالنے یا عبادت گاہوں کو ویران کرنے کے درپے رہے ہیں۔ اسی آیت کا اگلا جملہ ذمہ معنی ہے۔ اس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ حق تو یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا خوف لے کر داخل ہوتے، نہ یہ کہ متکبرانہ انداز میں انہیں ویران کریں، یا لوگوں کو وہاں اللہ کی عبادت سے روکیں۔ لیکن ساتھ ہی اس میں یہ لطیف اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب یہ متکبر لوگ جو اللہ کی مسجدوں سے لوگوں کو روک رہے ہیں، حق پرستوں کے سامنے ایسے مغلوب ہوں گے کہ انہیں خود ان جگہوں پر ڈر ڈر کر داخل ہونا پڑے گا۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر کفار مکہ کے ساتھ یہی صورت پیش آئی۔

﴿۷۵﴾ اُوپر جن تین گروہوں کا ذکر ہوا ہے ان کے درمیان ایک اختلاف قبلہ کا بھی تھا۔ اہل کتاب بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے اور مشرکین بیت اللہ کو قبلہ سمجھتے تھے۔ مسلمان بھی اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اور یہ بات یہودیوں کو ناگوار تھی۔ ایک مختصر عرصے کے لئے مسلمانوں کو بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا تو یہودیوں نے خوشی کا اظہار کیا کہ دیکھو! مسلمان ہماری بات ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ پھر دوبارہ بیت اللہ کو مستقل قبلہ بنا دیا گیا جس کی تفصیل ان شاء اللہ اگلے پارے کے شروع میں آنے والی ہے۔ یہ آیت بظاہر اُس موقع پر نازل ہوئی ہے جب مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ کوئی بھی سمت اپنی ذات میں کسی تقدس کی حامل نہیں۔ مشرق و مغرب سب اللہ کی مخلوق اور اسی کی تابع فرمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی ایک جہت میں محدود نہیں، وہ ہر جگہ موجود ہے، چنانچہ وہ جس سمت کی طرف رخ کرنے کا حکم دیدے، بندوں کا کام یہ ہے کہ اسی حکم کی تعمیل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ ہو جہاں قبلہ کی صحیح سمت پتہ نہ چل رہی ہو تو وہاں وہ اپنے اندازے سے جس سمت کو قبلہ سمجھ کر نماز پڑھ لے گا اس کی نماز ہو جائے گی، یہاں تک کہ اگر بعد میں پتہ چلے کہ جس رخ پر نماز پڑھی ہے وہ صحیح رخ نہیں تھا تب بھی نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس شخص نے اپنی طاقت کے مطابق اللہ کے حکم کی تعمیل کر لی۔ دراصل کسی بھی جگہ یا کسی بھی سمت میں اگر کوئی تقدس آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے آتا ہے۔ لہذا اگر اللہ تعالیٰ قبلہ کے تعین میں اپنے احکام بدل رہا ہے تو اس میں کسی فریق کی ہارجیت کا سوال نہیں۔ یہ



بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۱۸﴾ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ ۖ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۖ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۱۹﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ﴿۲۰﴾ وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۖ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۖ وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۚ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۲۱﴾

وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اور جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے بارے میں بس اتنا کہتا ہے کہ: ”ہو جا“ چنانچہ وہ ہو جاتی ہے۔ ﴿۱۸﴾ اور جو لوگ علم نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ ہم سے (براہ راست) کیوں بات نہیں کرتا؟ یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں وہ بھی اسی طرح کی باتیں کہتے تھے جیسی یہ کہتے ہیں۔ ان سب کے دل ایک جیسے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ یقین کرنا چاہیں ان کے لئے ہم نشانیاں پہلے ہی واضح کر چکے ہیں۔ ﴿۱۹﴾ (اے پیغمبر!) بے شک ہم نے تمہیں کو حق دے کر اس طرح بھیجا ہے کہ تم (جنت کی) خوشخبری دو اور (جہنم سے) ڈراؤ۔ اور جو لوگ (اپنی مرضی سے) جہنم (کا راستہ) اختیار کر چکے ہیں ان کے بارے میں آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ ﴿۲۰﴾ اور یہود و نصاریٰ تم سے اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے مذہب کی پیروی نہیں کرو گے۔ کہہ دو کہ حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے۔ اور تمہارے پاس (وحی کے ذریعے) جو علم آ گیا ہے، اگر کہیں تم نے اس کے بعد بھی ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کر لی تو تمہیں اللہ سے بچانے کے لئے نہ کوئی حمایتی ملے گا نہ کوئی مددگار۔ ﴿۲۱﴾

تبدیلی یہی دکھانے کے لئے آرہی ہے کہ کوئی سمت اپنی ذات میں مقصود نہیں۔ مقصود اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی ہے۔ اگر آئندہ اللہ تعالیٰ دوبارہ بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیدے تو یہ بات نہ قابلِ تعجب ہونی چاہئے نہ قابلِ اعتراض۔ ﴿۲۱﴾ عیسائی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہی ہیں۔ بعض یہودی بھی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ یہ آیت ان سب کی تردید کر رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اولاد کی ضرورت اسے ہو سکتی ہے جو دوسروں کی مدد کا محتاج ہو، اللہ تعالیٰ تو پوری کائنات کا مالک ہے، اور اسے کسی کام میں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ پھر وہ اولاد کا محتاج کیوں ہو؟ اسی دلیل کو اگر منطقی پیرائے میں بیان کیا جائے تو وہ اس طرح ہوگی کہ اولاد اپنے باپ کا جزء ہوتی ہے، اور ہر گل اپنے جزء کا محتاج ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ ہر احتیاج سے پاک ہے اس لئے اس کی ذات بسیط ہے جسے کسی جزء کی حاجت نہیں۔ لہذا اس کی طرف اولاد منسوب کرنا اسے محتاج قرار دینے کے مرادف ہے۔

﴿۷۷﴾ اگرچہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ناقابلِ تصور تھی کہ آپ کفار کی خواہشات کے پیچھے چلیں، لیکن اس



الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ ۖ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ  
 هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ يٰبَنِي إِسْرَآءِ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى  
 الْعَالَمِينَ ۝ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا  
 تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝ وَإِذْ بَاتِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَتٍ فَأَتَتْهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي  
 جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ۝

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی، جبکہ وہ اس کی تلاوت اس طرح کرتے ہوں جیسا اس کی تلاوت کا حق ہے، تو وہ لوگ ہی  
 (درحقیقت) اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو اس کا انکار کرتے ہوں، تو ایسے لوگ ہی نقصان اٹھانے والے ہیں ۝  
 اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی، اور یہ بات (یاد کرو) کہ میں نے تم کو سارے جہانوں  
 پر فضیلت دی تھی ۝ اور اُس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص بھی کسی کے کچھ کام نہیں آئے گا، نہ کسی سے کسی قسم کا فدیہ  
 قبول کیا جائے گا، نہ اُس کو کوئی سفارش فائدہ دے گی، اور نہ ان کو کوئی مدد پہنچے گی۔ ۝ اور (وہ وقت یاد کرو) جب  
 ابراہیم کو ان کے پروردگار نے کئی باتوں سے آزمایا، اور انہوں نے وہ ساری باتیں پوری کیں۔ اللہ نے (اُن سے) کہا:  
 ”میں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔“ ابراہیم نے پوچھا: ”اور میری اولاد میں سے؟“ اللہ نے فرمایا:  
 ”میرا (یہ) عہد ظالموں کو شامل نہیں ہے۔“ ۝

آیت نے فرضِ محال کے طور پر یہ بات کہہ کر اصول یہ بتلادیا کہ اللہ کے نزدیک شخصیات کی اہمیت ان کی ذات کی وجہ سے نہیں  
 بلکہ اللہ کی اطاعت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوقات میں سب سے افضل اسی بنا پر ہیں کہ اللہ کے  
 سب سے زیادہ فرماں بردار ہیں۔

(۷۸) بنی اسرائیل میں جہاں سرکش لوگ بڑی تعداد میں تھے وہاں بہت سے لوگ ایسے مخلص بھی تھے جنہوں نے تورات اور  
 انجیل کو صرف پڑھا ہی نہیں تھا، بلکہ اس کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے حق کی ہر بات کو قبول کرنے کے لئے اپنے سینوں کو کشادہ  
 رکھا تھا، چنانچہ جب ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچی تو انہوں نے کسی عناد کے بغیر اسے قبول کیا۔ اس آیت میں ان  
 حضرات کی تعریف کی گئی ہے اور سبق یہ دیا گیا ہے کہ کسی آسمانی کتاب کی تلاوت کا حق یہ ہے کہ اس کے تمام احکام کو دل سے مان  
 کر ان کی تعمیل کی جائے۔ درحقیقت تورات پر ایمان رکھنے والے وہی ہیں جو اس کے احکام کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں۔



(۷۹) بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور ان کے مقابلے میں بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کا جو ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے، اس کا آغاز آیت ۴۷ اور ۴۸ میں تقریباً انہی الفاظ سے کیا گیا تھا۔ اب سارے واقعات تفصیل سے یاد دلانے کے بعد پھر وہی بات ناصحانہ انداز میں ارشاد فرمائی گئی ہے کہ ان سب باتوں کو یاد دلانے کا اصل مقصد تمہاری خیر خواہی ہے، اور تمہیں ان واقعات سے اس نتیجے تک پہنچ جانا چاہئے۔

(۸۰) یہاں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کچھ حالات و واقعات شروع ہو رہے ہیں، اور پچھلی آیتوں سے ان واقعات کا دو طرح گہرا تعلق ہے۔ ایک بات تو یہ ہے کہ یہودی، عیسائی اور عرب کے بت پرست، یعنی تینوں وہ گروہ جن کا ذکر اوپر آیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا مانتے تھے، مگر ہر گروہ یہ دعویٰ کرتا تھا کہ وہ اُسی کے مذہب کے حامی تھے۔ لہذا ضروری تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں صحیح صورت حال واضح کی جائے۔ قرآن کریم نے یہاں یہ بتلایا ہے کہ اُن کا تینوں گروہوں کے باطل عقائد سے کوئی تعلق نہیں تھا، ان کی ساری زندگی توحید کی تبلیغ میں خرچ ہوئی، اور انہیں اس راستے میں بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا جن میں وہ پورے اُترے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل (علیہما السلام)۔ حضرت اسحاق علیہ السلام ہی کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جن کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبوت کا سلسلہ انہی کی اولاد یعنی بنی اسرائیل میں چلا آ رہا تھا جس کی بنا پر وہ یہ سمجھتے تھے کہ دُنیا بھر کی پیشوائی کا حق صرف انہی کو حاصل ہے۔ کسی اور نسل میں کوئی ایسا نبی نہیں آ سکتا جو اُن کے لئے واجب الاتباع ہو۔ قرآن کریم نے یہاں یہ غلط فہمی دُور کرتے ہوئے یہ واضح فرمایا ہے کہ دینی پیشوائی کا منصب کسی خاندان کی لازمی میراث نہیں ہے، اور یہ بات خود حضرت ابراہیم علیہ السلام سے صریح لفظوں میں کہہ دی گئی تھی۔ انہیں جب اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے آزمایا اور یہ ثابت ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر بڑی سے بڑی قربانی کے لئے ہمیشہ تیار رہے، انہیں توحید کے عقیدے کی پاداش میں آگ میں ڈالا گیا، انہیں وطن چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا، انہیں اپنی بیوی اور نوزائیدہ بچے کو مکہ کی خشک وادی میں تنہا چھوڑنے کا حکم ملا اور وہ بلا تامل یہ ساری قربانیاں دیتے چلے گئے، تب اللہ تعالیٰ نے انہیں دُنیا بھر کی پیشوائی کا منصب دینے کا اعلان فرمایا۔ اُسی موقع پر جب انہوں نے اپنی اولاد کے بارے میں پوچھا تو صاف طور پر بتلادیا گیا کہ ان میں جو لوگ ظالم ہوں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کریں گے وہ اس منصب کے حق دار نہیں ہوں گے۔ بنی اسرائیل کو صدیوں آزمانے کے بعد ثابت یہ ہوا ہے کہ وہ اس لائق نہیں ہیں کہ قیامت تک پوری انسانیت کی دینی پیشوائی ان کو دی جائے۔ اس لئے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بھیجے جا رہے ہیں جن کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ وہ اہل مکہ میں سے بھیجے جائیں۔ اب چونکہ دینی پیشوائی منتقل کی جا رہی ہے، اس لئے اب قبلہ بھی اس بیت اللہ کو بنایا جانے والا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ اس مناسبت سے آگے تعمیر کعبہ کا واقعہ بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ یہاں سے آیت نمبر ۱۵۲ تک جو سلسلہ کلام آ رہا ہے اس کو اس پس منظر میں سمجھنا چاہئے۔



وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۚ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۖ (۸۱) وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَيْتًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ ۖ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۖ (۸۲) وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ ۖ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۖ (۸۳)

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ایسی جگہ بنایا جس کی طرف وہ لوٹ لوٹ کر جائیں اور جو سراپا امن ہو۔ اور تم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو یہ تاکید کی کہ: ”تم دونوں میرے گھر کو ان لوگوں کے لئے پاک کرو جو (یہاں) طواف کریں اور اعتکاف میں بیٹھیں اور رُکوع اور سجدہ بجالائیں۔“ (۸۱) اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ: ”اے میرے پروردگار! اس کو ایک پُر امن شہر بنا دیجئے، اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائیں انہیں قسم قسم کے پھلوں سے رزق عطا فرمائیے۔“ اللہ نے کہا: ”اور جو کفر اختیار کرے گا اس کو بھی میں کچھ عرصے کے لئے لطف اُٹھانے کا موقع دوں گا، (مگر) پھر اُسے دوزخ کے عذاب کی طرف بھیج لے جاؤں گا۔ اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔“ (۸۲) اور اُس وقت کا تصور کرو جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے، اور اسماعیل بھی (ان کے ساتھ شریک تھے، اور دونوں یہ کہتے جاتے تھے کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرمالے۔ بیشک تو، اور صرف تو ہی، ہر ایک کی سننے والا، ہر ایک کو جاننے والا ہے۔“ (۸۳)

(۸۱) اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی یہ حرمت رکھی ہے کہ نہ صرف مسجد حرام میں بلکہ اُس کے ارد گرد کے وسیع علاقے میں جسے حرم کہا جاتا ہے، نہ کسی انسان کو قتل کیا جاسکتا ہے، نہ شدید دفاعی ضرورت کے بغیر جنگ کرنا جائز ہے، نہ کسی جانور کا شکار حلال ہے، نہ کوئی خود رو پودا اکھاڑنے کی اجازت ہے، نہ کسی جانور کو قید رکھا جاسکتا ہے۔ اس طرح یہ صرف انسانوں کے لئے ہی نہیں، حیوانات اور نباتات کے لئے بھی امن کی جگہ ہے۔

(۸۲) مقام ابراہیم اُس پتھر کا نام ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ تعمیر کیا تھا۔ یہ پتھر آج بھی موجود ہے، اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جو بیت اللہ کا طواف کرے، سات چکر لگانے کے بعد اس پتھر کے سامنے کھڑا ہو کر بیت اللہ کا رُخ کرے اور دو رکعتیں پڑھے۔ ان رکعتوں کا اسی جگہ پڑھنا افضل ہے۔

(۸۳) بیت اللہ جسے کعبہ بھی کہتے ہیں درحقیقت حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے تعمیر چلا آتا ہے، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں وہ حوادثِ روزگار سے منہدم ہو چکا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسے از سر نو انہی بنیادوں پر تعمیر کرنے کا حکم ہوا تھا جو پہلے سے موجود تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو بتادی تھیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ وہ بیت اللہ تعمیر کر رہے تھے، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ وہ اس کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے۔



رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَارِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲۹﴾ وَمَنْ يَّرْغَبْ عَنِ مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۳۰﴾ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۳۱﴾

اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا مکمل فرماں بردار بنالے، اور ہماری نسل سے بھی ایسی امت پیدا کر جو تیری پوری تابع دار ہو۔ اور ہم کو ہماری عبادتوں کے طریقے سکھا دے، اور ہماری توبہ قبول فرمالے۔ بیشک تو، اور صرف تو ہی، معاف کردینے کا خوگر (اور) بڑی رحمت کا مالک ہے ﴿۱۲۸﴾ اور ہمارے پروردگار! ان میں ایک ایسا رسول بھی بھیجنا جو انہی میں سے ہو، جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، اور ان کو پاکیزہ بنائے۔ ﴿۱۲۹﴾ بیشک تیری، اور صرف تیری، ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل ہے۔ ﴿۱۲۹﴾ اور کون ہے جو ابراہیم کے طریقے سے انحراف کرے؟ سوائے اُس شخص کے جو خود اپنے آپ کو حماقت میں مبتلا کر چکا ہو! حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے دنیا میں انہیں (اپنے لئے) چن لیا تھا، اور آخرت میں اُن کا شمار صالحین میں ہوگا ﴿۱۳۰﴾ جب ان کے پروردگار نے ان سے کہا کہ: ”سر تسلیم خم کر دو!“ تو وہ (فوراً) بولے: ”میں نے رب العالمین کے (ہر حکم کے) آگے سر جھکا دیا۔“ ﴿۱۳۱﴾

(۸۳) دل سے نکلی ہوئی اس دُعا کی تاثیر کسی ترجمے کے ذریعے دوسری زبان میں منتقل نہیں کی جاسکتی، چنانچہ ترجمہ صرف اس کا مفہوم ہی ادا کر سکتا ہے۔ یہاں اس دُعا کو نقل کرنے کا مقصد ایک تو یہ دکھانا ہے کہ انبیائے کرام اپنے بڑے سے بڑے کارنامے پر بھی مغرور ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور اور زیادہ عجز و نیاز کا مظاہرہ فرماتے ہیں، اور اپنے کارنامے کا تذکرہ کرنے کے بجائے اپنی اُن کوتاہیوں پر توبہ مانگتے ہیں جو اس کام کی ادائیگی میں ان سے سرزد ہونے کا امکان ہو۔ دوسرے اُن کا ہر کام صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہوتا ہے، لہذا وہ اُس پر مخلوق سے تعریف کرانے کی فکر کے بجائے اللہ تعالیٰ سے اس کی قبولیت کی دُعا مانگتے ہیں۔ تیسرے یہ ظاہر کرنا بھی مقصود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا میں شامل تھی، اور اس طرح خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تجویز دی تھی کہ آپ بنی اسماعیل میں سے مبعوث ہوں، نہ کہ بنی اسرائیل میں سے۔ اس دُعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بنیادی مقاصد بھی بیان فرمادیئے ہیں۔ ان مقاصد کو قرآن کریم نے کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے، اور ان کی تشریح ان شاء اللہ آگے اسی سورت کی آیت ۱۵۱ میں آئے گی۔

(۸۵) یہاں سر تسلیم خم کرنے کے لئے قرآن کریم نے ”اسلام“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے لفظی معنی سر جھکانے اور کسی



وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ ۖ يَبْنِي إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمْ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا  
وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۳۱﴾ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ ۖ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا  
تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي ۖ قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا  
وَاحِدًا ۖ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۳۲﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۖ وَ  
لَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا اكُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۖ قُلْ بَلْ مِلَّةَ  
إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۳۴﴾

اور اسی بات کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی، اور یعقوب نے بھی (اپنے بیٹوں کو) کہ: ”اے میرے بیٹو! اللہ نے یہ دین تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے، لہذا تمہیں موت بھی آئے تو اس حالت میں آئے کہ تم مسلم ہو۔“ ﴿۳۱﴾ کیا اُس وقت تم خود موجود تھے جب یعقوب کی موت کا وقت آیا تھا، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ اُن سب نے کہا تھا کہ ہم اُسی ایک خدا کی عبادت کریں گے جو آپ کا معبود ہے اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کا معبود ہے۔ اور ہم صرف اُسی کے فرماں بردار ہیں ﴿۳۲﴾ وہ ایک اُمت تھی جو گذر گئی۔ جو کچھ انہوں نے کمایا وہ اُن کا ہے، اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارا ہے، اور تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا عمل کرتے تھے ﴿۳۳﴾ اور یہ (یہودی اور عیسائی مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ: ”تم یہودی یا عیسائی ہو جاؤ، راہِ راست پر آ جاؤ گے۔“ کہہ دو کہ: ”نہیں، بلکہ (ہم تو) ابراہیم کے دین کی پیروی کریں گے جو ٹھیک ٹھیک سیدھی راہ پر تھے، اور وہ اُن لوگوں میں سے نہ تھے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔“ ﴿۳۴﴾

کے مکمل تابع فرمان ہو جانے کے ہیں۔ ہمارے دین کا نام بھی اسلام اسی لئے رکھا گیا ہے کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے ہر قول و فعل میں اللہ تعالیٰ ہی کا تابع رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ شروع ہی سے مومن تھے اس لئے یہاں اللہ تعالیٰ کا مقصد ان کو ایمان لانے کی تلقین کرنا نہیں تھا، اسی لئے یہاں اس لفظ کا ترجمہ اسلام لانے سے نہیں کیا گیا۔ البتہ اگلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو وصیت اپنی اولاد کے لئے مذکور ہے وہاں اسلام کے مفہوم میں دونوں باتیں داخل ہیں، دینِ برحق پر ایمان رکھنا بھی اور اس کے بعد اللہ کے ہر حکم کی تابعداری بھی۔ اس لئے وہاں لفظ ”مسلم“ ہی استعمال کیا گیا ہے۔

﴿۸۶﴾ بعض یہودیوں نے کہا تھا کہ حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام نے اپنے انتقال کے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ وہ یہودیت کے دین پر رہیں۔ یہ آیت اس کا جواب ہے۔ اس آیت کو سورۃ آل عمران کی آیت ۶۵ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔



قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَيَعْقُوبَ  
وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ  
مِّنْهُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۸۳﴾ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا  
فَإِنَّهَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۸۴﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ  
مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۚ وَنَحْنُ لَهُ عِبْدُونَ ﴿۸۵﴾ قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَا  
أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿۸۶﴾

(مسلمانو!) کہہ دو کہ: ”ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور اُس کلام پر بھی جو ہم پر اتارا گیا اور اُس پر بھی جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اتارا گیا، اور اُس پر بھی جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور اُس پر بھی جو دوسرے پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے عطا ہوا۔ ہم ان پیغمبروں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے، اور ہم اُسی (ایک خدا) کے تابع فرمان ہیں۔“ ﴿۸۳﴾ اس کے بعد اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو یہ راہِ راست پر آجائیں گے۔ اور اگر یہ منہ موڑ لیں تو درحقیقت وہ دشمنی میں پڑ گئے ہیں۔ اب اللہ تمہاری حمایت میں عنقریب ان سے نمٹ لے گا، اور وہ ہر بات سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے ﴿۸۴﴾

(اے مسلمانو! کہہ دو کہ: ) ”ہم پر تو اللہ نے اپنا رنگ چڑھا دیا ہے، اور کون ہے جو اللہ سے بہتر رنگ چڑھائے؟ اور ہم صرف اُسی کی عبادت کرتے ہیں۔“ ﴿۸۵﴾ کہہ دو کہ: ”کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں حجت کرتے ہو؟ حالانکہ وہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ (یہ) اور (بات ہے کہ) ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں، اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ اور ہم نے تو اپنی بندگی اُسی کے لئے خالص کر لی ہے“ ﴿۸۶﴾

(۸۷) اس میں عیسائیوں کی رسمِ بپتسمہ (Baptism) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جسے اصطلاح (رنگ چڑھانا) بھی کہا جاتا ہے۔ کسی شخص کو عیسائی بناتے وقت وہ اسے غسل دیتے ہیں جو بعض اوقات رنگا ہوا پانی ہوتا ہے۔ اُن کے خیال میں اس طرح اُس پر عیسائی مذہب کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ یہ بپتسمہ پیدا ہونے والے بچوں کو بھی دیا جاتا ہے کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق ہر بچہ ماں کے پیٹ سے گنہگار پیدا ہوتا ہے، اور جب تک وہ بپتسمہ نہ لے گنہگار رہتا ہے اور یسوع مسیح کے کفارے کا حق دار نہیں ہوتا۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ اس بے سرو پا خیال کی کوئی حقیقت نہیں۔ رنگ چڑھانا ہے تو اللہ کا رنگ چڑھاؤ جو تو حیدِ خالص کا رنگ ہے۔



أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ  
 نَصَارَىٰ ۖ قُلْ أَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ ۚ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ ۚ وَمَا  
 اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۳۰﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا  
 تُسْأَلُونَ عَنْهَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۱﴾ سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ مِنْ قِبَلَتِهِمُ اللَّتَىٰ  
 كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۳۲﴾ وَ  
 كَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ  
 شَهِيدًا ۚ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى  
 عَقْبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۚ

بھلا کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولادیں یہودی یا نصرانی تھیں؟ (مسلمانو! ان سے)  
 کہو: کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو ایسی شہادت کو چھپائے جو اُس کے پاس اللہ کی  
 طرف سے پہنچی ہو؟ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے بے خبر نہیں ہے ﴿۱۳۰﴾ (بہر حال!) وہ ایک اُمت تھی جو گزر گئی۔  
 جو کچھ انہوں نے کمایا وہ اُن کا ہے، اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارا ہے، اور تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا عمل کرتے  
 تھے؟ ﴿۱۳۱﴾ اب یہ بے وقوف لوگ کہیں گے کہ آخر وہ کیا چیز ہے جس نے ان (مسلمانوں) کو اُس قبلے سے رُخ پھیرنے  
 پر آمادہ کر دیا جس کی طرف وہ منہ کرتے چلے آ رہے تھے؟ آپ کہہ دیجئے کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کی ہیں۔ وہ  
 جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت کر دیتا ہے ﴿۱۳۲﴾ اور (مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک معتدل اُمت بنایا ہے  
 تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو، اور رسول تم پر گواہ بنے۔ اور جس قبلے پر تم پہلے کار بند تھے، اُسے ہم نے کسی اور وجہ سے  
 نہیں، بلکہ صرف یہ دیکھنے کے لئے مقرر کیا تھا کہ کون رسول کا حکم مانتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے؟ اور اس میں  
 شک نہیں کہ یہ بات تھی بڑی مشکل، لیکن اُن لوگوں کے لئے (ذرا بھی مشکل نہ ہوئی) جن کو اللہ نے ہدایت دے دی تھی۔

﴿۱۳۰﴾ یعنی یہ حقیقت دراصل ان کو بھی معلوم ہے کہ یہ تمام انبیائے کرام تو حیدر خالص کا درس دیتے رہے ہیں، اور ان بے بنیاد  
 عقیدوں سے انبیائے کرام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ خود ان کی کتابوں میں یہ حقیقت واضح طور پر لکھی ہوئی موجود ہے، اور اُن میں  
 نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں بھی موجود ہیں جو ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی شہادت کا درجہ رکھتی  
 ہیں، مگر یہ ظالم اُن کو چھپائے بیٹھے ہیں۔

﴿۱۳۱﴾ یہاں سے قبلے کی تبدیلی اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کا تفصیلی بیان شروع ہو رہا ہے۔ واقعات کا پس منظر یہ ہے



کہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کو بیت المقدس کا رخ کرنے کا حکم دیا گیا جس پر آپ تقریباً سترہ مہینے تک عمل فرماتے رہے۔ اس کے بعد دوبارہ بیت اللہ تشریف کو قبلہ قرار دے دیا گیا۔ تبدیلی کا یہ حکم آگے آیت نمبر ۱۴۴ میں آرہا ہے۔ یہ آیت پیشینگوئی کر رہی ہے کہ یہودی اور عیسائی اس تبدیلی پر بڑے اعتراضات کریں گے، حالانکہ یہ حقیقت اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے ہر شخص کے لئے کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ قبلہ کی کوئی خاص سمت مقرر کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ قبلہ کی سمت میں تشریف فرما ہے۔ وہ تو ہر سمت اور ہر جگہ موجود ہے اور مشرق ہو یا مغرب، شمال ہو یا جنوب، یہ ساری جہتیں اسی کی بنائی ہوئی ہیں۔ البتہ چونکہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرتے وقت تمام مؤمنوں کے لئے کوئی ایک سمت مقرر کر دی جائے، اس لئے یہ سمت اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت کے تحت مقرر فرماتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ سمت بذات خود مقدس یا مقصود ہے۔ جو کچھ تقدس کسی قبلہ یا اس کی سمت میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے آتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی حکمت کے مطابق جب چاہے جس سمت کو چاہے قبلہ قرار دے سکتا ہے۔ ایک مؤمن کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ وہ اس حقیقت کو سمجھ کر اللہ کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔ آیت کے آخر میں سیدھی راہ کا جو ذکر ہے اس سے مراد اسی حقیقت کا ادراک ہے۔

(۹۰) یعنی جس طرح ہم نے اس آخری زمانے میں تمام دوسری جہتوں کو چھوڑ کر کعبہ کی سمت کو قبلہ بننے کا شرف عطا فرمایا، اور تمہیں اسے دل و جان سے قبول کرنے کی ہدایت دی، اسی طرح ہم نے تم کو دوسری امتوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ معتدل اور متوازن امت بنایا ہے۔ (تفسیر کبیر) چنانچہ اس امت کی شریعت میں ایسے مناسب احکام رکھے گئے ہیں جو قیام قیامت تک انسانیت کی صحیح رہنمائی کر سکیں۔ معتدل امت کی یہ خصوصیت بھی اس آیت میں بیان فرمائی گئی ہے کہ اس امت کو قیامت کے دن انبیائے کرام کے گواہ کے طور پر پیش کیا جائے گا۔ اس کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک حدیث میں یہ بیان ہوئی ہے کہ جب پچھلے انبیاء کی امتوں میں سے کافر لوگ صاف انکار کر دیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا تھا تو امت محمدیہ کے لوگ انبیائے کرام کے حق میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے رسالت کا حق ادا کرتے ہوئے اپنی اپنی امتوں کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا، اور اگرچہ ہم خود اس موقع پر موجود نہیں تھے لیکن ہمارے نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے باخبر ہو کر ہم کو یہ بات بتلا دی تھی اور ہمیں اُن کی بات پر اپنے ذاتی مشاہدے سے زیادہ اعتماد ہے۔ دوسری طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی اس بات کی تصدیق فرمائیں گے۔ نیز بعض مفسرین نے امت محمدیہ کے گواہ ہونے کے یہ معنی بھی بیان کئے ہیں کہ شہادت سے مراد حق کی دعوت و تبلیغ ہے، اور یہ امت پوری انسانیت کو اسی طرح حق کا پیغام پہنچائے گی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہنچایا تھا۔ باتیں دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور ان میں کوئی تعارض بھی نہیں۔

(۹۱) مطلب یہ ہے کہ پہلے کچھ عرصے کے لئے بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا جو حکم ہم نے دیا تھا اس کا مقصد یہ امتحان لینا تھا کہ کون قبلہ کی اصل حقیقت کو سمجھ کر اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور کون ہے جو کسی ایک قبلہ کو بذات خود ہمیشہ کے لئے مقدس مان کر اللہ کے بجائے اُسی کی عبادت شروع کر دیتا ہے۔ قبلہ کی تبدیلی سے یہی واضح کرنا مقصود تھا کہ عبادت بیت اللہ کی نہیں، اللہ کی کرنی ہے، ورنہ اس میں اور بت پرستی میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اگلے جملے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ جو لوگ صدیوں سے بیت اللہ کو قبلہ مانتے چلے آ رہے تھے، اُن کے لئے اچانک بیت المقدس کی طرف رخ موڑ دینا کوئی آسان بات نہ تھی کیونکہ



وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ إِيْمَانَكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَّءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٩٢﴾ قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۚ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾

اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دے۔ <sup>(۹۲)</sup> درحقیقت اللہ لوگوں پر بہت شفقت کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۹۳﴾ (اے پیغمبر!) ہم تمہارے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ ہم تمہارا رخ ضرور اُس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جو تمہیں پسند ہے۔ <sup>(۹۳)</sup> لو اب اپنا رخ مسجدِ حرام کی سمت کر لو۔ اور (آئندہ) جہاں کہیں تم ہوا اپنے چہروں کا رخ (نماز پڑھتے ہوئے) اُسی کی طرف رکھا کرو۔ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہی بات حق ہے جو ان کے پروردگار کی طرف سے آئی ہے۔ <sup>(۹۳)</sup> اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اُس سے غافل نہیں ہے۔ ﴿۹۴﴾

صدیوں سے دلوں پر حکمرانی کرنے والے اعتقادات کو یکا یک بدل لینا بڑا مشکل ہوتا ہے، لیکن جن لوگوں کو اللہ نے یہ سمجھ عطا فرمائی کہ کسی بھی چیز میں کوئی ذاتی تقدس نہیں، اور اصل تقدس اللہ تعالیٰ کے حکم کو حاصل ہے ان کو نئے قبلے کی طرف رخ کرنے میں ذرا بھی دقت پیش نہیں آئی کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم پہلے بھی اللہ کے بندے اور اس کے تابع فرمان تھے اور آج بھی اسی کے حکم پر ایسا کر رہے ہیں۔

﴿۹۲﴾ اس سلسلہ کلام میں اس جملے کا ایک مطلب تو حضرت حسن بصریؒ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ نئے قبلے کو اختیار کر لینا مشکل تھا لیکن جن لوگوں نے اپنی قوتِ ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے بے چون و چرا مان لیا اللہ تعالیٰ ان کے اس ایمانی جذبے کو ضائع نہیں کرے گا، بلکہ انہیں اس کا عظیم اجر ملے گا۔ (تفسیر کبیر) دوسرے یہ جملہ ایک سوال کا جواب بھی ہے جو بعض صحابہ کے دل میں پیدا ہوا تھا، اور وہ یہ کہ جو مسلمان اُس وقت انتقال فرما گئے تھے جب قبلہ بیت المقدس تھا تو کہیں ایسا تو نہیں کہ اُن کی وہ نمازیں جو انہوں نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی تھیں، قبلے کی تبدیلی کے بعد ضائع اور کالعدم ہو جائیں؟ آیت نے جواب دے دیا کہ نہیں، چونکہ انہوں نے اپنے ایمانی جذبے کے تحت وہ نمازیں اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کی تعمیل میں پڑھی تھیں اس لئے وہ نمازیں ضائع نہیں ہوں گی۔

﴿۹۳﴾ جب بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندازہ تھا کہ یہ حکم عارضی ہے، اور چونکہ بیت اللہ بیت المقدس کے مقابلے میں زیادہ قدیم بھی تھا اور اُس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادیں بھی وابستہ تھیں، اس لئے آپ کی طبعی خواہش بھی یہی تھی کہ اُسی کو قبلہ بنایا جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلے کی تبدیلی کے انتظار اور اشتیاق میں کبھی کبھی آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دیکھتے تھے۔ اس آیت میں آپ کی اسی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

﴿۹۴﴾ یعنی اہل کتاب اچھی طرح جانتے ہیں کہ قبلے کی تبدیلی کا جو حکم دیا گیا ہے وہ بالکل برحق ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ



وَلَيْنَ آتَيْنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَيْنَ آتَيْنَ أَهْوَاءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّكَ إِذًا لِّمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۳۵﴾ الَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۚ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۶﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُسْتَرِينَ ﴿۱۳۷﴾ وَلِكُلِّ وَجْهَةٍ هُوَ مُوَلِّيُّهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ إِنَّمَا تَكُونُونَ آيَاتٍ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۳۸﴾

اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی اگر تم ان کے پاس ہر قسم کی نشانیاں لے آؤ تب بھی یہ تمہارے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے۔ اور نہ تم ان کے قبلے پر عمل کرنے والے ہو، نہ یہ ایک دوسرے کے قبلے پر عمل کرنے والے ہیں۔ اور جو علم تمہارے پاس آچکا ہے اس کے بعد اگر کہیں تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کر لی تو اس صورت میں یقیناً تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا ﴿۱۳۵﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو اتنی اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور یقیناً جانو کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے حق کو جان بوجھ کر چھپا رکھا ہے۔ ﴿۱۳۶﴾ اور حق وہی ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آیا ہے، لہذا شک کرنے والوں میں ہرگز شامل نہ ہو جانا۔ ﴿۱۳۷﴾

اور ہر گروہ کی ایک سمت ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے۔ لہذا تم نیک کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ تم جہاں بھی ہو گے، اللہ تم سب کو (اپنے پاس) لے آئے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۳۸﴾

لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے، اور یہ بات تاریخی طور پر ثابت تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ میں کعبہ تعمیر کیا تھا، بلکہ بعض مورخین نے خود تورات کے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام اولاد (بشمول حضرت اسحاق علیہ السلام) کا قبلہ کعبہ ہی تھا۔ (اس کی تحقیق کے لئے دیکھئے مولانا حمید الدین فراہی کا رسالہ ”ذبح کون ہے؟“ ص ۳۵ تا ۳۸)۔ ﴿۹۵﴾ یہودی بیت المقدس کو اپنا قبلہ مانتے تھے، اور عیسائی بیت اللحم کو جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

﴿۹۶﴾ اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ کعبے کے قبلہ ہونے کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں جیسا کہ اوپر گزرا، اور یہ معنی بھی ممکن ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح پہچانتے ہیں کہ یہ وہی رسول ہیں جن کی خبر پچھلے انبیائے کرام کے صحیفوں میں دی جا چکی ہے۔ لیکن ضد کی بنا پر ان حقائق کو تسلیم نہیں کر رہے ہیں۔

﴿۹۷﴾ جو لوگ قبلے کی تبدیلی پر اعتراض کر رہے تھے ان پر حجت تمام کرنے کے بعد مسلمانوں کو یہ ہدایت دی جا رہی ہے کہ ہر مذہب کے لوگوں نے اپنے اپنے قبلے الگ الگ بنا رکھے ہیں، اور تمہارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس دنیا میں ان کو کسی ایک قبلے پر جمع کر سکو۔ لہذا اب ان لوگوں سے قبلے کی بحث میں پڑنے کے بجائے تمہیں اپنے کام میں لگ جانا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اپنے



وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۚ وَمَا لِلَّهِ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۚ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۚ وَلَا تَمْنَعِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۹۹﴾

اور تم جہاں سے بھی (سفر کے لئے) نکلو، اپنا منہ (نماز کے وقت) مسجدِ حرام کی طرف کرو۔ اور یقیناً یہی بات حق ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آئی ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے بے خبر نہیں ہے۔ ﴿۹۸﴾ اور جہاں سے بھی تم نکلو، اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف کرو۔ اور تم جہاں کہیں ہو، اپنے چہرے اُسی کی طرف رکھو، تاکہ لوگوں کو تمہارے خلاف حجت بازی کا موقع نہ ملے۔ ﴿۹۹﴾ البتہ اُن میں جو لوگ ظلم کے خوگر ہیں، (وہ کبھی خاموش نہ ہوں گے) سو اُن کا کچھ خوف نہ رکھو، ہاں میرا خوف رکھو۔ اور تاکہ میں تم پر اپنا انعام مکمل کر دوں، اور تاکہ تم ہدایت حاصل کر لو۔ ﴿۱۰۰﴾

نامہ اعمال میں زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا اضافہ کرو، اور اس کام میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ آخری انجام یہ ہوگا کہ تمام مذہبوں والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس بلائے گا اور اُس وقت ان سب کی ترقی تمام ہو جائے گی۔ وہاں سب کا قبلہ ایک ہی ہو جائے گا، کیونکہ سب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

﴿۹۸﴾ اللہ تعالیٰ نے مسجدِ حرام کی طرف رُخ کرنے کا حکم ان آیتوں میں تین مرتبہ دہرایا ہے۔ اس سے ایک تو حکم کی اہمیت اور تاکید جتلائی مقصود ہے۔ دوسرے یہ بھی بتانا ہے کہ قبلہ کا رُخ کرنا صرف اس حالت میں نہیں ہے جب کوئی شخص بیت اللہ کے سامنے موجود ہو، بلکہ جب مکہ مکرمہ سے نکلا ہوا ہو تب بھی یہی حکم ہے، اور کہیں دُور چلا جائے تب بھی یہ فریضہ ختم نہیں ہوتا۔ البتہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ”سمت“ کا لفظ استعمال فرما کر اس طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ کعبے کا رُخ کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان کعبے کی سو فی صد سیدھ میں ہو۔ بلکہ اگر سمت وہی ہے تو کعبے کی طرف رُخ کرنے کا حکم پورا ہو جائے گا۔ اور انسان اس معاملے میں اتنا ہی مکلف ہے کہ وہ اپنے بہترین ذرائع استعمال کر کے سمت صحیح متعین کر لے۔ ایسا کر لینے کے بعد اس کی نماز ہو جائے گی۔

﴿۹۹﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بیت المقدس قبلہ تھا، یہودی یہ حجت کرتے تھے کہ دیکھو ہمارا دین برحق ہے، اسی لئے یہ لوگ ہمارے قبلہ کو اختیار کرنے پر مجبور ہوئے ہیں، اور مشرکین مکہ یہ بحث کرتے تھے کہ مسلمان اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا متبع کہتے ہیں مگر انہوں نے ابراہیمی قبلہ کو چھوڑ کر اُن سے سنگین انحراف کر لیا ہے۔ اب جبکہ قبلہ کی تبدیلی میں جو مصلحت تھی وہ حاصل ہو گئی اور اس کے بعد مسلمان ہمیشہ کے لئے کعبے کو قبلہ قرار دے کر اس پر عمل پیرا ہوں گے تو ان دونوں کی جھڑپیں ختم ہو جائیں گی۔ البتہ وہ کٹ حجت لوگ جنہوں نے اعتراض کرتے رہنے کی قسم ہی کھا رکھی ہے، ان کی زبانیں کوئی نہیں روک سکتا، لیکن مسلمانوں کو ان سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں اللہ کے سوا کسی سے ڈرنا نہیں چاہئے۔



كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رُسُلًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمُ الْآيَاتِ وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾ فَادْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

۱۵۱  
۱۵۲

(یہ انعام ایسا ہی ہے) جیسے ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہے، اور تمہیں پاکیزہ بناتا ہے، اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے ﴿۱۵۱﴾ لہذا مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ اور میرا شکر ادا کرو، اور میری ناشکری نہ کرو۔ ﴿۱۵۲﴾

(۱۰۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبے کی تعمیر کے وقت دو دعائیں کی تھیں: ایک یہ کہ ہماری نسل سے ایسی امت پیدا فرمائیے جو آپ کی مکمل فرماں بردار ہو۔ اور دوسری یہ کہ ان میں ایک رسول بھیجے (دیکھئے پیچھے آیات ۱۲۸-۱۲۹) اللہ تعالیٰ نے پہلی دعا اس طرح قبول فرمائی کہ امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا السلام) کو ”معتدل امت“ قرار دے کر پیدا فرمایا (دیکھئے آیت ۱۲۳) اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول کرتے ہوئے تم پر یہ انعام فرمایا کہ تمہیں معتدل امت بنا کر آئندہ ہمیشہ کے لئے انسانیت کی رہنمائی تمہیں عطا کر دی جس کی ایک اہم علامت یہ بھی ہے کہ ہمیشہ کے لئے کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا ہے، اسی طرح ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری دعا قبول کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے درمیان بھیج دیا ہے جو انہی خصوصیات اور فرائض منصبی کے حامل ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لئے مانگے تھے۔ ان میں سے پہلا فریضہ تلاوت آیات ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی آیات کو تلاوت کرنا بذات خود ایک مقصد اور ایک نیکی ہے، خواہ وہ تلاوت بغیر سمجھ کی جائے، کیونکہ قرآن کے معنی کی تعلیم آگے ایک مستقل فریضے کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ دوسرا مقصد قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے بغیر قرآن کریم کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا ممکن نہیں، اور یہ کہ صرف ترجمہ پڑھ لینے سے قرآن کریم کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہو سکتی، کیونکہ اہل عرب عربی زبان سے خوب واقف تھے، انہیں ترجمہ سکھانے کے لئے کسی استاد کی ضرورت نہیں تھی۔ تیسرے آپ کا فریضہ یہ بتایا گیا ہے کہ آپ ”حکمت“ کی تعلیم دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکمت، دانائی اور عقلمندی وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی۔ اس سے نہ صرف آپ کی احادیث کا حجت ہونا معلوم ہوتا ہے بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اگر آپ کا کوئی حکم کسی کو اپنی عقل کے لحاظ سے حکمت کے خلاف محسوس ہو تو اعتبار اس کی عقل کا نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی حکمت کا ہے۔ چوتھا فریضہ یہ بتایا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو پاکیزہ بنائیں۔ اس سے مراد آپ کی عملی تربیت ہے جس کے ذریعے آپ نے صحابہ کرام کے اخلاق اور باطنی صفات کو گندے جذبات سے پاک کر کے انہیں اعلیٰ درجے کی خصوصیات سے آراستہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن و سنت کا صرف کتابی علم بھی انسان کی اصلاح کے لئے کافی نہیں ہے جب تک اس نے اس علم کو اپنی زندگی میں نافذ کرنے کی عملی تربیت نہ لی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اپنی صحبت سے سرفراز فرما کر ان کی تربیت فرمائی، پھر صحابہ نے تابعین کی، اور تابعین نے تبع تابعین کی اسی طرح تربیت کی اور یہ سلسلہ صدیوں سے اسی طرح چلا آتا ہے۔ باطنی



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۖ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿١٥٤﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۱۵۳﴾ اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوں ان کو مردہ نہ کہو۔ دراصل وہ زندہ ہیں، مگر تم کو (ان کی زندگی کا) احساس نہیں ہوتا ﴿۱۵۴﴾ اور دیکھو ہم تمہیں آزمائیں گے ضرور، (کبھی) خوف سے، اور (کبھی) بھوک سے، اور (کبھی) مال و جان اور پھلوں میں کمی کر کے۔ اور جو لوگ (ایسے حالات میں) صبر سے کام لیں اُن کو خوشخبری سنا دو ﴿۱۵۵﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ”ہم سب اللہ ہی کے ہیں، اور ہم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے“ ﴿۱۵۶﴾

اخلاق کی اسی تربیت کا علم ”علم احسان“ یا تزکیہ کہلاتا ہے اور تصوف بھی درحقیقت اسی علم کا نام تھا، اگرچہ بعض نااہلوں نے اس میں غلط خیالات کی ملاوٹ کر کے بعض مرتبہ اسے خراب بھی کر دیا، لیکن اس کی اصل یہی تزکیہ ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے یہاں فرمایا ہے، اور ہر دور میں تصوف کی اصل حقیقت کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے والے ہمیشہ موجود رہے ہیں۔

(۱۰۱) اس سورت کی آیت نمبر ۴۰ سے بنی اسرائیل سے متعلق جو سلسلہ کلام شروع ہوا تھا، وہ پورا ہو گیا، اور آخر میں مسلمانوں کو ہدایت کردی گئی کہ وہ فضول بحثوں میں الجھنے کے بجائے اپنے دین پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ اب مختلف اسلامی عقائد اور احکام کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس بیان کا آغاز صبر کی تاکید سے ہوا ہے، کیونکہ یہ دور وہ ہے جس میں مسلمانوں کو اپنے دین پر عمل اور اس کی تبلیغ میں دشمنوں کی طرف سے طرح طرح کی رکاوٹیں پیش آرہی تھیں، اسی زمانے میں جنگوں کا سلسلہ بھی جاری تھا، اور بہت سی سختیاں برداشت کرنی پڑ رہی تھیں۔ جنگوں میں اپنے عزیز رشتہ دار اور دوست شہید بھی ہو رہے تھے یا ہونے والے تھے۔ لہذا اب مسلمانوں کو تلقین کی جا رہی ہے کہ دین حق کے راستے میں یہ آزمائشیں تو پیش آتی ہیں۔ ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر راضی رہ کر صبر کا مظاہرہ کرے۔ واضح رہے کہ صبر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کسی تکلیف یا صدمے پر روئے نہیں۔ صدمے کی بات پر رنج کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے اس لئے شریعت نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ جو رونا بے اختیار آجائے وہ بھی بے صبری میں داخل نہیں۔ البتہ صبر کا مطلب یہ ہے کہ صدمے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر انسان عقلی طور پر راضی رہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ڈاکٹر آپریشن کرے تو انسان کو تکلیف تو ہوتی ہے اور بعض اوقات اس تکلیف کی وجہ سے انسان بیساختہ چلا بھی اُٹھتا ہے، لیکن اسے ڈاکٹر سے شکایت نہیں ہوتی، کیونکہ اسے یقین ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اس کی ہمدردی میں اور اس کی مصلحت کی خاطر کر رہا ہے۔ (۱۰۲) اس فقرے میں پہلے تو اس حقیقت کا اظہار ہے کہ چونکہ ہم سب اللہ کی ملکیت میں ہیں اس لئے اسے ہمارے بارے میں



أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّهَدُونَ ﴿١٥٥﴾ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ  
مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّءَ  
خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ  
بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۚ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ ﴿١٥٧﴾ إِلَّا الَّذِينَ  
تَابُوا وَاصْلَحُوا ۖ بَيَّنَّاهُ لَكُمْ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٥٨﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی طرف سے خصوصی عنایتیں ہیں، اور رحمت ہے۔ اور یہی لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں ﴿۱۵۵﴾  
بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہذا جو شخص بھی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس کے لئے اس  
بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ ان کے درمیان چکر لگائے۔ اور جو شخص خوشی سے کوئی بھلائی کا کام کرے تو اللہ یقیناً  
قدر دان (اور) جاننے والا ہے ﴿۱۵۶﴾

بیشک وہ لوگ جو ہماری نازل کی ہوئی روشن دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں، باوجودیکہ ہم انہیں کتاب میں کھول کھول  
کر لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں، تو ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت بھیجتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت  
بھیجتے ہیں ﴿۱۵۷﴾ ہاں وہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی ہو اور اپنی اصلاح کر لی ہو اور (چھپائی ہوئی باتوں کو) کھول کھول کر بیان  
کر دیا ہو تو میں ایسے لوگوں کی توبہ قبول کر لیتا ہوں۔ اور میں توبہ قبول کرنے کا خوگر ہوں، بڑا رحمت والا ﴿۱۵۸﴾

ہر فیصلہ کرنے کا اختیار ہے، اور چونکہ ہم اس کے ہیں، اور کوئی بھی اپنی چیز کا بُرا نہیں چاہتا، اس لئے ہمارے بارے میں اس کا ہر  
فیصلہ خود ہماری مصلحت میں ہوگا، چاہے فی الحال ہمیں وہ مصلحت سمجھ میں نہ آ رہی ہو۔ دوسری طرف اس حقیقت کا اظہار ہے کہ  
ایک دن ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے پاس اسی جگہ جانا ہے جہاں ہمارا کوئی عزیز یا دوست گیا ہے، لہذا یہ جدائی عارضی ہے ہمیشہ کے  
لئے نہیں ہے، اور جب ہم اس کے پاس لوٹ کر جائیں گے تو ہمیں اس صدمے یا تکلیف پر ان شاء اللہ ثواب بھی ملنا ہے۔ جب  
یہ اعتقاد دل میں ہو تو اسی کا نام صبر ہے، خواہ اس کے ساتھ ساتھ بے اختیار آنسو بھی نکل رہے ہوں۔

﴿۱۵۳﴾ صفا اور مروہ مکہ مکرمہ میں دو پہاڑیاں ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ کو اپنے دودھ پیتے  
صاحبزادے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ چھوڑ کر گئے تو حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں ان پہاڑیوں کے درمیان دوڑی تھیں۔ حج  
اور عمرے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان سعی کرنا واجب قرار دیا ہے۔ اگرچہ سعی واجب ہے مگر یہاں ”کوئی گناہ نہیں“ کے الفاظ  
اس لئے استعمال فرمائے گئے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں یہاں دو بت رکھ دیئے گئے تھے جو اگرچہ بعد میں ہٹائے گئے، مگر بعض صحابہ  
کو یہ شک ہوا کہ شاید ان پہاڑیوں کے درمیان دوڑنا جاہلیت کی نشانی ہونے کی وجہ سے گناہ ہو۔ آیت نے یہ شک دور کر دیا۔

﴿۱۵۴﴾ اشارہ ان یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف ہے جو پچھلی آسمانی کتابوں میں مذکور ان بشارتوں کو چھپاتے تھے جو آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔



إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ  
 أَجْمَعِينَ ﴿١٠١﴾ خُلِدُوا فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿١٠٢﴾ وَالْهُكْمُ إِلَهُ  
 وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٣﴾ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ  
 اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ  
 مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ  
 وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٠٤﴾

بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے، ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سارے  
 انسانوں کی لعنت ہے ﴿۱۰۱﴾ وہ ہمیشہ اسی پھٹکار میں رہیں گے۔ نہ ان پر سے عذاب کو ہلکا کیا جائے گا، اور نہ ان کو مہلت دی  
 جائے گی ﴿۱۰۲﴾ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے۔ ﴿۱۰۳﴾  
 بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات دن کے لگاتار آنے جانے میں، اُن کشتیوں میں جو لوگوں کے فائدے کا  
 سامان لے کر سمندر میں تیرتی ہیں، اُس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اُتارا اور اس کے ذریعے زمین کو اُس کے مردہ  
 ہو جانے کے بعد زندگی بخشی اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے، اور ہواؤں کی گردش میں، اور اُن بادلوں میں جو  
 آسمان اور زمین کے درمیان تابع دار بن کر کام میں لگے ہوئے ہیں، اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہی نشانیاں ہیں جو اپنی  
 عقل سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۱۰۵﴾ ﴿۱۰۴﴾

﴿۱۰۵﴾ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ کائنات کے ان حقائق کی طرف توجہ دلائی ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے پھیلے  
 پڑے ہیں، اور اگر اُن پر معقولیت کے ساتھ غور کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں۔ چونکہ  
 روزمرہ ان کو دیکھتے دیکھتے ہماری نگاہیں ان کی عادی ہو گئی ہیں، اس لئے ان میں کوئی حیرت کی بات ہمیں محسوس نہیں ہوتی، ورنہ  
 ان میں سے ایک ایک چیز ایسے محیر العقول نظام کا حصہ ہے جس کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے سوا کائنات کی کسی طاقت  
 کے بس میں نہیں ہے۔ آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات جس طرح کام کر رہی ہیں، چاند اور سورج جس طرح ایک لگے بندھے  
 نظام الاوقات کے تحت دن رات سفر میں ہیں، سمندر جس طرح نہ صرف پانی کا ذخیرہ کئے ہوئے ہے بلکہ کشتیوں کے ذریعے خشکی  
 کے مختلف حصوں کو جوڑے ہوئے ہے، اور ان کی ضرورت کا سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر رہا ہے، بادل اور ہوائیں جس  
 انداز میں انسانوں کی زندگی کا سامان مہیا کر رہے ہیں، ان سب چیزوں کے بارے میں بدترین حماقت کے بغیر یہ سمجھنا ممکن نہیں  
 ہے کہ یہ سب کچھ خود بخود کسی خالق کے بغیر ہو رہا ہے۔ مشرکین عرب بھی یہ مانتے تھے کہ یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی  
 ہے، لیکن ساتھ ہی وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان تمام کاموں میں کئی دیوتا اُس کے مددگار ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ جس ذات



وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ۚ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ ۚ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾ اذْ تَبَرَّ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۚ كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾

اور (اس کے باوجود) لوگوں میں کچھ وہ بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کی خدائی میں اس طرح شریک قرار دیتے ہیں کہ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے اللہ کی محبت (رکھنی چاہئے)۔ اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ اور کاش کہ یہ ظالم جب (دُنیا میں) کوئی تکلیف دیکھتے ہیں اُسی وقت یہ سمجھ لیا کریں کہ تمام تر طاقت اللہ ہی کو حاصل ہے، اور یہ کہ اللہ کا عذاب (آخرت میں) اُس وقت بڑا سخت ہوگا ﴿۱۶۵﴾ جب وہ (پیشوا) جن کے پیچھے یہ لوگ چلتے رہے ہیں، اپنے پیروکاروں سے مکمل بے تعلقی کا اعلان کریں گے، اور یہ سب لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیں گے، اور ان کے تمام باہمی رشتے کٹ کر رہ جائیں گے ﴿۱۶۶﴾ اور جنہوں نے ان (پیشواؤں) کی پیروی کی تھی وہ کہیں گے کہ کاش ہمیں ایک مرتبہ پھر (دُنیا میں) لوٹنے کا موقع دے دیا جائے، تو ہم بھی ان (پیشواؤں) سے اسی طرح بے تعلقی کا اعلان کریں جیسے انہوں نے ہم سے بے تعلقی کا اعلان کیا ہے۔ اس طرح اللہ انہیں دکھا دے گا کہ ان کے اعمال (آج) اُن کے لئے حسرت ہی حسرت بن چکے ہیں، اور اب وہ کسی صورت دوزخ سے نکلنے والے نہیں ہیں ﴿۱۶۷﴾ اے لوگو! زمین میں جو حلال پاکیزہ چیزیں ہیں وہ کھاؤ، اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ یقیناً جانو کہ وہ تمہارے لئے ایک کھلا دشمن ہے ﴿۱۶۸﴾ وہ تو تم کو یہی حکم دے گا کہ تم بدی اور بے حیائی کے کام کرو اور اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاؤ جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔ ﴿۱۶۹﴾

کی قدرت اتنی عظیم ہے کہ یہ سارا نظام کائنات اس نے بلا شرکتِ غیرے پیدا کر دیا ہے، آخر اسے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے کسی شریک یا مددگار کی کیا ضرورت ہے؟ لہذا جو شخص بھی اپنی عقل کو کام میں لائے گا، اسے کائنات کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل نظر آئے گی۔

(۱۰۶) مشرکین عرب کی ایک گراہی یہ تھی کہ انہوں نے کسی آسمانی تعلیم کے بغیر مختلف چیزوں کے بارے میں حلال و حرام کے



وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً صُمُّ بكم عَمَى فَهْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٥١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اكْلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١٥٢﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَنَازِيرِ وَمَا أُهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٥٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٥٤﴾

اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ اس کلام کی پیروی کرو جو اللہ نے اُتارا ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں! ہم تو ان باتوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ بھلا کیا اس صورت میں بھی (ان کو یہی چاہئے) جب ان کے باپ دادے (دین کی) ذرا بھی سمجھ نہ رکھتے ہوں، اور انہوں نے کوئی (آسمانی) ہدایت بھی حاصل نہ کی ہو؟ ﴿۱۵۰﴾ اور جن لوگوں نے کفر کو اپنالیا ہے ان (کو حق کی دعوت دینے) کی مثال کچھ ایسی ہے جیسے کوئی شخص اُن (جانوروں) کو زور زور سے بلائے جو ہانک پکار کے سوا کچھ نہیں سنتے۔ یہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں، لہذا کچھ نہیں سمجھتے ﴿۱۵۱﴾ اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں رزق کے طور پر عطا کی ہیں، ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ، اور اللہ کا شکر ادا کرو، اگر واقعی تم صرف اسی کی بندگی کرتے ہو ﴿۱۵۲﴾ اُس نے تو تمہارے لئے بس مردار جانور، خون، اور سو حرام کیا ہے، نیز وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ ہاں اگر کوئی شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو (اور ان چیزوں میں سے کچھ کھالے) جبکہ اس کا مقصد نہ لذت حاصل کرنا ہو اور نہ وہ (ضرورت کی) حد سے آگے بڑھے، تو اُس پر کوئی گناہ نہیں۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۵۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت وصول کر لیتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ کے سوا کچھ نہیں بھر رہے۔ قیامت کے دن اللہ ان سے کلام بھی نہیں کرے گا، اور نہ ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۱۵۴﴾

فیصلے خود گھڑ رکھے تھے۔ مثلاً مردار جانور کو کھانا ان کے نزدیک جائز تھا، مگر بہت سے حلال جانوروں کو انہوں نے اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا، جس کی تفصیل ان شاء اللہ سورۃ انعام میں آئے گی۔ یہ آیات ان کی اسی گمراہی کی تردید میں نازل ہوئی ہیں۔ ﴿۱۵۷﴾ اس آیت میں تمام حرام چیزوں کا احاطہ کرنا مقصود نہیں، بلکہ مقصد یہ جتانا ہے کہ جن جانوروں کو تم نے حرام سمجھ رکھا ہے



أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٠٥﴾  
 ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۖ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتٰبِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿١٠٦﴾  
 لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
 الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيِّنَ ۖ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسْكِينِ  
 وَابْنَ السَّبِيلِ ۖ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ۖ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ ۖ وَالْمُوفُونَ  
 بِعَهْدِهِمْ إِذَا عٰهَدُوا ۖ وَالصَّٰبِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَآءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ  
 صَدَقُوا ۗ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿١٠٧﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی، اور مغفرت کے بدلے عذاب کی خریداری کر لی ہے۔ چنانچہ (اندازہ کرو کہ) یہ دوزخ کی آگ سہنے کے لئے کتنے تیار ہیں! ﴿۱۰۵﴾ یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ اللہ نے حق پر مشتمل کتاب اتاری ہے، اور جن لوگوں نے ایسی کتاب کے بارے میں مخالفت کا رویہ اختیار کیا ہے وہ ضد اضدی میں بہت دُور نکل گئے ہیں۔ ﴿۱۰۶﴾ نیکی بس یہی تو نہیں ہے کہ اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کر لو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر ایمان لائیں، اور اللہ کی محبت میں اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سانکوں کو دیں، اور غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ کریں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور جب کوئی عہد کر لیں تو اپنے عہد کو پورا کرنے کے عادی ہوں، اور تنگی اور تکلیف میں، نیز جنگ کے وقت، صبر و استقلال کے خوگر ہوں۔ ایسے لوگ ہیں جو سچے (کہلانے کے مستحق) ہیں، اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔ ﴿۱۰۷﴾

وہ تو اللہ نے حرام نہیں کئے، تم خواہ مخواہ ان کی حرمت اللہ کے ذمے لگا رہے ہو، البتہ کئی چیزیں ایسی ہیں جن کو تم حرام نہیں سمجھتے، مگر اللہ نے انہیں حرام قرار دیا ہے۔ حرام چیزیں وہ نہیں ہیں جو تم سمجھ رہے ہو، حرام تو وہ ہیں جنہیں تم نے حلال سمجھا ہوا ہے۔

﴿۱۰۸﴾ روئے سخن ان اہل کتاب کی طرف ہے جنہوں نے قبلے کے مسئلے پر بحث و مباحثہ اس انداز سے شروع کر رکھا تھا جیسے دین میں اس سے زیادہ اہم کوئی اور مسئلہ نہیں ہے۔ مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ قبلے کے مسئلے کی جتنی وضاحت ضروری تھی وہ ہو چکی ہے۔ اب آپ کو دین کے دوسرے اہم مسائل کی طرف توجہ دینی چاہئے، اور اہل کتاب سے بھی یہ کہنا چاہئے کہ قبلے کے مسئلے پر بحث سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ اپنا ایمان درست کرو، اور وہ صفات پیدا کرو جو ایمان کو مطلوب ہیں۔ اس سلسلے میں آگے قرآن کریم نے نیکی کے مختلف شعبے بیان فرمائے ہیں، اور اسلامی قانون کے مختلف احکام کی وضاحت کی ہے جو ایک ایک کر کے آگے آرہے ہیں۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ  
وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۖ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ  
بِإِحْسَانٍ ۖ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۖ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ  
أَلِيمٌ ﴿١٠٩﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١١٠﴾

اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کر دیئے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص (کا حکم) فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلے عورت (ہی کو قتل کیا جائے) <sup>(۱۰۹)</sup>، پھر اگر قاتل کو اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے تو معروف طریقے کے مطابق (خون بہا کا) مطالبہ کرنا (وارث کا) حق ہے، اور اسے خوش اسلوبی سے ادا کرنا (قاتل کا) فرض ہے۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک آسانی پیدا کی گئی ہے اور ایک رحمت ہے۔ اس کے بعد بھی کوئی زیادتی کرے تو وہ دردناک عذاب کا مستحق ہے <sup>(۱۱۰)</sup> اور اے عقل رکھنے والو! تمہارے لئے قصاص میں زندگی (کا سامان ہے) اُمید ہے کہ تم (اس کی خلاف ورزی سے) بچو گے۔ ﴿۱۱۱﴾

(۱۰۹) قصاص کا مطلب ہے برابر کا بدلہ لینا۔ اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو جان بوجھ کر ناحق قتل کر دیا جائے اور قاتل کا جرم ثابت ہو جائے تو مقتول کے وارث کو حق حاصل ہے کہ وہ قاتل سے قصاص کا مطالبہ کرے۔ جاہلیت کے زمانے میں اگر چہ قصاص تو لیا جاتا تھا، لیکن اس میں نا انصافی یہ تھی کہ انہوں نے مختلف انسانوں کے جو درجے اپنے خیال میں مقرر کر رکھے تھے، ان کے لحاظ سے اگر نچلے درجے کے کسی شخص نے اونچے درجے کے کسی آدمی کو قتل کر دیا تو ورثاء کا مطالبہ یہ ہوتا تھا کہ قاتل کے بجائے اس کے قبیلے کے کسی دوسرے آدمی کو قتل کیا جائے جو رتبے میں مقتول کے برابر ہو۔ چنانچہ اگر ایک غلام نے کسی آزاد آدمی کو قتل کر دیا ہو تو مطالبہ یہ ہوتا تھا کہ ہم قاتل غلام کے بجائے کسی آزاد آدمی کو قتل کریں گے، اسی طرح اگر قاتل عورت ہو اور مقتول مرد، تو کہا جاتا تھا کہ قاتل عورت کے بجائے قبیلے کا کوئی مرد قتل کیا جائے۔ اس کے برعکس اگر قاتل مقتول سے اوپر کے درجے کا ہو، مثلاً قاتل مرد ہو اور مقتول عورت، تو قاتل کا قبیلہ کہتا تھا کہ ہماری کسی عورت کو قتل کر دو، قاتل مرد سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اس آیت نے جاہلیت کی اس ظالمانہ رسم کو ختم فرما دیا اور اعلان کیا کہ جان ہر ایک کی برابر ہے، اور قصاص ہر صورت میں قاتل ہی سے لیا جائے گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، غلام ہو یا آزاد۔

(۱۱۰) بنی اسرائیل کے قانون میں قصاص تو تھا، لیکن دیت یا خون بہا کا کوئی تصور نہیں تھا۔ اس آیت نے مقتول کے ورثاء کو یہ حق دیا کہ اگر وہ چاہیں تو مقتول کا قصاص معاف کر کے خون بہا کے طور پر کچھ رقم کا مطالبہ کریں۔ ایسی صورت میں ان کو چاہئے کہ رقم کی مقدار معقولیت کی حد میں رکھیں، اور قاتل کو چاہئے کہ خوش اسلوبی سے اس کی ادائیگی کرے۔

(۱۱۱) مطلب یہ ہے کہ اگر خون بہا لے کر وارثوں نے قصاص معاف کر دیا ہو تو اب ان کے لئے قاتل کی جان لینا جائز نہیں ہے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ زیادتی ہوگی جس کی بنا پر وہ دنیا اور آخرت دونوں میں سزا کے مستحق ہوں گے۔



كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ أَنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ لِّلْوَالِدَيْنِ وَآلِ اقْرَبِينَ  
بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ (۱۸۰) فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ  
يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَبِيحٌ عَلِيمٌ ۝ (۱۸۱) فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوَسِّ جَنَفًا أَوْ إِثْقًا فَاصْدَحْ بَيْنَهُمْ فَلَا  
إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (۱۸۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا  
كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (۱۸۳) أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ  
مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ

تم پر فرض کیا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے پیچھے مال چھوڑ کر جانے والا ہو تو جب اس کی موت کا وقت قریب آجائے، وہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں دستور کے مطابق وصیت کرے۔ یہ متقی لوگوں کے ذمے ایک لازمی حق ہے (۱۸۰) پھر جو شخص اس وصیت کو سننے کے بعد اس میں کوئی تبدیلی کرے گا، تو اس کا گناہ ان لوگوں پر ہوگا جو اس میں تبدیلی کریں گے۔ یقین رکھو کہ اللہ (سب کچھ) سنتا جانتا ہے (۱۸۱) ہاں اگر کسی شخص کو یہ اندیشہ ہو کہ کوئی وصیت کرنے والا بے جا طرف داری یا گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے، اور وہ متعلقہ آدمیوں کے درمیان صلح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (۱۸۲)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو (۱۸۳) گنتی کے چند دن روزے رکھنے ہیں۔ پھر بھی اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔

(۱۸۲) یہ آیت اُس دور میں نازل ہوئی تھی جب مرنے والے کے ترکے میں وارثوں کے حصے متعین نہیں ہوئے تھے، چنانچہ سارا ترکہ مرنے والے کے لڑکوں کو مل جاتا تھا۔ اس آیت نے یہ فرض قرار دیا کہ ہر انسان مرنے سے پہلے اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے حق میں وصیت کر کے جائے، اور یہ واضح کرے کہ ان میں سے کس کو کتنا حصہ دیا جائے گا۔ بعد میں سورہ نساء کی آیات نمبر ۱۱ تا ۱۴ میں تمام وارثوں کی تفصیل اور ان کے حصے خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمادیئے۔ اس کے بعد جس وصیت کا اس آیت میں ذکر ہے وہ فرض تو نہیں رہی، البتہ اگر کسی شخص کے ذمے کوئی حق ہو تو اس کی وصیت کرنا اب بھی فرض ہے۔ نیز جو لوگ شرعی اعتبار سے وارث نہیں ہیں، ان کے لئے اپنے ترکے کے ایک تہائی کی حد تک وصیت کرنا اب بھی جائز ہے۔

(۱۸۳) یعنی جن لوگوں نے مرنے والے کی زبان سے کوئی وصیت سنی ہو ان کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ اس میں کوئی کمی بیشی کریں۔ اس کے بجائے ان کے لئے وصیت پر عمل کرنا واجب ہے۔

(۱۸۴) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی وصیت کرنے والا نا انصافی سے کام لے اور کوئی اسے سمجھا بجھا کر اپنی وصیت میں مرنے سے پہلے پہلے تبدیلی کرنے پر آمادہ کر دے تو یہ جائز ہے۔



وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينَ ۖ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۚ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۳﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۚ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۚ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۴﴾ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۚ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۚ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِلَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۸۵﴾

اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر (روزے کا) فدیہ ادا کر دیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر تم کو سمجھ ہو تو روزے رکھنے میں تمہارے لئے زیادہ بہتری ہے ﴿۱۸۳﴾ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے سراپا ہدایت، اور ایسی روشن نشانیوں کا حامل ہے جو صحیح راستہ دکھاتی اور حق و باطل کے درمیان دو ٹوک فیصلہ کر دیتی ہیں، لہذا تم میں سے جو شخص بھی یہ مہینہ پائے، وہ اس میں ضرور روزہ رکھے۔ اور اگر کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے، اور تمہارے لئے مشکل پیدا کرنا نہیں چاہتا، تاکہ (تم روزوں کی) گنتی پوری کر لو، اور اللہ نے تمہیں جو راہ دکھائی اس پر اللہ کی تکبیر کہو، اور تاکہ تم شکر گزار بنو۔ ﴿۱۸۴﴾ اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں۔ لہذا وہ بھی میری بات دل سے قبول کریں، اور مجھ پر ایمان لائیں، تاکہ وہ راہ راست پر آجائیں۔ ﴿۱۸۵﴾

﴿۱۸۵﴾ شروع میں جب روزے فرض کئے گئے تو یہ آسانی بھی دی گئی تھی کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کے بجائے فدیہ ادا کر دے تو یہ بھی جائز ہے۔ بعد میں آیت نمبر ۱۸۵ نازل ہوئی جو آگے آرہی ہے، اس آیت نے اس سہولت کو واپس لے لیا، اور یہ حتمی حکم دے دیا گیا کہ جو شخص بھی رمضان کا مہینہ پائے وہ روزے ضرور رکھے۔ تاہم فدیہ کی سہولت ان لوگوں کے لئے اب بھی باقی رکھی گئی ہے جو نہایت بوڑھے ہوں اور ان میں روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہ ہو، اور آئندہ ایسی طاقت پیدا ہونے کی امید بھی نہ ہو۔

﴿۱۸۴﴾ اس آیت میں ایک لطیف اشارہ ان تکبیرات کی طرف بھی ہے جو رمضان کے فوراً بعد عید کی نماز میں کہی جاتی ہیں۔

﴿۱۸۷﴾ رمضان کے ذکر کے عین درمیان اس آیت کو لانے کی وجہ شاید یہ ہو کہ پیچھے رمضان کی گنتی پوری کرنے کا جو ذکر آیا تھا، اس سے کسی کو خیال ہو سکتا تھا کہ رمضان گزرنے کے بعد شاید اللہ تعالیٰ سے وہ قرب باقی نہ رہے جو اس مبارک مہینے میں حاصل ہوا تھا۔ اس آیت نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے واضح فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ ہر آن اپنے بندوں سے قریب ہے اور ان کی پکار سنتا ہے۔



أَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ ۖ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَأَبْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۚ ثُمَّ أَتُوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَجِدِ ۚ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۹۸﴾ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۹۹﴾

۱۹۸، ۱۹۹

تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے کہ روزوں کی رات میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت کرو۔ وہ تمہارے لئے لباس ہیں، اور تم اُن کے لئے لباس ہو۔ اللہ کو علم تھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے، پھر اس نے تم پر عنایت کی اور تمہاری غلطی معاف فرمادی، چنانچہ اب تم ان سے صحبت کر لیا کرو، اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے اسے طلب کرو، اور اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہو کر تم پر واضح (نہ) ہو جائے۔ اس کے بعد رات آنے تک روزے پورے کرو۔ اور ان (اپنی بیویوں) سے اس حالت میں مباشرت نہ کرو جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں بیٹھے ہو۔ یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدود ہیں، لہذا ان (کی خلاف ورزی) کے قریب بھی مت جانا۔ اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ ﴿۱۹۸﴾ اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقوں سے نہ کھاؤ، اور نہ ان کا مقدمہ حاکموں کے پاس اس غرض سے لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ جانتے بوجھتے ہڑپ کرنے کا گناہ کرو۔ ﴿۱۹۹﴾

(۱۱۸) شروع شروع میں حکم یہ تھا کہ اگر کوئی شخص روزہ افطار کرنے کے بعد ذرا سا بھی سو جائے تو اس کے لئے رات کے وقت بھی نہ کھانا جائز ہوتا تھا، نہ جماع کرنا۔ بعض حضرات سے اس حکم کی خلاف ورزی سرزد ہوئی اور انہوں نے رات کے وقت اپنی بیویوں سے جماع کر لیا۔ یہ آیت اس خلاف ورزی کی طرف اشارہ کر رہی ہے، اور ساتھ ہی جن حضرات سے یہ غلطی ہوئی تھی ان کی معافی کا اعلان کر کے آئندہ کے لئے یہ پابندی اٹھا رہی ہے۔

(۱۱۹) اس کا مطلب اکثر مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ بیوی سے جماع کرنے میں وہ اولاد حاصل کرنے کی نیت رکھنی چاہئے جو اللہ نے تقدیر میں لکھ دی ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جماع کے دوران وہی لذت طلب کرنی چاہئے جو اللہ نے جائز قرار دی ہے، ناجائز طریقوں مثلاً غیر فطری طریقوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔



يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْإِهْلَةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۚ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا  
 الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى ۚ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ  
 لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٩﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ  
 لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٢٠﴾ وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ  
 وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۚ فَإِنْ  
 قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۚ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿٢١﴾

لوگ آپ سے نئے مہینوں کے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ انہیں بتا دیجئے کہ یہ لوگوں کے (مختلف معاملات کے) اور حج کے اوقات متعین کرنے کے لئے ہیں۔ اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے داخل ہو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے، اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہوا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔ ﴿۱۹﴾ اور ان لوگوں سے اللہ کے راستے میں جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں، اور زیادتی نہ کرو۔ یقین جانو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۲۰﴾ اور تم ان لوگوں کو جہاں پاؤ قتل کرو، اور انہیں اس جگہ سے نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔ اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین بُرائی ہے۔ اور تم ان سے مسجد حرام کے پاس اُس وقت تک لڑائی نہ کرو جب تک وہ خود اس میں تم سے لڑائی شروع نہ کریں۔ ہاں اگر وہ تم سے اس میں لڑائی شروع کر دیں تو تم ان کو قتل کر سکتے ہو۔ ایسے کافروں کی سزا یہی ہے ﴿۲۱﴾

﴿۱۲۰﴾ بعض اہل عرب کا یہ معمول تھا کہ اگر حج کا احرام باندھنے کے بعد انہیں کسی ضرورت سے گھر واپس جانا پڑتا تو وہ گھر کے عام دروازے سے داخل ہونے کو ناجائز سمجھتے تھے، اور ایسی صورت میں گھر کے پچھلے حصے سے داخل ہوتے تھے، خواہ اس کے لئے انہیں گھر میں نقب ہی کیوں نہ لگانی پڑے۔ یہ آیت اس فضول رسم کو بے بنیاد قرار دے رہی ہے۔

﴿۱۲۱﴾ یہ آیات اس وقت نازل ہوئی تھیں جب مکہ کے مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو صلح حدیبیہ کے موقع پر عمرہ ادا کرنے سے روک دیا تھا، اور یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ اگلے سال آ کر عمرہ کریں گے۔ جب اگلے سال عمرے کا ارادہ کیا گیا تو کچھ صحابہ کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں مشرکین مکہ عہد شکنی کر کے ہم سے لڑائی شروع نہ کر دیں۔ اگر ایسا ہوا تو مسلمانوں کو یہ مشکل پیش آئے گی کہ حدودِ حرم میں، اور خاص طور پر ذیقعدہ کے مہینے میں لڑائی کیسے کریں جبکہ اس مہینے میں جنگ ناجائز ہے۔ ان آیات نے وضاحت فرمائی کہ اپنی طرف سے تو جنگ نہ کی جائے، البتہ اگر کفار معاہدہ توڑ کر خود جنگ شروع کر دیں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے لئے جنگ جائز ہے، اور اگر وہ حدودِ حرم اور محترم مہینے کی حرمت کا لحاظ کئے بغیر حملہ آور ہو جائیں تو مسلمانوں کے لئے بھی ان کی زیادتی کا بدلہ دینا درست ہے۔

﴿۱۲۲﴾ لفظ ”فتنہ“ قرآن کریم میں مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے جن میں سے ایک معنی ظلم اور تشدد کے بھی ہیں، اور شاید



فَإِنْ أَنْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۹۱﴾ وَقَتِّلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۚ  
فَإِنْ أَنْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۹۲﴾ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ  
قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ  
وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۹۳﴾ وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى  
التَّهْلُكَةِ ۚ وَأَحْسِنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۴﴾

پھر اگر وہ باز آجائیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۹۱﴾ اور تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ  
رہے، اور دین اللہ کا ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو (سمجھ لو کہ) تشدد سوائے ظالموں کے کسی پر نہیں ہونا چاہئے ﴿۹۲﴾  
حرمت والے مہینے کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہے، اور حرمتوں پر بھی بدلے کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص تم  
پر کوئی زیادتی کرے تو تم بھی ویسی ہی زیادتی اس پر کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اچھی  
طرح سمجھ لو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہے جو اس کا خوف دل میں رکھتے ہیں ﴿۹۳﴾ اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو، اور اپنے  
آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی اختیار کرو۔ بیشک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ﴿۹۴﴾

یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو اپنے دین پر عمل سے روکنے کے لئے بدترین تشدد روا رکھا ہوا تھا۔ لہذا بظاہر  
یہاں مقصد یہ ہے کہ اگرچہ کسی کو قتل کرنا اپنی ذات میں کوئی اچھی بات نہیں ہے، لیکن فتنہ اس کے مقابلے میں زیادہ سخت بُرائی ہے،  
اور جہاں فتنے کا سد باب قتل کے بغیر ممکن نہ ہو وہاں قتل کے سوا چارہ نہیں ہے۔

﴿۱۲۳﴾ یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ شرعاً جہاد کا اصل مقصد کسی کو اسلام پر مجبور کرنا نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ عام حالات میں کوئی  
شخص کفر پر اصرار کرے تب بھی جزیہ کے ذریعے اسلامی حکومت کے قوانین کی اطاعت کر کے اپنے مذہب پر قائم رہ سکتا ہے۔  
لیکن جزیرہ عرب کا حکم مختلف ہے۔ یہ وہ ملک ہے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو براہِ راست بھیجا گیا، اور جہاں کے لوگوں  
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور آپ کی تعلیمات براہِ راست سُنیں۔ ایسے لوگ اگر ایمان نہ  
لائیں تو پچھلے انبیاء علیہم السلام کے زمانوں میں انہیں عذابِ عام کے ذریعے ہلاک کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے  
میں عذابِ عام تو موقوف فرما دیا گیا، لیکن یہ حکم دیا گیا کہ جزیرہ عرب میں کوئی کافر مستقل شہری کی حیثیت میں نہیں رہ سکتا۔ یہاں  
اس کے لئے تین ہی راستے ہیں، یا اسلام لائے، یا جزیرہ عرب سے باہر چلا جائے، یا جنگ میں قتل ہو جائے۔

﴿۱۲۴﴾ یعنی اگر کوئی شخص مہینے کی حرمت پا مال کر کے تم سے لڑائی کرے تو تم بھی اس سے بدلہ لے سکتے ہو۔

﴿۱۲۵﴾ اشارہ یہ ہے کہ اگر تم نے جہاد میں خرچ کرنے سے بخل سے کام لیا اور اس کی وجہ سے جہاد کے مقاصد حاصل نہ ہو سکے تو  
یہ اپنے پاؤں پر خود کلباڑی مارنے کے مرادف ہوگا، کیونکہ اس کے نتیجے میں دشمن مضبوط ہو کر تمہاری ہلاکت کا سبب بنے گا۔



وَاتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۖ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسْلٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ ۖ فَمَنْ تَبَتَّ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۚ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ۚ

(۱۲۶) اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا پورا ادا کرو، ہاں اگر تمہیں روک دیا جائے تو جو قربانی میسر ہو، (اللہ کے حضور پیش کر دو)۔ اور اپنے سر اس وقت تک نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے۔ ہاں اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو، یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو روزوں یا صدقے یا قربانی کا فدیہ دے۔ پھر جب تم امن حاصل کر لو تو جو شخص حج کے ساتھ عمرے کا فائدہ بھی اٹھائے، وہ جو قربانی میسر ہو (اللہ کے حضور پیش کرے)۔ ہاں اگر کسی کے پاس اس کی طاقت نہ ہو تو وہ حج کے دنوں میں تین روزے رکھے، اور سات (روزے) اُس وقت جب تم (گھروں کو) لوٹ جاؤ۔ اس طرح یہ کل دس روزے ہوں گے۔ (۱۲۸)

(۱۲۶) مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص حج یا عمرے کا احرام باندھ لے تو جب تک حج یا عمرے کے اعمال پورے نہ ہو جائیں، احرام کھولنا جائز نہیں۔ البتہ کسی کو ایسی مجبوری پیش آسکتی ہے کہ احرام باندھنے کے بعد مکہ مکرمہ تک پہنچنا ممکن ہی نہ رہے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ صورت پیش آئی کہ آپ اور آپ کے صحابہ عمرے کا احرام باندھ کر روانہ ہوئے، لیکن جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین مکہ نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اسی موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں، اور ان میں ایسی صورت حال کا یہ حل بتایا گیا کہ ایسی صورت میں قربانی کر کے احرام کھولا جاسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں یہ قربانی حدودِ حرم میں ہونی چاہئے، جیسا کہ اگلے جملے میں فرمایا گیا ہے: ”اور اپنے سر اس وقت تک نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے“۔ نیز اس کے بعد جس حج یا عمرے کا احرام باندھا تھا اس کی قضا بھی ضروری ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمرے کی قضا اگلے سال فرمائی۔

(۱۲۷) احرام کی حالت میں سر منڈانا جائز نہیں ہوتا، لیکن اگر کسی شخص کو بیماری یا کسی تکلیف کی وجہ سے سر منڈانا پڑ جائے تو اس کو یہ فدیہ دینا ہوگا جو یہاں مذکور ہے۔ احادیث کی روشنی میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ یا تین روزے رکھے جائیں یا چھ مسکینوں کو صدقۃ الفطر کے برابر صدقہ کیا جائے یا ایک بکری قربان کی جائے۔

(۱۲۸) اوپر اس صورت میں قربانی کا حکم بیان ہوا تھا جب کسی شخص کو دشمن نے روک دیا ہو، اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ قربانی امن کے عام حالات میں بھی واجب ہو سکتی ہے جب کوئی شخص حج کے ساتھ عمرہ بھی جمع کرے، یعنی قرآن یا تمتع کا احرام باندھے۔ (اگر صرف حج کا احرام باندھا ہو، جسے افراد کہتے ہیں، تو قربانی واجب نہیں ہے) البتہ اگر کوئی شخص قرآن یا تمتع کے باوجود قربانی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ قربانی کے بدلے دس روزے رکھ سکتا ہے جن میں سے تین روزے عرفہ کے دن (یعنی ۹ ذوالحجہ) تک پورے ہو جانے چاہئیں، اور سات روزے حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھنے ہوں گے۔



ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهُ حَاضِرِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ  
شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۹۰ الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ ۖ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا  
فُسُوقَ ۚ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۖ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ  
التَّقْوَىٰ ۚ وَاتَّقُونِ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ۝۹۱ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ ۚ  
فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَيْكُمْ  
وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الضَّالِّينَ ۝۹۲

یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو  
کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ۝۹۰ حج کے چند متعین مہینے ہیں۔ چنانچہ جو شخص ان مہینوں میں (احرام باندھ کر) اپنے اوپر  
حج لازم کر لے تو حج کے دوران نہ وہ کوئی فحش بات کرے، نہ کوئی گناہ، نہ کوئی جھگڑا۔ اور تم جو کوئی نیک کام کرو گے، اللہ  
اسے جان لے گا۔ اور (حج کے سفر میں) زادِ راہ ساتھ لے جایا کرو، کیونکہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ اور اے عقل  
والو! میری نافرمانی سے ڈرتے رہو ۝۹۱ تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم (حج کے دوران تجارت یا مزدوری کے  
ذریعے) اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو۔ پھر جب تم عرفات سے روانہ ہو تو مشعر حرام کے پاس (جو مزدلفہ میں واقع  
ہے) اللہ کا ذکر کرو، اور اس کا ذکر اسی طرح کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت کی ہے، جبکہ اس سے پہلے تم بالکل  
ناواقف تھے ۝۹۲

(۱۲۹) یعنی تمتع یا قرآن کے ذریعے حج اور عمرہ دونوں کو جمع کرنا صرف ان لوگوں کے لئے جائز ہے جو باہر سے حج کے لئے آئیں،  
جو لوگ حدودِ حرم، یا خفی مسلک کے مطابق حدودِ میقات میں رہتے ہوں، وہ صرف افراد کر سکتے ہیں، تمتع یا قرآن نہیں کر سکتے۔  
(۱۳۰) بعض لوگ حج کو روانہ ہوتے وقت اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان ساتھ نہیں رکھتے تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم اللہ پر  
توکل کرتے ہوئے حج کریں گے، لیکن جب راستے میں کھانے کی ضرورت پڑتی تو بسا اوقات وہ لوگوں سے مانگنے پر مجبور  
ہو جاتے تھے۔ اس آیت کریمہ نے یہ بتلایا کہ توکل کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے، بلکہ اسباب کو  
اختیار کرنا شریعت کا تقاضا ہے، اور بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے، یعنی وہ زادِ راہ جس کے ذریعے انسان دوسروں کے سامنے ہاتھ  
پھیلانے سے محفوظ رہے۔

(۱۳۱) بعض حضرات حج کے سفر میں کوئی تجارت کرنے کو ناجائز سمجھتے تھے۔ یہ آیت ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے،  
اور اس نے بتا دیا کہ سفر حج میں روزی کمانے کا کوئی مشغلہ اختیار کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے حج کے ضروری کام متاثر نہ ہوں۔  
(۱۳۲) حج کے دوران عرفات سے آکر مزدلفہ میں رات گزاری جاتی ہے، اور اگلی صبح طلوع آفتاب سے پہلے پہلے وقوف کیا جاتا



ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩٩﴾ فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۚ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٠٠﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٠١﴾

اس کے علاوہ (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) تم اسی جگہ سے روانہ ہو جہاں سے عام لوگ روانہ ہوتے ہیں۔ اور اللہ سے مغفرت مانگو۔ بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۹۹﴾ پھر جب تم اپنے حج کے کام پورے کر چکو تو اللہ کا اس طرح ذکر کرو جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر کرو۔ اب بعض لوگ تو وہ ہیں جو (دعا میں بس) یہ کہتے ہیں کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا میں بھلائی عطا فرما“ اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ﴿۱۰۰﴾ اور انہی میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے“ ﴿۱۰۱﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے اعمال کی کمائی کا حصہ (ثواب کی صورت میں) ملے گا، اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ ﴿۱۰۲﴾

ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے اور دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ جاہلیت میں بھی اہل عرب اللہ کا ذکر تو کرتے تھے، مگر اس کے ساتھ اپنے دیوتاؤں کا ذکر بھی شامل کر لیتے تھے۔ بتایا یہ جارہا ہے کہ مؤمن کا ذکر خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہونا چاہئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے۔

﴿۱۳۳﴾ جاہلیت میں اہل عرب نے یہ طریقہ مقرر کر رکھا تھا کہ اور تمام انسان تو ۹ رذوالحجہ کو عرفات کے میدان میں وقوف کرتے تھے، مگر قریش اور بعض دوسرے قبائل جو حرم کے قریب رہتے تھے اور ”حمس“ کہلاتے تھے، عرفات جانے کے بجائے مزدلفہ میں رہتے تھے، اور وہیں وقوف کرتے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم حرم کے مجاور ہیں اور عرفات چونکہ حدود حرم سے باہر ہے اس لئے ہم وہاں نہیں جائیں گے۔ نتیجہ یہ کہ عام لوگوں کو نویں تاریخ کا دن عرفات میں گزارنے کے بعد رات کو مزدلفہ کے لئے روانہ ہونا پڑتا تھا، مگر قریش وغیرہ شروع ہی سے مزدلفہ میں ہوتے تھے، اور ان کو عرفات سے آنا نہیں پڑتا تھا۔ اس آیت نے یہ رسم ختم کر دی، اور قریش کے لوگوں کو بھی یہ حکم دیا کہ وہ عام لوگوں کے ساتھ عرفات میں وقوف کریں، اور انہی کے ساتھ روانہ ہو کر مزدلفہ آئیں۔

﴿۱۳۴﴾ جاہلیت میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ حج کے بنیادی ارکان سے فارغ ہو کر جب منیٰ میں جمع ہوتے تو بعض لوگ ایک پورا دن اپنے آباء و اجداد کی تعریفیں کرنے اور ان کے کارنامے بیان کرنے میں گزارا کرتے تھے۔ یہ اشارہ اس رسم کی طرف ہے۔ اور بعض لوگ دعائیں تو مانگتے، مگر چونکہ وہ آخرت کے قائل نہیں تھے اس لئے ان کی دُعا صرف دُنیا کی بہتری تک محدود ہوتی تھی۔ اگلے جملے میں بتایا گیا ہے کہ ایک مؤمن کو دُنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی مانگنی چاہئے۔



وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۖ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا  
إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۳﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ  
يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ ۖ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۴﴾ وَإِذَا  
تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ﴿۲۵﴾  
وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ وَلَيْسَ الْبِهَادُ ﴿۲۶﴾ وَمِنَ  
النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۷﴾

اور اللہ کو گنتی کے (ان چند) دنوں میں (جب تم منیٰ میں مقیم ہو) یاد کرتے رہو۔ پھر جو شخص دو ہی دن میں جلدی چلا جائے  
اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے، اور جو شخص (ایک دن) بعد میں جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ یہ (تفصیل) اس کے لئے  
ہے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اور تم سب تقویٰ اختیار کرو، اور یقین رکھو کہ تم سب کو اسی کی طرف لے جا کر جمع کیا جائے گا ﴿۲۳﴾  
اور لوگوں میں ایک وہ شخص بھی ہے کہ دنیوی زندگی کے بارے میں اس کی باتیں تمہیں بڑی اچھی لگتی ہیں، اور جو کچھ اس  
کے دل میں ہے اُس پر وہ اللہ کو گواہ بھی بناتا ہے، حالانکہ وہ (تمہارے) دشمنوں میں سب سے زیادہ کڑ ہے ﴿۲۴﴾ اور  
جب اُٹھ کر جاتا ہے تو زمین میں اس کی دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ وہ اس میں فساد مچائے، اور فصلیں اور  
نسلیں تباہ کرے، حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا ﴿۲۵﴾ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا خوف کر، تو نخوت اس کو  
گناہ پر اور آمادہ کر دیتی ہے۔ چنانچہ ایسے شخص کو تو جہنم ہی راس آئے گی، اور یقین کرو وہ بہت بُرا بچھونا ہے ﴿۲۶﴾ اور  
(دوسری طرف) لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جو اللہ کی خوشنودی کی خاطر اپنی جان کا سودا کر لیتا ہے، اور اللہ (ایسے)  
بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ ﴿۲۷﴾

(۱۳۵) منیٰ میں تین دن گزارنا سنت ہے، اور اس دوران جمرات پر کنکریاں مارنا واجب ہے۔ البتہ ۱۲ تاریخ کے بعد منیٰ سے  
چلا جانا جائز ہے، ۱۳ تاریخ تک رُکنا ضروری نہیں۔ اور اگر کوئی رُکنا چاہے تو ۱۳ تاریخ کو بھی رُمی کر کے واپس جاسکتا ہے۔  
(۱۳۶) بعض روایات میں ہے کہ اخنس بن شریق نامی ایک شخص مدینہ منورہ آیا تھا، اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے  
پاس آکر بڑی چکنی چڑی باتیں کیں اور اللہ کو گواہ بنا کر اپنے ایمان لانے کا اظہار کیا، لیکن جب واپس گیا تو راستے میں مسلمانوں  
کی کھیتیاں جلا دیں اور ان کے مویشیوں کو ذبح کر ڈالا۔ یہ آیات اس پس منظر میں نازل ہوئی تھیں، البتہ یہ ہر قسم کے منافقوں پر  
پوری اُترتی ہیں۔

(۱۳۷) یہ اُن صحابہ کرام کا ذکر ہے جنہوں نے اپنی جانیں اسلام کے مقاصد کے لئے کھپا رکھی تھیں۔ ایسے کئی صحابہ کے واقعات  
مفسرین نے ذکر کئے ہیں۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٠٠﴾ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ فَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠١﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿١٠٢﴾ سَلْ بَنِي إِسْرَآءِيلَ كَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۖ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٠٣﴾ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٠٤﴾

اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ یقین جانو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ﴿۱۰۰﴾ پھر جو روشن دلائل تمہارے پاس آچکے ہیں، اگر تم ان کے بعد بھی (راہِ راست سے) پھسل گئے تو یاد رکھو کہ اللہ اقتدار میں بھی کامل ہے، حکمت میں بھی کامل۔ ﴿۱۰۱﴾ یہ (کفار ایمان لانے کے لئے) اس کے سوا کس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ خود بادل کے سائبانوں میں ان کے سامنے آ موجود ہو، اور فرشتے بھی (اس کے ساتھ ہوں) اور سارا معاملہ ابھی چکا دیا جائے؟ حالانکہ آخر کار سارے معاملات اللہ ہی کی طرف تو لوٹ کر رہیں گے ﴿۱۰۲﴾ بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے ان کو کتنی ساری کھلی نشانیاں دی تھیں! اور جس شخص کے پاس اللہ کی نعمت آچکی ہو، پھر وہ اس کو بدل ڈالے، تو (اسے یاد رکھنا چاہئے کہ) اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۱۰۳﴾ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، ان کے لئے دُنیوی زندگی بڑی دلکش بنا دی گئی ہے، اور وہ اہل ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں، حالانکہ جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے وہ قیامت کے دن ان سے کہیں بلند ہوں گے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ ﴿۱۰۴﴾

(۱۳۸) ان دو صفتوں کو ساتھ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ اس کا اقتدار کامل ہے اس لئے وہ کسی وقت بھی تمہاری بد عملی کی سزا دے سکتا ہے، لیکن چونکہ اس کی حکمت بھی کامل ہے، اس لئے وہی اپنی حکمت سے یہ طے کرتا ہے کہ کس کو کب اور کتنی سزا دینی ہے۔ لہذا اگر ایسے کافر فوری طور سے عذاب میں پکڑے نہیں جا رہے تو اس سے یہ سمجھ بیٹھنا حماقت ہے کہ وہ سزا سے ہمیشہ کے لئے بچ گئے۔

(۱۳۹) مختلف کفار، اور خاص طور پر یہود و مدینہ، اس قسم کے مطالبات کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست ہمیں نظر آ کر ہمیں ایمان لانے کا حکم کیوں نہیں دیتا؟ یہ آیت اس قسم کے مطالبات کا جواب دے رہی ہے، اور وہ یہ کہ یہ دُنیا اس آزمائش کے لئے بنائی گئی ہے کہ انسان اپنی عقل استعمال کرے اور کائنات میں پھیلے ہوئے واضح دلائل کی روشنی میں اللہ کی توحید اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اسی لئے اس آزمائش میں اصل قیمت ایمان بالغیب کی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ براہِ راست نظر آ جائیں تو آزمائش کیا ہوئی؟ اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب غیب کی چیزیں انسان کو آنکھوں سے نظر آ جائیں تو پھر ایمان معتبر نہیں ہوتا اور ایسا اُسی وقت ہوگا جب یہ کائنات ختم کر کے سزا اور جزا کا مرحلہ آجائے گا۔ معاملہ چکانے سے یہاں یہی مراد ہے۔

(۱۴۰) یہ فقرہ دراصل کفار کے اس باطل دعوے کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ ہمیں خوب رزق دے رہا ہے اس لئے یہ اس بات



كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۖ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢٣﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَسَّيَايَاتِكُمْ مِثْلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۚ مَسَّتْهُمْ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَاءُ وَوَزِلْهُمْ حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿٢٤﴾ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۗ قُلْ مَا أَنْفَقْتُ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ الدِّينُ وَالْآقَرِبِينَ ۖ وَلِلسَّيِّئِينَ وَالْمُسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾

(شروع میں) سارے انسان ایک ہی دین کے پیرو تھے۔ پھر (جب ان میں اختلاف ہوا تو) اللہ نے نبی بھیجے جو (حق والوں کو) خوشخبری سناتے، اور (باطل والوں کو) ڈراتے تھے، اور ان کے ساتھ حق پر مشتمل کتاب نازل کی، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں ان کا اختلاف تھا۔ اور (افسوس کی بات یہ ہے کہ) کسی اور نے نہیں بلکہ خود انہوں نے جن کو وہ کتاب دی گئی تھی، روشن دلائل آ جانے کے بعد بھی، صرف باہمی ضد کی وجہ سے اسی (کتاب) میں اختلاف نکال لیا۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اللہ نے انہیں اپنے حکم سے حق کی ان باتوں میں راہِ راست تک پہنچایا جن میں انہوں نے اختلاف کیا تھا، اور اللہ جسے چاہتا ہے راہِ راست تک پہنچا دیتا ہے۔ ﴿٢٣﴾ (مسلمانو!) کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں (یونہی) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تمہیں اس جیسے حالات پیش نہیں آئے جیسے اُن لوگوں کو پیش آئے تھے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ ان پر سختیاں اور تکلیفیں آئیں، اور انہیں ہلا ڈالا گیا، یہاں تک کہ رسول اور ان کے ایمان والے ساتھی بول اُٹھے کہ ”اللہ کی مدد کب آئے گی؟“، یاد رکھو! اللہ کی مدد نزدیک ہے۔ ﴿٢٤﴾

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ (اللہ کی خوشنودی کے لئے) کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے کہ جو مال بھی تم خرچ کرو وہ والدین، قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہونا چاہئے۔ اور تم بھلائی کا جو کام بھی کرو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿٢٥﴾

کی علامت ہے کہ وہ ہمارے عقائد اور اعمال سے ناراض نہیں ہے۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ دُنیا میں رزق کی فراوانی کسی کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں۔ دُنیوی رزق کے لئے اللہ کے نزدیک الگ معیار مقرر ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دے دیتا ہے، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔



كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۱۶﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۚ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدُّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَسْتَوْفِرْ ۖ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۱۷﴾

تم پر (دشمنوں سے) جنگ کرنا فرض کیا گیا ہے، اور وہ تم پر گراں ہے۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا سمجھو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو، حالانکہ وہ تمہارے حق میں بُری ہو۔ اور (اصل حقیقت تو) اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔ (۲۱۶) لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں جنگ کرنا کیسا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے، مگر لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا، اس کے خلاف کفر کی روش اختیار کرنا، مسجد حرام پر بندش لگانا اور اس کے باسیوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سنگین چیز ہے۔ اور یہ (کافر) تم لوگوں سے برابر جنگ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو یہ تم کو تمہارا دین چھوڑنے پر آمادہ کر دیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی شخص اپنا دین چھوڑ دے، اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے، تو ایسے لوگوں کے اعمال دُنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہو جائیں گے۔ ایسے لوگ دوزخ والے ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ (۲۱۷)

(۱۳۱) سورہ توبہ (۳۶:۹) میں چار مہینوں کو ”شہرِ حرم“ کہا گیا ہے، یعنی حرمت والے مہینے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ چار مہینے رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں۔ ان مہینوں میں جنگ منع ہے، البتہ اگر کوئی دشمن حملہ کر دے تو اپنا دفاع کیا جاسکتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک سفر کے دوران چند صحابہ کی کچھ مشرکین سے جھڑپ ہو گئی، اور مشرکین میں سے ایک آدمی عمرو بن اُمیہ ضمری مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ واقعہ جمادی الثانیہ کی ۲۹ تاریخ کی شام کو واقع ہوا، لیکن اس شخص کے قتل ہوتے ہی رجب کا چاند نظر آ گیا۔ اس پر مشرکین نے مسلمانوں کے خلاف ایک طوفان مچا دیا کہ یہ لوگ حرمت والے مہینوں کا بھی پاس نہیں کر رہے ہیں۔ یہ آیت اس پروپیگنڈے کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اول تو عمرو بن اُمیہ کا قتل غلط فہمی میں ہوا، جان بوجھ کر حرمت والے مہینے میں قتل نہیں کیا گیا، لیکن جو لوگ اس واقعے پر طوفان کھڑا کئے ہوئے ہیں، انہوں نے اس سے کہیں بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا ہوا ہے۔ وہ لوگوں کو نہ صرف مسجد حرام سے روکتے ہیں، بلکہ جو لوگ حقیقتہً مسجد حرام میں عبادت کے اہل ہیں ان کے لئے زندگی اجیرن بنا کر انہیں یہاں سے نکلنے پر مجبور کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کی روش اختیار کئے ہوئے ہیں۔



إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجْهَهُدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ  
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۸﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ  
لِلنَّاسِ ۚ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۚ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۖ قُلِ الْعَفْوَ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ  
اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۹﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ  
إِصْلَاحُهُمْ خَيْرٌ ۚ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَآخِذُوا بِنُكْتِهِمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ  
اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۰﴾

(اس کے برخلاف) جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا، تو وہ بیشک اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۲۰﴾  
لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ بھی ہے، اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں، اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ اور لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ (اللہ کی خوشنودی کے لئے) کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے کہ ”جو تمہاری ضرورت سے زائد ہو۔“  
اللہ اسی طرح اپنے احکام تمہارے لئے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر سے کام لو ﴿۲۱﴾ دنیا کے بارے میں بھی اور آخرت کے بارے میں بھی۔ اور لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان کی بھلائی چاہنا نیک کام ہے، اور اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو (کچھ حرج نہیں کیونکہ) وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون معاملات بگاڑنے والا ہے اور کون سنوارنے والا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشکل میں ڈال دیتا۔ یقیناً اللہ کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔ ﴿۲۲﴾

﴿۱۸﴾ چونکہ اہل عرب صدیوں سے شراب کے عادی تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کے اعلان میں تدریج سے کام لیا۔ پہلے سورہ نحل (۶۷:۱۶) میں ایک لطیف اشارہ دیا کہ نشہ لانے والی شراب اچھی چیز نہیں ہے۔ پھر سورہ بقرہ کی اس آیت میں قدرے وضاحت سے فرمایا کہ شراب پینے کے نتیجے میں انسان سے بہت سی ایسی حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں جو گناہ ہیں، اور اگرچہ اس میں کچھ فائدے بھی ہیں، مگر گناہ کے امکانات زیادہ ہیں۔ پھر سورہ نساء (۴۳:۴) میں یہ حکم آیا کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔ بالآخر سورہ مائدہ (۵:۹۰-۹۱) میں شراب کو ناپاک اور شیطانی عمل قرار دے کر اس سے مکمل پرہیز کرنے کا صاف حکم دے دیا گیا۔  
﴿۱۹﴾ بعض صحابہؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے صدقے کا ثواب سن کر اپنی ساری پونجی صدقہ کر دی یہاں تک کہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے کچھ نہ چھوڑا، اور گھر والے بھوکے رہ گئے۔ اس آیت نے بتلایا کہ صدقہ وہی درست ہے جو اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضرورت پوری کرنے کے بعد کیا جائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس پر زور دیا ہے کہ صدقہ اتنا ہونا چاہئے کہ گھر والے محتاج نہ ہو جائیں۔

﴿۲۰﴾ جب قرآن کریم نے یتیموں کا مال کھانے پر سخت وعید سنائی (دیکھئے سورہ نساء ۴:۱۰ و ۱۰۲) تو بعض صحابہ جن کی سرپرستی



وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَا مَؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا  
تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۚ أُولَٰئِكَ  
يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۚ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۚ وَيُبَيِّنُ الْآيَاتِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ  
يَتَذَكَّرُونَ ۝ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۚ قُلْ هُوَ أَذَىٰ ۚ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۚ  
وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۚ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ  
التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۝ نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۚ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۚ  
وَقَدْ مُؤَالَا نَفْسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُّسْلِقُونَ ۚ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

اور مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ یقیناً ایک مؤمن باندی کسی بھی مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ مشرک عورت تمہیں پسند آرہی ہو۔ اور اپنی عورتوں کا نکاح مشرک مردوں سے نہ کراؤ جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور یقیناً ایک مؤمن غلام کسی بھی مشرک مرد سے بہتر ہے، خواہ وہ مشرک مرد تمہیں پسند آرہا ہو۔ یہ سب دوزخ کی طرف بلاتے ہیں، جبکہ اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے، اور اپنے احکام لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اور لوگ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ گندگی ہے، لہذا حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو، اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، ان سے قربت (یعنی جماع) نہ کرو۔ ہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس اسی طریقے سے جاؤ جس طرح اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ بیشک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی طرف کثرت سے رجوع کریں، اور ان سے محبت کرتا ہے جو خوب پاک صاف رہیں۔ تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں؛ لہذا اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو جاؤ، اور اپنے لئے (اچھے عمل) آگے بھیجو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور یقین رکھو کہ تم اس سے جا کر ملنے والے ہو۔ اور مؤمنوں کو خوشخبری سنا دو۔

میں کچھ یتیم تھے، اتنی احتیاط کرنے لگے کہ ان کا کھانا الگ پکواتے، اور انہیں الگ ہی کھلاتے، یہاں تک کہ اگر ان کا کچھ کھانا بچ جاتا تو سڑ جاتا تھا۔ اس میں تکلیف بھی تھی اور نقصان بھی۔ اس آیت نے واضح کر دیا کہ اصل مقصد یہ ہے کہ یتیموں کی مصلحت کا پورا خیال رکھا جائے، سرپرستوں کو مشکل میں ڈالنا مقصد نہیں ہے۔ لہذا ان کا کھانا ساتھ پکانے اور ساتھ کھلانے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ معقولیت اور انصاف کے ساتھ ان کے مال سے ان کے کھانے کا خرچ وصول کیا جائے۔ پھر اگر غیر ارادی طور پر کچھ کمی بیشی ہو بھی جائے تو معاف ہے۔ ہاں جان بوجھ کر ان کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ رہی یہ بات کہ کون انصاف اور اصلاح سے کام لے رہا ہے اور کس کی نیت خراب ہے، اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

(۱۴۵) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک لطیف کنایہ استعمال کر کے میاں بیوی کے خصوصی ملاپ کے بارے میں چند حقائق بیان



وَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عُرْضَةً لِآيَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصَلِّحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۖ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ لَا يُؤْخِذْكُمْ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤْخِذْكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۖ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾

اور اللہ (کے نام) کو اپنی قسموں میں اس غرض سے استعمال نہ کرو کہ اس کے ذریعے نیکی اور تقویٰ کے کاموں اور لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانے سے بچ سکو۔ اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔ ﴿۲۳۵﴾ اللہ تمہاری لغو قسموں پر تمہاری گرفت نہیں کرے گا، البتہ جو قسمیں تم نے اپنے دلوں کے ارادے سے کھائی ہوں گی ان پر گرفت کرے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا بردبار ہے۔ ﴿۲۳۵﴾

فرمائے ہیں۔ پہلی بات تو یہ واضح فرمائی ہے کہ میاں بیوی کا یہ ملاپ صرف لذت حاصل کرنے کے مقصد سے نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اسے انسانی نسل کی بڑھوتری کا ذریعہ سمجھنا چاہئے۔ جس طرح ایک کاشتکار اپنی کھیتی میں بیج ڈالتا ہے تو اس کا اصل مقصد پیداوار کا حصول ہوتا ہے، اسی طرح یہ عمل بھی دراصل انسانی نسل باقی رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ دوسری حقیقت یہ بیان فرمائی ہے کہ جب اس عمل کا اصل مقصد یہ ہے تو یہ عمل نسوانی جسم کے اسی حصے میں ہونا چاہئے جو اس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے، پیچھے کا جو حصہ اس کام کے لئے نہیں بنایا گیا، اس کو فطرت کے خلاف جنسی لذت کے لئے استعمال کرنا حرام ہے۔ تیسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ نسوانی جسم کا جو اگلا حصہ اس غرض کے لئے بنایا گیا ہے، اس تک پہنچنے کے لئے راستہ کوئی بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ یہودیوں کا خیال یہ تھا کہ اس حصے میں مباشرت کرنے کے لئے بس ایک ہی طریقہ جائز ہے، یعنی سامنے کی طرف سے۔ اگر مباشرت آگے ہی کے حصے میں ہو، لیکن اس تک پہنچنے کے لئے راستہ پیچھے کا اختیار کیا جائے تو وہ کہتے تھے کہ اولاد بھینگی پیدا ہوتی ہے۔ اس آیت نے یہ غلط فہمی دور کر دی۔

﴿۱۳۶﴾ بعض مرتبہ انسان کسی وقتی جذبے سے مغلوب ہو کر کوئی قسم کھا لیتا ہے کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا، حالانکہ وہ نیک کام ہوتا ہے، مثلاً ایک مرتبہ حضرت مسطحؓ سے ایک غلطی ہو گئی تھی تو حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ قسم کھالی تھی کہ آئندہ وہ ان کی مالی مدد نہیں کریں گے، یا جیسے روح المعانی میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اپنے بہنوئی کے بارے میں قسم کھالی تھی کہ وہ ان سے بات نہیں کریں گے، اور نہ ان کی بیوی سے ان کی صلح کرائیں گے۔ یہ آیت ایسی قسم کھانے سے منع کر رہی ہے، کیونکہ اس طرح اللہ کا نام ایک غلط مقصد میں استعمال ہوتا ہے۔ اور صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی نامناسب قسم کھالے تو اسے توڑ دینا چاہئے اور اس کا کفارہ ادا کرنا چاہئے۔

﴿۱۳۷﴾ لغو قسم سے مراد ایک تو وہ قسم ہے جو قسم کھانے کے ارادے سے نہیں، بلکہ تکیہ کلام کے طور سے زبان پر آ جائے، خاص طور پر عربوں میں اس کا بہت رواج تھا کہ بات بات میں وہ ”واللہ“ کہہ دیتے تھے۔ اسی طرح بعض اوقات انسان ماضی کے کسی واقعے پر قسم کے ارادے ہی سے قسم کھاتا ہے، لیکن اس کے اپنے خیال کے مطابق وہ قسم صحیح ہوتی ہے، جھوٹ بولنے کا ارادہ نہیں ہوتا، لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ جو بات قسم کھا کر کہی تھی، وہ حقیقت میں صحیح نہیں تھی۔ ان دونوں طرح کی قسموں کو لغو کہا جاتا ہے۔ اس آیت نے بتایا کہ اس پر گناہ نہیں ہوتا۔ البتہ انسان کو چاہئے کہ وہ قسم کھانے میں احتیاط سے کام لے، اور ایسی قسم سے بھی پرہیز کرے۔



لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۚ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۚ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَبِيْعٌ عَلِيمٌ ۚ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُسْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۚ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۚ

جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں (یعنی ان کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتے ہیں) ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ (۱۴۸) چنانچہ اگر وہ (قسم توڑ کر) رجوع کر لیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (۱۴۹) اور اگر انہوں نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہو تو (بھی) اللہ سننے جاننے والا ہے۔ (۱۵۰) اور جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو وہ تین مرتبہ حیض آنے تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔ اور اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہوں تو ان کے لئے حلال نہیں ہے کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو کچھ (حمل یا حیض) پیدا کیا ہے اسے چھپائیں۔ اور اس مدت میں اگر ان کے شوہر حالات بہتر بنانا چاہیں تو ان کو حق ہے کہ وہ ان عورتوں کو (اپنی زوجیت میں) واپس لے لیں۔ اور ان عورتوں کو معروف طریقے کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے (مردوں کو) ان پر حاصل ہیں۔ ہاں مردوں کو ان پر ایک درجہ فوقیت ہے۔ (۱۵۱) اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ (۱۵۲)

(۱۴۸) عربوں میں یہ ظالمانہ طریقہ رائج تھا کہ وہ یہ قسم کھا بیٹھتے تھے کہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جائیں گے۔ نتیجہ یہ کہ بیوی غیر معین مدت تک لنگی رہتی تھی۔ نہ اسے بیوی جیسے حقوق ملتے تھے، اور نہ وہ کہیں اور شادی کر سکتی تھی۔ ایسی قسم کو 'ایلاء' کہا جاتا ہے۔ اس آیت نے یہ قانون بنادیا کہ جو شخص ایلاء کرے، وہ یا تو چار مہینے کے اندر اندر اپنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دے اور اپنی بیوی سے معمول کے ازدواجی تعلقات بحال کر لے، ورنہ چار مہینے تک اگر اس نے قسم نہ توڑی تو بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی۔ آیت میں جو کہا گیا ہے کہ 'اور اگر انہوں نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہو'، اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ چار مہینے قسم توڑے بغیر گزار دیں تو نکاح خود بخود ختم ہو جائے گا۔

(۱۴۹) یہ مطلقہ عورتوں کی عدت کا بیان ہے، یعنی طلاق کے بعد انہیں تین مرتبہ آیام ماہواری پورے ہونے تک عدت گزارنی ہوگی جس کے بعد وہ کہیں اور نکاح کر سکیں گی۔ لیکن سورہ احزاب (۴۹:۳۳) میں واضح کر دیا گیا ہے کہ عدت گزارنا اسی وقت واجب ہے جب میاں بیوی کے درمیان خلوت ہو چکی ہو۔ اگر اس سے پہلے ہی طلاق ہو گئی تو عدت واجب نہیں۔ نیز سورہ طلاق (۴:۶۵) میں بتایا گیا ہے کہ جن عورتوں کا حیض ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا ہو یا ابھی آنا شروع نہ ہوا ہو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت بچے کی پیدائش پر ختم ہو جائے گی۔

(۱۵۰) جاہلیت کے دور میں عورت کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ اس آیت نے بتایا کہ شوہر اور بیوی کے حقوق ایک دوسرے



الطَّلَاقِ مَرَّتَيْنِ ۖ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا  
اَتَيْتُمْوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَخَافَاْ اَلَّا يُقِيْبَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْبَا حُدُوْدَ اللّٰهِ  
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِىْ مَا افْتَدَتْ بِهٖ ۚ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ  
اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۲۹ ۚ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهَا ۚ فَاِنْ  
طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَتَرَاجَعَا اِنْ ظَنَّا اَنْ يُقِيْبَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ  
يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ ۝۲۳۰

طلاق (زیادہ سے زیادہ) دو بار ہونی چاہئے۔ اس کے بعد (شوہر کے لئے دو ہی راستے ہیں) یا تو قاعدے کے مطابق (بیوی کو) روک رکھے (یعنی طلاق سے رجوع کر لے) یا خوش اُسلوبی سے چھوڑ دے (یعنی رجوع کے بغیر عدت گزر جانے دے)۔ اور (اے شوہر!) تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم نے ان (بیویوں) کو جو کچھ دیا ہو وہ (طلاق کے بدلے) ان سے واپس لو، الا یہ کہ دونوں کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ (نکاح باقی رہنے کی صورت میں) اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ چنانچہ اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں کے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت مالی معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے۔ یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں؛ لہذا ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ بڑے ظالم لوگ ہیں۔ ۲۲۹ پھر اگر شوہر (تیسری) طلاق دیدے تو وہ (مطلقہ عورت) اس کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرے۔ ہاں اگر وہ (دوسرا شوہر بھی) اسے طلاق دیدے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پاس (نیا نکاح کر کے) دوبارہ واپس آجائیں، بشرطیکہ انہیں یہ غالب گمان ہو کہ اب وہ اللہ کی حدود قائم رکھیں گے۔ اور یہ سب اللہ کی حدود ہیں جو وہ ان لوگوں کے لئے واضح کر رہا ہے جو سمجھ رکھتے ہوں۔ ۲۳۰

کے برابر ہیں، البتہ اتنا ضرور ہے کہ زندگی کے سفر میں اللہ تعالیٰ نے مرد کو امیر اور نگران بنایا ہے، جیسا کہ قرآن کریم نے سورہ نساء (۴: ۳۴) میں واضح فرمایا ہے۔ اس لحاظ سے اس کو ایک درجہ فوقیت حاصل ہے۔

(۱۵۱) اس آیت نے ایک ہدایت تو یہ دی ہے کہ اگر طلاق دینی ہی پڑ جائے تو زیادہ سے زیادہ دو طلاقیں دینی چاہئیں، کیونکہ اس طرح میاں بیوی کے درمیان تعلقات بحال ہونے کا امکان رہتا ہے۔ چنانچہ عدت کے دوران شوہر کو طلاق سے رجوع کرنے کا حق رہتا ہے، اور عدت کے بعد دونوں کی باہمی رضامندی سے نیا نکاح نئے مہر کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے، تین طلاقوں کے بعد دونوں راستے بند ہو جاتے ہیں اور تعلقات کی بحالی کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہتا۔ دوسری ہدایت یہ دی گئی ہے کہ شوہر طلاق سے رجوع کا فیصلہ کرے یا علیحدگی کا، دونوں صورتوں میں معاملات خوش اُسلوبی سے طے کرنے چاہئیں۔ عام حالات میں شوہر کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ طلاق کے بدلے مہر واپس کرنے یا معاف کرنے کا مطالبہ



وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَآئًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَادْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی عدت کے قریب پہنچ جائیں، تو یا تو ان کو بھلائی کے ساتھ (اپنی زوجیت میں) روک رکھو، یا انہیں بھلائی کے ساتھ چھوڑ دو۔ اور انہیں ستانے کی خاطر اس لئے روک کر نہ رکھو کہ ان پر ظلم کر سکو۔ اور جو شخص ایسا کرے گا وہ خود اپنی جان پر ظلم کرے گا۔ اور اللہ کی آیتوں کو مذاق مت بناؤ اور اللہ نے تم پر جو انعام فرمایا ہے اُسے، اور تم پر جو کتاب اور حکمت کی باتیں تمہیں نصیحت کرنے کے لئے نازل کی ہیں انہیں یاد رکھو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں، تو (اے میکے والو!) انہیں اس بات سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے (دوبارہ) نکاح کریں، بشرطیکہ وہ بھلائی کے ساتھ ایک دوسرے سے راضی ہو گئے ہوں۔ ان باتوں کی نصیحت تم میں سے ان لوگوں کو کی جا رہی ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں۔ یہی تمہارے لئے زیادہ ستمناور پاکیزہ طریقہ ہے۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

کرے۔ ہاں اگر طلاق کا مطالبہ عورت کی طرف سے ہو اور شوہر کی کسی زیادتی کے بغیر ہو، مثلاً بیوی شوہر کو پسند نہ کرتی ہو اور اس بنا پر دونوں کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ خوشگواہی کے ساتھ نکاح کے حقوق ادا نہ کر سکیں گے، تو اس صورت میں یہ جائز قرار دے دیا گیا ہے کہ عورت مالی معاوضے کے طور پر مہر یا اس کا کچھ حصہ واپس کر دے یا اگر اس وقت تک وصول نہ کیا ہو تو معاف کر دے۔ (۱۵۲) جاہلیت میں ایک ظالمانہ طریقہ یہ تھا کہ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے اور جب عدت گزرنے کے قریب ہوتی تو رُجوع کر لیتے، تاکہ وہ دوسرا نکاح نہ کر سکے، پھر اس کے حقوق ادا کرنے کے بجائے کچھ عرصے کے بعد پھر طلاق دیتے، اور عدت گزرنے سے پہلے پھر رُجوع کر لیتے، اور اس طرح وہ غریب بیچ میں لٹکی رہتی، نہ کسی اور سے نکاح کر سکتی، اور نہ شوہر سے اپنے حقوق حاصل کر سکتی۔ یہ آیت اس ظالمانہ طریقے کو حرام قرار دے رہی ہے۔ (۱۵۳) بعض مرتبہ طلاق اور اس کی عدت گزرنے کے بعد میاں بیوی کو سبق مل جاتا اور وہ از سر نو نئی زندگی شروع کرنے کے لئے



وَالْوَالِدَتُ يُرْضَعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۖ وَعَلَى  
 الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۖ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ  
 بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ ۚ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ  
 مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۚ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ  
 إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٣﴾

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔ یہ مدت ان کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں۔  
 اور جس باپ کا وہ بچہ ہے اس پر واجب ہے کہ وہ معروف طریقے پر ان ماؤں کے کھانے اور لباس کا خرچ اٹھائے۔ (ہاں)  
 کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔ نہ تو ماں کو اپنے بچے کی وجہ سے ستایا جائے، اور نہ باپ کو اپنے بچے  
 کی وجہ سے۔ اور اسی طرح کی ذمہ داری وارث پر بھی ہے۔ پھر اگر وہ دونوں (یعنی والدین) آپس کی رضامندی اور باہمی  
 مشورے سے (دو سال گزرنے سے پہلے ہی) دودھ چھڑانا چاہیں تو اس میں بھی ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور اگر تم یہ چاہو کہ  
 اپنے بچوں کو کسی انا سے دودھ پلو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں، جبکہ تم نے جو اجرت ٹھہرائی تھی وہ (دودھ پلانے والی انا کو) بھلے  
 طریقے سے دے دو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے سارے کاموں کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔ ﴿۲۳۳﴾

آپس میں دوبارہ نکاح کرنا چاہتے تھے، چونکہ طلاقیں تین نہیں ہوئی ہوتی تھیں، اس لئے شرعاً نیا نکاح جائز بھی تھا اور عورت بھی  
 اس پر راضی ہوتی تھی، لیکن عورت کے میکے والے خود ساختہ غیرت کی بنا پر اسے اپنے پہلے شوہر سے نکاح کرنے سے روکتے تھے۔  
 یہ آیت اس غلط رسم کو ناجائز قرار دے رہی ہے۔

(۱۵۴) طلاق کے احکام کے درمیان بچے کو دودھ پلانے کا ذکر اس مناسبت سے آیا ہے کہ بعض اوقات یہ مسئلہ ماں باپ کے  
 درمیان جھگڑے کا سبب بن جاتا ہے۔ لیکن جو احکام یہاں بیان کئے گئے ہیں، وہ طلاق کی صورت کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں،  
 بلکہ تمام حالات کے لئے ہیں۔ پہلی بات تو اس میں یہ واضح کی گئی ہے کہ دودھ زیادہ سے زیادہ دو سال تک پلایا جاسکتا ہے، اس  
 کے بعد ماں کا دودھ چھڑانا ہوگا۔ دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ اگر ماں باپ بچے کی مصلحت سمجھیں تو پہلے بھی دودھ چھڑا سکتے  
 ہیں، دو سال پورے کرنا شرعاً واجب نہیں ہے۔ تیسری بات یہ کہ دودھ پلانے والی ماں کا خرچ اس کے شوہر یعنی بچے کے باپ پر  
 واجب ہے۔ اگر نکاح قائم ہو تب تو یہ خرچ نکاح کی وجہ سے واجب ہے، اور اگر طلاق ہو گئی ہو تو عدت کے دوران دودھ پلانا  
 مطلقہ ماں پر واجب ہے، اور اس دوران اس کا نفقہ طلاق دینے والے شوہر پر ہے۔ عدت کے بعد نفقہ تو ختم ہو جائے گا، لیکن  
 مطلقہ ماں عدت کے بعد دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

(۱۵۵) یعنی ماں اگر کسی معقول عذر کی وجہ سے دودھ نہ پلائے، تو اسے مجبور نہ کیا جائے، دوسری طرف اگر بچہ ماں کے سوا کسی اور  
 کا دودھ نہ لیتا ہو تو ماں کے لئے انکار جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں یہ انکار باپ کو بلا وجہ ستانے کے مرادف ہے۔

(۱۵۶) یعنی اگر کسی بچے کا باپ زندہ نہ ہو تو دودھ پلانے کے سلسلے میں جو ذمہ داری باپ کی ہے، وہ بچے کے وارثوں پر عائد



وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ  
 فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا  
 تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ (۳۳) وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي  
 أَنْفُسِكُمْ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا  
 قَوْلًا مَعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْرِزُوا عِنْدَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۗ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ  
 مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝ (۳۴) لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمْ  
 النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرًا وَعَلَى  
 الْمُقْتِرِ قَدَرًا ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝ (۳۵)

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں، اور بیویاں چھوڑ کر جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن انتظار میں  
 رکھیں گی۔ پھر جب وہ اپنی (عدت کی) میعاد کو پہنچ جائیں تو وہ اپنے بارے میں جو کارروائی (مثلاً دوسرا نکاح) قاعدے  
 کے مطابق کریں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ (۳۳) اور (عدت کے  
 دوران) اگر تم ان عورتوں کو اشارے کنائے میں نکاح کا پیغام دو یا (ان سے نکاح کا ارادہ) دل میں چھپائے رکھو تو تم پر  
 کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ تم ان (سے نکاح) کا خیال تو دل میں لاؤ گے، لیکن ان سے نکاح کا دوطرفہ وعدہ  
 مت کرنا، الا یہ کہ مناسب طریقے سے کوئی بات کہہ دو۔ اور نکاح کا عقد پکا کرنے کا اس وقت تک ارادہ بھی مت کرنا  
 جب تک عدت کی مقررہ مدت اپنی میعاد کو نہ پہنچ جائے۔ اور یاد رکھو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ اسے خوب  
 جانتا ہے؛ لہذا اس سے ڈرتے رہو؛ اور یاد رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا بردبار ہے۔ (۳۴) تم پر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں  
 ہے کہ تم عورتوں کو ایسے وقت طلاق دو جبکہ ابھی تم نے ان کو چھو یا بھی نہ ہو، اور نہ کوئی مہر ان کے لئے مقرر کیا ہو۔ اور (ایسی  
 صورت میں) ان کو کوئی تحفہ دو، خوشحال شخص اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب آدمی اپنی حیثیت کے مطابق بھلے طریقے  
 سے یہ تحفہ دے۔ یہ نیک آدمیوں پر ایک لازمی حق ہے۔ (۳۵)

ہوگی۔ یعنی جو لوگ بچے کے مرنے کی صورت میں اس کے ترکے کے حق دار ہوں گے، انہی پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ اس بچے کو  
 دودھ پلانے اور اس کا خرچ برداشت کرنے کی ذمہ داری اٹھائیں۔

(۱۵۷) جو عورت عدت گزار رہی ہو اس کو صاف لفظوں میں نکاح کا پیغام دینا اور یہ بات پکی کر لینا جائز نہیں ہے کہ عدت کے  
 بعد تم مجھ سے نکاح کرو گی۔ البتہ اس آیت نے کوئی مناسب اشارہ دینے کی اجازت دی ہے جس سے وہ عورت سمجھ جائے کہ اس  
 شخص کا ارادہ عدت کے بعد پیغام دینے کا ہے۔ مثلاً کوئی اتنا کہلوا دے کہ میں بھی کسی مناسب رشتے کی تلاش میں ہوں۔

(۱۵۸) یہ وہ صورت ہے جس میں دو مرد عورت نے نکاح کے وقت کوئی مہر مقرر نہیں کیا تھا، اور پھر دونوں کے درمیان خلوت کی



وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۷﴾ حِفْظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَنِتِينَ ﴿۲۳۸﴾ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۹﴾

اور اگر تم نے انہیں چھوٹنے سے پہلے ہی اس حالت میں طلاق دی ہو جبکہ ان کے لئے (نکاح کے وقت) کوئی مہر مقرر کر لیا تھا تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا تھا اس کا آدھا دینا (واجب ہے) الا یہ کہ وہ عورتیں رعایت کر دیں (اور آدھے مہر کا بھی مطالبہ نہ کریں) یا وہ (شوہر) جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، رعایت کرے (اور پورا مہر دیدے) اور اگر تم رعایت کرو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور آپس میں فراخ دلی کا برتاؤ کرنا مت بھولو۔ جو عمل بھی تم کرتے ہو، اللہ یقیناً اسے دیکھ رہا ہے۔ ﴿۲۳۷﴾

تمام نمازوں کا پورا پورا خیال رکھو، اور (خاص طور پر) بیچ کی نماز کا۔ اور اللہ کے سامنے باادب فرماں بردار بن کر کھڑے ہوا کرو ﴿۲۳۸﴾ اور اگر تمہیں (دشمن کا) خوف لاحق ہو تو کھڑے کھڑے یا سوار ہونے کی حالت ہی میں (نماز پڑھ لو) ﴿۲۳۹﴾ پھر جب تم امن کی حالت میں آ جاؤ تو اللہ کا ذکر اس طریقے سے کرو جو اس نے تمہیں سکھایا ہے جس سے تم پہلے ناواقف تھے ﴿۲۳۹﴾

نوبت آنے سے پہلے ہی طلاق ہو گئی؛ اس صورت میں شوہر پر مہر تو واجب نہیں ہوتا، لیکن کم از کم ایک جوڑا کپڑا دینا واجب ہے، اور کچھ مزید تحفہ دیدے تو زیادہ بہتر ہے۔ (اس تحفے کو اصطلاح میں متعہ کہا جاتا ہے) اور اگر نکاح کے وقت مہر کی مقدار طے کر لی گئی تھی، پھر خلوت سے پہلے ہی طلاق ہو گئی تو اس صورت میں آدھا مہر واجب ہوگا۔

﴿۱۵۹﴾ آیت نمبر ۱۵۳ سے اسلامی عقائد اور احکام کا جو بیان شروع ہوا تھا (دیکھئے اس آیت پر ہمارا حاشیہ) وہ اب ختم ہو رہا ہے۔ آیت نمبر ۱۵۳ میں یہ بیان نماز کی تاکید سے شروع ہوا تھا، اب آخر میں دوبارہ نماز کی یہ اہمیت بیان کی جا رہی ہے کہ جنگ کے شدید حالات میں بھی امکان کی آخری حد تک اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ”بیچ کی نماز“ سے مراد عصر کی نماز ہے۔ اس کا خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ عام طور سے اس وقت لوگ اپنا کاروبار سمیٹنے میں مشغول ہوتے ہیں، اور اس مشغولیت میں بے پروائی ہونے کا امکان زیادہ ہے۔

﴿۱۶۰﴾ جنگ کی حالت میں جب باقاعدہ نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو اس بات کی اجازت ہے کہ انسان کھڑے کھڑے اشارے سے نماز پڑھ لے۔ البتہ چلتے ہوئے پڑھنا جائز نہیں۔ اگر کھڑا ہونے کا بھی موقع نہ ہو تو نماز قضا کرنا بھی جائز ہے۔



وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ۖ وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَلِلْمَوْلَىٰ ذِكْرُ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَكِيمٌ ۝۱۹۱  
 وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مِن مَّا تَلَظَّىٰ ۚ وَلَوْ كُنْتُمْ عَلٰى الْغُتَابِ فَقَدْ حَبَلْنَ بِضَرْبٍ مِّنْهُنَّ مَا عَلِمْتُمْ خَبْرًا ۚ لَسَبَّحْتُم بِحَمْدِ اللَّهِ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَحِينَ تَقُومُونَ ۚ وَمِنْ دَمَارِهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ يُبَيِّنُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۚ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝۱۹۲

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جایا کریں کہ ایک سال تک وہ (ترکے سے نفقہ وصول کرنے کا) فائدہ اٹھائیں گی اور ان کو (شوہر کے گھر سے) نکالا نہیں جائے گا۔ <sup>(۱۹۱)</sup> ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنے حق میں قاعدے کے مطابق وہ جو کچھ بھی کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اور اللہ صاحب اقتدار بھی ہے، صاحب حکمت بھی۔ <sup>(۱۹۲)</sup> اور مطلقہ عورتوں کو قاعدے کے مطابق فائدہ پہنچانا متقیوں پر ان کا حق ہے۔ <sup>(۱۹۳)</sup> اللہ اپنے احکام اسی طرح وضاحت سے تمہارے سامنے بیان کرتا ہے، تاکہ تم سمجھ داری سے کام لو۔ <sup>(۱۹۴)</sup>

(۱۹۱) آخر میں طلاق کے جو مسائل چل رہے تھے ان کا ایک مکملہ ضمنی طور پر بیان ہوا ہے جو مطلقہ عورتوں کے حقوق سے متعلق ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بیوہ عورت کی عدت ایک سال ہوتی تھی، لیکن اسلام نے پیچھے آیت نمبر ۲۳۴ میں عدت کی مدت گھٹا کر چار مہینے دس دن مقرر کر دی۔ جس وقت زیر نظر آیت نازل ہوئی ہے اُس وقت تک میراث کے احکام نہیں آئے تھے، اور جیسا کہ اوپر آیت نمبر ۱۸۰ میں گذرا، لوگوں پر یہ واجب تھا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے حق میں وصیت کیا کریں کہ ان کے ترکے سے کس کو کتنا دیا جائے۔ لہذا اس آیت میں اسی اصول کے تحت یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگرچہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے لیکن اس کے شوہر کو چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کے حق میں یہ وصیت کر جایا کرے کہ اسے سال بھر تک اس کے ترکے سے نفقہ بھی دیا جائے اور اس کے گھر میں رہائش بھی فراہم کی جائے۔ البتہ اگر وہ خود اپنا یہ حق چھوڑ دے اور چار مہینے دس دن کے بعد شوہر کے گھر سے چلی جائے تو کچھ حرج نہیں۔ ہاں چار مہینے دس دن سے پہلے اس کے لئے بھی شوہر کے گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ اگلے جملے میں جو کہا گیا ہے کہ ”ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنے حق میں قاعدے کے مطابق وہ جو کچھ بھی کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا“ اس میں قاعدے سے مراد یہی ہے کہ وہ عدت پوری کرنے کے بعد نکلیں، پہلے نہیں۔ لیکن یہ سارا حکم میراث کے احکام آنے سے پہلے پہلے تھا۔ جب سورہ نساء میں میراث کے احکام آ گئے، اور بیوی کا حصہ ترکے میں مقرر کر دیا گیا تو سال بھر کے نفقے اور رہائش کا یہ حق ختم ہو گیا۔

(۱۹۲) مطلقہ عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا لفظ بڑا عام ہے۔ اس میں عدت کے دوران کا نفقہ بھی داخل ہے، اور اگر ابھی مہر نہ دیا گیا ہو تو وہ بھی داخل ہے، نیز اوپر آیت نمبر ۲۳۶ میں جس مخفی کا ذکر ہے وہ بھی اس میں شامل ہے۔ یہ تحفہ اس صورت میں تو واجب ہے جب کوئی مہر مقرر نہ ہوا ہو، اور خلوت سے پہلے طلاق ہو گئی ہو، لیکن جب مہر مقرر ہوا ہو تو اس صورت میں بھی مستحب ہے کہ



أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ۖ ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۲۳۳﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَبِيْعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۳۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۚ وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ ۚ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۳۵﴾

کیا تمہیں ان لوگوں کا حال معلوم نہیں ہوا جو موت سے بچنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل آئے تھے، اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے؟ چنانچہ اللہ نے ان سے کہا: ”مر جاؤ“ پھر انہیں زندہ کیا۔ <sup>(۱۶۳)</sup> حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر بہت فضل فرمانے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ ﴿۲۳۳﴾ اور اللہ کے راستے میں جنگ کرو، اور یقین رکھو کہ اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔ ﴿۲۳۴﴾ کون ہے جو اللہ کو اچھے طریقے پر قرض دے، تاکہ وہ اسے اس کے مفاد میں اتنا بڑھائے چڑھائے کہ وہ بدرجہا زیادہ ہو جائے؟ اور اللہ ہی تنگی پیدا کرتا ہے، اور وہی وسعت دیتا ہے، اور اسی کی طرف تم سب کو لوٹایا جائے گا۔ ﴿۲۳۵﴾

مطلقہ عورت کو مہر کے علاوہ یہ تحفہ بھی دیا جائے۔ ان تمام احکام سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اول تو طلاق کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے اور اس کا اقدام اسی وقت کرنا چاہئے جب کوئی اور صورت باقی نہ رہی ہو، دوسرے جب یہ اقدام کیا جائے تو نکاح کے تعلق کا اختتام بھی شرافت، فراخ دلی اور احترام سے خوشگوار ماحول میں ہونا چاہئے، دشمنی کے ماحول میں نہیں۔

<sup>(۱۶۳)</sup> یہاں سے آیت نمبر ۲۶۰ تک دو مضمون ایک ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ بنیادی مقصد جہاد کی ترغیب دینا ہے، لیکن بعض منافقین اور کمزور طبیعت کے لوگ جہاد میں جانے سے اس لئے کتراتے تھے کہ انہیں موت کا خوف تھا۔ اس لئے دوسرا مضمون ساتھ ساتھ بیان ہوا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ موت اور زندگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ چاہے تو جنگ کے بغیر بھی موت دیدے، اور چاہے تو شدید جنگ کے درمیان بھی انسانوں کی حفاظت کر لے، بلکہ اس کی قدرت میں یہ بھی ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی انسانوں کو زندہ کر دے۔ اس قدرت کا عمومی مظاہرہ تو آخرت میں ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی چند ایسے نمونے دنیا کو دکھادیئے ہیں جن میں بعض لوگوں کو مرنے کے بعد بھی زندہ کیا گیا۔ اس کی ایک مثال اس آیت ۲۴۳ میں دی گئی ہے۔ ایک اشارہ آیت نمبر ۲۵۳ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کیا گیا ہے جن کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے کئی مردوں کو زندہ کیا۔ تیسرا حوالہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مکالمے (آیت نمبر ۲۵۸) میں اللہ تعالیٰ کے موت اور زندگی دینے سے متعلق ہے۔ چوتھا واقعہ آیت نمبر ۲۵۹ میں حضرت عزیر علیہ السلام کا بیان فرمایا گیا ہے۔ اور اس سے اگلی آیت (نمبر ۲۶۰) میں پانچواں واقعہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں۔

زیر نظر آیت (۲۴۳) میں جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کی تفصیل قرآن کریم نے بیان نہیں فرمائی۔ صرف اتنا بتایا ہے کہ کسی زمانے



میں کوئی قوم جو ہزاروں کی تعداد میں تھی، موت سے بچنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل کھڑی ہوئی تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں موت دے دی، اور پھر زندہ کر کے یہ دکھا دیا کہ اگر موت سے بچنے کے لئے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کوئی تدبیر اختیار کرے تو ضروری نہیں کہ موت سے بچ ہی جائے، اللہ تعالیٰ اسے پھر بھی موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔ یہ لوگ کون تھے؟ کس زمانے میں تھے؟ وہ موت کا خوف کیا تھا جس کی بنا پر یہ بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ یہ تفصیل قرآن کریم نے بیان نہیں فرمائی، کیونکہ قرآن کریم کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے، اس میں جو واقعات بیان ہوتے ہیں، وہ کوئی سبق دینے کے لئے ہوتے ہیں، لہذا اکثر ان کا صرف اتنا حصہ بیان کیا جاتا ہے جس سے وہ سبق مل جائے۔ اور اس واقعے سے مذکورہ بالا سبق لینے کے لئے اتنی بات کافی ہے جو یہاں بیان ہوئی ہے۔ البتہ جس انداز سے قرآن کریم نے اس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قصہ اس وقت لوگوں میں مشہور و معروف تھا۔ آیت کے شروع میں یہ الفاظ کہ: ”کیا تمہیں ان لوگوں کا حال معلوم نہیں ہوا؟“ اس قصے کی شہرت پر دلالت کر رہے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور بعض تابعین سے کئی روایتیں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بنو اسرائیل کے لوگوں کا ہے جو ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود یا تو کسی دشمن کے مقابلے سے کترا کر اپنا گھربار چھوڑ گئے تھے یا طاعون کی وبا سے گھبرا کر نکل کھڑے ہوئے تھے۔ جب یہ اس جگہ پہنچے جسے وہ پناہ گاہ سمجھتے تھے تو اللہ کے حکم سے موت نے وہیں ان کو آلیا۔ بعد میں جب وہ بوسیدہ ہڈیوں میں تبدیل ہو گئے تو حضرت حزقیل علیہ السلام کا وہاں سے گذر ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ان ہڈیوں سے خطاب کریں، اور ان کے خطاب کے بعد وہ ہڈیاں پھر سے انسانی شکل میں زندہ ہو کر کھڑی ہو گئیں۔ حضرت حزقیل علیہ السلام کا یہ قصہ موجودہ بائبل میں بھی مذکور ہے۔ (دیکھئے: حزقی ایل ۳: ۱۵ تا ۱۷) اس لئے کچھ بعید نہیں ہے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کے یہودیوں کے ذریعے مشہور ہو گیا ہو۔

واقعے کی یہ تفصیلات مستند ہوں یا نہ ہوں، لیکن اتنی بات قرآن کریم کے صاف اور صریح الفاظ سے واضح ہے کہ ان لوگوں کو حقیقی طور پر موت کے بعد زندہ کیا گیا تھا۔ ہمارے زمانے کے بعض مصنفین نے مردوں کے زندہ ہونے کو بعید از قیاس سمجھتے ہوئے اس آیت میں یہ تاویل کی ہے کہ یہاں موت سے مراد سیاسی اور اخلاقی موت ہے، اور دوبارہ زندہ ہونے سے مراد سیاسی غلبہ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تاویل قرآن کریم کے صریح الفاظ سے میل نہیں کھاتی، اور عربیت اور قرآن کریم کے اسلوب سے بھی بہت بعید ہے۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان ہے تو اس قسم کے واقعات میں تعجب کی کیا بات ہے جس کی بنا پر یہ دُور از کار تاویلیں کی جائیں؟ بالخصوص یہاں سے آیت ۲۶۰ تک جو سلسلہ کلام چل رہا ہے، اور جس کی تفصیل اوپر بیان ہوئی ہے، اس کی روشنی میں یہاں موت اور زندگی سے حقیقی معنی مراد ہونا ہی قرین قیاس ہے۔

(۱۶۳) اللہ کو قرض دینے سے مراد اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے۔ اس میں غریبوں کی امداد بھی داخل ہے، اور جہاد کے مقاصد میں خرچ کرنا بھی۔ اسے قرض مجازاً کہا گیا ہے، کیونکہ اس کا بدلہ ثواب کی صورت میں دیا جائے گا۔ اور ”اچھے طریقے“ کا مطلب یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے دیا جائے، دکھا دیا دنیا میں بدلہ لینا مقصود نہ ہو، اور اگر جہاد



الْحَمْدُ لِلَّهِ الْمَوْلَىٰ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالَ النَّبِيُّ لَهُمْ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا  
تُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا  
لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَاءِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ  
الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٥﴾

کیا تمہیں موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے گروہ کے اس واقعے کا علم نہیں ہوا جب انہوں نے اپنے ایک نبی سے کہا تھا کہ  
ہمارا ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ (اس کے جھنڈے تلے) ہم اللہ کے راستے میں جنگ کر سکیں۔ نبی نے کہا: ”کیا  
تم لوگوں سے یہ بات کچھ بعید ہے کہ جب تم پر جنگ فرض کی جائے تو تم نہ لڑو؟“ انہوں نے کہا: ”بھلا ہمیں کیا  
ہو جائے گا جو ہم اللہ کے راستے میں جنگ نہ کریں گے حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور اپنے بچوں کے پاس سے نکال  
باہر کیا گیا ہے۔“ پھر (ہوا یہی کہ) جب ان پر جنگ فرض کی گئی تو ان میں سے تھوڑے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب پیٹھ  
پھیر گئے۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۲۵﴾

کے لئے یا کسی غریب کی مدد کے طور پر قرض ہی دیا جائے تو اس پر کسی سود کا مطالبہ نہ ہو۔ کفار اپنی جنگی ضروریات کے لئے سود  
پر قرض لیتے تھے۔ مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ اول تو وہ قرض کے بجائے چندہ دیں، اور اگر قرض ہی دیں تو اصل سے زیادہ کا  
مطالبہ نہ کریں، کیونکہ اگرچہ دنیا میں تو انہیں سود نہیں ملے گا، لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کا ثواب اصل سے بدرجہا زیادہ عطا  
فرمائیں گے۔ جہاں تک اس خطرے کا تعلق ہے کہ اس طرح خرچ کرنے سے مال میں کمی ہو جائے گی، اس کے جواب میں فرمایا  
گیا ہے کہ تنگی اور وسعت اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔ جو شخص اللہ کے دین کی خاطر اپنا مال خرچ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو تنگی پیش  
آنے نہیں دیں گے، بشرطیکہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرے۔

(۱۶۵) یہاں نبی سے مراد حضرت سمویل علیہ السلام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً ساڑھے تین سو سال بعد پیغمبر  
بنائے گئے تھے۔ سورہ مائدہ (۲۴:۵) میں مذکور ہے کہ فرعون سے نجات پانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو  
ان عمالقة سے جہاد کرنے کی دعوت دی تھی جو بنی اسرائیل کے وطن فلسطین پر قابض ہو گئے تھے، مگر بنی اسرائیل نے انکار کر دیا  
جس کی سزا میں انہیں صحرائے سینا میں محصور کر دیا گیا، اور اسی حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو گئی، بعد میں حضرت  
یوشع علیہ السلام کی قیادت میں فلسطین کا ایک بڑا علاقہ فتح ہوا۔ حضرت یوشع علیہ السلام آخر عمر تک ان کی نگرانی کرتے رہے، اور  
ان کے معاملات کے تصفیے کے لئے قاضی مقرر کئے۔ تقریباً تین سو سال تک نظام اسی طرح چلتا رہا کہ بنی اسرائیل کا کوئی بادشاہ یا  
حکمران نہیں تھا، بلکہ قبیلوں کے سردار اور حضرت یوشع علیہ السلام کے مقرر کئے ہوئے نظام کے تحت قاضی ہوا کرتے تھے۔ اسی  
لئے اس دور کو قاضیوں کا زمانہ کہا جاتا تھا۔ بائبل کی کتاب قضاۃ میں اسی زمانے کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ چونکہ اس دور میں پوری  
قوم کا کوئی متفقہ حکمران نہیں تھا، اس لئے آس پاس کی قومیں ان پر حملہ آور ہوتی رہتی تھیں۔ آخر میں فلسطین کی بت پرست قوم نے



وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۚ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۶﴾  
 وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۷﴾

اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ: ”اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔“ کہنے لگے: ”بھلا اس کو ہم پر بادشاہت کرنے کا حق کہاں سے آگیا؟ ہم اس کے مقابلے میں بادشاہت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور اس کو تو مالی وسعت بھی حاصل نہیں۔“ نبی نے کہا: ”اللہ نے ان کو تم پر فضیلت دے کر چنا ہے، اور انہیں علم اور جسم میں (تم سے) زیادہ وسعت عطا کی ہے۔ اور اللہ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ بڑی وسعت اور بڑا علم رکھنے والا ہے۔“ ﴿۲۶﴾ اور ان سے ان کے نبی نے یہ بھی کہا کہ: ”طالوت کی بادشاہت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق (واپس) آجائے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے سکینت کا سامان ہے، اور موسیٰ اور ہارون نے جو اشیاء چھوڑی تھیں ان میں سے کچھ باقی ماندہ چیزیں ہیں۔ اسے فرشتے اٹھائے ہوئے لائیں گے۔“ اگر تم مؤمن ہو تو تمہارے لئے اس میں بڑی نشانی ہے۔ ﴿۲۷﴾

ان پر حملہ کر کے انہیں سخت شکست دی اور وہ متبرک صندوق بھی اٹھا کر لے گئے جس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی کچھ یادگاریں، تورات کا نسخہ اور آسمانی غذا ”من“ کا مرتبان محفوظ تھا، اور جسے بنی اسرائیل تبرک کے لئے جنگوں کے موقع پر آگے رکھا کرتے تھے۔ حالات کے اس پس منظر میں ایک قاضی حضرت سموئیل علیہ السلام کو نبوت کا منصب عطا ہوا۔ ان کے دور میں بھی فلسطینیوں کا ظلم و ستم جاری رہا تو بنی اسرائیل نے ان سے درخواست کی کہ ان پر کوئی بادشاہ مقرر کر دیا جائے۔ اس کے نتیجے میں طالوت کو بادشاہ بنایا گیا جس کا واقعہ یہاں مذکور ہے۔ بائبل میں دو کتابیں حضرت سموئیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، ان میں سے پہلی کتاب میں بنی اسرائیل کی طرف سے بادشاہ مقرر کرنے کی فرمائش بھی ذکر کی گئی ہے، مگر بادشاہ کا نام طالوت کے بجائے ساؤل مذکور ہے۔ نیز بعض تفصیلات میں فرق بھی ہے۔

(۱۶۶) جب بنی اسرائیل نے طالوت کو بادشاہ ماننے سے انکار کیا اور ان کے بادشاہ مقرر ہونے پر کوئی نشانی طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سموئیل علیہ السلام سے یہ کہلوایا کہ ان کے منجانب اللہ ہونے کی نشانی یہ ہوگی کہ اشدودی قوم کے لوگ جو متبرک صندوق اٹھا کر لے گئے تھے، ان کے زمانے میں اللہ کے فرشتے وہ صندوق تمہارے پاس اٹھا کر لے آئیں گے۔ اسرائیلی روایات کے مطابق اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اشدودیوں نے وہ صندوق ایک مندر میں لے جا کر رکھا، مگر اس کے بعد وہ طرح طرح



فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ  
وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۖ  
فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۖ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ  
الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلْكُوا اللَّهَ ۚ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَ  
اللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ  
أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

چنانچہ جب طالوت لشکر کے ساتھ روانہ ہوا تو اس نے (لشکر والوں سے) کہا کہ: ”اللہ ایک دریا کے ذریعے تمہارا امتحان لینے والا ہے۔ جو شخص اس دریا سے پانی پیئے گا وہ میرا آدمی نہیں ہوگا، اور جو اسے نہیں چکھے گا وہ میرا آدمی ہوگا، الا یہ کہ کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے (تو کچھ حرج نہیں)۔“ پھر (ہوا یہ کہ) ان میں سے تھوڑے آدمیوں کے سوا باقی سب نے اس دریا سے (خوب) پانی پیا۔ چنانچہ جب وہ (یعنی طالوت) اور اس کے ساتھ ایمان رکھنے والے دریا کے پار اترے، تو یہ لوگ (جنہوں نے طالوت کا حکم نہیں مانا تھا) کہنے لگے کہ: ”آج جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی ہم میں بالکل طاقت نہیں ہے۔“ (مگر) جن لوگوں کا ایمان تھا کہ وہ اللہ سے جا ملنے والے ہیں انہوں نے کہا کہ: ”نجانے کتنی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔ اور اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں“ اور جب یہ لوگ جالوت اور اس کے لشکروں کے آمنے سامنے ہوئے تو انہوں نے کہا: ”اے ہمارے پروردگار! صبر و استقلال کی صفت ہم پر انڈیل دے، ہمیں ثابت قدمی بخش دے، اور ہمیں اس کافر قوم کے مقابلے میں فتح و نصرت عطا فرما دے“

کی مصیبتوں سے دوچار ہونا شروع ہو گئے، کبھی ان کے بت اوندھے پڑے ہوئے ملتے، کبھی گلیوں کی وبا پھیل جاتی، کبھی چوہوں کی کثرت پریشان کرتی۔ آخر کار ان کے نجومیوں نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ یہ ساری آفتیں اس صندوق کی وجہ سے ہیں، چنانچہ انہوں نے وہ صندوق بیل گاڑیوں پر رکھ کر انہیں شہر سے باہر کی طرف ہنکا دیا۔ بائبل میں فرشتوں کے صندوق لانے کا ذکر نہیں ہے، مگر قرآن کریم نے صاف کہا ہے کہ اسے فرشتے لے کر آئیں گے۔ اگر بائبل کی یہ روایت درست مانی جائے کہ ان لوگوں نے خود صندوق کو باہر نکال دیا تھا تو یہ ممکن ہے کہ بیل گاڑیوں نے اسے شہر سے باہر چھوڑ دیا ہو، اور وہاں سے اسے فرشتے اٹھا کر بنی اسرائیل کے پاس لے آئے ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بیل گاڑیوں پر ہنکانے کا قصہ ہی غلط ہو اور فرشتے اسے براہ راست اٹھا لائے ہوں۔ واللہ اعلم۔

(۱۶۷) یہ دریا ئے اردن تھا، اور یہ امتحان بظاہر یہ دیکھنے کے لئے لیا گیا تھا کہ لشکر کے کتنے لوگ ہیں جو اپنے امیر کی اطاعت کا ایسا جذبہ رکھتے ہیں کہ اس پر اپنی خواہشات کو بھی قربان کر دیں، کیونکہ اس طرح کی جنگ میں ایسی مضبوط اطاعت کے بغیر کام نہیں چلتا۔



فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۚ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۱۵۱﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۵۲﴾

چنانچہ انہوں نے اللہ کے حکم سے ان (جالوت کے ساتھیوں) کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا، اور اللہ نے اس کو سلطنت اور دانائی عطا کی، اور جو علم چاہا اس کو عطا فرمایا۔ اگر اللہ لوگوں کا ایک دوسرے کے ذریعے دفاع نہ کرے تو زمین میں فساد پھیل جائے، لیکن اللہ تمام جہانوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے۔ ﴿۱۵۱﴾ یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کے سامنے ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں، اور آپ بیشک ان پیغمبروں میں سے ہیں جو رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ﴿۱۵۲﴾

(۱۶۸) جالوت دشمن کی فوج کا بڑا قوی ہیکل پہلوان تھا، سموئیل (علیہ السلام) کے نام پر جو پہلی کتاب بائبل میں ہے اس میں مذکور ہے کہ وہ کئی روز تک بنی اسرائیل کو چیلنج دیتا رہا کہ کوئی اس کے مقابلے کے لئے آئے، مگر کسی کو اس سے دو بدوڑنے کی جرأت نہ ہوئی۔ داؤد علیہ السلام اس وقت نو عمر نوجوان تھے، ان کے تین بھائی جنگ میں شریک تھے، مگر وہ چونکہ سب سے چھوٹے تھے، اس لئے اپنے بوڑھے والد کی خدمت کے لئے ان کے پاس رہ گئے تھے۔ جب جنگ شروع ہوئے کئی دن گزر گئے تو ان کے والد نے انہیں اپنے تین بھائیوں کی خبر لینے کے لئے میدان جنگ بھیجا، یہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ جالوت مسلسل چیلنج دے رہا ہے، اور کوئی اس سے لڑنے کے لئے آگے نہیں بڑھ رہا، تو انہیں غیرت آئی اور انہوں نے طالوت سے اجازت مانگی کہ وہ جالوت کے مقابلے کے لئے جانا چاہتے ہیں؛ ان کی نوعمری کے پیش نظر شروع میں طالوت اور دوسرے لوگوں کو بھی تردد ہوا، لیکن ان کے اصرار پر انہیں اجازت مل گئی۔ انہوں نے جالوت کے سامنے جا کر اللہ کا نام لیا اور ایک پتھر اس کی پیشانی پر مارا جو اس کے سر میں گھس گیا، اور وہ زمین پر گر پڑا۔ یہ اس کے پاس گئے اور خود اسی کی تلوار لے کر اس کا سر قلم کر دیا۔ (۱- سموئیل، باب ۱۷) یہاں تک بائبل اور قرآن کریم کے بیان میں کوئی تعارض نہیں ہے، لیکن اس کے بعد بائبل میں یہ کہا گیا ہے کہ طالوت (یا ساؤل) کو حضرت داؤد علیہ السلام کی مقبولیت سے حسد ہو گیا تھا، چنانچہ بائبل میں ان کے خلاف بہت سی ناقابل یقین باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ بظاہر یہ داستانیں ان بنی اسرائیل کی کارروائی ہے جو شروع سے طالوت کے مخالف تھے۔ قرآن کریم نے جن الفاظ میں طالوت کی تعریف کی ہے ان میں حسد جیسی بیماری کی گنجائش نہیں ہے۔ بہر حال حضرت داؤد علیہ السلام کے اس کارنامے نے انہیں ایسی مقبولیت عطا کی کہ بعد میں وہ بنی اسرائیل کے بادشاہ بھی بنے، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے بھی سرفراز فرمایا، اور ان کے ذریعے پہلی بار ایسا ہوا کہ نبوت اور بادشاہت ایک ہی ذات میں جمع ہوئیں۔

(۱۶۹) یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر ان آیات کا جاری ہونا آپ کے رسول ہونے کی دلیل ہے، اس لئے کہ آپ کے پاس ان واقعات کو جاننے کا وحی کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اور ”ٹھیک ٹھیک“ کے الفاظ سے شاید اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ اہل کتاب نے ان واقعات کو بیان کرنے میں کہیں مبالغے سے کام لیا ہے، اور کہیں من گھڑت قصے مشہور کر دیئے ہیں۔ قرآن کریم ان میں سے صرف صحیح باتیں بیان کرتا ہے۔



تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ۚ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۖ وَاتَّخَذْنَا  
 عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتَ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ  
 مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا فِيهِمْ ۚ مِنْ أَمِنْ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ  
 مَا اقْتَتَلُوا ۚ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۚ (۱۴۰) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ  
 قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعُ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۚ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ (۱۴۱)

یہ پیغمبر جو ہم نے (مخلوق کی اصلاح کے لئے) بھیجے ہیں، ان کو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا، اور ان میں سے بعض کو اس نے بدرجہا بلندی عطا کی۔ اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو کھلی نشانیاں دیں، اور روح القدس سے ان کی مدد فرمائی۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے لوگ اپنے پاس روشن دلائل آجانے کے بعد آپس میں نہ لڑتے، لیکن انہوں نے خود اختلاف کیا، چنانچہ ان میں سے کچھ وہ تھے جو ایمان لائے، اور کچھ وہ جنہوں نے کفر اپنایا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے، لیکن اللہ وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ (۱۴۰) اے ایمان والو! جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے وہ دن آنے سے پہلے پہلے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرلو جس دن نہ کوئی سودا ہوگا، نہ کوئی دوستی (کام آئے گی)، اور نہ کوئی سفارش ہو سکے گی۔ اور ظالم وہ لوگ ہیں جو کفر اختیار کئے ہوئے ہیں۔ (۱۴۱)

(۱۴۰) مطلب یہ ہے کہ تھوڑی بہت فضیلت تو مختلف انبیائے کرام کو ایک دوسرے پر دی گئی ہے، لیکن بعض انبیائے کرام کو دوسروں پر بدرجہا زیادہ فضیلت حاصل ہے، اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔ (۱۴۱) یہی مضمون پیچھے آیت نمبر ۸۷ میں آچکا ہے۔ تشریح کے لئے اس آیت کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔ (۱۴۲) قرآن کریم نے بہت سے مقامات پر یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ تھا کہ وہ تمام انسانوں کو زبردستی ایمان لانے پر مجبور کر دیتا، اور اس صورت میں سب کا دین ایک ہی ہو جاتا، اور کوئی اختلاف پیدا نہ ہوتا، لیکن اس سے وہ سارا نظام تلپٹ ہو جاتا جس کے لئے یہ دنیا بنائی گئی ہے اور انسان کو اس میں بھیجا گیا ہے۔ انسان کو یہاں بھیجنے کا مقصد اس کا یہ امتحان لینا ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں سے ہدایت کا راستہ معلوم کرنے کے بعد کون ہے جو اس ہدایت پر اپنی مرضی سے چلتا ہے، اور کون ہے جو اس کو نظر انداز کر کے اپنی من گھڑت خواہشات کو اپنا رہنما بناتا ہے۔ اس لئے اللہ نے زبردستی لوگوں کو ایمان پر مجبور نہیں کیا۔ چنانچہ آگے آیت نمبر ۲۵۶ میں صراحت کے ساتھ یہ بات کہہ دی گئی ہے کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ حق کے دلائل واضح کر دیئے گئے ہیں، اس کے بعد جو کوئی حق کو اختیار کرے گا وہ اپنے ہی فائدے کے لئے ایسا کرے گا، اور جو شخص اسے نظر انداز کر کے شیطان کے سکھائے ہوئے راستے پر چلے گا، وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ (۱۴۳) اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔



اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي  
 الْأَرْضِ ۚ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا  
 يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ۚ وَلَا يَئُودُهُ  
 حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿٢٥٥﴾ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۚ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ  
 فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۚ  
 وَاللَّهُ سَبِيْعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥٦﴾ اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ ۚ وَالَّذِينَ  
 كَفَرُوا أَوْلِيَٰهُمُ الطَّاغُوتُ ۚ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّوْرِ إِلَى الظُّلُمٰتِ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّٰرِ ۚ  
 هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿٢٥٧﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَآجَّ إِبْرٰهِيْمَ فِي رَبِّهِ ۚ أَنِ اتَّهَمُ اللَّهَ الْمَلِكُ ۚ إِذْ قَالَ  
 إِبْرٰهِيْمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۚ

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو سدا زندہ ہے، جو پوری کائنات سنبھالے ہوئے ہے؛ جس کو نہ کبھی اُونگھ لگتی ہے، نہ نیند۔ آسمانوں میں جو کچھ ہے (وہ بھی) اور زمین میں جو کچھ ہے (وہ بھی)، سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے؟ وہ سارے بندوں کے تمام آگے پیچھے کے حالات کو خوب جانتا ہے، اور وہ لوگ اُس کے علم کی کوئی بات اپنے علم کے دائرے میں نہیں لا سکتے، سوائے اُس بات کے جسے وہ خود چاہے۔ اس کی کرسی نے سارے آسمانوں اور زمین کو گھیرا ہوا ہے؛ اور ان دونوں کی نگہبانی سے اسے ذرا بھی بوجھ نہیں ہوتا، اور وہ بڑا عالی مقام، صاحبِ عظمت ہے۔ ﴿۲۵۵﴾ دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہو کر واضح ہو چکا۔ اس کے بعد جو شخص طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے گا، اس نے ایک مضبوط کنڈا تھام لیا جس کے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں۔ اور اللہ خوب سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ ﴿۲۵۶﴾ اللہ ایمان والوں کا رکھوالا ہے؛ وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، ان کے رکھوالے وہ شیطان ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ وہ سب آگ کے باسی ہیں؛ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ ﴿۲۵۷﴾ کیا تم نے اس شخص (کے حال) پر غور کیا جس کو اللہ نے سلطنت کیادے دی تھی کہ وہ اپنے پروردگار (کے وجود ہی) کے بارے میں ابراہیم سے بحث کرنے لگا؟ جب ابراہیم نے کہا کہ: ”میرا پروردگار وہ ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی“ تو وہ کہنے لگا کہ: ”میں بھی زندگی دیتا ہوں اور موت دیتا ہوں۔“ ﴿۱۷۴﴾

﴿۱۷۴﴾ یہ بابل کا بادشاہ نمرود تھا جو خدائی کا بھی دعوے دار تھا۔ اس نے جو دعویٰ کیا کہ میں زندگی اور موت دیتا ہوں اس کا



قَالَ اِبْرَاهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَأْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۚ  
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا  
قَالَ اَنْتِيْ يَحْيٰ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةً عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۚ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۚ  
قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةً عَامٍ فَانْظُرْ اِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ  
لَمْ يَتَسَنَّهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ  
نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾

ابراہیم نے کہا: ”اچھا! اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تم ذرا اسے مغرب سے تو نکال کر لاؤ۔“ اس پر وہ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ﴿۲۵۸﴾ یا (تم نے) اس جیسے شخص (کے واقعے) پر (غور کیا) جس کا ایک بستی پر ایسے وقت گذر ہوا جب وہ چھتوں کے بل گری پڑی تھی؟ اس نے کہا کہ ”اللہ اس بستی کو اس کے مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟“ پھر اللہ نے اس شخص کو سو سال تک کے لئے موت دی، اور اس کے بعد زندہ کر دیا۔ (اور پھر) پوچھا کہ تم کتنے عرصے تک (اس حالت میں) رہے ہو؟ اس نے کہا: ”ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ!“ اللہ نے کہا: ”نہیں! بلکہ تم سو سال اسی طرح رہے ہو۔ اب اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ وہ ذرا نہیں سڑیں۔ اور (دوسری طرف) اپنے گدھے کو دیکھو (کہ گل سڑ کر اس کا کیا حال ہو گیا ہے) اور یہ ہم نے اس لئے کیا تا کہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کا) ایک نشان بنادیں۔ اور (اب اپنے گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم کس طرح انہیں اٹھاتے ہیں، پھر ان کو گوشت کا لباس پہناتے ہیں!“ چنانچہ جب حقیقت کھل کر اس کے سامنے آگئی تو وہ بول اٹھا کہ ”مجھے یقین ہے اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“ ﴿۲۵۹﴾

مطلب یہ تھا کہ میں بادشاہ ہونے کی وجہ سے جس کو چاہوں موت کے گھاٹ اتار دوں اور جس کو چاہوں موت کا مستحق ہونے کے باوجود معاف کر کے آزاد کر دوں، اور اس طرح اسے زندگی دے دوں۔ ظاہر ہے کہ اس کا یہ جواب قطعی طور پر غیر متعلق تھا، اس لئے کہ گفتگو زندگی اور موت کے اسباب سے نہیں ان کی تخلیق سے ہو رہی تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ یا تو موت اور حیات کی تخلیق کا مطلب ہی نہیں سمجھتا یا کٹ جیتی پر اتر آیا ہے، اس لئے انہوں نے ایک ایسی بات فرمائی جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ مگر لا جواب ہو کر حق کو قبول کرنے کے بجائے اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے قید کیا، پھر آگ میں ڈالنے کا حکم دیا جس کا ذکر قرآن کریم نے سورۃ انبیاء (۲۱: ۶۸ تا ۷۱) سورۃ عنکبوت (۲۹: ۲۴) اور سورۃ صافات (۳۷: ۹۷) میں فرمایا ہے۔

(۱۷۵) آیت نمبر ۲۵۹ اور ۲۶۰ میں اللہ تعالیٰ نے دو ایسے واقعے ذکر فرمائے ہیں جن میں اس نے اپنے دو خاص بندوں کو اس



وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَبْطِئَنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصِرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝۹

اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ میرے پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟ اللہ نے کہا: ”کیا تمہیں یقین نہیں؟“ کہنے لگے: ”یقین کیوں نہ ہوتا؟ مگر (یہ خواہش اس لئے کی ہے) تاکہ میرے دل کو پورا اطمینان حاصل ہو جائے۔“ اللہ نے کہا: ”اچھا! تو چار پرندے لو، اور انہیں اپنے سے مانوس کر لو، پھر (ان کو ذبح کر کے) ان کا ایک ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھ دو، پھر ان کو بلاؤ، وہ چاروں تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔ اور جان رکھو کہ اللہ پوری طرح صاحب اقتدار بھی ہے، اعلیٰ درجے کی حکمت والا بھی۔“

دُنیا ہی میں مردوں کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کرایا۔ پہلے واقعے میں ایک ایسی بستی کا ذکر ہے جو مکمل طور پر تباہ ہو چکی تھی، اس کے تمام باشندے مر کھپ چکے تھے، اور مکانات چھتوں سمیت گر کر مٹی میں مل گئے تھے۔ ایک صاحب کا وہاں سے گذر ہوا تو انہوں نے دل میں سوچا کہ اللہ تعالیٰ اس ساری بستی کو کس طرح زندہ کرے گا۔ بظاہر اس سوچ کا منشا خدا نخواستہ کوئی شک کرنا نہیں تھا، بلکہ حیرت کا اظہار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت کا مشاہدہ اس طرح کرایا جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ یہ صاحب کون تھے؟ اور یہ بستی کونسی تھی؟ یہ بات قرآن کریم نے نہیں بتائی، اور کوئی مستند روایت بھی ایسی نہیں ہے جس کے ذریعے یقینی طور پر ان باتوں کا تعین کیا جاسکے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ بستی بیت المقدس تھی، اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب بخت نصر نے اس پر حملہ کر کے اسے تباہ کر ڈالا تھا، اور یہ صاحب حضرت عزیر یا حضرت ارمیا علیہما السلام تھے۔ لیکن نہ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے، نہ اس کھوج میں پڑنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم کا مقصد اس کے بغیر بھی واضح ہے۔ البتہ یہ بات تقریباً یقینی معلوم ہوتی ہے کہ یہ صاحب کوئی نبی تھے، کیونکہ اول تو اس آیت میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ہم کلام ہوئے، نیز اس طرح کے واقعات انبیائے کرام ہی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ دیکھئے نیچے حاشیہ ۱۷۷۔

(۱۷۶) اس سوال و جواب کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے یہ بات صاف کر دی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ فرمائش خدا نخواستہ کسی شک کی وجہ سے نہیں تھی، انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر پورا یقین تھا۔ لیکن آنکھوں سے دیکھنے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اس سے نہ صرف مزید اطمینان حاصل ہوتا ہے، بلکہ اس کے بعد انسان دوسروں سے یہ کہہ سکتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، دلائل سے اس کا علم حاصل کرنے کے علاوہ آنکھوں سے دیکھ کر کہہ رہا ہوں۔

(۱۷۷) یعنی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہر وقت مردے کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کرا سکتی ہے، مگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک کو یہ مشاہدہ نہ کرایا جائے۔ اور بات دراصل یہ ہے کہ یہ دُنیا چونکہ امتحان کی جگہ ہے، اس لئے یہاں اصل قیمت ایمان بالغیب کی ہے، اور انسان سے مطلوب یہ ہے کہ وہ ان حقائق پر آنکھوں سے دیکھے بغیر دلائل کی بنیاد پر ایمان لائے۔ البتہ انبیائے کرام کا معاملہ عام لوگوں سے مختلف ہے۔ وہ جب غیب کے حقائق پر غیر متزلزل ایمان لا کر یہ ثابت کر چکے ہوتے ہیں کہ



مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَتَتْ سَنَابِلَ فِي كُلِّ  
 سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۖ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۱﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ  
 أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يَتَّبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى ۖ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ  
 وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۲۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتَّبِعُهَا  
 أَذًى ۖ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿۲۲۳﴾

جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ سات بالیں اُگائے (اور)  
 ہر بال میں سودا نے ہوں۔ اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (ثواب میں) کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے۔ اللہ بہت وسعت والا  
 (اور) بڑے علم والا ہے۔ ﴿۲۲۱﴾ جو لوگ اپنے مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان  
 جتلاتے ہیں اور نہ کوئی تکلیف پہنچاتے ہیں، وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنا ثواب پائیں گے؛ نہ ان کو کوئی خوف لاحق  
 ہوگا اور نہ کوئی غم پہنچے گا۔ ﴿۲۲۲﴾ بھلی بات کہہ دینا اور درگزر کرنا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد کوئی تکلیف پہنچائی  
 جائے۔ اور اللہ بڑا بے نیاز، بہت بردبار ہے۔ ﴿۲۲۳﴾

ان کا ایمان نہ کسی شک کی گنجائش رکھتا ہے اور نہ وہ آنکھ کے کسی مشاہدے پر موقوف ہے تو ان کے ایمان بالغیب کا امتحان اسی دنیا  
 میں پورا ہو جاتا ہے۔ پھر انہیں حکمت خداوندی کے تحت بعض غیبی حقائق آنکھوں سے بھی دکھادیے جاتے ہیں، تاکہ ان کے علم و  
 اطمینان کا معیار عام لوگوں سے زیادہ ہو، اور وہ ڈنکے کی چوٹ یہ کہہ سکیں کہ وہ جس بات کی دعوت دے رہے ہیں اس کی حقانیت  
 انہوں نے آنکھوں سے بھی دیکھ رکھی ہے۔

بعض وہ لوگ جو خلافِ عادت باتوں کا اعتراف کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں، انہوں نے اس آیت میں بھی ایسی کھینچ تان کی ہے  
 جس سے یہ نہ ماننا پڑے کہ وہ پرندے واقعہً مرکزِ زندہ ہو گئے تھے۔ لیکن قرآن کریم کا پورا سیاق اور جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں  
 ان کا اسلوب ایسی تاویلات کی تردید کرتا ہے۔ جو شخص عربی زبان کے محاورات اور اسالیب سے واقف ہو وہ ان آیات کا اس  
 کے سوا کوئی مطلب نہیں نکالے گا جو ترجمے میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿۱۷۸﴾ یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے سات سو گنا ثواب ملتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جس کا ثواب چاہیں اور بڑھا سکتے  
 ہیں۔ واضح رہے کہ ”اللہ کے راستے میں خرچ“ کا قرآن کریم نے بار بار ذکر کیا ہے، اور اس سے مراد ہر وہ خرچ ہے جو اللہ تعالیٰ  
 کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔ اس میں زکوٰۃ، صدقات، خیرات سب داخل ہیں۔

﴿۱۷۹﴾ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی سائل کسی سے مانگے اور وہ کسی وجہ سے دے نہ سکتا ہو تو اس سے نرم الفاظ میں معذرت کر لینا اور  
 اگر وہ مانگنے پر ناروا اصرار کرے تو اس کی غلطی سے درگزر کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ انسان دے تو دے، مگر بعد میں احسان  
 جتلائے یا اسے ذلیل کر کے تکلیف پہنچائے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ ۚ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۲۳۳﴾  
وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَشْيِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضَعْفَيْنِ ۚ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطُلَّ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۴﴾ أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ مَّخِيلٍ ۖ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ ۗ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۳۵﴾

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر اس شخص کی طرح ضائع مت کرو جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ چنانچہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چکنی چٹان پر مٹی جمی ہو، پھر اس پر زور کی بارش پڑے اور اس (مٹی کو بہا کر چٹان) کو (دوبارہ) چکنی بنا چھوڑے۔ ایسے لوگوں نے جو کمائی کی ہوتی ہے وہ ذرا بھی ان کے ہاتھ نہیں لگتی۔ اور اللہ (ایسے) کافروں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا ﴿۲۳۳﴾ اور جو لوگ اپنے مال اللہ کی خوشنودی طلب کرنے کے لئے اور اپنے آپ میں پختگی پیدا کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک باغ کسی ٹیلے پر واقع ہو؛ اس پر زور کی بارش برے تو وہ دُگنا پھل لے کر آئے۔ اور اگر اس پر زور کی بارش نہ بھی برے تو ہلکی پھوار بھی اس کے لئے کافی ہے۔ اور تم جو عمل بھی کرتے ہو اللہ اسے خوب اچھی طرح دیکھتا ہے۔ ﴿۲۳۴﴾ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں (اور) اس کو اس باغ میں اور بھی ہر طرح کے پھل حاصل ہوں، اور بڑھاپے نے اسے آ پکڑا ہو، اور اس کے بچے ابھی کمزور ہوں؛ اتنے میں ایک آگ سے بھرا بگولا آ کر اس کو اپنی زد میں لے لے اور پورا باغ جل کر رہ جائے؟ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو۔ ﴿۲۳۵﴾

﴿۱۸۰﴾ چٹان پر اگر مٹی جمی ہو تو یہ اُمید ہو سکتی ہے کہ اس پر کوئی چیز کاشت کر لی جائے، لیکن اگر بارش مٹی کو بہا لے جائے تو چٹان کے چکنے پتھر کاشت کے قابل نہیں رہتے۔ اسی طرح صدقہ خیرات سے آخرت کے ثواب کی اُمید ہوتی ہے، لیکن اگر اس کے ساتھ ریا کاری یا احسان جتانے کی خرابی لگ جائے تو وہ صدقے کو بہا لے جاتی ہے اور ثواب کی کوئی اُمید نہیں رہتی۔

﴿۱۸۱﴾ صدقات کو برباد کرنے کی یہ دوسری مثال ہے۔ جس طرح ایک آگ سے بھرا بگولا ہرے بھرے باغ کو یکا یک تباہ کر ڈالتا ہے، اسی طرح ریا کاری یا صدقہ دے کر احسان جتلانا یا کسی اور طرح غریب آدمی کو ستانا صدقے کے عظیم ثواب کو برباد کر ڈالتا ہے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَسَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغِصُوا فِيهِ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَنِيدٌ ﴿٢٦٠﴾ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ ۗ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦١﴾ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٢﴾ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَالِ الظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٢٦٣﴾ إِنْ تُبَدُّوا وَالصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُوتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَيُكَفِّرْ عَنْكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٦٤﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ هُدُوبُهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا يُفْسِدْكُمْ ۖ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤَفَّفَ لَكُمْ وَاللَّهُ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٦٥﴾

اے ایمان والو! جو کچھ تم نے کمایا ہو اور جو پیداوار ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہو اس کی اچھی چیزوں کا ایک حصہ (اللہ کے راستے میں) خرچ کیا کرو؛ اور یہ نیت نہ رکھو کہ بس ایسی خراب قسم کی چیزیں (اللہ کے نام پر) دیا کرو گے جو (اگر کوئی دوسرا تمہیں دے تو نفرت کے مارے) تم اسے آنکھیں میچے بغیر نہ لے سکو۔ اور یاد رکھو کہ اللہ ایسا بے نیاز ہے کہ ہر قسم کی تعریف اسی کی طرف لوٹتی ہے۔ ﴿۲۶۰﴾

شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے؛ اور اللہ تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا، ہر بات جاننے والا ہے۔ ﴿۲۶۱﴾ وہ جس کو چاہتا ہے دانائی عطا کر دیتا ہے، اور جسے دانائی عطا ہو گئی اسے وافر مقدار میں بھلائی مل گئی۔ اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو سمجھ کے مالک ہیں۔ ﴿۲۶۲﴾ اور تم جو کوئی خرچ کرو یا کوئی منت مانو اللہ اسے جانتا ہے۔ اور ظالموں کو کسی طرح کے مددگار میسر نہیں آئیں گے۔ ﴿۲۶۳﴾ اگر تم صدقات ظاہر کر کے دوتب بھی اچھا ہے؛ اور اگر ان کو چھپا کر فقراء کو دو تو یہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے۔ اور اللہ تمہاری برائیوں کا کفارہ کر دے گا؛ اور اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۲۶۴﴾ (اے پیغمبر!) ان (کافروں) کو راہ راست پر لے آنا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے راہ راست پر لے آتا ہے۔ اور جو مال بھی تم خرچ کرتے ہو وہ خود تمہارے فائدے کے لئے ہوتا ہے جبکہ تم اللہ کی خوشنودی طلب کرنے کے سوا کسی اور غرض سے خرچ نہیں کرتے۔ اور جو مال بھی تم خرچ کرو گے تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۲۶۵﴾

(۱۸۲) بعض انصاری صحابہ کے کچھ غریب رشتہ دار تھے مگر چونکہ وہ کافر تھے اس لئے وہ ان کی امداد نہیں کرتے تھے، اور اس انتظار



لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ  
 أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسَيِّئِهِمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ  
 فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۱۸۲﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ  
 أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۸۳﴾ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا  
 يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا  
 الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا ۚ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۚ فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى  
 فَلَهُ مَا سَلَفَ ۚ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۸۴﴾

(مالی امداد کے بطور خاص) مستحق وہ فقراء ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں اس طرح مقید کر رکھا ہے کہ وہ  
 (معاش کی تلاش کے لئے) زمین میں چل پھر نہیں سکتے۔ چونکہ وہ اتنے پاک دامن ہیں کہ کسی سے سوال نہیں کرتے،  
 اس لئے ناواقف آدمی انہیں مال دار سمجھتا ہے۔ تم ان کے چہرے کی علامتوں سے ان (کی اندرونی حالت) کو پہچان  
 سکتے ہو (مگر) وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اور تم جو مال بھی خرچ کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ ﴿۱۸۳﴾  
 جو لوگ اپنے مال دن رات خاموشی سے بھی اور علانیہ بھی خرچ کرتے ہیں وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنا ثواب پائیں  
 گے، اور نہ انہیں کوئی خوف لاحق ہوگا، نہ کوئی غم پہنچے گا۔ ﴿۱۸۴﴾

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) اٹھیں گے تو اس شخص کی طرح اٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا  
 ہو۔ یہ اس لئے ہوگا کہ انہوں نے کہا تھا کہ: ”بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہوتی ہے۔“ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے  
 اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ لہذا جس شخص کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت آگئی اور وہ (سودی معاملات  
 سے) باز آ گیا تو ماضی میں جو کچھ ہوا وہ اسی کا ہے۔ اور اس (کی باطنی کیفیت) کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جس  
 شخص نے لوٹ کر پھر وہی کام کیا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ ﴿۱۸۵﴾

میں تھے کہ وہ اسلام لے آئیں تو ان کی امداد کریں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی  
 یہی ہدایت فرمائی تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی) اس طرح مسلمانوں کو بتایا گیا کہ آپ پر ان کے اسلام لانے  
 کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، اور اگر آپ ان غریب کافروں پر بھی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کچھ خرچ کریں  
 گے تو اس کا بھی پورا پورا ثواب ملے گا۔

(۱۸۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ وہ صحابہ



تھے جنہوں نے اپنی زندگی علم دین حاصل کرنے کے لئے وقف کر دی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد نبوی سے متصل ایک چبوترے پر آپڑے تھے، طلب علم کی وجہ سے وہ کوئی معاشی مشغلہ اختیار نہیں کر سکتے تھے، مگر مفلسی کی سختیاں ہنسی خوشی برداشت کرتے تھے، کسی سے مانگنے کا سوال نہیں تھا۔ اس آیت نے بتایا کہ ایسے لوگ امداد کے زیادہ مستحق ہیں جو ایک نیک مقصد سے پوری اُمت کے فائدے کے لئے مقید ہو کر رہ گئے ہیں اور سختیاں جھیلنے کے باوجود اپنی ضرورت کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔

آیت نمبر ۲۶۱ سے ۲۷۴ تک صدقات کی فضیلت اور اس کے احکام بیان ہوئے تھے۔ آگے آیت نمبر ۲۸۰ تک اس کی ضد یعنی سود کا بیان ہے۔ صدقات انسان کے جذبہ سخاوت کی نشانی ہیں، اور سود بخل اور مال کی محبت کی علامت ہے۔

(۱۸۴) سود یا رہا ہر اُس زیادہ رقم کو کہا جاتا ہے جو کسی قرض پر طے کر کے وصول کی جائے۔ مشرکین کا کہنا تھا کہ جس طرح ہم کوئی سامان فروخت کر کے نفع کماتے ہیں اور اس کو شریعت نے حلال قرار دیا ہے، اسی طرح اگر قرض دے کر کوئی نفع کمائیں تو کیا حرج ہے؟ ان کے اس اعتراض کا جواب تو یہ تھا کہ سامان تجارت کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ اسے بیچ کر نفع کمایا جائے، لیکن نقدی اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی کہ اسے سامان تجارت بنا کر اس سے نفع کمایا جائے۔ وہ تو ایک تبادلے کا ذریعہ ہے تاکہ اس کے ذریعے اشیائے ضرورت خریدی اور بیچی جاسکیں۔ نقدی کا نقدی سے تبادلہ کر کے اسے بذاتِ خود نفع کمانے کا ذریعہ بنالیا جائے تو اس سے بے شمار مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ (اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو رہا کے موضوع پر میرا وہ فیصلہ ملاحظہ فرمائیے جو میں نے سپریم کورٹ آف پاکستان میں لکھا تھا اور اس کا اُردو ترجمہ بھی ”سود پر تاریخی فیصلہ“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے) لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں بیع اور سود کے درمیان فرق کی تفصیل بیان کرنے کے بجائے ایک حاکمانہ جواب دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دے دیا ہے تو ایک بندے کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حکم کی حکمت اور اس کا فلسفہ پوچھتا پھرے اور گویا عملاً یہ کہے کہ جب تک مجھے اس کا فلسفہ سمجھ میں نہیں آجائے گا میں اس حکم پر عمل نہیں کروں گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں یقیناً کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ ہر شخص کی سمجھ میں بھی آجائے۔ لہذا اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے تو پہلے اس کے ہر حکم پر تسلیم خم کرنا چاہئے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص اپنے مزید اطمینان کے لئے حکمت اور فلسفہ سمجھنے کی کوشش کرے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اس پر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کو موقوف رکھنا ایک مؤمن کا طرزِ عمل نہیں۔

(۱۸۵) مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے سود کی حرمت نازل ہونے سے پہلے لوگوں سے سود وصول کیا ہے، چونکہ اس وقت تک سود کے حرام ہونے کا اعلان نہیں ہوا تھا اس لئے وہ پچھلے معاملات معاف ہیں، اور ان کے ذریعے جو قمیص وصول کی گئی ہیں وہ واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ حرمت کے اعلان کے وقت جو سود کسی پر واجب الادا ہو وہ لینا جائز نہیں ہوگا بلکہ اسے چھوڑنا ہوگا، جیسا کہ آگے آیت نمبر ۲۷۸ میں حکم دیا گیا ہے۔

(۱۸۶) یعنی جن لوگوں نے حرمتِ سود کو تسلیم نہ کیا اور وہی اعتراض کرتے رہے کہ بیع اور سود میں کوئی فرق نہیں، وہ کافر ہونے کی وجہ سے ابدی عذاب کے مستحق ہوں گے۔ سود کے موضوع پر مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ان آیات کے تحت معارف القرآن اور مسئلہ سود از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور میرا مذکورہ بالا فیصلہ۔



يَحَقُّ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرِي الصَّدَقَاتِ ۖ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿۲۸۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۸۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۸۸﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ۖ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۸۹﴾ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۖ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۹۰﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۹۱﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَيْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اور اللہ ہر اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو ناشکر اگنہگار ہو ﴿۲۸۶﴾ (ہاں) وہ لوگ جو ایمان لائیں، نیک عمل کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں وہ اپنے رب کے پاس اپنے اجر کے مستحق ہوں گے؛ نہ انہیں کوئی خوف لاحق ہوگا، نہ کوئی غم پہنچے گا۔ ﴿۲۸۷﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعی مؤمن ہو تو سود کا جو حصہ بھی (کسی کے ذمے) باقی رہ گیا ہو اسے چھوڑ دو ﴿۲۸۸﴾ پھر بھی اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔ اور اگر تم (سود سے) توبہ کرو تو تمہارا اصل سرمایہ تمہارا حق ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے ﴿۲۸۹﴾ اور اگر کوئی تنگ دست (قرض دار) ہو تو اس کا ہاتھ کھلنے تک مہلت دینی ہے۔ اور صدقہ ہی کر دو تو یہ تمہارے حق میں کہیں زیادہ بہتر ہے، بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو ﴿۲۹۰﴾ اور ڈرو اس دن سے جب تم سب اللہ کے پاس لوٹ کر جاؤ گے، پھر ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا ہے پورا پورا دیا جائے گا، اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۲۹۱﴾

اے ایمان والو! جب تم کسی معین میعاد کے لئے ادھار کا کوئی معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور تم میں سے جو شخص لکھنا جانتا ہو انصاف کے ساتھ تحریر لکھے، اور جو شخص لکھنا جانتا ہو، لکھنے سے انکار نہ کرے۔ جب اللہ نے اسے یہ علم دیا ہے تو اسے لکھنا چاہئے۔ اور تحریر وہ شخص لکھوائے جس کے ذمے حق واجب ہو رہا ہو، اور اسے چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے اور اس (حق) میں کوئی کمی نہ کرے۔ ﴿۱۸۷﴾

﴿۱۸۷﴾ یہ قرآن کریم کی سب سے طویل آیت ہے، اور اس میں سود کی حرمت بیان کرنے کے بعد ادھار خرید و فروخت کے سلسلے



فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۖ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ ۖ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتْنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۚ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَيَعْلَمَ اللَّهُ اللَّهُ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾ وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنِ مَقْبُوضَةً ۚ

ہاں اگر وہ شخص جس کے ذمے حق واجب ہو رہا ہے نا سمجھ یا کمزور ہو یا (کسی اور وجہ سے) تحریر نہ لکھوا سکتا ہو تو اس کا سرپرست انصاف کے ساتھ لکھوائے۔ اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنا لو، ہاں اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے ہو جائیں جنہیں تم پسند کرتے ہو، تاکہ اگر ان دو عورتوں میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ اور جب گواہوں کو (گواہی دینے کے لئے) بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔ اور جو معاملہ اپنی میعاد سے وابستہ ہو، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اسے لکھنے سے اکتاؤ نہیں۔ یہ بات اللہ کے نزدیک زیادہ قرین انصاف اور گواہی کو درست رکھنے کا بہتر ذریعہ ہے، اور اس بات کی قرینی ضمانت ہے کہ تم آئندہ شک میں نہیں پڑو گے۔ ہاں اگر تمہارے درمیان کوئی نقد لین دین کا سودا ہو تو اس کو نہ لکھنے میں تمہارے لئے کچھ حرج نہیں ہے۔ اور جب خرید و فروخت کرو تو گواہ بنا لیا کرو۔ اور نہ لکھنے والے کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے، نہ گواہ کو۔ اور اگر ایسا کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے نافرمانی ہوگی۔ اور اللہ کا خوف دل میں رکھو۔ اللہ تمہیں تعلیم دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ ﴿۲۸۲﴾ اور اگر تم سفر پر ہو اور تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو (ادائیگی کی ضمانت کے طور پر) رہن قبضے میں رکھ لئے جائیں۔

میں اہم ہدایات دی گئی ہیں، جن کا مقصد یہ ہے کہ تمام معاملات صفائی کے ساتھ ہوں۔ اگر کوئی ادھار کسی کے ذمے واجب ہو رہا ہو تو اسے ایسی تحریر لکھنی یا لکھوانی چاہئے جو معاملے کی نوعیت کو واضح کر دے۔ اس تحریر میں پوری بات لاگ لپیٹ کے بغیر لکھنی چاہئے اور کسی کا حق مارنے کے لئے تحریر میں کتر بیونت سے پرہیز کرنا چاہئے۔



فَإِنْ مِنْكُمْ بَعْضٌ فَلْيُؤْذِلْ أَوْ ثِنْ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۖ وَلَا تَكْتُمُوا  
الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثَمُ قَلْبُهُ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝۱۷ ۚ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ  
وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِنْ تُبَدُّوْا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفَوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ ۚ فَيَغْفِرُ لِمَنْ  
يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۸ ۚ أَمِنْ الرَّسُولِ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ  
مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلُّ أَمِنْ بِاللَّهِ وَمَلَيْكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ  
مِّنْ رُّسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ غُفْرَانِكَ رَبَّنَا ۚ إِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝۱۹ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ  
نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا كَسَبَتْ ۚ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ  
أَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا  
تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۚ وَاعْفِرْ لَنَا ۚ وَارْحَمْنَا ۚ أَنْتَ مَوْلَانَا  
فَاَنْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝۲۰

ہاں اگر تم ایک دوسرے پر بھروسہ کرو تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے وہ اپنی امانت ٹھیک ٹھیک ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو  
اس کا پروردگار ہے۔ اور گواہی کو نہ چھپاؤ۔ اور جو گواہی کو چھپائے وہ گنہگار دل کا حامل ہے۔ اور جو عمل بھی تم کرتے ہو  
اللہ اس سے خوب واقف ہے۔ ۲۰

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ اور جو باتیں تمہارے دلوں میں ہیں، خواہ تم ان کو  
ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے ان کا حساب لے گا۔ پھر جس کو چاہے گا معاف کر دے گا اور جس کو چاہے گا سزا دے گا۔  
اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ ۲۱ یہ رسول (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس چیز پر ایمان لائے ہیں جو ان کی  
طرف ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اور (ان کے ساتھ) تمام مسلمان بھی۔ یہ سب اللہ پر، اس کے  
فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں کہ) ہم اس کے رسولوں کے  
درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے (کہ کسی پر ایمان لائیں، کسی پر نہ لائیں) اور وہ یہ کہتے ہیں کہ: ”ہم نے (اللہ اور رسول  
کے احکام کو توجہ سے) سن لیا ہے، اور ہم خوشی سے (ان کی) تعمیل کرتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہم آپ کی  
مغفرت کے طلب گار ہیں۔ اور آپ ہی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔“ ۲۲ اللہ کسی بھی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ  
ذمہ داری نہیں سونپتا۔ اس کو فائدہ بھی اسی کام سے ہوگا جو وہ اپنے ارادے سے کرے، اور نقصان بھی اسی کام سے ہوگا جو



اپنے ارادے سے کرے۔ (مسلمانو! اللہ سے یہ دُعا کیا کرو کہ: ”اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو ہماری گرفت نہ فرمائیے۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈالئے جیسا آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالئے جسے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائیے، ہمیں بخش دیجئے، اور ہم پر رحم فرمائیے۔ آپ ہی ہمارے حامی و ناصر ہیں، اس لئے کافر لوگوں کے مقابلے میں ہمیں نصرت عطا فرمائیے۔“ (۲۸۶)

(۱۸۸) آگے آیت نمبر ۲۸۶ کے پہلے جملے نے واضح کر دیا کہ انسان کے اختیار کے بغیر جو خیالات اس کے دل میں آ جاتے ہیں، ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ لہذا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان جان بوجھ کر جو غلط عقیدے دل میں رکھے، یا کسی گناہ کا سوچ سمجھ کر بالکل پکا ارادہ کر لے تو اس کا حساب ہوگا۔

الحمد للہ آج بتاریخ ۵ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۳ جولائی ۲۰۰۵ء کراچی میں سورہ بقرہ کے ترجمہ اور حواشی کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں اور باقی سورتوں کے ترجمہ اور تفسیر کو بھی آسان فرمادیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ

## تعارف

عمران حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام ہے، اور ”آل عمران“ کا مطلب ہے ”عمران کا خاندان“۔ اس سورت کی آیات ۳۳ تا ۷۳ میں اس خاندان کا ذکر آیا ہے، اس لئے اس سورت کا نام ”سورہ آل عمران“ ہے۔

اس سورت کے بیشتر حصے اُس دور میں نازل ہوئے ہیں جب مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے تھے، مگر یہاں بھی کفار کے ہاتھوں انہیں بہت سی مشکلات درپیش تھیں۔ سب سے پہلے غزوہ بدر پیش آیا جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیر معمولی فتح عطا فرمائی، اور کفار قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے اگلے سال انہوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا، اور غزوہ اُحد پیش آیا، جس میں مسلمانوں کو عارضی پسپائی بھی اختیار کرنی پڑی۔ ان دونوں غزوات کا ذکر اس سورت میں آیا ہے، اور ان سے متعلق مسائل پر قیمتی ہدایات عطا فرمائی گئی ہیں۔

مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے، سورہ بقرہ میں ان کے عقائد و اعمال کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکا ہے، اور ضمناً عیسائیوں کا بھی تذکرہ آیا تھا۔ سورہ آل عمران میں اصل رُوئے سخن عیسائیوں کی طرف ہے، اور ضمناً یہودیوں کا بھی تذکرہ آیا ہے۔ عرب کے علاقے نجران میں عیسائی بڑی تعداد میں آباد تھے، اُن کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا۔ سورہ آل عمران کا ابتدائی تقریباً آدھا حصہ اُنہی کے دلائل کے جواب اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صحیح حیثیت بتانے میں صرف ہوا ہے۔ نیز اس سورت میں زکوٰۃ، سود اور جہاد سے متعلق احکام بھی عطا فرمائے گئے ہیں، اور سورت کے آخر میں دعوت دی گئی ہے کہ اس کائنات میں پھیلی ہوئی قدرت خداوندی کی نشانیوں پر انسان کو غور کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا چاہئے، اور ہر حاجت کے لئے اُسی کو پکارنا چاہئے۔



﴿ آیتھا ۲۰۰ ﴾ ﴿ سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ ۸۹ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۲۰ ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

اَلَمْ ۱ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۚ وَاَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْاِنْجِيلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ ۚ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيَاتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۚ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انتِقَامٍ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ ۚ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ هُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰيَاتٌ مُحْكَمَتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ ۚ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهَتٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِي قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ ۚ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلٍ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهُ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَالرَّسَخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهِ ۚ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُو الْاَلْبَابِ ۝

وَقَالَ النَّبِيُّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سورہ آل عمران مدنی ہے اور اس میں ۲۰۰ آیتیں اور ۲۰ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اَلَمْ ۱ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو سدا زندہ ہے، جو پوری کائنات سنبھالے ہوئے ہے؛ ۱ اس نے تم پر وہ کتاب نازل کی ہے جو حق پر مشتمل ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، اور اسی نے تورات اور انجیل اتاریں ۲ جو اس سے پہلے لوگوں کے لئے مجسم ہدایت بن کر آئی تھیں، اور اسی نے حق و باطل کو پرکھنے کا معیار نازل کیا۔ ۱ بیشک جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا ہے ان کے لئے سخت عذاب ہے، اور اللہ زبردست اقتدار کا مالک اور بُرائی کا بدلہ دینے والا ہے۔ ۳ یقین رکھو کہ اللہ سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی، نہ زمین میں نہ آسمان میں ۵ وہی ہے جو ماؤں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زبردست اقتدار کا بھی مالک ہے، اعلیٰ درجے کی حکمت کا بھی ۶ (اے رسول!) وہی اللہ ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی ہے جس کی کچھ آیتیں تو محکم ہیں جن پر کتاب کی اصل بنیاد ہے، اور کچھ دوسری آیتیں متشابہ ہیں۔ ۳ اب جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ ان متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فتنہ پیدا کریں اور ان آیتوں کی تاویلات تلاش کریں، حالانکہ ان آیتوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جن لوگوں کا علم پختہ ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ: ”ہم اس (مطلب) پر ایمان لاتے ہیں (جو اللہ کو معلوم ہے)۔ سب کچھ ہمارے پروردگار ہی کی طرف سے ہے۔“ اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں ۵



(۱) یہاں قرآن کریم نے لفظ ”فرقان“ استعمال کیا ہے جس کے معنی ہیں وہ چیز جو صحیح اور غلط کے درمیان فرق واضح کرنے والی ہو۔ قرآن کریم کا ایک نام ”فرقان“ بھی ہے، اس لئے کہ وہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی کتاب ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے یہاں ”فرقان“ سے قرآن ہی مراد لیا ہے۔ دوسرے مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ معجزات ہیں جو انبیائے کرام کے ہاتھ پر ظاہر کئے گئے اور جنہوں نے ان کی نبوت کا ثبوت فراہم کیا۔ نیز اس لفظ سے وہ تمام دلائل بھی مراد ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔

(۲) اگر انسان اپنی پیدائش کے مختلف مراحل پر غور کرے کہ وہ ماں کے پیٹ میں کس طرح پرورش پاتا ہے، اور کس طرح اس کی صورت دوسرے اربوں انسانوں سے بالکل الگ بنتی ہے کہ کبھی دو آدمی سو فیصد ایک جیسے نہیں ہوتے تو اسے یہ تسلیم کرنے میں دیر نہ لگے کہ یہ سب کچھ خدائے واحد کی قدرت اور حکمت کے تحت ہو رہا ہے۔ اس آیت میں اس حقیقت کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت اور حکمت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ اس کے ساتھ اس سے ایک اور پہلو کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ شہر نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا، اور اس نے اپنے عقائد کے بارے میں آپ سے گفتگو کی تھی۔ سورہ آل عمران کی کئی آیات اسی پس منظر میں نازل ہوئی ہیں۔ اس وفد نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کا بیٹا ہونے پر یہ دلیل بھی دی تھی کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ یہ آیت اس دلیل کی تردید بھی کر رہی ہے۔ اشارہ یہ کیا گیا ہے کہ ہر شخص کی تخلیق اور صورت گری اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے۔ اگرچہ اس نے معمول کا طریقہ یہ بنایا ہے کہ ہر بچہ کسی باپ کے ذریعے پیدا ہوتا ہے، لیکن وہ اس طریقے کا نہ پابند ہے نہ محتاج۔ لہذا وہ جب چاہے جس کو چاہے بغیر باپ کے پیدا کر سکتا ہے، اور اس سے کسی کا خدا یا خدا کا بیٹا ہونا لازم نہیں آتا۔

(۳) اس آیت کو سمجھنے کے لئے پہلے اس حقیقت کا احساس ضروری ہے کہ اس کائنات کی بے شمار چیزیں ایسی ہیں جو انسان کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی وحدانیت تو ایک ایسی حقیقت ہے جو ہر انسان اپنی عقل سے معلوم کر سکتا ہے، لیکن اس کی ذات اور صفات کی تفصیلات انسان کی محدود عقل سے ماورا ہیں۔ قرآن کریم نے جہاں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ذکر فرمایا ہے، ان سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ ظاہر کی گئی ہے، لیکن کوئی شخص ان صفات کی حقیقت اور کنہ کی فلسفیانہ کھوج میں پڑ جائے تو حیرانی یا گمراہی کے سوا اسے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، کیونکہ وہ اپنی محدود عقل سے اللہ تعالیٰ کی ان الامحود و صفات کا احاطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو اس کے ادراک سے باہر ہیں۔ مثلاً قرآن کریم نے کئی مقامات پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک عرش ہے، اور یہ کہ وہ اس عرش پر مستوی ہوا۔ اب یہ بات کہ وہ عرش کیسا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ کے مستوی ہونے کا کیا مطلب ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب انسان کی عقل اور سمجھ سے بالاتر ہے، اور انسان کی زندگی کا کوئی عملی مسئلہ اس پر موقوف بھی نہیں۔ ایسی آیات جن میں اس قسم کے حقائق بیان کئے گئے ہیں مشابہات کہلاتی ہیں۔ اسی طرح مختلف سورتوں کے شروع میں جو حروف الگ الگ نازل کئے گئے ہیں، (مثلاً اسی سورت کے شروع میں الف، لام، میم) اور جنہیں حروف مقطعات کہا جاتا ہے وہ بھی مشابہات میں داخل ہیں۔ ان کے بارے میں قرآن کریم نے اس آیت میں یہ ہدایت دی ہے کہ ان کی کھود کرید میں پڑنے کے بجائے ان پر اجمالی طور سے ایمان رکھ کر ان کا صحیح مطلب اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا چاہئے۔ اس کے برعکس قرآن کریم کی دوسری آیتیں ایسی ہیں جن کا مطلب واضح ہے، اور درحقیقت وہی آیات ہیں جو انسان کے لئے عملی ہدایات



رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۱﴾  
 رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْوَعْدَ ﴿۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ  
 كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ وَقُودُ النَّارِ ﴿۳﴾  
 كَذٰبِ الْاِلٰهِ فِرْعَوْنُ ۗ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۖ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۗ  
 وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴﴾

(ایسے لوگ یہ دعا کرتے ہیں کہ:) ”اے ہمارے رب! تو نے ہمیں جو ہدایت عطا فرمائی ہے اس کے بعد ہمارے دلوں میں ٹیڑھ پیدا نہ ہونے دے، اور خاص اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما۔ بیشک تیری، اور صرف تیری ذات وہ ہے جو بے انتہا بخشش کی خواہش ہے ﴿۱﴾ ہمارے پروردگار! تو تمام انسانوں کو ایک ایسے دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔“ بیشک اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا ﴿۲﴾ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اللہ کے مقابلے میں نہ ان کی دولت ان کے کچھ کام آئے گی، نہ ان کی اولاد، اور وہی ہیں جو آگ کا ایندھن بن کر رہیں گے ﴿۳﴾ ان کا حال فرعون اور ان سے پہلے کے لوگوں کے معاملے جیسا ہے۔ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، چنانچہ اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ میں لے لیا، اور اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۴﴾

فراہم کرتی ہیں، انہی آیات کو ”محکم“ آیتیں کہا گیا ہے۔ ایک مؤمن کو انہی پر خصوصی توجہ دینی چاہئے۔  
 متشابہات کے بارے میں صحیح طرز عمل بتانا یوں بھی ضروری تھا، لیکن اس سورت میں اس وضاحت کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ نجران کے عیسائیوں کا جو وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا اور جس کا ذکر اوپر کے حاشیہ میں گزرا ہے، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدایا خدا کا بیٹا ہونے پر ایک دلیل یہ بھی پیش کی تھی کہ خود قرآن نے انہیں ”کلمۃ اللہ“ (اللہ کا کلمہ) اور ”روح من اللہ“ فرمایا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی صفت کلام اور اللہ کی روح تھے۔ اس آیت نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ قرآن کریم ہی نے جگہ جگہ صاف لفظوں میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں ہو سکتی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا خدا قرار دینا شرک اور کفر ہے۔ ان واضح آیتوں کو چھوڑ کر ”کلمۃ اللہ“ کے لفظ کو پکڑ بیٹھنا اور اس کی بنیاد پر ایسی تاویلیں کرنا جو قرآن کریم کی محکم آیات کے بالکل برخلاف ہیں، دل کے ٹیڑھ کی علامت ہے۔ حقیقت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ”کلمۃ اللہ“ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ باپ کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ کے کلمہ ”کن“ سے پیدا ہوئے تھے (جیسا کہ قرآن کریم نے اسی سورت کی آیت: ۵۹ میں بیان فرمایا ہے۔ اور انہیں ”روح من اللہ“ اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کی روح براہ راست اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی تھی۔ اب یہ بات انسان کی سمجھ سے بالاتر ہے کہ ”کن“ سے پیدا کرنے کی کیفیت کیا تھی؟ اور براہ راست ان کی روح کس طرح پیدا کی گئی؟ یہ امور متشابہات میں سے ہیں، اس لئے ان کی کھود کرید بھی منع ہے، (کیونکہ یہ باتیں انسان کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتیں) اور ان کی من مانی تاویل کر کے ان سے خدا کے بیٹے کا تصور برآمد کرنا بھی کج فہمی ہے۔



قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سِتْرٌ وَأَسْتَغْلِبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْبِهَادُ ۝ (۱۲) قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِتْنَتِ الَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ فَمَنْ تَقَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَهُمْ رَأَىٰ الْعَيْنِ ۖ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصَرِهِ مَن يَشَاءُ ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۝ (۱۳) زَيْنَ النَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۖ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْبَابِ ۝ (۱۴) قُلْ أَوْفَيْتُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَٰلِكُمْ ۖ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَرْوَاحٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ (۱۵)

جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے ان سے کہہ دو کہ تم مغلوب ہو گے اور تمہیں جمع کر کے جہنم کی طرف لے جایا جائے گا، اور وہ بہت بُرا بچھونا ہے۔ (۱۲)

تمہارے لئے ان دو گروہوں (کے واقعے) میں بڑی نشانی ہے جو ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے۔ ان میں سے ایک گروہ اللہ کے راستے میں لڑ رہا تھا، اور دوسرا کافروں کا گروہ تھا جو اپنے آپ کو کھلی آنکھوں ان سے کئی گنا زیادہ دیکھ رہا تھا۔ اور اللہ جس کی چاہتا ہے اپنی مدد سے تائید کرتا ہے۔ بیشک اس واقعے میں آنکھوں والوں کے لئے عبرت کا بڑا سامان ہے۔ (۱۳) لوگوں کے لئے ان چیزوں کی محبت خوشنما بنا دی گئی ہے جو ان کی نفسانی خواہش کے مطابق ہوتی ہیں، یعنی عورتیں، بچے، سونے چاندی کے لگے ہوئے ڈھیر، نشان لگائے ہوئے گھوڑے، چوپائے اور کھیتیاں۔ یہ سب دُنویٰ زندگی کا سامان ہے (لیکن) ابدی انجام کا حسن تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ (۱۴) کہہ دو! کیا میں تمہیں وہ چیزیں بتاؤں جو ان سب سے کہیں بہتر ہیں؟ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور پاکیزہ بیویاں ہیں، اور اللہ کی طرف سے خوشنودی ہے۔ اور تمام بندوں کو اللہ اچھی طرح دیکھ رہا ہے (۱۵)

(۴) اس سے دُنیا میں کافروں کے مغلوب ہونے کی پیش گوئی بھی مراد ہو سکتی ہے، اور آخرت میں مغلوب ہونے کی بھی۔  
(۵) پیچھے یہ پیشینگوئی کی گئی تھی کہ کفار مسلمانوں سے مغلوب ہوں گے۔ اب اس کی ایک مثال دینے کی غرض سے جنگِ بدر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں کافروں کا لشکر ایک ہزار مسلح لوگوں پر مشتمل تھا، اور مسلمانوں کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی۔ کافر کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے کہ ان کی تعداد کہیں زیادہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور کافروں کو شکستِ فاش کا سامنا کرنا پڑا۔



الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا أَمْنَا غُفِرَ لَنَا ذُنُوبُنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۲ الصَّابِرِينَ  
وَالصَّادِقِينَ وَالْقَنِتَّةِينَ وَالْمُسْتَفْقِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝۱۳ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا  
هُوَ ۝۱۴ وَالْمَلَكُةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۝۱۵ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝۱۶ إِنَّ الدِّينَ  
عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۝۱۷ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا  
بَيْنَهُمْ ۝۱۸ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝۱۹ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ  
وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۝۲۰ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَسْلَمْتُمْ ۝۲۱ فَإِنْ أَسْلَمُوا  
فَقَدْ اهْتَدَوْا ۝۲۲ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَدُ ۝۲۳ وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِالْعِبَادِ ۝۲۴ إِنَّ الَّذِينَ  
يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ حَقٍّ ۝۲۵ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ  
مِنَ النَّاسِ ۝۲۶ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝۲۷ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا  
وَالْآخِرَةِ ۝۲۸ وَمَالُهُمْ مِنْ نَصْرٍ ۝۲۹

یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب ہمارے گناہوں کو بخش دیجئے، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے۔“ ۱۲ یہ لوگ بڑے صبر کرنے والے ہیں، سچائی کے خوگر ہیں، عبادت گزار ہیں، (اللہ کی خوشنودی کے لئے) خرچ کرنے والے ہیں، اور سحری کے اوقات میں استغفار کرتے رہتے ہیں۔ ۱۳ اللہ نے خود اس بات کی گواہی دی ہے، اور فرشتوں اور اہل علم نے بھی، کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے انصاف کے ساتھ (کائنات کا) انتظام سنبھالا ہوا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جس کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ۱۴ بیشک (معتبر) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے الگ راستہ لاعلمی میں نہیں بلکہ علم آجانے کے بعد محض آپس کی ضد کی وجہ سے اختیار کیا، اور جو شخص بھی اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے تو (اسے یاد رکھنا چاہئے کہ) اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ۱۵ پھر بھی اگر یہ تم سے جھگڑیں تو کہہ دو کہ: ”میں نے تو اپنا رخ اللہ کی طرف کر لیا ہے، اور جنہوں نے میری اتباع کی ہے انہوں نے بھی۔“ اور اہل کتاب سے اور (عرب کے) اُن پڑھ (مشرکین) سے کہہ دو کہ کیا تم بھی اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر وہ اسلام لے آئیں تو ہدایت پا جائیں گے، اور اگر انہوں نے منہ موڑا تو تمہاری ذمہ داری صرف پیغام پہنچانے کی حد تک ہے، اور اللہ تمام بندوں کو خود دیکھ رہا ہے ۱۶ جو لوگ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں، اور انصاف کی تلقین کرنے والے لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں، ان کو دردناک عذاب کی ”خوشخبری“ سنا دو۔ ۱۷ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دُنیا اور آخرت میں غارت ہو چکے ہیں، اور ان کو کسی قسم کے مددگار نصیب نہیں ہوں گے۔ ۱۸



أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ فَرِيقًا مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٣٣﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَسْنَا النَّارَ إِلَّا أَيْامًا مَّعْدُودَاتٍ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٣٤﴾ فَكَيْفَ إِذَا جَعَلْنَاهُمْ لَيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۖ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٣٥﴾ قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنَزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَن تَشَاءُ وَتُزِيلُ مَن تَشَاءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٦﴾ تُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۖ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۖ وَتَرْزُقُ مَن تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٧﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا کہ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دی جاتی ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، اس کے باوجود ان میں سے ایک گروہ منہ موڑ کر انحراف کر جاتا ہے ﴿۳۳﴾ یہ سب اس لئے ہے کہ انہوں نے یہ کہا ہوا ہے کہ ہمیں گنتی کے چند دنوں کے سوا آگ ہر گز نہیں چھوے گی۔ اور انہوں نے جو جھوٹی باتیں تراش رکھی ہیں انہوں نے ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے ﴿۳۴﴾ بھلا اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم انہیں ایک ایسے دن (کا سامنا کرنے) کے لئے جمع کر لائیں گے جس کے آنے میں ذرا بھی شک نہیں ہے، اور ہر شخص نے جو کچھ کمائی کی ہوگی وہ اس کو پوری پوری دے دی جائے گی، اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا ﴿۳۵﴾ کہو کہ: ”اے اللہ! اے اقتدار کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے اقتدار چھین لیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رسوا کر دیتا ہے، تمام تر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے ﴿۳۶﴾ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور تو ہی بے جان چیز میں سے جاندار کو برآمد کر لیتا ہے اور جاندار میں سے بے جان چیز نکال لاتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے ﴿۳۷﴾

(۶) جب غزوہ احزاب کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشینگوئی فرمائی تھی کہ روم اور ایران کی سلطنتیں مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں گی تو کفار نے بڑا مذاق اڑایا کہ ان لوگوں کو اپنے دفاع کے لئے خندق کھودنی پڑ رہی ہے اور ان پر فاقے گذر رہے ہیں، مگر دعوے یہ ہیں کہ یہ روم اور ایران فتح کر لیں گے۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں مسلمانوں کو یہ دعا تلقین فرما کر ایک لطیف پیرائے میں ان کا جواب دے دیا گیا۔

(۷) سردیوں میں دن چھوٹا ہوتا ہے تو گرمیوں کے دن کا کچھ حصہ رات بن جاتا ہے، اور گرمیوں میں دن بڑا ہوتا ہے تو سردیوں کی رات کا کچھ حصہ دن میں داخل ہو جاتا ہے۔

(۸) مثلاً بے جان انڈے سے جاندار چوزہ نکل آتا ہے اور جاندار پرندے سے بے جان انڈا۔



لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿٢٨﴾ قُلْ إِنْ تَخْشَوْا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْذَرُوا يَعْلَمُهُ اللَّهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّبُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَتَذَكَّرُ أَنْ يَبَيِّنَ اللَّهُ لَهَا بَيْنَهُ أَمْدًا أَبْعَدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾

مؤمن لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا یا رومدگار نہ بنائیں۔ اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، الا یہ کہ تم ان (کے ظلم) سے بچنے کے لئے بچاؤ کا کوئی طریقہ اختیار کرو۔ اور اللہ تمہیں اپنے (عذاب) سے بچاتا ہے۔ اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے ﴿۲۸﴾ (اے رسول!) لوگوں کو بتادو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ اسے جان لے گا۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ سب جانتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿۲۹﴾ وہ دن یاد رکھو جس دن کسی بھی شخص نے نیکی کا جو کام کیا ہو گا اسے اپنے سامنے موجود پائے گا، اور بُرائی کا جو کام کیا ہو گا اس کو بھی (اپنے سامنے دیکھ کر) یہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کی بدی کے درمیان بہت دُور کا فاصلہ ہوتا! اور اللہ تمہیں اپنے (عذاب) سے بچاتا ہے، اور اللہ بندوں پر بہت شفقت رکھتا ہے ﴿۳۰﴾

(۹) ”یارومدگار“ عربی لفظ ”ولی“ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ ”ولی“ بنانے کو ”موالات“ بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد ایسی دوستی اور قلبی محبت کا تعلق ہے جس کے نتیجے میں دو آدمیوں کا مقصد زندگی اور ان کا نفع و نقصان ایک ہو جائے۔ اس قسم کا تعلق مسلمان کا صرف مسلمان ہی سے ہو سکتا ہے، اور کسی غیر مسلم سے ایسا تعلق رکھنا سخت گناہ ہے، اور اس آیت میں اسے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ یہی حکم سورۃ نساء (۴: ۱۳۹ و ۱۴۴)، سورۃ مائدہ (۵: ۵۱ و ۵۷ و ۸۱)، سورۃ توبہ (۹: ۲۳)، سورۃ مجادلہ (۵۸: ۲۲) اور سورۃ ممتحنہ (۱: ۶۰) میں بھی دیا گیا ہے۔ البتہ جو غیر مسلم جنگ کی حالت میں نہ ہوں ان کے ساتھ حسن سلوک، رواداری اور خیر خواہی کا معاملہ نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ہے، جیسا کہ خود قرآن کریم نے سورۃ ممتحنہ (۸: ۶۰) میں واضح فرما دیا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پوری حیات طیبہ میں یہی رہی ہے کہ آپ نے ہمیشہ ایسے لوگوں کے ساتھ احسان کا معاملہ فرمایا۔ اسی طرح ان کے ساتھ سیاسی اور اقتصادی تعاون کے وہ معاہدے اور تجارتی معاملات بھی کئے جاسکتے ہیں جن کو آج کل کی سیاسی اصطلاح میں دوستی کے معاہدے کہا جاتا ہے، بشرطیکہ یہ معاہدے یا معاملات اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف نہ ہوں، اور ان میں کسی خلاف شرع عمل کا ارتکاب لازم نہ آئے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد صحابہ کرام نے ایسے معاہدات



قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ ﴿۳۲﴾ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرٰهِيْمَ وَآلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی ۗ وَاللَّهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ ۗ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَ اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَ اِنِّیْ اُعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾

(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۳۱﴾ کہہ دو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر بھی اگر منہ موڑو گے تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا ﴿۳۲﴾ اللہ نے آدم، نوح، ابراہیم کے خاندان، اور عمران کے خاندان کو چن کر تمام جہانوں پر فضیلت دی تھی ﴿۳۳﴾ یہ ایسی نسل تھی جس کے افراد (نیکی اور اخلاص میں) ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے۔ ﴿۳۴﴾ اور اللہ (ہر ایک کی بات) سننے والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے ﴿۳۵﴾ (چنانچہ اللہ کے دُعا سننے کا وہ واقعہ یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا تھا کہ: ”یا رَبِّ! میں نے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے میں اسے ہر کام سے آزاد کر کے تیرے لئے وقف رکھوں گی۔ میری اس نذر کو قبول فرما۔ بیشک تو سننے والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔“ ﴿۳۶﴾ پھر جب ان سے لڑکی پیدا ہوئی تو وہ (حسرت سے) کہنے لگیں: ”یا رَبِّ! یہ تو مجھ سے لڑکی پیدا ہو گئی ہے“ — حالانکہ اللہ کو خوب علم تھا کہ ان کے یہاں کیا پیدا ہوا ہے — ”اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا۔ میں نے اس کا نام مریم رکھ دیا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطانِ مردود سے حفاظت کے لئے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔“ ﴿۳۷﴾

اور معاملات کئے ہیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ موالات کی ممانعت کرنے کے بعد قرآنِ کریم نے جو فرمایا ہے کہ: ”إِلَّا يَهْدِي اللَّهُ فِتْنَةً“ (کے ظلم) سے بچنے کے لئے بچاؤ کا کوئی طریقہ اختیار کرو“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کفار کے ظلم و تشدد سے بچاؤ کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا پڑے جس سے بظاہر موالات معلوم ہوتی ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

(۱۰) آیت کا یہ ترجمہ حضرت قتادہؓ کی تفسیر پر مبنی ہے (دیکھئے روح المعانی ۳: ۱۷۶) واضح رہے کہ عمران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا بھی نام ہے، اور حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا بھی، یہاں دونوں مراد ہو سکتے ہیں، لیکن چونکہ آگے حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ آرہا ہے، اس لئے ظاہر یہ ہے کہ یہاں حضرت مریم علیہا السلام ہی کے والد مراد ہیں۔



فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ ۖ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۖ وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَ هَارِزُوقًا ۖ قَالَ لِيَرْيِمُ أَفِي لَكَ هَذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلَكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ ۖ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝

چنانچہ اس کے رَب نے اس (مریم) کو بطریق احسن قبول کیا اور اسے بہترین طریقے سے پروان چڑھایا۔ اور زکریا اس کے سرپرست بنے۔ جب بھی زکریا ان کے پاس ان کی عبادت گاہ میں جاتے، ان کے پاس کوئی رزق پاتے۔ انہوں نے پوچھا: ”مریم! تمہارے پاس یہ چیزیں کہاں سے آئیں؟“ وہ بولیں: ”اللہ کے پاس سے! اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔“ اس موقع پر زکریا نے اپنے رَب سے دُعا کی، کہنے لگے: ”یا رَب! مجھے خاص اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرمادے۔ بیشک تو دُعا کا سننے والا ہے۔“ چنانچہ (ایک دن) جب زکریا عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، فرشتوں نے انہیں آواز دی کہ: ”اللہ آپ کو یحییٰ کی (پیدائش) کی خوشخبری دیتا ہے جو اس شان سے پیدا ہوں گے کہ اللہ کے ایک کلمے کی تصدیق کریں گے، لوگوں کے پیشوا ہوں گے، اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے مکمل طور پر روکے ہوئے ہوں گے، اور نبی ہوں گے اور ان کا شمار راست بازوں میں ہوگا۔“

(۱۱) حضرت عمران بیت المقدس کے امام تھے؛ ان کی اہلیہ کا نام حنہ تھا۔ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی، اس لئے انہوں نے نذرمانی تھی کہ اگر ان کے کوئی اولاد ہوگی تو وہ اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دیں گی۔ جب حضرت مریم پیدا ہوئیں تو حضرت عمران کا انتقال ہو گیا، حضرت حنہ کے بہنوئی زکریا علیہ السلام تھے جو حضرت مریم کے خالو ہوئے۔ حضرت مریم کی سرپرستی کا مسئلہ پیدا ہوا تو قرعہ اندازی کے ذریعے اس کا فیصلہ کیا گیا اور قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا جس کا ذکر آگے اسی سورت کی آیت نمبر ۴۴ میں آرہا ہے۔

(۱۲) حضرت مریم علیہا السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بے موسم کے پھل آیا کرتے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دیکھا تو انہیں توجہ ہوئی کہ جو خدا ان کو بے موسم کے پھل دیتا ہے وہ مجھے اس بڑھاپے میں اولاد بھی دے سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ دُعا مانگی۔

(۱۳) ”اللہ کے کلمے“ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جیسا کہ اس سورت کے شروع میں اُپر واضح کیا گیا ہے انہیں ”کلمۃ اللہ“ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ باپ کے بغیر اللہ کے کلمہ ”کن“ سے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام ان سے پہلے پیدا ہوئے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی تصدیق فرمائی۔

(۱۴) حضرت یحییٰ علیہ السلام کی یہ خاص صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات پر پورا قابو رکھنے والے ہوں گے۔ یہ



قَالَ رَبِّ اَنۡیۡ یَّکُوۡنُ لِیۡ عُلۡمٌۭ وَقَدۡ بَلَغَنِیۡ الْکِبَرُ وَاُمِّرَ اَتِیۡ عَاقِرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِکَ اَللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِیۡ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُکَ لَا تُکَلِّمُ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا سَرْمَزًا ؕ وَاذۡکُرۡ رَبَّکَ کَثِیۡرًا وَّسَبِّحۡ بِالْعَشِیِّ وَالْاُبۡکَارِ ۝ وَاذۡقَالَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ یٰمَرِیۡمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰکِ وَطَهَّرَکِ وَاَصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیۡنَ ۝ یٰمَرِیۡمُ اقْنِیۡ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِیۡ وَاُرَاکِیۡ مَعَ الرُّکِیۡنَ ۝

زکریا نے کہا: ”یا رَب! میرے یہاں لڑکا کس طرح پیدا ہوگا جبکہ مجھے بڑھاپا آ پہنچا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے؟“ اللہ نے کہا: ”اسی طرح! اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“ ۝ انہوں نے کہا: ”پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے۔“ اللہ نے کہا: ”تمہاری نشانی یہ ہوگی کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا کوئی بات نہیں کر سکو گے۔ اور اپنے رَب کا کثرت سے ذکر کرتے رہو، اور ڈھلے دن کے وقت بھی اور صبح سویرے بھی اللہ کی تسبیح کیا کرو۔“ ۝ اور (اب اس وقت کا تذکرہ سنو) جب فرشتوں نے کہا تھا کہ: ”اے مریم! بیشک اللہ نے تمہیں چن لیا ہے، تمہیں پاکیزگی عطا کی ہے اور دنیا جہان کی ساری عورتوں میں تمہیں منتخب کر کے فضیلت بخشی ہے ۝ اے مریم! تم اپنے رَب کی عبادت میں لگی رہو، اور سجدہ کرو اور رُکوع کرنے والوں کے ساتھ رُکوع بھی کیا کرو۔“ ۝

صفت اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام میں پائی جاتی ہے، لیکن ان کا خاص طور سے اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس درجہ مشغول رہتے تھے کہ ان کو نکاح کرنے کی طرف رغبت نہیں ہوئی۔ اگرچہ عام حالات میں نکاح سنت ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنے نفس پر اتنا قابو یافتہ ہو جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے تو اس کے لئے کنوارا رہنا بلا کراہت جائز ہے۔

(۱۵) دُعا حضرت زکریا علیہ السلام نے خود مانگی تھی، اس لئے یہ سوال خدا نخواستہ کسی بے یقینی کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ ایک غیر معمولی نعمت کی خبر سن کر تعجب کا اظہار تھا جو درحقیقت شکر کا ایک انداز ہے۔ نیز سوال کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کیا بچہ اسی بڑھاپے کی حالت میں پیدا ہو جائے گا یا ہماری جوانی لوٹا دی جائے گی؟ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: ”اسی طرح!“ یعنی لڑکا اسی بڑھاپے کی حالت میں پیدا ہوگا۔

(۱۶) حضرت زکریا علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایسی نشانی معلوم ہو جائے جس سے یہ پتہ چل جائے کہ اب حمل قرار پا گیا ہے، تاکہ وہ اسی وقت سے شکر ادا کرنے میں لگ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نشانی بتلائی کہ جب حمل قرار پائے گا تو تم پر ایسی حالت طاری ہو جائے گی کہ تم اللہ کے ذکر اور تسبیح کے سوا کسی سے کوئی بات نہیں کر سکو گے، اور بات کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اشاروں سے کرنی ہوگی۔



ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ اِلَيْكَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اذْ يُلْقَوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ  
 مَرْيَمَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۳۰ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يَبْشُرُكَ  
 بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اَسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيسٰى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ  
 الْمُقَرَّبِيْنَ ۝۳۱ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۳۲ قَالَتْ رَبِّ اَنْتِ يَكُوْنُ لِيْ  
 وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۖ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهُ  
 كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۳۳ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳۴

(اے پیغمبر!) یہ سب غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے تمہیں دے رہے ہیں۔ تم اُس وقت ان کے پاس نہیں  
 تھے جب وہ یہ طے کرنے کے لئے اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا، اور نہ اس  
 وقت تم ان کے پاس تھے جب وہ (اس مسئلے میں) ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے تھے ۝۳۰ (وہ وقت بھی یاد  
 کرو) جب فرشتوں نے مریم سے کہا تھا کہ: ”اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے ایک کلمے کی (پیدائش) کی خوشخبری  
 دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا، جو دنیا اور آخرت دونوں میں صاحبِ وجاہت ہوگا، اور (اللہ کے)  
 مقرب بندوں میں سے ہوگا ۝۳۱ اور وہ گہوارے میں بھی لوگوں سے بات کرے گا اور بڑی عمر میں بھی، اور راست باز  
 لوگوں میں سے ہوگا۔“ ۝۳۲ مریم نے کہا: ”پروردگار! مجھ سے لڑکا کیسے پیدا ہو جائے گا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک  
 نہیں؟“ اللہ نے فرمایا: ”اللہ اسی طرح جس کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کوئی کام کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو  
 صرف اتنا کہتا ہے کہ ”ہو جا“ بس وہ ہو جاتا ہے ۝۳۳ اور وہی (اللہ) اس کو (یعنی عیسیٰ ابن مریم کو) کتاب و حکمت اور  
 تورات و انجیل کی تعلیم دے گا ۝۳۴

(۱۷) جیسا کہ اوپر آیت نمبر ۳ میں ذکر کیا گیا، حضرت مریم علیہا السلام کے والد کی وفات کے بعد ان کی کفالت کے بارے  
 میں اختلاف رائے پیدا ہوا تو اس کا فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعے کیا گیا۔ اس زمانے میں قرعہ قلموں کے ذریعے ڈالا جاتا تھا اس  
 لئے یہاں قلم ڈالنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۸) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہنے کی وجہ اوپر حاشیہ نمبر ۱۳ میں گذر چکی ہے۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی واضح کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزے کے طور پر  
 اس وقت بات کرنے کی قدرت عطا فرمائی تھی جب وہ دودھ پیتے بچے تھے۔ اس کا ذکر سورہ مریم (آیت نمبر ۲۹ تا ۳۳)  
 میں آیا ہے۔



وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآءَ ۖ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْكَلِمَةَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمِمَّا تَدَّخِرُونَ ۚ إِنِّي فِي ذَٰلِكَ لَآيَةٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَلَا حِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۖ ﴿٢١﴾ إِنَّ اللَّهَ رَآبِي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٢٢﴾ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۚ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ ۖ آمَنَّا بِاللَّهِ ۖ وَأَشْهَدُ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٢٣﴾

اور اسے بنی اسرائیل کے پاس رسول بنا کر بھیجے گا (جو لوگوں سے یہ کہے گا) کہ: ”میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں، (اور وہ نشانی یہ ہے) کہ میں تمہارے سامنے گارے سے پرندے جیسی ایک شکل بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں، تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے، اور میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کر دیتا ہوں، اور مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں، اور تم لوگ جو کچھ اپنے گھروں میں کھاتے یا ذخیرہ کر کے رکھتے ہو میں وہ سب بتا دیتا ہوں۔“ اگر تم ایمان لانے والے ہو تو ان تمام باتوں میں تمہارے لئے (کافی) نشانی ہے ﴿۲۰﴾ اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے، یعنی تورات، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور (اس لئے بھیجا گیا ہوں) تاکہ کچھ چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں، اب تمہارے لئے حلال کر دوں۔“ اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، لہذا اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ﴿۲۱﴾ بیشک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ یہی سیدھا راستہ ہے (کہ صرف اسی کی عبادت کرو) ﴿۲۲﴾ پھر جب عیسیٰ نے محسوس کیا کہ وہ کفر پر آمادہ ہیں، تو انہوں نے (اپنے پیروں سے) کہا: ”کون کون لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں میرے مددگار ہوں؟“ حواریوں نے کہا: ”ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور آپ گواہ رہے کہ ہم فرماں بردار ہیں ﴿۲۳﴾

﴿۲۰﴾ یہ سب معجزے تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی نبوت کے ثبوت کے طور پر عطا فرمائے تھے، اور آپ نے ان کا عملی مظاہرہ فرمایا۔

﴿۲۱﴾ بنی اسرائیل کے لئے موسوی شریعت میں بعض چیزیں حرام کی گئی تھیں، مثلاً اُونٹ کا گوشت اور چربی، بعض پرندے اور مچھلیوں کی بعض اقسام۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں انہیں جائز قرار دے دیا گیا۔

﴿۲۲﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ کو حواری کہا جاتا ہے۔



رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أُنزِلَتْ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿۵۳﴾ وَمَكْرُؤًا مَكَرَ اللَّهِ ۖ وَ  
 اللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَرَافِعُكَ اِلَى وَمُطَهِّرُكَ مِنَ  
 الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاجْعَلْ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَى  
 مَرْجِعِكُمْ فَاَحْكُمْ بَيْنَكُمْ فِىْ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاَعَذِّبْهُمْ  
 عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَالَهُمْ مِّنْ نَّصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا  
 الصَّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾

اے ہمارے رب! آپ نے جو کچھ نازل کیا ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے رسول کی اتباع کی ہے، لہذا ہمیں ان لوگوں میں لکھ لیجئے جو (حق کی) گواہی دینے والے ہیں۔“ ﴿۵۳﴾ اور ان کافروں نے (عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف) خفیہ تدبیر کی، اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے ﴿۵۴﴾ (اس کی تدبیر اس وقت سامنے آئی) جب اللہ نے کہا تھا کہ: ”اے عیسیٰ! میں تمہیں صحیح سالم واپس لے لوں گا، اور تمہیں اپنی طرف اٹھالوں گا، اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے ان (کی ایذا) سے تمہیں پاک کر دوں گا۔ اور جن لوگوں نے تمہاری اتباع کی ہے، ان کو قیامت کے دن تک ان لوگوں پر غالب رکھوں گا جنہوں نے تمہارا انکار کیا ہے۔ پھر تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، اس وقت میں تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ ﴿۵۵﴾ چنانچہ جو لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے کفر اپنالیا ہے، ان کو تو میں دُنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا، اور ان کو کسی طرح کے مددگار میسر نہیں آئیں گے ﴿۵۶﴾ البتہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کو اللہ ان کا پورا پورا ثواب دے گا، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۵۷﴾

(۲۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالفین نے انہیں سولی پر چڑھانے کا منصوبہ بنایا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا اور جو لوگ آپ کو گرفتار کرنے آئے تھے ان میں سے ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا، اور مخالفین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دھوکے میں اسے سولی پر چڑھا دیا۔ آیت کا جو ترجمہ یہاں کیا گیا ہے وہ عربی لفظ ”توفی“ کے لغوی معنی پر مبنی ہے، اور مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہاں یہی معنی مراد لئے ہیں۔ اس لفظ کی ایک اور تشریح بھی ممکن ہے جو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ اس کے لئے ملاحظہ ہو معارف القرآن ص: ۷۴ ج: ۲۔

(۲۴) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے (خواہ انہیں صحیح طور پر مانتے ہوں جیسے مسلمان، یا غلو کے ساتھ مانتے ہوں جیسے عیسائی) ان کے مخالفین پر ہمیشہ غالب رہیں گے۔ چنانچہ تاریخ میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے، البتہ صدیوں کی تاریخ میں اگر کچھ مختصر عرصے کے لئے جزوی طور پر کہیں ان کے مخالفین کا غلبہ ہو گیا ہو تو وہ اس کے منافی نہیں ہے۔



ذٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿٥٦﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٥٧﴾ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُسْتَرِيْنِ ﴿٥٨﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۖ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتِ اللّٰهِ عَلٰى الْكَٰذِبِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِنَّ هٰذَا لَهٗوَ الْقَصَصِ الْحَقِّ ۚ وَمِمِّنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهٗوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٠﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦١﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوْا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٦٢﴾

(اے پیغمبر!) یہ وہ آیتیں اور حکمت بھراؤ کر ہے جو ہم تمہیں پڑھ کر سنار ہے ہیں ﴿۵۶﴾ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم جیسی ہے؛ اللہ نے انہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر ان سے کہا: ”ہو جاؤ“ بس وہ ہو گئے ﴿۵۷﴾ حق وہی ہے جو تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے، لہذا شک کرنے والوں میں شامل نہ ہو جانا ﴿۵۸﴾ تمہارے پاس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا) جو صحیح علم آگیا ہے اس کے بعد بھی جو لوگ اس معاملے میں تم سے بحث کریں تو ان سے کہہ دو کہ: ”آؤ، ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو، اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو، اور ہم اپنے لوگوں کو اور تم اپنے لوگوں کو، پھر ہم سب مل کر اللہ کے سامنے گڑ گڑائیں، اور جو جھوٹے ہوں ان پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔“ ﴿۵۹﴾ یقیناً جانو کہ واقعات کا سچا بیان یہی ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور یقیناً اللہ ہی ہے جو اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ﴿۶۰﴾ پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو اللہ مفسدوں کو اچھی طرح جانتا ہے ﴿۶۱﴾

(مسلمانو! یہود و نصاریٰ سے) کہہ دو کہ: ”اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہم تم میں مشترک ہو، (اور وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور اللہ کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔“ پھر بھی اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو: ”گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔“ ﴿۶۲﴾

(۲۵) اس عمل کو مباہلہ کہا جاتا ہے۔ جب بحث کا کوئی فریق دلائل کو تسلیم کرنے کے بجائے ہٹ دھرمی پر تل جائے تو آخری راستہ یہ ہے کہ اسے مباہلہ کی دعوت دی جائے جس میں دونوں فریق اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا یا باطل پر ہو وہ ہلاک ہو جائے۔ جیسا کہ اس سورت کے شروع میں بیان ہوا ہے، شہر نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا، اس نے آپ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی پر بحث کی جس کا اطمینان بخش جواب قرآن کریم کی طرف



يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْ اِبْرٰهِيْمَ وَمَا اُنْزِلَتْ التَّوْرَةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِ هٗ ط  
 اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۵ هَآنَتُمْ هَٰؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فَيَمَّا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فَيَمَّا لَيْسَ لَكُمْ  
 بِهِ عِلْمٌ ۝۱۶ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۷ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ  
 حَنِيفًا مُّسْلِمًا ۝۱۸ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۹ اِنَّ اَوَّلِيَ النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لِلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ  
 وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۝۲۰ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲۱ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ  
 يُضِلُّوْكُمْ ۝۲۲ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۲۳

اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں بحث کرتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی تو نازل ہوئی  
 تھیں؛ کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں ہے؟ ۱۵ دیکھو! یہ تم ہی تو ہو جنہوں نے اُن معاملات میں اپنی سی بحث کر لی ہے جن کا  
 تمہیں کچھ نہ کچھ علم تھا۔ اب ان معاملات میں کیوں بحث کرتے ہو جن کا تمہیں سرے سے کوئی علم ہی نہیں ہے؟ اللہ جانتا  
 ہے، اور تم نہیں جانتے ۱۶ ابراہیم نہ یہودی تھے، نہ نصرانی، بلکہ وہ تو سیدھے سیدھے مسلمان تھے، اور شرک کرنے  
 والوں میں کبھی شامل نہیں ہوئے ۱۷ ابراہیم کے ساتھ تعلق کے سب سے زیادہ حق دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی  
 پیروی کی، نیز یہ نبی (آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ لوگ ہیں جو (ان پر) ایمان لائے ہیں۔ اور اللہ مومنوں کا  
 کارساز ہے ۱۸ (مسلمانو!) اہل کتاب کا ایک گروہ یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو گمراہ کر دے، حالانکہ وہ اپنے سوا کسی اور کو  
 گمراہ نہیں کر رہے، اگرچہ انہیں اس کا احساس نہیں ہے ۱۹

سے پچھلی آیتوں میں دے دیا گیا۔ جب وہ کھلے دلائل کے باوجود اپنی گمراہی پر اصرار کرتے رہے تو اس آیت نے آنحضرت صلی  
 اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ انہیں مباہلے کی دعوت دیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ دعوت دی اور خود اس کے لئے تیار  
 ہو کر اپنے اہل بیت کو بھی جمع فرمایا، لیکن عیسائیوں کا وفد مباہلے سے فرار اختیار کر گیا۔

۲۱) یہودی کہا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے، اور عیسائی کہتے تھے کہ وہ عیسائی تھے۔ اول تو قرآن کریم  
 نے فرمایا کہ یہ دونوں مذہب تورات اور انجیل کے نزول کے بعد وجود میں آئے، جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت پہلے گذر چکے  
 تھے، لہذا یہ انتہائی احمقانہ بات ہے کہ انہیں یہودی یا عیسائی کہا جائے۔ اس کے بعد قرآن کریم نے فرمایا کہ جب تمہارے وہ  
 دلائل جو کسی نہ کسی صحیح حقیقت پر مبنی تھے، تمہارے دعووں کو ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے  
 بارے میں یہ بے بنیاد اور جاہلانہ بات کیسے تمہارے دعوے کو ثابت کر سکتی ہے؟ مثلاً تمہیں یہ معلوم تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام  
 بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، اور اس کی بنیاد پر تم نے ان کی خدائی کی دلیل پیش کر کے بحث کی، مگر کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ  
 بغیر باپ کے پیدا ہونا کسی کی خدائی کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ حضرت آدم علیہ السلام تو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے



يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٢٧﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبُسُونَ  
 الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾ وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنُوا  
 بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَكَفَرُوا بَآخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٩﴾ وَلَا  
 تُؤْمِنُوا إِلَّا بِمَا نُنَازِلُكُمْ ۖ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ ۚ أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيْتُمْ  
 أَوْ يُحَاجُّكُمْ عِندَ رَبِّكُمْ ۖ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ  
 عَلِيمٌ ﴿٣٠﴾ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٣١﴾

اے اہل کتاب! اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم خود (ان کے من جانب اللہ ہونے کے) گواہ ہو؟ ﴿۲۷﴾  
 اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں گڈمڈ کرتے ہو اور کیوں جان بوجھ کر حق بات کو چھپاتے ہو؟ ﴿۲۸﴾ اہل کتاب  
 کے ایک گروہ نے (ایک دوسرے سے) کہا ہے کہ: ”جو کلام مسلمانوں پر نازل کیا گیا ہے، اس پر دن کے شروع  
 میں تو ایمان لے آؤ، اور دن کے آخری حصے میں اس سے انکار کر دینا، شاید اس طرح مسلمان (بھی اپنے دین سے) پھر  
 جائیں۔“ ﴿۲۹﴾ مگر دل سے اُن لوگوں کے سوا کسی کی نہ ماننا جو تمہارے دین کے متبع ہیں۔“ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ  
 ہدایت تو وہی ہدایت ہے جو اللہ کی دی ہوئی ہو۔ یہ ساری باتیں تم اس ضد میں کر رہے ہو کہ کسی کو اُس جیسی چیز (یعنی  
 نبوت اور آسمانی کتاب) کیوں مل گئی جیسی کبھی تمہیں دی گئی تھی یا یہ (مسلمان) تمہارے رب کے آگے تم پر غالب  
 کیوں آ گئے!“ آپ کہہ دیجئے کہ فضیلت تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے، اور اللہ بڑی  
 وسعت والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے ﴿۳۰﴾ وہ اپنی رحمت کے لئے جس کو چاہتا ہے خاص طور پر منتخب کر لیتا ہے، اور اللہ  
 فضلِ عظیم کا مالک ہے ﴿۳۱﴾

تھے، مگر ان کو تم بھی خدا یا خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔ جب تمہاری وہ دلیلیں بھی کام نہ آ سکیں جو اس صحیح واقعے پر مبنی تھیں تو یہ سراسر  
 جاہلانہ بات کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نصرانی یا یہودی تھے، کیسے تمہارے لئے کارآمد ہو سکتی ہے؟  
 ﴿۲۷﴾ یہاں آیتوں سے مراد تورات اور انجیل کی وہ آیتیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی گئی  
 تھی، اور مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تم تورات اور انجیل کے من جانب اللہ ہونے کی گواہی دیتے ہو، اور دوسری طرف ان  
 پیشینگوئیوں کے مصداق یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے ہو جو بالواسطہ ان آیتوں کا انکار ہے۔

﴿۲۸﴾ بعض یہودیوں نے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے یہ اسکیم بنائی تھی کہ ان میں سے کچھ لوگ صبح کے وقت  
 اسلام لانے کا اعلان کر دیں، اور پھر شام کو یہ کہہ کر اسلام سے پھر جائیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب سے



وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِقِطَاعِ يُودِّعُ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِدِينَارٍ  
لَا يُودِّعُ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّينَ  
سَبِيلٌ ۚ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵۵﴾ بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ  
اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۵۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا  
خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۚ وَلَهُمْ  
عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُنَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا  
هُوَ مِنَ الْكِتَابِ ۚ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ  
الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵۷﴾

اہل کتاب میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس دولت کا ایک ڈھیر بھی امانت کے طور پر رکھو تو وہ تمہیں واپس  
کر دیں گے، اور انہی میں سے کچھ ایسے ہیں کہ اگر ایک دینار کی امانت بھی ان کے پاس رکھو تو وہ تمہیں واپس نہیں  
دیں گے، الا یہ کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو۔ ان کا یہ طرز عمل اس لئے ہے کہ انہوں نے یہ کہہ رکھا ہے کہ: ”اُمیوں  
(یعنی غیر یہودی عربوں) کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہماری کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔“ اور (اس طرح) وہ اللہ پر جان بوجھ کر  
جھوٹ باندھتے ہیں ﴿۵۵﴾ بھلا پکڑ کیوں نہیں ہوگی؟ (قاعدہ یہ ہے کہ) جو اپنے عہد کو پورا کرے گا اور گناہ سے بچے گا تو  
اللہ ایسے پر ہیزگاروں سے محبت کرتا ہے ﴿۵۶﴾ (اس کے برخلاف) جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے عہد اور اپنی کھائی ہوئی  
قسموں کا سودا کر کے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، اور قیامت کے دن نہ اللہ  
ان سے بات کرے گا، نہ انہیں (رعایت کی نظر سے) دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کا حصہ تو بس عذاب ہوگا،  
انتہائی دردناک! ﴿۵۷﴾ اور انہی میں سے ایک گروہ کے لوگ ایسے ہیں جو کتاب (یعنی تورات) پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو  
مروڑتے ہیں تاکہ تم (ان کی مروڑ کر بنائی ہوئی) اس عبارت کو کتاب کا حصہ سمجھو، حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہوتی۔ اور  
وہ کہتے ہیں کہ یہ (عبارت) اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی۔ اور (اس طرح) وہ اللہ پر  
جانتے بوجھتے جھوٹ باندھتے ہیں ﴿۵۸﴾

جا کر دیکھ لیا، آپ وہ پیغمبر نہیں ہیں جن کی خبر تورات میں دی گئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح کچھ مسلمان یہ سوچ کر اسلام سے  
برگشتہ ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ جو تورات کے عالم ہیں جب اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی اس نتیجے پر پہنچے ہیں تو ان کی بات  
میں ضرور وزن ہوگا۔



مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۝ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۚ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۚ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا ۚ وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ أَفَغَيْرِ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝

یہ کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے، اور وہ اس کے باوجود لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ اس کے بجائے (وہ تو یہی کہے گا کہ) اللہ والے بن جاؤ، کیونکہ تم جو کتاب پڑھاتے رہے ہو اور جو کچھ پڑھتے رہے ہو، اس کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے ۝ اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے سکتا ہے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا قرار دے دو۔ جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا اس کے بعد وہ تمہیں کفر اختیار کرنے کا حکم دے گا؟ ۝ اور (ان کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ: ”اگر میں تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے، تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے، اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔“ اللہ نے (ان پیغمبروں سے) کہا تھا کہ: ”کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور میری طرف سے دی ہوئی یہ ذمہ داری اٹھاتے ہو؟“ انہوں نے کہا تھا: ”ہم اقرار کرتے ہیں۔“ اللہ نے کہا: ”تو پھر (ایک دوسرے کے اقرار کے) گواہ بن جاؤ، اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی میں شامل ہوں ۝ اس کے بعد بھی جو لوگ (ہدایت سے) منہ موڑیں گے تو ایسے لوگ نافرمان ہوں گے۔“ ۝ اب کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کی تلاش میں ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوقات ہیں ان سب نے اللہ ہی کے آگے گردن جھکا رکھی ہے، (کچھ نے) خوشی سے اور (کچھ نے) ناچار ہو کر، اور اسی کی طرف وہ سب لوٹ کر جائیں گے ۝

(۲۹) یہ عیسائیوں کی تردید ہو رہی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا مان کر گویا یہ دعویٰ کرتے تھے کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہی ان کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔ یہی حال ان بعض یہودی فرقوں کا تھا جو حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے۔ (۳۰) مطلب یہ ہے کہ پوری کائنات میں حکم اللہ تعالیٰ ہی کا چلتا ہے۔ اہل ایمان اللہ کے ہر حکم کو دل و جان سے بخوشی قبول



قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ  
وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْهُمْ  
وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ  
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْاۤ اِبْعَادَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْا اَنَّ الرّٰسُوْلَ حَقٌّ وَّ  
جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَا وَّهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ  
اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ  
يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۸﴾ اِنَّ  
الَّذِيْنَ كَفَرُوْاۤ اِبْعَادَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ اٰزْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تَقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰلُوْنَ ﴿۸۹﴾

کہہ دو کہ: ”ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو (کتاب) ہم پر اتاری گئی اُس پر، اور اُس (ہدایت) پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور (ان کی) اولاد پر ان کے پروردگار کی طرف سے اتاری گئی، اور اُن باتوں پر جو موسیٰ، عیسیٰ اور (دوسرے) پیغمبروں کو عطا کی گئیں۔ ہم ان (پیغمبروں) میں سے کسی کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے، اور ہم اسی (ایک اللہ) کے آگے سر جھکائے ہوئے ہیں۔“ ﴿۸۳﴾ جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا، تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ﴿۸۴﴾ اللہ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت دے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا؟ حالانکہ وہ گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول سچے ہیں، اور ان کے پاس (اس کے) روشن دلائل بھی آچکے تھے۔ اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ﴿۸۵﴾ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی پھٹکار ہے ﴿۸۶﴾ اسی (پھٹکار) میں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ان کے لئے عذاب ہلکا کیا جائے گا، اور نہ انہیں کوئی مہلت دی جائیگی ﴿۸۷﴾ البتہ جو لوگ اس سب کے بعد بھی توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں، تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۸۸﴾ (اس کے برخلاف) جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا، پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی، ایسے لوگ راستے سے بالکل ہی بھٹک چکے ہیں۔ ﴿۸۹﴾

کرتے ہیں، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے بھی نہ ہوں ان کو بھی چاروں اچار اللہ کے ان فیصلوں کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے جو وہ اس کائنات کے انتظام کے لئے کرتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ اگر کسی کو بیمار کرنے کا فیصلہ فرمائے تو کوئی اسے پسند کرے یا نا پسند، ہر حال میں وہ فیصلہ نافذ ہو کر رہتا ہے، اور کوئی مؤمن ہو یا کافر، اسے فیصلے کے آگے سر جھکائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔  
(۳۱) یعنی جب تک وہ کفر سے توبہ کر کے ایمان نہیں لائیں گے، دوسرے گناہوں سے ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔



إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلٌّ إِلَّا رُضْ ذَهَبًا وَلَوْ  
 افْتَدَى بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَالَهُمْ مِنْ نُصْرِينَ ﴿٩١﴾ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا  
 مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٩٢﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي  
 إِسْرَآءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآءِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَةُ ۚ قُلْ فَأْتُوا  
 بِالتَّوْرَةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٩٣﴾

جن لوگوں نے کفر اپنایا اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے، ان میں سے کسی سے پوری زمین بھر کر سونا بھی قبول نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے اس کی پیشکش ہی کیوں نہ کرے۔ ان کو تو دردناک عذاب ہو کر رہے گا، اور ان کو کسی قسم کے مددگار میسر نہیں آئیں گے۔ ﴿۹۱﴾

تم نیکی کے مقام تک اس وقت تک ہر گز نہیں پہنچو گے جب تک ان چیزوں میں سے (اللہ کے لئے) خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہیں۔ اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو، اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ ﴿۹۲﴾ تورات کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام چیزیں (جو مسلمانوں کے لئے حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لئے (بھی) حلال تھیں، سوائے اُس چیز کے جو اسرائیل (یعنی یعقوب علیہ السلام) نے اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔ (اے پیغمبر! یہودیوں سے) کہہ دو کہ: ”اگر تم سچے ہو تو تورات لے کر آؤ اور اس کی تلاوت کرو۔“ ﴿۹۳﴾

﴿۳۲﴾ پیچھے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۶۷ میں یہ حکم گزرا ہے کہ صرف خراب اور ردی قسم کی چیزیں صدقے میں نہ دیا کرو، بلکہ اچھی چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو۔ اب اس آیت میں مزید آگے بڑھ کر یہ کہا جا رہا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ اچھی چیزیں اللہ کی خوشنودی کے لئے دو، بلکہ جن چیزوں سے تمہیں زیادہ محبت ہے، ان کو اس راہ میں نکالو تا کہ صحیح معنی میں اللہ کے لئے قربانی کا مظاہرہ ہو سکے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے اپنی سب سے زیادہ پسندیدہ چیزیں صدقہ کرنی شروع کر دیں جس کے بہت سے واقعات حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ملاحظہ ہو معارف القرآن جلد دوم ص: ۱۰۷ و ۱۰۸۔

﴿۳۳﴾ بعض یہودیوں نے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہیں، حالانکہ آپ اُونٹ کا گوشت کھاتے ہیں، جو تورات کی رو سے حرام ہے۔ ان آیات میں اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اُونٹ کا گوشت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں حرام نہیں تھا، بلکہ تورات نازل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل کے لئے بھی وہ سب چیزیں حلال تھیں جو آج مسلمانوں کے لئے حلال ہیں۔ البتہ ہوا یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اُونٹ کا گوشت اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، جس کی وجہ حضرت ابن عباسؓ نے یہ بتائی ہے کہ ان کو عرق النساء کی بیماری تھی، اور انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر مجھے اس بیماری سے شفا ہو گئی تو میں اپنے کھانے کی سب سے پسندیدہ چیز چھوڑ دوں گا۔ انہیں اُونٹ کا



۹۳

فَمَنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٩٣﴾ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ قَدْ  
فَاتَّبَعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ  
لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ﴿٩٥﴾

پھر ان باتوں کے (واضح ہونے کے) بعد بھی جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھیں، تو ایسے لوگ بڑے ظالم ہیں ﴿۹۳﴾ آپ  
کہتے کہ اللہ نے سچ کہا ہے، لہذا تم ابراہیم کے دین کا اتباع کرو جو پوری طرح سیدھے راستے پر تھے، اور ان لوگوں میں  
سے نہیں تھے جو اللہ کی خدائی میں کسی کو شریک مانتے ہیں ﴿۹۴﴾ حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت)  
کے لئے بنایا گیا یقینی طور پر وہ ہے جو مکہ میں واقع ہے (اور) بنانے کے وقت ہی سے برکتوں والا اور دنیا جہان کے  
لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان ہے۔ ﴿۹۵﴾

گوشت سب سے زیادہ پسند تھا، اس لئے شفا حاصل ہونے پر انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ (روح المعانی بحوالہ مستدرک حاکم بسند  
صحیح) اب قرآن کریم نے یہاں صریح الفاظ میں یہ بات نہیں بتائی کہ آیا اس کے بعد یہ گوشت بنی اسرائیل پر بھی حرام کر دیا گیا تھا  
یا نہیں، لیکن سورہ نساء (۱۶۰:۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر بہت سی اچھی چیزیں  
بھی حرام کر دی گئی تھیں۔ اور اسی سورت کی آیت نمبر ۵۰ میں گزر چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا تھا  
کہ: ”اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے، یعنی تورات، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور (اس لئے بھیجا گیا ہوں) تاکہ  
کچھ چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں، اب تمہارے لئے حلال کر دوں۔“ نیز یہاں ”تورات نازل ہونے سے پہلے“ کے الفاظ بھی  
یہ بتا رہے ہیں کہ اُونٹ کا گوشت شاید تورات نازل ہونے کے بعد ان پر حرام کر دیا گیا تھا۔ اب جو چیلنج ان کو دیا گیا ہے کہ ”اگر تم  
سچے ہو تو تورات لے کر آؤ اور اس کی تلاوت کرو۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ تورات میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ اُونٹ کا گوشت  
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حرام چلا آتا ہے۔ اس کے برعکس یہ حکم صرف بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا، چنانچہ اب بھی  
بائبل کی کتاب احبار میں جو یہودیوں اور عیسائیوں کی نظر میں تورات کا ایک حصہ ہے، اُونٹ کی حرمت بنی اسرائیل ہی کے لئے  
بیان ہوئی ہے: ”تم بنی اسرائیل سے کہو کہ... تم ان جانوروں کو نہ کھانا، یعنی اُونٹ کو... سو وہ تمہارے لئے ناپاک ہے۔“  
(احبار ۱:۱۱-۴) خلاصہ یہ کہ اُونٹ کا گوشت اصلاً حلال ہے، مگر حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے ان کی نذر کی وجہ سے اور  
بنی اسرائیل کے لئے ان کی نافرمانیوں کی بنا پر حرام کیا گیا تھا۔ اب امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا السلام) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام  
کے زمانے کا اصل حکم لوٹ آیا ہے۔

﴿۳۴﴾ یہ یہودیوں کے ایک اور اعتراض کا جواب ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ بنی اسرائیل کے تمام انبیائے کرام بیت المقدس کو  
اپنا قبلہ قرار دیتے آئے ہیں، مسلمانوں نے اسے چھوڑ کر مکہ کے کعبہ کو کیوں قبلہ بنالیا۔ آیت نے جواب یہ دیا ہے کہ کعبہ تو  
بیت المقدس کی تعمیر سے بہت پہلے وجود میں آچکا تھا، اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نشانی ہے۔ لہذا اسے پھر سے قبلہ اور  
مقدس عبادت گاہ بنانا ہرگز قابل اعتراض نہیں۔



فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۚ وَاللَّهُ عَلَى النَّاسِ حَجُّ الْبَيْتِ مَنِ  
 اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۹۷﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ  
 تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَى مَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَنْ  
 سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ ۚ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۹﴾  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَطِيعُوا فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ  
 كُفْرِينَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۚ وَمَنْ يَعْتَصِمْ  
 بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۰۱﴾

اس میں روشن نشانیاں ہیں، مقامِ ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہوتا ہے امن پا جاتا ہے۔ اور لوگوں میں سے جو  
 لوگ اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر اللہ کے لئے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے۔ اور اگر کوئی انکار کرے  
 تو اللہ دنیا جہان کے تمام لوگوں سے بے نیاز ہے۔ ﴿۹۷﴾ کہہ دو کہ: ”اے اہل کتاب! اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار  
 کرتے ہو؟ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب کا گواہ ہے“ ﴿۹۸﴾ کہہ دو کہ: ”اے اہل کتاب! اللہ کے راستے میں ٹیڑھ  
 پیدا کرنے کی کوشش کر کے ایک مومن کے لئے اس میں کیوں رکاوٹ ڈالتے ہو جبکہ تم خود حقیقتِ حال کے گواہ ہو؟“  
 جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔“ ﴿۹۹﴾

اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی بات مان لو گے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تم کو دوبارہ کافر  
 بنا کر چھوڑیں گے ﴿۱۰۰﴾ اور تم کیسے کفر اپناؤ گے جبکہ اللہ کی آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں اور اس کا رسول  
 تمہارے درمیان موجود ہے؟ اور (اللہ کی سنت یہ ہے کہ) جو شخص اللہ کا سہارا مضبوطی سے تھام لے، وہ سیدھے راستے  
 تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ ﴿۱۰۱﴾

(۳۵) یہاں سے آیت نمبر ۱۰۸ تک کی آیات ایک خاص واقعے کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ مدینہ منورہ میں دو قبیلے اوس  
 اور خزرج کے نام سے آباد تھے۔ اسلام سے پہلے ان کے درمیان سخت دشمنی تھی، اور دونوں میں وقتاً فوقتاً جنگیں ہوتی رہتی تھیں جو  
 بعض اوقات سالہا سال جاری رہتی تھیں۔ جب ان قبیلوں کے لوگ مسلمان ہو گئے تو اسلام کی برکت سے ان کی یہ دشمنی ختم ہو گئی  
 اور اسلام کے دامن میں آکر وہ شیر و شکر ہو کر رہنے لگے۔ بعض یہودیوں کو ان کا یہ اتحاد ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ ایک مرتبہ دونوں  
 قبیلوں کے لوگ ایک مجلس میں جمع تھے، ایک یہودی شماس بن قیس نے ان کے پیارِ محبت کا یہ منظر دیکھا تو اس سے نہر باگیا، اور  
 اس نے ان کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لئے یہ ترکیب کی کہ ایک شخص سے کہا کہ اس مجلس میں وہ اشعار سنا دو جو زمانہ جاہلیت



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَادْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾ وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾

اے ایمان والو! دل میں اللہ کا ویسا ہی خوف رکھو جیسا خوف رکھنا اس کا حق ہے، اور خبردار! تمہیں کسی اور حالت میں موت نہ آئے، بلکہ اسی حالت میں آئے کہ تم مسلمان ہو ﴿۱۰۲﴾ اور اللہ کی رستی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے؛ اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کھول کر واضح کرتا ہے، تاکہ تم راہِ راست پر آ جاؤ۔ ﴿۱۰۳﴾

اور تمہارے درمیان ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جس کے افراد (لوگوں کو) بھلائی کی طرف بلائیں، نیکی کی تلقین کریں، اور برائی سے روکیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں ﴿۱۰۴﴾ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جن کے پاس کھلے کھلے دلائل آچکے تھے، اس کے بعد بھی انہوں نے آپس میں پھوٹ ڈال لی اور اختلاف میں پڑ گئے۔ ایسے لوگوں کو سخت سزا ہوگی۔ ﴿۱۰۵﴾

میں اوس اور خزرج کے شاعروں نے ایک لمبی جنگ کے دوران ایک دوسرے کے خلاف کہے تھے۔ اس شخص نے وہ اشعار سنانے شروع کر دیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان اشعار سے پرانی باتیں تازہ ہو گئیں، شروع میں دونوں قبیلوں کے لوگوں میں زبانی تکرار ہوئی، پھر بات بڑھ گئی اور آپس میں نئے سرے سے جنگ کی تاریخ اور وقت مقرر ہونے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ کو سخت صدمہ ہوا، آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں تنبیہ فرمائی کہ یہ سب شیطانی حرکت تھی۔ بالآخر آپ کے سمجھانے سے یہ فتنہ ختم ہوا۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تو یہودیوں سے خطاب کر کے فرمایا ہے کہ اول تو تم کو خود ایمان لانا چاہئے، اور اگر خود اس سعادت سے محروم ہو تو کم از کم ان لوگوں کے راستے میں رکاوٹ تو نہ ڈالو جو ایمان لاچکے ہیں۔ اس کے بعد بڑے مؤثر انداز میں مسلمانوں کو نصیحت فرمائی ہے، اور آخر میں باہمی جھگڑوں سے بچنے کا علاج یہ بتایا ہے کہ اپنے آپ کو دین کی تبلیغ و دعوت میں مصروف کر لو تو اس سے اشاعتِ اسلام کے علاوہ کچھ بھی پیدا ہوگی۔



يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ <sup>تف</sup> أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ <sup>۱۰۸</sup> وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ <sup>۱۰۹</sup> تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ <sup>ط</sup> وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ <sup>۱۱۰</sup> وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ <sup>ط</sup> وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ <sup>ع</sup> <sup>۱۱۱</sup> كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ <sup>ط</sup> وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ <sup>ط</sup> مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ <sup>۱۱۲</sup> لَنْ يَضُرَّكُمْ إِلَّا أَذًى <sup>ط</sup> وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُؤْلُوكُمْ إِلَّا ذُبَابًا <sup>تف</sup> ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ <sup>۱۱۳</sup>

اُس دن جب کچھ چہرے چمکتے ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ پڑ جائیں گے! چنانچہ جن لوگوں کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے اُن سے کہا جائے گا کہ: ”کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا؟“ (۱۰۸) لو پھر اب مزہ چکھو اس عذاب کا، کیونکہ تم کفر کیا کرتے تھے۔“ (۱۰۹) دوسری طرف جن لوگوں کے چہرے چمکتے ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں جگہ پائیں گے۔ وہ اسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (۱۱۰) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنارہے ہیں، اور اللہ دنیا جہان کے لوگوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا (۱۱۱) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کا ہے اور اسی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جائیں گے۔ (۱۱۲)

(مسلمانو!) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔ تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، بُرائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا۔ ان میں سے کچھ تو مؤمن ہیں، مگر ان کی اکثریت نافرمان ہے (۱۱۳) وہ تھوڑا بہت ستانے کے سوا تمہیں کوئی بڑا نقصان ہرگز نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر وہ تم سے لڑیں گے بھی تو تمہیں پیٹھ دکھا جائیں گے، پھر انہیں کوئی مدد بھی نہیں پہنچے گی (۱۱۴)

(۳۶) اگر یہ یہودیوں کا ذکر ہے تو ایمان سے مراد ان کا تورات پر ایمان لانا ہے، اور اگر منافقین مراد ہیں تو ایمان کا مقصد ان کا زبانی اعلان ہے جس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو کسی بھی وقت اسلام سے مرتد ہو گئے تھے۔ پیچھے چونکہ مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ خبردار اسلام کو چھوڑ نہ بیٹھنا، اس لئے یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ واقعہ مرتد ہو جائیں گے، ان کا آخرت میں کیا حال ہوگا۔



ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الدِّلَّةَ أَيْنَ مَا شِئْتُمْ مِّنَ الدِّينِ وَمِنْهُم مَّن يَلْتَمِسُ مَا فِي أَيْدِي النَّاسِ مِن سُحُوفٍ وَمِنْهُم ذُو الْبَيْتِ الْمَقْدُوسِ وَمِنْهُم مَّن يُفْسِدُ فِي الْأَرْضِ وَمِنْهُمْ مَّن يُصْلِحُ ۚ ذَٰلِكُمْ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿١١٢﴾ لَّيْسُوا سَوَاءً ۚ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتَّبِعُونَ آيَاتِ اللَّهِ إِنَّآ أَنَا اللَّيْلُ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿١١٣﴾ يَوْمَئِذٍ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ۚ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١١٤﴾ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَن يُكْفَرُوا بِهِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿١١٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١٦﴾

وہ جہاں کہیں پائے جائیں، ان پر ذلت کا ٹھپہ لگا دیا گیا ہے، الا یہ کہ اللہ کی طرف سے کوئی سبب پیدا ہو جائے یا انسانوں کی طرف سے کوئی ذریعہ نکل آئے جو ان کو سہارا دیدے؛ انجام کار وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ہیں، اور ان پر محتاجی مسلط کر دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے، اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ (نیز) اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے، اور ساری حدیں پھلانگ جایا کرتے تھے ﴿۱۱۲﴾ (لیکن) سارے اہل کتاب ایک جیسے نہیں ہیں۔ اہل کتاب ہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو (راہ راست پر) قائم ہیں، جو رات کے اوقات میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں، اور جو (اللہ کے آگے) سجدہ ریز ہوتے ہیں ﴿۱۱۳﴾ یہ لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، اچھائی کی تلقین کرتے اور برائی سے روکتے ہیں، اور نیک کاموں کی طرف لپکتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا شمار صالحین میں ہے ﴿۱۱۴﴾ وہ جو بھلائی بھی کریں گے، اس کی ہرگز ناقدری نہیں کی جائے گی، اور اللہ پر ہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ﴿۱۱۵﴾ (اس کے برعکس) جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اللہ کے مقابلے میں نہ ان کے مال ان کے کچھ کام آئیں گے، نہ اولاد۔ وہ دوزخی لوگ ہیں؛ اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۱۱۶﴾

﴿۱۱۶﴾ اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے، مثلاً یہودیوں میں سے حضرت

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔



مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا  
 أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۖ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٣٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا  
 تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۖ وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ  
 أَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا خَفِيَ صُدُورُهُمْ ۚ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٣٩﴾ هَآئِثُمْ  
 أُولَآءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ ۚ وَإِذَا الْقُوكُمُ قَالُوا آمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَوْا  
 عَصَوْا عَلَيْكُمْ ۚ لَا تَأْمِلْ مِنَ الْغِيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا بِغِيْظِكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤٠﴾

جو کچھ یہ لوگ دُنیوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سخت سردی والی تیز ہوا ہو جو ان لوگوں کی  
 کھیتی کو جا لگے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا ہو، اور وہ اس کھیتی کو برباد کر دے۔ ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود  
 اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہیں۔ ﴿۳۸﴾

اے ایمان والو! اپنے سے باہر کے کسی شخص کو راز دار نہ بناؤ، یہ لوگ تمہاری بدخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ ان کی  
 دلی خواہش یہ ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ۔ بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے، اور جو کچھ (عداوت) ان کے سینے چھپائے  
 ہوئے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے پتے کی باتیں تمہیں کھول کھول کر بتادی ہیں، بشرطیکہ تم سمجھ سے کام لو۔ ﴿۳۹﴾ دیکھو!  
 تم تو ایسے ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو، مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، اور تم تو تمام (آسمانی) کتابوں پر ایمان رکھتے ہو،  
 اور (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (قرآن پر) ایمان لے آئے، اور جب تنہائی میں  
 جاتے ہیں تو تمہارے خلاف غصے کے مارے اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔ (ان سے) کہہ دو کہ ”اپنے غصے میں خود مر رہو۔  
 اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتیں خوب جانتا ہے۔“ ﴿۴۰﴾

(۳۸) کافر لوگ جو کچھ خیرات وغیرہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا صلہ انہیں دُنیا ہی میں دے دیتے ہیں، ان کے کفر کی وجہ سے  
 اس کا ثواب آخرت میں نہیں ملتا۔ لہذا ان کے خیراتی اعمال کی مثال ایک کھیتی کی سی ہے، اور ان کے کفر کی مثال اس تیز آندھی کی  
 ہے جس میں پالا بھی ہوا اور اچھی خاصی کھیتی کو برباد کر ڈالے۔

(۳۹) مدینہ منورہ میں اوس اور خزرج کے جو قبیلے آباد تھے، زمانہ دراز سے یہودیوں کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات چلے آتے  
 تھے۔ جب اوس اور خزرج کے لوگ مسلمان ہو گئے تو وہ ان یہودیوں کے ساتھ اپنی دوستی نبھاتے رہے، مگر یہودیوں کا حال یہ تھا  
 کہ ظاہر میں تو وہ بھی دوستانہ انداز میں ملتے تھے اور ان میں سے کچھ لوگ یہ بھی ظاہر کرتے تھے کہ وہ بھی مسلمان ہو گئے ہیں، لیکن  
 ان کے دل میں مسلمانوں کے خلاف بغض بھرا ہوا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مسلمان ان کی دوستی پر بھروسہ کرتے ہوئے سادہ لوحی  
 میں انہیں مسلمانوں کی کوئی راز کی بات بھی بتا دیتے تھے۔ اس آیت کریمہ نے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ ان پر بھروسہ نہ کریں  
 اور انہیں راز دار بنانے سے مکمل پرہیز کریں۔



إِنْ تَسْأَلْهُمْ حَسَنَةً تَسْأَلُهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ تُصِبرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرَّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝۱۲۰ وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۱۲۱ إِذْ هَبْتَ طَائِفَتَيْنِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝۱۲۲ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝۱۲۳

اگر تمہیں کوئی بھلائی مل جائے تو ان کو برا لگتا ہے، اور اگر تمہیں کوئی گزند پہنچے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم صبر اور تقویٰ سے کام لو تو ان کی چالیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سب اللہ کے (علم اور قدرت کے) احاطے میں ہے۔ ۝۱۲۰

(اے پیغمبر! جنگِ اُحد کا وہ وقت یاد کرو) جب تم صبح کے وقت اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو جنگ کے ٹھکانوں پر جما رہے تھے، اور اللہ سب کچھ سننے والے والا ہے۔ ۝۱۲۱ جب تمہی میں کے دو گروہوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں، حالانکہ اللہ ان کا حامی و ناصر تھا، اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ ۝۱۲۲ اللہ نے تو (جنگِ بدر کے موقع پر ایسی حالت میں تمہاری مدد کی تھی جب تم بالکل بے سروسامان تھے۔ لہذا) صرف اللہ کا خوف دل میں رکھو، تاکہ تم شکر گزار بن سکو۔ ۝۱۲۳

(۴۰) جنگِ اُحد میں تین ہزار کفارِ مکہ کا ایک لشکر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مقابلے کے لئے اُحد پہاڑ کے دامن میں تشریف لے گئے تھے جہاں یہ جنگ لڑی گئی۔ آنے والی آیات میں اس کے متعدد واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۴۱) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقابلے کے لئے مدینہ منورہ سے نکلے تو آپ کے ساتھ ایک ہزار آدمی تھے، لیکن منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی راسے میں یہ کہہ کر اپنے تین سو آدمیوں سمیت واپس چلا گیا کہ ہماری رائے یہ تھی کہ دشمن کا مقابلہ شہر کے اندر رہ کر کیا جائے۔ ہماری رائے کے خلاف آپ باہر نکل آئے ہیں، اس لئے ہم جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ اس موقع پر سچے مسلمانوں کے دو قبیلے بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے دل بھی ڈگمگا گئے، اور ان کے دل میں بھی خیال آیا کہ تین ہزار کے مقابلے میں صرف سات سو افراد بہت تھوڑے ہیں، اور ایسے میں جنگ لڑنے کے بجائے الگ ہو جانا چاہئے، لیکن پھر اللہ نے مدد فرمائی، اور وہ جنگ میں شامل ہوئے۔ اس آیت میں انہی کی طرف اشارہ ہے۔

(۴۲) جنگِ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی، اور ان کے پاس ستر اونٹ، دو گھوڑے اور صرف آٹھ تلواریں تھیں۔



اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُبَدِّلَكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزِلٰٓيْنَ ۝۲۳ بَلٰٓءٌ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاۡتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرٍ اِهْمُ هٰذَا يُبَدِّلُكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝۲۴ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَّكُمْ وَلِتَطْمَِٔنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۝۲۵ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲۶ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْۤا خَآبِيْنَ ۝۲۷ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يَعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۲۸ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۝۲۹ يَغْفِرْ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۝۳۰ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱

جب (بدر کی جنگ میں) تم مؤمنوں سے کہہ رہے تھے کہ: ”کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے اُتار کر تمہاری مدد کو بھیج دے؟“ (۲۳) ہاں! بلکہ اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو اور وہ لوگ اپنے اسی ریلے میں اچانک تم تک پہنچ جائیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیج دے گا جنہوں نے اپنی پہچان نمایاں کی ہوئی ہوگی۔“ (۲۴) اللہ نے یہ انتظام صرف اس لئے کیا تھا تا کہ تمہیں خوشخبری ملے، اور اس سے تمہارے دلوں کو اطمینان نصیب ہو، ورنہ فتح تو کسی اور کی طرف سے نہیں، صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے جو مکمل اقتدار کا بھی مالک ہے، تمام تر حکمت کا بھی مالک (۲۵) (اور جنگِ بدر میں یہ مدد اللہ نے اس لئے کی) تاکہ جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے ان کا ایک حصہ کاٹ کر رکھ دے، یا ان کو ایسی ذلت آمیز شکست دے کہ وہ نامراد ہو کر واپس چلے جائیں۔ (۲۶) (اے پیغمبر!) تمہیں اس فیصلے کا کوئی اختیار نہیں کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو عذاب دے کیونکہ یہ ظالم لوگ ہیں (\*) (۲۷) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے (۲۸) (۲۹)

(۲۳) یہ سارا حوالہ جنگِ بدر کا ہے۔ اس جنگ میں شروع میں تو تین ہزار فرشتوں کی بشارت دی گئی تھی، لیکن بعد میں صحابہ کرام کو یہ اطلاع ملی کہ کُرُز بن جابر اپنا لشکر لے کر کفار مکہ کے ساتھ شامل ہونے کے لئے آرہا ہے۔ کفار کی تعداد پہلے ہی مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھی، اب اس لشکر کے آنے کی اطلاع ملی تو مسلمانوں کو تشویش ہوئی۔ اس موقع پر یہ وعدہ کیا گیا کہ اگر کُرُز کا لشکر اچانک آگیا تو تین ہزار کے بجائے پانچ ہزار فرشتے بھیجے جائیں گے۔ لیکن پھر کُرُز کا لشکر نہیں آیا، اس لئے پانچ ہزار فرشتے بھیجنے کی نوبت نہیں آئی۔

(\*) جنگِ احد کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے تو آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ آئے کہ ایسی قوم کیسے فلاح پائے گی جس کا نبی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہا ہو اور وہ اس سے جنگ کرے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۰﴾  
 وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۳۱﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۳۲﴾  
 وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ ۖ أُعِدَّتْ  
 لِلْمُتَّقِينَ ﴿۳۳﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكُظَّيْنِ الْغَيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ  
 النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۴﴾ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ  
 ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا الذُّنُوبَ ۖ وَمِنْ يُغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا  
 وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۳۵﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ مَّغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
 خَالِدِينَ فِيهَا ۖ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۖ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ  
 فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۳۷﴾ هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۸﴾

اے ایمان والو! کئی گنا بڑھا چڑھا کر سود مت کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو ﴿۳۰﴾ اور اس آگ سے  
 ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ﴿۳۱﴾ اور اللہ اور رسول کی بات مانو، تاکہ تم سے رحمت کا برتاؤ کیا جائے ﴿۳۲﴾ اور  
 اپنے رب کی طرف سے مغفرت اور وہ جنت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دکھاؤ جس کی  
 چوڑائی اتنی ہے کہ اس میں تمام آسمان اور زمین سما جائیں۔ وہ اُن پر ہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے ﴿۳۳﴾ جو خوشحالی میں  
 بھی اور بدحالی میں بھی (اللہ کے لئے) مال خرچ کرتے ہیں، اور جو غصے کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کر دینے کے  
 عادی ہیں۔ اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے ﴿۳۴﴾ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر کبھی کوئی بے حیائی کا کام کر بھی بیٹھتے  
 ہیں یا (کسی اور طرح) اپنی جان پر ظلم کر گزرتے ہیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اپنے گناہوں کی  
 معافی مانگتے ہیں — اور اللہ کے سوا ہے بھی کون جو گناہوں کی معافی دے؟ — اور یہ اپنے کئے پر جانتے بوجھتے  
 اصرار نہیں کرتے ﴿۳۵﴾ یہ ہیں وہ لوگ جن کا صلہ ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے، اور وہ باغات ہیں جن کے  
 نیچے دریا بہتے ہوں گے، جن میں انہیں دائمی زندگی حاصل ہوگی۔ کتنا بہترین بدلہ ہے جو کام کرنے والوں کو ملنا ہے! ﴿۳۶﴾  
 تم سے پہلے بہت سے واقعات گزر چکے ہیں۔ اب تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جنہوں نے (پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا  
 ان کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿۳۷﴾ یہ تمام لوگوں کے لئے واضح اعلان ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت! ﴿۳۸﴾

(۳۳) امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں فرمایا ہے کہ جنگ احد کے موقع پر مکہ کے مشرکین نے سود پر قرضے لے کر جنگ کی تیاری کی



## وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۳۵﴾

(مسلمانو!) تم نہ تو کمزور پڑو، اور نہ غمگین رہو۔ اگر تم واقعی مؤمن رہو تو تم ہی سر بلند ہو گے۔ ﴿۳۵﴾

تھی، اس لئے کسی مسلمان کے دل میں بھی یہ خیال ہو سکتا تھا کہ مسلمان بھی جنگ کی تیاری میں یہی طریقہ اختیار کریں۔ اس آیت نے انہیں خبردار کر دیا کہ سود پر قرض لینا حرام ہے۔ یہاں سود کو کئی گنا بڑھا کر کھانے کا جو ذکر ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کم شرح پر سود کی اجازت ہے، بلکہ اس وقت چونکہ سودی قرضوں میں بکثرت یہی ہوتا تھا کہ سود اصل سے کئی گنا بڑھ جاتا تھا اس لئے ایک واقعے کے طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے، ورنہ سورہ بقرہ (آیت ۲۷۷ اور ۲۷۸) میں صاف واضح کر دیا گیا ہے کہ اصل قرض پر جتنی بھی زیادتی ہو وہ سود میں داخل اور حرام ہے۔

﴿۳۵﴾ جنگ اُحد کا واقعہ مختصر اُیہ ہے کہ شروع میں مسلمان کا فر حملہ آوروں پر غالب آ گئے، اور کفار کا لشکر پسپا ہونے پر مجبور ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ شروع ہونے سے پہلے پچاس تیر انداز صحابہ کا ایک دستہ میدان جنگ کے ایک عقبی ٹیلے پر متعین فرمایا تھا، تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔ جب دشمن پسپا ہوا اور میدان جنگ خالی ہو گیا تو صحابہ نے اس کا چھوڑا ہوا ساز و سامان مالِ غنیمت کے طور پر اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ تیر اندازوں کے اس دستے نے جب یہ دیکھا کہ دشمن بھاگ چکا ہے تو انہوں نے سمجھا کہ اب ہماری ذمہ داری پوری ہو چکی ہے اور ہمیں بھی مالِ غنیمت جمع کرنے میں حصہ لینا چاہئے۔ ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے چند ساتھیوں نے ٹیلہ چھوڑنے کی مخالفت کی، اور اپنے ساتھیوں کو یاد دلایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر حال میں یہاں جمے رہنے کی ہدایت فرمائی تھی، مگر ان میں سے اکثر نے وہاں ٹھہرنے کو بے مقصد سمجھ کر ٹیلہ چھوڑ دیا۔ دشمن نے جب دُور سے دیکھا کہ ٹیلہ خالی ہو گیا ہے اور مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے ہیں تو انہوں نے موقع پا کر ٹیلے پر حملہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے چند ساتھیوں نے اپنی بساط کے مطابق دُٹ کر مقابلہ کیا، مگر وہ سب شہید ہو گئے، اور دشمن اس ٹیلے سے اتر کر ان بے خبر مسلمانوں پر حملہ آور ہو گیا جو مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھے۔ یہ حملہ اس قدر غیر متوقع اور ناگہانی تھا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ اسی دوران کسی نے یہ افواہ اڑادی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ اس افواہ سے بہت سے مسلمانوں کے حوصلے جواب دے گئے۔ ان میں سے بعض میدان چھوڑ گئے، بعض جنگ سے کنارہ کش ہو کر ایک طرف کھڑے رہ گئے۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کی ایک جماعت آپ کے ارد گرد دُٹ کر مقابلہ کرتی رہی، کفار کا زخمِ اتنا سخت تھا کہ اس کشمکش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک دانت شہید ہو گیا، اور چہرہ مبارک لہو لہان ہو گیا۔ بعد میں جب صحابہ کو پتہ چلا کہ آپ کی شہادت کی خبر غلط تھی اور ان کے حواس بجا ہوئے تو ان میں سے بیشتر میدان میں لوٹ آئے، اور پھر کفار کو بھاگنا پڑا، لیکن اس درمیانی عرصے میں ستر صحابہ کرام شہید ہو چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس واقعے سے تمام مسلمانوں کو شدید صدمہ ہوا۔ قرآن کریم ان آیتوں میں انہیں تسلی بھی دے رہا ہے کہ یہ زمانے کے نشیب و فراز ہیں جن سے مایوس اور دل شکستہ نہ ہونا چاہئے، اور اس طرف بھی متوجہ کر رہا ہے کہ یہ شکست کچھ غلطیوں کا نتیجہ تھی جن سے سبق لینے کی ضرورت ہے۔



إِنْ يَسْأَلُكُمْ قَوْمٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۖ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ  
وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝  
وَلِيُحْصِيَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيُحَقِّقَ الْكُفْرِينَ ۝ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا  
يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ  
أَنْ تُلَاقَوْهُ ۖ فَقَدْ رَآيْتُمْوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۖ قَدْ خَلَتْ مِنْ  
قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَأَنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ  
فَلَنُيْضِرَّ اللَّهُ شَيْئًا ۚ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ  
اللَّهِ كَتَبْنَا مَوَاجِلًا ۚ

اگر تمہیں ایک زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی اسی جیسا زخم پہلے لگ چکا ہے۔ یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے  
درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں، اور مقصد یہ تھا کہ اللہ ایمان والوں کو جانچ لے، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید قرار  
دے، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ۝ اور مقصد یہ (بھی) تھا کہ اللہ ایمان والوں کو میل کچیل سے نکھار کر رکھ دے اور  
کافروں کو ملیا میٹ کر ڈالے ۝ بھلا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (یونہی) جنت کے اندر جا پہنچو گے؟ حالانکہ ابھی تک اللہ نے تم  
میں سے ان لوگوں کو جانچ کر نہیں دیکھا جو جہاد کریں، اور نہ ان کو جانچ کر دیکھا ہے جو ثابت قدم رہنے والے ہیں ۝  
اور تم تو خود موت کا سامنا کرنے سے پہلے (شہادت کی) موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اب تم نے کھلی  
آنکھوں اسے دیکھ لیا ہے ۝

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسول ہی تو ہیں؛ ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ بھلا اگر ان کا انتقال  
ہو جائے یا انہیں قتل کر دیا جائے تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اُلٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کو ہرگز کوئی  
نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور جو شکر گزار بندے ہیں اللہ ان کو ثواب دے گا ۝ اور یہ کسی بھی شخص کے اختیار میں نہیں ہے  
کہ اسے اللہ کے حکم کے بغیر موت آجائے، جس کا ایک معین وقت پر آنا لکھا ہوا ہے۔

(۳۶) جنگ بدر کی طرف اشارہ ہے جس میں کفار مکہ کے ستر سردار مارے گئے تھے اور ستر قید کئے گئے تھے۔

(۳۷) جو لوگ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے وہ شہدائے بدر کی فضیلت سن کر تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش ہمیں بھی شہادت کا

رُتبہ نصیب ہو۔



وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا ۖ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا ۖ وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ﴿۴۵﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيِّ قُتِلَ مَعَهُ رَاسِيُونَ كَثِيرٌ ۖ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۴۷﴾ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۴۸﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يُرْדُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿۴۹﴾ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿۵۰﴾ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا ۖ وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۖ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿۵۱﴾

اور جو شخص دُنیا کا بدلہ چاہے گا ہم اسے اس کا حصہ دے دیں گے، اور جو آخرت کا ثواب چاہے گا ہم اسے اس کا حصہ عطا کر دیں گے، اور جو لوگ شکر گزار ہیں ان کو ہم جلد ہی ان کا اجر عطا کریں گے۔ ﴿۴۵﴾

اور کتنے سارے پیغمبر ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی! نتیجتاً انہیں اللہ کے راستے میں جو تکلیفیں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ انہوں نے ہمت ہاری، نہ وہ کمزور پڑے اور نہ انہوں نے اپنے آپ کو جھکا یا۔ اللہ ایسے ثابت قدم لوگوں سے محبت کرتا ہے ﴿۴۶﴾ ان کے منہ سے جو بات نکلی وہ اس کے سوا نہیں تھی کہ وہ کہہ رہے تھے: ”ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بھی اور ہم سے اپنے کاموں میں جو زیادتی ہوئی ہو اس کو بھی معاف فرما دے، ہمیں ثابت قدمی بخش دے، اور کافر لوگوں کے مقابلے میں ہمیں فتح عطا فرما دے“ ﴿۴۷﴾ چنانچہ اللہ نے انہیں دُنیا کا انعام بھی دیا اور آخرت کا بہترین ثواب بھی۔ اور اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے ﴿۴۸﴾ اے ایمان والو! جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے اگر تم ان کی بات مانو گے تو وہ تمہیں اُلٹے پاؤں (کفر کی طرف) لوٹا دیں گے، اور تم پلٹ کر سخت نقصان اٹھاؤ گے ﴿۴۹﴾ (یہ لوگ تمہارے خیر خواہ نہیں) بلکہ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہے، اور وہ بہترین مددگار ہے ﴿۵۰﴾ جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے ہم عنقریب ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ کی خدائی میں ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ ظالموں کا بدترین ٹھکانا ہے۔ ﴿۵۱﴾

(۴۸) اس سے اشارہ مال غنیمت کی طرف ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صرف مال غنیمت حاصل کرنے کی نیت سے جہاد میں شریک ہوگا، اسے مال غنیمت میں سے حصہ تو مل جائے گا، لیکن آخرت کا ثواب حاصل نہیں ہوگا، اس کے برعکس اگر اصل نیت اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کی ہوگی تو آخرت کا ثواب حاصل ہوگا، اور مال غنیمت بھی ایک اضافی فائدے کے طور پر ملے گا (روح المعانی)۔



وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِأِذْنِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَزَّعْتُمْ فِي الْأَمْرِ  
وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ ۖ مِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ  
الْآخِرَةَ ۖ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۖ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۖ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٢﴾  
إِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَلُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ ۖ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أَخْرِكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا  
تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۖ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٥٣﴾ ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ  
الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۖ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ  
الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۖ

اور اللہ نے یقیناً اس وقت اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا جب تم دشمنوں کو اسی کے حکم سے قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری دکھائی اور حکم کے بارے میں باہم اختلاف کیا اور جب اللہ نے تمہاری پسندیدہ چیز تمہیں دکھائی تو تم نے (اپنے امیر کا) کہنا نہیں مانا — تم میں سے کچھ لوگ وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے، اور کچھ وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے — پھر اللہ نے ان سے تمہارا رخ پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائے۔ البتہ اب وہ تمہیں معاف کر چکا ہے، اور اللہ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے ﴿۵۲﴾ (وہ وقت یاد کرو) جب تم منہ اٹھائے چلے جا رہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھتے تھے، اور رسول تمہارے پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے، چنانچہ اللہ نے تمہیں (رسول کو) غم (دینے) کے بدلے (شکست کا) غم دیا، تاکہ آئندہ تم زیادہ صدمہ نہ کیا کرو، نہ اُس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے، اور نہ کسی اور مصیبت پر جو تمہیں پہنچ جائے۔ اور اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۵۳﴾ پھر اس غم کے بعد اللہ نے تم پر طمانینت نازل کی، ایک اونگھ جو تم میں سے کچھ لوگوں پر چھا رہی تھی! اور ایک گروہ وہ تھا جسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی۔ وہ لوگ اللہ کے بارے میں ناحق ایسے گمان کر رہے تھے جو جہالت کے خیالات تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: ”کیا ہمیں بھی کوئی اختیار حاصل ہے؟“ کہہ دو کہ: ”اختیار تو تمام تر اللہ کا ہے۔“

(۴۹) ”پسندیدہ چیز“ سے یہاں مراد مال غنیمت ہے جسے دیکھ کر عقبی ٹیلے کے اکثر حضرات اپنے امیر کے حکم کے خلاف ٹیلہ چھوڑ گئے تھے۔  
(۵۰) یعنی اس قسم کے واقعات سے تمہارے اندر پختگی آئے گی، اور آئندہ جب کوئی تکلیف پیش آئے گی اس پر زیادہ پریشان اور مغموم رہنے کے بجائے تم صبر اور استقامت سے کام لو گے۔  
(۵۱) جنگ احد میں جو غیر متوقع شکست ہوئی، اس پر صحابہ صدمے سے مغلوب ہو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کے جانے کے بعد بہت سے صحابہ پر اونگھ مسلط فرمادی جس سے غم غلط ہو گیا۔



يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَان لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قَتَلْنَا هَٰؤُلَاءِ ۚ قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيَسَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ (۵۴) إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ۚ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝ (۵۵) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لَا خَوانَ لَهُمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًى لَّوْ كَانُوا عِنْدَ نَاصِئَاتِهِمْ لَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝ (۵۶) وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ (۵۷)

یہ لوگ اپنے دلوں میں وہ باتیں چھپاتے ہیں جو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ: ”اگر ہمیں بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔“ کہہ دو کہ: ”اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی جن کا قتل ہونا مقدر میں لکھا جا چکا تھا وہ خود باہر نکل کر اپنی اپنی قتل گاہوں تک پہنچ جاتے۔ اور یہ سب اس لئے ہوا تا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اللہ اسے آزمائے، اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کا میل کچیل دُور کر دے۔“ اللہ دلوں کے بھید کو خوب جانتا ہے (۵۴) تم میں سے جن لوگوں نے اُس دن پیٹھ پھیری جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے، درحقیقت ان کے بعض اعمال کے نتیجے میں شیطان نے ان کو لغزش میں مبتلا کر دیا تھا۔ اور یقین رکھو کہ اللہ نے انہیں معاف کر دیا ہے۔ یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا بردبار ہے۔ (۵۵)

اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے، اور جب ان کے بھائی کسی سرزمین میں سفر کرتے ہیں یا جنگ میں شامل ہوتے ہیں تو یہ اُن کے بارے میں کہتے ہیں کہ: ”اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے، اور نہ مارے جاتے۔“ (ان کی اس بات کا) نتیجہ تو (صرف) یہ ہے کہ اللہ ایسی باتوں کو ان کے دلوں میں حسرت کا سبب بنا دیتا ہے، (ورنہ) زندگی اور موت تو اللہ دیتا ہے۔ اور جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ (۵۶)

(۵۲) یہ منافقین کا ذکر ہے۔ وہ جو کہہ رہے تھے کہ ”کیا ہمیں بھی کوئی اختیار حاصل ہے؟“ اس کا ظاہری مطلب تو یہ تھا کہ اللہ کی تقدیر کے آگے کسی کا اختیار نہیں چلتا، اور یہ بات صحیح تھی، لیکن ان کا اصل مقصد وہ تھا جو آگے قرآن کریم نے دہرایا ہے، یعنی یہ کہ اگر ہماری بات مانی جاتی اور باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے بجائے شہر میں رہ کر دفاع کیا جاتا تو اتنے سارے آدمیوں کے قتل کی نوبت نہ آتی۔

(۵۳) اشارہ اس طرف ہے کہ اس طرح کے مصائب سے ایمان میں پختگی آتی ہے اور باطنی بیماریاں دُور ہوتی ہیں۔

(۵۴) یعنی جنگ سے پہلے ان سے کچھ ایسے قصور ہوئے تھے جنہیں دیکھ کر شیطان کو حوصلہ ہوا اور اس نے انہیں بہکا کر مزید غلطی میں مبتلا کر دیا۔



وَلَيْنُ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٧﴾ وَلَيْنُ  
 مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تَحْشَرُونَ ﴿٥٨﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ ؕ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ  
 الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ؕ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ؕ فَإِذَا  
 عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ؕ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿٥٩﴾ إِنَّ يَنْصُرْكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ؕ  
 وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ ؕ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٦٠﴾ وَمَا  
 كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ؕ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِأَغْلٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؕ ثُمَّ تُوفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ  
 وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦١﴾ أَفَمَنِ اتَّبَعَ بِرِضْوَانِ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا لَهُ جَهَنَّمَ ؕ وَ  
 بُسُّ الْمَصِيرِ ﴿٦٢﴾ هُمْ دَرَجَتٌ عِنْدَ اللَّهِ ؕ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٦٣﴾

اور اگر تم اللہ کے راستے میں قتل ہو جاؤ یا مر جاؤ، تب بھی اللہ کی طرف سے ملنے والی مغفرت اور رحمت ان چیزوں سے  
 کہیں بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں ﴿۵۷﴾ اور اگر تم مر جاؤ یا قتل ہو جاؤ تو اللہ ہی کے پاس تو لے جا کر اکٹھے کئے  
 جاؤ گے! ﴿۵۸﴾ ان واقعات کے بعد اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر (اے پیغمبر!) تم نے ان لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیا۔  
 اگر تم سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ تمہارے آس پاس سے ہٹ کر تتر بتر ہو جاتے۔ لہذا ان کو معاف کر دو،  
 ان کے لئے مغفرت کی دُعا کرو، اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ لیتے رہو۔ پھر جب تم رائے پختہ کر کے کسی  
 بات کا عزم کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ یقیناً توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ﴿۵۹﴾ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم  
 پر غالب آنے والا نہیں، اور اگر وہ تمہیں تنہا چھوڑ دے تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے؟ اور مؤمنوں کو چاہئے  
 کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں ﴿۶۰﴾ اور کسی نبی سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ مالِ غنیمت میں خیانت کرے، اور جو کوئی خیانت  
 کرے گا وہ قیامت کے دن وہ چیز لے کر آئے گا جو اس نے خیانت کر کے لی ہوگی، پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا  
 بدلہ دیا جائے گا، اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا ﴿۶۱﴾ بھلا جو شخص اللہ کی خوشنودی کا تابع ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو  
 اللہ کی طرف سے ناراضی لے کر لوٹا ہو، اور جس کا ٹھکانا جہنم ہو؟ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے! ﴿۶۲﴾ اللہ کے نزدیک ان لوگوں  
 کے درجات مختلف ہیں، اور جو کچھ یہ کرتے ہیں اللہ اس کو خوب دیکھتا ہے۔ ﴿۶۳﴾

(۵۵) شاید اس بات کو یہاں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کے لئے اتنی جلدی کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ  
 جو مال بھی حاصل ہوتا، خواہ وہ کسی نے جمع کیا ہو، بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی اسے شرعی قاعدے سے انصاف کے ساتھ  
 تقسیم فرماتے، اور ہر شخص کو اس کا حصہ مل جاتا، کیونکہ کوئی نبی مالِ غنیمت میں خیانت نہیں کر سکتا۔



لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ  
 وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿١٦٤﴾ أَوَلَمْ  
 أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ  
 عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّتْيِ الْجَعْنِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾  
 وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْ قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ  
 قِتَالًا لَا تَبْعُكُمُ هُمْ لِلْكَفَرِ يَوْمَئِذٍ اقْدَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا  
 لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ط وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ اُن کے درمیان اُنہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کے سامنے  
 اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، اُنہیں پاک صاف بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جبکہ یہ لوگ اس سے  
 پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے ﴿١٦٤﴾ جب تمہیں ایک ایسی مصیبت پہنچی جس سے دُگنی تم (دُشمن کو) پہنچا چکے تھے تو کیا  
 تم ایسے موقع پر یہ کہتے ہو کہ ”یہ مصیبت کہاں سے آگئی؟“ کہہ دو کہ ”یہ خود تمہاری طرف سے آئی ہے۔“ بیشک اللہ  
 ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿١٦٥﴾ اور تمہیں جو مصیبت اُس دن پہنچی جب دونوں لشکر ٹکرائے تھے، وہ اللہ کے حکم سے پہنچی، تاکہ وہ  
 مؤمنوں کو بھی پرکھ کر دیکھ لے ﴿١٦٦﴾ اور منافقین کو بھی دیکھ لے۔ اور ان (منافقوں) سے کہا گیا تھا کہ ”آؤ اللہ کے راستے  
 میں جنگ کرو یا دفاع کرو“ تو انہوں نے کہا تھا کہ: ”اگر ہم دیکھتے کہ (جنگ کی طرح) جنگ ہوگی تو ہم ضرور آپ کے  
 پیچھے چلتے۔“ اُس دن (جب وہ یہ بات کہہ رہے تھے) وہ ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے منہ سے وہ  
 بات کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہوتی۔ اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ اُسے خوب جانتا ہے ﴿١٦٧﴾

(۵۶) اشارہ جنگِ بدر کی طرف ہے جس میں کفارِ قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے اور ستر گرفتار ہوئے تھے، جبکہ جنگِ احد میں  
 شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد ستر ضرورتھی مگر کوئی مسلمان گرفتار نہیں ہوا تھا۔ اس لحاظ سے بدر میں مسلمانوں نے کفار کو جو  
 نقصان پہنچایا تھا وہ اس نقصان سے دُگنا تھا جو کافروں نے اُحد میں مسلمانوں کو پہنچایا۔

(۵۷) ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی برابر کی جنگ ہوتی تو ہم ضرور اس میں شریک ہوتے، لیکن یہاں تو مسلمانوں کا دُشمن سے  
 کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ دُشمن کی تعداد تین گنے سے بھی زیادہ ہے، لہذا یہ جنگ نہیں، خودکشی ہے، اس میں ہم شامل نہیں ہو سکتے۔

(۵۸) یعنی زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ اگر برابر کی جنگ ہوتی تو ہم ضرور شامل ہوتے، لیکن یہ صرف ایک بہانہ ہے، درحقیقت ان  
 کے دل میں یہ ہے کہ برابر کی جنگ میں بھی مسلمانوں کا ساتھ نہیں دینا۔



الَّذِينَ قَالُوا لِلْإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا أَلَا طَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۖ قُلْ فَادْرَأُوهُ عَنِ أَنْفُسِكُمْ الْمَوْتُ  
 إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ  
 رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا  
 بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ ۚ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٧٠﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَ  
 فَضْلِهِ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٧١﴾ الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ  
 مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٢﴾ الَّذِينَ قَالُوا لَهُمُ النَّاسُ  
 إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿١٧٣﴾

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے (شہید) بھائیوں کے بارے میں بیٹھے بیٹھے یہ باتیں بناتے ہیں کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ ہوتے۔ کہہ دو کہ: ”اگر تم سچے ہو تو خود اپنے آپ ہی سے موت کو ٹال دینا“ ﴿١٦٨﴾ اور (اے پیغمبر!) جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں، انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے ﴿١٦٩﴾ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے، وہ اس پر لگن ہیں، اور ان کے پیچھے جو لوگ ابھی ان کے ساتھ (شہادت میں) شامل نہیں ہوئے، اُن کے بارے میں اس بات پر بھی خوشی مناتے ہیں کہ (جب وہ ان سے آکر ملیں گے تو) نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿١٧٠﴾ وہ اللہ کی نعمت اور فضل پر بھی خوشی مناتے ہیں اور اس بات پر بھی کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ﴿١٧١﴾ وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرماں برداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کے لئے زبردست اجر ہے ﴿١٧٢﴾ وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا کہ: ”یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لئے (پھر سے) جمع ہو گئے ہیں، لہذا ان سے ڈرتے رہنا۔ تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بول اُٹھے کہ: ”ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔“ ﴿١٧٣﴾

(۵۹) جب کفار مکہ اُحد کی جنگ سے واپس چلے گئے تو راستے میں انہیں پیچھتاوا ہوا کہ ہم جنگ میں غالب آجانے کے باوجود خواہ مخواہ واپس آ گئے، اگر ہم کچھ اور زور لگاتے تو تمام مسلمانوں کا خاتمہ ہو سکتا تھا۔ اس خیال کی وجہ سے انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا۔ دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید ان کے ارادے سے باخبر ہو کر یا اُحد کے نقصان کی تلافی کے لئے جنگ اُحد کے اگلے دن سویرے صحابہ میں یہ اعلان فرمایا کہ ہم دشمن کے تعاقب میں جائیں گے، اور جو لوگ جنگ اُحد میں شریک تھے صرف وہ ہمارے ساتھ چلیں۔ صحابہ کرام اگرچہ اُحد کے واقعات سے زخم خوردہ تھے، اور تھکے ہوئے بھی تھے، مگر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت پر لبیک کہا جس کی تعریف اس آیت میں کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکل کر حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے تو وہاں قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص معبد آپ سے ملا جو



فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلِ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ ۚ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهُ ۚ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوْنَ اِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوْا اللّٰهَ شَيْئًا ۙ يَّرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اَشْتَرَوْا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَن يَضُرُّوْا اللّٰهَ شَيْئًا ۙ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهٗمۡ نُسَلٰى لَهُمْ خَيْرٌ لَّا نَفْسِهِمْ ۚ اِنَّمَا نُسَلٰى لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا اِثْمًا ۙ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۵۸﴾

نتیجہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر اس طرح واپس آئے کہ انہیں ذرا بھی گزند نہیں پہنچی، اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے۔ اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے ﴿۱۵۴﴾ درحقیقت یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، لہذا اگر تم مؤمن ہو تو ان سے خوف نہ کھاؤ، اور بس میرا خوف رکھو۔ ﴿۱۵۵﴾

اور (اے پیغمبر!) جو لوگ کفر میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دکھا رہے ہیں، وہ تمہیں صدمے میں نہ ڈالیں۔ یقین رکھو وہ اللہ کا ذرا بھی نقصان نہیں کر سکتے۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے، اور ان کے لئے زبردست عذاب (تیار) ہے ﴿۱۵۶﴾ جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر کو مول لے لیا ہے وہ اللہ کو ہرگز ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور ان کے لئے ایک دکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے ﴿۱۵۷﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ ہم انہیں جو ڈھیل دے رہے ہیں وہ ان کے لئے کوئی اچھی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم تو انہیں صرف اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ وہ گناہ میں اور آگے بڑھ جائیں، اور (آخر کار) ان کے لئے ایسا عذاب ہوگا جو انہیں ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ ﴿۱۵۸﴾

کافر ہونے کے باوجود آپ سے ہمدردی رکھتا تھا، اس نے مسلمانوں کے حوصلے کا خود مشاہدہ کیا اور جب وہاں سے نکلا تو اس کی ملاقات کفار مکہ کے سردار ابوسفیان سے ہو گئی، اس نے ابوسفیان کو مسلمانوں کے لشکر اور اس کے حوصلوں کے بارے میں بتایا اور مشورہ دیا کہ وہ لوٹ کر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر کے واپس چلا جائے۔ اس سے کفار پر رعب طاری ہوا اور وہ واپس تو چلے گئے لیکن عبدالقیس کے ایک قافلے سے جو مدینہ منورہ جا رہا تھا یہ کہہ گئے کہ جب راستے میں ان کی ملاقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو تو ان سے یہ کہیں کہ ابوسفیان بہت بڑا لشکر جمع کر چکا ہے اور مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لئے ان پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ اس خبر سے مسلمانوں پر رعب پڑے۔ چنانچہ یہ لوگ جب حمراء الاسد پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو یہی بات کہی، لیکن صحابہ کرام نے اس سے مرعوب ہونے کے بجائے وہ جملہ کہا جو اس آیت میں تعریف کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔



مَا كَانَ لِلَّهِ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۚ وَمَا كَانَ لِلَّهِ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِنْ تُمْنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٤٩﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۚ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ وَاللَّهُ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١٥٠﴾

اللہ ایسا نہیں کر سکتا کہ مومنوں کو اس حالت پر چھوڑے رکھے جس پر تم لوگ اس وقت ہو، جب تک وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے۔ اور (دوسری طرف) وہ ایسا بھی نہیں کر سکتا کہ تم کو (براہ راست) غیب کی باتیں بتا دے۔ ہاں! وہ (جتنا بتانا مناسب سمجھتا ہے اس کے لئے) اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ لہذا تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو۔ اور اگر ایمان رکھو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو زبردست ثواب کے مستحق ہو گے۔ ﴿۱۴۹﴾ اور جو لوگ اس (مال) میں بخل سے کام لیتے ہیں جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لئے کوئی اچھی بات ہے۔ اس کے برعکس یہ ان کے حق میں بہت بری بات ہے۔ جس مال میں انہوں نے بخل سے کام لیا ہوگا، قیامت کے دن وہ ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔ اور سارے آسمان اور زمین کی میراث صرف اللہ ہی کے لئے ہے، اور جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۵۰﴾

﴿۶۰﴾ آیت ۱۷۶ سے ۱۷۸ تک اس شبے کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر کافر لوگ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں تو انہیں دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی کیوں حاصل ہے؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو آخرت میں تو کوئی حصہ ملنا نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں ڈھیل دیئے ہوئے ہے جس کی وجہ سے یہ مزید گناہوں میں ملوث ہوتے جا رہے ہیں۔ ایک وقت آنا ہے جب یہ اکٹھے عذاب میں دھر لئے جائیں گے۔ آیت ۱۷۹ میں اس کے مقابل اس شبے کا جواب ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، اس کے باوجود ان پر مصیبتیں کیوں آرہی ہیں؟ اس کا ایک جواب اس آیت میں یہ دیا گیا ہے کہ یہ آزمائشیں مسلمانوں پر اس لئے آرہی ہیں تاکہ مسلمانوں پر واضح ہو جائے کہ ایمان کے دعوے میں کون کھرا ہے اور کون کھوٹا؟ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس وضاحت کے بغیر نہیں چھوڑ سکتا، اور مشکلات ہی کے وقت یہ پتہ چلتا ہے کہ کون ثابت قدم رہتا ہے اور کون پھسل جاتا ہے؟ اس پر یہ سوال ہو سکتا تھا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مشکل میں ڈالے بغیر کیوں نہیں بتا دیتا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کی باتیں ہر ایک شخص کو نہیں بتاتا، بلکہ جتنی باتیں چاہتا ہے اپنے پیغمبر کو بتا دیتا ہے۔ اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان منافقین کی بدعملی آنکھوں سے دیکھ کر ان کے بارے میں رائے قائم کریں، اس لئے یہ آزمائشیں پیش آرہی ہیں۔ آزمائشوں کی مزید حکمت آگے آیات ۱۸۵ اور ۱۸۶ میں بھی بیان فرمائی گئی ہے۔

﴿۶۱﴾ وہ بخل جسے حرام قرار دیا گیا ہے یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ خرچ کرنے کا حکم دیں، انسان وہاں خرچ نہ کرے، مثلاً زکوٰۃ نہ



لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۖ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿١٧١﴾ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿١٧٢﴾ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَهْدُ الْيَنَّا لَا نُؤْمِنُ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِينَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ ۖ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّن قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧٣﴾

اللہ نے اُن لوگوں کی بات سن لی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ”اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔“ ہم اُن کی یہ بات بھی (ان کے اعمال نامے میں) لکھ لیتے ہیں، اور انہوں نے انبیاء کو جو ناحق قتل کیا ہے، اس کو بھی، اور (پھر) کہیں گے کہ: ”دہکتی آگ کا مزہ چکھو ﴿۱۷۱﴾ یہ سب تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کا نتیجہ ہے جو تم نے آگے بھیج رکھا تھا، ورنہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔“ ﴿۱۷۲﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ: ”اللہ نے ہم سے یہ وعدہ لیا ہے کہ کسی پیغمبر پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر نہ آئے جسے آگ کھا جائے۔“ تم کہو کہ: ”مجھ سے پہلے تمہارے پاس بہت سے پیغمبر کھلی نشانیاں بھی لے کر آئے اور وہ چیز بھی جس کے بارے میں تم نے (مجھ سے) کہا ہے۔ پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا اگر تم واقعی سچے ہو؟“ ﴿۱۷۳﴾

دے۔ ایسی صورت میں جو مال انسان بچا کر رکھے گا، قیامت کے دن وہ اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔ حدیث میں اس کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ ایسا مال ایک زہریلے سانپ کی شکل میں منتقل کر کے اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا جو اس کی باچھیں پکڑ کر کہے گا کہ: ”میں ہوں تیرا مال! میں ہوں تیرا جمع کیا ہوا خزانہ!“۔

﴿۱۷۲﴾ جب زکوٰۃ وغیرہ کے احکام آئے تو بعض یہودیوں نے ان کا مذاق اڑاتے ہوئے اس قسم کے گستاخانہ جملے کہے تھے۔ ظاہر ہے کہ عقیدہ تو ان کا بھی یہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ فقیر ہے، لیکن انہوں نے زکوٰۃ کے حکم کا مذاق اس طرح اڑایا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس بیہودہ جملے کا کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ اس پر عذاب کی وعید سنائی۔

﴿۱۷۳﴾ پچھلے انبیائے کرام کے زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کوئی جانور قربان کرتا تو اس کو کھانا حلال نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ جانور ذبح کر کے کسی میدان میں یا ٹیلے پر رکھ دیتا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ قربانی قبول فرماتے تو آسمان سے ایک آگ آ کر اس قربانی کو کھا لیتی تھی۔ اس کو سختی قربانی کہا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں یہ طریقہ ختم کر دیا گیا اور قربانی کا گوشت انسانوں کے لئے حلال کر دیا گیا۔ یہودیوں نے کہا تھا کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی قربانی لے کر نہیں آئے اس لئے ہم ان پر ایمان نہیں لاتے۔ چونکہ یہ محض وقت گزاری کا ایک بہانہ تھا اور حقیقت میں ایمان لانا پیش نظر نہیں تھا اس لئے انہیں یاد دلایا گیا کہ ماضی میں ایسے نشانات تمہارے سامنے آئے تب بھی تم ایمان لانے کے بجائے انبیائے کرام کو قتل کرتے رہے ہو۔



فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿١٧٣﴾  
 كُلُّ نَفْسٍ ذَا بَقَّةٍ الْمَوْتِ ۖ وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ فَمَن زُحِرَ عَنِ النَّارِ  
 وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۖ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿١٧٤﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَ  
 أَنْفُسِكُمْ ۖ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى  
 كَثِيرًا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿١٧٥﴾ وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ  
 الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ ۖ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ  
 ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبُئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿١٧٦﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَيُجِبُونَ أَنَّ  
 يُحَسَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٧﴾ وَلِلَّهِ  
 مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٧٨﴾

ع

(اے پیغمبر!) اگر پھر بھی یہ لوگ تمہیں جھٹلائیں تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) تم سے پہلے بھی بہت سے اُن رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے جو کھلی کھلی نشانیاں بھی لائے تھے، لکھے ہوئے صحیفے بھی اور ایسی کتاب بھی جو (حق کو) روشن کر دینے والی تھی ﴿۱۷۳﴾ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تم سب کو (تمہارے اعمال کے) پورے پورے بدلے قیامت ہی کے دن ملیں گے۔ پھر جس کسی کو دوزخ سے دُور ہٹا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ صحیح معنی میں کامیاب ہو گیا، اور یہ دُنیوی زندگی تو (جنت کے مقابلے میں) دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں ﴿۱۷۴﴾ (مسلمانو!) تمہیں اپنے مال و دولت اور جانوں کے معاملے میں (اور) آزمایا جائے گا، اور تم اہل کتاب اور مشرکین دونوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ اور اگر تم نے صبر اور تقویٰ سے کام لیا تو یقیناً یہی کام بڑی ہمت کے ہیں (جو تمہیں اختیار کرنے ہیں) ﴿۱۷۵﴾ اور (ان لوگوں کو وہ وقت نہ بھولنا چاہئے) جب اللہ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا تھا کہ: ”تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے ضرور کھول کھول کر بیان کرو گے، اور اس کو چھپاؤ گے نہیں“ پھر انہوں نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لی۔ اس طرح کتنی بری ہے وہ چیز جو یہ مول لے رہے ہیں! ﴿۱۷۶﴾ یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو لوگ اپنے کئے پر بڑے خوش ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اُن کی تعریف ان کاموں پر بھی کی جائے جو انہوں نے کئے ہی نہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ وہ عذاب سے بچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان کے لئے دردناک سزا (تیار) ہے ﴿۱۷۷﴾ اور آسمانوں اور زمین کی سلطنت صرف اللہ کی ہے، اور اللہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے ﴿۱۷۸﴾



إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِيَ الْأَلْبَابِ ۝<sup>(۱۹۰)</sup>  
 الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ  
 وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحَنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝<sup>(۱۹۱)</sup> رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ  
 تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ ۚ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝<sup>(۱۹۲)</sup> رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي  
 لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنَا مِنَ  
 الْآبِرَارِ ۝<sup>(۱۹۳)</sup> رَبَّنَا وَاتِّمَامَا وَعِدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ  
 الْبِعَادَ ۝<sup>(۱۹۴)</sup> فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أَضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّمَّنْ ذَكَرُوا أُنْشَىٰ  
 بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَاذْكُرُوا مَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۚ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَآخَرُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَتَلُوا  
 وَقَتِلُوا ۖ أَلَا كَفَرًا ۚ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَآ دُخْلَهُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ  
 عِنْدِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝<sup>(۱۹۵)</sup>

بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے باری باری آنے جانے میں اُن عقل والوں کے لئے بڑی نشانیاں  
 ہیں ۝<sup>(۱۹۰)</sup> جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے  
 ہیں، (اور انہیں دیکھ کر بول اٹھتے ہیں کہ) ”اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ آپ  
 (ایسے فضول کام سے) پاک ہیں۔ پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے ۝<sup>(۱۹۱)</sup> اے ہمارے رب! آپ جس کسی کو  
 دوزخ میں داخل کر دیں، اسے آپ نے یقیناً رُسوا ہی کر دیا۔ اور ظالموں کو کسی قسم کے مددگار نصیب نہ ہوں گے ۝<sup>(۱۹۲)</sup> اے  
 ہمارے پروردگار! ہم نے ایک منادی کو سنا جو ایمان کی طرف پکار رہا تھا کہ ”اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ“ چنانچہ ہم  
 ایمان لے آئے۔ لہذا اے ہمارے پروردگار! ہماری خاطر ہمارے گناہ بخش دیجئے، ہماری برائیوں کو ہم سے مٹا دیجئے،  
 اور ہمیں نیک لوگوں میں شامل کر کے اپنے پاس بلائیے ۝<sup>(۱۹۳)</sup> اور اے ہمارے پروردگار! ہمیں وہ کچھ بھی عطا فرمائیے جس  
 کا وعدہ آپ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے ہم سے کیا ہے، اور ہمیں قیامت کے دن رُسوا نہ کیجئے۔ یقیناً آپ وعدے کی  
 کبھی خلاف ورزی نہیں کیا کرتے۔“ ۝<sup>(۱۹۴)</sup> چنانچہ اُن کے پروردگار نے ان کی دُعا قبول کی (اور کہا) کہ: ”میں تم میں سے  
 کسی کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم سب آپس میں ایک جیسے ہو۔ لہذا جن لوگوں نے ہجرت کی،  
 اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا گیا، اور میرے راستے میں تکلیفیں دی گئیں، اور جنہوں نے (دین کی خاطر) لڑائی لڑی  
 اور قتل ہوئے، میں ان سب کی برائیوں کا ضرور کفارہ کر دوں گا، اور انہیں ضرور بالضرور ایسے باغات میں داخل کروں گا جن  
 کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے انعام ہوگا، اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بہترین انعام ہے ۝<sup>(۱۹۵)</sup>



لَا يَغُرُّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَا لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَبُسُّ  
 الْبِهَادِ ﴿٩٧﴾ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا  
 مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْآبِرِينَ ﴿٩٨﴾ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ  
 مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خَشِعِينَ لِلَّهِ ۚ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ  
 لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٩٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَبِرُوا وَصَابِرُوا  
 وَرَابِطُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠٠﴾

جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے ان کا شہروں میں (خوشحالی کے ساتھ) چلنا پھرنا تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے ﴿۹۶﴾ یہ تو  
 تھوڑا سا مزہ ہے (جو یہ اڑا رہے ہیں) پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بدترین بچھونا ہے ﴿۹۷﴾ لیکن جو لوگ اپنے پروردگار  
 سے ڈرتے ہوئے عمل کرتے ہیں، اُن کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اللہ کی طرف سے میزبانی  
 کے طور پر وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لئے کہیں بہتر ہے ﴿۹۸﴾ اور بیشک  
 اہل کتاب میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اللہ کے آگے عجز و نیاز کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں،  
 اُس کتاب پر بھی جو تم پر نازل کی گئی ہے اور اُس پر بھی جو اُن پر نازل کی گئی تھی، اور اللہ کی آیتوں کو تھوڑی سی قیمت لے کر  
 بیچ نہیں ڈالتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے پاس اپنے اجر کے مستحق ہیں۔ بیشک اللہ حساب جلد چکانے والا  
 ہے۔ ﴿۹۹﴾ اے ایمان والو! صبر اختیار کرو، مقابلے کے وقت ثابت قدمی دکھاؤ، اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے  
 جمے رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ ﴿۱۰۰﴾

(۹۴) قرآنی اصطلاح میں ”صبر“ بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ اس کی ایک قسم اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استقامت کا مظاہرہ ہے،  
 دوسری قسم گناہوں سے بچنے کے لئے اپنی خواہشات کو دبانا ہے، اور تیسری قسم تکلیفوں کو برداشت کرنا ہے۔ یہاں ان تینوں  
 قسموں کے صبر کا حکم دیا گیا ہے۔ اور سرحدوں کی حفاظت میں جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت بھی داخل ہے، اور نظریاتی سرحدوں کی  
 حفاظت بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام احکام پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

سورہ آل عمران کا ترجمہ اور تشریحات بفضلہ تعالیٰ بروز بدھ مورخہ ۱۸/ رجب ۱۴۲۶ھ مطابق  
 ۲۴/ اگست ۲۰۰۵ء کو مکمل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ باقی حصے کو بھی اپنی رضا کے مطابق بآسانی مکمل کرنے کی  
 توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ النِّسَاءِ

## تعارف

یہ سورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد کے ابتدائی سالوں میں نازل ہوئی، اور اس کا اکثر حصہ جنگ بدر کے بعد نازل ہوا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب مدینہ منورہ کی نوزائیدہ مسلمان ریاست مختلف مسائل سے دوچار تھی۔ زندگی کا ایک نیا ڈھانچہ ابھر رہا تھا جس کے لئے مسلمانوں کو اپنی عبادت کے طریقوں اور اخلاق و معاشرت سے متعلق تفصیلی ہدایات کی ضرورت تھی، دشمن طاقتیں اسلام کی پیش قدمی کا راستہ روکنے کے لئے سر توڑ کوششیں کر رہی تھیں، اور مسلمانوں کو اپنی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لئے نئے مسائل کا سامنا تھا۔ سورہ نساء نے ان تمام معاملات میں تفصیلی ہدایات فراہم کی ہیں۔ چونکہ ایک مستحکم خاندانی ڈھانچہ کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہوتا ہے، اس لئے یہ سورت خاندانی معاملات کے بارے میں مفصل احکام سے شروع ہوئی ہے۔ چونکہ خاندانی نظام میں عورتوں کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے، اس لئے عورتوں کے بارے میں اس سورت نے تفصیلی احکام عطا فرمائے ہیں، اور اسی لئے اس کا نام سورہ نساء ہے۔ جنگ احد کے بعد بہت سی خواتین بیوہ اور بہت سے بچے یتیم ہو گئے تھے، اس لئے سورت نے شروع ہی میں یتیموں کے حقوق کے تحفظ کا انتظام فرمایا ہے، اور آیت نمبر ۱۴ تک میراث کے احکام تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے ساتھ طرح طرح کے ظلم ہوتے تھے، ان مظالم کی ایک ایک کر کے نشاندہی کی گئی ہے، اور معاشرے سے ان کا خاتمہ کرنے کی ہدایات دی گئی ہیں۔ نکاح و طلاق کے مفصل احکام بیان کئے گئے ہیں، اور میاں بیوی کے حقوق متعین فرمائے گئے ہیں۔ یہ مضمون آیت نمبر ۳۵ تک چلا ہے جس کے بعد انسان کی باطنی اور معاشرتی اصلاح کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ مسلمانوں کو عرب کے صحراؤں میں سفر کے دوران پانی کی قلت پیش آتی تھی، لہذا آیت ۴۳ میں تیمم کا طریقہ اور آیت ۱۰۱ میں سفر میں نماز قصر کرنے کی سہولت عطا فرمائی گئی ہے۔ نیز جہاد کے دوران نماز خوف کا طریقہ آیت ۱۰۲ اور ۱۰۳ میں بتایا گیا ہے۔ مدینہ منورہ میں بسنے والے یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کرنے کے باوجود مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا ایک لانتناہی سلسلہ شروع کر رکھا تھا، آیات ۴۴ تا ۵۷ اور ۱۵۳ تا ۱۷۵ میں ان کی بد اعمالیوں کو واضح فرمایا گیا ہے، اور انہیں



راہِ راست پر آنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ آیات ۱۷۱ تا ۱۷۵ میں ان کے ساتھ عیسائیوں کو بھی خطاب میں شامل کر لیا گیا ہے، اور انہیں تثلیث کے عقیدے کے بجائے خالص توحید اختیار کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آیات ۵۸ و ۵۹ میں سیاست اور حکمرانی سے متعلق ہدایات آئی ہیں۔ منافقین کی بد اعمالیاں آیات ۶۰ تا ۷۰ اور پھر آیات ۷۱ تا ۱۵۲ میں واضح کی گئی ہیں۔ آیات ۷۱ تا ۹۶ نے جہاد کے احکام بیان کر کے منافقین کی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ اسی سیاق میں آیات ۹۲ و ۹۳ میں قتل کی سزائیں مقرر فرمائی گئی ہیں۔ جو مسلمان مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے اور کفار کے ہاتھوں مظالم جھیل رہے تھے، ان کی ہجرت کے مسائل آیات ۹۷ تا ۱۰۰ میں زیر بحث آئے ہیں۔ اسی دوران بہت سے تنازعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فیصلے کے لئے لائے گئے۔ آیات ۱۰۵ تا ۱۱۵ میں ان کے فیصلے کا طریقہ آپ کو بتایا گیا ہے، اور مسلمانوں کو آپ کا فیصلہ دل و جان سے قبول کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ آیات ۱۱۶ تا ۱۲۶ میں توحید کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ خاندانی نظام اور میراث کے بارے میں صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد سوالات پوچھے تھے، آیات ۱۲۷ تا ۱۲۹ اور پھر ۱۷۶ میں ان سوالات کا جواب دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ پوری سورت احکام اور تعلیمات سے بھری ہوئی ہے، اور شروع میں تقویٰ کا جو حکم دیا گیا تھا، کہا جاسکتا ہے کہ پوری سورت اس کی تفصیلات بیان کرتی ہے۔



﴿آیاتها ۱۷۶﴾ ﴿سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ ۹۲﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۲۴﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ○ وَاتُّوا إِلَيْ شَيْ أَمْوَالِهِمْ وَلَا تَتَّبِعُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۚ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ○ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِمَّا شِئْتُمْ وَثَلَاثٌ وَرُبَاعٌ ۚ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةٌ أَوْ مَمْلُوكَةٌ ۚ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَلِكَ أَدْنَىٰ ۚ أَلَّا تَعُولُوا ○ وَاتُّوا النِّسَاءَ صَدُقَتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيًّا ○ وَلَا تُوْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ○

سورہ نساء مدنی ہے اور اس میں ایک سو چھتر آیات اور چوبیس رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دُنیا میں) پھیلا دیئے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو، اور رشتہ داریوں (کی حق تلفی سے) ڈرو۔ یقین رکھو کہ اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے ○ اور یتیموں کو ان کے مال دے دو، اور اچھے مال کو خراب مال سے تبدیل نہ کرو، اور ان (یتیموں) کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر مت کھاؤ۔ ○ بیشک یہ بڑا گناہ ہے ○ اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے سکو گے تو (ان سے نکاح کرنے کے بجائے) دوسری عورتوں میں سے کسی سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند آئیں، دو دو سے، تین تین سے، اور چار چار سے۔ ہاں! اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم (ان بیویوں) کے درمیان انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو، یا ان کنیزوں پر جو تمہاری ملکیت میں ہیں۔ اس طریقے میں اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ تم بے انصافی میں مبتلا نہیں ہو گے ○ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔ ہاں! اگر وہ خود اس کا کچھ حصہ خوش دلی سے چھوڑ دیں تو اسے خوشگوااری اور مزے سے کھا لو ○ اور نا سمجھ (یتیموں) کو اپنے وہ مال حوالے نہ کرو جن کو اللہ نے تمہارے لئے زندگی کا سرمایہ بنایا ہے؛ ہاں ان کو ان میں سے کھلاؤ اور پہناؤ، اور ان سے مناسب انداز میں بات کر لو۔ ○

(۱) جب دُنیا میں لوگ ایک دوسرے سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں تو بکثرت یہ کہتے ہیں کہ ”خدا کے واسطے مجھے میرا حق



دے دو، آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے حقوق کے لئے اللہ کا واسطہ دیتے ہو تو دوسروں کا حق ادا کرنے میں بھی اللہ سے ڈرو، اور لوگوں کے حقوق پورے پورے ادا کرو۔

(۲) کسی مرنے والے کے بچے جب یتیم ہو جاتے ہیں تو ان کے باپ کی میراث میں ان کا بھی حصہ ہوتا ہے، مگر ان کی کم عمری کی وجہ سے وہ مال ان کے سپرد نہیں کیا جاتا، بلکہ ان کے سرپرست، مثلاً چچا، بھائی وغیرہ اسے بچوں کے بالغ ہونے تک اپنے پاس امانت کے طور پر رکھتے ہیں۔ اس آیت میں ایسے سرپرستوں کو تین ہدایتیں دی گئی ہیں: ایک یہ کہ جب بچے بالغ اور سمجھ دار ہو جائیں تو ان کی امانت دیانت داری سے ان کے حوالے کر دو۔ دوسرے یہ کہ یہ بددیانتی نہ کرو کہ ان کو ان کے باپ کی طرف سے تو میراث میں اچھی قسم کا مال ملا تھا، مگر تم وہ مال خود رکھ کر گھٹیا قسم کی چیز اس کے بدلے میں دے دو۔ اور تیسرے ایسا نہ کرو کہ ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ گڈمڈ کر کے اس کا کچھ حصہ جان بوجھ کر یا بے پروائی سے خود استعمال کر بیٹھو۔

(۳) صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ نے اس ہدایت کا پس منظر یہ بتایا ہے کہ بعض اوقات ایک یتیم لڑکی اپنے چچا کے بیٹے کی سرپرستی میں ہوتی تھی، وہ خوبصورت بھی ہوتی اور اس کے باپ کا چھوڑا ہوا مال بھی اچھا خاصا ہوتا تھا۔ اس صورت میں اس کا چچا زاد یہ چاہتا تھا کہ اس کے بالغ ہونے پر وہ خود اس سے نکاح کر لے، تاکہ اس کا مال اسی کے تصرف میں رہے، لیکن نکاح میں وہ اس کو اتنا مہر نہیں دیتا تھا جتنا اس جیسی لڑکی کو دینا چاہئے۔ دوسری طرف اگر لڑکی زیادہ خوبصورت نہ ہوتی تو اس کے مال کی لالچ میں اس سے نکاح تو کر لیتا تھا، لیکن نہ صرف یہ کہ اس کا مہر کم رکھتا تھا، بلکہ اس کے ساتھ ایک محبوب بیوی جیسا سلوک بھی نہیں کرتا تھا۔ اس آیت نے ایسے لوگوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اگر تمہیں یتیم لڑکیوں کے ساتھ اس قسم کی بے انصافی کا اندیشہ ہو تو ان سے نکاح مت کرو، بلکہ دوسری عورتوں سے نکاح کرو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں۔

(۴) جاہلیت کے زمانے میں بیویوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں تھی۔ ایک شخص بیک وقت دس دس، بیس بیس عورتوں کو نکاح میں رکھ لیتا تھا۔ اس آیت نے اس کی زیادہ سے زیادہ حد چار تک مقرر فرمادی، اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ انسان تمام بیویوں کے درمیان برابری کا سلوک کرے۔ اور اگر بے انصافی کا اندیشہ ہو تو ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں ایک سے زیادہ نکاح کرنے کو منع فرما دیا گیا ہے۔

(۵) یتیموں کے سرپرستوں کی ذمہ داریاں بیان کی جا رہی ہیں کہ ایک طرف تو انہیں یتیموں کے مال کو امانت سمجھ کر انتہائی احتیاط سے کام لینا ہے، دوسری طرف یہ بھی خیال رکھنا ہے کہ یتیموں کا پیسہ ایسے وقت ان کے حوالے کیا جائے جب ان میں روپے پیسے کی ٹھیک ٹھیک دیکھ بھال کی سمجھ اور اسے صحیح مصرف پر خرچ کرنے کا سلیقہ آچکا ہو۔ جب تک وہ نا سمجھ ہیں، ان کا مال ان کی تحویل میں نہیں دینا چاہئے، اور اگر وہ خود مطالبہ کریں کہ ان کا مال ان کے حوالے کر دیا جائے تو انہیں مناسب انداز میں سمجھا دینا چاہئے۔ اگلی آیت میں اسی اصول کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ وقتاً فوقتاً ان یتیم بچوں کو آزماتے رہنا چاہئے کہ آیا وہ اتنے سمجھ دار ہو گئے ہیں کہ انہیں اپنے مال کے صحیح استعمال کا سلیقہ آ گیا ہے۔ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ صرف بالغ ہو جانا بھی کافی نہیں، بلوغ کے بعد بھی اگر وہ سمجھ دار نہ ہو پائے ہوں تو مال ان کے حوالے نہ کیا جائے، بلکہ جب یہ محسوس ہو جائے کہ ان میں سمجھ آ گئی ہے تب مال ان کے حوالے کیا جائے۔



وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۚ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللهِ حَسِيبًا ﴿٦﴾ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿٧﴾

اور یتیموں کو جانچتے رہو، یہاں تک کہ جب وہ نکاح کے لائق عمر کو پہنچ جائیں، تو اگر تم یہ محسوس کرو کہ ان میں سمجھ داری آچکی ہے تو ان کے مال انہی کے حوالے کر دو۔ اور یہ مال فضول خرچی کر کے اور یہ سوچ کر جلدی جلدی نہ کھا بیٹھو کہ وہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں۔ اور (یتیموں کے سر پرستوں میں سے) جو خود مال دار ہو وہ تو اپنے آپ کو (یتیم کا مال کھانے سے) بالکل پاک رکھے، ہاں اگر وہ خود محتاج ہو تو معروف طریق کار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کھالے۔<sup>(۶)</sup> پھر جب تم ان کے مال انہیں دو تو ان پر گواہ بنالو۔ اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔ ﴿۷﴾

مردوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، چاہے وہ (ترکہ) تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔ ﴿۸﴾

(۶) یتیموں کے سرپرست کو اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے لئے بہت سی خدمات انجام دینی پڑتی ہیں۔ عام حالات میں جب سرپرست خود کھاتا پیتا شخص ہو، اس کے لئے ان خدمات کا کوئی معاوضہ لینا درست نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک باپ اپنی اولاد کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ خود تنگ دست ہے اور یتیم کی ملکیت میں اچھا خاصا مال ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنا ضروری خرچ بھی یتیم کے مال سے لے لے۔ مگر پوری احتیاط سے اتنا ہی لے جتنا عرف اور رواج کے مطابق ضروری ہے، اس سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔

(۷) جاہلیت کے زمانے میں عورتوں کو میراث میں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بعض ایسے واقعات پیش آئے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور وہ بیوی اور نابالغ بچے چھوڑ کر گیا، اور اس کے سارے ترکے پر اس کے بھائیوں نے قبضہ کر لیا، بیوی کو تو عورت ہونے کی وجہ سے میراث سے محروم رکھا گیا، اور بچوں کو نابالغ ہونے کی وجہ سے کچھ نہ دیا گیا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں واضح کر دیا گیا کہ عورتوں کو میراث سے محروم نہیں رکھا جاسکتا، اللہ تعالیٰ نے آگے آیت نمبر ۱۱ سے شروع ہونے والے رکوع میں تمام رشتہ دار مردوں اور عورتوں کے حصے بھی مقرر فرمادیئے۔



وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَرْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِ كَرِمِثْلُ حَظِّ ۝  
الْأُنثَىٰ ۖ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَدَهْنٌ ثُلَاثًا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۖ وَلَا بَوِيهَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۖ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَتْهُ أَبَوَاهُ فَلِلْمِثْلِثِ ۖ

اور جب (میراث کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم اور مسکین لوگ آجائیں، تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دو، اور ان سے مناسب انداز میں بات کرو۔ (۸) اور وہ لوگ (یتیموں کے مال میں خرد برد کرنے سے) ڈریں جو اگر اپنے پیچھے کمزور بچے چھوڑ کر جائیں تو ان کی طرف سے فکر مند رہیں گے۔ لہذا وہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی سیدھی بات کہا کریں (۹) یقین رکھو کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھڑھ رہے ہیں، اور انہیں جلد ہی ایک دہکتی آگ میں داخل ہونا ہوگا۔ (۱۰)

اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے کہ: مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ اور اگر (صرف) عورتیں ہی ہوں، دو یا دو سے زیادہ، تو مرنے والے نے جو کچھ چھوڑا ہو، انہیں اس کا دو تہائی حصہ ملے گا۔ اور اگر صرف ایک عورت ہو تو اسے (ترکے کا) آدھا حصہ ملے گا۔ اور مرنے والے کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا، بشرطیکہ مرنے والے کی کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں تہائی حصے کی حق دار ہے۔

(۸) جب میراث تقسیم ہو رہی ہو تو بعض ایسے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں جو شرعی اعتبار سے وارث نہیں ہیں، قرآن کریم نے یہ ہدایت دی ہے کہ ان کو بھی کچھ دے دینا بہتر ہے۔ مگر ایک تو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس ہدایت پر عمل کرنا مستحب یعنی پسندیدہ ہے، واجب نہیں ہے۔ دوسرے اس پر عمل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بالغ ورثاء ایسے لوگوں کو اپنے حصے میں سے دیں۔ نابالغ ورثاء کے حصے میں سے کسی اور کو دینا جائز نہیں ہے۔

(۹) یعنی جس طرح تمہیں اپنے بچوں کی فکر ہوتی ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد ان کا کیا ہوگا، اسی طرح دوسروں کے بچوں کی بھی فکر کرو، اور یتیموں کے مال میں خرد برد کرنے سے ڈرو۔

(۱۰) آیات ۱۱ و ۱۲ میں مختلف رشتہ داروں کے لئے میراث کے حصے بیان فرمائے گئے ہیں۔ جن رشتہ داروں کے حصے ان آیات



فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِإِمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۖ أَبَاؤُكُمْ وَ  
 أَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۖ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ ۖ إِنْ اللَّهُ كَانَ عَلِيمًا  
 حَكِيمًا ۝ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَّهُنَّ وَلَدٌ  
 فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِيَنَّ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ  
 إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ

ہاں اگر اس کے کئی بھائی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا، (اور یہ ساری تقسیم) اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد ہوگی جو مرنے والے نے کی ہو، یا اگر اس کے ذمے کوئی قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد۔<sup>(۱۱)</sup> تمہیں اس بات کا ٹھیک ٹھیک علم نہیں ہے کہ تمہارے باپ بیٹوں میں سے کون فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے تم سے زیادہ قریب ہے؟ یہ تو اللہ کے مقرر کئے ہوئے حصے ہیں؛ یقین رکھو کہ اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔<sup>(۱۲)</sup> اور تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ کر جائیں، اس کا آدھا حصہ تمہارا ہے، بشرطیکہ ان کی کوئی اولاد (زندہ) نہ ہو۔ اور اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو انہوں نے کی ہو، اور ان کے قرض کی ادائیگی کے بعد تمہیں ان کے ترکے کا چوتھائی حصہ ملے گا۔ اور تم جو کچھ چھوڑ کر جاؤ اس کا ایک چوتھائی اُن (بیویوں) کا ہے، بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد (زندہ) نہ ہو۔

میں مقرر فرمادیئے گئے ہیں ان کو ”ذوی الفروض“ کہا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی ہے کہ ان حصوں کی تقسیم کے بعد جو مال بچ جائے، وہ مرنے والے کے ان قریب ترین مذکر افراد میں تقسیم ہوگا جن کے حصے ان آیتوں میں متعین نہیں کئے گئے، جن کو ”عصبات“ کہا جاتا ہے۔ مثلاً بیٹے، اور اگر چہ بیٹیاں براہ راست عصبات میں شامل نہیں ہیں، لیکن بیٹوں کے ساتھ مل کر بیٹیاں بھی عصبات میں شامل ہو جاتی ہیں، اس صورت میں یہ قاعدہ اس آیت نے مقرر فرمایا ہے کہ ایک بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ ملے گا۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب مرنے والے کی اولاد نہ ہو اور بہن بھائی ہوں تو بھائی کو بہن سے دو گنا حصہ دیا جائے گا۔

(۱۱) یہ قاعدہ ان آیات میں بار بار دہرایا گیا ہے کہ میراث کی تقسیم ہمیشہ میت کے قرضوں کی ادائیگی اور اس کی وصیت پر عمل کرنے کے بعد ہوگی، یعنی اگر مرنے والے کے ذمے کچھ قرض ہو تو اس کے ترکے سے سب سے پہلے اس کے قرضے ادا کئے جائیں گے۔ اس کے بعد اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو کہ فلاں شخص کو جو وارث نہیں ہے، میرے ترکے سے اتنا دیا جائے تو ایک تہائی ترکے کی حد تک اس پر عمل کیا جائے گا، اس کے بعد میراث وارثوں میں تقسیم ہوگی۔

(۱۲) یہ تنبیہ اس بنا پر فرمائی گئی ہے کہ کوئی شخص یہ سوچ سکتا تھا کہ فلاں وارث کو زیادہ حصہ ملتا تو اچھا ہوتا، یا فلاں کو کم ملنا مناسب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ تمہیں مصلحت کا ٹھیک ٹھیک علم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کا جو حصہ مقرر فرمادیا ہے، وہی مناسب ہے۔



فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّلُثُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ تَوْصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۖ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَلَةً أَوْ امْرَأَةً وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٣﴾ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۖ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٤﴾ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ يَدْخُلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٥﴾

ع  
۱۴

اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو تم نے کی ہو، اور تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد ان کو تمہارے ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا۔ اور اگر وہ مرد یا عورت جس کی میراث تقسیم ہونی ہے، ایسا ہو کہ نہ اس کے والدین زندہ ہوں نہ اولاد، اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن زندہ ہو تو ان میں سے ہر ایک چھٹے حصے کا حق دار ہے۔ اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے، (مگر) جو وصیت کی گئی ہو اس پر عمل کرنے کے بعد اور مرنے والے کے ذمے جو قرض ہو اس کی ادائیگی کے بعد، بشرطیکہ (وصیت یا قرض کے اقرار کرنے سے) اس نے کسی کو نقصان نہ پہنچایا ہو۔ یہ سب کچھ اللہ کا حکم ہے، اور اللہ ہر بات کا علم رکھنے والا، بردبار ہے۔ ﴿۱۳﴾ یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، وہ اس کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ایسے لوگ ہمیشہ ان (باغات) میں رہیں گے، اور یہ زبردست کامیابی ہے ﴿۱۴﴾ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرے گا، اسے اللہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کو ایسا عذاب ہو گا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ ﴿۱۵﴾

﴿۱۳﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ قرض کی ادائیگی اور وصیت پر عمل کرنا میراث کی تقسیم پر مقدم ہے، لیکن مرنے والے کو کوئی ایسا کام نہ کرنا چاہئے جس کا مقصد اپنے جائز ورثاء کو نقصان پہنچانا ہو، مثلاً کوئی شخص اپنے وارثوں کو محروم کرنے یا ان کا حصہ کم کرنے کی خاطر اپنے کسی دوست کے لئے وصیت کر دے، یا اس کے حق میں قرضے کا جھوٹا اقرار کر لے، اور مقصد یہ ہو کہ اس کا پورا ترکہ یا اس کا کافی حصہ اس کے پاس چلا جائے اور ورثاء کو نہ ملے یا بہت کم ملے تو ایسا کرنا بالکل ناجائز ہے، اور اسی لئے شریعت نے یہ قاعدہ مقرر فرما دیا ہے کہ کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت نہیں ہو سکتی، نیز غیر وارث کے حق میں بھی ایک تہائی سے زیادہ وصیت نہیں کی جاسکتی۔



وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۝ (۱۵) وَالَّذِينَ يَأْتِيْنَهَا مِنْكُمْ فَاذْذُوهُنَّ فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۝ (۱۶) إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ (۱۷) وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْإِنِّ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ (۱۸)

تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کا ارتکاب کریں، ان پر اپنے میں سے چار گواہ بنالو۔ چنانچہ اگر وہ (ان کی بدکاری کی) گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں روک کر رکھو یہاں تک کہ انہیں موت اٹھا کر لے جائے، یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ پیدا کر دے۔ (۱۳) اور تم میں سے جو دو مرد بدکاری کا ارتکاب کریں، ان کو اذیت دو۔ (۱۵) پھر اگر وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے درگزر کرو۔ بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (۱۶) اللہ نے توبہ قبول کرنے کی جو ذمہ داری لی ہے وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو نادانی سے کوئی برائی کر ڈالتے ہیں، پھر جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے، اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا بھی ہے، حکمت والا بھی۔ (۱۷) توبہ کی قبولیت ان کے لئے نہیں جو برے کام کئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت کا وقت آکھڑا ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کر لی ہے، اور نہ ان کے لئے ہے جو کفر ہی کی حالت میں مر جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے تو ہم نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۱۸)

(۱۳) عورت بدکاری کا ارتکاب کرے تو شروع میں حکم یہ دیا گیا تھا کہ اسے عمر بھر گھر میں مقید رکھا جائے، لیکن ساتھ ہی یہ اشارہ دے دیا گیا تھا کہ بعد میں ان کے لئے کوئی اور سزا مقرر کی جائے گی۔ ”یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ پیدا کر دے“ کا یہی مطلب ہے۔ چنانچہ سورہ نور میں مرد اور عورت دونوں کے لئے زنا کی سزا سو کوڑے مقرر کر دی گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے راستہ پیدا کر دیا ہے، اور وہ یہ کہ غیر شادی شدہ مرد یا عورت کو سو کوڑے لگائے جائیں گے، اور شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے گا۔

(۱۵) یہ مردوں کے خلاف فطرت ہم جنسی کے عمل کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی کوئی متعین سزا مقرر کرنے کے بجائے صرف یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ایسے مردوں کو اذیت دی جائے جس کے مختلف طریقے فقہائے کرام نے تجویز کئے ہیں، مگر ان میں سے کوئی لازمی نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ اس کو حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ  
مَا اتَّيَسَّرَ لَكُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ  
كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾ وَإِنْ أَرَادْتُمْ  
اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ ۖ وَآتَيْتُمْ أَحَدَهُنَّ قِطَاعًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا  
أَتَأْخُذُونََهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا ﴿٢٠﴾

اے ایمان والو! یہ بات تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو، اور ان کو اس غرض سے مقید  
مت کرو کہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس کا کچھ حصہ لے اڑو، الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ اور ان کے  
ساتھ بھلے انداز میں زندگی بسر کرو، اور اگر تم انہیں پسند نہ کرتے ہو تو یہ عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ  
نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو ﴿۱۹﴾ اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہتے ہو، اور ان  
میں سے ایک کو ڈھیر سا رامہر دے چکے ہو، تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے (مہر)  
واپس لو گے؟ ﴿۲۰﴾

﴿۱۹﴾ زمانہ جاہلیت میں یہ ظالمانہ رسم چلی آتی تھی کہ جب کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جاتا تو اس کے ورثاء اس عورت کو بھی  
میراث کا حصہ سمجھ کر اس کے اس معنی میں مالک بن بیٹھتے تھے کہ وہ ان کی اجازت کے بغیر نہ دوسری شادی کر سکتی تھی، اور نہ زندگی  
کے دوسرے اہم فیصلے کرنے کا حق رکھتی تھی۔ اس آیت نے اس ظالمانہ رسم کو ختم فرمایا ہے۔ اسی طرح ایک ظالمانہ رواج یہ تھا کہ  
جب کوئی شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی چاہتا کہ جو مہر ان کو دے چکا ہے وہ اسے واپس مل جائے تو وہ اپنی  
بیوی کو طرح طرح سے تنگ کرنا شروع کر دیتا تھا، مثلاً وہ اس کو گھر میں اس طرح مقید رکھتا تھا کہ وہ اپنی جائز ضروریات کے لئے  
بھی گھر سے باہر نہیں جاسکتی تھی۔ اس طرح ستانے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ بیچاری مجبور ہو کر شوہر سے خلاصی حاصل کرنے کے  
لئے اسے خود یہ پیشکش کرے کہ تم اپنا مہر واپس لے لو، اور مجھے طلاق دے کر میری جان چھوڑ دو۔ آیت کے دوسرے حصے میں اس  
رواج کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

﴿۲۰﴾ اوپر آیت نمبر ۱۹ میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ عورتوں کو گلو خلاصی کے لئے اپنا مہر واپس کرنے پر مجبور کرنا صرف اس صورت میں  
جائز ہے جب انہوں نے کھلی بے حیائی کا ارتکاب کیا ہو۔ اب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم ان سے مہر واپس کرنے کا مطالبہ کرو گے تو  
یہ تمہاری طرف سے ان پر بہتان باندھنے کے مرادف ہوگا کہ انہوں نے کھلی بے حیائی کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ ان کو مہر کی واپسی  
پر مجبور کرنا اس صورت کے سوا کسی حالت میں جائز نہیں ہے۔



وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُم إِلَىٰ بَعْضٍ وَآخُذْنَ مِنْكُمْ مِّمَّا قَاغَلِيظًا ۚ وَلَا تَكْرَهُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا ۚ وَسَاءَ سَبِيلًا ۚ ۲۲ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَشِيَّتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَابِكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۚ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ ۚ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۚ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ ۚ وَأَنْ تَجْبَعُوا أَبْيَنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۚ ۲۳

اور آخر تم کیسے (وہ مہر) واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو چکے تھے، اور انہوں نے تم سے بڑا بھاری عہد لیا تھا؟ ۲۱

اور جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا (کسی وقت) نکاح کر چکے ہوں، تم انہیں نکاح میں نہ لاؤ۔ البتہ پہلے جو کچھ ہو چکا وہ ہو چکا۔ یہ بڑی بے حیائی ہے، گھناؤنا عمل ہے، اور بے راہ روی کی بات ہے ۲۲ تم پر حرام کردی گئی ہیں تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، اور بھتیجیاں اور بھانجیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہارے زیر پرورش تمہاری سوتیلی بیٹیاں جو تمہاری ان بیویوں (کے پیٹ) سے ہوں جن کے ساتھ تم نے خلوت کی ہو۔ ہاں اگر تم نے ان کے ساتھ خلوت نہ کی ہو (اور انہیں طلاق دے دی ہو یا ان کا انتقال ہو گیا ہو) تو تم پر (ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی گناہ نہیں ہے، نیز تمہارے صلیبی بیٹیوں کی بیویاں بھی تم پر حرام ہیں، اور یہ بات بھی حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرو، البتہ جو کچھ پہلے ہو چکا وہ ہو چکا۔ بیشک اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ۲۳

(۱۸) جاہلیت میں لوگ اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کو کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے۔ اس آیت نے اس بے شرمی کو ممنوع قرار دیا، البتہ جن لوگوں نے اسلام سے پہلے ایسا نکاح کیا تھا ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ پچھلا گناہ معاف ہے، کیونکہ اسلام لانے سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، بشرطیکہ اس آیت کے نزول کے بعد نکاح کا یہ تعلق ختم کر لیا جائے۔

(۱۹) سوتیلی بیٹیاں چونکہ عام طور پر انسان کے زیر پرورش ہوتی ہیں اس لئے یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، ورنہ اگر کوئی سوتیلی بیٹی زیر پرورش نہ بھی ہو تو وہ بھی حرام ہے۔



وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ۚ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ  
ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ ۖ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ  
أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۖ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي بَاطِنَاتٍ رَضِيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ  
عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ (۲۳) وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَبِنِ مَا  
مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَيْمَانِكُمْ ۖ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ ۚ

نیز وہ عورتیں (تم پر حرام ہیں) جو دوسرے شوہروں کے نکاح میں ہوں، البتہ جو کنیزیں تمہاری ملکیت میں آجائیں (وہ مستثنیٰ ہیں)۔ اللہ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیئے ہیں۔ ان عورتوں کو چھوڑ کر تمام عورتوں کے بارے میں یہ حلال کر دیا گیا ہے کہ تم اپنا مال (بطور مہر) خرچ کر کے انہیں (اپنے نکاح میں لانا) چاہو، بشرطیکہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کا رشتہ قائم کر کے عفت حاصل کرو، صرف شہوت نکالنا مقصود نہ ہو۔ چنانچہ جن عورتوں سے (نکاح کر کے) تم نے لطف اٹھایا ہو، ان کو ان کا وہ مہر ادا کرو جو مقرر کیا گیا ہو۔ البتہ مہر مقرر کرنے کے بعد بھی جس (کمی بیشی) پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ، اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ یقین رکھو کہ اللہ ہر بات کا علم بھی رکھتا ہے، حکمت کا بھی مالک ہے۔ (۲۴) اور تم میں سے جو لوگ اس بات کی طاقت نہ رکھتے ہوں کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکیں، تو وہ ان مسلمان کنیزوں میں سے کسی سے نکاح کر سکتے ہیں جو تمہاری ملکیت میں ہوں، اور اللہ کو تمہارے ایمان کی پوری حالت خوب معلوم ہے۔ تم سب آپس میں ایک جیسے ہو۔ (۲۵)

(۲۰) جو کنیزیں جہاد کے دوران گرفتار کر کے دارالاسلام لائی جاتی تھیں، اور ان کے شوہر دارالحرب میں رہ جاتے تھے، ان کا نکاح ان شوہروں سے ختم ہو جاتا تھا۔ لہذا جب وہ دارالاسلام میں آنے کے بعد ایک حیض کی مدت پوری کر لیتیں، اور ان کو پچھلے شوہر سے حمل نہ ہوتا تو ان کا نکاح دارالاسلام کے کسی مسلمان سے جائز تھا۔ مگر یہ حکم انہی باندیوں کا ہے جو شرعی طور پر باندی بنائی گئی ہوں۔ آج کل ایسی کنیزوں یا باندیوں کا کہیں وجود نہیں ہے۔

(۲۱) مقصد یہ ہے کہ نکاح ایک دیر پا تعلق کا نام ہے جس کا مقصد صرف جنسی خواہش پوری کرنا نہیں ہے، بلکہ ایک مضبوط خاندانی نظام کا قیام ہے جس میں مرد اور عورت ایک دوسرے کے حقوق اور ذمہ داریوں کے پابند ہوتے ہیں، اور اس رشتے کو عفت و عصمت کے تحفظ اور بقائے نسل انسانی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ صرف شہوت نکالنے کے لئے ایک عارضی تعلق پیدا کر لینا، خواہ وہ پیسے خرچ کر کے ہی کیوں نہ ہو، ہرگز جائز نہیں ہے۔

(۲۲) چونکہ آزاد عورتوں کا مہر عام طور پر زیادہ ہوتا تھا، اور باندیوں کا مہر کم، اس لئے ایک طرف تو حکم یہ دیا گیا ہے کہ باندیوں سے نکاح اسی وقت کیا جائے جب آزاد عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہ ہو، دوسری طرف یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب کسی



فَأَنْكِحُوهُنَّ بِأَذْنِ أَهْلِهِنَّ وَأَتَوْهُنَّ أَجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسْفَحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ فَإِذَا أُحْصِنَ فَإِنَّهُنَّ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۚ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢﴾ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مِيلًا عَظِيمًا ﴿٢٤﴾ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿٢٥﴾

لہذا ان کنیزوں سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرلو، اور ان کو قاعدے کے مطابق ان کے مہر ادا کرو، بشرطیکہ ان سے نکاح کا رشتہ قائم کر کے انہیں پاک دامن بنایا جائے؛ نہ وہ صرف شہوت پوری کرنے کے لئے کوئی (نا جائز) کام کریں، اور نہ خفیہ طور پر ناجائز آشنائیاں پیدا کریں۔ پھر جب وہ نکاح کی حفاظت میں آجائیں، اور اس کے بعد کسی بڑی بے حیائی (یعنی زنا) کا ارتکاب کریں تو ان پر اس سزا سے آدھی سزا واجب ہوگی جو (غیر شادی شدہ) آزاد عورتوں کے لئے مقرر ہے۔ یہ سب (یعنی کنیزوں سے نکاح کرنا) تم میں سے ان لوگوں کے لئے ہے جن کو (نکاح نہ کرنے کی صورت میں) گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ اور اگر تم صبر ہی کئے رہو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۲۲﴾ اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے (احکام کی) وضاحت کر دے، اور جو (نیک) لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں، تم کو ان کے طور طریقوں پر لے آئے، اور تم پر (رحمت کے ساتھ) توجہ فرمائے، اور اللہ ہر بات کا جاننے والا بھی ہے، حکمت والا بھی ﴿۲۳﴾ اللہ تو چاہتا ہے کہ تمہاری طرف توجہ کرے، اور جو لوگ نفسانی خواہشات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہِ راست سے ہٹ کر بہت دُور جا پڑو ﴿۲۴﴾ اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرے، اور انسان کمزور پیدا ہوا ہے۔ ﴿۲۵﴾

باندی سے نکاح کی نوبت آجائے تو پھر محض اس کے باندی ہونے کی وجہ سے اس کو حقیر سمجھنا درست نہیں، کیونکہ فضیلت کا اصل دار و مدار تقویٰ پر ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کس کی ایمانی حالت زیادہ مضبوط ہے، ورنہ اولادِ آدم ہونے کے لحاظ سے سب ایک دوسرے کے برابر ہیں۔

(۲۳) آزاد عورتیں اگر غیر شادی شدہ ہوں تو ان کے لئے زنا کی سزا سو کوڑے ہیں، جس کا ذکر سورہ نور کی دوسری آیت میں آیا ہے۔ زیرِ نظر آیت میں باندیوں کے لئے اس کی آدھی سزا یعنی پچاس کوڑے مقرر فرمائی گئی ہے۔

(۲۴) یعنی انسان فطری طور پر جنسی خواہش کا مقابلہ کرنے میں کمزور واقع ہوا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ خواہش جائز طریقے سے پورا کرنے سے نہیں روکا، بلکہ نکاح کو اس کے لئے آسان بنا دیا ہے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝۲۹ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدُوًّا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝۳۰ إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا ۝۳۱ وَلَا تَتَّبِعُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۚ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبُوا ۚ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَ ۚ وَسَأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝۳۲

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ، الا یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو (تو وہ جائز ہے)، اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ <sup>(۲۹)</sup> یقین جانو اللہ تم پر بہت مہربان ہے <sup>(۲۹)</sup> اور جو شخص زیادتی اور ظلم کے طور پر ایسا کرے گا، تو ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے۔ اور یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے <sup>(۳۰)</sup> اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو تمہاری چھوٹی برائیوں کا ہم خود کفارہ کر دیں گے، <sup>(۳۱)</sup> اور تم کو ایک باعزت جگہ داخل کریں گے۔ <sup>(۳۱)</sup>

اور جن چیزوں میں ہم نے تم کو ایک دوسرے پر فوقیت دی ہے، ان کی تمنا نہ کرو، مرد جو کچھ کمائی کریں گے ان کو اس میں سے حصہ ملے گا، اور عورتیں جو کچھ کمائی کریں گی ان کو اس میں سے حصہ ملے گا۔ <sup>(۳۲)</sup> اور اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو۔ بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ <sup>(۳۲)</sup>

<sup>(۲۹)</sup> اس کا سادہ مطلب تو یہ ہے کہ جس طرح دوسرے کا مال ناحق طریقے سے کھانا حرام ہے، کسی کی جان لینا اس سے زیادہ حرام ہے۔ دوسرے کی جان لینے کو ”اپنے آپ کو قتل کرنے“ سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ کسی دوسرے کو قتل کرنا بالآخر اپنے آپ ہی کو قتل کرنا ہے، کیونکہ اس کے بدلے میں خود قاتل قتل ہو سکتا ہے، اور اگر یہاں قتل نہ بھی ہو تو آخرت میں اس کی جو سزا ملنی ہے وہ موت سے بھی بدتر ہوگی۔ اسی طرح اس تعبیر سے خودکشی کی ممانعت بھی واضح ہو گئی۔ دوسرے کسی کا مال ناحق کھانے کے ساتھ یہ جملہ لانے سے اس طرف بھی اشارہ ممکن ہے کہ جب ناحق مال کھانے کا رواج معاشرے میں عام ہو جائے تو اس کا نتیجہ اجتماعی خودکشی کی صورت میں نکلتا ہے۔

<sup>(۳۱)</sup> اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان گناہ کبیرہ سے پرہیز رکھے تو اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو اللہ تعالیٰ خود ہی معاف فرماتے رہتے ہیں۔ قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نیک عمل، مثلاً وضو، نماز، صدقات وغیرہ سے گناہ صغیرہ معاف ہوتے رہتے ہیں۔

<sup>(۳۲)</sup> بعض خواتین نے اس تمنا کا اظہار کیا تھا کہ اگر وہ مرد ہوتیں تو وہ بھی جہاد وغیرہ میں حصہ لے کر مزید ثواب حاصل کرتیں۔



وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتَوْهُمْ  
 نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝ (۲۸) ۚ الرِّجَالُ قَوُّمُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ  
 اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصَّالِحَاتُ قَنِتٌ حَفِظَتْ لِّلْغَيْبِ بِمَا  
 حَفِظَ اللَّهُ ۚ وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاصْرَبُوهُنَّ ۚ  
 فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا كَبِيرًا ۝ (۲۹)

اور ہم نے ہر اس مال کے کچھ وارث مقرر کئے ہیں جو والدین اور قریب ترین رشتہ دار چھوڑ کر جائیں۔ اور جن لوگوں سے  
 تم نے کوئی عہد باندھا ہو ان کو ان کا حصہ دو۔ بیشک اللہ ہر چیز کا گواہ ہے۔ (۲۸)

مرد عورتوں کے نگران ہیں، کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور کیونکہ مردوں نے اپنے مال  
 خرچ کئے ہیں۔ چنانچہ نیک عورتیں فرماں بردار ہوتی ہیں، مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی دی ہوئی حفاظت سے (اس کے  
 حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں۔ اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو (پہلے) انہیں سمجھاؤ، اور (اگر اس سے کام نہ  
 چلے تو) انہیں خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو، (اور اس سے بھی اصلاح نہ ہو تو) انہیں مار سکتے ہو۔ پھر اگر وہ تمہاری بات  
 مان لیں تو ان کے خلاف کارروائی کا کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ یقین رکھو کہ اللہ سب کے اوپر، سب سے بڑا ہے۔ (۲۹)

اس آیت کریمہ نے یہ اصول واضح فرمادیا کہ جو باتیں انسان کے اختیار سے باہر ہیں ان میں اللہ نے کسی شخص کو کسی اعتبار سے  
 فوقیت دے رکھی ہے اور کسی کو کسی اور حیثیت سے۔ مثلاً کوئی مرد ہے کوئی عورت، کوئی زیادہ طاقت ور ہے کوئی کم، کسی کا حسن  
 دوسرے کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ یہ چیزیں چونکہ انسان کے اختیار میں نہیں ہیں، اس لئے ان کی تمنا کرنے سے فضول حسرت  
 ہونے کے سوا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لہذا ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنا چاہئے۔ البتہ جو اچھائیاں انسان کے  
 اختیار میں ہیں انہیں حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے، اور ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جو شخص جیسا عمل  
 کرتا ہے ویسا ہی نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(۲۸) جب کوئی شخص اسلام لائے اور مسلمانوں میں اس کا کوئی رشتہ دار نہ ہو تو وہ جس شخص کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ہے بعض  
 اوقات اس کے ساتھ یہ عہد کر لیتا تھا کہ وہ دونوں آپس میں بھائی بن گئے ہیں، لہذا وہ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوں گے، اور  
 اگر ان میں سے کسی پر کوئی تاوان آپڑا تو دوسرا اس کی ادائیگی میں اس کی مدد کرے گا۔ اس رشتے کو ”موالاة“ کہا جاتا تھا۔ یہاں  
 اسی معاہدے کا ذکر ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اس آیت کی بنا پر یہی ہے کہ یہ رشتہ اب بھی کسی نو مسلم سے قائم  
 ہو سکتا ہے، اور اگر دوسرے مسلمان رشتہ دار موجود نہ ہوں تو میراث میں بھی ان کا حصہ ہوگا۔



وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۖ إِنَّا اللَّهُ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ۝ (۳۵) وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنُبِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ۝ (۳۶) الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ (۳۷)

اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہو تو (ان کے درمیان فیصلہ کرانے کے لئے) ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے بھیج دو۔ اگر وہ دونوں اصلاح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں کے درمیان اتفاق پیدا فرمادے گا۔ بیشک اللہ کو ہر بات کا علم اور ہر بات کی خبر ہے۔ (۳۵) اور اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نیز رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قریب والے پڑوسی، دُور والے پڑوسی، ساتھ بیٹھے (یا ساتھ کھڑے) ہوئے شخص (۳۰) اور راہ گیر کے ساتھ اور اپنے غلام باندیوں کے ساتھ بھی (اچھا برتاؤ رکھو)۔ بیشک اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔ (۳۶) ایسے لوگ جو خود بھی کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی تلقین کرتے ہیں، اور اللہ نے ان کو اپنے فضل سے جو کچھ دے رکھا ہے اسے چھپاتے ہیں۔ اور ہم نے ایسے ناشکروں کے لئے ذلیل کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے (۳۷)

(۲۹) قرآن و سنت نے پڑوسیوں کے حقوق کی رعایت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ پھر پڑوسیوں کے تین درجے اس آیت میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ پہلے درجے کو ”جار ذی القربی“ (قریب والا پڑوسی) اور دوسرے کو ”الجار الجنب“ کہا گیا ہے جس کا ترجمہ اُوپر ”دُور والے پڑوسی“ سے کیا گیا ہے۔ پہلے سے مراد وہ پڑوسی ہے جس کا گھر اپنے گھر سے بالکل ملا ہوا ہو، اور دوسرے سے مراد وہ پڑوسی ہے جس کا گھر اتنا ملا ہوا نہ ہو۔ بعض حضرات نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ پہلے سے مراد وہ پڑوسی ہے جو رشتہ دار بھی ہو، اور دوسرے سے مراد وہ جو صرف پڑوسی ہو۔ نیز بعض مفسرین نے پہلے کا مطلب مسلمان پڑوسی اور دوسرے کا مطلب غیر مسلم پڑوسی بتایا ہے، قرآن کریم کے الفاظ میں ان سب معانی کی گنجائش ہے۔ خلاصہ یہ کہ پڑوسی چاہے رشتہ دار ہو یا جنبی، مسلمان ہو یا غیر مسلم، اس کا گھر بالکل ملا ہوا ہو یا ایک دو گھر چھوڑ کر ہو، ان سب کے ساتھ اچھے برتاؤ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

(۳۰) یہ پڑوسی کی تیسری قسم ہے جس کو قرآن کریم نے ”صاحب الجنب“ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو عارضی طور پر تھوڑی دیر کے لئے ساتھی بن گیا ہو، مثلاً سفر کے دوران ساتھ بیٹھا یا کھڑا ہو، یا کسی مجلس یا کسی لائن میں لگے ہوئے اپنے



وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَنْ  
يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ۖ وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ  
وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ  
وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ  
بِشَهِيدٍ ۚ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۖ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ لَوْ  
تَسَوَّىٰ بِهِمُ الْآرْضُ ۚ وَلَا يَكْتُمُونَ لِلَّهِ حَدِيثًا ۖ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرُبُوا الصَّلَاةَ  
وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنْبًا إِلَّا عَابِرِ سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۚ

اور وہ لوگ جو اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں، اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ روزِ آخرت پر۔ اور  
شیطان جس کا ساتھی بن جائے تو وہ بدترین ساتھی ہوتا ہے۔ (۳۰) بھلا ان کا کیا بگڑ جاتا اگر یہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان  
لے آتے، اور اللہ نے ان کو جو رزق عطا فرمایا ہے اس میں سے کچھ (نیک کاموں میں) خرچ کر دیتے؟ اور اللہ کو ان کا  
حال خوب معلوم ہے (۳۱) اللہ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا، اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے کئی گنا کر دیتا ہے، اور خود اپنے  
پاس سے عظیم ثواب دیتا ہے (۳۲) پھر (یہ لوگ سوچ رکھیں کہ) اس وقت (ان کا) کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے  
ایک گواہ لے کر آئیں گے، اور (اے پیغمبر!) ہم تم کو ان لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے؟ (۳۳) جن لوگوں  
نے کفر اپنا رکھا ہے اور رسول کے ساتھ نافرمانی کا رویہ اختیار کیا ہے، اُس دن وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش انہیں زمین  
(میں دھنسا کر اُس) کے برابر کر دیا جائے، اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔ (۳۴)

اے ایمان والو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو اس وقت تک نماز کے قریب بھی نہ جانا جب تک تم جو کچھ کہہ رہے ہو  
اسے سمجھنے نہ لگو، اور جنابت کی حالت میں بھی جب تک غسل نہ کر لو (نماز جائز نہیں) (۳۵)

پاس ہو۔ وہ بھی ایک طرح کا پڑوسی ہے، اور اس کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے ہر راہ گیر  
اور مسافر کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، چاہے وہ اپنا ساتھی یا پڑوسی نہ ہو۔

(۳۱) تمام انبیائے کرام قیامت کے روز اپنی اپنی امتوں کے اچھے برے اعمال پر گواہی دیں گے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
کو اپنی امت کے لوگوں پر گواہ بنا کر پیش کیا جائے گا۔

(۳۲) یہ اس وقت کی بات ہے جب شراب کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا۔ لیکن اسی آیت کے ذریعے یہ اشارہ دے دیا گیا تھا کہ وہ کوئی  
اچھی چیز نہیں ہے، کیونکہ اس کو پینے کی حالت میں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے، لہذا کسی وقت اس کو بالکل حرام بھی کیا جاسکتا ہے۔



وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لِمَسْتُمُ النِّسَاءِ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَسَّؤُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَاْمَسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ۝۲۰ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَنْ تَضِلُّوا السَّبِيلَ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ۝۲۱

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمِعْ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَرَاعِنَا لَيْئَابًا لِّسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمِعُوا

انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ ۚ وَلَكِنْ لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝۲۲

الا یہ کہ تم مسافر ہو (اور پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہو)۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو، پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو، اور اپنے چہروں اور ہاتھوں کا (اس مٹی سے) مسح کر لو۔ بیشک اللہ بڑا معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا ہے۔ ۲۰

جن لوگوں کو کتاب (یعنی تورات کے علم) میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا، کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا کہ وہ (کس طرح) گمراہی مول لے رہے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راستے سے بھٹک جاؤ ۲۱ اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے، اور رکھوالا بننے کے لئے بھی اللہ کافی ہے، اور مددگار بننے کے لئے بھی اللہ کافی ہے۔ ۲۲

یہودیوں میں سے کچھ وہ ہیں جو (تورات) کے الفاظ کو ان کے موقع محل سے ہٹا ڈالتے ہیں، اور اپنی زبانوں کو توڑ مروڑ کر اور دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا“ اور ”اسْمِعْ غَيْرَ مُسْمِعٍ“ اور ”رَاعِنَا“ حالانکہ اگر وہ یہ کہتے کہ ”سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا“ اور ”اسْمِعْ وَانْظُرْنَا“ تو ان کے لئے بہتر اور راست بازی کا راستہ ہوتا، لیکن ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر پھٹکار ڈال رکھی ہے، اس لئے تھوڑے سے لوگوں کے سوا وہ ایمان نہیں لاتے۔ ۲۲

(۲۲) اس آیت میں بعض یہودیوں کی دو شرارتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک شرارت یہ ہے کہ وہ تورات کے الفاظ کو اپنے موقع محل سے ہٹا کر اس میں لفظی یا معنوی تحریف کا ارتکاب کرتے ہیں، یعنی بعض اوقات اس کے الفاظ ہی کو کسی اور لفظ سے بدل دیتے ہیں اور بعض اوقات اس لفظ کو غلط معنی پہنا کر اس کی من مانی تفسیر کرتے ہیں۔ اور دوسری شرارت یہ ہے کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے ہیں تو ایسے مبہم اور منافقانہ الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کا ظاہری مفہوم بُرا نہیں ہوتا لیکن وہ اندرونی طور پر ان الفاظ سے وہ بُرے معنی مراد لیتے ہیں جو ان الفاظ میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس کی تین مثالیں اس آیت میں ذکر کی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کہتے ہیں: ”سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا“ جس کے معنی یہ ہیں کہ ”ہم نے آپ کی بات سن لی، اور نافرمانی کی“ وہ ان الفاظ کا مطلب یہ ظاہر کرتے تھے کہ ہم نے آپ کی بات سن لی ہے اور آپ کے مخالفین کی نافرمانی کی ہے، لیکن اندر



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْغَسَ وُجُوهًا  
فَنَرُدَّهَا عَلَى أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿۳۸﴾ إِنَّ  
اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ  
افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿۳۹﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْكُونَ أَنْفُسَهُمْ ۖ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ  
وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿۴۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ﴿۴۱﴾

اے اہل کتاب! جو (قرآن) ہم نے اب نازل کیا ہے، جو تمہارے پاس پہلے سے موجود کتاب کی تصدیق بھی کرتا ہے،  
اس پر ایمان لے آؤ، قبل اس کے کہ ہم کچھ چہروں کو مٹا کر انہیں گدی جیسا بنادیں، یا ان پر ایسی پھٹکار ڈال دیں جیسی  
پھٹکار ہم نے سبت والوں پر ڈالی تھی۔ اور اللہ کا حکم ہمیشہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ ﴿۳۸﴾

بیشک اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے کمتر ہر بات کو جس کے لئے  
چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے، اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے وہ ایسا بہتان باندھتا ہے جو بڑا زبردست  
گناہ ہے۔ ﴿۳۹﴾ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو بڑا پاکیزہ بتاتے ہیں؟ حالانکہ پاکیزگی تو اللہ جس کو چاہتا  
ہے عطا کرتا ہے، اور (اس عطا میں) ان پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوتا۔ ﴿۴۰﴾ دیکھو یہ لوگ اللہ پر کیسے کیسے  
جھوٹے بہتان باندھتے ہیں، اور کھلا گناہ ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے۔ ﴿۴۱﴾

سے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہم نے آپ کی بات سن کر اسی بات کی نافرمانی کی ہے۔ دوسرے وہ کہتے تھے ”اسْمِعْ غَيْرَ مُسْمِعٍ“  
اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ”آپ ہماری بات سنیں، خدا کرے آپ کو کوئی بات سنائی نہ جائے“ ظاہری طور پر وہ یہ دُعا دیتے تھے کہ  
آپ کو کوئی ایسی بات نہ سنائی جائے جو آپ کی طبیعت کے خلاف ہو، لیکن اندر سے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ خدا کرے آپ کو  
ایسی بات نہ سنائی جائے جو آپ کو خوش کرے۔ تیسرے وہ ایک لفظ ”تَرَاعِنَا“ استعمال کرتے تھے جس کے معنی عربی زبان میں تو یہ  
ہیں کہ ”ہمارا خیال رکھئے“ لیکن عبرانی زبان میں یہ ایک گالی کا لفظ تھا جو وہ اندرونی طور پر مراد لیتے تھے۔

﴿۳۲﴾ ”سبت“ سنیچر کے دن کو کہتے ہیں۔ تورات میں بنی اسرائیل کو اس دن روزگار کا کوئی کام کرنے سے منع کیا گیا تھا، لیکن  
ایک بستی کے لوگوں نے اس حکم کی نافرمانی کی جس کے نتیجے میں ان پر عذاب آیا اور ان کو مسخ کر دیا گیا۔ اس واقعے کی تفصیل کے  
لئے دیکھئے سورہ اعراف (۷: ۱۶۳)۔

﴿۳۵﴾ یعنی شرک سے کم کسی گناہ کو اللہ تعالیٰ جب چاہے تو بہ کے بغیر بھی محض اپنے فضل سے معاف کر سکتا ہے، لیکن شرک کی معافی  
اس کے بغیر ممکن نہیں کہ مشرک اپنے شرک سے سچی توبہ کر کے موت سے پہلے پہلے اسلام قبول کر کے توحید پر ایمان لے آئے۔

﴿۳۶﴾ یعنی پاکیزگی اور تقدس اللہ تعالیٰ انہی کو عطا فرماتا ہے جو اپنے اختیاری اعمال سے ایسا چاہتے ہیں، جن کو پاکیزگی اور تقدس



أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ  
لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٥١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن  
يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾ أَمَلَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذَا لَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾

جن لوگوں کو کتاب (یعنی تورات کے علم) میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا، کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا کہ وہ (کس طرح) بتوں اور شیطان کی تصدیق کر رہے ہیں اور کافروں (یعنی بت پرستوں) کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مؤمنوں سے زیادہ سیدھے راستے پر ہیں۔ ﴿۵۱﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے پھٹکار ڈال رکھی ہے، اور جس پر اللہ پھٹکار ڈال دے، اس کے لئے تم کوئی مددگار نہیں پاؤ گے ﴿۵۲﴾ تو کیا ان کو (کائنات کی) بادشاہی کا کچھ حصہ ملا ہوا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں کو گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی کچھ نہ دیتے۔ ﴿۵۳﴾

نہیں ملتا، وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے اختیاری اعمال کے ذریعے خود نا اہل بن جاتے ہیں، لہذا اگر اللہ انہیں تقدس عطا نہیں فرماتا تو اس میں ان پر کوئی ظلم نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے خود اپنے اختیار سے اپنے آپ کو نا اہل بنا دیا ہے۔

﴿۳۷﴾ یہ مدینہ منورہ میں آباد بعض یہودیوں کا تذکرہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہوا تھا کہ وہ اور مسلمان آپس میں امن کے ساتھ رہیں گے، اور ایک دوسرے کے خلاف کسی بیرونی دشمن کی مدد بھی نہیں کریں گے، لیکن انہوں نے اس معاہدے کی بار بار خلاف ورزی کی، اور مسلمانوں کے دشمن کفار مکہ کی حمایت اور درپردہ مدد کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کا ایک بڑا سردار کعب بن اشرف تھا۔ جنگ احد کے بعد وہ ایک اور یہودی سردار جحی بن الخطب کے ساتھ مکہ مکرمہ کے کافروں کے پاس گیا، اور انہیں مسلمانوں کے خلاف تعاون کی پیشکش کی۔ کفار مکہ کے سردار ابوسفیان نے کہا کہ اگر تم واقعی اپنی پیشکش میں سچے ہو تو ہمارے دو بتوں کے سامنے سجدہ کرو، چنانچہ کعب بن اشرف نے ابوسفیان کا یہ مطالبہ بھی مان لیا، پھر ابوسفیان نے کعب سے پوچھا کہ ہمارا مذہب اچھا ہے یا مسلمانوں کا؟ تو اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ تمہارا مذہب مسلمانوں کے مذہب سے زیادہ بہتر ہے، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ مکہ کے یہ لوگ بت پرست ہیں اور کسی آسمانی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے۔ لہذا ان کے مذہب کو بہتر قرار دینے کا مطلب بت پرستی کی تصدیق کرنا تھا۔ اس آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

﴿۳۸﴾ یہودیوں کی مسلمانوں سے دشمنی اور عناد کا سبب قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ انہیں یہ توقع تھی کہ جس طرح پچھلے بہت سے انبیائے کرام بنی اسرائیل میں سے آئے ہیں، نبی آخر الزماں بھی انہی کے خاندان سے ہوں گے، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں مبعوث فرمائے گئے تو یہ لوگ حسد میں مبتلا ہو گئے، حالانکہ نبوت اور خلافت و حکومت تو اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے، وہ جب جس کو مناسب سمجھتا ہے اپنے اس فضل سے سرفراز فرماتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس پر اعتراض کرے تو گویا وہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ کائنات کی بادشاہی اس کے پاس ہے اور اسی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی پسند سے انبیاء کو منتخب کرے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں کہ اگر کہیں بادشاہی واقعی ان کو مل گئی ہوتی تو یہ اتنے بخیل ہیں کہ کسی کو ذرہ برابر بھی کچھ نہ دیتے۔



أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ﴿۳۹﴾ فَبِمَنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَى بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿۴۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْإِيتِنَاسِ وَفُصِّلَتْ لَهُمْ نَارًا ۚ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۴۱﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ لَهُمْ فِيهَا أَرْوَاحٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا شُرَكَاءُ ۚ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿۴۲﴾ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا ۚ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَبِيعًا بَصِيرًا ﴿۴۳﴾

یا یہ لوگوں سے اس بنا پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنا فضل (کیوں) عطا فرمایا ہے؟ سو ہم نے تو ابراہیم کے خاندان کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی اور انہیں بڑی سلطنت دی تھی۔ ﴿۳۹﴾ چنانچہ ان میں سے کچھ ان پر ایمان لائے اور کچھ نے ان سے منہ موڑ لیا۔ اور جہنم ایک بھڑکتی آگ کی شکل میں (ان کافروں کی خبر لینے کے لئے) کافی ہے۔ ﴿۴۰﴾ بیشک جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا ہے ہم انہیں آگ میں داخل کریں گے۔ جب بھی ان کی کھالیں جل جل کر پک جائیں گی، تو ہم انہیں ان کے بدلے دوسری کھالیں دے دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں۔ بیشک اللہ صاحب اقتدار بھی ہے، صاحب حکمت بھی ﴿۴۱﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کو ہم ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں ان کے لئے پاکیزہ بیویاں ہوں گی، اور ہم انہیں گھنی چھاؤں میں داخل کریں گے۔ ﴿۴۲﴾ (مسلمانو!) یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یقین جانو اللہ تم کو جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہوتی ہے۔ بیشک اللہ ہر بات کو سنتا اور ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ ﴿۴۳﴾

(۳۹) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت جس کو مناسب سمجھتا ہے نبوت اور خلافت و حکومت کے اعزاز سے سرفراز فرماتا ہے، چنانچہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت و حکمت عطا فرمائی اور ان کی اولاد میں یہ سلسلہ جاری رکھا۔ چنانچہ ان میں سے بعض (مثلاً) حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام) نبی ہونے کے ساتھ حکمران بھی بنے۔ اب تک ان کے ایک صاحبزادے (حضرت یعقوب علیہ السلام) کی اولاد میں نبوت و حکومت کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ اب اگر ان کے دوسرے صاحبزادے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی اولاد میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز بخش دیا گیا ہے تو اس میں اعتراض یا حسد کی کیا بات ہے؟

(۴۰) اشارہ اس طرف ہے کہ جنت میں روشنی ہوگی مگر دھوپ کی تپش نہیں ہوگی۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝۵۹ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۚ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝۶۰

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحب اختیار ہوں، اُن کی بھی۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اگر واقعی تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اُسے اللہ اور رسول کے حوالے کر دو۔ یہی طریقہ بہترین ہے اور اس کا انجام بھی سب سے بہتر ہے۔ (۵۹) (اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اُس کلام پر بھی ایمان لے آئے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا ہے اور اُس پر بھی جو تم سے پہلے نازل کیا گیا تھا، (لیکن) ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنا مقدمہ فیصلے کے لئے طاغوت کے پاس لے جانا چاہتے ہیں؟ حالانکہ ان کو حکم یہ دیا گیا تھا کہ وہ اس کا کھل کر انکار کریں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بھٹکا کر پر لے درجے کی گمراہی میں مبتلا کر دے (۶۰)

(۳۱) ”صاحب اختیار“ سے مراد اکثر مفسرین کے مطابق مسلمان حکمران ہیں۔ جائز امور میں ان کے احکام کی اطاعت بھی مسلمانوں کا فرض ہے۔ البتہ یہ اطاعت اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ کسی ایسی بات کا حکم نہ دیں جو شرعاً ناجائز ہو۔ اس بات کو قرآن کریم نے دو طرح واضح فرمایا ہے۔ ایک تو اس طرح کہ اصحاب اختیار کی اطاعت کا ذکر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بعد فرمایا ہے جس میں یہ اشارہ ہو گیا کہ حکمرانوں کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تابع ہے۔ دوسرے اگلے جملے میں مزید صراحت کے ساتھ بتا دیا گیا کہ اگر کسی معاملے میں یہ اختلاف پیدا ہو جائے کہ آیا حکمرانوں کا دیا ہوا حکم صحیح اور قابل طاعت ہے یا نہیں تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دو جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم کو قرآن اور سنت کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھو، اگر وہ قرآن و سنت کے خلاف ہو تو اس کی اطاعت واجب نہیں ہے اور حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ ایسا حکم واپس لے لیں، اور اگر وہ حکم قرآن و سنت کے کسی صریح یا جماعی طور پر مسلم حکم کے خلاف نہیں ہے تو عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس پر عمل کریں۔

(۳۲) یہاں سے ان منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اصل میں دل سے تو یہودی تھے، مگر مسلمانوں کو دکھانے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ ان کا حال یہ تھا کہ جس معاملے میں ان کو توقع ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے فائدے کا فیصلہ کریں گے، ان کا مقدمہ تو آپ کے پاس لے جاتے، لیکن جس مسئلے میں ان کو خیال ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ان کے خلاف ہوگا، وہ مقدمہ آپ کے بجائے کسی یہودی سردار کے پاس لے جاتے جسے اس آیت میں ”طاغوت“ کہا گیا ہے۔ منافقین کی طرف سے ایسے کئی واقعات پیش آئے تھے جو متعدد روایات میں منقول ہیں۔ ”طاغوت“ کے لفظی معنی ہیں



وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۖ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ ۖ بِاللَّهِ إِنَّ أَرَادُنَا إِلَّا أَحْسَانًا وَتَوَفِّيَقًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۚ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۚ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۚ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ نے اُتارا ہے اور آؤ رسول کی طرف، تو تم ان منافقوں کو دیکھو گے کہ وہ تم سے پوری طرح منہ موڑ بیٹھتے ہیں (۶۱) پھر اُس وقت ان کا کیا حال بنتا ہے جب خود اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے؟ اُس وقت یہ آپ کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھلائی کرنے اور ملاپ کر دینے کے سوا کچھ نہ تھا۔ (۶۲) یہ وہ ہیں کہ اللہ ان کے دلوں کی ساری باتیں خوب جانتا ہے۔ لہذا تم انہیں نظر انداز کر دو، انہیں نصیحت کرو، اور ان سے خود ان کے بارے میں ایسی بات کہتے رہو جو دل میں اُتر جانے والی ہو۔ (۶۳) اور ہم نے کوئی رسول اس کے سوا کسی اور مقصد کے لئے نہیں بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اور جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر یہ اُس وقت تمہارے پاس آکر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے تو یہ اللہ کو بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان پاتے۔ (۶۴) نہیں، (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصلہ نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کے آگے مکمل طور پر سر تسلیم خم کر دیں (۶۵)

”نہایت سرکش“ لیکن یہ لفظ زبطان کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، اور ہر باطل کے لئے بھی۔ یہاں اس سے مراد وہ حاکم ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے بے نیاز ہو کر یا ان کے خلاف فیصلہ کرے۔ آیت نے واضح کر دیا کہ اگر کوئی شخص زبان سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے، لیکن اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر کسی اور قانون کو ترجیح دے تو وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔

(۶۳) یعنی جب ان کا یہ معاملہ تمام لوگوں پر کھل جاتا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بجائے یا اس کے خلاف کسی اور کو اپنا فیصلہ بنا رہے ہیں، اور اس کے نتیجے میں انہیں ملامت یا کسی سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو یہ جھوٹی تاویل کرتے ہیں کہ ہم اس شخص کے پاس عدالتی فیصلہ کرا نے نہیں گئے تھے، بلکہ مصالحت کا کوئی راستہ نکالنا چاہتے تھے جس سے جھگڑے کے بجائے میل ملاپ کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔



وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوا إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ ط  
 وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لِلَّهِمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيثًا ۖ وَإِذَا أَلَّاتِيَهُمْ مِنْ لَدُنَّا  
 أَجْرًا عَظِيمًا ۖ وَلَهْدَيْنَهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۖ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ  
 الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ  
 أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۖ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عِلْمًا ۖ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
 خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوْ تَنْفِرُوا جَمِيعًا ۖ وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيَبْطُلَنَّ ۖ فَإِنْ  
 أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْنَا إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ۖ

اور اگر ہم ان کے لئے یہ فرض قرار دے دیتے کہ تم اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے تھوڑے  
 سے لوگوں کے سوا کوئی اس پر عمل نہ کرتا۔ اور جس بات کی انہیں نصیحت کی جا رہی ہے اگر یہ لوگ اس پر عمل کر لیتے تو ان  
 کے حق میں کہیں بہتر ہوتا، اور ان میں خوب ثابت قدمی پیدا کر دیتا (۲۴) اور اُس صورت میں ہم انہیں خود اپنے پاس سے  
 یقیناً اجر عظیم عطا کرتے (۲۵) اور انہیں ضرور بالضرور سیدھے راستے تک پہنچا دیتے (۲۶) اور جو لوگ اللہ اور رسول کی  
 اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔  
 اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں! (۲۷) یہ فضیلت اللہ کی طرف سے ملتی ہے، اور (لوگوں کے حالات سے) پوری طرح باخبر  
 ہونے کے لئے اللہ کافی ہے۔ (۲۸)

اے ایمان والو! (دُشمن سے مقابلے کے وقت) اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ رکھو، پھر الگ الگ دستوں کی شکل میں (جہاد  
 کے لئے) نکلو، یا سب لوگ اکٹھے ہو کر نکل جاؤ (۲۹) اور یقیناً تم میں کوئی ایسا بھی ضرور ہوگا جو (جہاد میں جانے سے)  
 سستی دکھائے گا، پھر اگر (جہاد کے دوران) تم پر کوئی مصیبت آجائے تو وہ کہے گا کہ اللہ نے مجھ پر بڑا انعام کیا کہ میں  
 ان لوگوں کے ساتھ موجود نہیں تھا (۳۰)

(۲۴) مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو تو بڑے سخت قسم کے احکام دیئے گئے تھے جن میں توبہ کے طور پر ایک دوسرے کو قتل کرنا بھی  
 شامل تھا جس کا ذکر سورہ بقرہ (آیت ۵۴) میں آیا ہے۔ اب اگر کوئی ایسا سخت حکم دیا جاتا تو ان میں سے کوئی بھی عمل نہ کرتا۔ اب  
 تو اس سے بہت آسان حکم یہ دیا جا رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو دل و جان سے تسلیم کر لو، لہذا عافیت کا راستہ  
 یہی ہے کہ وہ آپ کے صحیح معنی میں فرماں بردار بن جائیں۔ بعض روایات میں ہے کہ کچھ یہودیوں نے یہ شیخی بھی بگھاری تھی کہ  
 ہم تو ایسی فرماں بردار قوم ہیں کہ جب ہمارے آباء و اجداد کو یہ حکم ہوا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں تو انہوں نے اس جیسے سخت حکم  
 پر عمل کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ یہ آیت ان کی اس بات کی طرف بھی اشارہ کر رہی ہے۔

(۲۵) یعنی وہ کسی کو یہ فضیلت معاذ اللہ بے خبری کے ساتھ نہیں دیتا بلکہ ہر شخص کے عملی حالات سے باخبر ہو کر دیتا ہے۔



وَلِإِنِ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يُّكَيِّتُنِي كُنْتُ  
مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٥٠﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا  
بِالْآخِرَةِ ۖ وَمَن يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٥١﴾  
وَمَالَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ  
الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِن لَّدُنكَ  
وَلِيًّا ۖ وَاجْعَلْ لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ  
وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّ كَيْدَ  
الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۚ ﴿٥٣﴾

اور اگر اللہ کی طرف سے کوئی فضل (یعنی فتح اور مال غنیمت) تمہارے ہاتھ آئے تو وہ کہے گا — گویا تمہارے اور اس کے درمیان کبھی کوئی دوستی تو تھی ہی نہیں<sup>(۴۹)</sup> — کہ ”کاش میں بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوتا تو بہت کچھ میرے بھی ہاتھ لگ جاتا!“ ﴿۵۰﴾ لہذا اللہ کے راستے میں وہ لوگ لڑیں جو دنیوی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچ دیں۔ اور جو اللہ کے راستے میں لڑے گا، پھر چاہے قتل ہو جائے یا غالب آجائے، (ہر صورت میں) ہم اس کو زبردست ثواب عطا کریں گے۔ ﴿۵۱﴾ اور (اے مسلمانو!) تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دُعا کر رہے ہیں کہ ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لائیے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں، اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کر دیجئے، اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی مددگار کھڑا کر دیجئے“ ﴿۵۲﴾ جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں، اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے وہ طاغوت کے راستے میں لڑتے ہیں۔ لہذا (اے مسلمانو!) تم شیطان کے دوستوں سے لڑو۔ (یاد رکھو کہ) شیطان کی چالیں درحقیقت کمزور ہیں۔ ﴿۵۳﴾

(۴۹) مطلب یہ ہے کہ یوں تو وہ زبان سے مسلمانوں سے دوستی کا دم بھرتے ہیں، لیکن جنگ میں شرکت سے متعلق ان کے خیالات تمام تر خود غرضی پر مبنی ہوتے ہیں۔ خود تو جنگ میں شریک ہوتے نہیں، اور جب مسلمانوں کو جنگ میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ان کو افسوس نہیں ہوتا بلکہ وہ خوش ہوتے ہیں کہ ہم اس تکلیف سے بچ گئے، اور اگر مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے، اور مال غنیمت حاصل ہوتا ہے تو یہ خوش ہونے کے بجائے حسرت کرتے ہیں کہ ہم اس مال غنیمت سے محروم رہ گئے۔



أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كُتِبَتْ عَلَيْنَا الْقِتَالُ ۚ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ ۚ وَلَا تَظْلُمُونَ فَتِيلًا ﴿٢٥﴾ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَدْرِكَكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ ۚ وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۚ قُلْ كُلُّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ فَمَا لِهَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿٢٦﴾ مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۚ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ ۚ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿٢٧﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے (مکی زندگی میں) کہا جاتا تھا کہ اپنے ہاتھ روک کر رکھو، اور نماز قائم کئے جاؤ اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ پھر جب ان پر جنگ فرض کی گئی تو ان میں سے ایک جماعت (دُشمن) لوگوں سے ایسی ڈرنے لگی جیسے اللہ سے ڈرا جاتا ہے، یا اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگی، اور ایسے لوگ کہنے لگے کہ ”اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم پر جنگ کیوں فرض کر دی، تھوڑی مدت تک ہمیں مہلت کیوں نہیں دی؟“ کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تو تھوڑا سا ہے، اور جو شخص تقویٰ اختیار کرے اس کے لئے آخرت کہیں زیادہ بہتر ہے، اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا ﴿۲۵﴾ تم جہاں بھی ہو گے (ایک نہ ایک دن) موت تمہیں جا پکڑے گی، چاہے تم مضبوط قلعوں میں کیوں نہ رہ رہے ہو۔ اور اگر ان (منافقوں) کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اگر ان کو کوئی برا واقعہ پیش آ جاتا ہے تو (اے پیغمبر!) وہ (تم سے) کہتے ہیں کہ یہ برا واقعہ آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ کہہ دو کہ ہر واقعہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کوئی بات سمجھنے کے نزدیک تک نہیں آتے؟ ﴿۲۶﴾ تمہیں جو کوئی اچھائی پہنچتی ہے تو وہ محض اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اور جو کوئی بُرائی پہنچتی ہے، وہ تو تمہارے اپنے سبب سے ہوتی ہے، اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں لوگوں کے پاس رسول بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ (اس بات کی) گواہی دینے کے لئے کافی ہے۔ ﴿۲۷﴾

(۲۷) مکہ مکرمہ میں جب مسلمان کفار کے سخت ظلم و ستم کا سامنا کر رہے تھے، اس وقت بہت سے حضرات کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ ان کافروں سے انتقام لینے کے لئے جنگ کریں، لیکن اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کا حکم



نہیں آیا تھا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی مصلحت اس میں تھی کہ وہ صبر و ضبط کی بھٹی سے گذر کر اعلیٰ اخلاق سے آراستہ ہوں، اور پھر جہاد کریں تو وہ محض ذاتی انتقام کے جذبے سے نہ ہو بلکہ اللہ کی رضا کی خاطر ہو۔ لہذا اس وقت جب کچھ مسلمان جہاد کی تمنا کرتے تو ان سے یہی کہا جاتا تھا کہ ابھی اپنے ہاتھ روک کر رکھو، اور جہاد کے بجائے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کے احکام پر عمل کرتے رہو۔ بعد میں جب یہ حضرات ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو جہاد فرض ہوا۔ اُس وقت چونکہ ان کی پرانی تمنا پوری ہو گئی تھی، اس لئے انہیں خوش ہونا چاہئے تھا، لیکن ان میں سے بعض حضرات کے دل میں یہ خیال آیا کہ تقریباً تیرہ سال کی صبر آزما تکلیفوں کے بعد اب ذرا سکون اور عافیت کی زندگی میسر آئی ہے، اس لئے جہاد کا حکم کچھ مزید مؤخر ہو جاتا تو اچھا تھا۔ ان کی یہ خواہش اللہ تعالیٰ کے حکم پر کوئی اعتراض نہیں تھا، بلکہ بشریت کا ایک تقاضا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ صحابہ کا مقام اس بات سے بلند ہونا چاہئے کہ وہ کسی وقت دنیاوی راحت و آرام کو اتنی اہمیت دیں کہ اس کی خاطر آخرت کے فوائد کو کچھ عرصے کے لئے ہی سہی مؤخر کرنے کی آرزو کرنے لگیں۔

(۴۸) ان آیتوں میں دو حقیقتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے حکم ہی سے ہوتا ہے۔ کسی کو کوئی فائدہ پہنچے تو وہ بھی اللہ کے حکم سے پہنچتا ہے، اور نقصان پہنچے تو وہ بھی اسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ دوسری حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ کسی کو فائدہ یا نقصان پہنچانے کا حکم اللہ تعالیٰ کب اور کس بنا پر دیتے ہیں۔ اس کے بارے میں آیت ۷۹ نے یہ بتایا ہے کہ جہاں تک کسی کو فائدہ پہنچنے کا تعلق ہے اس کا حقیقی سبب صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے، کیونکہ کسی بھی مخلوق کا اللہ تعالیٰ پر کوئی اجارہ نہیں آتا کہ وہ اسے ضرور فائدہ پہنچائے، اور اگر اس فائدے کا کوئی ظاہری سبب اس شخص کا کوئی عمل نظر آتا بھی ہو تو اس عمل کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہی فضل ہے، اور اس شخص کا کوئی ذاتی استحقاق نہیں ہے۔ دوسری طرف اگر انسان کو کوئی نقصان پہنچے تو اگرچہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ یہ حکم اسی وقت فرماتے ہیں جب اس شخص نے اپنے اختیاری عمل سے کوئی غلطی کی ہو۔ اب منافقین کا معاملہ یہ تھا کہ جب انہیں کوئی فائدہ پہنچتا تو اس کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے، لیکن کوئی نقصان ہو جاتا تو اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے لگا دیتے تھے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو نقصان کی ذمہ داری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد کر رہے ہیں، اگر اس سے مراد یہ ہے کہ یہ نقصان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا ہے، تو یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ اس کائنات میں تمام کام اللہ ہی کے حکم سے ہوتے ہیں، کسی اور کے حکم سے نہیں، اور اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی غلطی اس کا سبب بنی ہے تو یہ بات بھی غلط ہے، ہر انسان کو خود اس کے اپنے کسی عمل کی وجہ سے نقصان پہنچتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، لہذا نہ تو کائنات میں واقع ہونے والے کسی تکوینی واقعے کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے، اور نہ آپ فرائض رسالت میں کسی کوتاہی کے مرتکب ہو سکتے ہیں جس کا خمیازہ آپ کی امت کو بھگتنا پڑے۔



مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۚ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا ۖ  
وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَدُوا مِنْ عِنْدِكَ بِيَّتَ طَافَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۖ  
وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۚ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝۸۱  
أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝۸۲  
وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى  
أُولَى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۖ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ  
وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ۝۸۳

جو رسول کی اطاعت کرے، اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جو (اطاعت سے) منہ پھیر لے تو (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں ان پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا (کہ تمہیں ان کے عمل کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے) ۝۸۱ اور یہ (منافق لوگ سامنے تو) اطاعت کا نام لیتے ہیں، مگر یہ تمہارے پاس سے باہر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کے وقت تمہاری باتوں کے خلاف مشورے کرتا ہے، اور یہ رات کے وقت جو مشورے کرتے ہیں، اللہ وہ سب لکھ رہا ہے۔ لہذا تم ان کی پروا مت کرو، اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اور اللہ تمہاری حمایت کے لئے بالکل کافی ہے ۝۸۲ کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بکثرت اختلافات پاتے۔ ۝۸۳ اور جب ان کو کوئی بھی خبر پہنچتی ہے، چاہے وہ امن کی ہو یا خوف پیدا کرنے والی، تو یہ لوگ اسے (تحقیق کے بغیر) پھیلا نا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اگر یہ اس (خبر) کو رسول کے پاس یا اصحاب اختیار کے پاس لے جاتے تو ان میں سے جو لوگ اس کی کھوج نکالنے والے ہیں وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے۔ اور (مسلمانو!) اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے ۝۸۴

۝۸۱ یوں تو انسان کی کوئی کاوش کمزوریوں سے پاک نہیں ہوتی، لہذا انسان کی کتابوں میں تضاد اور اختلافات پائے جاتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص اپنی کسی کتاب کے بارے میں یہ جھوٹا دعویٰ کرے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے تو اس میں یقیناً تضادات اور اختلافات ہوں گے۔ جن لوگوں نے پچھلے انبیائے کرام کی کتابوں میں تحریفات کی ہیں، ان کی وجہ سے ان کتابوں میں جو تضادات پیدا ہوئے ہیں، وہ اس بات کی واضح دلیل ہیں۔ ان کی تفصیل دیکھنی ہو تو حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی کتاب ”اظہار الحق“ کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کا اردو ترجمہ ”بائبل سے قرآن تک“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۝۸۲ بعض لوگ مدینہ منورہ میں بلا تحقیق افواہیں پھیلا دیا کرتے تھے جس سے معاشرے میں بڑا نقصان ہوتا تھا۔ یہ آیت ایسی بے تحقیق افواہوں پر یقین کر لینے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کی ممانعت کر رہی ہے۔



فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكْفِرُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضَ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكْفُرَ  
بِأَسْ الذِّينَ كَفَرُوا ۖ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا ﴿۱۵﴾ مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ  
لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا ۖ وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ  
شَيْءٍ مُّقِيتًا ﴿۱۶﴾ وَإِذَا حَيَّيْتُمْ بِحَيَّةٍ فَحْيُوا بِأَحْسَنِ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ  
شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿۱۷﴾ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ لِيَجْزِيَكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ وَمَنْ  
أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ۚ ﴿۱۸﴾

لہذا (اے پیغمبر!) تم اللہ کے راستے میں جنگ کرو۔ تم پر اپنے سوا کسی اور کی ذمہ داری نہیں ہے۔، ہاں مؤمنوں کو ترغیب دیتے رہو۔ کچھ بعید نہیں کہ اللہ کافروں کی جنگ کا زور توڑ دے۔ اور اللہ کا زور سب سے زیادہ زبردست ہے اور اس کی سزا بڑی سخت ﴿۱۵﴾ جو شخص کوئی اچھی سفارش کرتا ہے، اس کو اس میں سے حصہ ملتا ہے، اور جو کوئی بُری سفارش کرتا ہے اسے اس بُرائی میں سے حصہ ملتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔ ﴿۱۶﴾ اور جب تمہیں کوئی شخص سلام کرے تو تم اسے اس سے بھی بہتر طریقے پر سلام کرو، یا (کم از کم) انہی الفاظ میں اس کا جواب دے دو۔ بیشک اللہ ہر چیز کا حساب رکھنے والا ہے ﴿۱۷﴾ اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ تمہیں ضرور بالضرور قیامت کے دن اکٹھا کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور کون ہے جو اللہ سے زیادہ بات کا سچا ہو؟ ﴿۱۸﴾

﴿۱۵﴾ پچھلی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم دیا گیا تھا کہ آپ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیں، اس کے بعد یہ آیت لا کر اشارہ کر دیا گیا کہ آپ کی ترغیب کے نتیجے میں جو لوگ جہاد کریں گے، ان کے ثواب میں آپ بھی شریک ہوں گے۔ کیونکہ جب کوئی شخص اچھی سفارش کے نتیجے میں کوئی نیک کام کرے تو جو ثواب کام کرنے والے کو ملتا ہے، اس میں سفارش کرنے والے کو بھی حصہ ملتا ہے۔ اسی طرح اگر بُری سفارش کے نتیجے میں کوئی غلط کام ہو جائے تو جتنا گناہ غلط کام کرنے والے کو ملے گا، بُری سفارش کرنے والا بھی اس کے گناہ میں شریک ہوگا۔

﴿۱۶﴾ سلام بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور ایک سفارش ہے، اس لئے سفارش کا حکم بیان کرنے کے ساتھ سلام کا حکم بھی بیان فرما دیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ پسندیدہ بات تو یہ ہے کہ جن الفاظ میں کسی شخص نے سلام کیا ہے اس سے بہتر الفاظ میں اس کا جواب دیا جائے، مثلاً اگر اس نے صرف ”السلام علیکم“ کہا ہے تو جواب میں ”وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ“ کہا جائے، اور اگر اس نے ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ کہا ہے تو جواب میں ”وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ کہا جائے، لیکن اگر بعینہ اسی کے الفاظ میں جواب دے دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے، البتہ کسی مسلمان کے سلام کا بالکل جواب نہ دینا گناہ ہے۔



فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنِينَ وَاللَّهُ أَرَّ كَسَبُهُمْ بِمَا كَسَبُوا ۖ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۚ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝ (۵۳) وَذُوالِ كُفْرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوا مِنْهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ (۵۴) إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتِلُوكُمْ ۚ

پھر تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقین کے بارے میں تم دو گروہ بن گئے؟، حالانکہ انہوں نے جیسے کام کئے ہیں ان کی بنا پر اللہ نے ان کو اوندھا کر دیا ہے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ایسے شخص کو ہدایت پر لاؤ جسے اللہ (اس کی خواہش کے مطابق) گمراہی میں مبتلا کر چکا؟ اور جسے اللہ گمراہی میں مبتلا کر دے، اس کے لئے تم ہر گز کبھی کوئی بھلائی کا راستہ نہیں پاسکتے (۵۳) یہ لوگ چاہتے ہیں کہ جس طرح انہوں نے کفر کو اپنا لیا ہے، اسی طرح تم بھی کافر بن کر سب برابر ہو جاؤ۔ لہذا (اے مسلمانو!) تم ان میں سے کسی کو اس وقت تک دوست نہ بناؤ جب تک وہ اللہ کے راستے میں ہجرت نہ کر لے۔ چنانچہ اگر وہ (ہجرت سے) اعراض کریں تو ان کو پکڑو، اور جہاں بھی انہیں پاؤ، انہیں قتل کر دو، اور ان میں سے کسی کو نہ اپنا دوست بناؤ، نہ مددگار۔ (۵۴) ہاں وہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جا ملیں جن کے اور تمہارے درمیان کوئی (صلح کا) معاہدہ ہے، یا وہ لوگ جو تمہارے پاس اس طرح آئیں کہ ان کے دل تمہارے خلاف جنگ کرنے سے بھی بیزار ہوں، اور اپنی قوم کے خلاف جنگ کرنے سے بھی (۵۴) اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا، تو وہ تم سے ضرور جنگ کرتے۔

(۵۳) ان آیتوں میں چار قسم کے منافقین کا تذکرہ ہے، اور ان میں سے ہر قسم کا حکم الگ بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت (نمبر ۸۸) میں منافقین کی پہلی قسم کا ذکر ہے۔ یہ مکہ مکرمہ کے کچھ لوگ تھے جو مدینہ منورہ آئے اور ظاہری طور پر مسلمان ہو گئے، اور مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کر لی۔ کچھ عرصے کے بعد انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تجارت کے بہانے مکہ مکرمہ جانے کی اجازت لی، اور واپس چلے گئے۔ ان کے بارے میں بعض مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ یہ سچے مسلمان تھے، اور بعض انہیں منافق سمجھتے تھے۔ لیکن جب وہ مکہ مکرمہ جا کر واپس نہ لوٹے تو ان کا کفر ظاہر ہو گیا، کیونکہ اس وقت مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنا ایمان کا لازمی حصہ تھا، اور جو شخص قدرت کے باوجود ہجرت نہ کرے، اسے مسلمان قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔ لہذا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اب جبکہ ان کا نفاق ظاہر ہو چکا ہے، تو ان کے بارے میں کسی اختلاف رائے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

(۵۴) پچھلی آیت میں ایسے منافقین سے جنگ کرنے اور انہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا جن کا کفر ظاہر ہو چکا ہو، البتہ اس حکم سے دو قسم کے لوگ مستثنیٰ کئے گئے ہیں، ایک وہ لوگ جو کسی ایسی غیر مسلم قوم کے ساتھ جا ملے ہوں جن سے مسلمانوں نے جنگ نہ



فَإِنْ اعْتَرَفُواكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَالْقُوا إِلَيْكُمْ السَّلَامَ ۖ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۙ  
 سَتَجِدُونَ أَخْرَيْنَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ ۖ كُلًّا رَدُّوهُ إِلَى الْفِتْنَةِ  
 أُرْكَسُوا فِيهَا فَإِنْ لَمْ يَعْتَرِفُواكُمْ وَيُقْلُوا إِلَيْكُمْ السَّلَامَ وَيَكْفُوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَ  
 اقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۖ وَأُولَئِكَ جَعَلْنَاكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ۙ وَمَا كَانَ  
 لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَّةٌ  
 مُّسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَدَّقُوا ۖ

چنانچہ اگر وہ تم سے کنارہ کشی کرتے ہوئے تم سے جنگ نہ کریں، اور تم کو امن کی پیشکش کر دیں تو اللہ نے تم کو ان کے خلاف کسی کارروائی کا کوئی حق نہیں دیا ۙ (منافقین میں) کچھ دوسرے لوگ تمہیں ایسے ملیں گے جو یہ چاہتے ہیں کہ وہ تم سے بھی محفوظ رہیں اور اپنی قوم سے بھی۔ (مگر) جب کبھی ان کو فتنے کی طرف واپس بلایا جائے، وہ اس میں اوندھے منہ جاگرتے ہیں۔ چنانچہ اگر یہ لوگ تم سے (جنگ کرنے سے) علیحدگی اختیار نہ کریں، اور نہ تمہیں امن کی پیشکش کریں، اور نہ اپنے ہاتھ روکیں، تو ان کو بھی پکڑو، اور جہاں کہیں انہیں پاؤ، انہیں قتل کرو۔ ایسے لوگوں کے خلاف اللہ نے تم کو کھلا کھلا اختیار دے دیا ہے۔ ۙ کسی مسلمان کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرے، الا یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر بیٹھے تو اس پر فرض ہے کہ وہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور دیت (یعنی خون بہا) مقتول کے وارثوں کو پہنچائے، الا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔

کرنے کا معاہدہ کر رکھا ہو، اور دوسرے وہ لوگ جو جنگ سے بالکل بیزار ہوں، نہ مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہوں، نہ اپنی قوم سے، اور چونکہ ان کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر وہ مسلمانوں سے نہیں لڑیں گے تو خود ان کی قوم ان سے لڑے گی، اس لئے وہ مسلمانوں کے پاس آجاتے ہیں۔ ان کے بارے میں بھی مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں۔ یہاں تک منافقین کی تین قسمیں ہو گئیں۔

(۵۵) اوپر کی آیت میں تیسری قسم کے لوگوں کا ذکر تھا جو واقعہً جنگ سے بیزار تھے، اور مسلمانوں سے لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اس آیت میں منافقین کی چوتھی قسم کا ذکر ہے جو جنگ سے بیزار ہونے کے معاملے میں بھی منافقت سے کام لیتے تھے۔ ظاہر تو یہ کرتے تھے کہ ہم مسلمانوں سے جنگ نہیں چاہتے، لیکن یہ جھوٹا اعلان صرف اس لئے تھا تا کہ مسلمان انہیں قتل کرنے سے باز رہیں۔ چنانچہ جب دوسرے کفار انہیں مسلمانوں کے خلاف کسی سازش کی دعوت دیتے تو یہ اس سازش میں بے دھڑک شریک ہو جاتے تھے۔

(۵۶) غلطی سے قتل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کو قتل کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ یا تو بے خیالی میں گولی چل گئی، یا مارنا تو کسی



فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدْيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۖ تَوْبَةٌ مِّنَ اللَّهِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءُ ۖ ذَٰلِكَ جَهَنَّمُ ۖ خُلِدَ فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿۹۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ فَعِندَ اللَّهِ مَغَانِمٌ كَثِيرَةٌ ۖ

اور اگر مقتول کسی ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو جو تمہاری دشمن ہے، مگر وہ خود مسلمان ہو، تو بس ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا فرض ہے، (خون بہا دینا واجب نہیں)۔ اور اگر مقتول ان لوگوں میں سے ہو جو (مسلمان نہیں، مگر) ان کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہے، تو بھی یہ فرض ہے کہ خون بہا اس کے وارثوں تک پہنچایا جائے، اور ایک مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے۔ ہاں اگر کسی کے پاس غلام نہ ہو تو اس پر فرض ہے کہ دو مہینے تک مسلسل روزے رکھے۔ یہ توبہ کا طریقہ ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے، اور اللہ علیم و حکیم ہے ﴿۹۲﴾ اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضب نازل کرے گا اور لعنت بھیجے گا، اور اللہ نے اس کے لئے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۹۳﴾ اے ایمان والو! جب تم اللہ کے راستے میں سفر کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو، اور جو شخص تم کو سلام کرے تو دُنیوی زندگی کا سامان حاصل کرنے کی خواہش میں اس کو یہ نہ کہو کہ ”تم مؤمن نہیں ہو“ ﴿۹۴﴾ کیونکہ اللہ کے پاس مالِ غنیمت کے بڑے ذخیرے ہیں۔

جانور کو تھا، مگر نشانہ خطا ہونے کی وجہ سے کوئی انسان مر گیا۔ اس کو اصطلاح میں ”قتلِ خطا“ کہتے ہیں۔ اس کا حکم آیت نے بتایا ہے کہ ایک تو قاتل پر کفارہ واجب ہوتا ہے، اور ایک دیت۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کیا جائے۔ اور اگر غلام میسر نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے جائیں۔ اور دیت کی مقدار احادیث میں سو اونٹ یا دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار مقرر کی گئی ہے۔ ﴿۹۵﴾ اس سے مراد وہ مسلمان ہے جو دارالحرِب میں رہتا ہو۔ اگر اسے غلطی سے قتل کر دیا جائے تو صرف کفارہ واجب ہے، دیت واجب نہیں ہے۔

﴿۹۶﴾ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا غیر مسلم غلطی سے قتل ہو جائے جو مسلم ریاست کا شہری بن کر امن سے رہتا ہو (جسے اصطلاح میں ”ذمی“ کہتے ہیں) تو اس میں بھی دیت اور کفارہ اسی طرح واجب ہیں جیسے کسی مسلمان کو قتل کرنے پر واجب ہوتے ہیں۔

﴿۹۷﴾ اللہ کے راستے میں سفر کرنے سے مراد جہاد کے لئے سفر کرنا ہے۔ ایک واقعہ ایسا پیش آیا تھا کہ ایک جہاد کے دوران کچھ غیر مسلموں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کے لئے صحابہ کرام کو سلام کیا۔ وہ صحابہ یہ سمجھے کہ ان لوگوں نے صرف اپنی



كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٠﴾ لَا يَسْتَوِي الْقُعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۖ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقُعْدِينَ دَرَجَةً ۖ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۖ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقُعْدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٩١﴾ دَرَجَتٍ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٩٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْتُمْ الْمَلَائِكَةَ ظَالِمِينَ أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۖ

تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر فضل کیا۔ لہذا تحقیق سے کام لو۔ بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۹۰﴾ جن مسلمانوں کو کوئی معذوری لاحق نہ ہو اور وہ (جہاد میں جانے کے بجائے گھر میں) بیٹھ رہیں وہ اللہ کے راستے میں اپنے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں ہیں۔ جو لوگ اپنے مال و جان سے جہاد کرتے ہیں ان کو اللہ نے بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے۔ اور اللہ نے سب سے اچھائی کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اور اللہ نے مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑی فضیلت دے کر بڑا ثواب بخشا ہے ﴿۹۱﴾ یعنی خاص اپنے پاس سے بڑے درجے اور مغفرت اور رحمت! اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۹۲﴾ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اور اسی حالت میں فرشتے ان کی روح قبض کرنے آئے تو بولے ”تم کس حالت میں تھے؟“ وہ کہنے لگے کہ ”ہم تو زمین میں بے بس بنادئیے گئے تھے۔“

جان بچانے کے لئے سلام کیا ہے، اور حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہوئے، چنانچہ انہوں نے ایسے لوگوں کو قتل کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ اصول بیان کر دیا گیا کہ اگر کوئی شخص ہمارے سامنے اسلام لائے اور اسلام کے تمام ضروری عقائد کا اقرار کر لے تو ہم اسے مسلمان ہی سمجھیں گے، اور اس کے دل کا حال اللہ پر چھوڑیں گے۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ آیت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کھلے کھلے کفریہ عقائد رکھتا ہو، تو صرف ”السلام علیکم“ کہہ دینے کی بنا پر اسے مسلمان سمجھا جائے گا۔ ﴿۹۰﴾ یعنی شروع میں تم بھی غیر مسلم ہی تھے، اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور تم مسلمان ہوئے، مگر تمہارے زبانی اقرار کے سوا تمہارے سچا مسلمان ہونے کی کوئی اور دلیل نہیں تھی، تمہارے ظاہری اقرار ہی کی بنا پر تمہیں مسلمان مانا گیا۔

﴿۹۱﴾ یہ اس حالت کا ذکر ہے جب جہاد ہر شخص کے ذمے فرض عین نہ ہو۔ ایسے میں جو لوگ جہاد میں جانے کے بجائے گھر میں بیٹھ گئے، اگرچہ ان پر کوئی گناہ نہیں ہے اور ان کے ایمان اور دوسرے نیک کاموں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے جنت کا وعدہ کیا ہوا ہے، لیکن جو لوگ جہاد میں گئے ہیں ان کا درجہ گھر بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔ البتہ جہاں جہاد فرض عین ہو جائے، یعنی جب مسلمانوں کا امیر تمام مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیدے یا جب کوئی دشمن مسلمانوں پر چڑھ آئے، تو پھر گھر بیٹھنا حرام ہے۔ ﴿۹۲﴾ ”اپنی جان پر ظلم کرنا“ قرآن کریم کی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب کسی گناہ کا ارتکاب کرنا ہوتا ہے، کیونکہ گناہ کر کے



قَالُوا لَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۙ (۹۸) إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۙ (۹۹) فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُو عَنْهُمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ۙ (۱۰۰) وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَغْمًا كَثِيرًا وَوَسْعَةً ۖ وَمَنْ يُخْرِجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۙ (۱۰۱) وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ ۖ إِنَّكُمْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا ۙ (۱۰۲)

فرشتوں نے کہا ”کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟“ لہذا ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ نہایت برا انجام ہے (۹۸) البتہ وہ بے بس مرد، عورتیں اور بچے (اس انجام سے مستثنیٰ ہیں) جو (ہجرت کی) کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور نہ (نکلنے کا) کوئی راستہ پاتے ہیں (۹۹) چنانچہ پوری اُمید ہے کہ اللہ ان کو معاف فرمادے۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا بہت بخشنے والا ہے (۱۰۰) اور جو شخص اللہ کے راستے میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور بڑی گنجائش پائے گا۔ اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کے لئے نکلے، پھر اسے موت آ پکڑے، تب بھی اس کا ثواب اللہ کے پاس طے ہو چکا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (۱۰۱) اور جب تم زمین میں سفر کرو اور تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں پریشان کریں گے، تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم نماز میں قصر کرو۔ (۱۰۲) یقیناً کافر لوگ تمہارے کھلے دشمن ہیں (۱۰۳)

انسان اپنی جان ہی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس آیت میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے قدرت کے باوجود مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی۔ جب مسلمانوں کے لئے ہجرت کا حکم آ گیا تھا تو مکہ میں رہنے والے ہر مسلمان پر شرعاً فرض تھا کہ وہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرے، بلکہ اس کو ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا گیا تھا، اور اگر کوئی شخص قدرت کے باوجود ہجرت نہ کرتا تو اسے مسلمان قرار نہیں دیا جاتا تھا۔ اس آیت میں ایسے ہی بعض لوگوں کا ذکر ہے کہ جب فرشتے ان کے پاس ان کی روح قبض کرنے آئے تو ان کے ساتھ کیا مکالمہ ہوا۔ چونکہ یہ لوگ ہجرت کے حکم کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے مسلمان نہیں رہے تھے، اس لئے ان کے بارے میں دوزخی ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ البتہ جو لوگ کسی مجبوری کی بنا پر ہجرت سے قاصر رہے تھے، ساتھ ہی ان کا استثناء بھی کر دیا گیا ہے کہ معذوری کی وجہ سے وہ قابلِ معافی ہیں۔

(۱۰۳) اللہ تعالیٰ نے سفر کی حالت میں ظہر، عصر اور عشاء کی نماز آدھی کر دی ہے۔ اسے ”قصر“ کہا جاتا ہے۔ عام سفروں میں قصر ہر حالت میں واجب ہے، چاہے دشمن کا خوف ہو یا نہ ہو، لیکن یہاں ایک خاص قسم کے قصر کا ذکر مقصود ہے جو دشمن کے مقابلے



وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقْبْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَافًفَةً مِنْهُمْ مَعَكَ وَلِيَا خُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ ۚ  
فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَّرَآءِكُمْ وَلِتَأْتِ طَافًفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ  
وَلِيَا خُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ  
فَيَبِيلُونَكُمْ مَّيْلَةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرُضَى أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا  
مُهِينًا ۝ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيًّا وَتَعَوُّدًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ  
فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا ۝

اور (اے پیغمبر!) جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور انہیں نماز پڑھاؤ تو (دُشمن سے مقابلے کے وقت اس کا طریقہ یہ ہے کہ) مسلمانوں کا ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو جائے، اور اپنے ہتھیار ساتھ لے لے۔ پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے ہو جائیں، اور دوسرا گروہ جس نے ابھی تک نماز نہ پڑھی ہو آگے آجائے، اور وہ تمہارے ساتھ نماز پڑھے، اور وہ اپنے ساتھ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لے۔ کافر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ ایک دم تم پر ٹوٹ پڑیں۔ اور اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو، ہاں اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ لے لو۔ بیشک اللہ نے کافروں کے لئے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے ۝ پھر جب تم نماز پوری کر چکو تو اللہ کو (ہر حالت میں) یاد کرتے رہو، کھڑے بھی بیٹھے بھی، اور لیٹے ہوئے بھی۔ ۝ پھر جب تمہیں (دُشمن کی طرف سے) اطمینان حاصل ہو جائے تو نماز قاعدے کے مطابق پڑھو۔ بیشک نماز مسلمانوں کے ذمے ایک ایسا فریضہ ہے جو وقت کا پابند ہے ۝

کے وقت ہی ہو سکتا ہے، اس میں یہ چھوٹ بھی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک ہی امام کے پیچھے باری باری ایک ایک رکعت پڑھے، اور دوسری رکعت بعد میں تنہا پوری کرے جس کا طریقہ اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ خاص قسم کا قصر، جسے ”صلاة الخوف“ کہتے ہیں، دُشمن کے مقابلے کی حالت ہی میں ہو سکتا ہے، اس لئے یہاں قصر کے ساتھ یہ شرط لگائی گئی ہے کہ ”اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں پریشان کریں گے“ (ابن جریر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر ”صلاة الخوف“ پڑھی ہے۔ اس کا مفصل طریقہ احادیث اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

(۶۴) یعنی سفر یا خوف کی حالت میں نماز میں تو قصر ہو سکتا ہے، لیکن اللہ کا ذکر ہر حالت میں جاری رہنا چاہئے، کیونکہ اس کا نہ کوئی خاص وقت مقرر ہے، نہ کوئی خاص ہیئت۔ وہ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حالت میں ہو سکتا ہے۔



وَلَا تَهْنُؤْا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ  
 مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝۱۰۳ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ  
 لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۖ وَلَا تَكُنْ لِلْخَافِينَ خَصِيمًا ۝۱۰۴ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ  
 إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۱۰۵ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ  
 لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ۝۱۰۶ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ  
 مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝۱۰۷ هَآئِنْتُمْ  
 هَآؤُلَاءِ جَدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ فَمَنْ يُجَادِلِ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَمْ مَنْ  
 يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝۱۰۸

اور تم ان لوگوں (یعنی کافر دشمن) کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ، اگر تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو ان کو بھی اسی طرح  
 تکلیف پہنچی ہے جیسے تمہیں پہنچی ہے، اور تم اللہ سے اُس بات کے اُمیدوار ہو جس کے وہ اُمیدوار نہیں۔ اور اللہ علم کا بھی  
 مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ۝۱۰۳ بیشک ہم نے حق پر مشتمل کتاب تم پر اس لئے اتاری ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس  
 طریقے کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تم کو سمجھا دیا ہے، اور تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بنو ۝۱۰۴ اور اللہ سے  
 مغفرت طلب کرو، بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ۝۱۰۵ اور کسی تنازعے میں ان لوگوں کی وکالت نہ کرنا جو خود  
 اپنی جانوں سے خیانت کرتے ہیں۔ اللہ کسی بھی خیانت کرنے والے گنہگار کو پسند نہیں کرتا ۝۱۰۶ یہ لوگوں سے تو شرماتے  
 ہیں، اور اللہ سے نہیں شرماتے، حالانکہ وہ اس وقت بھی ان کے پاس ہوتا ہے جب وہ راتوں کو ایسی باتیں کرتے ہیں جو  
 اللہ کو پسند نہیں۔ اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ نے اس سب کا احاطہ کر رکھا ہے ۝۱۰۷ ارے تمہاری بساط یہی تو ہے کہ تم نے  
 دُنیوی زندگی میں لوگوں سے جھگڑ کر ان (خیانت کرنے والوں) کی حمایت کر لی! بھلا اس کے بعد قیامت کے دن اللہ  
 سے جھگڑ کر کون ان کی حمایت کرے گا، یا کون ان کا وکیل بنے گا؟ ۝۱۰۸

(۶۵) جنگ کے اختتام پر لوگ تھکے ہوئے ہوتے ہیں، اور اس وقت دشمن کا تعاقب بھاری معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر جنگی مصلحت  
 ہو اور امیر حکم دے تو تعاقب واجب ہے۔ ایسے میں یہ سوچنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ جس طرح ہم تھکے ہوئے ہیں، دشمن بھی تو  
 تھکا ہوا ہے، اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور ثواب کی جو اُمید ہے وہ دشمن کو حاصل نہیں ہے۔

(۶۶) یہ آیتیں اگرچہ عام ہدایتوں پر مشتمل ہیں، مگر ایک خاص واقعے میں نازل ہوئی ہیں۔ خاندان بنو ابیرق کے ایک شخص بشر



وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝

اور جو شخص کوئی بُرا کام کر گزرے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے، پھر اللہ سے معافی مانگ لے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان پائے گا ۝ اور جو شخص کوئی گناہ کمائے، تو وہ اس کمائی سے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اور اللہ پورا علم بھی رکھتا ہے، حکمت کا بھی مالک ہے ۝ اور اگر کوئی شخص کسی غلطی یا گناہ کا مرتکب ہو، پھر اس کا الزام کسی بے گناہ کے ذمے لگا دے، تو وہ بڑا بھاری بہتان اور کھلا گناہ اپنے اوپر لا دیتا ہے۔ ۝

نے جو ظاہری طور پر مسلمان تھا، ایک صحابی حضرت رفاعہؓ کے گھر میں نقب لگا کر کچھ غلہ اور کچھ ہتھیار چرائے، اور لے جاتے وقت ہوشیاری یہ کی کہ غلے کی بوری کا منہ اس طرح کھولا کہ تھوڑا تھوڑا غلہ راستے میں گرتا جائے، یہاں تک کہ ایک یہودی کے گھر کے دروازے پر پہنچ کر بوری کا منہ بند کر دیا، اور بعد میں چوری کئے ہوئے ہتھیار اسی یہودی کے پاس رکھوا دیئے۔ جب چوری کی تفتیش شروع ہوئی تو ایک طرف غلے کے نشانات یہودی کے گھر تک پائے گئے تھے، اور دوسری طرف ہتھیار اسی کے پاس سے برآمد ہوئے، اس لئے شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال یہ ہونے لگا کہ یہ چوری اسی یہودی نے کی ہے، یہودی سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ ہتھیار تو میرے پاس بشر نامی شخص نے رکھوائے تھے، مگر چونکہ وہ اس پر کوئی گواہ پیش نہ کر سکا تھا، اس لئے آپ کا رجحان اس طرف ہونے لگا کہ وہ جان بچانے کے لئے بشر کا نام لے رہا ہے، دوسری طرف بشر کے خاندان بنو ابیرق کے لوگ بھی بشر کی وکالت کرتے ہوئے اس بات پر زور لگا رہے تھے کہ سزا بشر کے بجائے یہودی کو دی جائے۔ ابھی یہ معاملہ چل ہی رہا تھا کہ یہ آیات کریمہ نازل ہو گئیں اور ان کے ذریعے بشر کی دھوکا بازی کا پردہ چاک کر دیا گیا، اور یہودی کو بے گناہ قرار دے کر بری کر دیا گیا۔ بشر کو جب راز فاش ہونے کا پتہ لگا تو وہ فرار ہو کر کفار مکہ سے جا ملا اور وہاں کفر کی حالت میں بُری طرح اس کی موت واقع ہوئی۔ ان آیات کے ذریعے ایک طرف تو معاملے کی اصل حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کھول دی گئی، اس کے علاوہ مقدمات کے فیصلے کرنے کے لئے اہم اصول بتا دیئے گئے ہیں۔ پہلا اصول یہ کہ تمام فیصلے کتاب اللہ کے احکام کے تابع ہونے چاہئیں، دوسرا اصول یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت سے ایسے امور کھولتے رہتے ہیں جو صراحۃً قرآن میں مذکور نہیں ہیں، فیصلے ان کی روشنی میں ہونے چاہئیں۔ آیت کے الفاظ ”اس طریقے کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تمہیں سمجھا دیا ہے“ اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں، اور ان سے قرآن کریم کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی حجیت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ تیسرا اصول یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جس کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ کسی مقدمے میں غلطی پر ہے اس کی وکالت کرنا جائز نہیں ہے۔ بنو ابیرق جو بشر کی وکالت کر رہے تھے ان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اول تو یہ وکالت جائز نہیں ہے، دوسرے اس کا فائدہ ملزم کو زیادہ سے زیادہ دُنیا میں پہنچ سکتا ہے، آخرت میں تمہاری وکالت اس کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔



وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ ۖ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ ۖ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۖ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿۱۰۳﴾ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۖ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۰۴﴾ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿۱۰۵﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۱۰۶﴾

اور (اے پیغمبر!) اگر اللہ کا فضل اور رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے تو تم کو سیدھی راہ سے بھٹکانے کا ارادہ کر ہی لیا تھا۔ اور (درحقیقت) یہ اپنے سوا کسی کو نہیں بھٹکا رہے ہیں، اور یہ تم کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تم کو ان باتوں کا علم دیا ہے جو تم نہیں جانتے تھے، اور تم پر اللہ کا فضل ہمیشہ بہت زیادہ رہا ہے۔ ﴿۱۰۳﴾

لوگوں کی بہت سی خفیہ سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہوتی، الا یہ کہ کوئی شخص صدقے کا یا کسی نیکی کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا حکم دے۔ اور جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایسا کرے گا، ہم اس کو زبردست ثواب عطا کریں گے ﴿۱۰۴﴾ اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے، اور مؤمنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے، اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے، اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ ﴿۱۰۵﴾ بیشک اللہ اس بات کو نہیں بخشا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے کمتر ہر گناہ کی جس کے لئے چاہتا ہے بخشش کر دیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے، وہ راہِ راست سے بھٹک کر بہت دُور جا گرتا ہے ﴿۱۰۶﴾

﴿۶۷﴾ اس سے بشر اور اس کے حمایتی مراد ہیں جو یہ چاہتے تھے کہ یہودی کو بے گناہ سزا دلوا دیں۔

﴿۶۸﴾ اس آیت سے علمائے کرام، بالخصوص امام شافعیؒ نے اجماع کی حیثیت پر استدلال کیا ہے، یعنی جس مسئلے پر پوری امت مسلمہ متفق رہی ہو وہ یقینی طور پر برحق ہوتا ہے اور اس کی مخالفت جائز نہیں۔

﴿۶۹﴾ یعنی شرک سے کم کسی گناہ کو اللہ تعالیٰ جب چاہے توبہ کے بغیر بھی محض اپنے فضل سے معاف کر سکتا ہے، لیکن شرک کی معافی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ شرک اپنے شرک سے سچی توبہ کر کے موت سے پہلے پہلے اسلام قبول کرے اور توحید پر ایمان لے آئے۔ یہی مضمون پیچھے آیت نمبر ۴۸ میں بھی گزر چکا ہے۔



إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنشَاءً وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ۝ لَعَنَهُ اللَّهُ وَقَالَ لَا تَخُذَنْ مِنْ عِبَادِكْ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ۝ وَلَا ضَلَّةً لَهُمْ وَلَا مَنِيَّةً لَهُمْ وَلَا مَرَنَّهُمْ فَلَيَبْتَغُنَّ إِذْ أَنْ الْأُنْعَامِ وَلَا مَرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرَنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۝ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا ۝ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۝ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝ أُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ۝

اللہ کو چھوڑ کر جن سے یہ دُعائیں مانگ رہے ہیں وہ صرف چند زانیاں ہیں، اور جس کو یہ پکار رہے ہیں وہ اُس سرکش شیطان کے سوا کوئی نہیں ۱۱۸۔ جس پر اللہ نے پھٹکار ڈال رکھی ہے، اور اس نے (اللہ سے) یہ کہہ رکھا ہے کہ ”میں تیرے بندوں سے ایک طے شدہ حصہ لے کر رہوں گا،“ ۱۱۹ اور میں انہیں راہِ راست سے بھٹکا کر رہوں گا، اور انہیں خوب آرزوئیں دلاؤں گا، اور انہیں حکم دوں گا تو وہ چوپایوں کے کان چیر ڈالیں گے، اور انہیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی پیدا کریں گے۔“ اور جو شخص اللہ کے بجائے شیطان کو دوست بنائے اس نے کھلے کھلے خسارے کا سودا کیا۔ ۱۲۰ وہ تو ان سے وعدے کرتا اور انہیں آرزوؤں میں مبتلا کرتا ہے، جبکہ (حقیقت یہ ہے کہ) شیطان ان سے جو بھی وعدے کرتا ہے، وہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں ۱۲۱۔ ان سب کا ٹھکانا جہنم ہے، اور ان کو اس سے بچنے کے لئے کوئی راہ فراہم نہیں ملے گی ۱۲۲۔

(۷۰) کفار مکہ جن من گھڑت دیویوں کو پوجتے تھے ان سب کو مؤنث سمجھتے تھے، لات، منات، عزیٰ سب کو مؤنث سمجھا جاتا تھا، نیز فرشتوں کو بھی وہ خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ آیت میں اشارہ یہ ہے کہ ایک طرف تو کفار مکہ عورتوں کو کمتر مخلوق سمجھتے ہیں، اور دوسری طرف جن کو اپنا خدا بنا رکھا ہے وہ ان کے خیال کے مطابق سب مؤنث ہیں۔

(۷۱) یعنی بہت سے بندوں کو گمراہ کر کے انہیں اپنا بنالوں گا، اور بہت سوں سے اپنی مرضی کے کام کرواؤں گا۔

(۷۲) کفار عرب بعض چوپایوں کے کان چیر کر بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے، اور ایسے جانور سے کوئی فائدہ اٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اس باطل رسم کی طرف اشارہ ہے کہ اس پر شیطان عمل کر رہا ہے۔ اور اللہ کی تخلیق میں تبدیلی سے مراد خود یہی عمل بھی ہو سکتا ہے کہ جانور کے کان خواہ مخواہ چیر دیئے جائیں، اس کے علاوہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ان کاموں کو بھی ”تخلیق میں تبدیلی“ قرار دے کر منع فرمایا ہے جو عورتیں اپنے حسن میں اضافہ کرنے کی غرض سے کیا کرتی تھیں، مثلاً جسم کے کسی حصے کو سویلیوں وغیرہ سے گود کر نشانات بنوانا، چہرے کے قدرتی رُویں کو (جو عیب کی حد تک بڑھا ہوا نہ ہو) صاف کرنا اور دانتوں کے درمیان مصنوعی فاصلہ کروانا۔ (تفصیل کے لئے اس آیت کے تحت ”معارف القرآن“ کی طرف رجوع فرمائیے)۔



وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزِيهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ﴿۱۲۶﴾ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ط

۱۲۶  
۱۲۵  
۱۲۴  
۱۲۳  
۱۲۲

اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں ہم ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے، اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہو سکتا ہے؟ ﴿۱۲۲﴾ نہ تمہاری تمنائیں (جنت میں جانے کے لئے) کافی ہیں، نہ اہل کتاب کی آرزوئیں۔ جو بھی بُرا عمل کرے گا، اس کی سزا پائے گا، اور اللہ کے سوا اسے اپنا کوئی یار و مددگار نہیں ملے گا ﴿۱۲۳﴾ اور جو شخص نیک کام کرے گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ مؤمن ہو، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور کھجور کی گٹھلی کے شکاف برابر بھی ان پر ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۱۲۴﴾ اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے اپنے چہرے (سمیت سارے وجود) کو اللہ کے آگے جھکا دیا ہو، جبکہ وہ نیکی کا خوگر بھی ہو، اور جس نے سیدھے سچے ابراہیم کے دین کی پیروی کی ہو۔ اور (یہ معلوم ہی ہے کہ) اللہ نے ابراہیم کو اپنا خاص دوست بنا لیا تھا ﴿۱۲۵﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے، اور اللہ نے ہر چیز کو (اپنی قدرت کے) احاطے میں لیا ہوا ہے ﴿۱۲۶﴾ اور (اے پیغمبر!) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں شریعت کا حکم پوچھتے ہیں۔ ﴿۱۲۷﴾

(۱۲۷) اسلام سے پہلے عورتوں کو معاشرے میں ایک کمتر مخلوق سمجھا جاتا تھا، اور ان کے معاشرتی اور معاشی حقوق نہ ہونے کے برابر تھے۔ جب اسلام نے عورتوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کی اور عورتوں کو بھی میراث میں حصہ دار قرار دیا تو یہ بات عربوں کے معاشرے میں اتنی اچھلی تھی کہ بعض لوگ یہ سمجھتے رہے کہ عورتوں کو جو حقوق دیئے گئے ہیں وہ شاید عارضی نوعیت کے ہیں، اور کسی وقت منسوخ ہو جائیں گے۔ جب ان کی منسوخی کا حکم نہیں آیا تو ایسے حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ واضح کر دیا گیا کہ یہ احکام عارضی نہیں، ہمیشہ کے لئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم دیا ہے، اور قرآن کریم کی جو آیات پہلے نازل ہوئی ہیں ان میں بہت سے ایسے احکام آچکے ہیں۔ اس کے ساتھ مرد و عورت کے باہمی تعلقات کے بارے میں کچھ مزید احکام بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔



قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۚ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَّىٰ النِّسَاءِ الَّتِي لَا تَوْتُونَهُنَّ مَّا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۚ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ۝ وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُورًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۚ وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝

کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں حکم بتاتا ہے، اور اس کتاب (یعنی قرآن) کی جو آیتیں جو تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ بھی ان یتیم عورتوں کے بارے میں (شرعی حکم بتاتی ہیں) جن کو تم ان کا مقرر شدہ حق نہیں دیتے، اور ان سے نکاح کرنا بھی چاہتے ہو، نیز کمزور بچوں کے بارے میں بھی (حکم بتاتی ہیں) اور یہ تاکید کرتی ہیں کہ تم یتیموں کی خاطر انصاف قائم کرو۔ اور تم جو بھلائی کا کام کرو گے، اللہ کو اس کا پورا پورا علم ہے۔ ۱۴۷ اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بیزاری کا اندیشہ ہو تو ان میاں بیوی کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ آپس کے اتفاق سے کسی قسم کی صلح کر لیں۔ ۱۴۸ اور صلح کر لینا بہتر ہے۔ اور انسانوں کے دل میں (کچھ نہ کچھ) لالچ کا مادہ تو رکھ ہی دیا گیا ہے۔ اور اگر احسان اور تقویٰ سے کام لو تو جو کچھ تم کرو گے اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ۱۴۹

۱۴۷) یہ اس ہدایت کی طرف اشارہ ہے جو سورہ نساء کی آیت نمبر ۳ میں گزری ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ نے اس ہدایت کا پس منظر یہ بتایا ہے کہ بعض اوقات ایک یتیم لڑکی اپنے چچا کے بیٹے کی سرپرستی میں ہوتی تھی، وہ خوبصورت بھی ہوتی اور اس کے باپ کا چھوڑا ہوا مال بھی اچھا خاصا ہوتا تھا۔ اس صورت میں اس کا چچا زاد یہ چاہتا تھا کہ اس کے بالغ ہونے پر وہ خود اس سے نکاح کر لے، تاکہ اس کا مال اسی کے تصرف میں رہے، لیکن نکاح میں وہ اس کو اتنا مہر نہیں دیتا تھا جتنا اس جیسی لڑکی کو دینا چاہئے۔ دوسری طرف اگر لڑکی زیادہ خوبصورت نہ ہوتی تو اس کے مال کی لالچ میں اس سے نکاح تو کر لیتا تھا، لیکن نہ صرف یہ کہ اس کا مہر کم رکھتا تھا، بلکہ اس کے ساتھ ایک محبوب بیوی جیسا سلوک بھی نہیں کرتا تھا۔

۱۴۸) بعض اوقات کسی شوہر کا اپنی بیوی سے دل نہیں ملتا، اور وہ اس سے بے رخی اختیار کر کے اسے طلاق دینا چاہتا ہے۔ اس صورت میں اگر بیوی طلاق پر راضی نہ ہو تو وہ اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہو کر شوہر سے صلح کر سکتی ہے، یعنی یہ کہہ سکتی ہے کہ میں اپنے فلاں حق کا مطالبہ نہیں کروں گی، مگر مجھے اپنے نکاح میں رہنے دو۔ ایسی صورت میں شوہر کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ صلح پر آمادہ ہو جائے، اور طلاق پر اصرار نہ کرے، کیونکہ مصالحت کا رویہ ہی بہتر ہے۔ نیز اگلے جملے میں احسان کی نصیحت فرما کر شوہر کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ دل نہ ملنے کے باوجود بیوی سے نباہ کرنے کی کوشش کرے، اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کے حقوق ادا کرتا رہے تو اس کے لئے دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری کا ذریعہ ہوگا۔

۱۴۹) مطلب بظاہر یہ ہے کہ ہر انسان کی طبیعت میں دنیوی فائدوں کا کچھ نہ کچھ لالچ ہوتا ہے، اس لئے اگر عورت اپنے کچھ



وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَبْلُغُوا كُلَّ السَّبِيلِ فْتَذَرُوهَا كَالْمَعْلُوقَةِ ۖ وَإِنْ تَصْلَحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ (۱۲۹) وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ۝ (۱۳۰) وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَ لَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ۝ (۱۳۱)

اور عورتوں کے درمیان مکمل برابری رکھنا تو تمہارے بس میں نہیں، چاہے تم ایسا چاہتے بھی ہو، البتہ کسی ایک طرف پورے پورے نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ایسا بنا کر چھوڑ دو جیسے کوئی بیچ میں لٹکی ہوئی چیز۔ اور اگر تم اصلاح اور تقویٰ سے کام لو گے تو یقین رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے (۱۲۹) اور اگر دونوں جدا ہو ہی جائیں تو اللہ اپنی (قدرت اور رحمت کی) وسعت سے دونوں کو (ایک دوسرے کی حاجت سے) بے نیاز کر دے گا۔ اللہ بڑی وسعتوں والا، بڑی حکمت والا ہے۔ (۱۳۰) اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ ہم نے تم سے پہلے اہل کتاب کو بھی اور تمہیں بھی یہی تاکید کی ہے کہ اللہ سے ڈرو اور اگر تم کفر اپناؤ گے تو (اللہ کا کیا نقصان ہے؟ کیونکہ) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے، اور اللہ ہر ایک سے بے نیاز اور بذاتِ خود لائقِ تعریف ہے۔ (۱۳۱)

دنیوی مفادات چھوڑ رہی ہے تو شوہر کو یہ سوچنا چاہئے کہ اسے طلاق کی صورت میں کوئی سخت تکلیف پیش آنے کا اندیشہ ہے، اسی لئے وہ اپنے یہ مفادات چھوڑنے پر آمادہ ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں صلح کر لینا بہتر ہے۔ دوسری طرف بیوی کو یہ سوچنا چاہئے کہ شوہر نے کچھ دنیوی فائدوں کے لئے نکاح کیا تھا جو اس کو میری زوجیت میں حاصل نہیں ہو رہے ہیں، لہذا وہ میری جگہ کسی اور سے نکاح کر کے وہ فائدے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب اگر میں اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہو کر اسے کچھ دوسرے فوائد مہیا کر دوں تو وہ اس ارادے سے باز آ سکتا ہے۔

(۷۷) یعنی یہ بات انسان کے اختیار سے باہر ہے کہ وہ قلبی محبت اور لگاؤ میں بیویوں کے درمیان پوری پوری برابری کرے، کیونکہ دل کا جھکاؤ انسان کے بس میں نہیں ہوتا، لہذا اگر ایک بیوی سے دلی محبت دوسری کے مقابلے میں زیادہ ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ نہیں ہے۔ البتہ عملی سلوک میں برابری کرنا ضروری ہے، یعنی جتنی راتیں ایک کے پاس گزارے اتنی ہی دوسری کے پاس گزارے، جتنا خرچ ایک کو دے، اتنا ہی دوسری کو دے۔ نیز ظاہری توجہ میں بھی ایسا نہ کرے جس سے کسی بیوی کی دل شکنی ہو، اور وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ وہ بیچ میں لٹکی ہوئی ہے۔

(۷۸) مصالحت کی تمام کوششوں کے باوجود ایک مرحلہ ایسا آ سکتا ہے کہ اس کے بعد نکاح کا رشتہ میاں بیوی پر تھوپے رکھنا دونوں کی زندگی کو اجیرن بنا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں طلاق اور علیحدگی کا راستہ اختیار کرنا بھی جائز ہے، اور یہ آیت اطمینان دلا رہی ہے کہ جب خوش اُسلوبی سے جدائی عمل میں آجائے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے لئے ایسے راستے پیدا کر دیتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔







يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ  
الَّذِي أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ  
ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٣٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ أَرَادُوا كُفْرًا  
لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿٣٧﴾ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣٨﴾  
الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيْبَتُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ الْعِزَّةُ فَإِنَّ  
الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿٣٩﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ  
يُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذَا مِثْلُهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ  
جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿٤٠﴾

اے ایمان والو! اللہ پر ایمان رکھو، اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ہر اس  
کتاب پر جو اس نے پہلے اتاری تھی۔ اور جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا اور یوم  
آخرت کا انکار کرے وہ بھٹک کر گمراہی میں بہت دور جا پڑا ہے ﴿۳۶﴾ جو لوگ ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے، پھر ایمان  
لائے، پھر کافر ہو گئے، پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے، اللہ ان کو بخشے والا نہیں ہے، اور نہ انہیں راستے پر لانے والا  
ہے ﴿۳۷﴾ منافقوں کو یہ خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے ایک دکھ دینے والا عذاب تیار ہے ﴿۳۸﴾ وہ منافق جو مسلمانوں کے  
بجائے کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کر رہے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ  
ہی کی ہے ﴿۳۹﴾ اور اس نے کتاب میں تم پر یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان  
کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ اس وقت تک مت بیٹھو جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں،  
ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ یقین رکھو کہ اللہ تمام منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اکٹھا کرنے والا ہے ﴿۴۰﴾

﴿۸۱﴾ اس سے مراد وہ منافق بھی ہو سکتے ہیں جن کا ذکر چل رہا ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کے پاس آکر مسلمان ہونے کا اعلان  
کرتے تھے، مگر تنہائی میں کفر اختیار کر لیتے تھے، پھر کبھی مسلمانوں کا سامنا ہوتا تو دوبارہ ایمان لانے کا مظاہرہ کرتے، مگر پھر اپنے  
لوگوں کو اپنے کفر کا یقین دلاتے، اور اپنے عمل سے کفر ہی میں بڑھتے چلے جاتے۔ نیز بعض روایات میں کچھ ایسے لوگوں کا بھی  
ذکر آیا ہے جو مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوئے، پھر توبہ کر کے مسلمان ہوئے، مگر بالآخر دوبارہ مرتد ہو کر کفر ہی کی حالت میں  
مرے۔ آیت کے الفاظ میں دونوں قسم کے لوگوں کی گنجائش ہے۔ اور ان کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ اللہ نہ ان کو بخشے گا، نہ  
راستے پر لائے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے اپنے اختیار سے کفر اور اس کے نتیجے میں دوزخ کی راہ کو چن لیا تو اللہ  
ان کو زبردستی ایمان اور جنت کے راستے پر نہیں لائے گا، کیونکہ دنیا دار الامتحان ہے، اور ہر شخص کا انجام اس کے اپنے اختیار سے  
چنے ہوئے راستے کے مطابق ہونا ہے۔ اللہ نہ کسی کو زبردستی مسلمان بناتا ہے، نہ کافر۔



الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَإِنْ كَانَ  
لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ ۚ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعُكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ  
يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۚ (۸۲) إِنَّ السُّفْهَانَ  
يُخْدِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۖ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَىٰ ۚ يُرَآءُونَ النَّاسَ وَلَا  
يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۚ (۸۳) مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ ۚ لَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ ۚ وَمَنْ  
يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۚ (۸۴)

(اے مسلمانو!) یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے (انجام کے) انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں۔ چنانچہ اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح ملے تو (تم سے) کہتے ہیں کہ ”کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟“ اور اگر کافروں کو (فتح) نصیب ہو تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ”کیا ہم نے تم پر قابو نہیں پایا تھا؟ اور کیا (اس کے باوجود) ہم نے تمہیں مسلمانوں سے نہیں بچایا؟“۔ بس اب تو اللہ ہی قیامت کے دن تمہارے اور ان کے درمیان فیصلہ کرے گا، اور اللہ کافروں کے لئے مسلمانوں پر غالب آنے کا ہرگز کوئی راستہ نہیں رکھے گا (۸۲) یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکا بازی کرتے ہیں، حالانکہ اللہ نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ (۸۳) اور جب یہ لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کسمساتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کے سامنے دکھاوا کرتے ہیں، اور اللہ کو تھوڑا ہی یاد کرتے ہیں (۸۴) یہ کفر و ایمان کے درمیان ڈانوا ڈول ہیں۔ نہ پورے طور پر ان (مسلمانوں) کی طرف ہیں، نہ اُن (کافروں) کی طرف۔ اور جسے اللہ گمراہی میں ڈال دے، تمہیں اس کے لئے ہدایت پر آنے کا کوئی راستہ ہرگز نہیں مل سکتا۔ (۸۵)

(۸۲) یعنی ان لوگوں کو اصل غرض دُنیوی مفادات سے ہے۔ اگر مسلمانوں کو فتح ہو اور مال غنیمت ہاتھ آئے تو یہ ان کے ساتھی ہونے کا دعویٰ کر کے ان سے مال بٹورنے کی فکر میں رہتے ہیں، اور اگر کبھی کافروں کا داؤ چل جائے تو ان پر یہ احسان جتلاتے ہیں کہ اگر ہماری مدد تمہارے ساتھ نہ ہوتی تو مسلمان تم پر غالب آ جاتے۔ لہذا ہمیں ہماری ان خدمات کا مالی صلہ دو۔

(۸۳) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جو سمجھ رہے ہیں کہ انہوں نے اللہ کو دھوکا دے دیا، تو درحقیقت یہ خود ہی دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، کیونکہ اللہ کو کوئی دھوکا نہیں دے سکتا، اور اللہ تعالیٰ ان کو اس دھوکے میں پڑا رہنے دیتا ہے جو انہوں نے خود اپنے آپ کو اپنے اختیار سے دے رکھا ہے۔ اور اس جملے کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”اللہ ان کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے“ اس ترجمے کی بنیاد پر اس کا ایک مطلب بعض مفسرین (مثلاً حضرت حسن بصریؒ) نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کو اس دھوکے کی سزا آخرت میں اللہ تعالیٰ اس طرح دے گا کہ شروع میں ان کو بھی مسلمانوں کے ساتھ کچھ دُور تک لے جایا جائے گا، اور مسلمانوں کو جو نور عطا ہوگا، اسی کی روشنی میں کچھ دُور تک یہ بھی مسلمانوں کے ساتھ چلیں گے، اور یہ سمجھنے لگیں گے کہ ان کا انجام بھی مسلمانوں



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَتُرِيدُونَ أَنْ  
تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ۖ (۱۳۳) إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَجَةِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ  
تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۖ (۱۳۴) إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ  
فَإُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ (۱۳۵) مَا يَفْعَلُ اللَّهُ  
بِعَذَابِكُمْ أَنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ۖ (۱۳۶) لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ  
مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ۖ (۱۳۷) إِنْ تَبَدُّوا خَيْرًا أَوْ تُخَفُّوهُ أَوْ تُعْفُوا  
عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا ۖ (۱۳۸)

اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کے پاس اپنے خلاف (یعنی  
اپنے مستحق عذاب ہونے کی) ایک کھلی کھلی وجہ پیدا کر دو؟ (۱۳۳) یقین جانو کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں  
ہوں گے، اور ان کے لئے تم کوئی مددگار نہیں پاؤ گے (۱۳۴) البتہ جو لوگ توبہ کر لیں گے، اپنی اصلاح کر لیں گے، اللہ کا سہارا  
مضبوطی سے تھام لیں گے اور اپنے دین کو خالص اللہ کے لئے بنالیں گے تو ایسے لوگ مؤمنوں کے ساتھ شامل ہو جائیں  
گے، اور اللہ مؤمنوں کو ضرور اجر عظیم عطا کرے گا (۱۳۵) اگر تم شکر گزار بنو اور (صحیح معنی میں) ایمان لے آؤ تو اللہ  
تمہیں عذاب دے کر آخر کیا کرے گا؟ اللہ بڑا قدر دان ہے، (اور) سب کے حالات کا پوری طرح علم رکھتا ہے (۱۳۶) اللہ  
اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی کی برائی علانیہ زبان پر لائی جائے، الا یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو، اور اللہ سب کچھ سنتا، ہر بات  
جانتا ہے (۱۳۷) اگر تم کوئی نیک کام علانیہ کرو یا خفیہ طور پر کرو، یا کسی برائی کو معاف کر دو، تو (بہتر ہے، کیونکہ) اللہ بہت  
معاف کرنے والا ہے (اگرچہ سزا دینے پر) پوری قدرت رکھتا ہے۔ (۱۳۸)

کے ساتھ ہوگا، مگر آگے جا کر ان سے روشنی چھین لی جائے گی، اور یہ بھٹکتے رہ جائیں گے، اور بالآخر دوزخ میں ڈال دیئے جائیں  
گے، جیسا کہ سورہ حدید (۵۷: ۱۲-۱۳) میں اس کا بیان آیا ہے۔  
(۸۴) یعنی کسی کی برائی بیان کرنا عام حالات میں جائز نہیں، البتہ اگر کسی پر ظلم ہوا ہو تو وہ اس ظلم کا تذکرہ لوگوں سے کر سکتا ہے،  
اس تذکرے میں ظالم کی جو برائی ہوگی وہ معاف ہے۔

(۸۵) اشارہ یہ کیا جا رہا ہے کہ اگرچہ مظلوم کو شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ وہ ظالم کے ظلم کی حد تک اس کی برائی کرے، لیکن اگر  
کوئی شخص مظلوم ہونے کے باوجود خفیہ اور علانیہ ہر حالت میں زبان سے ہمیشہ اچھی بات ہی نکالے، اور اپنا حق معاف کر دے تو  
یہ اس کے لئے بڑے ثواب کا کام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی یہی ہے کہ وہ سزا پر قدرت رکھنے کے باوجود کثرت سے  
لوگوں کو معاف کر دیتا ہے۔



إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ  
 نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۝ (۱۵۰) أُولَٰئِكَ هُمُ  
 الْكَافِرُونَ حَقًّا ۖ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ (۱۵۱) وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ  
 يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أَجُورَهُمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ (۱۵۲)  
 يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِنْ ذَلِكَ  
 فَقَالُوا اإِربنا الله جهنم فآخذتهم الصعقة بطلهم ثم اتخذوا العجل من بعد ما  
 جاءتهم البينات فعفونا عن ذلك واتينا موسى سلطانا مبينا ۝ (۱۵۳) ورفعنا فوقهم  
 الطور ببيننا قهرهم وقتلناهم اذ حلوا الباب سجداً وقتلناهم لا تعدوا في السبت واخذنا  
 منهم ميثاقا غليظا ۝ (۱۵۴)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ  
 کچھ (رسولوں) پر تو ہم ایمان لاتے ہیں اور کچھ کا انکار کرتے ہیں، اور (اس طرح) وہ چاہتے ہیں کہ (کفر اور ایمان  
 کے درمیان) ایک بیچ کی راہ نکال لیں ۝ (۱۵۰) ایسے لوگ صحیح معنی میں کافر ہیں، اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت آمیز  
 عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ۝ (۱۵۱) اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں، اور ان میں سے کسی کے درمیان فرق  
 نہ کریں، تو اللہ ایسے لوگوں کو ان کے اجر عطا کرے گا، اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ۝ (۱۵۲)

(اے پیغمبر!) اہل کتاب تم سے (جو) مطالبہ کر رہے ہیں کہ تم ان پر آسمان سے کوئی کتاب نازل کرواؤ، تو (یہ کوئی نئی  
 بات نہیں، کیونکہ) یہ لوگ تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑا مطالبہ کر چکے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے (موسیٰ سے) کہا تھا کہ ہمیں  
 اللہ کھلی آنکھوں دکھاؤ، چنانچہ ان کی سرکشی کی وجہ سے ان کو بجلی کے کڑکے نے آ پکڑا تھا، پھر ان کے پاس جو کھلی کھلی  
 نشانیاں آئیں، ان کے بعد بھی انہوں نے ہچکچڑے کو معبود بنا لیا تھا۔ اس پر بھی ہم نے انہیں معاف کر دیا، اور ہم نے  
 موسیٰ کو واضح اقتدار عطا کیا ۝ (۱۵۳) اور ہم نے کوہ طور کو ان پر بلند کر کے ان سے عہد لیا تھا، اور ہم نے ان سے کہا تھا کہ (شہر  
 کے) دروازے میں جھکے ہوئے سروں کے ساتھ داخل ہونا، اور ان سے کہا تھا کہ تم سینچر کے دن کے بارے میں حد سے  
 نہ گزرنا، اور ہم نے ان سے بہت پکا عہد لیا تھا ۝ (۱۵۴)



فَبِمَا نَقُضِهِم مِّيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بَغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (۵۵) وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ۝ (۵۶) وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ

پھر ان کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ اس لئے کہ انہوں نے اپنا عہد توڑا، اللہ کی آیتوں کا انکار کیا، انبیاء کو ناحق قتل کیا، اور یہ کہا کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھا ہوا ہے۔ (۵۵) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن کے کفر کی وجہ سے اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، اس لئے وہ تھوڑی سی باتوں کے سوا کسی بات پر ایمان نہیں لاتے (۵۶) اور اس لئے کہ انہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا، اور مریم پر بڑے بھاری بہتان کی بات کہی، (۵۷) اور یہ کہا کہ: ”ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا تھا“ حالانکہ نہ انہوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کیا تھا، نہ انہیں سولی دے پائے تھے، بلکہ انہیں اشتباہ ہو گیا تھا۔ (۵۸)

(۵۷) اُن کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے دل بالکل محفوظ ہیں کہ اُن میں اپنے مذہب کے سوا کسی اور مذہب کی بات داخل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے جواب میں جملہ معترضہ کے طور پر ارشاد فرمایا کہ دل محفوظ نہیں ہیں، بلکہ ان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جس کی وجہ سے کوئی صحیح بات اُن کے دلوں میں نہیں اُترتی۔ (۵۸) تھوڑی باتوں سے مراد یہ ہے کہ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر تو ایمان لاتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے۔

(۵۹) حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، اس لئے یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اس معجزے کو تسلیم کرنے کے بجائے حضرت مریم علیہا السلام جیسی پاک نفس اور عفت مآب خاتون پر گھناؤنا الزام لگایا تھا۔

(۶۰) قرآن کریم نے یہ حقیقت بڑے پرزور الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ کوئی قتل کر سکا، اور نہ انہیں سولی دے سکا، بلکہ اُن کو اشتباہ ہو گیا، یعنی انہوں نے کسی اور شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر اُسے سولی پر چڑھا دیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اُپر اُٹھالیا۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو واضح کرنے پر اکتفا فرمایا ہے، اور اس واقعے کی تفصیل بیان نہیں فرمائی، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ کا محاصرہ کیا گیا تو آپ کے مقدس ساتھیوں میں سے ایک نے یہ قربانی دی کہ خود باہر نکلے، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی بنادی، دشمنوں نے اُن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر سولی پر لٹکا دیا، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُپر اُٹھالیا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جاسوسی کر کے انہیں گرفتار کرنے کے لئے اندر داخل ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے اُسی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں تبدیل کر دیا، اور جب وہ باہر نکلا تو اُسی کو گرفتار کر کے سولی دے دی گئی، واللہ سبحانہ اعلم۔



وَالَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۚ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ (۹۱) وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝ (۹۲) فَبُطِّلَ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ۝ (۹۳) وَأَخَذْنَاهُمُ الرِّبَا وَأَقْبَلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ الْبَاطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ (۹۴)

اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے، وہ اس سلسلے میں شک کا شکار ہیں، انہیں گمان کے پیچھے چلنے کے سوا اس بات کا کوئی علم حاصل نہیں ہے، اور یہ بالکل یقینی بات ہے کہ وہ عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل نہیں کر پائے (۹۱) بلکہ اللہ نے انہیں اپنے پاس اٹھالیا تھا، اور اللہ بڑا صاحب اقتدار، بڑا حکمت والا ہے (۹۲) اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اپنی موت سے پہلے ضرور بالضرور عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان نہ لائے، اور قیامت کے دن وہ ان لوگوں کے خلاف گواہ بنیں گے (۹۳) غرض یہودیوں کی سنگین زیادتی کی وجہ سے ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان کے لئے حلال کی گئی تھیں، اور اس لئے کہ وہ بکثرت لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے (۹۴) اور سود لیا کرتے تھے، حالانکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا، اور لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے تھے۔ اور ان میں سے جو لوگ کافر ہیں، ان کے لئے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (۹۵)

(۹۱) یعنی بظاہر تو وہ یقینی طور پر یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی تھی، لیکن چونکہ ان کے پاس اس کی کوئی یقینی دلیل نہیں ہے، اس لئے ایسا ہے جیسے وہ درحقیقت شک میں ہیں۔

(۹۲) یہودی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر ہی نہیں مانتے، اور عیسائی خدا کا بیٹا ماننے کے باوجود یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کو سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سارے اہل کتاب، چاہے یہودی ہوں، یا عیسائی، اپنے مرنے سے ذرا پہلے جب عالم برزخ کے مناظر دیکھیں گے تو اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کے تمام غلط خیالات خود بخود ختم ہو جائیں گے، اور وہ ان کی اصل حقیقت پر ایمان لے آئیں گے۔ یہ اس آیت کی ایک تفسیر ہے جسے بہت سے مستند مفسرین نے ترجیح دی ہے، اور حضرت حکیم الامتہ مولانا تھانویؒ نے ”بیان القرآن“ میں اُسی کو اختیار کیا ہے۔ البتہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی جو تفسیر منقول ہے، اُس کی رو سے آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا: ”اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ضرور بالضرور ایمان نہ لائے۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت تو آسمان پر اٹھالیا ہے، لیکن، جیسا کہ صحیح احادیث میں مروی ہے، آخر زمانے میں وہ دوبارہ اس دُنیا میں آئیں گے، اور اُس وقت تمام اہل کتاب پر ان کی اصل حقیقت واضح ہو جائے گی، اور وہ سب ان پر ایمان لے آئیں گے۔

(۹۳) اس کی تفصیل سورہٴ انعام (۶: ۱۴۶) میں آنے والی ہے۔



لَكِنَّ الرُّسُخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ  
قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ أُولَٰئِكَ  
سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ١٦٢ إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ ۚ  
وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ  
وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَاتِّبْنَا دَاوُدَ وَدَبُّورًا ١٦٣ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا  
لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ١٦٤ رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا  
يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ١٦٥ لَكِنَّ اللَّهَ يُشْهَدُ  
بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۚ وَالْمَلَكُ يُشْهَدُونَ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ١٦٦ إِنَّ الَّذِينَ  
كَفَرُوا وَاصْدَدُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ١٦٧

البتہ ان (بنی اسرائیل) میں سے جو لوگ علم میں کچے ہیں، اور مؤمن ہیں، وہ اس (کلام) پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو (اے پیغمبر!) تم پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو تم سے پہلے نازل کیا گیا تھا، اور قابلِ تعریف ہیں وہ لوگ جو نماز قائم کرنے والے ہیں، زکوٰۃ دینے والے ہیں اور اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم اجرِ عظیم عطا کریں گے ﴿۱۲۴﴾

(اے پیغمبر!) ہم نے تمہارے پاس اسی طرح وحی بھیجی ہے جیسے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کے پاس بھیجی تھی، اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد کے پاس، اور عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کے پاس بھی وحی بھیجی تھی، اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی تھی ﴿۱۶۳﴾ اور بہت سے رسول ہیں جن کے واقعات ہم نے پہلے تمہیں سنائے ہیں، اور بہت سے رسول ایسے ہیں کہ ہم نے ان کے واقعات تمہیں نہیں سنائے۔ اور موسیٰ سے تو اللہ براہِ راست ہم کلام ہوا ﴿۱۶۴﴾ یہ سب رسول وہ تھے جو (ثواب کی) خوشخبری سننے اور (دوزخ سے) ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے، تاکہ ان رسولوں کے آجانے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے، اور اللہ کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۱۶۵﴾ (یہ کافر لوگ مانیں یا نہ مانیں) لیکن اللہ نے جو کچھ تم پر نازل کیا ہے، اس کے بارے میں وہ خود گواہی دیتا ہے کہ اس نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے، اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں، اور (یوں تو) اللہ کی گواہی ہی بالکل کافی ہے۔ ﴿۱۶۶﴾ یقین جانو کہ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے وہ بھٹک کر گمراہی میں بہت دُور نکل گئے ہیں ﴿۱۶۷﴾



إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ۖ إِلَّا طَرِيقَ  
 جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ ۶۹ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ  
 بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ ۚ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ  
 وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ ۷۰ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا  
 الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ  
 فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ إِنَّهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهُ وَاحِدٌ ۚ  
 سُبْحَنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۚ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ ۷۱

جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، (اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روک کر ان پر) ظلم کیا ہے، اللہ ان کو بخشنے والا نہیں ہے،  
 اور نہ ان کو کوئی اور راستہ دکھانے والا ہے ۶۹ سوائے دوزخ کے راستے کے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ  
 بات اللہ کے لئے بہت معمولی بات ہے ۷۰ اے لوگو! یہ رسول تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حق لے کر  
 آگئے ہیں۔ اب (ان پر) ایمان لے آؤ، کہ تمہاری بہتری اسی میں ہے۔ اور اگر (اب بھی) تم نے کفر کی راہ اپنائی تو  
 (خوب سمجھ لو کہ) تمام آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے، اور اللہ علم اور حکمت دونوں کا مالک ہے ۷۱ اے  
 اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو، اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم تو محض  
 اللہ کے رسول تھے، اور اللہ کا ایک کلمہ تھا جو اس نے مریم تک پہنچایا، اور ایک روح تھی جو اسی کی طرف سے (پیدا ہوئی)  
 تھی، لہذا اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور یہ مت کہو کہ (خدا) تین ہیں۔ اس بات سے باز آ جاؤ، کہ اسی میں  
 تمہاری بہتری ہے۔ اللہ تو ایک ہی معبود ہے، وہ اس بات سے بالکل پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ آسمانوں اور زمین  
 میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، اور سب کی دیکھ بھال کے لئے اللہ کافی ہے۔ ۷۱

(۹۴) یہودیوں کے بعد ان آیات میں عیسائیوں کو تنبیہ کی گئی ہے۔ یہودی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانی دشمن بن گئے تھے،  
 اور دوسری طرف عیسائی آپ کی تعظیم میں حد سے گزر گئے، اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا اور  
 یہ عقیدہ اپنایا کہ خدا تین ہیں، باپ بیٹا اور روح القدس۔ اس آیت میں دونوں کو حد سے گزرنے سے منع کیا گیا ہے، اور حضرت  
 عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ معتدل بات بتائی گئی ہے جو حقیقت کے عین مطابق ہے، یعنی وہ اللہ کے بندے اور اس کے  
 رسول تھے، اور اللہ نے ان کو اپنے کلمہ ”کن“ سے باپ کے واسطے کے بغیر پیدا کیا تھا، اور ان کی روح براہ راست حضرت مریم  
 علیہا السلام کے بطن میں بھیج دی تھی۔



لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ۖ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ۝ (۱۴۲) فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنْكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ (۱۴۳) يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ۝ (۱۴۴) فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۖ وَيَهْدِيُهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ (۱۴۵) يَسْتَفْتُونَكَ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۖ إِنْ أَمْرُو أَهْلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ ۖ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الشُّلْشُ مِمَّا تَرَكَ ۖ وَ إِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۖ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا ۖ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (۱۴۶)

مسیح کبھی اس بات کو عار نہیں سمجھ سکتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں، اور نہ مقرب فرشتے (اس میں کوئی عار سمجھتے ہیں)۔ اور جو شخص اپنے پروردگار کی بندگی میں عار سمجھے، اور تکبر کا مظاہرہ کرے، تو (وہ اچھی طرح سمجھ لے کہ) اللہ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا (۱۴۲) پھر جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہوں گے، ان کو ان کا پورا پورا ثواب دے گا، اور اپنے فضل سے اس سے زیادہ بھی دے گا۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے (بندگی کو) عار سمجھا ہوگا اور تکبر کا مظاہرہ کیا ہوگا، تو ان کو دردناک عذاب دے گا، اور ان کو اللہ کے سوا اپنا کوئی رکھوالا اور مددگار نہیں ملے گا (۱۴۳) اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل آچکی ہے، اور ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی روشنی بھیج دی ہے جو راستے کی پوری وضاحت کرنے والی ہے (۱۴۴) چنانچہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اسی کا سہارا تھام لیا ہے، اللہ ان کو اپنے فضل اور رحمت میں داخل کرے گا، اور انہیں اپنے پاس آنے کے لئے سیدھے راستے تک پہنچائے گا۔ (۱۴۵)

(اے پیغمبر!) لوگ تم سے (کلالہ کا حکم) پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ (۱۴۵) کے بارے میں حکم بتاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس حال میں مرجائے کہ اس کی اولاد نہ ہو، اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکے میں سے آدھے کی حق دار ہوگی۔ اور اگر اس بہن کی اولاد نہ ہو (اور وہ مرجائے، اور اس کا بھائی زندہ ہو) تو وہ اس بہن کا وارث



ہوگا۔ اور اگر بہنیں دو ہوں تو بھائی کے تر کے سے وہ دو تہائی کی حق دار ہوں گی۔ اور اگر (مرنے والے کے) بھائی بھی ہوں اور بہنیں بھی، تو ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اللہ تمہارے سامنے وضاحت کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو، اور اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے۔ ﴿۱۰۶﴾

(۹۵) ”کالہ“ اس شخص کو کہتے ہیں جس کے انتقال کے وقت نہ اس کا باپ یا دادا زندہ ہو، نہ کوئی بیٹا یا پوتا۔

الحمد للہ، سورہ نساء کا ترجمہ اور اس کے حواشی کی تکمیل آج بروز جمعہ ۶ / ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۹ / دسمبر ۲۰۰۵ء کو بحرین میں عشاء کے وقت (۶:۵۵ پر) ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بندہ کے گناہوں کو معاف فرما کر اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْمَائِدَةِ

## تعارف

یہ سورت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے بالکل آخری دور میں نازل ہوئی ہے۔ علامہ ابو حیانؒ فرماتے ہیں کہ اس کے کچھ حصے صلح حدیبیہ، کچھ فتح مکہ اور کچھ حجتہ الوداع کے موقع پر نازل ہوئے تھے۔ اس زمانے میں اسلام کی دعوت جزیرہ عرب کے طول و عرض میں اچھی طرح پھیل چکی تھی، دشمنان اسلام بڑی حد تک شکست کھا چکے تھے، اور مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کی ہوئی اسلامی ریاست مستحکم ہو چکی تھی۔ لہذا اس سورت میں مسلمانوں کے سماجی، سیاسی اور معاشی مسائل سے متعلق بہت سی ہدایات دی گئی ہیں۔ سورت کا آغاز اس بنیادی حکم سے ہوا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے عہد و پیمان پورے کرنے چاہئیں۔ اس بنیادی حکم میں اجمالی طور پر شریعت کے تمام احکام آگئے ہیں چاہے وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہوں یا بندوں کے حقوق سے متعلق۔ اس ضمن میں یہ اصول بڑی تاکید کے ساتھ سمجھایا گیا ہے کہ دشمنوں کے ساتھ بھی ہر معاملہ انصاف کے ساتھ ہونا چاہئے۔ یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ دشمنان اسلام کو اب اسلام کی پیش قدمی روکنے سے مایوسی ہو چکی ہے اور اللہ نے اپنا دین مکمل فرما دیا ہے۔ اسی سورت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس قسم کی غذائیں حلال ہیں اور کس قسم کی حرام؟ اسی سلسلے میں شکار کے احکام بھی وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اہل کتاب کے ذبیحے اور ان کی عورتوں سے نکاح کے احکام کا بیان آیا ہے، چوری اور ڈاکے کی شرعی سزائیں مقرر فرمائی گئی ہیں، کسی انسان کو ناحق قتل کرنا کتنا بڑا گناہ ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، شراب اور جوئے کو صریح الفاظ میں حرام قرار دیا گیا ہے، وضو اور تیمم کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے کس طرح اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کو توڑا؟ اس کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔

”مائدہ“ عربی میں دسترخوان کو کہتے ہیں۔ اس سورت کی آیت نمبر ۱۱۴ میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے متبعین نے یہ دُعا کرنے کی فرمائش کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے آسمانی غذاؤں کے ساتھ ایک دسترخوان نازل فرمائے۔ اس واقعے کی مناسبت سے اس سورت کا نام ”مائدہ“ یعنی دسترخوان رکھا گیا ہے۔



﴿آیاتها ۱۲۰﴾ ﴿سُورَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۲﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۱۶﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۖ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ ۗ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحِلُّوا شَعًا بِرِ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِينَ الْبَيْتِ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۖ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۗ

یہ مدنی سورت ہے اور اس میں ایک سو بیس آیات اور سولہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے ایمان والو! معاہدوں کو پورا کرو۔ تمہارے لئے وہ چوپائے حلال کر دیئے گئے ہیں جو مویشیوں میں داخل (یا ان کے مشابہ) ہوں، سوائے اُن کے جن کے بارے میں تمہیں پڑھ کر سنایا جائے گا، بشرطیکہ جب تم احرام کی حالت میں ہو اس وقت شکار کو حلال نہ سمجھو۔ اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا حکم دیتا ہے۔ (۱) اے ایمان والو! نہ اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی کرو، نہ حرمت والے مہینے کی، نہ ان جانوروں کی جو قربانی کے لئے حرم لے جائے جائیں، نہ ان پٹوں کی جو ان کے گلے میں پڑے ہوں، اور نہ ان لوگوں کی جو اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کی خاطر بیت حرام کا ارادہ لے کر جارہے ہوں۔ اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔

(۱) چوپایہ تو ہر اس جانور کو کہتے ہیں جو چار ہاتھ پاؤں پر چلتا ہو، لیکن ان میں سے صرف وہ جانور حلال ہیں جو مویشیوں میں شمار ہوتے ہیں، یعنی گائے، اونٹ، اور بھیڑ بکری، یا پھر ان مویشیوں کے مشابہ ہوں، جیسے ہرن، نیل گائے وغیرہ۔

(۲) ان حرام چیزوں کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر آگے آیت نمبر ۳ میں آرہا ہے۔

(۳) یعنی مویشیوں کے مشابہ جانور، مثلاً ہرن وغیرہ اگرچہ حلال ہیں، اور ان کا شکار بھی حلال ہے، لیکن جب حج یا عمرے کے لئے کسی نے احرام باندھ لیا ہو تو ان جانوروں کا شکار حرام ہو جاتا ہے۔

(۴) اس جملے نے ان تمام سوالات اور اعتراضات کی جڑ کاٹ دی ہے جو لوگ محض اپنی محدود عقل کے سہارے شرعی احکام پر عائد کرتے ہیں، مثلاً یہ سوال کہ جانور بھی تو آخر جان رکھتے ہیں، ان کو ذبح کر کے کھانا کیوں جائز کیا گیا جبکہ یہ ایک جاندار کو تکلیف پہنچانا ہے، یا مثلاً یہ سوال کہ فلاں جانور کو کیوں حلال کیا گیا اور فلاں جانور کو کیوں حرام قرار دیا گیا ہے؟ آیت کے اس حصے نے اس کا مختصر اور جامع جواب یہ دے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا خالق ہے، وہی اپنی حکمت سے جس بات کا ارادہ فرماتا ہے اس کا حکم دے دیتا ہے۔ اس کا ہر حکم یقیناً حکمت پر مبنی ہے، لیکن ضروری نہیں کہ اس کے ہر حکم کی حکمت بندوں کی سمجھ میں بھی آئے، لہذا بندوں کا کام یہ ہے کہ اس کے ہر حکم کو چون و چرا کے بغیر تسلیم کر کے اس پر عمل کریں۔



وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۚ وَتَعَاوَنُوْا عَلٰى  
 الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۚ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلٰى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ  
 الْعِقَابِ ۝۱ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ  
 وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا اَكَلَ السَّبْعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۚ وَمَا  
 ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ۚ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۚ ذٰلِكُمْ فُسْقٌ ۚ

اور کسی قوم کے ساتھ تمہاری یہ دشمنی کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم  
 (ان پر) زیادتی کرنے لگو۔ اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو،  
 اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔ ۱ تم پر مردار جانور اور خون اور سور کا گوشت اور وہ  
 جانور حرام کر دیا گیا ہے جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، اور وہ جو گلا گھٹنے سے مرا ہو، اور جسے چوٹ مار کر  
 ہلاک کیا گیا ہو، اور جو اوپر سے گر کر مرا ہو، اور جسے کسی جانور نے سینگ مار کر ہلاک کیا ہو، اور جسے کسی درندے نے  
 کھالیا ہو، الا یہ کہ تم (اس کے مرنے سے پہلے) اس کو ذبح کر چکے ہو، اور وہ (جانور بھی حرام ہے) جسے بتوں کی  
 قربان گاہ پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور یہ بات بھی (تمہارے لئے حرام ہے) کہ تم جوے کے تیروں سے (گوشت وغیرہ)  
 تقسیم کرو۔ یہ ساری باتیں سخت گناہ کی ہیں۔

(۵) صلح حدیبیہ کے واقعے میں مکہ مکرمہ کے کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو حرم میں داخل ہونے  
 اور عمرہ کرنے سے روکا تھا، مسلمانوں کو طبعی طور پر اس واقعے پر سخت غم و غصہ تھا، اور یہ احتمال تھا کہ اس غم اور غصے کی وجہ سے کوئی  
 مسلمان اپنے دشمن سے کوئی ایسی زیادتی کر بیٹھے جو شریعت کے خلاف ہو، اس آیت نے متنبہ کر دیا کہ اسلام میں ہر چیز کی حدود  
 مقرر ہیں، اور دشمن کے ساتھ بھی کوئی زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔

(۶) جاہلیت کے زمانے میں ایک طریقہ یہ تھا کہ ایک مشترک اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت قرعہ اندازی کے ذریعے تقسیم  
 کرتے تھے اور قرعہ اندازی کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ مختلف تیروں پر حصوں کے نام لکھ کر ایک تھیلے میں ڈال دیتے تھے، پھر جس شخص  
 کے نام جو حصہ نکل آیا، اسے گوشت میں سے اتنا حصہ دے دیا جاتا تھا، اور کسی کے نام پر کوئی ایسا تیر نکل آیا جس پر کوئی حصہ مقرر  
 نہیں ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں ملتا تھا۔ اسی طرح ایک اور طریقہ یہ تھا کہ جب کسی اہم معاملے کا فیصلہ کرنا ہوتا تو تیروں کے ذریعے  
 فال نکالتے تھے، اور اس فال میں جو بات نکل آئے اس کی پیروی لازم سمجھتے تھے۔ ان تمام طریقوں کو آیت کریمہ نے ناجائز قرار  
 دیا ہے، کیونکہ پہلی صورت میں یہ جوا ہے، اور دوسری صورت میں یا علم غیب کا دعویٰ ہے، یا کسی معقول وجہ کے بغیر کسی بات کو لازم  
 سمجھنے کی خرابی ہے۔ بعض حضرات نے آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ: ”اور یہ بات بھی (تمہارے لئے حرام ہے) کہ تم تیروں  
 سے قسمت کا حال معلوم کرو“ یہ دوسرے طریقے کی طرف اشارہ ہے، اور آیت کے الفاظ میں اس ترجمے کی بھی گنجائش ہے۔



الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنَ ۚ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْصَصَةٍ غَيْرِ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ ۚ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أَحَلَّ لَهُمْ ۚ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبُ ۚ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ ۚ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ الْيَوْمَ أَحَلَّ لَكُمْ الطَّيِّبُ ۚ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَلٌ لَّكُمْ ۚ وَطَعَامُكُمْ حَلَلٌ لَهُمْ ۚ

آج کافر لوگ تمہارے دین (کے مغلوب ہونے) سے ناامید ہو گئے ہیں، لہذا ان سے مت ڈرو، اور میرا ڈر دل میں رکھو۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لئے) پسند کر لیا۔ (لہذا اس دین کے احکام کی پوری پابندی کرو) ہاں جو شخص شدید بھوک کے عالم میں بالکل مجبور ہو جائے (اور اس مجبوری میں ان حرام چیزوں میں سے کچھ کھالے)، بشرطیکہ گناہ کی رغبت کی بنا پر ایسا نہ کیا ہو، تو بیشک اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ۝ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کونسی چیزیں حلال ہیں؟ کہہ دو کہ ”تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ اور جن شکاری جانوروں کو تم نے اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق سکھا سکھا کر (شکار کے لئے) سدھالیا ہو، وہ جس جانور کو (شکار کر کے) تمہارے لئے روک رکھیں، اس میں سے تم کھا سکتے ہو، اور اس پر اللہ کا نام لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ ۝ آج تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں، اور جن لوگوں کو (تم سے پہلے) کتاب دی گئی تھی، ان کا کھانا بھی تمہارے لئے حلال ہے، اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے“

(۷) صحیح احادیث میں آیا ہے کہ یہ آیت حجة الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔

(۸) شکاری جانوروں مثلاً ۱) کتوں اور باز وغیرہ کے ذریعے حلال جانوروں کا شکار کر کے انہیں کھانا جن شرائط کے ساتھ جائز ہے ان کا بیان ہو رہا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ شکاری جانور کو سدھالیا گیا ہو جس کی علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ جس جانور کا شکار کرے اسے خود نہ کھائے، بلکہ اپنے مالک کے لئے روک رکھے، دوسری شرط یہ ہے کہ شکار کرنے والا شکاری کتے کو کسی جانور پر چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے، یعنی بسم اللہ پڑھے۔

(۹) کھانے سے یہاں مراد ذبیحہ ہے، اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائی چونکہ جانور کے ذبح میں انہی شرائط کی رعایت رکھتے تھے جو اسلامی شریعت میں مقرر ہیں، اور وہ دوسرے غیر مسلموں سے اس معاملے میں ممتاز تھے کہ فی الجملہ آسمانی کتابوں کو مانتے تھے، اس لئے ان کے ذبح کئے ہوئے جانور مسلمانوں کے لئے جائز قرار دیئے گئے تھے، بشرطیکہ وہ جانور کو صحیح شرعی طریقے سے ذبح



وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ ۖ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ ۖ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۖ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۖ

نیز مومنوں میں سے پاک دامن عورتیں بھی اور ان لوگوں میں سے پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، جبکہ تم نے ان کو نکاح کی حفاظت میں لانے کے لئے ان کے مہر دے دیئے ہوں، نہ تو (بغیر نکاح کے) صرف ہوس نکالنا مقصود ہو، اور نہ خفیہ آشنائی پیدا کرنا۔ اور جو شخص ایمان سے انکار کرے، اس کا سارا کیا دھرا غارت ہو جائے گا، اور آخرت میں اس کا شمار خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگا۔ ۝

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے چہرے، اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولو، اور اپنے سروں کا مسح کرو، اور اپنے پاؤں (بھی) ٹخنوں تک (دھولیا کرو)۔ اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارے جسم کو (غسل کے ذریعے) خوب اچھی طرح پاک کرو۔

کریں، اور اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہ لیں۔ آج کل کے یہودیوں اور عیسائیوں میں ایک بڑی تعداد تو ان لوگوں کی ہے جو درحقیقت دہریے ہیں، خدا ہی کے قائل نہیں ہیں۔ ایسے لوگوں کا ذبیحہ بالکل حلال نہیں ہے، اور ان میں سے بعض اگرچہ عیسائی یا یہودی ہیں، مگر اپنے مذہب کے احکام کو چھوڑے ہوئے ہیں، اور ذبح کرنے میں شرعی شرائط کا لحاظ نہیں کرتے، اس لئے ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے۔ اس مسئلے کی پوری تحقیق میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ”معارف القرآن“ اور ”جواہر الفقہ“ میں موجود ہے۔ نیز میرا بھی عربی رسالہ ”احکام الذبائح“ اسی موضوع پر ہے، اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۱۰) اہل کتاب کی دوسری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کی عورتوں سے نکاح بھی حلال ہے، لیکن یہاں بھی دواہم نکتے یاد رکھنے ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حکم ان یہودی یا عیسائی خواتین کا ہے جو واقعی یہودی یا عیسائی ہوں۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، مغربی ممالک میں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ مردم شماری کے حساب سے تو انہیں عیسائی یا یہودی گنا گیا ہے، لیکن نہ وہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں، نہ کسی پیغمبر یا کسی آسمانی کتاب پر۔ ایسے لوگ اہل کتاب میں شامل نہیں ہیں، نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے، اور نہ ایسی عورتوں سے نکاح حلال ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت واقعی یہودی یا عیسائی ہو، لیکن اس بات کا قوی خطرہ ہو کہ وہ اپنے شوہر یا بچوں پر اثر ڈال کر انہیں اسلام سے دور کر دے گی تو ایسی عورت سے نکاح کرنا گناہ ہوگا، یہ اور بات ہے کہ اگر کسی نے نکاح کر لیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا، اور اولاد کو حرام نہیں کہا جائے گا۔ آج کل چونکہ مسلمان عوام میں اپنے دین کی ضروری معلومات اور ان پر عمل کی بڑی کمی ہے، اس لئے اس معاملے میں بہت احتیاط لازم ہے۔



وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَايِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ۖ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۸﴾ وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّيْ وَاثَقَكُمْ بِهِ ۖ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۹﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا ۖ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۲﴾

اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے جسمانی ملاپ کیا ہو، اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرو، اور اپنے چہروں اور ہاتھوں کا اس (مٹی) سے مسح کر لو۔ اللہ تم پر کوئی تنگی مسلط کرنا نہیں چاہتا، لیکن یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک صاف کرے، اور یہ کہ تم پر اپنی نعمت تمام کر دے، تاکہ تم شکر گزار بنو۔ ﴿۸﴾ اللہ نے تم پر جو انعام فرمایا ہے اُسے اور اُس عہد کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا تھا۔ جب تم نے کہا تھا کہ: ”ہم نے (اللہ کے احکام کو) اچھی طرح سن لیا ہے، اور اطاعت قبول کر لی ہے“ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً سینوں کے بھید سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۹﴾ اے ایمان والو! ایسے بن جاؤ کہ اللہ (کے احکام کی پابندی) کے لئے ہر وقت تیار ہو، (اور) انصاف کی گواہی دینے والے ہو۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم نا انصافی کرو۔ انصاف سے کام لو، یہی طریقہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۰﴾ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ (آخرت میں) ان کو مغفرت اور زبردست ثواب حاصل ہوگا ﴿۱۱﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنایا اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، وہ دوزخ کے باسی ہیں۔ ﴿۱۲﴾

(۱۱) ”قضائے حاجت کی جگہ سے آنا“ درحقیقت اس چھوٹی ناپاکی کی طرف اشارہ ہے جس میں انسان پر نماز وغیرہ پڑھنے کے لئے صرف وضو واجب ہوتا ہے، اور ”عورتوں سے ملاپ“ اس بڑی ناپاکی کی طرف اشارہ ہے جس کو ”جنابت“ کہتے ہیں اور جس میں غسل واجب ہوتا ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ جب پانی میسر نہ ہو یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے اس کا استعمال ممکن نہ ہو تو ناپاکی چاہے چھوٹی ہو یا بڑی، دونوں صورتوں میں تیمم کی اجازت ہے، اور دونوں صورتوں میں اس کا طریقہ ایک ہی ہے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ١١ ۝ وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ۖ وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ ۖ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ١٢ ۝

اے ایمان والو! اللہ نے تم پر جو انعام فرمایا اس کو یاد کرو۔ جب کچھ لوگوں نے ارادہ کیا تھا کہ تم پر دست درازی کریں، تو اللہ نے تمہیں نقصان پہنچانے سے ان کے ہاتھ روک دیئے، اور (اس نعمت کا شکریہ ہے کہ) اللہ کا رُعب دل میں رکھتے ہوئے عمل کرو، اور مؤمنوں کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ (۱۱)

اور یقیناً اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا، اور ہم نے ان میں سے بارہ نگراں مقرر کئے تھے، اور اللہ نے کہا تھا کہ ”میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی، میرے پیغمبروں پر ایمان لائے، عزت سے ان کا ساتھ دیا اور اللہ کو اچھا قرض دیا تو یقیناً جانو کہ میں تمہاری برائیوں کا کفارہ کردوں گا، اور تمہیں ان باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ پھر اس کے بعد بھی تم میں سے جو شخص کفر اختیار کرے گا تو درحقیقت وہ سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا“ (۱۲)

(۱۲) یہ ان مختلف واقعات کی طرف اشارہ ہے جن میں کفار نے مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے منصوبے بنائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب کو خاک میں ملا دیا۔ ایسے واقعات بہت سے ہیں۔ ان میں سے کچھ واقعات مفسرین نے اس آیت کے تحت بھی ذکر کئے ہیں۔ مثلاً صحیح مسلم میں روایت ہے کہ مشرکین سے ایک جنگ کے دوران عسفان کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز تمام صحابہ کو جماعت سے پڑھائی مشرکین کو پتہ چلا تو ان کو حسرت ہوئی کہ جماعت کے دوران مسلمانوں پر حملہ کر کے انہیں ختم کر دینے کا یہ بہترین موقع تھا۔ پھر انہوں نے منصوبہ بنایا کہ جب یہ حضرات عصر کی نماز پڑھیں گے تو ان پر ایک دم حملہ کر دیں گے۔ لیکن عصر کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے صلاۃ الخوف پڑھی جس میں مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہو کر نماز پڑھتے ہیں، اور ایک حصہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ (اس نماز کا طریقہ پیچھے سورہ نساء ۴: ۱۰۲ میں گزر چکا ہے) چنانچہ مشرکین کا منصوبہ دھرا رہ گیا۔ (روح المعانی) مزید واقعات کے لئے دیکھئے معارف القرآن۔

(۱۳) بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے۔ چنانچہ جب ان سے یہ عہد لیا گیا تو ہر قبیلے کے سردار کو اپنے قبیلے کا نگراں بنایا گیا تاکہ وہ عہد کی پابندی کی نگرانی کرے۔

(۱۴) اچھے قرض یا قرض حسن کا اصل مطلب تو وہ قرض ہے جو کوئی شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے دے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی غریب کی مدد کی جائے یا کسی اور نیک کام میں پیسے خرچ کئے جائیں۔



فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ ۚ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَأَعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۖ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۱۴﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ۖ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ﴿۱۵﴾

پھر یہ ان کی عہد شکنی ہی تو تھی جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کیا، اور ان کے دلوں کو سخت بنا دیا۔ وہ باتوں کو اپنے موقع محل سے ہٹا دیتے ہیں۔ اور جس بات کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک بڑا حصہ بھلا چکے ہیں، اور ان میں سے کچھ لوگوں کو چھوڑ کر تمہیں آئے دن ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ لہذا (فی الحال) انہیں معاف کر دو اور درگزر سے کام لو۔ بیشک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۳﴾ اور جن لوگوں نے کہا تھا کہ ہم نصرانی ہیں، ان سے (بھی) ہم نے عہد لیا تھا، پھر جس چیز کی ان کو نصیحت کی گئی تھی، اس کا ایک بڑا حصہ وہ (بھی) بھلا بیٹھے۔ چنانچہ ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک کے لئے دشمنی اور بغض پیدا کر دیا۔ اور اللہ انہیں عنقریب بتا دے گا کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔ ﴿۱۴﴾

اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے (یہ) پیغمبر آ گئے ہیں جو کتاب (یعنی تورات اور انجیل) کی بہت سی باتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو تم چھپایا کرتے ہو، اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتے ہیں۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی آئی ہے، اور ایک ایسی کتاب جو حق کو واضح کر دینے والی ہے ﴿۱۵﴾

﴿۱۵﴾ یعنی اس قسم کی شرارتیں تو ان کی پرانی عادت ہے، لیکن آپ کو فی الحال سارے بنی اسرائیل کو کوئی اجتماعی سزا دینے کا حکم نہیں ہے۔ جب وقت آئے گا، اللہ تعالیٰ خود سزا دے گا۔

﴿۱۶﴾ عیسائی مذہب کے ماننے والے مختلف فرقوں میں بٹ گئے تھے، اور ان کے مذہبی اختلافات نے دشمنی اور خانہ جنگی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ یہ اس خانہ جنگی کی طرف اشارہ ہے۔

﴿۱۷﴾ مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے یوں تو اپنی آسمانی کتابوں کی بہت سی باتوں کو چھپا رکھا تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان باتوں کو ظاہر فرمایا جن کی وضاحت دینی اعتبار سے ضروری تھی۔ بہت سی باتیں ایسی بھی تھیں جو انہوں نے چھپائی ہوئی تھیں، مگر ان کے پوشیدہ رہنے سے کوئی عملی یا اعتقادی نقصان نہیں تھا، اور اگر ان کو ظاہر کیا جاتا تو یہود و نصاریٰ کی رسوائی کے سوا کوئی خاص فائدہ نہیں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی باتوں سے درگزر فرمایا ہے، اور ان کی حقیقت واضح کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔



يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ  
وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٦﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ  
مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ  
فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۚ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ  
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٧﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۚ قُلْ فَلِمَ  
يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ  
وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿١٨﴾

جس کے ذریعے اللہ ان لوگوں کو سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اس کی خوشنودی کے طالب ہیں، اور انہیں اندھیریوں  
سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے، اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے ﴿۱۶﴾ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ  
اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے، وہ یقیناً کافر ہو گئے ہیں۔ (اے نبی! ان سے) کہہ دو کہ اگر اللہ مسیح ابن مریم کو اور ان کی ماں  
کو اور زمین میں جتنے لوگ ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہے تو کون ہے جو اللہ کے مقابلے میں کچھ کرنے کی ذرا بھی  
طاقت رکھتا ہو؟ تمام آسمانوں اور زمین پر اور ان کے درمیان جو کچھ موجود ہے اس پر تنہا ملکیت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جو  
چیز چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے ﴿۱۷﴾ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ”ہم اللہ کے  
بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں“ (ان سے) کہو کہ ”پھر اللہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے تمہیں سزا کیوں دیتا ہے؟ نہیں!  
بلکہ تم انہی انسانوں کی طرح انسان ہو جو اس نے پیدا کئے ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے  
عذاب دیتا ہے۔ آسمانوں اور زمین پر اور ان کے درمیان جو کچھ موجود ہے اس پر تنہا ملکیت اللہ ہی کی ہے، اور اسی  
کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے“ ﴿۱۸﴾

(۱۸) یہ بات یہود و نصاریٰ بھی مانتے تھے کہ وہ مختلف مواقع پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا نشانہ بنے ہیں، اور ان میں سے بہت سے  
لوگ اس بات کے بھی قائل تھے کہ آرت میں بھی کچھ عرصے کے لئے وہ دوزخ میں جائیں گے۔ لہذا بتانا یہ منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ  
نے تمام انسان ایک جیسے پیدا فرمائے ہیں، ان میں سے کسی خاص نسل کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لاڈلی قوم  
ہے، اور اس کے قوانین سے لازمی طور پر مستثنیٰ ہے، بالکل غلط دعویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین سب کے لئے برابر ہیں۔ اس نے  
کوئی خاص نسل اپنی رحمت کے لئے مخصوص نہیں کی ہے۔ البتہ وہ اپنی حکمت کے تحت جس کو چاہتا ہے بخش بھی دیتا ہے، اور جس کو  
چاہتا ہے اپنے قانونِ عدل کے تحت سزا بھی دیتا ہے۔



يَا هَلْ الْكِتَابُ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا  
 مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ۖ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۹ ۚ وَإِذْ قَالَ  
 مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ ادْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَ  
 آتَاكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝۲۰ يُقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ  
 اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ۝۲۱ قَالُوا يٰمُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا  
 جَبَّارِينَ ۖ وَإِنَّا لَنَدْخُلُهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ۝۲۲

اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے پیغمبر ایسے وقت دین کی وضاحت کرنے آئے ہیں جب پیغمبروں کی آمد کی ہوئی  
 تھی، تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس نہ کوئی (جنت کی) خوشخبری دینے والا آیا، نہ کوئی (جہنم سے) ڈرانے والا۔ لو اب  
 تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے۔ اور اللہ ہر بات پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ ۱۹  
 اور اُس وقت کا دھیان کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ”اے میری قوم! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر  
 نازل فرمائی ہے کہ اس نے تم میں نبی پیدا کئے، تمہیں حکمران بنایا، اور تمہیں وہ کچھ عطا کیا جو تم سے پہلے دُنیا جہان کے کسی  
 فرد کو عطا نہیں کیا تھا ۲۰ اے میری قوم! اُس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے واسطے لکھ دی ہے،  
 اور اپنی پشت کے بل پیچھے نہ لوٹو، ورنہ پلٹ کر نا مراد جاؤ گے“ ۲۱ وہ بولے، ”اے موسیٰ! اُس (ملک) میں تو بڑے  
 طاقتور لوگ رہتے ہیں، اور جب تک وہ لوگ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہم ہرگز اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ ہاں اگر  
 وہ وہاں سے نکل جائیں تو بیشک ہم اس میں داخل ہو جائیں گے۔“ ۲۲

(۱۹) مقدس سرزمین سے مراد شام اور فلسطین کا علاقہ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کو انبیائے کرام کو مبعوث کرنے کے  
 لئے منتخب فرمایا تھا اس لئے اس کو مقدس فرمایا گیا ہے۔ جس واقعے کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے وہ مختصر یہ ہے کہ  
 بنی اسرائیل کا اصل وطن شام اور بالخصوص فلسطین کا علاقہ تھا۔ فرعون نے مصر میں ان کو غلام بنا رکھا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے  
 فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اب وہ فلسطین میں جا کر آباد ہوں۔ اس وقت فلسطین پر ایک  
 کافر قوم کا قبضہ تھا جو عمالقاہ کہلاتے تھے۔ لہذا اس حکم کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ بنی اسرائیل فلسطین جا کر عمالقاہ سے جہاد کریں۔ مگر ساتھ  
 ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ بھی کر لیا گیا تھا کہ جہاد کے نتیجے میں تمہیں فتح ہوگی، کیونکہ یہ سرزمین تمہارے مقدر میں لکھ دی  
 گئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس حکم کی تعمیل میں فلسطین کی طرف روانہ ہوئے۔ جب فلسطین کے قریب پہنچے تو بنی اسرائیل کو  
 پتہ چلا کہ عمالقاہ تو بڑے طاقتور لوگ ہیں۔ دراصل یہ لوگ قوم عاد کی نسل سے تھے، اور بڑے زبردست ڈیل ڈول کے مالک تھے۔  
 بنی اسرائیل ان کے ڈیل ڈول سے ڈر گئے، اور یہ نہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے اور اس نے فتح کا وعدہ کر رکھا ہے۔



قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أُنْعِمِ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۖ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِذَا كُمْ عَلَيْهِمُ الْغُلَبُونَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا ۖ إِنَّ كُنْتُمْ مُمِينِينَ ﴿٢٣﴾ قَالُوا يَسُوْسَىٰ إِنَّا لَنَنبُدُّكَ أَخْلَاهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَادْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي ۖ فَافْرِقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾ وَاتُّلِيَ عَلَيْهِمْ نَبَأُ ابْنَىٰ آدَمَ بِالْحَقِّ ۖ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقْبِلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ ۚ قَالَ لَا قُتِلَتْكَ ۚ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٢٧﴾

جو لوگ (خدا کا) خوف رکھتے تھے، ان میں سے دو مرد جن کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا تھا، بول اٹھے کہ ”تم اُن پر چڑھائی کر کے (شہر کے) دروازے میں گھس تو جاؤ۔ جب گھس جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے۔ اور اپنا بھروسہ صرف اللہ پر رکھو، اگر تم واقعی صاحب ایمان ہو۔“ ﴿۲۳﴾ وہ کہنے لگے ”اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ اس (ملک) میں موجود ہیں، ہم ہرگز ہرگز اس میں قدم نہیں رکھیں گے۔ (اگر ان سے لڑنا ہے تو) بس تم اور تمہارا رب چلے جاؤ، اور ان سے لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں“ ﴿۲۴﴾ موسیٰ نے کہا ”اے میرے پروردگار! سوائے میری اپنی جان کے اور میرے بھائی کے کوئی میرے قابو میں نہیں ہے۔ اب آپ ہمارے اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان الگ الگ فیصلہ کر دیجئے۔“ ﴿۲۵﴾ اللہ نے کہا ”اچھا! تو وہ سرزمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے، یہ (اس دوران) زمین میں بھٹکتے پھریں گے۔ تو (اے موسیٰ!) اب تم بھی ان نافرمان لوگوں پر ترس مت کھانا“ ﴿۲۶﴾ اور (اے پیغمبر!) ان کے سامنے آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناؤ۔ جب دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تھی، اور ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہو گئی، اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ اس (دوسرے نے پہلے سے) کہا کہ ”میں تجھے قتل کر ڈالوں گا“ پہلے نے کہا کہ ”اللہ تو ان لوگوں سے (قربانی) قبول کرتا ہے جو متقی ہوں“ ﴿۲۷﴾

(۲۰) یہ دو صاحبان حضرت یوشع اور حضرت کالب علیہما السلام تھے جو ہر مرحلے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وفادار رہے تھے، اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت سے بھی سرفراز فرمایا۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اللہ پر بھروسہ کر کے آگے بڑھو تو اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق تم ہی غالب رہو گے۔

(۲۱) بنی اسرائیل کی اس نافرمانی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ چالیس سال تک فلسطین میں ان کا داخلہ بند کر دیا۔



یہ لوگ صحرائے سینا کے ایک مختصر علاقے میں بھٹکتے رہے۔ نہ آگے بڑھنے کا راستہ ملتا تھا، نہ پیچھے مصر واپس جانے کا۔ حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یوشع اور حضرت کالب علیہم السلام بھی ان لوگوں کے ساتھ تھے، اور انہی کی برکت اور دعاؤں سے اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتیں ان پر نازل ہوئیں جن کا ذکر پیچھے سورہ بقرہ (آیات ۵۷ تا ۶۰) میں گزر چکا ہے۔ بادل کے سائے نے انہیں دھوپ سے بچایا۔ کھانے کے لئے من و سلویٰ نازل ہوا، پینے کے لئے پتھر سے بارہ چشمے پھوٹے۔ بنی اسرائیل کے لئے خانہ بدوشی کی یہ زندگی ایک سزا تھی، لیکن ان بزرگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو قلبی راحت کا سامان بنا دیا۔ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی یکے بعد دیگرے اسی صحرائیں وفات ہوئی۔ بعد میں حضرت یوشع علیہ السلام پیغمبر بنے، اور شام کا کچھ علاقہ ان کی سرکردگی میں اور کچھ حضرت سموئیل علیہ السلام کے زمانے میں طالوت کی سرکردگی میں فتح ہوا جس کا واقعہ سورہ بقرہ (آیات ۲۴۶ تا ۲۵۱) میں گزر چکا ہے۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ سرزمین بنی اسرائیل کے حق میں لکھنے کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔

(۲۲) پیچھے بنی اسرائیل کی اس نافرمانی کا ذکر تھا کہ جہاد کا حکم آ جانے کے باوجود وہ اس سے جان چراتے رہے، اب بتانا یہ مقصود ہے کہ ایک بامقصد جہاد میں کسی کی جان لے لینا تو نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے، لیکن ناحق کسی کو قتل کرنا بڑا زبردست گناہ ہے۔ بنی اسرائیل نے جہاد سے تو جان چرائی، لیکن بہت سے بے گناہوں کو قتل کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا۔ اس سلسلے میں وہ واقعہ بیان کیا جا رہا ہے جو اس دنیا میں سب سے پہلے قتل کی واردات پر مشتمل ہے۔ اس واقعے میں قرآن کریم نے تو صرف اتنا بتایا ہے کہ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں نے کچھ قربانی پیش کی تھی، ایک کی قربانی قبول ہوئی، دوسرے کی نہ ہوئی، اس پر دوسرے کو غصہ آ گیا، اور اس نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا۔ لیکن اس قربانی کا کیا پس منظر تھا؟ قرآن کریم نے اس کی تفصیل نہیں بتائی۔ البتہ مفسرین نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور کچھ دوسرے صحابہ کرام کے حوالے سے اس کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام قابیل تھا اور ایک کا ہابیل۔ اس وقت چونکہ دنیا کی آبادی صرف حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد پر مشتمل تھی، اس لئے ان کی اہلیہ کے ہر حمل میں دو جڑواں بچے پیدا ہوتے تھے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ ان دونوں کے درمیان تو نکاح حرام تھا، لیکن ایک حمل میں پیدا ہونے والے لڑکے کا نکاح دوسرے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی سے ہو سکتا تھا۔ قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ بڑی خوبصورت تھی، لیکن جڑواں بہن ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ قابیل کا نکاح جائز نہ تھا۔ اس کے باوجود اس کا اصرار تھا کہ اسی سے نکاح کرے۔ ہابیل کے لئے وہ لڑکی حرام نہ تھی، اس لئے وہ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا تھا۔ جب دونوں کا یہ اختلاف بڑھا تو فیصلہ اس طرح قرار پایا کہ دونوں کچھ قربانی اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کریں۔ جس کی قربانی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اس کا دعویٰ برحق سمجھا جائے گا۔ چنانچہ دونوں نے قربانی پیش کی۔ روایات میں ہے کہ ہابیل نے ایک دُنبہ قربان کیا، اور قابیل نے کچھ زرعی پیداوار پیش کی۔ اس وقت قربانی کے قبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آ کر قربانی کو کھا لیتی تھی۔ ہابیل کی قربانی کو آگ نے کھا لیا، اور اس طرح اس کی قربانی واضح طور پر قبول ہو گئی، اور قابیل کی قربانی وہیں پڑی رہ گئی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ قبول نہیں ہوئی۔ اس پر بجائے اس کے کہ قابیل حق کو قبول کر لیتا، حسد میں مبتلا ہو کر اپنے بھائی کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔



لَنْ يَبْسُطَ إِلَيْكَ لِيَتَّقُنِي مَا أَنَا بِبَاسِطِ يَدَيَّ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ ۚ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ  
 الْعَالَمِينَ ﴿٢١﴾ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِشْيَاؤِي وَإِثْبِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۚ وَذَلِكَ جَزَاءُ  
 الظَّالِمِينَ ﴿٢٢﴾ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٢٣﴾ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا  
 يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِثُ سَوْعَةَ أَخِيهِ ۖ قَالَ يُوَيْلَتِي أَعْجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ  
 هَذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِثُ سَوْعَةَ أَخِي ۖ فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ﴿٢٤﴾ مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى  
 بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۖ

وَقَالُوا لَنَبْلُوَنَّكَ  
 نَافِلًا ۖ فَصَبْرًا  
 وَكَفًّا ۚ

اگر تم نے مجھے قتل کرنے کو اپنا ہاتھ بڑھایا تب بھی میں تمہیں قتل کرنے کو اپنا ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ میں تو اللہ رب العالمین  
 سے ڈرتا ہوں ﴿۲۱﴾ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ انجامِ کار تم اپنے اور میرے دونوں کے گناہ میں پکڑے جاؤ، اور دوزخیوں میں  
 شامل ہو۔ اور یہی ظالموں کی سزا ہے ﴿۲۲﴾ آخر کار اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر لیا، چنانچہ اس نے  
 اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا، اور نامرادوں میں شامل ہو گیا ﴿۲۳﴾ پھر اللہ نے ایک کو ابھیجا جوز مین کھودنے لگا تا کہ اسے دکھائے  
 کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔ (یہ دیکھ کر) وہ بولا ”ہائے افسوس! کیا میں اس کو بے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے  
 بھائی کی لاش چھپا دیتا۔“ اس طرح بعد میں وہ بڑا شرمندہ ہوا ﴿۲۴﴾ اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ  
 جو کوئی کسی کو قتل کرے، جبکہ یہ قتل نہ کسی اور جان کا بدلہ لینے کے لئے ہو اور نہ کسی کے زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے  
 ہو، تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا، ﴿۲۵﴾

﴿۲۳﴾ اگرچہ اپنے دفاع کا اگر کوئی اور راستہ نہ ہو تو حملہ آور کو قتل کرنا جائز ہے، لیکن ہانبل نے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے اپنا یہ حق  
 استعمال کرنے سے گریز کیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے بچاؤ کا اور ہر طریقہ اختیار کروں گا، مگر تمہیں قتل کرنے کا اقدام نہیں  
 کروں گا۔ ساتھ ہی اسے یہ جتلا دیا کہ اگر تم نے قتل کا ارتکاب کیا تو مظلوم ہونے کی بنا پر میرے گناہوں کی تو معافی کی امید ہے،  
 مگر تم پر نہ صرف اپنے گناہوں کا بوجھ ہوگا، بلکہ میرے قتل کرنے کی وجہ سے کچھ میرے گناہ بھی تم پر لد جائیں تو بعید نہیں، کیونکہ  
 آخرت میں مظلوم کا حق ظالم سے دلوانے کا ایک طریقہ احادیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دے دی جائیں،  
 اور اگر نیکیاں کافی نہ ہوں تو مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیئے جائیں۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر امام رازی)

﴿۲۴﴾ یہ چونکہ کسی کے مرنے کا پہلا واقعہ تھا جو قاتل نے دیکھا اس لئے اسے مردوں کو دفن کرنے کا طریقہ معلوم نہیں تھا۔  
 اللہ تعالیٰ نے ایک کو ابھیجا جوز مین کھود کر کسی مردہ کو دفن کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر قاتل کو نہ صرف دفن کرنے کا طریقہ معلوم ہوا  
 بلکہ پشیمانی بھی ہوئی۔

﴿۲۵﴾ مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کے خلاف قتل کا یہ جرم پوری انسانیت کے خلاف جرم ہے۔ کیونکہ کوئی شخص قتلِ ناحق کا ارتکاب



وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَانَتْ نَبَاً أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۖ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ ﴿۳۱﴾ إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيُهُمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۚ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۳۲﴾

اور جو شخص کسی کی جان بچالے تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کی جان بچالی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پیغمبران کے پاس کھلی کھلی ہدایات لے کر آئے، مگر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتیاں ہی کرتے رہے ہیں ﴿۳۱﴾ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، ان کی سزا یہی ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا انہیں زمین سے دُور کر دیا جائے۔ یہ تو دنیا میں ان کی رُسوائی ہے، اور آخرت میں ان کے لئے زبردست عذاب ہے ﴿۳۲﴾

اسی وقت کرتا ہے جب اس کے دل سے انسان کی حرمت کا احساس مٹ جائے۔ ایسی صورت میں اگر اس کے مفاد یا سرشت کا تقاضا ہوگا تو وہ کسی اور کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کرے گا، اور اس طرح پوری انسانیت اس کی مجرمانہ ذہنیت کی زد میں رہے گی۔ نیز جب اس ذہنیت کا چلن عام ہو جائے تو تمام انسان غیر محفوظ ہو جاتے ہیں۔ لہذا قتل ناحق کا ارتکاب چاہے کسی کے خلاف کیا گیا ہو، تمام انسانوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ جرم ہم سب کے خلاف کیا گیا ہے۔

﴿۲۶﴾ پیچھے جہاں انسانی جان کی حرمت کا ذکر تھا وہاں یہ اشارہ بھی دیا گیا تھا کہ جو لوگ زمین میں فساد مچاتے ہیں ان کی جان کو یہ حرمت حاصل نہیں ہے۔ اب ان کی مفصل سزائیں بیان کی جا رہی ہیں۔ مفسرین اور فقہاء کا اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے مراد وہ ڈاکو ہیں جو اسلحے کے زور پر لوگوں کو لوٹتے ہیں۔ ان کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے قوانین کی بے حرمتی کرتے ہیں، اور ان کا لوگوں سے لڑنا گویا اللہ اور اس کے رسول سے لڑنا ہے۔ ان لوگوں کے لئے اس آیت میں چار سزائیں بیان کی گئی ہیں۔ ان سزاؤں کی تشریح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمائی ہے کہ اگر ان لوگوں نے کسی کو قتل کیا ہو، مگر مال لوٹنے کی نوبت نہ آئی ہو تو انہیں قتل کیا جائے گا، مگر یہ قتل کرنا حد شرعی کے طور پر ہوگا، قصاص کے طور پر نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر مقتول کے وارث معاف بھی کرنا چاہیں تو ان کی معافی نہیں ہوگی۔ اور اگر ڈاکوؤں نے کسی کو قتل بھی کیا ہو اور مال بھی لوٹا ہو تو انہیں سولی پر لٹکا کر ہلاک کیا جائے گا، اور اگر مال لوٹا ہو اور کسی کو قتل نہ کیا ہو تو ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ اور اگر انہوں نے لوگوں کو صرف ڈرایا دھمکایا ہو، نہ مال لوٹنے کی نوبت آئی ہو، نہ کسی کو قتل کرنے کی تو چوتھی سزا دی جائے گی جس کی تشریح اگلے حاشیے میں آرہی ہے۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم نے ان جرائم کی سزائیں اصولی طور پر بیان فرمائی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں تفصیل بیان فرمائی ہے کہ ان سخت سزاؤں پر عمل درآمد کے لئے کیا شرائط ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں یہ ساری تفصیل آئی ہے۔ یہ شرائط اتنی کڑی ہیں کہ کسی مقدمے میں ان کا پورا ہونا آسان نہیں، کیونکہ مقصد ہی یہ ہے کہ یہ سزائیں کم سے کم جاری ہوں، مگر جب جاری ہوں تو دوسرے مجرموں کے لئے سامان عبرت بن جائیں۔

﴿۲۷﴾ یہ قرآنی الفاظ کا لفظی ترجمہ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ”زمین سے دُور کرنے“ کی تشریح یہ کی ہے کہ انہیں



إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝<sup>(۳۳)</sup>  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ  
تُفْلِحُونَ ۝<sup>(۳۴)</sup> إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۖ مِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ  
مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝<sup>(۳۵)</sup> يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرِجُوكَ مِنَ  
النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝<sup>(۳۶)</sup>

ہاں وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو تمہارے اُن کو قابو میں لانے سے پہلے ہی توبہ کر لیں۔<sup>(۲۸)</sup> ایسی صورت میں یہ جان رکھو کہ  
اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔<sup>(۳۳)</sup>

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو،<sup>(۲۹)</sup> اور اس کے راستے میں جہاد کرو۔<sup>(۳۰)</sup> اُمید ہے کہ  
تمہیں فلاح حاصل ہوگی۔<sup>(۳۱)</sup> یقین رکھو کہ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، اگر زمین میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب ان کے  
پاس ہوں، اور اتنی ہی اور بھی ہوں، تاکہ وہ قیامت کے دن کے عذاب سے بچنے کے لئے وہ سب فدیہ میں پیش کر دیں،  
تب بھی ان کی یہ پیشکش قبول نہیں کی جائے گی، اور ان کو دردناک عذاب ہوگا۔<sup>(۳۲)</sup> وہ چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں،  
حالانکہ وہ اس سے نکلنے والے نہیں ہیں، اور ان کو ایسا عذاب ہوگا جو قائم رہے گا۔<sup>(۳۳)</sup>

قید خانے میں بند کر دیا جائے گا۔ یہ تشریح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب ہے۔ دوسرے فقہاء نے اس کا مطلب یہ لیا  
ہے کہ انہیں جلا وطن کر دیا جائے گا۔

(۲۸) مطلب یہ ہے کہ اگر وہ گرفتار ہونے سے پہلے ہی توبہ کر لیں اور اپنے آپ کو حکام کے حوالے کر دیں تو ان کی مذکورہ  
سزائیں معاف ہو جائیں گی۔ البتہ چونکہ بندوں کے حقوق صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتے، اس لئے اگر انہوں نے مال لوٹا  
ہے تو وہ مالک کو لوٹانا ہوگا، اور اگر کسی کو قتل کیا ہے تو اس کے وارثوں کو حق ملے گا کہ وہ ان کو قصاص کے طور پر قتل کرنے کا مطالبہ  
کریں۔ ہاں اگر وہ بھی معاف کر دیں یا قصاص کے بدلے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تو ان کی جان بخشی ہو سکتی ہے۔

(۲۹) ”وسیلہ“ سے یہاں مراد ہر وہ نیک عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ بن سکے، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب  
حاصل کرنے کے لئے نیک اعمال کو وسیلہ بناؤ۔

(۳۰) ”جہاد“ کے لفظی معنی کوشش اور محنت کرنے کے ہیں۔ قرآنی اصطلاح میں اس کے معنی عام طور سے اللہ تعالیٰ کی  
رضا جوئی کے لئے دشمنوں سے لڑنے کے آتے ہیں، لیکن بعض مرتبہ دین پر عمل کرنے کے لئے ہر قسم کی کوشش کو بھی ”جہاد“ کہا  
جاتا ہے۔ یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔



وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَانِكَالًا مِّنَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ عَزِيزٌ  
 حَكِيمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَن تَابَ مِن بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ  
 رَّحِيمٌ ﴿۳۹﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَغْفِرُ  
 لِمَن يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۴۰﴾ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ  
 فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِفَوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنُ قُلُوبُهُمْ ۚ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۖ  
 سَعَوْنَ لِلْكَذِبِ سَعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِن بَعْدِ مَوَاضِعِهِ  
 يَقُولُونَ إِنِ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخَذُّوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۖ وَمَن يُدْرِ اللَّهُ فَتْنَتَهُ فَلَن  
 تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُدْرِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۖ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا  
 خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۴۱﴾

اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، تاکہ ان کو اپنے کئے کا بدلہ ملے، اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہو۔ اور اللہ صاحب اقتدار بھی ہے، صاحب حکمت بھی ﴿۳۸﴾ پھر جو شخص اپنی ظالمانہ کارروائی سے توبہ کر لے، اور معاملات درست کر لے، تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۳۹﴾ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی حکمرانی صرف اللہ کے پاس ہے؟ وہ جس کو چاہے عذاب دے، اور جس کو چاہے بخش دے، اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۴۰﴾ اے پیغمبر! جو لوگ کفر میں بڑی تیزی دکھا رہے ہیں، وہ تمہیں غم میں مبتلا نہ کریں، یعنی ایک تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے زبان سے تو کہہ دیا ہے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، مگر ان کے دل ایمان نہیں لائے، اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے (کھلے بندوں) یہودیت کا دین اختیار کر لیا ہے۔ یہ لوگ جھوٹی باتیں کان لگا لگا کر سننے والے ہیں، (اور تمہاری باتیں) ان لوگوں کی خاطر سنتے ہیں جو تمہارے پاس نہیں آئے، جو (اللہ کی کتاب کے) الفاظ کا موقع محل طے ہو جانے کے بعد بھی ان میں تحریف کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو اس کو قبول کر لینا، اور اگر یہ حکم نہ دیا جائے تو بیچ کر رہنا۔ اور جس شخص کو اللہ فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کر لے تو اسے اللہ سے بچانے کے لئے تمہارا کوئی زور ہرگز نہیں چل سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ (ان کی نافرمانی کی وجہ سے) اللہ نے ان کے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے، اور انہی کے لئے آخرت میں زبردست عذاب ہے ﴿۴۱﴾

(۴۱) ڈاکے کی سزا میں بھی اوپر توبہ کا ذکر آیا تھا، مگر وہاں توبہ کا اثر یہ تھا کہ گرفتاری سے پہلے توبہ کر لینے سے حد کی سزا معاف



ہو جاتی تھی۔ یہاں اس قسم کے الفاظ نہیں ہیں۔ لہذا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح کے مطابق چور کی سزا توبہ سے معاف نہیں ہوتی، چاہے وہ گرفتاری سے پہلے توبہ کر لے۔ یہاں صرف یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اس توبہ کا اثر آخرت میں جاری ہوگا کہ اس کا گناہ معاف کر دیا جائے گا۔ اس کے لئے بھی آیت میں دو شرطیں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ وہ دل سے شرمندہ ہو کر توبہ کرے، اور دوسرے یہ کہ اپنے معاملات درست کر لے۔ اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جن جن کا سامان چرایا تھا، ان کو وہ سامان واپس کرے، الا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔

(۳۲) یہاں سے آیت نمبر ۵۰ تک کی آیتیں کچھ خاص واقعات کے پس منظر میں نازل ہوئی ہیں جن میں کچھ یہودیوں نے اپنے کچھ جھگڑے اس اُمید پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لانے کا ارادہ کیا تھا کہ آپ ان کا فیصلہ ان کی خواہش کے مطابق کریں گے۔ ان میں سے ایک واقعہ تو یہ تھا کہ خیبر کے دو شادی شدہ یہودی مرد و عورت نے زنا کر لیا تھا جس کی سزا خود تورات میں یہ مقرر تھی کہ ایسے مرد و عورت کو سنگسار کر کے ہلاک کیا جائے۔ یہ سزا موجودہ تورات میں بھی موجود ہے (دیکھئے: استثناء ۲۲: ۲۳ و ۲۴)۔ لیکن یہودیوں نے اس کو چھوڑ کر کوڑوں اور منہ کالا کرنے کی سزا مقرر کر رکھی تھی۔ شاید وہ یہ چاہتے تھے کہ اس سزا میں بھی کمی ہو جائے، اس لئے انہوں نے یہ سوچا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بہت سے احکام تورات کے احکام کے مقابلے میں نرم ہیں، اس لئے اگر آپ سے فیصلہ کرایا جائے تو شاید آپ کوئی نرم فیصلہ کریں اور یہ مرد و عورت سنگساری کی سزا سے بچ جائیں۔ اس غرض کے لئے خیبر کے یہودیوں نے مدینہ منورہ میں رہنے والے کچھ یہودیوں کو جن میں سے کچھ منافق بھی تھے ان مجرموں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، مگر ساتھ ہی انہیں یہ تاکید کی کہ اگر آپ سنگساری کے سوا کوئی اور فیصلہ کریں تو اسے قبول کر لینا، اور اگر سنگساری کا فیصلہ کریں تو قبول مت کرنا۔ چنانچہ یہ لوگ آپ کے پاس آئے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتا دیا گیا تھا کہ اس کی سزا سنگساری ہے جسے سن کر وہ بوکھلا گئے۔ آپ نے انہی سے پوچھا کہ تورات میں اس کی سزا کیا ہے؟ شروع میں انہوں نے چھپانے کی کوشش کی، مگر آخر میں جب آپ نے ان کے ایک بڑے عالم ابن صوریہ کو قسم دی اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جو پہلے خود یہودی عالم تھے، ان کا پول کھول دیا تو وہ مجبور ہو گیا اور اس نے تورات کی وہ آیت پڑھ دی جس میں زنا کی سزا سنگساری بیان کی گئی تھی۔ اور یہ بھی بتایا کہ تورات کا حکم تو یہی تھا، مگر ہم میں سے غریب لوگ یہ جرم کرتے تو یہ سزا ان پر جاری کی جاتی تھی، اور کوئی مال دار یا باعزت گھرانے کا آدمی یہ جرم کرتا تو اسے کوڑوں وغیرہ کی سزا دے دیا کرتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ سبھی کے لئے سنگساری کی سزا کو چھوڑ دیا گیا۔ اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ بھی پیش آیا تھا جس کی تفصیل نیچے آیت نمبر ۴۵ کے حاشیے میں آرہی ہے۔

(۳۳) یعنی یہودیوں کے پیشوا جو جھوٹی بات تورات کی طرف منسوب کر کے بیان کر دیتے ہیں، اور وہ ان کی خواہشات کے مطابق ہوتی ہے تو یہ اسے بڑے شوق سے سنتے اور اس پر یقین کر لیتے ہیں، چاہے وہ تورات کے صاف اور صریح احکام کے خلاف ہو اور یہ لوگ جانتے ہوں کہ ان کے پیشواؤں نے رشوت لے کر یہ بات بیان کی ہے۔

(۳۴) اس سے ان یہودیوں کی طرف اشارہ ہے جو خود تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آئے، لیکن ان یہودیوں اور منافقوں کو آپ کے پاس بھیج دیا۔ جو لوگ آئے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات اس لئے سننے آئے تھے کہ آپ کا موقف سننے کے بعد ان لوگوں کو مطلع کریں جنہوں نے ان کو بھیجا تھا۔

(۳۵) چونکہ یہ دنیا آزمائش ہی کے لئے بنائی گئی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو زبردستی راہِ راست پر لا کر اس کے دل کو پاک نہیں کرتا جو ضد پر اڑا ہوا ہو۔ یہ پاکیزگی انہی کو عطا ہوتی ہے جو حق کی طلب رکھتے ہوں، اور خلوص کے ساتھ اسے قبول کریں۔



سَعُونَ لِلْكَذِبِ أَكْثُونَ لِلْحَقِّ ۖ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۚ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۳۲﴾ وَكَيْفَ يُحْكُمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ ۚ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۳﴾ إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يُحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَنْ لَمْ يُحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿۳۴﴾

یہ کان لگا لگا کر جھوٹی باتیں سننے والے، جی بھر بھر کر حرام کھانے والے ہیں۔ چنانچہ اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو چاہے ان کے درمیان فیصلہ کر دو، اور چاہے ان سے منہ موڑ لو۔ اگر تم ان سے منہ موڑ لو گے تو یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر فیصلہ کرنا ہو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ﴿۳۲﴾ اور یہ کیسے تم سے فیصلہ لینا چاہتے ہیں جبکہ ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کا فیصلہ درج ہے؟ پھر اس کے بعد (فیصلے سے) منہ بھی پھیر لیتے ہیں۔ دراصل یہ ایمان والے نہیں ہیں۔ ﴿۳۳﴾ بیشک ہم نے تورات نازل کی تھی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا۔ تمام نبی جو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے، اسی کے مطابق یہودیوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے، اور تمام اللہ والے اور علماء بھی (اسی پر عمل کرتے رہے) کیونکہ ان کو اللہ کی کتاب کا محافظ بنایا گیا تھا، اور وہ اس کے گواہ تھے۔ لہذا (اے یہودیو!) تم لوگوں سے نہ ڈرو، اور مجھ سے ڈرو، اور تھوڑی سی قیمت لینے کی خاطر میری آیتوں کا سودا نہ کیا کرو۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ لوگ کافر ہیں ﴿۳۴﴾

﴿۳۱﴾ یہاں حرام سے مراد وہ رشوت ہے جس کی خاطر یہودی پیشوا تورات کے احکام میں تبدیلیاں کر دیتے تھے۔  
 ﴿۳۲﴾ جو یہودی فیصلہ کرانے آئے تھے ان سے جنگ بندی کا معاہدہ تو تھا، مگر وہ باقاعدہ اسلامی حکومت کے شہری نہیں تھے۔ اس لئے آپ کو یہ اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو ان کا فیصلہ کر دیں اور چاہیں تو انکار فرمادیں۔ ورنہ جو غیر مسلم اسلامی حکومت کے باقاعدہ شہری بن جائیں، ملک کے عام قوانین میں ان کا فیصلہ بھی اسلامی شریعت کے مطابق ہی کرنا ضروری ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ البتہ ان کے خاص مذہبی قوانین جو نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ سے متعلق ہیں، ان میں انہی کے مذہب کے مطابق فیصلہ انہی کے ججوں کے ذریعے کروایا جاتا ہے۔

﴿۳۸﴾ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تورات کے احکام سے منہ موڑ لیتے ہیں، اور یہ بھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلے کی خود درخواست کرنے کے باوجود جب آپ فیصلہ سناتے ہیں تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔



وَكُتِبَ عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ<sup>۱</sup> وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ<sup>۲</sup> وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ  
بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ<sup>۳</sup> وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ<sup>۴</sup> فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ<sup>۵</sup> لَهُ<sup>۶</sup> وَمَنْ لَّمْ  
يَحْكَمْ بِهَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ<sup>۷</sup> وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ  
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ<sup>۸</sup> وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ<sup>۹</sup> وَمُصَدِّقًا لِّمَا  
بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ<sup>۱۰</sup>

اور ہم نے اس (تورات میں) ان کے لئے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے  
بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت۔ اور زخموں کا بھی (اسی طرح) بدلہ لیا جائے۔ ہاں جو شخص  
اس (بدلے) کو معاف کر دے تو یہ اس کے لئے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم  
کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ لوگ ظالم ہیں۔<sup>(۳۹)</sup> اور ہم نے ان (پیغمبروں) کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو اپنے سے پہلی  
کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والا بنا کر بھیجا، اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا، اور جو  
اپنے سے پہلی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والی اور متقیوں کے لئے سراپا ہدایت و نصیحت بن کر آئی تھی<sup>(۴۰)</sup>

<sup>(۳۹)</sup> دوسرا واقعہ ان آیات کے پس منظر میں یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو قبیلے آباد تھے، ایک بنو قریظہ اور دوسرے  
بنو نضیر۔ بنو نضیر کے لوگ مال دار تھے، اور بنو قریظہ کے لوگ مالی اعتبار سے ان کے مقابلے میں کمزور تھے۔ اگرچہ دونوں یہودی  
تھے، مگر بنو نضیر نے ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان سے یہ ظالمانہ اصول طے کر لیا تھا کہ اگر بنو نضیر کا کوئی آدمی بنو قریظہ کے  
کسی شخص کو قتل کرے گا تو قاتل سے جان کے بدلے جان کے اصول پر قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ وہ خوں بہا کے طور پر ستر و سق  
کھجوریں دے گا (وسق ایک پیمانہ تھا جو تقریباً پانچ من دس سیر کا ہوتا تھا)، اور اگر بنو قریظہ کا کوئی آدمی بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل  
کرے گا تو نہ صرف یہ کہ قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، بلکہ اس سے خوں بہا بھی لیا جائے گا، اور وہ بھی دگنا۔ جب  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ قریظہ کے کسی شخص نے بنو نضیر کے ایک آدمی کو قتل  
کر دیا۔ بنو نضیر نے جب اپنی سابق قرارداد کے مطابق قصاص اور خوں بہا دونوں کا مطالبہ کیا تو قریظہ کے لوگوں نے اسے  
انصاف کے خلاف قرار دیا اور تجویز پیش کی کہ فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کرایا جائے، کیونکہ اتنا وہ بھی جانتے تھے کہ آپ  
کا دین انصاف کا دین ہے۔ جب قریظہ کے لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو بنو نضیر نے کچھ منافقین کو مقرر کیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم سے غیر رسمی طور پر آپ کا عندیہ معلوم کریں، اور اگر آپ کا عندیہ بنو نضیر کے حق میں ہو تو فیصلہ ان سے کرائیں، ورنہ ان  
سے فیصلہ نہ لیں۔ اس پس منظر میں یہ آیت بتا رہی ہے کہ تورات نے تو واضح طور پر فیصلہ دیا ہوا ہے کہ جان کے بدلے جان لینی  
ہے، اور اس لحاظ سے بنو نضیر کا مطالبہ سراسر ظالمانہ اور تورات کے خلاف ہے۔



وَلِيَحْكُمَ أَهْلُ الْأَنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۖ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ  
 الْفَاسِقُونَ ﴿۲۹﴾ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَ  
 مُهَيِّئًا عَلَيْهِ فَاحُكُم بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ  
 الْحَقِّ ۚ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن  
 لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ  
 فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۳۰﴾

اور انجیل والوں کو چاہئے کہ اللہ نے اس میں جو کچھ نازل کیا ہے، اس کے مطابق فیصلہ کریں، اور جو لوگ اللہ کے نازل  
 کئے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ لوگ فاسق ہیں ﴿۲۹﴾ اور (اے رسول محمد! صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم پر بھی حق  
 پر مشتمل کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی نگہبان ہے۔ لہذا ان لوگوں کے  
 درمیان اسی حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے، اور جو حق بات تمہارے پاس آگئی ہے اسے چھوڑ کر ان کی  
 خواہشات کے پیچھے نہ چلو۔ تم میں سے ہر ایک (امت) کے لئے ہم نے ایک (الگ) شریعت اور طریقہ مقرر کیا ہے۔  
 اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا، لیکن (الگ شریعتیں اس لئے دیں) تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس  
 میں تمہیں آزمائے۔ لہذا انیکوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا  
 ہے۔ اُس وقت وہ تمہیں وہ باتیں بتائے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے ﴿۳۰﴾

﴿۲۰﴾ یہودی اور عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے سے جو انکار کرتے تھے اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ  
 اسلام میں عبادت کے طریقے اور بعض دوسرے احکام حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی شریعت سے مختلف تھے، اور  
 ان لوگوں کو ان نئے احکام پر عمل کرنا بھاری معلوم ہوتا تھا۔ اس آیت نے واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت مختلف  
 پیغمبروں کو الگ الگ شریعتیں عطا فرمائی ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ تو ہے ہی کہ ہر زمانے کے تقاضے الگ ہوتے ہیں، لیکن ایک  
 وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ عبادت کا کوئی ایک طریقہ یا کوئی ایک قانون اپنی ذات میں کوئی  
 تقدس نہیں رکھتا، اس میں جو کچھ تقدس پیدا ہوتا ہے وہ اللہ کے حکم سے پیدا ہوتا ہے۔ لہذا جس زمانے میں اللہ تعالیٰ جو حکم دے  
 دیں وہی اس زمانے میں تقدس کا حامل ہے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ جو لوگ ایک طریقے کے عادی ہو جاتے ہیں، وہ اسی کو ذاتی  
 طور پر مقدس سمجھ بیٹھتے ہیں، اور جب کوئی نیا پیغمبر نئی شریعت لے کر آتا ہے تو ان کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ پرانے طریقے کو ذاتی  
 طور پر مقدس سمجھ کرنے کے طریقے کا انکار کر بیٹھتے ہیں یا اللہ کے حکم کو اصل تقدس کا حامل سمجھ کر نئے حکم کو دل و جان سے تسلیم کرتے



وَأَن احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاَعْلَمَ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ﴿۴۹﴾ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ مِّنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۵۰﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۱﴾

اور (ہم حکم دیتے ہیں) کہ تم ان لوگوں کے درمیان اسی حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو، اور ان کی اس بات سے بچ کر رہو کہ وہ تمہیں فتنے میں ڈال کر کسی ایسے حکم سے ہٹا دیں جو اللہ نے تم پر نازل کیا ہو۔ اس پر اگر وہ منہ موڑیں تو جان رکھو کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان کو مصیبت میں مبتلا کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ اور ان لوگوں میں سے بہت سے فاسق ہیں ﴿۴۹﴾ بھلا کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ یقین رکھتے ہوں ان کے لئے اللہ سے اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ ﴿۵۰﴾ اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو یا رومدگار نہ بناؤ۔ یہ خود ہی ایک دوسرے کے یا رومدگار ہیں۔ اور تم میں سے جو شخص ان کی دوستی کا دم بھرے گا تو پھر وہ انہی میں سے ہوگا۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ﴿۵۱﴾

ہیں۔ آگے جو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ”لیکن (تمہیں الگ شریعتیں اس لئے دیں) تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے“ اس کا یہی مطلب ہے۔

﴿۴۱﴾ یہ حکم اس صورت میں ہے جب غیر مسلم لوگ اسلامی حکومت کے باقاعدہ شہری بن جائیں جن کو فقہی اصطلاح میں ”ذمی“ کہا جاتا ہے، یا اس صورت میں جب وہ اپنی رضامندی سے اپنا فیصلہ مسلمان قاضی سے کروانا چاہیں۔ ایسی صورت میں مسلمان قاضی عام ملکی قوانین میں فیصلہ اسلامی شریعت کے مطابق کرے گا۔ البتہ ان کے خالص مذہبی معاملات مثلاً عبادات، نکاح، طلاق اور وراثت میں انہیں اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ مگر یہ فیصلہ انہی کے افراد کریں گے۔

﴿۴۲﴾ ”بعض گناہ“ اس لئے فرمایا کہ تمام گناہوں کی سزا تو آخرت میں ملنی ہے۔ البتہ اللہ اور رسول کے فیصلے سے منہ موڑنے کی سزا ان کو دنیا میں بھی ملنے والی ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد ان کی عہد شکنی اور سازشوں کے نتیجے میں ان کو جلا وطنی اور قتل کی سزائیں دنیا ہی میں مل گئیں۔

﴿۴۳﴾ اس آیت کی تشریح اور غیر مسلموں سے تعلقات کی حدود کی تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ آل عمران (۲۸:۳) کا حاشیہ۔



فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۖ  
فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسْرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ  
نَادِمِينَ ۝ (۵۲) وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۖ إِنَّهُمْ  
لَمَعَكُمْ ۖ حَبِطَتْ أَعْيَانُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَسِرِينَ ۝ (۵۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن  
دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِيَ اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ۚ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى  
الْكَافِرِينَ ۚ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ  
مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ (۵۴) إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ  
يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ مُرْكِعُونَ ۝ (۵۵)

چنانچہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے، تم انہیں دیکھتے ہو کہ وہ لپک لپک کر ان میں گھستے ہیں، کہتے ہیں: ”ہمیں ڈر ہے کہ ہم پر کوئی مصیبت کا چکر آ پڑے گا“ (لیکن) کچھ بعید نہیں کہ اللہ (مسلمانوں کو) فتح عطا فرمائے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کر دے، اور اُس وقت یہ لوگ اُس بات پر پچھتائیں جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی تھی۔ (۵۲) اور (اس وقت) ایمان والے (ایک دوسرے سے) کہیں گے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے بڑے زور و شور سے اللہ کی قسمیں کھائی تھیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال غارت ہو گئے، اور وہ نامراد ہو کر رہے (۵۳) اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا، اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے، جو مؤمنوں کے لئے نرم اور کافروں کے لئے سخت ہوں گے، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جو وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا، بڑے علم والا ہے (۵۴) (مسلمانو!) تمہارے یار و مددگار تو اللہ، اس کے رسول اور وہ ایمان والے ہیں جو اس طرح نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں کہ وہ (دل سے) اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہوتے ہیں (۵۵)

(۴۴) یہ منافقین کا ذکر ہے جو یہود و نصاریٰ سے ہر وقت گھلے ملے رہتے اور ان کی سازشوں میں شریک رہتے تھے، اور جب ان پر اعتراض ہوتا تو وہ جواب دیتے کہ اگر ہم ان سے تعلقات نہ رکھیں گے تو ان کی طرف سے ہمیں تنگ کیا جائے گا اور ہم کسی مصیبت میں گرفتار ہو سکتے ہیں۔ اور ان کے دل میں یہ نیت ہوتی تھی کہ کسی وقت مسلمان ان کے ہاتھوں مغلوب ہو جائیں گے تو ہمیں بالآخر انہی سے واسطہ پڑے گا۔

(۴۵) ”کوئی اور بات ظاہر کرنے“ سے مراد غالباً یہ ہے کہ ان کے پول و جی کے ذریعے کھول دیئے جائیں اور ان کی رسوائی ہو۔



وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۵۶﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُؤًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنتُم مَّوْمِنِينَ ﴿۵۷﴾ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوا هُزُؤًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۵۸﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَتَّقُونَ مِمَّا إِلَّا أَنْ أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِن قَبْلُ ۖ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ ۚ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۚ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ سَوَاءً السَّبِيلِ ﴿۶۰﴾ وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكَفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿۶۱﴾ وَتَرَى كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۶۲﴾

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو (وہ اللہ کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے اور) اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔ ﴿۵۶﴾ اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایسے لوگوں کو جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے اور کافروں کو یا رومدگار نہ بناؤ، اور اگر تم واقعی صاحب ایمان ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو ﴿۵۷﴾ اور جب تم نماز کے لئے (لوگوں کو) پکارتے ہو تو وہ اس (پکار) کو مذاق اور کھیل کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ سب (حرکتیں) اس وجہ سے ہیں کہ ان لوگوں کو عقل نہیں ہے۔ ﴿۵۸﴾ تم (ان سے) کہو کہ: ”اے اہل کتاب! تمہیں اس کے سوا ہماری کوئی بات بُری لگتی ہے کہ ہم اللہ پر اور جو کلام ہم پر اتارا گیا اُس پر اور جو پہلے اتارا گیا تھا اُس پر ایمان لے آئے ہیں، جبکہ تم میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں؟“ ﴿۵۹﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ”کیا میں تمہیں بتاؤں کہ (جس بات کو تم برا سمجھ رہے ہو) اس سے زیادہ برے انجام والے کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے پھٹکار ڈالی، جن پر اپنا غضب نازل کیا، جن میں سے لوگوں کو بندر اور سور بنایا، اور جنہوں نے شیطان کی پرستش کی! وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا بھی بدترین ہے اور وہ سیدھے راستے سے بھی بہت بھٹکے ہوئے ہیں۔“ ﴿۶۰﴾ اور جب یہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ”ہم ایمان لے آئے ہیں“ حالانکہ یہ کفر لے کر ہی آئے تھے، اور اسی کفر کو لے کر باہر نکلے ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ یہ کیا کچھ چھپاتے رہے ہیں ﴿۶۱﴾ اور ان میں سے بہت سوں کو تم دیکھو گے کہ وہ گناہ، ظلم اور حرام خوری میں لپک لپک کر آگے بڑھتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جو حرکتیں یہ کرتے ہیں وہ نہایت بُری ہیں ﴿۶۲﴾



لَوْ لَا يَنْهَاهُمُ الرَّبُّنِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِلَٰهَ ۖ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يُدْعِي اللَّهُ مَعْلُوكَةً ۖ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۖ بَلْ يَدُّهُ مَبْسُوطَةٌ لَّهُ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۖ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۖ وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۖ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۖ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۖ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿۳۷﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دُخْلُكُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿۳۸﴾

ان کے مشائخ اور علماء ان کو گناہ کی باتیں کہنے اور حرام کھانے سے آخر کیوں منع نہیں کرتے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ طرز عمل نہایت برا ہے۔ ﴿۳۶﴾ اور یہودی کہتے ہیں کہ ”اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں“ ہاتھ تو خود ان کے بندھے ہوئے ہیں، اور جو بات انہوں نے کہی ہے اس کی وجہ سے ان پر لعنت الگ پڑی ہے، ورنہ اللہ کے دونوں ہاتھ پوری طرح کشادہ ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ اور (اے پیغمبر!) جو وحی تم پر نازل کی گئی ہے وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر میں مزید اضافہ کر کے رہے گی، اور ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک کے لئے عداوت اور بغض پیدا کر دیا ہے۔ جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اس کو بجھا دیتا ہے، اور یہ زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، جبکہ اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۳۷﴾ اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی بُرائیاں معاف کر دیتے، اور انہیں ضرور آرام و راحت کے باغات میں داخل کرتے ﴿۳۸﴾

﴿۳۶﴾ جب مدینہ منورہ کے یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ کے طور پر کچھ عرصے کے لئے معاشی تنگی میں مبتلا کر دیا۔ اس موقع پر بجائے اس کے کہ وہ ہوش میں آتے، ان کے بعض سرداروں نے یہ گستاخانہ جملہ کہا۔ ”ہاتھ کا بندھا ہونا“ عربی میں بخل اور کنجوسی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہذا ان کا مطلب یہ تھا کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ بخل کا معاملہ کیا ہے۔ حالانکہ بخل کی صفت تو خود ان کی مشہور و معروف تھی، اس لئے فرمایا گیا کہ ”ہاتھ تو خود ان کے بندھے ہوئے ہیں“۔

﴿۳۷﴾ یہ یہودیوں کی ان سازشوں کی طرف اشارہ ہے جو وہ مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ مل کر کرتے رہتے تھے۔ اگرچہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ بندی کا معاہدہ کر رکھا تھا، لیکن درپردہ وہ اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ مسلمانوں پر کوئی حملہ ہو اور وہ اس میں شکست کھائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ہر موقع پر ان کی سازش کو ناکام بنا دیتے تھے۔



وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكُلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ۖ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿٦٦﴾ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۖ وَاللَّهُ يَعْصِبُكَ مِنَ النَّاسِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٦٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّبِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾ لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَارْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا ۖ كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُهُمْ فَزَيَّنُوا لَهُمْ فَرِيقًا كَذِبًا وَأَوْرَثُوا قُلُوبًا ۖ قُلُوبًا

اور اگر وہ تورات اور انجیل اور جو کتاب (اب) ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے بھیجی گئی ہے اس کی ٹھیک ٹھیک پابندی کرتے تو وہ اپنے اوپر اور اپنے نیچے ہر طرف سے (اللہ کا رزق) کھاتے۔ (اگرچہ) ان میں ایک جماعت راہِ راست پر چلنے والی بھی ہے، مگر ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہی ہیں کہ ان کے اعمال خراب ہیں ﴿٦٦﴾ اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔ اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تمہیں لوگوں (کی سازشوں) سے بچائے گا۔ یقین رکھو کہ اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿٦٧﴾ کہہ دو کہ: ”اے اہل کتاب! جب تک تم تورات اور انجیل پر اور جو (کتاب) تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس (اب) بھیجی گئی ہے اس کی پوری پابندی نہیں کرو گے، تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہوگی جس پر تم کھڑے ہو سکو۔“ اور (اے رسول!) جو وحی اپنے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر میں مزید اضافہ کر کے رہے گی، لہذا تم ان کافر لوگوں پر افسوس مت کرنا ﴿٦٨﴾ حق تو یہ ہے کہ جو لوگ بھی، خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی یا صابی یا نصرانی، اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئیں گے اور نیک عمل کریں گے ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔ ﴿٦٩﴾ ہم نے بنو اسرائیل سے عہد لیا تھا، اور ان کے پاس رسول بھیجے تھے۔ جب کوئی رسول ان کے پاس کوئی ایسی بات لے کر آتا جس کو ان کا دل نہیں چاہتا تھا تو کچھ (رسولوں) کو انہوں نے جھٹلایا اور کچھ قتل کرتے رہے ﴿٧٠﴾



وَحَسِبُوا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةً فَعَمُوا وَصَمُوا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَمُوا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۵۸﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ وَقَالَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اَسْرَآءِيْلُ اعْبُدُوْا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ اِنَّهٗ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا وُجِدَ النَّارُ ۚ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۵۹﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَلَاثٌ ثَلَاثَةٌ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾

اور وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ کوئی پکڑ نہیں ہوگی، اس لئے اندھے بہرے بن گئے، پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی تو ان میں سے بہت سے پھر اندھے بہرے بن گئے، اور اللہ ان کے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔ ﴿۵۸﴾ وہ لوگ یقیناً کافر ہو چکے ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ ”اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے“ حالانکہ مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ ”اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ یقیناً جانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے، اللہ نے اس کے لئے جنت حرام کر دی ہے، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے، اور جو لوگ (یہ) ظلم کرتے ہیں، ان کو کسی قسم کے یار و مددگار میسر نہیں آئیں گے“ ﴿۵۹﴾ وہ لوگ (بھی) یقیناً کافر ہو چکے ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ: ”اللہ تین میں کا تیسرا ہے“ ﴿۶۰﴾ حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اور اگر یہ لوگ اپنی اس بات سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے (ایسے) کفر کا ارتکاب کیا ہے، ان کو دردناک عذاب پکڑ کر رہے گا۔ ﴿۶۱﴾

(۶۰) یہ عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کی طرف اشارہ ہے۔ اس عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ خدا تین اقسام (Persons) کا مجموعہ ہے، ایک باپ (یعنی اللہ)، ایک بیٹا (یعنی حضرت مسیح علیہ السلام) اور ایک روح القدس۔ اور بعض فرقے اس بات کے بھی قائل تھے کہ تیسری حضرت مریم علیہا السلام ہیں۔ اور ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تینوں مل کر ایک کس طرح ہیں؟ اس معنی کا کوئی معقول جواب کسی کے پاس نہیں ہے، اس لئے ان کے متکلمین (Theologians) نے اس عقیدے کی مختلف تعبیریں اختیار کی ہیں۔ بعض نے تو یہ کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صرف خدا تھے، انسان نہیں تھے۔ آیت نمبر ۷۲ میں ان کے عقیدے کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ اور بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ خدا جن تین اقسام کا مجموعہ ہے، ان میں سے ایک باپ یعنی اللہ ہے، اور دوسرا بیٹا ہے جو اللہ ہی کی ایک صفت تھی جو انسانی وجود میں حلول کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں آگئی تھی، لہذا وہ انسان بھی تھے، اور اپنی اصل کے اعتبار سے خدا بھی تھے۔ آیت نمبر ۷۳ میں اس عقیدے کی تردید کی گئی ہے۔ عیسائیوں کے ان عقائد کی تفصیل اور ان کی تردید کے لئے دیکھئے راقم الحروف کی کتاب ”عیسائیت کیا ہے؟“۔



أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ<sup>۵۰</sup> وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۚ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۚ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمْ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۗ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَصْلُوا كَثِيرًا مِّنْ ضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝

کیا پھر بھی یہ لوگ معافی کے لئے اللہ کی طرف رجوع نہیں کریں گے، اور اس سے مغفرت نہیں مانگیں گے؟ حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے! ۵۰ مسیح ابن مریم تو ایک رسول تھے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، ان سے پہلے (بھی) بہت سے رسول گذر چکے ہیں، اور ان کی ماں صدیقہ تھیں۔ یہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو! ہم ان کے سامنے کس طرح کھول کھول کر نشانیاں واضح کر رہے ہیں! پھر یہ بھی دیکھو کہ ان کو اوندھے منہ کہاں لے جایا جا رہا ہے! ۵۱ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ”کیا تم اللہ کے سوا ایسی مخلوق کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ کوئی نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتی ہے، اور نہ فائدہ پہنچانے کی، جبکہ اللہ ہر بات کو سننے والا، ہر چیز کو جاننے والا ہے؟“ ۵۲ (اور ان سے یہ بھی کہو کہ:) ”اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو، ۵۳ اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو جو پہلے خود بھی گمراہ ہوئے، بہت سے دوسروں کو بھی گمراہ کیا، اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔“ ۵۴

(۵۰) ”صدیقہ“ صدیق کا مؤنث کا صیغہ ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں ”بہت سچا“ یا ”راست باز“۔ اصطلاح میں صدیق عام طور سے ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی پیغمبر کا افضل ترین متبع ہوتا ہے، اور نبوت کے بعد یہ سب سے اُونچا مرتبہ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام دونوں کے بارے میں یہاں قرآن کریم نے یہ حقیقت بتلائی ہے کہ وہ کھانا کھاتے تھے، کیونکہ تنہا یہ حقیقت اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ وہ خدا نہیں تھے۔ ایک معمولی سمجھ کا شخص بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خدا تو وہی ذات ہو سکتی ہے جو ہر قسم کی بشری حاجتوں سے بے نیاز ہو۔ اگر خدا بھی کھانا کھانے کا محتاج ہو تو وہ خدا کیا ہوا؟

(۵۱) قرآن کریم نے یہاں مجہول کا صیغہ استعمال کیا ہے، اس لئے ترجمہ یہ نہیں کیا گیا کہ ”وہ اوندھے منہ کہاں جا رہے ہیں؟“ بلکہ ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ: ”انہیں اوندھے منہ کہاں لیجا یا جا رہا ہے؟“ اور بظاہر مجہول کا یہ صیغہ استعمال کرنے سے اشارہ اس طرف مقصود ہے کہ ان کی نفسانی خواہشات اور ذاتی مفادات ہیں جو انہیں الٹا لے جا رہے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۵۲) حضرت مسیح علیہ السلام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے، لیکن کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کی ذاتی صلاحیت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اگر وہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں تو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیت سے پہنچا سکتے ہیں۔

(۵۳) ”غلو“ کا مطلب ہے کسی کام میں اس کی معقول حدود سے آگے بڑھ جانا۔ عیسائیوں کا غلو یہ تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ انہیں خدا قرار دے دیا، اور یہودیوں کا غلو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے محبت کا جو



لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَآءِ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۵۸﴾ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۵۹﴾ تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿۶۰﴾ وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوا هُمُ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۶۱﴾ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ۚ

بنو اسرائیل کے جو لوگ کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت بھیجی گئی تھی۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی تھی، اور وہ حد سے گزر جایا کرتے تھے ﴿۵۸﴾ وہ جس بدی کا ارتکاب کرتے تھے، اس سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا طرز عمل نہایت بُرا تھا ﴿۵۹﴾ تم ان میں سے بہت سوں کو دیکھتے ہو کہ انہوں نے (بت پرست) کافروں کو اپنا دوست بنایا ہوا ہے۔ یقیناً جو کچھ انہوں نے اپنے حق میں اپنے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت بُرا ہے، کیونکہ (ان کی وجہ سے) اللہ ان سے ناراض ہو گیا ہے، اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے ﴿۶۰﴾ اگر یہ لوگ اللہ پر اور نبی پر اور جو کلام ان پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان رکھتے تو ان (بت پرستوں) کو دوست نہ بناتے، لیکن (بات یہ ہے کہ) ان میں زیادہ تعداد ان کی ہے جو نافرمان ہیں۔ ﴿۶۱﴾ تم یہ بات ضرور محسوس کر لو گے کہ مسلمانوں سے سب سے سخت دشمنی رکھنے والے ایک تو یہودی ہیں، اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو (کھل کر) شرک کرتے ہیں۔ اور تم یہ بات بھی ضرور محسوس کر لو گے کہ (غیر مسلموں میں) مسلمانوں سے دوستی میں قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نصرانی کہا ہے۔

اظہار کیا تھا اس کی بنا پر یہ سمجھ بیٹھے کہ دُنیا کے دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر بس وہی اللہ کے چہیتے ہیں، اور اس وجہ سے وہ جو چاہیں کریں، اللہ تعالیٰ ان سے ناراض نہیں ہوگا، نیز ان میں سے بعض نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دے لیا تھا۔ ﴿۵۸﴾ یعنی اس لعنت کا ذکر زبور میں بھی تھا جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، اور انجیل میں بھی تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اُتری تھی۔

﴿۵۹﴾ یہ ان یہودیوں کی طرف اشارہ ہے جو مدینہ منورہ میں آباد تھے، اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ بھی کیا ہوا تھا، اس کے باوجود انہوں نے درپردہ مشرکین مکہ سے دوستیاں گانٹھی ہوئی تھیں، اور ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ بلکہ ان کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ان سے یہ تک کہہ دیتے تھے کہ ان کا مذہب مسلمانوں کے مذہب سے اچھا ہے۔



ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِيَسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٥٦﴾ وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٧﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿٥٨﴾

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم اور بہت سے تارک الدنیا درویش ہیں،<sup>(۵۶)</sup> نیز یہ وجہ بھی ہے کہ وہ تکبر نہیں کرتے ﴿۵۶﴾ اور جب یہ لوگ وہ کلام سنتے ہیں جو رسول پر نازل ہوا ہے تو چونکہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہوتا ہے، اس لئے تم ان کی آنکھوں کو دیکھو گے کہ وہ آنسوؤں سے بہہ رہی ہیں،<sup>(۵۷)</sup> (اور) وہ کہہ رہے ہیں کہ ”اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، لہذا گواہی دینے والوں کے ساتھ ہمارا نام بھی لکھ لیجئے ﴿۵۷﴾ اور ہم اللہ پر اور جو حق ہمارے پاس آ گیا ہے اس پر آخر کیوں ایمان نہ لائیں، اور پھر یہ توقع بھی رکھیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں میں شمار کرے گا؟“ ﴿۵۸﴾

(۵۶) مطلب یہ ہے کہ عیسائیوں میں چونکہ بہت سے لوگ دنیا کی محبت سے خالی ہیں، اس لئے ان میں قبول حق کا مادہ بھی زیادہ ہے، اور کم از کم انہیں مسلمانوں سے اتنی سخت دشمنی نہیں ہے، کیونکہ دنیا کی محبت وہ چیز ہے جو انسان کو حق کے قبول کرنے سے روکتی ہے۔ اس کے برعکس یہودیوں اور مشرکین مکہ پر دنیا پرستی غالب ہے، اس لئے وہ سچے طالب حق کا طرز عمل اختیار نہیں کر پاتے۔ عیسائیوں کے نسبت نرم دل ہونے کی دوسری وجہ قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ تکبر نہیں کرتے، کیونکہ انسان کی انا بھی اکثر حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ عیسائیوں کو جو مسلمانوں سے محبت میں قریب تر فرمایا گیا ہے اسی کا ایک اثر یہ تھا کہ جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر ظلم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تو بہت سے مسلمانوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس پناہ لی، اور نہ صرف نجاشی، بلکہ اس کی رعایا نے بھی ان کے ساتھ بڑے اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا۔ بلکہ جب مشرکین مکہ نے اپنا ایک وفد نجاشی کے پاس بھیجا اور اس سے درخواست کی کہ جن مسلمانوں نے اس کے ملک میں پناہ لی ہے انہیں اپنے ملک سے نکال کر واپس مکہ مکرمہ بھیج دے، تاکہ مشرکین ان کو اپنے ظلم کا نشانہ بنا سکیں تو نجاشی نے مسلمانوں کو بلا کر ان سے ان کا موقف سنا اور مشرکین مکہ کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا، اور جو تحفے انہوں نے بھیجے تھے وہ بھی واپس کر دیئے۔ لیکن یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ عیسائیوں کو جو مسلمانوں سے قریب تر کہا گیا ہے، یہ ان عیسائیوں کی اکثریت کے اعتبار سے کہا گیا ہے جو اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے دنیا کی محبت سے دور ہوں، اور ان میں تکبر نہ پایا جاتا ہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر زمانے کے عیسائیوں کا یہی حال ہے، چنانچہ تاریخ میں ایسی بھی بہت مثالیں ہیں جن میں عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ بدترین معاملہ کیا۔

(۵۷) جب مسلمانوں کو حبشہ سے نکالنے کا مطالبہ لے کر مشرکین مکہ کا وفد نجاشی کے پاس آیا تھا تو اس نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلا کر ان کا موقف سنا تھا۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچازاد بھائی حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ نے اس کے



فَأَشَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا اجْتَبَتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَلِكَ جَزَاءُ  
 ۱۱ ۱۵ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ يَأَيُّهَا  
 الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ  
 الْمُعْتَدِينَ ۝ ۱۶ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝  
 لَا يُؤْخَذُكُمْ اللَّهُ بِاللَّغْوِ ۚ أَيْبَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤْخَذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْبَانَ ۚ

چنانچہ ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ ان کو وہ باغات دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی  
 نیکی کرنے والوں کا صلہ ہے ۱۵ اور جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، وہ دوزخ والے لوگ ہیں۔ ۱۶  
 اے ایمان والو! اللہ نے تمہارے لئے جو پاکیزہ چیزیں حلال کی ہیں ان کو حرام قرار نہ دو، اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ یقین  
 جانو کہ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ۱۷ اور اللہ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس میں سے حلال پاکیزہ  
 چیزیں کھاؤ، اور جس اللہ پر تم ایمان رکھتے ہو اس سے ڈرتے رہو۔ ۱۸ اللہ تمہاری لغو قسموں پر تمہاری پکڑ نہیں کرے گا،  
 لیکن جو قسمیں تم نے پختگی کے ساتھ کھائی ہوں، ان پر تمہاری پکڑ کرے گا۔ ۱۹

دربار میں بڑی موثر تقریر کی تھی جس سے نجاشی کے دل میں مسلمانوں کی عظمت اور محبت بڑھ گئی، اور اسے اندازہ ہو گیا کہ  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہی آخری نبی ہیں جن کی پیشینگوئی تورات اور انجیل میں کی گئی تھی۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو نجاشی نے اپنے علماء اور راہبوں کا ایک وفد آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے ان کے سامنے سورہ یس کی تلاوت فرمائی جسے سن کر ان لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اور انہوں نے کہا کہ یہ  
 کلام اس کلام کے بہت مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، چنانچہ یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے، اور جب یہ واپس  
 حبشہ گئے تو نجاشی نے بھی اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ ان آیات میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

۵۸) جس طرح حرام چیزوں کو حلال سمجھنا گناہ ہے، اسی طرح جو چیزیں اللہ نے حلال کی ہیں ان کو حرام سمجھنا بھی بڑا گناہ ہے۔  
 مشرکین مکہ اور یہودیوں نے ایسی بہت سی چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا، جس کی تفصیل ان شاء اللہ سورہ انعام میں آئے گی۔  
 ۵۹) ”لغو“ قسموں سے مراد ایک تو وہ قسمیں ہیں جو قسم کھانے کے ارادے کے بغیر محض محاورے اور تکیہ کلام کے طور پر کھالی  
 جاتی ہیں، اور دوسرے وہ قسمیں بھی لغو کی تعریف میں داخل ہیں جو ماضی کے کسی واقعے پر سچ سمجھ کر کھائی گئی ہوں، مگر بعد میں  
 معلوم ہو کہ جس بات کو سچ سمجھا تھا وہ سچ نہیں تھی۔ اس قسم کی قسموں پر نہ کوئی گناہ ہوتا ہے، اور نہ کوئی کفارہ واجب ہوتا ہے، البتہ  
 بلا ضرورت قسم کھانا کوئی اچھی بات نہیں ہے، اس لئے ایک مسلمان کو اس سے احتیاط کرنی چاہئے۔

۶۰) اس سے مراد وہ قسم ہے جس میں آئندہ زمانے میں کوئی کام کرنے یا نہ کرنے کا عہد کیا گیا ہو۔ ایسی قسم کو توڑنا عام حالات  
 میں بڑا گناہ ہے، اور اگر کوئی شخص ایسی قسم توڑ دے تو اس کا کفارہ بھی واجب ہے جس کی تفصیل آیت میں بیان فرمائی گئی ہے۔



فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تَطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۖ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيِّبَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۖ وَاحْفَظُوا أَيِّبَانَكُمْ ۖ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٩٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٩﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ﴿١٠٠﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا ۚ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا إِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿١٠١﴾

چنانچہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجے کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے گھر والوں کو کھلایا کرتے ہو، یا ان کو کپڑے دو، یا ایک غلام کو آزاد کرو۔ ہاں اگر کسی کے پاس (ان چیزوں میں سے) کچھ نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم نے کوئی قسم کھالی ہو (اور اسے توڑ دیا ہو)، اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں کھول کھول کر تمہارے سامنے واضح کرتا ہے، تاکہ تم شکر ادا کرو۔ ﴿۹۸﴾

اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے تھان اور جوئے کے تیر، یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں، لہذا ان سے بچو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو ﴿۹۹﴾ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض کے بیج ڈال دے، اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ اب بتاؤ کہ کیا تم (ان چیزوں سے) باز آ جاؤ گے؟ ﴿۱۰۰﴾ اور اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور (نافرمانی سے) بچتے رہو۔ اور اگر تم (اس حکم سے) منہ موڑو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسول پر صرف یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صاف صاف طریقے سے (اللہ کے حکم کی) تبلیغ کر دیں۔ ﴿۱۰۱﴾

ایک تیسری قسم کی قسم وہ ہے جس میں ماضی کے کسی واقعے پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا گیا ہو، اور مخاطب کو یقین دلانے کے لئے قسم کھالی گئی ہو۔ ایسی قسم سخت گناہ ہے، مگر دنیا میں اس کا کوئی کفارہ سوائے توبہ اور استغفار کے کچھ نہیں ہوتا۔

(۶۱) مطلب یہ ہے کہ قسم کھالینا کوئی مذاق نہیں ہے، اس لئے اول تو قسمیں کم سے کم کھانی چاہئیں، اور اگر کوئی قسم کھالی ہو تو حتی الامکان اسے پورا کرنا ضروری ہے۔ البتہ اگر کسی شخص نے کوئی ناجائز کام کرنے کی قسم کھالی ہو تو اس پر واجب ہے کہ قسم کو توڑے اور کفارہ ادا کرے۔ اسی طرح اگر کسی جائز کام کی قسم کھائی، مگر بعد میں اندازہ ہوا کہ وہ کام مصلحت کے خلاف ہے، تب بھی ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ایسی قسم کو توڑ دینا چاہئے، اور کفارہ ادا کرنا چاہئے۔

(۶۲) بتوں کے تھان سے مراد وہ قربان گاہ ہے جو بتوں کے سامنے بنادی جاتی تھی، اور لوگ بتوں کے نام پر وہاں جانور وغیرہ قربان کیا کرتے تھے۔ اور جوئے کے تیروں کی تشریح اسی سورت کے شروع میں آیت نمبر ۳ کے تحت حاشیہ نمبر ۶ میں گذر چکی ہے۔



لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْيَبْلُوتُكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهِ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۹۴﴾

جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور نیکی پر کار بند رہے ہیں، انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا ہے، اس کی وجہ سے ان پر کوئی گناہ نہیں ہے، بشرطیکہ وہ آئندہ ان گناہوں سے بچتے رہیں، اور ایمان رکھیں اور نیک عمل کرتے رہیں، پھر (جن چیزوں سے آئندہ روکا جائے ان سے) بچا کریں، اور ایمان پر قائم رہیں، اور اس کے بعد بھی تقویٰ اور احسان کو اپنائیں۔ اللہ احسان پر عمل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ﴿۹۳﴾

اے ایمان والو! اللہ تمہیں شکار کے کچھ جانوروں کے ذریعے ضرور آزمائے گا جو تمہارے ہاتھوں اور تمہارے نیزوں کی زد میں آجائیں گے، تاکہ وہ یہ جان لے کہ کون ہے جو اسے دیکھے بغیر بھی اس سے ڈرتا ہے۔ پھر جو شخص اس کے بعد بھی حد سے تجاوز کرے گا، وہ دردناک سزا کا مستحق ہوگا۔ ﴿۹۴﴾

﴿۹۳﴾ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو بعض صحابہ کرام کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جو شراب حرمت کا حکم آنے سے پہلے پی گئی ہے، کہیں وہ ہمارے لئے گناہ کا سبب نہ بنے۔ اس آیت نے یہ غلط فہمی دور کر دی، اور یہ بتا دیا کہ چونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے شراب پینے سے صاف الفاظ میں منع نہیں کیا تھا، اس لئے اس وقت جنہوں نے شراب پی تھی اس پر ان کی کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔ ﴿۹۴﴾ احسان کے لغوی معنی ہیں ”اچھائی کرنا“۔ اس طرح یہ لفظ ہر نیکی کو شامل ہے، لیکن ایک صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ تشریح فرمائی ہے کہ انسان اللہ کی عبادت اس طرح کرے جیسے وہ اس کو دیکھ رہا ہے، یا کم از کم اس تصور کے ساتھ کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونے کا دھیان رکھے۔

﴿۹۵﴾ جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے، جب کوئی شخص حج یا عمرے کا احرام باندھ لے تو اس کے لئے خشکی کے جانوروں کا شکار کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ عرب کے صحراؤں میں کسی شکار کا مل جانا مسافروں کے لئے ایک نعمت تھی۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ احرام باندھنے والوں کی آزمائش کے لئے اللہ تعالیٰ کچھ جانوروں کو ان کے اتنا قریب بھیج دے گا کہ وہ ان کے نیزوں کی زد میں ہوں گے۔ اس طرح ان کا امتحان لیا جائے گا کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اس نعمت سے پرہیز کرتے ہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے ایمان کا اصل امتحان اسی وقت ہوتا ہے جب اس کا دل کسی ناجائز کام کے لئے چل رہا ہو، اور وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس ناجائز کام سے باز آجائے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ ۖ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا  
فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بِلِئَالِ الْكُفَّةِ أَوْ كَفَّارَةً  
طَعَامٍ مَسْكِينٍ أَوْ عَدْلٌ ذَلِكَ صِيَامًا لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۗ  
وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمِ اللَّهُ مِنْهُ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٩٥﴾ أَحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ  
مَتَاعًا لَكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي  
إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾

اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو کسی شکار کو قتل نہ کرو۔ اور اگر تم میں سے کوئی اسے جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کا بدلہ دینا واجب ہوگا (جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ) جو جانور اس نے قتل کیا ہے، اس جانور کے برابر چوپایوں میں سے کسی جانور کو جس کا فیصلہ تم میں سے دو دیانت دار تجربہ کار آدمی کریں گے، کعبہ پہنچا کر قربان کیا جائے، یا (اس کی قیمت کا) کفارہ مسکینوں کو کھانا کھلا کر ادا کیا جائے، یا اس کے برابر روزے رکھے جائیں، تاکہ وہ شخص اپنے کئے کا بدلہ چکھے۔ پہلے جو کچھ ہو چکا اللہ نے اسے معاف کر دیا، اور جو شخص دوبارہ ایسا کرے گا تو اللہ اس سے بدلہ لے گا، اور اللہ اقتدار اور انتقام کا مالک ہے۔ ﴿۹۵﴾ تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے، تاکہ وہ تمہارے لئے اور قافلوں کے لئے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بنے، لیکن جب تک تم احرام میں ہو تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم سب کو جمع کر کے لے جایا جائے گا۔ ﴿۹۶﴾

﴿۹۶﴾ اگر کوئی شخص احرام کی حالت میں شکار کرنے کا گناہ کر لے تو اس کا کفارہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس جانور کا شکار کیا ہے، اگر وہ جانور حلال ہو تو اسی علاقے کے دو تجربہ کار، دین دار آدمیوں سے اس جانور کی قیمت لگائی جائے، پھر چوپایوں یعنی گائے، بیل، بکری وغیرہ میں سے اس قیمت کے کسی جانور کی قربانی حرم میں کر دی جائے، یا اس کی قیمت فقراء میں تقسیم کر دی جائے۔ اور اگر کسی ایسے جانور کا شکار کیا تھا جو حلال نہیں ہے، مثلاً بھیریا، تو اس کی قیمت ایک بکری سے زیادہ نہیں سمجھی جائے گی۔ اور اگر کسی شخص کو مالی اعتبار سے قربانی دینے یا قیمت فقراء میں تقسیم کرنے کی گنجائش نہ ہو تو وہ روزے رکھے۔ روزوں کا حساب اس طرح ہوگا کہ اس جانور کی جو قیمت بنی تھی، اس میں سے پونے دو سیر گندم کی قیمت کے برابر ایک روزہ سمجھا جائے گا۔ آیت کی یہ تشریح امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق ہے۔ ان کے نزدیک اس جانور کے برابر چوپایوں میں سے کسی جانور کا مطلب یہ ہے کہ پہلے شکار کئے ہوئے جانور کی قیمت لگائی جائے، پھر اس قیمت کا کوئی چوپایہ حرم میں ذبح کیا جائے۔ تفصیل فقہ کی کتابوں میں درج ہے۔



جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ<sup>ط</sup>  
 ذَلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ<sup>۹۷</sup>  
 اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ<sup>۹۸</sup> مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ<sup>ط</sup>  
 وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ<sup>۹۹</sup> قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ  
 الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ<sup>۱۰۰</sup> يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا  
 عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبَدِّلَكُمْ تَسْؤُكُمْ<sup>۱۰۱</sup> وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبَدِّلَكُمْ<sup>ط</sup>

اللہ نے کعبہ کو جو بڑی حرمت والا گھر ہے لوگوں کے لئے قیام امن کا ذریعہ بنادیا ہے، نیز حرمت والے مہینے، نذرانے کے جانوروں اور ان کے گلے میں پڑے ہوئے پنوں کو بھی (امن کا ذریعہ بنایا ہے)، تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے، اور اللہ ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے<sup>۹۷</sup> یہ بات بھی جان رکھو کہ اللہ عذاب دینے میں سخت ہے، اور یہ بھی کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔<sup>۹۸</sup> رسول پر سوائے تبلیغ کرنے کے کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے۔ اور جو کچھ تم کھلے بندوں کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو، اللہ ان سب باتوں کو جانتا ہے<sup>۹۹</sup> (اے رسول! لوگوں سے) کہہ دو کہ ناپاک اور پاکیزہ چیزیں برابر نہیں ہوتیں، چاہے تمہیں ناپاک چیزوں کی کثرت اچھی لگتی ہو۔ لہذا اے عقل والو! اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔<sup>۱۰۰</sup>

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں، اور اگر تم ان کے بارے میں ایسے وقت سوالات کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔<sup>۱۰۱</sup>

(۶۷) کعبہ شریف اور حرمت والے مہینے کا باعث امن ہونا تو ظاہر ہے کہ اس میں جنگ کرنا حرام ہے۔ اس کے علاوہ جو جانور نذرانے کے طور پر حرم لے جائے جاتے تھے، ان کے گلے میں پٹے ڈال دیئے جاتے تھے تاکہ ہر دیکھنے والے کو پتہ چل جائے کہ یہ جانور حرم جا رہے ہیں۔ ناپچہ کافر، مشرک، ڈاکو بھی ان کو چھیڑتے نہیں تھے۔ کعبہ کے قیام امن کا باعث ہونے کے ایک معنی کچھ مفسرین نے یہ بھی بیان فرمائے ہیں کہ جب تک کعبہ شریف قائم رہے گا، قیامت نہیں آئے گی۔ قیامت اس وقت آئے گی جب اسے اٹھالیا جائے گا۔

(۶۸) اس آیت نے بتادیا ہے کہ دنیا میں بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی ناپاک یا حرام چیز کا رواج اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ وقت کا فیشن قرار پا جاتا ہے، اور فیشن پرست لوگ اسے اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔ مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ صرف کسی چیز کے عام رواج کی وجہ سے اسے اختیار نہ کریں، بلکہ یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ہدایات کی روشنی میں وہ جائز یا پاک ہے یا نہیں۔

(۶۹) آیت کا مطلب یہ ہے کہ اول تو جن باتوں کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو، ان کی کھوج میں پڑنا فضول ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ



عَفَا اللَّهُ عَنْهَا ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كُفْرِينَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ ۚ وَلَٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ وَآكُثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۰۳﴾

(البتہ) اللہ نے کچھلی باتیں معاف کر دی ہیں۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا بردبار ہے ﴿۱۰۱﴾ تم سے پہلے ایک قوم نے اس قسم کے سوالات کئے تھے، پھر ان (کے جو جوابات دیئے گئے ان) سے منکر ہو گئے۔ ﴿۱۰۲﴾ اللہ نے کسی جانور کو نہ بحیرہ بنانا طے کیا ہے، نہ سائبہ، نہ وصیلہ اور نہ حامی، لیکن جن لوگوں نے کفر اپنایا ہوا ہے وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگوں کو صحیح سمجھ نہیں ہے ﴿۱۰۳﴾

کی طرف سے بعض اوقات کوئی حکم مجمل طریقے سے آتا ہے۔ اگر اس حکم پر اسی اجمال کے ساتھ عمل کر لیا جائے تو کافی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو اس میں مزید تفصیل کرنی ہوتی تو وہ خود قرآن کریم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعے کر دیتا۔ اب اس میں بال کی کھال نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر نزول قرآن کے زمانے میں اس کا کوئی سخت جواب آجائے تو خود تمہارے لئے مشکلات کھڑی ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے شان نزول میں ایک واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حج کا حکم آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتایا تو ایک صحابی نے آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا حج عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، یا ہر سال کرنا فرض ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال پر ناگواری کا اظہار فرمایا۔ وجہ یہ تھی کہ حکم کے بارے میں اصل یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود یہ صراحت نہ کی جائے کہ اس پر بار بار عمل کرنا ہوگا (جیسے نماز روزے اور زکوٰۃ میں یہ صراحت موجود ہے) اس وقت تک اس پر صرف ایک بار عمل کرنے سے حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے، اس لئے اس سوال کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ آپ نے صحابی سے فرمایا کہ اگر میں تمہارے جواب میں یہ کہہ دیتا کہ ہاں ہر سال فرض ہے تو واقعی پوری امت پر وہ ہر سال فرض ہو جاتا۔

﴿۷۰﴾ اس سے غالباً یہودیوں کی طرف اشارہ ہے جو شریعت کے احکام میں اسی قسم کی بال کی کھال نکالتے تھے، اور جب ان کے اس عمل کے نتیجے میں ان پر پابندیاں بڑھتی تھیں تو انہیں پورا کرنے سے عاجز ہو جاتے، اور بعض اوقات ان کی تعمیل سے صاف انکار بھی کر بیٹھتے تھے۔

﴿۷۱﴾ یہ مختلف قسم کے نام ہیں جو زمانہ جاہلیت کے مشرکین نے رکھے ہوئے تھے۔ بحیرہ اس جانور کو کہتے تھے جس کے کان چیر کر اس کا دودھ بتوں کے نام پر وقف کر دیا جاتا تھا۔ سائبہ وہ جانور تھا جو بتوں کے نام کر کے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا، اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا حرام سمجھا جاتا تھا۔ وصیلہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جو لگا تار مادہ بچے جنے، بچ میں کوئی نہ ہو۔ ایسی اونٹنی کو بھی



وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَىٰ الرَّسُولِ قَالُوا احْسِبْنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ  
 آبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْمَلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۷۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
 عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ  
 بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۷۴﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کلام نازل کیا ہے، اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ: ”ہم  
 نے جس (دین پر) اپنے باپ دادوں کو پایا ہے، ہمارے لئے وہی کافی ہے۔“ بھلا اگر ان کے باپ دادے ایسے ہوں  
 کہ نہ ان کے پاس کوئی علم ہو، اور نہ کوئی ہدایت تو کیا پھر بھی (یہ انہی کے پیچھے چلتے رہیں گے؟) ﴿۷۳﴾ اے ایمان والو! تم  
 اپنی فکر کرو۔ اگر تم صحیح راستے پر ہو گے تو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ﴿۷۴﴾ اللہ ہی کی طرف تم سب کو  
 لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا عمل کرتے رہے ہو۔ ﴿۷۵﴾

بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور حامی وہ نراؤنٹ ہوتا تھا جو ایک خاص تعداد میں جنتی کرچکا ہو۔ اسے بھی بتوں کے نام پر  
 چھوڑ دیا جاتا تھا۔

﴿۷۲﴾ کفار کی جو گمراہیاں پیچھے بیان ہوئی ہیں، ان کی وجہ سے مسلمانوں کو صدمہ ہوتا تھا کہ اپنی ان گمراہیوں کے خلاف واضح  
 دلائل آجانے کے بعد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بار بار سمجھانے کے باوجود یہ لوگ اپنی گمراہیوں پر جتے ہوئے  
 ہیں۔ اس آیت نے ان حضرات کو تسلی دی ہے کہ تبلیغ کا حق ادا کرنے کے بعد تمہیں ان کی گمراہیوں پر زیادہ صدمہ کرنے کی  
 ضرورت نہیں، اور اب زیادہ فکر خود اپنی اصلاح کی کرنی چاہئے۔ لیکن جس مبلغ انداز میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے، اس میں  
 ایک تو ان لوگوں کے لئے ہدایت کا بڑا سامان ہے جو ہر وقت دوسروں پر تنقید کرنے اور ان کے عیب تلاش کرنے میں تو بڑے  
 شوق سے مشغول رہتے ہیں، وہ اپنے گمراہیوں میں منہ ڈالنے کی زحمت نہیں اٹھاتے۔ ان کو دوسروں کا تو چھوٹے سے چھوٹا  
 عیب آسانی سے نظر آ جاتا ہے، مگر خود اپنی بڑی سے بڑی برائی کا احساس نہیں ہوتا۔ ہدایت یہ دی گئی ہے کہ اگر بالفرض تمہاری  
 تنقید صحیح بھی ہو، اور دوسرے لوگ گمراہ بھی ہوں تب بھی تمہیں تو اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، اس لئے اپنی فکر کرو، اور دوسروں پر  
 تنقید کی فکر میں نہ پڑو۔ اس کے علاوہ جب معاشرے میں بد عملی کا چلن عام ہو جائے، تو اس وقت اصلاح کی طرف لوٹنے کا بھی  
 بہترین نسخہ یہی ہے کہ ہر شخص دوسروں کے طرز عمل کو دیکھنے کے بجائے اپنی اصلاح کی فکر میں لگ جائے۔ جب افراد میں اپنی  
 اصلاح کی فکر پیدا ہوگی تو چراغ سے چراغ جلے گا، اور رفتہ رفتہ معاشرہ بھی اصلاح کی طرف لوٹے گا۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنَكُمْ إِذَا أَحْضَرَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِّنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ صَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ ط  
تَحْسِبُونَهُمَا مِّنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَنَّ بِاللَّهِ إِنْ ائْتَرَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذًا لِّنَ الْآثِمِينَ ﴿۱۰۶﴾

اے ایمان والو! جب تم میں سے کوئی مرنے کے قریب ہو تو وصیت کرتے وقت آپس کے معاملات طے کرنے کے لئے گواہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ تم میں سے دو دیانت دار آدمی ہوں (جو تمہاری وصیت کے گواہ بنیں) یا اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو، اور وہیں تمہیں موت کی مصیبت پیش آجائے تو غیروں (یعنی غیر مسلموں) میں سے دو شخص ہو جائیں۔ پھر اگر تمہیں کوئی شک پڑ جائے تو ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک سکتے ہو، اور وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم اس گواہی کے بدلے کوئی مالی فائدہ لینا نہیں چاہتے، چاہے معاملہ ہمارے کسی رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو، اور اللہ نے ہم پر جس گواہی کی ذمہ داری ڈالی ہے، اس کو ہم نہیں چھپائیں گے، ورنہ ہم گنہگاروں میں شمار ہوں گے ﴿۱۰۶﴾

﴿۷۳﴾ یہ آیات ایک خاص واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مسلمان جس کا نام بُدیل تھا، تجارت کی غرض سے اپنے دو عیسائی ساتھیوں تمیم اور عدی کے ساتھ شام گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ بیمار ہو گیا، اور اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ بچ نہیں سکے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے دو ساتھیوں کو وصیت کی کہ میرا سارا سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ ساتھ ہی اس نے یہ ہوشیاری کی کہ سارے سامان کی ایک فہرست بنا کر خفیہ طور سے اسی سامان کے اندر چھپا دی۔ عیسائی ساتھیوں کو فہرست کا پتہ نہ چل سکا۔ انہوں نے سامان وارثوں کو پہنچایا، مگر اس میں ایک چاندی کا پیالہ تھا جس پر سونے کا ملمع چڑھا ہوا تھا، اور جس کی قیمت ایک ہزار درہم بتائی گئی ہے، وہ نکال کر اپنے پاس رکھ لیا۔ جب وارثوں کو بُدیل کی بنائی ہوئی فہرست سامان میں سے ہاتھ لگی تو ان کو اس پیالے کا پتہ چلا، اور انہوں نے تمیم اور عدی سے مطالبہ کیا، انہوں نے صاف قسم کھائی کہ ہم نے سامان میں سے کوئی چیز نہ لی ہے، نہ چھپائی ہے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد بُدیل کے وارثوں کو پتہ چلا کہ وہ پیالہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں ایک سنا کر کو فروخت کیا ہے۔ اس پر تمیم اور عدی نے اپنا موقف بدلا اور کہا کہ دراصل یہ پیالہ ہم نے بُدیل سے خرید لیا تھا، اور چونکہ خریداری کا کوئی گواہ ہمارے پاس نہیں تھا اس لئے ہم نے پہلے اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اب چونکہ وہ خریداری کے مدعی تھے، اور مدعی پر لازم ہوتا ہے کہ وہ گواہ پیش کرے، اور یہ پیش نہ کر سکے تو قاعدے کے مطابق وارثوں میں سے بدیل کے قریب ترین دو عزیزوں نے قسم کھائی کہ پیالہ بدیل کی ملکیت تھا، اور یہ عیسائی جھوٹ بول رہے ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فیصلہ کر دیا اور عیسائیوں کو پیالے کی قیمت دینی پڑی۔ یہ فیصلہ اسی آیت کریمہ کی روشنی میں ہوا جس میں اس قسم کی صورت حال کے لئے ایک عام حکم بھی بتا دیا گیا۔



فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَآخَرَيْنَ يَقُومْنَ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأُولَىٰ فَيُقْسِمْنَ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا عَدَدُنَا إِلَّا أَذَلٌّ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٨﴾ ذَلِكَ أَذْنَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوا أَنْ تُرَدَّ أَيْبَانُ بَعْدَ أَيْبَانِهِمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿١٠٩﴾ يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ ۚ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿١١٠﴾

پھر بعد میں اگر یہ پتہ چلے کہ انہوں نے (جھوٹ بول کر) اپنے اوپر گناہ کا بوجھ اٹھالیا ہے تو ان لوگوں میں سے دو آدمی ان کی جگہ (گواہی کے لئے) کھڑے ہو جائیں جن کے خلاف ان پہلے دو آدمیوں نے گناہ اپنے سر لیا تھا، اور وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان پہلے دو آدمیوں کی گواہی کے مقابلے میں زیادہ سچی ہے، اور ہم نے (اس گواہی میں) کوئی زیادتی نہیں کی ہے، ورنہ ہم ظالموں میں شمار ہوں گے ﴿۱۰۸﴾ اس طریقے میں اس بات کی زیادہ اُمید ہے کہ لوگ (شروع ہی میں) ٹھیک ٹھیک گواہی دیں یا اس بات سے ڈریں کہ (جھوٹی گواہی کی صورت میں) ان کی قسموں کے بعد لوٹا کر دوسری قسمیں لی جائیں گی (جو ہماری تردید کر دیں گی)۔ اور اللہ سے ڈرو، اور (جو کچھ اس کی طرف سے کہا گیا ہے اسے قبول کرنے کی نیت سے) سنو۔ اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ﴿۱۰۹﴾ وہ دن یاد کرو جب اللہ تمام رسولوں کو جمع کرے گا، اور کہے گا کہ ”تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟“ وہ کہیں گے کہ ”ہمیں کچھ علم نہیں، پوشیدہ باتوں کا تمام تر علم تو آپ ہی کے پاس ہے۔“ ﴿۱۱۰﴾

(۷۴) یہ ترجمہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اختیار کردہ تفسیر پر مبنی ہے جس کی رو سے ”الاولیان“ سے مراد پہلے دو گواہ ہیں جنہوں نے خیانت کی تھی۔ وهذا التفسیر اولیٰ حسب قرائۃ ”استحق“ علی البناء للفاعل کما هو قرائۃ حفص، بالنظر الی اعراب الآیۃ. اما التفسیر الذی جعل ”الاولیان“ صفة للورثة، فوجهه فی الإعراب خفی جدا، لأنه لا یشہر فیہا فاعل ”استحق“ إلا بتکلف، وراجع روح المعانی والبحر المحیط والتفسیر الکبیر. نعم یشہر ذلک التفسیر فی قرائۃ ”استحق“ علی البناء للمفعول۔

(۷۵) قرآن کریم کا یہ خاص طریقہ ہے کہ جب وہ اپنے احکام بیان فرماتا ہے تو اس کے ساتھ آخرت کا کوئی ذکر یا پچھلی اُمتوں کی فرماں برداری یا نافرمانی کا بھی ذکر فرماتا ہے، تاکہ ان احکام پر عمل کرنے کے لئے آخرت کی فکر پیدا ہو، چنانچہ وصیت کے مذکورہ بالا احکام کے بعد اب آخرت کے کچھ مناظر بیان فرمائے گئے ہیں، اور چونکہ کچھ پہلے عیسائیوں کے غلط عقائد کا تذکرہ تھا، اس لئے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آخرت میں جو مکالمہ ہوگا اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور شروع کی اس آیت میں تمام پیغمبروں سے اس سوال کا ذکر ہے کہ ان کی اُمتوں نے ان کی دعوت کا کیا جواب دیا تھا؟ اس کے جواب میں انہوں نے



إِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ادْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ ۖ إِذْ أَيْدُتُكَ بِرُوحِ  
 الْقُدُسِ ۖ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۖ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ  
 وَالْإِنْجِيلَ ۖ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِأَمْرِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا  
 بِأَمْرِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ بِأَمْرِي ۖ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِأَمْرِي ۖ وَإِذْ كَفَفْتُ  
 بَنِي إِسْرَءِيلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ  
 مُّبِينٌ ۝ وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي ۖ قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ  
 بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝

(یہ واقعہ اس دن ہوگا) جب اللہ کہے گا: ”اے عیسیٰ ابن مریم! میرا انعام یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیا تھا، جب میں نے روح القدس کے ذریعے تمہاری مدد کی تھی۔“ تم لوگوں سے گہوارے میں بھی بات کرتے تھے، اور بڑی عمر میں بھی۔ اور جب میں نے تمہیں کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم دی تھی، اور جب تم میرے حکم سے گارا لے کر اس سے پرندے کی جیسی شکل بناتے تھے، پھر اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے (سچ مچ کا) پرندہ بن جاتا تھا، اور تم مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے، اور جب تم میرے حکم سے مردوں کو (زندہ) نکال کھڑا کرتے تھے، اور جب میں نے بنی اسرائیل کو اُس وقت تم سے دُور رکھا جب تم ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے، اور ان میں سے جو کافر تھے انہوں نے کہا تھا کہ یہ کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں۔“ جب میں نے حواریوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ: ”تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ“ تو انہوں نے کہا: ”ہم ایمان لے آئے، اور آپ گواہ رہئے کہ ہم فرماں بردار ہیں۔“

اپنی لاعلمی کا جو اظہار کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دُنیا میں تو لوگوں کے ظاہری بیانات پر ہی فیصلہ کرنے کے مجاز تھے، لہذا جس کسی نے ایمان کا دعویٰ کیا ہم نے اسے معتبر سمجھ لیا، لیکن یہ معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں تھا کہ اس کے دل میں کیا ہے؟ آج جبکہ فیصلہ دلوں کے حال کے مطابق ہونے والا ہے، ہم یقین کے ساتھ کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ دلوں کا پوشیدہ حال تو صرف آپ ہی جانتے ہیں۔ البتہ جب لوگوں کے ظاہری ردِ عمل ہی کے بارے میں انبیائے کرام سے گواہی لی جائے گی تو وہ ان کے ظاہری اعمال کی گواہی دیں گے، جس کا ذکر سورۃ نساء (۴: ۴۱) اور سورۃ نحل (۸۹: ۱۶) وغیرہ میں آیا ہے۔



إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يُعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ  
السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ  
قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَّقْتَنَا وَنَكُونُ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ  
اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ  
وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنْزِلُهَا عَلَيْكُمْ ۖ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدَ مِنْكُمْ فَإِنَّ  
أَعْدَابِي لَهُ عَذَابًا لَّا أَعْدِبُ بِهِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿۱۱۵﴾

(اور ان کے اس واقعے کا بھی ذکر سنو) جب حواریوں نے کہا تھا کہ: ”اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا پروردگار ایسا  
کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے (کھانے کا) ایک خوان اتارے؟“ عیسیٰ نے کہا: ”اللہ سے ڈرو، اگر تم مؤمن ہو۔“ ﴿۱۱۲﴾  
انہوں نے کہا: ”ہم چاہتے ہیں کہ اس خوان سے کھانا کھائیں، اور اس کے ذریعے ہمارے دل پوری طرح مطمئن  
ہو جائیں، اور ہمیں (پہلے سے زیادہ یقین کے ساتھ) یہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے ہم سے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے، اور  
ہم اس پر گواہی دینے والوں میں شامل ہو جائیں۔“ ﴿۱۱۳﴾ (چنانچہ) عیسیٰ ابن مریم نے درخواست کی کہ: ”یا اللہ! ہم پر  
آسمان سے ایک خوان اتار دیجئے جو ہمارے لئے اور ہمارے انگوٹوں اور پچھلوں کے لئے ایک خوشی کا موقع بن جائے،  
اور آپ کی طرف سے ایک نشانی ہو۔ اور ہمیں یہ نعمت عطا فرما ہی دیجئے، اور آپ سب سے بہتر عطا فرمانے والے  
ہیں۔“ ﴿۱۱۴﴾ اللہ نے کہا کہ: ”میں بیشک تم پر وہ خوان اتار دوں گا، لیکن اس کے بعد تم میں سے جو شخص بھی کفر کرے گا اس  
کو میں ایسی سزا دوں گا جو دنیا جہان کے کسی بھی شخص کو نہیں دوں گا۔“ ﴿۱۱۵﴾

(۷۷) یعنی ایک مؤمن کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے معجزات کی فرمائش کرے، کیونکہ ایسی فرمائش تو عام  
طور پر کافروں کرتے رہے ہیں۔ البتہ جب انہوں نے یہ وضاحت کی کہ خداخواستہ اس فرمائش کا نشانہ ایمان کا فقدان نہیں، بلکہ  
اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھ کر مکمل اطمینان کا حصول اور اسے شکر ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماعاف ماوی۔

(۷۸) قرآن کریم نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ پھر وہ خوان آسمان سے اتر آیا نہیں۔ جامع ترمذی کی ایک روایت میں حضرت  
عمار بن یاسرؓ کا یہ قول مروی ہے کہ خوان اتر ا تھا، پھر جن لوگوں نے نافرمانی کی وہ دنیا ہی میں عذاب کے شکار ہوئے۔ (جامع  
ترمذی، کتاب التفسیر حدیث نمبر ۳۰۶۱) واللہ اعلم۔



وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؑ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ  
 اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَنكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ ۚ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ  
 عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝۱۱۶ مَا قُلْتُ  
 لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مِمَّا دُمْتُ  
 فِيهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝۱۱۷ إِنْ  
 تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عَبَادُكَ ۚ وَإِنْ تُعْفِرَ لَهُمْ فإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝۱۱۸ قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ  
 يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ رَاضٍ  
 اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَاضُوا عَنْهُ ۚ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝۱۱۹ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا  
 فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۲۰

اور (اُس وقت کا بھی ذکر سنو) جب اللہ کہے گا کہ: ”اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری  
 ماں کو اللہ کے علاوہ دو معبود بنادو؟“ وہ کہیں گے: ”ہم تو آپ کی ذات کو (شرک سے) پاک سمجھتے ہیں۔ میری مجال نہیں  
 تھی کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو آپ کو یقیناً معلوم ہو جاتا۔ آپ وہ باتیں  
 جانتے ہیں جو میرے دل میں پوشیدہ ہیں، اور میں آپ کی پوشیدہ باتوں کو نہیں جانتا۔ یقیناً آپ کو تمام چھپی ہوئی باتوں کا  
 پورا پورا علم ہے ۝۱۱۶ میں نے ان لوگوں سے اُس کے سوا کوئی بات نہیں کہی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا، اور وہ یہ کہ:  
 ”اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔“ اور جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا، میں  
 ان کے حالات سے واقف رہا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ خود ان کے گمراہ تھے، اور آپ ہر چیز کے گواہ  
 ہیں ۝۱۱۷ اگر آپ ان کو سزا دیں، تو یہ آپ کے بندے ہیں ہی، اور اگر آپ انہیں معاف فرمادیں تو یقیناً آپ کا اقتدار بھی  
 کامل ہے، حکمت بھی کامل ۝۱۱۸ اللہ کہے گا کہ: ”یہ وہ دن ہے جس میں سچے لوگوں کو ان کا سچ فائدہ پہنچائے گا۔ ان کے  
 لئے وہ باغات ہیں جن کے پھل ہمیشہ بہہ رہی ہیں، جن میں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش ہے اور یہ  
 اُس سے خوش ہیں، یہی بڑی زبردست کامیابی ہے ۝۱۱۹ تمام آسمانوں اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے اس سب کی  
 بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ۝۱۲۰



بعض فرقے اگرچہ انہیں تثلیث کا حصہ تو قرار نہیں دیتے تھے، لیکن جس طرح ان کی تصویر کلیساؤں میں آویزاں کر کے اس کی پرستش کی جاتی تھی وہ بھی ایک طرح سے ان کو خدائی میں شریک قرار دینے کے مرادف تھی۔ اس لئے یہ سوال کیا گیا ہے۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲۳ محرم ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۲ فروری ۲۰۰۶ء کو بروز منگل بوقت نمازِ عشاء سورہ مائدہ کا ترجمہ اور حواشی مکمل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْأَنْعَامِ

## تعارف

یہ سورت چونکہ مکہ مکرمہ کے اس دور میں نازل ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام اپنے ابتدائی دور میں تھی، اس لئے اس میں اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کو مختلف دلائل کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے، اور ان عقائد پر جو اعتراضات کفار کی طرف سے اٹھائے جاتے تھے، ان کا جواب دیا گیا ہے۔ اس دور میں مسلمانوں پر کفارِ مکہ کی طرف سے طرح طرح کے ظلم توڑے جارہے تھے، اس لئے ان کو تسلی بھی دی گئی ہے۔ کفارِ مکہ اپنے مشرکانہ عقائد کے نتیجے میں جن بے ہودہ رسموں اور بے بنیاد خیالات میں مبتلا تھے، ان کی تردید فرمائی گئی ہے۔ عربی زبان میں ”الانعام“ چوپایوں کو کہتے ہیں۔ عرب کے مشرکین موسیٰوں کے بارے میں بہت سے غلط عقیدے رکھتے تھے، مثلاً ان کو بتوں کے نام پر وقف کر کے ان کا کھانا حرام سمجھتے تھے۔ چونکہ اس سورت میں ان بے بنیاد عقائد کی تردید کی گئی ہے، (دیکھئے آیات: ۱۳۶ تا ۱۴۶) اس لئے اس کا نام سورۃ الانعام رکھا گیا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چند آیتوں کو چھوڑ کر یہ پوری سورت ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی تھی، لیکن علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ”روح المعانی“ میں ان روایتوں پر تنقید کی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔



﴿آیتھا ۱۶۵﴾ ﴿سُورَةُ الْاِنْعَامِ مَكِّيَّةٌ ۵۵﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۲۰﴾

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۚ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا  
بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝۱ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰی اَجَلًا ۖ وَاَجَلَ مُّسَمًّی عِنْدَہُ ثُمَّ  
اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ۚ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَہْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا  
تَكْسِبُوْنَ ۝۳ وَمَا تَاْتِیْہُمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّہُمْ اِلَّا کَانُوْا عَنْہَا مُعْرِضِیْنَ ۝۴ فَقَدْ کَذَّبُوْا  
بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَہُمْ ۚ فَسَوْفَ یَاْتِیْہُمْ اَنْبِیَآءٌ مَّا کَانُوْا بِہِ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو پینسٹھ آیتیں اور بیس رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور اندھیریاں اور روشنی بنائی۔ پھر بھی جن لوگوں نے کفر  
اپنا لیا ہے وہ دوسروں کو (خدائی میں) اپنے پروردگار کے برابر قرار دے رہے ہیں ۝۱ وہی ذات ہے جس نے تم کو گیلی  
مٹی سے پیدا کیا، پھر (تمہاری زندگی کی) ایک میعاد مقرر کر دی۔ اور (دوبارہ زندہ ہونے کی) ایک متعین میعاد اسی کے  
پاس ہے۔ ۝۲ پھر بھی تم شک میں پڑے ہوئے ہو ۝۳ اور وہی اللہ آسمانوں میں بھی ہے، اور زمین میں بھی۔ وہ تمہارے چھپے  
ہوئے بھید بھی جانتا ہے، اور کھلے ہوئے حالات بھی، اور جو کچھ کمائی تم کر رہے ہو، اس سے بھی واقف ہے ۝۴ اور (ان  
کافروں کا حال یہ ہے کہ) ان کے پاس ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے جب بھی کوئی نشانی آتی ہے، تو یہ لوگ اس  
سے منہ موڑ لیتے ہیں ۝۵ چنانچہ جب حق ان کے پاس آگیا تو ان لوگوں نے اسے جھٹلادیا۔ نتیجہ یہ کہ جس بات کا یہ مذاق  
اڑاتے رہے ہیں، جلد ہی ان کو اس کی خبریں پہنچ جائیں گی۔ ۝۶

(۱) یعنی ایک میعاد تو ہر انسان کی انفرادی زندگی کی ہے کہ وہ کب تک جئے گا، شروع میں تو اس کا علم کسی کو نہیں ہوتا، مگر جب کوئی  
شخص مرجاتا ہے تو ہر ایک کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی عمر کتنی تھی۔ لیکن مرنے کے بعد جو دوسری زندگی آنے والی ہے، وہ کب  
آئے گی؟ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

(۲) کفار سے کہا گیا تھا کہ اگر انہوں نے ہٹ دھرمی کا رویہ جاری رکھا تو دنیا میں بھی ان کا انجام برا ہوگا، اور آخرت میں بھی ان کو  
عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کفار ان باتوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ آیت ان کو متنبہ کر رہی ہے کہ جس بات کا وہ مذاق اڑا رہے  
ہیں، غنقریب وہ ایک حقیقت بن کر ان کے سامنے آجائے گی۔



الْحَمِيرَ وَآكُمُ أَهْلُكُنَّ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَكَّنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا  
السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مَدْرَاسًا ۖ وَجَعَلْنَا الْاَنْهَارَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ  
وَأُنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۝ وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَسَوْهُ بِآيِدِيهِمْ  
لَقَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا اِنْ هَذَا اِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ وَقَالُوا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ  
اُنْزِلْنَا مَلَكَ لَقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُونَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا  
عَلَيْهِمْ مَا يَلْبَسُونَ ۝ وَلَقَدْ اَسْتَهْزِئُ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ  
مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں! ان کو ہم نے زمین میں وہ اقتدار دیا تھا جو  
تمہیں نہیں دیا۔ ہم نے ان پر آسمان سے خوب بارشیں بھیجیں، اور ہم نے دریاؤں کو مقرر کر دیا کہ وہ ان کے نیچے بہتے  
رہیں۔ لیکن پھر ان کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا، اور ان کے بعد دوسری نسلیں پیدا کیں ۝ اور  
(ان کافروں کا حال یہ ہے کہ) اگر ہم تم پر کوئی ایسی کتاب نازل کر دیتے جو کاغذ پر لکھی ہوئی ہوتی، پھر یہ اسے اپنے  
ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیتے، تو جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ پھر بھی یہی کہتے کہ یہ کھلے ہوئے جادو کے سوا کچھ  
نہیں ۝ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”اس (پیغمبر) پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا؟“ حالانکہ اگر ہم کوئی فرشتہ اتار دیتے تو  
سارا کام ہی تمام ہو جاتا، پھر ان کو کوئی مہلت نہ دی جاتی ۝ اور اگر ہم فرشتے ہی کو پیغمبر بناتے، تب بھی اسے کسی مرد ہی  
(کی شکل میں) بناتے، اور ان کو پھر ہم اسی شبہ میں ڈال دیتے جس میں اب مبتلا ہیں۔ ۝ اور (اے پیغمبر!) حقیقت  
یہ ہے کہ تم سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا ہے، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے جن لوگوں نے مذاق اڑایا  
تھا، ان کو اسی چیز نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ۝

(۳) یہ دُنیا چونکہ انسان کے امتحان کے لئے بنائی گئی ہے، اس لئے انسان سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر اللہ تعالیٰ  
پر اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان لائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی غیبی حقیقت آنکھوں سے دکھادی  
جاتی ہے تو اس کے بعد ایمان لانا معتبر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص موت کے فرشتوں کو دیکھ کر ایمان لائے تو اس کا ایمان  
قابل قبول نہیں۔ کفار کا مطالبہ یہ تھا کہ اگر کوئی فرشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے کر آتا ہے تو وہ اس طرح آئے کہ ہم اسے  
دیکھ سکیں۔ قرآن کریم نے اس کا پہلا جواب تو یہ دیا ہے کہ اگر فرشتے کو انہوں نے آنکھ سے دیکھ لیا تو پھر مذکورہ بالا اصول کے مطابق  
ان کا ایمان معتبر نہیں ہوگا، اور پھر انہیں اتنی مہلت نہیں ملے گی کہ یہ ایمان لاسکیں۔ دوسرا جواب اگلے جملے میں ہے۔

(۴) یعنی اگر کسی فرشتے ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجتے، یا پیغمبر کی تصدیق کے لئے لوگوں کے سامنے بھیجتے تب بھی اس کو انسانی شکل ہی میں



قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١١﴾ قُلْ لِّمَن مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ قُلْ لِلّٰهِ ۖ كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۖ لِيَجْعَلَ كُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۖ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾ وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣﴾ قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ اتَّخَذُ وَلِيًّا فَأَطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۖ قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٤﴾

(ان کافروں سے) کہو کہ: ”ذرا زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ (پیغمبروں کو) جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟“ ﴿۱۱﴾ (ان سے) پوچھو کہ: ”آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟“ (پھر اگر وہ جواب نہ دیں تو خود ہی) کہہ دو کہ: ”اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اس نے رحمت کو اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے۔ (اس لئے توبہ کر لو تو پچھلے سارے گناہ معاف کر دے گا، ورنہ) وہ تم سب کو ضرور بالضرور قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے، (لیکن) جن لوگوں نے اپنی جانوں کے لئے گھائے کا سودا کر رکھا ہے، وہ (اس حقیقت پر) ایمان نہیں لاتے ﴿۱۲﴾ اور رات اور دن میں جتنی مخلوقات آرام پاتی ہیں، سب اسی کے قبضے میں ہیں، اور وہ ہر بات کو سنتا، ہر چیز کو جانتا ہے۔“ ﴿۱۳﴾ کہہ دو کہ: ”کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رکھوا بناؤں؟ (اُس اللہ کو چھوڑ کر) جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اور جو سب کو کھلاتا ہے، کسی سے کھاتا نہیں؟“ کہہ دو کہ: ”مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ فرماں برداری میں سب لوگوں سے پہلے کرنے والا میں بنوں“ اور تم مشرکوں میں ہرگز شامل نہ ہونا ﴿۱۴﴾

بھیجنا پڑتا، کیونکہ کسی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ کسی فرشتے کو دیکھ سکے۔ اس صورت میں پھر یہ کافر لوگ وہی اعتراض دہراتے کہ یہ تو ہم جیسا ہی آدمی ہے۔ اس کو ہم پیغمبر کیسے مان لیں؟

(۵) مشرکین عرب شام کے تجارتی سفر کے دوران شمود اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں سے گذر کرتے تھے جہاں ان قوموں کی تباہی کے آثار انہیں آنکھوں سے نظر آتے تھے۔ قرآن کریم انہیں دعوت دے رہا ہے کہ وہ ان قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

(۶) غالباً اشارہ اس طرف ہے کہ رات اور دن کے اوقات میں جب لوگ سوتے ہیں تو دوبارہ بیدار بھی ہو جاتے ہیں، حالانکہ نیند بھی ایک چھوٹی موت ہے جس میں انسان دنیا سے بے خبر اور بالکل بے اختیار ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہوتا ہے، اس لئے جب وہ چاہتا ہے اسے بیداری کی دنیا میں واپس لے آتا ہے۔ اسی طرح جب بڑی موت آئے گی تب بھی انسان اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہوگا، اور وہ جب چاہے گا، اسے دوبارہ زندگی دے کر قیامت کے یوم حساب کی طرف لے جائے گا۔



قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَأْيِي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝۱۵ مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَاحَهُ ۚ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ۝۱۶ وَإِنْ يَسْأَلْكَ اللَّهُ بَصْرًا فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِنْ يَسْأَلْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۷ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ۝۱۸ قُلْ أَمْرٌ شَيْءٌ أَكْبَرُ شَهَادَةً ۚ قُلْ اللَّهُ ۖ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَدَعَ ۖ أَيْبُكُمْ لَتَشْهَدُوا أَنَّ مَعَ اللَّهِ إِلَهَةً أُخْرَى ۚ قُلْ لَا أَشْهَدُ ۚ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ وَإِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ۝۱۹ الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۚ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝۲۰ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝۲۱ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَبَعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا آيِنُ شُرَكَائِكُمْ ۚ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۝۲۲

کہہ دو کہ: ”اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک زبردست دن کے عذاب کا خوف ہے۔“ ۱۵ جس کسی شخص سے اس دن وہ عذاب ہٹا دیا گیا، اس پر اللہ نے بڑا رحم کیا، اور یہی واضح کامیابی ہے ۱۶ اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو خود اس کے سوا اسے دُور کرنے والا کوئی نہیں، اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہی ہے ۱۷ اور وہ اپنے بندوں کے اوپر مکمل اقتدار رکھتا ہے، اور وہ حکیم بھی ہے، پوری طرح باخبر بھی ۱۸ کہو: ”کوئی چیز ایسی ہے جو (کسی بات کی) گواہی دینے کے لئے سب سے اعلیٰ درجے کی ہو؟“ کہو: ”اللہ! (اور وہی) میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ اور مجھ پر یہ قرآن وحی کے طور پر اس لئے نازل کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے میں تمہیں بھی ڈراؤں، اور ان سب کو بھی جنہیں یہ قرآن پہنچے۔ کیا سچ مچ تم یہ گواہی دے سکتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں؟“ کہہ دو کہ: ”میں تو ایسی گواہی نہیں دوں گا۔“ کہہ دو کہ: ”وہ تو صرف ایک خدا ہے، اور جن جن چیزوں کو تم اس کی خدائی میں شریک ٹھہراتے ہو، میں ان سب سے بیزار ہوں۔“ ۱۹ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ ان کو (یعنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو) اس طرح پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ (پھر بھی) جن لوگوں نے اپنی جانوں کے لئے گھائے کا سودا کر رکھا ہے، وہ ایمان نہیں لاتے ۲۰ اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے، یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے؟ یقین رکھو کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پاسکتے ۲۱ اُس دن (کو یاد رکھو) جب ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے، پھر جن لوگوں نے شرک کیا ہو گا ان سے پوچھیں گے کہ: ”کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کے بارے میں تم یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ خدائی میں اللہ کے شریک ہیں؟“ ۲۲



ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فَتَنَّهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾ أَنْظِرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُمْ مَن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِنْ يَرَوْا كَلًّا آيَةً لَا يُؤْمِنُوبَهَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْنَوْنَ عَنْهُ ۚ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وَقَفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا أَلَيْسَ تَنَارُ دُوَلَا نَكْذِبُ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَأَ اللَّهُمَّ مَا كَانُوا يَخْفُونَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٢٨﴾

اُس وقت اُن کے پاس کوئی بہانہ نہیں ہوگا، سوائے اس کے کہ وہ کہیں گے: ”اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے، ہم تو مشرک نہیں تھے۔“ ﴿۲۳﴾ دیکھو! یہ اپنے معاملے میں کس طرح جھوٹ بول جائیں گے، اور جو (معبود) انہوں نے جھوٹ موٹ تراش رکھے تھے، اُن کا انہیں کوئی سراغ نہیں مل سکے گا! ﴿۲۴﴾ اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو تمہاری بات کان لگا کر سنتے ہیں، مگر (چونکہ یہ سننا طلب حق کے بجائے ضد پر اڑے رہنے کے لئے ہوتا ہے، اس لئے) ہم نے ان کے دلوں پر ایسے پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اس کو سمجھتے نہیں ہیں، اور ان کے کانوں میں بہرا پن پیدا کر دیا ہے۔ اور اگر وہ ایک ایک کر کے ساری نشانیاں دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔ انتہا یہ ہے کہ جب تمہارے پاس جھگڑا کرنے کے لئے آتے ہیں تو یہ کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) پچھلے لوگوں کی داستانوں کے سوا کچھ نہیں ﴿۲۵﴾ اور یہ دوسروں کو بھی اس (قرآن) سے روکتے ہیں، اور خود بھی اس سے دُور رہتے ہیں۔ اور (اس طرح) وہ اپنی جانوں کے سوا کسی اور کو ہلاکت میں نہیں ڈال رہے، لیکن ان کو احساس نہیں ہے ﴿۲۶﴾ اور (بڑا ہولناک نظارہ ہوگا) اگر تم وہ وقت دیکھو جب ان کو دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا، اور یہ کہیں گے: ”اے کاش! ہمیں واپس (دُنیا میں) بھیج دیا جائے، تاکہ اس بار ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں، اور ہمارا شمار مومنوں میں ہو جائے!“ ﴿۲۷﴾ حالانکہ (ان کی یہ آرزو بھی سچی نہ ہوگی) بلکہ دراصل وہ چیز (یعنی آخرت) ان کے سامنے کھل کر آچکی ہوگی جسے وہ پہلے چھپایا کرتے تھے، (اس لئے مجبوراً یہ دعویٰ کریں گے) ورنہ اگر ان کو واقعی واپس بھیجا جائے تو یہ دوبارہ وہی کچھ کریں گے جس سے انہیں روکا گیا ہے، اور یقیناً جانو یہ پکے جھوٹے ہیں ﴿۲۸﴾

(۷) شروع میں تو وہ بوکھلاہٹ کے عالم میں جھوٹ بول جائیں گے، لیکن پھر قرآن کریم ہی نے سورۃ یٰس (۶۵:۳۶) اور سورۃ حم السجدہ (۲۱:۴۱) میں بیان فرمایا ہے کہ خود ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے، اور ان کا سارا جھوٹ کھل جائے



وَقَالُوا إِن هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِبَعْعُو شَيْئًا ۚ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ ذُقُوا عَلَىٰ رَأْسِهِمْ ۖ  
 قَالَ أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَرَأَيْنَا ۖ قَالَ فذُقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۚ ۞  
 قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا ايَحْسِرَتْنَا عَلَىٰ  
 مَا فَرَّطْنَا فِيهَا ۖ وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ ۖ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ۚ ۞ وَمَا الْحَيَاةُ  
 الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۖ وَلَدًّا رَأَىٰ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَشْقُونَ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۚ ۞ قَدْ نَعْلَمُ  
 إِنَّهُ لِيَحْزُنَكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ۚ ۞

یہ تو یوں کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے بس یہی دُنیوی زندگی ہے، اور ہم مر کر دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے ۚ اور اگر تم وہ وقت دیکھو جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے! وہ کہے گا: ”کیا یہ (دوسری زندگی) حق نہیں ہے؟“ وہ کہیں گے: ”بیشک ہمارے رب کی قسم!“ اللہ کہے گا: ”تو پھر چکھو عذاب کا مزہ، کیونکہ تم کفر کیا کرتے تھے۔“ ۚ حقیقت یہ ہے کہ بڑے خسارے میں ہیں وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے جاملنے کو جھٹلایا ہے! یہاں تک کہ جب قیامت اچانک ان کے سامنے آکھڑی ہوگی تو وہ کہیں گے: ”ہائے افسوس! کہ ہم نے اس (قیامت) کے بارے میں بڑی کوتاہی کی۔“ اور وہ (اس وقت) اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ لادے ہوئے ہوں گے۔ (لہذا) خبردار رہو کہ بہت بُرا بوجھ ہے جو یہ لوگ اٹھا رہے ہیں ۚ اور دُنیوی زندگی تو ایک کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں، اور یقیناً جانو کہ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں، ان کے لئے آخرت والا گھر کہیں زیادہ بہتر ہے۔ تو کیا اتنی سی بات تمہاری عقل میں نہیں آتی؟ ۚ (اے رسول!) ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان سے تمہیں رنج ہوتا ہے، کیونکہ دراصل یہ تمہیں نہیں جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ ۚ

گا۔ اس موقع کے لئے سورہ نساء (۴: ۴۲) میں پیچھے گزرا ہے کہ وہ کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے، اور آگے اسی سورت کی آیت نمبر ۱۳۰ میں آرہا ہے کہ وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے۔

(۸) یہ بات کافروں کے اس بیان کے جواب میں کہی گئی ہے جو آیت نمبر ۲۹ میں اوپر گزرا ہے کہ: ”جو کچھ ہے بس یہی دُنیوی زندگی ہے“ جواب میں فرمایا گیا ہے کہ آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلے میں چند روز کی دُنیوی زندگی، جسے تم سب کچھ سمجھ رہے ہو، کھیل تماشے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پروا کئے بغیر دُنیا میں زندگی گزارتے ہیں تو جس عیش و آرام کو وہ اپنا مقصد زندگی بناتے ہیں، آخرت میں جا کر ان کو پتہ لگ جائے گا کہ اس کی حیثیت کھیل تماشے کی سی تھی۔ ہاں! جو لوگ دُنیا کو آخرت کی کھیتی بنا کر زندگی گزارتے ہیں، ان کے لئے دُنیوی زندگی بھی بڑی نعمت ہے۔

(۹) یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صرف اپنی ذات کے جھٹلانے سے اتنا زیادہ رنج نہ ہوتا، لیکن زیادہ رنج کی وجہ یہ ہے کہ یہ



وَلَقَدْ كَذَّبْتَ رَسُولٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبِرْ وَعَلَىٰ مَا كَذَّبُواْ اَوْذُواْ حَتَّىٰ اَتَتْهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَّبَاِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۴ ۚ وَ اِنْ كَانَ كِبْرَ عَلَیْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنْ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِآیَةٍ ۚ وَ لَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلٰی الْهُدٰی فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ ۝۳۵ ۚ اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ ۚ وَالْمَوْتُ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ۝۳۶ ۚ وَقَالُوا الْوَلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ آیَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یُّنَزِّلَ آیَةً وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۳۷ ۚ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طَیْرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحِیْهِ اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَلُكُمْ ۚ مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتَابِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ ۝۳۸

اور حقیقت یہ ہے کہ تم سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا ہے۔ پھر جس طرح انہیں جھٹلایا گیا اور تکلیفیں دی گئیں، اس سب پر انہوں نے صبر کیا، یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچ گئی۔ اور کوئی نہیں ہے جو اللہ کی باتوں کو بدل سکے۔ اور (پچھلے) رسولوں کے کچھ واقعات آپ تک پہنچ ہی چکے ہیں۔ ۝۳۴ اور اگر ان لوگوں کا منہ موڑے رہنا تمہیں بہت بھاری معلوم ہو رہا ہے تو اگر تم زمین کے اندر (جانے کے لئے) کوئی سرنگ یا آسمان میں (چڑھنے کے لئے) کوئی سیڑھی ڈھونڈ سکتے ہو، تو ان کے پاس (ان کا منہ مانگا یہ) معجزہ لے آؤ۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ لہذا تم نادانوں میں ہرگز شامل نہ ہونا۔ ۝۳۵ بات تو وہی لوگ مان سکتے ہیں جو (حق کے طالب بن کر) سنیں۔ جہاں تک ان مردوں کا تعلق ہے، ان کو تو اللہ ہی قبروں سے اٹھائے گا، پھر یہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ۝۳۶ یہ لوگ کہتے ہیں کہ (اگر یہ نبی ہیں تو) ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اُتاری گئی؟ تم (ان سے) کہو کہ اللہ بیشک اس بات پر قادر ہے کہ کوئی نشانی نازل کر دے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اس کا انجام) نہیں جانتے۔ ۝۳۷ اور زمین میں جتنے جانور چلتے ہیں، اور جتنے پرندے اپنے پروں سے اڑتے ہیں، وہ سب مخلوقات کی تم جیسی ہی اصناف ہیں۔ ہم نے کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ پھر ان سب کو جمع کر کے ان کے پروردگار کی طرف لے جایا جائے گا۔ ۝۳۸

لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ آیت کے یہ معنی الفاظ قرآن کے بھی زیادہ مطابق ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج سے بھی زیادہ مطابقت رکھتے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے معجزات عطا فرمائے تھے، جن میں سب سے بڑا معجزہ خود قرآن کریم تھا، کیونکہ آپ کے اُمی ہونے کے باوجود یہ فصیح و بلیغ کلام آپ پر نازل ہوا جس کے آگے بڑے بڑے ادیبوں اور شاعروں نے



گھٹنے ٹیک دیئے، اور کسی نے وہ چیلنج قبول نہ کیا جو سورہ بقرہ (۲: ۲۳) وغیرہ میں دیا گیا تھا۔ اسی کی طرف سورہ عنکبوت (۵۱: ۲۹) میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ تنہا یہی معجزہ ایک حق کے طلب گار کے لئے کافی ہونا چاہئے تھا۔ لیکن کفار مکہ اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے ہر روز نئے نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے۔ اس سلسلے میں جس قسم کے بیہودہ مطالبات وہ کرتے تھے، ان کی ایک فہرست قرآن کریم نے سورہ بنی اسرائیل (۸۹: ۱۷-۹۳) میں بھی بیان فرمائی ہے۔ اس پر کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ خیال ہوتا تھا کہ اگر ان کے فرمائشی معجزات میں سے کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تو شاید یہ لوگ ایمان لا کر جہنم سے بچ جائیں۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشفقانہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ درحقیقت ان کے یہ مطالبات محض ہٹ دھرمی پر مبنی ہیں، اور جیسا کہ پیچھے آیت نمبر ۲۵ میں کہا گیا ہے، یہ اگر ساری نشانیاں دیکھ لیں گے تب بھی ایمان نہیں لائیں گے، اس لئے ان کے مطالبات کو پورا کرنا نہ صرف بیکار ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کے خلاف ہے جس کی طرف اشارہ آگے آیت نمبر ۳ میں آرہا ہے۔ ہاں اگر آپ خود ان کے مطالبات پورے کرنے کے لئے ان کے کہنے کے مطابق زمین کے اندر جانے کے لئے کوئی سرنگ بنا سکیں یا آسمان پر چڑھنے کے لئے کوئی سیڑھی ایجاد کر سکیں تو یہ بھی کر دیکھیں۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ اس لئے یہ فکر چھوڑ دیجئے کہ ان کے منہ مانگے معجزات انہیں دکھائے جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو سارے انسانوں کو زبردستی ایک ہی دین کا پابند بنا دیتا، لیکن درحقیقت انسان کو دنیا میں بھیجنے کا بنیادی مقصد امتحان ہے، اور اس امتحان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان زور زبردستی سے نہیں، بلکہ خود اپنی سمجھ سے کام لے کر ان دلائل پر غور کرے جو پوری کائنات میں بکھرے پڑے ہیں، اور پھر اپنی مرضی سے توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لائے۔ انبیائے کرام لوگوں کی فرمائش پر نت نئے کرشمے دکھانے کے لئے نہیں، ان دلائل کی طرف متوجہ کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں، اور آسمانی کتابیں اس امتحان کو آسان کرنے کے لئے نازل کی جاتی ہیں، مگر ان سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے دل میں حق کی طلب ہو۔ اور جو لوگ اپنی ضد پر اڑے رہنے کی قسم کھا چکے ہوں، ان کے لئے نہ کوئی بڑی سے بڑی دلیل کارآمد ہو سکتی ہے، نہ کوئی بڑے سے بڑا معجزہ۔

(۱۱) اس آیت میں فرمائشی معجزات نہ دکھانے کی ایک اور وجہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ پچھلی قوموں کو جب کبھی ان کا مانگا ہوا معجزہ دکھایا گیا ہے تو ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کر دی گئی ہے کہ اگر اس کے باوجود وہ ایمان نہ لائے تو انہیں اس دنیا ہی میں ہلاک کر دیا جائے گا، چنانچہ کئی قومیں اسی طرح ہلاک ہوئیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کفار مکہ میں سے اکثر لوگ ہٹ دھرم ہیں، اور وہ فرمائشی معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق وہ ہلاک ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کو ابھی یہ منظور نہیں ہے کہ انہیں عذاب عام کے ذریعے ہلاک کیا جائے۔ لہذا جو لوگ فرمائشی معجزات کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ اس کے انجام سے ناواقف ہیں۔ ہاں جن لوگوں کو ایمان لانا ہے، وہ مطلوبہ معجزات کے بغیر دوسرے دلائل اور معجزات دیکھ کر خود ایمان لے آئیں گے۔

(۱۲) اس آیت نے یہ بتایا ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی صرف انسانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام جانوروں کو بھی قیامت کے بعد حشر کے دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ ”تم جیسی ہی اصناف ہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تمہیں دوسری زندگی دی جائے گی، اسی طرح ان کو بھی دوسری زندگی ملے گی۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ



وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمُّوْهُمْ فِي الظُّلُمٰتِ ۚ مَنْ يَشَاۤءِ اللّٰهُ يُضِلِّهٖ ۚ وَمَنْ يَّشَآءِ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۳۹ قُلْ اَسْءَيْتُكُمْ اِنْ اَتَيْتُكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمْ السَّاعَةُ ۚ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۰ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ ۚ اِنْ شَآءَ ۚ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۝۴۱ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاسِ ۚ وَالضَّرَآءُ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝۴۲

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے وہ اندھیروں میں بھٹکتے بھٹکتے بہرے اور گونگے ہو چکے ہیں۔ (۱۳) اللہ جسے چاہتا ہے، (اس کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے) گمراہی میں ڈال دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے، سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے (۴۰) (ان کافروں) سے کہو: ”اگر تم سچے ہو تو ذرا یہ بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے، یا تم پر قیامت ٹوٹ پڑے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ بلکہ اُسی کو پکارو گے، پھر جس پریشانی کے لئے تم نے اُسے پکارا ہے، اگر وہ چاہے گا تو اُسے دُور کر دے گا، اور جن (دیوتاؤں) کو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو (اُس وقت) ان کو بھول جاؤ گے۔ (۴۱) - (۴۲) اور (اے پیغمبر!) تم سے پہلے ہم نے بہت سی قوموں کے پاس پیغمبر بھیجے، پھر ہم نے (ان کی نافرمانی کی بنا پر) انہیں سختیوں اور تکلیفوں میں گرفتار کیا، تاکہ وہ عجز و نیاز کا شیوہ اپنائیں۔ (۴۲)

جانوروں نے دُنیا میں ایک دوسرے پر جو ظلم کئے ہوں گے، میدانِ حشر میں مظلوم جانور کو حق دیا جائے گا کہ وہ ظالم سے بدلہ لے۔ اس کے بعد چونکہ وہ حقوق اللہ کے مکلف نہیں ہیں، اس لئے ان پر دوبارہ موت طاری کر دی جائے گی۔ یہاں اس حقیقت کو بیان فرمانے کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ کفارِ عرب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ سارے کے سارے انسان جو مر کر مٹی ہو چکے ہوں گے ان کو دوبارہ کیسے جمع کیا جاسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ صرف انسانوں ہی کو نہیں، جانوروں کو بھی زندہ کیا جائے گا، حالانکہ جانوروں کی تعداد انسانوں سے کہیں زیادہ ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ دُنیا کی ابتدا سے انتہا تک کے بے شمار انسانوں اور جانوروں کے گلے سڑے اجزاء کا کیسے پتہ لگایا جائے گا؟ تو اس کا جواب اگلے جملے میں یہ دیا گیا ہے کہ لوحِ محفوظ میں ہر بات درج ہے، اور یہ ایسا ریکارڈ ہے جس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی ہے، لہذا نہ انسانوں کو جمع کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل ہے، نہ جانوروں کا۔

(۱۳) یعنی اپنے اختیار سے گمراہی کو اپنا کر انہوں نے حق سننے اور کہنے کی صلاحیت ہی ختم کر لی ہے۔ یاد رہے کہ یہ ترجمہ ”فی الظُّلُمٰتِ“ کو ”صُمُّوْهُمْ“ سے حال قرار دینے پر مبنی ہے جسے علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے رائج قرار دیا ہے۔

(۱۴) عرب کے مشرکین یہ مانتے تھے کہ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، لیکن ساتھ ہی ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس کی خدائی میں دوسرے بہت سے دیوتا اس طرح شریک ہیں کہ خدائی کے بہت سے اختیارات ان کو حاصل ہیں۔ اب ہوتا یہ تھا کہ وہ ان



فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۳﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِهَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ﴿۳۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۗ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۵﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِهِ ۗ أُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ ثُمَّ هُمْ يَصْذَبُونَ ﴿۳۶﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ الظَّالِمُونَ ﴿۳۷﴾

پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ان کے پاس ہماری طرف سے سختی آئی تھی، اس وقت وہ عاجزی کا رویہ اختیار کرتے؟ بلکہ ان کے دل تو اور سخت ہو گئے، اور جو کچھ وہ کر رہے تھے، شیطان نے انہیں یہ بھجایا کہ وہی بڑے شاندار کام ہیں ﴿۳۳﴾ پھر انہیں جو نصیحت کی گئی تھی، جب وہ اسے بھلا بیٹھے تو ہم نے ان پر ہر نعمت کے دروازے کھول دیئے، یہاں تک کہ جو نعمتیں انہیں دی گئی تھیں، جب وہ ان پر اترانے لگے تو ہم نے اچانک ان کو آ پکڑا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بالکل مایوس ہو کر رہ گئے ﴿۳۴﴾ اس طرح جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی، اور تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ﴿۳۵﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو: ”ذرا مجھے بتاؤ کہ اگر اللہ تمہاری سننے کی طاقت اور تمہاری آنکھیں تم سے چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے، تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں لا کر دیدے؟“ دیکھو، ہم کیسے کیسے مختلف طریقوں سے دلائل بیان کرتے ہیں، پھر بھی یہ لوگ منہ پھیر لیتے ہیں ﴿۳۶﴾ کہو: ”ذرا یہ بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب تمہارے پاس اچانک آئے یا اعلان کر کے، دونوں صورتوں میں کیا ظالموں کے سوا کسی اور کو ہلاک کیا جائے گا؟“ ﴿۳۷﴾

دیوتاؤں کو خوش رکھنے کی نیت سے ان کی پرستش کرتے رہتے تھے، مگر جب کوئی ناگہانی آفت آپڑتی تھی، مثلاً سمندر میں سفر کرتے ہوئے پہاڑ جیسی موجوں میں گھر جاتے تھے تو اپنے گھرے ہوئے دیوتاؤں کے بجائے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔ یہاں ان کی اس عادت کے حوالے سے یہ سوال کیا جا رہا ہے کہ جب دنیا کی ان مصیبتوں میں تم اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہو تو اگر کوئی بڑا عذاب آجائے، یا قیامت ہی آکھڑی ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کو پکارو گے۔

﴿۱۵﴾ اللہ تعالیٰ نے پچھلی امتوں کے ساتھ یہ معاملہ فرمایا ہے کہ انہیں متنبہ کرنے کے لئے انہیں کچھ سختیوں میں بھی مبتلا فرمایا، تاکہ وہ لوگ جن کے دل سختی کی حالت میں نرم پڑتے ہیں، سوچنے سمجھنے کی طرف مائل ہو سکیں، پھر ان کو خوب خوشحالی عطا فرمائی تاکہ جو لوگ خوشحالی میں حق قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، وہ کچھ سبق لے سکیں۔ جب دونوں حالتوں میں لوگ گمراہی پر قائم رہے، تب ان پر عذاب نازل کیا گیا۔ یہی بات قرآن کریم نے سورۃ اعراف (۷: ۹۴-۹۵) میں بھی بیان فرمائی ہے۔

﴿۱۶﴾ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ کے جس عذاب سے آپ ہمیں ڈراتے ہیں، تو وہ عذاب ابھی



وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۚ فَمَنْ آمَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَسْتَهْزِئُهَا الْعَذَابُ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ ۚ إِنِ اتَّبَعُ إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿۵۰﴾ وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۵۱﴾

ہم پیغمبروں کو اسی لئے تو بھیجتے ہیں کہ وہ (نیکوں پر) خوشخبری سنائیں، (اور نافرمانی پر اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں۔ چنانچہ جو لوگ ایمان لے آئے اور اپنی اصلاح کر لی، ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۴۸﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ان کو عذاب پہنچ کر رہے گا، کیونکہ وہ نافرمانی کے عادی تھے۔ ﴿۴۹﴾ (اے پیغمبر!) ان سے کہو: ”میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب کا (پورا) علم رکھتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔“ ﴿۵۰﴾ میں تو صرف اُس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔“ کہو کہ: ”کیا ایک اندھا اور دوسرا بینائی رکھنے والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ پھر کیا تم غور نہیں کرتے؟“ ﴿۵۱﴾ اور (اے پیغمبر!) تم اس وحی کے ذریعے اُن لوگوں کو خبردار کرو جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ ان کو ان کے پروردگار کے پاس ایسی حالت میں جمع کر کے لایا جائے گا کہ اس کے سوا نہ ان کا کوئی یار و مددگار ہوگا، نہ کوئی سفارشی، تاکہ وہ لوگ تقویٰ اختیار کر لیں۔ ﴿۵۲﴾

کیوں نہیں آجاتا؟ شاید وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر عذاب آیا تو مؤمن کا فرسبھی ہلاک ہو جائیں گے۔ اس کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہلاک تو وہ ہوں گے جنہوں نے شرک اور ظلم کا ارتکاب کیا ہے۔

﴿۱۷﴾ یہ ان مطالبات کا جواب ہے جو کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے کہ اگر تم پیغمبر ہو تو دولت کے خزانے تمہارے پاس ہونے چاہئیں، لہذا فلاں فلاں معجزات دکھاؤ۔ جواب میں فرمایا گیا ہے کہ پیغمبر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدائی کے اختیارات مجھے حاصل ہو گئے ہیں، یا مجھے مکمل علم غیب حاصل ہے یا میں فرشتہ ہوں۔ پیغمبر ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے اور میں اسی کا اتباع کرتا ہوں۔

﴿۱۸﴾ یہ درحقیقت مشرکین کے اس عقیدے کی تردید ہے کہ وہ اپنے دیوتاؤں کو اپنا مستقل سفارشی سمجھتے تھے۔ لہذا اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شفاعت کی تردید نہیں ہوتی جو آپ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے مؤمنوں کے لئے کریں گے۔ کیونکہ دوسری آیتوں میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت ممکن ہے (مثلاً دیکھئے: سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۵۵)۔



وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوَةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۲﴾  
وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا ۚ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿۵۳﴾ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا ابْجَهَالَةً ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهَا وَاصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ لَيْسَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ ۚ

اور اُن لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالنا جو صبح و شام اپنے پروردگار کو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پکارتے رہتے ہیں۔ ان کے حساب میں جو اعمال ہیں اُن میں سے کسی کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے، اور تمہارے حساب میں جو اعمال ہیں اُن میں سے کسی کی ذمہ داری اُن پر نہیں ہے جس کی وجہ سے تم انہیں نکال باہر کرو، اور ظالموں میں شامل ہو جاؤ ﴿۵۲﴾ اسی طرح ہم نے کچھ لوگوں کو کچھ دوسروں کے ذریعے آزمائش میں ڈالا ہے تاکہ وہ (ان کے بارے میں) یہ کہیں کہ: ”کیا یہ ہیں وہ لوگ جن کو اللہ نے ہم سب کو چھوڑ کر احسان کرنے کے لئے چنا ہے؟“ کیا (جو کافر یہ بات کہہ رہے ہیں اُن کے خیال میں) اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو دوسروں سے زیادہ نہیں جانتا؟ ﴿۵۳﴾ اور جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے کہو: ”سلامتی ہو تم پر! تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت کا یہ معاملہ کرنا لازم کر لیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی سے کوئی برا کام کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۵۴﴾ اور ہم اسی طرح نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، تاکہ سیدھا راستہ بھی واضح ہو جائے اور تاکہ مجرموں کا راستہ بھی کھل کر سامنے آ جائے ﴿۵۵﴾

(۱۹) قریش مکہ کے کچھ سرداروں نے یہ کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد غریب اور کم حیثیت قسم کے لوگ بکثرت رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کی مجلس میں بیٹھنا ہماری توہین ہے۔ اگر آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دیں تو ہم آپ کی بات سننے کے لئے آسکتے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲۰) مطلب یہ ہے کہ غریب مسلمان اس حیثیت سے ان امیر کافروں کے لئے ایک آزمائش کا سبب بن گئے ہیں کہ آیا یہ لوگ اصل اہمیت حق بات کو دیتے ہیں یا صرف اس وجہ سے حق کا انکار کر دیتے ہیں کہ اس کے ماننے والے غریب لوگ ہیں۔

(۲۱) یہ کافروں کا فقرہ ہے جو وہ غریب مسلمانوں کے بارے میں طنز یہ انداز میں کہتے تھے۔ یعنی (معاذ اللہ) ساری دنیا میں سے یہی کم حیثیت لوگ اللہ تعالیٰ کو ملے تھے جن پر وہ احسان کر کے انہیں جنت کا مستحق قرار دے؟



قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ قُلْ لَا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ ۖ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۵۶﴾ قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَكَذَّبْتُمْ بِهِ ۖ مَا عِندِي مَّا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ ۖ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ ۖ يَقْضُ الْحَقُّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَصِلِينَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ أَنَّ عِندِي مَّا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ﴿۵۸﴾ وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۖ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا أَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلْمٍ إِلَّا رُضٍ وَلَا رَاطٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ۖ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۶۰﴾

(اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ”تم اللہ کے سوا جن (جھوٹے خداؤں) کو پکارتے ہو مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔“ کہو کہ: ”میں تمہاری خواہشات کے پیچھے نہیں چل سکتا۔ اگر میں ایسا کروں گا تو گمراہ ہوں گا، اور میرا شمار ہدایت یافتہ لوگوں میں نہیں ہوگا۔“ ﴿۵۶﴾ کہو کہ: ”مجھے اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل مل چکی ہے جس پر میں قائم ہوں، اور تم نے اسے جھٹلادیا ہے۔ جس چیز کے جلدی آنے کا تم مطالبہ کر رہے ہو وہ میرے پاس موجود نہیں ہے۔“ حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں چلتا۔ وہ حق بات بیان کر دیتا ہے، اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔“ ﴿۵۷﴾ کہو کہ: ”جس چیز کی تم جلدی مچا رہے ہو، اگر وہ میرے پاس ہوتی تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔“ ﴿۵۸﴾ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور خشکی اور سمندر میں جو کچھ ہے وہ اس سے واقف ہے۔ کسی درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا جس کا اسے علم نہ ہو، اور زمین کی اندھیروں میں کوئی دانہ یا کوئی خشک یا تر چیز ایسی نہیں ہے جو ایک کھلی کتاب میں درج نہ ہو ﴿۵۹﴾ اور وہی ہے جو رات کے وقت (نیند میں) تمہاری روح (ایک حد تک) قبض کر لیتا ہے، اور دن بھر میں تم نے جو کچھ کیا ہوتا ہے، اسے خوب جانتا ہے، پھر اس (نئے دن) میں تمہیں نئی زندگی دیتا ہے، تاکہ (تمہاری عمر کی) مقررہ مدت پوری ہو جائے۔ پھر اسی کے پاس تم کو لوٹ کر جانا ہے۔ اُس وقت وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ ﴿۶۰﴾

(۲۲) یہ آیات کفار کے اس مطالبے کے جواب میں نازل ہوئی ہیں کہ جس عذاب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ڈرا رہے ہیں وہ ہم پر فوراً کیوں نازل نہیں ہوتا؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عذاب نازل کرنے اور اس کا صحیح وقت اور مناسب طریقہ طے کرنے کا مکمل اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے، جس کا فیصلہ وہ اپنی حکمت سے کرتا ہے۔



وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ  
رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ رُدُّوْا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقُّ ۖ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۖ وَهُوَ أَسْرَعُ  
الْحُسْبَيْنِ ﴿٢٢﴾ قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ لَّيِّنَ  
أَنجِنَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ قُلْ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ  
تُشْرِكُوْنَ ﴿٢٤﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ  
أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيْعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ۗ أُنْظِرْ كَيْفُ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ  
يَفْقَهُوْنَ ﴿٢٥﴾ وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۗ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ﴿٢٦﴾ لِّكُلِّ نَبَاٍ  
مُّسْتَقَرٌّ ۖ وَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٧﴾

وہی اپنے بندوں پر مکمل اقتدار رکھتا ہے، اور تمہارے لئے نگہبان (فرشتے) بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کو پورا پورا وصول کر لیتے ہیں، اور وہ ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے ﴿۲۱﴾ پھر ان سب کو اللہ کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جو ان کا مولائے برحق ہے۔ یاد رکھو! حکم اسی کا چلتا ہے، اور وہ سب سے زیادہ جلدی حساب لینے والا ہے ﴿۲۲﴾ کہو: ”خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے اُس وقت کون تمہیں نجات دیتا ہے جب تم اسے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو، (اور یہ کہتے ہو کہ) اگر اُس نے ہمیں اس مصیبت سے بچالیا تو ہم ضرور بالضرور شکر گزار بندوں میں شامل ہو جائیں گے؟“ ﴿۲۳﴾ کہو: ”اللہ ہی تمہیں اس مصیبت سے بھی بچاتا ہے، اور ہر دوسری تکلیف سے بھی، پھر بھی تم شرک کرتے ہو۔“ ﴿۲۴﴾ کہو کہ: ”وہ اس بات پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے (نکال دے) یا تمہیں مختلف ٹولیوں میں بانٹ کر ایک دوسرے سے بھڑا دے، اور ایک دوسرے کی طاقت کا مزہ چکھا دے۔ دیکھو! ہم کس طرح مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں واضح کر رہے ہیں، تاکہ یہ کچھ سمجھ سے کام لے لیں۔“ ﴿۲۵﴾ اور (اے پیغمبر!) تمہاری قوم نے اس (قرآن) کو جھٹلایا ہے، حالانکہ وہ بالکل حق ہے۔ تم کہہ دو کہ: ”مجھ کو تمہاری ذمہ داری نہیں سونپی گئی ہے۔“ ﴿۲۶﴾ ہر واقعے کا ایک وقت مقرر ہے، اور جلد ہی تمہیں سب معلوم ہو جائے گا۔“ ﴿۲۷﴾

(۲۳) نگہبان فرشتوں سے مراد وہ فرشتے بھی ہو سکتے ہیں جو انسان کے اعمال لکھتے ہیں، اور وہ بھی جو ہر انسان کی جسمانی حفاظت پر مقرر ہیں، اور جن کا ذکر سورہ رعد (۱۱: ۱۳) میں آیا ہے۔

(۲۴) یعنی یہ میری ذمہ داری نہیں ہے کہ تمہارا ہر مطالبہ پورا کروں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے، جس میں تم لوگوں کو عذاب دینا بھی داخل ہے، اور جب وہ وقت آئے گا، تو تمہیں خود پتہ لگ جائے گا۔



وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي الْإِيتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٦٩﴾ وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَلَكِنْ ذِكْرِىٰ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٧٠﴾ وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهِ ۚ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ ۚ وَإِنْ تَعْدِلْ كُلُّ عَدْلٍ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِنْ حَيِّمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧١﴾

اور جب تم اُن لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو برا بھلا کہنے میں لگے ہوئے ہیں تو اُن سے اُس وقت تک کے لئے الگ ہو جاؤ جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔ اور اگر کبھی شیطان تمہیں یہ بات بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ ﴿٦٩﴾ ان کے کھاتے میں جو اعمال ہیں ان کی کوئی ذمہ داری پر ہیز گاروں پر عائد نہیں ہوتی۔ البتہ نصیحت کر دینا اُن کا کام ہے، شاید وہ بھی (ایسی باتوں سے) پرہیز کرنے لگیں ﴿٧٠﴾ اور چھوڑ دو اُن لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے، اور جن کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے، اور اس (قرآن) کے ذریعے (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہو، تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص اپنے اعمال کے سبب اس طرح گرفتار ہو جائے کہ اللہ (کے عذاب) سے بچانے کے لئے اللہ کو چھوڑ کر نہ کوئی اُس کا یار و مددگار بن سکے نہ سفارشی، اور اگر وہ (اپنی رہائی کے لئے) ہر طرح کا فدیہ بھی پیش کرنا چاہے تو اُس سے وہ قبول نہ کیا جائے۔ (چنانچہ) یہی (دین کو کھیل تماشا بنانے والے) وہ لوگ ہیں جو اپنے کئے کی بدولت گرفتار ہو گئے ہیں۔ چونکہ انہوں نے کفر اپنا رکھا تھا، اس لئے اُن کے لئے کھولتے ہوئے پانی کا مشروب اور ایک دُکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے۔ ﴿٧١﴾

(۲۵) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس دین کو انہیں اپنانا چاہئے تھا، (یعنی اسلام) اُس کو قبول کرنے کے بجائے وہ اُس کا مذاق بناتے ہیں۔ اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ جو دین انہوں نے اختیار کر رکھا ہے، وہ کھیل تماشے جیسی بے بنیاد رسموں پر مشتمل ہے۔ اور دونوں صورتوں میں ان لوگوں کو چھوڑنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب وہی ہے کہ اُن کی اس قسم کی گفتگو میں اُن کے ساتھ مت بیٹھو جس میں وہ اللہ کی آیات کو استہزاء کا نشانہ بناتے ہوں۔



قُلْ اَنْدَعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَاَلَا يَضُرُّنَا وَاَنْرُدُّوْا عَلٰى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ  
 كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيْطٰنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۚ لَهٗ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهُ اِلَى الْهُدٰى اَتْتَنَا  
 قُلْ اِنَّ هُدٰى اللّٰهُ هُوَ الْهُدٰى ۚ وَاْمُرْنَا لِلْاِسْلٰمِ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ  
 اتَّقُوْهُ ۚ وَهُوَ الَّذِى اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۱۱ وَهُوَ الَّذِى خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ وَ  
 يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۚ وَلَهٗ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ۚ عَلِمِ الْغَيْبِ  
 وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۱۲

(اے پیغمبر!) ان سے کہو: ”کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پکاریں جو ہمیں نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں، نہ نقصان، اور جب اللہ ہمیں ہدایت دے چکا ہے تو کیا اس کے بعد بھی ہم اُلٹے پاؤں پھر جائیں؟ (اور) اُس شخص کی طرح (ہو جائیں) جسے شیطان بہکا کر صحرا میں لے گئے ہوں، اور وہ حیرانی کے عالم میں بھٹکتا پھرتا ہو، اُس کے کچھ ساتھی ہوں جو اُسے ٹھیک راستے کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آ جاؤ؟“ کہو کہ: ”اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہی صحیح معنی میں ہدایت ہے، اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العالمین کے آگے جھک جائیں۔“ ۝۱۰ اور یہ (حکم دیا گیا ہے) کہ: ”نماز قائم کرو، اور اُس (کی نافرمانی) سے ڈرتے رہو۔ اور وہی ہے جس کی طرف تم سب کو اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا۔“ ۝۱۱ اور وہی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے، اور جس دن وہ (روزِ قیامت سے) کہے گا کہ: ”تو ہو جا“ تو وہ ہو جائے گا۔ اُس کا قول برحق ہے۔ اور جس دن صور پھونکا جائے گا، اُس دن بادشاہی اُسی کی ہوگی۔ ۝۱۲ وہ غائب و حاضر ہر چیز کو جاننے والا ہے، اور وہی بڑی حکمت والا، پوری طرح باخبر ہے۔ ۝۱۳

(۲۶) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو ایک برحق مقصد سے پیدا کیا ہے، اور وہ مقصد یہ ہے کہ جو لوگ یہاں اچھے کام کریں، انہیں انعام سے نوازا جائے، اور جو لوگ بدکار اور ظالم ہوں، انہیں سزا دی جائے۔ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب دُنیوی زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہو جس میں جزا اور سزا کا یہ مقصد پورا ہو۔ اور آگے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس مقصد کے لئے قیامت میں لوگوں کو دوبارہ زندگی دینا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔ جب وہ چاہے گا تو قیامت کو وجود میں آنے کا حکم دے گا، اور وہ وجود میں آ جائے گی۔ اور چونکہ وہ غائب و حاضر ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے، اس لئے لوگوں کو مرنے کے بعد اکٹھا کرنا بھی اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ البتہ چونکہ وہ حکمت والا ہے، اس لئے وہ اسی وقت قیامت قائم فرمائے گا جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا۔

(۲۷) اگرچہ دُنیا میں بھی حقیقی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، لیکن یہاں ظاہری طور پر بہت سے حکمران مختلف ملکوں پر حکومت کرتے ہیں، لیکن صور پھونکے جانے کے بعد یہ ظاہری حکومتیں بھی ختم ہو جائیں گی، اور ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہوگی۔



وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لَا بِيَهْ إِذْ رَأَيْتُ أَخْذُ أَصْنَامًا إِلَهَةً ۖ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ مَكِّنَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۵۲﴾ وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونُ مِنَ الْمُوقِنِينَ ﴿۵۳﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى الْكَوْكَبَ ۖ قَالَ هَذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْإِفْلِينَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِعًا قَالَ هَذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَيْسَ لِي مِنْ يَهْدِي رَبِّي لَا كُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ﴿۵۵﴾ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِعَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ ۖ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ لِقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ ۖ إِنِّي بِرَبِّيَ مُّمْتَئِشِرٌ كُونَ ﴿۵۶﴾

اور (اُس وقت کا ذکر سنو) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا کہ: ”کیا آپ بتوں کو خدا بنائے بیٹھے ہیں؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اور آپ کی قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔“ ﴿۵۲﴾ اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا نظارہ کراتے تھے، اور مقصد یہ تھا کہ وہ مکمل یقین رکھنے والوں میں شامل ہوں ﴿۵۳﴾ چنانچہ جب اُن پر رات چھائی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔ کہنے لگے: ”یہ میرا رب ہے۔“ ﴿۵۴﴾ پھر جب وہ ڈوب گیا تو انہوں نے کہا: ”میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“ ﴿۵۵﴾ پھر جب انہوں نے چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا کہ: ”یہ میرا رب ہے۔“ لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہنے لگے: ”اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دے تو میں یقیناً گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔“ ﴿۵۶﴾ پھر جب انہوں نے سورج کو چمکتے دیکھا تو کہا: ”یہ میرا رب ہے۔ یہ زیادہ بڑا ہے۔“ پھر جب وہ غروب ہوا تو انہوں نے کہا: ”اے میری قوم! جن جن چیزوں کو تم اللہ کی خدائی میں شریک قرار دیتے ہو، میں اُن سب سے بیزار ہوں ﴿۵۷﴾

(۲۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے جس علاقے میں پیدا ہوئے تھے، وہاں کے لوگ بتوں اور ستاروں کو خدا مان کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ ان کا باپ آزر بھی نہ صرف اسی عقیدے کا تھا، بلکہ خود بت تراشا کرتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام شروع ہی سے توحید پر ایمان رکھتے تھے، اور شرک سے بیزار تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی قوم کو غور و فکر کی دعوت دینے کے لئے یہ لطیف طریقہ اختیار فرمایا کہ چاند ستاروں اور سورج کو دیکھ کر پہلے اپنی قوم کی زبان میں بات کی۔ مقصد یہ تھا کہ یہ ستارہ تمہارے خیال میں میرا پروردگار ہے۔ آؤ دیکھتے ہیں کہ یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے یا نہیں؟ چنانچہ جب ستارہ بھی ڈوبا اور چاند بھی، اور آخر میں سورج بھی، تو ہر موقع پر انہوں نے اپنی قوم کو یاد دلایا کہ یہ تو ناپائیدار اور تغیر پذیر چیزیں ہیں۔ جو چیز خود ناپائیدار ہو اور اُس پر تغیرات طاری ہوتے رہتے ہوں، اُس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ پوری کائنات کی پرورش کر رہی ہے، کیسی غیر معقول بات ہے۔ لہذا انہوں نے چاند ستاروں یا سورج کو جو یہ کہا تھا کہ یہ میرا رب ہے، وہ اپنے عقیدے کے مطابق نہیں، بلکہ اپنی قوم کے عقیدے کی لغویت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا تھا۔



إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝۲۹ وَحَاجَّةً قَوْمَهُ ۖ قَالَ اتُّخَا جُوتِي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ ۖ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ۖ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۖ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝۳۰ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ۖ فَأَمَّا الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝۳۱

میں نے تو پوری طرح یکسو ہو کر اپنا رخ اُس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔“ (۲۹) اور (پھر یہ ہوا کہ) اُن کی قوم نے اُن سے حجت شروع کر دی۔ ابراہیم نے (اُن سے) کہا: ”کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں حجت کرتے ہو جبکہ اُس نے مجھے ہدایت دے دی ہے؟ اور جن چیزوں کو تم اللہ کے ساتھ شریک مانتے ہو، میں اُن سے نہیں ڈرتا (کہ وہ مجھے کوئی نقصان پہنچا دیں گی) (۳۰) یہ کہ میرا پروردگار (مجھے) کچھ (نقصان پہنچانا) چاہے (تو وہ ہر حال میں پہنچے گا) میرے پروردگار کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیا تم پھر بھی کوئی نصیحت نہیں مانتے؟ (۳۱) اور جن چیزوں کو تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے، میں اُن سے کیسے ڈر سکتا ہوں جبکہ تم اُن چیزوں کو اللہ کا شریک ماننے سے نہیں ڈرتے جن کے بارے میں اُس نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے؟ اب اگر تمہارا پاس کوئی علم ہے تو بتاؤ کہ ہم دو فریقوں میں سے کون بے خوف رہنے کا زیادہ مستحق ہے؟ (۳۲)

(۲۹) سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حجت کرتے ہوئے ان کی قوم نے دو باتیں کہیں۔ ایک یہ کہ ہم برسوں سے اپنے باپ دادوں کو ان بتوں اور ستاروں کی پوجا کرتے دیکھ رہے ہیں۔ ان سب کو گمراہ سمجھنا ہمارے بس سے باہر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا جواب پہلے جملے میں یہ دیا ہے کہ ان باپ دادوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نہیں آئی تھی، اور مذکورہ بالا عقلی دلائل کے علاوہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی بھی آئی ہے۔ لہذا اللہ کی دی ہوئی ہدایت کے بعد میں شرک کو کیسے درست تسلیم کر سکتا ہوں؟ دوسری بات ان کی قوم نے یہ کہی ہوگی کہ اگر تم نے ہمارے بتوں اور ستاروں کی خدائی سے انکار کیا تو وہ تمہیں تباہ کر ڈالیں گے۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ میں ان بے بنیاد دیوتاؤں سے نہیں ڈرتا، بلکہ ڈرنا تمہیں چاہئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے بنیاد دیوتاؤں کو اس کی خدائی میں شریک مان رہے ہو۔ نقصان اگر پہنچا سکتا ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے، کوئی اور نہیں۔ اور جو لوگ اس کی توحید پر ایمان لاتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے امن اور چین عطا فرمایا ہے۔



الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿١٢﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۖ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٣﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١٤﴾ وَذَكَرْنَا وَكَرَّمْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿١٥﴾ وَمِن آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٦﴾ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ مِّن عِبَادِهِ ۖ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبَطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٧﴾

(حقیقت تو یہ ہے کہ) جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کا شائبہ بھی آنے نہیں دیا، (۳۰) امن اور چین تو بس انہی کا حق ہے، اور وہی ہیں جو صحیح راستے پر پہنچ چکے ہیں۔ (۱۲) یہ ہماری وہ کامیاب دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ بیشک تمہارے رب کی حکمت بھی بڑی ہے، علم بھی کامل ہے۔ (۱۳) اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) عطا کیا۔ (ان میں سے) ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی، اور نوح کو ہم نے پہلے ہی ہدایت دی تھی، اور ان کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو بھی۔ اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں (۱۴) اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو (بھی ہدایت عطا فرمائی)۔ یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے (۱۵) نیز اسماعیل، الیسع، یونس اور لوط کو بھی۔ اور ان سب کو ہم نے دنیا جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی (۱۶) اور ان کے باپ دادوں، ان کی اولادوں اور ان کے بھائیوں میں سے بھی بہت سے لوگوں کو۔ ہم نے ان سب کو منتخب کر کے راہِ راست تک پہنچا دیا تھا (۱۷) یہ اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہے جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے راہِ راست تک پہنچا دیتا ہے۔ اور اگر وہ شرک کرنے لگتے تو ان کے سارے (نیک) اعمال اکارت ہو جاتے (۱۸)

(۳۰) ایک صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت میں لفظ ”ظلم“ کی تشریح شرک سے فرمائی ہے، کیونکہ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلمِ عظیم قرار دیا ہے۔



أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ وَالْحُكْمُ وَالنُّبُوَّةُ ۚ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ﴿۸۹﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمْ اقْتَدِهْ ۖ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۹۰﴾ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۖ قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى لِلنَّاسِ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا ۖ وَعِلْمُكُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ ۖ قُلْ اللَّهُ لَا تُشْهِدُهُمْ فِي خَوَافِهِمْ يَلْعَبُونَ ﴿۹۱﴾

وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب، حکمت اور نبوت عطا کی تھی۔ اب اگر یہ (عرب کے) لوگ اس (نبوت) کا انکار کریں تو (کچھ پروا نہ کرو، کیونکہ) اس کے ماننے کے لئے ہم نے ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو اس کے منکر نہیں۔ ﴿۸۹﴾ یہ لوگ (جن کا ذکر اوپر ہوا) وہ تھے جن کو اللہ نے (مخالفین کے رویے پر صبر کرنے کی) ہدایت کی تھی، لہذا (اے پیغمبر!) تم بھی انہی کے راستے پر چلو۔ (مخالفین سے) کہہ دو کہ میں تم سے اس (دعوت) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ یہ تو دنیا جہان کے سب لوگوں کے لئے ایک نصیحت ہے، اور بس ﴿۹۰﴾ اور ان (کافر) لوگوں نے جب یہ کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کچھ نازل نہیں کیا تو انہوں نے اللہ کی صحیح قدر نہیں پہچانی۔ ﴿۹۱﴾ (ان سے) کہو کہ: ”وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جو موسیٰ لے کر آئے تھے، جو لوگوں کے لئے روشنی اور ہدایت تھی، اور جس کو تم نے متفرق کاغذوں کی شکل میں رکھا ہوا ہے، جن (میں سے کچھ) کو تم ظاہر کرتے ہو، اور بہت سے حصے چھپا لیتے ہو، اور (جس کے ذریعے) تم کو ان باتوں کی تعلیم دی گئی تھی جو نہ تم جانتے تھے، نہ تمہارے باپ دادا؟“ (اے پیغمبر! تم خود ہی اس سوال کے جواب میں) اتنا کہہ دو کہ: ”وہ کتاب اللہ نے نازل کی تھی۔“ پھر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ یہ اپنی بے ہودہ گفتگو میں مشغول رہ کر دل لگی کرتے رہیں ﴿۹۱﴾

﴿۸۹﴾ مشرکین عرب نبوت و رسالت ہی کے منکر تھے۔ اُن کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں جو پیغمبر گذرے ہیں اُن کا حوالہ دیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو عرب کے بت پرست بھی مانتے تھے۔ اُن سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر وہ پیغمبر ہو سکتے ہیں، اور ان کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے تو یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ نبوت کوئی چیز نہیں ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول بنا کر بھیجنے میں آخر کوئی اشکال کی بات ہے جبکہ آپ کی نبوت کے دلائل روز روشن کی طرح واضح ہو چکے ہیں۔

﴿۹۰﴾ اس سے صحابہ کرامؓ کی طرف اشارہ ہے۔

﴿۹۱﴾ یہاں سے بعض یہودیوں کی تردید مقصود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہوئے ایک مرتبہ اُن کے ایک سردار مالک بن صیف نے غصے میں آ کر یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اللہ نے کسی انسان پر کچھ نازل نہیں کیا۔

﴿۹۲﴾ یعنی پوری کتاب کو ظاہر کرنے کے بجائے تم نے اسے حصوں میں بانٹ رکھا ہے۔ جو حصے تمہارے مطلب کے مطابق ہوتے ہیں اُن کو تو عام لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیتے ہو، مگر جو حصے تمہارے مفادات کے خلاف ہوتے ہیں، انہیں چھپا لیتے ہو۔



وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا  
وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۵۱﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ  
افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا  
أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا  
أَنْفُسَكُمْ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ  
آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فَرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ  
وَرَأَآءَ ظُهُورِكُمْ ۖ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۖ لَقَدْ  
تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۵۳﴾

اور (اسی طرح) یہ بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے اتاری ہے، پچھلی آسمانی ہدایات کی تصدیق کرنے والی ہے، تاکہ تم اس کے ذریعے بستیوں کے مرکز (یعنی مکہ) اور اس کے ارد گرد کے لوگوں کو خبردار کرو۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اور وہ اپنی نماز کی پوری پوری نگہداشت کرتے ہیں ﴿۵۱﴾ اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی نازل کی گئی ہے، حالانکہ اُس پر کوئی وحی نازل نہ کی گئی ہو، اور اسی طرح وہ جو یہ کہے کہ میں بھی ویسا ہی کلام نازل کر دوں گا جیسا اللہ نے نازل کیا ہے؟ اور اگر تم وہ وقت دیکھو (تو بڑا ہولناک منظر نظر آئے) جب ظالم لوگ موت کی تختیوں میں گرفتار ہوں گے، اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے، (کہہ رہے ہوں گے کہ) ”اپنی جانیں نکالو، آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا، اس لئے کہ تم جھوٹی باتیں اللہ کے ذمے لگاتے تھے، اور اس لئے کہ تم اُس کی نشانیوں کے خلاف تکبر کا رویہ اختیار کرتے تھے ﴿۵۲﴾ (پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ:) ”تم ہمارے پاس اسی طرح تنہا آ گئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور جو کچھ ہم نے تمہیں بخشا تھا وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور ہمیں تو تمہارے وہ سفارشی کہیں نظر نہیں آ رہے جن کے بارے میں تمہارا دعویٰ تھا کہ وہ تمہارے معاملات طے کرنے میں (ہمارے ساتھ) شریک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ساتھ تمہارے سارے تعلقات ٹوٹ چکے ہیں، اور جن (دیوتاؤں) کے بارے میں تمہیں بڑا زعم تھا، وہ سب تم سے گم ہو کر رہ گئے ہیں۔“ ﴿۵۳﴾



إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَى ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمْ  
 اللَّهُ فَالِقُ تُوَفُّكَوْنَ ﴿۳۵﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ  
 تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۳۶﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْ  
 بَحْرِ ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۳۷﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ  
 فَمُسْتَقَرٍّ وَمُسْتَوْدَعٍ ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿۳۸﴾

بیشک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ وہ جاندار چیزوں کو بے جان چیزوں سے نکال لاتا ہے، اور وہی بے جان چیزوں کو جاندار چیزوں سے نکالنے والا ہے۔ (۳۵) لوگو! وہ ہے اللہ! پھر کوئی تمہیں بہکا کر کس اوندھی طرف لئے جا رہا ہے؟ (۳۶) وہی ہے جس کے حکم سے صبح کو پو پھٹتی ہے، اور اُسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے، اور سورج اور چاند کو ایک حساب کا پابند! یہ سب کچھ اُس ذات کی منصوبہ بندی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، علم بھی کامل (۳۷) اور اُسی نے تمہارے لئے ستارے بنائے ہیں، تاکہ تم اُن کے ذریعے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستے معلوم کر سکو۔ ہم نے ساری نشانیاں ایک ایک کر کے کھول دی ہیں، (مگر) اُن لوگوں کے لئے جو علم سے کام لیں (۳۸) وہی ہے جس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر ہر شخص کا ایک مستقر ہے، اور ایک امانت رکھنے کی جگہ۔ ہم نے ساری نشانیاں ایک ایک کر کے کھول دی ہیں، (مگر) اُن لوگوں کے لئے جو سمجھ سے کام لیں (۳۹)

(۳۵) بے جان سے جاندار کو نکالنے کی مثال یہ ہے کہ انڈے سے مرغی نکل آتی ہے، اور جاندار سے بے جان کے نکلنے کی مثال جیسے مرغی سے انڈا۔

(۳۶) اس ترجمے میں دو باتیں قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ بظاہر قرآن کریم میں ”لوگو!“ کا لفظ نظر نہیں آ رہا، لیکن درحقیقت یہ ”ذَٰلِکُمْ“ میں جمع مخاطب کی ضمیر کا ترجمہ ہے۔ عربی کے قاعدے سے یہ جمع کی ضمیر مشار الیہ کی جمع نہیں ہوتی، بلکہ مخاطب کی جمع ہوتی ہے۔ دوسرے ”کوئی تمہیں بہکا کر اوندھی طرف لئے جا رہا ہے“ اس ترجمے میں ”تُوَفُّكَوْنَ“ کے صیغہ مجہول کی رعایت کی گئی ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ ان کی خواہشات ہیں جو انہیں گمراہ کر رہی ہیں۔

(۳۷) مستقر اُس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی شخص باقاعدہ اپنا ٹھکانا بنا لے۔ اس کے برعکس امانت رکھنے کی جگہ پر قیام عارضی قسم کا ہوتا ہے، اس لئے وہاں رہائش کا باقاعدہ انتظام نہیں کیا جاتا۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس آیت کی تفسیر مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی یہ تفسیر منقول ہے کہ مستقر سے مراد دنیا ہے جہاں انسان باقاعدہ اپنی رہائش کا ٹھکانا بنا لیتا ہے، اور امانت رکھنے کی جگہ سے مراد قبر ہے جس میں انسان کو مرنے کے بعد عارضی طور سے رکھا جاتا ہے۔ پھر وہاں سے اسے آخرت میں جنت یا جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ البتہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے ان لفظوں کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ مستقر سے مراد ماں کا پیٹ ہے جس میں بچہ مہینوں ٹھہرا رہتا ہے، اور امانت رکھنے کی جگہ سے مراد باپ کی صلب ہے جس میں نطفہ عارضی طور سے رہتا ہے، پھر ماں کے رحم میں منتقل ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس کے برعکس مستقر شوہر کی صلب کو قرار دیا ہے، اور امانت رکھنے کی جگہ ماں کے رحم کو، کیونکہ بچہ وہاں عارضی طور پر رہتا ہے (روح المعانی)۔



وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا  
 نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنَ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ  
 وَالزَّيْتُونِ وَالرُّمَّانِ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۚ انْظُرُوا إِلَىٰ شَرِيعَةٍ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ ۚ إِنَّ فِي  
 ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۳۹﴾ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ  
 بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۴۰﴾

اور اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اُس کے ذریعے ہر قسم کی کونپلیں اُگائیں۔ ان (کونپلوں) سے ہم نے سبزیاں پیدا کیں جن سے ہم تمہارے برتہ دانے نکالتے ہیں، اور کھجور کے گابھوں سے پھلوں کے وہ گچھے نکلتے ہیں جو (پھل کے بوجھ سے) جھکے جاتے ہیں، اور ہم نے انگوروں کے باغ اُگائے، اور زیتون اور انار! جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں، اور ایک دوسرے سے مختلف بھی۔ جب یہ درخت پھل دیتے ہیں تو ان کے پھلوں اور اُن کے پکنے کی کیفیت کو غور سے دیکھو۔ لوگو! ان سب چیزوں میں بڑی نشانیاں ہیں، (مگر) اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں ﴿۳۹﴾ اور لوگوں نے جنات کو اللہ کے ساتھ خدائی میں شریک قرار دے لیا، — حالانکہ اللہ نے ہی اُن کو پیدا کیا ہے — اور سمجھ بوجھ کے بغیر اُس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تراش لیں، حالانکہ اللہ کے بارے میں جو باتیں یہ بناتے ہیں، وہ اُن سب سے پاک اور بالا و برتر ہے۔ ﴿۴۰﴾

(۳۸) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بعض پھل دیکھنے میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں، اور بعض صورت اور ذائقے میں ایک دوسرے سے مختلف بھی ہوتے ہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ جو پھل دیکھنے میں ملتے جلتے نظر آتے ہیں، ان کی خصوصیات ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہیں۔

(۳۹) جنات سے مراد شیطان ہیں، اور یہ اُن لوگوں کے باطل عقیدے کی طرف اشارہ ہے جو یہ کہتے تھے کہ تمام مفید مخلوقات تو اللہ نے پیدا کی ہیں، مگر درندے، سانپ، بچھو اور دوسرے موذی جانور، بلکہ تمام بُری چیزیں شیطان نے پیدا کی ہیں، اور وہی اُن کا خالق ہے۔ ان لوگوں نے بظاہر ان بُری چیزوں کی تخلیق کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے سے پرہیز کیا، لیکن اتنا نہ سمجھ سکے کہ شیطان خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، اور وہ سب سے بُری مخلوق ہے۔ اگر بُری چیزیں شیطان کی پیدا کی ہوئی ہیں تو خود اُس بُری مخلوق کو کس نے پیدا کیا؟ اس کے علاوہ جو چیزیں ہمیں بُری نظر آتی ہیں، اُن کی تخلیق میں بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں، اور اُن کی تخلیق کو بُرا فعل نہیں کہا جاسکتا، بقول اقبال مرحوم:

نہیں ہے چیزِ نکمے کوئی زمانے میں

کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

(۴۰) عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا تھا، اور عرب کے مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔



بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنۡیَ یَّکُوۡنُ لَهٗ وَلَدٌۭ وَلَمۡ یَّکُنۡ لَّهٗ صَاحِبَةً ؕ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ ؕ وَهُوَ  
 بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیۡمٌ ۝۱۰۱ ذٰلِکُمۡ اللّٰهُ رَبُّکُمۡ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاَعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰی  
 کُلِّ شَیْءٍ وَکِیۡلٌ ۝۱۰۲ لَا تُدْرِکُهٗ الْاَبْصَارُ ۚ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللّٰطِیۡفُ  
 الْخَبِیۡرُ ۝۱۰۳ قَدْ جَآءَکُمۡ بِصَآئِرٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ فَمَنۡ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ؕ وَمَنۡ عَمِیۡ فَعَلِیْهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا  
 عَلَیْکُمۡ بِحَفِیۡظٍ ۝۱۰۴ وَکَذٰلِکَ نَصَرِفُ الْاٰیٰتِ وَلِیَقُوۡلُوۡا اِذَا رَاۡسَتْ وَلِنَبِّیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوۡنَ ۝۱۰۵

وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اُس کا کوئی بیٹا کہاں ہو سکتا ہے، جبکہ اُس کی کوئی بیوی نہیں؟ اُسی نے ہر چیز پیدا کی ہے، اور وہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھتا ہے ۝۱۰۱ لوگو! وہ ہے اللہ جو تمہارا پالنے والا ہے! اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ لہذا اُس کی عبادت کرو۔ وہ ہر چیز کی نگرانی کرنے والا ہے ۝۱۰۲ نگاہیں اُس کو نہیں پاسکتیں، اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے۔ اُس کی ذات اتنی ہی لطیف ہے، اور وہ اتنا ہی باخبر ہے۔ ۝۱۰۳ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو کہ:) ”تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے بصیرت کے سامان پہنچ چکے ہیں۔ اب جو شخص آنکھیں کھول کر دیکھے گا، وہ اپنا ہی بھلا کرے گا، اور جو شخص اندھا بن جائے گا، وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور مجھے تمہاری حفاظت کی ذمہ داری نہیں سونپی گئی ہے۔“ ۝۱۰۴ اسی طرح ہم آیتیں مختلف طریقوں سے بار بار واضح کرتے ہیں، (تاکہ تم انہیں لوگوں تک پہنچا دو) اور بالآخر یہ لوگ تو یوں کہیں کہ: ”تم نے کسی سے سیکھا ہے۔“ اور جو لوگ علم سے کام لیتے ہیں، اُن کے لئے ہم حق کو آشکار کر دیں ۝۱۰۵

(۳۱) یعنی اُس کی ذات اتنی لطیف ہے کہ کوئی نگاہ اس کو نہیں پاسکتی، اور وہ اتنا باخبر ہے کہ ہر نگاہ کو پالیتا ہے، اور اس کے تمام حالات سے خوب واقف ہے۔ اس جملے کی یہ تفسیر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مفسرین سے نقل کی ہے، اور سیاق و سباق کے لحاظ سے نہایت مناسب ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ لطافت بھی عام بول چال میں جسم ہی کی صفت ہوتی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے، لیکن لطافت کا اعلیٰ ترین درجہ وہ ہے جو جسمیت کے ہر شائبہ سے ماورا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو لطیف اسی معنی میں کہا گیا ہے۔

(۳۲) یعنی مجھ پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو زبردستی مسلمان کر کے کفر کے نقصان سے بچاؤں۔ میرا کام سمجھا دینا ہے۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔

(۳۳) ہٹ دھرم قسم کے کافروں کو بھی یہ کہتے ہوئے تو شرم آتی تھی کہ یہ کلام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھڑ لیا ہے، کیونکہ وہ آپ کے اُسلوب سے اچھی طرح واقف تھے، اور یہ بھی جانتے تھے کہ آپ اُمی ہیں، اور کسی کتاب سے خود پڑھ کر یہ کلام نہیں بنا سکتے، لہذا وہ قرآن کریم کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام کسی سے سیکھا ہے، اور اسے اللہ



اتَّبِعْ مَا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٢٣٠﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا ۚ وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا ۚ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿٢٣١﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ

(اے پیغمبر!) تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے جو وحی بھیجی گئی ہے، تم اسی کی پیروی کرو، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور جو لوگ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں، اُن سے بے پروا ہو جاؤ ﴿۲۳۰﴾ اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے۔ ہم نے نہ تمہیں ان کی حفاظت پر مقرر کیا ہے، اور نہ تم ان کے کاموں کے ذمہ دار ہو۔ ﴿۲۳۱﴾ (مسلمانو!) جن (جھوٹے معبودوں) کو یہ لوگ اللہ کے بجائے پکارتے ہیں، تم اُن کو بُرا نہ کہو، جس کے نتیجے میں یہ لوگ جہالت کے عالم میں حد سے آگے بڑھ کر اللہ کو بُرا کہنے لگیں۔ ﴿۲۳۱﴾

کا کلام قرار دے کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ لیکن کس سے سیکھا ہے؟ وہ بھی نہیں بتا سکتے تھے۔ کبھی کبھی وہ ایک لو بار کا نام لیتے تھے جس کی تردید سورہ نحل میں آنے والی ہے۔

(۲۳۰) پیچھے آیت نمبر ۳۵ میں بھی یہ مضمون آچکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو سارے انسانوں کو زبردستی ایک ہی دین کا پابند بنا دیتا، لیکن درحقیقت انسان کو دنیا میں بھیجنے کا بنیادی مقصد امتحان ہے، اور اس امتحان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان زور زبردستی سے نہیں، بلکہ خود اپنی سمجھ سے کام لے کر ان دلائل پر غور کرے جو پوری کائنات میں بکھرے پڑے ہیں، اور پھر اپنی مرضی سے توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لائے۔ انبیائے کرام ان دلائل کی طرف متوجہ کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں، اور آسمانی کتابیں اس امتحان کو آسان کرنے کے لئے نازل کی جاتی ہیں، مگر ان سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے دل میں حق کی طلب ہو۔

(۲۳۱) چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے طرز عمل پر مغموم رہتے تھے، اس لئے آپ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ اپنا فرض ادا کر چکے ہیں۔ ان لوگوں کے اعمال کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔

(۲۳۲) اگرچہ جن دیوتاؤں کو کافر و مشرک لوگ خدائانتے ہیں، ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے، لیکن اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ کافروں کے سامنے اُن کے لئے نازیبا الفاظ استعمال نہ کیا کریں۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کافر لوگ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کر سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو اس کا سبب تم بنو گے، اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی شان میں خود گستاخی کرنا حرام ہے، اسی طرح اس کا سبب بننا بھی ناجائز ہے۔ اس آیت سے فقہائے کرام نے یہ اصول نکالا ہے کہ اگر کوئی کام بذات خود ناجائز یا مستحب ہو، لیکن اندیشہ ہو کہ اس کے نتیجے میں کوئی دوسرا شخص گناہ کا ارتکاب کرے گا تو ایسی صورت میں وہ ناجائز یا مستحب کام چھوڑ دینا چاہئے۔ تاہم اس اصول کے تحت کوئی ایسا کام چھوڑنا جائز نہیں ہے جو فرض یا واجب ہو۔ مزید تفصیل کے لئے اس آیت کے تحت تفسیر ”معارف القرآن“ کی طرف رجوع فرمائیں۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اہل عرب اگرچہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے، اور اصل میں تو وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کو ناجائز نہیں سمجھتے تھے، لیکن ضد میں آکر ان سے ایسی حرکت سرزد ہو جانا کچھ بعید نہیں تھا، چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کہی تھی کہ اگر آپ ہمارے بتوں کو بُرا کہو گے تو ہم آپ کے رب کو بُرا کہیں گے۔



كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٨﴾ وَأَقْسَمُوا  
بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَنَبْعَثَنَّ بِهَا آيَةً يُؤْمِنُونَ بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْآيَةُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ  
أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٩﴾ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَ  
نَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١٠﴾ وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْبَشَرَ لَوَسَّخْنَا  
عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قَبْلًا مَّا كَانُوا لِلْيَوْمِ مُؤْمِنِينَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿١١١﴾

(اس دُنیا میں تو) ہم نے اسی طرح ہر گروہ کے عمل کو اُس کی نظر میں خوشنما بنا رکھا ہے۔ پھر ان سب کو اپنے پروردگار ہی کے پاس لوٹنا ہے۔ اُس وقت وہ انہیں بتائے گا کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے۔ ﴿۱۰۸﴾ اور ان لوگوں نے بڑی زوردار قسمیں کھائی ہیں کہ اگر ان کے پاس واقعی کوئی نشانی (یعنی ان کا مطلوب معجزہ) آگئی تو یہ یقیناً ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ (ان سے) کہو کہ: ”ساری نشانیاں اللہ کے قبضے میں ہیں۔“ اور (مسلمانو!) تمہیں کیا پتہ کہ اگر وہ (معجزے) آ بھی گئے، تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۱۰۹﴾ جس طرح یہ لوگ پہلی بار (قرآن جیسے معجزے پر) ایمان نہیں لائے، ہم بھی (ان کی ضد کی پاداش میں) ان کے دلوں اور نگاہوں کا رخ پھیر دیتے ہیں، اور ان کو اس حالت میں چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں ﴿۱۱۰﴾ اور اگر بالفرض ہم ان کے پاس فرشتے بھیج دیتے، اور مردے ان سے باتیں کرنے لگتے، اور (ان کی مانگی ہوئی) ہر چیز ہم کھلی آنکھوں ان کے سامنے لا کر رکھ دیتے، تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے، الا یہ کہ اللہ ہی چاہتا (کہ انہیں زبردستی ایمان پر مجبور کر دے تو بات دوسری تھی، مگر ایسا ایمان نہ مطلوب ہے نہ معتبر۔) لیکن ان میں سے اکثر لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔ ﴿۱۱۱﴾

(۳۷) یہ درحقیقت ایک ممکن سوال کا جواب ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر کافر لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں تو ان کو دُنیا ہی میں سزا کیوں نہیں دے دی جاتی۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ دُنیا میں تو ان لوگوں کی ضد کی وجہ سے ہم نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ رکھا ہے کہ یہ اپنے طرزِ عمل کو بہت اچھا سمجھ رہے ہیں۔ لیکن آخر کار ان سب کو ہمارے پاس لوٹنا ہے۔ اُس وقت انہیں پتہ چل جائے گا کہ جو کچھ وہ کر رہے تھے، اس کی حقیقت کیا تھی۔

(۳۸) تشریح کے لئے اسی سورت کی آیت نمبر ۳۵ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

(۳۹) یہ وہ باتیں ہیں جن کی وہ فرمائش کیا کرتے تھے۔ سورۃ فرقان (آیت نمبر ۲۱) میں ان کا یہ مطالبہ مذکور ہے کہ ہمارے اوپر فرشتے کیوں نازل نہیں کئے گئے؟ اور سورۃ دخان (آیت نمبر ۳۶) میں یہ مطالبہ کہ ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے ہمارے سامنے لاؤ۔

(۵۰) یعنی حقیقت تو یہ ہے کہ تمام معجزات دیکھ کر بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ پھر بھی جو مطالبات کر رہے ہیں، وہ محض جہالت پر مبنی ہیں۔



وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِئِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرَفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ۖ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١١٢﴾ وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُونَ ﴿١١٣﴾ أَفَعَيَّرَ اللَّهُ ابْتِغَىٰ حَكْمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۖ وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُسْتَرِينَ ﴿١١٤﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١١٥﴾ وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿١١٦﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَن يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١١٧﴾

اور (جس طرح یہ لوگ ہمارے نبی سے دشمنی کر رہے ہیں) اسی طرح ہم نے ہر (پچھلے) نبی کے لئے کوئی نہ کوئی دشمن پیدا کیا تھا، یعنی انسانوں اور جنات میں سے شیطان قسم کے لوگ، جو دھوکا دینے کی خاطر ایک دوسرے کو بڑی چکنی چڑی باتیں سکھاتے رہتے تھے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کر سکتے۔ <sup>(۵۱)</sup> لہذا ان کو اپنی افترا پرداز یوں میں پڑا رہنے دو ﴿۱۱۲﴾ اور (وہ انبیاء کے دشمن چکنی چڑی باتیں اس لئے بناتے تھے) تاکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اُن کے دل ان باتوں کی طرف خوب مائل ہو جائیں، اور وہ ان میں لگن رہیں، اور ساری وہ حرکتیں کریں جو وہ کرنے والے تھے۔ ﴿۱۱۳﴾ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو کہ:)" کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو فیصل بناؤں، حالانکہ اُسی نے تمہاری طرف یہ کتاب نازل کر کے بھیجی ہے جس میں سارے (متنازعہ) معاملات کی تفصیل موجود ہے؟" اور جن لوگوں کو ہم نے پہلے کتاب دی تھی وہ یقین سے جانتے ہیں کہ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق لے کر نازل ہوئی ہے۔ لہذا تم شک کرنے والوں میں ہرگز شامل نہ ہونا ﴿۱۱۴﴾ اور تمہارے رب کا کلام سچائی اور انصاف میں کامل ہے۔ اُس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ وہ ہر بات سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے ﴿۱۱۵﴾ اور اگر تم زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کے پیچھے چلو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر ڈالیں گے۔ وہ تو وہم و گمان کے سوا کسی چیز کے پیچھے نہیں چلتے، اور اُن کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ خیالی اندازے لگاتے رہیں ﴿۱۱۶﴾ یقین رکھو کہ تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون اپنے راستے سے بھٹک رہا ہے، اور وہی ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو صحیح راستے پر ہیں۔ ﴿۱۱۷﴾

(۵۱) یہاں پھر وہی بات فرمائی جا رہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو شیاطین کو یہ قدرت نہ دیتا، اور لوگوں کو زبردستی ایمان پر مجبور کر دیتا، لیکن چونکہ مقصد امتحان ہے، اس لئے زبردستی کا ایمان معتبر نہیں۔



فَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٩﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَاءِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿١٢٠﴾

چنانچہ ہر اُس (حلال) جانور میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اگر تم واقعی اُس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو۔ ﴿۱۱۹﴾ اور تمہارے لئے کوئی رُکاوٹ ہے جس کی بنا پر تم اُس جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو؟ حالانکہ اُس نے وہ چیزیں تمہیں تفصیل سے بتادی ہیں جو اُس نے تمہارے لئے (عام حالات میں) حرام قرار دی ہیں، البتہ جن کو کھانے پر تم بالکل مجبور ہی ہو جاؤ، (تو ان حرام چیزوں کی بھی بقدر ضرورت اجازت ہو جاتی ہے) اور بہت سے لوگ کسی علم کی بنیاد پر نہیں، (بلکہ صرف) اپنی خواہشات کی بنیاد پر دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ بلاشبہ تمہارا رب حد سے گزرنے والوں کو خوب جانتا ہے ﴿۱۲۰﴾

﴿۵۲﴾ پیچھے اُن لوگوں کا ذکر تھا جو محض خیالی اندازوں پر اپنے دین کی بنیاد رکھے ہوئے ہیں۔ اُن کی اس گمراہی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے، اُس کو یہ حرام کہتے تھے، اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کہا ہے، اُسے یہ حلال سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کچھ کافروں نے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا کہ جس جانور کو اللہ تعالیٰ قتل کرے، یعنی وہ اپنی طبعی موت مر جائے، اُس کو تو تم مردار قرار دے کر حرام سمجھتے ہو، اور جس جانور کو تم خود اپنے ہاتھوں سے قتل کرتے ہو، اُس کو حلال قرار دیتے ہو۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حلال و حرام کا فیصلہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ اُس نے واضح فرمادیا ہے کہ جس جانور پر اللہ کا نام لے کر اُسے ذبح کیا جائے وہ حلال ہوتا ہے، اور جو ذبح کئے بغیر مر جائے یا جسے ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ حرام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے بعد اپنے من گھڑت خیالات کی بنا پر حلال و حرام کا فیصلہ کرنا ایسے شخص کا کام نہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان رکھتا ہو۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ کفار کی مذکورہ اعتراض کے جواب میں یہ مصلحت بھی بتائی جاسکتی تھی کہ جس جانور کو باقاعدہ ذبح کیا جاتا ہے اُس کا خون اچھی طرح بہہ جاتا ہے، اس کے برخلاف جو جانور خود مر جاتا ہے، اُس کا خون جسم ہی میں رہ جاتا ہے جس سے پورا گوشت خراب ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت بیان فرمانے کے بجائے یہ کہنے پر اکتفا فرمایا کہ جو چیزیں حرام ہیں وہ اللہ نے خود بیان فرمادی ہیں، لہذا اُس کے احکام کے مقابلے میں خیالی گھوڑے دوڑانا مؤمن کا کام نہیں۔ اس طرح یہ واضح فرمادیا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں یقیناً مصلحتیں ہوتی ہیں، لیکن مسلمان کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی اطاعت کو ان مصلحتوں کے سمجھنے پر موقوف رکھے۔ اُس کا فریضہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم آجائے تو بے چون و چرا اُس کی تعمیل کرے، چاہے اس کی مصلحت اس کی سمجھ میں آرہی ہو یا نہ آرہی ہو۔



وَذُرُوا ظَاهِرَ الْأَثَمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْأَثَمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ يَدًا كَرِهَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۖ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَيُؤْخِذُ إِلَىٰ أُولِيهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۚ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿۵۱﴾ أَوْ مَنْ كَانَ مَبْتَاعًا حَبِيبُهُ وَجَعَلْنَاهُ نُورًا يَبْشِرُ بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۵۲﴾

اور تم ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہ چھوڑ دو۔ یہ یقینی بات ہے کہ جو لوگ گناہ کماتے ہیں، انہیں ان تمام جرائم کی جلد ہی سزا ملے گی جن کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے۔ ﴿۵۰﴾ اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اُس میں سے مت کھاؤ، اور ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔ (مسلمانو!) شیاطین اپنے دوستوں کو اور غلاتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں۔ اور اگر تم نے ان کی بات مان لی تو تم یقیناً مشرک ہو جاؤ گے۔ ﴿۵۱﴾

ذرا بتاؤ کہ جو شخص مردہ ہو، پھر ہم نے اُسے زندگی دی ہو، اور اُس کو ایک روشنی مہیا کر دی ہو جس کے سہارے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہو، کیا وہ اُس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہو کہ وہ اندھیروں میں گھرا ہوا ہو جن سے کبھی نکل نہ پائے؟ اسی طرح کافروں کو یہ بھٹا دیا گیا ہے کہ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں، وہ بڑا خوشنما کام ہے۔ ﴿۵۲﴾

(۵۳) ظاہری گناہوں میں وہ گناہ داخل ہیں جو انسان اپنے ظاہری اعضاء سے کرے، مثلاً جھوٹ، غیبت، دھوکا، رشوت، شراب نوشی، زنا وغیرہ۔ اور باطنی گناہوں سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا تعلق دل سے ہوتا ہے، مثلاً حسد، ریاکاری، تکبر، بغض، دوسروں کی بدخواہی وغیرہ۔ پہلی قسم کے گناہوں کا بیان فقہ کی کتابوں میں ہوتا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت فقہاء سے حاصل کی جاتی ہے، اور دوسری قسم کے گناہوں کا بیان تصوف اور احسان کی کتابوں میں ہوتا ہے، اور ان کی تعلیم و تربیت کے لئے مشائخ سے رجوع کیا جاتا ہے۔ تصوف کی اصل حقیقت یہی ہے کہ باطن کے ان گناہوں سے بچنے کے لئے کسی رہنما سے رجوع کیا جائے۔ افسوس ہے کہ تصوف کی اس حقیقت کو بھلا کر بہت سے لوگوں نے بدعات و خرافات کا نام تصوف رکھ لیا ہے۔ اس حقیقت کو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بہت سی کتابوں میں خوب واضح فرمایا ہے۔ آسان طریقے سے اس کو سمجھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”دل کی دنیا“۔

(۵۴) یہاں روشنی سے مراد اسلام کی روشنی ہے۔ اور ”لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہو“ فرما کر اشارہ اس طرف کر دیا گیا ہے کہ اسلام کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ انسان مذہبی عبادات کو لے کر دنیا سے ایک طرف ہو کر بیٹھ جائے، اور لوگوں سے میل جول چھوڑ دے، بلکہ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ عام انسانوں کے درمیان رہے، اُن سے ضروری معاملات کرے، اُن کے حقوق ادا کرے، لیکن جہاں بھی جائے، اسلام کی روشنی ساتھ لے کر جائے، یعنی یہ سارے معاملات اسلامی احکام کے تحت انجام دے۔



وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ اَكْبَرُ مُجْرِمِيْهَا لِيُكْرَهُوا فِيْهَا وَمَا يَكْفُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَاِذَا جَاءَتْهُمْ اٰيَةُ قَالُوْا اِنْ نُّوْمِنُ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَا اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕ ۝۲۴ اللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ؕ سَيُصِيبُ الَّذِيْنَ اَجْرُ مُوٰصِعَا۟رُ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٢٥﴾ فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّهْدِيَ يَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ؕ وَمَنْ يُرِدْ اَنْ يُضِلّْهُ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَانْتَبَاصَ۟عِدُ۟ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٦﴾

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے مجرموں کے سرغنوں کو یہ موقع دیا ہے کہ وہ اُس (بستی) میں (مسلمانوں کے خلاف) سازشیں کیا کریں۔ اور وہ جو سازشیں کرتے ہیں، (درحقیقت) وہ کسی اور کے نہیں، بلکہ خود اُن کے اپنے خلاف پڑتی ہیں، جبکہ اُن کو اس کا احساس نہیں ہوتا۔ اور جب اُن (اہل مکہ) کے پاس (قرآن کی) کوئی آیت آتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ: ”ہم اُس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ اُس جیسی چیز خود ہمیں نہ دے دی جائے جیسی اللہ کے پیغمبروں کو دی گئی تھی۔“ (حالانکہ) اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کس کو سپرد کرے۔ جن لوگوں نے (اس قسم کی) مجرمانہ باتیں کی ہیں اُن کو اپنی مکاریوں کے بدلے میں اللہ کے پاس جا کر ذلت اور سخت عذاب کا سامنا ہوگا۔

غرض جس شخص کو اللہ ہدایت تک پہنچانے کا ارادہ کر لے، اُس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے، اور جس کو (اُس کی ضد کی وجہ سے) گمراہ کرنے کا ارادہ کر لے، اُس کے سینے کو تنگ اور اتنا زیادہ تنگ کر دیتا ہے کہ (اُسے ایمان لانا ایسا مشکل معلوم ہوتا ہے) جیسے اُسے زبردستی آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہو۔ اسی طرح اللہ (کفر کی) گندگی اُن لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

(۵۵) یہ مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کافر لوگ اُن کے خلاف جو سازشیں کر رہے ہیں، اُن سے گھبرائیں نہیں۔ اس قسم کی سازشیں ہر دور میں انبیائے کرام اور اُن کے ماننے والوں کے خلاف ہوتی رہی ہیں، لیکن بالآخر انجام اہل ایمان ہی کا بہتر ہوتا ہے، اور دشمنوں کی سازشیں آخر کار خود انہی کو نقصان پہنچاتی ہیں، کبھی تو اسی دنیا میں ان کا یہ نقصان ظاہر ہو جاتا ہے، اور کبھی دنیا میں ظاہر نہیں ہوتا، لیکن آخرت میں ان کو پتہ چل جائے گا کہ انہوں نے خود اپنے حق میں کانٹے بوئے تھے۔

(۵۶) یعنی جب تک خود ہم پرویسی وحی نازل نہیں ہوگی جیسی انبیائے کرام پر نازل ہوتی رہی ہے، اور ویسے معجزات ہمیں نہیں دیئے جائیں گے جیسے اُن کو دیئے گئے تھے، اُس وقت تک ہم ایمان نہیں لائیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اُن کا مطالبہ یہ تھا کہ ہم میں سے ہر شخص کو پوری پیغمبری ملنی چاہئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ پیغمبری کس کو عطا کی جائے۔



وَهَذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ۖ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿٣٦﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ  
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٧﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ جَمِيعًا لِبَعْثِ الْجَنِّ قَدْ  
اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ ۚ وَقَالَ أَوْلِيُوهُمْ مِّنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمِعْ بَعْضًا مِّنْ بَعْضٍ  
وَبَلَّغْنَا آجَلَنَا الَّذِي أَجَلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ  
رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٣٨﴾

اور یہ (اسلام) تمہارے پروردگار کا (بتایا ہوا) سیدھا سیدھا راستہ ہے۔ جو لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں، اُن کے لئے ہم نے (اس راستے کی) نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں ﴿۳۶﴾ اُن کے پروردگار کے پاس سکھ چین کا گھر ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے، اور جو عمل وہ کرتے رہے ہیں، اُن کی وجہ سے وہ خود اُن کا رکھوالا ہے۔ ﴿۳۷﴾ اور (اُس دن کا دھیان رکھو) جس دن اللہ ان سب کو گھیر کر اکٹھا کرے گا، اور (شیاطین جنات سے کہے گا کہ: ”اے جنات کے گروہ! تم نے انسانوں کو بہت بڑھ چڑھ کر گمراہ کیا۔“ اور انسانوں میں سے جو اُن کے دوست ہوں گے، وہ کہیں گے: ”اے ہمارے پروردگار! ہم ایک دوسرے سے خوب مزے لیتے رہے ہیں، اور اب اپنی اُس میعاد کو پہنچ گئے ہیں جو آپ نے ہمارے لئے مقرر کی تھی۔“ اللہ کہے گا: ”(اب) آگ تم سب کا ٹھکانا ہے، جس میں تم ہمیشہ رہو گے، الا یہ کہ اللہ کچھ اور چاہے۔ یقین رکھو کہ تمہارے پروردگار کی حکمت بھی کامل ہے، علم بھی کامل۔ ﴿۳۸﴾

(۵۷) انسان تو شیطانوں سے یہ مزے لیتے رہے کہ ان کے بہکائے میں آ کر اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کی، اور وہ گناہ کئے جن سے ظاہری طور پر لذت حاصل ہوتی تھی۔ اور شیطان انسانوں سے یہ مزے لیتے رہے کہ انہیں گمراہ کر کے خوش ہوئے کہ یہ لوگ خوب اچھی طرح ہمارے قابو میں آ گئے ہیں۔ دراصل وہ یہ کہہ کر اپنی غلطی کا اعتراف کر رہے ہوں گے، اور غالباً آگے معافی بھی مانگنا چاہتے ہوں گے، لیکن یا تو اس سے آگے کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں ہوگا، یا چونکہ معافی کا وقت گزر چکا ہوگا، اس لئے اللہ تعالیٰ اُن کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی یہ فرمائیں گے کہ اب معافی تلافی کا وقت گزر چکا، اب تو تمہیں جہنم کی سزا بھگتنی ہی ہوگی۔

(۵۸) اس کا ٹھیک ٹھیک مطلب تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، لیکن بظاہر استثناء کے اس جملے سے دو حقیقتوں کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ ایک یہ کہ کافروں کے عذاب و ثواب کا فیصلہ کسی سفارش یا اثر و رسوخ کی وجہ سے تبدیل نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کا تمام تر فیصلہ خود اللہ تعالیٰ کی مشیت کی بنیاد پر ہوگا، اور یہ مشیت اس کی حکمت اور علم کے مطابق ہوگی جس کا ذکر اگلے جملے میں ہے۔ دوسری حقیقت جو اس استثناء سے ظاہر فرمائی گئی ہے یہ ہے کہ کافروں کو ہمیشہ جہنم میں رکھنا (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی کوئی مجبوری نہیں ہے، لہذا اگر بالفرض اُس کی مشیت یہ ہو جائے کہ کسی کو باہر نکال لیا جائے تو یہ عقلی اعتبار سے ناممکن نہیں ہے، کیونکہ اُس کی اس مشیت کے خلاف کوئی اُسے مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ اُس کی مشیت اُس کے علم اور حکمت کے مطابق یہی ہو کہ کافر ہمیشہ جہنم میں رہیں۔



وَكَذَلِكَ نُؤَيِّنُ بِعُضِّ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٢٩﴾ لِيَعْشَرَ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمُ الْآيَاتِ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۖ قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿١٣٠﴾ ذَٰلِكَ أَنْ لَّمْ يَكُنْ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ ۖ وَأَهْلُهَا غَفْلُونَ ﴿١٣١﴾

اور اسی طرح ہم ظالموں کو اُن کے کمائے ہوئے اعمال کی وجہ سے ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں۔ (۱۲۹) اے جنات اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس خود تم میں سے وہ پیغمبر نہیں آئے تھے جو تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سناتے تھے، اور تم کو اسی دن کا سامنا کرنے سے خبردار کرتے تھے جو آج تمہارے سامنے ہے؟“ وہ کہیں گے: ”(آج) ہم نے خود اپنے خلاف گواہی دے دی ہے (کہ واقعی ہمارے پاس پیغمبر آئے تھے، اور ہم نے انہیں جھٹلایا تھا)“ اور (درحقیقت) ان کو دُنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا، اور (اب) انہوں نے خود اپنے خلاف گواہی دے دی کہ وہ کافر تھے۔ (۱۳۰) یہ (پیغمبر بھیجنے کا) سارا سلسلہ اس لئے تھا کہ تمہارے پروردگار کو یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ بستیوں کو کسی زیادتی کی وجہ سے اس حالت میں ہلاک کر دے کہ اُس کے لوگ بے خبر ہوں۔ (۱۳۱)

(۵۹) یعنی جس طرح ان کافروں پر اُن کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے شیاطین کو مسلط کر دیا گیا جو انہیں بہکاتے رہے، اسی طرح ہم ظالموں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اُن پر دوسرے ظالموں کو مسلط کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب کسی ملک کے لوگ بد اعمالیوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو اُن پر ظالم حکمران مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص کسی ظالم کے ظلم میں اُس کی مدد کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ خود اسی ظالم کو مدد کرنے والے پر مسلط کر دیتا ہے (ابن کثیر)۔ اس آیت کا ایک اور ترجمہ بھی ممکن ہے، اور وہ یہ کہ: ”اسی طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے کا ساتھی بنادیں گے۔“ اُس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ شیاطین بھی ظالم تھے، اور ان کے پیچھے چلنے والے بھی۔ چنانچہ آخرت میں بھی ہم ان کو ایک دوسرے کا ساتھی بنادیں گے۔ بہت سے مفسرین نے آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

(۶۰) انسانوں میں تو پیغمبروں کا تشریف لانا واضح ہے۔ اس آیت کی وجہ سے بعض علماء کا کہنا ہے کہ جنات میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیغمبر آتے رہے ہیں۔ اور دوسرے حضرات کا کہنا یہ ہے کہ باقاعدہ پیغمبر تو جنات میں نہیں آئے، لیکن انسانوں میں جو پیغمبر بھیجے گئے، وہی جنات کو بھی تبلیغ کرتے تھے، اور جو جنات مسلمان ہو جاتے وہ پھر انبیائے کرام کے نمائندے بن کر دوسرے جنات کو تبلیغ کرتے تھے، جیسا کہ سورہ جن میں تفصیل سے مذکور ہے۔ آیت کی رُو سے دونوں احتمال ممکن ہیں، کیونکہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں اور جنات دونوں کو تبلیغ کا حق ادا کر دیا گیا تھا، اور وہ دونوں طرح ممکن ہے۔

(۶۱) پیچھے آیت نمبر ۲۳ میں گزرا ہے کہ وہ شروع میں جھوٹ بولنے کی کوشش کریں گے، لیکن جب خود اُن کے ہاتھ پاؤں اُن کے خلاف گواہی دے دیں گے تو وہ بھی سچ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ تفصیل کے لئے آیت ۲۳ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

(۶۲) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن بستی والوں کی کسی زیادتی کی وجہ سے اُن کو ہلاک کرنا اللہ تعالیٰ کو اُس وقت تک گوارا



وَلِكُلِّ دَرَجَاتٍ مِّمَّا عَمِلُوا ۖ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ  
 اِنْ يَشَاءْ يُدْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا اَنْشَاَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةٍ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۳۳﴾  
 اِنَّ مَا تُوعَدُوْنَ لَآتٍ ۚ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ يَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ  
 عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۚ مَنْ تَكُوْنُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۚ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَجَعَلُوا  
 لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَا مِنْ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا ۚ

اور ہر قسم کے لوگوں کو مختلف درجات اُن اعمال کے حساب سے ملتے ہیں جو انہوں نے کئے ہوتے ہیں۔ اور جو اعمال بھی وہ کرتے ہیں، تمہارا پروردگار اُن سے غافل نہیں ہے ﴿۳۲﴾ اور تمہارا پروردگار ایسا بے نیاز ہے جو رحمت والا بھی ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو (دُنیا سے) اُٹھالے، اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ لے آئے، جیسے اُس نے تم کو کچھ اور لوگوں کی نسل سے پیدا کیا تھا۔ ﴿۳۳﴾ یقین رکھو کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے اُس کو آنا ہی آنا ہے، اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ﴿۳۴﴾ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو کہ: ”اے میری قوم! تم اپنی جگہ (اپنے طریقے کے مطابق) عمل کرو، میں (اپنے طریقے کے مطابق) عمل کر رہا ہوں۔ پھر جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس دُنیا کا انجام کس کے حق میں نکلتا ہے۔ یہ حقیقت (اپنی جگہ) ہے کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے۔“ ﴿۳۵﴾ اور اللہ نے جو کھیتیاں اور چوپائے پیدا کئے ہیں، ان لوگوں نے اُن میں سے اللہ کا بس ایک حصہ مقرر کیا ہے۔ چنانچہ بزعم خود یوں کہتے ہیں کہ یہ حصہ تو اللہ کا ہے، اور یہ ہمارے اُن معبودوں کا ہے جن کو ہم خدائی میں اللہ کا شریک مانتے ہیں۔

نہیں تھا جب تک انہیں انبیائے کرام کے ذریعے متوجہ نہ کر دیا جائے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود یہ زیادتی نہیں کر سکتا تھا کہ پہلے سے متوجہ کئے بغیر لوگوں کو ہلاک کر دے۔

﴿۶۳﴾ یعنی اُس نے رسولوں کو بھیجنے کا جو سلسلہ جاری فرمایا اُس کی وجہ معاذ اللہ یہ نہیں تھی کہ وہ تمہاری عبادت کا محتاج ہے، وہ تو مخلوق کی عبادت سے بے نیاز ہے، لیکن اس کے ساتھ وہ رحمت والا بھی ہے، اس لئے اُس نے پیغمبر بھیجے ہیں جو بندوں کو اُس صحیح راہ عمل کی طرف متوجہ کرتے رہیں جس میں اُن کی دُنیا اور آخرت دونوں کے لئے بہتری کا سامان ہو۔

﴿۶۴﴾ جس طرح آج کے تمام لوگ اُن لوگوں کی نسل سے ہیں جن کا اب کوئی پتہ نشان باقی نہیں رہا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو یہ بھی قدرت ہے کہ آج کے تمام لوگوں کو ایک ہی مرتبہ میں ختم کر کے دوسری قوم پیدا کر دے، لیکن وہ اپنی رحمت کی وجہ سے ایسا نہیں کر رہا۔

﴿۶۵﴾ اس سے مراد آخرت اور جنت اور جہنم ہے۔

﴿۶۶﴾ یہاں سے آیت نمبر ۱۴۴ تک عرب کے مشرکین کی کچھ بے بنیاد رسموں کا بیان ہے۔ ان لوگوں نے کسی معقول اور علمی بنیاد کے بغیر مختلف کاموں کو من گھڑت اسباب کی بنیاد پر حلال یا حرام قرار دے رکھا تھا۔ مثلاً خود اپنی اولاد کو انتہائی سنگ دلی سے



فَمَا كَانَ لَشُرْكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَائِهِمْ ۖ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذَلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرْكَاءَ وَهُمْ لَيْدُونَ ۖ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوا فَنَذَرُهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حَجَرٌ ۚ لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَاءُ بَرَّ عِبَهُمْ

پھر جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے، وہ تو (کبھی) اللہ کے پاس نہیں پہنچتا، اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے، وہ ان کے گھڑے ہوئے معبودوں کو پہنچ جاتا ہے۔ ایسی بُری بُری باتیں ہیں جو انہوں نے طے کر رکھی ہیں! ﴿۱۳۶﴾ اور اسی طرح بہت سے مشرکین کو ان کے شریکوں نے یہ بُھا رکھا ہے کہ اپنی اولاد کو قتل کرنا بڑا اچھا کام ہے، تاکہ وہ ان (مشرکین) کو بالکل تباہ کر ڈالیں، اور ان کے لئے ان کے دین کے معاملے میں مغالطے پیدا کر دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کر سکتے۔ ﴿۱۳۷﴾ لہذا ان کو اپنی افترا پر دازیوں میں پڑا رہنے دو ﴿۱۳۸﴾ اور یوں کہتے ہیں کہ: ”ان چوپایوں اور کھیتوں پر پابندی لگی ہوئی ہے۔“ ان کا زعم یہ ہے کہ: ”ان کو سوائے ان لوگوں کے کوئی نہیں کھا سکتا جنہیں ہم کھانا چاہیں۔“

قتل کر دیتے تھے۔ اگر لڑکی پیدا ہوئی ہو تو اسے اپنے لئے بڑی شرم کی بات سمجھ کر اسے زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے، بعض لوگ اس وجہ سے بھی لڑکیوں کو دفن کر دیتے تھے کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے انسانوں کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ لڑکیاں رکھیں۔ لڑکوں کو بعض اس وجہ سے قتل کر ڈالتے تھے کہ ان کو کہاں سے کھلائیں گے۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو یہ نذرمان لیتے تھے کہ ہمارا جو دسواں لڑکا ہوگا، اسے اللہ یا بتوں کے نام پر ذبح کر دیں گے۔ اس کے علاوہ اپنے مویشیوں اور کھیتوں کی پیداوار کے بارے میں بھی عجیب و غریب عقیدے گھڑ رکھے تھے۔ ان میں سے ایک کا بیان اس آیت میں ہے، اور وہ یہ کہ اپنے کھیتوں کی پیداوار اور مویشیوں کے دودھ یا گوشت میں سے کچھ حصہ تو اللہ کے نام کا رکھتے تھے (جو مہمانوں اور غریبوں میں تقسیم کے لئے ہوتا تھا) اور ایک حصہ اپنے بتوں کے نام کا نکالتے تھے جو بت خانوں پر چڑھایا جاتا تھا، اور اُس سے بت خانوں کے نگران فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اول تو یہ بات ہی بے ہودہ تھی کہ اللہ کے ساتھ بتوں کو شریک کر کے ان کے نام پر پیداوار کا کچھ حصہ رکھا جائے۔ اوپر سے ستم ظریفی یہ تھی کہ جو حصہ اللہ کے نام کا رکھا تھا، اگر اُس میں سے کچھ بتوں والے حصے میں چلا جاتا تو کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، البتہ اگر بتوں کے حصے میں سے کوئی چیز اللہ کے نام کے حصے میں چلی جاتی تو اُسے فوراً واپس کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔

﴿۱۳۷﴾ اس کی تشریح کے لئے دیکھئے اسی سورت میں پیچھے آیت نمبر ۱۱۲ کا حاشیہ۔

﴿۱۳۸﴾ یہ ایک اور رسم کا بیان ہے جس کی رُو سے وہ اپنے من گھڑت دیوتاؤں کو اپنے گمان کے مطابق خوش کرنے کے لئے کسی خاص کھیتی یا مویشی پر پابندی لگا دیتے تھے کہ ان کی پیداوار سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ البتہ جس شخص کو چاہتے، اس پابندی سے مستثنیٰ کر دیتے تھے۔



وَالْأَنْعَامُ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامُ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۳۸﴾ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَىٰ اللَّهِ ۚ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۴۰﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّتٍ مَّعْرُوشَةٍ وَغَيْرِ مَّعْرُوشَةٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أَكْلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۚ

اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جن کی پشت حرام قرار دی گئی ہے، اور کچھ چوپائے وہ ہیں جن کے بارے میں اللہ پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ اُن پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ جو انفر پر دازی یہ لوگ کر رہے ہیں، اللہ انہیں عنقریب اس کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ ﴿۳۸﴾

نیز وہ کہتے ہیں کہ: ”ان خاص چوپایوں کے پیٹ میں جو بچے ہیں وہ صرف ہمارے مردوں کے لئے مخصوص ہیں، اور ہماری عورتوں کے لئے حرام ہیں۔“ اور اگر وہ بچہ مردہ پیدا ہو تو اُس سے فائدہ اٹھانے میں سب (مرد و عورت) شریک ہو جاتے ہیں۔ جو باتیں یہ لوگ بنا رہے ہیں، اللہ انہیں عنقریب اُن کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ یقیناً وہ حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک ﴿۳۹﴾ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو کسی علمی وجہ کے بغیر محض حماقت سے قتل کیا ہے، اور اللہ نے جو رزق ان کو دیا تھا اُسے اللہ پر بہتان باندھ کر حرام کر لیا ہے۔ وہ بری طرح گمراہ ہو گئے ہیں، اور کبھی ہدایت پر آئے ہی نہیں۔ ﴿۴۰﴾

اللہ وہ ہے جس نے باغات پیدا کئے جن میں سے کچھ (نیل دار ہیں جو) سہاروں سے اوپر چڑھائے جاتے ہیں، اور کچھ سہاروں کے بغیر بلند ہوتے ہیں، اور نخلستان اور کھیتیاں، جن کے ذائقے الگ الگ ہیں، اور زیتون اور انار، جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں، اور ایک دوسرے سے مختلف بھی۔ ﴿۴۱﴾

﴿۶۹﴾ یہ ایک اور رسم تھی کہ کسی سواری کے جانور کو کسی بت کے نام وقف کر دیتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ اس پر سواری کرنا حرام ہے۔ ﴿۷۰﴾ بعض جانوروں کے بارے میں انہوں نے یہ طے کر رکھا تھا کہ ان پر اللہ کا نام نہیں لیا جاسکتا، نہ ذبح کرتے وقت، نہ سواری کے وقت، اور نہ اُن کا گوشت کھاتے وقت۔ چنانچہ اُن پر سوار ہو کر حج کرنے کو بھی ناجائز سمجھتے تھے۔ ﴿۷۱﴾ یعنی بچہ اگر زندہ پیدا ہو جائے تو صرف مردوں کے لئے حلال ہوگا، عورتوں کے لئے حرام، لیکن مردہ پیدا ہو تو مردوں عورتوں دونوں کے لئے حلال۔

﴿۷۲﴾ تشریح کے لئے دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۹۹ کا حاشیہ۔



كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثَرُوا أَحَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۚ وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ  
 الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةٌ وَفَرَسَاتٌ ۚ كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ  
 الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿٣٢﴾ ثَلَاثِيَّةَ آذَانٍ ۚ مِنَ الضَّانِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۚ قُلْ  
 آلَ الذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمَّا الْاُنْثَيَيْنِ أَمَا اسْتَمَلْتُ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ نَسُوْنِي بِعِلْمٍ إِنْ  
 كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٣﴾

جب یہ درخت پھل دیں تو ان کے پھلوں کو کھانے میں استعمال کرو، اور جب ان کی کٹائی کا دن آئے تو اللہ کا حق ادا کرو،<sup>(۳۱)</sup> اور فضول خرچی نہ کرو۔ یاد رکھو، وہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا<sup>(۳۲)</sup> اور چوپایوں میں سے اللہ نے وہ جانور بھی پیدا کئے ہیں جو بوجھ اٹھاتے ہیں، اور وہ بھی جو زمین سے لگے ہوئے ہوتے ہیں۔<sup>(۳۳)</sup> اللہ نے جو رزق تمہیں دیا ہے، اس میں سے کھاؤ، اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ یقین جانو، وہ تمہارے لئے ایک کھلا دشمن ہے۔<sup>(۳۴)</sup> (موشیوں کے) کل آٹھ جوڑے اللہ نے پیدا کئے ہیں۔ دو صنفیں (نر اور مادہ) بھیڑوں کی نسل سے اور دو بکروں کی نسل سے۔ ذرا ان سے پوچھو کہ: ”کیا دونوں نروں کو اللہ نے حرام کیا ہے، یا دونوں مادہ کو؟ یا ہر اُس بچے کو جو دونوں نسلوں کی مادہ کے پیٹ میں موجود ہو؟ اگر تم سچے ہو تو کسی علمی بنیاد پر مجھے جواب دو!“<sup>(۳۵)</sup>

(۳۱) اس سے مراد عشر ہے جو زرعی پیداوار پر واجب ہوتا ہے۔ مکی زندگی میں اس کی کوئی خاص شرح مقرر نہیں تھی، بلکہ جب کٹائی کا وقت آتا تو کھیتی کے مالک پر فرض تھا کہ جو فقراء اس وقت موجود ہوں، اُن کو اپنی صوابدید کے مطابق کچھ دے دیا کرے۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد اس کے مفصل احکام آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ تفصیل بیان فرمائی کہ بارانی زمینوں پر پیداوار کا دسواں حصہ اور نہری زمینوں پر بیسواں حصہ غریبوں کا حق ہے۔ آیت نے بتایا ہے کہ یہ حق کٹائی ہی کے وقت ادا کر دینا چاہئے۔

(۳۲) ”زمین سے لگے ہوئے“ ہونے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ان کا قد چھوٹا ہوتا ہے، جیسے بھیڑ بکریاں، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان کی کھال زمین پر بچھانے کے کام آتی ہے۔

(۳۳) مطلب یہ ہے کہ تم لوگ کبھی نر جانور کو حرام قرار دے دیتے ہو، کبھی مادہ جانور کو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ جوڑے پیدا کرتے وقت نہ نر کو حرام کیا تھا نہ مادہ کو۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اگر نر ہونے کی وجہ سے کوئی جانور حرام ہوتا ہے تو ہمیشہ نر ہی حرام ہونا چاہئے، اور اگر مادہ ہونے کی وجہ سے حرمت آتی ہے تو ہمیشہ مادہ ہی حرام ہونی چاہئے، اور اگر کسی مادہ کے پیٹ میں ہونے کی وجہ سے حرمت آتی ہے تو پھر بچہ نر ہو یا مادہ ہر صورت میں حرام ہونا چاہئے۔ لہذا تم نے اپنی طرف سے جو احکام گھڑ رکھے ہیں نہ، ان کی کوئی علمی یا عقلی بنیاد ہے، اور نہ اللہ کا کوئی حکم ایسا آیا ہے۔



وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۖ قُلْ الذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمْرَ الْأُنثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ  
عَلَيْهِ أُرْحَامُ الْأُنثَيَيْنِ ۖ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّيْنَا اللَّهُ بِهَذَا ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ  
اقتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۳۳﴾ قُلْ  
لَا أَجِدُ فِي مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا  
أَوْ لَحْمَ خَنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهْلًا لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ  
رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۳۴﴾

اور اسی طرح اونٹوں کی بھی دو صنفیں (نر اور مادہ اللہ نے) پیدا کی ہیں، اور گائے کی بھی دو صنفیں۔ ان سے کہو کہ: ”کیا  
دونوں نروں کو اللہ نے حرام کیا ہے، یا دونوں مادہ کو؟ یا ہر اُس بچے کو جو دونوں نسلوں کی مادہ کے پیٹ میں موجود ہو؟ کیا تم  
اُس وقت خود حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا تھا؟ (اگر نہیں، اور یقیناً نہیں) تو پھر اُس شخص سے بڑھ کر ظالم  
کون ہوگا جو اللہ پر اس لئے جھوٹ باندھے تاکہ کسی علمی بنیاد کے بغیر لوگوں کو گمراہ کر سکے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ظالم  
لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔“ ﴿۱۳۳﴾

(اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ”جو وحی مجھ پر نازل کی گئی ہے اُس میں تو میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس کا کھانا کسی کھانے  
والے کے لئے حرام ہو، <sup>(۱۶)</sup> الا یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہتا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت ہو، کیونکہ وہ ناپاک ہے، یا جو ایسا گناہ کا  
جانور ہو جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ ہاں جو شخص (ان چیزوں میں سے کسی کے کھانے پر) انتہائی مجبور  
ہو جائے، جبکہ وہ نہ لذت حاصل کرنے کی غرض سے ایسا کر رہا ہو، اور نہ ضرورت کی حد سے آگے بڑھے، تو بیشک اللہ  
بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ ﴿۱۳۴﴾

(۱۶) مطلب یہ ہے کہ جن جانوروں کو بت پرستوں نے حرام قرار دے رکھا ہے، اُن میں سے کسی جانور کے بارے میں مجھ  
پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ممانعت کا حکم ان چار چیزوں کے سوا نہیں آیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے جانوروں  
میں بھی کوئی جانور حرام نہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے درندوں وغیرہ کے حرام ہونے کی وضاحت  
فرمادی ہے۔

(۱۷) یعنی اگر آدمی بھوک سے بے تاب ہو اور کھانے کے لئے کوئی حلال چیز میسر نہ ہو، تو جان بچانے کے لئے ان حرام چیزوں  
میں سے کسی چیز کا کھانا بقدر ضرورت جائز ہو جاتا ہے۔ ان چیزوں کی حرمت کا یہ حکم پیچھے سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۳ اور سورہ مائدہ  
کی آیت نمبر ۳ میں بھی گزرا ہے، اور آگے سورہ نحل کی آیت نمبر ۱۱۵ میں بھی آئے گا۔



وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَلِكَ جَزَيْنَهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۚ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۱۳۶﴾ فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ ۖ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۳۷﴾ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا آبَاسَنَا ۚ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۚ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿۱۳۸﴾

اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا، اور گائے اور بکری کے اجزاء میں سے ان کی چربیوں پر ہم نے حرام کی تھیں، البتہ جو چربی ان کی پشت پر یا آنتوں پر لگی ہو، یا جو کسی ہڈی سے ملی ہوئی ہو وہ مستثنیٰ تھی۔ یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی۔ اور پورا یقین رکھو کہ ہم سچے ہیں۔ ﴿۱۳۶﴾ پھر بھی اگر یہ (کافر) تمہیں جھٹلائیں تو کہہ دو کہ: ”تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت کا مالک ہے، اور اُس کے عذاب کو مجرموں سے ٹلایا نہیں جاسکتا۔“ ﴿۱۳۷﴾ جن لوگوں نے شرک اپنایا ہوا ہے، وہ یہ کہیں گے کہ: ”اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے، نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی بھی چیز کو حرام قرار دیتے۔“ ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی اسی طرح (رسولوں کو) جھٹلایا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا۔ تم ان سے کہو کہ: ”کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جو ہمارے سامنے نکال کر پیش کر سکو؟ تم تو جس چیز کے پیچھے چل رہے ہو وہ گمان کے سوا کچھ نہیں، اور تمہارا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہی اندازے لگاتے رہو۔“ ﴿۱۳۸﴾

﴿۱۳۸﴾ جھٹلانے والوں سے یہاں براہ راست تو یہودی مراد ہیں، کیونکہ وہ اس بات کا انکار کرتے تھے کہ مذکورہ چیزیں ان پر ان کی سرکشی کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں۔ ضمناً اس میں مشرکین عرب بھی داخل ہیں جو قرآن کریم کی ہر بات کا انکار کرتے تھے جس میں یہ بات بھی شامل تھی۔ دونوں فریقوں سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر ان کے قرآن کو جھٹلانے کے باوجود ان پر کوئی فوری عذاب نہیں آ رہا ہے، بلکہ دنیا میں انہیں خوشحالی بھی میسر ہے، تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عمل سے خوش ہے۔ اس کے بجائے حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ وہ اپنے باغیوں کو بھی رزق دیتا ہے، اور خوشحالی سے نوازتا ہے۔ البتہ یہ بات طے ہے کہ ان مجرموں کو ایک نہ ایک دن عذاب ضرور ہوگا جسے کوئی ٹلا نہیں سکتا۔

﴿۱۳۹﴾ یہ پھر وہی بے ہودہ دلیل ہے جس کا جواب بار بار دیا جا چکا ہے۔ یعنی یہ کہ اگر اللہ کو شرک ناگوار ہے تو وہ ہمیں شرک پر قدرت ہی کیوں دیتا ہے؟ جواب بار بار دیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ساری دنیا کو اپنی قدرت کے ذریعے زبردستی ایمان پر مجبور کر دے تو پھر



قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۸۰﴾ قُلْ هَلْ مَشَهِدَآءُكُمْ الَّذِينَ  
يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَذَا ۖ فَإِنْ شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدُ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ  
كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿۸۱﴾ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا  
حَرَّمَ رَبِّي عَلَيْكُمْ ۖ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِمَّنْ  
إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطْنَ ۚ وَلَا  
تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۖ ذَلِكُمْ وَصَّيْتُكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۸۲﴾

(اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ”ایسی دلیل تو اللہ ہی کی ہے جو (دلوں تک) پہنچنے والی ہو۔ چنانچہ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو (زبردستی) ہدایت پر لے آتا۔“ ﴿۸۰﴾ ان سے کہو کہ: ”اپنے وہ گواہ ذرا سامنے تو لاؤ جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔“ پھر اگر یہ خود گواہی دے بھی دیں تو تم ان کے ساتھ گواہی میں شریک نہ ہونا، اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلنا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور جو دوسروں کو (خدائی میں) اپنے پروردگار کے برابر مانتے ہیں ﴿۸۱﴾ (ان سے) کہو کہ: ”آؤ، میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے پروردگار نے (درحقیقت) تم پر کونسی باتیں حرام کی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور غربت کی وجہ سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیں گے، اور ان کو بھی۔ اور بے حیائی کے کاموں کے پاس بھی نہ پھٹکو، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی، اور جس جان کو اللہ نے حرمت عطا کی ہے اُسے کسی برحق وجہ کے بغیر قتل نہ کرو۔ لوگو! یہ ہیں وہ باتیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تمہیں کچھ سمجھ آئے ﴿۸۲﴾

امتحان ہی کیا ہوا؟ دنیا تو اسی امتحان کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ کون شخص اپنی سمجھ اور اپنے اختیار سے وہ صحیح راستہ اختیار کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں بھی رکھ دیا ہے، اور جس کی طرف رہنمائی کے لئے اتنے سارے پیغمبر بھیجے ہیں۔ ﴿۸۰﴾ یعنی تم تو فرضی دلائل پیش کر رہے ہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیج کر اپنی حجت پوری کر دی ہے، اور ان کے بیان کئے ہوئے دلائل دلوں میں اترنے والے ہیں۔ اُن کی تصدیق اس حقیقت نے بھی کر دی ہے کہ جن لوگوں نے انہیں جھٹلایا، وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے شکار ہوئے۔ لہذا یہ بات تو صحیح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو زبردستی ہدایت پر لے آتا، لیکن اس سے تمہاری یہ ذمہ داری ختم نہیں ہوتی کہ تم اپنے اختیار سے پیغمبروں کے ناقابل انکار دلائل کو قبول کر کے ایمان لاؤ۔ ﴿۸۱﴾ یعنی بے حیائی کے کام جس طرح کھلم کھلا کرنا منع ہے، اسی طرح چوری چھپے بھی منع ہے۔



وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْدُغَ أَشُدُّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَيْلِ وَالْزَّانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا تُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۚ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّيْكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۵۲﴾ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّيْكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۴﴾ وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۵۵﴾ أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۖ وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَفْلِينَ ﴿۵۶﴾

اور یتیم جب تک بچتگی کی عمر کو نہ پہنچ جائے، اُس وقت تک اُس کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ، مگر ایسے طریقے سے جو (اُس کے حق میں) بہترین ہو، اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو، (البتہ) اللہ کسی بھی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا۔ اور جب کوئی بات کہو تو انصاف سے کام لو، چاہے معاملہ اپنے قریبی رشتہ دار ہی کا ہو، اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے، تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔ ﴿۵۲﴾ اور (اے پیغمبر! ان سے) یہ بھی کہو کہ: ”یہ میرا سیدھا سیدھا راستہ ہے، لہذا اس کے پیچھے چلو، اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔“ لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تم متقی بنو۔ ﴿۵۳﴾ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ نیک لوگوں پر اللہ کی نعمت پوری ہو، اور ہر چیز کی تفصیل بیان کر دی جائے، اور وہ (لوگوں کے لئے) رہنمائی اور رحمت کا سبب بنے، تاکہ وہ (آخرت میں) اپنے پروردگار سے جاملنے پر ایمان لے آئیں ﴿۵۴﴾ اور (اسی طرح) یہ برکت والی کتاب ہے جو ہم نے نازل کی ہے۔ لہذا اس کی پیروی کرو، اور تقویٰ اختیار کرو، تاکہ تم پر رحمت ہو ﴿۵۵﴾ (یہ کتاب ہم نے اس لئے نازل کی کہ) کبھی تم یہ کہنے لگو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر نازل کی گئی تھی، اور جو کچھ وہ پڑھتے پڑھاتے تھے، ہم تو اُس سے بالکل بے خبر تھے ﴿۵۶﴾

(۸۲) خرید و فروخت کے وقت ناپ تول کا پورا لحاظ رکھنا واجب ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمادیا کہ اس معاملے میں طاقت سے زیادہ مین میخ نکالنے کی بھی ضرورت نہیں۔ انسان کو پوری پوری کوشش کرنی چاہئے کہ ناپ تول ٹھیک ہو، لیکن کوشش کے باوجود تھوڑا بہت فرق رہ جائے تو وہ معاف ہے۔

(۸۳) اللہ کے عہد میں وہ عہد بھی داخل ہے جس میں براہ راست اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ کیا گیا ہو، اور وہ عہد بھی جو کسی انسان سے کیا گیا ہو، مگر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یا اُس کو گواہ بنا کر کیا گیا ہو۔



أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا الْكِتَابَ لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۚ سَنَجْزِي الَّذِينَ يَصْدِفُونَ عَنِ الْإِتِنَاسِ عَذَابَ بِمَا كَانُوا يَصْدِفُونَ ﴿۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ انْتَضِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿۵۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ فَارَقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعَةً ۚ أَسْتَأْذِنُكُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۵۹﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرٌ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۶۰﴾

یہ کہو کہ اگر ہم لوگوں پر کتاب نازل ہو جاتی تو ہم ان (یہودیوں اور عیسائیوں) سے یقیناً زیادہ ہدایت پر ہوتے۔ لو! پھر تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل اور ہدایت و رحمت کا سامان آ گیا ہے! اب اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور اُن سے منہ موڑ لے؟ جو لوگ ہماری آیتوں سے منہ موڑ رہے ہیں، اُن کو ہم بہت بُرا عذاب دیں گے، کیونکہ وہ برابر منہ موڑے ہی رہے۔ ﴿۵۷﴾

یہ (ایمان لانے کے لئے) اس کے سوا کس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یا تمہارا پروردگار خود آئے، یا تمہارے پروردگار کی کچھ نشانیاں آجائیں؟ (حالانکہ) جس دن تمہارے پروردگار کی کوئی نشانی آگئی، اُس دن کسی ایسے شخص کا ایمان اُس کے لئے کارآمد نہیں ہوگا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو، یا جس نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی نیک عمل کی کمائی نہ کی ہو۔ ﴿۵۸﴾ (لہذا ان لوگوں سے) کہہ دو کہ: ”اچھا، انتظار کرو، ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔“ ﴿۵۹﴾ (اے پیغمبر!) یقین جانو کہ جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا ہے، اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں، اُن سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اُن کا معاملہ تو اللہ کے حوالے ہے۔ پھر وہ انہیں جتلائے گا کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں ﴿۶۰﴾ جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا، اُس کے لئے اُس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ہے، اور جو شخص کوئی بدی لے کر آئے گا، تو اُس کو صرف اُسی ایک بدی کی سزا دی جائے گی، اور اُن پر کوئی ظلم نہیں ہوگا ﴿۶۱﴾

﴿۵۸﴾ اس سے مراد قیامت کی آخری نشانی ہے، جس کے بعد ایمان قبول نہیں ہوگا، کیونکہ معتبر ایمان وہی ہے جو دلائل کی بنیاد پر ایمان بالغیب ہو، کسی چیز کو آنکھوں سے مشاہدہ کر کے ایمان لانے سے امتحان کا وہ مقصد پورا نہیں ہوتا جس کے لئے یہ دنیا پیدا کی گئی ہے۔



قُلْ إِنِّي هَدَىٰ رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۚ دِينًا قَبِيلاً مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٦١﴾ قُلْ إِنِّي صَلَّاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ ۚ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾ قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿١٦٤﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۚ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ ۚ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٥﴾

(اے پیغمبر!) کہہ دو کہ میرے پروردگار نے مجھے ایک سیدھے راستے پر لگا دیا ہے جو کجی سے پاک دین ہے، ابراہیم کا دین! جنہوں نے پوری طرح یکسو ہو کر اپنا رخ صرف اللہ کی طرف کیا ہوا تھا، اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے ﴿۱۶۱﴾ کہہ دو کہ: ”بیشک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿۱۶۲﴾ اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور میں اُس کے آگے سب سے پہلے سر جھکانے والا ہوں۔“ ﴿۱۶۳﴾ کہہ دو کہ ”کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور پروردگار تلاش کروں، حالانکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے؟ اور جو کوئی شخص کوئی کمائی کرتا ہے، اُس کا نفع نقصان کسی اور پر نہیں، خود اُسی پر پڑتا ہے، اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی اور کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“ پھر تمہارے پروردگار ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے۔ اُس وقت وہ تمہیں وہ ساری باتیں بتائے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے ﴿۱۶۴﴾ اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو دوسروں سے درجات میں بلندی عطا کی، تاکہ اُس نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں، اُن میں تمہیں آزمائے۔ یہ حقیقت ہے کہ تمہارا رب جلد سزا دینے والا ہے، اور یہ (بھی) حقیقت ہے کہ وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۶۵﴾

(۸۵) کفار کبھی کبھی مسلمانوں سے یہ کہتے تھے کہ تم ہمارے مذہب کو اپنالو، اگر کوئی عذاب ہوا تو تمہارے حصے کا عذاب بھی ہم اپنے سر لے لیں گے، جیسا کہ سورہ عنکبوت (۱۲:۲۹) میں قرآن کریم نے اُن کی یہ بات نقل فرمائی ہے۔ یہ آیت اس کے جواب میں نازل ہوئی۔ اور اس میں یہ عظیم سبق ہے کہ ہر شخص کو اپنے انجام کی خود فکر کرنی چاہئے، کوئی دوسرا شخص اسے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ یہی مضمون سورہ بنی اسرائیل (۱۵:۱۷) سورہ فاطر (۱۸:۳۵) سورہ زمر (۷:۳۹) اور سورہ نجم (۳۸:۵۳) میں بھی آیا ہے۔ اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ سورہ نجم میں آئے گی۔

الحمد للہ تعالیٰ، سورہ انعام کا ترجمہ اور حواشی آج مؤرخہ ۲۶ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۷ مارچ ۲۰۰۶ء کو کراچی میں تکمیل تک پہنچے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرمائیں، اسے مفید بنائیں، اور باقی سورتوں کی تکمیل کی بھی اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ الْأَعْرَافِ

## تعارف

یہ سورت بھی مکی ہے۔ اس کا بنیادی موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آخرت کو ثابت کرنا ہے۔ اس کے ساتھ توحید کے دلائل بھی بیان ہوئے ہیں۔ اور متعدد انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات بھی تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ خاص طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر تشریف لے جانے کا واقعہ سب سے زیادہ مفصل طریقے پر اسی سورت میں آیا ہے۔ ”اعراف“ کے لفظی معنی بلندیوں کے ہیں۔ اور اصطلاح میں یہ اُس جگہ کا نام ہے جو جنت اور دوزخ کے درمیان واقع ہے، اور جن لوگوں کے اچھے اور بُرے اعمال برابر ہوں گے، اُن کو کچھ عرصے کے لئے یہاں رکھا جائے گا، پھر اُن کے ایمان کی وجہ سے آخر کار وہ بھی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ چونکہ اسی سورت میں اعراف اور اس میں رکھے جانے والوں کا بیان تفصیل سے آیا ہے، اس لئے اس کا نام سورۃ اعراف رکھا گیا ہے۔



﴿آیتھا ۲۰۶﴾ ﴿سُورَةُ الْأَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ ۳۹﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۲۴﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْقَصِّ ۱ كَتَبْنَا إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنذِرَ بِهِ وَذِكْرًا  
لِّلْمُؤْمِنِينَ ۲ اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۖ قَلِيلًا مَّا  
تَذَكَّرُونَ ۳ وَكَمْ مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا فَجَاءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا أَوْ هُمْ قَائِلُونَ ۴ فَمَا كَانَ  
دَعْوَاهُمْ إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا إِلَّا أَنْ قَالُوا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۵ فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ  
إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۶ فَلَنَقْصُصَنَّهُمْ عَلَيْكُمْ يُعَلِّمُونَ مَا كُنَّا غَائِبِينَ ۷

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں دو سو چھ آیات اور چوبیس رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الْقَصِّ ۱ (اے پیغمبر!) یہ کتاب ہے جو تم پر اس لئے اُتاری گئی ہے کہ تم اُس کے ذریعے لوگوں کو ہوشیار کرو، لہذا اس کی  
وجہ سے تمہارے دل میں کوئی پریشانی نہ ہونی چاہئے، اور مؤمنوں کے لئے یہ ایک نصیحت کا پیغام ہے ۲ (لوگو!) جو  
کتاب تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے اُتاری گئی ہے، اس کے پیچھے چلو، اور اپنے پروردگار کو چھوڑ کر دوسرے  
(من گھڑت) سرپرستوں کے پیچھے نہ چلو۔ (مگر) تم لوگ نصیحت کم ہی مانتے ہو ۳ کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو ہم نے  
ہلاک کیا۔ چنانچہ اُن کے پاس ہمارا عذاب راتوں رات آگیا، یا ایسے وقت آیا جب وہ دو پہر کو آرام کر رہے تھے ۴ پھر  
جب اُن پر ہمارا عذاب آپہنچا تو اُن کے پاس کہنے کو اور تو کچھ تھا نہیں، بس بول اُٹھے کہ واقعی ہم ہی ظالم تھے ۵ اب ہم  
اُن لوگوں سے ضرور باز پرس کریں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے، اور ہم خود پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے (کہ  
انہوں نے کیا پیغام پہنچایا، اور انہیں کیا جواب ملا؟) ۶ پھر ہم اُن کے سامنے سارے واقعات خود اپنے علم کی بنیاد پر  
بیان کر دیں گے، (کیونکہ) ہم (ان واقعات کے وقت) کہیں غائب تو نہیں تھے ۷

(۱) سورہ بقرہ کے شروع میں گذر چکا ہے کہ یہ علیحدہ علیحدہ حروف جو بہت سی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، ان کو ”حروف  
مقطعات“ کہتے ہیں، اور ان کے ٹھیک ٹھیک معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہیں۔ اور ان کے معنی سمجھنے پر دین کی کوئی بات  
موقوف بھی نہیں ہے۔

(۲) یعنی آپ کو یہ پریشانی نہیں ہونی چاہئے کہ اس کے مضامین کو آپ لوگوں سے کیسے منوائیں گے، اور اگر لوگ نہ مانے تو کیا  
ہوگا؟ کیونکہ آپ کا فریضہ لوگوں کو ہوشیار اور خبردار کرنا ہے، اُن کے ماننے نہ ماننے کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔



وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٦﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ﴿٧﴾ وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَاشٍ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٨﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ ۖ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ لَمْ يَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ﴿٩﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ آلَا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ ۖ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ﴿١٠﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّغِيرِينَ ﴿١١﴾ قَالَ أَنُظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ ﴿١٢﴾ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿١٣﴾

اور اُس دن (اعمال کا) وزن ہونا اٹل حقیقت ہے۔ چنانچہ جن کی ترازو کے پلے بھاری ہوں گے، وہی فلاح پانے والے ہوں گے ﴿۶﴾ اور جن کی ترازو کے پلے ہلکے ہوں گے، وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ زیادتیاں کر کر کے خود اپنی جانوں کو گھائے میں ڈالا ہے ﴿۷﴾ اور کھلی بات ہے کہ ہم نے تمہیں زمین میں رہنے کی جگہ دی، اور اُس میں تمہارے لئے روزی کے اسباب پیدا کئے۔ (پھر بھی) تم لوگ شکر کم ہی ادا کرتے ہو۔ ﴿۸﴾

اور ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا کہ: ”آدم کو سجدہ کرو۔“ چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ ﴿۹﴾ اللہ نے کہا: ”جب میں نے تجھے حکم دے دیا تھا تو تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟“ وہ بولا: ”میں اُس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا، اور اُس کو مٹی سے پیدا کیا۔“ ﴿۱۰﴾ اللہ نے کہا: ”اچھا تو یہاں سے نیچے اتر، کیونکہ تجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ یہاں تکبر کرے۔ اب نکل جا، یقیناً تو ذلیلوں میں سے ہے۔“ ﴿۱۱﴾ اُس نے کہا: ”مجھے اُس دن تک (زندہ رہنے کی) مہلت دیدے جس دن لوگوں کو قبروں سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔“ ﴿۱۲﴾ اللہ نے فرمایا: ”تجھے مہلت دے دی گئی۔“ ﴿۱۳﴾

(۳) اس واقعے کی کچھ تفصیلات سورہ بقرہ (۲: ۳۴ تا ۳۹) میں گزری ہیں۔ ان آیتوں پر جو حواشی ہم نے لکھے ہیں، اُن میں واقعے سے متعلق کئی سوالات کا جواب آگیا ہے۔ انہیں ملاحظہ فرمالیا جائے۔

(۴) شیطان نے درخواست تو یہ کی تھی کہ اُس وقت تک اُسے زندگی دی جائے جس دن حشر ہوگا، اور دوسرے مردے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ یہاں اس درخواست کے جواب میں مہلت دینے کا تو ذکر ہے، لیکن یہ مہلت کب تک دی گئی ہے، اس آیت میں یہ بات واضح طور پر بیان نہیں فرمائی گئی۔ سورہ حجر (۱۵: ۳۸) اور سورہ ص (۸: ۸۱) میں بھی یہ واقعہ آیا ہے، وہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ ”ایک معین وقت“ تک مہلت دی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اُس کی درخواست کے مطابق روزِ حشر تک مہلت دینے کا وعدہ نہیں کیا گیا، بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ ایک معین وقت ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اُس وقت تک مہلت دی



قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۝۱۶ ثُمَّ لَا تَجِدُنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ  
وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ ۝ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ۝۱۷ قَالَ اخْرُجْ  
مِنْهَا مَذْذُوعًا مَذْحُورًا ۝ لَنْ تَبْعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ ۝۱۸ وَيَا آدَمُ  
اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ  
الظَّالِمِينَ ۝۱۹ فَوَسَّوَسَ الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوَاتِهِمَا وَقَالَ مَا  
نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ۝۲۰

کہنے لگا: ”اب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، اس لئے میں (بھی) قسم کھاتا ہوں کہ ان (انسانوں) کی گھات لگا کر تیرے  
سیدھے راستے پر بیٹھ رہوں گا ۝۱۶ پھر میں ان پر (چاروں طرف سے) حملے کروں گا، ان کے سامنے سے بھی، اور ان کے  
پیچھے سے بھی، اور ان کی دائیں طرف سے بھی، اور ان کی بائیں طرف سے بھی۔ اور تو ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر گزار  
نہیں پائے گا“ ۝۱۷ اللہ نے کہا: ”نکل جا یہاں سے، ذلیل اور مردود ہو کر۔ اُن میں سے جو تیرے پیچھے چلے گا، (وہ بھی تیرا  
ساتھی ہوگا) اور میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا ۝۱۸ اور اے آدم! تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو، اور جہاں سے  
جو چیز چاہو، کھاؤ۔ البتہ اس (خاص) درخت کے قریب بھی مت پھٹکنا، ورنہ تم زیادتی کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ  
گے“ ۝۱۹ پھر ہوا یہ کہ شیطان نے اُن دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا، تاکہ اُن کی شرم کی جگہیں جو اُن سے چھپائی گئی تھیں،  
ایک دوسرے کے سامنے کھول دے۔ کہنے لگا کہ: ”تمہارے پروردگار نے تمہیں اس درخت سے کسی اور وجہ سے نہیں،  
بلکہ صرف اس وجہ سے روکا تھا کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ، یا تمہیں ہمیشہ کی زندگی نہ حاصل ہو جائے۔“ ۝۲۰

گئی ہے۔ دوسرے دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان قیامت کا پہلا صورت پھونکنے جانے تک زندہ رہے گا، اور اُس کے بعد جس  
طرح دوسری مخلوقات کو موت آئے گی، اُسے بھی موت آئے گی۔ پھر جب سب کو زندہ کیا جائے گا تو اُسے بھی زندہ کیا جائے گا۔  
۵) شیطان نے اپنی بد عملی کی ذمہ داری خود قبول کرنے کے بجائے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ڈالنے کی کوشش کی، حالانکہ  
تقدیر کی وجہ سے کسی کا اختیار سلب نہیں ہوتا، تقدیر کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص اپنے اختیار سے فلاں کام کرے گا۔ نیز  
اُس کے کہنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو ایک ایسا حکم ہی کیوں دیا جو اُس کے لئے قابل قبول نہیں تھا، اس  
لئے بالواسطہ اُس کی گمراہی (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی وجہ سے ہوئی۔

۶) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس درخت کی خاصیت یہ تھی کہ اُس کا پھل کھانے سے جنت کا لباس اُتر جاتا تھا، اور یہ بات ابلیس کو  
معلوم تھی۔ چنانچہ جب حضرت آدم اور حوا علیہما السلام نے اُسے کھایا تو جنت کا جو لباس انہیں عطا ہوا تھا، وہ اُن کے جسم سے اُتر گیا۔  
۷) مطلب یہ تھا کہ چونکہ اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ جو اس میں سے کھا لیتا ہے، وہ یا تو فرشتہ بن جاتا ہے، یا اُسے ہمیشہ کی



وَقَاسَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ ﴿٢١﴾ فَذَلَّهُمَا بِعُرْوَةٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سُوءَاتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ ذُرِّ الْجَنَّةِ ۖ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ وَأَقُلْ لَكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿٢٢﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٢٣﴾ قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٢٤﴾ قَالَا فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾

اور اُن کے سامنے وہ قسمیں کھا گیا کہ یقین جانو میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں ﴿۲۱﴾ اس طرح اُس نے دونوں کو دھوکا دے کر نیچے اتار ہی لیا۔ چنانچہ جب دونوں نے اُس درخت کا مزہ چکھا تو اُن دونوں کی شرم کی جگہیں ایک دوسرے پر کھل گئیں، اور وہ جنت کے کچھ پتے جوڑ جوڑ کر اپنے بدن پر چپکانے لگے۔ ﴿۲۲﴾ اور اُن کے پروردگار نے انہیں آواز دی کہ: ”کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے روکا نہیں تھا، اور تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے؟“ ﴿۲۳﴾ دونوں بول اُٹھے کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر گزرے ہیں، اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا، اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم نامراد لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔“ ﴿۲۴﴾ اللہ نے (آدم، ان کی بیوی اور ابلیس سے) فرمایا: ”اب تم سب یہاں سے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے، اور تمہارے لئے ایک مدت تک زمین میں ٹھہرنا اور کسی قدر فائدہ اٹھانا (طے کر دیا گیا) ہے“ ﴿۲۵﴾ فرمایا کہ: ”اسی (زمین) میں تم جیو گے، اور اسی میں تمہیں موت آئے گی، اور اسی سے تمہیں دوبارہ زندہ کر کے نکالا جائے گا۔“ ﴿۲۶﴾

زندگی عطا ہو جاتی ہے، اس لئے اسے کھانے کے لئے مخصوص قوت کی ضرورت ہے۔ شروع میں آپ دونوں کو یہ قوت حاصل نہیں تھی، اس لئے منع کیا گیا تھا۔ اب آپ کو جنت میں رہتے ہوئے ایک زمانہ گزر گیا ہے، اور آپ میں وہ قوت پیدا ہو گئی ہے، اس لئے اب کھالینے میں کچھ حرج نہیں۔

(۸) نیچے اتارنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اطاعت کے جس بلند مقام پر تھے، اُس سے نیچے اتار لیا، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جنت سے دنیا میں اتار لیا۔

(۹) اس سے معلوم ہوا کہ عریانی سے حفاظت انسان کی فطرت میں داخل ہے، اسی لئے جو نبی دونوں کا لباس اُترا انہوں نے ہر ممکن طریقے سے اپنا ستر چھپانے کی کوشش کی۔

(۱۰) یہ استغفار کے وہی الفاظ ہیں جن کے بارے میں سورہ بقرہ (۲: ۳۷) میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی یہ الفاظ



يٰۤاٰدَمُ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْآتِكَ وَيُؤْتِيْكَ وِرْثًا ۚ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ  
ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٢٦﴾

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! ہم نے تمہارے لئے لباس نازل کیا ہے جو تمہارے جسم کے اُن حصوں کو چھپا سکے جن کا کھولنا بُرا ہے، اور جو خوشنمائی کا ذریعہ بھی ہے۔ اور تقویٰ کا جو لباس ہے، وہ سب سے بہتر ہے۔ یہ سب اللہ کی نشانیوں کا حصہ ہے، جن کا مقصد یہ ہے کہ لوگ سبق حاصل کریں۔ ﴿۲۶﴾

سکھائے تھے، کیونکہ اُس وقت تک انہیں توبہ کا طریقہ بھی معلوم نہیں تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کرنے کے لئے یہ الفاظ نہایت مناسب ہیں، اور ان کے ذریعے توبہ قبول ہونے کی زیادہ اُمید ہے، کیونکہ یہ خود اللہ تعالیٰ ہی کے سکھائے ہوئے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اگر ایک طرف شیطان کو مہلت دے کر اُسے انسان کو بہکانے کی صلاحیت دی جو انسان کے لئے زہر جیسی تھی، تو دوسری طرف انسان کو توبہ اور استغفار کا تریاق بھی عطا فرما دیا کہ اگر شیطان کے بہکائے میں آکر وہ کبھی کوئی گناہ کر گزرے تو اُسے فوراً توبہ کرنی چاہئے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہو، اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرے، اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔ اس طرح شیطان کا چڑھایا ہوا زہر اُتر جائے گا۔

﴿۱۱﴾ آیات ۲۶ تا ۱۳۲ اہل عرب کی ایک عجیب و غریب رسم کے پس منظر میں نازل ہوئی ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے قریب رہنے والے کچھ قبیلے مثلاً قریش، ”حمس“ کہلاتے تھے۔ عرب کے دوسرے تمام قبیلے حرم کی پاسبانی کی وجہ سے ان لوگوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اسی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ عربوں کے عقیدے کے مطابق کپڑے پہن کر طواف کرنا صرف انہی کا حق تھا۔ دوسرے لوگ کہتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کئے ہیں، اُن کے ساتھ ہم بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتے۔ چنانچہ یہ لوگ جب طواف کے لئے آتے تو ”حمس“ کے کسی آدمی سے کپڑے مانگتے، اگر اس کے کپڑے مل جاتے تو انہیں پہن کر طواف کر لیتے، لیکن اگر کسی کو ”حمس“ میں سے کسی کے کپڑے نہ ملتے تو وہ بالکل عریاں ہو کر طواف کرتے تھے۔ یہ آیتیں اس بے ہودہ رسم کی تردید کے لئے نازل ہوئی ہیں، اور ان میں انسان کے لئے لباس کی اہمیت بھی بیان فرمائی گئی ہے، اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ لباس کا اصل مقصد جسم کا پردہ ہے، اور ساتھ ہی لباس انسان کے لئے زینت اور خوشنمائی کا بھی ذریعہ ہے۔ ایک اچھے لباس کی صفت یہ ہونی چاہئے کہ وہ یہ دونوں مقصد پورے کرے۔ اور جس لباس سے پردے کا مقصد حاصل نہ ہو وہ انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

﴿۱۲﴾ لباس کا ذکر آیا تو یہ حقیقت بھی واضح فرمادی گئی کہ جس طرح لباس انسان کے ظاہری جسم کی پردہ داری کرتا ہے، اسی طرح تقویٰ انسان کو گناہوں سے پاک رکھتا ہے، اور اُس کے ظاہر اور باطن دونوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اس لحاظ سے تقویٰ کا لباس بہترین لباس ہے۔ لہذا ظاہری لباس پہننے کے ساتھ ساتھ انسان کو یہ فکر بھی رکھنی چاہئے کہ وہ تقویٰ کے لباس سے آراستہ ہو۔

﴿۱۳﴾ یعنی لباس کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔



لِيَبْنِيَ آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوَاتِرَهُمَا ۖ إِنَّهُ يَرَكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۖ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾ وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا ۖ قُلْ إِنَّا لِلَّهِ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ۖ اتَّقُوا اللَّهَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١١﴾ قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ ۚ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ﴿١٢﴾ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ ۚ إِنَّهُمْ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنََّّهُم مُّهْتَدُونَ ﴿١٣﴾

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! شیطان کو ایسا موقع ہرگز ہرگز نہ دینا کہ وہ تمہیں اسی طرح فتنے میں ڈال دے جیسے اُس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا، جبکہ اُن کا لباس اُن کے جسم سے اُتر والیا تھا، تاکہ اُن کو ایک دوسرے کی شرم کی جگہیں دکھا دے۔ وہ اور اُس کا جتھہ تمہیں وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم اُنہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ان شیطانوں کو ہم نے انہی کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے ﴿۱۰﴾ اور جب یہ (کافر) لوگ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طریقے پر عمل کرتے پایا ہے، اور اللہ نے ہمیں ایسا ہی حکم دیا ہے۔ تم (ان سے) کہو کہ: ”اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیا کرتا۔ کیا تم وہ باتیں اللہ کے نام لگاتے ہو جن کا تمہیں ذرا علم نہیں؟“ ﴿۱۱﴾ کہو کہ: ”میرے پروردگار نے تو انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور (یہ حکم دیا ہے کہ:) ”جب کہیں سجدہ کرو، اپنا رخ ٹھیک ٹھیک رکھو، اور اس یقین کے ساتھ اُس کو پکارو کہ اطاعت خالص اُسی کا حق ہے۔ جس طرح اُس نے تمہیں ابتدا میں پیدا کیا تھا، اُسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے۔“ ﴿۱۲﴾ (تم میں سے) ایک گروہ کو تو اللہ نے ہدایت تک پہنچا دیا ہے، اور ایک گروہ وہ ہے جس پر گمراہی مسلط ہو گئی ہے، کیونکہ ان لوگوں نے اللہ کے بجائے شیطانوں کو دوست بنالیا ہے، اور سمجھ یہ رہے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر ہیں ﴿۱۳﴾

(۱۳) اس سے اسی رسم کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ عریاں ہو کر طواف کرتے ہیں۔ چونکہ یہ رسم برسوں سے چلی آتی تھی، اس لئے ان کی دلیل یہ تھی کہ ہمارے باپ دادا ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہوگا۔

(۱۵) شاید مذکورہ بالا سیاق و سباق میں انصاف کا ذکر اس لئے بھی کیا گیا ہے کہ ”حس“ کے لوگوں نے اپنی جو امتیازی خصوصیات طے کر رکھی تھیں، ان میں سے بعض انصاف کے تقاضوں کے بھی خلاف تھیں۔ مثلاً یہ بات کہ صرف وہی کپڑے پہن کر طواف کر سکتے ہیں، دوسرے لوگ نہیں، حالانکہ اگر دوسرے لوگ گناہ کر سکتے تھے تو یہ لوگ بھی گناہوں سے پاک تو نہیں تھے۔



يٰۤاِبْنِ اٰدَمَ خُذْ وَاٰزِيْنَتَكَمَّ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ  
 الْمُسْرِفِيْنَ ۝۳۱ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ اُخْرِجَ لِعِبَادِهِۦمُ الطَّيِّبَتِ مِنَ الرِّزْقِ ۚ قُلْ هِىَ  
 لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ كَذٰلِكَ نَفْصَلُ الْاٰلِيَتِ لِقَوْمٍ  
 يَعْلَمُوْنَ ۝۳۲ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ  
 الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطٰنًا وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلٰى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۳

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! جب کبھی مسجد میں آؤ تو اپنی خوشنمائی کا سامان (یعنی لباس جسم پر) لے کر آؤ، اور کھاؤ اور  
 پیو، اور فضول خرچی مت کرو۔ یاد رکھو کہ اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا ۝۳۱ کہو کہ: ”آخر کون ہے جس نے  
 زینت کے اُس سامان کو حرام قرار دیا ہو جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے، اور (اسی طرح) پاکیزہ رزق  
 کی چیزوں کو؟“ ۝۳۲ کہو کہ: ”جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اُن کو یہ نعمتیں جو دنیوی زندگی میں ملی ہوئی ہیں، قیامت کے دن  
 خالص انہی کے لئے ہوں گی۔“ اسی طرح ہم تمام آیتیں اُن لوگوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو علم سے کام  
 لیں۔ ۝۳۳ کہہ دو کہ: ”میرے پروردگار نے تو بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو، یا  
 چھپی ہوئی۔ نیز ہر قسم کے گناہ کو اور ناحق کسی سے زیادتی کرنے کو، اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو  
 شریک مانو جس کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے، نیز اس بات کو کہ تم اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاؤ  
 جن کی حقیقت کا تمہیں ذرا بھی علم نہیں ہے۔“ ۝۳۴

(۱۶) جس طرح ان عرب قبائل نے طواف کے وقت کپڑے پہنے کو حرام سمجھا ہوا تھا، اسی طرح جاہلیت کے لوگوں نے بہت سی  
 غذاؤں کو بلاوجہ حرام قرار دیا ہوا تھا جس کا مفصل تذکرہ سورہ انعام میں گزرا ہے۔ نیز ”خمس“ کے قبائل نے گوشت کی بعض  
 قسموں کو اپنی امتیازی حیثیت ظاہر کرنے کے لئے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا کوئی حکم نہیں آیا تھا۔  
 (۱۷) یہ دراصل کفار مکہ کی ایک بات کا جواب ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارا موجودہ طریقہ پسند نہیں ہے تو وہ ہمیں  
 رزق کیوں دے رہا ہے؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس دُنیا میں تو اللہ تعالیٰ کے رزق کا دسترخوان ہر شخص کے لئے بچھا ہوا ہے، چاہے  
 وہ مؤمن ہو یا کافر۔ لیکن آخرت میں یہ نعمتیں صرف مؤمنوں کے لئے خاص ہیں۔ اس لئے یہ سمجھنا غلط ہے کہ اگر دُنیا میں کسی کو  
 خوشحالی میسر ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی دلیل ہے، اور اسے آخرت میں بھی خوشحالی ضرور میسر آئے گی۔

(۱۸) یوں تو کسی بھی شخص کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرنا ہر اعتبار سے ایک ناجائز اور غیر اخلاقی فعل ہے، لیکن اگر یہ جرم  
 اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا جائے تو اس کی سنگینی انسان کو کفر تک لے جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب کرتے



وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿۳۴﴾ لِيَبْنِيَ آدَمَ  
 إِمَامًا يَتَّبِعُكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمُ الْآيَاتِ ۖ فَمَن أَتَىٰ فَتًى ۖ فَمِنَ النَّاسِ مَن يَصْلَحُ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ  
 وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ  
 فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۶﴾ فَمَن أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۖ أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمُ  
 نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا كُنْتُمْ تُدْعَوْنَ  
 مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿۳۷﴾

اور ہر قوم کے لئے ایک ميعاد مقرر ہے۔ چنانچہ جب ان کی مقررہ ميعاد آ جاتی ہے تو وہ گھڑی بھر بھی اُس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ ﴿۳۴﴾ (اور اللہ نے انسان کو پیدا کرتے وقت ہی یہ تنبیہ کر دی تھی کہ:) ”اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے کچھ پیغمبر آئیں جو تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سنائیں، تو جو لوگ تقویٰ اختیار کریں گے اور اپنی اصلاح کر لیں گے، اُن پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے، ﴿۳۵﴾ اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، اور تکبر کے ساتھ اُن سے منہ موڑا ہے، وہ لوگ دوزخ کے باسی ہیں۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔“ ﴿۳۶﴾ اب بتاؤ کہ اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے؟ ایسے لوگوں کے مقدر میں (رزق کا) جتنا حصہ لکھا ہوا ہے، وہ اُنہیں (دُنیا کی زندگی میں) پہنچتا رہے گا، یہاں تک کہ جب اُن کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اُن کی روح قبض کرنے کے لئے آ پہنچیں گے تو وہ کہیں گے کہ: ”کہاں ہیں وہ (تمہارے معبود) جنہیں تم اللہ کے بجائے پکارا کرتے تھے؟“ یہ جواب دیں گے کہ: ”وہ سب ہم سے گم ہو چکے ہیں۔“ اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔ ﴿۳۷﴾

وقت انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے، اور جب تک انسان کو یقینی علم حاصل نہ ہو، ایسی نسبت کا اقدام ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ عرب کے بت پرستوں نے اپنی طرف سے باتیں گھڑ گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رکھی تھیں جن کی بنیاد کسی علم پر نہیں تھی، بلکہ اپنے بے بنیاد اندازوں پر تھی، جن کی حقیقت کا خود انہیں بھی علم حاصل نہیں تھا۔

(۱۹) یہاں یہ واضح کر دیا گیا کہ دُنیا میں رزق دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر میں تفریق نہیں فرمائی ہے، بلکہ ہر ایک کے لئے رزق کا ایک حصہ مقرر فرما دیا ہے جو اسے ہر حال میں پہنچتا رہے گا، چاہے وہ کتنا بڑا کافر کیوں نہ ہو۔ لہذا اگر کسی کو دُنیا میں رزق کی فراوانی حاصل ہے، تو اُسے یہ نہ سمجھ بیٹھنا چاہئے کہ اُس کا طریقہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، جیسا کہ یہ کفار مکہ سمجھ رہے ہیں۔ ان کو اصل حقیقت کا پتہ اُس وقت چلے گا جب موت کا منظر ان کے سامنے آ جائے گا۔



قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ فِي النَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا دَارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا ۖ قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولِهِمْ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ أَصْلُ نَوَافِلِهِمْ عَذَابٌ ضَعُفًا مِنَ النَّارِ ۚ قَالَ لِكُلِّ ضِعْفٌ وَلَكِنْ لَا تَعْلَمُونَ ۖ (۳۱) وَقَالَتْ أُولَهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فذُقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۖ (۳۲) إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۖ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ۖ (۳۳)

اللہ فرمائے گا کہ: ”جاؤ، جنات اور انسانوں کے اُن گروہوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔“ (اس طرح) جب بھی کوئی گروہ دوزخ میں داخل ہوگا، وہ اپنے جیسوں پر لعنت بھیجے گا، یہاں تک کہ جب ایک کے بعد ایک، سب اُس میں اکٹھے ہو جائیں گے تو اُن میں سے جو لوگ بعد میں آئے تھے، وہ اپنے سے پہلے آنے والوں کے بارے میں کہیں گے کہ: ”اے ہمارے پروردگار! انہوں نے ہمیں غلط راستے پر ڈالا تھا، اس لئے ان کو آگ کا دُگنا عذاب دینا۔“ اللہ فرمائے گا کہ: ”سبھی کا عذاب دُگنا ہے، لیکن تمہیں (ابھی) پتہ نہیں ہے۔“ (۳۱) اور پہلے آنے والے بعد میں آنے والوں سے کہیں گے: ”تو پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت تو حاصل نہ ہوئی۔ لہذا جو کمائی تم خود کرتے رہے ہو اُس کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو۔“ (۳۲)

(لوگو!) یقین رکھو کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، اور تکبر کے ساتھ اُن سے منہ موڑا ہے، اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، اور وہ جنت میں اُس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کوئی اونٹ ایک سوئی کے نا کے میں داخل نہیں ہو جاتا، اور اسی طرح ہم مجرموں کو اُن کے کئے کا بدلہ دیا کرتے ہیں (۳۳)

(۲۰) یعنی جو لوگ سرداروں کے ماتحت تھے، وہ اپنے اُن سرداروں پر لعنت بھیجیں گے جنہوں نے انہیں گمراہ کیا تھا، اور سردار اپنے ماتحتوں پر لعنت بھیجیں گے کہ انہوں نے اُن کی حد سے زیادہ تعظیم کر کے انہیں گمراہی میں اور پختہ کر دیا۔

(۲۱) مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کا عذاب پہلے سے زیادہ ہوتا جائے گا۔ لہذا اگر سرداروں کو اس وقت دُگنا عذاب دے دیا جائے گا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خود تم اتنے شدید عذاب سے محفوظ رہو گے، بلکہ ایک وقت آئے گا کہ خود تمہارا عذاب بھی بڑھ کر ان کے موجودہ عذاب کے برابر ہو جائے گا، چاہے اُن کا عذاب اُس وقت اور بڑھ جائے۔

(۲۲) یہ ایک عربی زبان کا محاورہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک اونٹ سوئی کے نا کے میں کبھی داخل نہیں ہو سکتا، اسی طرح یہ لوگ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔



لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٢١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٢﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا ۖ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنَّ هَدَانَا اللَّهُ ۖ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ وَنُودُوا أَن تِلْكَمُ الْجَنَّةُ ۖ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٣﴾ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ ۖ أَن قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۚ قَالُوا نَعَمْ ۖ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿٢٤﴾

اُن کے لئے تو دوزخ ہی کا بچھونا ہے، اور اُوپر سے اُسی کا اوڑھنا۔ اور اسی طرح ہم ظالموں کو اُن کے کئے کا بدلہ دیا کرتے ہیں ﴿۲۱﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں — (یاد رہے کہ) ہم کسی بھی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتے ﴿۲۲﴾ — تو ایسے لوگ جنت کے باسی ہیں۔ وہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔ ﴿۲۳﴾ اور اُن کے سینوں میں (ایک دوسرے سے دُنیا میں) جو کوئی رنجش رہی ہوگی، اُسے ہم نکال باہر کریں گے۔ اُن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، اور وہ کہیں گے: ”تمام تر شکر اللہ کا ہے، جس نے ہمیں اِس منزل تک پہنچایا۔ اگر اللہ ہمیں نہ پہنچاتا تو ہم کبھی منزل تک نہ پہنچتے۔ ہمارے پروردگار کے پیغمبر واقعی ہمارے پاس بالکل سچی بات لے کر آئے تھے۔“ اور اُن سے پکار کر کہا جائے گا کہ: ”لوگو! یہ ہے جنت! تم جو عمل کرتے رہے ہو، اُن کی بنا پر تمہیں اِس کا وارث بنا دیا گیا ہے۔“ ﴿۲۴﴾ اور جنت کے لوگ دوزخ والوں سے پکار کر کہیں گے کہ: ”ہمارے پروردگار نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، ہم نے اُسے بالکل سچا پایا ہے۔ اب تم بتاؤ کہ تمہارے پروردگار نے جو وعدہ کیا تھا، کیا تم نے بھی اُسے سچا پایا؟“ وہ جواب میں کہیں گے: ”ہاں!“ اتنے میں ایک منادی اُن کے درمیان پکارے گا کہ: ”اللہ کی لعنت ہے اُن ظالموں پر ﴿۲۵﴾“

(۲۳) نیک عمل کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جملہ معترضہ کے طور پر یہ وضاحت فرمادی کہ نیک عمل کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے جو انسان کی طاقت سے باہر ہو، کیونکہ ہم نے کوئی حکم انسانوں کو ایسا نہیں دیا جو ان کی استطاعت میں نہ ہو۔ نیز شاید اشارہ اس طرف بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی طاقت کی حد تک نیک عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہو، اور پھر بھی اس سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اُس پر گرفت نہیں فرماتے۔

(۲۴) چونکہ جنت ہر قسم کی تکلیف سے خالی ہوگی، اس لئے وہاں باہمی عداوت، کینے اور کدورت کا بھی گزر نہیں ہوگا، اور دُنیا میں انسانوں کے درمیان جو رنجشیں رہی ہوں، جنت میں اللہ تعالیٰ وہ بالکل دُور فرمادیں گے، اور تمام جنتی محبت، دوستی اور بھائی چارے کے ماحول میں رہیں گے۔



الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَفِرُونَ ﴿٢٥﴾ وَبَيْنَهُمَا  
 حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسَيِّئِهِمْ ۖ وَنَادُوا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلِّمُوا  
 عَلَيْكُمْ ۖ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٢٦﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ  
 قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٧﴾ وَنَادَى أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ  
 بِسَيِّئِهِمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَعْلُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٨﴾ أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ  
 لَا يَأْتِيهِمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ ۖ أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٢٩﴾

جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے تھے، اور اُس میں ٹیڑھ نکالنا چاہتے تھے، اور جو آخرت کا بالکل انکار کیا کرتے  
 تھے۔ ﴿۲۵﴾ اور ان دونوں گروہوں (یعنی جنتیوں اور دوزخیوں) کے درمیان ایک آڑ ہوگی، اور اعراف پر (یعنی اُس آڑ  
 کی بلندیوں پر) کچھ لوگ ہوں گے جو ہر گروہ کے لوگوں کو اُن کی علامتوں سے پہچانتے ہوں گے۔ اور وہ جنت والوں کو  
 آواز دے کر کہیں گے: ”سلام ہو تم پر!“ وہ (اعراف والے) خود تو اُس میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے، البتہ اشتیاق  
 کے ساتھ اُمید لگائے ہوئے ہوں گے ﴿۲۶﴾ اور جب اُن کی نگاہوں کو دوزخ والوں کی سمت موڑا جائے گا تو وہ کہیں گے:  
 ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالم لوگوں کے ساتھ نہ رکھنا۔“ ﴿۲۷﴾ اور اعراف والے اُن لوگوں کو آواز دیں گے جن  
 کو وہ اُن کی علامتوں سے پہچانتے ہوں گے۔ کہیں گے کہ: ”نہ تمہاری جمع پونجی تمہارے کچھ کام آئی، اور نہ وہ جنہیں تم بڑا  
 سمجھے بیٹھے تھے۔“ ﴿۲۸﴾ (پھر جنتیوں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے کہ:) ”کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں تم  
 نے قسمیں کھائی تھیں کہ اللہ ان کو اپنی رحمت کا کوئی حصہ نہیں دے گا؟ (اُن سے تو کہہ دیا گیا ہے کہ:) جنت میں داخل  
 ہو جاؤ، نہ تم کو کسی چیز کا ڈر ہوگا، اور نہ تمہیں کبھی کوئی غم پیش آئے گا۔“ ﴿۲۹﴾

﴿۲۵﴾ یوں تو اعراف والے جنت اور جہنم دونوں کا خود نظارہ کر رہے ہوں گے، اس لئے انہیں جنتیوں اور دوزخیوں کو پہچاننے  
 کے لئے کسی علامت کی ضرورت نہیں ہوگی، لیکن یہاں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہ لوگ جنت اور دوزخ والوں کو دنیا میں  
 بھی ان کی علامتوں سے پہچانتے تھے، اور چونکہ یہ لوگ صاحب ایمان تھے، اس لئے انہیں دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے اتنی حس عطا  
 فرمادی تھی کہ یہ متقی پرہیزگار لوگوں کے چہروں سے پہچان لیتے تھے کہ یہ نیک لوگ ہیں، اور کافروں کے چہروں سے پہچان لیتے  
 تھے کہ یہ کافر ہیں (تفسیر کبیر امام رازی)۔

﴿۲۶﴾ اس سے اشارہ ان دیوتاؤں کی طرف ہے جن کو انہوں نے خدائی میں اللہ تعالیٰ کا شریک مانا ہوا تھا، نیز اُن سرداروں اور  
 پیشواؤں کی طرف جنہیں بڑا مان کر انہوں نے بے سوچے سمجھے ان کی پیروی کی، اور یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ لوگ انہیں اللہ تعالیٰ کے  
 غضب سے بچالیں گے۔



وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۖ  
 قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ مَهْمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ۝۵۹ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتُهُمْ  
 الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۖ فَالْيَوْمَ نَنسِفُهُمْ كَمَا نَسَوُا الْإِقَاءَ يَوْمَهُمْ هَذَا ۖ وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۝۶۰  
 وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝۶۱ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا  
 تَأْوِيلَهُ ۖ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلَهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسَوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ  
 فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفْعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۖ قَدْ خَسِرُوا  
 أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝۶۲

اور دوزخ والے جنت والوں سے کہیں گے کہ: ”ہم پر تھوڑا سا پانی ہی ڈال دو، یا اللہ نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں، ان کا کوئی حصہ (ہم تک بھی پہنچا دو)“ وہ جواب دیں گے کہ: ”اللہ نے یہ دونوں چیزیں اُن کافروں پر حرام کر دی ہیں ۝۵۹ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا، اور جن کو دُنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا۔“ چنانچہ آج ہم بھی اُن کو اسی طرح بھلا دیں گے جیسے وہ اس بات کو بھلائے بیٹھے تھے کہ انہیں اس دن کا سامنا کرنا ہے، اور جیسے وہ ہماری آیتوں کا کھلم کھلا انکار کیا کرتے تھے ۝۶۰ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم ان کے پاس ایک ایسی کتاب لے آئے ہیں جس میں ہم نے اپنے علم کی بنیاد پر ہر چیز کی تفصیل بتا دی ہے، اور جو لوگ ایمان لائیں اُن کے لئے وہ ہدایت اور رحمت ہے ۝۶۱ (اب) یہ (کافر) اُس آخری انجام کے سوا کس بات کے منتظر ہیں جو اس کتاب میں مذکور ہے؟ (حالانکہ) جس دن وہ آخری انجام آگیا جو اس کتاب نے بتایا ہے، اُس دن یہ لوگ جو اُس انجام کو پہلے بھلا چکے تھے، یہ کہیں گے کہ: ”ہمارے پروردگار کے پیغمبر واقعی سچی خبر لائے تھے۔ اب کیا ہمیں کچھ سفارشی میسر آسکتے ہیں جو ہماری سفارش کریں، یا کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہمیں دوبارہ وہیں (دُنیا میں) بھیج دیا جائے، تاکہ ہم جو (برے) کام پہلے کرتے رہے ہیں، اُن کے برخلاف دوسرے (نیک) عمل کریں؟“ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی جانوں کے لئے سخت گھائے کا سودا کر چکے ہیں، اور جو (دیوتا) انہوں نے گھڑ رکھے ہیں، انہیں (اُس دن) اُن کا کہیں سراغ نہیں ملے گا۔ ۝۶۲

(۲۷) اس آخری انجام سے مراد قیامت ہے۔ یعنی کیا یہ لوگ ایمان لانے کے لئے قیامت کا انتظار کر رہے ہیں، حالانکہ اُس وقت ایمان قبول ہی نہیں ہوگا، اور جب وہ آجائے گی تو ان کو حسرت کرنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔



إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ يُغْشَىٰ اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا ۚ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّهُ لَا يَخْلُقُ وَالْأَمْرُ ۚ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٩﴾ اذْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٣٠﴾

یقیناً تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے سارے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے، پھر اُس نے عرش پر استواء فرمایا۔<sup>(۲۸)</sup> وہ دن کورات کی چادر اڑھا دیتا ہے، جو تیز رفتاری سے چلتی ہوئی اُس کو آدبوچتی ہے۔ اور اُس نے سورج اور چاند تارے پیدا کئے ہیں جو سب اُس کے حکم کے آگے رام ہیں۔ یاد رکھو کہ پیدا کرنا اور حکم دینا سب اُسی کا کام ہے۔ بڑی برکت والا ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے! ﴿۲۹﴾ تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو۔ یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔<sup>(۳۰)</sup> ﴿۳۱﴾

﴿۲۸﴾ یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب دنوں کا حساب موجودہ سورج کے طلوع و غروب سے نہیں ہوتا تھا۔ اُس وقت کے دن کا شمار بظاہر کسی اور معیار پر کیا گیا ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اور یوں تو اللہ تعالیٰ کو یہ بھی قدرت تھی کہ وہ پلک جھپکنے سے بھی پہلے پوری کائنات وجود میں لے آتا، لیکن اس عمل کے ذریعے انسان کو بھی جلد بازی کے بجائے اطمینان اور وقار کے ساتھ کام کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

﴿۲۹﴾ ”استواء“ عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں: ”سیدھا ہونا“، ”قائم ہونا“، ”قابو پانا“ اور بعض اوقات اس کے معنی بیٹھنے کے بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چونکہ جسم اور مکان سے پاک ہے، اس لئے اس کے یہ معنی سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ جس طرح کوئی انسان تخت پر بیٹھتا ہے، اس طرح (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ بھی عرش پر بیٹھے ہیں۔ ”استواء“ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، اور جمہور اہل سنت کے نزدیک اس کی ٹھیک ٹھیک کیفیت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اسے تشابہات میں شمار کیا گیا ہے جن کی کھود کرید میں پڑنے کو سورہ آل عمران کے شروع میں خود قرآن کریم نے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ اس کا کوئی بھی ترجمہ کرنا مغالطہ پیدا کر سکتا ہے۔ اسی بنا پر ہم نے یہاں اس کا ترجمہ نہیں کیا۔ نہ اس پر کوئی عملی مسئلہ موقوف ہے۔ اتنا ایمان رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کے مطابق استواء فرمایا جس کی حقیقت ہماری محدود عقل کے ادراک سے باہر ہے۔

﴿۳۰﴾ اس حد سے گزرنے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ بہت اونچی آواز سے دُعا مانگی جائے، اور یہ بھی کہ کوئی ناجائز یا ناممکن چیز طلب کی جائے، جو دُعا کے بجائے (معاذ اللہ) مذاق بن جائے، مثلاً یہ دُعا کہ میں ابھی آسمان پر چڑھ جاؤں۔ کفار بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی دُعا میں مانگنے کا مطالبہ کرتے تھے۔



وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ كَذَلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٥٧﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرِجُ نَبَاتَهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرِجُهُ إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَلِكَ نَصْرِفُ الْأَيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾

اور زمین میں اُس کی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو، اور اُس کی عبادت اس طرح کرو کہ دل میں خوف بھی ہو اور اُمید بھی۔ یقیناً اللہ کی رحمت نیک لوگوں سے قریب ہے ﴿۵۶﴾ اور وہی (اللہ) ہے جو اپنی رحمت (یعنی بارش) کے آگے آگے ہوا میں بھیجتا ہے جو (بارش کی) خوشخبری دیتی ہیں، یہاں تک کہ جب وہ بوجھل بادلوں کو اٹھالیتی ہیں، تو ہم انہیں کسی مردہ زمین کی طرف ہنکالے جاتے ہیں، پھر وہاں پانی برساتے ہیں، اور اُس کے ذریعے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردوں کو بھی زندہ کر کے نکالیں گے۔ شاید (ان باتوں پر غور کر کے) تم سبق حاصل کر لو۔ ﴿۵۷﴾ اور جو زمین اچھی ہوتی ہے اُس کی پیداوار تو اپنے رب کے حکم سے نکل آتی ہے، اور جو زمین خراب ہوگئی ہو، اُس سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اسی طرح ہم اپنی نشانیوں کے مختلف رُخ دکھاتے رہتے ہیں، (مگر) اُن لوگوں کے لئے جو قدر دانی کریں۔ ﴿۵۸﴾

(۳۱) زمین پر اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو بھیجا تو شروع میں نافرمانی کا کوئی تصور نہیں تھا، اور اس طرح زمین کی اصلاح ہو چکی تھی۔ جن جن لوگوں نے بعد میں نافرمانی کے بیج بوئے انہوں نے زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد مچایا۔  
(۳۲) یہاں دعاء کا صیغہ اکثر مفسرین کے نزدیک عبادت کے لئے آیا ہے، اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ عبادت سے کیا ہے۔ اور سچی عبادت کی شان اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ عبادت کرنے والے کے دل میں اپنی عبادت پر ناز ہونے کے بجائے یہ خوف ہونا چاہئے کہ نہ جانے میں عبادت کا حق ادا کر سکا یا نہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کی مستحق ہے یا نہیں۔ دوسری طرف اسے اپنی عبادت کی کوتاہیوں سے مایوسی کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ اُمید بھی ہونی چاہئے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اسے قبول فرما ہی لے گا۔ یعنی اپنی کوتاہی کا خوف اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بنیاد پر اُمید، دونوں چیزوں کا امتزاج ہے جو کسی عبادت میں سچائی پیدا کرتا ہے۔

(۳۳) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ ایک مردہ زمین میں جان ڈال دیتا ہے، اسی طرح وہ مردہ انسانوں میں بھی جان ڈالنے پر قادر ہے۔ مردہ زمین کے زندہ ہونے کے واقعات تم روزِ مردہ دیکھتے ہو، اور یہ بھی مانتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوتا ہے۔ اس سے تمہیں سبق لینا چاہئے کہ انسانوں کو دوبارہ زندگی دینے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر سمجھنا کتنی بڑی بے وقوفی ہے۔

(۳۴) اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح اچھی زمین کی پیداوار بھی خوب ہوتی ہے، اسی طرح جن لوگوں کے دل میں طلب کی پاکیزگی ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں، اور جس طرح ایک خراب زمین پر



لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ لِقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥٩﴾ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرُكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٦٠﴾ قَالَ لِقَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦١﴾ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَتِ رَبِّي وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٢﴾ أَوْ عَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٦٣﴾

ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس بھیجا۔ چنانچہ انہوں نے کہا: ”اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ یقین جانو مجھے سخت اندیشہ ہے کہ تم پر ایک زبردست دن کا عذاب نہ آکھڑا ہو۔“ ﴿٥٩﴾ اُن کی قوم کے سرداروں نے کہا: ”ہم تو یقینی طور پر دیکھ رہے ہیں کہ تم کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔“ ﴿٦٠﴾ نوح نے جواب دیا: ”اے میری قوم! مجھے کوئی گمراہی نہیں لگی، مگر میں رَبِّ الْعَالَمِينَ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں ﴿٦١﴾ میں تمہیں اپنے رَبِّ کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں۔ مجھے اللہ کی طرف سے ایسی باتوں کا علم ہے جن کا تمہیں پتہ نہیں ہے ﴿٦٢﴾ بھلا کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے رَبِّ کی نصیحت ایک ایسے آدمی کے ذریعے تم تک پہنچی ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تاکہ وہ تمہیں خبردار کرے، اور تم بد عملی سے بچ کر رہو، اور تاکہ تم پر (اللہ کی) رحمت ہو؟“ ﴿٦٣﴾

بارش پڑنے کے باوجود اُس سے کوئی فائدہ مند پیداوار حاصل نہیں ہوتی، اسی طرح جن لوگوں کے دل ضد اور عناد سے خراب ہو چکے ہیں، اُن کو اللہ تعالیٰ کے کلام سے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

(۳۵) اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی پیدائش اور حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے درمیان ایک ہزار سال سے کچھ زیادہ کا فاصلہ ہے، لیکن محقق علماء نے ان روایات کو مستند نہیں سمجھا۔ حقیقی فاصلے کا یقینی علم حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ البتہ اتنی بات قرآن کریم سے واضح ہوتی ہے کہ اس طویل عرصے کے دوران بت پرستی کا رواج بہت بڑھ گیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی بہت سے بت بنا رکھے تھے، جن کے نام سورۃ نوح میں مذکور ہیں۔ سورۃ عنکبوت (۱۴:۲۹) میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک اس قوم کو حق کی تبلیغ فرمائی، اور سمجھانے کا کوئی طریقہ نہیں چھوڑا۔ کچھ نیک بخت ساتھی جو زیادہ تر غریب طبقے سے تعلق رکھتے تھے، اُن پر ایمان لائے، لیکن قوم کی اکثریت نے کفر ہی کا راستہ اختیار کئے رکھا۔ حضرت نوح علیہ السلام اُن کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے رہے، لیکن جب وہ نہ مانے، تو انہوں نے بد عادی، اور پھر انہیں ایک شدید طوفان میں غرق کر دیا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے اور ان کی قوم پر آنے والے طوفان کی سب سے زیادہ تفصیل سورۃ ہود (۱۱:۲۵ تا ۴۹) اور سورۃ نوح (سورت نمبر ۷۱) میں آئے گی۔ اس کے علاوہ سورۃ



فَكَذَّبُوهُ فَأَنْجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلِّ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ كَانُوا  
 قَوْمًا عَمِينَ ﴿٢٤﴾ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۖ قَالَ يَقَوْمِ مَا عَبْدُ وَاللَّهِ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ  
 أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٢٥﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرُّكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنُظُنُّكَ  
 مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ يَقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٧﴾ أُبَلِّغُكُمْ  
 رِسَالَتِ رَبِّي وَإِنَّا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ﴿٢٨﴾

پھر بھی انہوں نے نوح کو جھٹلایا، چنانچہ ہم نے اُن کو اور کشتی میں اُن کے ساتھیوں کو نجات دے دی، اور اُن سب لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری نشانیں کو جھٹلایا تھا۔ یقیناً وہ اندھے لوگ تھے۔ ﴿۲۴﴾ اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا: ”اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا پھر بھی تم اللہ سے نہیں ڈرو گے؟“ ﴿۲۵﴾ اُن کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر اپنا رکھا تھا، کہنے لگے: ”ہم تو یقینی طور پر دیکھ رہے ہیں کہ تم بے وقوفی میں مبتلا ہو، اور بیشک ہمارا گمان یہ ہے کہ تم ایک جھوٹے آدمی ہو“ ﴿۲۶﴾ ہود نے کہا: ”اے میری قوم! مجھے کوئی بے وقوفی لاحق نہیں ہوئی، بلکہ میں رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا پیغمبر ہوں ﴿۲۷﴾ میں اپنے پروردگار کے پیغامات تم تک پہنچاتا ہوں، اور میں تمہارا ایسا خیر خواہ ہوں جس پر تم اطمینان کر سکتے ہو ﴿۲۸﴾

مؤمنون (۲۳: ۲۳)، سورہ شعراء (۱۰۵: ۲۶) اور سورہ قمر (۹: ۵۴) میں بھی ان کا واقعہ اختصار سے بیان ہوا ہے۔ دوسرے مقامات پر ان کا صرف حوالہ دیا گیا ہے۔

﴿۲۶﴾ کشتی اور طوفان کا پورا واقعہ ان شاء اللہ سورہ ہود میں آنے والا ہے۔

﴿۲۷﴾ قوم عاد عربوں کی ابتدائی نسل کی ایک قوم تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کم از کم دو ہزار سال پہلے یمن کے علاقے حضرموت کے آس پاس آباد تھی۔ یہ لوگ اپنی جسمانی طاقت اور پتھروں کو تراشنے کے ہنر میں مشہور تھے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے بت بنا کر ان کی پوجا شروع کر دی، اور اپنی طاقت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت ہود علیہ السلام ان کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجے گئے، اور انہوں نے اپنی قوم کو بڑی دردمندی سے سمجھانے کی کوشش کی، اور انہیں توحید کی تعلیم دے کر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بننے کی تعلیم دی، مگر کچھ نیک طبع لوگوں کے سوا باقی لوگوں نے اُن کا کہنا نہیں مانا۔ پہلے اُن کو قحط میں مبتلا کیا گیا، اور حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں یاد دلایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تنبیہ ہے، اگر اب بھی تم اپنی بد اعمالیوں سے باز آ جاؤ تو اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کی بارشیں برسا دے گا۔ (۵۲: ۱۱) لیکن اس قوم پر کچھ اثر نہیں ہوا، اور وہ اپنے کفر و شرک میں بڑھتی چلی گئی۔ آخر کار اُن پر ایک تیز و تند آندھی کا عذاب بھیجا گیا جو آٹھ دن تک متواتر جاری رہا، یہاں تک کہ یہ ساری قوم ہلاک ہو گئی۔ اس قوم کا واقعہ موجودہ سورت



أَوْ عَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَى رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ ۖ وَادْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَضْطَةً ۖ فَادْكُرُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٩﴾ قَالُوا أَجِئْنَا لِنُعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۚ فَاتَّبِعْنَا بَعْدُنَا ۚ إِنَّ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّن رَّبِّكُمْ رَجْسٌ وَغَضَبٌ ۖ أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَبَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۖ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿٢١﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَقَطَّعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٢٢﴾

۱۹

بھلا کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے رب کی نصیحت ایک ایسے آدمی کے ذریعے تم تک پہنچی ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تاکہ وہ تمہیں خبردار کرے؟ اور وہ وقت یاد کرو جب اُس نے نوح (علیہ السلام) کی قوم کے بعد تمہیں جانشین بنایا، اور جسم کی ڈیل ڈول میں تمہیں (دوسروں سے) بڑھا چڑھا کر رکھا۔ <sup>(۳۸)</sup> لہذا اللہ کی نعمتوں پر دھیان دو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ ﴿۱۹﴾ انہوں نے کہا: ”کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم تنہا اللہ کی عبادت کریں، اور جن (بتوں) کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں، انہیں چھوڑ بیٹھیں؟ اچھا اگر تم سچے ہو تو لے آؤ ہمارے سامنے وہ (عذاب) جس کی ہمیں دھمکی دے رہے ہو!“ ﴿۲۰﴾ ہود نے کہا: ”اب تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور قہر کا آنا طے ہو چکا ہے۔ کیا تم مجھ سے (مختلف بتوں کے) اُن ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں، جن کی تائید میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی؟ بس تو اب تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔“ ﴿۲۱﴾ چنانچہ ہم نے اُن کو (یعنی ہود علیہ السلام کو) اور اُن کے ساتھیوں کو اپنی رحمت کے ذریعے نجات دی، اور اُن لوگوں کی جڑ کاٹ ڈالی جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، اور مؤمن نہیں ہوئے تھے ﴿۲۲﴾

کے علاوہ سورہ ہود (۱۱: ۵۰ تا ۸۹)، سورہ مؤمنون (۲۳: ۳۲)، سورہ شعراء (۲۶: ۱۲۴)، سورہ حم السجدہ (۴۱: ۱۵)، سورہ احقاف (۴۶: ۲۱)، سورہ قمر (۵۴: ۱۸)، سورہ الحاقہ (۶۹: ۶۹) اور سورہ فجر (۸۹: ۶) میں آیا ہے۔ ان کے مختلف واقعات کی تفصیل ان شاء اللہ ان سورتوں میں آئے گی۔

(۳۸) یہ لوگ اپنے قد وقامت میں اتنے لمبے چوڑے تھے کہ سورہ فجر (۸۹: ۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان جیسی قوم کسی بھی ملک میں پیدا نہیں کی گئی۔



وَالِیْ شُودَا خَاهُمْ صَلِحًا ۖ قَالَ یُقَوْمِ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهُ ۚ قَدْ جَاءَکُمْ  
بَیِّنَةٌ مِّنْ رَبِّکُمْ ۚ هَذِهِ نَاقَةُ اللّٰهِ لَکُمْ اٰیَةٌ فَمَنْ رَّوٰهَا تَا کُلٌّ فِیْ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَتَّبِعُوْهَا سُوْءٌ  
فِیْ مَا خَذَکُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۳۹﴾

اور شمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح کو بھیجا۔ انہوں نے کہا: ”اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل آچکی ہے۔ یہ اللہ کی اُونٹنی ہے جو تمہارے لئے ایک نشانی بن کر آئی ہے۔ اس لئے اس کو آزاد چھوڑ دو کہ وہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے، اور اسے کسی بُرائی کے ارادے سے چھونا بھی نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں ایک دکھ دینے والا عذاب آپکڑے ﴿۳۹﴾

(۳۹) شمود بھی قوم عاد ہی کی نسل سے پیدا ہوئی تھی، اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے مؤمن ساتھی جو عذاب سے بچ گئے تھے، یہ ان کی اولاد تھی، اور شمود اُن کے دادا کا نام تھا۔ اسی لئے ان کو عادِ ثانیہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قوم عرب اور شام کے درمیان اُس علاقے میں آباد تھی جس کو اُس وقت ”حجر“ کہا جاتا تھا، اور آج کل اُسے ”مدائن صالح“ کہتے ہیں، اور آج بھی ان کے گھروں اور محلات کے کھنڈر موجود ہیں، اور پہاڑوں سے تراشی ہوئی عمارتوں کے آثار جن کا ذکر آیت ۷۴ میں ہے، آج بھی وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ عرب کے مشرکین جب تجارتی سفر پر شام جاتے تو یہ کھنڈر ایک نشانِ عبرت کے طور پر ان کے راستے میں پڑتے تھے، اور قرآن کریم نے کئی مقامات پر انہیں اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس قوم میں بھی رفتہ رفتہ بت پرستی کی بیماری پیدا ہو گئی تھی، اور اس کے نتیجے میں بہت سی عملی خرابیاں پھیل گئی تھیں۔ حضرت صالح علیہ السلام اسی قوم کے ایک فرد تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کو راہِ راست دکھانے کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ لیکن یہاں بھی وہی صورت پیش آئی کہ قوم کی اکثریت نے ان کی بات نہیں مانی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے جوانی سے بڑھاپے تک مسلسل اُن کو تبلیغ جاری رکھی۔ آخر کار ان لوگوں نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ ہمارے سامنے کے پہاڑ سے کوئی اُونٹنی نکال کر دکھادیں گے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دُعا فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے اُونٹنی بھی نکال کر دکھادی۔ اس پر کچھ لوگ تو ایمان لے آئے، مگر بڑے بڑے سردار اپنے عہد سے پھر گئے، اور نہ صرف یہ کہ اپنی ضد پر اڑے رہے، بلکہ جو دوسرے لوگ ایمان لانے کا ارادہ کر رہے تھے انہیں بھی روک دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب آجائے گا، اس لئے انہوں نے فرمایا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اس اُونٹنی کو تم آزاد چھوڑے رکھو، اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اور اُونٹنی کو چونکہ پورے کنویں کا پانی درکار ہوتا تھا اس لئے اس کی باری مقرر کر دی کہ ایک دن اُونٹنی کنویں کا پانی پیئے گی اور دوسرے دن آبادی کے لوگ پانی لیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ قوم کے کچھ لوگوں نے اُونٹنی کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا، اور آخر کار ایک شخص نے جس کا نام قذار تھا، اس کو قتل کر ڈالا۔ اس موقع پر حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں متنبہ کیا کہ اب ان کی زندگی کے صرف تین دن باقی رہ گئے ہیں، جس کے بعد وہ عذاب سے ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ ان تین دنوں میں سے



وَإِذْ كُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا  
وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَادْكُرُوا اللَّهَ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٥﴾ قَالَ الْمَلَأُ  
الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتَضَعُّوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صُلْحًا  
مُرْسَلٌ مِنْ رَبِّهِ ۚ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي  
آمَنْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿٧﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يُصْلِحُ الْإِنْتَابُ بَعْدَنَا إِن  
كُنْتُمْ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٨﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جُثَيَيْنَ ﴿٩﴾ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ  
وَقَالَ يُقَوْمُ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّصِيحِينَ ﴿١٠﴾

اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے تمہیں قوم عاد کے بعد جانشین بنایا، اور تمہیں زمین پر اس طرح بسایا کہ تم اُس کے ہموار علاقوں میں محل بناتے ہو، اور پہاڑوں کو تراش کر گھروں کی شکل دے دیتے ہو۔ لہذا اللہ کی نعمتوں پر دھیان دو، اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔ ﴿۵﴾ اُن کی قوم کے سرداروں نے جو بڑائی کے گھمنڈ میں تھے، اُن کمزوروں سے پوچھا جو ایمان لے آئے تھے کہ: ”کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں؟“ انہوں نے کہا کہ: ”بیشک ہم تو اُس پیغام پر پورا ایمان رکھتے ہیں جو اُن کے ذریعے بھیجا گیا ہے۔“ ﴿۶﴾ وہ مغرور لوگ کہنے لگے: ”جس پیغام پر تم ایمان لائے ہو، اُس کے تو ہم سب منکر ہیں۔“ چنانچہ انہوں نے اُونٹنی کو مار ڈالا، اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی، اور کہا: ”صالح! اگر تم واقعی ایک پیغمبر ہو تو لے آؤ وہ (عذاب) جس کی ہمیں دھمکی دیتے ہو!“ ﴿۷﴾ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں زلزلے نے آ پکڑا، اور وہ اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ ﴿۸﴾ اس موقع پر صالح اُن سے منہ موڑ کر چل دیئے، اور کہنے لگے: ”اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا، اور تمہاری خیر خواہی کی، مگر (افسوس کہ) تم خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔“ ﴿۹﴾

ہر دن اُن کے چہروں کا رنگ بدل جائے گا۔ یعنی پہلے دن رنگ پیلا، دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن کالا ہو جائے گا۔ اس کے باوجود اس ضدی قوم نے توبہ اور استغفار کرنے کے بجائے خود حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، جس کا ذکر قرآن کریم نے سورہ نمل (۲۷: ۴۸، ۴۹) میں فرمایا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں راستے ہی میں ہلاک کر دیا، اور ان کا منصوبہ دھرا رہ گیا۔ آخر کار تین دن اسی طرح گزرے جیسے حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا، اسی حالت میں شدید زلزلہ آیا، اور آسمان سے ایک ہیبت ناک چیخ کی آواز نے ان سب کو ہلاک کر ڈالا۔ حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کی قوم کا تفصیلی ذکر سورہ ہود (۱۱: ۶۱)، سورہ شعراء (۲۶: ۱۲۱)، سورہ نمل (۲۷: ۴۵)، اور سورہ قمر (۵۴: ۲۳) میں آیا ہے۔ نیز سورہ حجر، سورہ ذاریات، سورہ نجم، سورہ الحاقہ اور سورہ شمس میں بھی ان کے مختصر حوالے آئے ہیں۔



وَلَوْ طَا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ ۖ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿١١﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أَنْفُسٌ يَتَذَكَّرُونَ ﴿١٢﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۚ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿١٣﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ۚ

اور ہم نے لوط کو بھیجا، جب اُس نے اپنی قوم سے کہا: ”کیا تم اُس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے دُنیا جہان کے کسی شخص نے نہیں کی؟“ ﴿۱۰﴾ تم جنسی ہوس پوری کرنے کے لئے عورتوں کے بجائے مردوں کے پاس جاتے ہو۔ (اور یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں،) بلکہ تم ایسے لوگ ہو کہ (شرافت کی) تمام حدیں پھلانگ چکے ہو“ ﴿۱۱﴾ اُن کی قوم کا جواب یہ کہنے کے سوا کچھ اور نہیں تھا کہ: ”نکالو ان کو اپنی بستی سے! یہ لوگ ہیں جو بڑے پاکباز بنتے ہیں!“ ﴿۱۲﴾ پھر ہوا یہ کہ ہم نے اُن کو (یعنی لوط علیہ السلام کو) اور ان کے گھر والوں کو (بستی سے نکال کر) بچالیا، البتہ اُن کی بیوی تھی جو باقی لوگوں میں شامل رہی (جو عذاب کا نشانہ بنے) ﴿۱۳﴾ اور ہم نے اُن پر (پتھروں کی) ایک بارش برسائی۔ اب دیکھو! ان مجرموں کا انجام کیسا (ہولناک) ہوا؟ ﴿۱۴﴾

﴿۲۰﴾ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، جو اپنے مقدس چچا کی طرح عراق میں پیدا ہوئے تھے، اور جب انہوں نے وہاں سے ہجرت کی تو حضرت لوط علیہ السلام بھی ان کے ساتھ وطن سے نکل آئے۔ بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین کے علاقے میں آباد ہوئے، اور حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اُردُن کے شہر سدوم (Sodom) میں پیغمبر بنا کر بھیجا۔ سدوم ایک مرکزی شہر تھا، اور اس کے مضافات میں عمورہ وغیرہ کئی بستیاں آباد تھیں۔ کفر و شرک کے علاوہ ان بستیوں کی شرمناک بد عملی یہ تھی کہ وہ ہم جنسی (Homosexuality) کی لعنت میں گرفتار تھے جس کا ارتکاب قرآن کریم کی تصریح کے مطابق ان سے پہلے دُنیا کے کسی فرد نے نہیں کیا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائے، اور عذاب سے بھی ڈرایا، لیکن جب یہ لوگ اپنی خباثت سے باز نہ آئے تو ان پر پتھروں کی بارش برسائی گئی، اور ان تمام بستیوں کو الٹ دیا گیا۔ آج بحرِ میت (Dead Sea) کے نام سے جو سمندر ہے، کہتے ہیں کہ یہ بستیاں یا تو اُس میں ڈوب گئی ہیں، یا اُس کے آس پاس تھیں جن کا نشان واضح نہیں رہا۔ حضرت لوط علیہ السلام کا اس قوم کے ساتھ نسبی تعلق نہیں تھا، پھر بھی اس آیت میں اسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کہا گیا ہے، کیونکہ یہ وہ اُمت تھی جس کی طرف اُن کو بھیجا گیا تھا۔ ان کے واقعے کی سب سے زیادہ تفصیل سورہ ہود (۱۱: ۶۹ تا ۸۳) میں آئے گی۔ اس کے علاوہ سورہ حجر (۱۵: ۵۲ تا ۸۴)، سورہ شعراء (۲۶: ۱۶۰ تا ۱۷۴) اور سورہ عنکبوت (۲۹: ۲۶ تا ۳۵) میں بھی ان کے واقعے کی کچھ تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔ نیز سورہ ذاریات (۵۱: ۲۴ تا ۳۷) اور سورہ تحریم (۶۶: ۱۰) میں بھی ان کے مختصر حوالے آئے ہیں۔



وَالْمَدِينِ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۖ قَالَ لِقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُمْ  
بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي  
الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٥٦﴾

اور مدین کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا: ”اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس  
کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل آچکی ہے۔ لہذا ناپ  
تول پورا پورا کیا کرو، اور جو چیزیں لوگوں کی ملکیت میں ہیں، اُن میں اُن کی حق تلفی نہ کرو۔ اور زمین میں اُس کی اصلاح  
کے بعد فساد برپا نہ کرو۔ لوگو! یہی طریقہ تمہارے لئے بھلائی کا ہے، اگر تم میری بات مان لو ﴿۵۶﴾

(۴۱) مدین ایک قبیلے کا نام ہے، اور اسی کے نام پر ایک بستی بھی ہے جس میں حضرت شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا  
تھا۔ اُن کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کچھ پہلے کا ہے، اور بعض روایات میں ہے کہ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر  
تھے۔ یہ ایک سرسبز و شاداب علاقہ تھا، اور یہاں کے لوگ خاصے خوش حال تھے۔ رفتہ رفتہ ان میں کفر و شرک کے علاوہ بہت سی  
بدعنوانیاں رواج پا گئیں۔ ان کے بہت سے لوگ ناپ تول میں دھوکا دیتے تھے۔ بہت سے زور آور لوگوں نے راستوں پر  
چوکیاں بنا رکھی تھیں، جو گزرنے والوں سے زبردستی کانٹیں وصول کرتے تھے۔ کچھ لوگ ڈاکے بھی ڈالتے تھے۔ نیز جو لوگ  
حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جاتے نظر آتے، انہیں روکتے اور تنگ کرتے تھے۔ ان کی ان بدعنوانیوں کا ذکر اگلی دو آیتوں  
میں آ رہا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قوم کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے مختلف طریقوں سے اپنی قوم  
کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے تقریر اور خطابت کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، اسی لئے وہ ”خطیب الانبیاء“ کے  
لقب سے مشہور ہیں۔ لیکن ان کی موثر تقریروں کا قوم نے کچھ اثر نہ لیا۔ اور آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا نشانہ بنی۔ حضرت  
شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعات سب سے زیادہ تفصیل سے سورہ ہود (۱۱: ۸۳ تا ۹۵) میں آئے ہیں۔ اس کے علاوہ  
کچھ تفصیل سورہ شعراء (۲۶: ۱۷) اور سورہ عنکبوت (۲۹: ۳۶) میں آئی ہے، اور سورہ حجر (۱۵: ۷۸) میں مختصر حوالہ آیا ہے۔

(۴۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم ناپ تول میں کمی کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی لوگوں کی حق تلفی کیا کرتی تھی۔ اس  
آیت میں لفظ ”بخس“ استعمال کیا گیا ہے، جس کے لفظی معنی کمی کرنے کے ہیں، اور یہ لفظ خاص طور پر کسی کا حق مار لینے کے  
معنی میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ اور قرآن کریم میں یہ فقرہ تین جگہ بڑی تاکید کے ساتھ آیا ہے، اور اس میں دوسروں کی  
ملکیت کے احترام پر زور دیا گیا ہے۔ اس احترام میں یہ بات بھی داخل ہے کہ کسی کے مال یا جائیداد پر اُس کی مرضی کے بغیر قبضہ  
کر لیا جائے، اور یہ بھی کہ کسی کی کوئی بھی چیز اُس کی خوش دلی کے بغیر استعمال کی جائے۔

(۴۳) اس کی تشریح کے لئے دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۵۶ کا حاشیہ۔



وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا  
عِوَجًا ۚ وَادْكُرُوا إِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا فَكَثَرَكُمۡ ۖ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿٣٣﴾ وَإِنْ  
كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَآئِفَةٌ لَّمۡ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ  
اللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿٣٤﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ  
يُشْعَبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُوذُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا  
كَرِهِينَ ﴿٣٥﴾ قَدْ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُم بَعْدَ إِذْ نَجَّيْنَا اللَّهُ مِنْهَا ۚ

اور ایسا نہ کیا کرو کہ راستوں پر بیٹھ کر لوگوں کو دھمکیاں دو، اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے ہیں، ان کو اللہ کے راستے سے روکو، اور اُس میں ٹیڑھ پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اور وہ وقت یاد کرو جب تم کم تھے، پھر اللہ نے تمہیں زیادہ کر دیا، اور یہ بھی دیکھو کہ فساد مچانے والوں کا انجام کیسا ہوا ہے ﴿۳۳﴾ اور اگر تم میں سے ایک گروہ اُس پیغام پر ایمان لے آیا ہے جو میرے ذریعے بھیجا گیا ہے، اور دوسرا گروہ ایمان نہیں لایا، تو ذرا اُس وقت تک صبر کرو جب تک اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ﴿۳۴﴾ اُن کی قوم کے سردار جو بڑائی کے گھمنڈ میں تھے، کہنے لگے: ”اے شعیب! ہم نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ تمام ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے، ورنہ تم سب کو ہمارے دین میں واپس آنا پڑے گا۔“ شعیب نے کہا: ”اچھا؟ اگر ہم (تمہارے دین سے) نفرت کرتے ہوں، تب بھی؟“ ﴿۳۵﴾ ہم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھیں گے، اگر تمہارے دین کی طرف لوٹ آئیں گے، جبکہ اللہ نے ہمیں اُس سے نجات دے دی ہے۔

(۳۳) اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا، اور یہ بھی کہ ان کو خوشحالی زیادہ نصیب ہوئی۔

(۳۴) یہ درحقیقت اُن کی ایک بات کا جواب ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ہمیں تو مؤمنوں اور کافروں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ بھی خوش حالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر اُن کا طریقہ اللہ کو پسند نہ ہوتا تو انہیں یہ خوش حالی کیوں نصیب ہوتی؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس وقت کی خوش حالی سے یہ دھوکا نہ کھانا چاہئے کہ صورتِ حال ہمیشہ ایسی ہی رہے گی۔ ابھی اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کرو۔

(۳۵) حضرت شعیب علیہ السلام کے دوسرے ساتھی تو پہلے اپنی قوم کے دین پر تھے، بعد میں ایمان لائے، اس لئے ان کے حق میں تو پُرانے دین کی طرف لوٹنے کا لفظ صحیح ہے۔ لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کبھی بھی اُن کے دین پر نہیں رہے، البتہ ان کی نبوت سے پہلے اُن کی قوم کے لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ وہ انہی کے دین پر ہیں۔ اس لئے انہوں نے آپ کے لئے بھی لوٹنے کا لفظ استعمال کیا تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب بھی انہی کے الفاظ میں دیا۔



وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ﴿٩٩﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِيِ اتَّبِعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَخُسْرَُونَ ﴿١٠٠﴾ فَأَخَذْتَهُمُ الرِّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جُثَثِينَ ﴿٩٩﴾ الَّذِينَ كَذَبُوا شُعَيْبًا كَانُوا لَمْ يَكُونُوا فِيهَا الَّذِينَ كَذَبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ﴿١٠٠﴾ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَ قَوْمٍ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ آسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿٩٩﴾

ہمارے لئے تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اُس کی طرف واپس جائیں۔ ہاں اللہ ہمارا پروردگار ہی کچھ چاہے تو اور بات ہے۔ ہمارے رب نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کر رکھا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرمادے۔ اور تو ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔“ ﴿٩٩﴾ اور اُن کی قوم کے وہ سردار جنہوں نے کفر اپنایا ہوا تھا (قوم کے لوگوں سے) کہنے لگے: ”اگر تم شعیب کے پیچھے چلے تو یاد رکھو اُس صورت میں تمہیں سخت نقصان اٹھانا پڑے گا“ ﴿٩٩﴾ پھر ہوا یہ کہ انہیں زلزلے نے آ پکڑا، اور وہ اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہ گئے ﴿٩٩﴾ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا، وہ ایسے ہو گئے جیسے کبھی وہاں بسے ہی نہیں تھے۔ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا، آخر کو نقصان اٹھانے والے وہی ہوئے ﴿٩٩﴾ چنانچہ وہ (یعنی شعیب علیہ السلام) اُن سے منہ موڑ کر چل دیئے، اور کہنے لگے: ”اے قوم! میں نے تجھے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے تھے، اور تیرا بھلا چاہا تھا۔ (مگر) اب میں اُس قوم پر کیا افسوس کروں جو ناشکری تھی!“ ﴿٩٩﴾

﴿٩٩﴾ یہ اعلیٰ درجے کی عبدیت کا فقرہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے پکے عزم سے اللہ تعالیٰ کو کسی بات پر مجبور نہیں کر سکتا۔ ہم نے اپنی طرف سے تو یہ پکا ارادہ کر رکھا ہے کہ کبھی تمہارا دین اختیار نہیں کریں گے، لیکن اپنے اس عزم پر عمل اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور اگر وہ چاہے تو ہمارے دلوں کو بھی پھیر سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جب کوئی بندہ اخلاص کے ساتھ راہِ راست پر رہنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ اُس کا دل گمراہی کی طرف نہیں پھیرتا۔ اور ہر شخص کے اخلاص کی کیفیت کا اس کو پورا علم ہے۔ لہذا اخلاص کے ساتھ کسی بات کا پکا ارادہ کر لینے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہئے کہ وہ اس ارادے کو پورا فرمائے گا۔ اس طرح حضرت شعیب علیہ السلام نے اس جملے سے یہ عظیم سبق دیا ہے کوئی بھی نیکی کرتے وقت بھروسہ اپنے عزم اور عمل کے بجائے اللہ تعالیٰ پر کرنا چاہئے۔

﴿١٠٠﴾ اس قوم پر جو عذاب آیا اُس کے لئے قرآن کریم نے یہاں زلزلے کا ذکر فرمایا ہے۔ سورۃ ہود (١١: ٩٤) میں اس کو ”صیحہ“ یعنی چنگھاڑ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور سورۃ شعراء (٢٦: ١٨٩) میں اسے ”عذاب یوم الظلۃ“ یعنی ”سائبان کے دن



وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَاءِ لَعَلَّهُمْ يَضُرَّعُونَ ﴿٩٣﴾  
ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوا وَقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ  
فَأَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩٤﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم  
بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٥﴾

اور ہم نے جس کسی بستی میں کوئی پیغمبر بھیجا، اُس میں رہنے والوں کو بد حالی اور تکلیفوں میں گرفتار ضرور کیا، تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں۔ ﴿۹۳﴾ پھر ہم نے کیفیت بدلی، بد حالی کی جگہ خوش حالی عطا فرمائی، یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے، اور کہنے لگے کہ دُکھ سکھ تو ہمارے باپ دادوں کو بھی پہنچتے رہے ہیں۔ پھر ہم نے انہیں اچانک اس طرح پکڑ لیا کہ انہیں (پہلے سے) پتہ بھی نہیں چل سکا ﴿۹۴﴾ اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین دونوں طرف سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے (حق کو) جھٹلایا، اس لئے اُن کی مسلسل بد عملی کی پاداش میں ہم نے ان کو اپنی پکڑ میں لے لیا ﴿۹۵﴾

کا عذاب“ فرمایا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت یہ ہے کہ ان لوگوں پر پہلے سخت گرمی پڑی جس سے یہ بلبلا اُٹھے۔ پھر شہر سے باہر ایک بادل آیا جس میں ٹھنڈی ہوا تھی۔ یہ لوگ گھروں سے نکل کر اس کے نیچے جمع ہو گئے۔ اُس وقت اس بادل سے آگ برسائی گئی، جسے ”سائبان“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر زلزلہ آیا۔ (روح المعانی) اور زلزلے کے ساتھ عموماً آواز بھی ہوتی ہے جسے چنگھاڑ کہا گیا ہے۔

﴿۹۶﴾ بتایا یہ جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو اپنے عذاب سے ہلاک کیا، انہیں (معاذ اللہ) جلدی سے غصے میں آ کر ہلاک نہیں کر دیا بلکہ انہیں سالہا سال تک راہِ راست پر آنے کے بہت سے مواقع فراہم کئے۔ اوّل تو پیغمبر بھیجے جو انہیں برسوں تک ہوشیار کرتے رہے، پھر شروع میں انہیں کچھ معاشی بد حالی یا بیماریوں وغیرہ کی مصیبتوں سے دوچار کیا، تاکہ اُن کے دل کچھ نرم پڑیں۔ کیونکہ بہت سے لوگ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرتے ہیں، اور تنگی ترشی میں بعض اوقات حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ جب ایسے حالات میں پیغمبران کو متنبہ کرتے ہیں کہ ذرا سنبھل جاؤ، ابھی اللہ تعالیٰ نے ایک اشارہ دیا ہے، جو کسی وقت باقاعدہ عذاب میں تبدیل ہو سکتا ہے، تو بعض لوگوں کے دل تسبیح جاتے ہیں۔ دوسری طرف کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب اُن پر خوش حالی آتی ہے تو اُن کے دل میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا احساس پیدا ہوتا ہے، اور وہ اُس وقت حق بات کو قبول کرنے کے لئے نسبتاً زیادہ آمادہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں کو بد حالی کے بعد خوش حالی کی نعمت بھی عطا کی جاتی ہے، تاکہ وہ شکر گزار بن سکیں۔ حالات کی اس تبدیلی سے بعض لوگ بیشک سبق لے لیتے ہیں، اور راہِ راست پر آ جاتے ہیں۔ لیکن کچھ ضدی طبیعت کے لوگ ان باتوں سے کوئی سبق نہیں سیکھتے، اور یہ کہتے ہیں کہ یہ دُکھ سکھ اور سرد گرم حالات تو ہمارے باپ دادوں کو بھی پیش آ چکے ہیں۔ انہیں خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اشارہ قرار دینے کی کیا ضرورت ہے؟



أَفَأَمِّنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿٩٨﴾ أَوَأَمِّنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يُلْعَبُونَ ﴿٩٩﴾ أَفَأَمِّنُوا مَكَرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٠٠﴾ أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصْبَنُوهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠١﴾

اب بتاؤ کہ کیا (دوسری) بستیوں کے لوگ اس بات سے بالکل بے خوف ہو گئے ہیں کہ کسی رات ہمارا عذاب اُن پر ایسے وقت آپڑے جب وہ سوئے ہوئے ہوں؟ ﴿۹۸﴾ اور کیا ان بستیوں کے لوگوں کو اس بات کا (بھی) کوئی ڈر نہیں ہے کہ ہمارا عذاب اُن پر کبھی دن چڑھے آجائے جب وہ کھیل کود میں لگے ہوئے ہوں؟ ﴿۹۹﴾ بھلا کیا یہ لوگ اللہ کی دی ہوئی ڈھیل (کے انجام) سے بے فکر ہو چکے ہیں؟ (اگر ایسا ہے) تو (یہ یاد رکھیں کہ) اللہ کی دی ہوئی ڈھیل سے وہی لوگ بے فکر ہو بیٹھتے ہیں جو آخر کار نقصان اٹھانے والے ہوتے ہیں۔ ﴿۱۰۰﴾

جو لوگ کسی زمین (کے باشندوں کی ہلاکت) کے بعد اُس کے وارث بن جاتے ہیں، بھلا کیا اُن کو یہ سبق نہیں ملا کہ اگر ہم چاہیں تو اُن کو (بھی) اُن کے گناہوں کی وجہ سے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیں؟ اور (جو لوگ اپنی ضد کی وجہ سے یہ سبق نہیں لیتے) ہم اُن کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ کوئی بات نہیں سنتے ﴿۱۰۱﴾

اس طرح جب ان لوگوں پر ہر طرح کی حجت تمام ہو چکی ہوتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آتا ہے، اور اس طرح پکڑ لیتا ہے کہ ان کو پہلے سے اندازہ بھی نہیں ہوتا۔

﴿۵۰﴾ ان واقعات کے حوالے سے اب کفار مکہ کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے کسی کو بھی بے فکر ہو کر نہیں بیٹھ رہنا چاہئے۔ اور یہ بات صرف کفار مکہ ہی کے لئے نہیں ہے، بلکہ ہر وہ شخص جو کسی گناہ، بد عملی یا ظلم میں مشغول ہو، اُسے ان آیاتِ کریمہ کا ہمیشہ دھیان رکھنا چاہئے۔

﴿۵۱﴾ یہاں اصل لفظ ”مکر“ ہے جس کے معنی عربی میں ایسی خفیہ تدبیر کے ہوتے ہیں جس کا مقصد وہ شخص نہ سمجھے جس کے خلاف وہ کارروائی کی جا رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی تدبیر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو اُن کی بد اعمالیوں کے باوجود دنیا میں خوش حالی اور ظاہری خوشیاں عطا فرماتے ہیں، جس کا مقصد انہیں ڈھیل دینا ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اپنی بد عملی میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں تو اُن کو ایک دم سے پکڑ میں لے لیا جاتا ہے۔ لہذا عیش و عشرت کے عالم میں بھی انسان کو اپنے اعمال سے غافل ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے، بلکہ اپنی اصلاح کی فکر کرتے رہنا چاہئے، اور یہ خطرہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اگر ہم راہِ راست سے بھٹکے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل بھی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔



تِلْكَ الْقُرَى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِهَا ۖ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِهَا كَذِبُوا مِنْ قَبْلُ ۖ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ﴿١٠٠﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ ۖ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴿١٠١﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٠٢﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ يُفْرِعُونَ إِيَّيْ رَاسُوكَ مِنَ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٣﴾

یہ ہیں وہ بستیاں جن کے واقعات ہم تمہیں سنارہے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان سب کے پاس اُن کے پیغمبر کھلے کھلے دلائل لے کر آئے تھے، مگر جس بات کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے، اُس پر کبھی ایمان لانے کو تیار نہیں ہوئے۔ جو لوگ کفر کو اپنا چکے ہوتے ہیں، اُن کے دلوں پر اللہ اسی طرح مہر لگا دیتا ہے ﴿۱۰۰﴾ ہم نے ان کی اکثریت میں عہد کی کوئی پاسداری نہیں پائی، اور واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگوں کو ہم نے نافرمان ہی پایا ﴿۱۰۱﴾ پھر ہم نے ان سب کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا، تو انہوں نے (بھی) ان (نشانیوں) کی ظالمانہ ناقدری کی۔ اب دیکھو کہ ان مفسدوں کا انجام کیسا ہوا ﴿۱۰۲﴾ موسیٰ نے کہا تھا کہ: ”اے فرعون! یقین جانو کہ میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر بن کر آیا ہوں ﴿۱۰۳﴾“

(۵۲) یہاں سے آیت نمبر ۱۶۲ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کے کچھ اہم حصے تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اس سورت میں فرعون کے ساتھ آپ کی گفتگو اور مقابلے اور اُس کے غرق ہونے کی تفصیل، نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا ہونے کے واقعات آرہے ہیں۔ آپ حضرت یعقوب علیہ السلام کی چوتھی پشت میں آتے ہیں۔ سورہ یوسف میں قرآن کریم نے بتایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کے وزیر خزانہ بن گئے تو انہوں نے اپنے والدین اور بھائیوں کو فلسطین سے مصر بلا لیا تھا۔ اسرائیلی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ساری اولاد جو ”بنو اسرائیل“ کہلاتی ہے، پھر وہیں آباد ہو گئی تھی، اور مصر کے بادشاہ نے اُن کو شہری آبادی سے الگ ایک علاقہ دے دیا تھا۔ مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد رفتہ رفتہ مصر کے بادشاہوں نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام سمجھنا شروع کر دیا۔ اور دوسری طرف تکبر میں آ کر انہی میں کا ایک فرعون (جس کا نام جدید تحقیق کے مطابق منفتاح تھا) خدائی کا دعوے دار بن بیٹھا۔ ان حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر اُس کے پاس بھیجا گیا۔ اُن کی پیدائش، مدین کی طرف ہجرت اور پھر نبوت عطا ہونے کے واقعات تو ان شاء اللہ سورہ طہ (سورت نمبر ۲۰) اور سورہ قصص (سورت نمبر ۲۸) میں آئیں گے۔ اس کے علاوہ مزید ۳۵ سورتوں میں آپ کے واقعات کے مختلف حصے بیان فرمائے ہیں۔ لیکن فرعون کے ساتھ اُن کے جو واقعات پیش آئے، ان کا تذکرہ یہاں ہو رہا ہے۔



حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ ۖ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ  
 بَنِي إِسْرَءِيلَ ۚ قَالَ إِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَآتِ بِهَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٠٦﴾ فَأَلْقَى  
 عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿١٠٧﴾ وَنَزَعِيدهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّظِيرِينَ ﴿١٠٨﴾ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ  
 فِرْعَوْنَ إِنَّ هَذَا السَّحَرُ عَلِيمٌ ﴿١٠٩﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِّنْ أَرْضِكُمْ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿١١٠﴾ قَالُوا  
 أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حِشْرِينَ ﴿١١١﴾ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَرٍ عَلِيمٍ ﴿١١٢﴾ وَجَاءَ  
 السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ  
 الْمَقَرَّرِينَ ﴿١١٤﴾ قَالُوا يَمُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقَىٰ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ ﴿١١٥﴾

میرا فرض ہے کہ میں اللہ کی طرف منسوب کر کے حق کے سوا کوئی اور بات نہ کہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار  
 کی طرف سے ایک کھلی دلیل لے کر آیا ہوں، لہذا بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو، ﴿۱۰۵﴾ اُس نے کہا کہ: ”اگر تم کوئی  
 نشانی لے کر آئے ہو تو اُسے پیش کرو، اگر تم ایک سچے آدمی ہو، ﴿۱۰۶﴾ اس پر موسیٰ نے اپنی لاٹھی پھینکی، تو اچانک وہ ایک  
 صاف صاف اژدھا بن گیا ﴿۱۰۷﴾ اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) کھینچا تو وہ سارے دیکھنے والوں کے سامنے یکا یک چمکنے  
 لگا۔ ﴿۱۰۸﴾ فرعون کی قوم کے سردار (ایک دوسرے سے) کہنے لگے کہ: ”یہ تو یقینی طور پر بڑا ماہر جادوگر ہے ﴿۱۰۹﴾ یہ چاہتا ہے  
 کہ تمہیں تمہاری زمین سے نکال باہر کرے۔ اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟“ ﴿۱۱۰﴾ انہوں نے کہا کہ: ”ذرا اس کو اور اس  
 کے بھائی کو کچھ مہلت دو، اور تمام شہروں میں ہرکارے بھیج دو ﴿۱۱۱﴾ تاکہ وہ تمام ماہر جادوگروں کو جمع کر کے تمہارے پاس  
 لے آئیں۔ ﴿۱۱۲﴾ (چنانچہ ایسا ہی ہوا) اور جادوگر فرعون کے پاس آ گئے (اور) انہوں نے کہا کہ: ”اگر ہم (موسیٰ پر)  
 غالب آ گئے تو ہمیں کوئی انعام تو ضرور ملے گا“ ﴿۱۱۳﴾ فرعون نے کہا: ”ہاں، اور تمہارا شمار یقیناً ہمارے مقرب لوگوں میں  
 (بھی) ہوگا“ ﴿۱۱۴﴾ انہوں نے (موسیٰ سے) کہا: ”موسیٰ! چاہو تو (جو پھینکنا چاہتے ہو) تم پھینکو، ورنہ ہم (اپنے جادو کی  
 چیز) پھینکیں؟“ ﴿۱۱۵﴾

(۱۱۳) یہ دو معجزے تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔ کہتے ہیں کہ اُس زمانے میں جادوگروں کا  
 بڑا چرچا تھا۔ اس لئے آپ کو ایسے معجزات عطا فرمائے گئے جو جادوگروں کو بھی عاجز کر دیں، اور آپ کی نبوت ہر کس و ناکس پر  
 واضح ہو جائے۔

(۱۱۴) جادوگروں کو جمع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دیں۔



قَالَ اَلْقُوا فَلَمَّا اَلْقَوْا سَحَرُوا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرِ عَظِيمٍ ﴿١٢٤﴾  
 وَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوسٰى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَلَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُوْنَ ﴿١٢٥﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا  
 كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٦﴾ فَغُلِبُوا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿١٢٧﴾ وَاَلْقَى السَّحَرَةُ سَجْدًا ﴿١٢٨﴾ قَالُوْا  
 اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٩﴾ رَبِّ مُوسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١٣٠﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اَمْنُتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذِنَ لَكُمْ  
 اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكْرَتُوْهُ فِى الْبَدِيْنَةِ لِيُخْرِجُوْا مِنْهَا اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٣١﴾ لَا قُطْعَنَ  
 اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلُكُمْ مِّنْ خَلَاْفٍ شُمْ لَا صَلْبَنَكُمْ اَجْعِيْنَ ﴿١٣٢﴾ قَالُوْا اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٣٣﴾

موسیٰ نے کہا: ”تم پھینکو!“ چنانچہ جب انہوں نے (اپنی لاٹھیاں اور رسیاں) پھینکیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا، اُن پر دہشت طاری کر دی، اور زبردست جادو کا مظاہرہ کیا ﴿۱۲۴﴾ اور ہم نے موسیٰ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ تم اپنی لاٹھی ڈال دو۔ بس پھر کیا تھا، اُس نے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ساری چیزیں نگنی شروع کر دیں جو انہوں نے جھوٹ موٹ بنائی تھیں ﴿۱۲۵﴾ اس طرح حق کھل کر سامنے آ گیا، اور اُن کا بنا بنایا کام ملیا میٹ ہو گیا ﴿۱۲۶﴾ اس موقع پر وہ مغلوب ہوئے، اور شدید سبکی کی حالت میں (مقابلے سے) پلٹ کر آ گئے ﴿۱۲۷﴾ اور اس واقعے نے سارے جادو گروں کو بے ساختہ سجدے میں گرا دیا۔ ﴿۱۲۸﴾ وہ پکار اٹھے کہ: ”ہم اُس رب العالمین پر ایمان لے آئے“ ﴿۱۲۹﴾ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔“ ﴿۱۳۰﴾ فرعون بولا: ”تم میرے اجازت دینے سے پہلے ہی اس شخص پر ایمان لے آئے۔ یہ ضرور کوئی سازش ہے جو تم نے اس شہر میں ملی بھگت کر کے بنائی ہے، تاکہ تم یہاں کے رہنے والوں کو یہاں سے نکال باہر کرو۔ اچھا تو تمہیں ابھی پتہ چل جائے گا“ ﴿۱۳۱﴾ میں نے بھی پکا ارادہ کر لیا ہے کہ تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالوں گا، پھر تم سب کو اکٹھے سولی پر لٹکا کر رہوں گا“ ﴿۱۳۲﴾ انہوں نے کہا: ”یقین رکھ کہ ہم (مرکر) اپنے مالک ہی کے پاس واپس جائیں گے“ ﴿۱۳۳﴾

(۵۵) یہاں قرآن کریم نے مجہول کا صیغہ ”الْقَى“ استعمال فرمایا ہے، جس کے لفظی معنی ”گر گئے“ نہیں، بلکہ ”گرا دیئے گئے“ ہیں۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ حالات ایسے پیش آئے کہ اُن کے ضمیر نے انہیں بے ساختہ سجدے میں گر جانے پر مجبور کر دیا۔ اوپر ترجمے میں اس پہلو کی رعایت کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں ایمان کی یہ طاقت بھی ملاحظہ فرمائیے کہ جو جادو گر چند لمحوں پہلے اپنے مذہب کی دفاعی کارروائی پر بھی فرعون سے انعام مانگ رہے تھے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اُن میں یہ عظیم حوصلہ پیدا ہو گیا کہ وہ فرعون جیسے جابر حکمران کی دھمکیوں کو ذرا بھی خاطر میں نہیں لائے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس چلے جانے کا اشتیاق ظاہر کرنے لگے۔



وَمَا تَنْقِمُ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاءَتْنَا ۚ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا  
 مُسْلِمِينَ ﴿٣٦﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَى وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ  
 وَيَذَرَكُ وَالْهَتَكَ ۖ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿٣٧﴾  
 قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ  
 عِبَادِهِ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٣٨﴾ قَالُوا أَوْ دِينًا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ  
 قَالَ عَلَىٰ رَبِّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿٣٩﴾

اور تو اس کے سوا ہماری کس بات سے ناراض ہے کہ جب ہمارے مالک کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں تو ہم اُن پر ایمان لے آئے؟ اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر کے پیمانے اُنڈیل دے، اور ہمیں اس حالت میں موت دے کہ ہم تیرے تابع دار ہوں۔“ ﴿۳۶﴾

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا: ”کیا آپ موسیٰ اور اُس کی قوم کو کھلا چھوڑ رہے ہیں، تاکہ وہ زمین میں فساد مچائیں، اور آپ اور آپ کے خداؤں کو پس پشت ڈال دیں؟“ وہ بولا: ”ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے، اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے، اور ہمیں ان پر پورا پورا قابو حاصل ہے۔“ ﴿۳۷﴾ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: ”اللہ سے مدد مانگو، اور صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اُس کا وارث بنادیتا ہے۔ اور آخری انجام پر ہیزگاروں ہی کے حق میں ہوتا ہے۔“ ﴿۳۸﴾ انہوں نے کہا کہ: ”ہمیں تو آپ کے آنے سے پہلے بھی ستایا گیا تھا، اور آپ کے آنے کے بعد بھی (ستایا جا رہا ہے)“ موسیٰ نے کہا: ”اُمید رکھو کہ اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا، اور تمہیں زمین میں اُس کا جانشین بنادے گا، پھر دیکھے گا کہ تم کیسا کام کرتے ہو۔“ ﴿۳۹﴾

(۵۶) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے ایمان لانے والے جادوگروں کو دھمکیاں تو دی تھیں، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے اور جادوگروں کے ایمان اور استقامت کو دیکھ کر حاضرین، اور خاص طور پر بنی اسرائیل کی اتنی بڑی تعداد ایمان لے آئی کہ اُس کو فوری طور سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ماننے والوں پر ہاتھ ڈالنے کا حوصلہ نہ ہوا، اور جب مجمعِ درہم برہم ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ماننے والے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس موقع پر فرعون کے سرداروں نے یہ بات کہی جو یہاں مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے تو ان لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ اپنی طاقت جمع کر کے آپ کے لئے ایک خطرہ بن جائیں گے۔ فرعون نے اپنی خفت مٹانے کے لئے اُن کو جواب دیا کہ فوری طور پر چاہے میں نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی، مگر اب بنی اسرائیل کو ایک ایک کر کے ختم کروں گا، البتہ عورتوں کو اس لئے زندہ رکھوں گا کہ وہ ہماری خدمت کے کام آسکیں۔ اُس نے اپنے آدمیوں کو یہ بھی یقین دلایا کہ حالات ہمارے قابو میں ہیں، اور ہماری حکمت عملی ایسی ہے



وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذْكُرُونَ ﴿٥٠﴾ فَإِذَا جَاءَتْهُمْ الْحَسَنَةُ قَالُوا النَّاهِزَةُ ۖ وَإِنْ أَصَبَهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَّعَهُ ۚ أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥١﴾ وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٥٢﴾ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالِدَّمَائِثَ مُفَصَّلَاتٍ ۖ فَاسْتَكَبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿٥٣﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا لِمُوسَىٰ اذْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۖ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِدَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَءِيلَ ﴿٥٤﴾

اور ہم نے فرعون کے لوگوں کو قحط سالی اور پیداوار کی کمی میں مبتلا کیا، تاکہ اُن کو تنبیہ ہو۔ (۵۰) (مگر) نتیجہ یہ ہوا کہ اگر اُن پر خوش حالی آتی تو وہ کہتے: ”یہ تو ہمارا حق تھا“ اور اگر اُن پر کوئی مصیبت پڑ جاتی تو اُس کو موسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔ ارے (یہ تو) خود اُن کی نحوست (تھی جو) اللہ کے علم میں تھی، لیکن اُن میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں تھے (۵۱) اور (موسیٰ سے) کہتے تھے کہ: ”تم ہم پر اپنا جادو چلانے کے لئے چاہے کیسی بھی نشانی لے کر آ جاؤ، ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں“ (۵۲) چنانچہ ہم نے اُن پر طوفان، ٹڈیوں، گھن کے کیڑوں، مینڈکوں اور خون کی بلائیں چھوڑیں، جو سب علیحدہ علیحدہ نشانیاں تھیں۔ (۵۳) پھر بھی انہوں نے تکبر کا مظاہرہ کیا، اور وہ بڑے مجرم لوگ تھے (۵۴) اور جب اُن پر عذاب آپڑتا تو وہ کہتے: ”اے موسیٰ! تمہارے پاس اللہ کا جو عہد ہے، اُس کا واسطہ دے کر ہمارے لئے اپنے رب سے دُعا کرو (کہ یہ عذاب ہم سے دُور ہو جائے)۔ اور اگر واقعی تم نے ہم پر سے یہ عذاب ہٹا دیا تو ہم تمہاری بات مان لیں گے، اور بنی اسرائیل کو ضرور تمہارے ساتھ بھیج دیں گے“ (۵۵)

کہ ہمارے لئے کوئی بڑا خطرہ پیدا نہیں ہوگا۔ اس طرح بنی اسرائیل کے مردوں کو قتل کرنے کا ایک نیا دور شروع ہوا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مؤمنوں کو تسلی دی کہ صبر سے کام لیتے رہو۔ آخری انجام ان شاء اللہ تمہارے ہی حق میں ہوگا۔ (۵۷) پیچھے آیت نمبر ۹۴ میں اللہ تعالیٰ نے جو اصول بیان فرمایا تھا، اُس کے مطابق پہلے فرعون اور اُس کی قوم کو دنیا میں مختلف تکلیفیں دی گئیں، تاکہ وہ کچھ نرم پڑیں۔ ان میں سے پہلا عذاب قحط کا مسلط ہوا، اور اُس کے نتیجے میں پیداوار میں کمی واقع ہوئی۔ (۵۸) یہ مختلف قسم کے عذاب تھے جو یکے بعد دیگرے فرعون کی قوم پر مسلط ہوتے رہے۔ پہلے طوفان آیا جس میں ان کی کھیتیاں بہہ گئیں۔ اس کے بعد جب انہوں نے ایمان لانے کا وعدہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دُعا کروائی، اور کھیت بحال ہوئے، اور پھر بھی وہ ایمان نہ لائے تو ٹڈی دل نے کھیتوں کو برباد کر ڈالا۔ پھر وہی وعدے کئے، اور یہ بلا دُور ہوئی اور خوش حالی آنے لگی تو یہ پھر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے، اور ایمان نہ لائے، تو ان کی پیداوار کو گھن لگا دیا گیا۔ پھر وہی ساری داستان دُہرائی گئی، اور



فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرِّجَازَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بِلُغْوِهِ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿٣٥﴾ فَانْتَقَبْنَا مِنْهُمْ فَأَعْرَضْنَا عَنْهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿٣٦﴾ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضَعُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَآءِيلَ ۖ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴿٣٧﴾

پھر جب ہم اُن پر سے عذاب کو، اتنی مدت تک ہٹا لیتے جس تک انہیں پہنچنا ہی تھا، تو وہ ایک دم اپنے وعدے سے پھر جاتے ﴿۳۵﴾ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُن سے بدلہ لیا، اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا، کیونکہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، اور اُن سے بالکل بے پروا ہو گئے تھے ﴿۳۶﴾ اور جن لوگوں کو کمزور سمجھا جاتا تھا، ہم نے انہیں اُس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جس پر ہم نے برکتیں نازل کی تھیں۔ ﴿۳۷﴾ اور بنی اسرائیل کے حق میں تمہارے رب کا کلمہ خیر پورا ہوا، کیونکہ انہوں نے صبر سے کام لیا تھا۔ اور فرعون اور اُس کی قوم جو کچھ بناتی چڑھاتی رہی تھی، اُس سب کو ہم نے ملیا میٹ کر دیا ﴿۳۸﴾

یہ پھر بھی نہ مانے تو مینڈکوں کی اتنی کثرت ہو گئی کہ وہ کھانے کے برتنوں میں نمودار ہوتے اور سارے کھانے کو خراب کر دیتے، دوسری طرف پینے کے پانی میں ہر جگہ خون نکلنے لگا، اور پانی پینا دو بھر ہو گیا۔

﴿۵۹﴾ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور تقدیر میں اُن کے لئے ایک وقت تو ایسا آنا ہی تھا جب وہ عذاب کا شکار ہو کر ہلاک ہوں، لیکن اُس سے پہلے جو چھوٹے چھوٹے عذاب آرہے تھے ان کو ایک مدت تک کے لئے ہٹا لیا جاتا تھا۔

﴿۶۰﴾ فرعون اور اُس کے غرق ہونے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۃ یونس (۱۰: ۸۹ تا ۹۲)، سورۃ طہ (۲۰: ۷۷) سورۃ شعراء (۲۶: ۶۰ تا ۶۶) میں آنے والا ہے۔

﴿۶۱﴾ قرآن کریم جب برکتوں والی زمین کا تذکرہ فرماتا ہے تو اُس سے مراد شام اور فلسطین کا علاقہ ہوتا ہے۔ لہذا اس آیت میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں کو فرعون نے غلام بنا رکھا تھا، انہیں بعد میں شام اور فلسطین کا مالک بنا دیا گیا۔ یاد رہے کہ ان علاقوں پر بنی اسرائیل کی حکومت فرعون کے غرق ہونے کے کافی عرصے کے بعد قائم ہوئی جس کی تفصیل سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۶: ۲ تا ۲۵۱ میں گزری ہے۔

﴿۶۲﴾ ”بنانے“ سے اشارہ ان عمارتوں اور صنعتی پیداوار کی طرف ہے جس پر اس قوم کو فخر تھا، اور ”چڑھانے“ سے اشارہ اُن باغات کی طرف ہے جن میں انہوں نے انگور وغیرہ کی بیلیم ٹکیوں پر چڑھائی ہوئی تھیں، اور بلند درخت اُگائے ہوئے تھے۔ قرآن کریم نے ان دو مختصر لفظوں کا یہ جوڑا (Pair) جس جامعیت اور بلاغت کے ساتھ استعمال فرمایا ہے، اُسے کسی ترجمے کے ذریعے دوسری زبان میں اتارنا ممکن نہیں۔



وَجُوزُنَا بِبَنِي إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَى أَصْنَامٍ لَهُمْ ۖ قَالُوا يُمُوسَىٰ  
اجْعَلْ لَّنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿٣٨﴾ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ مُمْتَبِرٌ مَّا هُمْ فِيهِ  
وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٩﴾ قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلَٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٤٠﴾ وَ  
إِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِّنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُقْتَتِلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ  
نِسَاءَكُمْ ۖ وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٤١﴾ وَوَعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَمْنَاهَا  
بِعَشْرِفَتَةٍ مِّيقَاتٍ رَّبِّهِ ۖ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۖ وَقَالَ مُوسَىٰ لَا خِيَةَ هِرُونَ أَخْلَفَنِي فِي قَوْمِي  
وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٤٢﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل سے سمندر پار کروایا، تو وہ کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے جو اپنے بتوں سے لگے بیٹھے تھے۔  
بنی اسرائیل کہنے لگے: ”اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی کوئی ایسا ہی دیوتا بنا دو جیسے ان لوگوں کے دیوتا ہیں“ موسیٰ نے کہا:  
”تم ایسے (عجیب) لوگ ہو جو جہالت کی باتیں کرتے ہو“ ﴿۳۸﴾ ارے یہ لوگ تو وہ ہیں کہ جس دھندے میں لگے ہوئے ہیں،  
سب برباد ہونے والا ہے، اور جو کچھ کرتے آرہے ہیں، سب باطل ہے“ ﴿۳۹﴾ (اور) کہا کہ: ”کیا تمہارے لئے اللہ کے سوا  
کوئی اور معبود ڈھونڈ کر لاؤں؟ حالانکہ اُسی نے تمہیں دُنیا جہان کے سارے لوگوں پر فضیلت دے رکھی ہے! ﴿۴۰﴾ اور (اللہ  
فرماتا ہے کہ) یاد کرو کہ ہم نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے بچایا ہے جو تمہیں بدترین تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو  
قتل کر ڈالتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔ اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی“ ﴿۴۱﴾  
اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ ٹھہرایا (کہ ان راتوں میں کوہ طور پر آکر اعتکاف کریں)، پھر دس راتیں مزید بڑھا کر ان  
کی تکمیل کی، اور اس طرح اُن کے رب کی ٹھہرائی ہوئی میعاد کل چالیس راتیں ہو گئی۔ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا  
کہ: ”میرے پیچھے تم میری قوم میں میرے قائم مقام بن جانا، تمام معاملات درست رکھنا، اور مفسد لوگوں کے پیچھے نہ چلنا“ ﴿۴۲﴾

(۲۳) بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان تو لے آئے تھے، اور فرعون کی طرف سے پہنچنے والی مصیبتوں کو بھی انہوں  
نے صبر سے برداشت کیا جس کی تعریف قرآن کریم نے بھی فرمائی ہے، لیکن بعد میں انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو  
طرح طرح سے پریشان بھی کیا۔ یہاں سے اللہ تعالیٰ اس قسم کے کچھ واقعات بیان فرما رہے ہیں۔

(۲۴) فرعون سے نجات پانے اور سمندر عبور کر لینے کے بعد کچھ واقعات اس جگہ بیان نہیں ہوئے، اُن کی کچھ تفصیل سورہ مائدہ  
(۵: ۲۶ تا ۲۰) میں گزر چکی ہے۔ ان آیات کے حواشی میں ہم نے یہ تفصیل بقدر ضرورت بیان کر دی ہے۔ اب یہاں سے وہ  
واقعات بیان فرمائے جارہے ہیں جو وادی تہ (صحرائے سینا) میں پیش آئے جہاں بنی اسرائیل کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے  
چالیس سال تک مقید کر دیا گیا تھا (جس کا واقعہ سورہ مائدہ میں گزرا ہے)۔ اس دوران انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے



وَلَبَّاجًا مُّوسَىٰ لِبَيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ ۚ قَالَ رَبِّ اَرِنِي اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۖ قَالَ لَنْ تَرِنِي وَ  
لَكِنْ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنْ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرِنِي ۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا  
وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ سُبْحَنكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۳﴾  
قَالَ يُوسُفُ اِنِّي اُصْطَفِيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِي وَبِغَلَامِي ۖ فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُنْ مِنَ  
الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْاَلْوَا حِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۖ فَخُذْهَا  
بِقُوَّةٍ وَّ اَمْرًا مِّنْكَ يَا خُذْ وَاِبَا حَسَنَهَا ۖ سَاوِرِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے، اور اُن کا رَبُّ اُن سے ہم کلام ہوا، تو وہ کہنے لگے: ”میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں۔“ فرمایا: ”تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے، البتہ پہاڑ کی طرف نظر اٹھاؤ، اس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لو گے۔“ پھر جب اُن کے رَبُّ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اُس کو ریزہ ریزہ کر دیا، اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ بعد میں جب اُنہیں ہوش آیا تو انہوں نے کہا: ”پاک ہے آپ کی ذات! میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں، اور (آپ کی اس بات پر کہ دُنیا میں کوئی آپ کو نہیں دیکھ سکتا) میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں۔“ ﴿۱۳۳﴾ فرمایا: ”اے موسیٰ! میں نے اپنے پیغام دے کر اور تم سے ہم کلام ہو کر تمہیں تمام انسانوں پر فوقیت دی ہے۔ لہذا میں نے جو کچھ تمہیں دیا ہے، اُسے لے لو، اور ایک شکر گزار شخص بن جاؤ۔“ ﴿۱۳۴﴾ اور ہم نے ان کے لئے تختیوں میں ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، (اور یہ حکم دیا کہ:) ”اب اس کو مضبوطی سے تھام لو، اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کے بہترین احکام پر عمل کریں۔ میں عنقریب تم کو نافرمانوں کا گھر دکھا دوں گا۔“ ﴿۱۳۵﴾

یہ مطالبہ کیا کہ آپ اپنے وعدے کے مطابق ہمیں کوئی آسمانی کتاب لا کر دیں جس میں ہمارے لئے زندگی گزارنے کے قوانین درج ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت فرمائی کہ وہ کوہ طور پر آ کر تیس دن رات اعتکاف کریں۔ بعد میں کسی مصلحت سے یہ مدت بڑھا کر چالیس دن کر دی گئی۔ اسی اعتکاف کے دوران اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا، اور تورات عطا فرمائی جو تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔

﴿۱۳۵﴾ اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دُنیا میں تو ممکن نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بات کا مظاہرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کرا دیا کہ دُنیا میں انسانوں کو تو کجا، پہاڑوں کو بھی یہ طاقت نہیں دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کو برداشت کر سکیں۔

﴿۱۳۶﴾ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تورات کے تمام ہی احکام بہترین ہیں، اُن پر عمل کرنا چاہئے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جہاں تورات نے ایک کام کو جائز کہا ہو، لیکن دوسرے کام کو بہتر یا مستحب قرار دیا ہو تو اللہ تعالیٰ کے شکر کا تقاضا یہ ہے کہ اُس کام کو اختیار کیا جائے جس کو اُس میں بہترین قرار دیا گیا ہے۔

﴿۱۳۷﴾ بظاہر اس سے مراد فلسطین کا علاقہ ہے جو اُس وقت عمالقہ کے قبضے میں تھا، اور دکھانے سے مراد یہ ہے کہ وہ علاقہ بنی اسرائیل



سَا۟صُرِفُ عَنْ آيَتِي الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۖ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿٣٣﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٤﴾ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا آلِهَةً خُورًا ۖ لَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۚ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ﴿٣٥﴾

میں اپنی نشانیوں سے اُن لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، اور وہ اگر ہر طرح کی نشانیاں دیکھ لیں، تو اُن پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اور اگر انہیں ہدایت کا سیدھا راستہ نظر آئے، تو اس کو اپنا طریقہ نہیں بنائیں گے، اور اگر گمراہی کا راستہ نظر آجائے تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں گے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، اور ان سے بالکل بے پروا ہو گئے ﴿۳۳﴾ اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو اور آخرت کا سامنا کرنے کو جھٹلایا ہے، اُن کے اعمال غارت ہو گئے ہیں۔ انہیں جو بدلہ دیا جائے گا، وہ کسی اور چیز کا نہیں، خود اُن اعمال کا ہوگا جو وہ کرتے آئے تھے۔ ﴿۳۴﴾

اور موسیٰ کی قوم نے اُن کے جانے کے بعد اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنالیا (بچھڑا کیا تھا؟) ایک بے جان جسم جس سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی! بھلا کیا انہوں نے اتنا بھی نہیں دیکھا کہ وہ نہ اُن سے بات کر سکتا ہے، اور نہ انہیں کوئی راستہ بتا سکتا ہے؟ (مگر) اُسے معبود بنالیا، اور (خود اپنی جانوں کے لئے) ظالم بن بیٹھے ﴿۳۵﴾

کے قبضے میں آجائے گا، جیسا کہ حضرت یوشع اور حضرت سموئیل علیہما السلام کے زمانے میں ہوا۔ بعض مفسرین نے ”نافرمانوں کے گھر“ کا مطلب دوزخ بتایا ہے، اور مقصد یہ بیان کیا ہے کہ آخرت میں تمہیں نافرمانوں کا یہ انجام دکھا دیا جائے گا کہ جنہوں نے تم پر ظلم کئے تھے، وہ کس بُرے حال میں ہیں۔

﴿۶۸﴾ اوپر جو یہ فرمایا گیا تھا کہ: ”میں اپنی نشانیوں سے اُن لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔“ اس سے کسی کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود اُن کو اپنی نشانیوں سے برگشتہ کر دیا تو اُن کا کیا قصور؟ اس شبہ کو اس فقرے کے ذریعے دور فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے اختیار سے کفر پر اڑے رہنے کا راستہ اختیار کر لیتا ہے، تو ہم وہی راستہ اُس کے لئے مقدر فرما دیتے ہیں جسے اُس نے اپنی مرضی سے اختیار کیا۔ چونکہ وہ چاہتا ہی یہ تھا کہ ہماری نشانیوں سے برگشتہ رہے، اس لئے ہم اُس کو اُس کی خواہش کے خلاف کسی بات پر مجبور نہیں کرتے، بلکہ اُسے اُس کی خواہش کے مطابق برگشتہ ہی رکھتے ہیں۔ لہذا اُس کو جو سزا ملتی ہے، وہ خود اپنے ہی عمل کی ملتی ہے جو وہ اپنے اختیار سے مسلسل کرتا آیا تھا۔

﴿۶۹﴾ اس بچھڑے کا مختصر ذکر سورہ بقرہ (۵۱:۲) میں بھی گزرا ہے، اور اس کا مفصل واقعہ سورہ طہ (۸۸:۲۰) میں آنے والا ہے کہ کس طرح سامری جادو کرنے پر بچھڑا بنایا، اور بنی اسرائیل کو یقین دلایا کہ (نعوذ باللہ) تمہارا خدا یہی ہے۔



وَلَبَّاسُقَطٍ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا ۚ قَالَ الْإِنُّ لَمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا  
لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۳۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۚ قَالَ بِئْسَمَا  
خَلَقْتُمُونِي مِنْ بُعْدِي ۖ أَعَجَلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى الْأَلْوَا حَ وَآخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ  
إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضَعُّوْنِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي ۖ فَلَا تُشَبِّهْتَنِي بِالْأَعْدَاءِ  
وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِإِخْوَتِي وَادْخُلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَ  
أَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿۴۱﴾ إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي  
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿۴۲﴾ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا  
وَأَمَّنُوا ۖ إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۴۳﴾

اور جب اپنے کئے پر پچھتائے، اور سمجھ گئے کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے: ”اگر اللہ نے ہم پر رحم نہ فرمایا، اور ہماری  
بخشش نہ کی تو یقیناً ہم برباد ہو جائیں گے۔“ ﴿۳۹﴾ اور جب موسیٰ غصے اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کے پاس واپس  
آئے تو انہوں نے کہا: ”تم نے میرے بعد میری کتنی بُری نمائندگی کی! کیا تم نے اتنی جلد بازی سے کام لیا کہ اپنے رب  
کے حکم کا بھی انتظار نہیں کیا؟“ اور (یہ کہہ کر) انہوں نے تختیاں پھینک دیں، اور اپنے بھائی (ہارون علیہ السلام) کا سر  
پکڑ کر اُن کو اپنی طرف کھینچنے لگے۔ وہ بولے: ”اے میری ماں کے بیٹے! یقیناً جانے کہ ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا،  
اور قریب تھا کہ مجھے قتل ہی کر دیتے۔ اب آپ دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیجئے، اور مجھے ان ظالم لوگوں میں شمار نہ  
کیجئے۔“ ﴿۴۰﴾ موسیٰ نے کہا: ”میرے پروردگار! میری اور میرے بھائی کی مغفرت فرما دے، اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل  
کر دے۔ گو تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“ ﴿۴۱﴾ (اللہ نے فرمایا: ) ”جن لوگوں نے پچھڑے کو معبود  
بنایا ہے، اُن پر جلد ہی اُن کے رب کا غضب اور دُنیوی زندگی ہی میں ذلت آپڑے گی۔ جو لوگ افترا پر دازی کرتے  
ہیں، اُن کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں ﴿۴۲﴾ اور جو لوگ بُرے کام کر گزریں، پھر اُن کے بعد توبہ کر لیں، اور ایمان لے  
آئیں، تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد (اُن کے لئے) بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ ﴿۴۳﴾

(۷۰) یہ تورات کی تختیاں تھیں جو وہ کوہ طور سے لائے تھے۔ ”پھینکنے“ سے یہاں مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جلدی میں  
انہیں اس طرح ایک طرف رکھا کہ دیکھنے والا اُسے پھینکنے سے تعبیر کر سکتا تھا، خدا نخواستہ اُن کی بے حرمتی مقصود نہیں تھی۔



وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۚ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ هُمْ  
لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿۱۵۲﴾ وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا ۖ فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ  
قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ

اور جب موسیٰ کا غصہ ختم گیا تو انہوں نے تختیاں اٹھالیں، اور اُن میں جو باتیں لکھی تھیں، اُس میں اُن لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان تھا جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ﴿۱۵۲﴾ اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب کئے، تاکہ انہیں ہمارے طے کئے ہوئے وقت پر (کوہ طور) لائیں۔ پھر جب انہیں زلزلے نے آپکڑا تو موسیٰ نے کہا: ”میرے پروردگار! اگر آپ چاہتے تو ان کو، اور خود مجھ کو بھی پہلے ہی ہلاک کر دیتے،

(۱۷) ستر آدمیوں کو کوہ طور پر لے جانے کی کیا وجہ تھی؟ اس کے بارے میں مفسرین نے مختلف رائیں ظاہر کی ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ پچھڑے کی عبادت کا جو عظیم جرم بنی اسرائیل سے سرزد ہوا تھا، اُس پر توبہ کرانے کے لئے انہیں کوہ طور پر بلایا گیا تھا۔ لیکن اگر یہ بات تھی تو ان پر زلزلہ مسلط کرنے کی کوئی معقول توجیہ واضح نہیں ہوتی، اور جو توجیہات کی گئی ہیں، تکلف سے خالی نہیں ہیں۔ لہذا زیادہ صحیح بات وہ معلوم ہوتی ہے جو بعض روایات میں آئی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے اور بنی اسرائیل کو اُس پر عمل کرنے کا حکم دیا تو ان میں سے بعض نے کہا کہ ہمیں اس بات کا یقین کیسے آئے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ ہی نے نازل کی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ قوم کے ستر نمائندے منتخب کر کے انہیں کوہ طور پر لے آئیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ وہاں ان کو اللہ تعالیٰ کا کلام سنا دیا گیا۔ لیکن اب انہوں نے اپنے مطالبے کو بڑھا کر یہ کہا کہ ہمیں تو اُس وقت تک یقین نہیں آئے گا جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو کھلی آنکھوں نہ دیکھ لیں۔ اس معاندانہ مطالبے کی وجہ سے اُن پر بجلی کا کڑکا ہوا جس نے زلزلے کی کیفیت پیدا کر دی، اور وہ سب بے ہوش ہو گئے۔ واقعے کی یہ توجیہ خود قرآن کریم کی تصریحات سے مطابقت رکھتی ہے۔ سورۃ بقرہ (۲: ۵۵ و ۵۶) اور سورۃ نساء (۴: ۱۵۳) میں بنی اسرائیل کا یہ مطالبہ بیان فرمایا گیا ہے کہ ہمیں کھلی آنکھوں اللہ تعالیٰ کا دیدار کراؤ، اور یہ کہ ہم اُس وقت تک تورات کو نہیں مانیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو خود نہ دیکھ لیں۔ اور یہ بات بھی ان دونوں آیتوں میں مذکور ہے کہ اُن کے اس مطالبے پر انہیں ایک کڑکے نے آپکڑا تھا۔ غالباً اسی کڑکے کے نتیجے میں وہ زلزلہ آیا جس کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ سورۃ نساء (۴: ۱۵۳) میں کڑکے کے ذکر کے بعد جو یہ فرمایا گیا ہے کہ: ”ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ“ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کڑکا پچھڑے کے واقعے سے پہلے پیش آچکا تھا، کیونکہ وہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی متعدد بد اعمالیاں بیان فرمائی ہیں، اُن میں زمانی ترتیب ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور ”ثُمَّ“ کا لفظ عربی زبان میں ”اس سے بھی بڑھ کر“ کے معنی میں بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے۔



أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا ۖ إِنَّ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ ۖ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ ۖ أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۖ وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ﴿١٥٥﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدُّنَا إِلَيْكَ ۖ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَن أَشَاءُ ۖ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۖ

کیا ہم میں سے کچھ بے وقوفوں کی حرکت کی وجہ سے آپ ہم سب کو ہلاک کر دیں گے؟ (ظاہر ہے کہ نہیں۔ لہذا پتہ چلا کہ) یہ واقعہ آپ کی طرف سے صرف ایک امتحان ہے جس کے ذریعے آپ جس کو چاہیں، گمراہ کر دیں، اور جس کو چاہیں ہدایت دے دیں۔ آپ ہی ہمارے رکھوالے ہیں۔ اس لئے ہمیں معاف کر دیجئے، اور ہم پر رحم فرمائیے۔ بیشک آپ سارے معاف کرنے والوں سے بہتر معاف کرنے والے ہیں ﴿۱۵۵﴾ اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دیجئے، اور آخرت میں بھی۔ ہم (اس غرض کے لئے) آپ ہی سے رُجوع کرتے ہیں۔“ اللہ نے فرمایا: ”اپنا عذاب تو میں اُسی پر نازل کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں۔ اور جہاں تک میری رحمت کا تعلق ہے، وہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔“ ﴿۱۵۶﴾

﴿۷۲﴾ جیسا کہ سورہ بقرہ (۵۶:۲) میں گذر چکا ہے، اس زلزلے کے نتیجے میں ان ستر آدمیوں پر موت جیسی حالت طاری ہو گئی تھی۔ کم از کم دیکھنے والا یہی سمجھتا تھا کہ یہ سب مر چکے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی خداداد بصیرت سے سمجھ گئے کہ بظاہر اللہ تعالیٰ کو ان کا اس وقت ہلاک کرنا منظور نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ انہیں، بلکہ مجھے بھی، پہلے ہی اُس وقت ہلاک کر دیتے جب ان کی متعدد نافرمانیاں سامنے آئی تھیں۔ نیز یہ بھی آپ کی رحمت اور حکمت سے بعید ہے کہ چند بے وقوفوں کی حرکت پر ہم سب کو ہلاک کر ڈالیں، اور اس وقت اگر یہ ستر آدمی واقعی ہمیشہ کے لئے مر گئے تو میری اور میرے مخلص ساتھیوں کی بھی ہلاکت تقریباً یقینی ہے، کیونکہ میری قوم کے لوگ مجھے ان ستر آدمیوں کا قاتل قرار دے کر مجھے بھی ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان سب باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کا مقصد اس وقت ان کو ہلاک کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک امتحان ہے جس سے لوگوں کو آزمانا مقصود ہے کہ وہ دوبارہ زندگی پا کر شکر بجالاتے ہیں، یا بدستور ناشکری کر کے اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرنے لگتے ہیں۔

﴿۷۳﴾ مطلب یہ ہے کہ میری رحمت میرے غضب سے بڑھی ہوئی ہے۔ دُنیا کا عذاب میں ہر نافرمان کو نہیں دیتا، بلکہ اپنی حکمت اور علم سے جس کو چاہتا ہوں اُسے دیتا ہوں۔ آخرت میں بھی ہر گناہ پر میرا عذاب دینا ضروری نہیں، بلکہ جو لوگ ایمان لے آتے ہیں، اُن کے بہت سے گناہ میں معاف کرتا رہتا ہوں۔ البتہ جن لوگوں کی سرکشی کفر و شرک کی صورت میں حد سے بڑھ جاتی ہے، اُن کو اپنی مشیت اور حکمت کے تحت عذاب دیتا ہوں۔ اس کے برخلاف دُنیا میں میری رحمت ہر مؤمن اور کافر، نیک اور بد سب پر چھائی ہوئی ہے جس کے نتیجے میں انہیں رزق اور صحت و عافیت کی نعمتیں ملتی رہتی ہیں۔ اور آخرت میں بھی کفر و شرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کو اسی رحمت سے معاف کیا جائے گا۔



فَسَاكُنْهَا الَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٦﴾ الَّذِينَ  
يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ  
يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ

چنانچہ میں یہ رحمت (مکمل طور پر) اُن لوگوں کے لئے لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور جو ہماری  
آیتوں پر ایمان رکھیں ﴿۵۶﴾ جو اُس رسول، یعنی نبی اُمی کے پیچھے چلیں جس کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا  
ہوا پائیں گے، جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دے گا، بُرائیوں سے روکے گا، اور اُن کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی  
چیزوں کو حرام قرار دے گا،

﴿۵۴﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اُمت کے لئے جو دُعا مانگی تھی کہ دُنیا اور آخرت دونوں میں اُن کو بھلائی نصیب ہو، یہ  
اُس کا جواب ہے، اور مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں تو میری رحمت سے سب کو رزق وغیرہ مل رہا ہے، لیکن جن لوگوں کو دُنیا اور آخرت  
دونوں میں میری رحمت حاصل ہوگی، وہ صرف وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کی صفات کے حامل ہوں، اور جنہیں مال کی محبت  
زکوٰۃ جیسے فریضے کی ادائیگی سے نہ روکے۔ چنانچہ اے موسیٰ! (علیہ السلام) آپ کی اُمت کے جو لوگ ان صفات کے حامل ہوں  
گے، اُن کو ضرور میری یہ رحمت پہنچے گی کہ دُنیا اور آخرت دونوں میں انہیں بھلائی نصیب ہوگی۔

﴿۵۵﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو اُن کی وفات کے بعد بھی صدیوں تک باقی رہنا تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام  
نے دُنیا اور آخرت کی بھلائی کی جو دُعا کی تھی، وہ بنی اسرائیل کی اگلی نسلوں کے لئے بھی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا  
قبول کرتے وقت یہ بھی واضح فرمادیا کہ بنی اسرائیل کے جو لوگ نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں  
موجود ہوں گے، اُن کو دُنیا اور آخرت کی بھلائی اُسی صورت میں مل سکے گی جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر ان کی  
پیروی کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی کچھ صفات بھی بیان فرمائیں، جن میں سے  
پہلی صفت یہ ہے کہ آپ نبی ہونے کے ساتھ رسول بھی ہوں گے۔ عام طور سے رسول کا لفظ ایسے پیغمبر کے لئے بولا جاتا ہے جو نئی  
شریعت لے کر آئے۔ لہذا اس لفظ سے اشارہ کر دیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نئی شریعت لے کر آئیں گے جس میں کچھ  
فروعی احکام تورات کے احکام سے مختلف بھی ہو سکتے ہیں، اور بنی اسرائیل کو اس وقت یہ نہ کہنا چاہئے کہ یہ تو ہماری شریعت سے  
مختلف احکام بیان کر رہے ہیں، اس لئے ہم ان پر کیسے ایمان لائیں؟ چنانچہ پہلے سے بتایا جا رہا ہے کہ ہر دور کے تقاضے مختلف  
ہوتے ہیں، اور جو رسول نئی شریعت لے کر آتے ہیں، ان کے فروعی احکام پہلے احکام سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ آپ اُمی ہوں گے، یعنی لکھتے پڑھتے نہیں ہوں گے۔ عام طور سے بنی اسرائیل  
اُمی نہیں تھے، بلکہ نسلی عربوں کو اُمی کہا جاتا تھا، (دیکھئے قرآن کریم میں ۲: ۷۸، ۳: ۲۰، ۶۲: ۲) اور خود یہودی یہ لفظ عرب نسل  
کے لوگوں کے لئے کسی قدر حقارت کے پیرائے میں استعمال کرتے تھے، (دیکھئے سورۃ آل عمران ۳: ۷۵) اس لئے اس لفظ سے  
یہ اشارہ بھی دے دیا گیا کہ وہ بنی اسرائیل کے بجائے عربوں کی نسل سے مبعوث ہوں گے۔ آپ کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی



وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَاَلَّذِينَ أَمْنُوا بِهٖ وَعَزَرُواوَهُ  
وَنَصَرُوهُوَ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥٩﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ  
إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ  
يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَتِهِ وَ  
اتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٩﴾

اور اُن پر سے وہ بوجھ اور گلے کے وہ طوق اُتار دے گا جو اُن پر لدے ہوئے تھے۔ چنانچہ جو لوگ اُس (نبی) پر ایمان  
لائیں گے، اُس کی تعظیم کریں گے، اُس کی مدد کریں گے، اور اُس کے ساتھ جو نور اُتارا گیا ہے، اُس کے پیچھے چلیں گے،  
تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے۔“ ﴿۵۹﴾

(اے رسول! ان سے) کہو کہ: ”اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کے قبضے میں تمام  
آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔ اب تم اللہ پر اور اُس  
کے رسول پر ایمان لے آؤ جو نبی امی ہے، اور جو اللہ پر اور اُس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے، اور اُس کی پیروی کرو، تاکہ  
تمہیں ہدایت حاصل ہو“ ﴿۵۹﴾

گئی ہے کہ آپ کا ذکر مبارک تورات اور انجیل دونوں میں موجود ہوگا۔ اس سے ان بشارتوں کی طرف اشارہ ہے جو آپ کی  
تشریف آوری سے متعلق ان مقدس کتابوں میں دی گئی تھیں۔ آج بھی بہت سی تحریفات کے باوجود بائبل میں متعدد بشارتیں  
موجود ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”اظہار الحق“ کا اردو ترجمہ ”بائبل  
سے قرآن تک“ مرتبہ راقم الحروف۔

(۷۶) اس سے اُن سخت احکام کی طرف اشارہ ہے جو یہودیوں پر عائد کئے گئے تھے۔ ان میں سے کچھ احکام تو خود تورات میں  
تھے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اُس وقت یہودیوں کو اُن کا پابند کیا تھا۔ بعض سخت احکام اُن کی نافرمانیوں کی سزا کے طور پر  
نافذ کئے گئے تھے جس کا ذکر سورۃ نساء (۱۶۰:۴) میں گذرا ہے۔ اور بہت سے احکام یہودی علماء نے اپنی طرف سے گھڑ لئے  
تھے۔ شاید ”بوجھ“ سے پہلی اور دوسری قسم کی طرف اور ”گلے کے طوق“ سے تیسری قسم کے احکام کی طرف اشارہ ہو۔ بتایا جا رہا  
ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان احکام کو منسوخ کر کے ایک آسان اور معتدل شریعت لائیں گے۔

(۷۷) چونکہ پیچھے یہ ذکر آیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا قبول کرتے وقت اُن کو یہ بتا دیا گیا تھا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ  
علیہ وسلم پر ایمان لانا اُن کی آئندہ نسلوں کے لئے ضروری ہوگا، اس لئے اس موقع کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے جملہ معترضہ کے  
طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت عطا فرمائی کہ وہ بنی اسرائیل سمیت تمام انسانوں کو اپنی نبوت پر ایمان لانے اور اپنی  
اتباع کی دعوت دیں۔



وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿٥٩﴾ وَقَطَّعْنَاهُمْ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ إِذَا اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ أَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ ۚ وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّاءَ ۖ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُّوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٦٠﴾ وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ اسْكُنُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ ۖ سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٦١﴾

اور موسیٰ کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو لوگوں کو حق کا راستہ دکھاتی ہے، اور اسی (حق) کے مطابق انصاف سے کام لیتی ہے۔ ﴿۵۹﴾ اور ہم نے اُن کو (یعنی بنی اسرائیل کو) بارہ خاندانوں میں اس طرح تقسیم کر دیا تھا کہ وہ الگ الگ (انتظامی) جماعتوں کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ اور جب موسیٰ کی قوم نے اُن سے پانی مانگا تو ہم نے اُن کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ اپنی لاٹھی فلاں پتھر پر مارو۔ چنانچہ اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ہر خاندان کو اپنی پانی پینے کی جگہ معلوم ہو گئی۔ اور ہم نے اُن کو بادل کا سایہ دیا، اور ہم نے اُن پر من و سلویٰ (یہ کہہ کر) اتارا کہ: ”کھاؤ وہ پاکیزہ رزق جو ہم نے تمہیں دیا ہے۔“ اور (اس کے باوجود انہوں نے جو ناشکری کی تو) انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ ﴿۶۰﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب اُن سے کہا گیا تھا کہ: ”اس بستی میں جا کر بس جاؤ، اور اُس میں جہاں سے چاہو کھاؤ، اور یہ کہتے جانا کہ (یا اللہ!) ہم آپ کی بخشش کے طلب گار ہیں، اور (بستی کے) دروازے میں جھکے ہوئے سروں کے ساتھ داخل ہونا، تو ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے، (اور) نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ (ثواب) بھی دیں گے۔“ ﴿۶۱﴾

(۷۸) یہودیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی جو دعوت دی گئی، اور اس سے پہلے اُن کی بہت سی بدعنوانیاں بیان ہوئیں، اُس سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ تمام بنی اسرائیل ان بدعنوانیوں کے مرتکب ہیں، اس لئے اس جملہ معترضہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت فرمادی کہ سارے بنی اسرائیل ایک جیسے نہیں ہیں، بلکہ اُن میں حق کو ماننے والے، اُس پر عمل کرنے والے اور اُس کی طرف لوگوں کو ہدایت دینے والے بھی موجود ہیں۔ اس میں وہ بنی اسرائیل بھی داخل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دین حق پر قائم رہے، اور وہ بھی جو آپ پر ایمان لائے، مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ۔ اس وضاحت کے بعد آگے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے بنی اسرائیل کا جو واقعہ دور سے چلا آرہا ہے، اس کو دوبارہ شروع کیا جا رہا ہے۔

(۷۹) آیات ۱۶۰ تا ۱۶۲ میں جن واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ سورہ بقرہ (۲: ۵۷ تا ۶۱) میں گزر چکے ہیں۔ تشریح کے لئے ان آیتوں کے حواشی ملاحظہ فرمائیے۔



فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَوْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رَجُزًا مِّنَ السَّمَاءِ  
بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٢٢﴾ وَسَأَلَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي  
السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِثَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَلِكَ  
نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٢٣﴾

وَقَدْ اِشْرَفْنَا  
الْبَصْفَ

پھر ہوا یہ کہ جو بات اُن سے کہی گئی تھی، اُن میں سے ظالم لوگوں نے اُسے بدل کر دوسری بات بنالی۔ تب ہم نے اُن کی  
مسلل زیادتیوں کی وجہ سے اُن پر آسمان سے عذاب بھیجا۔ ﴿۱۲۳﴾

اور ان سے اُس بستی کے بارے میں پوچھو جو سمندر کے کنارے آباد تھی، جب وہ سبت (سنیچر) کے معاملے میں  
زیادتیاں کرتے تھے، جب اُن (کے سمندر) کی مچھلیاں سنیچر کے دن تو اُچھل اُچھل کر سامنے آتی تھیں، اور جب وہ سنیچر  
کا دن نہ منارہے ہوتے، تو وہ نہیں آتی تھیں۔ اس طرح اُن کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے ہم انہیں آزماتے تھے۔ ﴿۱۲۳﴾

(۸۰) یہ واقعہ بھی اختصار کے ساتھ سورہ بقرہ (۲: ۶۵-۶۶) میں گزرا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سنیچر کو عربی اور عبرانی زبان میں  
”سبت“ کہتے ہیں۔ یہودیوں کے لئے اسے ایک مقدس دن قرار دیا گیا تھا جس میں ان کے لئے معاشی سرگرمیاں ممنوع تھیں۔  
جن یہودیوں کا یہاں ذکر ہے وہ (غالباً) حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں (کسی سمندر کے کنارے رہتے تھے، اور مچھلیاں  
پکڑا کرتے تھے۔ سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑنا ان کے لئے ناجائز تھا، مگر شروع میں انہوں نے کچھ حیلے کر کے اس حکم کی خلاف  
ورزی کرنی چاہی، اور پھر کھلم کھلا مچھلیاں پکڑنی شروع کر دیں۔ کچھ نیک لوگوں نے انہیں سمجھایا، مگر وہ باز نہ آئے۔ بالآخر ان پر  
عذاب آیا اور ان کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندر بنادیا گیا۔ سورہ بقرہ میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ  
یہ واقعہ اگرچہ موجودہ بائبل میں موجود نہیں ہے، لیکن عرب کے یہودی اس سے خوب اچھی طرح واقف تھے۔

(۸۱) جب کوئی قوم نافرمانی پر کمر باندھ لیتی ہے تو بعض اوقات اللہ تعالیٰ اُسے ڈھیل دیتے ہیں، جیسا کہ آگے آیت نمبر ۱۸۲ میں  
خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ سنیچر کے دن معاشی سرگرمیوں سے باز رہنا اپنی ذات میں کچھ اتنا ناقابل برداشت نہیں تھا، لیکن  
جس قوم کی سرشت ہی میں نافرمانی تھی، اُس نے جب کسی معقول وجہ کے بغیر احکام کی خلاف ورزی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ  
ڈھیل دی کہ سنیچر کے دن مچھلیاں اتنے افراط کے ساتھ نظر آنے لگیں کہ دوسرے دنوں میں اتنے افراط کے ساتھ نظر نہیں آتی  
تھیں۔ اس سے ان کو نافرمانی کا اور حوصلہ ہوا، اور وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل اور آزمائش ہے۔ اور انہوں نے  
پہلے ایسے حیلے کئے کہ سنیچر کے دن مچھلی کی دم میں رسی اٹکا کر اسے زمین کی کسی چیز سے باندھ دیا، اور اتوار کے دن اُسے پکا کھایا۔  
جب ان حیلوں سے نافرمانی کا حوصلہ بڑھا تو کھلم کھلا شکار شروع کر دیا۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کسی شخص کو گناہ کے وافر مواقع  
میسر آ رہے ہوں تو اُسے ڈرنا چاہئے کہ یہ کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل نہ ہو جس کے بعد وہ ایک دم پکڑ لیا جائے۔



وَإِذْ قَالَتْ أُمَمٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعْطُونَ قَوْمًا<sup>(۸۲)</sup> اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا<sup>(۸۳)</sup> قَالُوا  
مُعَذِّبَ رَأَىٰ إِلَىٰ رَبِّكُم وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ<sup>(۸۴)</sup> فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ<sup>(۸۵)</sup> أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ  
عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَّيِّنٍ<sup>(۸۶)</sup> بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ<sup>(۸۷)</sup> فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ  
مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ<sup>(۸۸)</sup>

اور (وہ وقت انہیں یاد دلاؤ) جب انہی کے ایک گروہ نے (دوسرے گروہ سے) کہا تھا کہ: ”تم اُن لوگوں کو کیوں نصیحت کر رہے ہو جنہیں اللہ یا تو ہلاک کرنے والا ہے، یا کوئی سخت قسم کا عذاب دینے والا ہے؟“<sup>(۸۲)</sup> دوسرے گروہ کے لوگوں نے کہا کہ: ”یہ ہم اس لئے کرتے ہیں تاکہ تمہارے رب کے حضور بری الذمہ ہو سکیں، اور شاید (اس نصیحت سے) یہ لوگ پرہیزگاری اختیار کر لیں۔“<sup>(۸۳)</sup> پھر جب یہ لوگ وہ بات بھلا بیٹھے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو بُرائی سے روکنے والوں کو تو ہم نے بچا لیا، اور جنہوں نے زیادتیاں کی تھیں، اُن کی مسلسل نافرمانی کی بنا پر ہم نے انہیں ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا<sup>(۸۴)</sup> چنانچہ ہوا یہ کہ جس کام سے انہیں روکا گیا تھا، جب انہوں نے اس کے خلاف سرکشی کی تو ہم نے اُن سے کہا: ”جاؤ، ذلیل بندر بن جاؤ۔“<sup>(۸۵)</sup>

<sup>(۸۲)</sup> دراصل ان لوگوں کے تین گروہ ہو گئے تھے۔ ایک گروہ مسلسل نافرمانی پر کمر باندھے ہوئے تھا۔ دوسرا گروہ شروع میں انہیں سمجھاتا رہا، اور جب وہ نہ مانے تو مایوس ہو کر بیٹھ گیا۔ تیسرا گروہ مایوس ہونے کے بجائے بدستور انہیں نصیحت کرتا رہا۔ اب دوسرے گروہ نے تیسرے گروہ سے کہا کہ جب یہ لوگ مسلسل نافرمانی پر کمر باندھے ہوئے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے والا ہے، اس لئے ان کو سمجھانا وقت ضائع کرنا ہے۔

<sup>(۸۳)</sup> یہ تیسرے گروہ کا جواب ہے، اور بڑا عارفانہ جواب ہے۔ انہوں نے اپنی کوششیں جاری رکھنے کی دو وجہیں بیان کیں۔ ایک یہ کہ ہمارے نصیحت کرتے رہنے کا پہلا مقصد تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری پیشی ہو تو ہم یہ کہہ سکیں کہ یا اللہ! ہم اپنا فریضہ ادا کرتے رہے تھے، اس لئے ہم ان کے جرائم سے بری الذمہ ہیں۔ اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہم اب بھی یہ اُمید رکھتے ہیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ ہماری بات سن لے، اور گناہ سے باز آجائے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا یہ جواب خاص طور پر نقل فرما کر ہر مسلمان کو متنبہ فرمایا ہے کہ جب معاشرے میں نافرمانی کا دور دورہ ہو جائے تو ایک مسلمان کی ذمہ داری صرف یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو بچالے، بلکہ دوسروں کو راہِ راست کی دعوت دینا بھی اُس کی ذمہ داری ہے جس کے بغیر وہ مکمل طور پر بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ حق کے ایک داعی کو کبھی مایوس ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے، بلکہ اس اُمید کے ساتھ اپنا پیغام پہنچاتے رہنا چاہئے کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ بات سمجھ جائے۔

<sup>(۸۴)</sup> اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی صورتیں مسخ کر کے انہیں واقعی بندر بنادیا گیا۔ ہمارے دور کے بعض لوگ اس قسم کی باتوں پر یقین کرنے کے بجائے قرآن کریم میں تاویلات بلکہ تحریفات کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ جب ڈارون کسی



وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لِيُبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۖ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٦٨﴾ وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا ۖ مِنْهُمْ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَلِكَ ۖ وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٦٩﴾ فَخَلَفَ مِنْ بَعدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِثْلُهُ يَأْخُذُوهُ ۗ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لَا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ ۗ وَاللَّذَّارِ الْأُخْرَىٰ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٧٠﴾

اور (یاد کرو وہ وقت) جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ وہ ان پر قیامت کے دن تک کوئی نہ کوئی ایسا شخص مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بری بری تکلیفیں پہنچائے گا۔ بیشک تمہارا رب جلد ہی سزا دینے والا بھی ہے، اور یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان بھی ہے ﴿١٦٨﴾ اور ہم نے دُنیا میں اُن کو مختلف جماعتوں میں بانٹ دیا۔ چنانچہ ان میں نیک لوگ بھی تھے، اور کچھ دوسری طرح کے لوگ بھی۔ اور ہم نے انہیں اچھے اور بُرے حالات سے آزمایا، تاکہ وہ (راہِ راست کی طرف) لوٹ آئیں ﴿١٦٩﴾ پھر ان کے بعد اُن کی جگہ ایسے جانشین آئے جو کتاب (یعنی تورات) کے وارث بنے، مگر ان کا حال یہ تھا کہ اس ذلیل دُنیا کا ساز و سامان (رِشوت میں) لیتے، اور یہ کہتے کہ: ”ہماری بخشش ہو جائے گی“ حالانکہ اگر اُسی جیسا ساز و سامان دوبارہ اُن کے پاس آتا تو وہ اُسے بھی (رِشوت میں) لے لیتے۔ کیا ان سے کتاب میں مذکور یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کریں؟ اور اُس (کتاب) میں جو کچھ لکھا تھا، وہ انہوں نے باقاعدہ پڑھا بھی تھا۔ اور آخرت والا گھر اُن لوگوں کے لئے کہیں بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ (اے یہود!) کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿١٧٠﴾

قطعی دلیل کے بغیر یہ کہے کہ بندر ترقی کر کے انسان بن گیا تھا تو اُسے ماننے میں انہیں تامل نہیں ہوتا، لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے قطعی کلام میں یہ فرمائیں کہ انسان تنزل کر کے بندر بن گیا تو یہ حضرات شرما کر اُس میں تاویل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ﴿٨٥﴾ یہود کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ واقعی ہر تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ان پر کوئی نہ کوئی جابر مسلط ہوتا رہا ہے جس نے ان کو اپنا محکوم بنا کر طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ البتہ ظاہر ہے کہ ہزاروں سال کی تاریخ میں ایسے وقفے بھی آتے رہے ہیں جن میں وہ خوش حال رہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آگے خود یہ فرمایا ہے کہ: ”ہم نے ان کو اچھے اور بُرے حالات سے آزمایا“ جس سے واضح ہے کہ ان پر خوش حالی کے دور بھی آتے رہے ہیں، مگر مجموعی تاریخ کے مقابلے میں وہ کم ہیں۔

﴿٨٦﴾ یہ ان کی اس بدعنوانی کا ذکر ہے کہ وہ رِشوت لے کر اللہ کی کتاب کی غلط تفسیر کر دیتے تھے، اور ساتھ ہی بڑے یقین کے ساتھ یہ بھی کہتے کہ ہمارے اس گناہ کی بخشش ہو جائے گی۔ حالانکہ بخشش تو توبہ سے ہوتی ہے، جس کا لازمی حصہ یہ ہے کہ آئندہ



وَالَّذِينَ يُسَيِّئُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۖ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ﴿٨٥﴾ وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ ۖ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ ۖ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٨٦﴾ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ ۖ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۖ شَهِدْنَا ۖ أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ﴿٨٧﴾

اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے تھامتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، تو ہم ایسے اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ ﴿۸۵﴾ اور (یاد کرو) جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر اس طرح اٹھا دیا تھا جیسے وہ کوئی سائبان ہو، اور انہیں یہ گمان ہو گیا تھا کہ وہ ان کے اوپر گرنے ہی والا ہے، (اُس وقت ہم نے حکم دیا تھا کہ:) ”ہم نے تمہیں جو کتاب دی ہے، اُسے مضبوطی سے تھامو، اور اُس کی باتوں کو یاد کرو، تاکہ تم تقویٰ اختیار کر سکو۔“ ﴿۸۶﴾

اور (اے رسول! لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب تمہارے پروردگار نے آدم کے بیٹوں کی پشت سے اُن کی ساری اولاد کو نکالا تھا، اور اُن کو خود اپنے اوپر گواہ بنایا تھا، (اور پوچھا تھا کہ:) ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟“ سب نے جواب دیا تھا کہ: ”کیوں نہیں؟ ہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔“ (اور یہ اقرار ہم نے اس لئے لیا تھا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ: ”ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔“ ﴿۸۷﴾

اس گناہ سے پرہیز کیا جائے، لیکن ان کا حال یہ تھا کہ اگر انہیں دوبارہ رشوت کی پیشکش کی جاتی تو وہ دوبارہ لینے کو بے تکلف تیار رہتے تھے۔ اور یہ سب کچھ وہ دنیا کی خاطر کرتے تھے، حالانکہ اگر عقل ہوتی تو یہ دیکھتے کہ آخرت کی زندگی کہیں بہتر ہے۔

﴿۸۷﴾ یہ واقعہ سورۃ بقرہ (۶۳:۲) اور سورۃ نساء (۱۵۴:۴) میں بھی گزرا ہے، اور سورۃ بقرہ کی متعلقہ آیت کے تحت ہم نے اس کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ وہاں ہم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ عربی زبان کے لحاظ سے اس آیت کا یہ ترجمہ بھی ممکن ہے کہ: ”ہم نے پہاڑ کو اُن کے اوپر اس طرح زور زور سے ہلایا کہ انہیں یہ گمان ہو گیا کہ وہ ان کے اوپر گرنے والا ہے۔“

﴿۸۸﴾ اس آیت کریمہ میں جس عہد لینے کا ذکر ہے، حدیث میں اُس کی تشریح یہ آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد اُن کی پشت سے جتنے انسان پیدا ہونے والے تھے، ان سب کو ایک جگہ اس طرح جمع فرمایا کہ وہ سب چیونٹیوں کے برابر جسم رکھتے تھے۔ پھر اُن سے یہ عہد لیا کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانتے ہیں؟ سب نے اقرار کیا کہ بیشک وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کرتے ہیں، (روح المعانی بحوالہ نسائی وحاکم ونبہی وغیرہ) جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو مان کر ان پر عمل کریں گے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے ہی ان سے اپنی اطاعت کا اقرار لے لیا تھا۔ دنیا میں ایسے حضرات بھی ہوئے ہیں جن کو یہ واقعہ دنیا میں آنے کے بعد بھی یاد رہا، مثلاً



أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِمَّنْ بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ  
الْمُبْطِلُونَ ﴿۸۹﴾ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۹۰﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي  
آتَيْنَاهُ الْيَتِيمَانِ فَاسْدَخَ مِنْهُمَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿۹۱﴾

یہ نہ کہہ دو کہ: ”شُرک (کا آغاز) تو بہت پہلے ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا، اور ہم اُن کے بعد انہی کی اولاد بنے۔ تو کیا آپ ہمیں اُن کاموں کی وجہ سے ہلاک کر دیں گے جو غلط کار لوگوں نے کئے تھے؟“ ﴿۸۹﴾ اور اسی طرح ہم نشانیوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں، تاکہ لوگ (حق کی طرف) پلٹ آئیں ﴿۹۰﴾ اور (اے رسول!) ان کو اُس شخص کا واقعہ پڑھ کر سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں، مگر وہ اُن کو بالکل ہی چھوڑ نکلا، پھر شیطان اُس کے پیچھے لگا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔ ﴿۹۱﴾

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا یہ ارشاد منقول ہے کہ: ”یہ عہد مجھے ایسا یاد ہے گویا اس وقت سن رہا ہوں۔“ (معارف القرآن ج: ۴ ص: ۱۱۵) لیکن یہ دُرست ہے کہ چند مستثنیات کو چھوڑ کر باقی انسان اس واقعے کو ایک عہد کی شکل میں تو بھول چکے ہیں، مگر کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ وہ یاد نہ رہنے کے باوجود اپنا طبعی اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ اثر آج بھی دُنیا کے اکثر و بیشتر انسانوں میں موجود ہے کہ وہ اس کائنات کے ایک پیدا کرنے والے پر ایمان رکھتے ہیں، اور اس کی عظمت و کبریائی کے گن گاتے ہیں۔ جو لوگ مادی خواہشات کے گرداب میں پھنس کر اپنی فطرت خراب کر چکے ہوں، اُن کی بات تو اور ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت ہر انسان کی فطرت میں سمائی ہوئی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جب کبھی فطرت سے دُور کرنے والے بیرونی عوامل دُور ہوتے ہیں تو انسان حق کی طرف اس طرح دوڑتا ہے جیسے اُس کو اپنی کھوئی ہوئی پونجی اچانک مل گئی ہو۔

﴿۸۹﴾ عام طور سے مفسرین نے اس آیت کے بارے میں یہ کہا ہے کہ اس میں بلعام بن باعور کی طرف اشارہ ہے۔ فلسطین کے علاقے موآب میں یہ ایک عابد و زاہد شخص تھا، اور اس کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ اُس کی دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اُس وقت اس علاقے پر بت پرست قوموں کا قبضہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل کا لشکر لے کر اس علاقے پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فوجیں موآب کے دروازے تک پہنچ گئیں تو وہاں کے بادشاہ نے بلعام سے کہا کہ وہ ان کے خلاف بددعا کرے تاکہ وہ ہلاک ہو جائیں، بلعام نے شروع میں انکار کیا، مگر بادشاہ نے اسے رشوت دی تو وہ بددعا پر راضی ہو گیا۔ مگر جب دُعا کرنی شروع کی تو الفاظ بددعا کے بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں دُعا کے نکلے۔ بعد میں بلعام نے بادشاہ کے لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنی عورتوں کو بنی اسرائیل کے خیموں میں بھیج دیں، تاکہ وہ بدکاری میں مبتلا ہو جائیں۔ بدکاری کی یہ خاصیت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قہر کا سبب بنتی ہے، اس لئے بنی اسرائیل اپنی بدکاری کی وجہ سے اللہ کی مدد سے محروم ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، بنی اسرائیل اس فتنے میں مبتلا ہو گئے جس کی وجہ سے ان میں عذاب کے طور پر طاعون کی وبا پھوٹ پڑی۔ یہ قصہ بائبل میں بھی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے (دیکھئے گنتی، باب ۲۲ تا ۲۵، اور ۱۶: ۳۱)۔

قرآن کریم نے یہاں اُس شخص کا نام نہیں لیا جس کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے، اور نہ یہ بیان فرمایا ہے کہ اُس شخص نے اللہ تعالیٰ



وَلَوْ شِئْنَا لَفَعْنَهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۖ فَشَلَّهُ بِمَنَئِلِ  
الْكَلْبِ ۖ إِنْ تَحِبَّ عَلَيْهِ يُلْهَثْ أَوْ تَتْرُكُهُ يُلْهَثْ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا  
بِآيَاتِنَا ۖ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَذَّبُوا  
بِآيَاتِنَا وَأَنْفُسُهُمْ كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿٩١﴾ مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَنْ يُضِلْ فَلَا وَلِيَّكَ  
هُمُ الْخُسِرُونَ ﴿٩٢﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اُسے سر بلند کرتے، مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا، اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا رہا، اس لئے اُس کی مثال اُس کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تم اُس پر حملہ کرو تب بھی وہ زبان لٹکا کر ہانپے گا، اور اگر اُسے (اُس کے حال پر) چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکا کر ہانپے گا۔ ﴿۹۰﴾ یہ ہے مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے۔ لہذا تم یہ واقعات ان کو سناتے رہو، تاکہ یہ کچھ سوچیں ﴿۹۱﴾ کتنی بُری مثال ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، اور جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہیں! ﴿۹۲﴾ جسے اللہ ہدایت دے، بس وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے، اور جسے وہ گمراہ کر دے، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو نقصان اٹھاتے ہیں ﴿۹۳﴾

کے احکام کو چھوڑ کر کس طرح اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کی۔ اور جو قصہ اوپر بیان کیا گیا ہے، وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے۔ اس لئے یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ ان آیات میں وہی مراد ہے۔ تاہم قرآن کریم کا اصل مقصد اس شخص کی تعیین پر موقوف نہیں ہے۔ سبق یہ دینا مقصود ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم اور عبادت کے شرف سے نوازا ہو، اُس کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ احتیاط اور تقویٰ سے کام لینا چاہئے۔ اگر ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کی خلاف ورزی کر کے ناجائز خواہشات کے پیچھے چل پڑے، تو اس کا انجام دُنیا اور آخرت دونوں میں برا ہوتا ہے۔

﴿۹۰﴾ عام جانور اُسی وقت ہانپتے ہیں جب کوئی بوجھ اٹھائیں، یا کوئی اُن پر حملہ کرے۔ لیکن کتا ایسا جانور ہے جسے سانس لینے کے لئے ہر حال میں ہانپنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جن حضرات نے اس واقعے کو بلعام بن باعور کا واقعہ قرار دیا ہے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اُس کی بد عملی کی سزا میں اُس کی زبان کتے کی طرح باہر نکل پڑی تھی، اس لئے اُسے اس آیت میں کتے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ دراصل یہ تشبیہ اُس شخص کی نفسانی حرص کی ہے۔ اگر کتے پر کوئی چیز پھینکی جائے تو خواہ وہ اُسے مارنے کے لئے پھینکی گئی ہو، کتا اپنی زبان نکال کر اُس پر اس حرص میں لپکتا ہے کہ شاید یہ کوئی کھانے کی چیز ہو۔ اسی طرح جو شخص دُنیا کی حرص میں گرفتار ہو وہ ہر واقعے سے دُنیا کا مفاد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اُس کے لئے ہر حال میں ہانپتا ہی رہتا ہے۔



وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿٩١﴾ وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۖ وَذُرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ۖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٢﴾

اور ہم نے جنات اور انسانوں میں سے بہت سے لوگ جہنم کے لئے پیدا کئے۔ اُن کے پاس دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، اُن کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور اُن کے پاس کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ وہ اُن سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۹۱﴾ اور اسمائے حسنیٰ (اچھے اچھے نام) اللہ ہی کے ہیں۔ لہذا اُس کو انہی ناموں سے پکارو، اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو جو اُس کے ناموں میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں، اُس کا بدلہ اُنہیں دیا جائے گا ﴿۹۲﴾

﴿۹۱﴾ یعنی اُن کی تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے ایسے کام کریں گے جو انہیں جہنم تک لے جائیں گے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ تقدیر میں لکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جہنم کے کام کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں، بلکہ بلا تشبیہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک استاد اپنے کسی شاگرد کے حالات کے پیش نظر یہ لکھ کر رکھ دے کہ یہ فیل ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ استاد نے اُسے فیل ہونے پر مجبور کر دیا، بلکہ اُس نے جو کچھ لکھا تھا اُس کا مطلب یہی تھا کہ یہ شاگرد محنت کرنے کے بجائے وقت ضائع کرے گا، اور اس کے نتیجے میں فیل ہوگا۔

﴿۹۲﴾ اس سے پہلی آیت میں نافرمانوں کی بنیادی بیماری یہ بیان کی گئی تھی کہ وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اُس کے سامنے جواب دہی کے احساس سے غافل ہیں۔ اور غور کیا جائے تو اس دُنیا میں ہر قسم کی برائی کا اصل سبب ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ اس لئے اب اس بیماری کا علاج بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے، اور اپنی ہر حاجت اُسی سے مانگی جائے۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا جو لفظ یہاں استعمال ہوا ہے، وہ دونوں باتوں کو شامل ہے، اُس کی تسبیح و تقدیس کے ذریعے اُس کا ذکر کرنا، اور اُس سے دُعائیں مانگنا۔ غفلت کے دُور ہونے کا یہی راستہ ہے کہ بندہ اپنے پروردگار کو دونوں طریقوں سے پکارے۔ البتہ اُس کو پکارنے کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو اچھے اچھے نام (اسمائے حسنیٰ) خود اللہ تعالیٰ نے یا اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیئے ہیں، اُنہی ناموں سے اُس کو پکارا جائے۔ ان اسمائے حسنیٰ کی طرف قرآن کریم نے کئی مقامات پر اشارہ فرمایا ہے (دیکھئے سورۃ بنی اسرائیل ۱۷: ۱۱۰ اور سورۃ طہ ۲۰: ۸ اور سورۃ حشر ۵۹: ۲۴)۔ اور صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ یہ ننانوے نام ترمذی اور حاکم نے روایت کئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر انہی اسمائے حسنیٰ میں سے کسی اسم مبارک کے ساتھ کرنا چاہئے، اور اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نام نہیں گھڑ لینا چاہئے۔

﴿۹۳﴾ بہت سے کافروں کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کا جو ناقص، ادھورایا غلط تصور تھا، اُس کے مطابق انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کوئی نام



وَمَنْ خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿١٨١﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ  
مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٢﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ ﴿١٨٣﴾ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿١٨٤﴾ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا أَنَّهُمْ  
مِنْ جَنَّةٍ ۖ إِنَّ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿١٨٥﴾ أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا  
خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَأَنْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ  
يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٦﴾ مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٨٧﴾

اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو لوگوں کو حق کا راستہ دکھاتی ہے، اور اُسی (حق) کے مطابق انصاف سے کام لیتی ہے ﴿۱۸۱﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، انہیں ہم اس طرح دھیرے دھیرے پکڑ میں لیں گے کہ انہیں پتہ بھی نہیں چلے گا ﴿۱۸۲﴾ اور میں اُن کو ڈھیل دیتا ہوں، یقین جانو کہ میری خفیہ تدبیر بڑی مضبوط ہے۔ ﴿۱۸۳﴾ ﴿۱۸۴﴾ بھلا کیا ان لوگوں نے سوچا نہیں کہ یہ صاحب جن سے ان کا سابقہ ہے، (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں جنون کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ وہ کچھ اور نہیں، بلکہ صاف صاف طریقے سے لوگوں کو متنبہ کرنے والے ہیں۔ ﴿۱۸۵﴾ اور کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت پر اور اللہ نے جو جو چیزیں پیدا کی ہیں اُن پر غور نہیں کیا، اور یہ (نہیں سوچا) کہ شاید ان کا مقررہ وقت قریب ہی آپہنچا ہو؟ اب اس کے بعد آخر وہ کونسی بات ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے؟ ﴿۱۸۶﴾ جس کو اللہ گمراہ کر دے، اُس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، اور ایسے لوگوں کو اللہ (بے یار و مددگار) چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں ﴿۱۸۷﴾

یا کوئی صفت بنالی تھی، یہ آیت متنبہ کر رہی ہے کہ مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ اُن لوگوں کی پیروی میں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا وہ نام یا صفت استعمال کرنا شروع کر دیں۔

﴿۹۴﴾ یہ اُن لوگوں کے لئے خطرے کی گھنٹی ہے جو مسلسل نافرمانی کئے جا رہے ہوں، اور پھر بھی دُنیا کے عیش و عشرت سے لطف اندوز ہو رہے ہوں، اور جنہیں کبھی یہ خیال بھی نہ آتا ہو کہ انہیں کسی دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ کیونکہ ایسی نافرمانیوں اور ایسی غفلت کے ساتھ جو دنیوی عیش و عشرت میسر آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل ہوتی ہے، جس کو قرآن کریم نے ”استدراج“ کا نام دیا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ ایسا شخص اچانک پکڑ لیا جاتا ہے، کبھی تو یہ پکڑ دُنیا ہی میں ہو جاتی ہے، اور اگر یہاں نہ ہوئی تو آخرت میں تو ہونی ہی ہوتی ہے۔

﴿۹۵﴾ مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر ماننے کے بجائے کبھی معاذ اللہ آپ کو مجنون قرار دیتے، کبھی شاعر یا جادوگر کہتے تھے۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسے بے سرو پا تبصرے وہی کر سکتا ہے جو بے سوچے سمجھے بات کرنے کا عادی ہو۔ اگر یہ لوگ ذرا بھی غور کر لیں تو اُن پر اپنے ان الزامات کی حقیقت واضح ہو جائے۔



يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسُهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي ۚ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ۖ  
ثَقُلْتُ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۖ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۖ يَسْأَلُونَكَ كَانَتْ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا  
عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٩٤﴾ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا  
مَا شَاءَ اللَّهُ ۖ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسْنِيَ السُّوءُ ۖ إِنْ  
أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١٩٥﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ  
مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۖ فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلٌ خَفِيْفًا فَهَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ  
دَعَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنِي صَالِحًا لَّنْكَوْنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿١٩٦﴾

(اے رسول!) لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب برپا ہوگی؟ کہہ دو کہ: ”اُس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے۔ وہی اُسے اپنے وقت پر کھول کر دکھائے گا، کوئی اور نہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بڑی بھاری چیز ہے، جب آئے گی تو تمہارے پاس اچانک آجائے گی۔“ یہ لوگ تم سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے تم نے اُس کی پوری تحقیق کر رکھی ہے۔ کہہ دو کہ: ”اُس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے، لیکن اکثر لوگ (اس بات کو) نہیں جانتے۔“ ﴿۱۹۴﴾ کہو کہ: ”جب تک اللہ نہ چاہے، میں خود اپنے آپ کو بھی کوئی نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا، اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں اچھی اچھی چیزیں خوب جمع کرتا، اور مجھے کبھی کوئی تکلیف ہی نہ پہنچتی۔“ ﴿۱۹۵﴾ میں تو بس ایک ہوشیار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں، اُن لوگوں کے لئے جو میری بات مانیں۔“ ﴿۱۹۶﴾ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اُسی سے اُس کی بیوی بنائی، تاکہ وہ اُس کے پاس آ کر تسکین حاصل کرے۔ ﴿۱۹۷﴾ پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانک لیا تو عورت نے حمل کا ایک ہلکا سا بوجھ اٹھالیا، جسے لے کر وہ چلتی پھرتی رہی۔ ﴿۱۹۸﴾ پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں (میاں بیوی) نے اللہ سے دعا کی کہ: ”اگر تو نے ہمیں تندرست اولاد دی تو ہم ضرور بالضرور تیرا شکر ادا کریں گے۔“ ﴿۱۹۹﴾

(۱۹۶) یعنی اگر مجھے غیب کی ساری باتیں معلوم ہو جایا کرتیں تو میں دُنیا کے سارے فائدے اکٹھے کر لیتا، اور کبھی مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی، کیونکہ ہر کام کا انجام مجھے پہلے سے معلوم ہو جاتا۔ حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مجھے غیب کی ساری باتوں کا علم نہیں دیا گیا، البتہ جو باتیں اللہ تعالیٰ مجھے وحی کے ذریعے بتا دیتے ہیں، اُن کا مجھے بھی علم ہو جاتا ہے۔ یہ اُن کافروں کی بھی تردید ہے جو پیغمبر کے لئے ضروری سمجھتے تھے کہ اُسے خدائی کے اختیارات حاصل ہوں، اور اُن لوگوں کو بھی تنبیہ ہے جو اپنے پیغمبروں کی تعظیم میں حد سے نکل کر انہیں خدائی کا درجہ دے دیتے ہیں، اور جس شرک کو مٹانے کے لئے انبیائے کرام تشریف لائے تھے، اُن کی تعظیم کے نام پر اُسی شرک کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔

(۱۹۷) ”ایک جان“ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور ان کی بیوی سے مراد حضرت حواء علیہا السلام۔

(۱۹۸) اب یہاں سے حضرت آدم علیہ السلام کی ایسی اولاد کا ذکر ہو رہا ہے جس نے بعد میں شرک کا راستہ اختیار کیا۔



فَلَمَّا أَتَاهَا صَالِحًا جَعَلَ لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٩٠﴾ اَيْشُرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلِقُونَ ﴿١٩١﴾ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿١٩٢﴾ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَى لَا يَتَّبِعُوكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ ﴿١٩٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا أَثَالِكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٩٤﴾ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا قُلْ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُوا فَمَا نُنْظِرُوكَ ﴿١٩٥﴾ إِنَّ وَلِيََّ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ﴿١٩٦﴾ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿١٩٧﴾ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَى لَا يَسْمَعُوا وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٩٨﴾

لیکن جب اللہ نے ان کو ایک تندرست بچہ دے دیا تو ان دونوں نے اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانا شروع کر دیا، حالانکہ اللہ ان کی مشرکانہ باتوں سے کہیں بلند اور برتر ہے ﴿۱۹۰﴾ کیا وہ ایسی چیزوں کو (اللہ کے ساتھ خدائی میں) شریک مانتے ہیں جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے، بلکہ خود ان کو پیدا کیا جاتا ہے؟ ﴿۱۹۱﴾ اور جو نہ ان لوگوں کی کوئی مدد کر سکتے ہیں، اور نہ خود اپنی مدد کرتے ہیں ﴿۱۹۲﴾ اور اگر تم انہیں کسی صحیح راستے کی طرف دعوت دو تو وہ تمہاری بات نہ مانیں، (بلکہ) تم انہیں پکارو یا خاموش رہو، اُن کے لئے دونوں باتیں برابر ہیں ﴿۱۹۳﴾ یقیناً جانو کہ اللہ کو چھوڑ کر جن جن کو تم پکارتے ہو، وہ سب تمہاری طرح (اللہ کے) بندے ہیں۔ اب ذرا ان سے دُعا مانگو، پھر اگر تم سچے ہو تو انہیں تمہاری دُعا قبول کرنی چاہئے ﴿۱۹۴﴾ بھلا کیا اُن کے پاس پاؤں ہیں جن سے وہ چلیں؟ یا اُن کے پاس ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑیں؟ یا اُن کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھیں؟ یا اُن کے پاس کان ہیں جن سے وہ سنیں؟ (ان سے کہہ دو کہ: ”تم اُن سب دیوتاؤں کو بلا لاؤ جنہیں تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے، پھر میرے خلاف کوئی سازش کرو، اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔“ ﴿۱۹۵﴾ میرا رکھوالا تو اللہ ہے جس نے کتاب نازل کی ہے، اور وہ نیک لوگوں کی رکھوالی کرتا ہے ﴿۱۹۶﴾ اور تم اُس کو چھوڑ کر جن جن کو پکارتے ہو، وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں، نہ اپنی مدد کرتے ہیں ﴿۱۹۷﴾ اور اگر تم انہیں صحیح راستے کی طرف بلاؤ تو وہ سنیں گے بھی نہیں۔ وہ تمہیں نظر تو اس طرح آتے ہیں جیسے تمہیں دیکھ رہے ہوں، لیکن حقیقت میں انہیں کچھ بھائی نہیں دیتا“ ﴿۱۹۸﴾

(۹۹) کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرایا کرتے تھے کہ آپ ہمارے دیوتاؤں کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں کہ ان میں کچھ بھی طاقت نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارے دیوتا آپ کو (معاذ اللہ) سزا دیں گے۔ یہ آیت اس کا جواب دے رہی ہے۔



خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿۹۹﴾ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۰۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَافٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ ﴿۱۰۱﴾ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَىٰ مِن رَّبِّي ۖ هَذَا بَصَائِرُ مَن رَّابَّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۳﴾ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۰۴﴾ وَادْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرَّعًا وَخَيْفَةً وَذُنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ ﴿۱۰۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ﴿۱۰۶﴾

ع ۱۰۶

(اے پیغمبر!) درگزر کا رویہ اپناؤ، اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دو، اور جاہلوں کی طرف دھیان نہ دو ﴿۹۹﴾ اور اگر کبھی شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی کچوکا لگ جائے تو اللہ کی پناہ مانگ لو۔ یقیناً وہ ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے ﴿۱۰۰﴾ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، انہیں جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال آ کر چھوٹا بھی ہے تو وہ (اللہ کو) یاد کر لیتے ہیں، چنانچہ اچانک اُن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ﴿۱۰۱﴾ اور جو ان شیاطین کے بھائی ہیں، اُن کو یہ شیاطین گمراہی میں گھسیٹے لے جاتے ہیں، نتیجہ یہ کہ وہ (گمراہی سے) باز نہیں آتے ﴿۱۰۲﴾ اور (اے پیغمبر!) جب تم ان کے سامنے (ان کا منہ مانگا) معجزہ پیش نہیں کرتے تو یہ کہتے ہیں کہ: ”تم نے یہ معجزہ خود اپنی پسند سے کیوں نہ پیش کر دیا؟“ کہہ دو کہ: ”میں تو اُسی بات کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے وحی کے ذریعے مجھ تک پہنچائی جاتی ہے۔“ یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے بصیرتوں کا مجموعہ ہے، اور جو لوگ ایمان لائیں اُن کے لئے ہدایت اور رحمت! ﴿۱۰۳﴾ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُس کو کان لگا کر سنو، اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحمت ہو۔ ﴿۱۰۴﴾ اور اپنے رب کا صبح و شام ذکر کیا کرو، اپنے دل میں بھی، عاجزی اور خوف کے (جذبات کے) ساتھ، اور زبان سے بھی، آواز بہت بلند کئے بغیر! اور اُن لوگوں میں شامل نہ ہو جانا جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۱۰۵﴾ یاد رکھو کہ جو (فرشتے) تمہارے رب کے پاس ہیں، وہ اُس کی عبادت سے تکبر کر کے منہ نہیں موڑتے، اور اُس کی تسبیح کرتے ہیں، اور اُسی کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ ﴿۱۰۶﴾

(۱۰۰) کچوکے سے مراد دوسوہ ہے۔ اور اس آیت نے ہر مسلمان کو یہ تعلیم دی ہے کہ جب کبھی شیطان دل میں کوئی بُرے خیال کا دوسوہ ڈالے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ اس بات کا ذکر خاص طور پر درگزر کا رویہ اپنانے کے سلسلے میں کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں درگزر کرنے کی فضیلت ہے، وہاں بھی اگر شیطانی اثر سے کبھی کسی کو غصہ آ جائے تو اُس کا علاج



بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنا ہے۔

(۱۰۱) گناہ کی خواہش نفس اور شیطان کے اثرات سے بڑے بڑے پرہیزگاروں کو بھی ہوتی ہے، لیکن وہ اس کا علاج اس طرح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، اُس سے مدد مانگتے ہیں، دُعائیں کرتے ہیں، اور اُس کی بارگاہ میں حاضری کا دھیان کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، یعنی ان کو گناہ کی حقیقت نظر آ جاتی ہے، اور اُس کے نتیجے میں وہ گناہ سے بچ جاتے ہیں، اور اگر کبھی غلطی ہو بھی جائے تو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔

(۱۰۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معجزے ان لوگوں کے سامنے آچکے تھے، لیکن وہ ضد میں آ کر نئے نئے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ یہ اس کا جواب ہے کہ میں اپنی طرف سے کوئی کام نہیں کر سکتا۔ میں تو ہر بات میں وحی الہی کا اتباع کرتا ہوں۔ (۱۰۳) یعنی قرآن کریم بذات خود ایک معجزہ ہے، اس میں جو بصیرتیں ہیں، وہ ایک اُمی کی زبان پر جاری ہو رہی ہیں جس نے کبھی لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ اس کے بعد کس معجزے کی ضرورت ہے؟

(۱۰۴) اس آیت نے بتا دیا کہ جب قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہو تو اُسے سننے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ البتہ تلاوت کرنے والے کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ایسے مقامات پر بلند آواز سے تلاوت نہ کرے جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں۔ ایسی صورت میں اگر لوگ تلاوت کی طرف دھیان نہیں دیں گے تو اس کا گناہ تلاوت کرنے والے کو ہوگا۔

(۱۰۵) اس سے اشارہ ہے کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا جو حکم دیا جا رہا ہے، اُس میں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اول تو اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کی عبادت یا ذکر سے بے نیاز ہے، دوسرے اُس کی ایک بڑی مخلوق یعنی فرشتے، ہر وقت اُس کے ذکر میں مشغول ہیں۔ انسانوں کو جو ذکر کا حکم دیا گیا ہے، اُس میں خود انسانوں کا فائدہ ہے کہ یہ ذکر جب دل میں سما جائے تو انہیں شیطان کے تصرفات سے محفوظ رکھنے کے لئے نہایت مفید ہے، اور اس کے ذریعے وہ گناہوں اور جرائم و مظالم سے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں۔

واضح رہے کہ یہ آیت سجدۂ تلاوت کی آیت ہے، اور جو شخص عربی میں یہ آیت پڑھے، اُس پر سجدہ کرنا واجب ہے۔ قرآن کریم میں ایسی چودہ آیتیں ہیں، اور یہ ان میں سب سے پہلی آیت ہے۔

سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ○

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○

الحمد للہ! آج ۱۸ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۸ اپریل ۲۰۰۶ء کو بروز منگل دہلی سے لندن جاتے ہوئے عصر کے وقت سورۂ اعراف کا ترجمہ اور حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور اس کو میرے گناہوں کی مغفرت اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنائیں، اور مسلمانوں کو اس کا فائدہ پہنچائیں، اور باقی سورتوں کے ترجمے اور تشریح کی اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْاَنْفَالِ

## تعارف

یہ سورت تقریباً سن ۲ ہجری کے آس پاس مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے، اور اس کے بیشتر مضامین جنگ بدر اور اس کے واقعات اور مسائل سے متعلق ہیں۔ یہ جنگ اسلام اور کفر کے درمیان پہلے باقاعدہ معرکے کی حیثیت رکھتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی، اور قریش مکہ کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔ چنانچہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات بھی یاد دلائے ہیں، اور مسلمانوں نے جس جاں نثاری کے ساتھ یہ جنگ لڑی اس کی ہمت افزائی کے ساتھ بعض اُن کمزوریوں کی بھی نشان دہی فرمائی ہے جو اس جنگ میں سامنے آئیں۔ اور آئندہ کے لئے وہ ہدایات بھی دی گئی ہیں جو ہمیشہ مسلمانوں کی کامیابی اور فتح و نصرت کا سبب بن سکتی ہیں۔ جہاد اور مال غنیمت کی تقسیم کے بہت سے احکام بھی بیان ہوئے ہیں، اور چونکہ جنگ بدر اصل میں کفار مکہ کے ظلم و ستم کے پس منظر میں پیش آئی تھی، اس لئے ان حالات کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کا حکم ہوا۔ نیز جو مسلمان مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، ان کے لئے بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آجائیں۔ ہجرت کی وجہ سے میراث کی تقسیم سے متعلق کچھ احکام عارضی طور پر نافذ کئے گئے تھے۔ سورت کے آخر میں اسی وجہ سے میراث کے کچھ مستقل احکام دیئے گئے ہیں۔

## جنگ بدر

چونکہ اس سورت کے بہت سے مضامین جنگ بدر کے مختلف واقعات سے متعلق ہیں، اس لئے ان کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے اس جنگ کے بارے میں کچھ بنیادی معلومات یہاں پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، تاکہ اس سے متعلق آیات کو ان کے صحیح پس منظر میں سمجھا جاسکے:-

مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد تیرہ سال مقیم رہے۔ اس دوران مکہ مکرمہ کے کفار نے آپ اور آپ کے جاں نثار صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو طرح طرح سے ستانے اور ناقابل برداشت تکلیفیں پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہاں تک کہ ہجرت سے ذرا پہلے آپ کو قتل کرنے کا باقاعدہ منصوبہ بنایا گیا جس کا ذکر اسی سورت میں



آنے والا ہے۔ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو کفار مکہ مسلسل اس فکر میں رہے کہ آپ کو وہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا جائے۔ انہوں نے عبداللہ بن ابی کو مدینہ منورہ میں خط لکھا کہ تم لوگوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو پناہ دی ہے، اب یا تو تم انہیں پناہ دینے سے ہاتھ اٹھا لو، ورنہ ہم تم پر حملہ کریں گے۔ (دیکھئے سنن ابوداؤد، کتاب الخراج، باب ۲۳، حدیث نمبر: ۳۰۰۴) انصار میں سے اوس کے قبیلے کے سردار حضرت سعد بن معاذ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ گئے، تو عین طواف کے دوران ابو جہل نے ان سے کہا کہ تم نے ہمارے دشمنوں کو پناہ دے رکھی ہے، اور اگر تم ہمارے ایک سردار کی پناہ میں نہ ہوتے تو زندہ واپس نہیں جاسکتے تھے، جس کا مطلب یہ تھا کہ آئندہ اگر مدینہ منورہ کا کوئی آدمی مکہ مکرمہ آئے گا تو اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں ابو جہل سے کہہ دیا کہ اگر تم ہمارے آدمیوں کو مکہ مکرمہ آنے سے روکو گے تو ہم تمہارے لئے اس سے بھی بڑی رکاوٹ کھڑی کر دیں گے، یعنی تم تجارتی قافلے لے کر جب شام جاتے ہو تو تمہارا راستہ مدینہ منورہ کے قریب سے گذرتا ہے۔ اب ہم تمہارے قافلوں کو روکنے اور ان پر حملہ کرنے میں آزاد ہوں گے۔ (دیکھئے صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ۲، حدیث نمبر: ۳۹۵۰) اس کے بعد کفار مکہ کے کچھ دستے مدینہ منورہ کے آس پاس آئے، اور مسلمانوں کے مویشی لوٹ کر لے گئے۔ حالات کے اس پس منظر میں ابوسفیان (جو اُس وقت کفار مکہ کا سردار تھا) ایک بڑا بھاری تجارتی قافلہ لے کر شام گیا۔ اس قافلے میں مکہ مکرمہ کے ہر مرد و عورت نے سونا چاندی جمع کر کے تجارت میں شرکت کی غرض سے بھیجا تھا۔ یہ قافلہ شام سے سو فی صد نفع کما کر واپس آ رہا تھا۔ یہ قافلہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا، اور پچاس ہزار دینار (گنیوں) کا سامان لارہا تھا، اور اس کے ساتھ چالیس مسلح افراد اس کی حفاظت پر متعین تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قافلے کی واپسی کا پتہ چلا تو حضرت سعد بن معاذ کے چیلنج کے مطابق آپ نے اس قافلے پر حملہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس کے لئے باقاعدہ سپاہیوں کی بھرتی کا موقع نہیں تھا، اس لئے وقت پر جتنے صحابہ تیار ہو سکے، ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی، کل ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے، ساٹھ زرہیں تھیں۔ اس مختصر سامان کے ساتھ آپ مدینہ منورہ سے نکلے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض غیر مسلم مصنفین نے اس واقعے پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک پُر امن تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ہمارے زمانے کے بعض مسلمان مصنفین نے اس اعتراض سے مرعوب ہو کر یہ دعویٰ کرنے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ قافلے پر حملہ کرنے کا نہیں تھا، بلکہ ابوسفیان نے اپنے طور پر خطرہ محسوس کر کے ابو جہل کے لشکر کو دعوت دی تھی۔ لیکن واقعے کی یہ تشریح صحیح احادیث اور قرآنی اشارات کی روشنی میں درست نہیں ہے۔ درحقیقت یہ اعتراض اُس وقت کے حالات اور اُس دور کے سیاسی، دفاعی اور معاشرتی ڈھانچے سے بے خبری پر مبنی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جو واقعات ہم نے اوپر بیان کئے ہیں، اُن کی روشنی میں فریقین کے



درمیان ایک مسلسل جنگ کی حالت موجود تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو نہ صرف چیلنج دے رکھے تھے، بلکہ کفار کی طرف سے عملی طور پر چھیڑ چھاڑ بھی شروع ہو چکی تھی۔ دوسرے حضرت سعد بن معاذ پہلے سے انہیں متنبہ کر آئے تھے کہ وہ ان کے قافلوں پر حملہ کرنے کے لئے آزاد ہوں گے۔ تیسرے اُس دور میں شہری اور فوجی افراد کی کوئی تفریق نہیں ہوتی تھی۔ کسی معاشرے کے تمام بالغ مرد ”مقاتلہ“ یعنی لڑنے والے کہلاتے تھے۔ چنانچہ قافلے کی سرکردگی ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی جو اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا دشمن تھا، اور اُس کے ساتھ چالیس مسلح افراد میں سے ہر ایک قریش کے اُن لوگوں میں سے تھا جو مسلمانوں کو ستانے میں پیش پیش رہے تھے، اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے تھے، اور یہ قافلہ بھی اگر کامیابی سے مکہ مکرمہ پہنچ جاتا تو قریش کی جنگی طاقت میں بڑے اضافے کا سبب بنتا۔ ان حالات میں اس کو ایک پُر امن تجارتی قافلے پر حملہ قرار دینا اُس وقت کے حالات سے ناواقفیت یا محض عناد کا کرشمہ ہے، اور اس کی وجہ سے ان واقعات کا انکار کرنا کسی طرح درست نہیں ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔

بہر حال! جب ابوسفیان کو آپ کے ارادے کا اندازہ ہوا تو اُس نے ایک طرف تو ایک تیز رفتار ایلیچی ابو جہل کے پاس بھیج کر اس واقعے کی اطلاع دی، اور اسے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ آپ پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا، اور دوسری طرف اپنے قافلے کا راستہ بدل کر بحر احمر کے ساحل کی طرف نکل گیا تاکہ وہاں سے چکر کاٹ کر مکہ مکرمہ پہنچ سکے۔ ابو جہل نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ایک بڑا لشکر تیار کیا، اور لوہے میں غرق ہو کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پتہ چلا کہ ابوسفیان تو قافلہ لے کر نکل چکا ہے، اور ابو جہل کا لشکر آ رہا ہے تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ سب نے یہی رائے دی کہ اب ابو جہل سے ایک فیصلہ کن معرکہ ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ بدر کے مقام پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی تعداد اور ساز و سامان ابو جہل کے لشکر کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ ابو جہل سمیت قریش کے ستر سردار جو مسلمانوں کی دشمنی میں پیش پیش تھے، مارے گئے، اور دوسرے ستر افراد گرفتار ہوئے، اور باقی لوگ میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔



﴿ آیتھا ۷۵ ﴾ ﴿ سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ ۸۸ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۱۰ ﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

یَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۖ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاصْلِحُوا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۖ وَاطِيعُوا اللّٰهَ وَرَاسُوْلَهُ ۚ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ ۚ وَاِذَا تُلِیْتُ عَلَیْهِمُ الْاٰیَةُ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا ۚ وَ عَلٰی رَءِیْسِهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں کچھتر آیتیں اور دس رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) لوگ تم سے مالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ مالِ غنیمت (کے بارے میں فیصلے) کا اختیار اللہ اور رسول کو حاصل ہے۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو، اور آپس کے تعلقات درست کر لو، اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم واقعی مؤمن ہو ۝ مؤمن تو وہ لوگ ہیں کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب اُن کے سامنے اُس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ آیتیں اُن کے ایمان کو اور ترقی دیتی ہیں، اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں ۝ جو نماز قائم کرتے ہیں، اور ہم نے اُن کو جو رزق دیا ہے، اُس میں سے (فی سبیل اللہ) خرچ کرتے ہیں ۝

(۱) جنگِ بدر کے موقع پر جب دشمن کو شکست ہو گئی تو صحابہ کرام تین حصوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے آپ کے ساتھ رہا۔ دوسرا حصہ دشمن کے تعاقب میں روانہ ہو گیا، اور تیسرا حصہ دشمن کے چھوڑے ہوئے مالِ غنیمت کو جمع کرنے میں مشغول ہو گیا۔ یہ چونکہ پہلی جنگ تھی، اور مالِ غنیمت کے بارے میں مفصل ہدایات نہیں آئی تھیں، اس لئے اس تیسرے حصے نے یہ سمجھا کہ جو مال اُنہوں نے اکٹھا کیا ہے، وہ انہی کا ہے۔ (اور شاید زمانہ جاہلیت میں معمول ایسا ہی رہا ہوگا) لیکن جنگ ختم ہونے کے بعد پہلے دو گروہوں کو یہ خیال ہوا کہ وہ بھی جنگ میں برابر کے شریک تھے، بلکہ مالِ غنیمت اکٹھا ہونے کے وقت زیادہ اہم خدمات انجام دے رہے تھے، اس لئے اُن کو بھی اس مال میں حصہ دار ہونا چاہئے۔ یہ ایک فطری تقاضا تھا جس کی بنا پر ان حضرات کے درمیان بحث کی بھی نوبت آئی۔ جب معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو یہ آیات نازل ہوئیں جن میں بتا دیا گیا کہ مالِ غنیمت کے بارے میں فیصلے کا مکمل اختیار اللہ اور اُس کے رسول کو ہے۔ چنانچہ بعد میں اسی سورت کی آیت نمبر ۴۱ میں مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں مفصل احکام آ گئے۔ زیرِ نظر آیت نے ہدایت دی کہ اگر مسلمانوں کے درمیان کوئی رنجش ہوئی ہے تو اس وضاحت کے بعد اُسے دُور کر کے باہمی تعلقات درست کر لینے چاہئیں۔



أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۖ لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ ۖ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ كَمَا  
 أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَرِهُونَ ۝ يُجَادِلُونَكَ  
 فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ ۚ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۝ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى  
 الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحَقِّقَ الْحَقَّ  
 بِكَلِمَتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ لِيُحَقِّقَ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝

یہی لوگ ہیں جو حقیقت میں مؤمن ہیں۔ اُن کے لئے اُن کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں، مغفرت ہے، اور  
 باعزت رزق ہے ۝ (مال غنیمت کی تقسیم کا) یہ معاملہ کچھ ایسا ہی ہے جیسے تمہارے رب نے تمہیں اپنے گھر سے حق کی  
 خاطر نکالا، جبکہ مسلمانوں کے ایک گروہ کو یہ بات ناپسند تھی۔ ۝ وہ تم سے حق کے معاملے میں اس کے واضح ہو جانے  
 کے باوجود اس طرح بحث کر رہے تھے جیسے اُن کو موت کی طرف ہنکا کر لے جایا جا رہا ہو، اور وہ (اُسے) آنکھوں سے  
 دیکھ رہے ہوں ۝ اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تم سے یہ وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں سے کوئی ایک تمہارا ہوگا، اور  
 تمہاری خواہش تھی کہ جس گروہ میں (خطرے کا) کوئی کاٹنا نہیں تھا، وہ تمہیں ملے، اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے احکام سے  
 حق کو حق کر دکھائے، اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے ۝ تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے، چاہے  
 مجرم لوگوں کو یہ بات کتنی ناگوار ہو ۝

(۲) جن لوگوں نے مال غنیمت جمع کیا تھا، اُن کی خواہش یہ تھی کہ یہ مال انہی کے پاس رہے، لیکن فیصلہ اُس کے برعکس ہوا، اب  
 اُن کو تسلی دی جا رہی ہے کہ انسان کی ہر خواہش انجام کے اعتبار سے درست نہیں ہوتی۔ اُسے بعد میں پتہ چلتا ہے کہ جو واقعہ اُس  
 کی خواہش کے خلاف ہوا، بہتری اُسی میں تھی۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے ابو جہل سے جنگ کرنے کے معاملے میں ہوا۔ مدینہ منورہ  
 سے نکلنے وقت چونکہ صرف ابوسفیان کے قافلے پر حملہ کرنا پیش نظر تھا، اور کوئی باقاعدہ لشکر تیار نہیں کیا گیا تھا، اس لئے جب یہ  
 بات سامنے آئی کہ ابو جہل ایک بڑا لشکر لے کر مقابلے پر آ گیا ہے تو بعض صحابہؓ کی خواہش یہ تھی کہ ابو جہل سے جنگ کرنے کے  
 بجائے فی الحال واپس چلے جائیں، کیونکہ اس بے سرو سامانی کی حالت میں ایک مسلح فوج کا مقابلہ موت کے منہ میں جانے کے  
 مرادف ہوگا۔ لیکن دوسرے صحابہ نے بڑی پر جوش تقریریں کیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے، اور جب  
 آپ کی مرضی معلوم ہو گئی تو سب نے جنگ میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا، اور بعد میں ثابت ہوا کہ مسلمانوں کا عظیم فائدہ اسی میں تھا  
 کہ اس طرح کفر کی کمر توڑ دی گئی۔

(۳) اس سے مراد ابوسفیان کا قافلہ ہے، اور ”کانٹے“ سے مراد خطرہ ہے۔ قافلے میں مسلح افراد کی تعداد کل چالیس تھی۔ لہذا اُس  
 پر حملہ کرنے میں کوئی بڑا خطرہ نہیں تھا۔ لہذا طبعی طور پر اُس پر حملہ کرنا آسان تھا۔



اِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَبْ لَكُمْ اَنِّي مُبْدِكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرَدِّفِيْنَ ۝۱ وَمَا جَعَلَهُ  
 اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَِٔنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ  
 حَكِيْمٌ ۝۲ اِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ اَمْنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيَّطَهِّرَ كُمْ بِهٖ  
 وَيُذْهِبَ عَنْكُمُ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهٖ الْاَقْدَامَ ۝۳

یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، تو اُس نے تمہاری فریاد کا جواب دیا کہ میں تمہاری مدد کے لئے ایک ہزار فرشتوں کی کمک بھیجنے والا ہوں جو لگاتار آئیں گے ۝۱ اور یہ وعدہ اللہ نے کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ صرف اس لئے کیا کہ وہ خوشخبری بنے، اور تاکہ تمہارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو، ورنہ مدد کسی اور کے پاس سے نہیں، صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے۔ یقیناً اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ۝۲ یاد کرو جب تم پر سے گھبراہٹ دور کرنے کے لئے وہ اپنے حکم سے تم پر غنودگی طاری کر رہا تھا، اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا، تاکہ اُس کے ذریعے تمہیں پاک کرے، تم سے شیطان کی گندگی دور کرے، تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے، اور اُس کے ذریعے (تمہارے) پاؤں اچھی طرح جمادے ۝۳

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ کو مدد کرنے کے لئے فرشتے بھیجنے کی حقیقت میں ضرورت نہیں تھی، نہ فرشتوں میں کوئی ذاتی طاقت ہے کہ وہ مدد کر سکیں، مدد تو اللہ تعالیٰ براہ راست بھی کر سکتا تھا، لیکن یہ انسان کی فطرت ہے کہ جس چیز کے اسباب سامنے ہوں، اُس پر اُسے زیادہ اطمینان اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے یہ وعدہ کیا گیا تھا۔ اس آیت نے یہ سبق دیا ہے کہ کسی بھی کام کے جو اسباب بھی اختیار کئے جائیں، ایک مؤمن کو یہ بات ہر آن سامنے رکھنی چاہئے کہ یہ اسباب اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، اور ان میں تاثیر اسی کے حکم سے پیدا ہوتی ہے، لہذا بھروسہ اسباب پر نہیں، بلکہ اُسی کے فضل و کرم پر کرنا چاہئے۔

(۵) اتنے بڑے لشکر کے ساتھ تقریباً نہتے آدمیوں کا معرکہ پیش آنے والا ہو تو گھبراہٹ ایک طبعی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھبراہٹ کا علاج یہ فرمایا کہ صحابہ پر نیند طاری کر دی، جس کی ایک تاثیر یہ ہوتی ہے کہ اس سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ جنگ سے پہلی رات جی بھر کر سوئے جس سے وہ تازہ دم ہو گئے۔ نیز جنگ کے دوران بھی ان پر وقفے وقفے سے اونگھ طاری ہوتی رہی جس سے انہیں سکون ملتا رہا۔

(۶) مسلمانوں کے لئے ایک بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کفار نے بدر کے میدان میں پہلے پہنچ کر بہترین جگہ پر قبضہ کر لیا تھا جہاں پانی بھی کافی تھا، اور زمین بھی سخت تھی۔ مسلمانوں کو جو جگہ ملی وہ ریتیلی جگہ تھی جس پر پاؤں جمتے نہیں تھے، اور نقل و حرکت میں دشواری پیش آتی تھی، اور وہاں پانی بھی نہیں تھا، تھوڑا بہت پانی ایک حوض بنا کر اس میں جمع کیا گیا تھا جو جلد ہی ختم ہونے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں مسئلوں کے حل کے لئے بارش برسا دی جس سے ریت بھی جم گئی، اور قدم بھی جمنے لگے، اور پانی کا بھی اچھا ذخیرہ جمع ہو گیا۔

(۷) ”گندگی“ سے یہاں مراد دوسو سے ہیں جو ایسے مواقع پر جب اتنے بڑے دشمن کا مقابلہ ہو، آیا ہی کرتے ہیں۔



اِذْ يُوحِي رَبُّكَ اِلَى الْمَلَائِكَةِ اَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ۚ سَالَتْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝۱۲ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۳ ذٰلِكُمْ فَذُوقُوْهُ وَاَنْ لِّلْكَافِرِيْنَ عَذَابُ النَّارِ ۝۱۴ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحٰفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمْ اِلَّا دُبَارًا ۝۱۵ وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبْرًا ۙ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَا ۚ يَغْضَبُ مِنَ اللّٰهِ وَمَا لَهُ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۶

وہ وقت جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کے ذریعے حکم دے رہا تھا کہ: ”میں تمہارے ساتھ ہوں، اب تم مؤمنوں کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دلوں میں رعب طاری کر دوں گا، پھر تم گردنوں کے اوپر وار کرو، اور ان کی انگلیوں کے ہر ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔“ ۱۲ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی مول لی ہے، اور اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی مول لیتا ہے تو یقیناً اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ۱۳ یہ سب تو (اب) چکھ لو، اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ کافروں کے لئے (اصل) عذاب دوزخ کا ہے ۱۴ اے ایمان والو! جب کافروں سے تمہارا آمنا سامنا ہو جائے، جبکہ وہ چڑھائی کر کے آرہے ہوں، تو ان کو پیٹھ مت دکھاؤ ۱۵ اور اگر کوئی شخص کسی جنگی چال کی وجہ سے ایسا کر رہا ہو، یا اپنی کسی جماعت سے جا ملنا چاہتا ہو، اس کی بات تو اور ہے، مگر اس کے سوا جو شخص ایسے دن اپنی پیٹھ پھیرے گا تو وہ اللہ کی طرف سے غضب لے کر لوٹے گا، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ ۱۶

(۸) یہاں دشمن کے مقابلے سے پیٹھ پھیرنے کو ہر حالت میں ناجائز قرار دیا گیا ہے، چاہے دشمن کی تعداد کتنی زیادہ ہو، اور جنگ بدر کے وقت صورت حال یہی تھی۔ البتہ بعد میں اس حکم کی تفصیل اسی سورت کی آیت ۶۵ اور ۶۶ میں بیان فرمائی گئی ہے جس کی رو سے اب حکم یہ ہے کہ دشمن کی تعداد اگر دگنی یا اس سے کم ہو، تب تو میدان چھوڑنا حرام ہے، لیکن اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو میدان چھوڑنے کی اجازت ہے۔ پھر جس وقت دشمن کو پیٹھ دکھانا ناجائز ہوتا ہے، اس میں بھی اس آیت نے دو صورتوں کو مستثنیٰ رکھا ہے۔ ایک یہ کہ بعض اوقات جنگ ہی کی کسی حکمت عملی کے طور پر پیچھے ہٹنا پڑتا ہے، مقصد میدان سے بھاگنا نہیں ہوتا۔ ایسے میں پیچھے ہٹنا جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پیچھے ہٹ کر اپنی فوج کے پاس جانا اس لئے مقصود ہو کہ ان کی مدد لے کر دوبارہ حملہ کیا جائے۔ یہ صورت بھی جائز ہے۔



فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ وَلِيُبْلِيَ  
 الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا ۖ إِنَّ اللَّهَ سَبِيْعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۷﴾ ذَلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنُ كَيْدِ  
 الْكَافِرِينَ ﴿۱۸﴾ إِنَّ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ ۖ وَإِنْ تَنْتَهُوا فهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِنْ  
 تَعُودُوا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۹﴾  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ وَاتَّبَعْتُمْ سَعُونَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُونُوا  
 كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۲۱﴾

چنانچہ (مسلمانو! حقیقت میں) تم نے ان (کافروں کو) قتل نہیں کیا تھا، بلکہ انہیں اللہ نے قتل کیا تھا، اور (اے پیغمبر!) جب تم نے ان پر (مٹی) پھینکی تھی تو وہ تم نے نہیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی، اور (تمہارے ہاتھوں یہ کام اس لئے کرایا تھا) تاکہ اس کے ذریعے اللہ مؤمنوں کو بہترین اجر عطا کرے۔ بیشک اللہ ہر بات کو سننے والا، ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۱۷﴾ یہ سب کچھ تو اپنی جگہ، اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ اللہ کو کافروں کی ہر سازش کو کمزور کرنا تھا۔ ﴿۱۸﴾ (اے کافرو!) اگر تم فیصلہ چاہتے تھے، تو لو! اب فیصلہ تمہارے سامنے آگیا۔ اب اگر تم باز آ جاؤ تو یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہوگا، اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے (جواب تک کرتے رہے ہو) تو ہم بھی پھر وہی کام کریں گے (جواب کیا ہے)۔ اور تمہارا جتھہ تمہارے کچھ کام نہیں آئے گا، چاہے وہ کتنا زیادہ ہو، اور یاد رکھو کہ اللہ مؤمنوں کے ساتھ ہے۔ ﴿۱۹﴾

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی تابع داری کرو، اور اس (تابع داری) سے منہ نہ موڑو، جبکہ تم (اللہ اور رسول کے احکام) سن رہے ہو ﴿۲۰﴾ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے تو ہیں کہ ہم نے سن لیا، مگر وہ (حقیقت میں) سنتے نہیں ہیں ﴿۲۱﴾

(۹) جنگ بدر کے موقع پر جب دشمن پوری طاقت سے حملہ کرنے کے لئے چڑھا چلا آ رہا تھا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک مٹھی میں مٹی اور کنکر اٹھا کر دشمن کی طرف پھینکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ کنکریاں دشمن کے ہر فرد تک پہنچا دیں، جو ان کی آنکھوں وغیرہ میں جا کر لگیں، اور ان سے لشکر میں افراتفری مچ گئی۔ یہ اس واقعے کی طرف اشارہ ہے۔  
 (۱۰) یہ درحقیقت ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی قدرت سے دشمن کو براہ راست ہلاک کر سکتا تھا، پھر اس نے مسلمانوں کو کیوں استعمال کیا، اور کنکریاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے کیوں پھنکوائیں؟  
 جواب یہ دیا گیا ہے کہ اول تو اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ مکیونی امور بھی کسی ظاہری سبب کے ذریعے انجام دلاتا ہے، اور یہاں مسلمانوں کو اس لئے ذریعہ بنایا گیا کہ ان کو اجر و ثواب حاصل ہو، اور دوسرے وہ کافروں کو بھی یہ دکھانا چاہتا تھا کہ جن سازشوں اور وسائل پر انہیں ناز ہے، وہ سب ان لوگوں کے ہاتھوں خاک میں مل سکتے ہیں جنہیں تم کمزور سمجھتے رہے ہو۔



إِنَّ شَرَّ الدَّوَاءِ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّاسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۚ

یقین رکھو کہ اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ بہرے گوشتے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ ﴿۲۲﴾ اور اگر اللہ کے علم میں ان کے اندر کوئی بھلائی ہوتی تو وہ ان کو سننے کی توفیق دے دیتا، لیکن اب (جبکہ ان میں بھلائی نہیں ہے) اگر ان کو سننے کی توفیق دے بھی دے تو وہ منہ موڑ کر بھاگ جائیں گے۔ ﴿۲۳﴾ اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی دعوت قبول کرو، جب رسول تمہیں اُس بات کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔ ﴿۲۴﴾

﴿۱۱﴾ پچھلی آیت میں سننے سے مراد سمجھنا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ کافر لوگ کانوں سے تو سننے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس لحاظ سے وہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ بے زبان جانور اگر کسی کی بات کو نہ سمجھیں تو اتنی بُری بات نہیں ہے۔ اُن میں یہ صلاحیت پیدا ہی نہیں کی گئی، اور نہ اُن سے یہ مطالبہ ہے۔ لیکن انسانوں میں تو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کی گئی ہے، اور اُن سے یہ مطالبہ بھی ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر کوئی راستہ اپنائیں۔ اگر وہ سمجھنے کی کوشش نہ کریں تو جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

﴿۱۲﴾ بھلائی سے یہاں مراد حق کی طلب اور جستجو ہے، اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، سننے سے مراد سمجھنا ہے۔ اس طرح اس آیت میں یہ اہم نکتہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق اُس کو دیتا ہے جس کے دل میں حق کی طلب ہو۔ اگر کسی میں حق کی طلب ہی نہ ہو، اور وہ غفلت کی حالت میں اس طرح زندگی گزار رہا ہو کہ بس جو کچھ میں کر رہا ہوں، ٹھیک کر رہا ہوں، اور مجھے کسی سے کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، تو اوّل تو وہ حق بات کو سمجھنے ہی سے محروم رہتا ہے، اور اگر سمجھ بھی جائے تو اُس کا نوٹس ہی نہیں لیتا، اور حق سے بدستور منہ موڑے رہتا ہے۔

﴿۱۳﴾ اس مختصر جملے میں بڑی عظیم حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔ اوّل تو اسلام کی دعوت اور اُس کے احکام ایسے ہیں کہ اگر اُن پر تمام انسان پوری طرح عمل کرنے لگیں تو اسی دُنیا میں وہ پُر سکون زندگی کی ضمانت دیتے ہیں۔ عبادات کے علاوہ، جو روحانی سکون کا بہترین ذریعہ ہیں، اسلام کے تمام معاشرتی، معاشی اور سیاسی احکام دُنیا کو نہایت خوشگوار زندگی فراہم کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف زندگی تو اصل میں آخرت کی ابدی زندگی ہے، اور اُس کی خوشگواہی تمام تر اسلامی احکام کی پیروی پر موقوف ہے۔ لہذا اگر کسی کو اسلام کا کوئی حکم مشکل بھی محسوس ہو تو اُسے یہ سوچنا چاہئے کہ میری خوشگوار زندگی کا دار و مدار اس پر ہے۔ جس طرح انسان زندگی کی خاطر بڑے سے بڑے اور مشکل آپریشن کو منظور کر لیتا ہے، اسی طرح شریعت کا ہر وہ حکم جس میں محنت یا مشقت معلوم ہوتی ہو، یا نفسانی خواہشات کی قربانی دینی پڑتی ہو، اُس کو بھی خندہ پیشانی سے منظور کرنا چاہئے، کیونکہ اس کی حقیقی زندگی کا دار و مدار اس پر ہے۔



وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٣﴾ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٤﴾ وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَازَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٢٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾

اور یہ بات جان رکھو کہ اللہ انسان اور اُس کے دل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے، اور یہ کہ تم سب کو اسی کی طرف اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا ﴿۲۳﴾ اور ڈرو اُس وبال سے جو تم میں سے صرف اُن لوگوں پر نہیں پڑے گا جنہوں نے ظلم کیا ہوگا، اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۲۴﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب تم تعداد میں تھوڑے تھے، تمہیں لوگوں نے (تمہاری) سر زمین میں دبا کر رکھا ہوا تھا، تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اُچک کر لے جائیں گے۔ پھر اللہ نے تمہیں ٹھکانا دیا، اور اپنی مدد سے تمہیں مضبوط بنا دیا، اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا کیا، تاکہ تم شکر کرو۔ ﴿۲۵﴾ اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے بے وفائی نہ کرنا، اور نہ جاننے بوجھتے اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہونا ﴿۲۶﴾

﴿۱۴﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں حق کی طلب ہوتی ہے، اگر اُس کے دل میں کبھی گناہ کا تقاضا پیدا ہو، اور وہ طالب حق کی طرح اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے اُس سے مدد مانگے تو اللہ تعالیٰ اُس کے اور گناہ کے درمیان آڑ بن جاتے ہیں، اور وہ گناہ کے ارتکاب سے محفوظ رہتا ہے، اور اگر کبھی غلطی ہو بھی جائے تو اُسے توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے دل میں حق کی طلب نہ ہو، اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کرتا ہو تو اگر کبھی اُس کے دل میں نیک خیال آ بھی جائے، اور وہ اُسے ملاتا چلا جائے تو اُسے نیکی کی توفیق نہیں ملتی، کچھ نہ کچھ اسباب ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ اُس کے دل میں جو خیال آیا تھا، وہ کمزور پڑ جاتا ہے، یا اُس پر عمل کا موقع نہیں ملتا۔ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جب کسی نیکی کا خیال آئے تو اُسے فوراً کر گزرنا چاہئے، ملانا خطرناک ہے۔

﴿۱۵﴾ اس آیت کریمہ میں ایک اور اہم حکم بیان فرمایا گیا ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک مسلمان کی ذمہ داری صرف یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی ذات کی حد تک شریعت پر عمل کر لے۔ اُس کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ اگر معاشرے میں کوئی بُرائی پھیل رہی ہے تو اپنی طاقت کی حد تک اُس کو روکنے کی کوشش کرے۔ اگر لوگ اپنے اس فریضے میں کوتاہی کریں اور اُس بُرائی کا کوئی وبال آئے تو وہ وبال صرف اُن لوگوں کی حد تک محدود نہیں رہے گا جو اُس بُرائی میں براہِ راست ملوث تھے، بلکہ جو لوگ اُس بُرائی کا خود تو ارتکاب نہیں کر رہے تھے، مگر دوسروں کو اُس سے روکتے بھی نہیں تھے، وہ بھی اُس وبال کا شکار ہوں گے۔



وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۖ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝<sup>(۲۸)</sup> يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝<sup>(۲۹)</sup> وَإِذْ يَبْكُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا الْيَتِيمَتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۗ وَيَبْكُ رُونَ وَيَبْكُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِيْنَ ۝<sup>(۳۰)</sup> وَإِذْ أَتَى عَلَىٰ عَلَيْهِمُ الْيَتِيمَ الْقَوْلُ الْقَدَسِيمَ ۖ لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا ۖ إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝<sup>(۳۱)</sup> وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ وَإِنَّا بِعَذَابِكَ أَلِيمِينَ ۝<sup>(۳۲)</sup>

اور یہ بات سمجھ لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہیں، اور یہ کہ عظیم انعام اللہ ہی کے پاس ہے۔ (۲۸) اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے ساتھ تقویٰ کی روش اختیار کرو گے تو وہ تمہیں (حق و باطل کی) تمیز عطا کر دے گا، اور تمہاری بُرائیوں کا کفارہ کر دے گا، اور تمہیں مغفرت سے نواز دے گا، اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے۔ (۲۹) (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو جب کافر لوگ منصوبے بنا رہے تھے کہ تمہیں گرفتار کر لیں، یا تمہیں قتل کر دیں، یا تمہیں (وطن سے) نکال دیں۔ وہ اپنے منصوبے بنا رہے تھے، اور اللہ اپنا منصوبہ بنا رہا تھا، اور اللہ سب سے بہتر منصوبہ بنانے والا ہے۔ (۳۰) اور جب ان کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ: ”(بس!) ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو اس جیسی باتیں ہم بھی کہہ لائیں۔ یہ (قرآن) اور کچھ نہیں، صرف پچھلے لوگوں کے افسانے ہیں۔“ (۳۱) (اور ایک وقت وہ تھا) جب انہوں نے کہا تھا کہ: ”یا اللہ! اگر یہ (قرآن) ہی وہ حق ہے جو تیری طرف سے آیا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے، یا ہم پر کوئی اور تکلیف دہ عذاب ڈال دے۔“ (۳۲)

(۱۶) مال اور اولاد کی محبت تو انسان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے، اور معقول حد تک ہو تو بُری بھی نہیں ہے۔ لیکن آزمائش یہ ہے کہ یہ محبت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر تو آمادہ نہیں کر رہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے ساتھ یہ محبت ہوگی تو نہ صرف جائز، بلکہ باعثِ ثواب ہے، لیکن اگر وہ نافرمانی تک لے جائے تو ایک وبال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی اس سے حفاظت فرمائیں۔ آمین (۱۷) تقویٰ کی یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو ایسی سمجھ عطا کر دیتا ہے جو حق اور ناحق میں تمیز کرنے کی اہلیت رکھتی ہے، اور گناہ کی ایک خاصیت یہ ہے کہ وہ انسان کی عقل خراب کر دیتا ہے جس سے وہ اچھے کو بُرا اور بُرے کو اچھا سمجھنے لگتا ہے۔

(۱۸) یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے واقعے کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ کفارِ مکہ نے جب یہ دیکھا کہ اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے، اور مدینہ منورہ میں بڑی تعداد مسلمان ہو چکی ہے تو انہوں نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی، اُس میں مختلف تجویزیں پیش کی گئیں۔ یہ آیت ان تمام تجویزوں کا ذکر کر رہی ہے، یعنی گرفتاری، قتل اور جلا وطنی۔ آخر میں فیصلہ یہ ہوا تھا کہ مختلف قبیلوں سے ایک ایک نوجوان لے کر سب یکبارگی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملہ آور ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری باتیں



وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۖ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٢٠﴾ وَمَا لَهُمْ  
أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّ أَوْلِيَاءَ  
إِلَّا الْمُنَافِقِينَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾

اور (اے پیغمبر!) اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان کو اس حالت میں عذاب دے جب تم ان کے درمیان موجود ہو، اور اللہ اس حالت میں بھی ان کو عذاب دینے والا نہیں ہے جب وہ استغفار کرتے ہوں۔ ﴿۱۹﴾ اور بھلا ان میں کیا خوبی ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے جبکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ اُس کے متولی نہیں ہیں۔ متقی لوگوں کے سوا کسی قسم کے لوگ اُس کے متولی نہیں ہو سکتے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اس بات کو) نہیں جانتے ﴿۲۱﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے بتادیں، اور ہجرت کا حکم دے دیا۔ آپ کے گھر کا محاصرہ ہو چکا تھا، مگر آپ وہاں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس طرح نکل آئے کہ وہ آپ کو نہ دیکھ سکے۔ تفصیلی واقعہ سیرت کی کتابوں میں موجود ہے، اور ”معارف القرآن“ میں بھی اس آیت کے تحت بیان ہوا ہے۔

﴿۱۹﴾ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے کفر اور شرک کی وجہ سے مستحق تو اسی بات کے تھے کہ ان پر عذاب نازل کیا جائے، لیکن دو وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل نہیں فرمایا۔ ایک وجہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں موجود ہیں، اور آپ کے ہوتے ہوئے عذاب نازل نہیں ہو سکتا، کیونکہ نبی کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب بھیجتا، جب نبی بستی سے نکل جاتے ہیں، تب عذاب آتا ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے، اس لئے آپ کی برکت سے عذاب عام اس امت پر نہیں آئے گا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں بہت سے مسلمان استغفار کرتے رہتے ہیں۔ ان کے استغفار کی برکت سے عذاب رکا ہوا ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس کی یہ تشریح بھی کی ہے کہ خود مشرکین مکہ بھی اپنے طواف کے دوران کثرت سے ”غفرانک، غفرانک“ کہتے رہتے تھے، جو استغفار ہی کی ایک قسم ہے۔ اگرچہ کفر و شرک کے ساتھ یہ استغفار آخرت کے عذاب کو دور کرنے کے لئے تو کافی نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کافروں کی نیکیوں کا بدلہ اسی دنیا میں دے دیتے ہیں، اس لئے اُن کے استغفار کا اثر یہ ہے کہ اُن پر دنیا میں کوئی اُس طرح کا عذاب عام نازل نہیں ہوا جیسا عاد و ثمود وغیرہ پر آیا تھا۔

﴿۲۰﴾ یعنی اگرچہ مذکورہ بالا دو وجہ سے ان پر دنیا میں کوئی عام عذاب تو نہیں آیا، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ لوگ عذاب کے مستحق نہیں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ کفر و شرک کے علاوہ ان کی ایک خرابی یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو مسجد حرام میں عبادت کرنے سے روکتے ہیں، جیسا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے میں پیچھے گزر چکا ہے۔ (دیکھئے اس سورت کا ابتدائی تعارف) لہذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ مکہ مکرمہ سے نکل جائیں گے تو ان پر جزوی عذاب آئے گا، جو بعد میں فتح مکہ کی صورت میں سامنے آیا، اور پھر آخرت میں ان کو مکمل عذاب ہوگا۔



وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۖ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ  
 تَكْفُرُونَ ﴿۲۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَسَيُنْفِقُونَهَا  
 ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿۲۶﴾ لِيَمِيزَ اللَّهُ  
 الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضُهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي  
 جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۲۷﴾ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ ۚ  
 وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿۲۸﴾

اور بیت اللہ کے پاس ان کی نماز سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ لہذا (اے کافرو!) جو کافرانہ باتیں  
 تم کرتے رہے ہو، ان کی وجہ سے اب عذاب کا مزہ چکھو ﴿۲۵﴾ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے وہ اپنے مال اس کام کے لئے  
 خرچ کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ خرچ تو کریں گے، مگر پھر یہ سب کچھ ان  
 کے لئے حسرت کا سبب بن جائے گا، اور آخر کار یہ مغلوب ہو جائیں گے۔ اور (آخرت میں) ان کافر لوگوں کو جہنم کی  
 طرف اکٹھا کر کے لایا جائے گا ﴿۲۶﴾ تاکہ اللہ ناپاک (لوگوں) کو پاک (لوگوں) سے الگ کر دے، اور ایک ناپاک کو  
 دوسرے ناپاک پر رکھ کر سب کا ایک ڈھیر بنائے، اور اس ڈھیر کو جہنم میں ڈال دے۔ یہی لوگ ہیں جو سراسر خسارے میں  
 ہیں ﴿۲۷﴾ (اے پیغمبر!) جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، ان سے کہہ دو کہ: ”اگر وہ باز آجائیں تو پہلے ان سے جو کچھ ہوا ہے،  
 اُسے معاف کر دیا جائے گا۔“ اور اگر وہ پھر وہی کام کریں گے تو پچھلے لوگوں کے ساتھ جو معاملہ ہوا، وہ (ان کے سامنے)  
 گذر ہی چکا ہے۔ ﴿۲۸﴾

(۲۱) جنگِ بدر کے بعد قریش کے بچے کھچے سرداروں نے چندہ جمع کرنا شروع کیا تھا کہ اس سے ایک بڑی جنگ کی تیاری  
 کریں۔ یہ آیت اُس موقع پر نازل ہوئی۔

(۲۲) اس آیت نے یہ اصول بتا دیا ہے کہ جب کوئی شخص ایمان لے آئے تو کفر کی حالت میں اُس نے جتنے بھی گناہ کئے  
 ہوں وہ سب معاف ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ پچھلی نمازوں، روزوں اور دوسری عبادتوں کی قضا بھی اُس کے ذمے لازم  
 نہیں ہوتی۔

(۲۳) اس سے ان کافروں کی طرف بھی اشارہ ہے جو جنگِ بدر میں مارے گئے، اور ان پچھلی اُمتوں کی طرف بھی جن پر عذاب  
 نازل ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا انجام تمہارے سامنے گذر چکا ہے۔ اگر تم اپنی ضد سے باز نہ آئے تو ویسا ہی انجام تمہارا  
 بھی ہو سکتا ہے۔



وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ  
 بَصِيرٌ ﴿٢٤﴾ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَعَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ ۖ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٢٥﴾ وَاعْلَمُوا  
 أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ  
 السَّبِيلِ ۚ إِن كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّقَىٰ الْجَعْنِ ۖ  
 وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٦﴾ إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدُوِّ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدُوِّ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ  
 أَسْفَلَ مِنْكُمْ ۖ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَا خِلْفَ لَكُمْ فِي الْمِيثَاقِ ۚ وَلَكِنْ لَيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۚ  
 لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٧﴾

اور (مسلمانو!) ان کافروں سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔ پھر اگر  
 یہ باز آجائیں تو اُن کے اعمال کو اللہ خوب دیکھ رہا ہے ﴿۲۴﴾ اور اگر یہ منہ موڑے رکھیں، تو یقین جانو کہ اللہ تمہارا رکھوالا ہے،  
 بہترین رکھوالا، اور بہترین مددگار! ﴿۲۵﴾ اور (مسلمانو!) یہ بات اپنے علم میں لے آؤ کہ تم جو کچھ مال غنیمت حاصل کرو،  
 اُس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور اُن کے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے ﴿۲۶﴾ (جس کی ادائیگی تم  
 پر واجب ہے)، اگر تم اللہ پر اور اُس چیز پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن نازل کی تھی، جس  
 دن دو جماعتیں باہم ٹکرائی تھیں۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۷﴾ وہ وقت یاد کرو جب تم لوگ وادی کے قریب والے کنارے  
 پر تھے، اور وہ لوگ دُور والے کنارے پر، اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف۔ اور اگر تم پہلے سے (لڑائی کا) وقت آپس میں  
 طے کرتے تو وقت طے کرنے میں تمہارے درمیان ضرور اختلاف ہو جاتا، لیکن یہ واقعہ (کہ پہلے سے طے کئے بغیر لشکر  
 ٹکرا گئے) اس لئے ہوا کہ جو کام ہو کر رہنا تھا، اللہ اُسے پورا کر دکھائے، تاکہ جسے برباد ہونا ہو، وہ واضح دلیل دیکھ کر برباد  
 ہو، اور جسے زندہ رہنا ہو، وہ واضح دلیل دیکھ کر زندہ رہے، اور اللہ ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے ﴿۲۸﴾

﴿۲۴﴾ جیسا کہ آگے سورہ توبہ میں آئے گا، جزیرہ عرب کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کا مرکز بنایا ہے، اس لئے یہاں حکم یہ ہے کہ کوئی  
 کافر یا مشرک مستقل طور پر نہیں رہ سکتا۔ یا اسلام لائے، یا کہیں اور چلا جائے۔ اس لئے جزیرہ عرب میں کافروں سے اُس وقت  
 تک جنگ کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات اختیار نہ کر لیں۔ البتہ جزیرہ عرب سے باہر کا حکم  
 مختلف ہے۔ وہاں غیر مسلموں کے ساتھ مختلف قسم کے معاہدے ہو سکتے ہیں۔ آیت کے تقریباً یہی الفاظ سورہ بقرہ (۲: ۱۹۳) میں  
 بھی گزرے ہیں۔ وہاں ہم نے جو حاشیہ لکھا ہے، اُسے بھی ملاحظہ فرمالیا جائے۔

﴿۲۵﴾ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کافر ظاہری طور پر اسلام لے آئے تو مسلمانوں کو یہی حکم ہے کہ وہ اُسے مسلمان سمجھیں، اور دِل کو  
 ٹٹولنے کی کوشش نہ کریں، کیونکہ دِل کا حال اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، وہی اُن کے اعمال کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے، اور  
 آخرت میں اسی کے مطابق فیصلہ کرے گا۔



(۲۶) دشمن کا جو مال جہاد کے دوران مجاہدین کے ہاتھ آیا ہو، وہ مال غنیمت کہلاتا ہے۔ اس آیت میں اس کی تقسیم کا اصول بیان فرمایا گیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جتنا مال اس طرح حاصل ہو، اُس کے پانچ حصے کئے جائیں گے۔ ان میں سے چار حصے تو مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوں گے، اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کیا جائے گا۔ پھر بیت المال کے اس پانچویں حصے (خمس) کو کس طرح خرچ کیا جائے گا؟ اس کی تفصیل کرتے ہوئے اس آیت نے اوّل تو یہ بتلایا ہے کہ یہ مال اصل میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، اور اسی کے حکم کے تحت تقسیم ہوگا۔ اس کے بعد اس کے پانچ مصارف بیان فرمائے گئے ہیں۔ ایک حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، دوسرا حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کا ہے، کیونکہ انہوں نے آپ کی اور اسلام کی نصرت میں بڑی قربانیاں دی تھیں، اور اُن کے لئے زکوٰۃ کا مال بھی حرام قرار دے دیا گیا تھا۔ اور باقی تین حصے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حصہ تھا، وہ جمہور فقہاء کے نزدیک آپ کی وفات کے بعد ختم ہو گیا۔ آپ کے رشتہ داروں کے حصے کے بارے میں فقہاء کے درمیان کچھ اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حصہ اب بھی باقی ہے، اور بنو ہاشم اور بنو المطلب کو بطور استحقاق دینا ضروری ہے، چاہے وہ حاجت مند ہوں، یا مال دار۔ لیکن دوسرے تمام فقہائے اہل سنت یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ حاجت مند ہوں تب تو انہیں دوسرے حاجت مندوں پر ترجیح دے کر اس خمس میں سے دیا جائے گا، اور اگر وہ حاجت مند نہ ہوں تو ان کا کوئی مستقل حصہ نہیں ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خمس میں سے حصہ دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فرما کر لینے سے انکار کر دیا کہ اس سال ہمارے خاندان کو ضرورت نہیں ہے۔ (ابوداؤد، حدیث نمبر ۲۹۸۴) چنانچہ حضرت علیؓ سمیت چاروں خلفائے راشدین کا عمل یہی رہا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے حضرات اگر حاجت مند ہوتے تو ان کو خمس میں سے حصہ دینے میں دوسروں پر مقدم رکھتے تھے، اور اگر حاجت مند نہ ہوتے تو نہیں دیتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اکثر فقہاء اور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں جو پانچ مصارف بیان کئے گئے ہیں، ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سب کو ضرور دیا جائے، اور سب کو برابر دیا جائے، بلکہ یہ مصرف زکوٰۃ کے آٹھ مصارف کی طرح ہیں (جن کا ذکر سورہ توبہ ۶۰:۹ میں آنے والا ہے) کہ امام یعنی سربراہ حکومت کو اختیار ہے کہ وہ ضرورت کے مطابق ان مصارف میں سے جس مصرف میں جتنا مناسب سمجھے تقسیم کرے۔ اس مسئلے کی مکمل تحقیق بندہ نے اپنی صحیح مسلم کی شرح مکملہ فتح الملہم (ج: ۳ ص: ۲۵۴ تا ۲۵۸) میں بیان کی ہے۔

(۲۷) اس سے مراد جنگ بدر کا دن ہے، اس کو آیت میں ”یوم الفرقان“ فرمایا گیا ہے، یعنی وہ دن جس میں حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہو گیا کہ تین سو تیرہ بے سروسامان لوگ ایک ہزار مسلح فوج پر معجزانہ طور سے غالب آ گئے۔ اور جو چیز اُس دن نازل کی تھی اُس سے مراد فرشتوں کی مدد اور قرآن کریم کی وہ آیات ہیں جو اُس دن مسلمانوں کی تسلی کے لئے نازل کی گئیں۔

(۲۸) یہ میدان جنگ کا نقشہ بتایا جا رہا ہے۔ ”بدر“ ایک وادی کا نام ہے، اُس کا وہ کنارہ جو مدینہ منورہ سے قریب تر ہے، اس پر مسلمانوں کا لشکر فروکش تھا، اور جو کنارہ مدینہ منورہ سے نسبتاً دور ہے، اُس پر کفار کا لشکر تھا۔ اور قافلے سے مراد ابوسفیان کا قافلہ ہے جو اس وادی کے نیچے کی جانب ساحل سمندر کی طرف بچ کر نکل گیا تھا۔ تفصیل اس سورت کے شروع میں بیان ہو چکی ہے۔

(۲۹) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب ایسے پیدا فرمادئے کہ کفار مکہ سے باقاعدہ جنگ ٹھن گئی، ورنہ اگر دونوں فریق پہلے سے جنگ کے لئے کوئی وقت طے کرنا چاہتے تو اختلاف ہو جاتا، مسلمان چونکہ بے سروسامان تھے، اس لئے باقاعدہ جنگ سے



اَذِيرْ يَكُفُّهُمْ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ اَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلَكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (۳۰) وَاَذِيرْ يَكُفُّهُمْ اِذَا التَّقِيْتُمْ فِيْ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِيْ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ (۳۱)

اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو جب اللہ خواب میں تمہیں اُن (دشمنوں) کی تعداد کم دکھا رہا تھا، اور اگر تمہیں اُن کی تعداد زیادہ دکھا دیتا تو (اے مسلمانو!) تم ہمت ہار جاتے، اور تمہارے درمیان اس معاملے میں اختلاف پیدا ہو جاتا، لیکن اللہ نے (تمہیں اس سے) بچا لیا۔ یقیناً وہ سینوں میں چھپی باتیں خوب جانتا ہے (۳۰) اور وہ وقت یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے مد مقابل آئے تھے تو اللہ تمہاری نگاہوں میں اُن کی تعداد کم دکھا رہا تھا، اور اُن کی نگاہوں میں تمہیں کم کر کے دکھا رہا تھا، تاکہ جو کام ہو کر رہنا تھا، اللہ اُسے پورا کر دکھائے۔ اور تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں (۳۱)

کتراتے، اور مشرکین کے دلوں پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت تھی، اس لئے وہ بھی خواہش کے باوجود جنگ کو ٹلانا چاہتے۔ لیکن جب انہیں اپنا تجارتی قافلہ خطرے میں نظر آیا تو ان کے پاس جنگ کے سوا کوئی چارہ نہ رہا، اور مسلمانوں کے سامنے جب لشکر آ ہی گیا تو وہ بھی لڑنے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ اسباب ہم نے اس لئے پیدا کئے کہ ایک مرتبہ فیصلہ کن معرکہ ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی فتح و نصرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کھل کر سامنے آ جائے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص کفر کر کے بربادی کا راستہ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل کے واضح ہونے کے بعد اختیار کرے، اور جو شخص اسلام لا کر باعزت زندگی اختیار کرے، وہ بھی اس واضح دلیل کی روشنی میں کرے۔

(۳۰) جنگ شروع ہونے سے پہلے جب ابھی تک مسلمانوں کو یہ پتہ نہیں چلا تھا کہ حملہ آور کافروں کی تعداد کتنی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کافروں کے لشکر کو کم کر کے دکھایا گیا۔ آپ نے وہ خواب صحابہ کرامؓ سے بیان فرمایا، جس سے ان کے حوصلے بلند ہوئے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کا خواب چونکہ واقعے کے خلاف نہیں ہو سکتا، اس لئے بظاہر آپ کو لشکر کا ایک حصہ دکھایا گیا تھا، آپ نے اسی حصے کے بارے میں لوگوں کو بتایا کہ وہ تھوڑے لوگ ہیں۔ اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خواب میں جو چیز دکھائی جاتی ہے، وہ عالم مثال سے تعلق رکھتی ہے، عین وہ چیز مراد نہیں ہوتی جو خواب میں نظر آرہی ہو، اسی لئے خواب میں تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہذا خواب میں سارے لشکر کی تعداد اگرچہ واقعی کم دکھائی گئی، لیکن اس کمی کی اصل تعبیر یہ تھی کہ یہ سارا لشکر بے حیثیت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تعبیر کا علم تھا، اور آپ نے یہ خواب صحابہؓ کے سامنے اس لئے بیان فرمایا تاکہ ان کے حوصلے بڑھ جائیں۔

(۳۱) یہ اُس خواب کے علاوہ بیداری کا واقعہ ہے جو عین اُس وقت پیش آیا جب دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کچھ ایسی کیفیت طاری فرمادی کہ کفار کا وہ لشکر جراران کو بہت معمولی محسوس ہوا۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣٥﴾  
 وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ  
 الصَّابِرِينَ ﴿٣٦﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ  
 سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٣٧﴾ وَإِذْ زَيْنَ لِهَمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا  
 غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَ آءَاتِ الْفِتْنِ نَكَصَ عَلَى عَقْبَيْهِ  
 وَقَالَ إِنِّي بِرِئَءٍ مِّنْكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٣٨﴾

اے ایمان والو! جب تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو، تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو ﴿۳۵﴾ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۳۶﴾ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے، اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے تھے، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روک رہے تھے۔ اور اللہ نے لوگوں کے سارے اعمال کو (اپنے علم کے) احاطے میں لیا ہوا ہے۔ ﴿۳۷﴾ اور وہ وقت (بھی قابل ذکر ہے) جب شیطان نے ان (کافروں) کو یہ بھمایا تھا کہ ان کے اعمال بڑے خوشنما ہیں، اور یہ کہا تھا کہ: ”آج انسانوں میں کوئی نہیں ہے جو تم پر غالب آ سکے، اور میں تمہارا محافظ ہوں۔“ پھر جب دونوں گروہ آمنے سامنے آئے تو وہ ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹا، اور کہنے لگا: ”میں تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتا، مجھے جو کچھ نظر آرہا ہے، وہ تمہیں نظر نہیں آرہا۔ مجھے اللہ سے ڈر لگ رہا ہے، اور اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔“ ﴿۳۸﴾

(۳۵) اس سے مراد کفار قریش کا وہ لشکر ہے جو جنگ بدر کے موقع پر بڑا اکڑتا اتراتا اور اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نکلا تھا۔ سبق یہ دینا ہے کہ جنگی طاقت کتنی بھی ہو، اُس پر بھروسہ کر کے تکبر میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے، بلکہ بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر رکھنا چاہئے۔

(۳۶) مطلب غالباً یہ ہے کہ بعض مرتبہ ایک شخص بظاہر اخلاص سے کام کرتا نظر آتا ہے، لیکن اُس کی نیت دکھاوے کی ہوتی ہے، یا اس کے برعکس بعض مرتبہ کسی شخص کا انداز بظاہر دکھاوے کا ہوتا ہے (جیسے دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے کبھی طاقت کا مظاہرہ بھی کرنا پڑتا ہے) لیکن وہ اخلاص کے ساتھ بھروسہ اللہ ہی پر کرتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو تمام اعمال کی اصل حقیقت کا پورا پورا علم ہے، اس لئے وہ ان کی جزایا سزا کا فیصلہ اپنے اسی علم محیط کی بنیاد پر فرمائے گا، محض ظاہری حالت کی بنیاد پر نہیں (تفسیر کبیر)۔  
 واللہ سبحانہ اعلم

(۳۷) شیطان کی طرف سے یہ یقین دہانی اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ اس نے مشرکین کے دل میں یہ خیال ڈالا ہو، لیکن اگلے



اَذِيقُوا الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرْهُوْا ۖ دِيْنُهُمْ ۖ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۹﴾ وَلَوْ تَرَىٰ اِذِيتَوْفَىٰ اِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ اَلْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهُهُمْ وَ اَذْبَاۡرَهُمْ ۖ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۴۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلّٰمٍ لِّلْعٰبِدِیْنَ ﴿۴۱﴾ كَذٰبِ اِلٰ فِرْعَوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۖ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۲﴾

اور یاد کرو جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا، یہ کہہ رہے تھے کہ: ”ان (مسلمانوں) کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔“ حالانکہ جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ سب پر غالب ہے، بڑی حکمت والا ہے ﴿۳۹﴾ اور اگر تم دیکھتے (تو وہ عجیب منظر تھا) جب فرشتے ان کافروں کی روح قبض کر رہے تھے، اُن کے چہروں اور پشت پر مارتے جاتے تھے، (اور کہتے جاتے تھے کہ: ) ”اب جلنے کے عذاب کا مزہ (بھی) چکھنا ﴿۴۰﴾ یہ سب کچھ اُن اعمال کا بدلہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیج رکھے تھے، اور یہ بات طے ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔“ ﴿۴۱﴾ (ان لوگوں کا حال ایسا ہی ہوا) جیسا فرعون کی قوم اور ان سے پہلے لوگوں کا حال ہوا تھا۔ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو ماننے سے انکار کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ یقیناً اللہ کی طاقت بڑی ہے (اور) عذاب بڑا سخت! ﴿۴۲﴾

جملے میں جو واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے، اس سے ظاہر یہی ہے کہ اُس نے کسی انسانی شکل میں آ کر مشرکین کو اُکسایا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ جب مشرکین مکہ جنگ کے ارادے سے روانہ ہونے لگے تو انہیں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ ان کے پیچھے ان کے گھروں پر قبیلہ بکر کے لوگ حملہ نہ کر دیں جن سے ان کی پرانی دشمنی چلی آتی تھی۔ اس موقع پر شیطان اس قبیلے کے ایک سردار سراقہ کے رُوپ میں ان کے سامنے آیا، اور اس نے اطمینان دلایا کہ تمہارے لشکر کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ کوئی تم پر غالب نہیں آسکے گا، اور دوسرے یہ کہ تم ہمارے قبیلے کی طرف سے بے فکر رہو، میں خود تمہارا محافظ ہوں، اور تمہارے ساتھ چلوں گا۔ مشرکین مکہ اس کی بات سے مطمئن ہو گئے۔ لیکن جب بدر کے میدان میں فرشتوں کا لشکر سامنے آیا تو شیطان جو سراقہ کی شکل میں ان کے ساتھ تھا، یہ کہہ کر بھاگ کھڑا ہوا کہ میں تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتا، اور مجھے وہ فوج نظر آرہی ہے جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ بعد میں جب مشرکین کا لشکر شکست کھا کر مکہ مکرمہ لوٹا تو انہوں نے سراقہ سے شکایت کی کہ تم نے ہمیں بڑا دھوکا دیا۔ سراقہ نے جواب میں کہا کہ مجھے تو اس قصے کا ذرا بھی پتہ نہیں، اور نہ میں نے ایسی کوئی بات کہی تھی۔

﴿۳۵﴾ جب مسلمانوں نے بے سروسامانی کی حالت میں اتنے بڑے لشکر سے ٹکر لے لی تو منافقین نے کہا تھا کہ یہ اپنے دین کے گھمنڈ میں بڑا دھوکا کھا رہے ہیں، ان میں کفار مکہ کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔



ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَ بِهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرَ وَاَمَّا بِاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاَنَّ اللّٰهَ سَبِيْعٌ عَلَيِّمْ ﴿۵۳﴾ كَذٰبِ الْفِرْعَوْنَ ۗ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوْا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۗ وَاَعْرَقْنٰآلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلُّ كَاٰنٍ اٰظِلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَّآبِ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ الَّذِيْنَ عٰهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَشْتَقِفْهُمْ فِى الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَدْكُرُوْنَ ﴿۵۷﴾

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اللہ کا دستور یہ ہے کہ اُس نے جو نعمت کسی قوم کو دی ہو، اُسے اُس وقت تک بدلنا گوارا نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت تبدیل نہ کر لیں، اور اللہ ہر بات سنتا، سب کچھ جانتا ہے ﴿۵۳﴾ (اس معاملے میں بھی ان کا حال) ایسا ہی ہوا جیسا فرعون کی قوم اور اُن سے پہلے لوگوں کا حال ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کو جھٹلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا، اور فرعون کی قوم کو غرق کر دیا، اور یہ سب ظالم لوگ تھے۔ ﴿۵۴﴾ یقین جانو کہ اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والے جان داروں میں بدترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے کفر اپنالیا ہے، جس کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لاتے۔ ﴿۵۵﴾ یہ لوگ وہ ہیں جن سے تم نے عہد لے رکھا ہے، اس کے باوجود یہ ہر مرتبہ اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں، اور ذرا نہیں ڈرتے۔ ﴿۵۶﴾ لہذا اگر کبھی یہ لوگ جنگ میں تمہارے ہاتھ لگ جائیں، تو ان کو سامانِ عبرت بنا کر اُن لوگوں کو بھی تتر بتر کر ڈالو جو ان کے پیچھے ہیں، تاکہ وہ یاد رکھیں۔ ﴿۵۷﴾

﴿۳۶﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کو عذاب سے اسی وقت بدلتا ہے جب کوئی قوم اپنی حالت کو خود بدل لیتی ہے۔ کفار مکہ کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی نعمتیں عطا فرمائی تھیں جن میں سب سے بڑی نعمت یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی کے درمیان مبعوث کیا گیا۔ اگر وہ اس وقت ضد سے کام لینے کے بجائے حق طلبی اور انصاف سے کام لیتے تو ان کے لئے اسلام قبول کرنا کچھ مشکل نہیں تھا، لیکن انہوں نے اس نعمت کی ناشکری کر کے اور ضد سے کام لے کر اپنی حالت کو بدل لیا، اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اسلام قبول کرنے کو اپنے وقار کا مسئلہ بنا لیا، جس سے حق کو قبول کرنا ان کے لئے مشکل ہو گیا۔ جب انہوں نے اپنی حالت اس طرح بدل لی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی نعمتوں کو عذاب سے تبدیل کر دیا۔

﴿۳۷﴾ دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۲۲ کا حاشیہ۔

﴿۳۸﴾ اس سے مراد وہ یہودی ہیں جو مدینہ منورہ کے آس پاس آباد تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معاہدہ فرمایا تھا کہ وہ اور مسلمان آپس میں امن کے ساتھ رہیں گے، اور ایک دوسرے کے دشمن کا ساتھ نہیں دیں گے۔ یہودیوں نے بار بار اس عہد کی خلاف ورزی کی تھی، اور خفیہ طور پر کفار مکہ کے ساتھ ساز باز کرتے رہتے تھے۔

﴿۳۹﴾ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ کسی جنگ میں کھل کر مسلمانوں کے مقابلے پر آجائیں تو انہیں ایسا سبق سکھایا جائے کہ نہ صرف ان کو بد عہدی کا انجام پتہ لگ جائے، بلکہ جو کفار مکہ اُن کو پیچھے سے اکساتے رہتے ہیں، ان کو بھی ایسی عبرت ہو کہ ان کے منصوبے تتر بتر ہو کر رہ جائیں۔



وَأَمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ۝  
وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ۝<sup>(۵۹)</sup> وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ  
قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُونَهُمُ  
اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَظْلُمُونَ ۝<sup>(۶۰)</sup>

اور اگر تمہیں کسی قوم سے بد عہدی کا اندیشہ ہو تو تم وہ معاہدہ ان کی طرف صاف سیدھے طریقے سے پھینک دو۔ یاد رکھو  
کہ اللہ بد عہدی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ <sup>(۵۹)</sup> اور کافر لوگ ہرگز یہ خیال بھی دل میں نہ لائیں کہ وہ بھاگ نکلے ہیں۔  
یہ یقینی بات ہے کہ وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔ <sup>(۵۹)</sup> اور (مسلمانو!) جس قدر طاقت اور گھوڑوں کی جتنی چھاؤنیاں تم  
سے بن پڑیں، ان سے مقابلے کے لئے تیار کرو، جن کے ذریعے تم اللہ کے دشمن اور اپنے (موجودہ) دشمن پر بھی ہیبت  
طاری کر سکو، اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جنہیں ابھی تم نہیں جانتے، (مگر) اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور اللہ کے راستے  
میں تم جو کچھ خرچ کرو گے، وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا، اور تمہارے لئے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ <sup>(۶۰)</sup>

<sup>(۴۰)</sup> یہ اس صورت کا حکم بیان ہو رہا ہے جب ان لوگوں کی طرف سے کھلی بد عہدی تو نہ ہوئی ہو، لیکن اندیشہ ہو کہ کسی وقت وہ  
بد عہدی کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچا دیں گے۔ ایسے موقع کے لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ واضح طور پر معاہدے کے ختم  
کرنے کا اعلان کر دیں، اور انہیں بتا دیں کہ اب ہم میں سے کوئی معاہدے کا پابند نہیں ہے، اور ہر فریق دوسرے کے خلاف  
کارروائی کرنے کے لئے آزاد ہے۔ اسی بات کو معاہدہ ان کی طرف پھینکنے سے تعبیر کیا گیا ہے جو عربی محاورے میں اسی معنی کے  
لئے استعمال ہوتا ہے۔ تاکید یہ کی گئی ہے کہ صرف دشمن کی بد عہدی کے اندیشے کی بنا پر مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ  
اعلان کے بغیر معاہدے کی خلاف ورزی کریں، کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

<sup>(۴۱)</sup> یہ ان کافروں کی طرف اشارہ ہے جو جنگ بدر کے موقع پر بھاگ نکلے تھے۔

<sup>(۴۲)</sup> یہ پوری امت مسلمہ کے لئے ایک ابدی حکم ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی شوکت قائم کرنے کے لئے ہر قسم کی دفاعی  
طاقت جمع کرنے کا اہتمام کرے۔ قرآن کریم نے ”طاقت“ کا عام لفظ استعمال کر کے بتا دیا ہے کہ جنگ کی تیاری کسی ایک  
ہتھیار پر موقوف نہیں، بلکہ جس وقت جس قسم کی دفاعی قوت کا رآمد ہو، اُس وقت اُسی طاقت کا حصول مسلمانوں کا فریضہ ہے۔  
لہذا اس میں تمام جدید ترین ہتھیار اور آلات بھی داخل ہیں، اور وہ تمام اسباب و وسائل بھی جو مسلمانوں کی اجتماعی، معاشی اور  
دفاعی ترقی کے لئے ضروری ہوں۔ افسوس ہے کہ اس فریضے سے غافل ہو کر آج مسلمان دوسری قوموں کے دست نگر بنے ہوئے  
ہیں، اور ان سے مرعوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس صورت حال سے نجات عطا فرمائے۔

<sup>(۴۳)</sup> اس سے مراد مسلمانوں کے وہ دشمن ہیں جو اُس وقت تک سامنے نہیں آئے تھے، بلکہ بعد میں سامنے آئے۔ مثلاً روم اور فارس  
کے لوگ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور اور خلافت راشدہ کے زمانے میں یا اس کے بھی بعد سابقہ پیش آیا۔



وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٢١﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۖ هُوَ الَّذِي أَيْدَكَ بِبَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٢﴾ وَالْأَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۖ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلْفَتْ بِينَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ ۖ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٤﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۖ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَبَرُوا عَلَى غَلَبِ أَمَائَتَيْنِ ۖ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٢٥﴾

اور اگر وہ لوگ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اُس کی طرف جھک جاؤ، اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ یقین جانو وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ جانتا ہے ﴿۲۱﴾ اور اگر وہ تمہیں دھوکا دینے کا ارادہ کریں گے تو اللہ تمہارے لئے کافی ہے۔ وہی تو ہے جس نے اپنی مدد کے ذریعے اور مؤمنوں کے ذریعے تمہارے ہاتھ مضبوط کئے ﴿۲۲﴾ اور اُن کے دلوں میں ایک دوسرے کی اُلفت پیدا کر دی۔ اگر تم زمین بھر کی ساری دولت بھی خرچ کر لیتے تو ان کے دلوں میں یہ اُلفت پیدا نہ کر سکتے، لیکن اللہ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا۔ وہ یقیناً اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۲۳﴾

اے نبی! تمہارے لئے تو بس اللہ اور وہ مؤمن لوگ کافی ہیں جنہوں نے تمہاری پیروی کی ہے ﴿۲۴﴾ اے نبی! مؤمنوں کو جنگ پر ابھارو۔ اگر تمہارے بیس آدمی ایسے ہوں گے جو ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے۔ اور اگر تمہارے سو آدمی ہوں گے تو وہ کافروں کے ایک ہزار پر غالب آجائیں گے، کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔ ﴿۲۵﴾

﴿۲۴﴾ اس آیتِ کریمہ نے مسلمانوں کو دشمن سے صلح کرنے کی بھی اجازت دی ہے، بشرطیکہ وہ ایسی شرائط پر ہو جو مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق ہوں۔

﴿۲۵﴾ چونکہ صحیح سمجھ نہیں رکھتے، اس لئے ایمان نہیں لاتے، اور چونکہ ایمان نہیں لاتے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے محروم رہتے ہیں، اور اپنی دس گنی زیادہ تعداد کے باوجود مسلمانوں سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اس آیت نے ضمنی طور پر یہ حکم بھی دے دیا کہ اگر کافروں کی تعداد مسلمانوں سے دس گنی زیادہ ہو تب بھی مسلمانوں کے لئے مقابلے سے پیچھے ہٹنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگلی آیت بعد میں نازل ہوئی جس نے اس حکم میں تخفیف کر دی۔



اَلَنْ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنْ فِيْكُمْ ضَعْفًاۙ فَاِنْ يَّكُنْ مِنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُ اَسْرٰى حَتّٰى يَشْخَنَ فِى الْاَرْضِ ۗ تَرِيْدُوْنَ عَرْضَ الدُّنْيَاۙ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۷﴾

لو اب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا، اور اُس کے علم میں ہے کہ تمہارے اندر کچھ کمزوری ہے۔ لہذا (اب حکم یہ ہے کہ) اگر تمہارے ثابت قدم رہنے والے سو آدمی ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تمہارے ایک ہزار آدمی ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آجائیں گے، اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔ (۳۶) یہ بات کسی نبی کے شایانِ شان نہیں ہے کہ اُس کے پاس قیدی رہیں، جب تک کہ وہ زمین میں (دُشمنوں کا) خون اچھی طرح نہ بہا چکا ہو (جس سے ان کا رعب پوری طرح ٹوٹ جائے) تم دُنیا کا ساز و سامان چاہتے ہو، اور اللہ (تمہارے لئے) آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے، اور اللہ صاحبِ اقتدار بھی ہے، صاحبِ حکمت بھی (۳۷)

(۳۶) یہ حکم بعد میں آیا، اور اس نے یہ تخفیف کر دی کہ اگر دُشمن کی تعداد مسلمانوں سے دُگنی تک ہو تو پیچھے ہٹنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر تعداد اس سے زیادہ ہو تو پیچھے ہٹنے کی گنجائش ہے۔ اس طرح اس آیت نے اُس حکم کی تفصیل بیان فرمادی ہے جو پیچھے آیت نمبر ۱۵ و ۱۶ میں دیا گیا تھا۔

(۳۷) جنگِ بدر میں ستر قریشی افراد گرفتار ہوئے تھے۔ ان لوگوں کو جنگی قیدی کے طور پر مدینہ منورہ لایا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا کہ ان سے کیا سلوک کیا جائے؟ بعض صحابہ کرامؓ، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کی رائے یہ تھی کہ ان کو قتل کر دیا جائے، کیونکہ انہوں نے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے ہیں، ان کی بنا پر ان کا عبرت ناک انجام ہونا چاہئے۔ دوسرے حضرات کی رائے یہ تھی کہ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ (”فدیہ“ اُس مال کو کہا جاتا ہے جو کسی جنگی قیدی سے اُس کی آزادی کے بدلے طلب کیا جائے) چونکہ زیادہ تر صحابہ اس دوسری رائے کے حق میں تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا، اور ان سب قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے اس فیصلے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ جنگِ بدر کا سارا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتبہ کفار کی طاقت اور شوکت کا زور اچھی طرح ٹوٹ جائے، اور جن لوگوں نے سالہا سال تک دینِ حق کا نہ صرف راستہ روکنے کی کوشش کی ہے، بلکہ مسلمانوں پر وحشیانہ ظلم ڈھائے ہیں، اُن پر ایک مرتبہ مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جائے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی نرمی کا معاملہ کرنے کے بجائے ان سب کو قتل کیا جاتا، تاکہ یہ واپس جا کر مسلمانوں کے لئے خطرہ بھی نہ بن سکتے، اور ان کے عبرت ناک انجام سے دوسروں کو بھی سبق ملتا۔ یہاں یہ واضح رہے کہ جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے پر ناپسندیدگی کا یہ اظہار جنگِ بدر کے وقت مذکورہ مصلحت کی بنا پر کیا گیا تھا۔ بعد میں سورہ محمد کی آیت نمبر ۴ میں اللہ تعالیٰ



لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٩﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَن فِي أَيْدِيكُمْ مِّنَ الْأَسْرَىٰ إِن يَّعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أَخَذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرَ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٠﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٣١﴾

اگر اللہ کی طرف سے ایک لکھا ہوا حکم پہلے نہ آچکا ہوتا تو جو راستہ تم نے اختیار کیا، اُس کی وجہ سے تم پر کوئی بڑی سزا آجاتی۔ ﴿۲۸﴾ لہذا اب تم نے جو مال غنیمت میں حاصل کیا ہے، اُسے پاکیزہ حلال مال کے طور پر کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۲۹﴾

اے نبی! تم لوگوں کے ہاتھوں میں جو قیدی ہیں، (اور جنہوں نے مسلمان ہونے کا ارادہ ظاہر کیا ہے) اُن سے کہہ دو کہ: ”اگر اللہ تمہارے دلوں میں بھلائی دیکھے گا تو جو مال تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے، اُس سے بہتر تمہیں دیدے گا، اور تمہاری بخشش کر دے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ ﴿۳۰﴾ اور اگر ان لوگوں نے (اے نبی!) تم سے خیانت کرنے کا ارادہ کیا، تو یہ اس سے پہلے اللہ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں، جس کے نتیجے میں اللہ نے انہیں تمہارے قابو میں دے دیا، اور اللہ کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔ ﴿۳۱﴾

نے واضح فرمایا کہ اب چونکہ کفار کی جنگی طاقت ٹوٹ چکی ہے، اس لئے اب نہ صرف فدیہ لے کر، بلکہ بغیر فدیہ کے، محض احسان کے طور پر بھی جنگی قیدیوں کو آزاد کیا جاسکتا ہے۔

﴿۲۸﴾ پہلے لکھے ہوئے حکم سے مراد بعض مفسرین نے تو وہ حکم لیا ہے جو پیچھے آیت ۳۳ میں گزرا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا کوئی عذاب نہیں آسکتا۔ اور دوسرے مفسرین نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ان قیدیوں میں سے بعض حضرات کا مسلمان ہو جانا اللہ تعالیٰ نے مقدر میں لکھا ہوا تھا، وہ نوشتہ تقدیر مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس فیصلے پر مسلمانوں کو کوئی سزا نہیں دی کہ ان قیدیوں میں سے کچھ لوگ مسلمان ہونے والے تھے، ورنہ فیصلہ اصولی طور پر ناپسندیدہ تھا۔

﴿۲۹﴾ چونکہ جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ فیصلہ کثرتِ رائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے ہو چکا تھا، اس لئے ناپسندیدگی کے اظہار کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مسلمانوں کی معافی کا بھی اعلان فرمایا، اور یہ بھی اجازت دی کہ جو مال فدیہ میں حاصل ہوا ہے، وہ حلال طیب ہے، اور مسلمان اُسے اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں۔

﴿۳۰﴾ بھلائی دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے مسلمان ہونے کا اعلان کیا ہے، وہ خلوصِ دل کے ساتھ ہو، کوئی شرارت نہ ہو۔ اس صورت میں ان سے وعدہ کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی آزادی کے لئے فدیہ میں جو کچھ خرچ کیا ہے، اس سے بہتر بدلہ



إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ وَإِبَاءُ مَوَالِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوُوا  
وَنَصَرُوا أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا أَمْالُكُمْ مِّنْ وَلَا يَتَرَهُم  
مِّنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ

جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے ہجرت کی ہے، اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہے، وہ اور جنہوں نے ان کو (مدینہ میں) آباد کیا، اور ان کی مدد کی، یہ سب لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی وارث ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، (مگر) انہوں نے ہجرت نہیں کی، جب تک وہ ہجرت نہ کر لیں، (اے مسلمانو!) تمہارا ان سے وراثت کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔<sup>(۵۱)</sup>

انہیں دنیا یا آخرت میں دے دیا جائے گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور بدر کی جنگ میں قید ہو گئے تھے، انہوں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا تھا، مگر میرے قبیلے کے لوگوں نے مجھے جنگ میں آنے پر مجبور کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہر حال! جو فدیہ دینا طے ہوا ہے، وہ تو تمہیں دینا ہوگا، اور اپنے بھتیجوں عقیل اور نوفل کا فدیہ بھی تم دو۔ انہوں نے کہا کہ اتنی رقم میں کہاں سے لاؤں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ رقم کہاں ہے جو تم اپنی اہلیہ ام الفضل کے پاس خفیہ طور پر چھوڑ کر آئے ہو؟ حضرت عباسؓ نے یہ سنا تو ہکا بکا رہ گئے، کیونکہ اس بات کا علم ان کے اور ان کی اہلیہ کے سوا کسی کو نہیں تھا۔ اس موقع پر انہوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ بعد میں حضرت عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ جتنا کچھ میں نے فدیہ میں دیا تھا، واقعی اُس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دے دیا ہے۔

(۵۱) سورۃ انفال کی ان آخری آیات میں میراث کے کچھ وہ احکام بیان فرمائے گئے ہیں جو مسلمانوں کی مکہ مکرمہ سے ہجرت کے نتیجے میں پیدا ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اصول شروع سے طے فرما دیا تھا کہ مسلمان اور کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ اب صورت حال یہ تھی کہ جو صحابہ کرام مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے، ان میں سے بہت سے ایسے تھے کہ ان کے رشتہ دار جو ان کے وارث ہو سکتے تھے، سب مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے۔ ان میں سے اکثر تو وہ تھے جو کافر تھے، اور مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے، وہ مسلمانوں کے اس لئے وارث نہیں ہو سکتے تھے کہ ان کے درمیان کفر اور ایمان کا فاصلہ حائل تھا۔ چنانچہ ان آیات نے واضح طور پر بتا دیا کہ نہ وہ مسلمانوں کے وارث ہو سکتے ہیں، اور نہ مسلمان ان کے وارث ہو سکتے ہیں۔ اور مہاجرین کے کچھ ایسے رشتہ دار بھی تھے جو مسلمان تو ہو گئے تھے، لیکن انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی۔ ان کے بارے میں بھی اس آیت نے یہ حکم دیا ہے کہ مہاجر مسلمانوں کا ان سے بھی وراثت کا کوئی رشتہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اُس وقت تمام مسلمانوں کے ذمے فرض تھا کہ وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کریں، اور انہوں نے ہجرت نہ کر کے اس فریضے کو ابھی تک ادا نہیں کیا تھا، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ مہاجر مسلمان مدینہ منورہ میں تھے جو دارالاسلام تھا، اور وہ حضرات



وَإِنْ اسْتَنْصَرُواكُمُ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۵۱﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِعُصْهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٌ ۖ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿۵۲﴾

ہاں اگر دین کی وجہ سے وہ تم سے کوئی مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد واجب ہے، سوائے اس صورت کے جبکہ وہ مدد کسی ایسی قوم کے خلاف ہو جس کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُسے اچھی طرح دیکھتا ہے ﴿۵۱﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی وارث ہیں۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔ ﴿۵۲﴾

مکہ مکرمہ میں تھے جو اُس وقت دارالحرب تھا، اور دونوں کے درمیان بڑی رُکاوٹیں حائل تھیں۔ بہر صورت! مہاجر مسلمانوں کے جو رشتہ دار مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، ان کے ساتھ مہاجرین کا وراثت کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگر اُن کا کوئی رشتہ دار مکہ مکرمہ میں فوت ہوتا تو اُس کے ترکے میں ان مہاجرین کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا، اور اگر ان مہاجرین میں سے کوئی مدینہ منورہ میں فوت ہوتا تو اُس کی میراث میں اُس کے کئی رشتہ داروں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا۔ دوسری طرف جو مہاجرین مدینہ منورہ آکر آباد ہوئے تھے، اُن کو انصارِ مدینہ نے اپنے گھروں میں ٹھہرایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مہاجر صحابی کا کسی انصاری صحابی سے بھائی چارہ قائم کر دیا تھا جسے ”مواخات“ کہا جاتا ہے۔ اس آیت کریمہ نے یہ حکم دیا کہ اب مہاجرین کے وارث اُن کے کئی رشتہ داروں کے بجائے وہ انصاری صحابہ کرام ہوں گے جن کے ساتھ اُن کی مواخات قائم کی گئی ہے۔

﴿۵۲﴾ یعنی جن مسلمانوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی، اگرچہ وہ مہاجرین کے وارث نہیں ہیں، لیکن چونکہ بہر حال مسلمان ہیں، اس لئے اگر کافروں کے خلاف مسلمانوں سے کوئی مدد مانگیں تو مہاجر مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کی مدد کریں۔ البتہ ایک صورت ایسی بیان کی گئی ہے جس میں اس طرح کی مدد کرنا مہاجر مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے۔ اور وہ یہ کہ جن کافروں کے خلاف وہ مدد مانگ رہے ہوں، اُن سے مہاجر مسلمانوں کا کوئی جنگ بندی کا معاہدہ ہو چکا ہو۔ ایسی صورت میں اگر وہ اپنے مسلمان بھائیوں کا ساتھ دیتے ہوئے اُن کے خلاف کوئی کارروائی کریں گے تو یہ بدعہدی ہوگی، اس لئے ایسی مدد کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ جب کوئی معاہدہ ہو جائے تو اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے بھی اُس کی خلاف ورزی کو اسلام نے جائز نہیں رکھا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ کفار کے ہاتھوں پے ہوئے مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفارِ قریش کے خلاف مدد مانگی، اور مسلمانوں کا دل بے تاب تھا کہ ان کی مدد کریں، مگر چونکہ قریش کے لوگوں سے معاہدہ ہو چکا تھا، اس لئے ان کے صبر و ضبط کا بہت کڑا امتحان پیش آیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت وہ اس امتحان میں ثابت قدم رہے۔

﴿۵۳﴾ اس جملے کا تعلق اُن تمام احکام سے ہے جو ان آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں، جن میں میراث کے مذکورہ بالا احکام



وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ  
 الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۵۴﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجْهَهُدُ  
 مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ الْأَرْحَامُ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ  
 شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۵۵﴾

اور جو لوگ ایمان لے آئے، اور انہوں نے ہجرت کی، اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا، وہ اور جنہوں نے انہیں آباد کیا،  
 اور ان کی مدد کی، وہ سب صحیح معنی میں مؤمن ہیں۔ ایسے لوگ مغفرت اور باعزت رزق کے مستحق ہیں ﴿۵۴﴾ اور جنہوں  
 نے بعد میں ایمان قبول کیا، اور ہجرت کی، اور تمہارے ساتھ جہاد کیا، تو وہ بھی تم میں شامل ہیں۔ اور (ان میں سے) جو  
 لوگ (پُرانے مہاجرین کے) رشتہ دار ہیں، وہ اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے (کی میراث کے دوسروں سے) زیادہ  
 حق دار ہیں۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔ ﴿۵۵﴾

بھی داخل ہیں، اور غیر مہاجر مسلمانوں کی مدد کے احکام بھی۔ تنبیہ یہ کی جا رہی ہے کہ ان احکام کی خلاف ورزی سے زمین میں  
 فتنہ اور فساد پھیلے گا۔ مثلاً اگر وہ مسلمان جو کفار کے ہاتھوں ظلم و ستم برداشت کر رہے ہیں، اُن کی مدد نہ کی جائے تو فساد پھیلنا ظاہر  
 ہے، اور اگر ان کی مدد کی وجہ سے غیر مسلموں کے ساتھ بدعہدی کی جائے تب بھی وہ تمام مصلحتیں پامال ہوں گی جن کی خاطر وہ  
 معاہدہ کیا گیا تھا۔

﴿۵۴﴾ یعنی جن مسلمانوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی ہے، اگرچہ مؤمن وہ بھی ہیں، لیکن اُن میں ابھی یہ کسر ہے کہ انہوں نے  
 ہجرت کے حکم پر عمل نہیں کیا۔ دوسری طرف مہاجرین اور انصار میں یہ کسر نہیں ہے۔ اس لئے وہ صحیح معنی میں مؤمن کہلانے کے  
 مستحق ہیں۔

﴿۵۵﴾ یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب وہ مسلمان بھی بالآخر ہجرت کر آئے تھے جنہوں نے شروع میں ہجرت نہیں کی تھی۔ اس آیت  
 نے ان کے بارے میں دو حکم بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ اب انہوں نے چونکہ وہ کسر پوری کر دی ہے جس کی وجہ سے اُن کا  
 درجہ مہاجرین اور انصار سے کم تھا، اس لئے اب وہ بھی ان میں شامل ہو گئے ہیں۔ اور دوسرا حکم یہ کہ اب تک وہ اپنے اُن  
 رشتہ داروں کے وارث نہیں ہوتے تھے جو ہجرت کر چکے تھے۔ اب چونکہ وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے ہیں، اس لئے اب  
 اُن کے وارث ہونے کی اصل رکاوٹ دُور ہو گئی ہے۔ اب وہ اپنے ان مسلمان رشتہ داروں کے وارث ہوں گے جو اُن سے پہلے  
 ہجرت کر چکے تھے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انصاری صحابہ کو اُن مہاجرین کا جو وارث بنایا گیا تھا، اب وہ حکم منسوخ ہو گیا، کیونکہ



وہ ایک عارضی حکم تھا جو اس وجہ سے دیا گیا تھا کہ ان مہاجرین کے رشتہ دار مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے۔ اب چونکہ وہ آگئے ہیں، اس لئے میراث کا اصل حکم کہ وہ قریبی رشتہ داروں میں تقسیم ہوتی ہے، واپس آگیا۔

الحمد للہ! سورۃ انفال کا ترجمہ اور تفسیری حواشی آج مورخہ ۲۷ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۷ اپریل ۲۰۰۶ء کو مکہ مکرمہ میں تکمیل کو پہنچے۔ اس سورت کا ترجمہ لندن میں شروع ہوا تھا، اور کچھ حصہ کراچی میں ہوا، اور آج مکہ مکرمہ زاد ہا اللہ شرفاً میں مابین عصر و مغرب اس کی تکمیل ہوئی۔

والحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اسے اُمت کے لئے نافع بنادیں، اور باقی سورتوں کے ترجمے اور حواشی کا کام بھی اپنے فضل و کرم سے اپنی رضا کے مطابق صدق و اخلاص سے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ التَّوْبَةِ

## تعارف

یہ بھی مدنی سورت ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہے۔ اپنے مضامین کے اعتبار سے یہ کچھلی سورت یعنی سورۃ انفال کا تکرار ہے۔ غالباً اسی لئے عام سورتوں کے برخلاف اس سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ نازل ہوئی، نہ لکھی گئی۔ اور اس کی تلاوت کا بھی قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص پیچھے سورۃ انفال سے تلاوت کرتا چلا آ رہا ہو، اُسے یہاں بسم اللہ نہیں پڑھنی چاہئے، البتہ اگر کوئی شخص اسی سورت سے تلاوت شروع کر رہا ہو تو اُس کو بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔ اور بعض لوگوں نے اس سورت کے شروع میں بسم اللہ کے بجائے کچھ اور جملے پڑھنے کے لئے بنا رکھے ہیں، وہ بے بنیاد ہیں۔ اُوپر جو طریقہ لکھا گیا ہے، وہی سلف صالحین کا طریقہ رہا ہے۔

یہ سورت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ عرب کے بہت سے قبائل اس انتظار میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار قریش کی جنگ کا انجام کیا ہوتا ہے۔ جب قریش نے حدیبیہ والا معاہدہ توڑ دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا، اور کسی خاص خونریزی کے بغیر اُسے فتح کر لیا۔ اس موقع پر کفار کی کمر ٹوٹ چکی تھی، البتہ آخری تدبیر کے طور پر قبیلہ ہوازن نے ایک بڑا لشکر مسلمانوں سے مقابلے کے لئے جمع کیا جس سے حنین کی وادی میں آخری بڑی جنگ ہوئی، اور شروع میں معمولی ہزیمت کے بعد مسلمانوں کو اس میں بھی فتح ہوئی۔ اس جنگ کے بعض واقعات بھی اس سورت میں بیان ہوئے ہیں۔ اب عرب کے جو قبائل قریش کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے ڈرتے تھے، یا ان کی جنگوں کے آخری انجام کے منتظر تھے، ان کے دل سے اسلام کے خلاف ہر رُکاوٹ دُور ہو گئی، اور وہ جو درجہ مدینہ منورہ آ کر مسلمان ہوئے، اور اس طرح جزیرہ عرب کے بیشتر علاقے پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جزیرہ عرب کو اسلام اور مسلمانوں کا بنیادی مرکز قرار دے دیا گیا۔ اصل منشأ تو یہ تھا کہ پورے جزیرہ عرب میں کوئی بھی غیر مسلم مستقل باشندے کی حیثیت میں باقی نہ رہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ جزیرہ عرب میں دو دین باقی نہ رہنے پائیں۔ (موطأ امام مالک، کتاب الجامع ومسند احمد ج: ۶ ص: ۵۷۲) لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تدریج کا طریقہ اختیار فرمایا گیا۔ سب سے پہلا ہدف یہ مقرر فرمایا گیا کہ جزیرہ عرب کو بت پرستوں سے خالی کرایا جائے۔ چنانچہ جو بچے کھچے بت پرست عرب میں رہ گئے تھے،



اور جنہوں نے بیس سال سے زیادہ مدت تک مسلمانوں کو وحشیانہ مظالم کا نشانہ بنایا تھا، اُن کو اس سورت کے شروع میں مختلف مدتوں کی مہلت دی گئی جس میں اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو انہیں جزیرہ عرب چھوڑنے، ورنہ جنگ کا سامنا کرنے کے احکام دیئے گئے ہیں، اور مسجد حرام کو بت پرستی کی ہر نشانی سے پاک کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس ہدف کے پورا ہونے کے بعد جزیرہ عرب کی مکمل صفائی کا دوسرا مرحلہ یہود و نصاریٰ کو وہاں سے نکالنے کا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں یہ مرحلہ مکمل نہیں ہو سکا تھا، لیکن آپ نے اس کی وصیت فرمادی تھی، جیسا کہ آیت نمبر ۲۹ کے تحت اس کی وضاحت آنے والی ہے۔

اس سے پہلے روم کے بادشاہ نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر ان پر حملہ کرنے کے لئے ایک بڑی فوج جمع کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش قدمی کر کے اُس کے مقابلے کے لئے تبوک تک تشریف لے گئے۔ اس سورت کا بہت بڑا حصہ اس مہم کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ منافقین کی معاندانہ کارروائیاں مسلسل جاری تھیں۔ اس سورت میں ان کی بدعنوانیوں کو بھی طشت از بام کیا گیا ہے۔

اس سورت کو سورہ توبہ بھی کہا جاتا ہے، اور سورہ براءت بھی۔ براءت اس لئے کہ اس کے شروع میں مشرکین سے براءت اور دستبرداری کا اعلان کیا گیا ہے، اور توبہ اس لئے کہ اس میں بعض ان صحابہ کرام کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے جنہوں نے تبوک کی مہم میں حصہ نہیں لیا تھا، اور بعد میں اپنی اس غلطی پر توبہ کی تھی۔



﴿آیتھا ۱۲۹﴾ ﴿سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۳﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۱۲﴾

بَرَاءَةً مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۖ فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ  
أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۝ وَأَذَانٌ  
مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۖ  
وَرَسُولُهُ ۚ فَإِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۗ  
وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝

سورہ توبہ مدنی ہے اور اس میں ایک سو انتیس آیتیں اور سورہ رکوع ہیں

(مسلمانو!) یہ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے دستبرداری کا اعلان ہے اُن تمام مشرکین کے خلاف جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا ہے۔ (۱) لہذا (اے مشرک!) تمہیں چار مہینے تک اجازت ہے کہ تم (عرب کی) سرزمین میں آزادی سے گھومو پھرو، اور یہ بات جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور یہ بات بھی کہ اللہ اب کافروں کو رسوا کرنے والا ہے (۲) اور حج اکبر کے دن اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے تمام انسانوں کے لئے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ بھی مشرکین سے دست بردار ہو چکا ہے، اور اُس کا رسول بھی۔ اب (اے مشرک!) اگر تم توبہ کر لو تو یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہوگا، اور اگر تم نے (اب بھی) منہ موڑے رکھا تو یاد رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور تمام کافروں کو ایک دُکھ دینے والے عذاب کی ”خوشخبری“ سنا دو (۳)

(۱) ان آیتوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے وہ پس منظر جاننا ضروری ہے جو اس سورت کے تعارف میں اُوپر بیان کیا گیا ہے۔ جزیرہ عرب کو اسلام کا مرکز بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ کچھ عرصے کی مہلت کے بعد کوئی بت پرست مستقل طور پر جزیرہ عرب میں نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ ان آیات میں اُن بچے کچھے مشرکین سے دستبرداری کا اعلان کیا گیا ہے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ اگرچہ یہ مشرکین وہ تھے جنہوں نے مسلمانوں کو ستانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، اور اُن پر وحشیانہ ظلم ڈھائے تھے، لیکن انہیں جزیرہ عرب سے نکلنے کے لئے مختلف مہلتیں دی گئی ہیں جن کی تفصیل ان آیتوں میں آئی ہے۔ ان مشرکین کی چار قسمیں تھیں:

(الف) پہلی قسم اُن مشرکین کی تھی جن کے ساتھ مسلمانوں نے جنگ بندی کا کوئی معاہدہ نہیں کیا ہوا تھا۔ ایسے مشرکین کو چار مہینے کی مہلت دی گئی کہ ان چار مہینوں میں وہ اگر اسلام لانا چاہیں تو اسلام لے آئیں، اور اگر جزیرہ عرب سے باہر کہیں جانا چاہیں تو اُس کا انتظام کر لیں۔ اگر یہ دونوں کام نہ کر سکیں تو اُن کے خلاف ابھی سے اعلان کر دیا گیا ہے کہ ان کو جنگ کا سامنا کرنا ہوگا (ترمذی، کتاب الحج، حدیث نمبر ۸۷۱)۔



(ب) دوسری قسم اُن مشرکین کی تھی جن کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ تو تھا، لیکن اُس کی کوئی مدت متعین نہیں تھی۔ ان کے بارے میں بھی یہ اعلان کر دیا گیا کہ اب وہ معاہدہ چار مہینے تک جاری رہے گا۔ اس دوران اُن کو بھی وہی کام کرنے ہوں گے جن کا ذکر پہلی قسم کے بارے میں کیا گیا۔ سورہ توبہ کی پہلی اور دوسری آیت ان دو قسموں سے متعلق ہے۔

(ج) تیسری قسم ان مشرکین کی تھی جن کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ تو کیا تھا، لیکن انہوں نے بدعہدی کی، اور وہ معاہدہ توڑ دیا، جیسے کفار قریش کے ساتھ حدیبیہ میں معاہدہ ہوا تھا، لیکن انہوں نے اُس کی خلاف ورزی کی، اور اسی کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ پر حملہ کر کے اُسے فتح کر لیا تھا۔ ان لوگوں کو کوئی مزید مہلت تو نہیں دی گئی، لیکن چونکہ دست برداری کا یہ اعلان حج کے موقع پر کیا گیا تھا جو خود حرمت والے مہینے میں ہوتا ہے، اور اس کے بعد محرم کا مہینہ بھی حرمت والا ہے، اور اُس میں جنگ کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے ان کو محرم کے آخر تک کی مہلت مل گئی۔ انہی کے بارے میں آیت نمبر ۵ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ حرمت والے مہینوں کے گزر جانے کے بعد اگر یہ نہ ایمان لائیں، اور نہ جزیرہ عرب سے باہر جائیں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔

(د) چوتھی قسم اُن مشرکین کی تھی جن کے ساتھ کسی خاص مدت تک کے لئے مسلمانوں نے جنگ بندی کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ اور انہوں نے کوئی بدعہدی بھی نہیں کی تھی۔ ایسے لوگوں کے بارے میں آیت نمبر ۴ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اُن کے معاہدے کی جتنی بھی مدت باقی ہے، اُس کو پورا کیا جائے، اور اس پوری مدت میں اُن کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ مثلاً قبیلہ کنانہ کے دو چھوٹے قبیلے بنو ضمرہ اور بنو مدلج کے ساتھ آپ کا ایسا ہی معاہدہ تھا، اور اُن کی طرف سے کوئی بدعہدی سامنے نہیں آئی تھی۔ اُن کے معاہدے کی مدت ختم ہونے میں اس وقت نو مہینے باقی تھے۔ چنانچہ اُن کو نو مہینے کی مہلت دی گئی۔

ان چاروں قسم کے اعلانات کو براءت یا دستبرداری کے اعلانات کہا جاتا ہے۔

(۲) دست برداری کا یہ حکم تو آچکا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں سے انصاف کی خاطر ان مختلف مدتوں کی ابتدا اُس وقت سے فرمائی جب اُن کو ان سارے احکام کی اطلاع ہو جائے۔ پورے عرب میں اعلان کا سب سے مؤثر ذریعہ یہ تھا کہ یہ اعلان حج کے موقع پر کیا جائے، کیونکہ اُس وقت سارے عرب کے لوگ حجاز میں جمع ہوتے تھے، اور اُس وقت تک مشرکین بھی حج کے لئے آتے تھے۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد جو حج ۹ھ میں ہوا۔ اُس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس توج کے لئے تشریف نہیں لے گئے تھے، لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا۔ اُن کے بعد آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اسی مقصد سے روانہ فرمایا کہ وہ ان احکام کا سب کے سامنے اعلان کر دیں، وجہ یہ تھی کہ اہل عرب میں یہ معمول تھا کہ اگر کسی شخص نے کوئی معاہدہ کیا ہوتا، اور وہ اُسے ختم کرنا چاہتا تو یہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ معاہدہ ختم کرنے کا اعلان یا تو وہ خود کرے، یا اُس کا کوئی قریبی عزیز۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا (الدر المنثور ص ۱۱۴ ج ۴، بیروت ۱۴۲۱ھ)۔

واضح رہے کہ ”حج اکبر“ ہرج کو اس لئے کہتے ہیں کہ عمرہ چھوٹا حج ہے، اور اس کے مقابلے میں حج بڑا حج ہے۔ اور یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر حج جمعہ کے دن آجائے تو وہ ”حج اکبر“ ہوتا ہے، اُس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ جمعہ کے دن حج ہو تو بیشک دو فضیلتیں جمع ہو جاتی ہیں، لیکن صرف اُسی کو ”حج اکبر“ قرار دینا درست نہیں ہے، بلکہ یہ لقب ہرج کا ہے، چاہے وہ کسی بھی دن ہو۔



إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۲﴾ فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُواهُمْ وَاحْصِرُواهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳﴾ وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ مَا مَنَّهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴﴾ كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۵﴾

البتہ (مسلمانو!) جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا، پھر ان لوگوں نے تمہارے ساتھ عہد میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اور تمہارے خلاف کسی کی مدد بھی نہیں کی، تو اُن کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کی مدت کو پورا کرو۔ بیشک اللہ احتیاط کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ﴿۲﴾ چنانچہ جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکین کو (جنہوں نے تمہارے ساتھ بدعہدی کی تھی) جہاں بھی پاؤ، قتل کر ڈالو، اور انہیں پکڑو، انہیں گھیرو، اور انہیں پکڑنے کے لئے ہر گھات کی جگہ تاک لگا کر بیٹھو۔ ﴿۳﴾ ہاں اگر وہ توبہ کر لیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں تو اُن کا راستہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۴﴾ اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اُسے اُس وقت تک پناہ دو جب تک وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اُسے اُس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔ ﴿۵﴾ یہ اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں علم نہیں ہے۔ ﴿۶﴾ ان مشرکین سے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کوئی معاہدہ کیسے باقی رہ سکتا ہے؟ البتہ جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے قریب معاہدہ کیا ہے، جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں، تم بھی اُن کے ساتھ سیدھے رہو۔ بیشک اللہ متقی لوگوں کو پسند کرتا ہے ﴿۷﴾

(۲) یعنی معاہدے کی مدت پوری احتیاط کے ساتھ پوری کی جائے، اور اس میں کوئی شک باقی نہ رکھا جائے۔

(۳) یہ تیسری قسم کے مشرکین کا ذکر ہے جنہوں نے بدعہدی کی تھی۔

(۴) مشرکین کی مذکورہ بالا چاروں قسموں کو اس آیت نے اپنی اپنی مہلت کے علاوہ یہ مزید سہولت عطا فرمائی کہ اگر ان میں سے کوئی مزید مہلت مانگے، اور وہ اسلام کی دعوت پر غور کرنا چاہتا ہو تو اُسے پناہ دی جائے، اور اللہ کا کلام سنایا جائے، یعنی اسلام کی حقانیت کے دلائل سمجھائے جائیں۔

(۵) یعنی صرف اللہ کا کلام سنانے پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ اُسے ایسی امن کی جگہ فراہم کی جائے جہاں وہ اطمینان کے ساتھ کسی



دباؤ کے بغیر اسلام کی حقانیت پر غور کر سکے۔

(۷) آیت نمبر ۷ سے لے کر آیت نمبر ۱۶ تک اتنی بات تو واضح ہے کہ اس میں کفار قریش کا ذکر ہے، اور اُن کی بد عہدی کا ذکر کیا گیا ہے، اور مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ اُن کے قول و قرار پر بھروسہ نہ کریں، اور اگر وہ بد عہدی کریں تو اُن کے ساتھ جنگ کی جائے۔ لیکن اس معاملے میں مفسرین کی آراء مختلف ہیں کہ یہ آیات کب نازل ہوئی تھیں۔ مفسرین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ آیتیں فتح مکہ سے پہلے اُس وقت نازل ہوئی تھیں جب کفار قریش کے ساتھ مسلمانوں نے حدیبیہ میں جو معاہدہ کیا تھا، وہ باقی تھا۔ اور ان آیتوں میں یہ پیشنگوئی کی گئی ہے کہ یہ لوگ اپنے معاہدے پر قائم نہیں رہیں گے، لہذا اگر وہ عہد شکنی کریں تو اُن کے ساتھ جنگ کرو، اور اگر وہ دوبارہ عہد کریں تو اب اُن کی باتوں کا اعتبار نہ کیا جائے، کیونکہ وہ زبان سے کچھ کہتے ہیں، اور اُن کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے۔ اور جب تم اُن سے جنگ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کر کے اُنہیں رُسوا کرے گا، اور اُن مسلمانوں کے دل ٹھنڈے ہوں گے جو اُن کے مظالم کا شکار رہے ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق یہ آیتیں براءت کے اُس اعلان سے پہلے کی ہیں جو آیت نمبر ۱۷ سے آیت نمبر ۶ تک بیان کیا گیا ہے، اور جو فتح مکہ کے ایک سال دو ماہ کے بعد سن ۹ھ کے حج کے موقع پر کیا گیا تھا۔

مفسرین کی دوسری جماعت کا کہنا یہ ہے کہ یہ آیتیں براءت کے اعلان سے پہلے کی نہیں ہیں، بلکہ آیت نمبر ۱۷ سے براءت کے اعلان کا جو مضمون چلا آ رہا ہے، یہ اُسی کا حصہ ہیں، اور ان میں براءت کے اعلان کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ پہلے ہی معاہدہ توڑ چکے ہیں، اور اب ان سے کوئی امید نہیں ہے کہ اگر اُن سے کوئی نیا معاہدہ کریں تو اُس کی پابندی کریں گے، کیونکہ ان کو مسلمانوں سے جو دشمنی ہے، اُس کی وجہ سے یہ نہ کسی رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں، نہ کسی معاہدے کا۔ چونکہ فتح مکہ کے موقع پر اور اُس کے بعد قریش کے بہت سے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، اور ان کی کفار قریش کے ساتھ رشتہ داریاں تھیں، اس لئے اُن کے دل میں قریش کے بارے میں کوئی نرم گوشہ ہو سکتا تھا۔ ان آیات نے انہیں متنبہ کیا ہے کہ وہ ان لوگوں کی باتوں سے دھوکا نہ کھائیں، اور دل میں یہ عزم رکھیں کہ اگر ان سے لڑنا پڑا تو وہ پوری قوت سے اُن کا مقابلہ کریں گے۔ راقم کو یہ تفسیر متعدد دلائل کی وجہ سے زیادہ رائج معلوم ہوتی ہے۔ اول تو اس لئے کہ آیت نمبر ۷ سے ۱۶ تک کا نظم قرآن ایک ہی سلسلہ کلام نظر آتا ہے، اور آیت نمبر ۷ کے بارے میں یہ تصور نظم کے اعتبار سے مشکل لگتا ہے کہ وہ پہلی چھ آیتوں سے نزول میں بہت مقدم ہو۔ دوسرے حضرت علیؓ نے اعلان کے وقت قرآن کریم کی جو آیات لوگوں کو سنائیں، اُن کی تعداد روایات میں کم سے کم دس اور زیادہ سے زیادہ چالیس آئی ہے۔ (دیکھئے الدر المنثور ج: ۴ ص: ۱۱۲ ونظم الدرر للبقاعی ج: ۸ ص: ۳۶۶) اور نسائی (کتاب الحج، باب الخطبة يوم التروية حدیث نمبر ۲۹۹۳) کی ایک روایت میں جو یہ آیا ہے کہ انہوں نے اُسے ختم تک پڑھا، اُس کا مطلب یہ ہے کہ جتنی آیات دے کر انہیں بھیجا گیا تھا، اُن کے ختم تک پڑھا۔ تیسرے حافظ ابن جریر طبری، علامہ سیوطی، علامہ بقاعی، قاضی ابوالسعود اور بڑے جلیل القدر محدثین اور مفسرین نے ان آیات کو براءت ہی کا ایک حصہ اور اُس کی توجیہ و تعلیل قرار دیا ہے۔

(۸) اس سے مراد مشرکین کی وہ چوتھی قسم ہے جس کا ذکر اوپر حاشیہ نمبر (د) میں آیا ہے۔ ان کو ان کے معاہدے کی مدت پوری ہونے تک مہلت دی گئی تھی، اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدت میں اُس وقت نو مہینے باقی تھے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اس مدت کے دوران اگر وہ سیدھے چلتے رہیں تو تم بھی اُن کے ساتھ سیدھے چلو۔ اور اگر وہ بھی عہد شکنی کریں تو پھر اس مدت کے انتظار کی بھی ضرورت نہیں ہے (تفسیر ابن جریر ج: ۱۰ ص: ۸۲)۔



كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُ عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلَّا وَلَا ذِمَّةٌ يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٩﴾ اِشْتَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِهِ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠﴾ لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا وَلَا ذِمَّةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ﴿١١﴾ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخِوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ۚ وَنُفِصِلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١٢﴾ وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَيْمَةَ الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَا آيَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ﴿١٣﴾

(لیکن دوسرے مشرکین کے ساتھ) کیسے معاہدہ برقرار رہ سکتا ہے جبکہ اُن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی تم پر غالب آجائیں تو تمہارے معاملے میں نہ کسی رشتہ داری کا خیال کریں، اور نہ کسی معاہدے کا؟ یہ تمہیں اپنی زبانی باتوں سے راضی کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ اُن کے دل انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔ ﴿۹﴾ انہوں نے اللہ کی آیتوں کے بدلے (دُنیا کی) تھوڑی سی قیمت لے لینا پسند کر لیا ہے، اور اس کے نتیجے میں لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے کرتوت بہت بُرے ہیں ﴿۱۰﴾ یہ کسی بھی مؤمن کے معاملے میں کسی رشتہ داری یا معاہدے کا پاس نہیں کرتے، اور یہی ہیں جو حدیں توڑنے والے ہیں ﴿۱۱﴾ لہذا اگر یہ توبہ کر لیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، تو یہ تمہارے دینی بھائی بن جائیں گے۔ ﴿۱۲﴾ اور ہم احکام کی یہ تفصیل اُن لوگوں کے لئے بیان کر رہے ہیں جو جاننا چاہیں ﴿۱۳﴾ اور اگر ان لوگوں نے اپنا عہد دے دینے کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالی ہوں، اور تمہارے دین کو طعنے دیئے ہوں، تو ایسے کفر کے سربراہوں سے اس نیت سے جنگ کرو کہ وہ باز آجائیں، کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی قسموں کی کوئی حقیقت نہیں ﴿۱۴﴾

﴿۹﴾ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات پر عمل کرنے کے بجائے دُنیا کے حقیر فوائد حاصل کرنے کو ترجیح دی ہے۔  
 ﴿۱۰﴾ یہاں یہ واضح کر دیا گیا کہ اگر کوئی شخص سچے دل سے توبہ کر لے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اُس سے بھائیوں کا سلوک کریں، اور جو تکلیفیں اُس نے اسلام لانے سے پہلے پہنچائی ہیں، اُن کو بھلا دیں، کیونکہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہوں اور زیادتیوں کو مٹا دیتا ہے۔

﴿۱۱﴾ کچھلی آیت کی روشنی میں قسمیں توڑنے سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جائیں، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بعض قبائل مرتد ہوئے، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اُن سے جہاد کیا، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ تھا، اور وہ پہلے ہی عہد توڑ چکے، یا جن سے معاہدہ نو مہینے تک باقی ہے، وہ اس دوران معاہدہ توڑیں، اُن سے جہاد کرو۔ اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ: ”اس نیت سے جنگ کرو کہ وہ باز آجائیں“ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری طرف سے جنگ کا مقصد ملک گیری کے بجائے یہ ہونا چاہئے کہ تمہارا دشمن اپنے کفر اور ظلم سے باز آجائے۔



أَلَا تَقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَرَبُوا بِأَخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ  
 أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ قَالَ لَهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (۱۲) قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ  
 بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصَرُّكُمْ عَلَيْهِمْ وَيُشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ۝ (۱۳) وَيُذْهِبُ غِيظَ  
 قُلُوبِهِمْ ۖ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (۱۴) أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا  
 وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ  
 وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۖ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ (۱۵)

کیا تم اُن لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا، اور رسول کو (وطن سے) نکالنے کا ارادہ کیا، اور  
 وہی ہیں جنہوں نے تمہارے خلاف (چھیڑ چھاڑ کرنے میں) پہل کی؟ کیا تم اُن سے ڈرتے ہو؟ (اگر ایسا ہے) تو اللہ  
 اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اُس سے ڈرو، اگر تم مؤمن ہو ۝ (۱۲) ان سے جنگ کرو، تاکہ اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان  
 کو سزا دلوائے، انہیں رُسوا کرے، اُن کے خلاف تمہاری مدد کرے، اور مؤمنوں کے دل ٹھنڈے کر دے، ۝ (۱۳) اور اُن  
 کے دل کی کڑھن دُور کر دے، اور جس کی چاہے توبہ قبول کر لے۔ ۝ (۱۴) اور اللہ کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ۝ (۱۵) بھلا کیا  
 تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تمہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا، حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون لوگ جہاد  
 کرتے ہیں، اور اللہ، اُس کے رسول اور مؤمنوں کے سوا کسی اور کو خصوصی راز دار نہیں بناتے؟ اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ  
 اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ۝ (۱۶)

(۱۲) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں ظلم شروع کیا، اور یہ بھی کہ انہوں نے صلح حدیبیہ کو توڑنے میں  
 پہل کی۔

(۱۳) یعنی اس کا بھی امکان ہے کہ کفار توبہ کر کے مسلمان ہو جائیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ اس کے بعد واقعی مسلمان ہوئے۔  
 (۱۴) بظاہر اس کا اشارہ اُن حضرات کی طرف ہے جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے، اور ابھی تک ان کو کسی جہاد میں شرکت کا  
 موقع نہیں ملا تھا۔ ورنہ دوسرے صحابہؓ تو فتح مکہ سے پہلے بہت سی جنگوں میں حصہ لے چکے تھے۔ ان نو مسلموں سے کہا جا رہا ہے  
 کہ اُن کو بھی جہاد کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اگرچہ اعلان براءت کے بعد کسی بڑی جنگ کی نوبت نہیں آئی، لیکن ان حضرات کو  
 پوری قوت سے تیار رہنے کی تاکید اس لئے کی گئی ہے کہ وہ اپنی رشتہ داریوں کی وجہ سے کہیں اس اعلان براءت کے تمام تقاضوں  
 پر عمل کرنے سے ہچکچانے نہ لگیں، اسی لئے جہاد کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا گیا کہ وہ اللہ، اُس کے رسول اور مؤمنوں کے سوا کسی  
 سے دوستی یا رازداری کا خصوصی تعلق نہ رکھیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔



مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْبُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ ۖ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ  
 أَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِي النَّارِهِمْ خَالِدُونَ ﴿١٥﴾ إِنَّمَا يُعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ  
 أَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾  
 أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ  
 فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوْنَ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٧﴾ الَّذِينَ آمَنُوا  
 وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۖ أَكْظَمَ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ  
 هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿١٨﴾

مشرکین اس بات کے اہل نہیں ہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں، حالانکہ وہ خود اپنے کفر کے گواہ بنے ہوئے ہیں۔  
 ان لوگوں کے تو اعمال ہی غارت ہو چکے ہیں، اور دوزخ ہی میں اُن کو ہمیشہ رہنا ہے ﴿۱۵﴾ اللہ کی مسجدوں کو تو وہی لوگ  
 آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے ہوں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور اللہ کے سوا کسی  
 سے نہ ڈریں۔ ایسے ہی لوگوں سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ صحیح راستہ اختیار کرنے والوں میں شامل ہوں گے ﴿۱۶﴾ کیا تم  
 لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اُس شخص کے (اعمال کے) برابر سمجھ رکھا ہے جو اللہ اور  
 یوم آخرت پر ایمان لایا ہے، اور جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہے۔ اللہ کے نزدیک یہ سب برابر نہیں ہو سکتے۔  
 اور اللہ ظالم لوگوں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا ﴿۱۷﴾ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے اللہ کے راستے میں  
 ہجرت کی ہے، اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا ہے، وہ اللہ کے نزدیک درجے میں کہیں زیادہ ہیں، اور وہی لوگ  
 ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں ﴿۱۸﴾

﴿۱۵﴾ مشرکین مکہ اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ وہ مسجد حرام کے پاسبان ہیں، اُس کی خدمت، دیکھ بھال اور تعمیر جیسے نیک کام  
 انجام دیتے ہیں، اس لئے اُن کو مسلمانوں پر فوقیت حاصل ہے۔ اس آیت نے ان کے اس زعم باطل کی تردید فرمائی ہے، اور وہ  
 اس طرح کہ مسجد حرام یا کسی بھی مسجد کی خدمت یقیناً بڑی عبادت ہے، بشرطیکہ وہ ایمان کے ساتھ ہو، کیونکہ مسجد کا اصل مقصد  
 اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اگر یہ بنیادی مقصد ہی مفقود ہو تو مسجد کی  
 خدمت کا کیا فائدہ؟ لہذا کفر و شرک کے ساتھ کوئی بھی شخص مسجد کا پاسبان بننے کا اہل نہیں ہے۔ چنانچہ آگے آیت نمبر ۲۸ میں  
 مشرکین کو یہ حکم سنایا گیا ہے کہ اب وہ ان کاموں کے لئے مسجد حرام کے قریب بھی نہیں آسکیں گے۔

﴿۱۶﴾ اس آیت کریمہ نے یہ اصول بھی بتا دیا ہے کہ تمام نیک کام ایک درجے کے نہیں ہوتے، اگر کوئی شخص فرائض تو ادا نہ کرے،  
 اور نفلی عبادتوں میں لگا رہے تو یہ کوئی نیکی نہیں ہے۔ حاجیوں کو پانی پلانا بیشک ایک نیک کام ہے، مگر وہ نفلی حیثیت رکھتا ہے۔ اور



يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّتِ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝ (۲۱) خَلِيدَيْنِ فِيهَا  
 أَبَدًا ۝ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ (۲۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ  
 أَوْلِيَاءَ إِنْ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ (۲۳) قُلْ  
 إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَ  
 تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي  
 سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ (۲۴)

اُن کا پروردگار انہیں اپنی طرف سے رحمت اور خوشنودی کی، اور ایسے باغات کی خوشخبری دیتا ہے جن میں اُن کے لئے  
 دائمی نعمتیں ہیں ۝ (۲۱) وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یقیناً اللہ ہی ہے جس کے پاس عظمت والا اجر موجود ہے ۝ (۲۲) اے ایمان  
 والو! اگر تمہارے باپ بھائی کفر کو ایمان کے مقابلے میں ترجیح دیں تو اُن کو اپنا سرپرست نہ بناؤ، اور جو لوگ اُن  
 کو سرپرست بنائیں گے، وہ ظالم ہوں گے ۝ (۲۳) (اے پیغمبر! مسلمانوں سے) کہہ دو کہ: ”اگر تمہارے باپ، تمہارے  
 بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، اور تمہارا خاندان، اور وہ مال و دولت جو تم نے کمایا ہے، اور وہ کاروبار جس کے مندا  
 ہونے کا تمہیں اندیشہ ہے، اور وہ رہائشی مکان جو تمہیں پسند ہیں، تمہیں اللہ اور اُس کے رسول سے، اور اُس کے راستے  
 میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں، تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمادے، اور اللہ نافرمان لوگوں کو  
 منزل تک نہیں پہنچاتا۔ ۝ (۲۴)

مسجد حرام کی دیکھ بھال بھی بعض حیثیتوں سے فرض کفایہ، اور بعض حیثیتوں سے نفلی عبادت ہے۔ اس کے مقابلے میں ایمان  
 انسان کی نجات کے لئے بنیادی شرط ہے، اور جہاد کبھی فرض عین اور کبھی فرض کفایہ۔ لہذا کسی کو صرف ان خدمات کی وجہ سے کسی  
 مؤمن پر فوقیت حاصل نہیں ہو سکتی۔

(۱۷) اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن سے ایسے تعلقات نہ رکھو جو تمہارے لئے دینی فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ بن جائیں۔  
 جہاں تک اپنے ایمان اور دینی فرائض کا تحفظ کرتے ہوئے اُن کے ساتھ حسن سلوک کا تعلق ہے، اُس کو قرآن کریم نے مستحسن  
 قرار دیا ہے (دیکھئے سورہ لقمان، ۱۵: ۳۱، اور سورہ ممتحنہ ۸: ۶۰)۔

(۱۸) فیصلے سے مراد سزا کا فیصلہ ہے۔ اس آیت نے واضح فرمادیا ہے کہ ماں باپ، بھائی بہن، بیوی بچے، مال و دولت، گھر  
 جائیداد، تجارت اور کاروبار، ہر چیز اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، لیکن اُسی وقت جب وہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے میں رکاوٹ نہ  
 بنے۔ اگر رکاوٹ بن جائے تو یہی چیزیں انسان کے لئے عذاب بن جاتی ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ۔



لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۚ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۖ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ﴿٢٥﴾

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہت سے مقامات پر مدد کی ہے، اور (خاص طور پر) حنین کے دن جب تمہاری تعداد کی کثرت نے تمہیں مگن کر دیا تھا، مگر وہ کثرت تعداد تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم نے پیٹھ دکھا کر میدان سے رُخ موڑ لیا ﴿۲۵﴾

(۱۹) حنین کی جنگ کا واقعہ مختصر ا یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو آپ کو یہ اطلاع ملی کہ عرب کا ایک مشہور قبیلہ بنو ہوازن اپنے سردار مالک بن عوف کی سرکردگی میں آپ پر حملہ کرنے کے لئے ایک بڑا لشکر جمع کر رہا ہے۔ ہوازن ایک بڑا قبیلہ تھا جس کی کئی شاخیں تھیں، اور طائف کا قبیلہ ثقیف بھی اسی کا ایک حصہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاسوس بھیج کر خبر کی تصدیق فرمائی، اور معلوم ہوا کہ خبر صحیح ہے، اور وہ لوگ بڑے جوش و خروش سے تیاری میں مصروف ہیں۔ ہوازن کے لوگوں کی تعداد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق چوبیس ہزار سے اٹھائیس ہزار تک تھی، چنانچہ آپ چودہ ہزار صحابہ کرامؓ پر مشتمل ایک لشکر لے کر روانہ ہوئے، اور یہ جنگ حنین کے مقام پر لڑی گئی، جو مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان مکہ مکرمہ سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر واقع ایک وادی کا نام ہے۔ چونکہ مسلمانوں کی تعداد اس موقع پر چودہ ہزار تھی، جبکہ اس سے پہلے اتنی بڑی تعداد کسی باقاعدہ جنگ میں نہیں ہوئی تھی، اور ہمیشہ مسلمان اپنی کم تعداد کے باوجود فتح پاتے آئے تھے، اس لئے بعض مسلمانوں کے منہ سے یہ نکل گیا کہ آج تو ہماری تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ہم کسی سے مغلوب ہو ہی نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے بجائے اپنی تعداد پر اتنا بھروسہ کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ جس وقت مسلمان ایک تنگ گھاٹی سے گزر رہے تھے، ہوازن کے تیر اندازوں نے اچانک اُن پر اس زور کا حملہ کیا کہ بہت سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اور وہ میدان جنگ سے پیچھے ہٹ گئے۔ اس موقع پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند جانبا ز صحابہ کے ساتھ ثابت قدم رہے، اور آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ پیچھے ہٹنے والوں کو آواز دے کر بلائیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بہت تیز تھی، وہ ایک بجلی کی طرح مسلمانوں کے لشکر میں پھیل گئی، اور جو لوگ میدان چھوڑ چکے تھے، وہ نئے ولولے کے ساتھ واپس آئے، اور کچھ ہی دیر میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ ہوازن کے ستر سردار مارے گئے، مالک بن عوف اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کو چھوڑ کر فرار ہوا، اور طائف کے قلعے میں جا کر پناہ لی۔ چھ ہزار افراد جنگی قیدی بنائے گئے، اور بڑی تعداد میں مویشی اور چار ہزار اوقیہ چاندی مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔



ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ  
الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ (۲۰) ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ ۗ  
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (۲۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ  
الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا ۖ

پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مؤمنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی، اور ایسے لشکر اُتارے جو تمہیں نظر نہیں آئے، اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا تھا، اللہ نے اُن کو سزا دی، اور ایسے کافروں کا یہی بدلہ ہے ۝ (۲۰) پھر اللہ جس کو چاہے اس کے بعد توبہ نصیب کر دے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ۝ (۲۱) اے ایمان والو! مشرک لوگ تو سراپا ناپاکی ہیں، لہذا وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ آنے پائیں۔

(۲۰) یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب میدان چھوڑنے والے مسلمان حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر واپس آئے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں ایسی تسکین پیدا فرمادی کہ اُن پر دشمن کا جو رعب وقتی طور پر چھا گیا تھا، وہ دُور ہو گیا۔  
(۲۱) اس آیت میں اشارہ فرمادیا گیا کہ ہوازن کے جو لوگ بڑے جوش و خروش کے ساتھ لڑنے کے لئے آئے تھے، اُن میں سے بہت سے لوگوں کو ایمان اور توبہ کی توفیق ہو جائے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور ہوازن اور ثقیف کے لوگوں کی بہت بڑی تعداد بعد میں مسلمان ہوئی۔ خود مالک بن عوف جو ہوازن کے سب سے بڑے سردار تھے، مسلمان ہوئے، اور اسلام کے بڑے علم برداروں میں اُن کا شمار ہوا۔ آج انہیں حضرت مالک بن عوف رضی اللہ عنہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔  
(۲۲) اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اُن کے جسم بذاتِ خود ناپاک ہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اُن کے عقائد ناپاک ہیں جو اُن کے وجود میں سرایت کر چکے ہیں۔

(۲۳) یہ اعلانِ براءت کا تکرار ہے۔ اور اس کے ذریعے مشرکین کو مسجد حرام کے قریب آنے سے منع فرمادیا گیا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ مشرکین کو اگلے سال سے حج کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اس آیت کریمہ کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے جو اعلان کروایا اُس کے الفاظ یہ تھے کہ: "لَا يَحُجُّ بَعْدَ هَذَا الْعَامِ مُشْرِكٌ" یعنی اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ براءۃ)۔ اس سے معلوم ہوا کہ "مسجد حرام کے قریب نہ آنے" کے معنی یہ ہیں کہ وہ حج نہ کریں، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے مردوں سے کہا گیا ہے کہ وہ حیض کی حالت میں عورتوں کے قریب بھی نہ جائیں، اور مراد یہ ہے کہ اُن سے جماع نہ کریں، چنانچہ اُن کے قریب جانا ممنوع نہیں ہے۔ اسی طرح کفار حج تو نہیں کر سکتے، لیکن کسی اور ضرورت سے مسجد حرام یا کسی اور مسجد میں اُن کا داخلہ بالکل یہ ممنوع نہیں ہے، کیونکہ کئی مواقع پر یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو مسجد نبوی میں داخل ہونے کی اجازت دی۔ البتہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی رُو سے مسجد حرام بلکہ پوری حدودِ حرم میں کفار کا داخلہ ممنوع ہے۔ بلکہ امام مالکؒ کے نزدیک دوسری کسی مسجد میں بھی کسی کافر کا داخلہ جائز نہیں ہے۔



وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيَكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٧﴾  
 قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ  
 وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ  
 يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿٢٨﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ  
 اللَّهِ ۚ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهَهُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۚ قَتَلَهُمُ اللَّهُ  
 أَنْ يَكُونُوا ۚ ﴿٢٩﴾

اور (مسلمانو!) اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو اگر اللہ چاہے گا تو تمہیں اپنے فضل سے (شرکیں سے) بے نیاز کر دے گا۔  
 بیشک اللہ کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔ ﴿۲۷﴾ وہ اہل کتاب جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ یومِ آخرت پر، اور جو  
 اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے، اور نہ دینِ حق کو اپنا دین مانتے ہیں، اُن سے جنگ کرو،  
 یہاں تک کہ وہ خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔ ﴿۲۸﴾  
 یہودی تو یہ کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، اور نصرانی یہ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ سب اُن کی منہ کی بنائی  
 ہوئی باتیں ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی سی باتیں کر رہے ہیں جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں۔ اللہ کی مار ہو ان پر! یہ کہاں  
 اوندھے بھکے جا رہے ہیں؟ ﴿۲۹﴾

﴿۲۷﴾ غیر مسلموں کو حج سے منع کرنے کا ایک نتیجہ ظاہری طور پر یہ ہو سکتا تھا کہ مکہ مکرمہ کی تجارت اور معیشت پر بُرا اثر پڑے،  
 کیونکہ مکہ مکرمہ میں اپنی تو کوئی پیداوار نہیں تھی، باہر سے آنے والوں پر ہی اس کی تجارت کا دار و مدار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت  
 میں اس اندیشے کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی احتیاج اپنے فضل سے دُور فرمائے گا۔  
 ﴿۲۸﴾ اس سے اوپر کی اٹھائیس آیات عرب کے بت پرستوں کے بارے میں تھیں، اور یہاں سے وہ آیات شروع ہو رہی ہیں  
 جو غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہیں (الدر المنثور بحوالہ مجاہد ج: ۴ ص: ۱۵۳)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیتیں اوپر  
 کی اٹھائیس آیتوں سے پہلے نازل ہوئی تھیں، کیونکہ غزوہ تبوک اعلانِ براءت سے پہلے پیش آیا ہے، اور اس کا واقعہ ان شاء اللہ  
 آگے قدرے تفصیل کے ساتھ آئے گا۔ چونکہ یہ غزوہ روم کی سلطنت کے خلاف ہوا تھا، اور اُن میں اکثریت عیسائیوں کی تھی، اور  
 یہودیوں کی بھی ایک بڑی تعداد رومی سلطنت کے ماتحت زندگی گزار رہی تھی، اور دونوں کو قرآنِ کریم نے ”اہل کتاب“ کا نام دیا  
 ہے، اس لئے ان سے جنگ کرنے کا حکم دینے کے ساتھ اُن کے عقائد اور اعمال کی کچھ خرابیاں ان آیات میں بیان فرمائی گئی  
 ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اگرچہ ان آیات کا نزول شروع کی اٹھائیس آیتوں سے پہلے ہوا تھا، مگر ان کو موجودہ



ترتیب میں ان اٹھائیس آیتوں کے بعد رکھا گیا ہے۔ شاید اس میں یہ اشارہ ہے کہ جزیرہ عرب کے بت پرستی سے پاک ہونے کے بعد مسلمانوں کو باہر کے اہل کتاب سے سابقہ پیش آنے والا ہے، نیز بت پرستوں کے لئے تو جزیرہ عرب میں مستقل رہائش ممنوع کر دی گئی تھی، لیکن اہل کتاب کے لئے یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ وہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری کی حیثیت میں جزیرہ ادا کر کے رہ سکتے ہیں۔ یہ رعایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں تو برقرار رہی، لیکن آپ نے وفات سے پہلے یہ وصیت فرمائی تھی کہ یہود اور نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، حدیث نمبر ۳۰۵۳)۔ چنانچہ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وصیت پر عمل فرمایا۔ لیکن یہ حکم صرف جزیرہ عرب کے ساتھ مخصوص تھا۔ جزیرہ عرب کے باہر جہاں کہیں اسلامی حکومت قائم ہو، وہاں اب بھی نہ صرف اہل کتاب، بلکہ دوسرے تمام غیر مسلم اسلامی ریاست کے شہری کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں، جہاں انہیں اپنے مذہب پر عمل کی آزادی ہے، بشرطیکہ وہ ملکی قوانین کی پابندی کریں۔ یہاں اگرچہ ذکر صرف اہل کتاب کا ہے، لیکن جو وجہ بیان کی گئی ہے کہ وہ دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے، وہ چونکہ تمام غیر مسلموں میں پائی جاتی ہے، اس لئے جزیرہ عرب سے باہر یہ حکم باجماع امت تمام غیر مسلموں کو شامل ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۲۶) بظاہر تو اہل کتاب اللہ پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے تھے، لیکن چونکہ انہوں نے اس ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بہت سے غلط عقائد گھڑ رکھے تھے، جن میں سے بعض کا بیان اگلی آیت میں آ رہا ہے، اس لئے اُن کا یہ ایمان کا اعدام قرار دے کر یہ فرمایا گیا کہ وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے۔

(۲۷) ”جزیہ“ ایک ٹیکس ہے جو مسلمان ریاست کے اُن غیر مسلم شہریوں سے لیا جاتا ہے جو لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، چنانچہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور تارک الدنیا مذہبی پیشواؤں سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔ یہ درحقیقت اُن کے پر امن طریقے سے اسلامی ریاست میں رہنے اور اسلامی ریاست کے دفاع میں شریک نہ ہونے کا ٹیکس ہے جس کے عوض اسلامی حکومت اُن کی جان و مال کی ذمہ داری لیتی ہے (روح المعانی)۔ اس کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ غیر مسلموں سے مسلمانوں کی طرح زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی، لیکن وہ ریاست کے تمام شہری حقوق میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس لئے بھی اُن پر یہ خاص نوعیت کا ٹیکس عائد کیا گیا ہے۔ اور احادیث میں مسلمان حکمرانوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ غیر مسلم باشندوں کے حقوق کا پورا خیال رکھیں، اور اُن پر اتنا ٹیکس عائد نہ کریں جو اُن کی طاقت سے زیادہ ہو۔ چنانچہ اسلامی تاریخ کے تقریباً ہر دور میں جزیہ کی شرح بہت معمولی رہی ہے۔ اور آیت کریمہ میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ: ”وہ خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں“ اس کی تفسیر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ وہ اسلامی ریاست کے قوانین کے تابع ہو کر رہنا منظور کر لیں (روح المعانی ج: ۱۰ ص: ۳۷۹)۔

(۲۸) حضرت عزیر علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر تھے، (ان کو بائبل میں عزرا کے نام سے یاد کیا گیا ہے، اور ایک پوری کتاب اُن کے نام سے منسوب ہے)۔ اور جب بخت نصر کے حملے میں تورات کے نسخے ناپید ہو گئے تھے تو انہوں نے اُسے اپنی یادداشت سے دوبارہ لکھوایا تھا، اور شاید اسی وجہ سے بعض یہودی انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا ماننے لگے تھے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ اُن کو بیٹا ماننے کا عقیدہ سب یہودیوں کا نہیں ہے، بلکہ بعض یہودیوں کا ہے جو عرب میں بھی آباد تھے۔

(۲۹) اس سے مراد غالباً عرب کے مشرکین ہیں جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔



اَتَّخَذُوا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَا اُمُّرُوۡا  
 اِلَّا لِيَعْبُدُوۡا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُوۡنَ ﴿۳۱﴾ يُرِيۡدُوۡنَ اَنْ  
 يُطْفِئُوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاۡبِىۡ اللّٰهِ اَلَا اَنْ يُنۡتَمَ نُوۡرُهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوۡنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيۡ  
 اَرْسَلَ رَسُوۡلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيۡنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلٰى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ۚ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوۡنَ ﴿۳۳﴾  
 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لِيَآكُلُوۡنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ  
 يُصَدُّوۡنَ عَنْ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۚ

انہوں نے اللہ کے بجائے اپنے احبار (یعنی یہودی علماء) اور راہبوں (یعنی عیسائی درویشوں) کو خدا بنا لیا ہے، اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ اُن کو ایک خدا کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ اُن کی مشرکانہ باتوں سے بالکل پاک ہے۔ ﴿۳۱﴾ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں، حالانکہ اللہ کو اپنے نور کی تکمیل کے سوا ہر بات نامنظور ہے، چاہے کافروں کو یہ بات کتنی بُری لگے ﴿۳۲﴾ وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے، تاکہ اُسے ہر دوسرے دین پر غالب کر دے، چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی ناپسند ہو۔ ﴿۳۳﴾ اے ایمان والو! (یہودی) احبار اور (عیسائی) راہبوں میں سے بہت سے ایسے ہیں کہ لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ ﴿۳۱﴾

﴿۳۰﴾ ان کو خدا بنانے کا جو مطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے علماء کو یہ اختیارات دے رکھے ہیں کہ وہ جس چیز کو چاہیں، حلال اور جس چیز کو چاہیں، حرام قرار دے دیں۔ واضح رہے کہ عام لوگ جو کسی آسمانی کتاب کا براہِ راست علم نہیں رکھتے، اُن کو شریعت کا حکم معلوم کرنے کے لئے علماء سے رُجوع تو کرنا ہی پڑتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے شارح کی حیثیت میں اُن کی بات ماننی بھی پڑتی ہے۔ اس کا حکم خود قرآن کریم نے سورہ نحل (۱۶: ۴۳) اور سورہ انبیاء (۲۱: ۷) میں دیا ہے۔ اس حد تک تو کوئی بات قابلِ اعتراض نہیں۔ لیکن یہود و نصاریٰ نے اس سے آگے بڑھ کر اپنے علماء کو بذاتِ خود احکام وضع کرنے کا اختیار دے رکھا تھا کہ وہ آسمانی کتاب کی تشریح کے طور پر نہیں، بلکہ اپنی مرضی سے جس چیز کو چاہیں، حلال اور جس چیز کو چاہیں، حرام قرار دے دیں، خواہ اُن کا یہ حکم اللہ کی کتاب کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔

﴿۳۱﴾ لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھانے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، لیکن ان علماء کے حوالے سے خاص طور پر جو بات کہی جا رہی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ لوگ رشوت لے کر لوگوں کی مرضی کے مطابق شریعت کو توڑ موڑ ڈالتے ہیں، اور اس طرح اللہ کے مقرر کئے ہوئے صحیح راستے سے لوگوں کو روک دیتے ہیں۔



وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ  
 أَلِيمٍ ﴿٣٢﴾ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فُتُكُوا بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وظُهُورُهُمْ ۖ هَذَا  
 مَا كُنْتُمْ لَا تَفْسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٣﴾ إِنَّ عَذَابَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ  
 شَهْرًا ۖ فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ ۖ ط

اور جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کر رکھتے ہیں، اور اُس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، اُن کو ایک دردناک  
 عذاب کی ”خوشخبری“ سنا دو۔ ﴿۳۲﴾ جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اُس سے ان لوگوں کی  
 پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور کہا جائے گا کہ:) ”یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے  
 جمع کیا تھا! اب چکھو اُس خزانے کا مزہ جو تم جوڑ جوڑ کر رکھا کرتے تھے۔“ ﴿۳۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی  
 تعداد بارہ مہینے ہے، جو اللہ کی کتاب (یعنی لوح محفوظ) کے مطابق اُس دن سے نافذ چلی آتی ہے جس دن اللہ نے  
 آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ ان (بارہ مہینوں) میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔

﴿۳۲﴾ اگرچہ یہ آیت براہِ راست اُن اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بخل کی وجہ سے مال جمع کرتے رہتے تھے،  
 اور اُس کے شرعی حقوق ادا نہیں کرتے تھے، لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں، اور ان کا اطلاق اُن مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے جو مال و  
 دولت اکٹھا کرتے چلے جائیں، اور وہ حقوق ٹھیک ٹھیک ادا نہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے مال پر عائد کئے ہیں جن میں سب  
 سے اہم زکوٰۃ کی ادائیگی ہے۔

﴿۳۳﴾ سورت کے شروع میں جو اعلانِ براءت کیا گیا ہے، اُس میں بت پرستوں کی ایک قسم کو حرمت والے مہینے ختم ہونے تک  
 مہلت دی گئی تھی، اس مناسبت سے عرب کے بت پرستوں کی ایک نامعقول رسم کی تردید ضروری تھی جو آیت نمبر ۳۶ اور ۳۷  
 میں کی گئی ہے۔ اس رسم کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چاند کے چار مہینوں کو حرمت والے مہینے سمجھا  
 جاتا تھا۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ ان چار مہینوں میں جنگ کی ممانعت تھی۔ عرب کے بت پرستوں نے اگرچہ بت پرستی  
 شروع کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو بہت کچھ بدل ڈالا تھا، لیکن ان مہینوں کی حرمت کو سب تسلیم کرتے تھے، اور ان  
 میں جنگ کو ناجائز سمجھتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ ممانعت ان کو مشکل معلوم ہونے لگی، اس لئے کہ ذوالقعدہ سے محرم تک تین متواتر مہینوں  
 میں لڑائی بند رکھنا اُن کے لئے دشوار تھا، چنانچہ اس مشکل کا حل انہوں نے یہ نکالا تھا کہ وہ کسی سال میں کہہ دیتے تھے کہ اس مرتبہ  
 صفر کا مہینہ محرم سے پہلے آئے گا، یا محرم کے بجائے صفر کے مہینے کو حرمت والا مہینہ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اس طرح وہ محرم کے مہینے  
 میں لڑائی کو جائز قرار دے لیتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حج چونکہ مختلف موسموں میں آتا تھا، اس  
 لئے بعض مرتبہ وہ موسم ان کی تجارت کے لئے سازگار نہیں ہوتا تھا تو وہ حج ذوالحجہ کے بجائے کسی اور مہینے میں کر لیتے تھے، اور اُس  
 کے لئے انہوں نے کیسہ کا ایک حساب بھی گھڑ لیا تھا جس کی تفصیل امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بیان فرمائی ہے، اور حافظ



ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَاَقَاتِلُوا الْبٰشِرِكِيْنَ كَآفَّةً ۚ كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَةً ۚ وَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٤﴾ اِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهَ الْذِيْنَ كَفَرُوْا وَيُجَلُّوْنَهُ عَمَّا وُيْحَرِ مُوْنَهُ عَمَّا لِيُوْا طُوْا اَعْدَةً مَّا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُجَلُّوْا مَّا حَرَّمَ اللّٰهُ ۚ زِيْنٌ لَهُمْ سُوْءٌ اَعْمَالِهِمْ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ﴿٣٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمْ اُنْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَسَاقِلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۚ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿٣٦﴾

یہی دین (کا) سیدھا سادہ (تقاضا) ہے، لہذا ان مہینوں کے معاملے میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، اور تم سب مل کر مشرکوں سے اُسی طرح لڑو جیسے وہ سب تم سے لڑتے ہیں، اور یقین رکھو کہ اللہ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔ ﴿۳۴﴾ اور یہ نسیئ (یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا) تو کفر میں ایک مزید اضافہ ہے جس کے ذریعے کافروں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اس عمل کو ایک سال حلال کر لیتے ہیں، اور ایک سال حرام قرار دے دیتے ہیں، تاکہ اللہ نے جو مہینے حرام کئے ہیں، اُن کی بس گنتی پوری کر لیں، اور (اس طرح) جو بات اللہ نے حرام قرار دی تھی، اُسے حلال سمجھ لیں۔ ﴿۳۵﴾ ان کی بد عملی ان کی نگاہ میں خوشنما بنا دی گئی ہے، اور اللہ ایسے کافر لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔ ﴿۳۶﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا گیا کہ اللہ کے راستے میں (جہاد کے لئے) کوچ کرو تو تم بوجھل ہو کر زمین سے لگ گئے؟ کیا تم آخرت کے مقابلے میں دُنوی زندگی پر راضی ہو چکے ہو؟ (اگر ایسا ہے) تو (یاد رکھو کہ) دُنوی زندگی کا مزہ آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں، مگر بہت تھوڑا ﴿۳۷﴾

ابن جریر کی بعض روایات سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔ مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کی اس رسم کو نسیئ کہا جاتا تھا جس کا ذکر آیت نمبر ۳ میں آ رہا ہے۔

﴿۳۴﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے مہینوں کی جو ترتیب مقرر فرمائی ہے، اُس میں رد و بدل کر کے مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ جس مہینے میں لڑائی حرام تھی، اُس میں اُسے حلال کر لیا گیا جو ایک بڑا گناہ ہے، اور گناہ کا ارتکاب کرنے والا خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، کیونکہ اُس کا برا انجام اُس کی جان ہی کو بھگتنا پڑے گا۔ ساتھ ہی اس جملے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان حرمت والے مہینوں میں اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہئے، اور ان مہینوں میں گناہوں سے بچنے کی فکر اور دنوں سے زیادہ کرنی چاہئے۔

﴿۳۵﴾ یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کر کے انہوں نے چار مہینے کی گنتی تو پوری کر دی، لیکن ترتیب بدلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس مہینے میں



واقعۃ اللہ تعالیٰ نے لڑائی حرام قرار دی تھی، اُس میں انہوں نے لڑائی کو حلال کر لیا۔

(۳۶) یہاں سے غزوہ تبوک کے مختلف پہلوؤں کا بیان شروع ہو رہا ہے جو اس سورت کے تقریباً آخر تک چلا گیا ہے۔ اس غزوے کا واقعہ مختصر اُیہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ اور غزوہ حنین کے سفر سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو کچھ عرصہ بعد شام سے آنے والے کچھ سوداگروں نے مسلمانوں کو بتایا کہ رومی سلطنت کا بادشاہ ہرقل مدینہ منورہ پر ایک زوردار حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے، جس کے لئے اُس نے ایک بڑا لشکر شام اور عرب کی سرحد پر جمع کر لیا ہے، اور اپنے فوجیوں کو سال بھر کی تنخواہ پیشگی دے دی ہے۔ صحابہ کرام اگرچہ اب تک بہت سی جنگیں لڑ چکے تھے، مگر وہ سب جزیرہ عرب کے اندر تھیں، یہ پہلا موقع تھا کہ دُنیا کی مانی ہوئی ایک بڑی طاقت سے مقابلہ پیش آرہا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ ہرقل کے حملے کا انتظار کئے بغیر خود پیش قدمی کی جائے، اور خود وہاں پہنچ کر مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے مدینہ منورہ کے تمام مسلمانوں کو اس جنگ میں شریک ہونے کے لئے تیاری کا حکم دیا۔ مسلمانوں کے لئے یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔ اول تو دس سال کی متواتر جنگوں کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ فتح مکہ کے بعد سکون کے کچھ لمحات میسر آئے تھے۔ دوسرے جس وقت اس جنگ کے لئے روانہ ہونا تھا، وہ ایسا وقت تھا کہ مدینہ منورہ کے نخلستانوں میں کھجوریں پک رہی تھیں۔ انہی کھجوروں پر اہل مدینہ کی سال بھر کی معیشت کا دار و مدار تھا، ایسی حالت میں باغات کو چھوڑ کر جانا نہایت مشکل تھا۔ تیسرے یہ عرب میں گرمی کا سخت ترین موسم تھا جس میں آسمان سے آگ برستی اور زمین سے شعلے نکلتے محسوس ہوتے ہیں۔ چوتھے تبوک کا سفر بہت لمبا تھا، اور تقریباً آٹھ سو میل کا یہ پورا راستہ لُق و دُق صحراؤں پر مشتمل تھا۔ پانچویں سفر کے لئے سواریاں کم تھیں۔ چھٹے اس سفر کا مقصد رومی سلطنت سے ٹکر لینا تھا جو اُس وقت نہ صرف یہ کہ دُنیا کی سب سے بڑی طاقت تھی، بلکہ اُس کے طریق جنگ سے بھی اہل عرب پوری طرح مانوس نہیں تھے۔ غرض ہر اعتبار سے یہ انتہائی مشقت، جان و مال اور جذبات کی قربانی کا جہاد تھا جس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار صحابہ کرام کے لشکر کے ساتھ تبوک روانہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہرقل اور اُس کے لشکر پر آپ کی اس جرأت مندانہ پیش قدمی کا ایسا رعب طاری فرمادیا کہ وہ سب واپس چلے گئے، اور مقابلے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ مذکورہ بالا مشکل حالات کے باوجود صحابہ کرام کی بھاری اکثریت ماتھے پر بل لائے بغیر جاں نثاری کے جذبے سے اس مہم میں شریک ہوئی۔ البتہ کچھ صحابہ ایسے بھی تھے جنہیں یہ سفر بھاری معلوم ہوا، اور شروع میں انہیں کچھ تردد رہا، لیکن آخر کار وہ لشکر میں شامل ہو گئے۔ اور چند ایسے بھی تھے جو اس تردد کی وجہ سے آخر تک فیصلہ نہ کر سکے، اور سفر میں شرکت سے محروم رہے۔ دوسری طرف وہ منافقین تھے جو ظاہری طور پر تو مسلمان ہو گئے تھے، لیکن اندر سے مسلمان نہیں تھے۔ ایسی سخت مہم میں مسلمانوں کا ساتھ دینا اُن کے لئے ممکن ہی نہیں تھا، اس لئے وہ مختلف حیلوں بہانوں سے مدینہ منورہ میں رُک گئے، اور ساتھ نہیں گئے۔ اس سورت کی آنے والی آیات میں ان سب قسم کے لوگوں کا ذکر آیا ہے، اور اُن کے طرزِ عمل پر تبصرہ فرمایا گیا ہے۔ آیت نمبر ۳۸ میں جن لوگوں کو ملامت کی گئی ہے، اُن سے مراد منافقین بھی ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو“ اُن کے ظاہری دعوے کے مطابق فرمایا گیا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خطاب اُن صحابہ کرام سے ہو جن کے دل میں تردد پیدا ہوا تھا۔ البتہ آیت نمبر ۴۲ سے تمام تر بیان منافقین ہی کا ہے۔



إِلَّا تَنْفَرُوا يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾ إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذَا خَرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِي اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۰﴾ انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۱﴾

اگر تم کوچ نہیں کرو گے تو اللہ تمہیں دردناک سزا دے گا، اور تمہاری جگہ کوئی اور قوم لے آئے گا، اور تم اُسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۳۹﴾ اگر تم ان کی (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی) مدد نہیں کرو گے، تو (ان کا کچھ نقصان نہیں، کیونکہ) اللہ ان کی مدد اُس وقت کر چکا ہے، جب ان کو کافروں نے ایسے وقت (مکہ سے) نکالا تھا جب وہ دو آدمیوں میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ: ”غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“ چنانچہ اللہ نے ان پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی، اور اُن کی ایسے لشکروں سے مدد کی جو تمہیں نظر نہیں آئے، اور کافروں کا بول بچا کر دکھایا، اور بول تو اللہ ہی کا بالا ہے۔ اور اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۴۰﴾ (جہاد کے لئے) نکل کھڑے ہو، چاہے تم ہلکے ہو یا بوجھل، اور اپنے مال و جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے ﴿۴۱﴾

﴿۳۹﴾ یہ ہجرت کے واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے ایک رفیق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکلے تھے، اور تین دن تک غارِ ثور میں روپوش رہے تھے۔ مکہ مکرمہ کے کافر سرداروں نے آپ کی تلاش کے لئے چاروں طرف لوگ دوڑائے ہوئے تھے، اور آپ کو گرفتار کرنے کے لئے سو اونٹوں کا انعام مقرر کیا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ آپ کو تلاش کرنے والے کھوجی غارِ ثور کے منہ تک پہنچ گئے، اور اُن کے پاؤں حضرت صدیق اکبر کو نظر آنے لگے جس کی وجہ سے اُن پر گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے۔ لیکن حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اُن سے فرمایا تھا کہ: ”غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے غار کے دہانے پر مکڑی سے جال اتوا دیا، اور وہ لوگ اُسے دیکھ کر واپس چلے گئے۔ اس واقعے کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے، اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد کافی ہے، لیکن خوش نصیبی اُن لوگوں کی ہے جو آپ کی نصرت کی سعادت حاصل کریں۔



لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَا تَبْعُوكَ وَلَكِنْ بَعَدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۖ وَ  
 سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا خَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ  
 لَكَاذِبُونَ ۚ عَفَا اللَّهُ عَنْكَ ۚ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ  
 الْكَاذِبِينَ ۚ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ  
 وَأَنْفُسِهِمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۚ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
 الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَايِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ۚ

اگر دنیا کا سامان کہیں قریب ملنے والا ہوتا، اور سفر درمیانہ قسم کا ہوتا، تو یہ (منافق لوگ) ضرور تمہارے پیچھے ہو لیتے، لیکن یہ کٹھن فاصلہ ان کے لئے بہت دور پڑ گیا۔ اور اب یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں استطاعت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکل جاتے۔ یہ لوگ اپنی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں ۚ (اے پیغمبر!) اللہ نے تمہیں معاف کر دیا ہے، (مگر) تم نے ان کو (جہاد میں شریک نہ ہونے کی) اجازت اس سے پہلے ہی کیوں دے دی کہ تم پر یہ بات کھل جاتی کہ کون ہیں جنہوں نے سچ بولا ہے، اور تم جھوٹوں کو بھی اچھی طرح جان لیتے ۚ جو لوگ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، وہ اپنے مال و جان سے جہاد نہ کرنے کے لئے تم سے اجازت نہیں مانگتے، اور اللہ متقی لوگوں کو خوب جانتا ہے ۚ تم سے اجازت تو وہ لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں، اور وہ اپنے شک کی وجہ سے ڈانوا ڈول ہیں ۚ

(۳۸) دراصل تنبیہ تو یہ کرنی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو جہاد سے الگ رہنے کی اجازت کیوں دی؟ لیکن یہ محبت بھرا انداز ملاحظہ فرمائیے کہ تنبیہ کرنے سے پہلے ہی معافی کا اعلان فرمادیا، کیونکہ اگر پہلے تنبیہ کی جاتی اور معافی کا اعلان بعد میں آتا تو اس درمیانی وقت میں آپ پر نہ جانے کیا کیفیت گذر جاتی۔ بہر حال! مطلب یہ ہے کہ ان منافقین کو جہاد میں جانا تو تھا ہی نہیں، اور جیسا کہ آگے آیت ۴۷ میں فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ بھی نہیں چاہتا تھا کہ یہ لشکر میں شامل ہو کر فساد مچائیں، لیکن اگر آپ انہیں جہاد سے الگ رہنے کی اجازت نہ دیتے تو یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی کہ یہ نافرمان لوگ ہیں۔ بحالتِ موجودہ جبکہ یہ لوگ اجازت لے چکے ہیں، ایک طرف تو یہ مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم تو باقاعدہ اجازت لے کر مدینہ منورہ میں رہے، اور دوسری طرف اپنے لوگوں سے شیخی بگھاریں گے کہ دیکھو ہم نے مسلمانوں کو کیسا دھوکا دیا۔



وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَا عُدَّةَ لَهُ عَدَّةٌ وَلَكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿٣٩﴾ لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَا أُضْعَوُا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَعُونَ لَهُمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾ لَقَدْ ابْتَغُوا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّى جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَرِهُونَ ﴿٤١﴾

اگر ان کا ارادہ نکلنے کا ہوتا تو اُس کے لئے انہوں نے کچھ نہ کچھ تیاری کی ہوتی۔<sup>(۳۹)</sup> لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا پسند ہی نہیں کیا، اس لئے انہیں ست پڑا رہنے دیا، اور کہہ دیا گیا کہ جو (اپنا حج ہونے کی وجہ سے) بیٹھے ہیں، اُن کے ساتھ تم بھی بیٹھ رہو۔ ﴿۳۹﴾ اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوتے تو سوائے فساد پھیلانے کے تمہارے درمیان کوئی اور اضافہ نہ کرتے، اور تمہارے لئے فتنہ پیدا کرنے کی کوشش میں تمہاری صفوں کے درمیان دوڑے دوڑے پھرتے۔ اور خود تمہارے درمیان ایسے لوگ موجود ہیں جو اُن کے مطلب کی باتیں خوب سنتے ہیں،<sup>(۴۰)</sup> اور اللہ ان ظالموں کو اچھی طرح جانتا ہے ﴿۴۰﴾ ان لوگوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، اور یہ تمہیں نقصان پہنچانے کے لئے معاملات کی الٹ پھیر کرتے رہے ہیں، یہاں تک کہ حق آیا، اللہ کا حکم غالب ہوا، اور یہ کڑھتے رہ گئے۔<sup>(۴۱)</sup> ﴿۴۱﴾

﴿۳۹﴾ یہ آیت بتا رہی ہے کہ انسان کا کوئی عذر اُس وقت مانا جاسکتا ہے جب اُس نے اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش اور تیاری پوری کی ہو، پھر کوئی غیر اختیاری وجہ ایسی پیش آگئی ہو جس کی بنا پر وہ اپنا فریضہ ادا نہیں کر سکا۔ لیکن کسی قسم کی کوشش اور تیاری کے بغیر یہ کہہ دینا کہ ہم معذور ہیں، قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کوئی شخص فجر کے وقت بیدار ہونے کی تیاری پوری کرے، الارم لگائے، یا کسی کو بیدار کرنے پر مقرر کرے، پھر آنکھ نہ کھلے تو بیشک معذور ہے، لیکن تیاری کچھ نہ کی ہو، اور پھر آنکھ نہ کھلنے کا عذر پیش کرے تو یہ عذر معتبر نہیں ہے۔

﴿۴۰﴾ اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ بعض سادہ لوح مسلمان ان لوگوں کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں، اس لئے ان کی باتیں سن کر انہیں خلوص پر مبنی سمجھتے ہیں، اس لئے اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ لشکر میں موجود ہوتے تو ان سادہ لوح مسلمانوں کو ورغلا کر فساد کا بیج بونے کی کوشش کرتے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ یہ منافقین خود تو لشکر میں شامل نہیں ہوئے، لیکن ان کے جاسوس تمہاری صفوں میں موجود ہیں جو تمہاری باتیں سنتے ہیں، اور جن باتوں سے منافقین کوئی فائدہ اٹھا سکتے ہوں، ان کی خبریں اُن تک پہنچاتے ہیں۔

﴿۴۱﴾ اس سے مسلمانوں کی فتوحات کی طرف اشارہ ہے جن میں فتح مکہ اور غزوہ حنین کی فتح سرفہرست ہے۔ منافقین کی پوری کوشش تو یہ تھی کہ مسلمان کامیاب نہ ہونے پائیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم غالب آیا، اور یہ منہ دیکھتے رہ گئے۔



وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ اٰذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّي ۚ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۗ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَحِيطَةٌ  
 بِالْكَافِرِيْنَ ۝۴۹ اِنْ تُصِْبَكَ حَسَنَةٌ تَّسُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِْبَكَ مُصِيْبَةٌ يَقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَا اٰمْرًا  
 مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۰ قُلْ لَّنْ يُصِيْبُنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۗ هُوَ مَوْلَانَا ۗ وَعَلَى  
 اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۵۱ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَا اِلَّا اَحَدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۚ وَنَحْنُ  
 نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُصِيبَكُمْ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖ اَوْ بِاَيِّدِنَا ۚ فَتَرَبَّصُوْا اِنَّا مَعَكُمْ  
 مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝۵۲ قُلْ اَنفِقُوْا طَوْعًا وَّكَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۚ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَسٰقِيْنَ ۝۵۳

اور انہی میں وہ صاحب بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ: ”مجھے اجازت دے دیجئے، اور مجھے فتنے میں نہ ڈالئے۔“ (۴۹) ارے فتنے ہی  
 میں تو یہ خود پڑے ہوئے ہیں! اور یقین رکھو کہ جہنم سارے کافروں کو گھیرے میں لینے والی ہے۔ (۵۰) اگر تمہیں کوئی بھلائی  
 مل جائے تو انہیں دکھ ہوتا ہے، اور اگر تم پر کوئی مصیبت آ پڑے تو کہتے ہیں کہ: ”ہم نے تو پہلے ہی اپنا بچاؤ کر لیا تھا“ اور  
 (یہ کہہ کر) بڑے خوش خوش واپس چلے جاتے ہیں (۵۱) کہہ دو کہ: ”اللہ نے ہمارے مقدر میں جو تکلیف لکھ دی ہے،  
 ہمیں اُس کے سوا کوئی اور تکلیف ہرگز نہیں پہنچ سکتی۔ وہ ہمارا رکھوالا ہے، اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔“ (۵۲)  
 کہہ دو کہ: ”تم ہمارے لئے جس چیز کے منتظر ہو، وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ (آخر کار) دو بھلائیوں میں سے ایک نہ  
 ایک بھلائی ہمیں ملے۔“ اور ہمیں تمہارے بارے میں انتظار اس کا ہے کہ اللہ تمہیں اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سزا  
 دے۔ بس اب انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں“ (۵۳) کہہ دو کہ: ”تم اپنا مال چاہے خوشی خوشی چندے میں دو، یا  
 بددلی سے، وہ تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔“ تم ایسے لوگ ہو جو مسلسل نافرمانی کرتے رہے ہو“ (۵۴)

(۴۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ منافقین میں ایک شخص جد بن قیس تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 اُس کو غزوہ تبوک میں شامل ہونے کی دعوت دی تو اُس نے کہا کہ: ”یا رسول اللہ! میں بڑا زن پرست آدمی ہوں، جب روم کی  
 خوبصورت عورتوں کو دیکھوں گا تو مجھ سے صبر نہیں ہو سکے گا، اور میں فتنے میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ لہذا مجھے اجازت دے دیجئے کہ میں  
 اس جنگ میں شریک نہ ہوں، اور اس طرح مجھے فتنے میں مبتلا ہونے سے بچا لیجئے۔“ اس آیت میں اُس کی طرف اشارہ ہے  
 (روح المعانی بحوالہ ابن المنذر وطبرانی وابن مردویہ)۔

(۴۳) یعنی یا تو ہمیں فتح ہو، یا ہم اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو جائیں، اور ہمارے لئے یہ دونوں باتیں بھلائی کی ہیں۔ تم  
 سمجھتے ہو کہ اگر ہم شہید ہو گئے تو ہمارا نقصان ہوگا، حالانکہ شہادت نقصان کا نہیں بڑے فائدے کا سودا ہے۔

(۴۴) جد بن قیس جس کا ذکر اوپر آیا ہے، اُسی کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ اُس نے جنگ میں جانے سے تو مذکورہ بالا  
 بے ہودہ عذر پیش کیا تھا، لیکن یہ کہا تھا کہ اُس کے بدلے میں اپنا مال چندے میں دوں گا (ابن جریر ج: ۱۰ ص: ۱۵۲)۔ اس  
 کے جواب میں یہ آیت منافقین کے چندے کے ناقابل قبول ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔



وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ  
 إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كُرْهُونَ ﴿٥٣﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا  
 يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَرْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿٥٤﴾ وَيَحْلِفُونَ  
 بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ﴿٥٥﴾ لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأًا وَغُرَاتٍ  
 أَوْ مَدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْحَدُونَ ﴿٥٦﴾

اور ان کے چندے قبول کئے جانے میں رکاوٹ کی کوئی اور وجہ اس کے سوا نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول  
 کے ساتھ کفر کا معاملہ کیا ہے، اور یہ نماز میں آتے ہیں تو کسمساتے ہوئے آتے ہیں، اور (کسی نیکی میں) خرچ کرتے ہیں  
 تو برا مانتے ہوئے خرچ کرتے ہیں ﴿۵۳﴾ تمہیں ان کے مال اور اولاد (کی کثرت) سے تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تو یہ چاہتا  
 ہے کہ انہی چیزوں سے ان کو دُنیوی زندگی میں عذاب دے، اور ان کی جان بھی کفر ہی کی حالت میں نکلے ﴿۵۴﴾ یہ اللہ کی  
 قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں، بلکہ وہ ڈرپوک لوگ ہیں ﴿۵۵﴾ اگر ان کو کوئی پناہ  
 گاہ مل جاتی، یا کسی قسم کے غار مل جاتے، یا گھس بیٹھنے کی اور کوئی جگہ، تو یہ بے لگام بھاگ کر ادھر ہی کا رخ کر لیتے۔ ﴿۵۶﴾

﴿۳۵﴾ یہ آیت دُنیوی مال و دولت کے بارے میں ایک بڑی عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مال و  
 دولت بذاتِ خود کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے انسان اپنی زندگی کا مقصد بنائے۔ انسان کا اصل مقصد زندگی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا  
 حصول اور آخرت کی بہتری کا سامان کرنا ہونا چاہئے۔ البتہ چونکہ دُنیا میں زندہ رہنے کے لئے مال کی ضرورت ہے، اس لئے جائز  
 ذرائع سے اُس کو حاصل کرنا پڑتا ہے، لیکن یہاں بھی یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ دُنیا کی ضرورت پوری کرنے کے لئے بھی مال اپنی  
 ذات میں کوئی فائدہ براہِ راست نہیں پہنچاتا، بلکہ وہ راحت و آرام کے وسائل حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ لیکن جب انسان مال  
 کو بذاتِ خود مقصدِ زندگی بنا لیتا ہے، اور ہر وقت اس فکر میں پڑا رہتا ہے کہ مال کی گنتی میں کس طرح اضافہ ہو تو وہ بے چارہ یہ بھول  
 جاتا ہے کہ اُس نے اس فکر میں اپنی راحت اور آرام تک کو قربان کر ڈالا ہے۔ بینک بیلنس میں بیشک اضافہ ہو رہا ہے، لیکن نہ دن کا  
 چین میسر ہے، نہ رات کا آرام، نہ بیوی بچوں سے بات کرنے کی فرصت ہے، نہ آرام کے وسائل سے مزہ لینے کا وقت۔ پھر اگر کبھی  
 اس مال میں نقصان ہو جائے تو رنج و غم کے پہاڑ سر پر ٹوٹ پڑتے ہیں، کیونکہ یہ تصور تو ہے ہی نہیں کہ اس نقصان کا بدلہ آخرت میں  
 مل سکے گا۔ اس طرح اگر غور سے دیکھو تو یہ مال و دولت نعمت بننے کے بجائے انسان کے لئے دُنیا ہی میں عذاب بن جاتا ہے۔ یہی  
 حال اولاد کا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق نہ ہو تو وہ بکثرت انسان کے لئے مصیبت بن جاتی ہے۔

﴿۳۶﴾ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا جو اعلان کیا ہے، وہ مسلمانوں کے ڈر سے کیا ہے، ورنہ ان کے دل  
 میں ایمان نہیں ہے، چنانچہ اگر ان کو کوئی ایسی پناہ گاہ مل جاتی جہاں یہ بھاگ کر چھپ سکتے تو یہ مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کے  
 بجائے وہاں جا چھپتے۔



وَمِنْهُمْ مَّنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ ۖ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿٥٩﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ ۚ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴿٦٠﴾ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَبْدِلِينَ عَلَيْهَا السُّؤْلُفَةُ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَرَمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦١﴾ وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۗ قُلْ أُذُنُ خَيْرٌ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ ۗ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٢﴾

اور انہی (منافقین) میں وہ بھی ہیں جو صدقات (کی تقسیم) کے بارے میں آپ کو طعنہ دیتے ہیں۔ چنانچہ اگر انہیں صدقات میں سے (ان کی مرضی کے مطابق) دے دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں، اور اگر ان میں سے انہیں نہ دیا جائے تو ذرا سی دیر میں ناراض ہو جاتے ہیں ﴿۵۹﴾ جو کچھ بھی انہیں اللہ اور اس کے رسول نے دے دیا تھا، کیا اچھا ہوتا کہ یہ اُس پر راضی رہتے، اور یہ کہتے کہ: ”اللہ ہمارے لئے کافی ہے، آئندہ اللہ اپنے فضل سے ہمیں نوازے گا، اور اُس کا رسول بھی! ہم تو اللہ ہی سے لو لگائے ہوئے ہیں۔“ ﴿۵۹﴾ صدقات تو دراصل حق ہے فقیروں کا، مسکینوں کا، اور ان اہلکاروں کا جو صدقات کی وصولی پر مقرر ہوتے ہیں، اور ان کا جن کی ولداری مقصود ہے۔ نیز انہیں غلاموں کو آزاد کرنے میں، اور قرض داروں کے قرضے ادا کرنے میں، اور اللہ کے راستے میں، اور مسافروں کی مدد میں خرچ کیا جائے۔ یہ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے! اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۶۰﴾ اور انہی (منافقین) میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو دُکھ پہنچاتے ہیں، اور (اُن کے بارے میں) یہ کہتے ہیں کہ: ”وہ تو سراپا کان ہیں۔“ کہہ دو کہ: ”وہ کان ہیں اُس چیز کے لئے جو تمہارے لئے بھلائی ہے۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور مومنوں کی بات کا یقین کرتے ہیں، اور تم میں سے جو (ظاہری طور پر) ایمان لے آئے ہیں، اُن کے لئے وہ رحمت (کا معاملہ کرنے والے) ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے رسول کو دُکھ پہنچاتے ہیں، اُن کے لئے دُکھ دینے والا عذاب تیار ہے ﴿۶۱﴾

﴿۴۷﴾ تفسیر ابن جریر میں کئی روایات اس قسم کی نقل کی گئی ہیں جن میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات تقسیم فرمائے تو کچھ منافقین نے آپ پر اعتراض کیا کہ یہ تقسیم (معاذ اللہ) انصاف کے مطابق نہیں ہے۔ وجہ یہ تھی کہ ان منافقوں کو ان کے مطلب کے مطابق نہیں دیا گیا تھا۔

﴿۴۸﴾ فقیر اور مسکین ملتے جلتے لفظ ہیں۔ لغت کے اعتبار سے بعض لوگوں نے دونوں میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو، اور فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ ہو، مگر ضرورت سے کم ہو۔ اور بعض حضرات نے فرق اس کے برعکس بیان کیا



ہے۔ لیکن زکوٰۃ کے حکم میں دونوں برابر ہیں۔ اور حکم یہ ہے کہ جس شخص کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا بنیادی ضرورت سے زیادہ سامان موجود نہ ہو، اُس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ تفصیل کے لئے فقہ کی کتابیں دیکھی جائیں۔

(۴۹) اسلامی حکومت کا ایک اہم کام یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ جمع کر کے مستحقین میں تقسیم کرے۔ اس غرض کے لئے جواہلِ کار مقرر کئے جائیں، ان کی تنخواہ یا وظیفہ بھی زکوٰۃ سے دیا جاسکتا ہے۔

(۵۰) اس سے مراد وہ نو مسلم ہیں جو ضرورت مند ہوں، اور اس بات کی ضرورت محسوس کی جائے کہ ان کو اسلام پر جے رکھنے کے لئے ان کی دلداری کی جانی چاہئے۔ اصطلاح میں ایسے لوگوں کو ”مؤلفۃ القلوب“ کہا جاتا ہے۔

(۵۱) جس زمانے میں غلامی کا رواج تھا، اس دور میں بعض غلاموں کے آقا اُن سے یہ کہہ دیتے تھے کہ اگر تم اتنی رقم لا کر ہمیں دے دو تو تم آزاد ہو۔ ایسے غلاموں کو بھی آزادی حاصل کرنے کے لئے زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا تھا۔

(۵۲) اس سے مراد وہ مقروض لوگ ہیں جن پر اتنا قرضہ ہو کہ ان کے اثاثے قرضے کی ادائیگی کے لئے کافی نہ ہوں، یا اگر وہ اپنے سارے اثاثے قرض میں دے دیں تو اُن کے پاس نصاب، یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر مال باقی نہ رہے۔

(۵۳) ”اللہ کے راستے“ کا لفظ قرآن کریم میں اکثر جہاد کے لئے استعمال ہوا ہے۔ لہذا اس سے مراد وہ شخص ہے جو جہاد پر جانا چاہتا ہو، لیکن اُس کے پاس سواری وغیرہ نہ ہو۔ بعض دوسرے حاجت مند لوگوں کو بھی فقہاء نے اس حکم میں شامل کیا ہے، مثلاً جس شخص پر حج فرض ہو چکا ہو، لیکن اب اُس کے پاس اتنے پیسے نہ رہے ہوں کہ وہ حج کر سکے۔

(۵۴) ”مسافر“ سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس چاہے اپنے وطن میں نصاب کے برابر مال موجود ہو، لیکن سفر میں اُس کے پاس اتنے پیسے نہ رہے ہوں جن سے وہ اپنی سفر کی ضروریات پوری کر کے واپس وطن جاسکے۔ واضح رہے کہ زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصارف جو یہاں قرآن کریم نے ذکر کئے ہیں، اُن کی بہت مختصر تشریح اوپر کی گئی ہے۔ عمل کے وقت کسی عالم سے سمجھ کر زکوٰۃ خرچ کرنی چاہئے، کیونکہ ان تمام مصارف میں شرعی احکام کی بہت سی تفصیلات ہیں جن کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے۔

(۵۵) یہ عربی زبان کے ایک محاورے کا لفظی ترجمہ ہے۔ عربی محاورے میں جب کوئی شخص ہر ایک کی بات سن کر اُس پر یقین کر لیتا ہو، اُس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ تو ”نرا کان ہے“ یا ”سراپا کان ہے“۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اردو میں کہا جاتا ہے کہ ”وہ کچے کانوں کا ہے“۔ منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ گستاخانہ جملہ آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے بولا تھا، اور مقصد یہ تھا کہ اگر کبھی ہماری سازش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کھل بھی گئی تو ہم باتیں بنا کر آپ کو راضی کر لیں گے، کیونکہ وہ ہر ایک کی بات کا یقین کر لیتے ہیں۔

(۵۶) منافقین کے مذکورہ بالا جملے کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ سب سے پہلے کان لگا کر جو بات سنتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو درحقیقت تم سب لوگوں کی بھلائی کے لئے نازل ہوتی ہے۔ دوسرے وہ سچے مومنوں کی بات سن کر اُس پر واقعی یقین کر لیتے ہیں، کیونکہ اُن کے بارے میں آپ کو یقین ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے۔ تیسرے وہ اُن منافقوں کی بات بھی سنتے ہیں جو ظاہری طور پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اُن سے دھوکا کھا جاتے ہیں، بلکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفقت اور رحمت کا پیکر بنایا ہے، اس کی وجہ سے حتی الامکان وہ ہر ایک سے رحمت کا معاملہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ منافقین کی باتوں کی تردید کے بجائے آپ خاموش رہتے ہیں۔



يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضَوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٢٢﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿٢٣﴾ يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنْزَلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهِزْءُوا إِنَّا اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلِ أ بِاللّٰهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٢٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ إِنْ نَعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٢٦﴾

الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۚ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۚ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿٢٧﴾

(مسلمانو!) یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں اس لئے کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں، حالانکہ اگر یہ واقعی مؤمن ہوں تو اللہ اور اس کے رسول اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ یہ ان کو راضی کریں ﴿۲۲﴾ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول سے ٹکر لے تو یہ بات طے ہے کہ اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا؟ یہ بڑی بھاری رسوائی ہے! ﴿۲۳﴾ منافق لوگ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کہیں کوئی ایسی سورت نازل نہ کر دی جائے جو انہیں ان (منافقین) کے دلوں کی باتیں بتلا دے۔ کہہ دو کہ: ”(اچھا!) تم مذاق اڑاتے رہو؛ اللہ وہ بات ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے تھے۔“ ﴿۲۴﴾ اور اگر تم ان سے پوچھو تو یہ یقیناً یوں کہیں گے کہ: ”ہم تو ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔“ کہو کہ: ”کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ دل لگی کر رہے تھے؟“ ﴿۲۵﴾ بہانے نہ بناؤ، تم ایمان کا اظہار کرنے کے بعد کفر کے مرتکب ہو چکے ہو۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معافی دے بھی دیں، تو دوسرے گروہ کو ضرور سزا دیں گے، ﴿۲۶﴾ کیونکہ وہ مجرم لوگ ہیں۔ منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی طرح کے ہیں۔ وہ برائی کی تلقین کرتے ہیں، اور بھلائی سے روکتے ہیں، اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے، تو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا۔ بلاشبہ یہ منافق بڑے نافرمان ہیں ﴿۲۷﴾

(۵۷) منافقین اپنی نجی محفلوں میں مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے، اور اگر کبھی کوئی پوچھتا تو کہتے کہ ہم تو یہ باتیں دل لگی میں کرتے ہیں، سچ مچ نہیں کرتے۔ آیات ۶۳ تا ۶۶ ان کے اس طرز عمل پر تبصرہ کر رہی ہیں۔

(۵۸) یعنی منافقوں میں سے جو لوگ نفاق سے توبہ کر لیں گے انہیں معاف کر دیا جائے گا، اور جو توبہ نہیں کریں گے انہیں ضرور سزا ملے گی۔

(۵۹) ہاتھوں کو بند رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کنجوس ہیں۔ جہاں خرچ کرنا چاہئے وہاں خرچ نہیں کرتے۔



وَعَدَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارِنَا رَجَهَنَّ خُلْدَيْنَ فِيهَا ۖ هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝۹۹ كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَكَثَرُوا مَالًا وَآوْلَادًا ۖ فَاسْتَعْتَبُوا بِخَلْقِهِمْ فَاُتْمَعْتَغْتُمْ بِخَلْقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعْتُمُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلْقِهِمْ وَخُصْتُمْ كَالَّذِي خَاصُّوا ۖ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝۱۰۰ أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۖ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ ۖ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝۱۰۱ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۖ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۖ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۖ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝۱۰۲

اللہ نے منافق مردوں، منافق عورتوں اور تمام کافروں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہی اُن کو اس آئے گی۔ اللہ نے ان پر پھٹکار ڈال دی ہے، اور ان کے لئے اٹل عذاب ہے۔ ۱۰۰ (منافقو!) تم انہی لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ وہ طاقت میں تم سے مضبوط تر اور مال اور اولاد میں تم سے کہیں زیادہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے حصے کے مزے اڑائے، پھر تم نے اُسی طرح اپنے حصے کے مزے اڑائے، جیسے تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصے کے مزے اڑائے تھے، اور تم بھی ویسی ہی بے ہودہ باتوں میں پڑے جیسے وہ پڑے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے اعمال دُنیا اور آخرت میں غارت ہو گئے، اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے خسارے کا سودا کیا۔ ۱۰۱ کیا ان (منافقوں) کو اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے گزرے ہیں؟ نوح کی قوم، اور عاد و ثمود، ابراہیم کی قوم، مدین کے باشندے، اور وہ بستیاں جنہیں اُلٹ ڈالا گیا! ۱۰۲ ان سب کے پاس ان کے رسول روشن دلائل لے کر آئے تھے۔ پھر اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن یہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔ ۱۰۳ اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کی تلقین کرتے ہیں، اور برائی سے روکتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اُس کے رسول کی فرماں برداری کرتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ اپنی رحمت سے نوازے گا۔ یقیناً اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک! ۱۰۴



وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكِنٍ  
طَيِّبَةٍ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ۖ وَرِضْوَانٍ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝<sup>(۹۲)</sup> يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ  
جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝<sup>(۹۳)</sup> يَحْلِفُونَ  
بِاللَّهِ مَا قَالُوا ۖ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَبُوا بِهَالِكُم مِّمَّا لَوْ أَنَّ  
نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ ۚ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا  
يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَالُهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝<sup>(۹۴)</sup>  
وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝<sup>(۹۵)</sup> فَلَمَّآ  
اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝<sup>(۹۶)</sup> فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمٍ  
يَلْقَوْنَہٗ بِمَا اٰخَفَوْا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝<sup>(۹۷)</sup>

اللہ نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے وعدہ کیا ہے اُن باغات کا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور اُن پاکیزہ مکانات کا جو سدا بہار باغات میں ہوں گے۔ اور اللہ کی طرف سے خوشنودی تو سب سے بڑی چیز ہے (جو جنت والوں کو نصیب ہوگی) یہی تو زبردست کامیابی ہے ۝<sup>(۹۲)</sup>

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو، اور اُن پر سختی کرو۔ اُن کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ ۝<sup>(۹۳)</sup> یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھا جاتے ہیں کہ انہوں نے فلاں بات نہیں کہی، حالانکہ انہوں نے کفر کی بات کہی ہے، اور اپنے اسلام لانے کے بعد انہوں نے کفر اختیار کیا ہے۔ انہوں نے وہ کام کرنے کا ارادہ کر لیا تھا جس میں یہ کامیابی حاصل نہ کر سکے، اور انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا کہ اللہ اور اُس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے مال دار بنا دیا ہے۔ ۝<sup>(۹۴)</sup>

اب اگر یہ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا، اور اگر یہ منہ موڑیں گے تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا، اور روئے زمین پر ان کا نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار۔ ۝<sup>(۹۵)</sup> اور انہی میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہمیں نوازے گا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے، اور یقیناً نیک لوگوں میں شامل ہو جائیں گے ۝<sup>(۹۶)</sup> لیکن جب اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے نواز تو اس میں بخل کرنے لگے، اور منہ موڑ کر چل دیئے۔ ۝<sup>(۹۷)</sup> نتیجہ یہ کہ اللہ نے سزا کے طور پر نفاق ان کے دلوں میں اُس دن تک کے لئے جمادیا ہے جس دن وہ اللہ سے جا کر ملیں گے، کیونکہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا، اُس کی خلاف ورزی کی، اور کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے ۝<sup>(۹۸)</sup>

(۹۱) جہاد کے اصل معنی جدوجہد اور محنت و کوشش کے ہیں۔ دین کی حفاظت اور دفاع کے لئے یہ کوشش مسلح لڑائی کی شکل میں بھی



ہو سکتی ہے، اور زبانی دعوت و تبلیغ اور بحث و مباحثہ کی صورت میں بھی۔ کھلے کافروں کے ساتھ یہاں جہاد کے پہلے معنی مراد ہیں، اور منافقین کے ساتھ جہاد کے دوسرے معنی مقصود ہیں۔ چونکہ منافقین زبان سے اسلام لانے کا اظہار کرتے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شرارتوں کے باوجود یہ حکم دیا کہ دنیا میں ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا ہی معاملہ کیا جائے۔ اس لئے ان کے ساتھ جہاد کا مطلب زبانی جہاد ہے، اور ان پر سختی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اول تو گفتگو میں ان کے ساتھ کوئی رعایت نہ برتی جائے، دوسرے اگر ان سے کوئی قابلِ سزا جرم سرزد ہو تو انہیں معافی نہ دی جائے۔

(۶۲) منافقین کا یہ وطیرہ تھا کہ وہ اپنی مجلسوں میں کافرانہ باتیں کہتے رہتے تھے، لیکن جب ان سے پوچھا جاتا تو وہ صاف انکار کر دیتے، اور قسم بھی کھا لیتے کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی۔ مثلاً ایک مرتبہ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے بارے میں ایک انتہائی گستاخانہ بات کہی تھی جسے نقل کرنا بھی مشکل ہے، اور اس کے بعد کہا تھا کہ: ”جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو ہم میں سے باعزت لوگ ذیلیوں کو نکال باہر کریں گے۔“ اس کا ذکر خود قرآن کریم نے سورہ منافقون (۸: ۶۳) میں فرمایا ہے۔ لیکن جب اُس سے پوچھا گیا تو مکر گیا، اور قسمیں کھانے لگا کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا (روح المعانی بحوالہ ابن جریر وابن المنذر وغیرہ)۔

(۶۳) مراد یہ ہے کہ اگرچہ دل سے تو وہ کبھی اسلام نہیں لائے تھے، لیکن کم از کم زبان سے اسلام کا اقرار کرتے تھے۔ اس بات کے بعد انہوں نے زبان سے بھی کفر اختیار کر لیا۔

(۶۴) یہ کسی ایسے واقعے کی طرف اشارہ ہے جس میں منافقین نے کوئی خفیہ سازش کی تھی، مگر اُس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ایسے کئی واقعات عہد رسالت میں پیش آئے ہیں، مثلاً ایک واقعہ تو اوپر بیان کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن ابی نے یہ ناپاک ارادہ ظاہر کیا تھا کہ ہم مسلمانوں کو مدینہ منورہ سے نکال دیں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی اس ڈینگ کو عملی جامہ پہنانے پر قادر نہیں ہوئے۔ دوسرے ایک واقعہ غزوہ تبوک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے وقت پیش آیا تھا کہ منافقین نے بارہ آدمیوں کو نقاب پہنا کر اس بات پر تعینات کیا تھا کہ وہ ایک گھاٹی میں چھپ کر بیٹھیں، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزریں تو آپ پر حملہ کر دیں۔ اُس وقت حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے انہیں دیکھ لیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کر دی۔ آپ نے ان کو زور سے آواز دی تو ان پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ بھاگ گئے۔ آپ نے بعد میں حضرت حذیفہؓ کو بتایا کہ وہ منافق لوگ تھے (روح المعانی بحوالہ دلائل النبوة بیہقی)۔

(۶۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے مدینہ منورہ کے باشندوں میں پہلے کے مقابلے میں عام خوش حالی آئی تھی جس سے یہ منافقین بھی فائدہ اٹھا رہے تھے۔ پہلے ان کی معاشی حالت خستہ تھی، مگر آپ کی تشریف آوری کے بعد ان میں سے اکثر لوگ خاصے مال دار ہو گئے تھے۔ آیت کریمہ یہ کہہ رہی ہے کہ شرافت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اس خوشحالی پر اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شکر گزار ہوتے، لیکن انہوں نے اس احسان کا یہ بدلہ دیا کہ آپ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔

(۶۶) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص جس کا نام ثعلبہ بن حاطب تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور درخواست کی کہ آپ میرے لئے مال دار ہونے کی دُعا فرمادیں۔ آپ نے شروع میں اُسے سمجھایا کہ بہت مال دار ہونا مجھے اپنے لئے بھی پسند نہیں ہے، لیکن اُس نے بار بار اصرار کیا، اور یہ وعدہ بھی کیا کہ اگر میں مال دار ہو گیا تو ہر حق دار کو اُس کا حق پہنچاؤں گا، آپ نے اس موقع پر یہ حکیمانہ جملہ بھی ارشاد فرمایا کہ: ”تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کر سکو اُس



أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿٩١﴾ الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٢﴾ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۖ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٩٣﴾

کیا انہیں یہ پتہ نہیں تھا کہ اللہ اُن کی تمام پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو جانتا ہے، اور یہ کہ اُس کو غیب کی ساری باتوں کا پورا پورا علم ہے؟ ﴿۹۱﴾ (یہ منافق وہی ہیں) جو خوشی سے صدقہ کرنے والے مومنوں کو بھی طعنہ دیتے ہیں، اور اُن لوگوں کو بھی جنہیں اپنی محنت (کی آمدنی) کے سوا کچھ اور میسر نہیں ہے، اس لئے وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے، اور ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے ﴿۹۲﴾ (اے نبی!) تم ان کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کے لئے ستر مرتبہ استغفار کرو گے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کفر کا رویہ اپنایا ہے، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔ ﴿۹۳﴾

زیادہ مال سے بہتر ہے جس کا شکر ادا نہ کر سکو۔“ اس پر بھی اُس کا اصرار جاری رہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمادی۔ چنانچہ وہ واقعی مال دار ہو گیا، اور اس کے مال مویشی اتنے زیادہ ہو گئے کہ اُن کی دیکھ بھال میں نمازیں چھوٹنے لگیں، پھر وہ ان جانوروں کی زیادتی کی وجہ سے مدینہ منورہ سے باہر جا کر رہنے لگا، شروع میں جمعہ کے دن مسجد میں آ جاتا تھا، پھر رفتہ رفتہ جمعہ کو آنا بھی چھوڑ دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لوگ زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اُس کے پاس پہنچے تو اُس نے زکوٰۃ پر پھبتیاں کیں، اور ٹال مٹول کر کے ان حضرات کو واپس بھیج دیا۔ اس آیت میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے (روح المعانی بحوالہ طبرانی و بیہقی)۔

﴿۹۷﴾ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقات نکالنے کی ترغیب دی تو ہر مخلص مسلمان نے اپنی استطاعت کے مطابق صدقہ لا کر پیش کیا، منافقین خود تو اس کا رخیر میں کیا حصہ لیتے، مسلمانوں کو طعنہ دیتے رہتے تھے۔ اگر کوئی شخص زیادہ مال لے کر آتا تو کہتے کہ یہ تو دکھاوے کے لئے صدقہ کر رہا ہے، اور اگر کوئی غریب مزدور اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی سے کچھ تھوڑا سا صدقہ لے کر آتا تو منافقین اُس کا مذاق اڑاتے، اور کہتے کہ یہ کیا چیز اٹھا لایا ہے؟ اللہ اس سے بے نیاز ہے! صحیح بخاری اور حدیث و تفسیر کی دوسری کتابوں میں ایسے بہت سے واقعات مروی ہیں، لیکن اس جگہ غالباً وہ موقع مراد ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے لئے چندہ جمع کرنے کی ترغیب دی تھی۔ درمنثور (ج: ۴ ص: ۲۲۶) میں ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

﴿۹۸﴾ اللہ تعالیٰ یوں تو مذاق اڑانے سے بے نیاز ہے، لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو مذاق اڑانے کی سزا دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف مذاق اڑانے کی نسبت محاورہ کی گئی ہے جسے عربی قواعد کی رو سے مشاکلت کہا جاتا ہے۔



فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ﴿١١﴾ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٢﴾ فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذِنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخُلَفَاءِ ﴿١٣﴾ وَلَا تَصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّتَّ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَسِقُونَ ﴿١٤﴾

جن لوگوں کو (غزوہ تبوک سے) پیچھے رہنے دیا گیا تھا، وہ رسول اللہ کے جانے کے بعد اپنے (گھروں میں) بیٹھے رہنے سے بڑے خوش ہوئے، اور ان کو یہ بات ناگوار تھی کہ وہ اللہ کے راستے میں اپنے مال و جان سے جہاد کریں، اور انہوں نے کہا تھا کہ: ”اس گرمی میں نہ نکلو!“ کہو کہ: ”جہنم کی آگ گرمی میں کہیں زیادہ سخت ہے!“ کاش! ان کو سمجھ ہوتی! ﴿۱۱﴾ اب یہ لوگ (دنیا میں) تھوڑا بہت ہنس لیں، اور پھر (آخرت میں) خوب روتے رہیں، کیونکہ جو کچھ کمائی یہ کرتے رہے ہیں، اُس کا یہی بدلہ ہے۔ ﴿۱۲﴾ (اے پیغمبر!) اس کے بعد اگر اللہ تمہیں ان میں سے کسی گروہ کے پاس واپس لے آئے، اور یہ (کسی اور جہاد میں) نکلنے کے لئے تم سے اجازت مانگیں تو ان سے کہہ دینا کہ: ”اب تم میرے ساتھ کبھی نہیں چل سکو گے، اور میرے ساتھ مل کر کسی دشمن سے کبھی نہیں لڑ سکو گے۔ تم نے پہلی بار بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا، لہذا اب بھی انہی کے ساتھ بیٹھے رہو جن کو (کسی معذوری کی وجہ سے) پیچھے رہنا ہے۔“ ﴿۱۳﴾ اور (اے پیغمبر!) ان (منافقین) میں سے جو کوئی مر جائے، تو تم اُس پر کبھی نماز (جنازہ) مت پڑھنا، اور نہ اُس کی قبر پر کھڑے ہونا۔ یقیناً جانو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کفر کا رویہ اپنایا، اور اس حالت میں مرے ہیں کہ وہ نافرمان تھے۔ ﴿۱۴﴾

(۱۹) اس آیت کا شان نزول صحیح بخاری وغیرہ میں یہ منقول ہے کہ عبد اللہ بن ابی منافقوں کا سردار تھا، لیکن اُس کے بیٹے عبد اللہ بن عبد اللہ سچے اور پکے مسلمان تھے۔ اگرچہ عبد اللہ بن ابی کی منافقت کئی مواقع پر ظاہر ہو چکی تھی، لیکن چونکہ وہ زبان سے اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا تھا، اس لئے ظاہری طور پر اُس کے ساتھ مسلمانوں جیسا ہی سلوک کیا جاتا تھا، چنانچہ جب اُس کا انتقال ہوا تو اُس کے بیٹے حضرت عبد اللہ نے جو سچے مسلمان تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ اُس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اپنی امت کے ہر فرد کے لئے بڑے مہربان تھے، اس لئے آپ نے یہ درخواست منظور فرمائی، اور اُس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے قرآن کریم کی اُس آیت کا حوالہ دیا جو پیچھے گزر چکی ہے کہ: ”تم ان کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کے لئے ستر مرتبہ استغفار کرو گے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا“ (آیت نمبر ۸۰) لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ



وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۖ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَ بِهِم بِهَاتِي الدُّنْيَا وَتَرْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا أَنْزَلْتَ سُورَةَ أَنْ آمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذِنَكَ أُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذُرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقُعْدِيِّينَ ﴿٨٦﴾ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٨٧﴾ لَكِنَّ الرَّسُولَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨٨﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٨٩﴾ وَجَاءَ الْمُعَذِّبُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۖ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٠﴾

اور تمہیں ان کے مال اور اولاد (کی کثرت) سے تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں سے ان کو دنیا میں عذاب دے، اور ان کی جان بھی کفر ہی کی حالت میں نکلے۔ ﴿۸۵﴾ اور جب کوئی سورت یہ حکم لے کر نازل ہوتی ہے کہ: ”اللہ پر ایمان لاؤ، اور اُس کے رسول کی رفاقت میں جہاد کرو“ تو ان (منافقوں) میں سے وہ لوگ جو صاحب استطاعت ہیں، تم سے اجازت مانگتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمیں بھی اُن لوگوں میں شامل ہونے دیجئے جو (گھر میں) بیٹھے رہیں گے۔ ﴿۸۶﴾ یہ اس بات سے خوش ہیں کہ پیچھے رہنے والی عورتوں میں شامل ہو جائیں، اور ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی ہے، چنانچہ وہ نہیں سمجھتے (کہ وہ کیا کر رہے ہیں) ﴿۸۷﴾ لیکن رسول اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے ہیں، انہوں نے اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا ہے۔ اُنہی کے لئے ساری بھلائیاں ہیں، اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿۸۸﴾ اللہ نے ان کے لئے وہ باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں یہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بڑی زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۸۹﴾ اور دیہاتیوں میں سے بھی بہانہ باز لوگ آئے کہ اُن کو (جہاد سے) چھٹی دی جائے، اور (اس طرح) جن لوگوں نے اللہ اور اُس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا، وہ سب بیٹھ رہے۔ ان میں سے جنہوں نے کفر (مستقل طور پر) اپنالیا ہے، اُن کو دردناک عذاب ہوگا۔ ﴿۹۰﴾

میں چاہوں تو استغفار کروں، اس لئے میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کر لوں گا۔ چنانچہ آپ نے اُس کی نماز جنازہ پڑھادی۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھانے سے روک دیا گیا۔ پھر آپ نے کسی بھی منافق کی نماز نہیں پڑھائی۔

(۷۰) دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۵۵ کا حاشیہ۔

(۷۱) جس طرح مدینہ منورہ میں بہت سے منافق تھے، اسی طرح مدینہ منورہ سے باہر دیہات میں بھی منافق موجود تھے۔ چونکہ غزوہ تبوک میں جانے کا حکم صرف اہل مدینہ کے لئے نہیں، بلکہ آس پاس کے لوگوں کے لئے بھی تھا، اس لئے یہ دیہاتی منافقین بھی بہانہ کرنے کے لئے آئے تھے۔



لَيْسَ عَلَى الضُّعْفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا  
 نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۙ وَلَا عَلَى  
 الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّلْتُمْ قُلْتُمْ لَا آجِدُ مَا أَحْبَبْتُكُمْ عَلَيْهِ ۖ تَوَلَّوْا وَعَيْنُهُمْ تَفِيضٌ  
 مِنَ الدَّمِ حَرَجًا ۖ لَا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ۙ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ  
 أَغْنِيَاءُ ۚ رَاضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ ۚ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۙ  
 يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَاجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۗ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ تُؤْمِنُوا لَكُمْ قَدْ نَبَأَ اللَّهُ  
 مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۗ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ  
 فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۙ

کمزور لوگوں پر (جہاد میں نہ جانے کا) کوئی گناہ نہیں، نہ بیماروں پر، اور نہ اُن لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ  
 نہیں ہے، جبکہ وہ اللہ اور اُس کے رسول کے لئے مخلص ہوں۔ نیک لوگوں پر کوئی الزام نہیں، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا  
 مہربان ہے ۙ (۹۱) اور نہ اُن لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ تمہارے پاس اس غرض سے آئے کہ تم  
 انہیں کوئی سواری مہیا کر دو، اور تم نے کہا کہ: ”میرے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کر سکوں“ تو وہ  
 اس حالت میں واپس گئے کہ اُن کی آنکھیں اس غم میں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں کہ اُن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں  
 ہے۔ (۹۲) الزام تو اُن لوگوں پر ہے جو مال دار ہونے کے باوجود تم سے اجازت مانگتے ہیں۔ وہ اس بات پر خوش ہیں کہ  
 وہ پیچھے رہنے والی عورتوں میں شامل ہو گئے۔ اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، اس لئے انہیں حقیقت کا پتہ نہیں  
 ہے۔ (۹۳) (مسلمانو!) جب تم لوگ (تبوک سے) واپس ان (منافقوں) کے پاس جاؤ گے، تو یہ تمہارے سامنے  
 (طرح طرح کے) عذر پیش کریں گے۔ (اے پیغمبر!) ان سے کہہ دینا کہ: ”تم عذر پیش نہ کرو ہم ہرگز تمہاری بات کا  
 یقین نہیں کریں گے۔ اللہ نے ہمیں تمہارے حالات سے اچھی طرح باخبر کر دیا ہے۔ اور آئندہ اللہ بھی تمہارا طرزِ عمل  
 دیکھے گا، اور اُس کا رسول بھی۔ پھر تمہیں لوٹا کر اُس ذات کے سامنے پیش کیا جائے گا جس کو چھپی اور کھلی تمام باتوں کا پورا  
 علم ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔“ (۹۴)

(۷۲) روایات میں ہے کہ یہ سات انصاری صحابہ تھے۔ حضرت سالم بن عمیر، حضرت علیہ بن زید، حضرت عبدالرحمن بن کعب،  
 حضرت عمرو بن الحجام، حضرت عبداللہ بن مغفل، حضرت ہرمی بن عبداللہ اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔  
 انہوں نے غزوہ تبوک میں شامل ہونے کے لئے اپنے شوق کا اظہار فرمایا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کی  
 درخواست پیش کی۔ جب آپ نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے تو یہ روتے ہوئے واپس گئے (روح المعانی)۔



سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لَتَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ط فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ط اِنَّهُمْ رَاجِسٌ ز  
وَمَا وِلَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ جَزَاءٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۹۵ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لَتَرْضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاِنْ تَرْضَوْا  
عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝۹۶ اَلَا عَرَابٌ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا  
يَعْلَمُوْا اٰحَدُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۹۷ وَمِنْ اَلَا عَرَابٍ مِّنْ يَّتَّخِذُ  
مَآ يَنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُّ بِكُمْ الدَّوْآءُ ۝۹۸ عَلَيْهِمْ دَآءُ الْسَّوْءِ ط وَاللّٰهُ سَبِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۹۹

جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تو یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ لہذا تم بھی ان سے درگزر کر لینا۔ <sup>(۷۳)</sup> یقین جانو یہ سراپا گندگی ہیں، اور جو کمائی یہ کرتے رہے ہیں، اس کے نتیجے میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ <sup>(۹۵)</sup> یہ تمہارے سامنے اس لئے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، حالانکہ اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ تو ایسے نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔ <sup>(۹۶)</sup> جو دیہاتی (منافق) ہیں، وہ کفر اور منافقت میں زیادہ سخت ہیں، اور دوسروں سے زیادہ اسی لائق ہیں کہ اُس دین کے احکام سے ناواقف رہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر اتارا ہے۔ <sup>(۹۷)</sup> اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ <sup>(۹۸)</sup> انہی دیہاتیوں میں وہ بھی ہیں جو (اللہ کے نام پر) خرچ کئے ہوئے مال کو ایک تاوان سمجھتے ہیں، اور اس انتظار میں رہتے ہیں کہ تم مسلمانوں پر مصیبتوں کے چکر آ پڑیں، <sup>(۷۵)</sup> (حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ) بدترین مصیبت کا چکر تو خود اُن پر پڑا ہوا ہے۔ اور اللہ ہر بات سنتا، سب کچھ جانتا ہے۔ <sup>(۹۹)</sup>

<sup>(۷۳)</sup> یہاں ”درگزر کرنے“ کا مطلب یہ ہے کہ ان کی بات سن کر انہیں نظر انداز کر دیا جائے، نہ تو فوری طور پر انہیں کوئی سزا دی جائے، اور نہ یہ وعدہ کیا جائے کہ ان کی معذرت قبول کر لی گئی ہے، اور انہیں معاف کر دیا گیا ہے۔ اس طرز عمل کی وجہ اگلے جملے میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اپنے نفاق کی وجہ سے یہ سراپا گندگی ہیں، ان کی معذرت جھوٹی ہے جو انہیں اس گندگی سے پاک نہیں کر سکتی، اور آخر کار ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

<sup>(۷۴)</sup> یعنی منافقت کے علاوہ ان کی ایک خرابی یہ ہے کہ انہوں نے مدینہ منورہ کے مسلمانوں سے میل جول بھی نہیں رکھا جس کے ذریعے ان کو شریعت کے احکام کا علم ہوتا۔

<sup>(۷۵)</sup> یعنی یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمان مصیبت کے کسی ایسے چکر میں پڑ جائیں کہ ان لوگوں کو اس قسم کے احکام سے آزادی مل جائے جن پر عمل کرنا انہیں بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ خاص طور سے غزوہ تبوک کے موقع پر ان لوگوں کو یہ اُمید لگی ہوئی تھی کہ اس مرتبہ مسلمانوں کا مقابلہ روم کی عظیم طاقت سے ہو رہا ہے، اس لئے شاید اس بار وہ رومیوں کے ہاتھوں شکست کھا کر اپنی ساری طاقت کھو بیٹھیں گے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ درحقیقت یہ لوگ خود نفاق کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں، جو انہیں دُنیا اور آخرت دونوں کی رسوائی میں مبتلا کر کے رہے گا۔



وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبًا عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَتِ  
 ۸ الرُّسُولُ ۚ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۖ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۙ وَ  
 السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ ۖ رَاضِيَ اللَّهُ  
 عَنْهُمْ وَرَاضُوا عَنْهُ ۚ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذَلِكَ  
 ۹ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۙ وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ ۚ وَمِنَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا  
 عَلَى النَّفَاقِ ۚ لَا تَعْلَمُهُمْ ۚ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ  
 عَظِيمٍ ۙ وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا ۚ عَسَىٰ اللَّهُ أَن  
 يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۙ ۱۰ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيَهُمْ  
 بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۙ ۱۱

اور انہی دیہاتیوں میں وہ بھی ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو کچھ (اللہ کے نام پر) خرچ کرتے ہیں، اُس کو اللہ کے پاس قرب کے درجے حاصل کرنے اور رسول کی دُعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ہاں! یہ اُن کے لئے یقیناً تقرب کا ذریعہ ہے۔ اللہ اُن کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ۹ اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ اُن کی پیروی کی، اللہ اُن سب سے راضی ہو گیا ہے، اور وہ اُس سے راضی ہیں، اور اللہ نے اُن کے لئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی زبردست کامیابی ہے ۱۰ اور تمہارے ارد گرد جو دیہاتی ہیں، ان میں بھی منافق لوگ موجود ہیں، اور مدینہ کے باشندوں میں بھی ۱۱۔ یہ لوگ منافقت میں (اتنے) ماہر ہو گئے ہیں (کہ) تم انہیں نہیں جانتے، انہیں ہم جانتے ہیں۔ ان کو ہم دو مرتبہ سزا دیں گے، پھر اُن کو ایک زبردست عذاب کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔ ۱۲ اور کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر لیا ہے۔ انہوں نے ملے جلے عمل کئے ہیں، کچھ نیک کام، اور کچھ بُرے۔ اُمید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کر لے گا۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ۱۳ (اے پیغمبر!) ان لوگوں کے اموال میں سے صدقہ وصول کر لو جس کے ذریعے تم انہیں پاک کر دو گے اور اُن کے لئے باعثِ برکت بنو گے، ۱۴ اور اُن کے لئے دُعا کرو۔ یقیناً تمہاری دُعا اُن کے لئے سراپا تسکین ہے، اور اللہ ہر بات سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ ۱۵

(۷۶) پہلے جن دیہاتیوں کا ذکر آیا تھا، وہ مدینہ منورہ سے دُور رہتے تھے۔ اب اُن دیہاتیوں کا ذکر ہے جو مدینہ منورہ کے آس پاس رہتے تھے، اور خود مدینہ منورہ کے باشندوں میں اُن منافقین کا جن کا نفاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم نہیں تھا۔



(۷۷) ”دو مرتبہ سزا دینے“ کی تشریح مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔ صحیح مراد تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، لیکن بظاہر ایک سزا تو یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی شکست کی جو آس لگائی ہوئی تھی، وہ پوری نہ ہوئی، اور مسلمان غزوہ تبوک سے صحیح سلامت واپس آ گئے۔ یہ بذاتِ خود ان منافقوں کے لئے ایک سزا تھی، اور دوسرے بہت سے منافقوں کا نفاق کھل گیا، اور ان کو دنیا ہی میں ذلت اٹھانی پڑی۔

(۷۸) منافقین تو اپنی منافقت کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شامل نہیں ہوئے تھے، اور اب تک انہی کا ذکر ہوتا رہا ہے۔ لیکن مخلص مسلمانوں میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو سستی کی وجہ سے جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کے مطابق یہ کل دس حضرات تھے۔ ان میں سے سات کو اپنی اس سستی پر اتنی سخت شرمندگی ہوئی کہ ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس بھی نہیں پہنچے تھے کہ یہ خود اپنے آپ کو سزا دینے کے لئے مسجد نبویؐ پہنچے، اور اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا، اور یہ کہا کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہمیں معاف کر کے نہیں کھولیں گے، ہم انہی ستونوں سے بندھے رہیں گے۔ آپ کی واپسی کا وقت قریب تھا، اور جب آپ واپس تشریف لائے اور آپ نے انہیں باندھا ہوا دیکھا تو پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ اس پر آپ کو علم ہوا کہ انہوں نے اس لئے اپنے آپ کو باندھ رکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب میں بھی ان کو اُس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ خود انہیں کھولنے کا حکم نہ دیدے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، اُن کی توبہ قبول کر لی گئی، اور انہیں کھول دیا گیا۔ ان سات حضرات میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کے نام سے ایک ستون اب بھی مسجد نبویؐ میں موجود ہے، اور اُسے اُسطوانۃ التوبہ بھی کہا جاتا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اس ستون سے اپنے آپ کو اُس وقت باندھا تھا جب بنو قریظہ کے معاملے میں اُن سے ایک غلطی ہو گئی تھی، لیکن حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ واقعہ تبوک سے متعلق ہے، اور اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے (دیکھئے تفسیر ابن جریر ج: ۱۱ ص: ۱۲ تا ۱۶)۔ باقی تین حضرات جو تبوک نہیں گئے تھے، اُن کا ذکر آگے آیت نمبر ۱۰۶ میں آ رہا ہے۔

اس آیت نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اگر کسی سے کوئی گناہ ہو جائے تو اُسے مایوس ہونے کے بجائے توبہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اور غلطی کی تاویل میں کرنے کے بجائے ہر ممکن طریقے سے اپنی غلطی پر اظہارِ ندامت کرنا چاہئے۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ اُمید دلائی ہے کہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔

(۷۹) یہی حضرات جنہوں نے توبہ کے طور پر اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ لیا تھا، جب ان کی توبہ قبول ہوئی اور انہیں آزاد کیا گیا تو انہوں نے شکرانے کے طور پر اپنا مال صدقے میں دینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے شروع میں فرمایا کہ مجھے تم سے کوئی مال لینے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ان سے صدقہ قبول فرمائیں۔ آیت میں صدقے کی دو خاصیتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ انسان کو گناہوں اور بُرے اخلاق سے پاک ہونے میں مدد دیتا ہے، اور دوسرے یہ کہ اُس سے انسان کی نیکیوں میں برکت اور ترقی ہوتی ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اگرچہ یہ آیت اس خاص واقعے میں نازل ہوئی تھی، لیکن چونکہ اس کے الفاظ عام ہیں، اس لئے اُمت کے فقہاء کا اجماع ہے کہ اسی آیت کی رُو سے اسلامی ریاست کے ہر سربراہ کو اپنے عوام سے زکوٰۃ وصول کرنے اور اُسے صحیح مصارف پر خرچ کرنے کا حق حاصل ہے۔ اسی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں جن لوگوں نے آپ کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، اُن سے آپ نے جہاد کیا۔



أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۸۰﴾ وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۖ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۸۱﴾ وَأَخْرُوجَنَّ مُرْجُونَ لَا مَرَّةَ لِلَّهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۸۲﴾ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَافًا وَكُفْرًا وَتَفَرِّقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَيَحْلِفْنَ إِنْ أَرَادْنَا إِلَّا الْاِحْسَنُ ۖ وَاللَّهُ يُشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۸۳﴾ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۖ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۖ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۖ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ﴿۸۴﴾

کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ بھی قبول کرتا ہے، اور صدقات بھی قبول کرتا ہے، اور یہ کہ اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے؟ ﴿۸۰﴾ اور (ان سے) کہو کہ: ”تم عمل کرتے رہو۔ اب اللہ بھی تمہارا طرزِ عمل دیکھے گا، اور اُس کا رسول بھی اور مومن لوگ بھی۔ پھر تمہیں لوٹا کر اُس ذات کے سامنے پیش کیا جائے گا جس کو چھپی اور کھلی تمام باتوں کا پورا علم ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔“ ﴿۸۱﴾ اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا فیصلہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی کر دیا گیا ہے۔ یا اللہ اُن کو سزا دے گا، یا معاف کر دے گا، اور اللہ کامل علم والا بھی ہے، کامل حکمت والا بھی۔ ﴿۸۲﴾ اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد اس کام کے لئے بنائی ہے کہ (مسلمانوں کو) نقصان پہنچائیں، کافرانہ باتیں کریں، مومنوں میں پھوٹ ڈالیں اور اُس شخص کو ایک اڈہ فراہم کریں جس کی پہلے سے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ جنگ ہے۔ اور یہ قسمیں ضرور کھالیں گے کہ بھلائی کے سوا ہماری کوئی اور نیت نہیں ہے، لیکن اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ قطعی جھوٹے ہیں۔ ﴿۸۳﴾ (اے پیغمبر!) تم اُس (نام نہاد مسجد) میں کبھی (نماز کے لئے) کھڑے مت ہونا۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ تم اُس میں کھڑے ہو۔ اُس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک صاف ہونے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ پاک صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے ﴿۸۴﴾

﴿۸۰﴾ اس آیت نے یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ توبہ کے بعد بھی کسی شخص کو بے فکر ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے، بلکہ اپنی آئندہ زندگی میں اپنا طرزِ عمل درست کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔

﴿۸۱﴾ یہ اُن دس میں سے تین حضرات تھے جو کسی عذر کے بغیر صرف سستی کی وجہ سے تبوک کی مہم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ یہ حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم تھے۔ ان حضرات کو



ندامت تو تھی، لیکن انہوں نے توبہ کرنے میں اتنی جلدی نہیں کی جتنی حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے کی تھی، نہ وہ طریقہ اختیار کیا جو ان سات حضرات نے اختیار کیا تھا۔ چنانچہ جب یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معذرت کرنے کے لئے پہنچے تو آپ نے ان کے بارے میں اپنا فیصلہ ملتوی فرمادیا، اور جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہ آئے، ان کے بارے میں یہ حکم دیا کہ سب مسلمان ان کا معاشرتی بائیکاٹ کریں۔ چنانچہ پچاس دن تک ان کا بائیکاٹ جاری رہا، اور توبہ اُس وقت قبول ہوئی جب آیت نمبر ۱۱۸ نازل ہوئی، تفصیل وہیں پر آئے گی۔

(۸۲) ان آیات میں منافقین کے ایک نہایت شریر گروہ کا بیان ہے جنہوں نے ایک خطرناک سازش کے تحت ایک عمارت مسجد کے نام سے بنائی تھی۔ اس واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے قبیلہ خزرج میں ابو عامر نام کا ایک شخص تھا جو عیسائی ہو گیا تھا، اور اُس نے رہبانیت اور درویشی کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ مدینہ منورہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اُس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے اسے بھی دین حق کی دعوت دی، لیکن اُس نے حق کو قبول کرنے کے بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حریف سمجھ لیا، اور آپ کی دشمنی پر کمر باندھ لی۔ جنگ بدر سے لے کر جنگ حنین تک کفار مکہ سے جتنی جنگیں ہوئیں، اُن سب میں یہ مسلمانوں کے خلاف دشمنوں کی مدد اور تائید کرتا رہا۔ جب جنگ حنین میں بھی مسلمانوں کو فتح ہوئی تو یہ شام چلا گیا، اور وہاں سے مدینہ منورہ کے منافقین کو خط لکھا کہ میں یہاں شام میں یہ کوشش کر رہا ہوں کہ روم کا بادشاہ مدینہ منورہ پر چڑھائی کر کے مسلمانوں کو ختم کر ڈالے۔ لیکن اس کام کے لئے ضروری ہے کہ تم لوگ اپنا ایک محاذ ایسا بناؤ کہ جب روم کا بادشاہ حملہ کرے تو تم اندر سے اُس کی مدد کر سکو۔ اُسی نے یہ مشورہ بھی دیا کہ تم ایک عمارت مسجد کے نام سے بناؤ جو بغاوت کے مرکز کے طور پر استعمال ہو، اس میں خفیہ طور سے ہتھیار بھی جمع کرو، اور آپس میں مشورے بھی یہیں کیا کرو، اور میری طرف سے کوئی ایچی آئے تو اُسے بھی یہاں ٹھہراؤ۔ چنانچہ ان منافقین نے قبا کے علاقے میں یہ عمارت بنائی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ بہت سے کمزور لوگوں کو مسجد قبا دور پڑتی ہے، اس لئے ان کی آسانی کی خاطر ہم نے یہ مسجد تعمیر کی ہے۔ آپ کسی وقت یہاں تشریف لا کر نماز پڑھیں، تاکہ اُسے برکت حاصل ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت تبوک جانے کی تیاری میں مصروف تھے، اس لئے آپ نے فرمایا کہ ابھی تو میں تبوک جا رہا ہوں، واپسی پر اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں وہاں آ کر نماز پڑھ لوں گا۔ لیکن جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تو مدینہ منورہ سے کچھ پہلے ذواوان کے مقام پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں آپ پر اس نام نہاد مسجد کی حقیقت کھول دی گئی، اور اُس میں نماز پڑھنے سے منع فرمادیا گیا۔ اس موقع پر آپ نے وہیں سے دو صحابیوں مالک بن دشتم اور معن بن عدی رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ وہ اس عمارت کو تباہ کر دیں، چنانچہ ان حضرات نے اس کو جلا کر خاک کر دیا (تفسیر ابن جریر)۔

(۸۳) اس سے مراد وہ مسجد قبا بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت تعمیر فرمائی تھی جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے، اور قبا کی بستی میں چودہ دن قیام فرمایا، اور یہ پہلی باقاعدہ مسجد تھی جو آپ نے تعمیر فرمائی، اور وہ مسجد نبوی بھی اس کے مصداق میں داخل ہے جو آپ نے قبا سے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد تعمیر فرمائی۔ دونوں ہی کی بنیاد تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پر تھی۔ اس مسجد کی فضیلت یہ بتائی گئی ہے کہ اس میں نماز پڑھنے والے پاکی اور صفائی کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اس میں جسم کی ظاہری پاکی بھی داخل ہے، اور اعمال و اخلاق کی پاکی اور صفائی بھی۔



أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٨٤﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٨٥﴾ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۚ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقٌّ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۚ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٨٦﴾

بھلا کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اُس کی خوشنودی پر اٹھائی ہو، یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک ڈھانگ کے کسی گرتے ہوئے کنارے پر رکھی ہو، پھر وہ اُسے لے کر جہنم کی آگ میں جا گرے؟ اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔ ﴿۸۴﴾ جو عمارت ان لوگوں نے بنائی تھی، وہ ان کے دلوں میں اُس وقت تک برابر شک پیدا کرتی رہے گی جب تک ان کے دل ہی ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہو جاتے۔ ﴿۸۵﴾ اور اللہ کامل علم والا بھی ہے، کامل حکمت والا بھی۔ ﴿۸۶﴾ واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال اس بات کے بدلے خرید لئے ہیں کہ جنت اُنہی کی ہے۔ وہ اللہ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں مارتے بھی ہیں، اور مرتے بھی ہیں۔ یہ ایک سچا وعدہ ہے جس کی ذمہ داری اللہ نے تورات اور انجیل میں بھی لی ہے، اور قرآن میں بھی۔ اور کون ہے جو اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو؟ لہذا اپنے اُس سودے پر خوشی مناؤ جو تم نے اللہ سے کر لیا ہے۔ اور یہی بڑی زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۸۶﴾

﴿۸۴﴾ قرآن کریم نے جو لفظ استعمال فرمایا ہے، وہ ”جرف“ ہے۔ یہ دراصل کسی زمین یا ٹیلے یا پہاڑ کے اُس حصے کو کہتے ہیں جس کا نچلا حصہ پانی کے سیلاب وغیرہ کی وجہ سے بہہ گیا ہو، اور اوپر کھوکھلی مٹی رہ گئی ہو جو کسی بھی وقت گر سکتی ہو۔ اردو میں ایسی جگہ کو ڈھانگ کہتے ہیں، اس لئے ترجمے میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

﴿۸۵﴾ جو عمارت ان منافقین نے بنائی تھی، اُس کے لئے آیت ۱۰۷ میں تو یہ بتانا مقصود تھا کہ یہ عمارت انہوں نے مسجد کے نام پر بنائی تھی، اور ان کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ مسجد ہے، اس لئے وہاں اُس عمارت کے واسطے مسجد کا لفظ استعمال کیا گیا تھا، لیکن اس آیت میں اُس کی حقیقت بتائی گئی ہے، اس لئے یہاں اللہ تعالیٰ نے اُسے عمارت کہا ہے، مسجد نہیں کہا، کیونکہ حقیقت میں وہ مسجد تھی ہی نہیں۔ بنانے والے حقیقت میں کافر تھے، اور بنانے کا مقصد اسلام دشمنی تھی، اسی لئے اُسے جلایا گیا، ورنہ اگر کوئی مسلمان مسجد بنائے، تو اُسے جلانا جائز نہیں ہے۔ اور اس آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ یہ عمارت ان منافقوں کے دل میں برابر شک پیدا کرتی رہے گی، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عمارت کے جلائے جانے سے ان منافقین پر بھی یہ بات کھل گئی کہ ان کی شرارت کا راز مسلمانوں پر ظاہر ہو گیا ہے۔ اب وہ اپنے مستقبل کے بارے میں مسلسل شک میں مبتلا رہیں گے کہ نجانے مسلمان اب ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں۔ اُن کی بے یقینی کی یہ کیفیت اُسی وقت ختم ہوگی جب اُن کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، یعنی اُن کو موت آ جائے گی۔



الَّذِينَ الْعِدُّونَ الْحِدُّونَ السَّائِحُونَ الرَّكْعُونَ السَّجِدُونَ الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ  
النَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَفِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۖ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۴﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ  
الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ  
أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۱۵﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا  
تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۖ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا  
بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ ۖ إِنَّ اللَّهَ بَكْلٌ شَيْءٍ عَلَيْهِ ﴿۱۱۷﴾

(جنہوں نے یہ کامیاب سودا کیا ہے، وہ کون ہیں؟) توبہ کرنے والے! اللہ کی بندگی کرنے والے! اُس کی حمد کرنے  
والے! روزے رکھنے والے! رُکوع میں جھکنے والے! سجدے گزارنے والے! نیکی کی تلقین کرنے والے، اور بُرائی سے  
روکنے والے! اور اللہ کی قائم کی ہوئی حدود کی حفاظت کرنے والے! (اے پیغمبر!) ایسے مومنوں کو خوشخبری دے  
دو۔ ﴿۱۱۴﴾ یہ بات نہ تو نبی کو زیب دیتی ہے، اور نہ دوسرے مومنوں کو کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دُعا کریں، چاہے  
وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جبکہ اُن پر یہ بات پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ وہ دوزخی لوگ ہیں۔ ﴿۱۱۵﴾ اور ابراہیم نے  
اپنے باپ کے لئے جو مغفرت کی دُعا مانگی تھی، اُس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں تھی کہ اُنہوں نے اُس (باپ) سے ایک  
وعدہ کر لیا تھا۔ پھر جب اُن پر یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، تو وہ اُس سے دستبردار ہو گئے۔ ﴿۱۱۶﴾ حقیقت یہ ہے کہ  
ابراہیم بڑی آہیں بھرنے والے، بڑے بُر دُعا کرتے تھے ﴿۱۱۷﴾ اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ  
کردے جب تک اُس نے اُن پر یہ بات واضح نہ کر دی ہو کہ اُنہیں کن باتوں سے بچنا ہے۔ یقین رکھو کہ اللہ ہر چیز کو  
خوب جانتا ہے۔ ﴿۱۱۸﴾

﴿۱۱۴﴾ قرآن کریم نے یہاں جو لفظ استعمال کیا ہے وہ ”السَّائِحُونَ“ ہے۔ اس لفظ کے اصل معنی تو سیاحت کرنے والے کے ہیں،  
لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر روزہ رکھنے والوں سے فرمائی ہے۔ اور یہی تفسیر متعدد صحابہؓ اور تابعین سے بھی  
منقول ہے (تفسیر ابن جریر)۔ بظاہر روزے کو سیاحت اس لئے فرمایا گیا ہے کہ جس طرح سفر میں انسان کے کھانے پینے اور  
سونے جاگنے کے معمولات قائم نہیں رہتے، اسی طرح روزے میں بھی ان معمولات میں فرق آ جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

﴿۱۱۷﴾ قرآن کریم نے بہت سے مواقع پر ”اللہ کی قائم کی ہوئی حدود“ اور ان کی حفاظت کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ بڑی معنی خیز  
اصطلاح ہے۔ اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے احکام دیئے ہیں، وہ کچھ حدود کے پابند ہیں۔ اُن حدود میں رہ کر  
اُن کو انجام دیا جائے تو وہ درست اور نیک کام ہیں، اور اگر حدود سے نکل جائیں تو وہی کام ناپسندیدہ اور بعض اوقات گناہ میں



تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی عبادت بہت ثواب کا کام ہے، لیکن اگر کوئی شخص عبادت میں اتنا منہمک ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے جو حقوق رکھے ہیں، اُن کو پامال کرنے لگے، تو وہ عبادت بھی ناجائز ہو جاتی ہے۔ تہجد کی نماز بڑی عظیم فضیلت کی چیز ہے، لیکن اگر کوئی شخص یہ نماز اس طرح پڑھے جس سے سونے والوں کی نیند میں خلل آئے تو یہ ناجائز ہے۔ والدین کی خدمت سے بڑھ کر کوئی نفلی عبادت نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس کی وجہ سے بیوی بچوں کے حقوق پامال کرنے لگے تو یہ گناہ ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں بہت سی نیکیوں کا بیان کرنے کے بعد آخر میں حدود کی حفاظت کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ یہ حضرات تمام نیکیاں اُن حدود میں رہ کر انجام دیتے ہیں جو ان کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھی ہیں۔ ان حدود کی تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور فعل سے دی ہے، اور ان کو سیکھنے کا بہترین طریقہ اس کے سوا کوئی اور نہیں ہے کہ انسان کسی اللہ والے کی صحبت میں رہے، اور اُس کے طرز عمل کو دیکھ دیکھ کر ان حدود کو سمجھنے اور اپنی زندگی میں ان کو اتارنے کی کوشش کرے۔

(۸۸) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس آیت کا شان نزول یہ بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب نے اگرچہ آپ کی بڑی مدد کی تھی، لیکن انہوں نے آخر وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب اُن کی وفات کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ترغیب دی کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائیں، مگر اُس وقت ابو جہل وغیرہ نے مخالفت کی، اور وہ مسلمان نہیں ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ فرمایا تھا کہ میں آپ کے لئے اُس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اس آیت نے آپ کو ان کے لئے استغفار سے منع فرما دیا۔ اس کے علاوہ تفسیر ابن جریر وغیرہ میں روایت ہے کہ بعض مسلمانوں نے اپنے مشرک باپ دادوں کے لئے استغفار کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، اور یہ کہا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لئے استغفار کیا تھا، اس لئے ہم بھی کر سکتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۸۹) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد سے استغفار کا وعدہ کرنا سورہ مریم (۱۹: ۸۷) اور سورہ ممتحنہ (۴: ۶۰) میں اور اس وعدے کے مطابق استغفار کرنا سورہ شعراء (۸۶: ۲۶) میں مذکور ہے۔

(۹۰) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اُن پر یہ بات واضح ہو گئی کہ اُن کا انتقال کفر ہی کی حالت میں ہوگا، اور وہ آخر وقت تک اللہ تعالیٰ کے دشمن بنے رہیں گے تو انہوں نے استغفار کرنا بھی چھوڑ دیا۔ اس سے علمائے کرام نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کسی کافر کے لئے اس نیت سے مغفرت کی دعا کرنا جائز ہے کہ اُسے ایمان لانے کی توفیق ہو جائے، اور اس طرح اُس کی مغفرت ہو جائے، لیکن جس شخص کے بارے میں یہ یقین ہو کہ اُس کی موت کفر پر ہوئی ہے، اُس کے لئے مغفرت کی دعا جائز نہیں ہے۔

(۹۱) یہ قرآن کریم کے لفظ ”آؤَاکَ“ کا ٹھیکہ ترجمہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑے نرم دل اور رقیق القلب تھے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد اور آخرت کی فکر میں وہ آہیں بھرتے تھے اور ان پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔

(۹۲) یعنی اب تک چونکہ واضح طور پر یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ کسی مشرک کے لئے استغفار جائز نہیں، اس لئے جن لوگوں نے اس سے پہلے کسی مشرک کے لئے استغفار کیا، اُن پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔



إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَمَا لَكُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٩٦﴾ لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٧﴾ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَدْجَا مِّنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ۚ

یقیناً اللہ ہی ہے جس کے قبضے میں سارے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ وہ زندگی بھی دیتا ہے، اور موت بھی، اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی رکھوالا ہے نہ مددگار۔ ﴿۹۶﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے نبی پر اور اُن مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے ایسی مشکل کی گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا، جبکہ قریب تھا کہ اُن میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگا جائیں، پھر اللہ نے اُن کے حال پر توجہ فرمائی۔ یقیناً وہ ان کے لئے بہت شفیق، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۹۷﴾ اور اُن تینوں پر بھی (اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب اُن پر یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی، اُن کی زندگیاں اُن پر دو بھر ہو گئیں، اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ (کی پکڑ) سے خود اُسی کی پناہ میں آئے بغیر کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی، ﴿۹۵﴾

﴿۹۳﴾ منافقین کی مذمت اور سستی سے رہ جانے والے مسلمانوں کی معافی کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کی اُس اکثریت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاباش دی جا رہی ہے جنہوں نے انتہائی کٹھن حالات میں خندہ پیشانی کے ساتھ تبوک کی مہم میں حصہ لیا۔ ان میں بھی اکثریت تو انہی کی تھی جن کے دل میں جہاد اور تعمیل حکم کا جذبہ اتنا مضبوط تھا کہ وہ ان مشکل حالات کو خاطر میں نہیں لائے۔ البتہ کچھ حضرات ایسے بھی تھے کہ شروع میں ان مشکلات کی وجہ سے اُن کے دل میں وسوسے آئے، لیکن آخر کار انہوں نے دل و جان سے مہم میں حصہ لیا۔ اس دوسری قسم کا حوالہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دیا ہے کہ: ”جبکہ قریب تھا کہ اُن میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگائیں۔“

﴿۹۴﴾ یہ اُن تین صحابہ کی طرف اشارہ ہے جن کے بارے میں آیت نمبر ۱۰۶ میں یہ فرمایا گیا تھا کہ ان کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا ہے۔ ﴿۹۵﴾ جیسا کہ آیت ۱۰۶ کی تشریح میں عرض کیا گیا، ان تین حضرات کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے بارے میں کوئی واضح حکم آئے، اُس وقت تک تمام مسلمان ان کا معاشرتی بائیکاٹ کریں۔ چنانچہ پچاس دن ان حضرات پر ایسے گزرے ہیں جن میں کوئی مسلمان ان سے نہ بات کرتا تھا، نہ کوئی اور معاملہ۔ ان تین حضرات میں سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس زمانے کے حالات صحیح بخاری کی ایک لمبی روایت میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں، اور بڑے اثر انگیز پیرائے میں یہ بتایا ہے کہ اس عرصے میں ان پر کیا قیامت گذر گئی تھی۔ اُن کی یہ حدیث اُن کے ایمانی جذبے اور اُن کی نفسیاتی کیفیات کی انتہائی مؤثر اور فصیح و بلیغ تصویر ہے۔ یہ پوری حدیث یہاں نقل کرنا



ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ  
 كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ  
 رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ۚ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا  
 مَخْصَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نِيلاً إِلَّا كُتِبَ  
 لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً  
 وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

تو پھر اللہ نے اُن پر رحم فرمایا، تاکہ وہ آئندہ اللہ ہی سے رجوع کیا کریں۔ یقین جانو اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا  
 مہربان ہے۔ ۱۱۸ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔ ۱۱۹ مدینہ کے باشندوں اور ان کے  
 ارد گرد کے دیہات میں رہنے والوں کے لئے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ اللہ کے رسول (کا ساتھ دینے سے) پیچھے رہیں، اور  
 نہ یہ جائز تھا کہ وہ بس اپنی جان پیاری سمجھ کر اُن کی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) جان سے بے فکر ہو بیٹھیں۔ یہ  
 اس لئے کہ ان (مجاہدین) کو جب کبھی اللہ کے راستے میں پیاس لگتی ہے، یا تھکن ہوتی ہے، یا بھوک ستاتی ہے، یا وہ کوئی  
 ایسا قدم اٹھاتے ہیں جو کافروں کو گھٹن میں ڈالے، یا دشمن کے مقابلے میں کوئی کامیابی حاصل کرتے ہیں تو اُن کے  
 اعمال نامے میں (ہر ایسے کام کے وقت) ایک نیک عمل ضرور لکھا جاتا ہے۔ یقین جانو کہ اللہ نیک لوگوں کے کسی عمل کو  
 بیکار جانے نہیں دیتا۔ ۱۲۰ نیز وہ جو کچھ (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتے ہیں، چاہے وہ خرچ چھوٹا ہو یا بڑا، اور جس کسی  
 وادی کو وہ پار کرتے ہیں، اس سب کو (اُن کے اعمال نامے میں نیکی کے طور پر) لکھا جاتا ہے، تاکہ اللہ انہیں (ہر ایسے  
 عمل پر) وہ جزا دے جو اُن کے بہترین اعمال کے لئے مقرر ہے۔ ۱۲۱

ممکن نہیں ہے۔ البتہ ”معارف القرآن“ میں اس کا مفصل ترجمہ موجود ہے۔ جو حضرات چاہیں، اُس میں مطالعہ فرمائیں۔ اس  
 آیت میں ان حضرات کی اس نفسیاتی کیفیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۹۶) یہ ان تین حضرات کے واقعے سے ملنے والا سبق ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے۔ انہوں نے اپنی غلطی کو  
 چھپانے کے لئے منافقین کی طرح جھوٹے سچے بہانے نہیں بنائے، بلکہ جو حقیقت تھی، وہ سچ سچ بیان کر دی کہ ان کے پاس کوئی  
 عذر نہیں تھا۔ ان کی اس سچائی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نہ صرف توبہ قبول فرمائی، بلکہ سچے لوگوں کی حیثیت سے قیامت  
 تک کے لئے ان کا تذکرہ قرآن کریم میں زندہ جاوید کر دیا گیا۔ اس آیت میں یہ تعلیم بھی ہے کہ انسان کو اپنی صحبت سچے لوگوں  
 کے ساتھ رکھنی چاہئے، جو زبان کے بھی سچے ہوں، اور عمل کے بھی سچے۔

(۹۷) یعنی اگرچہ ان اعمال میں سے بعض چھوٹے نظر آتے ہوں، لیکن اُن کا ثواب ان مجاہدین کے بہترین اعمال کے برابر دیا



وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً ۖ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي  
 الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۚ (۹۸) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
 قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۚ (۹۹)  
 وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيْمَانًا فَآمَنَ الَّذِينَ آمَنُوا  
 فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۚ (۱۰۰) وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَى  
 رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كُفْرًا وَهُمْ لَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ  
 لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذْكُرُونَ ۚ (۱۰۱) وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ هَلْ  
 يَرِيكُمْ مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوا ۖ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۚ (۱۰۲)

(۹۸) اور مسلمانوں کے لئے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ (ہمیشہ) سب کے سب (جہاد کے لئے) نکل کھڑے ہوں، لہذا ایسا  
 کیوں نہ ہو کہ اُن کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک گروہ (جہاد کے لئے) نکلا کرے، تاکہ (جو لوگ جہاد میں نہ گئے  
 ہوں) وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لئے محنت کریں، اور جب ان کی قوم کے لوگ (جو جہاد میں گئے ہیں) ان  
 کے پاس واپس آئیں تو یہ اُن کو متنبہ کریں، تاکہ وہ (گناہوں سے) بچ کر رہیں۔ (۱۰۰)

(۱۰۱) اے ایمان والو! اُن کافروں سے لڑو جو تم سے قریب ہیں، اور ہونا یہ چاہئے کہ وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں۔ اور  
 یقین رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ (۱۰۲) اور جب کبھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو انہی (منافقین) میں وہ لوگ  
 ہیں جو کہتے ہیں کہ: ”اس (سورت) نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے؟“ اب جہاں تک اُن لوگوں کا  
 تعلق ہے جو (واقعی) ایمان لائے ہیں، اُن کے ایمان میں تو اس سورت نے واقعی اضافہ کیا ہے، اور وہ (اس پر) خوش  
 ہوتے ہیں۔ (۱۰۳) رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے، تو اس سورت نے اُن کی گندگی میں کچھ اور گندگی کا اضافہ  
 کر دیا ہے، اور اُن کو موت بھی کفر ہی کی حالت میں آتی ہے (۱۰۴) کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ وہ ہر سال ایک دو مرتبہ کسی آزمائش  
 میں مبتلا ہوتے ہیں، پھر بھی نہ وہ توبہ کرتے ہیں، اور نہ کوئی سبق حاصل کرتے ہیں؟ (۱۰۵) اور جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی  
 ہے تو یہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں (اور اشاروں میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں) کہ کیا کوئی تمہیں دیکھ تو نہیں رہا؟  
 پھر وہاں سے اُٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ اللہ نے اُن کا دل پھیر دیا ہے، کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔ (۱۰۶)

جائے گا۔ (یہاں یہ واضح رہے کہ قرآن کریم میں ”أَحْسَنَ“ (بہترین) کو اعمال کی صفت قرار دیا گیا ہے، اور اُسے جزاء کی  
 صفت قرار دینے پر علامہ ابو حیان نے البحر المحیط میں نحوی اعتبار سے جو اشکال پیش کیا ہے، اُس کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں



دیا جاسکا، چنانچہ علامہ آلوسیؒ نے بھی اس اعتراض کو نقل کر کے اُس کی تائید ہی کی ہے۔ لہذا یہاں ترجمہ اُس تفسیر کے مطابق کیا گیا ہے جو مدارک التنزیل میں مذکور ہے۔)

(۹۸) سورہ توبہ کے ایک بڑے حصے میں اُن لوگوں کو ملامت کی گئی ہے جو تبوک کے جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ ان آیات کریمہ کو سن کر صحابہ نے یہ ارادہ کر لیا کہ آئندہ جو بھی جہاد ہوگا، اُس میں وہ سب جایا کریں گے۔ اس آیت نے واضح فرمادیا کہ ہمیشہ کے لئے یہ سوچنا صحیح نہیں ہے۔ غزوہ تبوک میں تو ایک خاص ضرورت پیش آئی تھی جس کی وجہ سے تمام مسلمانوں کو نکل کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا تھا، لیکن عام حالات میں مسلمانوں کو تقسیم کار پر عمل کرنا چاہئے۔ جب تک امیر کی طرف سے نفیر عام (یعنی ہر شخص کو جہاد میں شریک ہونے) کا حکم نہ ہو، جہاد فرض کفایہ ہے۔ اگر ہر بڑی جماعت میں سے کچھ لوگ جہاد کے لئے چلے جایا کریں تو سب کی طرف سے یہ فرض کفایہ ادا ہو جائے گا۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ جس طرح جہاد امت مسلمہ کی ایک ضرورت ہے، اسی طرح دین کا علم حاصل کرنا بھی امت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اگر سب لوگ جہاد میں نکل کھڑے ہوں گے تو علم دین کی درس و تدریس کا فریضہ کون انجام دے گا؟ لہذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں نہ جائیں، وہ اپنے شہر میں رہ کر دین کا علم حاصل کریں۔

(۹۹) متنبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو احکام انہوں نے سیکھے ہیں، وہ ان کو بتادیں کہ فلاں کام واجب ہے، اور فلاں کام گناہ ہے۔ (۱۰۰) اس آیت میں پھر اُس مضمون کا خلاصہ بیان فرمایا گیا ہے جس سے اس سورت کی ابتدا ہوئی تھی۔ مشرکین سے براءت کا جو اعلان کیا گیا تھا، اُس میں ہر مسلمان کا یہ فرض تھا کہ وہ اُن مشرکین سے جنگ کے لئے تیار رہے جو اس اعلان براءت پر عمل نہ کریں۔ جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا، وہ نو مسلم جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے، اُن کے دل میں اپنے مشرک رشتہ داروں کے لئے نرم گوشہ ہو سکتا تھا، لہذا آخر سورت میں انہیں دوبارہ متوجہ کیا جا رہا ہے کہ جس طرح اسلام کی تبلیغ میں ترتیب یہ ہونی چاہئے کہ انسان اپنے قریبی لوگوں سے اُس کا آغاز کرے، اسی طرح جب جنگ کی نوبت آجائے تو اُس میں بھی یہی ترتیب ہونی چاہئے کہ پہلے اُن لوگوں سے جنگ ہونی چاہئے جو تمہارے قریب ہیں۔ اُن کے بعد دوسروں کا نمبر آئے گا۔

(۱۰۱) یعنی اُن کی قربت کی وجہ سے تمہارے دل میں کوئی نرم گوشہ پیدا نہ ہو جو تمہیں جہاد کے فریضے سے روک دے۔ نیز وہ لوگ تم میں کوئی کمزوری نہ پائیں، بلکہ انہیں تمہاری مضبوطی کا مکمل احساس ہونا چاہئے۔

(۱۰۲) یہ کہہ کر منافقین دراصل اُس بات کا مذاق اڑاتے تھے جو سورہ انفال (۲:۸) میں فرمائی گئی ہے کہ جب مؤمنوں کے سامنے اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو اُن کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۱۰۳) یعنی کفر اور نفاق کی گندگی تو اُن میں پہلے ہی موجود تھی، اب اس نئی آیت کے انکار اور استہزاء سے اس گندگی میں اور اضافہ ہو گیا۔

(۱۰۴) منافقین پر ہر سال کوئی نہ کوئی مصیبت پڑتی رہتی تھی۔ کبھی اُن کی خواہش اور منصوبوں کے خلاف مسلمانوں کو فتح نصیب ہو جاتی، کبھی ان میں سے کسی کا راز کھل جاتا، کبھی کوئی بیماری آ جاتی، کبھی فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ مصیبتیں ان کو متنبہ کرنے کے لئے کافی ہونی چاہئے تھیں، لیکن یہ لوگ کوئی سبق نہیں لیتے۔

(۱۰۵) اصل بات یہ تھی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے کلام سے چڑھتی۔ ان کی خواہش اور کوشش یہ رہتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کی



لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ  
رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۴۱﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ  
الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۱۴۲﴾

(لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے، جو مؤمنوں کے لئے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے! ﴿۱۴۱﴾ پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو (اے رسول! ان سے) کہہ دو کہ: ”میرے لئے اللہ کافی ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اُسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے، اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔“ ﴿۱۴۲﴾

نوبت نہ آئے۔ لہذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں کوئی نئی سورت تلاوت فرماتے تو یہ بھاگنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن اگر سب کے سامنے اُٹھ کر جائیں تو ان کا راز فاش ہو جائے۔ اس لئے یہ ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرتے کہ کوئی ایسا موقع تلاش کرو کہ کوئی مسلمان تمہیں دیکھ نہ رہا ہو، اور اُس وقت چپکے سے اُٹھ کر چلے جاؤ۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۷ مئی ۲۰۰۶ء سورہ توبہ کا ترجمہ اور حواشی کراچی میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مکمل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں، اور باقی قرآن کریم کا ترجمہ اور حواشی بھی اپنی رضا کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ يُونُسُ

## تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی۔ البتہ بعض مفسرین نے اس کی تین آیتوں (آیت نمبر ۴۰ اور ۹۴ اور ۹۵) کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن اس کا کوئی یقینی ثبوت موجود نہیں ہے۔ سورت کا نام حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا ہے جن کا حوالہ آیت نمبر ۹۸ میں آیا ہے۔ مکہ مکرمہ میں سب سے اہم مسئلہ اسلام کے بنیادی عقائد کو ثابت کرنا تھا، اس لئے اکثر مکی سورتوں میں بنیادی زور توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین پر دیا گیا ہے۔ اس سورت کے بھی مرکزی موضوعات یہی ہیں۔ اس کے ساتھ اسلام پر مشرکین عرب کے اعتراضات کے جواب دیئے گئے ہیں، اور ان کے غلط طرز عمل کی مذمت کی گئی ہے، اور انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر انہوں نے اپنی ضد جاری رکھی تو دنیا اور آخرت دونوں میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آسکتا ہے۔ اسی سلسلے میں پچھلے انبیائے کرام میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کے نتیجے میں فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ اور حضرت نوح اور حضرت یونس علیہما السلام کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان میں کافروں کے لئے تو یہ سبق ہے کہ انہوں نے پیغمبر کی مخالفت میں جو رویہ اختیار کیا ہوا ہے، اُس کے نتیجے میں ان کا انجام بھی ایسا ہی ہو سکتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لئے یہ تسلی کا سامان بھی ہے کہ ان ساری مخالفتوں کے باوجود آخری انجام ان شاء اللہ انہی کے حق میں ہوگا۔



﴿اٰیٰتِهَا ۱۰۹﴾ ۱۰ سُوْرَةُ یُّوْنُسَ مَكِّيَّةٌ ۵۱ ﴿رُكُوْعَاتُهَا ۱۱﴾

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الرَّۤتِّلْكَ اٰیٰتِ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ○ اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحٰیْنَا اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ  
اَنْذِرَ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَهُمْ قَدَمٌ صَدُقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ الْکٰفِرُوْنَ اِنَّ  
هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِیْنٌ ○ اِنَّ رَبَّکُمْ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ  
اسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ یَدْبِرُ الْاَمْرَ ۚ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۚ ذٰلِکُمْ اللّٰهُ رَبُّکُمْ  
فَاعْبُدُوْهُ ۚ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ○

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو نو آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

التر۔ یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو حکمت سے بھری ہوئی ہے ○ کیا لوگوں کے لئے یہ تعجب کی بات ہے کہ ہم نے خود  
اُنہی میں سے ایک شخص پر وحی نازل کی ہے کہ: ”لوگوں کو (اللہ کی خلاف ورزی سے) ڈراؤ، اور جو لوگ ایمان لے آئے  
ہیں، اُن کو خوش خبری دو کہ اُن کے رب کے نزدیک اُن کا صحیح معنی میں بڑا پایہ ہے۔“ (۱) مگر جب اُس نے لوگوں کو یہ  
پیغام دیا تو (کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادوگر ہے ○ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پروردگار اللہ ہے جس نے سارے  
آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر اُس نے عرش پر اس طرح استواء فرمایا کہ وہ ہر چیز کا انتظام کرتا ہے۔ کوئی  
اُس کی اجازت کے بغیر (اُس کے سامنے) کسی کی سفارش کرنے والا نہیں۔ وہی اللہ ہے تمہارا پروردگار! لہذا اُس کی  
عبادت کرو۔ کیا تم پھر بھی دھیان نہیں دیتے؟ ○

(۱) جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا، یہ الگ الگ حروف جو سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، ”حروف مقطعات“  
کہلاتے ہیں۔ ان کا صحیح مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے۔

(۲) یعنی بڑا درجہ ہے۔

(۳) ”استواء“ کے لفظی معنی سیدھا ہونے، قابو پانے اور بیٹھ جانے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی طرح نہیں ہیں، اس لئے اُن  
کا استواء بھی مخلوقات جیسا نہیں۔ اس کی ٹھیک ٹھیک کیفیت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے ہم نے اس لفظ کا اردو میں  
ترجمہ کرنے کے بجائے اسی لفظ کو برقرار رکھا ہے، کیونکہ ہمارے لئے اتنا ایمان رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر اس طرح  
استواء فرمایا جو اُن کی شان کے لائق ہے۔ اس سے زیادہ کسی بحث میں پڑنے کی نہ ضرورت ہے، نہ ہماری محدود عقل اس کا احاطہ  
کر سکتی ہے۔



إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ۖ وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا ۚ إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ  
 آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَبِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا  
 كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٥﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا  
 عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾  
 إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ  
 يَتَّقُونَ ﴿٧﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَأَوْا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنَّنُوا بِهَا وَالَّذِينَ  
 هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غٰفِلُونَ ﴿٨﴾

اُسی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ یقیناً ساری مخلوق کو شروع میں بھی وہی پیدا کرتا ہے، اور دوبارہ  
 بھی وہی پیدا کرے گا، تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں اُن کو انصاف کے ساتھ اُس کا  
 صلہ دے۔ اور جنہوں نے کفر اپنالیا ہے، ان کے لئے کھولتے ہوئے پانی کا مشروب ہے، اور دُکھ دینے والا عذاب ہے،  
 کیونکہ وہ حق کا انکار کرتے تھے۔ ﴿۵﴾ اور اللہ وہی ہے جس نے سورج کو سرپا روشنی بنایا، اور چاند کو سرپا نور، اور اُس کے  
 (سفر) کے لئے منزلیں مقرر کر دیں، تاکہ تم برسوں کی گنتی اور (مہینوں کا) حساب معلوم کر سکو۔ اللہ نے یہ سب کچھ بغیر  
 کسی صحیح مقصد کے پیدا نہیں کر دیا۔ ﴿۶﴾ وہ یہ نشانیاں اُن لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ ﴿۷﴾  
 حقیقت یہ ہے کہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں اور اللہ نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے، اُس میں اُن  
 لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جن کے دل میں خدا کا خوف ہو۔ ﴿۸﴾ جو لوگ ہم سے (آخرت میں) آمنے کی کوئی  
 توقع ہی نہیں رکھتے، اور دُنیوی زندگی میں لگن اور اُسی پر مطمئن ہو گئے ہیں، اور جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ﴿۹﴾

﴿۴﴾ اس کائنات کے جن حقائق کی طرف قرآن کریم اشارہ فرماتا ہے، اُس سے دو باتیں ثابت کرنی مقصود ہوتی ہیں۔ ایک یہ  
 کہ کائنات کا یہ محیر العقول نظام جس میں چاند سورج ایسے نپے تلے حساب کے پابند ہو کر اپنا کام کر رہے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی  
 قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی نشانی ہے۔ اس بات کو مشرکین عرب بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی  
 ہوئی ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ جو ذات اتنے عظیم الشان کاموں پر قادر ہو، اُسے اپنی خدائی میں آخر کسی اور شریک کی کیا  
 ضرورت ہو سکتی ہے؟ لہذا یہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دیتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ ساری کائنات  
 بے مقصد پیدا نہیں کی گئی۔ اگر اس دُنیوی زندگی کے بعد آخرت کی ابدی زندگی نہ ہو جس میں نیک لوگوں کو اچھا صلہ اور بُرے  
 لوگوں کو بُرائی کا برابر نہ ملے تو اس کائنات کی پیدائش بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے۔ لہذا یہی کائنات توحید کے ساتھ ساتھ  
 آخرت کی ضرورت بھی ثابت کرتی ہے۔



أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيُهُمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿١٠﴾ دَعَا لَهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۖ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١١﴾ وَلَوْ يَعْلَمُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ۖ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَ نَافٍ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٢﴾ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرِّ مَسَّهُ ۖ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣﴾

اُن کا ٹھکانا اپنے کرتوت کی وجہ سے دوزخ ہے ﴿٩﴾ (دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کے ایمان کی وجہ سے اُن کا پروردگار انہیں اس منزل تک پہنچائے گا کہ نعمتوں سے بھرے باغات میں اُن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ ﴿١٠﴾ اُس میں (داخلے کے وقت) اُن کی پکار یہ ہوگی کہ: ”یا اللہ! تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے۔“ اور ایک دوسرے کے خیر مقدم کے لئے جو لفظ وہ بولیں گے، وہ سلام ہوگا، اور اُن کی آخری پکار یہ ہوگی کہ: ”تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔“ ﴿١١﴾ اور اگر اللہ (ان کافر) لوگوں کو بُرائی (یعنی عذاب) کا نشانہ بنانے میں بھی اتنی ہی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ اچھائیاں مانگنے میں مچاتے ہیں تو اُن کی مہلت تمام کر دی گئی ہوتی۔ ﴿١٢﴾ (لیکن ایسی جلد بازی ہماری حکمت کے خلاف ہے) لہذا جو لوگ ہم سے (آخرت میں) ملنے کی توقع نہیں رکھتے، ہم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں۔ ﴿١٣﴾ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لیٹے بیٹھے اور کھڑے ہوئے (ہر حالت میں) ہمیں پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اُس کی تکلیف دُور کر دیتے ہیں، تو اس طرح چل کھڑا ہوتا ہے جیسے کبھی اپنے آپ کو پہنچنے والی کسی تکلیف میں ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ جو لوگ حد سے گذر جاتے ہیں، انہیں اپنے کرتوت اسی طرح خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ ﴿١٤﴾

(۵) یہ دراصل کفار عرب کے ایک سوال کا جواب ہے۔ جب انہیں کفر کے نتیجے میں عذاب الہی سے ڈرایا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ اگر یہ بات سچ ہے تو وہ عذاب ابھی کیوں نہیں آ جاتا؟ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ لوگ عذاب آنے کے لئے اس طرح جلدی مچا رہے ہیں جیسے وہ کوئی اچھی چیز ہو۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ ان کی خواہش کے مطابق ابھی عذاب نازل کر دے تو ان کو سوچنے سمجھنے کی جو مہلت دی گئی ہے وہ ختم ہو جائے گی، اور پھر ان کا ایمان لانا معتبر بھی نہیں ہوگا۔ لہذا اللہ تعالیٰ اُن کے اس مطالبے کو اپنی حکمت کی بنا پر پورا نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ فی الحال ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے، تاکہ جو لوگ سرکش ہیں، وہ گمراہی میں بھٹکتے رہیں، اور ان پر حجت تمام ہو جائے، اور جو سمجھ سے کام لینا چاہتے ہوں، انہیں راہ راست پر آنے کا موقع مل جائے۔



وَلَقَدْ أَهَلَكْنَا الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكَ لَمَّا ظَلَمُوا ۖ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۴﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۵﴾ وَإِذْ تُثَلَّىٰ عَلَيْهِمُ آيَاتُنَا بِبَيِّنَاتٍ ۖ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۖ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَائِي نَفْسِي ۚ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۚ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۶﴾ قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۷﴾

اور ہم نے تم سے پہلے (کئی) قوموں کو اُس موقع پر ہلاک کیا جب انہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا تھا، اور اُن کے پیغمبر اُن کے پاس روشن دلائل لے کر آئے تھے، اور وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے۔ ایسے مجرم لوگوں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ ﴿۴﴾ پھر ہم نے اُن کے بعد زمین میں تم کو جانشین بنایا ہے تاکہ یہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ ﴿۵﴾ اور وہ لوگ جو (آخرت میں) ہم سے آمنے کی توقع نہیں رکھتے جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں، جبکہ وہ بالکل واضح ہوتی ہیں، تو وہ یہ کہتے ہیں کہ: ”یہ نہیں، کوئی اور قرآن لے کر آؤ، یا اس میں تبدیلی کرو۔“ (اے پیغمبر!) ان سے کہہ دو کہ: ”مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی کروں۔ میں تو کسی اور چیز کی نہیں، صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔ اگر کبھی میں اپنے رب کی نافرمانی کر بیٹھوں تو مجھے ایک زبردست دن کے عذاب کا خوف ہے۔“ ﴿۶﴾ کہہ دو کہ: ”اگر اللہ چاہتا تو میں اس قرآن کو تمہارے سامنے نہ پڑھتا، اور نہ اللہ تمہیں اس سے واقف کراتا۔“ آخر اس سے پہلے بھی تو میں ایک عمر تمہارے درمیان بسر کر چکا ہوں۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۷﴾

(۶) یعنی یہ قرآن میرا بنایا ہوا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے۔ اگر وہ نہ چاہتا تو نہ میں تمہارے سامنے پڑھ سکتا تھا، نہ تمہیں اس کا علم ہو سکتا تھا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرما کر مجھے حکم دیا کہ تمہیں سناؤں، اس لئے سنارہا ہوں۔ لہذا اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۷) یعنی تمہارا یہ مطالبہ کہ میں اس قرآن کو بدل دوں، دراصل میری نبوت کا انکار اور مجھ پر (معاذ اللہ) جھوٹ کا الزام ہے، حالانکہ میں نے عمر کا بڑا حصہ تمہارے درمیان گزارا ہے، اور میری ساری زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح تمہارے سامنے رہی ہے۔ قرآن کریم کے نازل ہونے سے پہلے تم سب مجھے سچا اور امانت دار کہتے رہے ہو، اور چالیس سال کے طویل عرصے میں کبھی کسی ایک شخص نے بھی مجھ پر جھوٹ کا الزام نہیں لگایا۔ اب نبوت جیسے معاملے میں مجھ پر یہ الزام لگانا بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے؟



فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥﴾  
وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ ۖ  
قُلْ أَتُتَّبِعُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۖ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦﴾  
وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ  
فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٧﴾ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا الْغِيبُ لِلَّهِ  
فَاتَّظِرُوا ۖ إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿٨﴾

پھر اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے، یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے؟ یقین رکھو کہ مجرم لوگ فلاح نہیں پاتے۔“ ﴿۵﴾ اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر اُن (من گھڑت خداؤں) کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں، نہ ان کو کوئی فائدہ دے سکتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ”کیا تم اللہ کو اُس چیز کی خبر دے رہے ہو جس کا کوئی وجود اللہ کے علم میں نہیں ہے، نہ آسمانوں میں نہ زمین میں؟“ (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ ان کی مشرکانہ باتوں سے بالکل پاک اور کہیں بالا و برتر ہے۔ ﴿۶﴾ اور (شروع میں) تمام انسان کسی اور دین کے نہیں، صرف ایک ہی دین کے قائل تھے۔ پھر بعد میں وہ آپس میں اختلاف کر کے الگ الگ ہوئے۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو جس معاملے میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں، اُس کا فیصلہ (دُنیا ہی میں) کر دیا جاتا۔ ﴿۷﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”اِس نبی پر اُس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں کی گئی؟“ تو (اے پیغمبر! تم جواب میں) کہہ دو کہ: ”غیب کی باتیں تو صرف اللہ کے اختیار میں ہیں۔ لہذا تم انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔“ ﴿۸﴾

(۸) مطلب یہ ہے کہ جب پہلے پہل حضرت آدم علیہ السلام دُنیا میں تشریف لائے تو تمام انسان تو حید ہی کے دینِ برحق پر چلتے تھے۔ بعد میں کچھ لوگوں نے الگ الگ مذہب ایجاد کر لئے۔ اللہ تعالیٰ یہیں دُنیا میں ان کے اختلافات کا فیصلہ کر سکتا تھا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے پہلے ہی یہ طے فرمایا ہوا تھا کہ دُنیا انسانوں کے امتحان کے لئے پیدا کی جائے گی، اور ہر شخص کو یہ موقع دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر بھیجے جائیں گے جو لوگوں کو دُنیا میں آنے کا مقصد بتائیں، اور دینِ برحق کو واضح دلائل سے بیان کر دیں، پھر وہ اپنی آزاد مرضی سے جو راستہ چاہیں اختیار کریں، اور آخرت میں فیصلہ کیا جائے کہ کس کا راستہ صحیح اور انعام کے قابل تھا، اور کس کا غلط اور قابلِ سزا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں اس فیصلے کا مشاہدہ نہیں کروایا۔ (۹) اس آیت میں نشانی سے مراد معجزہ ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے معجزات عطا فرمائے تھے، اور آپ کے اُمی ہونے کے باوجود قرآن کریم کا آپ کی زبان مبارک پر جاری ہونا بذاتِ خود بہت بڑا معجزہ تھا، لیکن کفارِ مکہ آپ



وَإِذْ آذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْ بَعْدِ ضَرِّآءٍ مَّسَّتْهُمْ إِذِ الْهَمُّ مَكْرٌ فِي آيَاتِنَا ۖ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۖ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَكْفُرُونَ ﴿٢١﴾ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۖ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٢٢﴾

اور انسانوں کا حال یہ ہے کہ جب اُن کو پہنچنے والی کسی تکلیف کے بعد ہم اُن کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو ذرا سی دیر میں وہ ہماری نشانیوں کے بارے میں چال بازی شروع کر دیتے ہیں۔ کہہ دو کہ: ”اللہ اس سے بھی جلدی کوئی چال چل سکتا ہے۔“ (۱۱) یقیناً ہمارے فرشتے تمہاری ساری چال بازیوں کو لکھ رہے ہیں (۲۱) وہ اللہ ہی تو ہے جو تمہیں خشکی میں بھی اور سمندر میں بھی سفر کراتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو، اور یہ کشتیاں لوگوں کو لے کر خوشگوار ہوا کے ساتھ پانی پر چلتی ہیں، اور لوگ اس بات پر لگن ہوتے ہیں، تو اچانک اُن کے پاس ایک تیز آندھی آتی ہے، اور ہر طرف سے اُن پر موجیں اٹھتی ہیں، اور وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ ہر طرف سے گھر گئے، تو اُس وقت وہ خلوص کے ساتھ صرف اللہ پر اعتقاد کر کے صرف اُسی کو پکارتے ہیں، (اور کہتے ہیں کہ: ) ”(یا اللہ!) اگر تو نے ہمیں اس (مصیبت سے) نجات دے دی تو ہم ضرور بالضرور شکر گزار لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔“ (۲۲)

سے نت نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے جن کا کچھ بیان سورہ بنی اسرائیل (۱۷: ۹۳) میں آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ کافروں کے اس قسم کے ہر مطالبے کو پورا کریں، اور ہر کس و ناکس کی فرمائش پر ہر روز نئے معجزات دکھایا کریں، بالخصوص جب یہ بات معلوم ہو کہ مطالبہ کرنے والے محض وقت گزاری اور بہانہ بازی کے لئے ایسی فرمائشیں کر رہے ہوں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی فرمائشوں کا یہ مختصر جواب دینے کی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ غیب کی ساری باتیں، جن میں معجزات کا ظاہر کرنا بھی داخل ہے، میرے قبضے اور اختیار میں نہیں، صرف اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ وہ تمہاری کوئی فرمائش پوری کرتا ہے، اور کوئی پوری نہیں کرتا، اس کا تم بھی انتظار کرو، میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

(۱۰) جب تک مصیبت کا سامنا تھا، اُس وقت تک تو بس اللہ ہی یاد آتا تھا، لیکن جب اُس کی رحمت سے مصیبت دور ہو جاتی ہے، اور اچھا وقت آتا ہے تو اُس کی اطاعت سے منہ موڑنے کے لئے حیلے بہانے شروع ہو جاتے ہیں، جس کی مثال آگے آیت نمبر ۲۲ میں آرہی ہے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ کے لئے ”چال“ کا لفظ ایک طنز کے طور پر ہے، اور اُس سے مراد اُن کی چال بازیوں کی سزا دینا ہے۔



فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۖ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغَيْتُمْ عَلَىٰ  
 أَنْفُسِكُمْ ۖ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٣﴾ إِنَّمَا  
 مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ  
 وَالْأَنْعَامُ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَاتَّخَذَتْ وَحْشَهَا أَهْلَهَا ۖ أَنْتُمْ قُدْرُونَ  
 عَلَيْهَا ۖ إِنَّهَا أَمْرٌ نَالِيٌّ ۖ أَوَنَهَا رَأَفَعْنَاهَا حَصِيدًا ۖ كَانُوا لَمْ تَعْنِ بِأَلَا مَسٍ ۖ كَذَلِكَ  
 نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ ۖ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ  
 صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢٥﴾

لیکن جب اللہ اُن کو نجات دے دیتا ہے تو زیادہ دیر نہیں گذرتی کہ وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ ارے لوگو! تمہاری یہ سرکشی درحقیقت خود تمہارے اپنے خلاف پڑ رہی ہے۔ اب تو دُنیوی زندگی کے مزے اُڑالو، آخر کو ہمارے پاس ہی تمہیں لوٹ کر آنا ہے۔ اُس وقت ہم تمہیں بتائیں گے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔ ﴿٢٤﴾

دُنیوی زندگی کی مثال تو کچھ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا جس کی وجہ سے زمین سے اُگنے والی وہ چیزیں خوب گھنی ہو گئیں جو انسان اور مویشی کھاتے ہیں، یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا یہ زیور پہن لیا، اور سنگھار کر کے خوشنما ہو گئی، اور اُس کے مالک سمجھنے لگے کہ بس اب یہ پوری طرح اُن کے قابو میں ہے، تو کسی رات یا دن کے وقت ہمارا حکم آ گیا (کہ اُس پر کوئی آفت آجائے)، اور ہم نے اُس کو کٹی ہوئی کھیتی کی سپاٹ زمین میں اس طرح تبدیل کر دیا جیسے کل وہ تھی ہی نہیں۔ ﴿٢٥﴾ اسی طرح ہم نشانیوں کو اُن لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں ﴿٢٦﴾ اور اللہ لوگوں کو سلامتی کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے تک پہنچا دیتا ہے۔ ﴿٢٧﴾

﴿٢٢﴾ دُنیا کی حالت بھی ایسی ہی ہے کہ اس وقت وہ بڑی خوبصورت اور بنی بنی معلوم ہوتی ہے، لیکن اوّل تو کبھی قیامت سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے کسی عذاب کی وجہ سے اُس کی ساری خوبصورتی ملیا میٹ ہو جاتی ہے، دوسرے جب انسان کی موت کا وقت آتا ہے، تب بھی اُس کے لئے یہ دُنیا اندھیری ہو جاتی ہے، اور اگر ایمان اور عمل صالح کی پونجی پاس نہ ہو تو پتہ چلتا ہے کہ یہ ساری خوبصورتی درحقیقت ایک عذاب تھی۔ اور جب قیامت آئے گی تب تو یہ ظاہری زیب و زینت بھی پوری دُنیا سے ختم ہو جائے گی۔ ﴿٢٣﴾ سلامتی کے گھر سے مراد جنت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت تو تمام انسانوں کے لئے عام ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح کے ذریعے جنت حاصل کریں، لیکن اُس تک پہنچنے کا جو سیدھا راستہ ہے اُس تک اللہ تعالیٰ اُسی کو پہنچاتا ہے جسے وہ اپنی حکمت سے چاہتا ہے۔ اور اُس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اُسی کو پہنچایا جائے جو اپنے اختیار اور ہمت کو کام میں لا کر جنت کی ضروری شرائط پوری کرے۔



لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٥﴾ وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۖ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ مَا لَهُمْ مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَانُوا غُشِّيَتْ وُجُوهُهُمْ قُطْعًا مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٦﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاءُكُمْ ۖ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاءُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِلَّا نَا تَعْبُدُونَ ﴿١٧﴾

جن لوگوں نے بہتر کام کئے ہیں، بہترین حالت انہی کے لئے ہے، اور اُس سے بڑھ کر کچھ اور بھی! نیز اُن کے چہروں پر نہ کبھی سیاہی چھائے گی، نہ ذلت۔ وہ جنت کے باسی ہیں! وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۱۵﴾ رہے وہ لوگ جنہوں نے بُرائیاں کمائی ہیں، تو (ان کی) بُرائی کا بدلہ اُسی جیسا برا ہوگا۔ اور اُن پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، اللہ (کے عذاب) سے انہیں کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ ایسا لگے گا جیسے اُن کے چہروں پر اندھیری رات کی تہیں چڑھادی گئی ہیں۔ وہ دوزخ کے باسی ہیں۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۱۶﴾ اور (یاد رکھو) وہ دن جب ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے، پھر جن لوگوں نے شرک کیا تھا، اُن سے کہیں گے کہ: ”ذرا اپنی جگہ ٹھہرو، تم بھی اور وہ بھی جن کو تم نے اللہ کا شریک مانا تھا!“ پھر اُن کے درمیان (عابد اور معبود کا) جو رشتہ تھا، ہم وہ ختم کر دیں گے، اور اُن کے وہ شریک کہیں گے کہ: ”تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے۔“ ﴿۱۷﴾

(۱۳) وعدے کا یہ انتہائی لطیف پیرایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ”کچھ اور“ کو کھول کر بیان نہیں فرمایا، بلکہ پردے میں رکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں تمام بہترین نعمتوں کے علاوہ کچھ نعمتیں ایسی ہوں گی کہ اگر اللہ تعالیٰ اُن کو بیان بھی فرمادیں تو اُن کی لذت اور حلاوت کو انسان اس وقت محسوس کر ہی نہیں سکتا۔ بس انسان کے سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ اضافی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو انہی کی شان کے مطابق ہوں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر یہ منقول ہے کہ جب تمام جنتی جنت کی نعمتوں سے سرشار اور اُن میں لگن ہو چکے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہم نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا، اب ہم اُسے پورا کرنا چاہتے ہیں۔ جنت کے لوگ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں دوزخ سے بچا کر اور جنت عطا فرما کر سارے وعدے پورے کر دیئے ہیں۔ اب کونسا وعدہ رہ گیا؟ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اپنا حجاب ہٹا کر اپنی زیارت کرائیں گے، اور اُس وقت جنت والوں کو محسوس ہوگا کہ یہ نعمت اُن تمام نعمتوں سے زیادہ لذیذ اور محبوب ہے جو انہیں اب تک عطا ہوئی ہیں (روح المعانی بحوالہ صحیح مسلم وغیرہ)۔

(۱۵) یعنی نیکیوں پر تو ثواب کئی کئی گنا دیا جائے گا جس میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی وہ نعمت بھی داخل ہے جس کا ابھی ذکر ہوا، لیکن بُرائی کی سزا اُسی بُرائی کے برابر ملے گی، اُس سے زیادہ نہیں۔

(۱۶) جن بتوں کو انہوں نے خدا مان رکھا تھا، وہ تو بے جان تھے، اس لئے انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ یہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ ان کو زبان عطا فرمائیں گے تو شروع میں تو وہ صاف انکار کر دیں گے کہ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں



فَكَفَى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿٢٩﴾ هٰذَا لِكَيْ تَبْلُوْا كُلَّ نَفْسٍ مَّا سَلَفَتْ وِرْدُوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمْ اَلْحَقِّ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٣٠﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالاَرْضِ اَمْ مَنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٣١﴾ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ اَلْحَقَّ ۚ فَمَا ذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنَّى تُصْرَفُوْنَ ﴿٣٢﴾

ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ بننے کے لئے کافی ہے (کہ) ہم تمہاری عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔“ ﴿۲۹﴾ ہر شخص نے ماضی میں جو کچھ کیا ہوگا، اس موقع پر وہ خود اُس کو پرکھ لے گا، اور سب کو اللہ کی طرف لوٹا دیا جائے گا جو اُن کا مالک حقیقی ہے، اور جو جھوٹ اُنہوں نے تراش رکھے تھے، اُن کا کوئی سراغ اُنہیں نہیں ملے گا۔ ﴿۳۰﴾ (اے پیغمبر! ان مشرکوں سے) کہو کہ: ”کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے؟ یا بھلا کون ہے جو سننے اور دیکھنے کی قوتوں کا مالک ہے؟ اور کون ہے جو جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے باہر نکال لاتا ہے؟ اور کون ہے جو ہر کام کا انتظام کرتا ہے؟“ تو یہ لوگ کہیں گے کہ: ”اللہ!“ ﴿۳۱﴾ تو تم ان سے کہو کہ: ”کیا پھر بھی تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟“ ﴿۳۲﴾ پھر تو لوگو! وہی اللہ ہے جو تمہارا مالک برحق ہے۔ پھر حق واضح ہو جانے کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ گیا؟ اس کے باوجود تمہیں کوئی کہاں الٹا لئے جا رہا ہے؟“ ﴿۳۳﴾

کرتے تھے۔ پھر جب بعد میں اُنہیں پتہ چلے گا کہ یہ واقعی ان کی عبادت کرتے تھے تو وہ کہیں گے کہ اگر کرتے بھی تھے تو ہمیں اس کا پتہ نہیں تھا۔

(۱۷) یعنی ہر عمل کی قلعی کھل جائے گی کہ اُس کی حقیقت کیا تھی؟

(۱۸) عرب کے مشرکین یہ مانتے تھے کہ ساری کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ اُس نے بیشتر اختیارات مختلف دیوتاؤں کو سونپ دیئے ہیں جو خدائی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہیں، اور اب اُن کو راضی رکھنے کے لئے اُن کی عبادت کرنی چاہئے۔ اس لئے یہ آیت کریمہ اُن پر یہ حقیقت واضح کر رہی ہے کہ جب تم خود مانتے ہو کہ یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے تو پھر کسی اور کی عبادت کرنا کیسی بے عقلی کی بات ہے۔

(۱۹) قرآن کریم نے مجہول کا جو صیغہ استعمال فرمایا ہے، آیت نمبر ۳۲ اور ۳۴ کے ترجمے میں اُس کا مفہوم ”کوئی“ کا لفظ بڑھا کر ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور بظاہر قرآن کریم نے مجہول کا صیغہ یہ اشارہ کرنے کے لئے استعمال فرمایا ہے کہ درحقیقت اُن کی نفسانی خواہشات ہیں جو اُنہیں الٹی سمت لے جا رہی ہیں۔



كَذَلِكَ حَقَّتْ لِرَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَن يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ قُلِ اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ فَإِنِّي تُوَفِّكُونَ ﴿٢١﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۚ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ ۚ أَفَمَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَن يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَن يُهْدَىٰ ۚ فَسَالِكُمْ ۚ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٢٢﴾ وَمَا يَتَّبِعُهُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٢٣﴾ وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَن يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٤﴾

اسی طرح جن لوگوں نے نافرمانی کا شیوہ اپنایا ہے، اُن کے بارے میں اللہ کی یہ بات سچی ہوگئی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ﴿۲۰﴾ کہو کہ: ”جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک مانتے ہو، کیا اُن میں کوئی ایسا ہے جو مخلوقات کو پہلی بار پیدا کرے، پھر (اُن کی موت کے بعد) اُنہیں دوبارہ پھر پیدا کر دے؟“ کہو کہ: ”اللہ ہے جو مخلوقات کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اُن (کی موت کے بعد) اُنہیں دوبارہ پھر پیدا کر دے گا۔ پھر آخر کوئی تمہیں کہاں اوندھے منہ لئے جا رہا ہے؟“ ﴿۲۱﴾ کہو کہ: ”جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک مانتے ہو، کیا اُن میں کوئی ایسا ہے جو تمہیں حق کا راستہ دکھائے؟“ کہو کہ: ”اللہ حق کا راستہ دکھاتا ہے۔ اب بتاؤ کہ جو حق کا راستہ دکھاتا ہو، کیا وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اُس کی بات مانی جائے، یا وہ (زیادہ حق دار ہے) جس کو خود اُس وقت تک راستہ نہ سوجھے جب تک کوئی دوسرا اُس کی رہنمائی نہ کرے؟ بھلا تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ تم کس طرح کی باتیں طے کر لیتے ہو؟“ ﴿۲۲﴾ اور (حقیقت یہ ہے کہ) ان (شرکیں) میں سے اکثر لوگ کسی اور چیز کے نہیں، صرف وہی اندازے کے پیچھے چلتے ہیں، اور یہ یقینی بات ہے کہ حق کے معاملے میں وہی اندازہ کچھ بھی کام نہیں دے سکتا۔ یقین جانو، جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں، اللہ اُس کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔ ﴿۲۳﴾ اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اُسے کسی نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہو، اللہ نے نہ اُتارا ہو، بلکہ یہ (وحی کی) اُن باتوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے آچکی ہیں، اور اللہ نے جو باتیں (لوح محفوظ میں) لکھ رکھی ہیں، اُن کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ اس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ اُس ذات کی طرف سے ہے جو تمام جہانوں کی پرورش کرتی ہے۔ ﴿۲۴﴾

(۲۰) یعنی ان کی تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے جو بات لکھی ہوئی تھی کہ یہ لوگ اپنی سرکشی کی وجہ سے اپنے اختیار کو صحیح استعمال نہیں کریں گے، اور ایمان نہیں لائیں گے، وہ بات سامنے آگئی۔

(۲۱) اس فقرے میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ قرآن کریم کا مآخذ کوئی انسانی دماغ نہیں، بلکہ وہ لوح محفوظ ہے جس میں



أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَعْظَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوا بِآيَاتِهِمْ تَأْوِيلَهُ ۖ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ ۖ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿۴۰﴾ وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِي عَمَلٍ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۖ أَنْتُمْ بَرِيءُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ ۖ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْى وَلَوْ كَانُوا لَا يَبْصُرُونَ ﴿۴۲﴾

کیا پھر بھی یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”پیغمبر نے اسے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟“ کہو کہ: ”پھر تو تم بھی اس جیسی ایک ہی سورت (گھڑ کر) لے آؤ، اور (اس کام میں مدد لینے کے لئے) اللہ کے سوا جس کسی کو بلا سکو بلا لو، اگر سچے ہو۔“ ﴿۳۸﴾ بات دراصل یہ ہے کہ جس چیز کا احاطہ یہ اپنے علم سے نہیں کر سکے، اُسے انہوں نے جھوٹ قرار دے دیا، اور ابھی اس کا انجام بھی ان کے سامنے نہیں آیا۔ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے، انہوں نے بھی (اپنے پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا۔ پھر دیکھو کہ ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿۳۹﴾ اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اس (قرآن) پر ایمان لے آئیں گے، اور کچھ وہ ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے، اور تمہارا پروردگار فساد پھیلانے والوں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۴۰﴾ اور (اے پیغمبر!) اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو (ان سے) کہہ دو کہ: ”میرا عمل میرے لئے ہے، اور تمہارا عمل تمہارے لئے۔ جو کام میں کرتا ہوں، اُس کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے، اور جو کام تم کرتے ہو، اُس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں۔“ ﴿۴۱﴾ اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو تمہاری باتوں کو (بظاہر) کان لگا کر سنتے ہیں (مگر دل میں حق کی طلب نہیں رکھتے، اس لئے درحقیقت بہرے ہیں) تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے، چاہے وہ سمجھتے نہ ہوں؟ ﴿۴۲﴾ اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو تمہاری طرف دیکھتے ہیں، (مگر دل میں انصاف نہ ہونے کی وجہ سے وہ اندھوں جیسے ہیں) تو کیا تم اندھوں کو راستہ دکھاؤ گے، چاہے انہیں کچھ بھی بھائی نہ دیتا ہو؟ ﴿۴۳﴾

اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے تشریحی اور تکوینی احکام ازل سے لکھے ہوئے ہیں۔ ان احکام میں سے جن کی انسانوں کو ضرورت ہے، یہ قرآن اُن کی تفصیل بیان فرماتا ہے۔

(۲۲) یعنی ان کے جھٹلانے کا انجام جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہونے والا ہے، ابھی تک ان کے سامنے نہیں آیا، لیکن پچھلی قوموں کے انجام سے ان کو عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

(۲۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت پر جو غیر معمولی شفقت تھی، اُس کی وجہ سے آپ اکثر اس بات سے غمگین رہتے



إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۳۴﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۖ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِإِلْقَاءِ اللَّهِ وَكَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۳۵﴾ وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿۳۶﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ ۚ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۳۷﴾

حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا، لیکن انسان ہیں جو خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ﴿۳۴﴾ اور جس دن اللہ ان کو (میدانِ حشر میں) اکٹھا کرے گا، تو انہیں ایسا معلوم ہوگا جیسے وہ (دنیا میں یا قبر میں) دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے (اسی لئے) وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے بڑے گھائے کا سودا کیا ہے جنہوں نے اللہ سے (آخرت میں) جا ملنے کو جھٹلایا ہے، اور جو راہِ راست پر نہیں آئے۔ ﴿۳۵﴾ اور (اے پیغمبر!) جن باتوں کی ہم نے ان (کافروں کو) دھمکی دی ہوئی ہے، چاہے اُن میں سے کوئی بات ہم تمہیں (تمہاری زندگی میں) دکھا دیں، یا (اس سے پہلے) تمہاری روح قبض کر لیں، بہر صورت ان کو آخر میں ہماری طرف ہی لوٹنا ہے، پھر (یہ تو ظاہر ہی ہے کہ) جو کچھ یہ کرتے ہیں، اللہ اس کا پورا پورا مشاہدہ کر رہا ہے۔ (لہذا وہاں ان کو سزا دے گا) ﴿۳۶﴾ اور ہر امت کے لئے ایک رسول بھیجا گیا ہے۔ پھر جب اُن کا رسول آ جاتا ہے تو اُن کا فیصلہ پورے انصاف سے کیا جاتا ہے، اور اُن پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ ﴿۳۷﴾

تھے کہ یہ کافر لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ یہ آیت آپ کو تسلی دے رہی ہے کہ آپ اُسی شخص کو راہِ راست پر لا سکتے ہیں جو دل میں حق کی طلب رکھتا ہو، لیکن جن لوگوں میں اس طلب ہی کا فقدان ہے، ان کی مثال تو بہروں اور اندھوں کی سی ہے کہ آپ کتنا ہی چاہیں، نہ انہیں کوئی بات سنا سکتے ہیں، نہ کوئی راستہ دکھا سکتے ہیں۔ ان کی ذمہ داری آپ پر نہیں، خود انہی پر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ یہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں کہ دوزخ کا راستہ اپنا رکھا ہے۔

(۳۴) یعنی دُنیوی زندگی اُنہیں اتنی قریب معلوم ہوگی کہ انہیں ایک دوسرے کو پہچاننے میں وہ دشواری پیش نہیں آئے گی جو کسی کو عرصہ دراز کے بعد دیکھنے کی وجہ سے عموماً پیش آیا کرتی ہے۔

(۳۵) یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو عذاب کی دھمکی تو دی ہوئی ہے، لیکن اب تک اُن کی سرکشی اور مسلمانوں کے ساتھ کڑ دشمنی کے رویے کے باوجود اُن پر کوئی عذاب نازل نہیں ہوا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ان کو عذاب اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق اپنے وقت پر ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہی میں ان کو دنیا میں سزا مل جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی زندگی میں کوئی عذاب نہ آئے، لیکن بہر صورت یہ بات طے ہے کہ جب یہ آخرت کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جائیں گے تو انہیں ابدی عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔



وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ إِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَآتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعِجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾ أَتَمَّ إِذَا مَا وَقَعَ أَمْنْتُمْ بِهِ ۚ أَلَنْ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعِجِلُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ ۖ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَبْشِرُونَكَ أَحَقُّ هُوَ ۖ قُلْ إِيَّيَّيَّ إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٥٣﴾ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَا فُتِدَتْ بِهِ ۖ وَأَسْرُ وَالنَّدَامَةُ لَبِئْسَ أَوَّالُ الْعَذَابِ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٥٤﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾

اور یہ (کافر) لوگ (مسلمانوں سے مذاق اڑانے کے لئے) کہتے ہیں کہ: ”اگر تم سچے ہو تو (اللہ کی طرف سے عذاب کا) یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟“ ﴿٤٨﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: ”میں تو خود اپنی ذات کو بھی نہ کوئی نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں، نہ فائدہ پہنچانے کا، مگر جتنا اللہ چاہے۔ ہر اُمت کا ایک وقت مقرر ہے۔ چنانچہ جب اُن کا وہ وقت آجاتا ہے تو وہ اُس سے نہ ایک گھڑی پیچھے جاسکتے ہیں، نہ آگے آسکتے ہیں۔“ ﴿٤٩﴾ ان سے کہو کہ: ”ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر رات کے وقت آئے یا دن کے وقت تو اُس میں کوئی ایسی (اشتیاق کے قابل) چیز ہے جس کے جلد آنے کا یہ مجرم لوگ مطالبہ کر رہے ہیں؟ ﴿٥٠﴾ کیا جب وہ عذاب آہی پڑے گا، تب اُسے مانو گے؟ (اُس وقت تو تم سے یہ کہا جائے گا کہ:) ”اب مانے؟ حالانکہ تم ہی (اس کا انکار کر کے) اس کی جلدی مچایا کرتے تھے!“ ﴿٥١﴾ پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ: ”اب ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ تمہیں کسی اور چیز کا نہیں، صرف اُس (بدی) کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کما تے رہے ہو“ ﴿٥٢﴾ اور یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ”کیا یہ (آخرت کا عذاب) واقعی سچ ہے؟“ کہہ دو کہ: ”میرے پروردگار کی قسم! یہ بالکل سچ ہے، اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔“ ﴿٥٣﴾ اور جس جس شخص نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے، اگر اُس کے پاس روئے زمین کی ساری دولت بھی ہوگی تو وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے اُس کی پیشکش کر دے گا۔ اور جب وہ عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو اپنی شرمندگی کو چھپانا چاہیں گے۔ اور اُن کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا، اور اُن پر ظلم نہیں ہوگا ﴿٥٤﴾ یاد رکھو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿٥٥﴾



هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٥٦﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ تِلْكَ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ  
وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ ۖ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ  
فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا ۖ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٨﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِّن رِّزْقٍ  
فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا ۖ قُلْ آلَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ﴿٥٩﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ  
يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا  
يَشْكُرُونَ ﴿٦٠﴾ وَمَاتَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَاتَ تَلَكُّوهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا  
عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۖ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْإِلَافِ وَلَا  
فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿٦١﴾

وہی زندہ کرتا ہے، اور وہی موت دیتا ہے، اور اُسی کے پاس تم سب کو لوٹایا جائے گا ﴿٥٦﴾ لوگو! تمہارے پاس ایک ایسی چیز  
آئی ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک نصیحت ہے، اور دلوں کی بیماریوں کے لئے شفا ہے، اور ایمان والوں  
کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان ہے۔ ﴿٥٧﴾ (اے پیغمبر!) کہو کہ: ”یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہوا ہے،  
لہذا اسی پر تو انہیں خوش ہونا چاہئے۔ یہ اُس تمام دولت سے کہیں بہتر ہے جسے یہ جمع کر کر کے رکھتے ہیں“ ﴿٥٨﴾ کہو کہ:  
”بھلا بتاؤ، اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل کیا تھا، تم نے اپنی طرف سے اُس میں سے کسی کو حرام اور کسی کو حلال قرار  
دے دیا!“ ان سے پوچھو کہ: ”کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی تھی یا تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہو؟“ ﴿٥٩﴾ اور جو  
لوگ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں، روز قیامت کے بارے میں اُن کا کیا گمان ہے؟ اس میں شک نہیں کہ اللہ انسانوں کے  
ساتھ فضل کا معاملہ کرنے والا ہے، لیکن اُن میں سے اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ ﴿٦٠﴾

اور (اے پیغمبر!) تم جس حالت میں بھی ہوتے ہو، اور قرآن کا جو حصہ بھی تلاوت کرتے ہو، اور (اے لوگو!) تم جو کام بھی  
کرتے ہو، تو جس وقت تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو، ہم تمہیں دیکھتے رہتے ہیں۔ اور تمہارے رب سے کوئی ذرہ برابر  
چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے، نہ زمین میں نہ آسمان میں، نہ اس سے چھوٹی، نہ بڑی، مگر وہ ایک واضح کتاب میں درج ہے۔ ﴿٦١﴾

(۲۶) عرب کے مشرکین نے مختلف جانوروں کو بتوں کے ناموں پر کر کے انہیں خواہ مخواہ حرام قرار دے دیا تھا، جس کی تفصیل  
سورۃ انعام (۵: ۱۳۸ و ۱۳۹) میں گزری ہے۔ یہ ان کی اس بد عملی کی طرف اشارہ ہے۔

(۲۷) قیامت میں انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کو مشرکین عرب اس وجہ سے ناممکن سمجھتے تھے کہ اربوں انسان جب مر کر مٹی  
کے ذرات میں تبدیل ہو چکے ہوں گے، اُس کے بعد اُن سب کو اکٹھا کر کے دوبارہ زندگی کیسے دی جاسکتی ہے؟ یہ کیسے معلوم ہوگا



أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٨﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٢٩﴾ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٣٠﴾ وَلَا يَحْزَنُكَ قَوْلُهُمْ ۚ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣١﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنَّ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصَرًا ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٣٣﴾

یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں، اُن کو نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ﴿۲۸﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، اور تقویٰ اختیار کئے رہے ﴿۲۹﴾ اُن کے لئے خوشخبری ہے دُنیوی زندگی میں بھی، اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہی زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۳۰﴾ اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں، وہ تمہیں رنجیدہ نہ کریں۔ یقین رکھو کہ اقتدار تمام تر اللہ کا ہے، اور وہ ہر بات سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ ﴿۳۱﴾ یاد رکھو کہ آسمانوں اور زمین میں جتنے جان دار ہیں وہ سب اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں، وہ کوئی اللہ کے (حقیقی) شرکاء کی پیروی نہیں کرتے۔ وہ کسی اور چیز کی نہیں، محض گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور اُن کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ اندازوں کے تیر چلاتے رہیں۔ ﴿۳۲﴾ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی، تاکہ تم اُس میں سکون حاصل کرو، اور دن کو ایسا بنایا جو تمہیں دیکھنے کی صلاحیت دے۔ اس میں یقیناً اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور سے سنتے ہوں۔ ﴿۳۳﴾

کہ مٹی کا کونسا ذرہ دراصل کس انسان کے جسم کا حصہ تھا۔ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم کو اپنے اوپر قیاس مت کرو۔ اللہ تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے کہ اُس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

﴿۲۸﴾ اللہ کے دوست کی تشریح اگلی آیت میں کر دی گئی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کی صفات رکھتے ہوں۔ ان کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ انہیں نہ آئندہ کا کوئی خوف ہوگا، اور نہ ماضی کی کسی بات کا کوئی غم ہوگا۔ کہنے کو یہ مختصر سی بات ہے، لیکن دیکھا جائے تو یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ دُنیا میں اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ دُنیا میں ہر انسان کو، خواہ وہ کتنا خوشحال ہو، ہر وقت مستقبل کا کوئی نہ کوئی خوف اور ماضی کا کوئی نہ کوئی رنج پریشان کرتا ہی رہتا ہے۔ یہ نعمت صرف جنت ہی میں حاصل ہوگی کہ انسان ہر طرح کے خوف اور صدمے سے بالکل آزاد ہو جائے گا۔



قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ ۖ هُوَ الْغَنِيُّ ۖ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ اِنْ  
عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ۚ اَتَقُولُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ  
عَلٰى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۳۰﴾ مَتَاعٌ فِى الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُنْزِقُهُمُ الْعَذَابَ  
الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاْتَلْ عَلَيْهِمْ نَبَا نُوْحٍ ۖ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يَقُوْمِر اِنْ كَانَ كَبُرَ  
عَلَيْكُمْ مَّقَامِىْ وَتَذَكِّرِىْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلٰى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْعَلُوْا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا  
يَكُنْ اَمْرَكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْا اِلَیَّ وَلَا تَنْظُرُوْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِنْ  
اَجْرٍ ۖ اِنْ اَجْرِىْ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾

(کچھ) لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ پاک ہے اُس کی ذات! وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُسی کا ہے۔ تمہارے پاس اس بات کی ذرا بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیا تم اللہ کے ذمے وہ بات لگاتے ہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں؟ ﴿۲۹﴾ کہہ دو کہ: ”جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں، وہ فلاح نہیں پائیں گے۔“ ﴿۳۰﴾ (ان کے لئے) بس دُنیا میں تھوڑا سا مزہ ہے۔ پھر ہمارے پاس ہی اُنہیں لوٹ کر آنا ہے۔ پھر کفر کا جو رویہ انہوں نے اپنا رکھا تھا، اُس کے بدلے ہم اُنہیں شدید عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ ﴿۳۱﴾ اور (اے پیغمبر!) ان کے سامنے نوح کا واقعہ پڑھ کر سناؤ، جب اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”میری قوم کے لوگو! اگر تمہارے درمیان میرا رہنا، اور اللہ کی آیات کے ذریعے خبردار کرنا تمہیں بھاری معلوم ہو رہا ہے تو میں نے تو اللہ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ اب تم اپنے شریکوں کو ساتھ ملا کر (میرے خلاف) اپنی تدبیروں کو خوب پختہ کرلو، پھر جو تدبیر تم کرو وہ تمہارے دل میں کسی گھٹن کا باعث نہ بنے، بلکہ میرے خلاف جو فیصلہ تم نے کیا ہو، اُسے (دل کھول کر) کر گزرو، اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو، ﴿۳۲﴾ پھر بھی اگر تم نے منہ موڑے رکھا تو میں نے تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت تو نہیں مانگی۔ میرا اجر کسی اور نے نہیں، اللہ نے ذمے لیا ہے، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں بردار لوگوں میں شامل رہوں“ ﴿۳۳﴾

(۲۹) یعنی اولاد کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ یا تو وہ زندگی کے کاموں میں باپ کی مدد کرے، یا کم از کم اُسے نفسیاتی طور پر صاحبِ اولاد ہونے کی خواہش ہو، اللہ تعالیٰ ان دونوں باتوں سے بے نیاز ہے، اس لئے اُسے کسی اولاد کی ضرورت نہیں ہے۔  
(۳۰) مطلب یہ ہے کہ اگر مجھے اپنی تبلیغ پر کوئی اجرت وصول کرنی ہوتی تو تمہارے جھٹلانے سے میرا نقصان ہو سکتا تھا کہ میری اجرت ماری جاتی، لیکن مجھے تو کوئی اجرت وصول کرنی ہی نہیں ہے، اس لئے تمہارے جھٹلانے سے میرا کوئی ذاتی نقصان نہیں ہے۔



فَكَذَّبُوهُ فَتَبَيَّنْهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلِيفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ  
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ  
بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ  
الْمُعْتَدِينَ ﴿٣١﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِم مُّوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا  
فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَذَا السِّحْرُ  
مُبِينٌ ﴿٣٣﴾ قَالَ مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لِسَاءَ جَاءَكُمْ ۖ أَسِحْرٌ هَذَا ۖ وَلَا يُفْلِحُ السَّحَرُونَ ﴿٣٤﴾  
قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَلْفِتْنَا عِبَادًا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونُ لَكُمُ الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَمَا  
نَحْنُ لَكُمُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ اسْتَوْنِي بِكُلِّ سِحْرِ عَلِيمٍ ﴿٣٦﴾

پھر ہوا یہ کہ اُن لوگوں نے نوح کو جھٹلایا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے نوح کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ کشتی میں تھے انہیں بچالیا،  
اور اُن کو کافروں کی جگہ زمین میں بسایا، اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، انہیں (طوفان میں) غرق کر دیا۔  
اب دیکھو کہ جن لوگوں کو خبردار کیا گیا تھا، اُن کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿۳۱﴾ اس کے بعد ہم نے مختلف پیغمبر اُن کی اپنی اپنی قوموں  
کے پاس بھیجے، وہ اُن کے پاس کھلے کھلے دلائل لے کر آئے، لیکن اُن لوگوں نے جس بات کو پہلی بار جھٹلایا تھا اُسے مان  
کر ہی نہ دیا۔ جو لوگ حد سے گزر جاتے ہیں، اُن کے دلوں پر ہم اسی طرح مہر لگا دیتے ہیں۔ ﴿۳۲﴾

اس کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا، تو انہوں نے تکبر کا  
معاملہ کیا، اور وہ مجرم لوگ تھے۔ ﴿۳۳﴾ چنانچہ جب اُن کے پاس ہماری طرف سے حق کا پیغام آیا تو وہ کہنے لگے کہ ضرور یہ  
کھلا ہوا جادو ہے۔ ﴿۳۴﴾ موسیٰ نے کہا: ”کیا تم حق کے بارے میں ایسی بات کہہ رہے ہو جبکہ وہ تمہارے پاس آچکا ہے؟  
بھلا کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادو گر فلاح نہیں پایا کرتے۔“ ﴿۳۵﴾ کہنے لگے: ”کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ  
جس طور طریقے پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے، اُس سے ہمیں برگشتہ کر دو، اور اس سرزمین میں تم دونوں کی  
چودھراہٹ قائم ہو جائے؟ ہم تو تم دونوں کی بات ماننے والے نہیں ہیں۔“ ﴿۳۶﴾ اور فرعون نے (اپنے ملازموں سے)  
کہا کہ: ”جتنے ماہر جادو گر ہیں، اُن سب کو میرے پاس لے کر آؤ۔“ ﴿۳۷﴾



فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِهَٰمُ مُوسَىٰ الْقُوَامَا أَنْتُمْ مُلْكُونَ ﴿١١﴾ فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُمْ بِهِ إِلَّا السَّحَرُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٢﴾ وَيُحَقِّقُ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿١٣﴾ فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَنْ يَفْتِنَهُمْ ۚ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٤﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ يَقَوْمِ إِن كُنتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا وَإِنْ كُنتُمْ مُّسْلِمِينَ ﴿١٥﴾ فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿١٦﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿١٧﴾

چنانچہ جب جادوگر آ گئے، تو موسیٰ نے اُن سے کہا: ”پھینکو جو کچھ تمہیں پھینکنا ہے۔“ ﴿۱۱﴾ پھر جب انہوں نے (اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو) پھینکا (اور وہ سانپ بن کر چلتی ہوئی نظر آئیں) تو موسیٰ نے کہا کہ: ”یہ جو کچھ تم نے دکھایا ہے، جادو ہے۔ اللہ ابھی اس کو ملیا میٹ کئے دیتا ہے۔ اللہ فساد یوں کا کام بننے نہیں دیتا ﴿۱۲﴾ اور اللہ سچ کو اپنے حکم سے سچ کر دکھاتا ہے، چاہے مجرم لوگ کتنا برا سمجھیں۔“ ﴿۱۳﴾ پھر ہوا یہ کہ موسیٰ پر کوئی اور نہیں، لیکن خود اُن کی قوم کے کچھ نوجوان فرعون اور اپنے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے ایمان لائے کہ کہیں فرعون انہیں نہ ستائے۔ اور یقیناً فرعون زمین میں بڑا زور آورتھا، اور وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو کسی حد پر قائم نہیں رہتے۔ ﴿۱۴﴾ اور موسیٰ نے کہا: ”اے میری قوم! اگر تم واقعی اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو پھر اسی پر بھروسہ رکھو، اگر تم فرماں بردار ہو“ ﴿۱۵﴾ اس پر انہوں نے کہا کہ ”اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کر لیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالم لوگوں کے ہاتھوں آزمائش میں نہ ڈالئے۔“ ﴿۱۶﴾ اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر قوم سے نجات دے دیجئے“ ﴿۱۷﴾

(۳۲) جادو کی یوں تو بہت سی قسمیں ہوتی ہیں، لیکن چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ دکھایا تھا، اُس میں انہوں نے اپنی لاٹھی زمین پر پھینکی تھی، اور وہ سانپ بن گئی تھی، اس لئے مقابلے پر جو جادوگر بلائے گئے اُن کے بارے میں ظاہر یہی تھا کہ وہ اسی قسم کا کوئی جادو دکھائیں گے کہ کوئی چیز پھینک کر سانپ بنادیں، تاکہ یہ باور کرایا جاسکے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ بھی اسی قسم کا کوئی جادو ہے۔

(۳۳) شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بنو اسرائیل کے کچھ نوجوان ایمان لائے تھے، اور وہ بھی فرعون اور اُس کے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے، اور فرعون کے سرداروں کو ان نوجوانوں کا سردار اس لئے کہا گیا ہے کہ عملاً وہ ان کے حاکم تھے۔



وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّآ الْقَوْمَ مَكْمَابِرَ يَوْمَ تَأْتَا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَآئِهِ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ ۚ قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوُوكُمْ فَأَسْتَقْبِلُوا وَلَا تَتَّبِعَنَّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۸۸﴾ وَجُودْنَا بِبَنِي إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدُوًّا ۚ حَتَّىٰ إِذَا آدَرَاكُهُ الْغَرَقُ ۚ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَآءِيلَ وَآنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۸۹﴾

اور ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی پر وحی بھیجی کہ: ”تم دونوں اپنی قوم کو مصر ہی کے گھروں میں بساؤ، اور اپنے گھروں کو نماز کی جگہ بنا لو، اور (اس طرح) نماز قائم کرو، اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دو۔“ ﴿۸۷﴾ اور موسیٰ نے کہا: ”اے ہمارے پروردگار! آپ نے فرعون اور اُس کے سرداروں کو دنیوی زندگی میں بڑی سچ بھج اور مال و دولت بخشی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ وہ لوگوں کو آپ کے راستے سے بھٹکا رہے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! اُن کے مال و دولت کو تھس تھس کر دیجئے، اور اُن کے دلوں کو اتنا سخت کر دیجئے کہ وہ اُس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔“ ﴿۸۸﴾ اللہ نے فرمایا: ”تمہاری دعا قبول کر لی گئی ہے۔ اب تم دونوں ثابت قدم رہو، اور اُن لوگوں کے پیچھے ہرگز نہ چلنا جو حقیقت سے ناواقف ہیں۔“ ﴿۸۹﴾ اور ہم نے بنو اسرائیل کو سمندر پار کر دیا، تو فرعون اور اُس کے لشکر نے بھی ظلم اور زیادتی کی نیت سے اُن کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ جب ڈوبنے کا انجام اُس کے سر پر آ پہنچا تو کہنے لگا: ”میں مان گیا کہ جس خدا پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں بھی فرماں برداروں میں شامل ہوتا ہوں۔“ ﴿۹۰﴾

﴿۳۴﴾ اس آیت میں ایک تو بنو اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ابھی وہ مصر سے ہجرت نہ کریں، بلکہ اپنے گھروں میں ہی رہیں۔ دوسری طرف بنو اسرائیل کو اصل حکم یہ تھا کہ وہ نمازیں مسجد میں ادا کیا کریں۔ گھروں میں نماز پڑھنا اُن کے لئے عام حالات میں جائز نہیں تھا، لیکن چونکہ اُس وقت فرعون کی طرف سے پکڑ دھکڑ کا سلسلہ جاری تھا، اس لئے اس خاص مجبوری کی حالت میں اس حکم کے ذریعے انہیں گھروں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی۔

﴿۳۵﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کرتے ہوئے مدت گذر چکی تھی جس کے بعد نہ صرف وہ مایوس ہو چکے تھے، بلکہ فرعون نے



اَللَّنَّ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٩١﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَ آيَةً ۖ وَانَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَفُلُونَ ﴿٩٢﴾ وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ مَبَآئِدَ صُدُوقٍ وَرَازِقُهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ۖ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْعِلْمُ ۖ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٩٣﴾

(جواب دیا گیا کہ:) ”اب ایمان لاتا ہے؟ حالانکہ اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا، اور مسلسل فساد ہی مچاتا رہا ﴿٩١﴾ لہذا آج ہم تیرے (صرف) جسم کو بچائیں گے، تاکہ تو اپنے بعد کے لوگوں کے لئے عبرت کا نشان بن جائے، (کیونکہ) بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل بنے ہوئے ہیں“ ﴿٩٣﴾

اور ہم نے بنو اسرائیل کو ایسی جگہ بسایا جو صحیح معنی میں بسنے کے لائق جگہ تھی، اور اُن کو پاکیزہ چیزوں کا رزق بخشا۔ پھر انہوں نے (دین حق کے بارے میں) اُس وقت تک اختلاف نہیں کیا جب تک اُن کے پاس علم نہیں آگیا۔ یقین رکھو کہ جن باتوں میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے، اُن کا فیصلہ تمہارا پروردگار قیامت کے دن کرے گا۔ ﴿٩٣﴾

جو مظالم ڈھائے تھے، وہ اتنے انسانیت سوز تھے کہ کوئی انصاف پسند انسان اُس کو سزا کے بغیر چھوڑ دینا پسند نہیں کر سکتا تھا۔ نیز شاید اُن کو وحی سے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ فرعون کی قسمت میں ایمان نہیں ہے، اس لئے انہوں نے آخر میں یہ بددعا فرمائی۔ ﴿٣٦﴾ قانون قدرت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب سر پر آ کر آنکھوں سے نظر آنے لگے، یا جب کسی پر نزع کی حالت طاری ہو جائے، تو توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اور اُس وقت کا ایمان معتبر نہیں ہوتا۔ اس لئے اب فرعون کے عذاب سے نجات پانے کی تو کوئی صورت نہیں تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرعون کی لاش کو محفوظ رکھا۔ وہ لاش سمندر کی تہہ میں جانے کے بجائے پانی کی سطح پر تیرتی رہی، تاکہ سب دیکھنے والے اُسے دیکھ سکیں۔ اتنی بات تو اس آیت سے واضح ہے۔ اب آخری زمانے کے مؤرخین نے یہ تحقیق کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا، اُس کا نام منفتاح تھا، اور اُس کی لاش صحیح سلامت دریافت ہو گئی ہے۔ اب تک یہ لاش قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے، اور سامانِ عبرت بنی ہوئی ہے۔ اگر یہ تحقیق درست ہے تو یہ آیت کریمہ قرآن کریم کی حقانیت کا منہ بولتا ثبوت ہے، کیونکہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب لوگوں کو یہ معلوم بھی نہیں تھا کہ فرعون کی لاش اب بھی محفوظ ہے۔ سائنسی طور پر اس کا انکشاف بہت بعد میں ہوا۔

﴿٣٧﴾ یعنی بنی اسرائیل کا عقیدہ ایک مدت تک دین حق کے مطابق ہی رہا۔ تورات اور انجیل میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی جو خبر دی گئی تھی، اُس کے مطابق وہ یہ بھی مانتے تھے کہ آخر میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں۔ لیکن جب آسمانی کتابوں میں مذکور نشانیوں کے ذریعے یہ علم آگیا کہ وہ نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اُس وقت انہوں نے دین حق سے اختلاف شروع کر دیا۔



فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْأَلِ الَّذِينَ يُقْرَأُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ ۖ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُسْتَرِينَ ۝۳۸ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونُوا مِنَ الْخَسِرِينَ ۝۳۹ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝۴۰ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّى يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝۴۱ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ أَمِنَتْ فَتَنْفَعَهَا آيَاتُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ ۖ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ۝۴۲

پھر (اے پیغمبر!) اگر (بفرض محال) تمہیں اُس کلام میں ذرا بھی شک ہو جو ہم نے تم پر نازل کیا ہے تو اُن لوگوں سے پوچھو جو تم سے پہلے سے (آسمانی) کتاب پڑھتے ہیں۔ یقین رکھو کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہی آیا ہے، لہذا تم کبھی بھی شک کرنے والوں میں شامل نہ ہونا۔ ۳۸ نیز کبھی ہرگز اُن لوگوں میں شامل نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا ہے، ورنہ تم اُن لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے جنہوں نے گھائے کا سودا کر لیا ہے۔ ۳۹ بیشک جن لوگوں کے بارے میں تمہارے رب کی بات طے ہو چکی ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے، ۴۰ چاہے ہر قسم کی نشانی اُن کے سامنے آجائے، یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ ۴۱ بھلا کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایسے وقت ایمان لے آتی کہ اُس کا ایمان اُسے فائدہ پہنچا سکتا؟ البتہ صرف یونس کی قوم کے لوگ ایسے تھے۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دُنیوی زندگی میں رُسوائی کا عذاب اُن سے اُٹھالیا، اور اُن کو ایک مدت تک زندگی کا لطف اُٹھانے دیا۔ ۴۲

(۳۸) اس آیت میں اگرچہ بظاہر خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ کو قرآن کریم کی سچائی میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے درحقیقت سنا نا دوسروں کو مقصود ہے کہ جب آپ کو یہ اغتباہ کیا جا رہا ہے تو دوسروں کو تو اور زیادہ محتاط ہونا چاہئے۔

(۳۹) پچھلی آیتوں میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی تھی کہ کسی انسان کے لئے ایمان لانا اسی وقت کارآمد ہوتا ہے جب وہ موت سے پہلے اور عذابِ الہی کا مشاہدہ کرنے سے پہلے ایمان لائے۔ جب عذاب آجاتا ہے تو اُس وقت ایمان لانا کارآمد نہیں ہوتا۔ اس اصول کے مطابق اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ پچھلی جتنی قوموں پر عذاب آیا، اُن سب کا حال یہ تھا کہ وہ عذاب کو دیکھنے سے پہلے ایمان نہیں لائے، اس لئے عذاب کا شکار ہوئے۔ البتہ ایک یونس علیہ السلام کی قوم ایسی تھی کہ وہ عذاب کے نازل ہونے سے ذرا پہلے ایمان لے آئی تھی، اس لئے اُس کا ایمان منظور کر لیا گیا، اور اُس کی وجہ سے اُس پر آنے والا عذاب ہٹا لیا گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب وہ اپنی قوم کو عذاب کی پیشگوئی کر کے بستی سے چلے گئے تو اُن کی قوم کو ایسی علامتیں نظر آئیں جن سے انہیں حضرت یونس علیہ السلام کے اغتباہ کے سچے ہونے کا یقین ہو گیا، چنانچہ وہ عذاب کے آنے سے پہلے ہی ایمان لے



وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَا مَنَ مِّنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَيْعًا ۖ أَفَأَنْتَ تُنذِرُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا  
 مُؤْمِنِينَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُوْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَيَجْعَلُ الرَّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا  
 يَعْقِلُونَ ﴿١٠٠﴾ قُلْ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ  
 لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠١﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِهِمْ ۖ قُلْ فَانْتَظِرُوا  
 إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿١٠٢﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو روئے زمین پر بسنے والے سب کے سب ایمان لے آتے۔ تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرو گے تاکہ وہ  
 سب مؤمن بن جائیں؟ ﴿۹۹﴾ اور کسی بھی شخص کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر مؤمن بن جائے،  
 اور جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے، اللہ ان پر گندگی مسلط کر دیتا ہے۔ ﴿۱۰۰﴾ (اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ: ”ذرا نظر دوڑاؤ  
 کہ آسمانوں اور زمین میں کیا کیا چیزیں ہیں؟“ لیکن جن لوگوں کو ایمان لانا ہی نہیں ہے، اُن کے لئے (زمین و آسمان  
 میں پھیلی ہوئی) نشانیاں اور آگاہ کرنے والے (پیغمبر) کچھ بھی کارآمد نہیں ہوتے۔ ﴿۱۰۱﴾ بھلا بتاؤ کہ یہ لوگ (ایمان  
 لانے کے لئے) اس کے سوا کس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اُس طرح کے دن یہ بھی دیکھیں جیسے ان سے پہلے کے  
 لوگوں نے دیکھے تھے؟ کہہ دو کہ: ”اچھا! تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔“ ﴿۱۰۲﴾

آئے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے واقعے کی پوری تفصیل ان شاء اللہ سورۃ صافات (۱۳۹: ۳۷) میں آئے گی۔ ان کے واقعے  
 کا مختصر ذکر سورۃ انبیاء (۸۷: ۲۱) اور سورۃ قلم (۶۸: ۲۸) میں بھی آیا ہے۔

﴿۳۰﴾ یعنی اللہ تعالیٰ زبردستی سب کو مؤمن بنا سکتا تھا، لیکن چونکہ دُنیا کے دارالامتحان میں ہر شخص سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ اپنی آزاد  
 مرضی اور اختیار سے ایمان لائے، اس لئے کسی کو زبردستی مسلمان کرنا نہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے، نہ کسی اور کے لئے جائز ہے۔

﴿۳۱﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کائنات میں کچھ نہیں ہو سکتا، لہذا اُس کے بغیر کسی کا ایمان لانا بھی ممکن نہیں، لیکن جو شخص اپنی سمجھ  
 اور اختیار کو صحیح استعمال کر کے ایمان لانا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے ایمان کی توفیق دے دیتا ہے، اور جو شخص عقل اور اختیار سے کام  
 نہ لے، اُس پر کفر کی گندگی مسلط ہو جاتی ہے۔

﴿۳۲﴾ اس کائنات کی ہر چیز کو اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا شاہکار ہے، اُس سے نہ  
 صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ محیر العقول کارخانہ خود بخود وجود میں نہیں آگیا، اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، بلکہ اس سے یہ بھی سمجھ  
 میں آتا ہے کہ جو ذات اتنی عظیم کائنات پیدا کرنے پر قادر ہے، اُسے اپنی خدائی کے لئے کسی شریک یا مددگار کی حاجت نہیں ہے،  
 لہذا وہ ہے، اور ایک ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔

اس آئینہ خانے میں سبھی عکس ہیں تیرے

اس آئینہ خانے میں تو یکتا ہی رہے گا



ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ حَقُّ عَلَيْنَا نِجَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ  
 إِن كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّن دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَكِن أَعْبُدُ اللَّهَ  
 الَّذِي يَتَوَفَّكُم ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَنْ أَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا  
 وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَإِنْ  
 فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِن الظَّالِمِينَ ۝ وَإِنْ يَسْأَلُكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِنْ  
 يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآءَ لِفَضْلِهِ ۖ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ عِبَادِ ۖ ۝ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝  
 قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَسِنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۚ  
 وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِوَكِيلٍ ۝ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ  
 حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝

پھر (جب عذاب آتا ہے تو) ہم اپنے پیغمبروں کو اور جو لوگ ایمان لے آتے ہیں، ان کو نجات دے دیتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے یہ بات اپنے ذمے لے رکھی ہے کہ ہم تمام (دوسرے) مؤمنوں کو بھی نجات دیں۔ (۱۰۳) (اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ: ”اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی شک میں مبتلا ہو تو (سن لو کہ) تم اللہ کے سوا جن جن کی عبادت کرتے ہو میں اُن کی عبادت نہیں کرتا، بلکہ میں اُس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری رُوح قبض کرتا ہے۔ اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں مؤمنوں میں شامل رہوں۔ (۱۰۴) اور (مجھ سے) یہ (کہا گیا ہے) کہ: ”اپنا رُخ یکسوئی کے ساتھ اس دین کی طرف قائم رکھنا، اور ہرگز اُن لوگوں میں شامل نہ ہونا جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مانتے ہیں۔ (۱۰۵) اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی ایسے (من گھڑت معبود) کو نہ پکارنا جو تمہیں نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے، نہ کوئی نقصان۔ پھر بھی اگر تم (بفرض محال) ایسا کر بیٹھے تو تمہارا شمار بھی ظالموں میں ہوگا۔“ (۱۰۶) اور اگر تمہیں اللہ کوئی تکلیف پہنچا دے تو اُس کے سوا کوئی نہیں ہے جو اُسے دُور کر دے، اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچانے کا ارادہ کر لے تو کوئی نہیں ہے جو اُس کے فضل کا رُخ پھیر دے۔ وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، پہنچا دیتا ہے، اور وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (۱۰۷) (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ”لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے۔ اب جو شخص ہدایت کا راستہ اپنائے گا، وہ خود اپنے فائدے کے لئے اپنائے گا، اور جو گمراہی اختیار کرے گا، اُس کی گمراہی کا نقصان خود اُسی کو پہنچے گا، اور میں تمہارے کاموں کا ذمہ دار نہیں ہوں۔“ (۱۰۸) اور جو وحی تمہارے پاس بھیجی جا رہی ہے، تم اُس کی اتباع کرو، اور صبر سے کام لو، یہاں تک کہ اللہ کوئی فیصلہ کر دے، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (۱۰۹)



(۴۳) یعنی میرا کام دعوت اور تبلیغ ہے، ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے، اور تمہارے کفر اور بد اعمالیوں کی مجھ سے پوچھ نہیں ہوگی۔  
 (۴۴) مکی زندگی میں حکم یہ تھا کہ کفار کی طرف سے پہنچنے والی ہر تکلیف پر صبر کیا جائے، ہاتھوں سے انتقام لینے کی اجازت نہیں تھی۔ اس آیت میں یہی حکم دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔ وہی ان کے بارے میں مناسب فیصلہ کرے گا، چاہے اس طرح کہ دنیا میں ان کو عذاب دے یا آخرت میں، اور چاہے اس طرح کہ مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دے جس کے ذریعے ان کی زیادتیوں کا بدلہ لیا جاسکے۔

الحمد للہ، سورہ یونس کا ترجمہ اور حواشی آج جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ کی پہلی رات مطابق ۳۰ مئی ۲۰۰۶ء کو دبی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنے فضل و کرم سے اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



## سُورَةُ هُود

### تعارف

یہ سورت بھی مکی ہے، اور اس کے مضامین پچھلی سورت کے مضامین سے ملتے جلتے ہیں، البتہ سورہ یونس میں جن پیغمبروں کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان ہوئے تھے، اس سورت میں انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ خاص طور پر حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب اور حضرت لوط علیہم السلام کے واقعات زیادہ تفصیل سے انتہائی بلیغ اور مؤثر اسلوب میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بڑی بڑی زور آور قوموں کو تباہ کر چکی ہے، اور جب انسان اس نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے قہر اور عذاب کا مستحق ہو جائے تو چاہے وہ کتنے بڑے پیغمبر سے قریبی رشتہ رکھتا ہو، اُس کا یہ رشتہ اُسے عذاب الہی سے نہیں بچا سکتا، جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو نہیں بچا سکا۔ اس سورت میں عذاب الہی کے واقعات اتنے مؤثر انداز میں بیان ہوئے ہیں اور دین پر استقامت کا حکم اتنی تاکید سے فرمایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سورہ ہود اور اُس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔ ان سورتوں میں جو تنبیہ کی گئی ہے، اُس کی بنا پر آپ کو اپنی اُمت کے بارے میں بھی یہ خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ بھی اپنی نافرمانی کی وجہ سے اسی طرح کے کسی عذاب کا شکار نہ ہو جائے۔



﴿ ایتھا ۱۲۳ ﴾ ۱۱ سُورَةُ هُودٍ مَكِّيَّةٌ ۵۲ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۱۰ ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

الرَّ كِتَبٌ أَحْكَمْتُ آيَتُهُ ثُمَّ فُصِّلْتُ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ○ ۱ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ  
إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ ○ ۲ وَأَنْ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يَتَّبِعْكُمْ مَتَاعًا  
حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ۚ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ  
عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ○ ۳ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ ۴ إِلَّا إِلَهُمُ يُثْنُونَ  
صُدُّوهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ إِلَّا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا  
يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ○ ۵

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو تیس آیتیں اور دس رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الہ۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتوں کو (دلائل سے) مضبوط کیا گیا ہے، پھر ایک ایسی ذات کی طرف سے اُن کو تفصیل کے  
ساتھ بیان کیا گیا ہے جو حکمت کی مالک اور ہر بات سے باخبر ہے۔ ○ (یہ کتاب پیغمبر کو حکم دیتی ہے کہ وہ لوگوں سے یہ  
کہیں) کہ: ”اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ میں اُس کی طرف سے تمہیں آگاہ کرنے والا اور خوش خبری سنانے والا  
ہوں۔“ ○ اور یہ (ہدایت دیتا) کہ: ”اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اُس کی طرف رجوع کرو، وہ تمہیں  
ایک مقرر وقت تک (زندگی سے) اچھا لطف اٹھانے کا موقع دے گا، اور ہر اُس شخص کو جس نے زیادہ عمل کیا ہوگا، اپنی طرف  
سے زیادہ اجر دے گا۔ اور اگر تم نے منہ موڑا تو مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔“ ○ اللہ ہی کے پاس  
تمہیں لوٹ کر جانا ہے، اور وہ ہر چیز کی پوری قدرت رکھتا ہے“ ○ دیکھو، یہ (کافر) لوگ اپنے سینوں کو اُس سے چھپنے  
کے لئے دُہرا کر لیتے ہیں۔ یاد رکھو جب یہ اپنے اوپر کپڑے لپیٹتے ہیں، اللہ اُن کی وہ باتیں بھی جانتا ہے جو یہ چھپاتے  
ہیں، اور وہ بھی جو یہ علی الاعلان کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کا (بھی) پورا پورا علم رکھتا ہے ○

(۱) جیسا کہ پچھلی سورت میں عرض کیا گیا، ان حروف کو مقطعات کہتے ہیں، اور ان کے صحیح معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہیں۔  
(۲) مضبوط کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ دلائل کے لحاظ سے مکمل ہیں اور ان میں کوئی نقص نہیں ہے۔  
(۳) یہاں رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف معافی مانگ لینا کافی نہیں، آئندہ کے لئے گناہوں سے بچنے اور اللہ تعالیٰ  
کے احکام پر عمل کرنے کا عزم بھی ضروری ہے۔

(۴) بہت سے مشرک لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنے سے اپنے آپ کو بچاتے تھے، تاکہ آپ کی کوئی بات ان



وَمِنْ دَآئِبَةِ ۱۲ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلُّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَلَئِنْ قُلْتِ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۚ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ ۸

اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ نے اپنے ذمے نہ لے رکھا ہو۔ وہ اُس کے مستقل ٹھکانے کو بھی جانتا ہے، اور عارضی ٹھکانے کو بھی۔ ہر بات ایک واضح کتاب میں درج ہے۔ ۱ اور وہی ہے جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ جبکہ اُس کا عرش پانی پر تھا۔ ۵ تاکہ تمہیں آزمائے کہ عمل کے اعتبار سے تم میں کون زیادہ اچھا ہے۔ ۶ اور اگر تم (لوگوں سے) یہ کہو کہ تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ یہ کہیں گے کہ یہ کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ۷ اور اگر ہم ان لوگوں سے کچھ عرصے کے لئے عذاب کو مؤخر کر دیں تو وہ یہی کہتے رہیں گے کہ: ”آخر کس چیز نے اس (عذاب) کو روک رکھا ہے؟“ ۸ ارے جس دن وہ عذاب آگیا، تو وہ ان سے ٹلائے نہیں ٹلے گا، اور جس چیز کا یہ مذاق اڑا رہے ہیں، وہ ان کو چاروں طرف سے گھیر لے گی۔ ۸

کے کان میں نہ پڑے، چنانچہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نظر آتے تو وہ اپنے سینوں کو ڈہرا کر کے اور اپنے اوپر کپڑے پیٹ کر وہاں سے کھسک جاتے تھے۔ اسی طرح بعض احمق کوئی گناہ کا کام کرتے تو اُس وقت بھی اپنے آپ کو چھپانے کے لئے دُہرے ہو جاتے، اور اپنے اوپر کپڑے پیٹ لیتے، اور اس طرح یہ سمجھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ گئے۔ یہ آیت ان دونوں قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

۵ اس سے معلوم ہوا کہ عرش اور پانی کی تخلیق زمین اور آسمانوں سے پہلے ہو چکی تھی۔ اور مفسرین نے فرمایا ہے کہ آسمانوں سے مراد عالم بالا کی تمام چیزیں ہیں، اور زمین سے مراد نیچے کی تمام چیزیں ہیں، اور سورۃ طہ السجدة (آیت: ۱۰ و ۱۱) میں اس تخلیق کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔

۶ اس آیت نے واضح فرمادیا ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے کا اصل مقصد انسان کی آزمائش ہے۔ اور آزمائش یہ ہے کہ کون اچھا عمل کرتا ہے، یہ نہیں کہ کون زیادہ عمل کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفلی اعمال کی گنتی سے زیادہ انسان کو اس کی فکر کرنی چاہئے کہ اس کا عمل اخلاص اور خضوع و خشوع کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہو۔

۷ یعنی یہ قرآن جو آخرت کی زندگی کی خبر دے رہا ہے، یہ (معاذ اللہ) جادو ہے۔

۸ یہ بات کہہ کر وہ دراصل آخرت اور عذاب الہی کا مذاق اڑاتے تھے۔



وَلَيْنِ اَذَقْنَا لِنَاسٍ مِّنْ اَرْحَمَةِ ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَكُوْشُ كَفُوْرًا ۝ وَلَيْنِ اَذَقْنٰهُ نَعَمًاۙ  
 بَعْدَ ضَرًّاۙ مَّسَّتْهُ لَيَقُوْلُنَّ ذَهَبَ السَّيِّاَتُ عَنِّي ۚ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا وَ  
 عَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحٰى اِلَيْكَ وَ  
 ضَآئِقٌۢ بِهٖۤ صَدْرُكَ اَنْ يَقُوْلُوْا الْوَلَاۤءُ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كُتْرًا وَّجَآءَ مَعَهُ مَلَكٌ ۚ اِنَّمَا اَنْتَ  
 نَذِيْرٌ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهٗ ۚ قُلْ فَاتُوْا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهٖ  
 مُفْتَرِيْتٍ وَّاَدْعُوْا مِّنْ اَسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

اور جب ہم انسان کو اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں، پھر وہ اُس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ مایوس  
 (اور) ناشکر ابن جاتا ہے ۹ اور اگر اُسے کوئی تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اُسے نعمتوں کا مزہ چکھا دیں تو وہ کہتا ہے کہ ساری  
 برائیاں مجھ سے دُور ہو گئیں۔ (اس وقت) وہ اتر کر شیخیاں بگھارنے لگتا ہے۔ ۱۰ ہاں! مگر جو لوگ صبر سے کام لیتے  
 ہیں، اور نیک عمل کرتے ہیں، وہ ایسے نہیں ہیں۔ ان کو مغفرت اور بڑا اجر نصیب ہوگا۔ ۱۱ پھر (اے پیغمبر!) جو وحی تم پر  
 نازل کی جا رہی ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ تم اُس کا کوئی حصہ چھوڑ بیٹھو؟ اور اس سے تمہارا دل تنگ ہو جائے؟ کیونکہ یہ لوگ  
 کہتے ہیں کہ: ”ان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر کوئی خزانہ کیوں نازل نہیں ہوا، یا کوئی فرشتہ ان کے ساتھ کیوں نہیں آیا؟“ تم  
 تو ایک آگاہ کرنے والے ہو! اور اللہ ہے جو ہر چیز کا مکمل اختیار رکھتا ہے۔ ۱۲ بھلا کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ وحی اس  
 (پیغمبر) نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہے؟ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: ”پھر تو تم بھی اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں  
 بنالو، اور (اس کام میں مدد کے لئے) اللہ کے سوا جس کسی کو بلا سکو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔“ ۱۳

(۹) مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپ ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں تو ہمارا آپ سے کوئی جھگڑا نہیں  
 رہے گا۔ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے کہ آپ کے لئے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ جو وحی آپ پر نازل  
 کی جا رہی ہے، اُس کا کوئی حصہ آپ ان لوگوں کو راضی کرنے کے لئے چھوڑ بیٹھیں۔ لہذا ان کی ایسی باتوں سے آپ زیادہ رنجیدہ  
 نہ ہوں، کیونکہ آپ کا کام تو یہ ہے کہ انہیں حقیقت سے آگاہ فرمادیں۔ اس کے بعد یہ لوگ مانیں، یا نہ مانیں، یہ آپ کی نہیں، خود  
 ان کی ذمہ داری ہے۔ اور یہ لوگ جو فرمائشیں کر رہے ہیں کہ آپ پر کوئی خزانہ نازل ہو، تو بھلا نبوت کا خزانے سے کیا تعلق ہے؟  
 تمام تر اختیار اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ وہ اپنی حکمت کے تحت فیصلہ فرماتا ہے کہ کونسی فرمائش پوری کرنی چاہئے اور کونسی نہیں۔ واضح  
 رہے کہ یہ ترجمہ بعض مفسرین کے اس قول پر مبنی ہے: ”قیل: اِنْ لَعَلَّ هٰنَا لَيْسَتْ لِلتَّرْجٰی بَلْ لِلتَّبْعِیْدِ...“ وقیل: اِنِّهَا  
 لِلْاِسْتِفْہَامِ الْاِنْکَارِی۔“ (روح المعانی ج: ۱۲ ص: ۷۰۳-۷۰۶)۔

(۱۰) شروع میں ان کو دس سورتیں قرآن جیسی بنا کر لانے کا چیلنج دیا گیا تھا۔ بعد میں اس چیلنج کو مزید آسان کر دیا گیا، اور سورۃ بقرہ



فَالَّذِينَ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَن لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿۱۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنَّتْهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿۱۴﴾ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبِطُلَّ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾ أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابٌ مُّوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۖ أُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ ۖ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالْنَّارُ مَوْعِدُهُ ۚ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۶﴾

اس کے بعد اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو (اے لوگو!) یقین کر لو کہ یہ وحی صرف اللہ کے علم سے اُتری ہے، اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ تو کیا اب تم فرماں بردار بنو گے؟ ﴿۱۳﴾ جو لوگ (صرف) دُنیوی زندگی اور اُس کی سچ دھج چاہتے ہیں، ہم اُن کے اعمال کا پورا پورا صلہ اسی دُنیا میں بھگتا دیں گے، اور یہاں اُن کے حق میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ ﴿۱۴﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں دوزخ کے سوا کچھ نہیں ہے، اور جو کچھ کارگزاری انہوں نے کی تھی، وہ آخرت میں بیکار ہو جائے گی، اور جو عمل وہ کر رہے ہیں، (آخرت کے لحاظ سے) کا عدم ہیں۔ ﴿۱۵﴾ بھلا بتاؤ کہ وہ شخص (ان کے برابر کیسے ہو سکتا ہے) جو اپنے رب کی طرف سے آئی ہوئی روشن ہدایت (یعنی قرآن) پر قائم ہو، جس کے پیچھے اُس کی حقانیت کا ایک ثبوت تو خود اُسی میں آیا ہے، اور اُس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی (اُس کی حقانیت کا ثبوت ہے) جو لوگوں کے لئے قابلِ اتباع اور باعثِ رحمت تھی۔ ایسے لوگ اس (قرآن پر) ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان گروہوں میں سے جو شخص اس کا انکار کرے، تو دوزخ ہی اس کی طے شدہ جگہ ہے۔ لہذا اس (قرآن) کے بارے میں کسی شک میں نہ پڑو۔ یقین رکھو کہ یہ حق ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آیا ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لا رہے۔ ﴿۱۶﴾

(۲۳:۲) اور سورہ یونس (۱۰:۳۸) میں صرف ایک سورت بنا کر لانے کو کہا گیا۔ مگر مشرکین عرب جو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز کرتے تھے، ان میں سے کوئی بھی اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔

(۱۱) کافر لوگ جو آخرت پر تو ایمان نہیں رکھتے، اور جو کچھ کرتے ہیں، دُنیا ہی کی خاطر کرتے ہیں، اُن کی نیکیوں، مثلاً صدقہ خیرات وغیرہ کا صلہ دُنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے۔ آخرت میں ان کا کوئی ثواب نہیں ملتا، کیونکہ ایمان کے بغیر آخرت میں کوئی نیکی معتبر نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان کوئی نیک کام صرف دُنیوی شہرت یا دولت وغیرہ حاصل کرنے کے لئے کرے تو اُسے دُنیا میں تو وہ شہرت یا دولت مل سکتی ہے، لیکن اُس نیکی کا ثواب آخرت میں نہیں ملتا۔ بلکہ واجب عبادتوں میں اخلاص کے فقدان کی وجہ سے اُلٹا گناہ ہوتا ہے۔ آخرت میں وہی نیکی معتبر ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کی گئی ہو۔

(۱۲) یعنی قرآن کریم کی حقانیت کا ایک ثبوت تو خود قرآن کریم کا اعجاز ہے جس کا مظاہرہ پیچھے آیت نمبر ۱۳ میں ہو چکا ہے کہ



وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۖ أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۖ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٨﴾ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۖ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَفَرُونَ ﴿١٩﴾ أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ۖ يُضْعِفُ لَهُمْ الْعَذَابُ ۖ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿٢٠﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْخَسِرُونَ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآخَبْتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٣﴾

اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟ ایسے لوگوں کی اُن کے رب کے پاس پیشی ہوگی، اور گواہی دینے والے کہیں گے کہ: ”یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹی باتیں لگائی تھیں۔“ سب لوگ سن لیں کہ اللہ کی لعنت ہے ان ظالموں پر ﴿۱۸﴾ جو اللہ کے راستے سے دوسروں کو روکتے تھے، اور اس میں کجی تلاش کرتے تھے، اور آخرت کے تو وہ بالکل ہی منکر تھے۔ ﴿۱۹﴾ ایسے لوگ رُوئے زمین پر کہیں بھی اللہ سے بچ کر نہیں نکل سکتے، اور اللہ کے سوا انہیں کوئی یار و مددگار میسر نہیں آسکتے۔ اُن کو دُگنا عذاب دیا جائے گا۔ یہ (حق بات کو نفرت کی وجہ سے) نہ سن سکتے تھے، اور نہ اُن کو (حق) بھائی دیتا تھا ﴿۲۰﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کے لئے گھائے کا سودا کر لیا تھا، اور جو معبودانہوں نے گھڑ رکھے تھے، انہیں اُن کا کوئی سراغ نہیں ملے گا۔ ﴿۲۱﴾ لامحالہ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ﴿۲۲﴾ (دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اور وہ اپنے پروردگار کے آگے جھک کر مطمئن ہو گئے ہیں، تو وہ جنت کے بسنے والے ہیں۔ وہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے۔ ﴿۲۳﴾

ساری دُنیا کو اُس جیسا کلام بنالانے کا چیلنج دیا گیا، مگر کوئی آگے نہ بڑھا۔ اور دوسرا ثبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی تورات ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر اور آپ کی علامتیں واضح طور پر بتائی گئی تھیں۔ ﴿۱۳﴾ گواہی دینے والوں میں وہ فرشتے بھی شامل ہیں جو انسانوں کے اعمال لکھنے پر مقرر ہیں، اور وہ انبیائے کرام علیہم السلام بھی جو اپنی اپنی اُمتوں کے بارے میں گواہی دیں گے۔

﴿۱۴﴾ یعنی دین حق کے بارے میں طرح طرح کے اعتراضات نکال کر اُس کو ٹیڑھا ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

﴿۱۵﴾ ایک عذاب خود اُن کے کفر کا، اور دوسرا اس بات کا کہ وہ دوسروں کو حق کے راستے سے روکتے تھے۔



مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَى وَالْبَصِيرِ وَالسَّيِّعِ ۖ هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ ۖ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٤﴾ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٢٥﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا لَنَا بَادِيَ الرَّأْيِ ۚ وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ ۚ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَذِبِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ يُقَوْمُ أَسَاءَ عَيْتُمْ ۖ إِن كُنْتُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَيْنِي رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِ رَبِّكَ فَعَبَّيْتُ عَلَيْكُمْ ۖ أَنْزِلْ مُكُودَهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كَرِهُونَ ﴿٢٧﴾ وَيَقَوْمُ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۖ إِنِ اجْتَرَىٰ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ إِنَّهُمْ مُّلْكُوا رَأْيَهُمْ وَلَكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿٢٨﴾ وَيَقَوْمُ مَن يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ ۖ إِن طَرَذَتْهُمْ ۖ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٩﴾

ان دو گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو، اور دوسرا دیکھتا بھی ہو، سنتا بھی ہو۔ کیا یہ دونوں اپنے حالات میں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا پھر بھی تم عبرت حاصل نہیں کرتے؟ ﴿٢٣﴾

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ: ”میں تمہیں اس بات سے صاف صاف آگاہ کرنے والا پیغمبر ہوں ﴿٢٤﴾ کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ یقین جانو مجھے تم پر ایک دکھ دینے والے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔“ ﴿٢٥﴾ اس پر ان کی قوم کے وہ سردار لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر لیا تھا، کہنے لگے کہ: ”ہمیں تو اس سے زیادہ (تم میں) کوئی بات نظر نہیں آرہی کہ تم ہم جیسے ہی ایک انسان ہو۔ اور ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ صرف وہ لوگ تمہارے پیچھے لگے ہیں جو ہم میں سب سے زیادہ بے حیثیت ہیں، اور وہ بھی سطحی طور پر رائے قائم کر کے۔ اور ہمیں تم میں کوئی ایسی بات بھی دکھائی نہیں دیتی جس کی وجہ سے ہم پر تمہیں کوئی فضیلت حاصل ہو، بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تم سب جھوٹے ہو“ ﴿٢٦﴾ نوح نے کہا: ”اے میری قوم! ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی ایک روشن ہدایت پر قائم ہوں، اور اس نے مجھے خاص اپنے پاس سے ایک رحمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی ہے، پھر بھی وہ تمہیں بھائی نہیں دے رہی، تو کیا ہم اس کو تم پر زبردستی مسلط کر دیں جبکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو؟“ ﴿٢٧﴾ اور اے میری قوم! میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی مال نہیں مانگتا۔ میرا اجر اللہ کے سوا کسی اور نے دے نہیں لیا۔ اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، میں ان کو دھتکارنے والا نہیں ہوں۔ ان سب کو اپنے رب سے جا ملنا ہے۔ لیکن میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم ایسے لوگ ہو جو نادانی کی باتیں کر رہے ہو۔“ ﴿٢٨﴾ اور اے میری قوم! اگر میں ان لوگوں کو دھتکار دوں تو کون مجھے اللہ (کی پکڑ) سے بچائے گا؟ کیا تم پھر بھی دھیان نہیں دو گے؟ ﴿٢٩﴾



وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنْفُسِهِمْ ۚ إِنِّي إِذًا لِّلظَّالِمِينَ ﴿٢١﴾ قَالُوا إِنُّوْهُ قَدْ جَدَلْتَنَا فَاكْثَرْتَ جِدَالِنَا فَاتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٢﴾ قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيَكُمْ بِهِ اللَّهُ إِن شَاءَ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٢٣﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ ۖ هُوَ رَبُّكُمْ ۖ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٤﴾

اور میں تم سے یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ میرے قبضے میں اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کی ساری باتیں جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہہ رہا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں۔ اور جن لوگوں کو تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں، اُن کے بارے میں بھی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ انہیں کبھی کوئی بھلائی عطا نہیں کرے گا۔ ان کے دلوں میں جو کچھ ہے، اُسے اللہ سب سے زیادہ جانتا ہے۔ اگر میں ان کے بارے میں ایسی باتیں کہوں تو میرا شمار یقیناً ظالموں میں ہوگا۔ ﴿۲۱﴾ انہوں نے کہا کہ: ”اے نوح! تم ہم سے بحث کر چکے، اور بہت بحث کر چکے۔ اب اگر تم سچے ہو تو لے آؤ وہ (عذاب) جس کی دھمکی ہمیں دے رہے ہو۔“ ﴿۲۲﴾ نوح نے کہا کہ: ”اُسے تو اللہ ہی تمہارے پاس لے کر آئے گا، اگر چاہے گا، اور تم اُسے بے بس نہیں کر سکتے۔“ ﴿۲۳﴾ اگر میں تمہاری خیر خواہی کرنا چاہوں تو میری خیر خواہی اُس صورت میں تمہارے کوئی کام نہیں آسکتی جب اللہ ہی نے (تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے) تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہو۔ وہی تمہارا پروردگار ہے، اور اُسی کے پاس تمہیں واپس لے جایا جائے گا۔“ ﴿۲۴﴾

﴿۱۶﴾ یہ اس جابلانہ خیال کی تردید ہے کہ اللہ کے کسی پیغمبر یا مقرب بندے کے پاس ہر قسم کے اختیارات ہونے چاہئیں، اور اسے غیب کی ساری باتوں کا علم ہونا چاہئے، یا اُسے انسان کے بجائے فرشتہ ہونا چاہئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے واضح فرمادیا کہ کسی نبی یا اللہ کے کسی ولی کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ دُنیا کے خزانے لوگوں میں تقسیم کرے، یا غیب کی ہر بات بتائے۔ اُس کا مقصد تو لوگوں کے عقائد اور اعمال و اخلاق کی اصلاح ہوتا ہے۔ اُس کی ساری تعلیمات اسی مقصد کے گرد گھومتی ہیں، لہذا اُس سے اس قسم کی توقعات رکھنا زری جہالت ہے۔ اس طرح اس آیت میں اُن لوگوں کی ہدایت کا بڑا سامان ہے جو بزرگوں کے پاس اپنے دُنیوی مقاصد کے لئے جاتے ہیں، اور انہیں دُنیوی اور تلوینی اُمور میں اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں، اور یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ انہیں مستقبل کی ہر بات بتا دیا کریں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کا اتنا برگزیدہ پیغمبران باتوں کو اپنے اختیار سے باہر قرار دے رہا ہے تو کون ہے جو ان اختیارات کا دعویٰ کر سکے؟ اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھیوں کے بارے میں کافروں نے جو کہا تھا کہ یہ حقیر لوگ ہیں، اور دِل سے ایمان نہیں لائے، اُس کا آگے یہ جواب دیا ہے کہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ دِل سے ایمان نہیں لائے، اور اللہ تعالیٰ انہیں کوئی بھلائی یعنی ثواب نہیں دے گا۔



أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَىٰ إِجْرَائِي وَأَنَا بِرِسِيِّ مِمَّا تَجْرُمُونَ ۚ (۳۵) ع  
 وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا  
 يَفْعَلُونَ ۖ (۳۶) وَأَصْنَعِ الْفُلَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحِّينَا وَلَا تَخَاطِبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُمْ  
 مُخْرَقُونَ ۚ (۳۷) وَيَصْنَعِ الْفُلَ ۚ وَكَلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأَ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِنِ  
 تُسَخَّرُونَ مِنَّا فَإِنَّا نَسَخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ۚ (۳۸)

بھلا کیا (عرب کے یہ کافر) لوگ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ (اے پیغمبر!)  
 کہہ دو کہ: ”اگر میں نے اسے گھڑا ہوگا تو میرے جرم کا وبال مجھی پر ہوگا، اور جو جرم تم کر رہے ہو، میں اُس کا ذمہ دار نہیں  
 ہوں۔“ (۳۵) اور نوح کے پاس وحی بھیجی گئی کہ: ”تمہاری قوم میں سے جو لوگ اب تک ایمان لا چکے ہیں، اُن کے سوا اب  
 کوئی اور ایمان نہیں لائے گا۔ لہذا جو حرکتیں یہ لوگ کرتے رہے ہیں، تم اُن پر صدمہ نہ کرو۔“ (۳۶) اور ہماری نگرانی میں اور  
 ہماری وحی کی مدد سے کشتی بناؤ، اور جو لوگ ظالم بن چکے ہیں، اُن کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرنا۔ یہ اب غرق  
 ہو کر رہیں گے۔“ (۳۷) چنانچہ وہ کشتی بنانے لگے۔ اور جب بھی اُن کی قوم کے کچھ سردار اُن کے پاس سے گذرتے تو اُن کا  
 مذاق اڑاتے تھے۔ نوح نے کہا کہ: ”اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو جیسے تم ہنس رہے ہو، اُسی طرح ہم بھی تم پر ہنستے ہیں۔“ (۳۸) (۲۰)

(۱۷) حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے کے درمیان یہ آیت جملہ معترضہ کے طور پر آئی ہے۔ توجہ اس طرف دلائی گئی ہے کہ  
 حضرت نوح علیہ السلام کا یہ واقعہ جس تفصیل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے ہیں، اُسے معلوم کرنے کا آپ کے  
 پاس کوئی ذریعہ وحی کے سوا نہیں ہے، اور جس انداز و اسلوب میں وہ بیان ہو رہا ہے، وہ من گھڑت نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ اس بات کا  
 واضح ثبوت ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس کے باوجود کفار عرب کا انکار کرنا محض ہٹ دھرمی پر مبنی ہے۔  
 (۱۸) حضرت نوح علیہ السلام نے تقریباً ایک ہزار سال عمر پائی، اور صدیوں تک اپنی قوم کو نہایت درد مندی سے تبلیغ فرماتے  
 رہے، اور اس کے بدلے سخت اذیتیں برداشت کیں۔ مگر بہت تھوڑے لوگوں کے سوا باقی سب لوگ اپنے کفر اور بد اعمالیوں پر  
 قائم رہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بتا دیا کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، اور اب ان پر طوفان کا عذاب آئے گا، اس  
 لئے آپ کو کشتی بنانے کا حکم دیا تا کہ آپ اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والے اُس میں سوار ہو کر طوفان کی تباہی سے بچ سکیں۔  
 بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ کشتی سازی کی صنعت سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے وحی کے ذریعے شروع فرمائی  
 تھی، اور پہلی بار تین منزلہ جہاز تیار کیا تھا۔

(۱۹) وہ مذاق اس بات کا اڑاتے تھے کہ اب انہوں نے دوسرے کام چھوڑ کر کشتی بنانی شروع کر دی ہے، حالانکہ پانی کا کہیں دُور  
 دُور پتہ نہیں ہے۔

(۲۰) یعنی ہمیں اس بات پر ہنسی آتی ہے کہ عذاب تمہارے سر پر آچکا ہے، اور تمہیں دل لگی سو جھی ہے۔



فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ<sup>(۲۱)</sup> مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ<sup>(۲۲)</sup> حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ<sup>(۲۳)</sup> قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ<sup>(۲۴)</sup> وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ<sup>(۲۵)</sup> وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرَاهَا وَمُرْسَاهَا<sup>(۲۶)</sup> إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ<sup>(۲۷)</sup> وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ<sup>(۲۸)</sup> وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يُبْنَىٰ اِرْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ<sup>(۲۹)</sup>

عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر وہ عذاب آرہا ہے جو اُسے رُسوا کر کے رکھ دے گا، اور کس پر وہ قہر نازل ہونے والا ہے جو کبھی ٹل نہیں سکے گا۔<sup>(۲۱)</sup> یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آگیا، اور تنور اُبل پڑا، تو ہم نے (نوح سے) کہا کہ: ”اس کشتی میں ہر قسم کے جانوروں میں سے دو دو کے جوڑے سوار کرلو، اور تمہارے گھروالوں میں سے جن کے بارے میں پہلے کہا جا چکا ہے (کہ وہ کفر کی وجہ سے غرق ہوں گے) اُن کو چھوڑ کر باقی گھروالوں کو بھی، اور جتنے لوگ ایمان لائے ہیں اُن کو بھی (ساتھ لے لو)۔“ اور تھوڑے ہی سے لوگ تھے جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے!<sup>(۲۲)</sup> اور نوح نے (ان سب سے) کہا کہ: ”اس کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ اس کا چلنا بھی اللہ ہی کے نام سے ہے، اور لنگر ڈالنا بھی۔ یقین رکھو کہ میرا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“<sup>(۲۳)</sup> اور وہ کشتی پہاڑوں جیسی موجوں کے درمیان چلی جاتی تھی۔ اور نوح نے اپنے اُس بیٹے کو جو سب سے الگ تھا، آواز دی کہ: ”بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ، اور کافروں کے ساتھ نہ رہو۔“<sup>(۲۴)</sup>

(۲۱) عربی زبان میں ”تنور“ سطحِ زمین کو بھی کہتے ہیں، اور روٹی پکانے کے چولھے کو بھی۔ بعض روایات میں ہے کہ طوفانِ نوح کی ابتدا اس طرح ہوئی تھی کہ ایک تنور سے پانی اُبلنا شروع ہوا، اور پھر کسی طرح نہ رُکا، اور بعض مفسرین نے تنور کو سطحِ زمین کے معنی میں لیا ہے، اور مطلب یہ بتایا ہے کہ زمین کی سطح سے پانی اُبلنا شروع ہو گیا، اور پھر ساری زمین میں پھیل گیا، اور اُوپر سے تیز بارش شروع ہو گئی۔

(۲۲) چونکہ طوفان میں وہ جانور بھی ہلاک ہونے والے تھے جن کی انسانوں کو ضرورت پڑتی ہے، اس لئے حکم دیا گیا کہ کشتی میں ضرورت کے تمام جانوروں کا ایک ایک جوڑا سوار کرلو، تاکہ ان کی نسل باقی رہے، اور طوفان کے بعد اُن سے کام لیا جاسکے۔

(۲۳) حضرت نوح علیہ السلام کے اور بیٹے تو کشتی میں سوار ہو گئے تھے، مگر ایک بیٹا جس کا نام کنعان بتایا جاتا ہے، کافر تھا، اور کافروں ہی کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا تھا، وہ کشتی میں سوار نہیں ہوا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو یا تو یہ علم نہیں تھا کہ وہ کافر ہے، اور وہ محض یہ سمجھتے تھے کہ اس کی صحبت خراب ہے، یا کافر ہونے کا علم تھا، مگر یہ چاہتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائے، اس لئے پہلے اُسے کشتی میں سوار ہونے کی دعوت دی، پھر وہ دُعا فرمائی جو آگے آیت: ۴۵ میں آرہی ہے کہ اُس کو بھی کشتی میں سوار ہونے کی اجازت مل جائے، یعنی اگر کافر ہے تو اُسے ایمان کی توفیق ہو جائے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے سارے گھروالے جو صاحبِ ایمان ہوں گے، انہیں عذاب سے نجات ملے گی، اس لئے حضرت نوح علیہ السلام نے



قَالَ سَاوِيًّا إِلَىٰ جَبَلٍ يَّعَصِيْنِي مِنَ الْمَاءِ ۖ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝۲۳ وَقِيلَ يَا رَأْسُ ابْنَعِ مَاءَكَ وَلِيسَاءُ أَقْلِبَعِي وَغِيْضَ الْمَاءِ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ۝۲۴ وَنَادَىٰ نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَكَمِيْنَ ۝۲۵ قَالَ يُنُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۚ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّيْ أَعْطُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ ۝۲۶ قَالَ رَبِّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْ أَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ۝۲۷

وہ بولا: ”میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا۔“ نوح نے کہا: ”آج اللہ کے حکم سے کوئی کسی کو بچانے والا نہیں ہے، سوائے اُس کے جس پر وہ ہی رحم فرمادے۔“ اس کے بعد اُن کے درمیان موج حائل ہو گئی، اور دُوبنے والوں میں وہ بھی شامل ہوا۔ ۲۳ اور حکم ہوا کہ: ”اے زمین! اپنا پانی نکل لے، اور اے آسمان! تھم جا“ چنانچہ پانی اُتر گیا، اور سارا قصہ چکا دیا گیا، ۲۴ کشتی جو دی پہاڑ پر آٹھری، اور کہہ دیا گیا کہ: ”بربادی ہے اُس قوم کی جو ظالم ہو!“ ۲۵ اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ: ”اے میرے پروردگار! میرا بیٹا میرے گھر ہی کا ایک فرد ہے، اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے، اور تو سارے حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے!“ ۲۶ اللہ نے فرمایا: ”اے نوح! یقین جانو وہ تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے۔ وہ تو ناپاک عمل کا پلندہ ہے۔ لہذا مجھ سے ایسی چیز نہ مانگو جس کی تمہیں خبر نہیں، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادانوں میں شامل نہ ہو۔“ ۲۷ نوح نے کہا: ”میرے پروردگار! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ آئندہ آپ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں۔ اور اگر آپ نے میری مغفرت نہ فرمائی، اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں بھی اُن لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا جو برباد ہو گئے ہیں۔“ ۲۸

اس وعدے کا حوالہ بھی دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ وہ کافر ہے، اور اُس کے مقدر میں ایمان نہیں ہے، اس لئے وہ درحقیقت تمہارے گھر والوں میں شامل ہی نہیں ہے۔ یہ بات تمہارے علم میں نہیں تھی کہ اُس کے مقدر میں ایمان نہیں، اس لئے تم نے اس کی نجات یا ایمان کی دعا مانگی۔ اگلی آیت میں جو ارشاد ہے کہ: ”مجھ سے ایسی چیز نہ مانگو جس کی تمہیں خبر نہیں“ اُس کا یہی مطلب ہے۔ ۲۲ یعنی قوم کے تمام افراد طوفان میں غرق کر دیئے گئے۔

۲۵ یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو شمالی عراق میں واقع ہے، اور اُس پہاڑی سلسلے کا ایک حصہ ہے جو کردستان سے آرمینیا تک پھیلا ہوا ہے۔ بائبل میں اس پہاڑ کا نام ”ارارات“ مذکور ہے۔

۲۶ یعنی آپ کو ہر چیز پر قدرت ہے، اگر چاہیں تو اسے ایمان کی توفیق دے دیں، اور پھر ایمان والوں کے حق میں آپ کا جو وعدہ ہے، وہ اس کے حق میں بھی پورا ہو جائے۔



قِيلَ يُنُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِّمَّنْ مَعَكَ ۖ وَأَمَمٌ سَنَسِتَعْتَهُمْ ثُمَّ  
يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٨﴾ تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۖ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَ  
لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا ۖ فَاصْبِرْ ۚ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٢٩﴾ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۖ قَالَ  
لِقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿٣٠﴾

فرمایا گیا کہ: ”اے نوح! اب (کشتی سے) اتر جاؤ، ہماری طرف سے وہ سلامتی اور برکتیں لے کر جو تمہارے لئے بھی  
ہیں، اور تمہارے ساتھ جتنی قومیں ہیں، اُن کے لئے بھی! اور کچھ قومیں ایسی ہیں جن کو ہم (دُنیا میں) لطف اُٹھانے کا  
موقع دیں گے، پھر ان کو ہماری طرف سے ایک دردناک عذاب آپکڑے گا۔“ ﴿۲۸﴾  
(اے پیغمبر!) یہ غیب کی کچھ باتیں ہیں جو ہم تمہیں وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں۔ یہ باتیں نہ تم اس سے پہلے جانتے تھے،  
نہ تمہاری قوم۔ لہذا صبر سے کام لو، اور آخری انجام متقیوں ہی کے حق میں ہوگا۔ ﴿۲۹﴾  
اور قوم عاد کے پاس ہم نے اُن کے بھائی ہود کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے کہا: ”اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔  
اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم نے جھوٹی باتیں تراش رکھی ہیں۔ ﴿۳۰﴾

﴿۲۷﴾ سلامتی اور برکتوں کا وعدہ جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھیوں کے لئے کیا گیا، اُس میں ”قوموں“ کا لفظ استعمال  
کر کے یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ یہ لوگ اگرچہ اس وقت تھوڑے سے ہیں، لیکن ان کی نسل سے بہت سی قومیں پیدا ہوں گی، اور دین  
حق پر قائم رہیں گی، اس لئے سلامتی اور برکتوں میں وہ بھی شریک ہوں گی۔ البتہ آخر میں یہ فرمایا گیا کہ کچھ قومیں ان کی نسل میں  
ایسی آئیں گی کہ جو دین برحق پر قائم نہیں رہیں گی، لہذا انہیں دُنیا میں کچھ عرصے لطف اُٹھانے کا موقع دیا جائے گا، لیکن ان کا  
آخری انجام ان کے کفر کی وجہ سے یہی ہوگا کہ وہ دُنیا یا آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

﴿۲۸﴾ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس آیت نے دو حقیقتوں  
کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک یہ کہ یہ واقعہ نہ صرف آپ کو بلکہ قریش اور عرب کے غیر اہل کتاب میں سے کسی کو پہلے معلوم نہیں  
تھا، اور آپ کے پاس اس کو اہل کتاب سے سیکھنے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ لہذا یہ بات واضح ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ  
وسلم کو وحی کے ذریعے معلوم ہوا ہے۔ اس سے آپ کی نبوت اور رسالت کی دلیل ملتی ہے۔ دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو  
اپنی قوم کی طرف سے جس تکذیب اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اس واقعے کے ذریعے آپ کو اَوّل تو صبر سے کام لینے کی  
تلقین فرمائی گئی ہے، اور دوسرے یہ تسلی دی گئی ہے کہ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کو شروع میں سخت مشکلات پیش آئیں، مگر  
آخری انجام انہی کے حق میں ہوا، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالآخر ان لوگوں پر غالب آئیں گے۔

﴿۲۹﴾ قوم عاد کا مختصر تعارف سورہ اعراف (۶۵:۷) میں گزر چکا ہے۔



يَقُومُوا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾  
وَلْيَقُومُوا اسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً  
إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا يَهُودُ مَا جِئْنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي  
الْهَتَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٥٣﴾ إِنْ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا  
بُسُوًا ۖ قَالَ إِنِّي أَشْهَدُ اللَّهَ وَآلِيَّ بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾ مِنْ دُونِهِ فَلَكَيدُونِي  
جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظَرُونَ ﴿٥٥﴾

اے میری قوم! میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میرا اجر کسی اور نے نہیں، اُس ذات نے اپنے ذمے لیا ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۵۱﴾ اے میری قوم! اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اُس کی طرف رجوع کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارشیں برسائے گا، اور تمہاری موجودہ قوت میں مزید قوت کا اضافہ کرے گا، اور مجرم بن کر منہ نہ موڑو۔ ﴿۵۲﴾ انہوں نے کہا: ”اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی روشن دلیل لے کر نہیں آئے، اور ہم اپنے خداؤں کو صرف تمہارے کہنے سے چھوڑنے والے نہیں ہیں، اور نہ ہم تمہاری بات پر ایمان لاسکتے ہیں۔ ﴿۵۳﴾ ہم تو اس کے سوا کچھ اور نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے خداؤں میں سے کسی نے تمہیں بُری طرح جھپٹے میں لے لیا ہے۔“ ہود نے کہا: ”میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں، اور تم بھی گواہ رہو کہ تم اللہ کے سوا جس جس کی خدائی میں شریک مانتے ہو، میں اُس سے بری ہوں۔ ﴿۵۴﴾ اب تم سب کے سب مل کر میرے خلاف چالیں چل لو، اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔ ﴿۵۵﴾

(۳۰) شروع میں اللہ تعالیٰ نے انہیں قحط میں مبتلا فرما دیا تھا، تاکہ وہ اپنی غفلت سے کچھ ہوش میں آئیں۔ اس موقع پر حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں یاد دلایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تازیانہ ہے، اور اگر اب بھی تم بت پرستی سے باز آ جاؤ تو یہ قحط تم سے دُور ہو سکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہیں بارشوں سے نہال کر سکتا ہے۔

(۳۱) روشن دلیل سے اُن کی مراد اُن کے فرمائی معجزات تھے۔ عقلی اور نقلی دلائل تو حضرت ہود علیہ السلام نے ہر قسم کے پیش کردیے تھے، لیکن ان کا کہنا تھا کہ ہم جس جس معجزے کی فرمائش کرتے جائیں، وہ ہمیں دکھاتے جاؤ۔ ظاہر ہے کہ پیغمبر کرشمے دکھانے کے لئے وقف نہیں ہو سکتا، اس لئے ان کی یہ فرمائشیں پوری نہ ہوئیں تو انہوں نے کہہ دیا کہ تم کوئی روشن دلیل ہی ہمارے پاس نہیں لائے۔

(۳۲) یعنی تم ہمارے جن بتوں کی خدائی کا انکار کرتے ہو، ان میں سے کسی نے تم سے ناراض ہو کر تم پر آسیب مسلط کر دیا ہے جس کے نتیجے میں تم (معاذ اللہ) ہوش و حواس کھو بیٹھے ہو۔



إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ ۚ مَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِیْظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا ۚ وَنَجَّيْنَاهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾ وَاتَّبَعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۖ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ إِلَّا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا سِرًّا ۚ أَلَّا بُعْدًا لِّلْعَادِ ۖ قَوْمِ هُودٍ ﴿٦٠﴾ وَإِلَى شُودَاخَاهُمْ صَلِحًا ۚ قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ

میں نے تو اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے، جو میرا بھی پروردگار ہے، اور تمہارا بھی پروردگار۔ زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی چوٹی اُس کے قبضے میں نہ ہو۔ یقیناً میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے۔ ﴿۵۶﴾ پھر بھی اگر تم منہ موڑتے ہو، تو جو پیغام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا گیا تھا، میں نے وہ تمہیں پہنچا دیا ہے۔ اور (تمہارے کفر کی وجہ سے) میرا پروردگار تمہاری جگہ کسی اور قوم کو یہاں بسا دے گا، اور تم اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ بیشک میرا پروردگار ہر چیز کی نگرانی کرتا ہے۔ ﴿۵۷﴾ اور (آخر کار) جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت کے ذریعے ہود کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے، اُن کو بچالیا، اور انہیں ایک سخت عذاب سے نجات دے دی۔ ﴿۵۸﴾ یہ تھے عاد کے لوگ جنہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا، اور اُس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی، اور ہر ایسے شخص کا حکم مانا جو پرلے درجے کا جابر اور حق کا پکا دشمن تھا! ﴿۵۹﴾ اور (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) اس دُنیا میں بھی پھٹکار اُن کے پیچھے لگا دی گئی، اور قیامت کے دن بھی۔ یاد رکھو کہ قوم عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کا معاملہ کیا تھا! یاد رکھو کہ بربادی عاد ہی کی ہوئی، جو ہود کی قوم تھی! ﴿۶۰﴾ اور قوم ثمود کے پاس ہم نے اُن کے بھائی صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے کہا: ”اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔“

(۳۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے سیدھا راستہ مقرر کر دیا ہے، اور اُسی پر چلنے سے خدا ملتا ہے۔  
(۳۴) ”حکم“ سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا عذاب ہے۔ جیسا کہ سورہ اعراف میں عرض کیا گیا، اُن پر تیز آندھی اور ہوا کا طوفان بھیجا گیا تھا۔ یہ قدرِ قیامت کے اعتبار سے غیر معمولی قوم تھی، لیکن اس عذاب کے نتیجے میں ان کی ساری قوت دھری رہ گئی، اور پوری قوم تباہ ہو گئی۔

(۳۵) قوم ثمود اور اس کے واقعے کا مختصر تعارف اور تذکرہ سورہ اعراف (۷: ۷۳) کے حاشیے میں گزر چکا ہے۔



هُوَ أَنشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوا لَهُ ثُمَّ تَوْبُوا إِلَيْهِ ۖ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾ قَالُوا الصَّلِحْ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا فِى شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٌ ﴿٦٢﴾ قَالَ يَقَوْمِ مَا عَلَيْكُمْ إِن كُنْتُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَآتَيْنِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ ۖ فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ﴿٦٣﴾ وَيَقَوْمِ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَذَرُوهَا تَاكُلْ فِي الْأَرْضِ وَلَا تَمْسُوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَشْعُرُونَ فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ﴿٦٥﴾

اُسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا، اور اُس میں تمہیں آباد کیا۔ لہذا اُس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اُس کی طرف رُجوع کرو۔ یقین رکھو کہ میرا رب (تم سے) قریب بھی ہے، دُعائیں قبول کرنے والا بھی۔“ ﴿٦١﴾ وہ کہنے لگے: ”اے صالح! اس سے پہلے تو تم ہمارے درمیان اس طرح رہے ہو کہ تم سے بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ جن (بتوں) کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں کیا تم ہمیں اُن کی عبادت کرنے سے منع کرتے ہو؟ جس بات کی تم دعوت دے رہے ہو، اُس کے بارے میں تو ہمیں ایسا شک ہے جس نے ہمیں اضطراب میں ڈال دیا ہے۔“ ﴿٦٢﴾ صالح نے کہا: ”اے میری قوم! ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی ایک روشن ہدایت پر قائم ہوں، اور اُس نے مجھے خاص اپنے پاس سے ایک رحمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی ہے، پھر بھی اگر میں اُس کی نافرمانی کروں تو کون ہے جو مجھے اللہ (کی پکڑ) سے بچالے؟ لہذا تم (میرے فرائض سے روک کر) بربادی میں مبتلا کرنے کے سوا مجھے اور کیا دے رہے ہو؟“ ﴿٦٣﴾ اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اُونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی بن کر آئی ہے۔ لہذا اس کو آزاد چھوڑ دو کہ یہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے، اور اس کو بُرے ارادے سے چھوٹا بھی نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں عنقریب آنے والا عذاب آ پکڑے۔“ ﴿٦٤﴾ پھر ہوا یہ کہ انہوں نے اُس کو مار ڈالا۔ چنانچہ صالح نے کہا کہ: ”تم اپنے گھروں میں تین دن اور مزے کر لو، (اُس کے بعد عذاب آئے گا، اور) یہ ایسا وعدہ ہے جسے کوئی جھوٹا نہیں کر سکتا۔“ ﴿٦٥﴾

(۳۶) اس سے صاف واضح ہے کہ نبوت کے اعلان سے پہلے حضرت صالح علیہ السلام کو پوری قوم بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم نے انہیں اپنا سردار یا بادشاہ بنانے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔  
(۳۷) عذاب سے پہلے ان کو تین دن کی مہلت دی گئی تھی۔



فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَمِن خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۖ إِنَّ رَبَّكَ  
هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٢٦﴾ وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُثَيِّينَ ﴿٢٧﴾ كَانُوا لَمْ  
يُغْنُوا فِيهَا ۚ إِلَّا أَنْ شُودَا كَفَرُوا وَارْبَهُمْ ۚ إِلَّا بَعْدَ الشُّوْدِ ﴿٢٨﴾ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ  
بِالْبُشْرَى قَالُوا سَلَامًا ۚ قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ﴿٢٩﴾ فَلَمَّا رَأَى أَيْدِيَهُمْ لَا  
تَصِلُ إِلَيْهِ نَكَرَهُمْ وَأَوَّجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّوْطٍ ﴿٣٠﴾

پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے صالح کو اور ان کے ساتھ جو ایمان لائے تھے، اُن کو اپنی خاص رحمت کے ذریعے  
نجات دی، اور اُس دن کی رسوائی سے بچالیا۔ یقیناً تمہارا پروردگار بڑی قوت کا، بڑے اقتدار کا مالک ہے۔ ﴿۲۶﴾ اور  
جن لوگوں نے ظلم کا راستہ اپنایا تھا، اُن کو ایک چنگھاڑ نے آپکڑا، ﴿۲۷﴾ جس کے نتیجے میں وہ اپنے گھروں میں اس طرح  
اوندھے پڑے رہ گئے ﴿۲۸﴾ جیسے کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ یاد رکھو کہ ثمود نے اپنے رب کے ساتھ کفر کا معاملہ کیا تھا! یاد  
رکھو کہ بربادی ثمود ہی کی ہوئی۔ ﴿۲۹﴾

اور ہمارے فرشتے (انسانی شکل میں) ابراہیم کے پاس (بیٹا پیدا ہونے کی) خوشخبری لے کر آئے۔ ﴿۳۰﴾ انہوں نے سلام کہا،  
ابراہیم نے بھی سلام کہا، پھر ابراہیم کو کچھ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ (ان کی مہمانی کے لئے) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے  
آئے، ﴿۳۱﴾ مگر جب دیکھا کہ اُن کے ہاتھ اُس (بچھڑے) کی طرف نہیں بڑھ رہے، تو وہ ان سے کھٹک گئے، اور اُن کی  
طرف سے دل میں خوف محسوس کیا۔ ﴿۳۲﴾ فرشتوں نے کہا: ”ڈریے نہیں، ہمیں (آپ کو بیٹے کی خوشخبری سنانے اور) لوط کی  
قوم کے پاس بھیجا گیا ہے۔“ ﴿۳۳﴾

(۳۸) اس عذاب کا تفصیلی واقعہ سورہ اعراف سورت نمبر ۷ اور آیت نمبر ۷۳ کے تحت حاشیہ نمبر ۳۹ میں گزر چکا ہے۔

(۳۹) اللہ تعالیٰ نے یہ فرشتے دو کاموں کے لئے بھیجے تھے۔ ایک یہ کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خوشخبری دیں کہ ان کے یہاں  
ایک بیٹا ہوگا، یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوں گے۔ اور ان کا دوسرا کام یہ تھا کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل  
کریں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دینے کے بعد وہ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کی طرف جانے والے تھے۔

(۴۰) چونکہ فرشتے انسانی شکل میں آئے تھے، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام شروع میں انہیں انسان ہی سمجھے، اور ان کی  
مہمانی کے لئے بھنے ہوئے بچھڑے کا گوشت لے کر آئے۔ لیکن چونکہ وہ فرشتے تھے، اور کچھ کھا نہیں سکتے تھے، اس لئے انہوں  
نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اس زمانے میں رسم یہ تھی کہ اگر کوئی شخص میزبان کے یہاں کھانا پیش ہونے کے بعد نہ  
کھائے تو یہ اس بات کی علامت سمجھی جاتی تھی کہ وہ کوئی دشمن ہے جو کسی بری نیت سے آیا ہے۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ  
السلام نے خوف محسوس کیا۔ اس موقع پر فرشتوں نے واضح کر دیا کہ وہ فرشتے ہیں، اور ان دو کاموں کے لئے بھیجے گئے ہیں۔



وَأَمْرًا تُهَاقِئَةً فَضَحِكْتُمْ فَبَشِّرْهُنَّ بِسُحْقٍ<sup>(۳۱)</sup> وَمِنْ وَّرَاءِ اسْحَاقٍ يَعْقُوبُ<sup>(۳۲)</sup> قَالَتْ يَوِیْلَتِی  
 أَلِدْتُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْلٌ شَیْخًا إِنَّ هَذَا الشَّیْءُ عَجِیبٌ<sup>(۳۳)</sup> قَالُوا اتَّعَجِبِیْنَ مِنْ أَمْرِ  
 اللَّهِ رَحِمْتُ اللَّهُ وَبَرَكَتُهُ عَلَیْكُمْ أَهْلَ الْبَیْتِ<sup>ط</sup> إِنَّهُ حَبِیْدٌ مَجِیْدٌ<sup>(۳۴)</sup> فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ  
 إِبْرَاهِیمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِی قَوْمِ لُوطٍ<sup>ط</sup>

اور ابراہیم کی بیوی کھڑی ہوئی تھیں، وہ ہنس پڑیں، تو ہم نے انہیں (دوبارہ) اسحاق کی، اور اسحاق کے بعد یعقوب کی  
 پیدائش کی خوشخبری دی۔<sup>(۳۱)</sup> وہ کہنے لگیں: ”ہائے! کیا میں اس حالت میں بچہ جنوں گی کہ میں بوڑھی ہوں، اور یہ میرے  
 شوہر ہیں جو خود بڑھا پے کی حالت میں ہیں؟ واقعی یہ تو بڑی عجیب بات ہے!“<sup>(۳۲)</sup> فرشتوں نے کہا: ”کیا آپ اللہ کے  
 حکم پر تعجب کر رہی ہیں؟ آپ جیسے مقدس گھرانے پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہی برکتیں ہیں۔ بیشک وہ ہر تعریف کا  
 مستحق، بڑی شان والا ہے۔“<sup>(۳۳)</sup> پھر جب ابراہیم سے گھبراہٹ دور ہوئی، اور ان کو خوشخبری مل گئی تو انہوں نے ہم سے  
 لوط کی قوم کے بارے میں (ناز کے طور پر) جھگڑنا شروع کر دیا۔<sup>(۳۴)</sup>

<sup>(۳۱)</sup> ہنسنے کی وجہ بعض مفسرین نے تو یہ بیان کی ہے کہ جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ یہ فرشتے ہیں، اور خطرے کی کوئی بات نہیں  
 ہے، تو خوشی کی وجہ سے وہ ہنس پڑیں۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ بیٹے کی خوشخبری سن کر ہنسی تھیں۔ سورہ حجر  
 (۵۳:۱۵) اور سورہ ذاریات (۲۹:۵۱-۳۰) میں بیان فرمایا گیا ہے کہ فرشتوں نے بیٹے کی خوشخبری پہلے دے دی تھی، اور  
 حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کا ذکر بعد میں کیا تھا۔ اس پر انہیں تعجب بھی ہوا، اور خوشی بھی۔ اور ان کو ہنستا  
 دیکھ کر فرشتوں نے دوبارہ خوشخبری دی۔

<sup>(۳۲)</sup> یہ ترجمہ ”اہل البیت“ کو عربی گرامر کے قاعدے سے منصوب علی سبیل المدح قرار دینے پر مبنی ہے۔ ترجمے  
 میں ”مقدس“ کا لفظ بھی اسی لئے بڑھایا گیا ہے۔ اس کا دوسرا ترجمہ اس طرح بھی ممکن ہے کہ: ”اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت  
 اور برکتیں ہیں۔“

<sup>(۳۳)</sup> جیسا کہ سورہ اعراف (۸۰:۷) کے حاشیہ میں بیان کیا جا چکا ہے، حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے  
 بھتیجے تھے جو عراق میں ہی ان پر ایمان لا کر ان کے ساتھ وطن سے ہجرت میں ان کے ساتھ شریک تھے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے  
 ان کو بھی پیغمبر بنا کر سدوم کے شہر میں بھیجا۔ اس شہر کے لوگ شرک کے علاوہ ہم جنس پرستی کی خباثت میں مبتلا تھے۔ جب انہوں  
 نے حضرت لوط علیہ السلام کی بات نہیں مانی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کرنے کے لئے ان فرشتوں کو بھیجا تھا۔ حضرت  
 ابراہیم علیہ السلام کو یہ اُمید تھی کہ شاید یہ لوگ سنبھل جائیں، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے فرمائش کرتے رہے کہ ابھی ان پر عذاب  
 نازل نہ کیا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ اللہ تعالیٰ کے لاڈلے پیغمبر تھے، اس لئے انہوں نے ناز کے انداز میں بار بار  
 جس طرح عذاب کو مؤخر کرنے کی فرمائش کی، اُسے اس آیت میں پیار بھرے اُسلوب میں جھگڑنے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔



إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ﴿۳۳﴾ يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا ۖ إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَإِنَّهُمْ لَأَتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿۳۴﴾ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيقَىٰ إِلَىٰ يَوْمِئِذٍ ۖ وَجَاءَهُ الْقَوْمُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ ۖ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۖ قَالَ لِقَوْمِهِ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَلَا تَخْزُونِ فِي ضَيْفِي ۖ أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَاشِدٌ ﴿۳۵﴾ قَالُوا الْقَدْ عَلِمْتَ مَالَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ ۖ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ﴿۳۶﴾

حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑے بردبار، (اللہ کی یاد میں) بڑی آپس بھرنے والے، (اور) ہر وقت ہم سے لو لگائے ہوئے تھے۔ ﴿۳۳﴾ (ہم نے اُن سے کہا:) ”ابراہیم! اس بات کو جانے دو۔ یقین کر لو کہ تمہارے رب کا حکم آپکا ہے، اور ان لوگوں پر ایسا عذاب آکر رہے گا جس کو کوئی پیچھے نہیں لوٹا سکتا۔“ ﴿۳۴﴾ اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ اُن کی وجہ سے گھبرائے، اُن کا دل پریشان ہوا، اور وہ کہنے لگے کہ: ”آج کا یہ دن بہت کٹھن ہے۔“ ﴿۳۵﴾ اور اُن کی قوم کے لوگ اُن کے پاس دوڑتے ہوئے آئے، اور اس سے پہلے وہ برے کام کیا ہی کرتے تھے۔ لوط نے کہا: ”اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں، یہ تمہارے لئے کہیں زیادہ پاکیزہ ہیں، اس لئے اللہ سے ڈرو، اور میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے رُسوانہ کرو۔ کیا تم میں کوئی ایک بھی بھلا آدمی نہیں ہے؟“ ﴿۳۶﴾ کہنے لگے: ”تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری بیٹیوں سے ہمیں کچھ مطلب نہیں، اور تم خوب جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں؟“ ﴿۳۷﴾

﴿۳۳﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ فرمائش تو منظور نہیں فرمائی گئی کہ قوم لوط سے عذاب کو موخر کر دیا جائے، لیکن جس جذبے اور جس انداز سے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے رُجوع فرمایا تھا، اس فقرے میں اُس کی بڑے بلیغ الفاظ میں تعریف فرمائی گئی ہے۔ ﴿۳۴﴾ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس یہ فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے، اور انہیں ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ فرشتے ہیں۔ دوسری طرف وہ اپنی قوم کی بدفطرت بے حیائی سے واقف تھے۔ اس لئے ان کی پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ ان کی قوم ان مہمانوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کرے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں بیان فرمایا گیا ہے، وہ لوگ ان نوجوانوں کی آمد کی خبر سنتے ہی اسی مقصد سے دوڑتے ہوئے آئے، اور حضرت لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ ان مہمانوں کو ان کے حوالے کر دیں۔

﴿۳۶﴾ کسی نبی کی اُمت میں جتنی عورتیں ہوتی ہیں، وہ اس نبی کی رُوحانی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان بدقماش لوگوں کو نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی کہ تمہاری عورتیں جو میری رُوحانی بیٹیاں ہیں، تمہارے گھروں میں موجود ہیں۔ تم اپنی نفسانی خواہشات ان سے پوری کر سکتے ہو، اور یہی فطرت کا پاکیزہ طریقہ ہے۔



قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةٌ أَوْ إِيَّايَ إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴿٣٧﴾ قَالُوا أَلَيْسَ لَكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَمْرًا تَكُنُ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ۖ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ﴿٣٨﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارًا مِّن سِجِّيلٍ ۖ مَّنْضُودٍ ﴿٣٩﴾

لوط نے کہا: ”کاش کہ میرے پاس تمہارے مقابلے میں کوئی طاقت ہوتی، یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لے سکتا!“ ﴿۳۷﴾ (اب) فرشتوں نے (لوط سے) کہا: ”اے لوط! ہم تمہارے پروردگار کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ یہ (کافر) لوگ ہرگز تم تک رسائی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ لہذا تم رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے روانہ ہو جاؤ، اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ ہاں مگر تمہاری بیوی (تمہارے ساتھ نہیں جائے گی) اُس پر بھی وہی مصیبت آنے والی ہے جو اور لوگوں پر آرہی ہے۔ یقین رکھو کہ ان (پر عذاب نازل کرنے) کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے۔ کیا صبح بالکل نزدیک نہیں آگئی؟“ ﴿۳۸﴾ پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اس زمین کے اوپر والے حصے کو نیچے والے حصے میں تبدیل کر دیا، اور ان پر پکی مٹی کے تہہ برتہہ پتھر برسائے ﴿۳۹﴾

﴿۳۷﴾ سدوم کی اس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام کے خاندان یا قبیلے کا کوئی آدمی نہیں تھا۔ وہ تو عراق کے باشندے تھے، اور اس قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ سدوم کے لوگوں کو ان کی قوم بھی قرآن کریم نے اس معنی میں کہا ہے کہ وہ ان کی امت تھے جن کی طرف ان کو بھیجا گیا تھا۔ اس موقع پر انہوں نے انتہائی بے چارگی محسوس کی کہ اگر میرے خاندان کا کوئی فرد یہاں ہوتا تو شاید میری کچھ مدد کر سکتا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں بتایا گیا ہے، اس موقع پر فرشتوں نے بات کھول دی کہ ہم فرشتے ہیں، اس لئے آپ بالکل نہ گھبرائیں، یہ آپ کا یا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، اور ہمیں ان پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ صبح تک ان کا قلع قمع ہونے والا ہے۔ آپ اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر بستی سے راتوں رات نکل جائیں، تاکہ اس عذاب سے محفوظ رہیں۔ البتہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافر تھی، اور اپنی قوم کی بد اعمالیوں میں ان کا ساتھ دیا کرتی تھی، اس لئے حکم ہوا کہ وہ آپ کے ساتھ نہیں جائے گی، بلکہ دوسروں کے ساتھ وہ بھی عذاب کا شکار ہوگی۔

﴿۳۸﴾ روایات میں ہے کہ یہ کل چار بستیاں تھیں جن میں یہ بد قماش لوگ بستے تھے۔ ان ساری بستیوں کو فرشتوں نے جوں کا توں اوپر اٹھا کر زمین پر اوندھا ٹنچ دیا، اور ان کا نام و نشان مٹ گیا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ بحرِ میت (Dead Sea) جسے ”بحرِ مردار“ بھی کہا جاتا ہے، ان بستیوں کے اُلٹنے سے پیدا ہوا ہے، ورنہ کسی بڑے سمندر سے اس کا رابطہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ جس مقام پر یہ بستیاں واقع تھیں، یعنی بحرِ مردار کے آس پاس کا علاقہ، اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ پورے کرۂ زمین کا سب سے نچلا حصہ ہے، یعنی زمین کا کوئی اور حصہ سطحِ سمندر سے اتنا نیچا نہیں ہے جتنا نیچا یہ ہے۔ قرآن کریم نے جو فرمایا ہے کہ ”ہم نے اس زمین کے اوپر والے حصے کو نیچے والے حصے میں تبدیل کر دیا“ کچھ بعید نہیں کہ ان الفاظ میں اس جغرافیائی حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہو، اور ان کی انتہائی نچلی حرکتوں کو یہ محسوس شکل دے دی گئی ہو۔



﴿۴۹﴾ مُسَوِّمَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿۵۰﴾ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۖ  
 قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَتَّقُوا الْهَيْكَالَ وَالْبِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُمْ  
 بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿۵۱﴾ وَلِقَوْمِ أَوْفُوا الْهَيْكَالَ وَالْبِيزَانَ بِالْقِسْطِ  
 وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۵۲﴾ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن  
 كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿۵۳﴾

جن پر تمہارے رب کی طرف سے نشان لگے ہوئے تھے۔ اور یہ بستی (مکہ کے ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں ہے۔ ﴿۴۹﴾  
 اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے (ان سے) کہا کہ: ”اے میری قوم! اللہ  
 کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور ناپ تول میں کمی مت کیا کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ  
 خوشحال ہو، اور مجھے تم پر ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تمہیں چاروں طرف سے گھیر لے گا۔ ﴿۵۰﴾ اور اے میری  
 قوم کے لوگو! ناپ تول پورا پورا کیا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو، اور زمین میں فساد پھیلاتے مت  
 پھرو۔ ﴿۵۱﴾ اگر تم میری بات مانو تو (لوگوں کا حق ان کو دینے کے بعد) جو کچھ اللہ کا دیا بیچ رہے، وہ تمہارے حق میں کہیں  
 بہتر ہے۔ اور (اگر نہ مانو تو) میں تم پر پہرہ دار مقرر نہیں ہوا ہوں۔“ ﴿۵۲﴾

﴿۴۹﴾ حضرت لوط علیہ السلام کے واقعے کے آخر میں اب رُوئے سخن مکہ مکرمہ کے کافروں کی طرف موڑا گیا ہے، اور ان کو توجہ  
 دلائی گئی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا یہ علاقہ تم سے زیادہ دور نہیں ہے۔ جب تم تجارت کے لئے شام جاتے ہو تو یہ علاقہ  
 تمہارے راستے میں پڑتا ہے، اور اگر تم میں ذرا بھی معقولیت ہو تو تمہیں اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

﴿۵۰﴾ مدین اور حضرت شعیب علیہ السلام کے مختصر تعارف کے لئے سورہ اعراف (۸۵:۷) کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔  
 ﴿۵۱﴾ مدین کا علاقہ بڑا زرخیز تھا، اور یہاں کے لوگ بحیثیت مجموعی خوش حالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام  
 نے ان کی خوشحالی کا دو وجہ سے خاص طور پر ذکر فرمایا۔ ایک یہ کہ اتنی خوشحالی کے بعد تمہیں دھوکا بازی کر کے کمائی کرنے کی  
 ضرورت نہیں ہونی چاہئے، اور دوسرے یہ کہ اس خوشحالی کے نتیجے میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہئے، نہ یہ کہ اس کی  
 نافرمانی پر آمادہ ہو جاؤ۔

﴿۵۲﴾ قرآن کریم نے یہاں جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں، وہ بڑے جامع ہیں، اور ان میں ہر قسم کے حقوق داخل ہو جاتے  
 ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم پر کسی بھی شخص کا کوئی حق واجب ہو تو اس میں ڈنڈی مار کر یا تاویلات کر کے اُسے کم کرنے کی کوشش  
 نہ کرو، بلکہ ہر حق دار کو اس کا حق پورا پورا ادا کرو۔

﴿۵۳﴾ جیسا کہ سورہ اعراف میں عرض کیا گیا تھا، اس قوم کے بعض افراد راستوں پر چوکیاں لگا کر بیٹھ جاتے، اور مسافروں سے زبردستی  
 ٹیکس وصول کرتے تھے، اور بعض لوگ مسافروں پر ڈاکا ڈالا کرتے تھے۔ اس فقرے میں ان کی اسی بدعنوانی کی طرف اشارہ ہے۔



قَالُوا شُعَيْبُ أَصْلُوكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَنَأْذُنَ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ۖ<sup>ط</sup>  
 إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ۝<sup>۵۴</sup> قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَرَزَقْنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۖ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنُهِكُمْ عَنْهُ ۖ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا  
 الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۖ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝<sup>۵۵</sup>

وہ کہنے لگے: ”اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہمارے باپ دادا جن کی عبادت کرتے آئے تھے، ہم انہیں بھی چھوڑ دیں، اور اپنے مال و دولت کے بارے میں جو کچھ ہم چاہیں، وہ بھی نہ کریں؟ واقعی تم تو بڑے عقل مند، نیک چلن آدمی ہو!“<sup>(۵۴)</sup> شعیب نے کہا: ”اے میری قوم کے لوگو! ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر قائم ہوں، اور اُس نے خاص اپنے پاس سے مجھے اچھا رزق عطا فرمایا ہے<sup>(۵۶)</sup> (تو پھر میں تمہارے غلط طریقے پر کیوں چلوں؟) اور میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ میں جس بات سے تمہیں منع کر رہا ہوں، تمہارے پیچھے جا کر وہی کام خود کرنے لگوں۔ میرا مقصد اپنی استطاعت کی حد تک اصلاح کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور مجھے جو کچھ توفیق ہوتی ہے، صرف اللہ کی مدد سے ہوتی ہے۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے، اور اُسی کی طرف میں (ہر معاملے میں) رجوع کرتا ہوں۔“<sup>(۵۵)</sup>

<sup>(۵۴)</sup> یہ درحقیقت وہ سرمایہ دارانہ ذہنیت ہے کہ جو کچھ مال ہے، وہ ہماری مکمل ملکیت میں ہے، اس لئے ہمیں پورا اختیار حاصل ہے کہ اس میں جو چاہیں، تصرف کریں، کسی کو اس میں رُکاوٹ ڈالنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اس کے برعکس قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے کہ ہر مال پر اصل ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے، البتہ اس نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو عارضی ملکیت عطا فرمائی ہے (دیکھئے سورہ یُس ۷۱: ۳۶) لہذا اسی کو یہ حق ہے کہ وہ اس ملکیت پر کچھ پابندیاں عائد کرے (دیکھئے سورہ قصص ۷۷: ۲۸)، اور جہاں مناسب سمجھے، وہاں خرچ کرنے کا حکم دے (دیکھئے سورہ نور ۲۴: ۳۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پابندیاں اس لئے عائد کی جاتی ہیں، تاکہ ہر شخص اپنی دولت کا حصول اور خرچ ایسے صحت مند طریقے پر کرے کہ معاشرے میں ہر ایک کو یکساں مواقع حاصل ہوں، کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے، اور معاشرے میں دولت کی تقسیم منصفانہ ہو سکے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ”اسلام کا نظام تقسیم دولت“ از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

<sup>(۵۵)</sup> یہ جملہ انہوں نے طنز کے طور پر بولا تھا۔ البتہ بعض مفسرین نے اسے حقیقی معنی میں قرار دے کر اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم تو ہمارے درمیان ایک عقل مند اور نیک چلن آدمی کی حیثیت سے مشہور ہو۔ تم نے ایسی باتیں کیوں شروع کر دی ہیں؟  
<sup>(۵۶)</sup> اس رزق سے مراد کھانے پینے وغیرہ کا سامان بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ نے سیدھے سیدھے طریقے سے مجھے رزق عطا فرمایا ہے تو میں اس کے حصول کے لئے وہ غلط طریقے کیوں اختیار کروں جو تم کرتے ہو؟ اور رزق سے یہاں مراد نبوت بھی ہو سکتی ہے۔



وَلِقَوْمٍ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ  
صَالِحٍ ۖ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِنْكُمْ بِبَعِيدٍ ۝۱۹ وَأَسْتَغْفِرُكُمْ ثُمَّ تَوْبُوا إِلَيْهِ ۖ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ  
وَدُودٌ ۝۲۰ قَالُوا شَعِيبُ مَا نَقْنُقُهُ كَثِيرًا مِمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرُكَ فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْلَا  
رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بَعِيزٌ ۝۲۱ قَالَ لِقَوْمٍ أَرَاهُمْ طَيَّاعٌ عَلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ ۖ  
وَاتَّخَذْتُكُمْ وَرَاءَكُمْ ظَهْرِيًّا ۖ إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝۲۲ وَلِقَوْمٍ أَعْمَلُوا عَلَى  
مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۖ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۖ  
وَأُرْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ ۝۲۳ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شَعِيبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ  
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاتَّخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُثَيْنَ ۝۲۴

اور اے میری قوم! میرے ساتھ ضد کا جو معاملہ تم کر رہے ہو، وہ کہیں تمہیں اس انجام تک نہ پہنچا دے کہ تم پر بھی ویسی ہی  
مصیبت نازل ہو جیسی نوح کی قوم پر یا ہود کی قوم پر یا صالح کی قوم پر نازل ہو چکی ہے۔ اور لوط کی قوم تو تم سے کچھ دور بھی  
نہیں ہے۔ ۱۹ تم اپنے رب سے معافی مانگو، پھر اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقین رکھو کہ میرا رب بڑا مہربان، بہت محبت  
کرنے والا ہے۔ ۲۰ وہ بولے: ”اے شعیب! تمہاری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں، اور ہم دیکھ رہے  
ہیں کہ تم ہمارے درمیان ایک کمزور آدمی ہو، اور اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے۔ ہم پر  
تمہارا کچھ زور نہیں چلتا“ ۲۱ شعیب نے کہا: ”اے میری قوم! کیا تم پر میرے خاندان کا دباؤ اللہ سے زیادہ ہے؟ اور  
اُس کو تم نے بالکل ہی پس پشت ڈال رکھا ہے! یقین جانو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، میرا پروردگار اُس سب کا پورا احاطہ کئے  
ہوئے ہے۔ ۲۲ اور اے میری قوم! تم اپنے حال پر رہ کر (جو چاہو) عمل کئے جاؤ، میں بھی (اپنے طریقے کے مطابق)  
عمل کر رہا ہوں۔ ۲۳ غنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر وہ عذاب نازل ہوگا جو اُسے رُسوا کر کے رکھ دے گا، اور کون  
ہے جو جھوٹا ہے؟ اور تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔“ ۲۴ اور (آخر کار) جب ہمارا حکم آپہنچا  
تو ہم نے شعیب کو اور اُن کے ساتھ جو ایمان لائے تھے، ان کو اپنی خاص رحمت سے بچالیا، اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا،  
انہیں ایک چنگھاڑنے آ پکڑا، اور وہ اپنے گھروں میں اس طرح اوندھے منہ گرے رہ گئے ۲۵

(۵۷) یعنی میری تبلیغ کے باوجود اگر تم اپنی ضد پر قائم رہتے ہو تو آخری چارہ کار یہی ہے کہ تم اپنے طریقے پر قائم رہو، اور میں  
اپنے طریقے پر۔ پھر دیکھو کہ کس کا انجام کیا ہوتا ہے؟  
(۵۸) اس کی تشریح کے لئے دیکھئے سورہ اعراف (۹۱: ۷) کا حاشیہ۔



كَانَ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۖ اَلَا بُعْدُ اَللّٰمِدِّينَ كَمَا بَعَدَتْ شُمُوْدُ ۝۹۵ وَلَقَدْ اٰمَرْنَا مُوْسٰى بِاٰتِنَا ۝۹۶  
 وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۹۷ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلٰٓئِكِهِ فَاتَّبَعُوْا اٰمِرًا فِرْعَوْنَ ۚ وَمَا اٰمِرٌ فِرْعَوْنَ  
 بِرَشِيْدٍ ۝۹۸ يَّقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۚ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْوُرُوْدُ ۝۹۹ وَ  
 اتَّبَعُوْا فِىْ هٰذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ بِئْسَ الرِّفْدُ الْهَرْفُوْدُ ۝۱۰۰ ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاِ الْقُرٰى  
 نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قٰآءٌ ۙ وَحٰصِيْدٌ ۝۱۰۱ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ فَمَا اَغْنٰتْ  
 عَنْهُمْ اِلٰهَتُهُمُ الَّتِى يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّسَآجَآءَ اٰمِرٍ رَّابِّكَ ۚ وَمَا زَادُوْهُمْ  
 غَيْرَ تَتٰبِيْبٍ ۝۱۰۲ وَكَذٰلِكَ اَخَذْنَا الْقُرٰى وَهِيَ ظٰلِمَةٌ ۚ اِنَّ اَخْذَنَا اَلِيْمٌ  
 شَدِيْدٌ ۝۱۰۳ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۚ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لِّلّٰهِ النَّاسُ  
 وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝۱۰۴

جیسے کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ یاد رکھو! مدین کی بھی ویسی ہی بربادی ہوئی جیسی بربادی شمود کی ہوئی تھی۔ ۹۵ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ پیغمبر بنا کر ۹۶ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا، تو انہوں نے فرعون ہی کی بات مانی، حالانکہ فرعون کی بات کوئی ٹھکانے کی بات نہیں تھی ۹۷ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا، اور ان سب کو دوزخ میں لا اُتارے گا۔ اور وہ بدترین گھاٹ ہے جس پر کوئی اُترے۔ ۹۸ اور پھٹکا راس دُنیا میں بھی ان کے پیچھے لگا دی گئی ہے، اور قیامت کے دن بھی۔ یہ بدترین صلہ ہے جو کسی کو دیا جائے۔ ۹۹ یہ ان بستیوں کے کچھ حالات ہیں جو ہم تمہیں سنارہے ہیں۔ ان میں سے کچھ (بستیاں) وہ ہیں جو ابھی اپنی جگہ کھڑی ہیں، اور ۱۰۰ کچھ کٹی ہوئی فصل (کی طرح بے نشان) بن چکی ہیں ۱۰۱ اور ان پر ہم نے کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب تمہارے پروردگار کا حکم آیا تو جن معبودوں کو وہ اللہ کے بجائے پکارا کرتے تھے، وہ ان کے ذرا بھی کام نہ آئے، اور انہوں نے ان کو تباہی کے سوا اور کچھ نہیں دیا۔ ۱۰۲ اور جو بستیاں ظالم ہوتی ہیں، تمہارا رب جب اُن کو گرفت میں لیتا ہے تو اُس کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے۔ واقعی اُس کی پکڑ بڑی دردناک، بڑی سخت ہے۔ ۱۰۳ ان ساری باتوں میں اُس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو۔ وہ ایسا دن ہوگا جس کے لئے تمام لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا، اور وہ ایسا دن ہوگا جسے سب کے سب کھلی آنکھوں دیکھیں گے۔ ۱۰۴

(۵۹) مثلاً فرعون کا ملک مصر فرعون کے غرق ہونے کے بعد بھی باقی رہا، اور عاد و ثمود اور قوم لوط علیہ السلام کی بستیاں ایسی تباہ ہوئیں کہ بعد میں آباد نہ ہو سکیں۔



وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مُّعَدُّودٍ ۖ يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَمِنَ النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ۖ خَلَدِينَ فِيهَا مِمَّا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ سَعَدُوا فَمِنَ الْجَنَّةِ خَلَدِينَ فِيهَا مِمَّا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ عَطَاءٌ غَيْرَ مَجْدُودٍ ۚ فَلَا تَكُ فِي مَرِيَّةٍ مُّبَايَعُوهَؤُلَا ۚ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۚ وَإِنَّا لَمَوْفُوهُمْ نَصِيبُهُمْ غَيْرَ مَنْقُوصٍ ۚ

ہم نے اُسے ملتوی کیا ہے تو بس ایک گنی چنی مدت کے لئے ملتوی کیا ہے ۱۰۴ جب وہ دن آجائے گا تو کوئی اللہ کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکے گا۔ پھر ان میں کوئی بد حال ہوگا، اور کوئی خوش حال۔ ۱۰۵ چنانچہ جو بد حال ہوں گے، وہ دوزخ میں ہوں گے جہاں ان کی چیخنے چلانے کی آوازیں آئیں گی۔ ۱۰۶ یہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں، ۱۰۷ اِلَّا یہ کہ تمہارے رَب ہی کو کچھ اور منظور ہو۔ یقیناً تمہارا رَب جو ارادہ کر لے، اس پر اچھی طرح عمل کرتا ہے۔ ۱۰۸ اور جو لوگ خوش حال ہوں گے وہ جنت میں ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں، ۱۰۹ اِلَّا یہ کہ تمہارے رَب ہی کو کچھ اور منظور ہو۔ یہ ایک ایسی عطا ہوگی جو کبھی ختم ہونے میں نہیں آئے گی۔ ۱۱۰ لہذا (اے پیغمبر!) یہ (مشرکین) جن (بتوں) کی عبادت کرتے ہیں، ان کے بارے میں ذرا بھی شک میں نہ رہنا۔ یہ تو اسی طرح عبادت کر رہے ہیں جیسے ان کے باپ دادے پہلے ہی عبادت کیا کرتے تھے، اور یقین رکھو کہ ہم ان سب کو ان کا حصہ پورا پورا چکا دیں گے، جس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ ۱۱۱

(۱۰۴) اس سے موجودہ زمین اور آسمان مراد نہیں ہیں، کیونکہ یہ تو قیامت کے ساتھ ختم ہو جائیں گے۔ البتہ قرآن کریم ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں وہاں کے حالات کے مطابق دوسرے زمین و آسمان پیدا کئے جائیں گے (دیکھئے سورہ ابراہیم ۱۴: ۱۴ اور سورہ زمر ۳۹: ۷۴) اور چونکہ وہ زمین و آسمان ہمیشہ رہیں گے، اس لئے آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ بھی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۱۰۵) اسی قسم کا استثناء سورہ انعام (۱۲۸: ۶) میں بھی گزرا ہے۔ جیسا کہ وہاں ہم نے عرض کیا تھا، اس کی ٹھیک ٹھیک مراد تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ لیکن اس سے بظاہر ایک تو یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ کسی کے عذاب و ثواب کا تمام تر فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے، کسی کی فرمائش یا سفارش کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ کافروں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کی کوئی مجبوری نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ اگر کسی کو کفر کے باوجود عذاب سے نکالنا چاہے تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اُس کی مشیت کافروں کو ہمیشہ عذاب ہی میں رکھے، جیسا کہ قرآن کریم کی اکثر آیات سے معلوم ہوتا ہے۔



وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۖ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۖ وَ  
 إِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ ۝ (۱۱۰) وَإِنْ كَلَّلْنَا لَيُوفِيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۖ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ  
 خَبِيرٌ ۝ (۱۱۱) فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۖ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ (۱۱۲) وَ  
 لَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۖ وَمَا لَكُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا  
 تُنصَرُونَ ۝ (۱۱۳) وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفًا مِّنَ اللَّيْلِ ۖ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبُنَ  
 السَّيِّئَاتِ ۖ ذَلِكِ ذِكْرِي لِلَّذِينَ

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، تو اس میں بھی اختلاف کیا گیا تھا۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے ہی طے نہ ہو چکی ہوتی (کہ ان کو پورا عذاب آخرت میں دیا جائے گا) تو ان کا فیصلہ (یہیں دُنیا میں) ہو چکا ہوتا۔ اور یہ لوگ اس کے بارے میں (ابھی تک) سخت قسم کے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ (۱۱۰) اور یقین رکھو کہ سب لوگوں کا معاملہ یہی ہے کہ تمہارا پروردگار اُن کے اعمال کا بدلہ پورا پورا دے گا۔ یقیناً وہ ان کے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔ (۱۱۱) لہذا (اے پیغمبر!) جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے، اُس کے مطابق تم بھی سیدھے راستے پر ثابت قدم رہو، اور وہ لوگ بھی جو توبہ کر کے تمہارے ساتھ ہیں، اور حد سے آگے نہ نکلو۔ یقین رکھو کہ جو عمل بھی تم کرتے ہو، وہ اُسے پوری طرح دیکھتا ہے (۱۱۲) اور (مسلمانو!) ان ظالم لوگوں کی طرف ذرا بھی نہ جھکنا، کبھی دوزخ کی آگ تمہیں بھی آپکڑے، اور تمہیں اللہ کو چھوڑ کر کسی قسم کے دوست میسر نہ آئیں، پھر تمہاری کوئی مدد بھی نہ کرے۔ (۱۱۳) اور (اے پیغمبر!) دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرو۔ یقیناً نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ ایک نصیحت ہے اُن لوگوں کے لئے جو نصیحت مانیں۔ (۱۱۴)

(۱۱۲) دن کے دونوں سروں سے مراد فجر اور عصر کی نمازیں ہیں، اور بعض مفسرین نے ان سے فجر اور مغرب کی نمازیں مراد لی ہیں۔ اور رات کے حصوں کی نماز سے مراد مغرب، عشاء اور تہجد کی نمازیں ہیں۔

(۱۱۳) برائیوں سے یہاں مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ قرآن و سنت کے بہت سے دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ انسان سے جو صغیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں، ان کا کفارہ ان نیک کاموں سے ہوتا رہتا ہے جو انسان اُن کے بعد کرتا ہے۔ چنانچہ وضو، نماز اور دوسرے تمام کاموں کی خاصیت یہ ہے کہ وہ انسان کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو مٹاتے رہتے ہیں۔ سورہ نساء (۴: ۳۱) میں یہ مضمون گزر چکا ہے کہ: ”اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو تمہاری چھوٹی برائیوں کا ہم خود کفارہ کر دیں گے۔“



وَأَصْدِرْنَا اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٥﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةَ يَتِيمُونَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أَتَرَفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿١٦﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَى بِظُلْمٍ وَأَهْلِهَا مُصْلِحُونَ ﴿١٧﴾ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا يَزَالُ النَّاسُ مُخْتَلِفِينَ ﴿١٨﴾ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا مُلْكَ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٩﴾ وَكَلاَّ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَشِئْتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٠﴾

اور صبر سے کام لو، اس لئے کہ اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ﴿۱۵﴾ تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں، بھلا اُن میں ایسے لوگ کیوں نہ ہوئے جن کے پاس اتنی نیکی کبھی سمجھ تو ہوتی کہ وہ لوگوں کو زمین میں فساد مچانے سے روکتے؟ ہاں تھوڑے سے لوگ تھے جن کو ہم نے (عذاب سے) نجات دی تھی۔ اور جو لوگ ظالم تھے، وہ جس عیش و عشرت میں تھے، اُسی کے پیچھے لگے رہے، اور جرائم کا ارتکاب کرتے رہے۔ ﴿۱۶﴾ اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ بستیوں پر ظلم کر کے اُنہیں تباہ کر دے جبکہ اُن کے باشندے صحیح روش پر چل رہے ہوں۔ ﴿۱۷﴾ اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طریقے کا پیرو بنا دیتا، (مگر کسی کو زبردستی کسی دین پر مجبور کرنا حکمت کا تقاضا نہیں ہے، اس لئے اُنہیں اپنے اختیار سے مختلف طریقے اپنانے کا موقع دیا گیا ہے) اور وہ اب ہمیشہ مختلف راستوں پر ہی رہیں گے۔ ﴿۱۸﴾ البتہ جن پر تمہارا پروردگار رحم فرمائے گا، اُن کی بات اور ہے (کہ اللہ اُنہیں حق پر قائم رکھے گا) اور اسی (امتحان) کے لئے اس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ ﴿۱۹﴾ اور تمہارے رب کی وہ بات پوری ہوگی جو اُس نے کہی تھی کہ: ”میں جہنم کو جنات اور انسانوں دونوں سے بھر دوں گا۔“ ﴿۲۰﴾ اور (اے پیغمبر!) گزشتہ پیغمبروں کے واقعات میں سے وہ سارے واقعات ہم تمہیں سنارہے ہیں جن سے ہم تمہارے دل کو تقویت پہنچائیں، اور ان واقعات کے ضمن میں تمہارے پاس جو بات آئی ہے، وہ خود بھی حق ہے، اور تمام مومنوں کے لئے نصیحت اور یاد دہانی بھی ہے۔ ﴿۲۱﴾

﴿۲۱﴾ یہ بات قرآن کریم نے بار بار واضح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام انسانوں کو زبردستی ایک ہی دین کا پابند بنا دیتا۔ لیکن اس کائنات کی تخلیق اور انسان کو اُس میں بھیجنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان کو اچھے برے کی تمیز سکھا کر اُسے یہ موقع دیا جائے کہ وہ اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے جو راستہ چاہے، اختیار کرے۔ اسی میں اُس کا امتحان ہے کہ وہ اپنی مرضی اور اختیار کو ٹھیک استعمال کرتا ہے، اور اس کے نتیجے میں جنت کماتا ہے، یا اُس کا غلط استعمال کر کے دوزخ کا مستحق بن جاتا ہے۔ اس امتحان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کسی کو اُس کے اختیار کے بغیر زبردستی کسی ایک راستے پر نہیں رکھا۔



وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اَعْمَلُوا عَلٰی مَا كَانْتُمْ ۚ اِنَّا عَمِلُوْنَ ۙ (۲۱) وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ (۲۲) وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْاِلٰهِيُّ يُرْجِعُ الْاَمْرَ كُلُّهُ فَاعْبُدُوْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۲۳)

اور جو لوگ ایمان نہیں لارہے ہیں، اُن سے کہو کہ: ”تم اپنی موجودہ حالت پر عمل کئے جاؤ، ہم بھی (اپنے طریقے پر) عمل کر رہے ہیں۔ (۲۱) اور تم بھی (اللہ کے فیصلے کا) انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔“ (۲۲) آسمانوں اور زمین میں جتنے پوشیدہ بھید ہیں، وہ سب اللہ کے علم میں ہیں، اور اُسی کی طرف سارے معاملات لوٹائے جائیں گے۔ لہذا (اے پیغمبر!) اُس کی عبادت کرو، اور اُس پر بھروسہ رکھو۔ اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو، تمہارا پروردگار اُس سے بے خبر نہیں ہے۔ (۲۳)

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۲ جون ۲۰۰۶ء کو شبِ جمعہ میں بمقام کراچی سورہ ہود کا ترجمہ اور اُس کے حواشی کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق بعافیت تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



## سُورَةُ يُوسُفَ

### تعارف

یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ کچھ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کروایا تھا کہ بنو اسرائیل کے لوگ جو فلسطین کے باشندے تھے، مصر میں جا کر کیوں آباد ہوئے؟ ان لوگوں کا خیال تھا کہ آپ کے پاس چونکہ بنو اسرائیل کی تاریخ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اس لئے آپ اس سوال کا جواب نہیں دے پائیں گے، اور اس طرح آپ کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرنے کا موقع مل جائے گا کہ آپ (معاذ اللہ) سچے نبی نہیں ہیں۔ اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ پوری سورہ یوسف نازل فرمادی جس میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔ دراصل بنو اسرائیل کے جد امجد حضرت یعقوب علیہ السلام تھے، انہی کا دوسرا نام ”اسرائیل“ بھی تھا۔ ان کے بارہ صاحبزادے تھے، انہی کی نسل سے بنو اسرائیل کے بارہ قبیلے پیدا ہوئے۔ اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے صاحبزادوں کے ساتھ فلسطین میں مقیم تھے جن میں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین بھی شامل تھے۔ ان دونوں کے سوتیلے بھائیوں نے سازش کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک کنویں میں ڈال دیا، جہاں سے ایک قافلے نے انہیں اٹھا کر مصر کے ایک سردار کے ہاتھ بیچ دیا، شروع میں وہ غلامی کی زندگی گزارتے رہے، لیکن اُس واقعے کے تحت جس کی تفصیل اس سورت میں آرہی ہے، اُس سردار کی بیوی زلیخا نے انہیں گرفتار کر کے جیل بھجوا دیا۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مصر کے بادشاہ کے ایک خواب کی صحیح تعبیر دینے پر بادشاہ ان پر مہربان ہوا، اور انہیں نہ صرف جیل سے نکال کر باعزت بری کر دیا، بلکہ انہیں اپنا وزیر خزانہ مقرر کیا، اور بعد میں حکومت کے سارے اختیارات انہی کو سونپ دیئے۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو فلسطین سے مصر بلوایا۔ اس طرح بنو اسرائیل فلسطین سے مصر منتقل ہو گئے۔



سورہ یوسف کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ ایک ہی تسلسل میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور تقریباً پوری سورت اسی کے لئے وقف ہے۔ اور یہ واقعہ کسی اور سورت میں نہیں آیا۔ اس واقعے کو اتنی تفصیل کے ساتھ بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کافروں پر ایک حجت قائم فرمادی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ یہ بات ان پر بھی واضح تھی کہ اس واقعے کا علم ہونے کا آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا، لہذا یہ تفصیل آپ کو وحی کے علاوہ کسی اور طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے علاوہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو کفار مکہ کی طرف سے جن تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اُن کے پیش نظر اس واقعے میں آپ کے لئے تسلی کا بھی بڑا سامان تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کی سازش کے نتیجے میں بڑے سخت حالات سے گزرے، لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ نے اُنہی کو عزت، شوکت اور سر بلندی عطا فرمائی، اور جن لوگوں نے انہیں تکلیفوں کا نشانہ بنایا تھا، اُن سب کو اُن کے آگے جھکنا پڑا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ مکہ مکرمہ میں تکلیفیں اٹھانی پڑ رہی ہیں، لیکن آخر کار یہ سازشی لوگ آپ ہی کے سامنے جھکیں گے، اور حق غالب ہو کر رہے گا۔ اس کے علاوہ بھی اس واقعے میں مسلمانوں کے لئے بہت سے سبق ہیں، اور شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو بہترین قصہ قرار دیا ہے۔



ایاتھا ۱۱۱ ﴿۱۲﴾ سُورَةُ يُوسُفَ مَكِّيَّةٌ ۵۲ ﴿۱۲﴾ رُكُوعَاتُهَا ۱۲ ﴿۱۲﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الرَّ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ﴿۱﴾ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ ۚ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الْغَافِلِينَ ﴿۳﴾ إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كُوكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ﴿۴﴾ قَالَ يَبْنَىٰ لَكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۵﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الرا۔ یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو حق واضح کرنے والی ہے ﴿۱﴾ ہم نے اس کو ایسا قرآن بنا کر اتارا ہے جو عربی زبان میں ہے، تاکہ تم سمجھ سکو۔ ﴿۲﴾ (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر یہ قرآن جو وحی کے ذریعے بھیجا ہے، اُس کے ذریعے ہم تمہیں ایک بہترین واقعہ سناتے ہیں، جبکہ تم اس سے پہلے اس (واقعے سے) بالکل بے خبر تھے۔ ﴿۳﴾ (یہ اُس وقت کی بات ہے) جب یوسف نے اپنے والد (یعقوب علیہ السلام) سے کہا تھا کہ: ”ابا جان! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔“ ﴿۴﴾ انہوں نے کہا: ”بیٹا! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لئے کوئی سازش تیار کریں، کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔“ ﴿۵﴾

(۱) حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا ہے، اُس کی تعبیر یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو اتنا اُونچا مقام ملنے والا ہے کہ ان کے گیارہ بھائی اور ماں باپ کسی وقت اُن کے مطیع اور فرماں بردار ہو جائیں گے۔ دوسری طرف صورت حال یہ تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے کل بارہ بیٹے تھے۔ ان میں سے دو بیٹے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین ایک والدہ سے تھے، اور باقی صاحب زوے ان کی دوسری اہلیہ سے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ دوسرے سوتیلے بھائیوں کو اس خواب کی وجہ سے حسد نہ ہو، اور شیطان کے بہکائے میں آکر وہ یوسف علیہ السلام کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر بیٹھیں۔



وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلٰى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَا اَتٰتَهَا عَلٰى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۚ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوسُفَ وَاِخْوَتِهِ اٰيٰتٌ لِّلسَّآدِيْنَ ۝۲ اِذْ قَالُوْا لِيُّوسُفُ وَاِخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰى اٰبِيَئِمَّاوْنَ حُنْ عَصَبَةٌ ۚ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳ اَقْتُلُوْا يُوسُفَ وَاِطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِ قَوْمٍ صٰلِحِيْنَ ۝۴

اور اسی طرح تمہارا پروردگار تمہیں (نبوت کے لئے) منتخب کرے گا، اور تمہیں تمام باتوں کا صحیح مطلب نکالنا سکھائے گا (جس میں خوابوں کی تعبیر کا علم بھی داخل ہے)، اور تم پر اور یعقوب کی اولاد پر اپنی نعمت اُسی طرح پوری کرے گا جیسے اُس نے اس سے پہلے تمہارے ماں باپ پر اور ابراہیم اور اسحاق پر پوری کی تھی۔ یقیناً تمہارا پروردگار علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ۱ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ (تم سے یہ واقعہ) پوچھ رہے ہیں، اُن کے لئے یوسف اور اُن کے بھائیوں (کے حالات میں) بڑی نشانیاں ہیں۔ ۲ (یہ اُس وقت کا واقعہ ہے) جب یوسف کے ان (سوتیلے) بھائیوں نے (آپس میں) کہا تھا کہ: ”یقینی طور پر ہمارے والد کو ہمارے مقابلے میں یوسف اور اُس کے (حقیقی) بھائی (بنیامین) سے زیادہ محبت ہے، حالانکہ ہم (اُن کے لئے) ایک مضبوط جتھہ بنے ہوئے ہیں۔ ۳ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے والد کسی کھلی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ۴ (اب اس کا حل یہ ہے کہ) یوسف کو قتل ہی کر ڈالو، یا اُسے کسی اور سرزمین میں پھینک آؤ، تاکہ تمہارے والد کی ساری توجہ خالص تمہاری طرف ہو جائے، اور یہ سب کرنے کے بعد پھر (توبہ کر کے) نیک بن جاؤ۔“ ۵

(۲) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس خواب کے ذریعے یہ بشارت دی ہے کہ سب تمہارے فرماں بردار بنیں گے، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں نبوت سے سرفراز کر کے تمہیں بہت سے مزید نعمتوں سے نوازے گا۔

(۳) یہ بظاہر اُن کافروں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال پوچھا تھا کہ بنو اسرائیل کس وجہ سے فلسطین چھوڑ کر مصر میں آباد ہوئے تھے؟ یعنی اگرچہ ان کے پوچھنے کا اصل مقصد تو اپنے خیال کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے بس کرنا ہے، لیکن اگر ان میں ذرا بھی عقل ہو تو اس واقعے میں ان کے لئے بہت سی عبرتیں ہیں۔ اول تو یہ سبق ہی کیا کم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اس واقعے کا جاری ہونا آپ کی نبوت کی کھلی دلیل ہے۔ دوسرے حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف جتنی سازشیں کی گئیں، چاہے وہ اُن کے بھائیوں نے کی ہوں، یا زلیخا اور اُس کی سہیلیوں نے، آخر کار اُن ساری سازشوں کا پول کھل گیا، اور عزت اور فتح تمام تر حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے حصے میں آئی۔

(۴) مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ عمر اور طاقت میں بھی زیادہ ہیں، اور تعداد میں بھی، چنانچہ ہم اپنے باپ کی قوت بازو ہیں۔ جب کبھی انہیں کسی مدد کی ضرورت پڑے، ہم ہی ان کی مدد کرنے کے لائق ہیں، اس لئے ہم سے محبت زیادہ ہونی چاہئے۔

(۵) یہ ترجمہ اس آیت کی ایک تفسیر کے مطابق ہے۔ گویا اُن کا خیال یہ تھا کہ یہ زیادہ سے زیادہ ایک گناہ ہوگا، اور ہر گناہ کی معافی



قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَالْقَوْهُ فِي غِيَبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطُهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ  
 إِنْ كُنْتُمْ فَعِلِينَ ۝ قَالُوا يَا بَانَا مَالِكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَصْحُونَ ۝  
 أَرْسَلَهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَع وَيَلْعَبُ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ ۝ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ  
 وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُونَ ۝ قَالُوا لَيْنَ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ  
 عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا لَّخٰسِرُونَ ۝

انہی میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ”یوسف کو قتل تو نہ کرو، البتہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو اُسے کسی اندھے کنویں میں پھینک آؤ، تاکہ کوئی قافلہ اُسے اُٹھا کر لے جائے۔“ ۱۰ (چنانچہ) ان بھائیوں نے (اپنے والد سے) کہا کہ: ”ابا! یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ یوسف کے معاملے میں ہم پر اطمینان نہیں کرتے؟ حالانکہ اس میں کوئی شک نہ ہونا چاہئے کہ ہم اُس کے یکے خیر خواہ ہیں۔“ ۱۱ کل آپ اُسے ہمارے ساتھ (تفریح کے لئے) بھیج دیجئے، تاکہ وہ کھائے پیئے، اور کچھ کھیل کود لے۔ اور یقین رکھئے کہ ہم اُس کی پوری حفاظت کریں گے۔“ ۱۲ یعقوب نے کہا: ”تم اُسے لے جاؤ گے تو مجھے (اُس کی جدائی کا) غم ہوگا، اور مجھے یہ اندیشہ بھی ہے کہ کسی وقت جب تم اُس کی طرف سے غافل ہو، تو کوئی بھیڑیا اُسے کھا جائے۔“ ۱۳ وہ بولے: ”ہم ایک مضبوط جتھے کی شکل میں ہیں، اگر پھر بھی بھیڑیا اُسے کھا جائے تو ہم تو بالکل ہی گئے گزرے ہوئے!“ ۱۴

توبہ سے ہو سکتی ہے، چنانچہ توبہ مانگ کر پھر ساری عمر نیکی کرتے رہنا۔ حالانکہ کسی بندے پر اگر ظلم کیا جائے تو اُس کی معافی صرف توبہ سے نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ مظلوم معاف نہ کرے۔ اس جملے کی ایک اور تفسیر بھی ممکن ہے، اور وہ یہ کہ ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم بعد میں نیک بن جائیں گے، بلکہ ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ: ”یہ سب کرنے کے بعد تمہارے سارے کام درست ہو جائیں گے“ یعنی والد کی طرف سے کسی امتیازی سلوک کا کوئی اندیشہ نہیں رہے گا۔ قرآن کریم کے الفاظ میں اس معنی کی بھی گنجائش موجود ہے۔

(۶) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی اس سے پہلے بھی انہیں ساتھ لے جانے کی کوشش کر چکے تھے، لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے منع فرما دیا تھا۔

(۷) یعنی اگر کوئی اور حادثہ بھی پیش نہ آئے تو ان کا میری نظروں سے دور چلا جانا بھی میرے لئے باعثِ رنج ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبوبِ اولاد کو کسی خاص ضرورت کے بغیر جدا کرنا بھی ماں باپ کے لئے تکلیف دہ ہے۔

(۸) بعض روایات میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا تھا کہ بھیڑیے حضرت یوسف علیہ السلام پر حملہ کر رہے ہیں۔



فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَاجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غِيَّبَتِ الْجُبِّ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ  
 هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ (۱۵) وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ۝ (۱۶) قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا  
 نُسْتَبِثُ وَتَرَكَنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَالْكَلْبُ الذِّئْبُ ۚ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا  
 صَادِقِينَ ۝ (۱۷) وَجَاءَ عَلَى قَبِيضِهِ يَدٌ مِرْكَبٍ ۚ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ  
 جَمِيلٌ ۚ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ۝ (۱۸)

پھر ہوا یہ کہ جب وہ اُن کو ساتھ لے گئے، اور انہوں نے یہ طے کر ہی رکھا تھا کہ انہیں ایک اندھے کنویں میں ڈال دیں  
 گے، (چنانچہ ڈال بھی دیا) تو ہم نے یوسف پر وحی بھیجی کہ (ایک وقت آئے گا جب) تم ان سب کو جتلاؤ گے کہ انہوں  
 نے یہ کیا کام کیا تھا، اور اُس وقت انہیں پتہ بھی نہ ہوگا (کہ تم کون ہو؟) ۝ (۱۵) اور رات کو وہ سب اپنے باپ کے پاس  
 روتے ہوئے پہنچ گئے۔ ۝ (۱۶) کہنے لگے: ”ابا جی! یقین جانے، ہم دوڑنے کا مقابلہ کرنے چلے گئے تھے، اور ہم نے  
 یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا، اتنے میں ایک بھیڑیا اُسے کھا گیا۔ اور آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں  
 گے، چاہے ہم کتنے ہی سچے ہوں۔“ ۝ (۱۷) اور وہ یوسف کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا کر لے آئے۔ اُن کے والد  
 نے کہا: ”(حقیقت یہ نہیں ہے) بلکہ تمہارے دلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بنالی ہے۔ اب تو میرے لئے صبر ہی  
 بہتر ہے۔ اور جو باتیں تم بنا رہے ہو، اُن پر اللہ ہی کی مدد درکار ہے۔“ ۝ (۱۸)

(۹) حضرت یوسف علیہ السلام اُس وقت بچے تھے، روایات میں اُن کی عمر سات سال بتائی گئی ہے۔ اس لئے یہ وحی نبوت کی وحی  
 نہیں تھی، بلکہ یہ اُس قسم کی وحی تھی جیسی قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ یا حضرت مریم کے لئے بیان فرمائی ہے،  
 جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کسی ذریعے سے یہ بتا دیا کہ گھبراؤ نہیں، ایک وقت آنے والا ہے  
 کہ یہ لوگ تمہارے آگے جھکیں گے، اور تم انہیں ان کی ساری حرکتوں کے بارے میں انہیں اُس وقت سب کچھ جتلاؤ گے جب  
 یہ تمہیں پہچانتے بھی نہیں ہوں گے۔ چنانچہ آگے آیت ۸۹ میں آرہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کا حاکم بننے کے بعد  
 انہیں جتلا دیا تھا۔

(۱۰) بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے قمیص پر خون تو لگا دیا، لیکن قمیص صحیح سالم تھا، اس پر پھنسنے کے کوئی آثار نہیں تھے۔ اس  
 لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ بھیڑیا بڑا مہذب تھا کہ بچے کو کھا گیا، اور قمیص جوں کی توں صحیح سالم رہی۔ خلاصہ یہ  
 کہ ان کو یہ بات یقین سے معلوم ہو گئی کہ بھیڑیے کے کھانے کی بات محض افسانہ ہے۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ یہ بات تم نے  
 اپنی طرف سے گھڑ لی ہے۔



وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَبُشْرَىٰ هَذَا غُلْمٌ ۖ وَأَسْرُوهُ  
بِضَاعَةٍ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۖ وَكَانُوا  
فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۚ ﴿٢٠﴾ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ لِمَرْأَتِهِ أَكْرَمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ  
يُنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۖ ۝

اور (دوسری طرف جس جگہ انہوں نے یوسف کو کنویں میں ڈالا تھا، وہاں) ایک قافلہ آیا۔ قافلے کے لوگوں نے ایک آدمی پانی لانے کے لئے بھیجا، اور اُس نے اپنا ڈول (کنویں میں) ڈالا تو (وہاں یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر) پکار اُٹھا: ”لو خوشخبری سنو! یہ تو ایک لڑکا ہے۔“ اور قافلے والوں نے انہیں ایک تجارت کا مال سمجھ کر چھپالیا، اور جو کچھ وہ کر رہے تھے، اللہ کو اس کا پورا پورا علم تھا۔ ﴿۱۹﴾ اور (پھر) انہوں نے یوسف کو بہت کم قیمت میں بیچ دیا جو گنتی کے چند درہموں کی شکل میں تھی، اور اُن کو یوسف سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ﴿۲۰﴾ اور مصر کے جس آدمی نے انہیں خریدا، اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ: ”اس کو عزت سے رکھنا۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے گا، یا پھر ہم اسے بیٹا بنالیں گے۔“ ﴿۱۳﴾

(۱۱) روایات میں ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ ایک پتھر پر جا بیٹھے تھے۔ جب قافلے کے اس آدمی نے پانی نکالنے کے لئے ڈول کنویں میں ڈالا تو وہ اُس ڈول میں سوار ہو گئے، اُس نے ڈول کھینچا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اُس کے منہ سے بے ساختہ وہ الفاظ نکلے جو اس آیت میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

(۱۲) قرآن کریم کے الفاظ سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیچنے والے قافلے ہی کے لوگ تھے، اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھنے سے دلچسپی نہیں تھی، بلکہ ان کو بیچ کر جو بھی قیمت ہاتھ آجائے، وہ اُسے غنیمت سمجھتے تھے، کیونکہ مفت حاصل ہو رہی تھی۔ اس لئے جب کوئی خریدار ملا، انہوں نے اُسے تھوڑی سی قیمت ہی پر بیچ دیا۔ البتہ بعض روایات میں واقعے کی یہ تفصیل آئی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی انہیں کنویں میں ڈال تو گئے تھے، لیکن بڑا بھائی یہوداہ روزانہ اُن کی خبر گیری کے لئے آتا تھا، اور کچھ کھانا بھی انہیں پہنچا دیتا تھا۔ تیسرے دن جب انہیں کنویں میں نہ پایا تو تلاش کرنے سے وہ قافلے والے مل گئے۔ اس موقع پر دوسرے بھائی بھی آ گئے، اور انہوں نے قافلے والوں سے کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے جو بھاگ گیا تھا، اور اگر تم چاہو تو ہم اُسے تمہارے ہاتھ فروخت کر سکتے ہیں۔ چونکہ ان بھائیوں کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ وہ ان کے والد کی سرزمین سے دور چلے جائیں، قیمت لینا اصل مقصد نہیں تھا، اس لئے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قافلے والوں کے ہاتھ معمولی قیمت پر بیچ دیا۔ بائبل میں بھی یہ مذکور ہے کہ بیچنے والے اُن کے بھائی ہی تھے، اور انہوں نے قافلے والوں کے ہاتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو فروخت کیا تھا۔

(۱۳) قرآن کریم کا خاص اُسلوب یہ ہے کہ وہ کسی واقعے کو بیان کرتے ہوئے غیر ضروری تفصیلات کا ذکر نہیں کرتا، بلکہ واقعے کے اہم حصوں کو بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ جن لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو فلسطین کے



وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۖ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾ وَلَمَّا بَدَأْنَا أَشْدَّ هَا أَتَيْنَهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۖ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٢﴾ وَرَأَوْدَتُهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۖ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنَّ رَّا بَرَّهَا نَ رَبِّهٖ ۖ كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ ۖ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿٢٤﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَبِيضَهُ مِنْ دُبُرٍ ۖ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۖ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٥﴾

اس طرح ہم نے اُس سرزمین میں یوسف کے قدم جمائے، تاکہ انہیں باتوں کا صحیح مطلب نکالنا سکھائیں، اور اللہ کو اپنے کام پر پورا قابو حاصل ہے، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ ﴿٢١﴾

اور جب یوسف اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا کیا، اور جو لوگ نیک کام کرتے ہیں، اُن کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ ﴿٢٢﴾ اور جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے، اُس نے اُن کو ورغلانے کی کوشش کی، اور سارے دروازوں کو بند کر دیا، اور کہنے لگی: ”آ بھی جاؤ!“ یوسف نے کہا: ”اللہ کی پناہ! وہ میرا آقا ہے، اُس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔“ سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ ظلم کرتے ہیں، انہیں فلاح حاصل نہیں ہوتی۔ ﴿٢٣﴾ اُس عورت نے تو واضح طور پر یوسف (کے ساتھ برائی) کا ارادہ کر لیا تھا، اور یوسف کے دل میں بھی اُس عورت کا خیال آچلا تھا، اگر وہ اپنے رب کی دلیل کو نہ دیکھ لیتے۔ ہم نے ایسا اس لئے کیا تاکہ اُن سے برائی اور بے حیائی کا رُخ پھیر دیں۔ بیشک وہ ہمارے منتخب بندوں میں سے تھے۔ ﴿٢٤﴾ اور دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے، اور (اس کشمکش میں) اُس عورت نے اُن کے قمیص کو پیچھے کی طرف سے پھاڑ ڈالا۔ اتنے میں دونوں نے اُس عورت کے شوہر کو دروازے پر کھڑا پایا۔ اُس عورت نے فوراً (بات بنانے کے لئے اپنے شوہر سے) کہا کہ: ”جو کوئی تمہاری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے، اُس کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ اُسے قید کر دیا جائے، یا کوئی اور دردناک سزا دی جائے؟“ ﴿٢٥﴾

جنگل سے خریدا تھا، چاہے وہ خود قافلے والے ہوں، جیسا کہ اوپر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، یا وہ ہوں جنہوں نے قافلے والوں سے خریدا، بہر صورت وہ انہیں مصر لے گئے، اور وہاں جا کر انہیں بھاری قیمت پر فروخت کیا۔ وہاں جس شخص نے خریدا، وہ مصر کا وزیر خزانہ تھا جسے اُس وقت ”عزیز مصر“ کہتے تھے۔ اُس نے اپنی بیوی کو تاکید کی کہ ان کا خاص خیال رکھیں۔ بیوی کا نام روایات میں ”زلیخا“ بتایا گیا ہے۔



(۱۴) یہ وہی عزیز مصر کی بیوی زلیخا تھی جس کا ذکر پچھلے حاشیہ میں گزرا ہے۔ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے غیر معمولی مردانہ حسن پر اتنی فریفتہ ہوئی کہ انہیں گناہ کی دعوت دے بیٹھی۔ قرآن کریم نے اُس کا نام لینے کے بجائے یہ فرمایا ہے کہ ”جس کے گھر میں وہ رہتے تھے“ اس میں اشارہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے اُس کی فرمائش سے انکار اور بھی زیادہ مشکل تھا، کیونکہ وہ اُسی کے گھر میں قیام پذیر تھے، اور وہ اُن پر ایک طرح سے حاکمہ کا درجہ رکھتی تھی۔

(۱۵) یہاں ”آقا“ سے مراد اللہ تعالیٰ بھی ہو سکتے ہیں، اور وہ عزیز مصر بھی ہو سکتا ہے جس نے انہیں اپنے گھر میں عزت سے رکھا ہوا تھا، اور مطلب یہ ہوگا کہ تم میرے آقا کی بیوی ہو، اور میں تمہاری بات مان کر اُس کے ساتھ خیانت کیسے کر سکتا ہوں؟

(۱۶) اس آیت کی تفسیر دو طریقے سے ممکن ہے۔ ایک یہ کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے رب کی طرف سے ایک دلیل نہ دیکھ لیتے تو اُن کے دل میں بھی اُس عورت کی طرف جھکاؤ پیدا ہو جاتا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایک دلیل نظر آگئی (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)، اس لئے اُن کے دل میں اُس عورت کے بارے میں کوئی بُرا خیال تک نہیں آیا۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شروع میں اُن کے دل میں بھی تھوڑا سا میلان پیدا ہوا تھا جو ایک بشری تقاضا ہے، مگر بقول حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، اس کی بہترین مثال ایسی ہے جیسے پیاس کی حالت میں روزہ دار کو ٹھنڈا پانی دیکھ کر طبعی طور پر اُس کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے، لیکن روزہ توڑنے کا بالکل ارادہ نہیں ہوتا، اسی طرح غیر اختیاری طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی میلان پیدا ہوا، اور اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو یہ میلان آگے بھی بڑھ سکتا تھا، لیکن اپنے رب کی دلیل دیکھنے کے بعد وہ غیر اختیاری جھکاؤ سے آگے نہیں بڑھا۔ زیادہ تر مفسرین نے اس دوسری تفسیر کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ اول تو یہ عربی زبان کے قواعد کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے، دوسرے اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کے مقام بلند کا مزید اندازہ ہوتا ہے۔ اگر ان کے دل میں یہ غیر اختیاری خیال بھی پیدا نہ ہوتا تو گناہ سے بچنا اتنا مشکل نہیں تھا، لیکن اس جھکاؤ کے باوجود اپنے آپ کو بچانا زبردست اولوالعزمی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دل کے تقاضے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنے آپ پر قابو رکھنا اور گناہ سے بچنا بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ وہ دلیل کیا تھی جسے اللہ تعالیٰ نے ”اپنے رب کی دلیل“ سے تعبیر فرمایا ہے؟ اس سوال کا واضح اور بے غبار جواب یہ ہے کہ اس سے مراد اس عمل کے گناہ ہونے کی دلیل ہے جس کی طرف انہوں نے دھیان رکھا، اور گناہ سے محفوظ رہے۔ بعض روایات میں اس کی یہ تفسیر بھی آئی ہے کہ اُس وقت اُن کو اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دکھادی گئی تھی۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۱۷) حضرت یوسف علیہ السلام اُس عورت سے رُخ موڑ کر دروازے کی طرف بھاگ رہے تھے، عورت نے پیچھے سے انہیں کھینچنا چاہا، اس سے قمیص پیچھے سے پھٹ گئی۔



قَالَ هِيَ رَأَوْدَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۖ وَإِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۖ فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۖ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا ۖ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ إِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْخَاطِئِينَ ۖ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۚ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۖ

یوسف نے کہا: ”یہ خود تھیں جو مجھے ورغلا رہی تھیں۔“ اور اُس عورت کے خاندان ہی میں سے ایک گواہی دینے والے نے یہ گواہی دی کہ: ”اگر یوسف کی قمیص سامنے کی طرف سے پھٹی ہو تو عورت سچ کہتی ہے، اور وہ جھوٹے ہیں۔“ (۲۱) اور اگر ان کی قمیص پیچھے کی طرف سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹ بولتی ہے، اور یہ سچے ہیں۔“ (۱۸) پھر جب شوہر نے دیکھا کہ ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو اُس نے کہا کہ: ”یہ تم عورتوں کی مکاری ہے، واقعی تم عورتوں کی مکاری بڑی سخت ہے۔“ (۲۲) یوسف! تم اس بات کا کچھ خیال نہ کرو، اور اے عورت! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، یقینی طور پر تو ہی خطا کا تھی۔“ (۱۹) اور شہر میں کچھ عورتیں یہ باتیں کرنے لگیں کہ: ”عزیز کی بیوی اپنے نوجوان غلام کو ورغلا رہی ہے۔ اس نوجوان کی محبت نے اُسے فریفتہ کر لیا ہے۔ ہمارے خیال میں تو یقینی طور پر وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔“ (۲۰)

(۱۸) اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی عزیز مصر پر واضح کرنے کے لئے یہ انتظام فرمایا کہ خود زلیخا کے خاندان کے ایک شخص نے سچ اور جھوٹ کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک ایسی علامت بتائی جس کی معقولیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اُس کا کہنا یہ تھا کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص سامنے کی طرف سے پھٹی ہو تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ عورت کی طرف بڑھنا چاہتے تھے، عورت نے اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ بڑھایا، اور اس کشمکش میں اُن کی قمیص پھٹ گئی، لیکن اگر وہ پیچھے کی طرف سے پھٹی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آگے بھاگ رہے تھے، زلیخا اُن کا پیچھا کر کے اُنہیں روکنا چاہتی تھی، اور اُنہیں اپنی طرف کھینچنے کی وجہ سے قمیص پھٹ گئی۔ اول تو یہ بات ہی نہایت معقول تھی، دوسرے بعض مستند احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گواہی زلیخا کے خاندان کے ایک چھوٹے سے بچے نے دی تھی جو ابھی بولنے کے قابل نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے اُسے بولنے کی طاقت اسی طرح عطا فرمادی تھی جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی۔ غرض اس ناقابل انکار ثبوت کے بعد عزیز مصر کو یقین ہو گیا کہ سارا قصور اُس کی بیوی کا ہے، اور حضرت یوسف علیہ السلام بالکل بے گناہ ہیں۔

(۱۹) عزیز مصر کو یقین ہو گیا تھا کہ شرارت اُس کی بیوی ہی کی تھی، لیکن شاید بدنامی کے خوف سے اُس نے بات کو پوشیدہ رکھا۔



فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا ۖ إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿٢٠﴾ قَالَتْ فَذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ۖ وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ۖ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَا أَمَرُكَ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونَا مِنَ الصَّغِيرِينَ ﴿٢١﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٢٢﴾

چنانچہ جب اُس (عزیز کی بیوی) نے ان عورتوں کے مکر کی یہ بات سنی تو اُس نے پیغام بھیج کر انہیں (اپنے گھر) بلوالیا، اور اُن کے لئے ایک تکیوں والی نشست تیار کی، اور اُن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چاقو دے دیا، اور (یوسف سے) کہا کہ: ”ذرا باہر نکل کر ان کے سامنے آ جاؤ۔“ اب جوان عورتوں نے یوسف کو دیکھا تو انہیں حیرت انگیز (حد تک حسین) پایا، اور (اُن کے حسن سے مبہوت ہو کر) اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے، اور بول اُٹھیں کہ: ”حاشا للہ! یہ شخص کوئی انسان نہیں ہے، ایک قابلِ تکریم فرشتے کے سوا یہ کچھ اور نہیں ہو سکتا۔“ ﴿۲۰﴾ عزیز کی بیوی نے کہا: ”اب دیکھو! یہ ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم نے مجھے طعنہ دیئے تھے! یہ بات واقعی سچ ہے کہ میں نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے اس پر ڈورے ڈالے، مگر یہ بچ نکلا۔ اور اگر یہ میرے کہنے پر عمل نہیں کرے گا تو اسے قید ضرور کیا جائے گا، اور یہ ذلیل ہو کر رہے گا۔“ ﴿۲۱﴾ یوسف نے دعا کی کہ: ”یا رَبِّ! یہ عورتیں مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہیں، اُس کے مقابلے میں قید خانہ مجھے زیادہ پسند ہے۔ اور اگر تو نے مجھے ان کی چالوں سے محفوظ نہ کیا تو میرا دل بھی ان کی طرف کھینچنے لگے گا، اور جو لوگ جہالت کے کام کرتے ہیں، اُن میں میں بھی شامل ہو جاؤں گا۔“ ﴿۲۲﴾

(۲۰) ان عورتوں کی اس بات کو ”مکر“ شاید اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ کسی خیر خواہی کی وجہ سے یہ باتیں نہیں بنا رہی تھیں، بلکہ محض زلیخا کو بدنام کرنا مقصود تھا، اور کچھ بعید نہیں کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کی شہرت سن کر یہ باتیں اسی لئے کی ہوں کہ زلیخا اُن کو بھی دیدار کا موقع فراہم کر دے۔

(۲۱) ان کی مہمان نوازی کے لئے پھل دسترخوان پر رکھے گئے تھے، اور چاقو انہیں کاٹنے کے لئے دیا گیا تھا، لیکن شاید زلیخا کو یہ اندازہ تھا کہ جب یہ عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھیں گی تو یہ چاقو بے خودی کی حالت میں خود ان کے ہاتھوں پر چل جائے گا۔ چنانچہ آگے بیان فرمایا گیا ہے کہ واقعی جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے حسن و جمال میں ایسی محو ہوئیں کہ بے خیالی میں چاقو ان کے ہاتھوں پر چل گیا۔

(۲۲) بعض روایات میں ہے کہ ان عورتوں نے جو پہلے زلیخا کو ملامت کر رہی تھیں، حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے کے بعد



فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ ثُمَّ بَدَأَ لَهُمْ مِنْ بَعْدِ  
مَا رَأَوْا الْآيَاتِ لَيْسَ جُنْدَهُ حَتَّىٰ حِينٍ ۝ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنِ ۖ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي  
أُرَانِي أَخْضَرَاءَ ۖ وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أُرَانِي أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْرًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۖ  
نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ۚ إِنَّا نراك مِنَ الْمَحْسِنِينَ ۝ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقُنِيهِ إِلَّا نُبَأُكُمْ  
بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۖ

چنانچہ یوسف کے رب نے ان کی دُعا قبول کی، اور ان عورتوں کی چالوں سے انہیں محفوظ رکھا۔ بیشک وہی ہے جو ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے۔ (۲۳) پھر ان لوگوں نے (یوسف کی پاکدامنی کی) بہت سی نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی مناسب یہی سمجھا کہ انہیں ایک مدت تک قید خانے بھیج دیں۔ (۲۴) اور یوسف کے ساتھ دو اور نوجوان قید خانے میں داخل ہوئے۔ اُن میں سے ایک نے (ایک دن یوسف سے) کہا کہ: ”میں (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں شراب پوڑ رہا ہوں“ اور دوسرے نے کہا کہ: ”میں (خواب میں) یوں دیکھتا ہوں کہ میں نے اپنے سر پر روٹی اٹھائی ہوئی ہے، (اور) پرندے اُس میں سے کھا رہے ہیں۔ ذرا ہمیں اس کی تعبیر بتاؤ، ہمیں تم نیک آدمی نظر آتے ہو۔“ (۲۵) یوسف نے کہا: ”جو کھانا تمہیں (قید خانے میں) دیا جاتا ہے، وہ ابھی آنے نہیں پائے گا کہ میں تمہیں اس کی حقیقت بتا دوں گا۔“

اُلٹی حضرت یوسف علیہ السلام کو نصیحت کرنی شروع کر دی کہ تمہیں اپنی مالکہ کا کہنا ماننا چاہئے، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عورتوں میں سے بھی کچھ نے انہیں تنہائی میں نصیحت کے بہانے بلا کر گناہ کی دعوت دینی شروع کی۔ اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی دُعا میں صرف زلیخا کا نہیں، بلکہ تمام عورتوں کا ذکر فرمایا۔

(۲۳) یعنی اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی اور پارسائی کے بہت سے دلائل ان لوگوں کے سامنے آچکے تھے، لیکن عزیز مصر نے اپنی بیوی کو بدنامی سے بچانے اور اس واقعے کا چرچا ختم کرنے کے لئے مناسب یہ سمجھا کہ کچھ عرصے تک انہیں قید خانے ہی میں بند رکھا جائے۔

(۲۴) روایات میں ہے کہ ان دونوں میں سے ایک بادشاہ کو شراب پلایا کرتا تھا، اور دوسرا اُس کا باورچی تھا، اور ان پر الزام یہ تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دینے کی کوشش کی ہے۔ اس الزام میں ان پر مقدمہ چل رہا تھا جس کی وجہ سے انہیں قید خانے میں بھیجا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی ملاقات ہوئی، اور انہوں نے اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر ان سے پوچھی۔

(۲۵) اس کا مطلب بعض مفسرین نے تو یہ بتایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں اطمینان دلایا کہ میں تمہارے ان خوابوں کی تعبیر ابھی تھوڑی دیر میں بتا دوں گا، اور جو کھانا تمہیں جیل سے ملنے والا ہے، اس کے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی بتا دوں گا۔ اور بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا علم عطا فرمایا ہے کہ جو کھانا تمہیں جیل



ذٰلِكُمْ اِمَّا عَلَيْنِي رَآءٍ ۖ اِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ  
 كٰفِرُونَ ﴿۳۵﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اَبَائِيْ اِبْرٰهِيْمَ وَاسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ  
 مِنْ شَيْءٍ ۚ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾  
 يٰصٰحِبِ السِّجْنِ اِنَّ رُبَّابًا مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرًا مِّنْ اللّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۳۷﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ  
 دُوْنِهٖ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَبَّيْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ اِنَّ الْحُكْمَ اِلَّا  
 لِلّٰهِ ۚ اَمْرًا لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

یہ اُس علم کا ایک حصہ ہے جو میرے پروردگار نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ (مگر اس سے پہلے میری ایک بات سنو۔) بات یہ ہے کہ میں نے اُن لوگوں کا دین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، اور جو آخرت کے منکر ہیں۔ ﴿۳۵﴾ اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے۔ ہمیں یہ حق نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک ٹھہرائیں۔ یہ (توحید کا عقیدہ) ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ کے فضل کا حصہ ہے، لیکن اکثر لوگ (اس نعمت کا) شکر ادا نہیں کرتے۔ ﴿۳۶﴾ اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں، یا وہ ایک اللہ جس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہے؟ ﴿۳۷﴾ اُس کے سوا جس جس کی تم عبادت کرتے ہو، اُن کی حقیقت چند ناموں سے زیادہ نہیں ہے جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے اُن کے حق میں کوئی دلیل نہیں اتاری۔ حاکمیت اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اُسی نے یہ حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۳۸﴾

سے ملنے والا ہو، اس کے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ اس مرتبہ کونسا کھانا تمہیں دیا جائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ مجھے بہت سی باتیں وحی کے ذریعے بتا دیتے ہیں۔ یہ بات آپ نے اس لئے ارشاد فرمائی کہ آپ ان دونوں کو توحید کی دعوت دینا چاہتے تھے۔ اور ان کو آپ کے اس علم کا پتہ چلنے سے اس بات کی اُمید تھی کہ وہ آپ کی بات کو غور سے سنیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو دین کی کوئی بات بتانی ہو تو اُس کے دل میں اپنا اعتماد پیدا کرنے کے لئے اگر کوئی شخص اپنے علم کا اظہار کر دے، اور محض بڑائی جتنا مقصود نہ ہو تو ایسا اظہار کرنا جائز ہے۔

﴿۲۶﴾ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ دونوں قیدی ان پر خواب کی تعبیر کے بارے میں بھروسہ کر رہے ہیں، اور انہیں نیک بھی سمجھتے ہیں تو خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے ان کو دین حق کی دعوت دینا مناسب سمجھا، بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ ان میں سے ایک کے خواب کی تعبیر یہ تھی کہ اُسے سولی دی جائے گی، اور اس طرح اُس کی زندگی کی مہلت ختم ہونے والی ہے، اس لئے آپ نے چاہا کہ مرنے سے پہلے وہ ایمان لے آئے، تاکہ اس کی آخرت سنور جائے۔ یہی پیغمبرانہ اسلوب ہے کہ وہ جب کوئی مناسب موقع دیکھتے ہیں، اپنی دعوت پیش کرنے سے نہیں چوکتے۔



يُصَاحِبِي السِّجْنَ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا ۖ وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ ۚ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ ﴿٦١﴾ وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ ۚ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴿٦٢﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعٌ سُتُوبَاتٍ خُضِرَ وَأُخِرَ يَبَاسُ ۚ يَأَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رَأْيِي أَمْ إِن كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُونَ ﴿٦٣﴾ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۚ وَمَنْ حَنْ بَتَاوِيلِ إِلَّا حُلَامٌ بِعِلْمَيْنِ ﴿٦٤﴾

اے میرے قید خانے کے ساتھیو! (اب اپنے خوابوں کی تعبیر سنو) تم میں سے ایک کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ (قید سے آزاد ہو کر) اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔ رہا دوسرا، تو اُسے سولی دی جائے گی، جس کے نتیجے میں پرندے اُس کے سر کو (نوج کر) کھائیں گے۔ جس معاملے میں تم پوچھ رہے تھے، اُس کا فیصلہ (اسی طرح) ہو چکا ہے۔“ ﴿۶۱﴾ اور ان دونوں میں سے جس کے بارے میں اُن کا گمان تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا، اُس سے یوسف نے کہا کہ: ”اپنے آقا سے میرا بھی تذکرہ کر دینا۔“ ﴿۶۲﴾ پھر ہوا یہ کہ شیطان نے اُس کو یہ بات بھلا دی کہ وہ اپنے آقا سے یوسف کا تذکرہ کرتا۔ چنانچہ وہ کئی برس قید خانے میں رہے۔ ﴿۶۳﴾ اور (چند سال بعد مصر کے) بادشاہ نے (اپنے درباریوں سے) کہا کہ: ”میں (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنہیں سات دُبلے پتلی گائیں کھا رہی ہیں، نیز سات خوشے ہرے بھرے ہیں، اور سات اور ہیں جو سوکھے ہوئے ہیں۔ اے درباریو! اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو تو میرے اس خواب کا مطلب بتاؤ۔“ ﴿۶۴﴾ انہوں نے کہا کہ: ”یہ پریشان قسم کے خیالات (معلوم ہوتے) ہیں، اور ہم خوابوں کی تعبیر کے علم سے واقف (بھی) نہیں۔“ ﴿۶۵﴾

﴿۶۴﴾ آقا سے مراد بادشاہ ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جس قیدی کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ وہ چھوٹ جائے گا، اور واپس جا کر حسبِ معمول اپنے آقا کو شراب پلائے گا، اُس سے آپ نے یہ بات فرمائی کہ تم اپنے آقا یعنی بادشاہ سے میرا تذکرہ کرنا کہ ایک شخص بے گناہ جیل میں پڑا ہوا ہے۔ اُس کے معاملے پر آپ کو توجہ کرنی چاہئے۔ مگر جیسا کہ آگے بیان فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ شخص بادشاہ سے یہ بات کہنا بھول گیا جس کی وجہ سے انہیں کئی سال اور جیل میں رہنا پڑا۔

﴿۶۵﴾ بادشاہ نے جو خواب دیکھا تھا، وہ اُس کی تعبیر جاننا چاہتا تھا، مگر دربار کے لوگوں نے پہلے تو یہ کہا کہ یہ کوئی بامعنی خواب معلوم نہیں ہوتا، پریشان قسم کے خیالات بعض اوقات ایسے خوابوں کا رُوپ دھار لیتے ہیں۔ پھر یہ بھی کہا کہ اگر یہ واقعی کوئی بامعنی خواب ہے، تب بھی ہم اس کی تعبیر بتانے سے قاصر ہیں، کیونکہ ہم اس علم سے واقف نہیں ہیں۔



وَقَالَ الَّذِي نَجَمْنَاهُ مَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ۖ (۲۹) يُوسُفُ أَيُّهَا  
 الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعُ عِجَافٍ وَسَبْعِ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ  
 يَبْسُتٍ ۚ لَعَلَّيْ أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ۖ (۳۰) قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَابَّاءَ  
 فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَكْلُونَ ۖ (۳۱)

اور ان دو قیدیوں میں سے جو رہا ہو گیا تھا، اور اُسے ایک لمبے عرصے کے بعد (یوسف کی) بات یاد آئی تھی، اُس نے کہا کہ: ”میں آپ کو اس خواب کی تعبیر بتائے دیتا ہوں، بس مجھے (یوسف کے پاس قید خانے میں) بھیج دیجئے۔“ (۲۹) چنانچہ اُس نے قید خانے میں پہنچ کر یوسف سے کہا: ”یوسف! اے وہ شخص جس کی ہر بات سچی ہوتی ہے! تم ہمیں اس (خواب) کا مطلب بتاؤ کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنہیں سات دُبلے پتلی گائیں کھا رہی ہیں، اور سات خوشے ہرے بھرے ہیں، اور دوسرے سات اور ہیں جو سوکھے ہوئے ہیں۔ شاید میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں (اور انہیں خواب کی تعبیر بتاؤں) تاکہ وہ بھی حقیقت جان لیں۔“ (۳۰) یوسف نے کہا: ”تم سات سال تک مسلسل غلہ زمین میں اُگاؤ گے۔ اس دوران جو فصل کاٹو، اُس کو اُس کی بالیوں ہی میں رہنے دینا، البتہ تھوڑا سا غلہ جو تمہارے کھانے کے کام آئے، (وہ نکال لیا کرو۔) (۳۱)

(۲۹) یہ وہی قیدی تھا جس کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اُس کے خواب کی یہ تعبیر دی تھی کہ اُسے جیل سے رہائی مل جائے گی، اور جب وہ رہا ہوا تھا تو اُس سے کہا تھا کہ اپنے آقا سے میرا بھی تذکرہ کر دینا، مگر وہ اُن کا ذکر کرنا بھول گیا تھا۔ اب جو بادشاہ نے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو اُسے یاد آیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خوابوں کی تعبیر کا خاص علم عطا فرمایا ہے، اور وہ اس خواب کی صحیح تعبیر بتا سکتے ہیں۔ اس لئے اُس نے بادشاہ کو بتایا کہ قید خانے میں ایک شخص ہے جو خواب کی بہترین تعبیر بتاتا ہے، آپ مجھے اُس کے پاس بھیج دیجئے۔ قرآن کریم چونکہ قصہ گوئی کی کتاب نہیں ہے، بلکہ ہر قصے سے اُس کا کوئی مقصد وابستہ ہوتا ہے، اس لئے اس کا یہ خاص اسلوب ہے کہ جو باتیں سننے والا خود اپنی سمجھ سے نکال سکتا ہے، اُن کی تفصیل بیان نہیں کرتا۔ چنانچہ یہاں بھی صریح لفظوں میں یہ فرمانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ اُس کے بعد بادشاہ نے اُس کو قید خانے میں بھیجا، اور وہاں حضرت یوسف علیہ السلام سے اُس کی ملاقات ہوئی، اور اُس نے اُن سے کہا، بلکہ براہ راست بات یہاں سے شروع فرمادی کہ: ”یوسف! اے وہ شخص جس کی ہر بات سچی ہوتی ہے...“

(۳۰) حقیقت جان لینے کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ خواب کی صحیح تعبیر سمجھ لیں، اور یہ بھی کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں حقیقت حال سے واقف ہو جائیں کہ ایک ایسا نیک اور راست باز انسان بے گناہ قید میں پڑا ہوا ہے۔



ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَحْصُونَ ﴿٣٨﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْرِصُونَ ﴿٣٩﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ اسْتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسَأَلَهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿٤٠﴾

پھر اس کے بعد تم پر سات سال ایسے آئیں گے جو بڑے سخت ہوں گے، اور جو کچھ ذخیرہ تم نے ان سالوں کے واسطے جمع کر رکھا ہوگا، اُس کو کھا جائیں گے، ہاں البتہ تھوڑا سا حصہ جو تم محفوظ کر سکو گے، (صرف وہ بچ جائے گا) ﴿۳۸﴾ پھر اُس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگوں پر خوب بارش ہوگی، اور وہ اس میں انگور کا شیرہ نچوڑیں گے۔ ﴿۳۹﴾ اور بادشاہ نے کہا کہ: ”اُس کو (یعنی یوسف کو) میرے پاس لے کر آؤ۔“ چنانچہ جب اُن کے پاس ایلچی پہنچا تو یوسف نے کہا: ”اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ، اور اُن سے پوچھو کہ اُن عورتوں کا کیا قصہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟“ میرا پروردگار ان عورتوں کے مکر سے خوب واقف ہے۔ ﴿۴۰﴾

(۳۸) حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی جو تعبیر دی، اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ آئندہ سات سال تک تو موسم ٹھیک رہے گا جس کے نتیجے میں لوگ خوب غلہ اُگائیں گے، لیکن اس کے بعد سات سال تک زبردست قحط پڑے گا۔ سات موٹی تازی گائیں جو خواب میں نظر آئی ہیں، اُن سے مراد سات خوشحالی کے سال ہیں، اور جو سات دُبی پتلی گائیں دیکھی گئی ہیں، اُن سے قحط کے سات سالوں کی طرف اشارہ ہے۔ اب ان سات قحط کے سالوں کا پہلے سے انتظام کرنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ تدبیر بتائی کہ خوشحالی کے سات سالوں میں جتنا غلہ اُگے، اُس میں سے تھوڑا تھوڑا تو اپنے روزمرہ کے کھانے کے لئے نکال لیا جائے، اور باقی غلے کو اُس کی بالیوں ہی میں پڑا رہنے دیا جائے، تاکہ وہ سڑ کر خراب نہ ہو۔ جب قحط کے سات سال آئیں گے تو یہ ذخیرہ اُس وقت کام آئے گا، اور قحط کے یہ سات سال اس سارے ذخیرے کو کھا جائیں گے۔ اور خواب میں دُبی پتلی گائیں جو موٹی گایوں کو کھاتی ہوئی نظر آئی ہیں، اُن کا مطلب یہی ہے کہ قحط کے سال خوشحالی کے سالوں میں جمع کئے ہوئے ذخیرے کو کھا جائیں گے۔ البتہ تھوڑا سا غلہ آئندہ بیج ڈالنے کے لئے بچا رہے گا جو آئندہ سال کی کاشت کے کام آئے گا۔ چنانچہ اگلے سال خوب بارشیں ہوں گی، اور لوگ انگور کا خوب رس نکالیں گے۔

(۳۹) یہاں پھر قرآن کریم نے واقعے کے وہ حصے حذف فرمادیئے ہیں جو خود سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی جو تعبیر دی تھی، وہ بادشاہ کو بتائی گئی، بادشاہ نے تعبیر سن کر ان کو قدر دان کی طور پر اپنے پاس بلوانا چاہا، اور اس مقصد کے لئے اپنا ایک ایلچی بھیجا۔ اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ اپنی رہائی سے پہلے اُس جھوٹے الزام کی واضح طور پر صفائی کروائیں جو اُن پر لگایا گیا تھا۔ اس لئے اس مرحلے پر انہوں نے ایلچی کے ساتھ جانے کے بجائے بادشاہ کو یہ پیغام بھجوایا کہ آپ پہلے ان عورتوں کے معاملات کی تحقیق کریں جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے، چونکہ ان عورتوں کو ساری بات



قَالَ مَا خَطْبُكَ إِذْ رَأَوْنِي عَنْ نَفْسِهِ<sup>ط</sup> قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ<sup>ط</sup>  
 قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ النَّحْصُ الْحَقُّ أَنَا رَأَوْنَاهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ<sup>٥١</sup>  
 ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ<sup>٥٢</sup> وَمَا أَبْرَأُ  
 نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي<sup>ط</sup> إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ<sup>٥٣</sup>

بادشاہ نے (اُن عورتوں کو بلا کر اُن سے) کہا: ”تمہارا کیا قصہ تھا جب تم نے یوسف کو درغلانے کی کوشش کی تھی؟“ ان سب عورتوں نے کہا کہ: ”حاشا للہ! ہم کو ان میں ذرا بھی تو کوئی برائی معلوم نہیں ہوئی۔“ عزیز کی بیوی نے کہا کہ: ”اب تو حق بات سب پر کھل ہی گئی ہے۔ میں نے ہی ان کو درغلانے کی کوشش کی تھی، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بالکل سچے ہیں۔“<sup>٥١</sup> (جب یوسف کو قید خانے میں اس گفتگو کی خبر ملی تو انہوں نے کہا کہ: ) ”یہ سب کچھ میں نے اس لئے کیا تا کہ عزیز کو یہ بات یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ میں نے اُس کی غیر موجودگی میں اُس کے ساتھ کوئی خیانت نہیں کی، اور یہ بھی کہ جو لوگ خیانت کرتے ہیں، اللہ اُن کے فریب کو چلنے نہیں دیتا۔“<sup>٥٢</sup> اور میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرا نفس بالکل پاک صاف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نفس تو برائی کی تلقین کرتا ہی رہتا ہے، ہاں میرا رب رحم فرما دے تو بات اور ہے (کہ اس صورت میں نفس کا کوئی داؤ نہیں چلتا۔) بیشک میرا رب بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“<sup>٥٣</sup>

معلوم تھی، اور ان کے ذریعے حقیقت کا معلوم کرنا زیادہ آسان تھا، اس لئے زلیخا کے بجائے ان کا حوالہ دیا۔ اور اگرچہ یہ تحقیق جیل سے رہا ہونے کے بعد بھی کی جاسکتی تھی، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے شاید اس لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا تا کہ بادشاہ اور عزیز مصر وغیرہ پر یہ بات واضح ہو جائے کہ ان کو اپنی بے گناہی پر اتنا یقین ہے کہ وہ بے گناہی ثابت ہوئے بغیر جیل سے رہا ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ دوسرے حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے انداز سے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ انہیں کوئی اعزاز دیں گے۔ اس اعزاز کے ملنے کے بعد تحقیقات کے غیر جانب دارانہ ہونے میں لوگوں کو شکوک اور شبہات ہو سکتے تھے، اس لئے آپ نے مناسب یہی سمجھا کہ جیل سے اُس وقت نکلیں جب غیر جانب دارانہ تحقیق کے نتیجے میں الزام کا ہر داغ دھل چکا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی سچائی کا یقین ہو گیا، اور اُس نے جب ان عورتوں کو بلا کر ان سے اس انداز میں سوال کیا جیسے اُسے ساری حقیقت معلوم ہے تو وہ حقیقت سے انکار نہ کر سکیں، بلکہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کی صاف لفظوں میں گواہی دی۔ اس مرحلے پر عزیز مصر کی بیوی زلیخا کو بھی یہ اقرار کرنا پڑا کہ اصل غلطی اُسی کی تھی۔ شاید اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے جرم کے اقرار اور توبہ کے ذریعے وہ بھی پاک صاف ہو سکے۔

(۳۳) حضرت یوسف علیہ السلام کی تواضع اور عبدیت کا کمال دیکھئے کہ اس موقع پر جب ان کی بے گناہی خود ان عورتوں کے اعتراف سے ثابت ہو گئی، تب بھی اس پر اپنی بڑائی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے یہ فرما رہے ہیں کہ میں اس انتہائی خطرناک جال سے جو بچا ہوں، اُس میں میرا کوئی کمال نہیں، نفس تو میرے پاس بھی ہے جو انسان کو برائی کی تلقین کرتا رہتا ہے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ



وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهٖ اَسْتَخْلِصْهٗ لِنَفْسِیۚ فَلَمَّا كَلَمَہٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدِیْنَا مَكِیِّنٌۭ اَمِیِّنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِی عَلٰی خَزَاۤیِۡنِ الْاَرْضِ ؕ اِنِّیۡ حَفِیْظٌ عَلَیْمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لَیُوسُفَ فِی الْاَرْضِ ؕ یَتَّبِعُوْا مِنْهَا حَیْثُ یَّشَآءُ ۚ نُّصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾

اور بادشاہ نے کہا کہ: ”اُس کو میرے پاس لے آؤ، میں اُسے خالص اپنا (معاون) بناؤں گا۔“ چنانچہ جب (یوسف بادشاہ کے پاس آگئے، اور) بادشاہ نے اُن سے باتیں کیں تو اُس نے کہا: ”آج سے ہمارے پاس تمہارا بڑا مرتبہ ہوگا، اور تم پر پورا بھروسہ کیا جائے گا۔“ ﴿۵۴﴾ یوسف نے کہا کہ: ”آپ مجھے ملک کے خزانوں (کے انتظام) پر مقرر کر دیجئے۔ یقین رکھئے کہ مجھے حفاظت کرنا خوب آتا ہے، (اور) میں (اس کام کا) پورا علم رکھتا ہوں۔“ ﴿۵۵﴾ اور اس طرح ہم نے یوسف کو ملک میں ایسا اقتدار عطا کیا کہ وہ اُس میں جہاں چاہیں، اپنا ٹھکانا بنائیں۔ ہم اپنی رحمت جس کو چاہتے ہیں، پہنچاتے ہیں، اور نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ ﴿۵۶﴾

کارحم وکرم ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے، اُس کے فریب سے بچا لیتا ہے۔ البتہ دوسرے دلائل سے یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ رحم وکرم اُسی پر ہوتا ہے جو گناہ سے بچنے کے لئے اپنی سی کوشش کر گذرے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے دروازے تک بھاگ کر کی تھی، اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے رُجوع کر کے اُس سے پناہ مانگے۔

﴿۳۴﴾ بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے جو باتیں کیں، اُن کی تفصیل بعض روایات میں اس طرح آئی ہے کہ اُس نے پہلے تو خواب کی تعبیر خود حضرت یوسف علیہ السلام سے سننے کی خواہش ظاہر کی۔ اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب کی کچھ ایسی تفصیلات اُس سے بیان کیں جو بادشاہ نے اب تک کسی اور کو نہیں بتائی تھیں۔ اس پر وہ نہایت حیرت زدہ ہوا، پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے قحط کے سالوں کا انتظام کرنے کے لئے بھی بڑی مفید تجویزیں پیش کیں جو اُسے بہت پسند آئیں، اور اُسے آپ کی نیکی کا اطمینان ہو گیا۔ اس موقع پر اُس نے آپ سے کہا کہ آپ پر چونکہ ہمیں پورا بھروسہ ہو چکا ہے، اس لئے آپ کا شمار حکومت کے معتمد افراد میں ہوگا۔ نیز جب حضرت یوسف علیہ السلام نے قحط کے اثرات سے بچنے کی تدبیر بتائی تو بادشاہ نے پوچھا کہ اس کا انتظام کون کرے گا؟ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے پیشکش کی کہ میں یہ ذمہ داری لینے کو تیار ہوں۔

﴿۳۵﴾ عام حالات میں حکومت کا کوئی عہدہ خود طلب کرنا شرعی اعتبار سے جائز نہیں ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، لیکن جب کسی سرکاری عہدے کے نااہلوں کے سپرد ہونے کی وجہ سے خلقِ خدا کی پریشانی کا قوی خطرہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں کسی نیک، پارسا اور متقی آدمی کے لئے عہدے کا طلب کرنا جائز ہے۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو اندیشہ تھا کہ قحط کا جو زمانہ آنے والا ہے، اُس میں لوگوں کے ساتھ نا انصافیاں ہوں گی، اس کے علاوہ اُس ملک میں اللہ تعالیٰ کا قانون جاری کرنے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام خود یہ ذمہ داری قبول فرمائیں، اور اللہ تعالیٰ کے



عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝۵۸ وَلَا جُرْأُولَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝۵۹ وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۝۶۰ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ قَالَ اسْتَؤْنِي بِإِخْوَتِكُمْ مِّنْ أَيْكُم ۚ لَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوْفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ۝۶۱ فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ ۝۶۲ قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ۝۶۳ وَقَالَ لِفَتَيْنِهِ اجْعَلُوا بَصَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝۶۴ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا خَانًا نَّكْتُلُ وَإِنَّا لَمُخَفِّضُونَ ۝۶۵

اور آخرت کا جو اجر ہے، وہ اُن لوگوں کے لئے کہیں زیادہ بہتر ہے جو ایمان لاتے اور تقویٰ پر کاربند رہتے ہیں۔ (۳۶)  
 اور (جب قحط پڑا تو) یوسف کے بھائی آئے، اور اُن کے پاس پہنچے، تو یوسف نے انہیں پہچان لیا، اور وہ یوسف کو نہیں پہچانے۔ (۳۸) اور جب یوسف نے اُن کا سامان تیار کر دیا تو اُن سے کہا کہ (آئندہ) اپنے باپ شریک بھائی کو بھی میرے پاس لے کر آنا۔ کیا تم یہ نہیں دیکھ رہے ہو کہ میں پیما نہ بھر بھر کر دیتا ہوں، اور میں بہترین مہمان نواز بھی ہوں؟ (۳۹) اب اگر تم اُسے لے کر نہ آئے تو میرے پاس تمہارے لئے کوئی غلہ نہیں ہوگا، اور تم میرے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ (۴۰) وہ بولے: ”ہم اُس کے والد کو اُس کے بارے میں بہلانے کی کوشش کریں گے (کہ وہ اُسے ہمارے ساتھ بھیج دیں) اور ہم ایسا ضرور کریں گے۔“ (۴۱) اور یوسف نے اپنے نوکروں سے کہہ دیا کہ وہ ان (بھائیوں) کا مال (جس کے بدلے انہوں نے غلہ خریدا ہے) انہی کے کجاووں میں رکھ دیں، تاکہ جب یہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس پہنچیں تو اپنے مال کو پہچان لیں۔ شاید (اس احسان کی وجہ سے) وہ دوبارہ آئیں۔ (۴۲) چنانچہ جب وہ اپنے والد کے پاس واپس پہنچے تو انہوں نے کہا: ”اباجان! آئندہ ہمیں غلہ دینے سے انکار کر دیا گیا ہے، لہذا آپ ہمارے بھائی (بنیامین) کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے، تاکہ ہم (پھر) غلہ لاسکیں، اور یقین رکھئے کہ ہم اُس کی پوری پوری حفاظت کریں گے۔“ (۴۳)

احکام کو نافذ فرمائیں۔ اس لئے آپ نے ملک کے خزانوں کا انتظام اپنے سر لے لیا۔ پھر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ بادشاہ نے حکومت کے سارے اختیارات انہی کے سپرد کر دیئے تھے، اور وہ پورے ملک کے حکمران بن گئے تھے۔ اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت یہ ہے کہ بادشاہ اُن کے ہاتھ پر مسلمان بھی ہو گیا تھا۔ لہذا حضرت یوسف علیہ السلام کا اس ذمہ داری کو قبول کرنا پورے ملک پر اللہ تعالیٰ کا قانون انصاف نافذ ہونے کا ذریعہ بن گیا۔

(۳۶) دُنیا میں حضرت یوسف علیہ السلام کو جو عزت اور اقتدار ملا، اُس کے ذکر کے ساتھ قرآن کریم نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ یہ اُس اجر عظیم کے مقابلے میں بہت کم ہے جو اُن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں تیار کر رکھا ہے۔ اس طرح ہر وہ شخص جس کو دُنیا



میں کوئی عزت اور دولت ملی ہو، اُسے یہ ابدی نصیحت فرمادی گئی ہے کہ اُس کو اصل فکر اس بات کی کرنی چاہئے کہ اس دُنیا کی عزت و دولت کے نتیجے میں آخرت کا اجر ضائع نہ ہو۔

(۳۷) جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر دی تھی، سات سال بعد پورے مصر میں سخت قحط پڑا، اور اُس پاس کے علاقے بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے بادشاہ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ خوشحالی کے سات سالوں میں مسلسل غلے کا ذخیرہ کیا جائے، تاکہ جب قحط کے سال آئیں تو یہ ذخیرہ لوگوں کے کام آئے۔ اس موقع پر آپ نہ صرف اپنے علاقے کے لوگوں کو ستے داموں غلہ فروخت کر سکیں گے، بلکہ ارد گرد کے دوسرے علاقوں کے لوگوں کی بھی مدد کر سکیں گے۔ چنانچہ اس قحط کے نتیجے میں دُور دُور تک غلے کی بڑی قلت ہو گئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام (یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے والد) اس پورے عرصے میں فلسطین کے علاقے کنعان ہی میں تھے، جب کنعان میں بھی قحط پڑا تو انہیں اور ان کے صاحبزادوں کو پتہ چلا کہ مصر کے بادشاہ نے قحط زدہ لوگوں کے لئے راشن مقرر کر رکھا ہے، اور وہاں سے مناسب قیمت پر غلہ مل سکتا ہے۔ اس خبر کو سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کے دس باپ شریک بھائی جنہوں نے ان کو بچپن میں کنویں میں ڈالا تھا، راشن لینے کے لئے مصر آئے۔ البتہ ان کے سگے بھائی بنیامین کو اپنے والد کے پاس چھوڑ آئے۔ یہاں راشن کی تقسیم کا سارا انتظام حضرت یوسف علیہ السلام خود کر رہے تھے، تاکہ سب لوگوں کو انصاف کے ساتھ راشن مل سکے۔ چنانچہ ان بھائیوں کو اُن کے سامنے آنا پڑا۔

(۳۸) حضرت یوسف علیہ السلام تو اُن کو اس لئے پہچان گئے کہ ان کی صورتوں میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی تھی، اور حضرت یوسف علیہ السلام کو تو قحط بھی تھی کہ وہ راشن لینے کے لئے آئیں گے۔ لیکن وہ بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو اس لئے نہیں پہچان سکے کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سات سال کی عمر میں دیکھا تھا، اور اب وہ بہت بڑے ہو چکے تھے، اس لئے صورت میں بڑی تبدیلی آ چکی تھی۔ اس کے علاوہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ مصر کے محلات میں ہو سکتے ہیں۔

(۳۹) دراصل ہوا یہ تھا کہ جب ان دس بھائیوں کو ایک ایک اُونٹ کا بوجھ غلہ مل گیا تو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ ہمارا ایک باپ شریک بھائی ہے جو ہمارے والد کی خدمت کے لئے وہاں رہ گیا ہے، اور یہاں نہیں آ سکا۔ آپ اس کے حصے کا غلہ بھی ہمیں دے دیجئے۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ راشن کے جو قواعد مقرر کئے گئے ہیں، اُن کی رُو سے میں ایسا نہیں کر سکتا۔ البتہ اگلی مرتبہ جب آپ آئیں تو اسے بھی ساتھ لے کر آئیں تو میں سب کا حصہ پورا پورا دوں گا۔ اور اگر اس مرتبہ آپ لوگ اُسے ساتھ نہ لائے تو آپ کے اپنے حصے کا غلہ بھی آپ کو نہیں ملے گا، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے جھوٹ بولا تھا کہ آپ کا کوئی اور بھائی بھی ہے، اور دھوکا دینے والوں کو راشن نہیں دیا جاسکتا۔

(۴۰) حضرت یوسف علیہ السلام نے ان بھائیوں کے ساتھ یہ احسان فرمایا کہ غلے کو خریدنے کے لئے جو قیمت انہوں نے دی تھی، وہ واپس انہی کے سامان میں رکھوا دی۔ اُس زمانے میں سونے چاندی کے سکوں کے بجائے مختلف قسم کا سامان قیمت کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کنعان سے کچھ چمڑا اور جوتے لے کر آئے تھے، وہی انہوں نے غلے کی قیمت کے طور پر پیش کیا، اور اُسی کو حضرت یوسف علیہ السلام نے واپس ان کے سامان میں رکھوا دیا۔ یہ ظاہر بات ہے کہ انہوں نے اپنی جیب سے اتنی قیمت سرکاری خزانے میں جمع کرا دی ہوگی۔

(۴۱) یعنی اگر ہم بنیامین کو ساتھ لے کر نہ گئے تو ہم میں سے کسی کو غلہ نہیں مل سکے گا۔



قَالَ هَلْ آمَنْتُمْ عَلَيَّ إِلَّا كَمَا آمَنْتُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ۖ فَاللَّهُ خَيْرٌ حَفِظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿٢٤﴾ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَا بَانَا مَا نَبْغِي ۖ هَذِهِ بِضَاعُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ وَنَبِيرُ أَهْلِنَا وَنَحْفَظُ أَخَانًا وَنَزِدَا دُكَيْلَ بَعِيرٍ ۖ ذَلِكَ كَيْلُ يَسِيرٍ ﴿٢٥﴾ قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُوا مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٢٦﴾ وَقَالَ لِبَنِي لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ ۚ وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٢٧﴾

والد نے کہا: ”کیا میں اُس کے بارے میں تم پر ویسا ہی بھروسہ کروں جیسا اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں تم پر پہلے کیا تھا؟ خیر! اللہ سب سے بڑھ کر نگہبان ہے، اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔“ ﴿۲۴﴾ اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ اُن کا مال بھی اُن کو لوٹا دیا گیا ہے۔ وہ کہنے لگے: ”ابا جان! ہمیں اور کیا چاہئے؟ یہ ہمارا مال ہے جو ہمیں لوٹا دیا گیا ہے۔ اور (اس مرتبہ) ہم اپنے گھر والوں کے لئے اور غلہ لائیں گے، اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے، اور ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ لے کر آئیں گے۔ (اس طرح) یہ زیادہ غلہ بڑی آسانی سے مل جائے گا۔“ ﴿۲۵﴾ والد نے کہا: ”میں اس (بنیامین) کو تمہارے ساتھ اُس وقت تک ہرگز نہیں بھیجوں گا جب تک تم اللہ کے نام پر مجھ سے یہ عہد نہ کرو کہ اُسے ضرور میرے پاس واپس لے کر آؤ گے، الا یہ کہ تم (واقعی) بے بس ہو جاؤ۔“ چنانچہ جب انہوں نے اپنے والد کو یہ عہد دے دیا تو والد نے کہا: ”جو قول و قرار ہم کر رہے ہیں، اُس پر اللہ نگہبان ہے۔“ ﴿۲۶﴾ اور (ساتھ ہی یہ بھی) کہا کہ: ”میرے بیٹو! تم سب ایک دروازے سے (شہر میں) داخل نہ ہونا، بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ میں اللہ کی مشیت سے تمہیں نہیں بچا سکتا، حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں چلتا۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے، اور جن جن کو بھروسہ کرنا ہو، انہیں چاہئے کہ اُسی پر بھروسہ کریں۔“ ﴿۲۷﴾

(۲۲) یہ تاکید حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس خیال سے فرمائی کہ یہ گیارہ کے گیارہ بھائی جو سب ماشاء اللہ قد آرا اور حسین و جمیل تھے، جب ایک ساتھ شہر میں داخل ہوں گے، تو کہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔

(۲۳) نظربد سے بچنے کی تدبیر بتانے کے ساتھ ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ حقیقت بھی واضح فرمادی کہ انسان کی کسی تدبیر میں بذاتِ خود کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔ جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت سے ہوتا ہے، وہ چاہتا ہے تو انسان کی تدبیر میں اثر پیدا فرما دیتا ہے، اور چاہتا ہے تو وہ بے اثر ہو جاتی ہے۔ لہذا ایک مومن کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی سی تدبیر تو ضرور کرے، لیکن بھروسہ اُس تدبیر کے بجائے اللہ تعالیٰ ہی پر رکھے۔



وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ<sup>ط</sup> مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي  
 نَفْسٍ يَعْقُوبَ قَضَاهَا<sup>ط</sup> وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ<sup>ع</sup> وَلَمَّا  
 دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا خُوكَ فَلَا تَبْتَسِ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ<sup>٢٩</sup>  
 فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَاحِلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ  
 إِنَّكُمْ لَسِرْقُونَ<sup>٣٠</sup>

اور جب وہ (بھائی) اُسی طرح (مصر میں) داخل ہوئے جس طرح اُن کے والد نے کہا تھا، تو یہ عمل اللہ کی مشیت سے  
 اُن کو ذرا بھی بچانے والا نہیں تھا، لیکن یعقوب کے دل میں ایک خواہش تھی جو انہوں نے پوری کر لی۔ بیشک وہ ہمارے  
 سکھائے ہوئے علم کے حامل تھے، لیکن اکثر لوگ (معاملے کی حقیقت) نہیں جانتے۔<sup>(۲۹)</sup>  
 اور جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے (سگے) بھائی (بنیامین) کو اپنے پاس خاص جگہ دی،<sup>(۳۰)</sup> اور  
 انہیں بتایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں، لہذا تم ان باتوں پر رنجیدہ نہ ہونا جو یہ (دوسرے بھائی) کرتے رہے ہیں۔<sup>(۳۱)</sup> پھر  
 جب یوسف نے اُن کا سامان تیار کر دیا تو پانی پینے کا پیالہ اپنے (سگے) بھائی کے کجاوے میں رکھوا دیا، پھر ایک منادی  
 نے پکار کر کہا کہ: ”اے قافلے والو! تم چور ہو۔“<sup>(۳۲)</sup>

(۳۳) یعنی بہت سے لوگ یا تو اپنی ظاہری تدبیروں ہی کو موثر حقیقی سمجھ بیٹھتے ہیں، یا ان پر اتنا بھروسہ کر لیتے ہیں کہ انہیں کبھی یہ  
 خیال بھی نہیں آتا کہ جب تک اللہ تعالیٰ ان تدبیروں میں تاثیر پیدا نہ فرمائیں، اُن کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ لیکن حضرت  
 یعقوب علیہ السلام ایسے نہیں تھے، انہوں نے جب اپنے صاحبزادوں کو نظر بد سے بچنے کی تدبیر بتائی تو ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ یہ محض  
 ایک تدبیر ہے، لیکن نفع اور نقصان پہنچانے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ ان کی یہ تدبیر نظر بد سے حفاظت  
 کی حد تک تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کام آئی، لیکن اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے یہ بھائی ایک اور مشکل میں گرفتار ہوئے جس کی تفصیل  
 آگے آرہی ہے۔

(۳۵) روایات میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دو دو بھائیوں کو ایک کمرے میں ٹھہرایا تھا، اس طرح پانچ کمروں  
 میں دس بھائی مقیم ہو گئے۔ بنیامین رہ گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میرے ساتھ رہیں گے۔ اس طرح انہیں  
 اپنے سگے بھائی کے ساتھ تنہائی کا موقع مل گیا، جس میں ان کو بتا دیا کہ میں تمہارا سگے بھائی ہوں۔ بنیامین نے اس موقع پر کہا کہ  
 اب میں ان بھائیوں کے ساتھ واپس جانا نہیں چاہتا۔ اس کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے وہ تدبیر اختیار کی جس کا ذکر  
 آگے آرہا ہے۔

(۳۶) یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود اپنی طرف سے پیالہ ان کے سامان میں رکھنے کے بعد اتنے وثوق کے  
 ساتھ ان کو چور قرار دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں بعض حضرات نے تو یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حضرت یوسف



قَالُوا وَقَبِلُوا عَلَيْهِمْ مَا ذَاتُ فَقْدُون ۝ قَالُوا انْفِقْ صَوَاءَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حُلٌ  
بَعِيرٌ وَأَنَابَهُ زَعِيمٌ ۝ قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا  
سُرِقِينَ ۝ قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِن كُنتُمْ كَذِبِينَ ۝ قَالُوا جَزَاؤُهُ مَن وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ  
جَزَاؤُهُ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝

انہوں نے ان کی طرف مڑ کر پوچھا کہ: ”کیا چیز ہے جو تم سے گم ہو گئی ہے؟“ ۝ انہوں نے کہا کہ: ”ہمیں بادشاہ کا  
پیانا نہیں مل رہا، اور جو شخص اُسے لا کر دے گا، اُس کو ایک اونٹ کا بوجھ (انعام میں) ملے گا، اور میں اس (انعام کے  
دلوانے) کی ذمہ داری لیتا ہوں۔“ ۝ وہ (بھائی) بولے: ”اللہ کی قسم! آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہم زمین میں فساد  
پھیلانے کے لئے نہیں آئے تھے، اور نہ ہم چوری کرنے والے لوگ ہیں۔“ ۝ انہوں نے کہا کہ: ”اگر تم لوگ جھوٹے  
(ثابت) ہوئے تو اس کی کیا سزا ہوگی؟“ ۝ انہوں نے کہا: ”اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے کجاوے میں سے وہ (پیالہ)  
مل جائے، وہ خود سزا میں دھر لیا جائے۔ جو لوگ ظلم کرتے ہیں، ہم ان کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔“ ۝

علیہ السلام نے پیالہ خفیہ طور پر رکھوایا تھا، اور جب عملے کے لوگوں کو پیالہ نہ ملا تو انہوں نے اپنی طرف سے ان لوگوں کو چور قرار دیا،  
حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے نہیں۔ لیکن جس سیاق میں قرآن کریم نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے، اس میں یہ احتمال بہت  
بعید معلوم ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان کو چور قرار دینا ایک تور یہ تھا، اور ان کو چور اس معنی میں کہا گیا تھا  
کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بچپن میں اپنے والد سے چرا لیا تھا۔ تیسرے بعض مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ یہ تدبیر  
چونکہ خود اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سکھائی تھی، جیسا کہ آگے آیت ۷۶ میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ: ”اس  
طرح ہم نے یوسف کی خاطر یہ تدبیر کی“ اس لئے جو کچھ ہوا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا، اور جس طرح سورہ کہف میں حضرت خضر  
علیہ السلام نے کئی کام بظاہر شریعت کے خلاف کئے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم سے تھے، اس لئے ان کے لئے جائز تھے، اسی  
طرح یہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے جو عمل کیا، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا، اس لئے اس پر کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

(۴۷) یہ شاہی پیانا نہ تھا، اور بظاہر قیمتی تھا، ورنہ اس کی تلاش میں اتنی محنت نہ کی جاتی۔

(۴۸) یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں یہی حکم ہے کہ جو چوری کرے، اُسے گرفتار کر کے رکھ لیا جائے۔ اس طرح  
اللہ تعالیٰ نے خود ان بھائیوں سے یہ بات کہلوادی کہ چور کو یہ سزا ملنی چاہئے، چنانچہ جو سزا دی گئی، وہ حضرت یعقوب علیہ السلام  
کی شریعت کے مطابق دی گئی، ورنہ بادشاہ کے قانون میں چور کی پٹائی کی جاتی تھی، اور جرمانہ عائد کیا جاتا تھا۔ حضرت یوسف  
علیہ السلام نے بھائیوں سے یہ سوال اس لئے فرمایا کہ انہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے خلاف فیصلہ نہ کرنا پڑے،  
اور بھائی کو اپنے پاس رکھنے کا موقع بھی مل جائے۔



فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ ۖ كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ ۖ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۖ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ ۖ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿۴۹﴾ قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ ۚ

چنانچہ یوسف نے اپنے (سگے) بھائی کے تھیلے سے پہلے دوسرے بھائیوں کے تھیلوں کی تلاشی شروع کی، پھر اُس پیالے کو اپنے (سگے) بھائی کے تھیلے میں سے برآمد کر لیا۔<sup>(۴۹)</sup> اس طرح ہم نے یوسف کی خاطر یہ تدبیر کی۔ اللہ کی یہ مشیت نہ ہوتی تو یوسف کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیتے، اور ہم جس کو چاہتے ہیں، اُس کے درجے بلند کر دیتے ہیں، اور جتنے علم والے ہیں، ان سب کے اُوپر ایک بڑا علم رکھنے والا موجود ہے۔<sup>(۵۰)</sup> (بہر حال!) وہ بھائی بولے کہ: ”اگر اس (بنیامین) نے چوری کی ہے تو (کچھ تعجب نہیں، کیونکہ) اس کا ایک بھائی اس سے پہلے بھی چوری کر چکا ہے۔“<sup>(۵۱)</sup>

(۴۹) پہلے دوسرے بھائیوں کی تلاشی اس لئے شروع فرمائی تاکہ تلاشی غیر جانب دار سمجھی جائے۔

(۵۰) یہ سارے بھائی خوشی خوشی یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم نے اپنا مقصد پالیا، لیکن ان کو یہ علم نہیں تھا کہ چلتے چلتے کیا ہونے والا ہے؟ کوئی شخص کتنے ہی بڑے علم کا دعویٰ کرتا ہو، اللہ تعالیٰ کا علم اُس پر یقیناً فائق ہے۔

(۵۱) ان کا مطلب یہ تھا کہ بنیامین کے بھائی یعنی یوسف علیہ السلام نے بھی ایک مرتبہ چوری کی تھی۔ یہ الزام انہوں نے کیوں لگایا؟ اس کی وجہ قرآن کریم نے بیان نہیں فرمائی، لیکن بعض روایات میں اس کی وجہ یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ اُن کے بچپن ہی میں وفات پا گئی تھیں، اور ان کی پھوپھی نے ان کی پرورش کی، کیونکہ بچپن کے بالکل ابتدائی دور میں بچے کی دیکھ بھال کے لئے کسی عورت کی ضرورت تھی، لیکن جب وہ ذرا بڑے ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں اپنے پاس رکھنا چاہا۔ پھوپھی اس عرصے میں حضرت یوسف علیہ السلام سے اتنی محبت کرنے لگی تھیں کہ ان سے ان کی جدائی برداشت نہیں ہو رہی تھی، اس لئے انہوں نے یہ تدبیر کی کہ اپنا ایک پڑکا اُن کی کمر سے باندھ کر یہ مشہور کر دیا کہ وہ چوری ہو گیا ہے۔ بعد میں جب وہ پڑکا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے برآمد ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق انہیں یہ حق مل گیا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھ لیں۔ چنانچہ جب تک وہ پھوپھی زندہ رہیں، اُس وقت تک حضرت یوسف علیہ السلام ان کے پاس رہے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے۔ یہ واقعہ ان کے بھائیوں کو معلوم تھا، اور وہ جانتے تھے کہ درحقیقت پڑکا انہوں نے چوری نہیں کیا تھا، مگر چونکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مخالف تھے، اس لئے انہوں نے اس موقع پر چوری کا الزام بھی ان پر لگا دیا (ابن کثیر وغیرہ)۔ یہ واقعہ اس صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کے بارے میں ان روایات کو صحیح قرار دیا جائے جن کی رُو سے ان کا انتقال ہو چکا تھا، اور جن روایتوں میں یہ مذکور ہے کہ وہ زندہ تھیں، ان کے لحاظ سے چوری کے الزام کی یہ توجیہ ممکن نہیں ہے۔ بہر صورت یہ بات واضح ہے کہ الزام غلط تھا۔



فَاسْرَهَا يَوْسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ أَنْتُمْ شَرُّ مَكَانًا ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ﴿۵۸﴾ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ ۚ إِنَّا نَنْتَرُكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۹﴾ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ ۚ إِنَّا إِذَا ظَلَمْنَا لَنَا وَلًا ۖ فَلَمَّا اسْتِيسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ۖ قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِي يُوسُفَ ۚ فَلَنْ أُبْرَحَ إِلَّا رِضًا حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿۶۰﴾ ارْجِعُوا إِلَىٰ آبَائِكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ ﴿۶۱﴾ وَسَأَلَ الْقُرِيَةُ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ۚ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۶۲﴾

اس پر یوسف نے ان پر ظاہر کئے بغیر چپکے سے (دل میں) کہا کہ: ”تم تو اس معاملے میں کہیں زیادہ بُرے ہو، اور جو بیان تم دے رہے ہو، اللہ اُس کی حقیقت خوب جانتا ہے۔“ ﴿۵۸﴾ (اب) وہ کہنے لگے کہ: ”اے عزیز! اس کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے، اس لئے اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو اپنے پاس رکھ لیجئے۔ ہم آپ کو ان لوگوں میں سے سمجھتے ہیں جو احسان کیا کرتے ہیں۔“ ﴿۵۹﴾ یوسف نے کہا: ”اس (نا انصافی) سے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جس شخص کے پاس سے ہماری چیز ملی ہے، اُس کو چھوڑ کر کسی اور کو پکڑ لیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو یقینی طور پر ہم ظالم ہوں گے۔“ ﴿۶۰﴾ چنانچہ جب وہ یوسف سے مایوس ہو گئے تو الگ ہو کر چپکے چپکے مشورہ کرنے لگے۔ ان سب میں جو بڑا تھا، اُس نے کہا: ”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کے نام پر عہد لیا تھا، اور اس سے پہلے تم یوسف کے معاملے میں جو قصور کر چکے ہو، (وہ بھی معلوم ہے)۔ لہذا میں تو اس ملک سے اُس وقت تک نہیں ٹلوں گا جب تک میرے والد مجھے اجازت نہ دیں، یا اللہ ہی میرے حق میں کوئی فیصلہ فرما دے۔ اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔“ ﴿۶۱﴾ جاؤ، اپنے والد کے پاس واپس جاؤ، اور ان سے کہو کہ: ابا جان! آپ کے بیٹے نے چوری کر لی تھی، اور ہم نے وہی بات کہی ہے جو ہمارے علم میں آئی ہے، اور غیب کی نگہبانی تو ہمارے بس میں نہیں تھی۔ ﴿۶۲﴾ اور جس بستی میں ہم تھے اس سے پوچھ لیجئے، اور جس قافلے میں ہم آئے ہیں، اس سے تحقیق کر لیجئے، یہ بالکل سچی بات ہے کہ ہم سچے ہیں۔“ ﴿۶۳﴾

(۵۲) یعنی اس چوری کے معاملے میں جس کا الزام تم مجھ پر لگا رہے ہو، تمہاری حالت کہیں زیادہ بُری ہے، کیونکہ تم نے خود مجھے میرے باپ سے چُرا کر کنویں میں ڈال دیا تھا۔



قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَبِيلٌ ۖ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۚ  
 إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۵۳﴾ وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَفِي عَلَى يُونُسَفَ وَأَبْيَضَّتْ عَيْنُهُ مِنَ  
 الْحُزَنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۵۴﴾ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتُو أَتَذْكُرُ يُونُسَفَ حَتَّى تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ  
 الْهَالِكِينَ ﴿۵۵﴾ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۵۶﴾ لِيَبْنِيَ  
 أَذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُونُسَفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَأْيِسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَا يَأْيِسُ مِنْ رَوْحِ  
 اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ﴿۵۷﴾

(چنانچہ یہ بھائی یعقوب علیہ السلام کے پاس گئے، اور ان سے وہی بات کہی جو بڑے بھائی نے سکھائی تھی) یعقوب نے  
 (یہ سن کر) کہا: ”نہیں، بلکہ تمہارے دلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بنالی ہے۔ اب تو میرے لئے صبر ہی بہتر  
 ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ اللہ میرے پاس ان سب کو لے آئے۔ بیشک اس کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔“ ﴿۵۳﴾ اور (یہ  
 کہہ کر) انہوں نے منہ پھیر لیا، اور کہنے لگے: ”ہائے یوسف!“ اور ان کی دونوں آنکھیں صدمے سے (روتے روتے)  
 سفید پڑ گئی تھیں، اور وہ دل ہی دل میں گھٹے جاتے تھے۔ ﴿۵۴﴾ ان کے بیٹے کہنے لگے: ”اللہ کی قسم! آپ یوسف کو یاد کرنا  
 نہیں چھوڑیں گے، یہاں تک کہ بالکل گھل کر رہ جائیں گے، یا ہلاک ہو بیٹھیں گے۔“ ﴿۵۵﴾ یعقوب نے کہا: ”میں اپنے  
 رنج و غم کی فریاد (تم سے نہیں) صرف اللہ سے کرتا ہوں، اور اللہ کے بارے میں جتنا میں جانتا ہوں، تم نہیں  
 جانتے۔ ﴿۵۶﴾ میرے بیٹو! جاؤ، اور یوسف اور اس کے بھائی کا کچھ سراغ لگاؤ، اور اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو۔ یقین  
 جانو، اللہ کی رحمت سے وہی لوگ نا اُمید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔“ ﴿۵۷﴾

(۵۳) چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین تھا کہ بنیامین چوری نہیں کر سکتا، اس لئے انہوں نے یہ سمجھا کہ اس مرتبہ بھی ان  
 لوگوں نے کوئی بہانہ بنایا ہے۔

(۵۴) چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام بھی کہیں نہ کہیں زندہ ہیں، اور بنیامین گرفتار ہیں، اس لئے  
 انہوں نے کچھ عرصے کے بعد پورے وثوق کے ساتھ حکم دیا کہ جا کر ان دونوں کو تلاش کرو۔ اتنے میں جو غلہ اب تک آیا تھا، وہ ختم  
 ہو چکا تھا، اور قحط کی حالت جاری تھی۔ اس لئے ان بھائیوں نے یہ سوچا کہ پھر مصر جائیں، کیونکہ بنیامین تو وہاں یقینی طور پر موجود  
 ہیں، پہلے ان کی واپسی کی کوشش کرنی چاہئے، پھر یوسف علیہ السلام کا بھی کچھ سراغ لگانے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے  
 مصر جا کر پہلے تو یوسف علیہ السلام سے غلے کی بات کی، تاکہ ان کا دل کچھ نرم پڑے تو بنیامین کی واپسی کی بھی درخواست کریں۔  
 اگلی آیتوں میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی گفتگو بیان فرمائی گئی ہے۔



فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعٍ مُّرْجُةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿١٨﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿١٩﴾ قَالُوا إِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ ۚ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي ۖ قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ۚ إِنَّهُ مَنْ يَشَقِّ وَيَصِدِّرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٠﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ أَشْرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخُطِئِينَ ﴿٢١﴾ قَالَ لَا تَثْرِبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۚ يَعْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٢٢﴾ إِذْ هَبُوا بَقِيصَتِي هَذَا فَالْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا ۚ وَأَتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٢٣﴾

چنانچہ جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے (یوسف سے) کہا: ”اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر سخت مصیبت پڑی ہوئی ہے، اور ہم ایک معمولی سی پونجی لے کر آئے ہیں، آپ ہمیں پورا پورا غلہ دے دیجئے، اور اللہ کے لئے ہم پر احسان کیجئے۔ یقیناً اللہ اپنی خاطر احسان کرنے والوں کو بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔“ ﴿۱۸﴾ یوسف نے کہا: ”تمہیں کچھ پتہ ہے کہ تم جب جہالت میں مبتلا تھے تو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟“ ﴿۱۹﴾ (اس پر) وہ بول اٹھے: ”ارے کیا تم ہی یوسف ہو؟“ یوسف نے کہا: ”میں یوسف ہوں، اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص تقویٰ اور صبر سے کام لیتا ہے، تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“ ﴿۲۰﴾ انہوں نے کہا: ”اللہ کی قسم! اللہ نے تم کو ہم پر ترجیح دی ہے، اور ہم یقیناً خطا کار تھے۔“ ﴿۲۱﴾ یوسف بولے: ”آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہوگی، اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“ ﴿۲۲﴾ میرا یہ فیصلہ لے جاؤ، اور اُسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دینا، اس سے ان کی بینائی واپس آ جائے گی۔ اور اپنے سارے گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔“ ﴿۲۳﴾

(۵۵) مطلب یہ ہے کہ قحط کی وجہ سے ہم سخت بد حالی کا شکار ہیں، اس لئے اس مرتبہ ہم اتنی قیمت بھی نہیں لاسکے جو اپنے حصے کا غلہ خریدنے کے لئے درکار ہوتی ہے۔ لہذا اب جو کچھ آپ دیں گے وہ محض احسان ہی ہوگا۔ قرآن کریم میں لفظ ”صدقہ“ استعمال ہوا ہے، صدقہ ایسے عطیہ کو کہتے ہیں جو کسی کے ذمے واجب نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر احسان کے طور پر دیا جائے۔

(۵۶) اب تک تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچانے نہیں تھے، لیکن جب انہوں نے اپنا نام خود لیا، تو غور کرنے کے بعد ان لوگوں کو بھی یہ احتمال پیدا ہو گیا کہ یہی یوسف علیہ السلام ہیں۔

(۵۷) یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام یقیناً جانتے ہوں گے کہ ان کی جدائی سے ان کے والد بزرگوار پر



وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ ﴿٥٨﴾ قَالُوا اتَّاللَّهُ  
إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ﴿٥٩﴾ فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَى وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا  
قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٠﴾

اور جب یہ قافلہ (مصر سے کنعان کی طرف) روانہ ہوا تو ان کے والد نے (کنعان میں آس پاس کے لوگوں سے) کہا کہ: ”اگر تم مجھے یہ نہ کہو کہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے، تو مجھے تو یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔“ (۵۸) لوگوں نے کہا: ”اللہ کی قسم! آپ ابھی تک اپنی پرانی غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں۔“ (۵۹) پھر جب خوشخبری دینے والا پہنچ گیا تو اُس نے (یوسف کی) قمیص ان کے منہ پر ڈال دی، اور فوراً ان کی بینائی واپس آ گئی۔ انہوں نے (اپنے بیٹوں سے) کہا: ”کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اللہ کے بارے میں جتنا میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے؟“ (۶۰)

کیا گزر رہی ہوگی۔ اس کے باوجود اتنے لمبے عرصے تک انہوں نے کسی بھی ذریعے سے اپنی خیریت کی کوئی خبر اپنے والد کو بھیجنے کی کوشش نہیں کی۔ اول تو عزیز کے گھر میں رہنے کے دوران خبر بھیجنا کچھ مشکل نہ ہونا چاہئے تھا، پھر قید سے آزادی کے بعد تو ان کو ملک پر مکمل اقتدار بھی حاصل ہو چکا تھا، وہ شروع ہی میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور اپنے سارے گھر والوں کو مصر بلانے کا انتظام کر سکتے تھے، اور جو بات انہوں نے اپنے بھائیوں سے اب کہی، وہ ان کی پہلی آمد کے موقع پر بھی فرما سکتے تھے، اور اس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے رنج و غم کا زمانہ مختصر ہو سکتا تھا، لیکن انہوں نے ایسا کوئی اقدام نہیں کیا۔ اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان سارے واقعات میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کی بڑی حکمتیں پوشیدہ تھیں، اور اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب بندے اور رسول حضرت یعقوب علیہ السلام کے صبر و ضبط کا امتحان لینا تھا، اس لئے اس پورے عرصے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اپنے والد سے رابطہ کریں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۵۸) حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ اپنے سب گھر والوں کو مصر لے آئیں۔ چنانچہ وہ ایک قافلہ کی صورت میں مصر سے روانہ ہوئے۔ ادھر وہ مصر سے نکلے، اور ادھر کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنے لگی۔ یہ دونوں پیغمبروں کا ایک معجزہ تھا، اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے بشارت کہ ان کی آزمائش کا زمانہ ختم ہونے والا ہے۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کنعان کے قریب ہی کنوئیں میں موجود تھے، اُس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی خوشبو نہیں آئی، اس کے علاوہ مصر میں قیام کے دوران بھی انہیں اس سے پہلے اس کا احساس نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ کسی نبی کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں، اس کا مظاہرہ فرما دیتے ہیں۔

(۵۹) یعنی یہ غلط فہمی کہ حضرت یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں، اور ان سے ملاقات ہو سکتی ہے۔

(۶۰) ”خوشخبری دینے والے“ حضرت یوسف علیہ السلام کے سب سے بڑے بھائی تھے جن کا نام بعض روایات میں یہوداہ اور بعض میں روبن آیا ہے۔ اور خوشخبری دینے سے مراد یہ خوشخبری ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں، اور انہوں نے سب گھر والوں کو اپنے پاس بلایا ہے۔ یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص چہرے پر ڈالنے سے حضرت



قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ﴿۹۵﴾ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ  
الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۹۶﴾ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَبَوَاهُ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ  
اللَّهُ آمِنِينَ ﴿۹۷﴾ وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۚ

وہ کہنے لگے: ”ابا جان! آپ ہمارے گناہوں کی بخشش کی دُعا فرمائیے۔ ہم یقیناً بڑے خطا کار تھے۔“ ﴿۹۵﴾ یعقوب نے کہا: ”میں عنقریب اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دُعا کروں گا۔ بیشک وہی ہے جو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ ﴿۹۶﴾ پھر جب یہ سب لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی، اور سب سے کہا کہ: ”آپ سب مصر میں داخل ہو جائیں، جہاں ان شاء اللہ سب چین سے رہیں گے۔“ ﴿۹۷﴾ اور انہوں نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا، اور وہ سب ان کے سامنے سجدے میں گر پڑے، ﴿۹۸﴾

یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس آگئی۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص سے کئی اہم واقعات ظاہر ہوئے۔ انہی کی قمیص کو ان کے بھائی خون لگا کر لائے تھے، اور اس کو صحیح سالم دیکھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام یہ سمجھ گئے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھیڑیے نے نہیں کھایا، اور انہی کی قمیص تھی جو زلیخا نے پیچھے سے پھاڑی، اور اس سے ان کی بے گناہی ثابت ہوئی، اور اب یہی قمیص تھی جس کی خوشبو حضرت یعقوب علیہ السلام کو دُور سے محسوس ہوئی، اور بالآخر اسی سے ان کی بینائی واپس آئی۔

﴿۹۱﴾ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والدین، بھائیوں اور دوسرے گھر والوں کے استقبال کے لئے شہر سے باہر تشریف لائے تھے، اور جب والدین سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ان کا خاص اکرام کر کے انہیں اپنے پاس بٹھایا، اور ابتدائی باتوں کے بعد سارے آنے والوں سے کہا کہ اب سب لوگ شہر میں اطمینان کے ساتھ چل کر رہیں۔ اس معاملے میں روایات مختلف ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی حقیقی والدہ اُس وقت زندہ تھیں یا نہیں۔ اگر زندہ تھیں تب تو والدین سے مراد حقیقی والدین ہیں، اور اگر وفات پا چکی تھیں تو سوتیلی والدہ کو بھی چونکہ ماں ہی کی طرح سمجھا جاتا ہے، اس لئے ان کو بھی والدین میں شامل کر لیا گیا۔

﴿۹۲﴾ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی جو تفسیر مروی ہے، اس کے مطابق ان سب حضرات نے یہ سجدہ یوسف علیہ السلام کے سامنے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کے لئے کیا تھا، یعنی سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کو تھا، البتہ یوسف علیہ السلام کے سامنے اور ان کے مل جانے کی خوشی میں کیا تھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی تفسیر کو رائج قرار دیا ہے۔ البتہ دوسرے مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ عبادت کا نہیں، بلکہ تعظیم کا ویسا ہی سجدہ تھا جیسا فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو کیا تھا، اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا۔ تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو تعظیمی سجدہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔



وَقَالَ يَا بَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۚ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا ۖ وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُم مِّنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ ۚ إِنَّ نَزْعَ الشَّيْطَانِ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي ۖ إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ أَنْتَ وَلِيَّ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿۱۰۱﴾ ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَنْكُرُونَ ﴿۱۰۲﴾

اور یوسف نے کہا: ”ابا جان! یہ میرے پرانے خواب کی تعبیر ہے جسے میرے پروردگار نے سچ کر دکھایا، اور اس نے مجھ پر بڑا احسان فرمایا کہ مجھے قید خانے سے نکال دیا، اور آپ لوگوں کو دیہات سے یہاں لے آیا، حالانکہ اس سے پہلے شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے، اس کے لئے بڑی لطیف تدبیریں کرتا ہے۔ بیشک وہی ہے جس کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔“ ﴿۱۰۰﴾ میرے پروردگار! تو نے مجھے حکومت سے بھی حصہ عطا فرمایا، اور مجھے تعبیر خواب کے علم سے بھی نوازا۔ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا رکھوالا ہے۔ مجھے اس حالت میں دنیا سے اٹھانا کہ میں تیرا فرماں بردار ہوں، اور مجھے نیک لوگوں میں شامل کرنا۔“ ﴿۱۰۱﴾ (اے پیغمبر!) یہ تمام واقعہ غیب کی خبروں کا ایک حصہ ہے جو ہم تمہیں وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں۔ اور تم اُس وقت ان (یوسف کے بھائیوں) کے پاس موجود نہیں تھے جب انہوں نے سازش کر کے اپنا فیصلہ پختہ کر لیا تھا (کہ یوسف کو کنوئیں میں ڈالیں گے) ﴿۱۰۲﴾

﴿۱۰۳﴾ یعنی اس خواب میں چاند سورج سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین تھے، اور ستاروں سے مراد ان کے گیارہ بھائی۔ ﴿۱۰۴﴾ حضرت یوسف علیہ السلام کو مصائب و آلام کے جس طویل دور سے گزرنا پڑا تھا، اگر کوئی اور ہوتا تو والدین سے ملاقات کے بعد اپنی تکلیفوں کا دکھڑا سنا تا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھئے کہ ان مصائب کے بارے میں ایک لفظ کہے بغیر واقعات کے صرف اچھے رخ کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا۔ قید خانے میں جانے کا نہیں، وہاں سے نکلنے کا ذکر فرمایا، والدین کی جدائی کا بیان کرنے کے بجائے ان کے مصر آ جانے کا تذکرہ فرما کر اس پر شکر ادا کیا۔ بھائیوں نے جو ستم ڈھائے تھے، ان کو شیطان کا مچایا ہوا فساد قرار دے کر بات ختم فرمادی۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہر انسان کو چاہئے کہ وہ سخت سے سخت حالات میں بھی واقعات کے مثبت رخ کا تصور کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہو۔

﴿۱۰۵﴾ جیسا کہ شروع سورت میں عرض کیا گیا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے جواب میں



وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۗ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ  
لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ﴿۱۰۵﴾  
وَمَا يُوْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴿۱۰۶﴾ أَفَأَمِنُوا أَن تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ  
اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى  
بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ وَسُبْحَنَ اللَّهُ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۰۸﴾

اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، چاہے تمہارا کیسا ہی دل چاہتا ہو۔ ﴿۱۰۳﴾ حالانکہ تم ان سے  
اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتے۔ یہ تو دنیا جہان کے سب لوگوں کے لئے بس ایک نصیحت کا پیغام ہے۔ ﴿۱۰۴﴾  
اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر ان کا گذر ہوتا رہتا ہے، مگر یہ ان سے منہ موڑ جاتے  
ہیں۔ ﴿۱۰۵﴾ اور ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اللہ پر ایمان رکھتے بھی ہیں تو اس طرح کہ وہ اس کے ساتھ شرک  
بھی کرتے جاتے ہیں۔ ﴿۱۰۶﴾ بھلا کیا ان لوگوں کو اس بات کا ذرا ڈر نہیں ہے کہ اللہ کے عذاب کی کوئی بلا آ کر ان کو  
لپیٹ لے، یا ان پر قیامت اچانک ٹوٹ پڑے اور انہیں پہلے سے احساس بھی نہ ہو؟ ﴿۱۰۷﴾ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ:  
”یہ میرا راستہ ہے۔ میں بھی پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اور جنہوں نے میری پیروی کی ہے وہ  
بھی۔ اور اللہ (ہر قسم کے شرک سے) پاک ہے، اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک  
ٹھہراتے ہیں۔“ ﴿۱۰۸﴾

نازل فرمایا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھ رہے تھے کہ بنی اسرائیل کے مصر میں آباد ہونے کی کیا وجہ تھی؟ ان کو  
یقین تھا کہ آپ کے پاس بنی اسرائیل کی تاریخ کے اس حصے کا علم نہیں ہے، اور نہ کوئی ایسا ذریعہ ہے جس سے آپ کو یہ  
معلومات حاصل ہو سکیں۔ اس لئے ان کا خیال یہ تھا کہ آپ اس سوال کا صحیح جواب نہیں دے سکیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ  
پوری سورت اس واقعے کو بیان فرمانے کے لئے نازل فرمادی۔ اب آخر میں یہ نتیجہ نکالا جا رہا ہے کہ اس واقعے کو معلوم  
کرنے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی کے سوا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ جو لوگ یہ سوال کر رہے  
تھے، وہ یہ تفصیل سننے کے بعد آپ کی نبوت اور رسالت پر ایمان لے آئیں۔ لیکن چونکہ ان میں سے اکثر لوگوں کا ان  
سوالات سے یہ مقصد نہیں تھا کہ حق واضح ہونے کے بعد اس کو قبول کر لیں، بلکہ یہ سارے سوالات صرف ضد کی وجہ سے کئے  
جارہے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اگلی آیات میں واضح فرمادیا کہ ان کھلے کھلے دلائل کے باوجود ان میں سے اکثر لوگ  
ایمان نہیں لائیں گے۔



وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجَالًا نُوحِيَ إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ ۖ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٠٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوَا أَنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١١٠﴾ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۖ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾

اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے وہ سب مختلف بستیوں میں بسنے والے انسان ہی تھے جن پر ہم وحی بھیجتے تھے۔ تو کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کی قوموں کا انجام کیسا ہوا؟ اور آخرت کا گھر یقیناً ان لوگوں کے لئے کہیں بہتر ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۱۰۹﴾ (پچھلے انبیاء کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ ان کی قوموں پر عذاب آنے میں کچھ دیر لگی) یہاں تک کہ جب پیغمبر لوگوں سے مایوس ہو گئے، اور کافر لوگ یہ سمجھنے لگے کہ انہیں جھوٹی دھمکیاں دی گئی تھیں تو ان پیغمبروں کے پاس ہماری مدد پہنچ گئی ﴿۱۱۰﴾ (یعنی کافروں پر عذاب آیا) اور جن کو ہم چاہتے تھے، انہیں بچا لیا گیا، اور جو لوگ مجرم ہوتے ہیں، ان سے ہمارے عذاب کو ٹالا نہیں جاسکتا۔ ﴿۱۱۱﴾ یقیناً ان کے واقعات میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لئے بڑا عبرت کا سامان ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو جھوٹ موٹ گھڑی گئی ہو، بلکہ اس سے پہلے جو کتابیں آچکی ہیں، ان کی تصدیق ہے، اور ہر بات کی وضاحت، اور جو لوگ ایمان لائیں ان کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان! ﴿۱۱۱﴾

﴿۱۰۹﴾ یہ کافروں کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی فرشتہ ہمارے پاس رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا؟ ﴿۱۱۰﴾ اس آیت کا یہ ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے تابعین وغیرہ کی تفسیر پر مبنی ہے جسے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی طویل بحث کے بعد آخر میں رائج قرار دیا ہے۔ آیت کی دوسری تفسیریں بھی ممکن ہیں، اور بعض مفسرین نے ان کو بھی اختیار کیا ہے، لیکن شاید یہ تفسیر جو ترجمے میں اختیار کی گئی ہے، سب سے زیادہ بے غبار ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ پچھلے انبیاء کرام کے دور میں بھی ایسا ہو چکا ہے کہ ان کو جھٹلانے والے کفار کو جب لمبی مہلت دی گئی، اور ان پر مدت تک عذاب نہ آیا تو ایک طرف انبیاء کرام ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے، اور دوسری طرف وہ کافر یہ سمجھ بیٹھے کہ انبیاء کرام نے ان کو عذاب الہی کی جو دھمکیاں دی تھیں، (معاذ اللہ) وہ جھوٹی تھیں۔ لیکن اس کے بعد اچانک انبیاء کرام کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد آئی، ان کے جھٹلانے والوں پر عذاب نازل ہوا، اور ان کی بات سچی ہوئی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔



(۶۸) ایک طرف تو قرآن کریم یہ فرما رہا ہے کہ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کر کے کچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کی ہے جن میں یہ واقعہ مجموعی طور پر اسی طرح بیان ہوا ہے، مگر دوسری طرف ”ہر بات کی وضاحت“ فرما کر شاید اس طرف اشارہ ہے کہ اس واقعے کے سلسلے میں ان کچھلی کتابوں میں کچھ کتر بیونت ہو گئی تھی، قرآن کریم نے اس کی وضاحت فرمادی ہے۔ چنانچہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کو بائبل کی کتاب پیدائش میں پڑھا جائے، تو بعض تفصیلات میں وہ قرآن کریم کے بیان سے مختلف نظر آتا ہے۔ اشارہ غالباً اس طرف ہے کہ قرآن کریم نے ان تفصیلات کی وضاحت فرمادی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

الحمد للہ تعالیٰ! سورہ یوسف کا ترجمہ اور حواشی آج بتاریخ ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۷ جولائی ۲۰۰۶ء بروز دوشنبہ بعد عشاء کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الرَّعْدِ

## تعارف

یہ سورت بھی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی، اور اس کا بنیادی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات اور ان پر عائد کئے جانے والے اعتراضات کا جواب ہے۔ کچھلی سورت یعنی سورہ یوسف کے آخر (آیت نمبر ۱۰۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اس کی وحدانیت کی بہت سی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں، لیکن کفار ان کی طرف دھیان دینے کے بجائے ان سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اب اس سورت میں کائنات کی ان نشانیوں کی کچھ تفصیل بیان فرمائی گئی ہے جو پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ جس قادرِ مطلق نے اس کائنات کا یہ محیر العقول نظام بنایا ہے، اُسے اپنی خدائی قائم کرنے کے لئے کسی مددگار یا شریک کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس کائنات کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی بھی گواہی دیتا ہے، اور اس بات کی بھی کہ یہ سارا نظام اُس نے بے مقصد پیدا نہیں کر دیا۔ اس کا یقیناً کوئی مقصد ہے، اور وہ یہ کہ اس دنیوی زندگی میں کئے ہوئے ہر کام کا کسی دن حساب ہو، اور اُس دن نیکوں کا انعام اور برائیوں کی سزا دی جائے۔ اس سے خود بخود آخرت کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ پھر نیکی اور برائی کا تعین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح ہدایات بندوں کو دی جائیں۔ ان ہدایات کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں جو وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے احکام معلوم کر کے دنیا والوں تک پہنچاتے ہیں۔ لہذا اسی سے رسالت کا عقیدہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کائنات کی جو نشانیاں اس سورت میں بیان کی گئی ہیں، ان میں بادلوں کی گرج چمک بھی ہے جس کا ذکر اس سورت کی آیت نمبر ۱۳ میں آیا ہے۔ عربی میں گرج کو ”رعد“ کہا جاتا ہے۔ اسی پر اس سورت کا نام ”رعد“ رکھا گیا ہے۔



﴿آیاتھا ۲۳﴾ ﴿سُورَةُ الرَّعْدِ مَكِّيَّةٌ ۹۶﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۲﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ الْحَقَّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾ اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ يُدَبِّرُ الْأُمُورَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ﴿۲﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں تینتالیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الَّذِي (اللہ کی) کتاب کی آیتیں ہیں۔ اور (اے پیغمبر!) جو کچھ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، برحق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لارہے۔ ﴿۱﴾ اللہ وہ ہے جس نے ایسے ستونوں کے بغیر آسمانوں کو بلند کیا جو تمہیں نظر آسکیں، ﴿۲﴾ پھر اُس نے عرش پر استواء فرمایا، اور سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا۔ ہر چیز ایک معین میعاد تک کے لئے رواں دواں ہے۔ وہی تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔ وہی ان نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم اس بات کا یقین کرلو کہ (ایک دن) تمہیں اپنے پروردگار سے جا ملنا ہے۔ ﴿۵﴾

(۱) جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا، ان حروف مقطعات کا صحیح مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۲) یعنی یہ آسمان ایسے ستونوں پر نہیں کھڑے ہیں جو آنکھوں سے نظر آسکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ ہی کے سہارے انہیں کھڑا کیا ہوا ہے۔ آیت کی یہ تفسیر حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے (روح المعانی ۱۳: ۱۱۰)۔

(۳) ”استواء“ کے لفظی معنی سیدھا ہونے، قابو پانے اور بیٹھ جانے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی طرح نہیں ہیں، اس لئے اُن کا استواء بھی مخلوقات جیسا نہیں۔ اس کی ٹھیک ٹھیک کیفیت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے ہم نے اس لفظ کا اردو میں ترجمہ کرنے کے بجائے اسی لفظ کو برقرار رکھا ہے، کیونکہ ہمارے لئے اتنا ایمان رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر اس طرح استواء فرمایا جو اُن کی شان کے لائق ہے۔ اس سے زیادہ کسی بحث میں پڑنے کی نہ ضرورت ہے، نہ ہماری محدود عقل اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔

(۴) اشارہ اس طرف ہے کہ یہ چاند سورج بے مقصد گردش نہیں کر رہے ہیں، ان کے سپرد ایک کام ہے جو وہ انتہائی نظم و ضبط اور استقامت کے ساتھ اس طرح انجام دیئے جا رہے ہیں کہ ان کے نظام الاوقات میں ایک لمحے کا بھی فرق نہیں آتا۔ اگر غور کیا جائے تو ان کے سپرد پوری دنیا کی خدمت ہے، لہذا ایک ہوش مند انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ یہ عظیم الشان مخلوقات اُس کی خدمت کیوں انجام دے رہی ہیں؟ اگر خود اُس کے سپرد کوئی بڑی خدمت نہیں ہے تو چاند سورج کو کیا ضرورت ہے کہ وہ مستقل طور پر انسان کی خدمت انجام دیں؟

(۵) یعنی آخرت کا یقین پیدا کرلو، اور وہ اس طرح کہ جس ذات نے اتنی حیرت انگیز کائنات پیدا فرمائی ہے، وہ اس بات پر



وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رِجَالًا وَأَسَىٰ وَأَنْهَارًا ۖ وَمِنْ كُلِّ الشَّجَرِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشَى اللَّيْلُ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲﴾ وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُّتَجَوِّراتٌ وَجَنَّتْ مِنْ أَعْنَابٍ وَزُرْعٌ وَنَخِيلٌ صُوفَانٌ وَغَيْرُ صُوفَانٍ يُسْقَى بِهَاءٍ وَاحِدٍ ۖ وَنُقْضِلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۳﴾ وَإِنْ تَعَجَّبَ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ۖ إِذَا اكْتَأَتْ بِهَاءٍ إِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ

اور وہی ذات ہے جس نے یہ زمین پھیلائی، اُس میں پہاڑ اور دریا بنائے، اور اُس میں ہر قسم کے پھلوں کے دو دو جوڑے پیدا کئے۔ (۱) وہ دن کو رات کی چادر اڑھا دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ساری باتوں میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کریں۔ (۲) اور زمین میں مختلف قطعے ہیں جو پاس پاس واقع ہوئے ہیں، اور انگور کے باغ اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت ہیں، جن میں سے کچھ دُہرے تنے والے ہیں، اور کچھ اکہرے تنے والے۔ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں، اور ہم ان میں سے کسی کو ذائقے میں دوسرے پر فوقیت دے دیتے ہیں۔ (۳) یقیناً ان سب باتوں میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیں۔ (۴) اور اگر تمہیں (ان کافروں پر) تعجب ہوتا ہے تو ان کا یہ کہنا (واقعی) عجیب ہے کہ: ”کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا سچ مچ ہم نئے سرے سے پیدا ہوں گے؟“ (۵)

کیوں قادر نہیں ہو سکتی کہ انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے۔ نیز اُس کی حکمت اور انصاف سے بعید ہے کہ وہ اچھے اور برے، ظالم اور مظلوم دونوں کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کرے، اور اُس نے اس دُنیا کے بعد کوئی ایسا عالم پیدا نہ کیا ہو جس میں نیک لوگوں کو اُن کی نیکی کا اچھا بدلہ اور برائی کرنے والوں کو اُن کی برائی کی سزا دی جاسکے۔ (۶) نباتات میں نر اور مادہ کے جوڑے ہوتے ہیں۔ کسی زمانے میں یہ حقیقت لوگوں کو معلوم نہیں تھی کہ نر اور مادہ کا یہ نظام ہر درخت اور ہر پودے میں ہوتا ہے، لیکن جدید سائنس کو یہ حقیقت اب دریافت ہو گئی ہے۔ (۷) یعنی پاس پاس ہونے کے باوجود زمین کے مختلف حصوں کی خصوصیات میں فرق ہوتا ہے۔ زمین کا ایک قطعہ کاشت کے لائق ہے، مگر اُس کے بالکل برابر والا کاشت کے لائق نہیں۔ ایک حصے سے میٹھا پانی نکل رہا ہے، مگر اُس کے قریب ہی دوسرے حصے سے کھار پانی برآمد ہوتا ہے۔ ایک قطعہ نرم ہے اور دوسرا سنگلاخ۔

(۸) یعنی کسی درخت سے زیادہ پھل نکلتے ہیں، کسی سے کم، کسی کا ذائقہ بہت اچھا ہوتا ہے، اور کسی کا اتنا اچھا نہیں ہوتا۔ (۹) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مردوں کو زندہ کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں، اس لئے کہ جو ذات یہ عظیم کائنات عدم سے وجود میں لاسکتی ہے، اُس کے لئے انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے؟ لیکن تعجب کے لائق تو یہ بات ہے کہ یہ کافر لوگ کھلی آنکھوں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے بیشمار مظاہر دیکھنے کے بعد بھی نئے سرے سے پیدا کرنے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید سمجھتے ہیں۔



أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ الْأَغْلَىٰ فِي أَعْنَاقِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٥﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۖ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلُتُ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٦﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا الْوَلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۖ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۖ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب (کی قدرت) کا انکار کیا ہے، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے گلوں میں طوق پڑے ہوئے ہیں، اور وہ دوزخ کے باسی ہیں۔ وہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے۔ ﴿۵﴾ اور یہ لوگ خوشحالی (کی میعاد ختم ہونے) سے پہلے تم سے بدحالی کی جلدی مچائے ہوئے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے ایسے عذاب کے واقعات گذر چکے ہیں جس نے لوگوں کو رُسوا کر ڈالا تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ لوگوں کے لئے اُن کی زیادتی کے باوجود تمہارے رب کی ذات ایک معاف کرنے والی ذات ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اُس کا عذاب بڑا سخت ہے۔ ﴿۶﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: ”بھلا ان پر (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر) ان کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اُتارا گیا؟“ (اے پیغمبر!) بات یہ ہے کہ تم تو صرف خطرے سے ہوشیار کرنے والے ہو، اور ہر قوم کے لئے کوئی نہ کوئی ایسا شخص ہوا ہے جو ہدایت کا راستہ دکھائے۔ ﴿۷﴾

(۱۰) جب کسی کے گلے میں طوق پڑا ہوا ہو تو وہ ادھر ادھر دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ حقائق کو دیکھنے اور اُن کی طرف دھیان کرنے سے محروم ہیں (روح المعانی)۔ اس کے علاوہ گلے میں طوق دراصل غلامی کی علامت ہے۔ چنانچہ اسلام سے پہلے معاشروں میں غلاموں کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا تھا۔ لہذا آیت کا اشارہ اس طرف بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کے گلوں میں اپنی خواہشات اور شیطان کی غلامی کا طوق پڑا ہوا ہے، اس لئے وہ غیر جانب داری سے کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہے۔ اور بعض مفسرین نے اس جملے کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ آخرت میں ان کے گلوں میں طوق ڈالے جائیں گے۔

(۱۱) کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ اگر ہمارا دین غلط ہے تو اللہ تعالیٰ سے کہئے کہ ہم پر عذاب نازل کر دے۔ یہ ان کے اس بے ہودہ مطالبے کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۲) یعنی جو چھوٹے چھوٹے گناہ انسان سے نادانی میں سرزد ہو جائیں، یا بڑے گناہ ہوں، مگر انسان اُن سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ ان زیادتیوں کے باوجود اپنے بندوں کو معاف فرما دیتا ہے، لیکن کفر و شرک اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ضد اور عناد کا معاملہ ایسا ہے کہ اُس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔ لہذا بندوں کو یہ سوچ کر بے فکر نہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا ہے، اس لئے وہ ہماری ہر نافرمانی کو ضرور معاف فرما دے گا۔

(۱۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے معجزات دیئے گئے تھے، لیکن کفار مکہ اپنی طرف سے نت نئے معجزات کی فرمائش کرتے رہتے تھے۔ اور جب ان کا کوئی مطالبہ پورا نہ ہوتا تو وہ یہ بات کہتے تھے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ جواب میں



اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحِبُّ كُلُّ أَنْثَى وَمَا تَغِيصُ إِلَّا رَحَامٌ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِإِقْدَارٍ ۝ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسَرَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۝ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا أَمْرًا بِأَنْفُسِهِمْ ۝ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءَ أَفْلًا مَرَدَّدًا ۝ وَمَالَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَاِلٍ ۝

جس کسی مادہ کو جو حمل ہوتا ہے، اللہ اُس کو بھی جانتا ہے، اور ماؤں کے رحم میں جو کوئی کمی بیشی ہوتی ہے، اُس کو بھی۔ اور ہر چیز کا اُس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے۔ ۱۱ وہ غائب و حاضر تمام باتوں کا جاننے والا ہے، اُس کی ذات بہت بڑی ہے، اُس کی شان بہت اونچی۔ ۱۲ تم میں سے کوئی چپکے سے بات کرے یا زور سے، کوئی رات کے وقت چھپا ہوا ہو، یا دن کے وقت چل پھر رہا ہو، وہ سب (اللہ کے علم کے لحاظ سے) برابر ہیں۔ ۱۳ ہر شخص کے آگے اور پیچھے وہ نگراں (فرشتے) مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے باری باری اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔ ۱۴ یقین جانو کہ اللہ کسی قوم کی حالت اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے حالات میں تبدیلی نہ لے آئے۔ اور جب اللہ کسی قوم پر کوئی آفت لانے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اُس کا ٹالنا ممکن نہیں، اور ایسے لوگوں کا خود اُس کے سوا کوئی رکھوالا نہیں ہو سکتا۔ ۱۵

قرآن کریم نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک پیغمبر ہیں، وہ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے پاس ایسے پیغمبر بھیجے ہیں۔ ان سب کا یہی حال تھا۔

۱۳ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کس ماں کے پیٹ میں کیسا بچہ ہے، اور رحم میں رہتے ہوئے حمل بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے۔ ۱۴ ”نگراں“ سے یہاں مراد فرشتے ہیں۔ اس آیت نے واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی حفاظت کے لئے کچھ فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں جو باری باری اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں اصل لفظ ”مُعَقِّبَاتٌ“ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں: ”باری باری آنے والے“ اس کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک حدیث میں آئی ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت دن کے وقت انسانوں کی نگرانی پر مامور ہے، اور دوسری جماعت رات کے وقت ان کی حفاظت کرتی ہے۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ فرشتے مختلف حادثات سے انسانوں کی حفاظت کرتے ہیں، البتہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہی یہ ہو کہ کسی شخص کو کسی تکلیف میں مبتلا کیا جائے تو یہ فرشتے وہاں سے ہٹ جاتے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے معارف القرآن)۔

۱۵ انسانوں کی حفاظت پر جو فرشتے مقرر ہیں، اُس سے کسی کو یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا یہ انتظام کر رکھا ہے تو انسان کو بے فکر ہو جانا چاہئے، اور گناہ ثواب کی پروا بھی نہ کرنی چاہئے، کیونکہ یہ فرشتے حفاظت کر لیں گے۔ آیت کے اس حصے میں اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ یوں تو اللہ تعالیٰ کسی قوم کی اچھی حالت کو بد حالی سے خود بخود نہیں بدلتا، لیکن جب وہ نافرمانی پر کمر باندھ کر اپنی حالت خود بدل ڈالیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے، اور اسے کوئی دُور نہیں کر سکتا، چنانچہ وہ نگراں فرشتے بھی ایسی صورت میں کام نہیں دیتے۔



هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ ۚ وَهُوَ شَدِيدُ الْحَالِ ۝ لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۚ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطٍ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْدِغَهُ فِاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ ۚ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلُّهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۝

وہی ہے جو تمہیں بجلی کی چمک دکھلاتا ہے جس سے تمہیں (اُس کے گرنے کا) ڈر بھی لگتا ہے، اور (بارش کی) اُمید بھی بندھتی ہے، اور وہی (پانی سے) لدے ہوئے بادل اُٹھاتا ہے۔ ۱۱ اور بادلوں کی گرج اُسی کی تسبیح اور حمد کرتی ہے، اور اُس کے رعب سے فرشتے بھی (تسبیح میں لگے ہوئے ہیں) اور وہی کڑکتی ہوئی بجلیاں بھیجتا ہے، پھر جس پر چاہتا ہے انہیں مصیبت بنا کر گرا دیتا ہے۔ اور ان (کافروں) کا حال یہ ہے کہ یہ اللہ ہی کے بارے میں بحثیں کر رہے ہیں، حالانکہ اُس کی طاقت بڑی زبردست ہے۔ ۱۲ وہی ہے جس سے دُعا کرنا برحق ہے۔ اور اُس کو چھوڑ کر یہ لوگ جن (دیوتاؤں) کو پکارتے ہیں، وہ اُن کی دُعاؤں کا کوئی جواب نہیں دیتے، البتہ ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو پانی کی طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر یہ چاہے کہ پانی خود اُس کے منہ تک پہنچ جائے، حالانکہ وہ کبھی خود منہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور (بتوں سے) کافروں کے دُعا کرنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ بھٹکتی ہی پھرتی رہے۔ ۱۳ اور وہ اللہ ہی ہے جس کو آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوقات سجدہ کرتی ہیں، کچھ خوشی سے، کچھ مجبوری سے، اور ان کے سائے بھی صبح و شام اُس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ ۱۴

(۱۱) ”بادلوں کی گرج“ کا حمد اور تسبیح کرنا حقیقی معنی میں بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ کائنات کی ہر چیز کے بارے میں قرآن کریم نے سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے اپنے انداز میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتی ہے، مگر لوگ ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہیں (۱۷: ۴۴)۔ اور اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص بھی بادلوں کی گرج چمک، اس کے اسباب اور اس کے نتائج پر غور کرے گا، وہ دُنیا کے کونے کونے تک پانی پہنچانے کے اس حیرت انگیز نظام کو دیکھ کر اُس خالق و مالک کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا جس نے یہ نظام بنایا ہے، نیز وہ اس نتیجے تک ضرور پہنچے گا کہ جس ذات نے یہ محیر العقول نظام بنایا ہے، وہ برعیب سے پاک ہے، اور اس کو اپنی خدائی میں کسی شریک یا مددگار کی ضرورت نہیں، اور تسبیح کے یہی معنی ہیں۔

(۱۸) سجدہ کرنے سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے جھک جانا ہے۔ مؤمن خوشی خوشی ان احکام کے آگے جھکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر راضی رہتا ہے، اور کافر اللہ تعالیٰ کے تکوینی فیصلوں کے آگے مجبور ہے، اس لئے وہ چاہے یا نہ چاہے، اللہ تعالیٰ کائنات میں جو فیصلے فرماتا ہے، مجبوراً ان کے آگے سر جھکانے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں۔ واضح رہے کہ یہ سجدے کی آیت ہے، اس کی تلاوت یا سننے سے سجدہ واجب ہوتا ہے۔



قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ اللَّهُ ۚ قُلْ أَفَاتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ  
لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَةُ وَالْ  
النُّورُ ۚ أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۚ قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ  
شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿١٩﴾ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ  
السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلَهُ ۚ  
كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۚ

(اے پیغمبر! ان کافروں سے) کہو کہ: ”وہ کون ہے جو آسمانوں اور زمین کی پرورش کرتا ہے؟“ کہو کہ: ”وہ اللہ ہے!“  
کہو کہ: ”کیا پھر بھی تم نے اس کو چھوڑ کر ایسے کارساز بنائے ہیں جنہیں خود اپنے آپ کو بھی نہ کوئی فائدہ پہنچانے کی  
قدرت حاصل ہے نہ نقصان پہنچانے کی؟“ کہو کہ: ”کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتا ہے؟ یا کیا اندھیریاں اور روشنی  
ایک جیسی ہو سکتی ہیں؟“ یا ان لوگوں نے اللہ کے ایسے شریک مانے ہوئے ہیں جنہوں نے کوئی چیز اسی طرح پیدا کی ہو  
جیسے اللہ پیدا کرتا ہے، اور اس وجہ سے ان کو دونوں کی تخلیق ایک جیسی معلوم ہو رہی ہو؟ (اگر کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا ہے  
تو اس سے) کہہ دو کہ: ”صرف اللہ ہر چیز کا خالق ہے، اور وہ تنہا ہی ایسا ہے کہ اس کا اقتدار سب پر حاوی ہے۔“ ﴿۱۹﴾ اُسی  
نے آسمان سے پانی برسایا جس سے ندی نالے اپنی اپنی بساط کے مطابق بہہ پڑے، پھر پانی کے ریلے نے پھولے  
ہوئے جھاگ کو اُپر اُٹھالیا۔ اور اسی قسم کا جھاگ اس وقت بھی اُٹھتا ہے جب لوگ زیور یا برتن بنانے کے لئے دھاتوں کو  
آگ پر تپاتے ہیں۔ اللہ حق اور باطل کی مثال اسی طرح بیان کر رہا ہے کہ (دونوں قسم کا) جو جھاگ ہوتا ہے، وہ تو باہر گر کر  
ضائع ہو جاتا ہے،

(۱۹) مشرکین عرب جن دیوتاؤں کو خدا مان کر ان کی عبادت کرتے تھے، عام طور سے وہ یہ مانتے تھے کہ انہوں نے کائنات کی  
تخلیق میں کوئی حصہ نہیں لیا، بلکہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کی ہے۔ لیکن ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خدائی کے  
بہت سے اختیارات ان کو دے رکھے ہیں، اس لئے ان کی عبادت کرنی چاہئے، تاکہ وہ اپنے اختیارات ہمارے حق میں استعمال  
کریں، اور اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش بھی کریں۔ اس آیت میں اول تو یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ من گھڑت دیوتا کوئی نفع یا نقصان  
اپنے آپ کو بھی نہیں پہنچا سکتے، دوسروں کو تو کیا پہنچا نہیں گے۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ اگر ان دیوتاؤں نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرح کچھ  
پیدا کیا ہوتا تب بھی ان کو خدا کا شریک ماننے کی کوئی وجہ ہو سکتی تھی، لیکن نہ واقعہً انہوں نے کچھ پیدا کیا ہے، اور نہ اکثر اہل عرب  
کا ایسا عقیدہ ہے۔ پھر ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دے کر ان کی عبادت کرنے کا آخر کیا جواز ہے؟



وَأَمَّا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَكُفُّ فِي الْأَرْضِ ۖ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۝ (۱۸) لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۖ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْبِهَادُ ۝ (۱۹) أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّ نَزْلَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْيٰ ۖ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ (۲۰) الَّذِينَ يُؤْفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْبَيْثَاقَ ۝ (۲۱) وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ۝ (۲۲)

لیکن وہ چیز جو لوگوں کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے، وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔ اسی قسم کی تمثیلیں ہیں جو اللہ بیان کرتا ہے۔ (۱۸) بھلائی انہی لوگوں کے حصے میں ہے جنہوں نے اپنے رب کا کہنا مانا ہے، اور جنہوں نے اُس کا کہنا نہیں مانا، اگر ان کے پاس دُنیا بھر کی ساری چیزیں بھی ہوں گی، بلکہ اتنی ہی اور بھی، تو وہ (قیامت کے دن) اپنی جان بچانے کے لئے وہ سب کچھ دینے کو تیار ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کے حصے میں بری طرح کا حساب ہے، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ (۱۹)

جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا ہے، برحق ہے، بھلا وہ اُس جیسا کیسے ہو سکتا ہے جو بالکل اندھا ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل و ہوش رکھتے ہوں، (۱۹) (یعنی) وہ لوگ جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں، اور معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرتے، (۲۰) اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے، یہ لوگ انہیں جوڑے رکھتے ہیں، اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، اور حساب کے برے انجام سے خوف کھاتے ہیں۔ (۲۱)

(۲۰) یعنی باطل، چاہے کچھ عرصے غالب نظر آئے، لیکن وہ جھاگ کی طرح بے فائدہ اور فنا ہو جانے والا ہے، اور حق پانی اور دوسری نفع بخش چیزوں کی طرح فائدہ مند اور باقی رہنے والا ہے۔

(۲۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے جن تعلقات کو قائم رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے، انہیں پوری طرح ادا کرتے ہیں۔ اس میں رشتہ داروں کے تمام حقوق بھی داخل ہیں، اور دینی رشتے سے جو حقوق پیدا ہوتے ہیں، وہ بھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیائے کرام پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے، ان سب پر ایمان بھی لاتے ہیں، اور جن کی اطاعت کا حکم دیا ہے، ان کی اطاعت بھی کرتے ہیں۔



وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۚ جَنَّتٌ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَن صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۖ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۖ

اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی خوشنودی کی خاطر صبر سے کام لیا ہے، اور نماز قائم کی ہے، اور ہم نے انہیں جو رزق عطا فرمایا ہے، اُس میں سے خفیہ بھی اور علانیہ بھی خرچ کیا ہے، اور وہ بدسلوکی کا دفاع حسن سلوک سے کرتے ہیں۔ وطن اصلی میں بہترین انجام ان کا حصہ ہے، یعنی ہمیشہ رہنے کے لئے وہ باغات جن میں وہ خود بھی داخل ہوں گے، اور ان کے باپ دادوں، بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہوں گے، وہ بھی۔ اور (ان کے استقبال کے لئے) فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے (یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے کہ ”تم نے (دنیا میں) جو صبر سے کام لیا تھا، اس کی بدولت اب تم پر سلامتی ہی سلامتی نازل ہوگی، اور (تمہارے) اصلی وطن میں یہ تمہارا بہترین انجام ہے!“

(۲۲) قرآن کریم کی اصطلاح میں ”صبر“ کا مفہوم بہت عام ہے۔ انسان اپنی نفسانی خواہشات کے تقاضوں کو جب بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے دبا لے تو یہ صبر ہے۔ مثلاً نفس کی خواہش یہ ہو رہی ہے کہ اس وقت کی نماز چھوڑ دی جائے۔ ایسے موقع پر اس خواہش کی خلاف ورزی کر کے نماز پڑھنا صبر ہے۔ یا اگر کسی گناہ کی خواہش دل میں پیدا ہو رہی ہے تو اس کو دبا کر گناہ سے بچ جانا صبر ہے۔ اسی طرح اگر کسی تکلیف کے موقع پر اگر نفس کا تقاضا یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر شکوہ اور غیر ضروری واویلا کیا جائے، تو ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہ کر اختیاری واویلا نہ کرنا بھی صبر ہے۔ اس طرح صبر کا لفظ دین کے تمام احکام پر عمل کو حاوی ہے۔ یہی معنی آیت نمبر ۲۴ میں بھی مراد ہیں۔

(۲۳) یعنی برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے ہیں، اور ”دفاع“ کا لفظ استعمال فرما کر قرآن کریم نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ اچھائی کرنے کا انجام بالآخر یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کی بدسلوکی کے برے اثرات مٹ جاتے ہیں۔

(۲۴) اس آیت میں اصل الفاظ یہ ہیں: ”لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ“ اس میں ”الدَّارِ“ کے لفظی معنی ”گھر“ کے ہیں۔ بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد آخرت کا عالم ہے۔ یہ لفظ بکثرت وطن کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اور یہاں آخرت کے بجائے اس لفظ کو استعمال کرنے سے بظاہر اشارہ اس طرف ہے کہ انسان کا اصلی گھر اور وطن آخرت ہے، اس لئے کہ دنیا کی زندگی تو فنا ہو جانے والی ہے۔ انسان کو ہمیشہ ہمیشہ جہاں رہنا ہے، وہ آخرت کا عالم ہے۔ اس لئے یہاں ”الدَّارِ“ کا ترجمہ ”اصلی وطن“ سے کیا گیا ہے۔ یہی بات آگے آیت نمبر ۲۴ اور ۲۵ میں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔



وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۖ (۲۵) اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۗ وَفِرْحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ۚ (۲۶) وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْوَلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّا اللَّهُ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَ يَهْدِي إِلَىٰ إِلَهِهِ مَنِ أَنْابَ ۚ (۲۷) الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ۚ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۚ (۲۸) الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَا بَ (۲۹)

اور (دوسری طرف) جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے عہد کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد توڑتے ہیں، اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے، انہیں کاٹ ڈالتے ہیں، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، تو ایسے لوگوں کے حصے میں لعنت آتی ہے، اور اصلی وطن میں برا انجام انہی کا ہے۔ (۲۵) اللہ جس کے لئے چاہتا ہے، رزق میں وسعت کر دیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے۔ (۲۶) یہ (کافر) لوگ دنیوی زندگی پر لگن ہیں، حالانکہ آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ وہ معمولی سی پونجی ہے۔ (۲۷)

اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ ان پر (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ کہہ دو کہ: ”اللہ جس کو چاہتا ہے، گمراہ کر دیتا ہے، اور اپنے راستے پر انہی کو لاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کریں۔“ (۲۸) یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں، اور جن کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو کہ صرف اللہ کا ذکر ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ (۲۹) (غرض) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کے حصے میں خوش حالی بھی ہے، اور بہترین انجام بھی۔ (۳۰)

(۲۵) پیچھے یہ بتایا گیا تھا کہ جو لوگ دین حق کو جھٹلاتے ہیں، ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ اس پر کسی کو شبہ ہو سکتا تھا کہ دنیا میں تو ان لوگوں کو خوب رزق مل رہا ہے، اور بظاہر وہ خوش حال نظر آتے ہیں۔ اس آیت میں اس شبہ کا جواب دیا گیا ہے کہ دنیا میں رزق کی فراوانی یا اس کی تنگی کا اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، اپنی حکمت بالغہ کے تحت رزق خوب عطا فرماتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے رزق کی تنگی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ کافر لوگ اگرچہ یہاں کی خوش حالی پر لگن ہیں، مگر انہیں یہ اندازہ نہیں کہ اس چند دن کی زندگی کا عیش آخرت کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

(۲۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے معجزات دیئے گئے تھے، لیکن کفار مکہ اپنی طرف سے نئے معجزات کی فرمائش کرتے رہتے تھے۔ اور جب ان کا کوئی مطالبہ پورا نہ ہوتا تو وہ یہ بات کہتے تھے جو اس آیت میں مذکور ہے، اور پیچھے آیت نمبر ۷ میں بھی گزری ہے۔ اس کا جواب آگے آیت نمبر ۳۱ میں آ رہا ہے۔ یہاں اس کا جواب دینے کے بجائے یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ



كَذَلِكَ أَرْسَلْنَا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ ۖ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۲۰﴾ وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كَلِمَةٌ بِهِ السَّمَوَاتُ ۖ

(اے پیغمبر! جس طرح دوسرے رسول بھیجے گئے تھے) اسی طرح ہم نے تمہیں ایک ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے جس سے پہلی بہت سی امتیں گزر چکی ہیں، تاکہ تم ان کے سامنے وہ کتاب پڑھ کر سنا دو جو ہم نے وحی کے ذریعے تم پر نازل کی ہے، اور یہ لوگ اس ذات کی ناشکری کر رہے ہیں جو سب پر مہربان ہے۔ کہہ دو کہ: ”وہ میرا پالنے والا ہے، اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے، اور اُسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔“ ﴿۲۰﴾ اور اگر کوئی قرآن ایسا بھی اُترتا جس کے ذریعے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جاتے، یا اُس کی بدولت زمین شق کر دی جاتی (اور اس سے دریا نکل پڑتے) یا اُس کے نتیجے میں مردوں سے بات کر لی جاتی، (تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے)۔ ﴿۲۱﴾

مطالبات ان کی گمراہی کی دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، گمراہی میں پڑا رہنے دیتا ہے، اور ہدایت اُسی کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے ہدایت مانگے، اور حق کی طلب رکھتا ہو۔ ایسا شخص ایمان لانے کے بعد اس کے حقوق ادا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں سکون حاصل کر لیتا ہے۔ پھر اس کو اس قسم کے شکوک نہیں ستاتے۔ وہ ہر حال کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑ کر اس پر مطمئن رہتا ہے۔ اگر اچھی حالت ہو تو اس پر شکر ادا کرتا ہے، اور اگر کوئی تکلیف ہو تو اس پر صبر کر کے اللہ تعالیٰ سے اس کے دُور ہونے کی دُعا کرتا ہے، اور اس بات پر مطمئن ہوتا ہے کہ جب تک یہ تکلیف ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت کے تحت ہے، اس لئے مجھے اس سے شکوہ نہیں ہے۔ اس طرح اسے تکلیف کے حالات میں بھی اطمینانِ قلب نصیب رہتا ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی بیماری دُور کرنے کے لئے آپریشن کروائے، تو آپریشن کی تکلیف کے باوجود اُسے یہ اطمینان رہتا ہے کہ یہ عمل عین حکمت کے مطابق ہے۔

(۲۷) اس آیت میں ان چند معجزات کا ذکر فرمایا گیا ہے جن کی فرمائش مکہ مکرمہ کے کافر لوگ کیا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مکہ مکرمہ کے ارد گرد جو پہاڑ ہیں، ان کو یہاں سے ہٹا دو، اور یہاں کی زمین کو شق کر کے یہاں سے دریا نکال دو، اور ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے ان سے ہماری بات کروادو۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اگر بالفرض یہ بے ہودہ مطالبات پورے کر بھی دیئے جاتے، تب بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے، کیونکہ یہ فرمائشیں حق طلبی کے جذبے سے نہیں، صرف ضد کی وجہ سے کی جا رہی ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل (۱۷: ۹۰ تا ۹۳) میں اسی قسم کی کچھ اور فرمائشیں بھی مذکور ہیں جو کفار کیا کرتے تھے، اور اسی سورت کی آیت نمبر ۵۹ میں فرمائشی معجزات نہ دکھانے کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جب کوئی قوم کو کسی خاص معجزے کی فرمائش پر



بَلِّغْ لِلَّهِ الْأُمْرَ جَمِيعًا ۖ أَفَلَمْ يَأْتِ الْزَيْنَ آمَنُوا أَن لَّوِشَاءُ اللَّهِ لَهْدَى النَّاسَ جَمِيعًا ۖ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّن دَارِهِمْ حَتَّى يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْوَعْدَ ۚ وَلَقَدْ آسَفْتُمُوزَىٰ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَامْلَيْتُ لِلزَّيْنِ كَفْرًا ۚ وَآتَمَّ أَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۚ

حقیقت تو یہ ہے کہ تمام تر اختیار اللہ کا ہے۔ کیا پھر بھی ایمان والوں نے یہ سوچ کر اپنا ذہن فارغ نہیں کیا کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے ہی انسانوں کو (زبردستی) راہ پر لے آتا؟ اور جنہوں نے کفر اپنایا ہے، ان پر تو ان کے کروت کی وجہ سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی کھڑکھڑانے والی مصیبت پڑتی رہتی ہے، یا ان کی بستی کے قریب کہیں نازل ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ (ایک دن) اللہ نے جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ آکر پورا ہو جائے گا۔ یقین رکھو کہ اللہ وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

اور (اے پیغمبر!) حقیقت یہ ہے کہ تم سے پہلے پیغمبروں کا بھی مذاق اڑایا گیا تھا، اور ایسے کافروں کو بھی میں نے مہلت دی تھی، مگر کچھ وقت کے بعد میں نے ان کو گرفت میں لے لیا، اب دیکھ لو کہ میرا عذاب کیسا تھا؟

وہ معجزہ دکھا دیا جاتا ہے اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لاتی تو اُس پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ چنانچہ کچھلی اُمتوں عاد اور ثمود وغیرہ کے ساتھ یہی ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ اپنے فرمائشی معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے، اور ابھی ان کو ہلاک کرنا منظور نہیں ہے، اس لئے بھی ایسے معجزات نہیں دکھائے جارہے۔

کبھی کبھی مسلمانوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ جو معجزات یہ لوگ مانگ رہے ہیں، اگر وہ ان کو دکھا دیئے جائیں تو شاید یہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ یہ آیت ان مسلمانوں کو ہدایت دے رہی ہے کہ انہیں اب اس بات سے اپنا ذہن فارغ کر لینا چاہئے، اور یہ سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی ہے کہ وہ ان سب کو اپنی قدرت سے زبردستی مسلمان کر دے، لیکن چونکہ دنیا کی اس امتحان گاہ کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ ہر شخص اپنی عقل استعمال کر کے اپنے اختیار سے ایمان لائے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں اپنی قدرت کو استعمال نہیں کیا، البتہ ایسے دلائل واضح کر دیئے ہیں کہ اگر انسان ان پر انصاف سے غور کرے، اور ہٹ دھرمی چھوڑ دے تو اُس کو حقیقت تک پہنچنے میں دیر نہیں لگنی چاہئے۔ اس کے بعد کافروں کی ہر فرمائش پوری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

بعض مسلمانوں کو کبھی یہ خیال بھی ہوتا تھا کہ جب یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، تو ان پر ابھی کوئی عذاب کیوں نہیں آجاتا۔ اس آیت میں اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ان لوگوں پر چھوٹی چھوٹی مصیبتیں تو اس دنیا میں بھی پڑتی رہتی ہیں، مثلاً کبھی قحط آجاتا ہے، کبھی کوئی اور بلا نازل ہو جاتی ہے، اور بعض اوقات ان کی قریبی بستیوں پر ایسی مصیبتیں آ جاتی ہیں جن سے یہ لوگ خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ مگر ان کو اصل عذاب اس وقت ہوگا جب قیامت آنے کا وعدہ پورا ہوگا۔



أَفَنُ هُوَ قَائِمٌ عَلَى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۖ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ ۖ قُلْ سُبُّهُمْ ۖ أَمْرٌ تَتَّبِعُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْرٌ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۖ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ۖ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۖ (۳۰) لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ ۖ وَمَالَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ۖ (۳۱) مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ ۖ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ أَكْثَٰدًا يَمْوَدُّهُمْ فِيهَا ۖ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ وَعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ ۖ (۳۲)

بھلا بتاؤ کہ ایک طرف وہ ذات ہے جو ہر شخص کے ہر کام کی نگرانی کر رہی ہے، اور دوسری طرف ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ شریک مانے ہوئے ہیں؟ کہو کہ: ”ذرا اُن (خدا کے شریکوں) کے نام تو بتاؤ (اگر کوئی نام لوگے) تو کیا اللہ کو کسی ایسے وجود کی خبر دو گے جس کا دنیا بھر میں اللہ کو بھی پتہ نہیں ہے؟ یا خالی زبان سے ایسے نام لے لو گے جن کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں؟“ (۳۰) حقیقت تو یہ ہے کہ ان کافروں کو اپنی مکارانہ باتیں بڑی خوبصورت لگتی ہیں، اور (اس طرح) ان کی ہدایت کے راستے میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے۔ اور جسے اللہ گمراہی میں پڑا رہنے دے، اُسے کوئی راہ پر لانے والا میسر نہیں آ سکتا۔ (۳۱) ایسے لوگوں کے لئے دنیوی زندگی میں بھی عذاب ہے، اور یقیناً آخرت کا عذاب کہیں زیادہ بھاری ہوگا، اور کوئی نہیں ہے جو انہیں اللہ (کے عذاب) سے بچا سکے۔ (۳۲) (دوسری طرف) وہ جنت جس کا متقی لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے، اُس کا حال یہ ہے کہ اُس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اُس کے پھل بھی سدا بہار ہیں، اور اُس کی چھاؤں بھی! یہ انجام ہے ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا، جبکہ کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔ (۳۳)

(۳۰) یہ ترجمہ اُس تفسیر پر مبنی ہے جو امام رازی اور علامہ آلوسی نے ”حل العقد“ کے مصنف کے حوالے سے بیان کی ہے۔ اس تفسیر کے مطابق ”مَنْ هُوَ قَائِمٌ“ کی خبر ”موجود“ ہے جو محذوف ہے، اور ”وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ“ جملہ حالیہ ہے۔ بندے کو یہ ترکیب دوسرے احتمالات کے مقابلے میں بہتر معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم۔

(۳۱) نام تو انہوں نے بہت سے بتوں اور دیوتاؤں کے رکھ رکھے تھے، اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اگر ان ناموں کے پیچھے کوئی حقیقت ہے تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ اُسے کون جان سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ایسا کوئی بھی وجود ہے نہیں۔ اب اگر تم اس کو حقیقی وجود قرار دو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ علم رکھنے کے مدعی ہو گے، بلکہ تمہارا یہ کہنا لازم آئے گا کہ جس وجود کا اللہ تعالیٰ کو بھی علم نہیں ہے، تم (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو اس کا پتہ بتا رہے ہو۔ اس سے بڑی جہالت اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور اگر ان ناموں کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں ہے تو یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں۔ بہر حال! دونوں صورتوں میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ تمہارا شرک کا عقیدہ بے بنیاد ہے۔

(۳۲) یعنی جب کوئی شخص اس ضد پر اڑ جائے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں، وہی اچھا کام ہے، اور اس کے مقابلے میں بڑی سے



وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ ۖ قُلْ إِنَّمَا أَمْرُهُ أَنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا أُشْرِكُ بِهِ ۖ إِلَيْهِ أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مَابِ ۝۳۱

اور (اے پیغمبر!) جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کلام سے خوش ہوتے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا ہے۔ اور انہی گروہوں میں وہ بھی ہیں جو اس کی بعض باتوں کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ: ”مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں، اور اُس کے ساتھ کسی کو خدائی میں شریک نہ مانوں، اسی بات کی میں دعوت دیتا ہوں، اور اُسی (اللہ) کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔“ ۳۱

بڑی دلیل کو بھی سننے ماننے کو تیار نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کو گمراہی میں پڑا رہنے دیتے ہیں، اور پھر اُسے کوئی راہِ راست پر لانے والا میسر نہیں آ سکتا۔

۳۱) اس آیت میں یہودیوں اور عیسائیوں کے مختلف گروہوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو قرآن کریم کی آیات سن کر خوش ہوتے ہیں کہ یہ وہی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس کی پیشینگوئی پچھلی آسمانی کتابوں میں کی گئی تھی، چنانچہ اس گروہ کے بہت سے افراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے، عیسائیوں میں سے بھی، اور یہودیوں میں سے بھی۔ یہ حقیقت ذکر فرما کر ایک طرف تو کفار مکہ کو شرم دلائی گئی ہے کہ جن لوگوں کے پاس آسمانی ہدایت موجود ہے، وہ تو ایمان لا رہے ہیں، اور جن لوگوں کے پاس نہ کوئی کتاب ہے، نہ کوئی اور آسمانی ہدایت، وہ ایمان لانے سے کترارہے ہیں، اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمانوں کو تسلی بھی دی گئی ہے کہ جہاں اسلام کے دشمن موجود ہیں، وہاں بہت سے لوگ اس پیغامِ ہدایت کو قبول بھی کر رہے ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں دوسرا گروہ کافروں کا ہے۔ ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کے بعض حصوں کا انکار کرتے ہیں۔ بعض حصوں کا ذکر کر کے اشارہ یہ کیا گیا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں سے جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ بھی قرآن کریم کی ساری باتوں کا انکار نہیں کر سکتے، کیونکہ اُس کی بہت سی باتیں وہ ہیں جو تورات یا انجیل میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً توحید، پچھلے انبیائے کرام پر ایمان اور ان کے واقعات، آخرت کا عقیدہ وغیرہ۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ یہ سوچتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان باتوں کے معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ آپ کے پاس نہیں ہے اس لئے یہ بات ظاہر ہے کہ آپ کو یہ باتیں وحی سے معلوم ہوئی ہیں۔ اس صورت میں آپ کی رسالت کو تسلیم کرنا چاہئے۔

۳۲) اس آیت میں اسلام کے تین بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کا بیان فرمایا گیا ہے۔ پہلا فقرہ توحید کے اعلان پر مشتمل ہے، دوسرے فقرے میں فرمایا گیا ہے کہ: ”اسی بات کی میں دعوت دیتا ہوں“ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کا اثبات کیا گیا ہے، اور آخری فقرہ یعنی: ”اُسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے“ آخرت کے عقیدے کو ظاہر کرتا ہے۔ کہنا یہ مقصود ہے کہ یہ تینوں عقائد پچھلی کتابوں میں بھی بیان ہوئے ہیں، پھر قرآن کریم کے انکار کا کیا جواز ہے؟



وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۖ وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۖ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ ۝ (۳۵) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ۖ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ۝ (۳۶)

اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو عربی زبان میں ایک حکم نامہ بنا کر نازل کیا ہے۔ اور (اے پیغمبر!) تمہارے پاس جو علم آپکا ہے، اگر اُس کے بعد بھی تم ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے چلے تو اللہ کے مقابلے میں نہ تمہارا کوئی مدگار ہوگا، نہ کوئی بچانے والا۔ (۳۶)

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے ہیں، اور انہیں بیوی بچے بھی عطا فرمائے ہیں، اور کسی رسول کو یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ کوئی ایک آیت بھی اللہ کے حکم کے بغیر لاسکے۔ ہر زمانے کے لئے الگ کتاب دی گئی ہے۔ (۳۷)

(۳۵) یہاں سے آیت ۳۸ تک اس بات کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ قرآن کریم کے جن حصوں کا یہ لوگ انکار کرتے ہیں، اس کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ وہ لوگ قرآن کریم کے ان احکام پر اعتراض کرتے تھے جو تورات اور انجیل کے احکام سے مختلف ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ بنیادی عقیدے تو تمام انبیائے کرام کی دعوت میں مشترک رہے ہیں، لیکن فروعی اور جزوی احکام مختلف انبیائے کرام کی شریعتوں میں مختلف ہوتے رہے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ ہر زمانے اور ہر امت کے حالات مختلف ہوتے ہیں، اُس کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت مختلف زمانوں میں احکام بھی بدلتے رہتے ہیں۔ یعنی بہت سی چیزیں جو ایک نبی کی شریعت میں ناجائز تھیں، دوسرے نبی کی شریعت میں حلال کر دی گئیں۔ اور بعض اوقات اس کے برعکس بھی ہوا ہے۔ تو جس طرح پچھلی امتوں میں احکام کی تبدیلی کا یہ سلسلہ چلتا رہا ہے، اسی طرح یہ قرآن بھی ایک نیا حکم نامہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے، اور اُس کے عربی زبان میں ہونے سے اشارہ یہ کیا گیا ہے کہ یہ ان حالات سے بالکل مختلف حالات میں نازل ہوا ہے جن میں پچھلی کتابیں نازل ہوئی تھیں، اس لئے اُسے عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے جو رہتی دُنیا تک باقی رہنے والی زبان ہے، اور اس میں اس آخری دور کے حالات کی رعایت رکھی گئی ہے۔

(۳۶) یعنی قرآن کریم کے جو احکام ان کافروں کو اپنی خواہشات کے خلاف نظر آرہے ہیں، ان میں آپ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ان کی رعایت سے ان میں کوئی تبدیلی کر سکیں۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے احکام میں کوئی تبدیلی فرمائیں، لیکن ایک اصول کے طور پر یہ بات ارشاد فرما کر ساری دُنیا کے لوگوں کو متنبہ کر دیا گیا ہے۔

(۳۷) اس آیت میں ایک تو کفار کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو آپ کے بیوی بچے کیوں ہیں؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ بیوی بچے ایک دو انبیائے کرام کو چھوڑ کر تقریباً سارے انبیاء کو بھی عطا فرمائے گئے ہیں، کیونکہ نبوت کا ان سے کوئی تعارض نہیں ہے، بلکہ انبیائے کرام اپنے عمل سے واضح کرتے ہیں کہ ان کے حقوق کیسے ادا کئے جاتے ہیں، اور ان کے حقوق اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں توازن کیسے قائم رکھا جاتا ہے۔ دوسرے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ مختلف انبیائے کرام کی شریعتوں میں جزوی فرق ہوتا رہا ہے۔



يَسْأَلُ اللَّهَ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ ۖ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ۝ (۳۸) وَإِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ (۳۹) أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۗ وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ ۖ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ (۴۰) وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلَّهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا ۖ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۖ وَسَيَعْلَمُ الْكُفْرُ لِمَنْ عُقِبِيَ الدَّارِ ۝ (۴۱) وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّتُورُ سَلَا ۖ قُلْ كَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ۝ (۴۲)

اللہ جس (حکم) کو چاہتا ہے، منسوخ کر دیتا ہے، اور (جس کو چاہتا ہے) باقی رکھتا ہے۔ اور تمام کتابوں کی جو اصل ہے، وہ اُسی کے پاس ہے۔ (۳۸) اور جس بات کی دھمکی ہم ان (کافروں) کو دیتے ہیں، چاہے اُس کا کوئی حصہ ہم تمہیں (تمہاری زندگی ہی میں) دکھا دیں، یا (اُس سے پہلے ہی) تمہیں دُنیا سے اٹھالیں، بہر حال تمہارے ذمے تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے، اور حساب لینے کی ذمہ داری ہماری ہے۔ (۳۹) کیا ان لوگوں کو یہ حقیقت نظر نہیں آئی کہ ہم ان کی زمین کو چاروں طرف سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں؟ ہر حکم اللہ دیتا ہے۔ کوئی نہیں ہے جو اُس کے حکم کو توڑ سکے، اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ (۴۰) جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں، چالیس انہوں نے بھی چلی تھیں، لیکن چال تو تمام تر اللہ ہی کی چلتی ہے۔ کوئی بھی شخص جو کچھ کرتا ہے، سب اُسے معلوم ہے، اور کافروں کو عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ اصلی وطن کا نیک انجام کس کے حصے میں آتا ہے۔ (۴۱) اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ”تم پیغمبر نہیں ہو“ کہہ دو کہ: ”میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے اللہ کافی ہے، نیز ہر وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم ہے!“ (۴۲)

(۳۸) تمام کتابوں کی اصل سے مراد ”لوح محفوظ“ ہے جس میں ازل سے یہ بات درج ہے کہ کس اُمت کو کون سی کتاب اور کیسے احکام دیئے جائیں گے۔

(۳۹) بعض مسلمانوں کے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ ان کافروں کی سرکشی کے باوجود ان پر کوئی عذاب کیوں نہیں آرہا ہے؟ اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ عذاب کا صحیح وقت اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی حکمت کے تحت مقرر فرمایا ہوا ہے، وہ کسی وقت بھی آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ذہن فارغ رکھنا چاہئے کہ ان کی ذمہ داری تبلیغ کی ہے، ان کافروں کا محاسبہ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے جو وہ اپنی حکمت کے تحت مناسب وقت پر انجام دے گا۔

(۴۰) مطلب یہ ہے کہ جزیرہ عرب پر مشرکین اور ان کے عقائد کا جو تسلط تھا، وہ رفتہ رفتہ سمٹ رہا ہے، اور مشرکین کے اثر و رسوخ



کا دائرہ روز بروز کم ہو کر سکڑ رہا ہے، اور اس کی جگہ اسلام کے اثرات پھیل رہے ہیں۔ یہ ایک تازیانہ ہے جس سے ان مشرکین کو سبق لینا چاہئے۔

(۴۱) یعنی تم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کر رہے ہو، اُس سے کیا ہوتا ہے؟ تمہارے انکار سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود آپ کی رسالت کا گواہ ہے، اور ہر وہ شخص جسے آسمانی کتابوں کا علم ہے، اگر انصاف کے ساتھ اس علم کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا جائزہ لے گا تو وہ بھی یہ گواہی دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۳ رجب ۱۴۲۲ھ مطابق ۳۰ جولائی ۲۰۰۶ء شبِ دو شنبہ میں سورہ رعد کا ترجمہ اور تفسیری حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی خدمت کی بھی اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ اِبْرٰهٖمَ

## تعارف

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت کا موضوع بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات اور ان کا انکار کرنے کے خوفناک نتائج پر تنبیہ ہے۔ چونکہ عرب کے مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے، اس لئے سورت کے آخر سے پہلے رُکوع میں اُن کی وہ پُر اثر دُعا نقل فرمائی گئی ہے جس میں انہوں نے شرک اور بت پرستی کی صاف صاف بُرائی بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی ہے کہ انہیں اور اُن کے بیٹوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھا جائے۔ اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ ابراہیم ہے۔



ایاتھا ۵۲ ﴿۱۲﴾ سُورَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ ۚ ۲۷ رُكُوْعَاتُهَا ۷

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الرَّحْمٰنُ كَتَبَ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۚ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلَى صِرَاطٍ  
الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ اللّٰهُ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۚ وَوَيْلٌ لِّلْكَافِرِيْنَ مِنْ  
عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَجِبُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ  
اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عَوْجًا ۚ اُولٰٓئِكَ فِى ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ۝ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانٍ  
قَوْمٍ لَّيْبِنَ لَهُمْ ۚ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

سورہ ابراہیم مکی ہے، اور اس میں باون آیتیں اور سات رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الرا۔ (اے پیغمبر!) یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تم پر نازل کی ہے، تاکہ تم لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے اندھیروں  
سے نکال کر روشنی میں لے آؤ، یعنی اُس ذات کے راستے کی طرف جس کا اقتدار سب پر غالب ہے، (اور) جو ہر تعریف  
کا مستحق ہے۔ ۱ وہ اللہ کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُسی کی ملکیت ہے۔ اور افسوس ہے اُن لوگوں پر جو حق کا  
انکار کرتے ہیں، کیونکہ انہیں سخت عذاب ہونے والا ہے۔ ۲ وہ لوگ جو آخرت کے مقابلے میں دُنیا کی زندگی کو پسند  
کرتے ہیں، اور دوسروں کو اللہ کے راستے پر آنے سے روکتے ہیں، اور اُس میں ٹیڑھ تلاش کرتے رہتے ہیں! وہ پرلے  
درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ۳ اور ہم نے جب بھی کوئی رسول بھیجا، خود اُس کی قوم کی زبان میں بھیجا، تاکہ وہ ان کے  
سامنے حق کو اچھی طرح واضح کر سکے۔ پھر اللہ جس کو چاہتا ہے، گمراہ کر دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، ہدایت دے دیتا  
ہے، اور وہی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔ ۴

(۱) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ اسلام میں کوئی نہ کوئی عیب تلاش کرتے رہتے ہیں، تاکہ انہیں اعتراض کا موقع ملے، اور  
دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ قرآن و سنت میں کوئی بات اُن کے خیالات اور خواہشات کے مطابق مل  
جائے تو اس کو اپنے باطل نظریات کی تائید میں پیش کریں۔

(۲) کفار مکہ کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ قرآن عربی زبان میں کیوں اُتارا گیا ہے؟ اگر یہ کسی ایسی زبان میں ہوتا جو آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تو اس کا معجزہ ہونا بالکل واضح ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر رسول کو اُس کی قوم کی  
مادری زبان میں اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اپنی قوم کو اُس کی اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ کے احکام سمجھا سکے۔ کسی اور زبان میں قرآن  
نازل کیا جاتا تو تم یہ اعتراض کرتے کہ اسے ہم کیسے سمجھیں؟ چنانچہ یہی بات سورہ حم السجدہ (۴۱: ۴۴) میں فرمائی گئی ہے۔

(۳) یعنی جو کوئی حق کا طلب گار بن کر اُس کو پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو ہدایت دے دیتے ہیں، اور جو شخص ضد اور عناد کے ساتھ



وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَذَكَّرَهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِذْ كُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۚ فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَنِيدٌ ۝ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۚ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ: ”اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاؤ، اور (مختلف لوگوں کو) اللہ نے (خوشحالی اور بدحالی کے) جودن دکھائے ہیں، اُن کے حوالے سے انہیں نصیحت کرو۔“ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو صبر اور شکر کا خوگر ہو، اُس کے لئے ان واقعات میں بڑی نشانیاں ہیں۔ ۵ وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے، اُسے یاد رکھو کہ اُس نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے نجات دی، جو تمہیں بدترین تکلیفیں پہنچاتے تھے، اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے، اور ان تمام واقعات میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارا زبردست امتحان تھا۔ ۶ اور وہ وقت بھی جب تمہارے پروردگار نے اعلان فرما دیا تھا کہ اگر تم نے واقعی شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دُوں گا، اور اگر تم نے ناشکری کی تو یقین جانو، میرا عذاب بڑا سخت ہے۔“ ۷ اور موسیٰ نے کہا تھا کہ: ”اگر تم اور زمین پر بسنے والے تمام لوگ بھی ناشکری کریں، تو (اللہ کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ) اللہ بڑا بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف!“ ۸ (اے کفارِ مکہ!) کیا تمہیں اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، قومِ نوح، عاد، ثمود اور اُن کے بعد آنے والی قومیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ۹

پڑھتا ہے، اُسے گمراہی میں بھٹکتا چھوڑ دیتے ہیں۔ مزید دیکھئے کچھلی سورت (۱۳: ۳۳) کا حاشیہ۔

(۴) اصل قرآنی لفظ ”ایام اللہ“ ہے جس کے لفظی معنی ہیں ”اللہ کے دن“ لیکن محاورے میں اس سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے خاص خاص اور اہم واقعات دکھائے ہیں، مثلاً نافرمان قوموں پر عذاب کا نازل ہونا، اور فرماں برداروں کو دشمنوں کے مقابلے میں کامیابی عطا ہونا۔ لہذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان خاص خاص واقعات کا حوالہ دے کر اپنی قوم کو نصیحت کیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اختیار کریں۔

(۵) اس سے مراد وہ قومیں بھی ہو سکتی ہیں جن کی تاریخ محفوظ نہیں رہ سکی، اور وہ بھی جن کا اجمالی حال تو معلوم ہے، لیکن ان کی تعداد اور اُن کے تفصیلی حالات کا کسی کو پتہ نہیں۔



جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝ قَالَتْ رُسُلُهُم إِنِّي إِلَهُ شَكٌّ فَأَطِرِ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ ۖ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَيٍّ ۖ قَالُوا إِنَّا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖ تُرِيدُونَ أَن تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَآتُونَا بِسُلْطَنٍ مُّبِينٍ ۝ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُم إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَنٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

ان سب کے پاس اُن کے رسول کھلے کھلے دلائل لے کر آئے، تو انہوں نے اُن کے منہ پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے، اور کہا کہ: ”جو پیغام تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے، ہم اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، اور جس بات کی تم ہمیں دعوت دے رہے ہو، اُس کے بارے میں ہمیں بڑا بھاری شک ہے۔“ ۹ ان کے پیغمبروں نے اُن سے کہا: ”کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جو سارے آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟ وہ تمہیں بلارہا ہے کہ تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دے، اور تمہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دے۔“ ۷ انہوں نے کہا کہ: ”تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم ایسے ہی انسان ہو جیسے ہم ہیں۔ تم یہ چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا جن کی عبادت کرتے آئے ہیں اُن سے ہمیں روک دو، لہذا کوئی صاف صاف معجزہ لا کر دکھاؤ۔“ ۸ ان سے ان کے پیغمبروں نے کہا: ”ہم واقعی تمہارے ہی جیسے انسان ہیں، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے خصوصی احسان فرمادیتا ہے۔ اور یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر تمہیں کوئی معجزہ لا کر دکھائیں، اور مومنوں کو صرف اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔“ ۹

(۶) یہ ایک محاورہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ انہیں زبردستی بولنے اور تبلیغ کرنے سے روکا۔

(۷) مطلب یہ ہے کہ عذاب الہی سے تمہیں نجات مل جائے، اور گناہوں کی معافی کے بعد تمہیں تمہاری عمر پوری ہونے تک زندگی سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے تقریباً ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا فرمایا تھا، لیکن ان کافروں کا کہنا تھا کہ جس جس معجزے کی ہم فرمائش کرتے جائیں، وہ دکھاتے جاؤ۔

(۹) یعنی اگر تم اس بات کو نہیں مانتے اور ایمان لانے والوں کو تکلیف پہنچانے کے درپے ہو تو مومن کو ان اوچھے ہتھکنڈوں سے ڈرایا نہیں جاسکتا، کیونکہ اُس کا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے۔



وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَى مَا آذَيْتُمُونَا ۖ وَعَلَى اللَّهِ  
 فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۱۱﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلرُّسُلِ لَهُمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُوذُنَّ  
 فِي مِلَّتِنَا ۚ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۲﴾ وَلَنُسَكِّنَنَّكُمْ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ  
 ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ﴿۱۳﴾ وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿۱۴﴾ مِّنْ  
 وَرَآئِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ ﴿۱۵﴾ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ  
 مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۚ وَمِنْ وَرَآئِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ﴿۱۶﴾

اور آخر ہم کیوں اللہ پر بھروسہ نہ رکھیں جبکہ اُس نے ہمیں اُن راستوں کی ہدایت دے دی ہے جن پر ہمیں چلنا ہے؟ اور  
 تم نے ہمیں جو تکلیفیں پہنچائی ہیں، ان پر ہم یقیناً صبر کریں گے، اور جن لوگوں کو بھروسہ رکھنا ہو، انہیں اللہ ہی پر بھروسہ  
 رکھنا چاہئے۔ ﴿۱۱﴾

اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا تھا، انہوں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ: ”ہم تمہیں اپنی سر زمین سے نکال کر رہیں گے،  
 ورنہ تمہیں ہمارے دین میں واپس آنا پڑے گا۔“ چنانچہ اُن کے پروردگار نے ان پر وحی بھیجی کہ: ”یقین رکھو، ہم ان  
 ظالموں کو ہلاک کر دیں گے، ﴿۱۲﴾ اور اُن کے بعد یقیناً تمہیں زمین میں بسائیں گے۔ یہ ہے ہر اُس شخص کا صلہ جو میرے  
 سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا اور میری وعید سے ڈرتا ہو۔“ ﴿۱۳﴾ اور ان کافروں نے خود فیصلہ مانگا، اور (نتیجہ یہ ہوا کہ)  
 ہر ڈینگیں مارنے والا ہٹ دھرم نامراد ہو کر رہا۔ ﴿۱۴﴾ اُس کے آگے جہنم ہے، اور (وہاں) اُسے پیپ کا پانی پلایا جائے  
 گا، ﴿۱۵﴾ وہ اُسے گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا، اور اُسے ایسا محسوس ہوگا کہ وہ اُسے حلق سے اُتار نہیں سکے گا۔ ﴿۱۶﴾ موت اُس پر  
 ہر طرف سے آرہی ہوگی، مگر وہ مرے گا نہیں، ﴿۱۷﴾ اور اُس کے آگے (ہمیشہ) ایک اور سخت عذاب موجود ہوگا۔ ﴿۱۸﴾

(۱۰) یعنی پیغمبروں سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ سے کہہ کر ایسا عذاب ہم پر بھیجو اور جس سے حق و باطل کا فیصلہ  
 ہو جائے۔ یہ بات کہہ کر وہ دراصل پیغمبروں کا متکبرانہ انداز میں مذاق اڑاتے تھے۔

(۱۱) یہ ترجمہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان فرمائی ہوئی ایک تفسیر پر مبنی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں محسوس یہ ہوگا کہ وہ اس  
 پانی کو حلق سے اُتار نہیں سکیں گے، لیکن گھونٹ گھونٹ کر کے بڑی مشکل سے اور بڑی دیر میں وہ حلق سے اُترے گا۔

(۱۲) ہر طرف سے موت آنے کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی جو مختلف صورتیں سامنے آئیں گی، وہ ایسی ہوں گی جو دنیا میں جان  
 لیوا اور موت کا سبب ہوتی ہیں، مگر وہاں ان کی وجہ سے انہیں موت نہیں آئے گی۔

(۱۳) یعنی ہر عذاب کے بعد ایک دوسرا سخت عذاب آنے والا ہوگا، تاکہ ایک ہی قسم کا عذاب سبہ سبہ کر انسان اُس کا عادی نہ  
 ہو جائے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔



مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَسَمَادٍ بَرِّحٌ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ۖ  
لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَى شَيْءٍ ۖ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۝ (۱۸) أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ إِنَّ يَشَاءُ يَذْهَبُكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ (۱۹) وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى  
اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۝ (۲۰)

جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کی روش اختیار کی ہے، ان کی حالت یہ ہے کہ اُن کے اعمال اُس راکھ کی طرح  
ہیں جسے آندھی طوفان والے دن میں ہوا تیزی سے اڑا لے جائے۔ انہوں نے جو کچھ کمائی کی ہوگی، اُس میں سے کچھ  
اُن کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ (۱۸) کیا تمہیں یہ بات نظر نہیں آتی کہ اللہ نے آسمانوں اور  
زمین کو برحق مقصد سے پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے، اور ایک نئی مخلوق وجود میں لے آئے۔ (۱۹) اور  
یہ بات اللہ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ (۲۰)

(۱۸) کافر لوگ دنیا میں کچھ اچھے کام بھی کرتے ہیں، مثلاً غریبوں کی امداد وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اُن کے ایسے اچھے  
کاموں کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے۔ آخرت میں اُن کا کوئی ثواب نہیں ملتا، کیونکہ وہاں ثواب ملنے کے لئے ایمان  
شرط ہے۔ لہذا آخرت میں وہ اعمال ان کے کچھ کام نہیں آتے۔ اس کی مثال یہ دی گئی ہے کہ جس طرح راکھ کو آندھی اڑا لے  
جائے تو اُس کا کوئی پتہ نشان نہیں ملتا، اسی طرح کافروں کے ان اعمال کو ان کا کفر کا عدم کر دے گا، اور ان اعمال کا کوئی فائدہ ان  
کو آخرت میں نہیں ملے گا۔

(۱۹) اس آیت کریمہ میں آخرت کی زندگی کا ضروری ہونا بھی بیان فرمایا گیا ہے، اور اس پر کافروں کو جو شبہ ہوتا ہے، اُس کا  
جواب بھی دیا گیا ہے۔ پہلے تو یہ فرمایا گیا ہے کہ اس کائنات کی تخلیق ایک برحق مقصد کے لئے کی گئی ہے۔ اور وہ مقصد یہی ہے کہ  
اللہ تعالیٰ کے فرماں برداروں کو انعام دیا جائے، اور نافرمانوں اور ظالموں کو سزا ملے۔ اگر آخرت کی زندگی نہ ہوتی تو نیک اور بد  
سب برابر ہو جاتے۔ لہذا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس دنیا کے بعد ایک دوسری زندگی ہو جس میں ہر انسان کو اُس کے مناسب  
بدلہ دیا جاسکے۔ رہا کافروں کا یہ اعتراض کہ مکر مٹی میں مل جانے کے بعد انسان کس طرح دوبارہ زندہ ہوں گے؟ تو اس کا  
جواب اگلے جملے میں یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی ہے کہ تم سب کو فنا کر کے ایک نئی مخلوق پیدا کر دے۔ اور  
ظاہر ہے کہ ایک مخلوق کو بالکل عدم سے وجود میں لانا زیادہ مشکل کام ہے اور جو مخلوق ایک مرتبہ وجود میں آچکی ہو، اُس پر موت  
طاری کر کے اُسے زندہ کر دینا اُس کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔ جب اللہ تعالیٰ پہلے مشکل کام پر قادر ہے تو اس دوسرے  
کام کی تو یقیناً قدرت رکھتا ہے۔



وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَمَا لَكُمْ مُعْتَدُونَ  
عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ قَالُوا لَوْ هَدَانَا اللَّهُ لَهَدَيْنَاكُمْ ۖ سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجْرُ عَنَّا أَمْ  
صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنَ مَحِيصٍ ۚ وَقَالَ الشَّيْطَانُ لِمَ أَقْضَىٰ إِلَيَّ أَمْرُ اللَّهِ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ  
وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ ۚ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۚ فَلَا  
تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُمْ ۚ مَا أَنَا بِبَصِيرَةٍ وَمَا أَنْتُمْ بِبَصِيرَةٍ ۚ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا  
أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ ۚ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ وَأَدْخَلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا  
الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ تَحِيَّةٌ لَهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ

اور یہ سب لوگ اللہ کے آگے پیش ہوں گے۔ پھر جو لوگ (دنیا میں) کمزور تھے، وہ بڑائی بگھارنے والوں سے کہیں گے کہ: ”ہم تو تمہارے پیچھے چلنے والے لوگ تھے، تو کیا اب تم ہمیں اللہ کے عذاب سے کچھ بچا لو گے؟“ وہ کہیں گے: ”اگر اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہوتی تو ہم بھی تمہیں ہدایت دے دیتے۔ چاہے ہم چیخیں چلائیں یا صبر کریں، دونوں صورتیں ہمارے لئے برابر ہیں، ہمارے لئے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں۔“ (۲۱) اور جب ہر بات کا فیصلہ ہو جائے گا تو شیطان (اپنے ماننے والوں سے) کہے گا: ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، اور میں نے تم سے وعدہ کیا تو اُس کی خلاف ورزی کی۔ اور مجھے تم پر اس سے زیادہ کوئی اختیار حاصل نہیں تھا کہ میں نے تمہیں (اللہ کی نافرمانی کی) دعوت دی تو تم نے میری بات مان لی۔ لہذا اب مجھے ملامت نہ کرو، بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ تمہاری فریاد پر میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں، اور نہ میری فریاد پر تم میری مدد کر سکتے ہو۔ تم نے اس سے پہلے مجھے اللہ کا جو شریک مان لیا تھا، (آج) میں نے اُس کا انکار کر دیا ہے۔ جن لوگوں نے یہ ظلم کیا تھا، اُن کے حصے میں تو اب دردناک عذاب ہے۔“ (۲۲) اور جو لوگ ایمان لائے تھے، اور انہوں نے نیک عمل کئے تھے، انہیں ایسے باغات میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اپنے پروردگار کے حکم سے وہ ان (باغوں) میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کا استقبال سلام سے کریں گے۔ (۲۳)

(۱۶) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان کو شریک ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی ایسی ہی اطاعت کی جائے جیسی اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہئے۔ شیطان اُس وقت کہے گا کہ اب میں تمہارے اس طریق کار کے صحیح ہونے کا انکار کرتا ہوں۔

(۱۷) اوپر دو زخیوں کا مکالمہ مذکور تھا کہ وہ ایک دوسرے کو ملامت بھی کریں گے اور اس بات کا اعلان بھی کہ ان کے لئے تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے مقابلے میں جنت والوں کا طریقہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ہر ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو تباہی کے بجائے سلامتی کا پیغام دیں گے۔



أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۚ تُؤْتِي أُكْلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۚ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْمَثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ ۚ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان کی ہے؟ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) مضبوطی سے جمی ہوئی ہے، اور اُس کی شاخیں آسمان میں ہیں، (۱۸) اپنے رب کے حکم سے وہ ہر آن پھل دیتا ہے۔ اللہ (اس قسم کی) مثالیں اس لئے دیتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ (۱۹) اور ناپاک کلمے کی مثال ایک خراب درخت کی طرح ہے جسے زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جائے، اُس میں ذرا بھی جماؤ نہ ہو۔ (۲۰)

(۱۸) کلمہ طیبہ سے مراد کلمہ توحید یعنی ”لا الہ الا اللہ“ ہے۔ اور اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ پاکیزہ درخت سے مراد کھجور کا درخت ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوطی کے ساتھ جمی ہوتی ہیں، اور تیز ہوائیں اور آندھیاں اُسے نقصان نہیں پہنچا سکتیں، نہ اُسے اپنی جگہ سے ہلا سکتی ہیں۔ اسی طرح جب توحید کا کلمہ انسان کے دل و دماغ میں پیوست ہو جاتا ہے تو ایمان کی خاطر اُسے کیسی ہی تکلیفوں یا مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے، اُس کے ایمان میں کوئی کمزوری نہیں آتی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو ہر قسم کی اذیتیں دی گئیں، لیکن توحید کا جو کلمہ اُن کے دل میں گھر کر چکا تھا، اُس میں مصائب کی ان آندھیوں سے ذرہ برابر ترنزل نہیں آیا۔ کھجور کے درخت کی دوسری صفت اس آیت میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اُس کی شاخیں آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں، اور زمین کی کٹافتوں سے دور رہتی ہیں، اسی طرح جب توحید کا کلمہ مؤمن کے دل میں پیوست ہو جاتا ہے تو اُس کے تمام نیک کام جو درحقیقت اسی کلمے کی شاخیں ہیں، آسمان کی طرف بلند ہوتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچ کر اُس کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں، اور دنیا پرستی کی کٹافتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

(۱۹) یعنی یہ درخت سدا بہار ہے، اُس پر کبھی خزاں طاری نہیں ہوتی، اور وہ ہر حال میں پھل دیتا ہے۔ اگر اس سے مراد کھجور کا درخت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کا پھل سارے سال کھایا جاتا ہے۔ نیز جس زمانے میں بظاہر اُس پر پھل نہیں ہوتا، اُس زمانے میں بھی اُس سے مختلف فائدے حاصل کئے جاتے ہیں۔ کبھی اُس سے نیرانکال کر پیا جاتا ہے، کبھی اُس کے تنے کا گودا نکال کر کھایا جاتا ہے، اور کبھی اُس کے پتوں سے مختلف چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ اسی طرح جب کوئی شخص توحید کے کلمے پر ایمان لے آتا ہے تو چاہے خوش حال ہو یا تنگدست، عیش و آرام میں ہو یا تکلیفوں میں، ہر حال میں اُس کے ایمان کی بدولت اُس کے اعمال نامے میں نیکیاں بڑھتی رہتی ہیں، اور اس کے نتیجے میں اُس کے ثواب میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے جو درحقیقت توحید کے کلمے کا پھل ہے۔

(۲۰) ناپاک کلمے سے مراد کفر کا کلمہ ہے، اس کی مثال ایسا خراب درخت ہے جس کی کوئی مضبوط جڑ نہ ہو، بلکہ وہ جھاڑ جھنکار کی



يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ  
الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۚ (۲۰) أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا  
قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۖ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۚ (۲۱) وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَدَادًا لِيُضِلُّوهُ  
عَنْ سَبِيلِهِ ۖ قُلْ تَسْتَغْوِفَانَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ ۚ (۲۲) قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ  
وَيُنْفِقُوا أَمْوَالَهُمْ سِرًّا أَوْ عَلَانِيَةً مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خِلَالٍ ۚ (۲۳)

جو لوگ ایمان لائے ہیں، اللہ اُن کو اس مضبوط بات پر دنیا کی زندگی میں بھی جماؤ عطا کرتا ہے، اور آخرت میں بھی۔ اور ظالم لوگوں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے، اور اللہ (اپنی حکمت کے مطابق) جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (۲۰) کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل ڈالا، اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں لا اُتارا (۲۱) جس کا نام جہنم ہے؟ وہ اُس میں جلیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ (۲۲) اور انہوں نے اللہ کے ساتھ (اُس کی خدائی میں) کچھ شریک بنائے، تاکہ لوگوں کو اُس کے راستے سے گمراہ کریں۔ ان سے کہو کہ: ”(تھوڑے سے) مزے اُڑالو، کیونکہ آخر کار تمہیں جانا دوزخ ہی کی طرف ہے۔“ (۲۳) میرے جو بندے ایمان لائے ہیں، اُن سے کہہ دو کہ وہ نماز قائم کریں، اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے اُس میں سے پوشیدہ طور پر بھی اور علانیہ بھی (نیکی کے کاموں میں) خرچ کریں، (اور یہ کام) اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے (کر لیں) جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی، نہ کوئی دوستی کام آئے گی۔ (۲۴)

شکل میں خود اُگ آئے۔ اُس میں جماؤ بالکل نہیں ہوتا، اس لئے جو شخص چاہے اُسے آسانی سے اُکھاڑ ڈالتا ہے۔ اسی طرح کافرانہ عقیدوں کی کوئی عقلی یا نقلی بنیاد نہیں ہوتی۔ اُن کی تردید آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ اور غالباً اس سے مسلمانوں کو یہ تسلی بھی دی گئی ہے کہ کفر و شرک کے جن عقیدوں نے آج مسلمانوں پر زمین تنگ کی ہوئی ہے، عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ان کو اس طرح اُکھاڑ پھینکا جائے گا جیسے جھاڑ جھنکار کو اُکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے۔

(۲۱) دنیا میں جماؤ عطا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مومن پر کتنی زبردستی کی جائے، وہ توحید کے اس کلمے کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اور آخرت میں جماؤ پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر میں جب اُس سے سوال و جواب ہوگا تو وہ اپنے اس کلمے اور عقیدے کا اظہار کرے گا جس کے نتیجے میں اُسے آخرت کی ابدی نعمتیں نصیب ہوں گی۔

(۲۲) یہ مکہ مکرمہ کے کافر سرداروں کی طرف اشارہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا تھا، لیکن انہوں نے ان نعمتوں کی ناشکری کی، جس کے نتیجے میں خود بھی تباہی مول لی اور اپنی قوم کو بھی تباہی کے راستے پر لے گئے۔

(۲۳) اس سے مراد حساب و کتاب کا دن ہے۔ اُس دن کوئی شخص پیسے خرچ کر کے جنت نہیں خرید سکے گا، اور نہ دوستی کے تعلقات کی بنا پر اپنے آپ کو عذاب سے بچا سکے گا۔



اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ وَاتَّكُم مِّنْ كُلِّ مَاسٍ لِّتُؤْكُوا ۚ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا ۗ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۚ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ إِلَّا صَنَامَ ۖ رَبِّ إِنَّهُمْ أَضَلُّنَ كَثِيرًا ۖ مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۚ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۚ

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس کے ذریعے تمہارے رزق کے لئے پھل اُگائے، اور کشتیوں کو تمہارے لئے رام کر دیا، تاکہ وہ اُس کے حکم سے سمندر میں چلیں، اور دریاؤں کو بھی تمہاری خدمت پر لگا دیا۔ (۳۲) اور تمہاری خاطر سورج اور چاند کو اس طرح کام پر لگایا کہ وہ مسلسل سفر میں ہیں، اور تمہاری خاطر رات اور دن کو بھی کام پر لگایا۔ (۳۳) اور تم نے جو کچھ مانگا، اُس نے اُس میں سے (جو تمہارے لئے مناسب تھا) تمہیں دیا۔ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار (بھی) نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت بے انصاف، بڑا ناشکر ہے۔ (۳۴) اور یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم نے (اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہوئے) کہا تھا کہ: ”یا رَبِّ! اس شہر کو پر امن بنا دیجئے، اور مجھے اور میرے بیٹوں کو اس بات سے بچائیے کہ ہم بتوں کی پرستش کریں۔“ (۳۵) میرے پروردگار! ان بتوں نے لوگوں کی بڑی تعداد کو گمراہ کیا ہے۔ لہذا جو کوئی میری راہ پر چلے، وہ تو میرا ہے، اور جو میرا کہنا نہ مانے، تو (اُس کا معاملہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں) آپ بہت بخشنے والے بڑے مہربان ہیں۔ (۳۶)

(۲۴) اس سے مراد مکہ مکرمہ کا شہر ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہؓ اور اپنے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے چھوڑا تھا۔ اُس وقت یہاں کوئی آبادی نہیں تھی، نہ بظاہر زندہ رہنے کا کوئی سامان، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں پہلے زمزم کا کنواں جاری فرمایا جسے دیکھ کر قبیلہ جرہم کے لوگ یہاں آکر حضرت ہاجرہؓ کی اجازت سے آباد ہوئے، اور پھر رفتہ رفتہ یہ ایک شہر بن گیا۔

(۲۵) مکہ مکرمہ کے مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا بڑا مانتے تھے۔ اس لئے ان آیات میں اللہ تعالیٰ اُن کی یہ دُعا نقل فرما کر انہیں متنبہ فرما رہے ہیں کہ وہ تو بت پرستی سے اتنے بیزار تھے کہ انہوں نے اپنی اولاد کو اُس سے محفوظ رہنے کی دُعا مانگی تھی۔ پھر تم لوگوں نے کہاں سے بت پرستی شروع کر دی۔

(۲۶) مطلب یہ ہے کہ میں اپنی اولاد اور دوسرے لوگوں کو بت پرستی سے بچنے کی تاکید کرتا رہوں گا۔ پھر جو لوگ میری ان ہدایات پر عمل کریں گے، وہ تو مجھ سے تعلق رکھنے کا دعویٰ کر سکیں گے، لیکن جو میری بات نہیں مانیں گے، ان کے لئے میں بددعا



رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زُرْعَةٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا  
 الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿٣٤﴾  
 رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ ۖ وَمَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي  
 السَّمَاءِ ﴿٣٥﴾ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۖ إِنَّ رَبِّي لَسَبِّحُ  
 الدُّعَاءِ ﴿٣٦﴾ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ﴿٣٧﴾ رَبَّنَا  
 اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ﴿٣٨﴾

اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو آپ کے حرمت والے گھر کے پاس ایک ایسی وادی میں لا بسایا ہے جس  
 میں کوئی کھیتی نہیں ہوتی۔ ہمارے پروردگار! (یہ میں نے اس لئے کیا) تاکہ یہ نماز قائم کریں، لہذا لوگوں کے دلوں میں  
 ان کے لئے کشش پیدا کر دیجئے، اور ان کو پھلوں کا رزق عطا فرمائیے، تاکہ وہ شکر گزار بنیں۔ ﴿۳۴﴾ اے ہمارے رب!  
 ہم جو کام چھپ کر کرتے ہیں، وہ بھی آپ کے علم میں ہیں، اور جو کام علانیہ کرتے ہیں، وہ بھی۔ اور اللہ سے نہ زمین کی  
 کوئی چیز چھپی ہوئی ہے، نہ آسمان کی کوئی چیز۔ ﴿۳۵﴾ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور  
 اسحاق (جیسے بیٹے) عطا فرمائے۔ بیشک میرا رب بڑا دُعائیں سننے والا ہے۔ ﴿۳۶﴾ یا رب! مجھے بھی نماز قائم کرنے والا  
 بناد دیجئے، اور میری اولاد میں سے بھی (ایسے لوگ پیدا فرمائیے جو نماز قائم کریں۔) اے ہمارے پروردگار! اور میری دُعا  
 قبول فرمالیجئے۔ ﴿۳۷﴾ اے ہمارے پروردگار! جس دن حساب قائم ہوگا، اُس دن میری بھی مغفرت فرمائیے، میرے  
 والدین کی بھی، اور ان سب کی بھی جو ایمان رکھتے ہیں۔ ﴿۳۸﴾

نہیں کرتا، بلکہ اُن کا معاملہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔ آپ غفور رحیم ہیں، اس لئے ان کی مغفرت کا یہ راستہ بھی نکال سکتے ہیں کہ ان کو  
 ہدایت عطا فرمادیں۔

﴿۲۷﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا ایسی قبول ہوئی کہ دُنیا بھر کے مسلمانوں کے دل مکہ مکرمہ کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں،  
 موسم حج میں تو یہ نظارہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ کہاں کہاں سے لوگ مشقتیں اٹھا کر اس خشک اور بے آب و گیاہ علاقے میں پہنچتے  
 ہیں۔ موسم حج کے علاوہ بھی لوگ بار بار عمرے اور دوسری عبادتوں کے لئے وہاں پہنچتے ہیں، اور جو ایک مرتبہ وہاں چلا جاتا ہے،  
 اُسے بار بار حاضری کا شوق لگا رہتا ہے۔ اور پھلوں کی افراط کا یہ عالم ہے کہ دُنیا بھر کے پھل بڑی تعداد میں وہاں پہنچتے ہیں،  
 حالانکہ وہاں کی زمین میں اپنا کوئی پھل پیدا نہیں ہوتا۔

﴿۲۸﴾ یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر تو کافر تھا، اُس کے لئے آپ نے مغفرت کی دُعا کیسے  
 فرمائی؟ جواب یہ ہے کہ جس وقت یہ دُعا فرمائی، ہو سکتا ہے کہ اُس کے کفر کی حالت میں مرنے کی آپ کو خبر نہ ہوئی ہو، لہذا دُعا کا



وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۚ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ  
الْأَبْصَارُ ۚ ۲۲) مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَأَفِدتُهُمْ هَوَاءً ۚ ۲۳)  
وَأُنْذِرَ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ  
قَرِيبٍ ۖ نُجِِّبْ دُعُوتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۚ أَوْلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَا لَكُم مِّنْ  
زَوَالٍ ۚ ۲۴) وَسَكَنْتُمْ فِي مَسْكِينَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُم كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ  
وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْآمَثَالَ ۚ ۲۵)

اور یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو کچھ یہ ظالم کر رہے ہیں، اللہ اُس سے غافل ہے۔ ۲۲) وہ تو ان لوگوں کو اُس دن تک کے لئے مہلت دے رہا ہے جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ ۲۳) وہ سروں کو اوپر اٹھائے دوڑ رہے ہوں گے، اُن کی نگاہیں جھپکنے کو واپس نہیں آئیں گی، اور اُن کے دل (بدحواسی میں) اڑے جا رہے ہوں گے۔ ۲۴) اور (اے پیغمبر!) تم لوگوں کو اُس دن سے خبردار کرو جب عذاب اُن پر آن پڑے گا، تو اُس وقت یہ ظالم کہیں گے کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں تھوڑی سی مدت کے لئے اور مہلت دے دیجئے تاکہ ہم آپ کی دعوت قبول کر لیں، اور پیغمبروں کی پیروی کریں۔“ (اُس وقت اُن سے کہا جائے گا کہ:) ”ارے کیا تم لوگوں نے قسمیں کھا کھا کر پہلے یہ نہیں کہا تھا کہ تم پر کوئی زوال نہیں آ سکتا؟ ۲۴) اور تم اُن لوگوں کی بستیوں میں رہ چکے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اور یہ بات کھل کر تمہارے سامنے آچکی تھی کہ ہم نے اُن کے ساتھ کیسا سلوک کیا، اور ہم نے تمہیں مثالیں بھی دی تھیں۔ ۲۵)

مطلب یہ ہوا کہ اُس کو ایمان کی توفیق مل جائے، جو اُس کے لئے مغفرت کا سبب ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُس وقت تک آپ کو مشرک باپ کے لئے دُعا کرنے سے منع نہ فرمایا گیا ہو۔

۲۹) پیچھے یہ فرمایا گیا تھا کہ ان ظالموں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کر کے اپنی قوم کو تباہی کے کنارے لاکھڑا کیا ہے۔ اس پر کسی کے دل میں خیال ہو سکتا تھا کہ دنیا میں تو یہ لوگ ترقی کرتے نظر آ رہے ہیں۔ اس خیال کا جواب ان آیتوں میں دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈھیل دے رکھی ہے، اور بالآخر یہ ایک ہولناک عذاب میں پکڑے جائیں گے۔ اُس وقت بیبت سے ان کا جو حال ہوگا، اُس کی تفصیل انتہائی بلیغ اُسلوب میں بیان فرمائی گئی ہے جس کی تاثیر کو کسی ترجمے کے ذریعے دوسری زبان میں منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگرچہ یہ انجام براہِ راست تو مکہ مکرمہ کے کافروں کا بیان فرمایا گیا ہے، لیکن الفاظ عام ہیں، اور جب کبھی ظالم لوگ بڑھتے چڑھتے نظر آئیں، تو ان پر بھی یہ آیات پوری طرح صادق آتی ہیں۔

۳۰) یعنی جو ہولناک انجام ان کے سامنے ہوگا، اُس کی وجہ سے وہ ٹکٹکی باندھ کر ایک ہی طرف دیکھ رہے ہوں گے، اور پلک جھپکانے کی جو صلاحیت دنیا میں تھی، وہ ان کے پاس اُس وقت واپس نہیں آئے گی۔



وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ ۖ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ۝ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝ سَرَابِيلُهُمْ مِنْ قِطْرٍ أَنْ تَتَغَشَّىٰ وُجُوهُهُمُ النَّارُ ۝ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ هَذَا بَدْعُ الْنَّاسِ وَلِيُنذِرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّهَا هَوَالَةٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

اور وہ لوگ اپنی ساری چالیں چل چکے تھے، اور ان کی ساری چالوں کا توڑ اللہ کے پاس تھا، چاہے اُن کی چالیں ایسی کیوں نہ ہوں جن سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جائیں۔ ۵۸ لہذا اللہ کے بارے میں ہرگز یہ خیال بھی دل میں نہ لانا کہ اُس نے اپنے پیغمبروں سے جو وعدہ کر رکھا ہے، اُس کی خلاف ورزی کرے گا۔ یقین رکھو کہ اللہ اپنے اقتدار میں سب پر غالب ہے، (اور) انتقام لینے والا ہے۔ ۵۹ اُس دن جب یہ زمین ایک دوسری زمین سے بدل دی جائے گی، اور آسمان بھی (بدل جائیں گے) اور سب کے سب خدائے واحد و قہار کے سامنے پیش ہوں گے۔ ۶۰ اور اُس دن تم مجرموں کو اس حالت میں دیکھو گے کہ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ ۶۱ اُن کے قمیص تارکول کے ہوں گے، اور آگ اُن کے چہروں پر چھائی ہوئی ہوگی، ۶۲ تاکہ اللہ ہر شخص کو اُس کے کئے کا بدلہ دے۔ یقیناً اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔ ۶۳ یہ تمام لوگوں کے لئے ایک پیغام ہے، اور اس لئے دیا جا رہا ہے تاکہ انہیں اس کے ذریعے خبردار کیا جائے، اور تاکہ وہ جان لیں کہ معبودِ برحق بس ایک ہی ہے، اور تاکہ سمجھ رکھنے والے نصیحت حاصل کر لیں۔ ۶۴

الحمد للہ! سورۃ ابراہیم کا ترجمہ اور حواشی شبِ دو شنبہ ۱۱ رجب ۱۴۲۲ھ مطابق ۶ اگست ۲۰۰۶ء کو مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق بعافیت تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْحَجِّ

## تعارف

اس سورت کی آیت نمبر ۹۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی، کیونکہ اس آیت میں پہلی بار آپ کو کھل کر اسلام کی عام تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ سورت کے شروع میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے، اور جو لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہیں، ایک وقت آئے گا جب وہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ اسلام لے آتے۔ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی (معاذ اللہ) مجنون کہتے، اور کبھی کاہن قرار دیتے تھے۔ ان باتوں کی تردید کرتے ہوئے کہانت کی حقیقت آیت نمبر ۱۷ اور ۱۸ میں بیان فرمائی گئی ہے۔ ان لوگوں کے کفر کی اصل وجہ ان کا تکبر تھا، اس لئے ابلیس کا واقعہ آیات نمبر ۲۶ تا ۳۴ میں بیان کیا گیا ہے کہ اُس کے تکبر نے کس طرح اُس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کیا۔ کفار کی عبرت کے لئے حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت صالح علیہم السلام کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کافروں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی محنت بیکار جا رہی ہے۔ اُن کا فریضہ اتنا ہے کہ وہ مؤثر انداز میں تبلیغ کریں، جو وہ بہترین طریقے پر انجام دے رہے ہیں۔ نتائج کی ذمہ داری اُن پر نہیں ہے۔ سورت کا نام قومِ ثمود کی بستیوں کے نام پر رکھا گیا ہے جو ”حجر“ کہلاتی تھیں، اور اُن کا ذکر اس سورت کی آیت نمبر ۸۰ میں آیا ہے۔



﴿آیتھا ۹۹﴾ ﴿سُورَةُ الْحَجَرِ مَكِّيَّةٌ ۵۳﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۲﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الَّذِي تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ ۝ رُبَّمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ۝  
ذُرِّهِمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا  
وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي  
نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝ لَوْ مَا تَأْتِيَنَا بِالْبَلَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝  
مَا نُنْزِلُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِلَّا دَأْمُنْظِرِينَ ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الذی۔ یہ (اللہ کی) کتاب اور روشن قرآن کی آیتیں ہیں۔ ۱ ایک وقت آئے گا جب یہ کافر لوگ بڑی تمنائیں کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ ۲ (اے پیغمبر!) انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو کہ یہ خوب کھالیں، مزے اڑالیں، اور خیالی اُمیدیں انہیں غفلت میں ڈالے رکھیں، کیونکہ عنقریب انہیں پتہ چل جائے گا (کہ حقیقت کیا تھی) ۳ اور ہم نے جس کسی بستی کو ہلاک کیا تھا، اُس کے لئے ایک معین وقت لکھا ہوا تھا۔ ۴ کوئی قوم اپنے معین وقت سے نہ پہلے ہلاک ہوتی ہے، اور نہ اُس سے آگے جاسکتی ہے۔ ۵ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”اے وہ شخص جس پر یہ ذکر (یعنی قرآن) اتارا گیا ہے! تم یقینی طور پر مجنون ہو۔ ۶ اگر تم واقعی سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتے؟“ ۷ ہم فرشتوں کو اتارتے ہیں تو برحق فیصلہ دے کر اتارتے ہیں، اور ایسا ہوتا تو ان کو مہلت بھی نہ ملتی ۸

(۱) اس آیت میں قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے کہ صرف کھانے پینے اور دنیا میں مزے اڑانے کو اپنی زندگی کا اصل مقصد بنا لینا اور اسی کے لئے اس طرح لمبی خیالی اُمیدیں باندھتے رہنا جیسے زندگی بس یہی ہے، یہ کافروں کا کام ہے، مسلمان دنیا میں رہتا ضرور ہے، اور اُس میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ بھی اٹھاتا ہے، مگر اس دنیا کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں بناتا، بلکہ اُسے آخرت کی بھلائی کے لئے استعمال کرتا ہے جس کا بہترین راستہ شریعت کے احکام کی پابندی ہے۔

(۲) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے اتارنے کی فرمائش کا جواب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس قوم کے لئے کوئی پیغمبر بھیجا گیا ہو، اُس کے پاس ہم فرشتے اُس وقت اتارتے ہیں جب اُس قوم کی نافرمانی حد سے گزر جاتی ہے، اور اس فیصلے کا وقت آجاتا ہے کہ اب ان پر عذاب نازل ہوگا۔ اور جب یہ فیصلہ کر کے فرشتے بھیج دیئے جاتے ہیں تو پھر اُس قوم کو ایمان لانے کی مہلت



إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ أَمَرْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِعْرِ  
الْأَوَّلِينَ ﴿١٠﴾ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿١١﴾ كَذَلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ  
الْمُجْرِمِينَ ﴿١٢﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ بَابًا مِّنَ  
السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ﴿١٤﴾

حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ﴿۹﴾ اور  
(اے پیغمبر!) ہم تم سے پہلے بھی کچھ تو مومنوں کے مختلف گروہوں میں اپنے پیغمبر بھیج چکے ہیں۔ ﴿۱۰﴾ اور ان کے پاس کوئی  
رسول ایسا نہیں آتا تھا جس کا وہ مذاق نہ اڑاتے ہوں۔ ﴿۱۱﴾ مجرم لوگوں کے دلوں میں یہ بات ہم اسی طرح داخل کرتے  
ہیں ﴿۱۲﴾ کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اور پچھلے لوگوں کا بھی یہی طریقہ چلا آیا ہے۔ ﴿۱۳﴾ اور اگر (بالفرض) ہم ان کے  
لئے آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں، اور وہ دن کی روشنی میں اُس پر چڑھتے بھی چلے جائیں، ﴿۱۴﴾

نہیں ملتی۔ کیونکہ یہ دنیا ایک امتحان کی جگہ ہے۔ یہاں انسان سے جو ایمان مطلوب ہے، وہ ایمان بالغیب ہے جس میں انسان  
اپنی عقل اور سمجھ کو کام میں لا کر اللہ تعالیٰ اور اُس کی توحید کے آگے سر تسلیم خم کرے۔ اگر غیب کی ساری چیزیں دنیا میں دکھا دی  
جائیں تو امتحان ہی کیا ہوا؟

﴿۳﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ اگرچہ قرآن کریم سے پہلے بھی آسمانی کتابیں بھیجی گئی تھیں، لیکن چونکہ وہ  
خاص خاص قوموں اور خاص خاص زمانوں کے لئے آئی تھیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو قیامت تک محفوظ رکھنے کی کوئی ضمانت  
نہیں دی تھی، بلکہ ان کی حفاظت کا کام انہی لوگوں کو سونپ دیا گیا تھا جو ان کے مخاطب تھے، جیسا کہ سورہ مائدہ (۵: ۴۴) میں  
فرمایا گیا ہے۔ لیکن قرآن کریم چونکہ آخری آسمانی کتاب ہے جو قیامت تک کے لئے نافذ العمل رہے گی، اس لئے اللہ تعالیٰ  
نے اس کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے، چنانچہ اس میں قیامت تک کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اس  
طرح فرمائی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے سینوں میں اُسے اس طرح محفوظ کر دیا ہے کہ اگر بالفرض کوئی دشمن قرآن کریم  
کے سارے نسخے (معاذ اللہ) ختم کر دے تب بھی چھوٹے چھوٹے بچے اُسے دوبارہ کسی معمولی تبدیلی کے بغیر لکھوا سکتے ہیں جو  
بذات خود قرآن کریم کا زندہ معجزہ ہے۔

﴿۴﴾ ”یہ بات“ سے قرآن کریم بھی مراد ہو سکتا ہے، یعنی قرآن کریم ان کے دلوں میں داخل تو ہوتا ہے، لیکن ان کے مجرمانہ  
طرز عمل کی وجہ سے وہ انہیں ایمان کی دولت نہیں بخشتا۔ اور ”یہ بات“ سے ان کے مذاق اڑانے کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔  
یعنی ان کے مجرمانہ طرز عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، اور کفر و بغاوت اور استہزاء ان کے دلوں میں  
داخل کر دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔



لَقَالُوا إِنَّمَا سُكَّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ ۝ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّهَا لِلْنَّاظِرِينَ ۝ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَاجِيٍّ ۝ إِلَّا مَنْ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ مُبِينٌ ۝ وَالْأَرْضُ مَدَدُ نَهَاوَالْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ۝

تب بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے، بلکہ ہم لوگ جادو کے اثر میں آئے ہوئے ہیں۔ (۵) اور ہم نے آسمان میں بہت سے برج بنائے ہیں، اور اُس کو دیکھنے والوں کے لئے سجاوٹ عطا کی ہے، (۶) اور اُسے ہر مردود شیطان سے محفوظ رکھا ہے، (۷) البتہ جو کوئی چوری سے کچھ سننے کی کوشش کرے تو ایک روشن شعلہ اُس کا پیچھا کرتا ہے۔ (۸) اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا ہے، اور اُس کو جمانے کے لئے اُس میں پہاڑ رکھ دیئے ہیں، اور اُس میں ہر قسم کی چیزیں توازن کے ساتھ اُگائی ہیں۔ (۹)

(۵) مطلب یہ ہے کہ ان کے سارے مطالبات محض ضد پر مبنی ہیں۔ فرشتے اُتارنا تو درکنار، اگر خود ان کو آسمان پر لے جایا جائے تب بھی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے کا کوئی نہ کوئی بہانہ گھڑ لیں گے، اور یہ کہیں گے کہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ (۶) برج اصل میں تو قلعے کو کہتے ہیں، لیکن اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں ”بروج“ سے مراد ستارے ہیں۔ (۷) یعنی آسمان ستاروں سے سجا ہوا نظر آتا ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ قرآن کریم نے ”آسمان“ کا لفظ مختلف مقامات پر مختلف معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ کہیں اس سے مراد اُن سات آسمانوں میں سے کوئی آسمان ہوتا ہے جن کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اُوپر تلے پیدا فرمایا ہے۔ اور کہیں اُس سے اُوپر کی سمت مراد ہوتی ہے، چنانچہ آگے آیت نمبر ۲۱ میں جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ آسمان سے پانی ہم نے اُتارا ہے، وہاں آسمان سے یہی معنی مراد ہیں۔ بظاہر اس آیت میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔

(۸) یہ حقیقت قرآن کریم نے کئی جگہ بیان فرمائی ہے کہ شیطان آسمان کے اُوپر جا کر عالم بالا کی خبریں حاصل کرنا چاہتے ہیں، تاکہ وہ خبریں کاہنوں اور نجومیوں تک پہنچائیں، اور وہ اُن کے ذریعے لوگوں کو یہ باور کرائیں کہ انہیں غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ لیکن آسمان میں ان کا داخلہ شروع ہی سے بند ہے۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری سے پہلے یہ شیاطین آسمان کے قریب جا کر فرشتوں کی باتیں چوری چھپے سننے کی کوشش کرتے تھے، اور وہاں سے کوئی بات کان میں پڑ جاتی تو اُس کے ساتھ سینکڑوں جھوٹ ملا کر کاہنوں کو بتا دیتے تھے، اس طرح کبھی کوئی بات صحیح بھی نکل آتی تھی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد ان کو آسمان کے قریب جانے سے بھی روک دیا گیا۔ اب اگر وہ ایسی کوشش کرتے ہیں تو اُن کو ایک شعلے کے ذریعے مار کر بھگا دیا جاتا ہے۔ ستارہ ٹوٹنے کے جو واقعات ہمیں آسمان پر نظر آتے ہیں، بعض اوقات وہ یہی شعلہ ہوتا ہے جس کے ذریعے شیطان کو مار بھگایا جاتا ہے۔ اس حقیقت کی پوری تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سورہ جن میں آئے گی۔

(۹) قرآن کریم نے کئی جگہ بیان فرمایا ہے کہ شروع میں جب زمین کو سمندر پر بچھایا گیا تو وہ ڈولتی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا فرمائے، تاکہ وہ زمین کو جما کر رکھیں۔ دیکھئے سورہ نحل (۱۶:۱۵)۔



وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرِزْقَيْنَ ۝۲۰ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ ۚ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ ۝۲۱ وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ ۚ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ۝۲۲ وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ ۝۲۳ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ۝۲۴ وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۖ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝۲۵ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ۝۲۶

اور اُس میں تمہارے لئے بھی روزی کے سامان پیدا کئے ہیں، اور اُن (مخلوقات) کے لئے بھی جنہیں تم رزق نہیں دیتے۔ (۱۰) اور کوئی (ضرورت کی) چیز ایسی نہیں ہے جس کے ہمارے پاس خزانے موجود نہ ہوں، مگر ہم اُس کو ایک معین مقدار میں اُتارتے ہیں۔ (۲۱) اور وہ ہوائیں جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں، ہم نے بھیجی ہیں، پھر آسمان سے پانی ہم نے اُتارا ہے، پھر اُس سے تمہیں سیراب ہم نے کیا ہے، اور تمہارے بس میں یہ نہیں ہے کہ تم اُس کو ذخیرہ کر کے رکھ سکو۔ (۲۲) ہم ہی زندگی دیتے ہیں، اور ہم ہی موت دیتے ہیں، اور ہم ہی سب کے وارث ہیں۔ (۲۳) تم میں سے جو آگے نکل گئے ہیں، اُن کو بھی ہم جانتے ہیں، اور جو پیچھے رہ گئے ہیں، ان سے بھی ہم واقف ہیں۔ (۲۴) اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار ہی ہے جو ان سب کو حشر میں اکٹھا کرے گا، بیشک اُس کی حکمت بھی بڑی ہے، اُس کا علم بھی بڑا۔ (۲۵) ہم نے انسان کو سڑے ہوئے گارے کی کھلکھاتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا، (۲۶)

(۱۰) اگرچہ ہر چیز کو رزق تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے، لیکن بعض پالتو جانور ایسے ہیں جنہیں انسان ظاہری طور پر چارہ فراہم کرتا ہے۔ ان کے علاوہ اکثر مخلوقات ایسی ہیں کہ جنہیں رزق مہیا کرنے میں ظاہری طور پر بھی انسان کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم نے انسانوں کے لئے بھی رزق کے سامان پیدا کئے ہیں، اور اُن مخلوقات کے لئے بھی جنہیں انسان ظاہری طور پر بھی کوئی غذا فراہم نہیں کرتا۔ عربی گرامر کی رو سے اس آیت کا ترجمہ ایک اور طرح بھی ممکن ہے، اور وہ یہ کہ: ”ہم نے تمہارے فائدے کے لئے اس (زمین) میں روزی کے سامان بھی پیدا کئے ہیں، اور وہ مخلوقات بھی پیدا کی ہیں جن کو تم رزق نہیں دیتے۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے کے لئے وہ مخلوقات بھی پیدا کی ہیں جن کو وہ ظاہری طور پر بھی رزق نہیں دیتا، مگر ان سے فائدہ اُٹھاتا ہے، جیسے شکار کے جانور۔

(۱۱) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو تو میں تم سے پہلے گذر چکی ہیں اُن کے حالات سے بھی ہم واقف ہیں، اور جو تو میں آگے آنے والی ہیں، اُن کے حالات سے بھی۔ اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ تم میں سے جو لوگ نیک کاموں میں دوسروں سے آگے بڑھ گئے ہیں اُن کو بھی ہم جانتے ہیں، اور جو پیچھے رہ گئے ہیں، اُن کو بھی۔

(۱۲) اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہے جس کا مفصل واقعہ سورہ بقرہ (۲: ۳۰-۳۴) میں گذر چکا ہے، اور وہاں فرشتوں کو سجدے کا حکم دینے سے متعلق ضروری نکات بھی بیان ہو چکے ہیں۔







قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَا أُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝<sup>۳۹</sup> إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلَصِينَ ۝<sup>۴۰</sup> قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ۝<sup>۴۱</sup> إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَنٌ إِلَّا مَنْ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَوِينَ ۝<sup>۴۲</sup> وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝<sup>۴۳</sup> لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ ۝<sup>۴۴</sup> إِنَّ السُّعْيِينَ فِي جَنَّتِ وَعُيُونٌ ۝<sup>۴۵</sup> أَدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ أَمِينٍ ۝<sup>۴۶</sup> وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَى سُرٍّ مُتَقْبِلِينَ ۝<sup>۴۷</sup> لَا يُسْأَلُ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ۝<sup>۴۸</sup> نَبِيُّ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝<sup>۴۹</sup> وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ۝<sup>۵۰</sup>

کہنے لگا: ”یا رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، اس لئے اب میں قسم کھاتا ہوں کہ ان انسانوں کے لئے دنیا میں دلکشی پیدا کروں گا، اور ان سب کو گمراہ کر کے رہوں گا،“ <sup>(۱۵)</sup> سوائے تیرے اُن بندوں کے جنہیں تو نے ان میں سے اپنے لئے مخلص بنالیا ہو۔“ <sup>(۱۶)</sup> اللہ نے فرمایا: ”یہ ہے وہ سیدھا راستہ جو مجھ تک پہنچتا ہے۔“ <sup>(۱۷)</sup> یقین رکھ کہ جو میرے بندے ہیں، ان پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا، سوائے اُن گمراہ لوگوں کے جو تیرے پیچھے چلیں گے۔ <sup>(۱۸)</sup> اور جہنم ایسے تمام لوگوں کا طے شدہ ٹھکانا ہے۔ <sup>(۱۹)</sup> اُس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے (میں داخلے) کے لئے اُن (دوزخیوں کا) ایک ایک گروہ بانٹ دیا گیا ہے۔“ <sup>(۲۰)</sup> (دوسری طرف) متقی لوگ باغات اور چشموں کے درمیان رہیں گے۔ <sup>(۲۱)</sup> (اُن سے کہا جائے گا کہ) ”ان (باغات) میں سلامتی کے ساتھ بے خوف ہو کر داخل ہو جاؤ۔“ <sup>(۲۲)</sup> اُن کے سینوں میں جو کچھ رنجش ہوگی، اُسے ہم نکال پھینکیں گے، <sup>(۲۳)</sup> وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے اونچی نشستوں پر بیٹھے ہوں گے۔ <sup>(۲۴)</sup> وہاں نہ کوئی تھکن اُن کے پاس آئے گی، اور نہ اُن کو وہاں سے نکالا جائے گا۔ <sup>(۲۵)</sup> میرے بندوں کو بتادو کہ میں ہی بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہوں۔ <sup>(۲۶)</sup> اور یہ بھی بتادو کہ میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے۔ <sup>(۲۷)</sup>

(۱۵) یعنی ایسی دلکشی پیدا کروں گا جو انہیں تیری نافرمانی پر آمادہ کرے گی۔

(۱۶) اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت یہ واضح فرمادیا کہ جو لوگ اخلاص اور بندگی کا راستہ اختیار کریں گے، وہ سیدھا مجھ تک پہنچے گا، اور ایسے لوگوں پر شیطان کے بہکاوے کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

(۱۷) ”میرے بندوں“ سے مراد وہ بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلنے کا پختہ عزم رکھتے اور اُسی سے مدد مانگتے ہوں۔ ایسے لوگوں پر شیطان کا زور نہ چلنے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ شیطان انہیں بھی گمراہ کرنے کی کوشش تو کرے گا، لیکن وہ اپنے اخلاص اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُس کے دھوکے میں نہیں آئیں گے۔

(۱۸) یعنی دنیا میں ان حضرات کے درمیان اگر کوئی رنجش رہی ہو تو جنت میں پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ وہ ان کے دلوں سے نکال دیں گے۔



وَنَبِّئَهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ۖ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ۚ (۵۲) قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ۚ (۵۳) قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَنْ مَسَّنِيَ الْكِبَرُ فِيمَ يُبَشِّرُونِ ۚ (۵۴) قَالُوا أَبَشَّرْنَاكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُن مِّنَ الْقَانِطِينَ ۚ (۵۵) قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِّن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ۚ (۵۶) قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۚ (۵۷) قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۚ (۵۸) إِلَّا آلَ لُوطٍ ۖ إِنَّا لَمُنَجِّوهُمْ أَجْمَعِينَ ۚ (۵۹) إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا ۖ إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ ۚ (۶۰)

اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا حال سنا دو، (۵۲) اُس وقت کا حال جب وہ اُن کے پاس پہنچے، اور سلام کیا۔ ابراہیم نے کہا کہ: ”ہمیں تو تم سے ڈر لگ رہا ہے۔“ (۵۳) انہوں نے کہا: ”ڈریئے نہیں، ہم تو آپ کو ایک صاحبِ علم لڑکے (کی ولادت) کی خوشخبری دے رہے ہیں۔“ (۵۴) ابراہیم نے کہا: ”کیا تم مجھے اس حالت میں خوشخبری دے رہے ہو جبکہ مجھ پر بڑھاپا چھا چکا ہے؟ پھر کس بنیاد پر مجھے خوشخبری دے رہے ہو؟“ (۵۵) وہ بولے: ”ہم نے آپ کو سچی خوشخبری دی ہے، لہذا آپ اُن لوگوں میں شامل نہ ہوں جو نا اُمید ہو جاتے ہیں۔“ (۵۶) ابراہیم نے کہا: ”اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہوں کے سوا کون نا اُمید ہو سکتا ہے؟“ (۵۷) (پھر) انہوں نے پوچھا کہ: ”اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتو! اب آپ کے سامنے کیا مہم ہے؟“ (۵۸) انہوں نے کہا: ”ہمیں ایک مجرم قوم کی طرف (عذاب نازل کرنے کے لئے) بھیجا گیا ہے، البتہ لوط کے گھر والے اس سے مستثنیٰ ہیں، اُن سب کو ہم بچالیں گے، (۵۹) سوائے اُن کی بیوی کے۔ ہم نے یہ طے کر رکھا ہے کہ وہ اُن لوگوں میں شامل رہے گی جو (عذاب کا نشانہ بننے کے لئے) پیچھے رہ جائیں گے۔“ (۶۰)

(۱۹) مہمانوں سے مراد وہ فرشتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجے گئے تھے۔ اوپر یہ بیان کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی بہت وسیع ہے، اور عذاب بھی بڑا سخت ہے، لہذا ایک انسان کو نہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا چاہئے، اور نہ اُس کے عذاب سے بے فکر ہو کر بیٹھنا چاہئے۔ اس مناسبت سے ان مہمانوں کا یہ واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے، کیونکہ اس واقعے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بھی بیان ہے کہ یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بڑھاپے میں حضرت اسحاق علیہ السلام جیسے بیٹے کی پیدائش کی خبر لے کر آئے، اور اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب کا بھی ذکر ہے کہ انہی فرشتوں کے ذریعے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کیا گیا۔ یہ واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ سورہ ہود (۱۱: ۶۹ تا ۸۳) میں گزر چکا ہے۔ اس کے مختلف حصوں کی وضاحت ہم نے وہاں کی ہے۔

(۲۰) سورہ ہود میں گزر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو انسان سمجھ کر اُن کی مہمانی کے لئے نکھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے کر آئے تھے، لیکن انہوں نے کھانے سے پرہیز کیا جو اُس علاقے کے رواج کے مطابق اس بات کی علامت تھی کہ یہ کوئی دشمن ہیں، اور کسی بُرے ارادے سے آئے ہیں، اس لئے انہیں خوف محسوس ہوا۔



فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿٢١﴾ قَالَ إِنَّكُمْ قومٌ مُنكَرُونَ ﴿٢٢﴾ قَالُوا بَلْ جُنُنُكَ بِهَا  
 كَانُوا فِيهِ يَسْتَرْوُونَ ﴿٢٣﴾ وَآتَيْنَكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٢٤﴾ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ  
 اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُ حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿٢٥﴾ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ  
 ذَٰلِكَ إِلَّا مَرَّ أَنَّ دَابِرَهُمْ هُوَ لَا مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ ﴿٢٦﴾ وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٢٧﴾  
 قَالَ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ﴿٢٨﴾ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ ﴿٢٩﴾ قَالُوا أَوَلَمْ نَنْهَكَ  
 عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٣٠﴾

چنانچہ جب یہ فرشتے لوط کے گھر والوں کے پاس پہنچے ﴿٢١﴾ تو لوط نے کہا: ”آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔“ ﴿٢٢﴾  
 انہوں نے کہا: ”نہیں، بلکہ ہم آپ کے پاس وہ (عذاب) لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کیا کرتے تھے۔“ ﴿٢٣﴾  
 ہم آپ کے پاس اٹل فیصلہ لے کر آئے ہیں، اور یقین رکھئے کہ ہم سچے ہیں۔ ﴿٢٤﴾ لہذا آپ رات کے کسی حصے میں  
 اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیے، اور آپ خود ان کے پیچھے پیچھے چلئے، اور آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے،  
 اور وہیں جانے کے لئے چلتے رہیں جہاں کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے۔“ ﴿٢٥﴾ اور (اس طرح) ہم نے لوط تک اپنا یہ فیصلہ  
 پہنچا دیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی جائے گی۔ ﴿٢٦﴾ اور شہر والے خوشی مناتے ہوئے (لوط کے  
 پاس) آ پہنچے۔ ﴿٢٧﴾ لوط نے (ان سے) کہا کہ: ”یہ لوگ میرے مہمان ہیں، لہذا مجھے رُسوانہ کرو،“ ﴿٢٨﴾ اور اللہ سے ڈرو،  
 اور مجھے ذلیل نہ کرو۔“ ﴿٢٩﴾ کہنے لگے: ”کیا ہم نے آپ کو پہلے ہی دنیا جہان کے لوگوں (کو مہمان بنانے) سے منع  
 نہیں کر رکھا تھا؟“ ﴿٣٠﴾

(۲۱) حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کی بدفطرتی سے واقف تھے کہ یہ لوگ اجنبیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کرتے  
 ہیں۔ اس لئے انہوں نے گھبراہٹ کا اظہار کیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی اس بدنہاد قوم کے مختصر تعارف کے لئے دیکھئے سورہ  
 اعراف (۸۰: ۷) پر ہمارا حاشیہ۔

(۲۲) حضرت لوط علیہ السلام کو پیچھے چلنے کا حکم اس لئے دیا گیا تا کہ آپ اپنے تمام ساتھیوں کی نگرانی کر سکیں، خاص طور پر ان  
 سب کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کے پیچھے ہونے کی وجہ سے کسی کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی تھی  
 کہ وہ اس حکم کی خلاف ورزی کرے۔

(۲۳) یہ فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے، اس لئے جیسا کہ حضرت لوط علیہ السلام کو اندیشہ تھا، یہ لوگ اپنی ہوس  
 پوری کرنے کے شوق میں خوشی مناتے ہوئے آئے۔



قَالَ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي إِنْ كُنْتُمْ فَعِلِينَ ۖ لَعَنُوكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَاتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٢٢﴾  
فَاخَذَتْهُمْ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ۖ فَجَعَلْنَا عَلَيْهِمَا سَافِلَهُمَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارًا مِّنْ  
سِجِّيلٍ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّمُتَوَسِّينَ ۖ وَإِنَّهَا لَبَسِيلٌ مَّقِيمٌ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً  
لِّلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ ۖ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۖ وَإِنَّهُمَا  
لَبِئَامَامٌ مُّبِينٌ ۖ

لوط نے کہا: ”اگر تم میرے کہنے پر عمل کرو تو یہ میری بیٹیاں (جو تمہارے نکاح میں ہیں، تمہارے پاس) موجود ہی ہیں۔“ (۲۲) (اے پیغمبر!) تمہاری زندگی کی قسم! حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی بدمستی میں اندھے بنے ہوئے تھے۔ (۲۳) چنانچہ سورج نکلنے ہی ان کو چنگھاڑنے آ پکڑا، (۲۴) پھر ہم نے اُس زمین کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا، اور ان پر پکی مٹی کے پتھروں کی بارش برسا دی۔ (۲۵) حقیقت یہ ہے کہ اس سارے واقعے میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں۔ (۲۶) اور یہ بستیاں ایک ایسے راستے پر واقع ہیں جس پر لوگ مستقل چلتے رہتے ہیں۔ (۲۷) یقیناً اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔ (۲۸) اور اُیکہ کے باشندے (بھی) بڑے ظالم تھے۔ (۲۹) چنانچہ ہم نے اُن سے بھی انتقام لیا۔ اور ان دونوں قوموں کی بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں۔ (۳۰)

(۲۲) کسی نبی کی اُمت میں جتنی عورتیں ہوتی ہیں، وہ اس نبی کی روحانی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان بد قماش لوگوں کو نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی کہ تمہاری عورتیں جو میری روحانی بیٹیاں ہیں، تمہارے گھروں میں موجود ہیں۔ تم اپنی نفسانی خواہشات ان سے پوری کر سکتے ہو، اور یہی فطرت کا پاکیزہ طریقہ ہے۔

(۲۵) حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں اُردُن کے بحیرہ مردار کے آس پاس واقع تھیں، اور عرب کے لوگ جب شام کا سفر کرتے تو ان بستیوں کے آثار ان کے راستے میں پڑتے تھے۔ آیت ۷۲ کے بارے میں یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے سوا کسی کی قسم کھانا انسانوں کے لئے جائز نہیں۔ دیکھئے سورہ صافات کا حاشیہ نمبر ۱۔

(۲۶) ”اُیکہ“ اصل میں گھنے جنگل کو کہتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، وہ ایسے ہی گھنے جنگل کے پاس واقع تھی۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اسی بستی کا نام مدین تھا، اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ مدین کے علاوہ کوئی اور بستی تھی، اور حضرت شعیب علیہ السلام اُس کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اس قوم کا واقعہ سورہ اعراف (۸۵: ۷ تا ۹۳) میں گزر گیا ہے۔ تفصیلات کے لئے ان آیات کے حواشی ملاحظہ فرمائیے۔

(۲۷) دونوں سے مراد حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی بستیاں ہیں۔ جیسا کہ اوپر گذرا، حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں تو بحیرہ مردار کے پاس تھیں، اور حضرت شعیب علیہ السلام کی بستی مدین بھی اُردُن میں واقع تھی، اور اہل عرب شام جاتے ہوئے ان دونوں کے پاس سے گذر کرتے تھے۔



وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحَجَرِ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۸﴾ وَاتَّيْنَهُمُ آيَاتُنَا فكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۲۹﴾ وَكَانُوا يُنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ﴿۳۰﴾ فَآخَذْتَهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ﴿۳۱﴾ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۳۲﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ ۖ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ ۖ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَبِيلَ ﴿۳۳﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴿۳۵﴾

اور حجر کے باشندوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا۔ ﴿۲۸﴾ اور ہم نے اُن کو اپنی نشانیاں دیں تو وہ اُن سے منہ موڑے رہے۔ ﴿۲۹﴾ اور وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر بے خوف و خطر مکان بنایا کرتے تھے۔ ﴿۳۰﴾ آخر انہیں صبح ایک چنگھاڑنے آ پکڑا۔ ﴿۳۱﴾ اور نتیجہ یہ ہوا کہ جس ہنر سے وہ کمائی کرتے تھے، وہ اُن کے کچھ کام نہ آیا۔ ﴿۳۲﴾ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اُس کو کسی برحق مقصد کے بغیر پیدا نہیں کیا۔ اور قیامت کی گھڑی آ کر رہے گی۔ لہذا (اے پیغمبر! ان کافروں کے طرز عمل پر) خوبصورتی کے ساتھ درگزر سے کام لو۔ ﴿۳۳﴾ یقین رکھو کہ تمہارا رب ہی سب کو پیدا کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ ﴿۳۴﴾ اور ہم نے تمہیں سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں، اور عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔ ﴿۳۵﴾

(۲۸) حجر (حاک کے نیچے زیر ہے) قوم ثمود کی ان بستیوں کا نام تھا جن کے پاس حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ان کا واقعہ بھی سورہ اعراف (۷: ۷۳ تا ۷۹) میں گزر چکا ہے۔ ان کے تعارف کے لئے اُسی سورت کی مذکورہ آیات پر ہمارے حواشی ملاحظہ فرمائیے۔

(۲۹) یعنی اس کائنات کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نیک لوگوں کو آخرت میں انعام دیا جائے، اور نافرمانوں کو سزا دی جائے۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ان کافروں کے اعمال کے ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کرے گا۔

(۳۰) درگزر سے مراد یہ نہیں ہے کہ ان کو تبلیغ نہ کی جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کو سزا دینا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ مکی زندگی میں ان سے لڑنے کی بھی اجازت نہیں تھی، اور ان کی طرف سے جو اذیتیں مسلمانوں کو پہنچ رہی تھیں، اُن کا بدلہ لینے کا بھی حکم نہیں تھا۔ درگزر کرنے سے یہ مراد ہے کہ فی الحال ان سے کوئی بدلہ بھی نہ لو۔ اس طرح مسلمانوں کو تکلیفوں کی بھٹی سے گذار کر ان میں اعلیٰ اخلاق پیدا کئے جا رہے تھے۔

(۳۱) اس سے مراد سورہ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں جو ہر نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں۔ غالباً اس موقع پر سورہ فاتحہ کا خصوصی حوالہ



لَا تُمَدِّنْ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَاهُ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَخَفْصَ جَنَاحَكَ  
 لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦﴾ وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿١٧﴾ كَمَا أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِبِينَ ﴿١٨﴾ الَّذِينَ  
 جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ﴿١٩﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْبَعِينَ ﴿٢٠﴾ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢١﴾ فَاصْدَعْ  
 بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٢٢﴾ إِنَّا كَفَيْتُكَ الْمُسْتَفْزِعِينَ ﴿٢٣﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ  
 اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٢٤﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٢٥﴾  
 فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ﴿٢٦﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿٢٧﴾

اور تم اُن چیزوں کی طرف ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان (کافروں) میں سے مختلف لوگوں کو مزے  
 اڑانے کے لئے دے رکھی ہیں، اور نہ ان لوگوں پر اپنا دل کڑھاؤ، اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اُن کے لئے  
 اپنی شفقت کا بازو پھیلا دو۔ ﴿١٦﴾ اور (کفر کرنے والوں سے) کہہ دو کہ میں تو بس کھلے الفاظ میں تنبیہ کرنے والا  
 ہوں۔ ﴿١٧﴾ (یہ تنبیہ قرآنِ عظیم کے ذریعے اُسی طرح نازل کی گئی ہے) جیسے ہم نے اُن تفرقہ کرنے والوں پر نازل  
 کی تھی ﴿١٨﴾ جنہوں نے (اپنی) پڑھی جانے والی کتاب کے حصے بخرے کر لئے تھے۔ ﴿١٩﴾ چنانچہ تمہارے رب کی قسم!  
 ہم ایک ایک کر کے ان سب سے پوچھیں گے ﴿٢٠﴾ کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے۔ ﴿٢١﴾ لہذا جس بات کا تمہیں حکم دیا  
 جا رہا ہے، اُسے علی الاعلان لوگوں کو سنا دو، اور جو لوگ (پھر بھی) شرک کریں، اُن کی پروا مت کرو۔ ﴿٢٢﴾ یقین رکھو  
 کہ ہم تمہاری طرف سے ان لوگوں سے نمٹنے کے لئے کافی ہیں جو (تمہارا) مذاق اڑاتے ہیں، ﴿٢٣﴾ جنہوں نے اللہ  
 کے ساتھ کوئی اور معبود گھڑ رکھا ہے۔ چنانچہ عنقریب انہیں سب پتہ چل جائے گا۔ ﴿٢٤﴾ یقیناً ہم جانتے ہیں کہ جو باتیں  
 یہ بناتے ہیں، اُن سے تمہارا دل تنگ ہوتا ہے۔ ﴿٢٥﴾ تو (اس کا علاج یہ ہے کہ) تم اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس  
 کی تسبیح کرتے رہو، اور سجدہ بجالانے والوں میں شامل رہو۔ ﴿٢٦﴾ اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک  
 کہ تم پر وہ چیز آجائے جس کا آنا یقینی ہے۔ ﴿٢٧﴾

اس لئے دیا گیا ہے کہ اس سورت میں بندوں کو ”إِيَّاكَ تَعْبُدُونَ وَإِيَّاكَ تَسْتَعِينُونَ“ کے ذریعے ہر بات اللہ سے مانگنے کی تلقین فرمائی  
 گئی ہے۔ گویا یہ ہدایت فرمائی جا رہی ہے کہ جب کوئی تکلیف یا مصیبت پیش آئے، اللہ تعالیٰ سے رُجوع کر کے اُسی سے مدد مانگو،  
 اور اُسی سے صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی دعا کرو۔

(۳۲) اس سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں، انہوں نے اپنی کتابوں کے حصے بخرے اس طرح کئے تھے کہ اُس کے جس حکم کو  
 چاہتے، مان لیتے، اور جس کی چاہتے، خلاف ورزی کرتے تھے۔



(۳۳) یہ وہ آیت ہے جس کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاعلان تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ اس سے پہلے آپ انفرادی طور پر تبلیغ فرماتے تھے۔

(۳۴) اس سے مراد موت ہے۔ یعنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو وفات دے کر اپنے پاس بلا لیں۔

الحمد للہ! سورہ حجر کا ترجمہ اور حواشی مؤرخہ ۱۴/ اگست ۲۰۰۶ء مطابق ۱۸/ رجب ۱۴۲۲ھ بروز  
دوشنبہ بوقتِ ظہر کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر  
اُسے نافعِ خلاق بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق  
مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ النِّحْلِ

## تعارف

اس سورت کا بنیادی موضوع اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں کا مفصل بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں انسان کے فائدے کے لئے پیدا فرمائی ہیں۔ اسی لئے اس سورت کو ”سورة النعم“ (نعمتوں کی سورت) بھی کہا جاتا ہے۔ عرب کے مشرکین عام طور سے یہ مانتے تھے کہ ان میں سے بیشتر نعمتیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اس کے باوجود وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی خدائی میں وہ بت بھی شریک ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا تذکرہ فرما کر انہیں توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ اُن کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اور ایمان نہ لانے کی صورت میں انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ یہ سورت جس زمانے میں نازل ہوئی، اُس وقت بہت سے مسلمان کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو رہے تھے۔ آیت نمبر ۴۱ و ۴۲ میں اُن کو تسلی دی گئی ہے کہ اُن کے مصائب و آلام کا دور ختم ہونے والا ہے، اور انہیں دُنیا میں بھی اچھا ٹھکانا عطا ہوگا، اور آخرت میں بھی اُن کے لئے بڑا اجر و ثواب ہے، بشرطیکہ وہ صبر سے کام لیں، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔ سورت کے آخری حصے میں اسلامی شریعت کے کچھ اہم احکام بھی بیان فرمائے گئے ہیں جو ایک مسلمان کے طرزِ عمل کی بنیاد ہونے چاہئیں۔ ”نحل“ عربی میں شہد کی مکھی کو کہتے ہیں۔ اس سورت کی آیت نمبر ۶۸ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے شہد کی مکھی کا حوالہ دیا ہے کہ وہ کس طرح اللہ کے حکم سے پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنے چھتے بناتی اور شہد پیدا کرتی ہے۔ اسی لئے سورت کا نام ”نحل“ رکھا گیا ہے۔



﴿آیتھا ۱۲۸﴾ ﴿سُورَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ ۚ ۱۶﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۱۶﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

اَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ ۖ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ○ يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أَنْ أَنْذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ ○ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ تَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ○ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ○

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو اٹھائیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اللہ کا حکم آن پہنچا ہے، لہذا اُس کے لئے جلدی نہ مچاؤ۔<sup>(۱)</sup> جو شرک یہ لوگ کر رہے ہیں، وہ اُس سے پاک اور بہت بالا و برتر ہے۔<sup>(۲)</sup> وہ اپنے حکم سے فرشتوں کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اس زندگی بخشنے والی وحی کے ساتھ اتارتا ہے کہ: ”لوگوں کو آگاہ کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، لہذا تم مجھی سے ڈرو، (کسی اور سے نہیں)“ اُس نے آسمانوں اور زمین کو برحق مقصد سے پیدا کیا ہے۔ جو شرک یہ لوگ کرتے ہیں، وہ اُس سے بہت بالا و برتر ہے۔<sup>(۳)</sup> اُس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ کھلم کھلا جھگڑے پر آمادہ ہو گیا۔<sup>(۴)</sup>

(۱) عربی زبان کے اعتبار سے یہ انتہائی زوردار فقرہ ہے جس میں آئندہ ہونے والے کسی یقینی واقعے کو ماضی کے صیغے سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اس کے زور اور تاثیر کو کسی اور زبان میں ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے یہ فرماتے تھے کہ کفر کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہوگا، اور مسلمان غالب آئیں گے تو وہ مذاق اڑانے کے انداز میں کہا کرتے تھے کہ اگر عذاب آنا ہے تو اللہ تعالیٰ سے کہئے کہ اُسے ابھی بھیج دے۔ اس کا مقصد درحقیقت یہ تھا کہ عذاب کی یہ دھمکی اور مسلمانوں کی فتح کا وعدہ (معاذ اللہ) محض بناوٹی بات ہے، اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ اس سورت کا آغاز اُن کے اس طرز عمل کے مقابلے میں یہ فرما کر کیا گیا ہے کہ کافروں پر آنے والے جس عذاب اور مسلمانوں کے غلبے کی جس خبر کو تم ناممکن سمجھ رہے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے، اور اتنا یقینی ہے کہ گویا آن ہی پہنچا ہے، لہذا اُس کے آنے کی جلدی مچا کر اُس کا مذاق نہ اڑاؤ، کیونکہ وہ تمہارے سر پر کھڑا ہے۔ پھر اگلے فقرے میں اس عذاب کے یقینی ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نہ صرف اُس سے پاک بلکہ اُس سے بہت بالا و برتر ہے، لہذا اُس کے ساتھ شرک کرنا اُس کی توہین ہے، اور خالق کائنات کی توہین کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ توہین کرنے والے پر عذاب نازل ہو (تفسیر المہمانی ۱: ۴۰۲)۔

(۲) یعنی انسان کی حقیقت تو اتنی ہے کہ وہ ایک ناپاک بوند سے پیدا ہوا ہے، لیکن جب اُسے ذرا قوت گویائی ملی تو جس ذات نے اُسے اس ناپاک بوند سے ایک مکمل انسان بنایا تھا، اور اُسے اشرف المخلوقات کا رتبہ بخشا تھا، اُسی ذات کے ساتھ شریک ٹھہرا کر اُس سے جھگڑنا شروع کر دیا۔



وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٥﴾ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ﴿٦﴾ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٧﴾ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۖ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨﴾ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَايِزٌ ۖ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩﴾ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَّكُم مِّنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ﴿١٠﴾

اور چوپائے اُسی نے پیدا کئے جن میں تمہارے لئے سردی سے بچاؤ کا سامان ہے، اور اس کے علاوہ بھی بہت سے فائدے ہیں، اور اُنہی میں سے تم کھاتے بھی ہو۔ ﴿۵﴾ اور جب تم اُنہیں شام کے وقت گھر واپس لاتے ہو، اور جب اُنہیں صبح کو چرانے لے جاتے ہو تو اُن میں تمہارے لئے ایک خوشنما منظر بھی ہے۔ ﴿۶﴾ اور یہ تمہارے بوجھ لاد کر ایسے شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم جان جوکھوں میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پروردگار بہت شفیق، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۷﴾ اور گھوڑے، خچر اور گدھے اُسی نے پیدا کئے ہیں تاکہ تم اُن پر سواری کرو، اور وہ زینت کا سامان بنیں۔ اور وہ بہت سی ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم بھی نہیں ہے۔ ﴿۸﴾ اور سیدھا راستہ دکھانے کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے، اور بہت سے راستے ٹیڑھے ہیں، اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو سیدھے راستے پر پہنچا بھی دیتا۔ ﴿۹﴾ وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جس سے تمہیں پینے کی چیزیں حاصل ہوتی ہیں، اور اُسی سے وہ درخت اُگتے ہیں جن میں تم مویشیوں کو چراتے ہو۔ ﴿۱۰﴾

(۳) یعنی اُن کی کھالوں سے ایسے لباس بنائے جاتے ہیں جو انسان کو سردی سے محفوظ رکھ سکیں۔

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی بہت سی سواریاں وہ ہیں جن کا ابھی تمہیں پتہ بھی نہیں ہے۔ اس طرح اس آیت کریمہ نے یہ خبر دی ہے کہ اگرچہ فی الحال تم صرف گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو سواری کے لئے استعمال کرتے ہو، لیکن اللہ تعالیٰ آئندہ نئی نئی سواریاں پیدا کرے گا، اور اس طرح اس آیت میں اُن ساری سواریوں کا ذکر آ گیا ہے جو نزولِ قرآن کے بعد پیدا ہوئیں، مثلاً کاریں، بسیں، ریلیں، ہوائی اور بحری جہاز وغیرہ۔ بلکہ قیامت تک جتنی سواریاں مزید پیدا ہوں وہ سب اس آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ عربی زبان کے قاعدے کے مطابق اس جملے کا یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”وہ ایسی چیزیں پیدا کرے گا جن کا تمہیں ابھی علم بھی نہیں ہے۔“ اس ترجمے سے یہ مفہوم زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

(۵) مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا کے راستے طے کرنے کے لئے یہ سواریاں پیدا کی ہیں، اسی طرح آخرت کا روحانی سفر طے کرنے کے لئے سیدھا راستہ دکھانے کی ذمہ داری بھی لی ہے، کیونکہ لوگوں نے اس کام کے لئے بہت سے ٹیڑھے راستے بنا رکھے ہیں، اُن سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ لوگوں کو سیدھا راستہ اپنے پیغمبروں اور اپنی کتابوں کے ذریعے دکھاتا ہے۔ البتہ وہ کسی کو زبردستی اٹھا کر اس راستے پر نہیں لے جاتا، اگرچہ وہ چاہتا تو یہ بھی کر سکتا تھا، لیکن اس دنیا میں



يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الرُّعُوعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الشَّجَرِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ  
لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١١﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ وَالنُّجُومَ  
مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٢﴾ وَمَا ذَرَأَا لَكُمُ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا  
أَلْوَانُهُ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لَتَاكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا  
طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حَبْلَةً حَلِيبَةً تَلْبَسُونَ نَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاجِدَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ  
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٤﴾

اُسی سے اللہ تمہارے لئے کھیتیاں، زیتون، کھجور کے درخت، انگور اور ہر قسم کے پھل اُگاتا ہے۔ <sup>(۱۱)</sup> حقیقت یہ ہے کہ ان  
سب باتوں میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانی ہے جو سوچتے سمجھتے ہوں۔ <sup>(۱۲)</sup> اور اُس نے دن اور رات کو اور سورج اور  
چاند کو تمہاری خدمت پر لگا رکھا ہے، اور ستارے بھی اُس کے حکم سے کام پر لگے ہوئے ہیں۔ یقیناً ان باتوں میں اُن  
لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیں۔ <sup>(۱۳)</sup> اسی طرح وہ ساری رنگ برنگ کی چیزیں جو اُس نے تمہاری  
خاطر زمین میں پھیلا رکھی ہیں، وہ بھی اُس کے حکم سے کام پر لگی ہوئی ہیں۔ بیشک ان سب میں اُن لوگوں کے لئے نشانی  
ہے جو سبق حاصل کریں۔ <sup>(۱۴)</sup> اور وہی ہے جس نے سمندر کو کام پر لگایا، تاکہ تم اُس سے تازہ گوشت کھاؤ، اور اُس سے وہ  
زیورات نکالو جو تم پہنتے ہو۔ <sup>(۱۵)</sup> اور تم دیکھتے ہو کہ اُس میں کشتیاں پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں، تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو،  
اور تاکہ شکر گزار بنو۔ <sup>(۱۶)</sup>

انسان سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دکھائے ہوئے راستے پر اپنے اختیار سے چلے، زبردستی نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے  
رسولوں کے ذریعے راستہ دکھانے پر اکتفا فرماتا ہے۔

<sup>(۱۷)</sup> کھیتوں سے اُس پیداوار کی طرف اشارہ ہے جو انسان غذا کے طور پر استعمال کرتا ہے، جیسے گندم، ہنریاں وغیرہ، اور زیتون  
اُن اشیاء کا ایک نمونہ ہے جو کھانا پکانے اور کھانے کے لئے چکنائی کے طور پر استعمال ہوتی ہیں، اور کھجور، انگور اور باقی پھلوں سے  
اُس پیداوار کی طرف اشارہ ہے جو مزید لذت حاصل کرنے کے کام آتی ہیں۔

<sup>(۱۸)</sup> مچھلی کا گوشت مراد ہے۔

<sup>(۱۹)</sup> سمندر سے موتی نکلتے ہیں جو زیورات میں کام آتے ہیں۔

<sup>(۲۰)</sup> یعنی سمندر میں تجارتی سفر کر کے اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بنو۔ قرآن کریم نے ”اللہ کا فضل تلاش کرنے“ کی اصطلاح بہت  
سی آیتوں میں تجارت کے لئے استعمال فرمائی ہے۔ دیکھئے سورہ بقرہ (۱۹۸:۲)، سورہ بنی اسرائیل (۱۲:۱۷)، سورہ (۶۶:۱)، سورہ  
قصص (۷۳:۲۸)، سورہ روم (۴۶:۳۰)، سورہ فاطر (۱۲:۳۵)، سورہ جاثیہ (۱۲:۴۵)، سورہ جمعہ (۱۰:۶۲) اور سورہ  
مزل (۲۰:۷۳)۔ تجارت کو اللہ تعالیٰ کا فضل کہنے سے ایک طرف تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر تجارت شرعی احکام کی پابند ہو تو وہ



وَالَّذِينَ فِي الْأَرْضِ رَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمُ الْأَنْهَارُ ۚ وَاسْبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝<sup>۱۵</sup> وَعَلَّمْتَ<sup>ط</sup>  
وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ۝<sup>۱۶</sup> أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝<sup>۱۷</sup> وَإِنْ تَعُدُّوا  
نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۝<sup>۱۸</sup> وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تَعْلَنُونَ ۝<sup>۱۹</sup>  
وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝<sup>۲۰</sup>

اور اُس نے زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ تم کو لے کر ڈگمگائے نہیں، اور دریا اور راستے بنائے ہیں، تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔ ۱۵ اور (راستوں کی پہچان کے لئے) بہت سی علامتیں بنائی ہیں۔ اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں۔ ۱۶ اب بتاؤ کہ جو ذات (یہ ساری چیزیں) پیدا کرتی ہے، کیا وہ اُن کے برابر ہو سکتی ہے جو کچھ پیدا نہیں کرتے؟ کیا پھر بھی تم کوئی سبق نہیں لیتے؟ ۱۷ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو، تو انہیں شمار نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ۱۸ اور اللہ وہ باتیں بھی جانتا ہے جو تم چھپ کر کرتے ہو، اور وہ بھی جو تم علی الاعلان کرتے ہو۔ ۱۹ اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ لوگ جن (دیوتاؤں) کو پکارتے ہیں، وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرتے، وہ تو خود ہی مخلوق ہیں۔ ۲۰

ایک پسندیدہ چیز ہے، اور دوسری طرف اس اصطلاح سے تاجروں کو یہ تنبیہ بھی کی جا رہی ہے کہ تجارت میں جو نفع حاصل ہوتا ہے، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، کیونکہ انسان کوشش ضرور کرتا ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال نہ ہو تو کوشش کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ لہذا اگر تجارت کے ذریعے مال و دولت حاصل ہو جائے تو انسان کو مغرور ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

(۱۰) جب زمین کو شروع میں سمندر پر بچھایا گیا تو وہ ڈگمگاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے ذریعے اُس کو جمادیا ہے۔ جدید سائنس کے مطابق اب بھی بڑے بڑے براعظم سمندر کے پانی پر تھوڑے تھوڑے سرکتے رہتے ہیں، لیکن یہ سرکنا اتنا معمولی ہوتا ہے کہ انسان کو احساس نہیں ہوتا۔

(۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جب اتنی زیادہ ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتیں تو ان کا حق تو یہ تھا کہ انسان ہر آن اللہ تعالیٰ کا شکر ہی ادا کرتا رہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ انسان کے بس میں نہیں ہے، اس لئے وہ اپنی مغفرت اور رحمت کا معاملہ فرما کر شکر کی اس کوتاہی کو معاف فرماتا رہتا ہے۔ البتہ یہ مطالبہ ضرور ہے کہ وہ اُس کے احکام کے مطابق زندگی گزارے، اور ظاہر و باطن ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار رہے۔ اس کے لئے اُسے یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے ہر کام کو جانتا ہے، چاہے وہ چھپ کر کرے یا علانیہ۔ چنانچہ اگلی آیت میں یہی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔



أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ ۚ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ۚ (۱۲) إِنْ هُمْ إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكَرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ۚ (۱۳) لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ۚ (۱۴) وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أُنْزِلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۚ (۱۵) لِيَحْبِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ۚ (۱۶) قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَآتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَتْهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۚ (۱۷)

وہ بے جان ہیں، اُن میں زندگی نہیں، اور اُن کو اس بات کا بھی احساس نہیں ہے کہ ان لوگوں کو کب زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ (۱۲) تمہارا معبود تو بس ایک ہی خدا ہے۔ لہذا جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اُن کے دل میں انکار پیوست ہو گیا ہے، اور وہ گھمنڈ میں مبتلا ہیں۔ (۱۳) ظاہر بات ہے کہ اللہ وہ باتیں بھی جانتا ہے جو وہ چھپ کر کرتے ہیں، اور وہ بھی جو وہ علی الاعلان کرتے ہیں۔ وہ یقیناً گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۱۴) اور جب اُن سے کہا گیا کہ: ”تمہارے رب نے کیا بات نازل کی ہے؟“ تو انہوں نے کہا کہ: ”گذرے ہوئے لوگوں کے افسانے!“ (۱۵) ان باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن خود اپنے (گناہوں) کے پورے پورے بوجھ بھی اپنے اوپر لا دیں گے، اور اُن لوگوں کے بوجھ کا ایک حصہ بھی جنہیں یہ کسی علم کے بغیر گمراہ کر رہے ہیں۔ (۱۶) یاد رکھو کہ بہت بُرا بوجھ ہے جو یہ لا رہے ہیں۔ (۱۷) ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی مکر کے منصوبے بنائے تھے۔ پھر ہوا یہ کہ (منصوبوں کی) جو عمارتیں انہوں نے تعمیر کی تھیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا، پھر اُن کے اوپر سے چھت بھی اُن پر آگری، اور اُن پر عذاب ایسی جگہ سے آدھمکا جس کا انہیں احساس تک نہیں تھا۔ (۱۸)

(۱۲) اس سے وہ بت مراد ہیں جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ فرمایا گیا ہے کہ وہ کسی کو پیدا تو کیا کرتے؟ خود پیدا کئے گئے ہیں، اور نہ اُن میں جان ہے، نہ انہیں یہ احساس ہے کہ ان کے پجاریوں کو مرنے کے بعد کب زندہ کیا جائے گا۔ (۱۳) چونکہ وہ گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اس لئے انہیں سزا بھی ضرور دے گا، اور اس کے لئے آخرت کا وجود ضروری ہے۔ لہذا اُس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ (۱۴) یعنی اللہ کے کلام کو افسانہ قرار دے کر انہوں نے جن لوگوں کو گمراہ کیا ہے، اُن کے ایسے گناہوں کا بوجھ بھی ان پر لا دیا جائے گا جو انہوں نے ان کے زیر اثر آ کر کئے۔



ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ ۖ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ (۲۷) الَّذِينَ تَتَوَفَّيْهُمْ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ ۖ قَالَ قُوا السَّلَامَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ ۖ بَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (۲۸) فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَلَبِئْسَ مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝ (۲۹) وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا خَيْرٌ ۖ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۖ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۖ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ۝ (۳۰) جَنَّاتٌ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۖ كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ۝ (۳۱) الَّذِينَ تَتَوَفَّيهُمْ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ ۖ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۖ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (۳۲)

پھر قیامت کے دن اللہ انہیں رُسوا کرے گا، اور ان سے پوچھے گا کہ: ”کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کی خاطر تم (مسلمانوں سے) جھگڑا کیا کرتے تھے؟“ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے، وہ (اس دن) کہیں گے کہ: ”بڑی رُسوائی اور بد حالی مسلط ہے آج اُن کافروں پر“ (۲۷) جن کی رُوحیں فرشتوں نے اس حالت میں قبض کیں جب انہوں نے اپنی جانوں پر (کفر کی وجہ سے) ظلم کر رکھا تھا۔“ اس موقع پر کافر لوگ بڑی فرماں برداری کے بول بولیں گے کہ ہم تو کوئی بُرا کام نہیں کرتے تھے۔ (ان سے کہا جائے گا: ) ”کیسے نہیں کرتے تھے؟ اللہ کو سب معلوم ہے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔“ (۲۸) لہذا اب ہمیشہ جہنم میں رہنے کے لئے اُس کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، کیونکہ تکبر کرنے والوں کا یہی بُرا ٹھکانا ہے۔“ (۲۹) اور (دوسری طرف) متقی لوگوں سے پوچھا گیا کہ: ”تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے؟“ تو انہوں نے کہا: ”خیر ہی خیر اتاری ہے۔“ (اس طرح) جن لوگوں نے نیکی کی روش اختیار کی ہے، اُن کے لئے اس دُنیا میں بھی بہتری ہے، اور آخرت کا گھر تو ہے ہی سراپا بہتری، یقیناً متقیوں کا گھر بہترین ہے، (۳۰) ہمیشہ ہمیشہ بننے کے لئے وہ باغات جن میں وہ داخل ہوں گے، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، اور وہاں جو کچھ وہ چاہیں گے، انہیں ملے گا۔ متقی لوگوں کو اللہ ایسا ہی صلہ دیتا ہے۔ (۳۱) یہ وہ لوگ ہیں جن کی رُوحیں فرشتے ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوتے ہیں۔ وہ ان سے کہتے ہیں کہ: ”سلامتی ہو تم پر! جو عمل تم کرتے رہے ہو، اُس کے صلے میں جنت میں داخل ہو جاؤ۔“ (۳۲)

(۱۵) اس سے معلوم ہوا کہ عذاب صرف اُن لوگوں کو ہوگا جو کفر کی حالت میں مرے ہوں۔ اگر کوئی مرنے سے پہلے پہلے سچی توبہ کر لے تو اُس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے، اور اُسے معاف کر دیا جاتا ہے۔



هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرٌ رَبِّكَ ۖ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٣٣﴾ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٣٤﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ يَعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ﴿٣٦﴾

یہ (کافر) لوگ اب (ایمان لانے کے لئے) اس کے سوا کس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آکھڑے ہوں، یا (قیامت یا عذاب کی صورت میں) تمہارے پروردگار کا حکم ہی آجائے۔ جو امتیں ان سے پہلے گزری ہیں، انہوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ اور اللہ نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا، لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے تھے۔ ﴿۳۳﴾ اس لئے اُن کے بُرے اعمال کا وبال اُن پر پڑا، اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، اُسی نے اُن کو آکر گھیر لیا۔ ﴿۳۴﴾ اور جن لوگوں نے شرک اختیار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ”اگر اللہ چاہتا تو ہم اُس کے سوا کسی اور چیز کی عبادت نہ کرتے، نہ ہم، نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم اُس کے (حکم کے) بغیر کوئی چیز حرام قرار دیتے۔“ جو امتیں ان سے پہلے گزری ہیں، انہوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ لیکن پیغمبروں کی ذمہ داری اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ صاف صاف طریقے پر پیغام پہنچا دیں۔ ﴿۳۵﴾ اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر اس ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ ﴿۳۶﴾ پھر ان میں سے کچھ وہ تھے جن کو اللہ نے ہدایت دے دی، اور کچھ ایسے تھے جن پر گمراہی مسلط ہو گئی۔ تو ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ (پیغمبروں کو) جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿۳۷﴾

﴿۱۶﴾ اُن کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے سراسر ہٹ دھرمی پر مبنی تھا، کیونکہ اس طرح ہر مجرم یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو میں یہ جرم نہ کرتا۔ ایسی باتیں قابل جواب نہیں ہوتیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُس کا جواب دینے کے بجائے صرف یہ فرما دیا ہے کہ رسولوں کی ذمہ داری پیغام پہنچانے کی حد تک محدود ہے۔ اُن کی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ ایسے ضدی لوگ راہِ راست پر آجی جائیں۔ اور انہوں نے جو یہ کہا ہے کہ ”ہم کوئی چیز حرام قرار نہ دیتے“ اس سے ان جانوروں کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے بتوں کے نام پر حرام کر رکھے تھے۔ اس کی تفصیل سورہٴ انعام (۶: ۱۳۹ تا ۱۴۵) میں گزر چکی ہے۔

﴿۱۷﴾ ”طاغوت“ شیطان کو بھی کہتے ہیں، اور بتوں کو بھی۔ لہذا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان کے پیچھے نہ چلو، اور یہ بھی کہ بت پرستی سے اجتناب کرو۔



إِنْ تَحَرَّصَ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ وَمَالَهُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ ﴿٣٧﴾ وَأَقْسَمُوا  
بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ ۖ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ  
لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يُخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا  
كَذِبِينَ ﴿٣٩﴾ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي  
اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَا جُرْأُولَ إِلَّا خِرَّةٌ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا  
يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٤٢﴾

(اے پیغمبر!) اگر تمہیں یہ حرص ہے کہ یہ لوگ ہدایت پر آجائیں، تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ جن کو (اُن کے عناد کی وجہ سے) گمراہ کر دیتا ہے، اُن کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا، اور ایسے لوگوں کو کسی قسم کے مددگار بھی میسر نہیں آتے۔ ﴿۳۷﴾ اور ان لوگوں نے بڑا زور لگا لگا کر اللہ کی قسمیں کھائی ہیں کہ جو لوگ مرجاتے ہیں، اللہ اُن کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔ بھلا کیوں نہیں کرے گا؟ یہ تو ایک وعدہ ہے جسے سچا کرنے کی ذمہ داری اللہ نے لے رکھی ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ﴿۳۸﴾ (دوبارہ زندہ کرنے کا یہ وعدہ اللہ نے اس لئے کیا ہے) تاکہ وہ لوگوں کے سامنے اُن باتوں کو اچھی طرح واضح کر دے جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں، اور تاکہ کافر لوگ جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔ ﴿۳۹﴾ اور جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری طرف سے صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ ہم اُسے کہتے ہیں: ”ہو جا“، بس وہ ہو جاتی ہے۔ ﴿۴۰﴾ اور جن لوگوں نے دوسروں کے ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر اپنا وطن چھوڑا ہے، یقین رکھو کہ انہیں ہم دُنیا میں بھی اچھی طرح بسائیں گے، اور آخرت کا اجر تو یقیناً سب سے بڑا ہے۔ کاش کہ یہ لوگ جان لیتے! ﴿۴۱﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر سے کام لیا ہے، اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ﴿۴۲﴾

(۱۸) پچھلی آیت میں آخرت کی دوسری زندگی کا مقصد بیان فرمایا تھا، اور اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کو تم اس لئے ناممکن سمجھ رہے ہو کہ وہ تمہارے تصور سے باہر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی بھی کام مشکل نہیں ہے۔ کسی چیز کو پیدا کرنے کے لئے اُسے کوئی محنت کرنی نہیں پڑتی، وہ تو ایک حکم دیتا ہے، اور وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے۔

(۱۹) جیسا کہ اس سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، یہ آیت اُن صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو کفار کے ظلم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ البتہ اس میں جو عام الفاظ استعمال ہوئے ہیں، وہ ہر اُس شخص کو شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر اپنا وطن چھوڑ کر ہجرت کرے۔ اور آخر میں جو فرمایا گیا ہے کہ: ”کاش یہ لوگ جان لیتے“ اس سے مراد بظاہر یہ مہاجرین ہی ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کو اس اجر کا علم ہو جائے تو بے وطن ہونے سے انہیں جو تکلیف ہو رہی ہے، وہ بالکل باقی نہ رہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ان سے مراد کافر لوگ ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ کاش اس حقیقت کا علم ان کافروں کو بھی ہو جائے تو وہ اپنے کفر سے توبہ کر لیں۔



وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيْ اِلَيْهِمْ فَمَسَّلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳﴾ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۚ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَفَاَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَّاتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوْ يَّأْخُذَهُمْ فِي تَقْلُبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۲۶﴾ اَوْ يَّأْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوْفٍ ۚ فَاِنَّ رَأْبَكُمْ لَمَءُوفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾ اَوْلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَقَّهُوْا ظِلُّهُ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَاٰلِ سُجَّدًا لِلّٰهِ وَهُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے بھی کسی اور کو نہیں، انسانوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے۔ (اے منکرو!) اب اگر تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے تو جو علم والے ہیں اُن سے پوچھ لو۔ ﴿۲۳﴾ اُن پیغمبروں کو روشن دلائل اور آسمانی کتابیں دے کر بھیجا گیا تھا۔ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر بھی یہ قرآن اس لئے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اُن باتوں کی واضح تشریح کر دو جو اُن کے لئے اُتاری گئی ہیں، اور تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں۔ ﴿۲۴﴾ تو کیا وہ لوگ جو بُرے بُرے منصوبے بنا رہے ہیں اس بات سے بالکل بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے، یا اُن پر عذاب ایسی جگہ سے آپڑے کہ انہیں احساس تک نہ ہو؟ ﴿۲۵﴾ یا انہیں چلتے پھرتے ہی اپنی پکڑ میں لے لے، کیونکہ وہ اُسے عاجز نہیں کر سکتے، ﴿۲۶﴾ یا انہیں اس طرح گرفت میں لے کہ وہ دھیرے دھیرے گھٹتے چلے جائیں؟ کیونکہ تمہارا پروردگار بڑا شفیق، نہایت مہربان ہے۔ ﴿۲۷﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے، اُس کے سائے اللہ کو سجدے کرتے ہوئے دائیں اور بائیں جھکے رہتے ہیں، اور وہ سب عاجزی کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں؟ ﴿۲۸﴾

(۲۰) یعنی ایک دم سے تو عذاب آکر انہیں ہلاک نہ کرے، لیکن اپنی بد عملی کی سزا میں دھیرے دھیرے اُن کی افرادی قوت اور ان کا مال و دولت گھٹتا چلا جائے۔ یہ تفسیر روح المعانی میں متعدد صحابہ اور تابعین سے منقول ہے۔

(۲۱) اس ”کیونکہ“ کا تعلق بے خوف ہونے سے ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ شفیق اور مہربان ہے، اس لئے اُس نے کافروں کو مہلت دی ہوئی ہے، اور فوری طور پر انہیں عذاب میں نہیں پکڑا، اس لئے یہ کافر لوگ بے خوف ہو گئے ہیں، حالانکہ کچھلی اُمتوں کے واقعات سے سبق لے کر انہیں بے خوف نہیں ہونا چاہئے۔

(۲۲) انسان کتنا بھی مغرور یا متکبر ہو جائے، اُس کا سایہ جب زمین پر پڑتا ہے تو وہ عاجزی اور انکساری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے ساتھ اُس کے سائے کی شکل میں ایک ایسی چیز پیدا فرمادی ہے جو اُس کے اختیار کے بغیر ہر وقت اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ ریز رہتی ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ سورج کی پوجا کرتے ہیں، وہ خود تو سورج کے آگے جھک رہے ہوتے ہیں، اور اُن کے سائے اُس کی مخالف سمت میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔



وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵۹  
يَخَافُوْنَ رَٰبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۶۰ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوا الْاِلٰهِيْنَ  
اِثْنَيْنِ ۚ اِنَّهُوَ الْاِلٰهُ وَاحِدٌ ۚ فَاَيَّٰى فَاُرْهَبُوْنَ ۝۶۱ وَلَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّينُ  
وَاصْبٰٓءُ ۚ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝۶۲ وَمَا يَكُم مِّنْ نُّعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ  
تَجْرُوْنَ ۝۶۳ ثُمَّ اِذَا كُشِفَ الضُّرُّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝۶۴ لِيَكْفُرُوا بِمَا  
اٰتَيْنٰهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوْا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۶۵ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۚ  
تَاللّٰهِ لَنَسْأَلَنَّهُمْ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝۶۶

اور آسمانوں اور زمین میں جتنے جاندار ہیں، وہ اور سارے فرشتے اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں، اور وہ ذرا تکبر نہیں کرتے۔ ۵۹ وہ اپنے اُس پروردگار سے ڈرتے ہیں جو اُن کے اوپر ہے، اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ ۶۰ اور اللہ نے فرمایا ہے کہ: ”دو معبود نہ بنا بیٹھنا۔ وہ تو بس ایک ہی معبود ہے۔ اس لئے بس مجھی سے ڈرا کرو۔“ ۶۱ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُسی کا ہے، اور اُسی کی اطاعت ہر حال میں لازم ہے۔ کیا پھر بھی تم اللہ کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو؟ ۶۲ اور تم کو جو نعمت بھی حاصل ہوتی ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اُسی سے فریادیں کرتے ہو۔ ۶۳ اس کے بعد جب وہ تم سے تکلیف دور کر دیتا ہے، تو تم میں سے ایک گروہ اچانک اپنے پروردگار کے ساتھ شرک شروع کر دیتا ہے، ۶۴ تاکہ ہم نے اُسے جو نعمت دی تھی اُس کی ناشکری کرے۔ اچھا! کچھ عیش کرلو، پھر عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا۔ ۶۵ اور ہم نے جو رزق انہیں دیا ہے، اُس میں وہ اُن (بتوں) کا حصہ لگاتے ہیں جن کی حقیقت خود انہیں معلوم نہیں ہے۔ ۶۶ اللہ کی قسم! تم سے ضرور باز پرس ہوگی کہ تم کیسے بہتان باندھا کرتے تھے۔ ۶۷

(۲۳) یہ آیت سجدہ ہے۔ یعنی جو شخص بھی یہ آیت عربی زبان میں پڑھے، اس پر سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اسے ”سجدہ تلاوت“ کہتے ہیں جو نماز کے سجدے کے علاوہ ہے۔ البتہ صرف ترجمہ پڑھنے سے یا آیت کو پڑھے بغیر صرف دیکھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔

(۲۴) عرب کے مشرکین اپنی زرعی پیداوار اور جانوروں کا ایک حصہ بتوں کے نام پر نذر کر دیتے تھے۔ اس کی طرف اشارہ ہے کہ جن بتوں کی نہ حقیقت ان کو معلوم ہے، نہ ان کے وجود کی کوئی دلیل ان کے پاس ہے، اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق کو ان کے لئے نذر کر دیتے ہیں۔ اس رسم کی تفصیل سورۃ انعام (۶: ۱۳۶) میں گزری ہے۔



وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَنَهُ ۚ وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ ﴿۵۴﴾ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ  
وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۵۵﴾ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَبِهِ ۖ أَيَسْكَءُ عَلَىٰ  
هُونٍ أَمْرِ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۚ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۵۶﴾ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ  
مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۵۷﴾ وَلَوْ يَوَّاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ  
مَا تَرَكَ عَلَيْهِمْ مِنْ ذَاتٍ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ  
سَاعَةً ۚ وَلَا يَسْتَقْدِرُونَ ﴿۵۸﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكُذِبَ أَنَّ لَهُمُ  
الْحُسْنَىٰ ۚ لَا جَرَءَ أَنْ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُمْ مُّفْرَطُونَ ﴿۵۹﴾

اور اللہ کے لئے تو انہوں نے بیٹیاں گھڑ رکھی ہیں۔ سبحان اللہ! اور خود اپنے لئے وہ (بیٹے چاہتے ہیں) جو اپنی خواہش کے مطابق ہوں! ﴿۲۵﴾ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی (پیدائش) کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے، اور وہ دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے۔ ﴿۵۴﴾ اس خوشخبری کو برا سمجھ کر لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، (اور سوچتا ہے کہ) ذلت برداشت کر کے اُسے اپنے پاس رہنے دے، یا اُسے زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو انہوں نے کتنی بری باتیں طے کر رکھی ہیں۔ ﴿۵۵﴾ بری بری باتیں تو انہی میں ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور اعلیٰ درجے کی صفات صرف اللہ کی ہیں، اور وہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۵۶﴾ اور اگر اللہ لوگوں کو اُن کے ظلم کی وجہ سے (فورا) اپنی پکڑ میں لیتا تو رُوئے زمین پر کوئی جاندار باقی نہ چھوڑتا، لیکن وہ اُن کو ایک معین وقت تک مہلت دیتا ہے۔ پھر جب اُن کا وہ معین وقت آجائے گا تو وہ گھڑی بھر بھی اُس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکیں گے۔ ﴿۵۷﴾ اور انہوں نے اللہ کے لئے وہ چیزیں گھڑ رکھی ہیں جنہیں خود ناپسند کرتے ہیں، پھر بھی ان کی زبانیں (اپنی) جھوٹی تعریف کرتی رہتی ہیں کہ ساری بھلائی انہی کے حصے میں ہے۔ لازمی بات ہے کہ (ایسے رویے کی وجہ سے) اُن کے حصے میں تو دوزخ ہے، اور انہیں اسی میں پڑا رہنے دیا جائے گا۔ ﴿۵۸﴾

﴿۲۵﴾ مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اول تو اللہ تعالیٰ اولاد کی ضرورت سے پاک ہے، دوسرے یہ خود اپنے لئے بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے، بلکہ بیٹیوں کی ولادت کے خواہش مند رہتے ہیں، جو بذاتِ خود بڑی گمراہی کی بات ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی بیٹیاں ہیں۔



ثَالِهَةً لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۖ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٤﴾ وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْبَاهُ إِلَّا رُجْشَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُونَ ﴿٢٥﴾ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِمْ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لِّبَنٍّ خَالِصًا يَّغَالِشُ بَِيْنَ ۖ وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٦﴾ وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ﴿٢٧﴾

(اے پیغمبر!) اللہ کی قسم! تم سے پہلے جو اُممیں گزری ہیں، ہم نے اُن کے پاس پیغمبر بھیجے تھے، تو شیطان نے اُن کے اعمال کو خوب بنا سنوار کر ان کے سامنے پیش کیا۔ چنانچہ وہی (شیطان) آج ان کا سر پرست بنا ہوا ہے، اور (اس کی وجہ سے) ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ ﴿۲۳﴾ اور ہم نے تم پر یہ کتاب اسی لئے اتاری ہے تاکہ تم ان کے سامنے وہ باتیں کھول کھول کر بیان کر دو جن میں انہوں نے مختلف راستے اپنائے ہوئے ہیں، اور تاکہ یہ ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان ہو۔ ﴿۲۴﴾ اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، اور زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد اُس میں جان ڈال دی۔ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانی ہے جو بات سنتے ہیں۔ ﴿۲۵﴾ اور بیشک تمہارے لئے موشیوں میں بھی سوچنے سمجھنے کا بڑا سامان ہے۔ اُن کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے، اُس کے بیچ میں سے ہم تمہیں ایسا صاف ستھرا دودھ پینے کو دیتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہوتا ہے۔ ﴿۲۶﴾ اور کھجور کے پھلوں اور انگوروں سے بھی (ہم تمہیں ایک مشروب عطا کرتے ہیں) جس سے تم شراب بھی بناتے ہو، اور پاکیزہ رزق بھی۔ ﴿۲۷﴾ بیشک اس میں بھی اُن لوگوں کے لئے نشانی ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۲۸﴾ اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ: ”تو پہاڑوں میں، اور درختوں میں اور لوگ جو چھتیاں اٹھاتے ہیں، اُن میں اپنے گھر بنا۔“ ﴿۲۹﴾

(۲۶) یعنی یہ پٹی پڑھائی کہ تم جو اعمال کر رہے ہو وہی بہترین اعمال ہیں۔

(۲۷) یہ سورت مکی ہے۔ جب یہ نازل ہوئی تو اُس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، لیکن اسی آیت میں شراب کو پاکیزہ رزق کے مقابلے میں ذکر فرما کر ایک لطیف اشارہ اس طرف کر دیا گیا تھا کہ شراب پاکیزہ رزق نہیں ہے۔

(۲۸) چھتیاں اٹھانے سے مراد وہ مٹیاں ہیں جن پر مختلف قسم کی بلیں چڑھائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر شہد کی مکھی کے گھر بنانے کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ وہ جو چھتے بناتی ہے، وہ عجیب و غریب صنعت کا شاہکار ہوتے ہیں۔ اور عام طور پر وہ یہ



ثُمَّ كُلِّي مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلًّا ۖ يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ  
أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ  
يَتَوَفَّيْكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْدَلِ الْعُمْرِ لِكُلِّ لَّا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ  
قَدِيرٌ ﴿٧٠﴾ وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۖ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَأْسِ رِزْقِهِمْ  
عَلَىٰ مَآمَلَتِ أَيْمَانُهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ ۚ

پھر ہر قسم کے پھلوں سے اپنی خوراک حاصل کر، پھر اُن راستوں پر چل جو تیرے رب نے تیرے لئے آسان بنا دیئے  
ہیں۔“ (اس طرح) اس مکھی کے پیٹ سے وہ مختلف رنگوں والا مشروب نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ یقیناً  
ان سب باتوں میں اُن لوگوں کے لئے نشانی ہے جو سوچتے سمجھتے ہوں۔ ﴿۶۹﴾ اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے، پھر وہ تمہاری  
روح قبض کرتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے جو عمر کے سب سے ناکارہ حصے تک پہنچا دیا جاتا ہے، جس میں پہنچ کر  
وہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی کچھ نہیں جانتا۔ بیشک اللہ بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے۔ ﴿۷۰﴾  
اور اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں کو رزق کے معاملے میں دوسروں پر برتری دے رکھی ہے۔ اب جن لوگوں کو برتری دی  
گئی ہے، وہ اپنا رزق اپنے غلاموں کو اس طرح نہیں لوٹا دیتے کہ وہ سب برابر ہو جائیں۔

چھتے اونچی جگہوں پر بناتی ہے تاکہ اُس میں بننے والا شہد زمین کی کثافتوں سے بھی محفوظ رہے، اور اُسے تازہ ہوا بھی میسر آئے۔  
توجہ اس طرف دلائی جا رہی ہے کہ یہ سب کچھ اُسے اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے معارف القرآن ج: ۵  
ص: ۳۶۷ تا ۳۶۲۔

﴿۲۹﴾ انتہائی بڑھاپے کی حالت کو ”ناکارہ عمر“ سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں انسان کی جسمانی اور ذہنی قوتیں ناکارہ ہو جاتی ہیں۔  
اور سب کچھ جاننے کے باوجود کچھ نہ جاننے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بڑھاپے کے اس حصے میں انسان اُس علم کا اکثر حصہ بھول  
جاتا ہے جو اُس نے اپنی پچھلی زندگی میں حاصل کیا تھا، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ابھی  
اُسے ایک بات بتائی گئی، اور تھوڑی سی دیر میں وہ ایسا ہو گیا جیسے اُس کو کچھ بتایا ہی نہیں گیا تھا۔ یہ حقائق بیان فرما کر غافل انسان کو  
اس طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ اُسے اپنی کسی طاقت اور صلاحیت پر غور نہیں کرنا چاہئے۔ جو کوئی طاقت اُسے ملی ہوئی ہے،  
اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اور جب وہ چاہے واپس لے لیتا ہے۔ ان تغیرات سے اُسے یہ سبق سیکھنا چاہئے کہ یہ سارا کارخانہ ایک  
بڑے علم والے، بڑی قدرت والے خدا کا بنایا ہوا ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اور بالآخر ہر شخص کو اُسی کے پاس واپس جانا ہے۔  
﴿۳۰﴾ مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کرتا کہ اپنے غلام کو اپنی دولت اس طرح دیدے کہ وہ دولت میں اُس کے  
برابر ہو جائے۔ اب تم خود مانتے ہو کہ جن دیوتاؤں کو تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے مملوک یعنی غلام ہیں۔ پھر یہ  
کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ نے انہیں اپنی خدائی اس طرح دے دی ہو کہ انہیں اللہ کے برابر معبود بننے کا حق حاصل ہو گیا ہو۔



أَفَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٣١﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لَعَلَّكُمْ تَزْكُونَ وَبَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ حُجُورٌ مَعْبُودَاتٌ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣٢﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٣٤﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٣٥﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٣٦﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٣٧﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٣٨﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٣٩﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٤٠﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٤١﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٤٢﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٤٣﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٤٤﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٤٥﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٤٦﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٤٧﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٤٨﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٤٩﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٥٠﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٥١﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٥٢﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٥٣﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٥٤﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٥٥﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٥٦﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٥٧﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٥٨﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٥٩﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٦٠﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٦١﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٦٢﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٦٣﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٦٥﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٦٦﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٦٧﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٦٨﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٦٩﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٧٠﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٧١﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٧٢﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٧٣﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٧٤﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٧٥﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٧٦﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٧٧﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٧٨﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٨٠﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٨١﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٨٢﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٨٣﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٨٤﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٨٥﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٨٧﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٨٨﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٨٩﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٩٠﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٩١﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٩٢﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٩٣﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٩٤﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٩٥﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٩٦﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٩٧﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٩٨﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿٩٩﴾ وَلَا يَسْتَرْفِعُونَ عَنْ آلِهِمْ مَوَازِينَ الْمِيزَانِ ﴿١٠٠﴾

تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟ ﴿۳۱﴾ اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے بیویاں بنائی ہیں، اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے ہیں، اور تمہیں اچھی اچھی چیزوں میں سے رزق فراہم کیا ہے۔ کیا پھر بھی یہ لوگ بے بنیاد باتوں پر ایمان لاتے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں؟ ﴿۳۲﴾ اور یہ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو آسمانوں اور زمین میں سے کسی طرح کا رزق دینے کا نہ کوئی اختیار رکھتی ہیں، نہ رکھ سکتی ہیں۔ ﴿۳۳﴾ لہذا تم اللہ کے لئے مثالیں نہ گھڑو۔ بیشک اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔ ﴿۳۴﴾ اللہ ایک مثال دیتا ہے کہ ایک طرف ایک غلام ہے جو کسی کی ملکیت میں ہے، اُس کو کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں، اور دوسری طرف وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے عمدہ رزق عطا کیا ہے، اور وہ اُس میں سے پوشیدہ طور پر بھی اور کھلے بندوں بھی خوب خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ساری تعریفیں اللہ کی ہیں، لیکن ان میں سے اکثر لوگ (ایسی صاف بات بھی) نہیں جانتے۔ ﴿۳۵﴾

﴿۳۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کر کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فلاں نعمت اللہ نے نہیں، بلکہ ان کے گھرے ہوئے دیوتاؤں نے دی ہے۔

﴿۳۲﴾ مشرکین عرب بعض اوقات اپنے شرک کی تائید میں یہ مثال دیتے تھے کہ جس طرح دنیا کا بادشاہ تنہا اپنی حکومت نہیں چلاتا، بلکہ اُسے حکومت کے بہت سے کام اپنے مددگاروں کو سونپنے پڑتے ہیں، اسی طرح (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی خدائی کے بہت سے کام ان دیوتاؤں کو سونپ رکھے ہیں۔ اور ان معاملات میں وہ خود مختار ہو گئے ہیں۔ اس آیت میں اُن سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے دنیا کے بادشاہوں کی، بلکہ کسی بھی مخلوق کی مثال دینا انتہائی جہالت کی بات ہے۔ اس کے بعد آیت نمبر ۷۵ و ۷۶ میں اللہ تعالیٰ نے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں، جن کا مقصد یہ ہے کہ اگر مخلوقات ہی کی مثال لینی ہے تو ان دو مثالوں سے ظاہر ہے کہ مخلوق مخلوق میں بھی فرق ہوتا ہے، کوئی مخلوق اعلیٰ درجے کی ہے، کوئی ادنیٰ درجے کی، جب مخلوق مخلوق میں اتنا فرق ہے تو خالق اور مخلوق میں کتنا فرق ہوگا؟ پھر کسی مخلوق کو خالق کے ساتھ عبادت میں کیسے شریک کیا جاسکتا ہے؟



وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ ۖ لَا يُؤْمِنُ  
 بِرُحْمَةٍ يُؤْتِيهَا ۖ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ ۖ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ۖ وَهُوَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٤٦﴾  
 وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمَةٍ الْبَصَرِ ۖ وَهُوَ أَقْرَبُ ۖ إِنَّ  
 اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤٧﴾ وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا ۖ وَجَعَلَ  
 لَكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٤٨﴾ أَلَمْ يَرْوِ إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوْ  
 السَّمَاءِ ۖ مَا يُبْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٤٩﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ  
 بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ  
 إِقَامَتِكُمْ ۖ وَمِنْ أَصْوَابِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَى حِينٍ ﴿٥٠﴾

اور اللہ ایک اور مثال دیتا ہے کہ دو آدمی ہیں، اُن میں سے ایک گونگا ہے جو کوئی کام نہیں کر سکتا، اور اپنے آقا پر بوجھ بنا ہوا ہے، وہ اُسے جہاں کہیں بھیجتا ہے، وہ کوئی ڈھنگ کا کام کر کے نہیں لاتا، کیا ایسا شخص اُس دوسرے آدمی کے برابر ہو سکتا ہے جو دوسروں کو بھی اعتدال کا حکم دیتا ہے، اور خود بھی سیدھے راستے پر قائم ہے؟ ﴿٤٦﴾

اور آسمانوں اور زمین کے سارے بھید اللہ کے قبضے میں ہیں۔ اور قیامت کا معاملہ آنکھ جھپکنے سے زیادہ نہیں ہوگا، بلکہ اس سے بھی جلدی۔ یقین رکھو کہ اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿٤٧﴾ اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے، اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل پیدا کئے، تاکہ تم شکر ادا کرو۔ ﴿٤٨﴾ کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ وہ آسمان کی فضا میں اللہ کے حکم کے پابند ہیں؟ انہیں اللہ کے سوا کوئی اور تھا مے ہوئے نہیں ہے۔ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہوں۔ ﴿٤٩﴾ اور اُس نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو سکون کی جگہ بنایا، اور تمہارے لئے مویشیوں کی کھالوں سے ایسے گھر بنائے جو تمہیں سفر پر روانہ ہوتے وقت اور کسی جگہ ٹھہرتے وقت ہلکے پھلکے محسوس ہوتے ہیں۔ اور اُن کے اُون، اُن کے رُویں اور اُن کے بالوں سے گھریلو سامان اور ایسی چیزیں پیدا کیں جو ایک مدت تک تمہیں فائدہ پہنچاتی ہیں۔ ﴿٥٠﴾

(۲۳) ان گھروں سے مراد وہ خیمے ہیں جو چمڑے سے بنائے جاتے ہیں، اور عرب کے لوگ انہیں سفر میں ساتھ لے جاتے تھے تاکہ جہاں چاہیں، انہیں نصب کر کے پڑاؤ ڈال لیں۔



وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيَّكُمْ  
الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيَّكُمْ بِاسْكُمْ ۚ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَسْلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا  
فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ الْبَیِّنُ ﴿۱۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْكَرُوْنَهَا وَاکْثَرُهُمْ  
﴿۱۳﴾ الْكٰفِرُوْنَ ۚ وَیَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا ثُمَّ لَا یُؤْذَنُ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَاُولَٰهُمُ  
یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا الْعَذَابَ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاِذَا  
رَاَ الَّذِیْنَ اٰشْرَكُوْا شَرَكًاۤءَهُمْ قَالُوْا اَرَبَّنَا هٰؤُلَآءِۤیْ شُرَكَآؤُنَا الَّذِیْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ

اور اللہ ہی نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے تمہارے لئے سائے پیدا کئے، اور پہاڑوں میں تمہارے لئے پناہ گاہیں  
بنائیں، اور تمہارے لئے ایسے لباس پیدا کئے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں، اور ایسے لباس جو تمہاری جنگ میں تمہیں  
محفوظ رکھتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی نعمتوں کو تم پر مکمل کرتا ہے تاکہ تم فرماں بردار بنو۔ ﴿۱۱﴾ پھر بھی اگر یہ (کافر) منہ  
موڑے رہیں تو (اے پیغمبر!) تمہاری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ واضح طریقے پر پیغام پہنچا دو۔ ﴿۱۲﴾ یہ لوگ اللہ کی  
نعمتوں کو پہچانتے ہیں، پھر بھی ان کا انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔ ﴿۱۳﴾

اور اُس دن کو یاد رکھو جب ہم ہر ایک اُمت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے، ﴿۱۴﴾ پھر جن لوگوں نے کفر اپنایا تھا، انہیں  
(عذر پیش کرنے کی) اجازت نہیں دی جائے گی، اور نہ اُن سے یہ فرمائش کی جائے گی کہ وہ توبہ کریں۔ ﴿۱۵﴾ اور جب یہ  
ظالم عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو نہ اُن سے اُس عذاب کو ہلکا کیا جائے گا، اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی۔ ﴿۱۶﴾  
اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تھا، جب وہ اپنے (گھرے ہوئے) شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ:  
”اے ہمارے پروردگار! یہ ہیں ہمارے (بنائے ہوئے) وہ شریک جن کو ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے۔“ ﴿۱۷﴾

﴿۱۴﴾ یعنی لوہے کی زر ہیں جو جنگ میں تلوار وغیرہ کے وار کو روکنے کے لئے پہنی جاتی تھیں۔

﴿۱۵﴾ اس سے مراد ہر اُمت کے پیغمبر ہیں جو یہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے اس اُمت کے لوگوں کو حق کا پیغام پہنچایا تھا، اور ان  
کافروں نے اُسے قبول نہیں کیا۔

﴿۱۶﴾ اس لئے کہ توبہ کا دروازہ موت سے پہلے پہلے تک تو کھلا رہتا ہے۔ اُس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی۔

﴿۱۷﴾ اس موقع پر اُن بتوں کو بھی سامنے لایا جائے گا جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے، تاکہ اُن کی بیچارگی سب کے سامنے واضح  
ہو، اور ان شیاطین کو بھی جن کی پیروی کر کے گویا ان کو خدا کا شریک بنالیا تھا۔



فَالْقُوا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۸۷﴾ وَالْقُوا إِلَى اللَّهِ يَوْمَ مِيزَانِ السَّلَامِ وَضَلَّ عَنْهُمْ  
مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۸۸﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْطَدُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ  
الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿۸۹﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ أَنْفُسِهِمْ  
وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَؤُلَاءِ ۖ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً  
وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۹۰﴾ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ  
عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۹۱﴾ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا  
عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۖ إِنَّ اللَّهَ  
يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۹۲﴾

اس موقع پر وہ (گھڑے ہوئے شریک) ان پر بات پھینک ماریں گے کہ: ”تم بالکل جھوٹے ہو۔“ ﴿۸۷﴾ اور وہ اُس دن  
اللہ کے سامنے فرماں برداری کے بول بولنے لگیں گے، اور جو بہتان وہ باندھا کرتے تھے، اُس کا انہیں کوئی سراغ نہیں  
ملے گا۔ ﴿۸۸﴾ جن لوگوں نے کفر اپنالیا تھا، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا تھا، اُن کے عذاب پر ہم مزید عذاب کا  
اضافہ کرتے رہیں گے، کیونکہ وہ فساد مچایا کرتے تھے۔ ﴿۸۹﴾ اور وہ دن بھی یاد رکھو جب ہر اُمت میں ایک گواہ اُنہی میں  
سے کھڑا کریں گے، اور (اے پیغمبر!) ہم تمہیں ان لوگوں کے خلاف گواہی دینے کے لئے لائیں گے۔ اور ہم نے تم پر یہ  
کتاب اُتاردی ہے تاکہ وہ ہر بات کھول کھول کر بیان کر دے، اور مسلمانوں کے لئے ہدایت، رحمت اور خوشخبری کا  
سامان ہو۔ ﴿۹۰﴾ بیشک اللہ انصاف کا، احسان کا، اور رشتہ داروں کو (اُن کے حقوق) دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی،  
بدی اور ظلم سے روکتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔ ﴿۹۱﴾ اور جب تم نے کوئی معاہدہ کیا ہو تو اللہ  
سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرو، اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد انہیں نہ توڑو، جبکہ تم اپنے اُوپر اللہ کو گواہ بنا چکے ہو۔ تم جو  
کچھ کرتے ہو، یقیناً اللہ اُسے جانتا ہے۔ ﴿۹۲﴾

(۳۸) عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بتوں کو بھی زبان دیدے، اور وہ ان کے جھوٹا ہونے کا اعلان کریں، کیونکہ دُنیا میں بے جان  
ہونے کی بنا پر انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ کون ان کی عبادت کر رہا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زبانِ حال سے یہ بات کہیں۔ اور  
شیاطین یہ بات کہہ کر ان سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کریں گے۔



وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَقَصَتْ غَزْلَهُامِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ۚ تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخْلًا بَيْنَكُمْ أَنْ  
تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۚ وَلِيُبَيِّنَ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَا كُنْتُمْ  
فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۹۱﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي  
مَنْ يَشَاءُ ۚ وَلَنُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۹۲﴾ وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخْلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ  
قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا السُّوْءَ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۹۳﴾  
وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۹۴﴾

اور جس عورت نے اپنے سوت کو مضبوطی سے کاٹنے کے بعد اُسے اُدھیر کرتا رہا کر دیا تھا، تم اُس جیسے نہ بن جانا کہ تم بھی  
اپنی قسموں کو (توڑ کر) آپس کے فساد کا ذریعہ بنانے لگو، صرف اس لئے کہ کچھ لوگ دوسروں سے زیادہ فائدے حاصل  
کر لیں۔ اللہ اس کے ذریعے تمہاری آزمائش کر رہا ہے۔ اور قیامت کے دن وہ تمہیں وہ باتیں ضرور کھول کر بتا دے گا  
جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔ ﴿۹۱﴾ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت (یعنی ایک ہی دین کا پیرو) بنا دیتا،  
لیکن وہ جس کو چاہتا ہے، (اُس کی ضد کی وجہ سے) گمراہی میں ڈال دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، ہدایت تک پہنچا دیتا  
ہے۔ اور تم جو عمل بھی کرتے تھے اُس کے بارے میں تم سے ضرور باز پرس ہوگی۔ ﴿۹۲﴾ اور تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد  
ڈالنے کا ذریعہ نہ بناؤ، جس کے نتیجے میں کسی (اور) کا پاؤں جمنے کے بعد پھسل جائے، پھر تمہیں (اس کو) اللہ کے راستے  
سے روکنے کی وجہ سے بری سزا چکھنی پڑے، اور تمہیں (ایسی صورت میں) بڑا عذاب ہوگا۔ ﴿۹۳﴾ اور اللہ کے عہد کو تھوڑی  
سی قیمت میں نہ بیچ ڈالو۔ اگر تم حقیقت سمجھو تو جو (اجر) اللہ کے پاس ہے، وہ تمہارے لئے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ ﴿۹۴﴾

﴿۳۹﴾ روایات میں ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک دیوانی عورت تھی جسے خرقاء کہتے تھے۔ وہ بڑی محنت سے دن بھر سوت کاٹی تھی، اور  
شام کو اُسے اُدھیر ڈالتی تھی۔ یہ عورت اس معاملے میں ایک ضرب المثل بن گئی تھی۔ جب کوئی شخص اچھا خاصا کام کر کے خود ہی  
اُسے بگاڑ دے تو اُسے اس عورت سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ یہاں یہ تشبیہ اُن لوگوں کے لئے استعمال کی گئی ہے جو زور شور سے کسی  
بات کی قسم کھا کر اُسے توڑ ڈالیں۔

﴿۴۰﴾ جھوٹی قسم کھانے یا قسم کو توڑنے کا مقصد عام طور پر کوئی نہ کوئی دنیا کا فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ  
اس معمولی سے فائدے کی خاطر ایسے گناہ کا ارتکاب نہ کرو۔

﴿۴۱﴾ یہ قسم کو توڑنے کا ایک اور نقصان بیان فرمایا جا رہا ہے، اور وہ یہ کہ جب تم قسم توڑو گے تو عین ممکن ہے کہ تمہیں دیکھ کر کوئی اور  
شخص بھی اس گناہ پر آمادہ ہو جائے۔ پہلے تو اس کے پاؤں جھے ہوئے تھے، تمہیں دیکھ کر وہ پھسل گیا تو چونکہ تم اس کے گناہ کا سبب  
بنے تو تمہیں دُہرا گناہ ہوگا، کیونکہ تم نے اُس کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا۔



مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ ۖ وَلَنَجْزِيَنَ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْشِىْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۷﴾ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۹۸﴾ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۹۹﴾ إِنَّمَا سُلْطٰنُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿۱۰۰﴾ وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنْزِلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾

جو کچھ تمہارے پاس ہے، وہ سب ختم ہو جائے گا، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ باقی رہنے والا ہے۔ اور جن لوگوں نے صبر سے کام لیا ہوگا، ہم انہیں ان کے بہترین کاموں کے مطابق ان کا اجر ضرور عطا کریں گے۔ ﴿۹۶﴾ جس شخص نے بھی مؤمن ہونے کی حالت میں نیک عمل کیا ہوگا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، ہم اُسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے، اور ایسے لوگوں کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ان کا اجر ضرور عطا کریں گے۔ ﴿۹۷﴾ چنانچہ جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ ﴿۹۸﴾ اُس کا بس ایسے لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان لائے ہیں، اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ﴿۹۹﴾ اُس کا بس تو ان لوگوں پر چلتا ہے جو اُسے دوست بناتے ہیں، اور اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ﴿۱۰۰﴾ اور جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت سے بدلتے ہیں — اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کرے — تو یہ (کافر) کہتے ہیں کہ: ”تم تو اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ہو۔“ حالانکہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔ ﴿۱۰۱﴾

(۹۶) پہلے کئی بار عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں ”صبر“ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اپنی نفسانی خواہشات کو دبا کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کو بھی صبر کہا جاتا ہے، اور کسی تکلیف کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر کوئی شکایت نہ کی جائے تو وہ بھی صبر ہے۔

(۹۷) پچھلی آیتوں میں نیک عمل کی فضیلت بیان فرمائی گئی تھی۔ چونکہ نیکی کے کاموں میں سب سے زیادہ خلل شیطان کے اثر سے پڑتا ہے، اس لئے اس آیت میں اُس کا یہ علاج بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لی جائے۔ یعنی ”أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ“ پڑھا جائے۔ تلاوت قرآن کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم ہی تمام نیک کاموں کی ہدایت دینے والا ہے۔ لیکن شیطان سے پناہ مانگنا صرف تلاوت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ہر نیک کام کے وقت پناہ مانگ لی جائے تو ان شاء اللہ شیطانی اثرات سے حفاظت رہے گی۔

(۹۸) اللہ تعالیٰ مختلف حالات کے لحاظ سے اپنے احکام میں کبھی کبھی تبدیلی فرماتے تھے، جیسا کہ قبلہ کے احکام کے متعلق سورہ



قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَى  
لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۖ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ  
أَعْجَبِي ۖ وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ﴿۱۰۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ  
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ  
الْكَاذِبُونَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهِ إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ وَلَكِنْ  
مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۶﴾

کہہ دو کہ: ”یہ (قرآن کریم) تو روح القدس (یعنی جبریل علیہ السلام) تمہارے رب کی طرف سے ٹھیک ٹھیک لے کر  
آئے ہیں، تاکہ وہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے، اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری کا سامان ہو۔“ ﴿۱۰۲﴾ اور  
(اے پیغمبر!) ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ (تمہارے بارے میں) یہ کہتے ہیں کہ: ”ان کو تو ایک انسان سکھاتا پڑھاتا  
ہے۔“ (حالانکہ) جس شخص کا یہ حوالہ دے رہے ہیں، اُس کی زبان عجبی ہے، اور یہ (قرآن کی زبان) صاف عربی  
زبان ہے۔ ﴿۱۰۳﴾ جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے، اُن کو اللہ ہدایت پر نہیں لاتا، اور اُن کے لئے دردناک  
عذاب ہے۔ ﴿۱۰۴﴾ اللہ پر جھوٹ تو (پیغمبر نہیں) وہ لوگ باندھتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے، اور وہی حقیقت  
میں جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۰۵﴾ جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد اُس کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرے — وہ نہیں جسے زبردستی  
(کفر کا کلمہ کہنے پر) مجبور کر دیا گیا ہو، جبکہ اُس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، بلکہ وہ شخص جس نے اپنا سینہ کفر کے لئے کھول دیا  
ہو — تو ایسے لوگوں پر اللہ کی طرف سے غضب نازل ہوگا، اور ان کے لئے زبردست عذاب تیار ہے۔ ﴿۱۰۶﴾

بقرہ میں تفصیل گزر چکی ہے۔ اس پر کفار اعتراض کرتے تھے کہ یہ احکام کیوں بدلے جا رہے ہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ  
اللہ کا کلام نہیں، بلکہ (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے یہ تبدیلیاں کر رہے ہیں۔ اس آیت میں اس اعتراض  
کا جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کس وقت کونسا حکم نازل کیا جائے۔

﴿۴۵﴾ مکہ مکرمہ میں ایک لوہار تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں دل لگا کر سنا کرتا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی  
اُس کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے، اور وہ کبھی کبھی آپ کو انجیل کی کوئی بات بھی سنا دیا کرتا تھا۔ مکہ مکرمہ کے بعض کافروں نے  
اس کو بنیاد بنا کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن اس لوہار سے سیکھتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ اس اعتراض کی  
لغویت کو بیان کر رہی ہے کہ وہ بیچارہ لوہار تو عرب نہیں ہے، عجبی ہے۔ وہ عربی زبان کے اس فصیح و بلیغ کلام کا مصنف کیسے ہو سکتا ہے۔  
﴿۴۶﴾ یعنی کسی شخص کو جان کا خوف ہو کہ اگر زبان سے کفر کا کلمہ نہیں کہے گا تو جان چلی جائے گی، تو ایسا شخص معذور ہے، جبکہ اس کا  
دل ایمان پر مطمئن ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کا غضب اس پر نازل ہوگا جو اپنے اختیار سے کفر کی باتیں کرے۔



ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ ۗ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ﴿١٠٥﴾  
 اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَى قُلُوْبِهِمْ وَسَمِعَ عَلَيْهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿١٠٦﴾  
 لَا جَرَءَ اَنْهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٠٧﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا قُتِلُوْا  
 ثُمَّ جٰهَدُوْا وَاصْبَرُوْا ۗ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠٨﴾ يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ  
 عَنْ نَفْسِهَا وَتُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٠٩﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ  
 اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعَمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ  
 الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١١٠﴾

یہ اس لئے کہ ایسے لوگوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں زیادہ محبوب سمجھا، اور اس لئے کہ اللہ ایسے ناشکرے  
 لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچایا کرتا۔ ﴿۱۰۵﴾ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر، ان کے کانوں پر اور ان کی  
 آنکھوں پر مہر لگا دی ہے، اور یہی لوگ ہیں جو (اپنے انجام سے) بالکل غافل ہیں۔ ﴿۱۰۶﴾ لازمی بات ہے کہ یہی لوگ ہیں  
 جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے۔ ﴿۱۰۷﴾ پھر یقین جانو تمہارے پروردگار کا معاملہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے  
 فتنے میں مبتلا ہونے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر سے کام لیا تو ان باتوں کے بعد تمہارا پروردگار یقیناً بہت بخشنے والا،  
 بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۰۸﴾ یہ سب کچھ اُس دن ہوگا جب ہر شخص اپنے دفاع کی باتیں کرتا ہوا آئے گا، اور ہر شخص کو اُس کے  
 سارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور لوگوں پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۱۰۹﴾ اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے جو بڑی پر امن  
 اور مطمئن تھی، اُس کا رزق اُس کو ہر جگہ سے بڑی فراوانی کے ساتھ پہنچ رہا تھا۔ پھر اُس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری  
 شروع کر دی، تو اللہ نے اُن کے کرتوت کی وجہ سے اُن کو یہ مزہ چکھایا کہ بھوک اور خوف اُن کا پہننا اوڑھنا بن گیا۔ ﴿۱۱۰﴾

﴿۱۰۷﴾ اس آیت میں فتنے میں مبتلا ہونے سے اُن صحابہ کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے جو مکہ مکرمہ میں کافروں کے ظلم و ستم کا نشانہ  
 بنے۔ پہلے چونکہ کافروں کے بُرے انجام کا ذکر تھا تو اس آیت میں نیک مسلمانوں کا اجر بھی بیان فرما دیا گیا ہے۔ لیکن بعض  
 مفسرین نے یہاں فتنے میں مبتلا ہونے کا مطلب یہ لیا ہے کہ وہ پہلے کفر میں مبتلا ہو گئے، بعد میں توبہ کی۔ اس صورت میں مطلب  
 یہ ہوگا کہ پہلے سے جن مرتد لوگوں کا ذکر چلا آ رہا ہے، اُنہی کے بارے میں اب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اب بھی اگر وہ توبہ کر کے  
 ہجرت کریں اور جہاد کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کے پچھلے گناہ معاف فرما دیں گے۔

﴿۱۰۸﴾ یہ اللہ تعالیٰ نے ایک عام مثال دی ہے کہ جو بستیاں خوشحال تھیں، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور نافرمانی پر  
 کمر باندھ لی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو عذاب کا مزہ چکھایا۔ لیکن بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ کی بستی ہے جس میں  
 سب لوگ خوشحالی اور امن کے ساتھ رہ رہے تھے، لیکن جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا تو اُن پر سخت قسم کا قحط



وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۱۱۴﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَنزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَلٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۸﴾

اور اُن کے پاس اُنہی میں سے ایک پیغمبر آیا تھا، مگر انہوں نے اُس کو جھٹلایا، چنانچہ جب انہوں نے ظلم اپنایا تو اُن کو عذاب نے آ پکڑا۔ ﴿۱۱۳﴾ لہذا اللہ نے جو حلال پاکیزہ چیزیں تمہیں رزق کے طور پر دی ہیں، انہیں کھاؤ، اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، اگر تم واقعی اُسی کی عبادت کرتے ہو۔ ﴿۱۱۴﴾ اُس نے تو تمہارے لئے بس مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کیا ہے جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ البتہ جو شخص بھوک سے بالکل بے تاب ہو، لذت حاصل کرنے کے لئے نہ کھائے، اور (ضرورت کی) حد سے آگے نہ بڑھے تو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۱۵﴾ اور جن چیزوں کے بارے میں تمہاری زبانیں جھوٹی باتیں بناتی ہیں، اُن کے بارے میں یہ مت کہا کرو کہ یہ چیز حلال ہے، اور یہ حرام ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو گے۔ یقیناً جانو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں، وہ فلاح نہیں پاتے۔ ﴿۱۱۶﴾ (دُنیا میں) انہیں جو عیش حاصل ہے، وہ بہت تھوڑا سا ہے، اور اُن کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ ﴿۱۱۷﴾ اور یہودیوں کے لئے ہم نے وہ چیزیں حرام کی تھیں جن کا تذکرہ ہم تم سے پہلے ہی کر چکے ہیں۔ اور ہم نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔ ﴿۱۱۸﴾

مسلط کر دیا گیا جس کے نتیجے میں لوگ چہرہ تک کھانے پر مجبور ہوئے۔ بعد میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ قحط دور ہونے کی دعا فرمائیں۔ چنانچہ وہ آپ کی دعا سے دُور ہوا۔ اس واقعے کا ذکر سورۃ دُخان میں بھی آنے والا ہے۔ ﴿۱۱۹﴾ جس ناشکری کی پیچھے مذمت کی گئی ہے، اُسی کی ایک صورت مشرکین عرب نے یہ اختیار کر رکھی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتوں کو من گھڑت طریقے سے حرام قرار دے رکھا تھا، جس کی تفصیل سورۃ اَنعام (۶: ۱۳۹ تا ۱۴۵) میں گزر چکی ہے۔ یہاں ناشکری کی اس خاص صورت سے منع کیا جا رہا ہے۔

﴿۱۲۰﴾ اس کی تفصیل سورۃ مائدہ (۵: ۳) میں گزر چکی ہے۔

﴿۱۲۱﴾ بتلانا یہ مقصود ہے کہ کفار مکہ اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کا پیرو کہتے تھے، حالانکہ جن حلال چیزوں کو ان



ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا الشُّوْعَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْدَحُوا ۚ إِنَّ رَبَّكَ  
 مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۱۱۹ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ  
 الْمُشْرِكِينَ ۝۱۲۰ شَاكِرًا لِلْعَمَةِ ۖ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝۱۲۱ وَاتَيْنَاهُ فِي  
 الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝۱۲۲ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ  
 إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝۱۲۳ إِنَّمَا جَعَلُ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا  
 فِيهِ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝۱۲۴

پھر بھی تمہارا رب ایسا ہے کہ جن لوگوں نے نادانی میں برائی کا ارتکاب کر لیا، اور اُس کے بعد توبہ کر لی، اور اپنی اصلاح  
 کر لی تو ان سب باتوں کے بعد بھی تمہارا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ۝۱۱۹ بیشک ابراہیم ایسے پیشوا تھے  
 جنہوں نے ہر طرف سے یکسو ہو کر اللہ کی فرماں برداری اختیار کر لی تھی، اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کے  
 ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ ۝۱۲۰ وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ اُس نے انہیں چن لیا تھا، اور ان کو سیدھے  
 راستے تک پہنچا دیا تھا۔ ۝۱۲۱ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی دی تھی، اور آخرت میں تو یقیناً اُن کا شمار صالحین میں  
 ہے۔ ۝۱۲۲ پھر (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر بھی وحی کے ذریعے یہ حکم نازل کیا ہے کہ تم ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جس  
 نے اپنا رُخ اللہ ہی کی طرف کیا ہوا تھا، اور وہ اُن لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ ۝۱۲۳ سینچر  
 کے دن کے احکام تو اُن لوگوں پر لازم کئے گئے تھے جنہوں نے اُس کے بارے میں اختلاف کیا تھا، اور یقین رکھو کہ  
 تمہارا رب قیامت کے دن ان کے درمیان اُن تمام باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں لوگ اختلاف کیا کرتے تھے۔ ۝۱۲۴

مشرکین نے حرام کر رکھا تھا، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت ہی سے حلال چلی آتی تھیں، البتہ اُن میں سے صرف چند  
 چیزوں کو یہودیوں پر بطور سزا حرام کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ سورہ نساء (۱۶۰:۴) میں گزر چکا ہے۔ باقی سب چیزیں اُس وقت سے  
 آج تک حلال ہی چلی آتی ہیں۔

(۵۲) یہ ایک دوسرا استثناء ہے جس میں یہودیوں کے لئے بعض وہ چیزیں ممنوع کر دی گئی تھیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی  
 شریعت میں جائز تھیں۔ اور وہ یہ کہ یہودیوں کے لئے سینچر کے دن معاشی سرگرمیاں ممنوع کر دی گئی تھیں۔ پھر ان میں بھی  
 اختلاف رہا کہ کچھ لوگوں نے اس پابندی پر عمل کیا، اور کچھ نے نہیں کیا۔ بہر حال! یہ بھی ایک استثنائی حکم تھا جو صرف یہودیوں کو دیا  
 گیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت اس سے خالی تھی۔ لہذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی طرف سے حلال چیزوں کو  
 حرام قرار دیدے۔



أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۖ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١٣٥﴾ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوِّقْتُمْ بِهِ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ﴿١٣٦﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَكْسِرُونَ ﴿١٣٧﴾ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ﴿١٣٨﴾

اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو، اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ یقیناً تمہارا پروردگار ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اُس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں، اور اُن سے بھی خوب واقف ہے جو راہِ راست پر قائم ہیں۔ ﴿۱۳۵﴾ اور اگر تم لوگ (کسی کے ظلم کا) بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی زیادتی تمہارے ساتھ کی گئی تھی۔ اور اگر صبر ہی کر لو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت بہتر ہے۔ ﴿۱۳۶﴾ اور (اے پیغمبر!) تم صبر سے کام لو، اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ اور ان (کافروں) پر صدمہ نہ کرو، اور جو مکاریاں یہ لوگ کر رہے ہیں، اُن کی وجہ سے تنگ دل نہ ہو۔ ﴿۱۳۷﴾ یقین رکھو کہ اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اور جو احسان پر عمل پیرا ہیں۔ ﴿۱۳۸﴾

(۵۳) ”احسان“ بڑا عام لفظ ہے جس میں ہر طرح کے نیک کام داخل ہیں۔ اور ایک حدیث میں اس کی یہ تشریح فرمائی گئی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ جیسے وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو، یا کم از کم اس تصور کے ساتھ کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُحْسِنِينَ۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲۸ رجب ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۴ اگست ۲۰۰۶ء سورہ نحل کا ترجمہ اور تشریحی حواشی کرغیزستان کے دارالحکومت بشکلیک میں بروز جمعرات عصر سے ذرا پہلے تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی باسانی اپنی رضائے کامل کے ساتھ پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ بَنِي إِسْرَآئِيلَ

## تعارف

اس سورت کی سب سے پہلی آیت ہی یہ بتا رہی ہے کہ اس کا نزول معراج مبارک کے واقعے کے بعد ہوا ہے۔ اگرچہ معراج کے واقعے کی ٹھیک ٹھیک تاریخ یقینی طور پر متعین کرنا مشکل ہے، لیکن زیادہ تر روایات کا رُحمان اس طرف ہے کہ یہ عظیم واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے دس سال بعد اور ہجرت سے تین سال پہلے پیش آیا تھا۔ اُس وقت تک اسلام کی دعوت کا پیغام نہ صرف عرب کے بت پرستوں تک، بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں تک بھی پہنچ چکا تھا۔ اس سورت میں معراج کے غیر معمولی واقعے کا حوالہ دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ناقابل انکار ثبوت فراہم کر دیا گیا ہے۔ اُس کے بعد بنو اسرائیل کے واقعے کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ کس طرح انہیں دو مرتبہ اللہ کی نافرمانی کی پاداش میں ذلت و رسوائی اور دشمن کے ہاتھوں بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح مشرکین عرب کو سبق دیا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کی مخالفت سے باز آجائیں، ورنہ ان کو بھی اسی قسم کے انجام سے سابقہ پیش آسکتا ہے، کیونکہ اس وقت قرآن کریم ہی وہ واحد کتاب ہے جو اعتدال کے ساتھ سیدھے راستے کی طرف ہدایت کر رہی ہے (آیت نمبر ۹)۔ پھر آیت نمبر ۲۲ سے ۳۸ تک مسلمانوں کو اُن کے دینی، معاشرتی اور اخلاقی طرزِ عمل کے بارے میں نہایت اہم ہدایات دی گئی ہیں۔ اور مشرکین کے نامعقول اور معاندانہ طرزِ عمل کی مذمت کر کے اُن کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اُسی کی عبادت کرتے رہیں۔

چونکہ سورت کے شروع میں بنو اسرائیل کے ساتھ پیش آنے والے دو اہم واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس لئے سورت کا نام سورۃ بنی اسرائیل ہے۔ اور اس کا دوسرا نام ”سورۃ الاسراء“ بھی ہے۔ ”اسراء“ سفرِ معراج کو، اور خاص طور پر اس سفر کے اُس حصے کو کہا جاتا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ حرام سے بیت المقدس تک لے جایا گیا، سورت کا آغاز ہی چونکہ اس معجزانہ سفر کے تذکرے سے ہوا ہے، اس لئے اس کو ”سورۃ الاسراء“ بھی کہا جاتا ہے۔



﴿آیاتها ۱۱﴾ ﴿سُورَةُ بَنِي إِسْرَءِيلَ مَكِّيَّةٌ ۵۰﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۱۲﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا  
حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ الْإِتْنَاءِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١﴾ وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى  
لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِن دُونِي وَكِيلًا ﴿٢﴾

اس سورت میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے ماحول پر ہم نے برکتیں  
نازل کی ہیں، تاکہ ہم انہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں<sup>(۱)</sup>۔ بیشک وہ ہر بات سننے والی، ہر چیز دیکھنے والی ذات ہے۔ ﴿۱﴾ اور  
ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، اور اُس کو بنی اسرائیل کے لئے اس ہدایت کا ذریعہ بنایا تھا کہ تم میرے سوا کسی اور کو اپنا  
کارساز قرار نہ دینا، ﴿۲﴾

(۱) اس سے معراج کے واقعے کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل حدیث اور سیرت کی کتابوں میں آئی ہے۔ اُس کا خلاصہ یہ ہے  
کہ حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور رات کے وقت انہیں ایک جانور پر سوار کیا جس کا نام  
براق تھا، وہ انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ آپ کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک لے گیا۔ یہ سفر معراج کا پہلا مرحلہ تھا جسے ”اسراء“  
کہا جاتا ہے۔ پھر وہاں سے حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو ساتوں آسمانوں پر لے گئے۔ ہر آسمان پر آپ کی ملاقات پچھلے  
پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر سے ہوئی۔ اُس کے بعد جنت کے ایک درخت ”سدرۃ المنتہی“ پر تشریف لے گئے، اور آپ کو اللہ تعالیٰ  
سے براہِ راست ہم کلامی کا شرف عطا ہوا۔ اُسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی اُمت پر پانچ نمازیں فرض فرمائیں۔ پھر رات ہی  
رات میں آپ واپس مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔ اس آیت میں اس سفر کے پہلے حصے کا بیان اس لئے کیا گیا ہے کہ آنے  
والے تذکرے سے اُسی کا تعلق زیادہ تھا۔ البتہ سفر کے دوسرے حصے کا تذکرہ سورہ نجم ۵۳: ۱۳ تا ۱۸ میں آیا ہے۔ صحیح روایات  
کے مطابق یہ معجزانہ سفر بیداری کی حالت میں پیش آیا تھا، اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی ایک عظیم نشانی آپ کو دکھائی  
گئی تھی۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ یہ واقعہ بیداری کے بجائے خواب میں دکھایا گیا، کیونکہ یہ بات صحیح احادیث کے تو خلاف ہے ہی،  
خود قرآن کریم کا اُسلوب واضح طور پر یہ بتا رہا ہے کہ یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک نشانی قرار دیا ہے، اگر  
یہ صرف ایک خواب کا واقعہ ہوتا تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی، انسان خواب میں بہت کچھ دیکھتا رہتا ہے۔ پھر اُسے اپنی ایک  
نشانی قرار دینے کے کوئی معنی نہیں تھے۔



ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۖ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ﴿۵۰﴾ وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآءَ يَلِ فِي  
الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿۵۱﴾ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا  
بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ﴿۵۲﴾  
ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكُرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ﴿۵۳﴾ إِنَّ  
أَحْسَنَكُمْ أَحْسَنُوا لِنَفْسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ

اے اُن لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا! اور وہ بڑے شکر گزار بندے تھے۔ ﴿۵۰﴾ اور ہم  
نے کتاب میں فیصلہ کر کے بنو اسرائیل کو اس بات سے آگاہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دو مرتبہ فساد مچاؤ گے، اور بڑی سرکشی  
کا مظاہرہ کرو گے۔ ﴿۵۱﴾ چنانچہ جب ان دو واقعات میں سے پہلا واقعہ پیش آیا تو ہم نے تمہارے سروں پر اپنے ایسے  
بندے مسلط کر دیئے جو سخت جنگجو تھے، اور وہ تمہارے شہروں میں گھس کر پھیل گئے۔ ﴿۵۲﴾ اور یہ ایک ایسا وعدہ تھا جسے پورا ہو کر  
رہنا ہی تھا۔ ﴿۵۳﴾ پھر ہم نے تمہیں یہ موقع دیا کہ تم پلٹ کر اُن پر غالب آؤ، اور تمہارے مال و دولت اور اولاد میں اضافہ  
کیا، اور تمہاری نفری پہلے سے زیادہ بڑھادی۔ ﴿۵۴﴾ اگر تم اچھے کام کرو گے تو اپنے ہی فائدے کے لئے کرو گے، اور  
برے کام کرو گے تو بھی وہ تمہارے لئے ہی بُرا ہوگا۔

(۲) حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا حوالہ خاص طور پر اس لئے دیا گیا ہے کہ جو لوگ اُس کشتی میں سوار ہوئے تھے، انہیں  
اللہ تعالیٰ نے طوفان میں ڈوبنے سے بچا لیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم تھا، اُسے یاد دلا کر فرمایا جا رہا ہے کہ اس نعمت کا شکر یہ ہے  
کہ ان لوگوں کی اولاد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا معبود نہ بنائے۔

(۳) جب بنو اسرائیل کی نافرمانیاں حد سے بڑھ گئی تھیں تو بابل کے بادشاہ بخت نصر نے اُن پر حملہ کر کے اُن کا قتل عام کیا تھا، اور  
جو زندہ رہ گئے تھے، انہیں گرفتار کر کے فلسطین سے بابل لے گیا تھا جہاں مدت دراز تک وہ اُس کی غلامی میں جلا وطنی کی زندگی  
 بسر کرتے رہے۔ اس آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۴) تقریباً ستر سال تک بخت نصر کی غلامی میں رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن پر اس طرح رحم فرمایا کہ ایران کے بادشاہ  
اخسویس نے بابل پر حملہ کر کے اُسے فتح کر لیا۔ اس موقع پر اُسے ان یہودیوں کی حالتِ زار پر رحم آیا، اور اُس نے ان کو آزاد  
کر کے دوبارہ فلسطین میں بسا دیا۔ اس طرح ان کو دوبارہ خوشحالی ملی، اور ایک مدت تک وہ بڑی تعداد میں وہاں آباد رہے۔ مگر  
جب خوشحالی ملنے پر انہوں نے دوبارہ بد اعمالیوں پر کمر باندھی تو وہ دوسرا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے۔



فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيُسْوَأَ أَوْجُوهُكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ  
وَلِيُتَبَرَّوْا مَاعَلَوْا تَتَبَرَّأَ ۝ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدتُمْ عُدتْنَا ۚ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ  
لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ۝ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ  
يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۝ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا  
لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ۝

چنانچہ جب دوسرے واقعے کی میعاد آئی (تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کر دیا) تاکہ وہ تمہارے چہروں کو بگاڑ  
ڈالیں، اور تاکہ وہ مسجد میں اُسی طرح داخل ہوں جیسے پہلے لوگ داخل ہوئے تھے، اور جس جس چیز پر اُن کا زور چلے،  
اُس کو تہس نہس کر کے رکھ دیں۔ ۵ عین ممکن ہے کہ (اب) تمہارا رب تم پر رحم کرے۔ لیکن اگر تم پھر وہی کام کرو گے، تو  
ہم بھی دوبارہ وہی کریں گے، اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنا ہی رکھا ہے۔ ۶ حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ  
راستہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے، اور جو لوگ (اس پر) ایمان لا کر نیک عمل کرتے ہیں، انہیں خوشخبری دیتا  
ہے کہ اُن کے لئے بڑا اجر ہے، ۷ اور یہ بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اُن کے لئے ہم نے ایک  
دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ۸ اور انسان بُرائی اس طرح مانگتا ہے جیسے اُسے بھلائی مانگنی چاہئے، ۹ اور انسان بڑا  
جلد باز واقع ہوا ہے۔ ۱۰

۵) بعض حضرات نے تو کہا ہے کہ اس دوسرے دشمن سے مراد انتیوکس اپنی فانیوس ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی  
تشریف آوری سے کچھ پہلے دوبارہ بیت المقدس پر حملہ کر کے یہودیوں کا قتل عام کیا تھا۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سے  
مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بعد روم کے شاہ طیطوس کا حملہ ہے۔ اگرچہ بنی اسرائیل پر مختلف زمانوں میں  
بہت سے دشمن مسلط ہوتے رہے ہیں، لیکن ان دو دشمنوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس لئے فرمایا ہے کہ ان کے حملوں  
میں انہیں سب سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا، اور ان میں سے پہلا دشمن یعنی بخت نصر اُن پر اُس وقت مسلط کیا گیا جب  
انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی خلاف ورزی کی، اور دوسرا دشمن اُس وقت مسلط کیا گیا جب انہوں نے  
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی۔ اور آگے یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرو گے تو تمہارے  
ساتھ ویسا ہی سلوک دوبارہ کیا جائے گا۔

۶) کافر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کہا کرتے تھے کہ اگر ہمیں ہمارے کفر پر عذاب ہونا ہے تو ابھی فوراً کیوں نہیں  
ہو جاتا؟ یہ ان کی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ جلد بازی میں عذاب کی برائی کو اس طرح مانگ رہے ہیں جیسے وہ کوئی  
اچھی چیز ہو۔



وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ۝ (۱۲) وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَبِيرَةً فِي عُنُقِهِ ۚ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ۝ (۱۳) اقْرَأْ كِتَابَكَ ۖ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۝ (۱۴) مَن اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۚ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝ (۱۵) وَإِذَا آرَدْنَاهُ أَن نَّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۝ (۱۶)

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیوں کے طور پر پیدا کیا ہے۔ پھر رات کی نشانی کو تو اندھیری بنا دیا، اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا، تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو، اور تاکہ تمہیں سالوں کی گنتی اور (مہینوں کا) حساب معلوم ہو سکے۔ اور ہم نے ہر چیز کو الگ الگ واضح کر دیا ہے۔ (۱۲) اور ہر شخص (کے عمل) کا انجام ہم نے اُس کے اپنے گلے سے چمٹا دیا ہے، اور قیامت کے دن ہم (اُس کا) اعمال نامہ ایک تحریر کی شکل میں نکال کر اُس کے سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ (۱۳) (کہا جائے گا کہ) لو پڑھ لو اپنا اعمال نامہ! آج تم خود اپنا حساب لینے کے لئے کافی ہو۔ (۱۴) جو شخص سیدھی راہ پر چلتا ہے، تو وہ خود اپنے فائدے کے لئے چلتا ہے، اور جو گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے، وہ اپنے ہی نقصان کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور ہم کبھی کسی کو اُس وقت تک سزا نہیں دیتے جب تک کوئی پیغمبر (اُس کے پاس) نہ بھیج دیں۔ (۱۵) اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اُس کے خوش حال لوگوں کو (ایمان اور اطاعت کا) حکم دیتے ہیں، پھر وہ وہاں نافرمانیاں کرتے ہیں، تو ان پر بات پوری ہو جاتی ہے، چنانچہ ہم انہیں تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔ (۱۶)

(۷) یعنی دن اور رات کا ایک دوسرے کے بعد تسلسل کے ساتھ آنا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت و حکمت کی نشانی ہے۔ رات کے وقت اندھیرا چھا جاتا ہے، تاکہ لوگ اُس میں آرام کر سکیں، اور دن کے وقت روشنی ہوتی ہے، تاکہ لوگ اپنا روزگار تلاش کر سکیں، جس کو قرآن کریم ”اللہ کے فضل“ سے تعبیر کرتا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ نحل، آیت: ۱۴ کا حاشیہ) اور رات اور دن کے بدلنے ہی سے تاریخوں کا تعین ہوتا ہے۔

(۸) انجام کو گلے سے چمٹانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے تمام اعمال ہر لمحے لکھے جا رہے ہیں جو اُس کے اچھے یا بُرے انجام کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اور جب قیامت آئے گی تو یہ سارا اعمال نامہ اُس کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا جسے وہ خود پڑھ سکے گا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ جو شخص دنیا میں اُن پڑھ تھا، قیامت کے دن اُسے بھی اپنا اعمال نامہ پڑھنے کی صلاحیت دے دی جائے گی۔



وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ۖ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادٍ خَبِيرًا  
 بَصِيرًا ۝ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ  
 يَصْلُهُ مِنْهَا مَذْمُومًا مَذْحُورًا ۝ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ  
 كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝ كَلَّا لَبِدُّ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۖ وَمَا كَانَ عَطَاءُ  
 رَبِّكَ مَحْظُورًا ۝ أَنْظِرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۖ وَلََّا خِرَّةٌ أَكْبَرُ دَرَجَتٍ  
 وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ۝

اور کتنی ہی نسلیں ہیں جو ہم نے نوح کے بعد ہلاک کیں! اور تمہارا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے پوری طرح باخبر ہے، سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ ۵ جو شخص دُنیا کے فوری فائدے ہی چاہتا ہے تو ہم جس کے لئے چاہتے ہیں، جتنا چاہتے ہیں، اُسے یہیں پر جلدی دے دیتے ہیں، پھر اُس کے لئے ہم نے جہنم رکھ چھوڑی ہے جس میں وہ ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوگا۔ ۶ اور جو شخص آخرت (کا فائدہ) چاہے، اور اُس کے لئے ویسی ہی کوشش کرے جیسی اُس کے لئے کرنی چاہئے، جبکہ وہ مؤمن بھی ہو، تو ایسے لوگوں کی کوشش کی پوری قدر دانی کی جائے گی۔ ۷ (اے پیغمبر!) جہاں تک (دُنیا میں) تمہارے رب کی عطا کا تعلق ہے، ہم ان کو بھی اُس سے نوازتے ہیں، اور اُن کو بھی۔ ۸ اور (دُنیا میں) تمہارے رب کی عطا کسی کے لئے بند نہیں ہے۔ ۹ دیکھو ہم نے کس طرح ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے۔ اور یقین رکھو کہ آخرت درجات کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے، اور فضیلت کے اعتبار سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ ۱۰

(۹) یہ اُس شخص کا ذکر ہے جس نے اپنی زندگی کا مقصد ہی دُنیا کی بہتری کو بنا رکھا ہے، اور آخرت پر یا تو ایمان نہیں، یا اُس کی کوئی فکر نہیں۔ نیز اس قسم میں وہ شخص بھی داخل ہے جو کوئی نیکی کا کام دُنیا کی دولت یا شہرت حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو دُنیا کے یہ فوائد ملنے کی بھی کوئی گارنٹی نہیں ہے، نہ اس بات کی گارنٹی ہے کہ جتنے فائدے وہ چاہ رہے ہیں، وہ سب مل جائیں۔ البتہ اُن میں سے جن کو ہم مناسب سمجھتے ہیں جتنا مناسب سمجھتے ہیں دُنیا میں دے دیتے ہیں۔ مگر آخرت میں اُن کا انجام جہنم ہے۔

(۱۰) یہاں عطا سے مراد دُنیا کا رزق ہے۔ یعنی مؤمن و کافر اور متقی اور فاسق ہر شخص کو دُنیا میں اللہ تعالیٰ رزق عطا فرماتے ہیں۔ یہ رزق کسی پر بند نہیں ہے۔

(۱۱) یعنی دُنیا میں کسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت زیادہ رزق عطا فرمایا ہے، اور کسی کو کم۔ البتہ جس چیز کے لئے انسان کو پوری کوشش کرنی چاہئے، وہ آخرت کے فوائد ہیں، کیونکہ وہ دُنیا کے فوائد کے مقابلے میں بدرجہا زیادہ ہیں۔



لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخْذُومًا ۚ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آفٌ وَلَا تُنْهَرُ هُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۚ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا ۚ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۖ إِنْ تَكُونُوا صَادِقِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلَّهِ وَأَبْنَيْهِ غَفُورًا ۚ وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْيَسِيرِينَ وَالْبَنَ السَّبِيلَ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۚ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۚ

اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ، ورنہ تم قابلِ ملامت (اور) بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ رہو گے۔ (۱۲) اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو، اور نہ انہیں جھڑکو، بلکہ اُن سے عزت کے ساتھ بات کیا کرو، (۱۳) اور اُن کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہوئے اُن کے سامنے اپنے آپ کو انکساری سے جھکاؤ، اور یہ دُعا کرو کہ: ”یا رَبِّ! جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں مجھے پالا ہے، آپ بھی اُن کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیجئے۔“ (۱۴) تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے۔ اگر تم نیک بن جاؤ، تو وہ اُن لوگوں کی خطائیں بہت معاف کرتا ہے جو کثرت سے اُس کی طرف رُجوع کرتے ہیں۔ (۱۵) اور رشتہ دار کو اُس کا حق دو، اور مسکین اور مسافر کو (اُن کا حق)، اور اپنے مال کو بے ہودہ کاموں میں نہ اڑاؤ۔ (۱۶) یقیناً جانو کہ جو لوگ بے ہودہ کاموں میں مال اڑاتے ہیں، وہ شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکر ہے۔ (۱۷)

(۱۲) آیت نمبر ۱۹ میں فرمایا گیا تھا کہ آخرت کی بھلائی حاصل کرنے کے لئے بندے کو ویسی ہی کوشش کرنی ہے جیسی کرنی چاہئے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی طرف اشارہ تھا۔ اب یہاں سے ایسے کچھ احکام کی تفصیل بیان فرمائی جا رہی ہے جس کو سب سے پہلے توحید کے حکم سے شروع کیا گیا ہے، کیونکہ اُس کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔ اس کے بعد کچھ احکام حقوق العباد سے متعلق بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۳) مطلب یہ ہے کہ اگر تم ایمان رکھتے ہو، اور مجموعی حیثیت سے نیکی کے کام کرنے کی کوشش کرتے ہو، پھر بشری تقاضوں سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے، اور تم اُس پر توبہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے رُجوع کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔

(۱۴) قرآن کریم نے یہاں ”تبذیر“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ عام طور سے تبذیر اور اسراف دونوں کا ترجمہ فضول خرچی سے کیا جاتا ہے۔ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر جائز کام میں خرچ کیا جائے، لیکن ضرورت یا اعتدال سے زیادہ خرچ کیا جائے تو وہ



وَأَمَّا تَعْرِضَنَ عَنْهُمْ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ۝۲۸ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝۲۹ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۖ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝۳۰ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرِزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۖ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيرًا ۝۳۱ وَلَا تَقْرَبُوا الرِّزْقَ إِنَّمَا كَانَ فَاخِشَةً ۖ وَسَاءَ سَبِيلًا ۝۳۲ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۖ

اور اگر کبھی تمہیں ان (رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں) سے اس لئے منہ پھیرنا پڑے کہ تمہیں اللہ کی متوقع رحمت کا انتظار ہو تو ایسے میں اُن کے ساتھ نرمی سے بات کر لیا کرو۔ ۲۸ اور نہ تو (ایسے کنجوس بنو کہ) اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ کر رکھو، اور نہ (ایسے فضول خرچ کہ) ہاتھ کو بالکل ہی کھلا چھوڑ دو جس کے نتیجے میں تمہیں قابلِ ملامت اور فحاش ہو کر بیٹھنا پڑے۔ ۲۹ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں وسعت عطا فرما دیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی پیدا کر دیتا ہے۔ یقین رکھو کہ وہ اپنے بندوں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہے، انہیں پوری طرح دیکھ رہا ہے۔ ۳۰ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیں گے، اور تمہیں بھی۔ یقین جانو کہ اُن کو قتل کرنا بڑی بھاری غلطی ہے۔ ۳۱ اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ وہ یقینی طور پر بڑی بے حیائی اور بے راہ روی ہے۔ ۳۲ اور جس جان کو اللہ نے حرمت عطا کی ہے، اُسے قتل نہ کرو، الا یہ کہ تمہیں (شرعاً) اس کا حق پہنچتا ہو۔

”اسراف“ ہے۔ اور اگر مال کو ناجائز اور گناہ کے کام میں خرچ کیا جائے تو وہ ”تبذیر“ ہے۔ اسی لئے یہاں ترجمہ ”بیہودہ کاموں میں مال اُڑانے“ سے کیا گیا ہے۔

(۱۵) یعنی کسی ضرورت مند کو کچھ دینے سے اس لئے انکار کرنے کی نوبت آجائے کہ اُس وقت تمہارے پاس دینے کے لئے کچھ نہ ہو، لیکن تمہیں یہ توقع ہو کہ آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے وسعت عطا فرما دیں گے تو ایسے میں اُس ضرورت مند سے نرم الفاظ میں معذرت کر سکتے ہو۔

(۱۶) مشرکین عرب بعض اوقات تو لڑکیوں کو اس لئے زندہ دفن کر دیتے تھے کہ اپنے گھر میں لڑکی کے وجود ہی کو وہ باعثِ شرم سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض مرتبہ اولاد کو اس لئے قتل کر دیتے تھے کہ اُن کو کھلانے سے مفلس ہو جانے کا احتمال تھا۔

(۱۷) کسی کو قتل کرنے کا حق صرف چند صورتوں میں پہنچتا ہے جن میں سے ایک اہم صورت کا ذکر اگلے جملے میں آ رہا ہے، اور وہ یہ کہ کسی شخص کو ظالمانہ طور پر قتل کر دیا گیا ہو تو اُس کے ولی یعنی وارثوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بدلے میں عدالتی کارروائی کے بعد قاتل کو قتل کریں، یا کروائیں۔ اس بدلے کو ”قصاص“ کہا جاتا ہے۔



وَمَنْ قَتَلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيٍّ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ۝  
 وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۚ إِنَّ  
 الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ ۚ إِذَا كِلْتُمَا وَزَنُومًا بِالْقِسْطِ ۚ الْمُسْتَقِيمِ ۖ ذٰلِكَ خَيْرٌ  
 وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۖ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ  
 أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝

اور جو شخص مظلومانہ طور پر قتل ہو جائے تو ہم نے اُس کے ولی کو (قصاص کا) اختیار دیا ہے۔ چنانچہ اس پر لازم ہے کہ وہ قتل کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرے۔<sup>(۱۸)</sup> یقیناً وہ اس لائق ہے کہ اُس کی مدد کی جائے۔<sup>(۱۹)</sup> اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکو، مگر ایسے طریقے سے جو (اُس کے حق میں) بہترین ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے۔ اور عہد کو پورا کرو، یقین جانو کہ عہد کے بارے میں (تمہاری) باز پرس ہونے والی ہے۔<sup>(۲۰)</sup> اور جب کسی کو کوئی چیز پیمانے سے ناپ کر دو تو پورا ناپو، اور تولنے کے لئے صحیح ترازو استعمال کرو۔ یہی طریقہ درست ہے، اور اسی کا انجام بہتر ہے۔<sup>(۲۱)</sup> اور جس بات کا تمہیں یقین نہ ہو، (اُسے سچ سمجھ کر) اُس کے پیچھے مت پڑو۔ یقین رکھو کہ کان، آنکھ اور دل سب کے بارے میں (تم سے) سوال ہوگا۔<sup>(۲۲)</sup>

(۱۸) قاتل کو قصاص میں قتل کروانے کا حق تو اولیاءِ مقتول کو حاصل ہے، لیکن اس سے زیادہ کسی کارروائی کا حق نہیں ہے۔ چنانچہ ہاتھ پاؤں یا دوسرے اعضاء کو کاٹنا یا قتل کرنے کے لئے کوئی زیادہ تکلیف دہ طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ ایسا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے تو اُسے قرآن کریم نے حد سے تجاوز قرار دیا ہے۔

(۱۹) یہ یتیم کے رشتہ داروں اور خاص طور پر اُس کے سرپرستوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ اگر یتیم کو اپنے مرحوم باپ سے میراث میں کوئی مال ملا ہو تو اُسے امانت سمجھو، اور اُس میں وہی تصرف تمہارے لئے جائز ہے جو یتیم کے حق میں فائدہ مند ہو، کوئی ایسا کام جائز نہیں جس میں اُس کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو، مثلاً کسی کو قرض دے دینا، یا اُس کی طرف سے کسی کو تحفہ دے دینا۔ البتہ جب وہ پختگی کو پہنچ جائے، یعنی بالغ ہو کر اُسے اتنی سمجھ آ جائے کہ وہ اپنے نفع نقصان کو خود سمجھنے لگے تو اُس وقت اُس کا مال اُسی کے حوالے کر دینا واجب ہے۔ یہ مسئلہ قرآن کریم نے تفصیل کے ساتھ سورہ نساء (۲:۴) میں بیان فرمایا ہے۔

(۲۰) مثلاً جب تک کسی شخص کے بارے میں شرعی دلیل سے کوئی جرم یا گناہ ثابت نہ ہو جائے، اُس وقت تک صرف شبہ کی بنیاد پر نہ اُس کے خلاف سزا کی کارروائی جائز ہے، اور نہ دل میں یہ یقین کر لینا جائز ہے کہ واقعی اُس نے جرم یا گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جن باتوں کا نہ یقینی علم حاصل ہے، اور نہ ایسے علم پر دُنیا اور آخرت کا کوئی کام موقوف ہے، بلا وجہ ایسی چیزوں کی تحقیق اور جستجو میں پڑنا بھی جائز نہیں ہے۔

(۲۱) اگر شرعی دلیل کے بغیر کوئی شخص دوسرے کے بارے میں یقین کر کے بیٹھ جائے کہ اس نے فلاں گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو یہ دل کا گناہ ہے، اور اس سے آخرت میں باز پرس ہوگی۔



وَلَا تَشْسِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝ كُلُّ  
 ذِيكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۝ ذَلِكُمْ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۝ وَلَا  
 تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدْحُورًا ۝ أَفَأَصْفُكُمْ رَبُّكُم بِالْبَنِينَ  
 ۝ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا ۝ إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ  
 لِيَذَّكَّرُوا ۝ وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۝ قُلْ لَّوْكَانَ مَعَ إِلَهٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَّابْتَغَوْا  
 إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ۝

اور زمین پر اکڑ کر مت چلو۔ نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو، اور نہ بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتے ہو۔ (۲۲) یہ سارے برے کام ایسے ہیں جو تمہارے پروردگار کو بالکل ناپسند ہیں۔ (۲۳) (اے پیغمبر!) یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو تمہارے پروردگار نے تم پر وحی کے ذریعے پہنچائی ہیں۔ اور (اے انسان!) اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنا، ورنہ تجھے ملامت کر کے، دھکے دے کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ (۲۴) بھلا کیا تمہارے رب نے تمہیں تو بیٹے دینے کے لئے چن لیا ہے، اور خود اپنے لئے فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ بڑی سنگین بات کہہ رہے ہو۔ (۲۵) اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے وضاحتیں کی ہیں، تاکہ لوگ ہوش میں آئیں، مگر یہ لوگ ہیں کہ اس سے ان کے بدکنے ہی میں اور اضافہ ہو رہا ہے۔ (۲۶) کہہ دو کہ: ”اگر اللہ کے ساتھ اور بھی خدا ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو وہ عرش والے (حقیقی خدا) پر چڑھائی کرنے کے لئے کوئی راستہ پیدا کر لیتے۔“ (۲۷)

(۲۲) اکڑ کر چلنے کے لئے ایک تو کچھ لوگ زمین پر زور زور سے پاؤں مار کر چلتے ہیں، دوسرے سینہ تان کر چلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پہلی صورت کے لئے کہا گیا ہے کہ پاؤں چاہے کتنے زور سے مارو، تم زمین کو پھاڑ نہیں سکتے، اور دوسری صورت کے لئے فرمایا گیا ہے کہ سینہ تان کر اپنا قد اونچا کرنے کی کتنی ہی کوشش کر لو، تمہاری لمبائی پہاڑوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی، اور اگر لمبا قد ہی فضیلت اور بڑائی کا معیار ہوتا تو پہاڑوں کو تم سے افضل ہونا چاہئے تھا۔

(۲۳) پیچھے کئی مرتبہ گزرا ہے کہ مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے، حالانکہ خود اپنے لئے بیٹیوں کی پیدائش کو وہ بہت بُرا سمجھتے تھے، اور اپنے لئے ہمیشہ بیٹیوں کی تمنا کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ عجیب معاملہ ہے کہ تمہارے خیال کے مطابق تمہیں تو اللہ تعالیٰ نے بیٹے دینے کے لئے چن لیا ہے، اور خود بیٹیاں رکھی ہیں جو تمہارے خیال کے مطابق باپ کے لئے باعثِ عار ہوا کرتی ہیں۔

(۲۴) یہ توحید کے حق میں اور شرک کے خلاف ایک عام فہم دلیل ہے۔ اور وہ یہ کہ خدا ایسی ذات ہی کو کہا جاسکتا ہے جو ہر کام پر قدرت رکھتی ہو، اور کسی کے حکم کے تابع نہ ہو۔ اب اگر اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی خدا ہوتے تو ان میں سے ہر ایک



سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿٣٣﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۖ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۖ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٣٤﴾ وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَسْتُورًا ﴿٣٥﴾ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا ﴿٣٦﴾

حقیقت یہ ہے کہ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں اُس کی ذات اُن سے بالکل پاک اور بہت بالا و برتر ہے۔ ﴿٣٣﴾ ساتوں آسمان اور زمین اور اُن کی ساری مخلوقات اُس کی پاکی بیان کرتی ہیں، اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اُس کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح نہ کر رہی ہو، لیکن تم لوگ اُن کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔ ﴿٣٤﴾ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا بردبار، بہت معاف کرنے والا ہے۔ ﴿٣٥﴾ اور (اے پیغمبر!) جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور اُن لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ایک اُن دیکھا پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ ﴿٣٦﴾ اور ہم ان کے دلوں پر ایسا غلاف چڑھا دیتے ہیں کہ وہ اُسے سمجھتے نہیں، اور اُن کے کانوں میں گرانی پیدا کر دیتے ہیں۔ اور جب تم قرآن میں تنہا اپنے رب کا ذکر کرتے ہو تو یہ لوگ نفرت کے عالم میں پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ ﴿٣٦﴾

دوسرے سے آزاد ہوتا، اور سب کی قدرت کامل ہوتی۔ چنانچہ یہ دوسرے خدا مل کر عرش والے خدا پر چڑھائی بھی کر سکتے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کو خدا پر چڑھائی کرنے کی قدرت نہیں ہے، اور وہ خود اللہ تعالیٰ کے محکوم ہیں تو پھر وہ خدا ہی کیا ہوئے؟ ثابت ہو گیا کہ کائنات میں حقیقی خدا تو ایک ہی ہے، اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

﴿٢٥﴾ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ساری چیزیں زبان حال سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر چیز ایسی ہے کہ اگر اس کی تخلیق پر غور کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اُس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے، نیز ہر چیز اُسی کے تابع فرمان ہے۔ اور یہ مطلب بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ یہ ساری چیزیں حقیقی معنی میں تسبیح کرتی ہوں، اور ہم اُسے نہ سمجھتے ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز یہاں تک کہ پتھروں میں بھی ایک طرح کی حس پیدا فرمائی ہے، اور یہ بات قرآن کریم کی کئی آیتوں کی روشنی میں زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اور آج کی سائنس نے بھی یہ تسلیم کر لیا ہے کہ پتھروں میں بھی ایک طرح کی حس پائی جاتی ہے۔

﴿٢٦﴾ جو لوگ اپنی اصلاح اور آخرت کی فکر سے غافل ہو کر بس دُنیا کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، اور حق کی کوئی طلب اُن کے دلوں میں پیدا نہیں ہوتی، بلکہ وہ حق کے مقابلے میں ضد اور عناد کی روش اختیار کر لیتے ہیں، وہ حق کو سوچنے سمجھنے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ اُن دیکھا پردہ ہے جو اُن کے اور پیغمبر کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، اور یہی وہ غفلت کا غلاف ہے جو اُن کے دلوں پر مسلط ہو جاتا ہے، اور اُن کے کانوں میں وہ گرانی پیدا کر دیتا ہے جس کی بنا پر وہ حق بات سننے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔



نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَعْبُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَعْبُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنَّا تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ﴿٤٩﴾ أَنْظِرْ كَيْفَ ضَرَبُوا الْكَافِرَ مِثَالَ فَضْلُوفٍ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ﴿٥٠﴾ وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا إِنْ نَحْنُ إِلَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ﴿٥١﴾ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ﴿٥٢﴾ أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا ﴿٥٣﴾ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِ اللَّهِ وَتَظُنُّونَ إِنَّا لَنَبْتَلِيكُمْ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٥٤﴾ وَقُلْ لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿٥٥﴾

ہمیں خوب معلوم ہے کہ جب یہ لوگ تمہاری بات کان لگا کر سنتے ہیں تو کس لئے سنتے ہیں، اور جب یہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں (تو ان باتوں کا بھی ہمیں پورا علم ہے) جب یہ ظالم (اپنی برادری کے مسلمانوں سے) یوں کہتے ہیں کہ: ”تم تو بس ایک ایسے آدمی کے پیچھے چل پڑے ہو جس پر جادو ہو گیا ہے۔“ ﴿٤٩﴾ دیکھو انہوں نے تم پر کیسی کیسی پھبتیاں چست کی ہیں۔ یہ راہ سے بھٹک چکے ہیں، چنانچہ یہ راستے پر نہیں آسکتے۔ ﴿٥٠﴾ اور یہ کہتے ہیں کہ: ”کیا جب ہمارا وجود ہڈیوں میں تبدیل ہو کر چورا چورا ہو جائے گا تو بھلا کیا اُس وقت ہمیں نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھایا جائے گا؟“ ﴿٥١﴾ کہہ دو کہ: ”تم پتھر یا لوہا بھی بن جاؤ۔“ ﴿٥٢﴾ یا کوئی اور ایسی مخلوق بن جاؤ جس کے بارے میں تم دل میں سوچتے ہو کہ (اُس کا زندہ ہونا) اور بھی مشکل ہے، (پھر بھی تمہیں زندہ کر دیا جائے گا) اب وہ کہیں گے کہ: ”کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟“ کہہ دو کہ: ”وہی زندہ کرے گا جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔“ ﴿٥٣﴾ پھر وہ تمہارے سامنے سر ہلا ہلا کر کہیں گے کہ: ”ایسا کب ہوگا؟“ کہہ دینا کہ: ”کیا بعید ہے کہ وہ وقت قریب ہی آگیا ہو۔“ ﴿٥٤﴾ جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اُس کی حمد کرتے ہوئے اُس کے حکم کی تعمیل کرو گے، اور یہ سمجھ رہے ہو گے کہ تم بس تھوڑی سی مدت (دُنیا میں) رہے تھے۔ ﴿٥٥﴾ میرے (مؤمن) بندوں سے کہہ دو کہ وہی بات کہا کریں جو بہترین ہو۔ درحقیقت شیطان لوگوں کے درمیان فساد ڈالتا ہے۔ شیطان یقینی طور پر انسان کا کھلا دشمن ہے۔ ﴿٥٦﴾

(٢٧) اشارہ اس طرف ہے کہ کسی چیز کو پہلی بار عدم سے وجود میں لانا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف ایک مرتبہ پیدا کرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔ جس خدا نے پہلی بار پیدا کرنے کا زیادہ مشکل کام اپنی قدرت سے انجام دیا ہے، اُس کے بارے میں یہ ماننے میں کیا دشواری ہے کہ وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔

(٢٨) اس آیت میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ جب ان کی کافروں کے ساتھ گفتگو ہو تو اُن کے ساتھ بھی خوش اُسلوبی کے



رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ ۖ إِنَّ يَشَاءُ يَرْحَكُمْ أَوْ إِنَّ يَشَاءُ يُعَذِّبْكُمْ ۖ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ  
وَكَيْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى  
بَعْضٍ وَاتَّيْنَا دَاوُدَ ذُبُورًا ﴿۵۵﴾ قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ  
الصُّبُرِ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ﴿۵۶﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ  
أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴿۵۷﴾ وَإِنْ  
مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَمَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ۚ كَانَ ذَٰلِكَ  
فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿۵۸﴾

تمہارا پروردگار تمہیں خوب جانتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم پر رحم فرمادے، اور چاہے تو تمہیں عذاب دیدے، اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں ان کی باتوں کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ ﴿۵۴﴾ اور تمہارا پروردگار اُن سب کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ اور ہم نے کچھ نبیوں کو دوسرے نبیوں پر فضیلت دی ہے، اور ہم نے داود کو زبور عطا کی تھی۔ ﴿۵۵﴾ (جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کو مانتے ہیں، اُن سے) کہہ دو کہ: ”جن کو تم نے اللہ کے سوا معبود سمجھ رکھا ہے، انہیں پکار کر دیکھو۔ ہوگا یہ کہ نہ وہ تم سے کوئی تکلیف دُور کر سکیں گے، اور نہ اُسے تبدیل کر سکیں گے۔“ ﴿۵۶﴾ جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ تو خود اپنے پروردگار تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ اُن میں سے کون اللہ کے زیادہ قریب ہو جائے، اور وہ اُس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں، اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ یقیناً تمہارے رب کا عذاب ہے ہی ایسی چیز جس سے ڈرا جائے۔ ﴿۵۷﴾ اور کوئی بستی ایسی نہیں ہے جسے ہم روزِ قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں، یا اُسے سخت عذاب نہ دیں۔ یہ بات (تقدیر کی) کتاب میں لکھی جا چکی ہے۔ ﴿۵۸﴾

ساتھ بات کیا کریں، کیونکہ غصے کے عالم میں سخت قسم کی باتوں سے فائدے کے بجائے نقصان ہوتا ہے، اور ایسی باتیں شیطان اس لئے کہلواتا ہے کہ ان سے فساد پیدا ہو۔

﴿۲۹﴾ اس سے مراد بت نہیں، بلکہ وہ فرشتے اور جنات ہیں جن کو مشرکین عرب خدائی کا درجہ دیا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ خدا تو کیا ہوتے، خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اور اُس کے تقرب کے راستے ڈھونڈتے رہتے ہیں۔

﴿۳۰﴾ یعنی اگر کافروں پر ابھی جلدی سے کوئی عذاب نہیں آ رہا ہے تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہمیشہ کے لئے عذاب سے بچ گئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یا تو ان پر کوئی سخت عذاب دُنیا ہی میں آ جائے گا، ورنہ قیامت سے پہلے پہلے سبھی کو ہلاک ہونا ہے، اور پھر آخرت میں ان کافروں کو دائمی عذاب ہو کر رہے گا۔



وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ۖ وَاتَّبِعَتْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً ۖ فَظَلَمُوا بِهَا ۖ وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا ۝ (۵۹) وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ ۖ وَمَا جَعَلْنَا الرُّعْيَا الَّتِي أَرَيْنِكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ ۖ وَنُخَوِّفُهُمْ ۖ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ۝ (۶۰)

اور ہم کو نشانیاں (یعنی کفار کے مانگے ہوئے معجزات) بھیجنے سے کسی اور چیز نے نہیں، بلکہ اس بات نے روکا ہے کہ پچھلے لوگ ایسی نشانیوں کو جھٹلا چکے ہیں۔ اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی تھی جو آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھی، مگر انہوں نے اُس کے ساتھ ظلم کیا۔ اور ہم نشانیاں ڈرانے ہی کے لئے بھیجتے ہیں۔ (۵۹) اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے کہا تھا کہ تمہارا پروردگار (اپنے علم سے) تمام لوگوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور ہم نے جو نظارہ تمہیں دکھایا ہے، اُس کو ہم نے (کافر) لوگوں کے لئے بس ایک فتنہ بنا دیا، نیز اُس درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت آئی ہے۔ اور ہم تو ان کو ڈراتے رہتے ہیں، لیکن اس سے ان کی سخت سرکشی ہی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ (۶۰)

(۳۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معجزات دیکھنے کے باوجود مشرکین آپ سے نت نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے۔ یہ ان مطالبات کا جواب ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کافروں کو کوئی فرمائشی معجزہ دکھایا جاتا ہے، اور وہ اُس کے باوجود ایمان نہیں لاتے، تو انہیں عذاب سے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ قوم ثمود کے مطالبے پر پہاڑ سے اونٹنی نکال دی تھی، مگر وہ پھر بھی نہ مانے اس لئے عذاب کا شکار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ مشرکین عرب بھی اپنا فرمائشی معجزہ دیکھنے کے باوجود اُسی طرح پیغمبر کو جھٹلاتے رہیں گے جس طرح پچھلی قوموں نے جھٹلایا تھا۔ چونکہ ابھی ان کو ہلاک کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کو منظور نہیں ہے، اس لئے فرمائشی معجزات نہیں دکھائے جا رہے ہیں۔

(۳۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ یہ ہٹ دھرم لوگ کسی صورت میں ایمان نہیں لائیں گے۔ چنانچہ ان کی ہٹ دھرمی کی آگے دو مثالیں دی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے موقع پر جو نظارہ دکھایا، وہ آپ کے پیغمبر ہونے کی کھلی ہوئی دلیل تھی۔ کافروں نے آپ سے بیت المقدس کے بارے میں مختلف سوالات کئے، اور آپ نے سب کے ٹھیک ٹھیک جوابات دے دیئے جس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ واقعی آپ نے راتوں رات یہ سفر کیا ہے۔ لیکن اتنی کھلی ہوئی بات سامنے آ جانے کے بعد بھی یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹے رہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ قرآن کریم نے فرمایا تھا کہ رُقوم کا درخت دوزخیوں کی غذا ہوگی، اور یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ درخت جہنم ہی میں پیدا ہوتا ہے۔ اس پر کافروں نے ایمان لانے کے بجائے مذاق اڑانا شروع کیا کہ بھلا آگ میں درخت کیسے پیدا ہو سکتا ہے، اور یہ نہ سوچا کہ جس ذات نے آگ پیدا کی ہے، اگر وہ اُسی آگ میں کوئی درخت بھی پیدا کر دے جس کی خاصیت عام درختوں سے مختلف ہو تو بھلا اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

(۳۳) یعنی اُس سے ہدایت حاصل کرنے کے بجائے یہ اور گمراہی میں پڑ گئے جس کی تفصیل اوپر کے حاشیہ میں گذری۔



وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ قَالَ عَسَىٰ أَسْجُدُ لِمَن خَلَقْتَ طِينًا ۖ قَالَ أَرَأَيْتَكَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَنُحْثَرْتَنِي إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا تَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ۖ قَالَ اذْهَبْ فَمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاءُكُمْ جَزَاءً مَّوْفُورًا ۖ وَاسْتَفْزِرْ مَن اسْتَطَاعَتْ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعَدُودِهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۖ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۖ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ۖ

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے سجدہ کیا، لیکن ابلیس نے نہیں کیا۔ اُس نے کہا کہ: ”کیا میں اُس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟“ (۲۱) کہنے لگا: ”بھلا بتاؤ یہ ہے وہ مخلوق جسے تو نے میرے مقابلے میں عزت بخشی ہے! اگر تو نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دی تو میں اس کی اولاد میں سے تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب کے جبروں میں لگام ڈالوں گا۔“ (۲۲) اللہ نے کہا: ”جا پھر ان میں سے جو تیرے پیچھے چلے گا تو جہنم ہی تم سب کی سزا ہوگی، مکمل اور بھرپور سزا۔“ (۲۳) اور ان میں سے جس جس پر تیرا بس چلے، انہیں اپنی آواز سے بہکا لے، اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کی فوج چڑھالا، اور ان کے مال اور اولاد میں اپنا حصہ لگا لے، اور اُن سے خوب وعدے کر لے — اور (حقیقت یہ ہے کہ) شیطان اُن سے جو وعدہ بھی کرتا ہے، وہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہوتا — (۲۴) یقین رکھ کہ جو میرے بندے ہیں، ان پر تیرا کوئی بس نہیں چلے گا، اور تیرا پروردگار (ان کی) رکھوالی کے لئے کافی ہے۔“ (۲۵)

(۲۲) یعنی انہیں اس طرح اپنے قابو میں کر لوں گا جیسے گھوڑے وغیرہ کو جبروں میں لگام دے کر قابو میں کیا جاتا ہے۔

(۲۵) آواز سے بہکانے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن کے دلوں میں گناہ کے وسوسے پیدا کرے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد گانے بجانے کی آواز ہے جو انسان کو گناہ میں مبتلا کرتی ہے۔

(۲۶) شیطان کو دشمن کی فوج سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح ایک فوج میں سواروں کے بھی دستے ہوتے ہیں، اور پیدل چلنے والے دستے بھی، اسی طرح شیطان اپنی ایک فوج رکھتا ہے جس میں شریر جنات اور انسان شامل ہیں۔ یہ سب مل کر انسانوں کو بہکانے میں شیطان کی مدد کرتے ہیں۔

(۲۷) اس میں اشارہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مال و دولت اور اولاد کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف حاصل کرتا یا انہیں

ناجائز کاموں میں استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے مال اور اولاد میں شیطان کا حصہ لگالیا ہے۔

(۲۸) ”میرے بندوں“ سے مراد وہ مخلص بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی فکر رکھتے ہیں۔



رَبُّكُمْ الَّذِي يُزْجِي لَكُمْ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۖ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝  
وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِلَٰهًا فَلَمَّا نَجَّيْكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۖ  
وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ۝ ۶۸ ۖ أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ  
لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ۝ ۶۹ ۖ أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا  
مِّنَ الرِّيحِ فَيَغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۚ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَابِهِ تَبِيعًا ۝ ۷۰ ۖ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ  
وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝ ۷۱  
يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا  
يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝ ۷۲

تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتیاں لے چلتا ہے، تاکہ تم اُس کا فضل تلاش کرو۔ یقیناً وہ تمہارے  
ساتھ بڑی رحمت کا معاملہ کرنے والا ہے۔ ۶۸ اور جب سمندر میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو جن (دیوتاؤں) کو تم  
پکارا کرتے ہو، وہ سب غائب ہو جاتے ہیں، بس اللہ ہی اللہ رہ جاتا ہے۔ پھر جب اللہ تمہیں بچا کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے  
تو تم منہ موڑ لیتے ہو۔ اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ ۶۹ تو کیا تمہیں اس بات کا کوئی ڈر نہیں رہا کہ اللہ تمہیں خشکی ہی کے  
ایک حصے میں دھنسا دے، یا تم پر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے، اور پھر تمہیں اپنا کوئی رکھوالا نہ ملے؟ ۷۰ اور کیا تم  
اس بات سے بھی بے فکر ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ اُسی (سمندر) میں لے جائے، پھر تم پر ہوا کا طوفان بھیج کر تمہاری  
ناشکری کی سزا میں تمہیں غرق کر ڈالے، پھر تمہیں کوئی نہ ملے جو اس معاملے میں ہمارا پیچھا کر سکے؟ ۷۱ اور حقیقت یہ ہے  
کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے، اور انہیں خشکی اور سمندر دونوں میں سواریاں مہیا کی ہیں، اور ان کو پاکیزہ چیزوں  
کا رزق دیا ہے، اور ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے۔ ۷۲ اُس دن کو یاد رکھو جب ہم تمام انسانوں کو اُن  
کے اعمال ناموں کے ساتھ بلائیں گے۔ پھر جنہیں اُن کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، تو وہ اپنے اعمال نامے کو  
پڑھیں گے، اور ان پر ریشہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔ ۷۳

(۳۹) یعنی اس معاملے میں نہ کوئی ہم سے کسی قسم کی باز پرس کر سکتا ہے کہ ہم نے ایسے لوگوں کو کیوں ہلاک کیا، اور نہ کوئی ہمارے  
فیصلے کو ٹالنے کے لئے ہمارا پیچھا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔



وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۴۰﴾ وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُوكَ  
عَنِ الذِّمِّ أَوْ حِينًا إِلَيْكَ لَتَفْتُنِي عَلَيْهَا غَيْرَهَا ۖ وَإِذَا لَا تَخَذُوكَ خَلِيلًا ﴿۴۱﴾ وَلَوْلَا أَنْ  
ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكُنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ﴿۴۲﴾ إِذَا لَا ذَقْنَكَ ضَعْفَ الْحَيَاةِ وَضَعْفَ  
الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْهَا نَصِيرًا ﴿۴۳﴾ وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفْرِزُواكَ مِنَ الْأَرْضِ  
لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذَا لَا يَلْبَثُونَ خَلْفَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۴۴﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ  
رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿۴۵﴾

ع

اور جو شخص دُنیا میں اندھا بنا رہا، وہ آخرت میں بھی اندھا، بلکہ راستے سے اور زیادہ بھٹکا ہوا رہے گا۔ ﴿۴۰﴾ اور (اے پیغمبر!) جو وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے، یہ (کافر) لوگ تمہیں فتنے میں ڈال کر اُس سے ہٹانے لگے تھے، تاکہ تم اُس کے بجائے کوئی اور بات ہمارے نام پر گھڑ کر پیش کرو، اور اُس صورت میں یہ تمہیں اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔ ﴿۴۱﴾ اور اگر ہم نے تمہیں ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو تم بھی اُن کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے۔ ﴿۴۲﴾ اور اگر ایسا ہو جاتا تو ہم تمہیں دُنیا میں بھی دُگنی سزا دیتے، اور مرنے کے بعد بھی دُگنی، پھر تمہیں ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ ملتا۔ ﴿۴۳﴾ اس کے علاوہ یہ لوگ اس فکر میں بھی ہیں کہ اس سرزمین (مکہ) سے تمہارے قدم اُکھاڑیں، تاکہ تمہیں یہاں سے نکال باہر کریں۔ اور اگر ایسا ہوا تو یہ بھی تمہارے بعد زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکیں گے۔ ﴿۴۴﴾ یہ ہمارا وہ طریق کار ہے جو ہم نے اپنے اُن پیغمبروں کے ساتھ اختیار کیا تھا جو ہم نے تم سے پہلے بھیجے تھے۔ اور تم ہمارے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ ﴿۴۵﴾

﴿۴۰﴾ یہاں اندھا ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ دُنیا میں حق کو دیکھنے سے محروم رہا، چنانچہ وہ آخرت میں بھی نجات کا راستہ نہیں دیکھ سکے گا۔

﴿۴۱﴾ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے گناہوں سے معصوم بنایا تھا، جس کی بنا پر آپ ہر موقع پر ثابت قدم رہے۔ اگرچہ آپ سے کافروں کی بات ماننے کا دُور دُور احتمال نہیں تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی فرضی نافرمانی کی صورت میں سزا کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح فرمادی کہ کسی بھی شخص کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب ہونے کا اصل مدار اُس کے اعمال پر ہے، اور کوئی شخص کتنا ہی مقرب ہو، اگر گناہ کا ارتکاب کرے گا تو سزا کا مستحق ہوگا، بلکہ مقرب ہونے کی وجہ سے اُسے دُگنی سزا دی جائے گی۔

﴿۴۲﴾ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمانے کے بعد یہ کافر لوگ بھی مکہ مکرمہ میں زیادہ عرصہ نہیں رہ سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ہجرت کے آٹھ سال بعد مکہ مکرمہ فتح ہو گیا، اور نویں سال تمام کافروں کو یہاں سے نکل جانے کا حکم مل گیا جس کی تفصیل سورہ توبہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔



أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿۴۸﴾  
وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ ۚ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ﴿۴۹﴾ وَقُلْ رَبِّ  
أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِيرًا ﴿۵۰﴾

(اے پیغمبر!) سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز قائم کرو، اور فجر کے وقت قرآن پڑھنے کا اہتمام کرو۔ یاد رکھو کہ فجر کی تلاوت میں مجمع حاضر ہوتا ہے۔ ﴿۴۸﴾ اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھا کرو جو تمہارے لئے ایک اضافی عبادت ہے۔ اُمید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہیں مقام محمود تک پہنچائے گا۔ ﴿۴۹﴾ اور یہ دُعا کرو کہ: ”یا رَبِّ! مجھے جہاں داخل فرما اچھائی کے ساتھ داخل فرما، اور جہاں سے نکال اچھائی کے ساتھ نکال، اور مجھے خاص اپنے پاس سے ایسا اقتدار عطا فرما جس کے ساتھ (تیری) مدد ہو۔“ ﴿۵۰﴾

﴿۴۸﴾ سورج ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے تک ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی چار نمازوں کی طرف اشارہ ہے۔ اور فجر کی نماز کا ذکر الگ سے اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اُس وقت لوگوں کو نماز کے لئے اُٹھنا پڑتا ہے جس میں دوسری نمازوں کے مقابلے میں زیادہ مشقت ہوتی ہے۔ اس لئے اُس کو خاص اہمیت کے ساتھ الگ ذکر فرمایا گیا ہے۔

﴿۴۹﴾ اکثر مفسرین نے اس کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ صبح کی نماز میں جو تلاوت کی جاتی ہے، اُس میں فرشتوں کا مجمع حاضر ہوتا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی نگرانی کے لئے جو فرشتے مقرر ہیں، وہ باری باری اپنے فرائض انجام دیتے ہیں، چنانچہ ایک جماعت فجر کے وقت آتی ہے جو سارے دن اپنے فرائض انجام دیتی ہے، اور دوسری جماعت شام کو عصر کے وقت آتی ہے۔ پہلی جماعت فجر کی نماز میں آکر شریک ہوتی ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس سے نمازیوں کی حاضری مراد لی ہے۔ یعنی فجر کی نماز میں چونکہ نمازیوں کو حاضری کا موقع دینے کے لئے اُس نماز میں لمبی تلاوت کرنی چاہئے۔

﴿۵۰﴾ اضافی عبادت کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اضافی طور پر فرض تھی، عام مسلمانوں کے لئے فرض نہیں تھی۔ اور بعض مفسرین نے اضافی عبادت کا مطلب یہ لیا ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی نفلی عبادت ہے۔

﴿۵۱﴾ مقام محمود کے لفظی معنی ہیں ”قابل تعریف مقام“ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ منصب ہے جس کے تحت آپ کو شفاعت کا حق دیا جائے گا۔

﴿۵۲﴾ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو اپنا مستقر قرار دینے کا حکم ہوا تھا۔ اُس وقت آپ کو یہ دُعا مانگنے کی تلقین فرمائی گئی تھی، اور اس میں داخل کرنے سے مدینہ منورہ میں داخل کرنا اور نکالنے سے مکہ مکرمہ سے نکالنا مراد ہے۔ لیکن الفاظ عام ہیں، اس لئے یہ دُعا ہر اُس موقع پر کی جاسکتی ہے جب کوئی شخص کسی نئی جگہ جانے کا یا نیا کام شروع کرنے کا ارادہ کر رہا ہو۔



وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿۸۱﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ  
 شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَإِذَا آتَيْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ  
 عُرْضًا وَنَابِجَانِبِهِ ۖ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَكُوسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلُّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ ۖ فَرَبُّكُمْ  
 أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَى سَبِيلًا ﴿۸۴﴾ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا  
 أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۸۵﴾ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ  
 بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ﴿۸۶﴾

اور کہو کہ: ”حق آن پہنچا، اور باطل مٹ گیا، اور یقیناً باطل ایسی ہی چیز ہے جو مٹنے والی ہے۔“ ﴿۸۱﴾ اور ہم وہ قرآن نازل کر رہے ہیں جو مؤمنوں کے لئے شفا اور رحمت کا سامان ہے، البتہ ظالموں کے حصے میں اُس سے نقصان کے سوا کسی اور چیز کا اضافہ نہیں ہوتا۔ ﴿۸۲﴾ اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت دیتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے، اور پہلو بدل لیتا ہے، اور اگر اُس کو کوئی بُرائی چھو جائے تو مایوس ہو بیٹھتا ہے۔ ﴿۸۳﴾ کہہ دو کہ: ”ہر شخص اپنے اپنے طریقے پر کام کر رہا ہے۔ اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ صحیح راستہ پر ہے۔“ ﴿۸۴﴾

اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے رُوح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ: ”رُوح میرے پروردگار کے حکم سے (بنی) ہے۔ اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے، وہ بس تھوڑا ہی سا علم ہے۔“ ﴿۸۵﴾ اور اگر ہم چاہیں تو جو کچھ وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے، وہ ساری واپس لے جائیں، پھر تم اُسے واپس لانے کے لئے ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار بھی نہ پاؤ۔ ﴿۸۶﴾

﴿۸۸﴾ اس آیت کریمہ میں یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ حق یعنی اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہونے والا ہے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا اور حرم میں داخل ہو کر کعبے میں بنے ہوئے بت گرائے تو اُس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہی آیات تھیں۔

﴿۸۹﴾ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینے کے لئے یہ سوال کیا تھا کہ رُوح کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اور جواب میں اتنی ہی بات بیان فرمائی گئی ہے جو انسان کی سمجھ میں آسکتی ہے، اور وہ یہ کہ رُوح کی پیدائش براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی ہے۔ انسان کے جسم اور دوسری مخلوقات میں تو یہ بات مشاہدے میں آجاتی ہے کہ ان کی پیدائش میں کچھ ظاہری اسباب کا دخل ہوتا ہے، مثلاً نر اور مادہ کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن رُوح ایسی چیز ہے جس کی تخلیق کا کوئی عمل انسان کے مشاہدے میں نہیں آتا۔ یہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آتی ہے۔ اس سے زیادہ رُوح کی حقیقت کو سمجھنا انسانی عقل کے بس میں نہیں ہے۔ اس لئے یہ فرما دیا گیا ہے کہ تمہیں بہت تھوڑا علم عطا کیا گیا ہے، اور بہت سی چیزیں تمہاری سمجھ سے باہر ہیں۔



إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ﴿۸۹﴾ قُلْ لِّدِينِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴿۹۰﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿۹۱﴾ وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ﴿۹۲﴾ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن مَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ﴿۹۳﴾ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا أَوْ تَأْتِي بِنَا إِلَٰهٍ وَالْمَلِكَةِ قَبِيلًا ﴿۹۴﴾ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ ۚ وَلَن نُّؤْمِنَ بِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرُؤُهُ ۚ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مَّرْسُولًا ﴿۹۵﴾

لیکن یہ تو تمہارے رب کی طرف سے ایک رحمت ہے (کہ وحی کا سلسلہ جاری ہے) حقیقت یہ ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر جو فضل ہو رہا ہے، وہ بڑا عظیم ہے۔ ﴿۸۹﴾ کہہ دو کہ: ”اگر تمام انسان اور جنات اس کام پر اکٹھے بھی ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا کلام بنا کر لے آئیں، تب بھی وہ اس جیسا نہیں لاسکیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کی کتنی مدد کر لیں۔“ ﴿۹۰﴾ اور ہم نے انسانوں کی بھلائی کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی حکمت کی باتیں طرح طرح سے بیان کی ہیں، پھر بھی اکثر لوگ انکار کے سوا کسی اور بات پر راضی نہیں ہیں۔ ﴿۹۱﴾ اور کہتے ہیں کہ: ”ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم زمین کو پھاڑ کر ہمارے لئے ایک چشمہ نہ نکال دو، ﴿۹۲﴾ یا پھر تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو جائے، اور تم اس کے بیج بیج میں زمین کو پھاڑ کر نہریں جاری کر دو، ﴿۹۳﴾ یا جیسے تم دعوے کرتے ہو، آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے ہم پر گرا دو، یا پھر اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے آمنے سامنے لے آؤ، ﴿۹۴﴾ یا پھر تمہارے لئے ایک سونے کا گھر پیدا ہو جائے، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ، اور ہم تمہارے چڑھنے کو بھی اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک تم ہم پر ایسی کتاب نازل نہ کر دو جسے ہم پڑھ سکیں۔“ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ”سبحان اللہ! میں تو ایک بشر ہوں جسے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔“ ﴿۹۵﴾

(۵۰) آیت ۸۹ سے ۹۲ تک مشرکین مکہ کے وہ مطالبات بیان فرمائے گئے ہیں جو وہ محض ضد کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے۔ آپ کے متعدد معجزات ان پر ظاہر ہو چکے تھے، لیکن وہ پھر بھی نت نئی فرمائشوں سے باز نہیں آتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ساری فرمائشوں کا یہ مختصر جواب دینے کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ میں خدا نہیں ہوں کہ یہ سارے کام میرے اختیار میں ہوں۔ میں تو ایک انسان ہوں، البتہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت جو معجزات مجھے عطا فرمادیئے ہیں، اُن سے زیادہ اپنے اختیار سے میں کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا۔



وَمَآ مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ﴿٩٥﴾ قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَسْمُونَ مُطَاعِينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا ﴿٩٥﴾ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿٩٦﴾ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِهِ ۚ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلَىٰ وَجُوهِهِمْ عُمِيًّا ۚ إِنَّهُمْ عَمُوا وُجُوهًا ۚ مَا أَوْفَاهُمْ وَصَّائًا ۖ مَا أَوْفَاهُمْ جَهَنَّمَ ۖ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا ﴿٩٧﴾ ۚ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَقَالُوا ۚ إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا ۖ إِنْآلِ بَعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ﴿٩٨﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ فَأَبَى الظَّالِمُونَ إِلَّا كُفُورًا ﴿٩٩﴾

اور جب ان لوگوں کے پاس ہدایت کا پیغام آیا تو ان کو ایمان لانے سے اسی بات نے تورو کا کہ وہ کہتے تھے: ”کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟“ ﴿۹۵﴾ کہہ دو کہ: ”اگر زمین میں فرشتے ہی اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو بیشک ہم آسمان سے کسی فرشتے کو رسول بنا کر ان پر اتار دیتے۔“ ﴿۹۵﴾ کہہ دو کہ: ”اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بننے کے لئے کافی ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں سے پوری طرح باخبر ہے، سب کچھ دیکھ رہا ہے۔“ ﴿۹۶﴾ اور جسے اللہ ہدایت دے، وہی صحیح راستے پر ہوتا ہے، اور جن لوگوں کو وہ گمراہی میں مبتلا کر دے، تو اُس کے سوا تمہیں اُن کے کوئی مددگار نہیں مل سکتے۔ اور ہم اُنہیں قیامت کے دن منہ کے بل اس طرح اکٹھا کریں گے کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جب کبھی اُس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی، ہم اُسے اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔ ﴿۹۷﴾ یہ اُن کی سزا ہے، کیونکہ اُنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا، اور یہ کہا تھا کہ: ”کیا جب ہم (مرکر) ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ جائیں گے، اور چورا چورا ہو جائیں گے تو کیا پھر بھی ہمیں نئے سرے سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟“ ﴿۹۸﴾ بھلا کیا اُنہیں اتنی سی بات نہیں سوجھی کہ وہ اللہ جس نے سارے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، وہ اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے آدمی پھر سے پیدا کر دے؟ اور اُس نے ان کے لئے ایک ایسی میعاد مقرر کر رکھی ہے جس (کے آنے) میں ذرا بھی شک نہیں ہے۔ پھر بھی یہ ظالم انکار کے سوا کسی بات پر راضی نہیں۔ ﴿۹۹﴾

(۵۱) مطلب یہ ہے کہ پیغمبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اُسی جنس سے ہو جس کی طرف وہ بھیجا جا رہا ہے، تاکہ وہ ان کی فطری ضروریات کو سمجھ کر اور ان کی نفسیات سے واقف ہو کر ان کی رہنمائی کرے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے، اس لئے آپ کا انسان ہونا قابلِ اعتراض نہیں، بلکہ حکمت کے عین مطابق ہے۔ ہاں اگر دنیا میں فرشتے آباد ہوتے تو بیشک ان کے پاس فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا۔



قُلْ لَّوْ أَنْتُمْ تَسْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ ۖ وَكَانَ  
 ۱۷۱ الْإِنْسَانُ قَتُورًا ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ فَسُئِلَ بَنِي إِسْرَآءَ عِیْلَ إِذْ جَاءَهُمْ  
 فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يُوسُفُی مَسْحُورًا ۝ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُ مَا أُنْزِلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا  
 رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِصَآئِرٍ ۚ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ لِفِرْعَوْنَ مَثْبُورًا ۝ فَأَرَادَ أَنْ  
 یُسْتَفِزَّهُمْ مِنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنَاهُ وَمَنْ مَّعَهُ جَمِیعًا ۝ وَقُلْنَا مَنْ بَعْدَ لِبَنِي إِسْرَآءَ عِیْلَ  
 اسْكُنُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جُنَّابُكُمُ لَفِیْقًا ۝

(اے پیغمبر! ان کافروں سے) کہہ دو کہ: ”اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے کہیں تمہارے اختیار میں ہوتے تو تم  
 خرچ ہو جانے کے ڈر سے ضرور ہاتھ روک لیتے، اور انسان ہے ہی بڑا تنگ دل!“ ۱۷۱ اور ہم نے موسیٰ کو نوہ کھلی کھلی  
 نشانیاں دی تھیں۔ اب بنو اسرائیل سے پوچھ لو کہ جب وہ ان لوگوں کے پاس گئے تو فرعون نے اُن سے کہا کہ: ”اے  
 موسیٰ! تمہارے بارے میں میرا تو خیال یہ ہے کہ کسی نے تم پر جادو کر دیا ہے۔“ ۱۷۲ موسیٰ نے کہا: ”تمہیں خوب معلوم  
 ہے کہ یہ ساری نشانیاں کسی اور نے نہیں، آسمانوں اور زمین کے پروردگار نے بصیرت پیدا کرنے کے لئے نازل کی  
 ہیں۔ اور اے فرعون! تمہارے بارے میں میرا گمان یہ ہے کہ تمہاری بربادی آنے والی ہے۔“ ۱۷۳ پھر فرعون نے یہ  
 ارادہ کیا تھا کہ ان سب (بنو اسرائیل) کو اس سرزمین سے اُکھاڑ پھینکے، لیکن ہم نے اُسے اور جتنے لوگ اُس کے ساتھ  
 تھے، اُن سب کو غرق کر دیا، ۱۷۴ اور اُس کے بعد بنو اسرائیل سے کہا کہ: ”تم زمین میں بسو، پھر جب آخرت کا وعدہ پورا  
 ہونے کا وقت آئے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے حاضر کر دیں گے۔“ ۱۷۵

(۱۷۲) رحمت کے خزانوں سے یہاں مراد نبوت عطا کرنے کا اختیار ہے۔ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار  
 کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ یہ مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی کو کیوں نہیں دی گئی؟ گویا وہ یہ کہہ رہے تھے کہ کسی کو نبوت ہماری  
 مرضی سے دینی چاہئے تھی۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرما رہے ہیں کہ اگر نبوت عطا کرنے کا اختیار تمہیں دے دیا جاتا تو تم اس میں  
 اُسی طرح بخل سے کام لیتے جیسے دنیوی دولت کے معاملے میں بخل کرتے ہو کہ خرچ ہونے کے ڈر سے کسی کو نہیں دیتے۔

(۱۷۳) ایک صحیح حدیث میں ان نو نشانوں کی تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ نو احکام تھے۔ شرک نہ  
 کرو، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، کسی کو ناحق قتل نہ کرو، کسی پر جھوٹا الزام لگا کر اُسے قتل یا سزا کے لئے پیش نہ کرو، جادو نہ کرو، سود نہ  
 کھاؤ، پاک دامن عورتوں پر بہتان نہ باندھو، اور جہاد میں پیٹھ دکھا کر نہ بھاگو (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)۔



وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۖ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ (۱۰۵) وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكُثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝ (۱۰۶) قُلْ آمِنُوا بِهِ أَوْ لَا تُؤْمِنُوا ۖ إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَى عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلَّهِ ذُقَانٍ سُجَّدًا ۝ (۱۰۷) وَيَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ۝ (۱۰۸) وَيَخِرُّونَ لِلَّهِ ذُقَانٍ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ۝ (۱۰۹) قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَدْعُوا الرِّحْمَنِ ۖ أَيَّامًا تَدْعُو ۚ فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَلَا تَجْهَرُوا بِصَلَاتِكُمْ وَلَا تَخَافُتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۝ (۱۱۰) وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذَّلِيلِ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ۝ (۱۱۱)

اور ہم نے اس قرآن کو حق ہی کے ساتھ نازل کیا ہے، اور حق ہی کے ساتھ یہ اُترا ہے۔ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں کسی اور کام کے لئے نہیں، بلکہ صرف اس لئے بھیجا ہے کہ تم (فرماں برداروں کو) خوشخبری دو، اور (نافرمانوں کو) خبردار کرو۔ (۱۰۵) اور ہم نے قرآن کے جدا جدا حصے بنائے، تاکہ تم اُسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کے سامنے پڑھو، اور ہم نے اُسے تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا ہے۔ (۱۰۶) (کافروں سے) کہہ دو کہ: ”چاہے تم اس پر ایمان لاؤ، یا نہ لاؤ، جب یہ (قرآن) اُن لوگوں کے سامنے پڑھا جاتا ہے جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا تھا تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں، اور کہتے ہیں: ”پاک ہے ہمارا پروردگار! بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ تو پورا ہی ہو کر رہتا ہے۔“ (۱۰۸) اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر جاتے ہیں، اور یہ (قرآن) اُن کے دلوں کی عاجزی کو اور بڑھا دیتا ہے۔ (۱۰۹) کہہ دو کہ: ”چاہے تم اللہ کو پکارو، یا رحمن کو پکارو، جس نام سے بھی (اللہ کو) پکارو گے، (ایک ہی بات ہے) کیونکہ تمام بہترین نام اُسی کے ہیں۔“ اور تم اپنی نماز نہ بہت اونچی آواز سے پڑھو، اور نہ بہت پست آواز سے، بلکہ ان دونوں کے درمیان (معتدل) راستہ اختیار کرو۔ (۱۱۰) اور کہو کہ: ”تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے نہ کوئی بیٹا بنایا، نہ اُس کی سلطنت میں کوئی شریک ہے، اور نہ اُسے عاجزی سے بچانے کے لئے کوئی حمایتی درکار ہے۔“ اور اُس کی ایسی بڑائی بیان کرو جیسی بڑائی بیان کرنے کا اُسے حق حاصل ہے۔ (۱۱۱)

(۱۰۵) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں تورات اور انجیل کا علم دیا گیا تھا۔ چونکہ ان کتابوں میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی گئی تھی، اس لئے ان کے مخلص لوگ قرآن کریم کو سن کر یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آخر زمانے میں جس کتاب کے نازل کرنے اور جس پیغمبر کو بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا، وہ پورا ہو گیا۔



(۵۵) یہ سجدہ تلاوت کی آیت ہے۔ یہ آیت جب بھی عربی زبان میں پڑھی جائے، سجدہ کرنا واجب ہے۔ البتہ صرف ترجمہ پڑھنے سے یا دلِ دل میں زبانِ بلائے بغیر پڑھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔

(۵۶) اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ عرب کے مشرکین اللہ تعالیٰ کے نام ”رحمن“ کو نہیں مانتے تھے، چنانچہ جب مسلمان ”یا اللہ! یا رحمن!“ کہہ کر کوئی دُعا کرتے تو وہ مذاق اڑاتے تھے، اور کہتے تھے کہ ایک طرف تو تم کہتے ہو کہ اللہ ایک ہے، اور دوسری طرف دو خداؤں کو پکار رہے ہو، ایک اللہ کو، اور ایک رحمن کو۔ اس آیت میں ان کے لغو اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اللہ اور رحمن دونوں اللہ ہی کے نام ہیں، بلکہ اُس کے اور بھی اچھے اچھے نام ہیں جنہیں ”اسمائے حسنی“ کہا جاتا ہے، ان میں سے کسی بھی نام سے اُس کو پکارا جاسکتا ہے۔ اس سے عقیدہ تو حید پر کوئی حرف نہیں آتا۔

(۵۷) نماز میں جب بلند آواز سے تلاوت کی جاتی تو مشرکین شور مچا کر مذاق اڑاتے اور اُس میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ بہت اونچی آواز سے تلاوت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یوں بھی معتدل آواز زیادہ پسندیدہ ہے۔

(۵۸) بہت سے کافروں کا یہ خیال تھا کہ جس ذات کا نہ کوئی بیٹا ہو، اور نہ اُس کی سلطنت میں کوئی شریک ہو، وہ تو بڑی کمزور ذات ہوگی۔ اس آیت نے واضح فرمادیا کہ اولاد اور مددگاروں کی حاجت اُس کو ہوتی ہے جو کمزور ہو، اور اللہ تعالیٰ کی ذات اتنی قوی ہے کہ اُسے کمزوری دُور کرنے کے لئے نہ کسی اولاد کی ضرورت ہے، نہ کسی مددگار کی حاجت۔

الحمد للہ! آج مورخہ ۱۷ ستمبر ۲۰۰۶ء مطابق ۲۳ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ بروز ہفتہ سورہ بنی اسرائیل کا ترجمہ اور تفسیری حواشی اسلام آباد سے کراچی جاتے ہوئے پی آئی اے کے طیارے میں تکمیل کو پہنچے۔ اور اس پوری سورت کا ترجمہ و تشریح کرغیزستان، برطانیہ، البانیہ اور اسلام آباد کے سفروں کے دوران لکھا گیا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي بِنِعْمَتِهِ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ،  
وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی نَبِيِّنَا الْكَرِيمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ



# سُورَةُ الْكَهْفِ

## تعارف

حافظ ابن جریر طبری نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس سورت کا شان نزول یہ نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ کے کچھ سرداروں نے دو آدمی مدینہ منورہ کے یہودی علماء کے پاس یہ معلوم کرنے کے لئے بھیجے کہ تورات اور انجیل کے یہ علماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ یہودی علماء نے ان سے کہا کہ آپ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوالات کیجئے۔ اگر وہ ان کا صحیح جواب دے دیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، اور اگر وہ صحیح جواب نہ دے سکے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا نبوت کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ اُن نوجوانوں کا وہ عجیب واقعہ بیان کریں جو کسی زمانے میں شرک سے بچنے کے لئے اپنے شہر سے نکل کر کسی غار میں چھپ گئے تھے۔ دوسرے اُس شخص کا حال بتائیں جس نے مشرق سے مغرب تک پوری دنیا کا سفر کیا تھا۔ تیسرے اُن سے پوچھیں کہ رُوح کی حقیقت کیا ہے۔ چنانچہ یہ دونوں شخص مکہ مکرمہ واپس آئے، اور اپنی برادری کے لوگوں کو ساتھ لے کر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تین سوال پوچھے۔ تیسرے سوال کا جواب تو کچھلی سورت (۸۵:۱۷) میں آچکا ہے۔ اور پہلے دو سوالات کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی جس میں غار میں چھپنے والے نوجوانوں کا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے، انہی کو ”اصحابِ کہف“ کہا جاتا ہے۔ ”کہف“ عربی میں ”غار“ کو کہتے ہیں، ”اصحابِ کہف“ کے معنی ہوئے: ”غار والے“ اور اسی غار کے نام پر سورت کو سورۃ الکھف کہا جاتا ہے۔ دوسرے سوال کے جواب میں سورت کے آخر میں ذوالقرنین کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے جنہوں نے مشرق و مغرب کا سفر کیا تھا۔

اس کے علاوہ اسی سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بھی بیان فرمایا گیا ہے جس میں وہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے تھے، اور کچھ عرصہ ان کی معیت میں سفر کیا تھا۔ یہ تین واقعات تو اس سورت کا مرکزی موضوع ہیں۔ ان کے علاوہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو خدا کا بیٹا قرار دے رکھا تھا، اس سورت میں بطور خاص اُس کی تردید بھی ہے، اور حق کا انکار کرنے والوں کو وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں، اور حق کے ماننے والوں کو نیک انجام کی خوشخبری بھی دی گئی ہے۔

سورہ کہف کی تلاوت کے کئی فضائل احادیث میں آئے ہیں۔ خاص طور پر جمعہ کے دن اُس کی تلاوت کی بڑی فضیلت آئی ہے، اور اسی لئے بزرگانِ دین کا معمول رہا ہے کہ وہ جمعہ کے دن اس کی تلاوت کا خاص اہتمام کرتے تھے۔



﴿آيَاتُهَا ۱۱۰﴾ ﴿سُورَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ ۶۹﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۱۲﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ۝ قَيِّمًا لِيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا لِمَنْ لَدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ۝ لَا مَأْكَثَ فِيهِ أَبَدًا ۝ وَيُنْذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِأَبَائِهِمْ ۚ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ إِنَّ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ۝ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ ۖ أَسَفًا ۝ إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَهَا لِنَبْلُوهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو دس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی، اور اس میں کسی قسم کی کوئی خامی نہیں رکھی، ۱ ایک سیدھی سیدھی کتاب جو اُس نے اس لئے نازل کی ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف سے ایک سخت عذاب سے آگاہ کرے، اور جو مؤمن نیک عمل کرتے ہیں اُن کو خوشخبری دے کہ اُن کو بہترین اجر ملنے والا ہے، ۲ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ۳ اور تاکہ اُن لوگوں کو متنبہ کرے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنا رکھا ہے۔ ۴ اس بات کا کوئی علمی ثبوت نہ خود اُن کے پاس ہے، نہ اُن کے باپ دادوں کے پاس تھا۔ بڑی سنگین بات ہے جو اُن کے منہ سے نکل رہی ہے۔ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں، وہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔ ۵ اب (اے پیغمبر!) اگر لوگ (قرآن کی) اس بات پر ایمان نہ لائیں، تو ایسا لگتا ہے جیسے تم افسوس کر کر کے ان کے پیچھے اپنی جان کو گھلا بیٹھو گے! ۶ یقین جانو کہ رُوئے زمین پر جتنی چیزیں ہیں، ہم نے اُنہیں زمین کی سجاوٹ کا ذریعہ اس لئے بنایا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ اُن میں کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے۔ ۷

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے کفر اور معاندانہ طرزِ عمل سے سخت صدمہ ہوتا تھا، ان آیات میں آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ یہ دنیا تو لوگوں کے امتحان کے لئے بنائی گئی ہے، تاکہ یہ دیکھا جائے کہ کون ہے جو دنیا کی سجاوٹ میں محو ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے، اور کون ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق استعمال کر کے اپنے لئے آخرت کا ذخیرہ بناتا ہے۔ اور جب یہ امتحان گاہ ہے تو اس میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو امتحان میں کامیاب ہوں گے، اور وہ بھی جو ناکام ہوں گے۔ لہذا اگر یہ لوگ کفر و شرک کا ارتکاب کر کے امتحان میں ناکام ہو رہے ہیں تو اس میں نہ کوئی تعجب کی بات ہے، اور نہ اس پر آپ کو اتنا افسوس کرنا چاہئے کہ آپ اپنی جان کو گھلا بیٹھیں۔



وَإِنَّا لَجَعَلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُثًا ۝۸ أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ ۱۱ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ۝۹ إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۝۱۰ فَضَرَبْنَا عَلَى آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ۝۱۱ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَى الْحِزْبَيْنِ أَحْصَى لِمَالٍ ثُبُورًا ۝۱۲ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ ۱۳ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ۝۱۴

اور یہ بھی یقین رکھو کہ روئے زمین پر جو کچھ ہے، ایک دن ہم اُسے ایک سپاٹ میدان بنادیں گے۔ ۸ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ غار اور رقیم والے لوگ ہماری نشانیوں میں سے کچھ (زیادہ) عجیب چیز تھے؟ ۹ یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب اُن نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تھی، اور (اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہوئے) کہا تھا کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہم پر خاص اپنے پاس سے رحمت نازل فرمائیے، اور ہماری اس صورتِ حال میں ہمارے لئے بھلائی کا راستہ مہیا فرما دیجئے۔“ ۱۰ چنانچہ ہم نے اُن کے کانوں کو تھپکی دے کر کئی سال تک اُن کو غار میں سلائے رکھا۔ ۱۱ پھر ہم نے اُن کو جگایا، تاکہ یہ دیکھیں کہ ان کے دو گروہوں میں سے کونسا گروہ اپنے سوئے رہنے کی مدت کا زیادہ صحیح شمار کرتا ہے۔ ۱۲ ہم تمہارے سامنے اُن کا واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔ یہ کچھ نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے، اور ہم نے اُن کو ہدایت میں خوب ترقی دی تھی، ۱۳

(۲) یعنی جتنی چیزوں سے یہ زمین بچی ہوئی اور بارونق نظر آتی ہے، ایک دن وہ سب فنا ہو جائیں گی، نہ کوئی عمارت باقی رہے گی، نہ پہاڑ اور درخت، بلکہ وہ ایک چٹیل اور سپاٹ میدان میں تبدیل ہو جائے گی۔ اُس وقت یہ حقیقت واضح ہوگی کہ دُنیا کی ظاہری خوبصورتی بڑی ناپائیدار تھی۔ اور یہی وہ وقت ہوگا جب آپ کے ساتھ ضد اور دشمنی کا معاملہ کرنے والے اپنے بُرے انجام کو پہنچیں گے۔ لہذا اگر ان لوگوں کو دُنیا میں ڈھیل دی جا رہی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُنہیں بد عملی کے باوجود آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔ لہذا نہ آپ کو زیادہ رنجیدہ ہونے کی ضرورت ہے، اور نہ ان کے انجام پر فکر مند ہونے کی۔ آپ کا کام تبلیغ ہے، بس اُسی میں اپنے آپ کو مصروف رکھئے۔

(۳) ان حضرات کے واقعے کا خلاصہ قرآنِ کریم کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ یہ کچھ نوجوان تھے جو ایک مشرک بادشاہ کے عہدِ حکومت میں توحید کے قائل تھے۔ بادشاہ نے ان کو توحید پر ایمان رکھنے کی بنا پر پریشان کیا تو یہ حضرات شہر سے نکل کر ایک غار میں چھپ گئے تھے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ان پر گہری نیند طاری فرمادی، اور یہ تین سو ۳۰۹ سال تک اُسی غار میں پڑے سوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نیند کے دوران اپنی قدرتِ کاملہ سے اُن کی زندگی کو بھی سلامت رکھا، اور اُن کے جسم بھی گلنے سڑنے



سے محفوظ رہے۔ تین سو نو سال بعد ان کی آنکھ کھلی تو انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی لمبی مدت تک سوتے رہے ہیں۔ لہذا ان کو بھوک محسوس ہوئی تو اپنے میں سے ایک صاحب کو کچھ کھانا خرید کر لانے کے لئے شہر بھیجا، اور یہ ہدایت کی کہ احتیاط کے ساتھ شہر میں جائیں، تاکہ ظالم بادشاہ کو پتہ نہ چل سکے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس تین سو سال کے عرصے میں وہ ظالم بادشاہ مر کھپ گیا تھا، اور ایک نیک اور صحیح العقیدہ شخص بادشاہ بن چکا تھا۔ یہ صاحب جب شہر میں پہنچے تو کھانا خریدنے کے لئے وہی پُرانا سکہ پیش کیا جو تین سو سال پہلے اس ملک میں چلا کرتا تھا، دکان دار نے وہ پُرانا سکہ دیکھا تو اس طرح یہ بات سامنے آئی کہ یہ حضرات صدیوں تک سوتے رہے تھے۔ بادشاہ کو پتہ چلا تو اُس نے ان لوگوں کو بڑی عزت اور اکرام کے ساتھ اپنے پاس بلایا، اور بالآخر جب ان حضرات کی وفات ہوئی تو ان کی یادگار میں ایک مسجد تعمیر کی۔ عیسائیوں کے یہاں یہ واقعہ ”سات سونے والوں“ (Seven Sleepers) کے نام سے مشہور ہے۔ معروف مؤرخ ایڈورڈ گبن نے اپنی مشہور کتاب ”زوال و سقوط سلطنت روم“ میں بیان کیا ہے کہ وہ ظالم بادشاہ ڈوسیس تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروں پر ظلم ڈھانے میں بہت مشہور ہے۔ اور یہ واقعہ ترکی کے شہر فسس میں پیش آیا تھا۔ جس بادشاہ کے زمانے میں یہ حضرات بیدار ہوئے، گبن کے بیان کے مطابق وہ تھیوڈوسیس تھا۔ مسلمان مؤرخین اور مفسرین نے بھی اس سے ملتی جلتی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، اور ظالم بادشاہ کا نام دقیاؤس ذکر کیا ہے۔ ہمارے دور کے بعض محققین کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ اُردُن کے شہر عمان کے قریب پیش آیا تھا جہاں ایک غار میں کچھ لاشیں اب تک موجود ہیں۔ یہ تحقیق میں نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ”جہان دیدہ“ میں بیان کر دی ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی بات بھی اتنی مستند نہیں ہے کہ اُس پر بھروسہ کیا جاسکے۔ قرآن کریم کا اُسلوب یہ ہے کہ وہ کسی واقعے کی اتنی ہی تفصیل بیان فرماتا ہے جو فائدہ مند ہو۔ اس سے زیادہ تفصیلات میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ان حضرات کو ”اصحاب الکھف“ (غار والے) کہنے کی وجہ تو ظاہر ہے کہ انہوں نے غار میں پناہ لی تھی۔ لیکن ان کو ”رقیم والے“ کیوں کہتے ہیں؟ اس کے بارے میں مفسرین کی رائیں مختلف ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ”رقیم“ اس غار کے نیچے والی وادی کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ”رقیم“ تختی پر لکھے ہوئے کتبے کو کہتے ہیں، اور ان حضرات کے انتقال کے بعد ان کے نام ایک تختی پر کتبے کی صورت میں لکھوا دیئے گئے تھے، اس لئے ان کو ”اصحاب الرقیم“ بھی کہا جاتا ہے۔ تیسرے بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ اُس پہاڑ کا نام ہے جس پر وہ غار واقع تھا۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۴) جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان نوجوانوں کے بارے میں سوال کیا تھا، انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ان کا واقعہ بڑا عجیب ہے۔ اس آیت میں اُنہی کے حوالے سے فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے پیش نظر یہ واقعہ کوئی بہت عجیب نہیں ہے، کیونکہ اُس کی قدرت کے کرشمے تو بیشمار ہیں۔

(۵) کانوں پر تھپکی دینا عربی کا ایک محاورہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ گہری نیند طاری کر دی۔ وجہ یہ ہے کہ نیند کے شروع میں کان آوازیں سنتے رہتے ہیں، اور ان کا سننا اُسی وقت بند ہوتا ہے جب نیند گہری ہو گئی ہو۔

(۶) آگے آرہا ہے کہ جب یہ لوگ بیدار ہوئے تو آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ وہ کتنی دیر سوئے ہیں۔ اُسی کی طرف اشارہ ہے۔



وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنُدَّعُوا مِنْ دُونِهَا إِلَهًا لَّقَدْ قُلْنَا إِذَا شَطَطًا ۝ هُوَ لَا يَخَافُ مُنَّا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهَا إِلَهَةً ۖ لَوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ ۖ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۝ وَإِذَا عَزَلْتَهُمْ هُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأَوَّا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرُ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئُ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مَرْفَقًا ۝ وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزْوُرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۖ

اور ہم نے اُن کے دل خوب مضبوط کر دیئے تھے۔ یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب وہ اُٹھے، اور انہوں نے کہا کہ: ”ہمارا پروردگار وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ ہم اُس کے سوا کسی کو معبود بنا کر ہرگز نہیں پکاریں گے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم یقیناً انتہائی لغو بات کہیں گے۔“ ۱۳ یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے اُس پروردگار کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنا رکھے ہیں۔ (اگر ان کا عقیدہ صحیح ہے تو) وہ اپنے معبودوں کے ثبوت میں کوئی واضح دلیل کیوں پیش نہیں کرتے؟ بھلا اُس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟ ۱۴ اور (ساتھیو!) جب تم نے ان لوگوں سے بھی علیحدگی اختیار کر لی ہے، اور اُن سے بھی جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، تو چلو اب تم اُس غار میں پناہ لے لو، تمہارا پروردگار تمہارے لئے اپنا دامنِ رحمت پھیلا دے گا، اور تمہارے کام میں آسانی کے اسباب مہیا فرمائے گا۔“ ۱۵ اور (وہ غار ایسا تھا کہ) تم سورج کو نکلتے وقت دیکھتے تو وہ اُن کے غار سے دائیں طرف ہٹ کر نکل جاتا، اور جب غروب ہوتا تو اُن سے بائیں طرف کترا کر چلا جاتا، اور وہ اُس غار کے ایک کشادہ حصے میں (سوئے ہوئے) تھے۔

(۷) ابن کثیر کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بادشاہ کو ان کے عقیدے کا پتہ لگا تو اُس نے انہیں اپنے دربار میں طلب کر لیا، اور ان سے ان کے عقیدے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بڑی بے باکی سے توحید کا عقیدہ بیان کیا جس کا آگے ذکر آرہا ہے۔ دل کی اسی مضبوطی کا حوالہ اس آیت میں دیا گیا ہے۔

(۸) یعنی جب تم نے دینِ حق اختیار کر لیا ہے، اور تمہارے شہر کے لوگ تمہارے مخالف ہو گئے ہیں، تو اب اس دین کے مطابق عبادت کرنے کی یہی صورت ہے کہ شہر سے باہر پہاڑ پر جو غار ہے، اس میں جا بیٹھو کہ کسی کو تمہارا پتہ نہ چلے۔

(۹) اس غار کا محل وقوع کچھ ایسا تھا کہ اس میں دُھوپ نہیں آتی تھی۔ طلوعِ آفتاب کے وقت سورج اس کی دائیں جانب ہٹ کر نکل جاتا تھا، اور غروب کے وقت بائیں جانب۔ اور اس طرح یہ لوگ دُھوپ کی تپش سے محفوظ بھی رہے، اور اس سے ان کے جسم اور کپڑے بھی خراب نہیں ہوئے، اور دُھوپ کے قریب سے گزرنے کی وجہ سے گرمی کے فوائد بھی حاصل ہوتے رہے۔



ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ ۚ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُضِلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۚ  
وَتَحْسَبُهُمْ اَيْْقَاظًا وَّهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمَيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۚ وَكُلُّهُمْ بَاسِطٌ  
ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَ كَلِمَتْ مِنْهُمْ رُءُوبًا ۚ  
وَكَذٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۚ قَالُوا الْبَشَايِٕمَ اَوْ  
بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوا اَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۚ فَاَبْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهِ اِلَى الْمَدِيْنَةِ  
فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۚ

یہ سب کچھ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ جسے اللہ ہدایت دیدے، وہی ہدایت پاتا ہے، اور جسے وہ گمراہ کر دے، اُس کا تمہیں ہرگز کوئی مددگار نہیں مل سکتا جو اُسے راستے پر لائے۔ (۱۰) تم انہیں (دیکھ کر) یہ سمجھتے کہ وہ جاگ رہے ہیں، حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ اور ہم اُن کو دائیں اور بائیں کروٹ دلاتے رہتے تھے، اور اُن کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلانے ہوئے (بیٹھا) تھا۔ اگر تم انہیں جھانک کر دیکھتے تو اُن سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے، اور تمہارے اندر اُن کی دہشت سما جاتی۔ (۱۱) اور (جیسے ہم نے انہیں سلایا تھا) اسی طرح ہم نے انہیں اٹھا دیا تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں۔ اُن میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ”تم اس حالت میں کتنی دیر رہے ہو گے؟“ کچھ لوگوں نے کہا: ”ہم ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم (نیند میں) رہے ہوں گے۔“ دوسروں نے کہا: ”تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ تم کتنی دیر اس حالت میں رہے ہو۔ اب اپنے میں سے کسی کو چاندی کا یہ سکہ دے کر شہر کی طرف بھیجو، وہ جا کر دیکھ بھال کرے کہ اس کے کونسے علاقے میں زیادہ پاکیزہ کھانا (مل سکتا) ہے، پھر تمہارے پاس وہاں سے کچھ کھانے کو لے آئے، اور اُسے چاہئے کہ ہوشیاری سے کام کرے، اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔ (۱۲)

یہ سب کچھ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ جسے اللہ ہدایت دیدے، وہی ہدایت پاتا ہے، اور جسے وہ گمراہ کر دے، اُس کا تمہیں ہرگز کوئی مددگار نہیں مل سکتا جو اُسے راستے پر لائے۔ (۱۰) تم انہیں (دیکھ کر) یہ سمجھتے کہ وہ جاگ رہے ہیں، حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ اور ہم اُن کو دائیں اور بائیں کروٹ دلاتے رہتے تھے، اور اُن کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلانے ہوئے (بیٹھا) تھا۔ اگر تم انہیں جھانک کر دیکھتے تو اُن سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے، اور تمہارے اندر اُن کی دہشت سما جاتی۔ (۱۱) اور (جیسے ہم نے انہیں سلایا تھا) اسی طرح ہم نے انہیں اٹھا دیا تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں۔ اُن میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ”تم اس حالت میں کتنی دیر رہے ہو گے؟“ کچھ لوگوں نے کہا: ”ہم ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم (نیند میں) رہے ہوں گے۔“ دوسروں نے کہا: ”تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ تم کتنی دیر اس حالت میں رہے ہو۔ اب اپنے میں سے کسی کو چاندی کا یہ سکہ دے کر شہر کی طرف بھیجو، وہ جا کر دیکھ بھال کرے کہ اس کے کونسے علاقے میں زیادہ پاکیزہ کھانا (مل سکتا) ہے، پھر تمہارے پاس وہاں سے کچھ کھانے کو لے آئے، اور اُسے چاہئے کہ ہوشیاری سے کام کرے، اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔ (۱۲)

(۱۰) یعنی ان لوگوں کا اس غار میں پناہ لینا، اتنے لمبے عرصے تک سوتے رہنا اور دُھوپ سے محفوظ رہنا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی نشانی تھی۔

(۱۱) یعنی سونے والے پر نیند کی جو علامتیں دیکھنے والوں کو نظر آتی ہیں، وہ ان میں نظر نہیں آتی تھیں، اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ لیٹے ہوئے جاگ رہے ہیں۔

(۱۲) پاکیزہ کھانے سے مراد بظاہر حلال کھانا ہے۔ ان حضرات کو فکر یہ تھی کہ بت پرستوں کے شہر میں حلال کھانا ملنا آسان نہیں۔ اس لئے جانے والے کو یہ تاکید کی کہ وہ ایسی جگہ سے کھانا لائے جہاں حلال کھانا میسر ہو۔ نیز چونکہ ان کے خیال میں ابھی تک اُسی بت پرست بادشاہ کی حکومت تھی، اس لئے انہیں دوسری فکر یہ تھی کہ کہیں کسی کو ان کے غار میں چھپنے کا پتہ نہ لگ جائے۔ اس لئے جانے والے کو دوسری تاکید یہ کی کہ ہوشیاری سے جا کر کھانا لائے۔



إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوا إِذَا أَبَدًا ۝  
وَكَذَلِكَ أَعِثْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا إِذْ  
يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَانًا ۖ رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا  
عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ۖ سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ  
خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجَبًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ  
بِعِدَّتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ فَلَا تَبَارَفُ فِيهِمْ إِلَّا مِرَآءَ ظَاهِرًا ۚ وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ  
أَحَدًا ۚ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ۚ ۝<sup>(۱۳)</sup> إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَادْكُرْ رَبَّكَ  
إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ أَنْ يَهْدِيَنِّي رَبِّي إِلَىٰ قَرَبٍ مِّنْ هَٰذَا سَبِيلًا ۝<sup>(۱۴)</sup>

کیونکہ اگر ان (شہر کے) لوگوں کو تمہاری خبر مل گئی تو یہ تمہیں پتھراؤ کر کے ہلاک کر ڈالیں گے، یا تمہیں اپنے دین میں  
واپس آنے کے لئے مجبور کریں گے، اور ایسا ہوا تو تمہیں کبھی فلاح نہیں مل سکے گی۔ ۝<sup>(۱۳)</sup> اور یوں ہم نے اُن کی خبر لوگوں  
تک پہنچا دی، تاکہ وہ یقین سے جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، نیز یہ کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے، اُس میں کوئی  
شک نہیں۔ (پھر وہ وقت بھی آیا) جب لوگ ان کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے، چنانچہ کچھ لوگوں نے کہا کہ ان  
پر ایک عمارت بنا دو۔ ان کا رُب ہی ان کے معاملے کو بہتر جانتا ہے۔ ۝<sup>(۱۴)</sup> (آخر کار) جن لوگوں کو ان کے معاملات پر غلبہ  
حاصل تھا، انہوں نے کہا کہ: ”ہم تو ان کے اوپر ایک مسجد ضرور بنائیں گے۔“ ۝<sup>(۱۵)</sup> کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ تین آدمی تھے،  
اور چوتھا اُن کا کتا تھا، اور کچھ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے، اور چھٹا اُن کا کتا تھا۔ یہ سب اٹکل کے تیر چلانے کی باتیں ہیں۔  
اور کچھ کہیں گے کہ وہ سات تھے، اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ کہہ دو کہ: ”میرا رُب ہی ان کی صحیح تعداد کو جانتا ہے۔ تھوڑے  
سے لوگوں کے سوا کسی کو ان کا پورا علم نہیں۔“ لہذا ان کے بارے میں سرسری گفتگو سے آگے بڑھ کر کوئی بحث نہ کرو، اور نہ  
ان کے بارے میں کسی سے پوچھ گچھ کرو۔ ۝<sup>(۱۶)</sup> اور (اے پیغمبر!) کسی بھی کام کے بارے میں کبھی یہ نہ کہو کہ میں یہ کام کل  
کر لوں گا، ۝<sup>(۱۷)</sup> ہاں (یہ کہو کہ) اللہ چاہے گا تو (کر لوں گا)۔ اور جب کبھی بھول جاؤ تو اپنے رُب کو یاد کر لو، اور کہو: ”مجھے  
اُمید ہے کہ میرا رُب کسی ایسی بات کی طرف میری رہنمائی کر دے جو ہدایت میں اس سے بھی زیادہ قریب ہو۔“ ۝<sup>(۱۸)</sup>

۝<sup>(۱۳)</sup> جب وہ صاحب، جن کا نام بعض روایتوں میں ”تملیح“ بتایا گیا ہے، کھانا لینے کے لئے شہر پہنچے، اور دکان دار کو وہ سکہ پیش  
کیا جو تین سو سال پرانا تھا، اور اُس پر پُرانے بادشاہ کی علامتیں تھیں تو دکان دار بڑا حیران ہوا، اور ان کو لے کر اُس وقت کے  
بادشاہ کے پاس پہنچا۔ یہ بادشاہ نیک تھا، اور اس نے یہ قصہ سن رکھا تھا کہ کچھ نوجوان دقیانوس کے ظلم سے تنگ آ کر کہیں غائب  
ہو گئے تھے۔ اس نے معاملے کی مزید تحقیق کی تو پتہ چل گیا کہ یہ وہی نوجوان ہیں۔ اس پر بادشاہ نے ان کا خوب اِکرام کیا، لیکن  
یہ حضرات دوبارہ اُسی غار میں چلے گئے، اور وہیں پر اللہ تعالیٰ نے اُنہیں وفات دے دی۔



(۱۴) ان اصحاب کہف کا اتنی لمبی مدت تک سوتے رہنا اور پھر زندہ جاگ اٹھنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی واضح دلیل تھی، اور اس واقعے کو دیکھ کر ہر شخص باسانی اس نتیجے تک پہنچ سکتا تھا کہ جو ذات اتنے عرصے تک سونے کے بعد ان نوجوانوں کو زندہ اٹھا سکتی ہے، یقیناً وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ تمام انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے۔ بعض روایات میں ہے کہ اُس وقت کا بادشاہ تو قیامت اور آخرت پر ایمان رکھتا تھا، لیکن کچھ لوگ آخرت کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کر رہے تھے، اور بادشاہ نے یہ دُعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو کوئی ایسا واقعہ دکھا دے جس سے آخرت پر ان کا ایمان مضبوط ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت ان نوجوانوں کو جگا کر اپنی قدرت کا یہ کرشمہ دکھا دیا۔

(۱۵) جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا، یہ حضرات جاگنے کے بعد جلد ہی اُسی غار میں وفات پا گئے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ کرشمہ سامنے آیا کہ جن نوجوانوں کو کبھی اس شہر میں اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے، اب اُسی شہر میں اُن کی ایسی عزت ہوئی کہ لوگ اُن کی یادگار میں کوئی عمارت بنانے کی فکر میں پڑ گئے۔ اور آخر کار جن لوگوں کو اقتدار حاصل تھا، انہوں نے یہ طے کیا کہ جس غار میں ان کی وفات ہوئی ہے، اس پر ایک مسجد بنادیں۔ واضح رہے کہ عمان کے پاس جو غار دریافت ہوا ہے، اس میں کھدائی کرنے سے غار کے اوپر بنی ہوئی ایک مسجد بھی برآمد ہوئی ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ اُن کی وفات کی جگہ پر مسجد بنانے کی یہ تجویز اس زمانے کے اصحاب اقتدار نے دی تھی، قرآن کریم نے اس تجویز کی تائید نہیں فرمائی۔ لہذا اس آیت سے مقبرے بنانے یا قبروں کو عبادت گاہ میں تبدیل کرنے کا کوئی جواز نہیں نکلتا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی احادیث میں اس عمل سے منع فرمایا ہے۔

(۱۶) روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب ان حضرات کی یادگار تعمیر کرنے کی تجویز آئی تو لوگوں نے یہ بھی سوچا کہ ان کے صحیح صحیح نام اور ان کا نسب اور مذہب وغیرہ بھی اس یادگار پر لکھا جائے، لیکن چونکہ کسی کو ان کے پورے حالات معلوم نہیں تھے، اس لئے پھر لوگوں نے کہا کہ ان کے ٹھیک ٹھیک حالات تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن ہم ان کے نسب وغیرہ کی تحقیق میں پڑے بغیر ہی ان کی یادگار بنادیتے ہیں۔

(۱۷) اس آیت نے یہ مستقل سبق دے دیا ہے کہ جس معاملے پر انسان کا کوئی عملی مسئلہ موقوف نہ ہو، اُس کے بارے میں خواہ مخواہ بحثیں نہیں کرنی چاہئیں۔ اصحاب کہف کے واقعے میں اصل سبق لینے کی بات یہ ہے کہ انہوں نے کس طرح ناموافق حالات میں حق پر ثابت قدم رہنے کا مظاہرہ کیا، اور پھر اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کی مدد فرمائی۔ رہا یہ کہ ان کی صحیح تعداد کیا تھی؟ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس پر بحث کا بازار گرم کیا جائے۔ لہذا اس میں اُلجھنے کے بجائے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کوئی اس معاملے میں بحث کرنا بھی چاہے تو اُسے سرسری گفتگو کر کے ٹال دو، اور اپنا وقت ضائع نہ کرو۔

(۱۸) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا گیا تھا، اُس وقت آپ نے سوال کرنے والوں سے ایک طرح کا وعدہ کر لیا تھا کہ میں اس سوال کا جواب کل دوں گا۔ اُس وقت آپ ”ان شاء اللہ“ کہنا بھول گئے تھے، اور آپ کو یہ اُمید تھی کہ کل تک وحی کے ذریعے آپ کو ان واقعات سے باخبر کر دیا جائے گا۔ اس واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ مستقل ہدایت عطا فرمائی کہ کسی بھی مسلمان کو آئندہ کے بارے میں کوئی بات ”ان شاء اللہ“ کہے بغیر نہیں کہنی چاہئے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں چونکہ آپ نے ”ان شاء اللہ“ نہیں فرمایا تھا، اس لئے اگلے روز وحی نہیں آئی، بلکہ کئی روز کے بعد وحی آئی، اور اُس میں یہ ہدایت بھی دی گئی۔

(۱۹) اصحاب کہف کا واقعہ سوال کرنے والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل کے طور پر پوچھا تھا۔ اس



وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ۝ قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا لَهُ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ ۚ مَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ ۚ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۝ وَاسْأَلْ مَا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنُکَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ

اور وہ (اصحابِ کہف) اپنے غار میں تین سو سال اور مزید نو سال (سوتے) رہے۔ (۱۹) (اگر کوئی اس میں بحث کرے تو) کہہ دو کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت (سوتے) رہے۔ (۲۰) آسمانوں اور زمین کے سارے بھید اُسی کے علم میں ہیں۔ وہ کتنا دیکھنے والا، اور کتنا سننے والا ہے! اُس کے سوا ان کا کوئی رکھوالا نہیں ہے، اور وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ (۲۱) اور (اے پیغمبر!) تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے وحی کے ذریعے جو کتاب بھیجی گئی ہے، اُسے پڑھ کر سنادو۔ کوئی نہیں ہے جو اُس کی باتوں کو بدل سکے، اور اُسے چھوڑ کر تمہیں ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہیں مل سکتی۔ (۲۲) اور اپنے آپ کو استقامت سے اُن لوگوں کے ساتھ ساتھ رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو اس لئے پکارتے ہیں کہ وہ اُس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں۔ (۲۳) اور تمہاری آنکھیں دُنیوی زندگی کی خوبصورتی کی تلاش میں ایسے لوگوں سے ہٹنے نہ پائیں۔

آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے اور بھی دلائل عطا فرمائے ہیں جو اصحابِ کہف کا واقعہ سننے سے بھی زیادہ واضح ہیں۔

(۲۰) اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کے بارے میں یہ بتلادیا کہ وہ غار میں تین سو نو سال تک سوتے رہے، لیکن آگے پھر وہی بات ارشاد فرمائی کہ محض قیاسات کی بنیاد پر اس بحث میں بھی پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر کوئی اس مدت سے اختلاف کرے تو یہ کہہ کر بحث کا دروازہ بند کر دو کہ اللہ تعالیٰ ہی اس مدت کو خوب جانتا ہے۔ اُس نے جو مدت بتادی ہے، وہی درست ہے۔

(۲۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خطاب درحقیقت ان کافروں کو سننے کے لئے ہے جو آپ سے یہ مطالبہ کیا کرتے تھے کہ آپ اس قرآن میں ہماری خواہش اور عقیدے کے مطابق تبدیلیاں کر لیں تو ہم آپ کو ماننے کے لئے تیار ہیں۔ ان کا یہ مطالبہ پیچھے سورہ یونس (۱۰: ۱۵) میں گزر چکا ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تبدیلی کرنے کا کسی کو اختیار نہیں، اور اگر کوئی ایسا کرے تو اُسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لئے کوئی پناہ گاہ میسر نہیں آ سکتی۔

(۲۲) بعض کفار کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ جو غریب اور کم حیثیت لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے ہیں، اگر آپ انہیں



وَلَا تُطْعَمْنَ مِنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ۝۲۸ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا ۖ أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِآءِ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ ۖ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ۝۲۹ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۝۳۰ أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُندُسٍ ۖ وَاسْتَبْرَقٌ مُتَبَكِّينَ فِيهَا عَلَى الْأَسَاوِرِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ ۖ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝۳۱

اور کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے، اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اور جس کا معاملہ حد سے گذر چکا ہے۔ ۲۸ اور کہہ دو کہ: ”حق تو تمہارے رب کی طرف سے آچکا ہے۔ اب جو چاہے، ایمان لے آئے، اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔“ ۲۹ ہم نے بیشک (ایسے) ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قاتیں ان کو گھیرے میں لے لیں گی، اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد کا جواب ایسے پانی سے دیا جائے گا جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا، (اور) چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔ کیسا بدترین پانی، اور کیسی بری آرام گاہ! ۳۰ البتہ جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے نیک عمل کئے، تو یقیناً ہم ایسے لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے جو اچھی طرح عمل کریں۔ ۳۱ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں، اُن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ اُن کو وہاں سونے کے کنگنوں سے مزین کیا جائے گا، وہ اونچی مسندوں پر تکیہ لگائے ہوئے باریک اور دبیز ریشم کے سبز کپڑے پہنے ہوں گے۔ کتنا بہترین اجر، اور کیسی حسین آرام گاہ! ۳۲

اپنے پاس سے ہٹا دیں تو ہم آپ کی بات سننے کو تیار ہوں گے، موجودہ حالت میں ہم ان غریبوں کے ساتھ بیٹھ کر آپ کی کوئی بات نہیں سن سکتے۔ یہ آیت اس مطالبے کو رد کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دے رہی ہے کہ آپ اس مطالبے کو نہ مانیں، اور اپنے غریب صحابہ کی رفاقت نہ چھوڑیں۔ اور اس ضمن میں ان غریب صحابہ کرام کی فضیلت اور ان کے مقابلے میں ان مال دار کافروں کی برائی بیان فرمائی گئی ہے۔ یہی مضمون سورہ انعام (۵۲:۶) میں بھی گذر چکا ہے۔

(۲۳) یعنی حق کے واضح ہو جانے کے بعد دنیا میں کسی کو ایمان لانے پر زبردستی مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ جو شخص ایمان نہیں لائے گا، اُس کو آخرت میں بیشک ایک خوفناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔



وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ  
وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا ۝۳۲ كَلَّا الْجَنَّتَيْنِ اتَّأْتَا كُلَّهَا وَلَمْ تَظْلَمْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ وَفَجَّرْنَا خِلْفَهُمَا  
نَهْرًا ۝۳۳ وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ۝۳۴ وَ  
دَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ ۚ قَالَ مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا ۝۳۵ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ  
قَائِيَةً ۚ وَلَئِنْ رُدُّتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا ۝۳۶ قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ  
يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا ۝۳۷

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کے سامنے اُن دو آدمیوں کی مثال پیش کرو جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ  
دے رکھے تھے، اور ان کو کھجور کے درختوں سے گھیرا ہوا تھا، اور ان دونوں باغوں کے درمیان کھیتی لگائی ہوئی تھی۔ ۝۳۲  
دونوں باغ پورا پورا پھل دیتے تھے، اور کوئی باغ پھل دینے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتا تھا، اور ان دونوں کے درمیان ہم  
نے ایک نہر جاری کر دی تھی، ۝۳۳ اور اس شخص کو خوب دولت حاصل ہوئی تو وہ اپنے ساتھی سے باتیں کرتے ہوئے کہنے  
لگا کہ: ”میرا مال بھی تم سے زیادہ ہے، اور میرا جتنہ بھی تم سے زیادہ مضبوط ہے۔“ ۝۳۴ اور وہ اپنی جان پر ستم ڈھاتا ہوا  
اپنے باغ میں داخل ہوا۔ کہنے لگا: ”میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی بھی تباہ ہوگا، ۝۳۵ اور میرا خیال یہ ہے کہ قیامت کبھی نہیں  
آئے گی۔ اور اگر کبھی مجھے اپنے رب کے پاس واپس بھیجا بھی گیا، تب بھی مجھے یقین ہے کہ مجھے اس سے بھی اچھی جگہ  
ملے گی۔“ ۝۳۶ اُس کے ساتھی نے اُس سے باتیں کرتے ہوئے کہا: ”کیا تم اُس ذات کے ساتھ کفر کا معاملہ کر رہے ہو  
جس نے تمہیں مٹی سے، اور پھر نطفے سے پیدا کیا، پھر تمہیں ایک بھلا چنگا انسان بنا دیا؟ ۝۳۷

(۲۴) آیت نمبر ۲۸ میں کافر سرداروں کے اس تکبر کی طرف اشارہ کیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ غریب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنا  
بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ ایک ایسا واقعہ بیان فرما رہے ہیں جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مال و دولت کی زیادتی  
کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر کوئی شخص اترائے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتہ مضبوط نہ ہو تو بڑے بڑے مال دار لوگ انجام کار  
ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صحیح ہو تو غریب لوگ ان سے کہیں آگے نکل جاتے ہیں۔ جن دو آدمیوں کا  
یہاں ذکر فرمایا گیا ہے، ان کی کوئی تفصیل کسی مستند مرفوع روایت میں موجود نہیں ہے۔ البتہ بعض مفسرین نے کچھ روایتوں کی بنیاد  
پر یہ کہا ہے کہ یہ بنی اسرائیل میں سے تھے، اور انہیں اپنے باپ سے وراثت میں بڑی دولت ہاتھ آئی تھی۔ ان میں سے ایک نے  
کافر ہو کر اسی دولت سے دل لگالیا، اور دوسرے نے اپنی دولت کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا، اور اس کی وجہ سے اُس کی  
دولت پہلے شخص کے مقابلے میں گنتی میں کم رہ گئی۔ لیکن آخر کار کافر شخص کی دولت پر آفت آگئی، اور اُسے حسرت کے سوا کچھ  
حاصل نہیں ہوا۔



لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ۝ وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ إِن تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا ۚ فَعَسَى رَبِّي أَن يُؤْتِيَنِي خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ۚ أَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ۚ وَأُحِيطَ بِشَرِّهِ فَاَصْبَحَ يَقْلِبُ كَفَبِهِ عَلَىٰ مَا انْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ لِيَبْتَئِنِّي لِمَ أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ۚ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِئَةٌ تَنْصُرُونَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ۚ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ ۖ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ۚ وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا كَمَا أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيحُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۚ

جہاں تک میرا تعلق ہے، میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اللہ میرا پروردگار ہے، اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتا۔ ۲۸ اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہو رہے تھے، اُس وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ! (جو اللہ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے، اللہ کی توفیق کے بغیر کسی میں کوئی طاقت نہیں)۔ اگر تمہیں یہ نظر آ رہا ہے کہ میری دولت اور اولاد تم سے کم ہے، ۲۹ تو میرے رب سے کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ مجھے تمہارے باغ سے بہتر چیز عطا فرمادے، اور تمہارے اس باغ پر کوئی آسمانی آفت بھیج دے، جس سے وہ چکنے میدان میں تبدیل ہو کر رہ جائے۔ ۳۰ یا اُس کا پانی زمین میں اتر جائے، پھر تم اُسے تلاش بھی نہ کر سکو۔ ۳۱ اور (پھر ہوا یہ کہ) اُس کی ساری دولت عذاب کے گھیرے میں آگئی، اور صبح ہوئی تو اس حالت میں کہ اُس نے باغ پر جو کچھ خرچ کیا تھا، وہ اُس پر ہاتھ ملتارہ گیا، جبکہ اُس کا باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا پڑا تھا، اور وہ کہہ رہا تھا: ”کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانا ہوتا۔“ ۳۲ اور اُسے کوئی ایسا جتھہ میسر نہ آیا جو اللہ کو چھوڑ کر اُس کی مدد کرتا، اور نہ وہ خود اس قابل تھا کہ اپنا دفاع کر سکے۔ ۳۳ ایسے موقع پر (آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ) مدد کا سارا اختیار سچے اللہ کو حاصل ہے۔ وہی ہے جو بہتر ثواب دیتا اور بہتر انجام دکھاتا ہے۔ ۳۴

اور ان لوگوں سے دُنیوی زندگی کی یہ مثال بھی بیان کر دو کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا، تو اُس سے زمین کا سبزہ خوب گھنا ہو گیا، پھر وہ ایسا ریزہ ریزہ ہوا کہ اُسے ہوائیں اڑالے جاتی ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔ ۳۵

(۲۵) جس طرح یہ سبزہ ناپائیدار ہے کہ شروع میں اُس کی خوب بہار نظر آتی ہے، لیکن آخر کار وہ چورا چورا ہو کر ہوا میں بکھر جاتا ہے، اُسی طرح دُنیوی زندگی بھی شروع میں بڑی خوبصورت اور بارونق معلوم ہوتی ہے، لیکن انجام کار وہ فنا ہو جانے والی ہے۔



الْمَالِ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَةُ الصَّالِحَةُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ  
 أَمَلًا ۝ (۳۶) وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ۖ وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۝ (۳۷)  
 وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا لَّقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّنْ نَجْعَلَ  
 لَكُمْ مَوْعِدًا ۝ (۳۸) وَوَضَعَ الْكِتَابُ فَتَرَىٰ الْبُحْرَيْنِ مُسْفِقَيْنِ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يُوَيَّلَتَنَا  
 مَا لَ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا ۖ وَجَدُوا مَا عَمِلُوا  
 حَاضِرًا ۖ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝ (۳۹)

مال اور اولاد دُنوی زندگی کی زینت ہیں، اور جونکیاں پائیدار رہنے والی ہیں، وہ تمہارے رب کے نزدیک ثواب کے  
 اعتبار سے بھی بہتر ہیں، اور اُمید وابستہ کرنے کے لئے بھی بہتر۔ (۳۶) اور (اُس دن کا دھیان رکھو) جس دن ہم  
 پہاڑوں کو چلائیں گے، اور تم زمین کو دیکھو گے کہ وہ کھلی پڑی ہے، اور ہم ان سب کو گھیر کر اکٹھا کر دیں گے، اور ان میں  
 سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ (۳۷) اور سب کو تمہارے رب کے سامنے صف باندھ کر پیش کیا جائے گا۔ آخر تم  
 ہمارے پاس اُسی طرح آگئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اس کے برعکس تمہارا دعویٰ یہ تھا کہ ہم تمہارے  
 لئے (یہ) مقرر وقت کبھی نہیں لائیں گے۔ (۳۸) اور (اعمال کی) کتاب سامنے رکھ دی جائے گی، چنانچہ تم مجرموں کو  
 دیکھو گے کہ وہ اُس کے مندرجات سے خوف زدہ ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ: ”ہائے ہماری بربادی! یہ کیسی کتاب ہے جس  
 نے ہمارا کوئی چھوٹا بڑا عمل ایسا نہیں چھوڑا جس کا پورا احاطہ نہ کر لیا ہو۔“ اور وہ اپنا سارا کیا دھرا اپنے سامنے موجود پائیں  
 گے۔ اور تمہارا پروردگار کسی پر کوئی ظلم نہیں کرے گا۔ (۳۹)

(۲۶) دُنیا کے مال و اسباب سے اُمیدیں لگا کر بیٹھو تو ایک وقت وہ دھوکا دے جاتے ہیں، لیکن نیک اعمال جو اللہ تعالیٰ کی  
 خوشنودی کے لئے کئے جائیں، اُن سے ثواب کی جو اُمیدیں وابستہ کی جاتی ہیں، وہ پوری ہوتی ہیں۔

(۲۷) قرآن کریم کی آیات کو سامنے رکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت کے موقع پر پہاڑوں کو پہلے اپنی جگہ سے ہٹا کر چلایا جائے  
 گا، پھر ان کو کوٹ پیس کر غبار کی طرح ہوا میں اڑا دیا جائے گا۔ چلانے کا ذکر اس جگہ کے علاوہ سورہ نمل (۸۸: ۲۷) اور سورہ  
 تکویر (۸۱: ۳) میں بھی آیا ہے، اور انہیں کوٹ پیس کر غبار میں تبدیل کر دینے کا ذکر سورہ طہ (۱۰۵: ۲۰)، سورہ واقعہ  
 (۵۶: ۵-۶) اور سورہ مرسلات (۱۰۷: ۷) میں موجود ہے۔

(۲۸) اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ جو چیزیں زمین کے اندر پوشیدہ ہیں، وہ سامنے آجائیں گی جیسا کہ سورہ انشقاق (۴: ۸۴)  
 میں بیان فرمایا گیا ہے، اور یہ مطلب بھی ہے کہ پہاڑوں، درختوں اور عمارتوں کے فنا ہو جانے کے بعد زمین حد نظر تک سِپاٹ نظر  
 آئے گی جس میں کوئی نشیب و فراز نہیں ہوگا، جیسا کہ سورہ طہ (۲۰: ۱۰۷-۱۰۷) میں بیان فرمایا گیا ہے۔



وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ  
 أَمْرِ رَبِّهِ ۖ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۖ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ  
 بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَا أَشْهَدُ لَهُمْ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ ۖ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ  
 الْمُضِلِّينَ عَصَدًا ﴿۵۱﴾ وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ  
 يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُوهَا وَلَمْ  
 يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۖ وَكَانَ  
 الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ: ”آدم کے آگے سجدہ کرو۔“ چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے  
 ابلیس کے۔ وہ جنات میں سے تھا، چنانچہ اُس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ کیا پھر بھی تم میرے بجائے اُسے  
 اور اُس کی ذریت کو اپنا رکھوالا بناتے ہو، حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں؟ (اللہ تعالیٰ کا) کتنا برابر متبادل ہے جو ظالموں  
 کو ملا ہے! ﴿۵۰﴾ میں نے نہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے وقت اُن کو حاضر کیا تھا، نہ خود اُن کو پیدا کرتے وقت، اور میں  
 ایسا نہیں ہوں کہ گمراہ کرنے والوں کو دست و بازو بناؤں۔ ﴿۵۱﴾ اور اُس دن کا دھیان کرو جب اللہ (ان مشرکوں سے)  
 کہے گا کہ: ”ذرا پکارو اُن کو جنہیں تم نے میری خدائی میں شریک سمجھ رکھا تھا!“ چنانچہ وہ پکاریں گے، لیکن وہ ان کو کوئی  
 جواب نہیں دیں گے، اور ہم اُن کے درمیان ایک مہلک آڑ حائل کر دیں گے۔ ﴿۵۲﴾ اور مجرم لوگ آگ کو دیکھیں گے تو  
 سمجھ جائیں گے کہ انہیں اسی میں گرنا ہے، اور اس سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔ ﴿۵۳﴾ اور ہم نے لوگوں کے  
 فائدے کے لئے اس قرآن میں طرح طرح سے ہر قسم کے مضامین بیان کئے ہیں، اور انسان ہے کہ جھگڑا کرنے میں ہر  
 چیز سے بڑھ گیا ہے۔ ﴿۵۴﴾

(۲۹) تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ بقرہ (۲: ۳۱ تا ۳۶) اور ان آیات کے حواشی۔

(۳۰) یعنی اللہ تعالیٰ کے بدلے ان ظالموں نے کتنا برابر رکھوالا چنا ہے۔

(۳۱) یعنی جن شیاطین کو ان کافروں نے اپنا سرپرست بنا رکھا ہے، ان کو میں نے تخلیق کائنات کا منظر دکھانے کے لئے یا ان  
 سے مدد لینے کے لئے نہیں بلایا تھا کہ وہ تخلیق کے اسرار سے واقف ہوتے۔ لیکن کافروں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یہ شیاطین تمام  
 حقائق کو جانتے ہیں، چنانچہ ان کے بہکائے میں آ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کو یا جن کو وہ کہیں، خدائی کا شریک قرار دیتے ہیں۔



وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةٌ  
 الْأُولَيْنِ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝۵۵ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ  
 وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا الْآيَتِى وَمَا أُنذِرُوا  
 هُزُوعًا ۝۵۶ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدُهُ ۖ إِنَّا  
 جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَنْ  
 يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ۝۵۷ وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهم بِمَا كَسَبُوا الْعَجَلُ لَهُمُ  
 الْعَذَابُ ۖ بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَّنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْعِدًا ۝۵۸ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا  
 وَجَعَلْنَا لِهَهِلِكِهِمْ مَوْعِدًا ۝۵۹

اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آچکی تو اب انہیں ایمان لانے اور اپنے رب سے معافی مانگنے سے اس (مطالبے) کے سوا کوئی اور چیز نہیں روک رہی کہ ان کے ساتھ بھی پچھلے لوگوں جیسے واقعات پیش آجائیں، یا عذاب ان کے بالکل سامنے آکھڑا ہو۔ ۵۵ اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لئے بھیجتے ہیں کہ وہ (مؤمنوں کو) خوشخبری دیں، اور (کافروں کو عذاب سے) متنبہ کریں۔ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ باطل کا سہارا لے کر جھگڑا کرتے ہیں، تاکہ اُس کے ذریعے حق کو ڈگمگادیں، اور انہوں نے میری آیتوں کو اور انہیں جو تنبیہ کی گئی تھی، اُس کو مذاق بنا رکھا ہے۔ ۵۶ اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اُس کے رب کی آیتوں کے حوالے سے نصیحت کی جائے، تو وہ اُن سے منہ موڑ لے، اور اپنے ہاتھوں کے کرتوت کو بھلا بیٹھے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے (ان لوگوں کے کرتوت کی وجہ سے) اُن کے دلوں پر غلاف چڑھا دیئے ہیں جن کی وجہ سے وہ اس (قرآن) کو نہیں سمجھتے، اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی ہے۔ اور اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ، تب بھی وہ صحیح راستے پر ہرگز نہیں آئیں گے۔ ۵۷ اور تمہارا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا رحمت والا ہے۔ جو کمائی انہوں نے کی ہے، اگر وہ اس کی وجہ سے انہیں پکڑنے پر آتا تو ان کو جلد ہی عذاب دے دیتا، لیکن ان کے لئے ایک وقت مقرر ہے، جس سے بچنے کے لئے انہیں کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی۔ ۵۸ یہ ساری بستیاں (تمہارے سامنے) ہیں، جب انہوں نے ظلم کی روش اپنائی تو ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا، اور ان کی ہلاکت کے لئے (بھی) ہم نے ایک وقت مقرر کیا ہوا تھا۔ ۵۹

(۳۲) یعنی ان لوگوں پر ساری جہتیں تو تمام ہو چکیں۔ اب ان کے پاس اپنے کفر پر اس کے سوا کوئی دلیل باقی نہیں رہی کہ یہ پیغمبر سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جیسا عذاب پچھلی اُمتوں پر آیا تھا، اگر ہم باطل پر ہیں تو ویسا ہی عذاب ہم پر لا کر دکھاؤ۔ آگے اللہ تعالیٰ



وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ۝

اور (اُس وقت کا ذکر سنو) جب موسیٰ نے اپنے نو جوان (شاگرد) سے کہا تھا کہ: ”میں اُس وقت تک اپنا سفر جاری رکھوں گا جب تک دو سمندروں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں، ورنہ برسوں چلتا رہوں گا۔“ (۲۲)

نے فرمایا ہے کہ پیغمبروں کا کام اپنے اختیار سے عذاب نازل کرنا نہیں ہوتا۔ وہ تو لوگوں کو عذاب سے متنبہ کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ نافرمانوں پر فوراً عذاب نہیں بھیجتا، بلکہ اپنی رحمت کی وجہ سے انہیں مہلت دیتا ہے، تاکہ اس مہلت کے دوران جن کو ایمان لانا ہو، وہ ایمان لے آئیں۔ البتہ اُس کی طرف سے نافرمانوں کو عذاب دینے کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آئے گا تو کوئی اس عذاب کو ٹلا نہیں سکے گا۔

(۲۳) یہاں سے آیت نمبر ۸۲ تک اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بیان فرمایا ہے جو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعے کی تفصیل ایک طویل حدیث میں بیان فرمائی ہے جو صحیح بخاری میں کئی سندوں سے منقول ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کسی نے یہ سوال کیا کہ اس وقت رُوءے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ چونکہ ہر پیغمبر اپنے وقت میں دین کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں یہی فرمادیا کہ میں ہی سب سے بڑا عالم ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ ہدایت دی گئی کہ اس سوال کا صحیح جواب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ سب سے بڑا عالم کون ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم کے کچھ ایسے گوشوں سے روشناس کرائیں جو ان کی واقفیت کے دائرے سے باہر تھے۔ چنانچہ انہیں حکم دیا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جائیں۔ ان کو پتہ یہ بتایا گیا کہ جہاں دو دریا ملتے ہیں، وہاں تک سفر کریں، اور اپنے ساتھ ایک مچھلی لے جائیں۔ ایک موقع ایسا آئے گا کہ وہ مچھلی گم ہو جائے گی۔ بس اُسی جگہ انہیں حضرت خضر علیہ السلام مل جائیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے نو جوان شاگرد حضرت یوشع علیہ السلام کو ساتھ لے کر اس سفر پر روانہ ہوئے، جو بعد میں خود پیغمبر بننے والے تھے۔ آگے کا واقعہ خود قرآن کریم میں آ رہا ہے۔ البتہ یہاں اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو یہ سفر کرایا گیا، اُس کا ایک مقصد تو یہ ادب سکھانا تھا کہ اپنے آپ کو سب سے بڑا عالم کہنا کسی کو بھی زیب نہیں دیتا۔ علم تو ایک ناپیدا کنار سمندر ہے، اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کونسا علم کس کے پاس زیادہ ہے۔ اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود آنکھوں سے اس بات کی ایک جھلک دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور علم سے اس کائنات کا نظام کس طرح چلا رہا ہے۔ اس کائنات میں بہت سے ایسے واقعات روزمرہ انسان کے سامنے آتے رہتے ہیں جن کا مقصد اس کی سمجھ میں نہیں آتا، حالانکہ کوئی واقعہ اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی حکمت کے بغیر نہیں ہوتا۔ انسان کی نظر چونکہ محدود ہے، اس لئے وہ اس حکمت کو بسا اوقات نہیں سمجھتا، لیکن جس قادرِ مطلق کے ہاتھ میں پوری کائنات کی باگ ڈور ہے، وہی جانتا ہے کہ کس وقت کیا واقعہ پیش آنا چاہئے۔ اس بات کی مزید وضاحت ان شاء اللہ اسی واقعے کے آخر میں آئے گی (دیکھئے ذیل میں حاشیہ نمبر ۴۱)۔



فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۖ (۲۱) فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ اتِّبَاعَا غَدَاةَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا ۖ (۲۲) قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنسَنِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۖ (۲۳) قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبِغُ ۖ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ۖ (۲۴) فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اتَّبِعُهُ رَاحَةً مِّنْ عَمَلِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۖ (۲۵)

چنانچہ جب وہ ان کے سنگھم پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے، اور اس نے سمندر میں ایک سرنگ کی طرح کاراستہ بنالیا۔ (۲۱) پھر جب دونوں آگے نکل گئے، تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ: ”ہمارا ناشتہ لاؤ، سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اس سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہو گئی ہے۔“ (۲۲) اُس نے کہا: ”بھلا بتائیے! (عجیب قصہ ہو گیا) جب ہم اُس چٹان پر ٹھہرے تھے تو میں مچھلی (کا آپ سے ذکر کرنا) بھول گیا۔ اور شیطان کے سوا کوئی نہیں ہے جس نے مجھ سے اس کا تذکرہ کرنا بھلایا ہو۔ اور اُس (مچھلی) نے تو بڑے عجیب طریقے پر دریا میں اپنی راہ لے لی تھی۔“ (۲۳) موسیٰ نے کہا: ”اسی بات کی تو ہمیں تلاش تھی۔“ چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔ (۲۴) تب انہیں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ملا جس کو ہم نے اپنی خصوصی رحمت سے نوازا تھا، اور خاص اپنی طرف سے ایک علم سکھایا تھا۔ (۲۵)

(۳۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک چٹان پر پہنچ کر کچھ دیر کے لئے سو گئے تھے۔ اسی دوران وہ مچھلی جو ایک زنبیل میں تھی، وہاں سے کھسک کر دریا میں جا گری، اور جس جگہ گری، وہاں پانی میں سرنگ سی بن گئی جس میں جا کر مچھلی غائب ہو گئی۔ حضرت یوشع علیہ السلام اُس وقت جاگ رہے تھے، اور انہوں نے یہ عجیب واقعہ دیکھا، مگر چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سوئے ہوئے تھے، اس لئے ان کو جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ بعد میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جاگ کر آگے روانہ ہوئے تو حضرت یوشع علیہ السلام اُن کو یہ بات بتانا بھول گئے۔ اور یاد اُس وقت آیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگے چل کر ناشتہ مانگا۔

(۳۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہی علامت بتائی گئی تھی کہ جس جگہ مچھلی گم ہوگی، وہیں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوگی۔ اس لئے حضرت یوشع علیہ السلام نے تو ڈرتے ڈرتے یہ واقعہ ذکر کیا تھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اُسے سن کر خوش ہوئے کہ منزل مقصود کا پتہ لگ گیا۔

(۳۶) صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس چٹان کے پاس واپس پہنچے تو وہاں وہ چادر اوڑھے ہوئے لیٹے نظر آئے۔ اور ان کو جس خصوصی علم کے سکھانے کا ذکر فرمایا گیا ہے، اس سے مراد تکوینیات کا علم ہے جس کی تشریح اس واقعے کے آخر میں آرہی ہے۔



قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَ مِن مَّا عَلَّمْتَ رُشْدًا ۖ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۖ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۖ قَالَ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۖ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۖ فَانْطَلَقَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا رَاكَ فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۖ قَالَ أَخَرَقْتُهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ۖ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۖ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ۖ فَانْطَلَقَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ ۚ قَالَ أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ۖ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا ثَكْرًا ۖ

موسیٰ نے اُن سے کہا: ”کیا میں آپ کے ساتھ اس غرض سے رہ سکتا ہوں کہ آپ کو بھلائی کا جو علم عطا ہوا ہے، اُس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھا دیں؟“ ۶۱ انہوں نے کہا: ”مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے۔“ ۶۲ اور جن باتوں کی آپ کو پوری پوری واقفیت نہیں ہے، ان پر آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟“ ۶۳ موسیٰ نے کہا: ”ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔“ ۶۴ انہوں نے کہا: ”اچھا! اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو جب تک میں خود ہی آپ سے کسی بات کا تذکرہ شروع نہ کروں، آپ مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے میں سوال نہ کریں۔“ ۶۵ چنانچہ دونوں روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ جب دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے تو اُن صاحب نے کشتی میں چھید کر دیا۔ موسیٰ بولے: ”ارے کیا آپ نے اس میں چھید کر دیا تا کہ سارے کشتی والوں کو ڈبو ڈالیں؟ یہ تو آپ نے بڑا خوفناک کام کیا۔“ ۶۶ انہوں نے کہا: ”کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے؟“ ۶۷ موسیٰ نے کہا: ”مجھ سے جو بھول ہو گئی، اس پر میری گرفت نہ کیجئے، اور میرے کام کو زیادہ مشکل نہ بنائیے۔“ ۶۸ وہ دونوں پھر روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ اُن کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی تو اُن صاحب نے اُسے قتل کر ڈالا۔ موسیٰ بول اُٹھے: ”ارے کیا آپ نے ایک پاکیزہ جان کو ہلاک کر دیا، جبکہ اُس نے کسی کی جان نہیں لی تھی جس کا بدلہ اُس سے لیا جائے؟ یہ تو آپ نے بہت ہی بُرا کام کیا!“ ۶۹

(۳۷) صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک ایسا علم دیا ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے، (یعنی تگوینیات کا علم) اور آپ کو ایک ایسا علم دیا ہے جو میرے پاس نہیں (یعنی شریعت کا علم)۔

(۳۸) صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ انہوں نے کشتی کا ایک تختہ نکال کر اس میں سوراخ کر دیا تھا۔

(۳۹) مذکورہ حدیث میں ہے کہ وہ لڑکا دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اُس کا سر دھڑ سے الگ کر دیا۔







وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۗ ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۖ

رہی یہ دیوار، تو وہ اس شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اُس کے نیچے ان کا ایک خزانہ گڑا ہوا تھا، اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ اس لئے آپ کے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں، اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ سب کچھ آپ کے رب کی رحمت کی بنا پر ہوا ہے، اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا۔ یہ تھا مقصد ان باتوں کا جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا۔“ (۴۱)

(۴۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام سے ملوانے اور یہ واقعات دکھانے کا اصل مقصد ایک اہم حقیقت کا مشاہدہ کرانا تھا، اور اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے قرآن کریم نے یہ واقعہ ہمارے لئے بیان فرمایا ہے۔ اسلامی شریعت کی رو سے کسی کے لئے یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کی ملکیت میں اُس کی اجازت کے بغیر کوئی تصرف کرے، خاص طور پر اس کی تو ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی کہ اُس کی ملکیت کو کوئی نقصان پہنچا دے، چاہے وہ نقصان خود مالک کے فائدے کی نیت ہی سے پہنچایا گیا ہو، لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی والوں کی اجازت کے بغیر اس کا تختہ نکال دیا۔ اسی طرح کسی بے گناہ کو قتل کرنا شریعت میں انتہائی سنگین جرم ہے، خاص طور پر کسی نابالغ لڑکے کو قتل کرنا تو حالت جنگ میں بھی جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر یہ معلوم ہو کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر کوئی فساد مچائے گا، تب بھی اس وقت اُسے قتل کرنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ اس کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام نے لڑکے کو قتل کر دیا، اور چونکہ یہ دونوں باتیں شریعت میں ناجائز تھیں، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان پر خاموش نہیں رہ سکے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے شریعت کے بالکل خلاف یہ کام کیسے کئے؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لئے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس کائنات میں جتنے واقعات ہوتے ہیں، چاہے وہ ہماری نظر میں اچھے معلوم ہوتے ہوں یا بُرے، ان کا تعلق ایک ایسے جہان سے ہے جو ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہے، اور جسے اصطلاح میں ”عالم تکوین“ کہا جاتا ہے، جو براہ راست اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اُس کے تکوینی احکام کے ذریعے کنٹرول ہو رہا ہے۔ کس شخص کو کتنے عرصے زندہ رہنا ہے؟ اور کب اُس کی موت واقع ہوگی؟ وہ کتنے عرصے صحت مند رہے گا، اور کب بیمار ہو جائے گا؟ اُسے کب کونسا روزگار نصیب ہوگا؟ اور اُس کے ذریعے وہ کتنی روزی کما سکے گا؟ اس قسم کے سارے معاملات اللہ تعالیٰ براہ راست طے فرماتے ہیں، اور ان فیصلوں کو نافذ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ کارندے مقرر فرما رکھے ہیں جو ہماری نگاہوں سے پوشیدہ رہ کر اللہ تعالیٰ کے ان تکوینی احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ مثلاً جب اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرمالیا کہ فلاں شخص کی موت کا وقت آگیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کا فرشتہ اُس شخص کی روح قبض کرنے کے لئے پہنچ جاتا ہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم کی تعمیل میں



کسی کی موت واقع کر رہا ہوتا ہے تو وہ کسی جرم کا ارتکاب نہیں کرتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے کی جان لے، لیکن جس فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے اسی کام پر مقرر فرمایا ہے، اُس کے لئے یہ کوئی جرم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تکوینی احکام کو نافذ کرنے کے لئے عام طور سے فرشتے مقرر ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں، یہ فریضہ سونپ سکتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام اگرچہ انسان تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو فرشتوں کی طرح عالم تکوین کا پیغمبر بنا دیا تھا۔ انہوں نے جو کچھ کیا، اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم کے ذریعے کیا۔ لہذا جس طرح موت کے فرشتے پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ اُس نے ایک بے گناہ کی جان لے کر گناہ کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی بات کے لئے مامور تھا، اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام بھی اُس کشتی کو عیب لگانے اور اُس لڑکے کو قتل کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکوینی طور پر مامور تھے، اس لئے ان کا یہ عمل کوئی جرم نہیں تھا۔ البتہ ہم لوگ دُنیا میں رہتے ہوئے شریعت کے احکام کے پابند ہیں، اور ہمیں عالم تکوین کا نہ علم عطا کیا گیا ہے، اور نہ اس عالم سے متعلق ہمیں کوئی ذمہ داری سونپی گئی ہے، اس لئے ہم انہی احکام کے مکلف ہیں جو اس جیتی جاگتی زندگی میں ہمیں آنکھوں سے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اسی جیتی جاگتی دُنیا کے پیغمبر تھے، اور جو شریعت ان کو دی گئی تھی، اُسی کے پابند تھے، اس لئے وہ نہ حضرت خضر علیہ السلام کی ان باتوں پر خاموش رہ سکے، اور نہ آئندہ ان کے ساتھ چل سکے۔ ان تین واقعات کے بعد وہ سمجھ گئے کہ ان صاحبِ کارِ دائرہ کار میرے دائرہ کار سے بالکل الگ ہے، اور میں ان کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ البتہ اس طرح انہیں یہ حقیقت کھلی آنکھوں دکھا دی گئی کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، اُس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی لامحدود حکمت کا رفرما ہے۔ اگر ہمیں کسی واقعے کی وجہ سمجھ میں نہ آئے تو اس کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر کسی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ جس عالم تکوین میں اُس کی حکمت واضح ہو سکتی ہے، وہ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں ہمیں بہت سے منظر ایسے نظر آتے ہیں جن پر ہمارا دل دُکھتا ہے، بہت سے انسانوں کی مظلومیت کو دیکھ کر بعض اوقات دل میں شکوک و شبہات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام کے ذریعے عالم تکوین کی ایک جھلک دکھا کر ایک مومن کے لئے ایسے شکوک و شبہات کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ البتہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ عالم تکوین اور اس کے کارندے ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام بھی اسی طرح پوشیدہ تھے، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عالم تکوین کی ایک جھلک دکھانے کے لئے وحی کے ذریعے ان کا پتہ بتا دیا گیا۔ اب جبکہ وحی کا دروازہ بند ہو چکا ہے، کسی کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ یقینی طور پر تکوین کے کسی کارندے تک رسائی حاصل کر سکے، اور نہ نظر آنے والی دُنیا میں کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ تکوین کا کارندہ ہے، اور اُسے تکوینی اختیارات حاصل ہیں۔ لہذا جن لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کے واقعے کی بنیاد پر شریعت کے ظاہری احکام کی خلاف ورزی کو جائز قرار دینے کی کوشش کی ہے، انہوں نے سراسر گمراہی پھیلائی ہے۔ مثلاً بعض نام نہاد درویشوں کا تصوف وغیرہ کا نام لے کر یہ کہنا کہ: ”شریعت کے احکام ظاہر ہیں لوگوں کے لئے ہیں، اور ہم ان سے مستثنیٰ ہیں“ پر لے درجے کی گمراہی ہے۔ آج کسی کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے جس سے وہ شریعت کے احکام سے مستثنیٰ ہو سکے۔



وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ۖ إِنَّا مَكْنَانٌ فِي الْأَرْضِ  
وَاتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۚ فَاتَّبَعْ سَبَبًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَدَعَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ  
فِي عَيْنٍ حَاسَةٍ ۖ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۖ قُلْنَا يَذَاقُ الْقَرْنَيْنِ إِمَّا أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَنْ  
تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ۚ

اور یہ لوگ تم سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ: ”میں ان کا کچھ حال تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔“ (۱۳)  
واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو زمین میں اقتدار بخشا تھا، اور انہیں ہر کام کے وسائل عطا کئے تھے، (۱۴) جس کے نتیجے میں وہ  
ایک راستے کے پیچھے چل پڑے۔ (۱۵) یہاں تک کہ جب وہ سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہنچے، تو انہیں دکھائی دیا کہ وہ ایک  
دلدل جیسے (سیاہ) چشمے میں ڈوب رہا ہے، اور وہاں انہیں ایک قوم ملی۔ ہم نے (ان سے) کہا: ”اے ذوالقرنین!  
(تمہارے پاس دو راستے ہیں:) یا تو ان لوگوں کو سزا دو، یا پھر ان کے معاملے میں اچھا رویہ اختیار کرو۔“ (۱۶)

(۱۲) اس سورت کے تعارف میں گزر چکا ہے کہ مشرکین نے حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوالات کئے تھے، ان  
میں سے ایک سوال یہ تھا کہ اُس شخص کا حال بتائیں جس نے مشرق سے مغرب تک پوری دُنیا کا سفر کیا تھا۔ یہاں سے اس سوال  
کا جواب دیا جا رہا ہے۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ اُس شخص کا نام ذوالقرنین تھا۔ ”ذوالقرنین“ کے لفظی معنی ہیں: ”دو سینگوں  
والا“ یہ کسی نامعلوم وجہ سے ایک بادشاہ کا لقب تھا۔ قرآن کریم نے اس بادشاہ کی تفصیلات نہیں بتائیں کہ وہ کون تھا، اور کس  
زمانے میں تھا۔ البتہ ہمارے زمانے کے بیشتر محققین کا رجحان یہ ہے کہ وہ ایران کا بادشاہ سائرس تھا جس نے بنی اسرائیل کو بابل  
کی جلاوطنی سے نجات دلا کر انہیں دوبارہ فلسطین میں آباد کیا تھا۔ قرآن کریم نے اتنا بتایا ہے کہ انہوں نے تین لمبے سفر کئے تھے۔  
پہلا دُنیا کی انتہائی مغربی آبادی تک، دوسرا انتہائی مشرقی آبادی تک، اور تیسرا انتہائی شمالی علاقے تک، جہاں انہوں نے یاجوج  
ماجوج کے وحشیانہ حملوں سے لوگوں کو بچانے کے لئے ایک دیوار تعمیر کی تھی۔

(۱۳) یہ اُن کے پہلے سفر کا ذکر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اُس وقت مغرب میں دُنیا کی جو آخری آبادی تھی، ذوالقرنین وہاں تک  
پہنچے۔ وہ ایسی جگہ تھی کہ اُس کے بعد کوئی آبادی نہیں تھی، اور حدِ نظر تک سمندر پھیلا ہوا تھا، اور سمندر کی شکل بھی ایک سیاہ رنگ کی  
دلدل جیسی تھی، اور شام کے وقت جب سورج غروب ہوتا تو دیکھنے والے کو ایسا لگتا تھا جیسے وہ ایک دلدل نما چشمے میں ڈوب رہا ہے۔  
(۱۴) اس علاقے میں کافر لوگ آباد تھے، اور حضرت ذوالقرنین نے اُسے فتح کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن سے فرمایا کہ اگر تم  
چاہو تو دوسرے فاتحوں کی طرح تم بھی ان لوگوں کو قتل عام کر کے تکلیف میں مبتلا کر سکتے ہو، اور اگر چاہو تو ان کے ساتھ اچھا رویہ  
اختیار کر سکتے ہو۔ دوسری صورت کو ”اچھا رویہ“ قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرما دیا کہ یہ صورت بہتر ہے۔ ذوالقرنین کے  
بارے میں یہ بات یقینی نہیں ہے کہ وہ پیغمبر تھے یا نہیں۔ اگر وہ پیغمبر تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات اُن سے براہِ راست وحی کے  
ذریعے فرمائی ہوگی، اور اگر وہ پیغمبر نہیں تھے، تو ان کو اُس زمانے کے کسی پیغمبر کے ذریعے یہ بات پہنچائی ہوگی، اور یہ بھی ممکن ہے  
کہ وحی کے بجائے الہام کے ذریعے ان کے دل میں یہ بات ڈالی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔



قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُہٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّہٖ فِیُعَذِّبُہٗ عَذَابًا لَّکَرًا ﴿۸۸﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَہٗ جَزَاٌ اَلْحُسْنٰی ۚ وَسَنَقُولُ لَہٗ مِنْ اَمْرِ نَاۤیْسًا ﴿۸۹﴾ ثُمَّ اَتَّبَعْنَا سَبَبًا ﴿۹۰﴾ حَتّٰی اِذَا بَدَغَ مَطْلِعُ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّہُمْ مِنْ دُونِہَا سِتْرًا ﴿۹۱﴾ کَذٰلِکَ ۚ وَقَدْ اَحْطٰۤیۤا لَدَیْہِ خُبْرًا ﴿۹۲﴾ ثُمَّ اَتَّبَعْنَا سَبَبًا ﴿۹۳﴾ حَتّٰی اِذَا بَدَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِہَا قَوْمًا ۭ لَا یَکَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۴﴾

انہوں نے کہا: ”ان میں سے جو کوئی ظلم کا راستہ اختیار کرے گا، اُسے تو ہم سزا دیں گے، پھر اُسے اپنے رب کے پاس پہنچا دیا جائے گا، اور وہ اُسے سخت عذاب دے گا۔ ﴿۸۸﴾ البتہ جو کوئی ایمان لائے گا، اور نیک عمل کرے گا، تو وہ بدلے کے طور پر اچھے انجام کا مستحق ہوگا، اور ہم بھی اُس کو اپنا حکم دیتے وقت آسانی کی بات کہیں گے۔“ ﴿۸۹﴾ اس کے بعد وہ ایک اور راستے کے پیچھے چل پڑے۔ ﴿۹۰﴾ یہاں تک کہ جب وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جسے ہم نے اُس (کی دُھوپ) سے بچنے کے لئے کوئی اوٹ مہیا نہیں کی تھی۔ ﴿۹۱﴾ واقعہ اسی طرح ہوا، اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ (ساز و سامان) تھا، ہمیں اُس کی پوری پوری خبر تھی۔ ﴿۹۲﴾ اس کے بعد وہ ایک اور راستے کے پیچھے چل پڑے۔ ﴿۹۳﴾ یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو انہیں ان پہاڑوں سے پہلے کچھ لوگ ملے جن کے بارے میں ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی بات نہیں سمجھتے۔ ﴿۹۴﴾

(۳۵) ذوالقرنین کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ میں انہیں راہِ راست پر آنے کی دعوت دوں گا، جو لوگ اس دعوت کو قبول نہ کر کے ظلم کا ارتکاب کریں گے، انہیں تو میں سزا دوں گا، اور جو لوگ دعوت قبول کر کے ایمان اور عمل صالح اختیار کر لیں گے، ان کے ساتھ میں آسانی کا معاملہ کروں گا۔

(۳۶) یہ ذوالقرنین کے دوسرے سفر کا ذکر ہے۔ اس سفر میں وہ دُنیا کی انتہائی مشرقی آبادی تک جا پہنچے تھے۔ یہاں کچھ غیر متمدن لوگ رہتے تھے۔ ان میں مکان بنانے اور چھتیں ڈالنے کا دستور نہیں تھا، سب کھلے میدان میں رہتے تھے، اس لئے دُھوپ سے بچاؤ کے لئے کوئی اوٹ نہیں تھی، بلکہ سورج کی کرنیں ان پر براہِ راست پڑتی تھیں۔

(۳۷) یہ ذوالقرنین کا تیسرا سفر ہے۔ قرآنِ کریم نے اس سفر کی سمت متعین نہیں فرمائی، لیکن بیشتر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ یہ سفر شمال میں دُنیا کی انتہائی آبادی کی طرف ہوا تھا۔ یہاں کے لوگوں کی زبان بالکل مختلف تھی، اور شاید حلیہ بھی ایسا ہو کہ ان میں سمجھ کے آثار نظر نہ آتے ہوں۔ اور آگے ان سے جو گفتگو ہوئی ہے، وہ یا تو کسی ترجمان کے ذریعے ہوئی ہوگی، یا اشاروں سے۔



قَالُوا إِذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَى أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۖ ﴿٩٥﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۖ ﴿٩٦﴾ ائْتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا ۖ قَالَ ائْتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۖ ﴿٩٧﴾ فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ۖ ﴿٩٨﴾

انہوں نے کہا: ”اے ذو القرنین! یا جوج اور ماجوج اس زمین میں فساد پھیلانے والے لوگ ہیں۔ تو کیا ہم آپ کو کچھ مال کی پیش کش کر سکتے ہیں، جس کے بدلے آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی دیوار بنا دیں؟“ ﴿۹۵﴾ ذو القرنین نے کہا: ”اللہ نے مجھے جو اقتدار عطا فرمایا ہے، وہی (میرے لئے) بہتر ہے۔ لہذا تم لوگ (ہاتھ پاؤں کی) طاقت سے میری مدد کرو، تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا۔“ ﴿۹۶﴾ مجھے لوہے کی چادریں لادو۔“ یہاں تک کہ جب انہوں نے (درمیانی خلا کو پاٹ کر) دونوں پہاڑی سروں کو ایک دوسرے سے ملا دیا تو کہا کہ: ”اب آگ دہکاؤ“ ﴿۹۷﴾ یہاں تک کہ جب اس (دیوار) کو لال انگار کر دیا تو کہا کہ: ”پگھلا ہوا تانبا لاؤ، اب میں اس پر انڈیلیوں گا۔“ ﴿۹۸﴾ چنانچہ (وہ دیوار ایسی بن گئی کہ) یا جوج ماجوج نہ اس پر چڑھنے کی طاقت رکھتے تھے، اور نہ اُس میں کوئی سوراخ بنا سکتے تھے۔ ﴿۹۹﴾

﴿۹۸﴾ یا جوج اور ماجوج دو وحشی قبیلے تھے جو ان پہاڑوں کے پیچھے رہتے تھے، اور تھوڑے تھوڑے وقفوں سے وہ پہاڑوں کے درمیانی درّے سے اس علاقے میں آکر قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیتے تھے۔ علاقے کے لوگ ان سے پریشان تھے، اس لئے انہوں نے ذو القرنین کو دیکھا کہ وہ بڑے وسائل کے مالک ہیں، تو ان سے درخواست کی کہ پہاڑوں کے درمیان جو درّہ ہے، اسے ایک دیوار بنا کر بند کر دیں، تاکہ یا جوج ماجوج کا راستہ بند ہو جائے، اور وہ یہاں آکر فساد نہ پھیلا سکیں۔ اس کام کے لئے انہوں نے کچھ مال کی بھی پیش کش کی، لیکن حضرت ذو القرنین نے کوئی معاوضہ لینے سے انکار کر دیا، البتہ یہ کہا کہ تم اپنی افرادی طاقت سے میری مدد کرو تو میں یہ دیوار بلا معاوضہ بنا دوں گا۔

﴿۹۹﴾ ذو القرنین نے پہلے لوہے کی بڑی بڑی چادریں پہاڑوں کے درمیان رکھ کر درّے کو پاٹ دیا، پھر ان چادروں کو آگ سے گرم کر کے ان پر پگھلا ہوا تانبا ڈالا، تاکہ وہ چادروں کی درمیانی درازوں میں جا کر بیٹھ جائے، اور اس طرح یہ دیوار نہایت مضبوط بن گئی۔



قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي ۚ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ۝<sup>۹۸</sup>  
وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَعَلْنَاهُمْ جُجًا ۝<sup>۹۹</sup> وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ  
يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرْضًا ۝<sup>۱۰۰</sup> الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي وَكَانُوا لَا  
يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ۝<sup>۱۰۱</sup>

ع

ذوالقرنین نے کہا: ”یہ میرے رب کی رحمت ہے (کہ اُس نے ایسی دیوار بنانے کی توفیق دی) پھر میرے رب نے جس وقت کا وعدہ کیا ہے، جب وہ وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دے گا، اور میرے رب کا وعدہ بالکل سچا ہے۔“ <sup>(۹۸)</sup> اور اُس دن ہم ان کی یہ حالت کر دیں گے کہ وہ موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے، اور صور پھونکا جائے گا، تو ہم سب کو ایک ساتھ جمع کر لیں گے۔ <sup>(۹۹)</sup> اور اُس دن ہم دوزخ کو ان کافروں کے سامنے کھلی آنکھوں لے آئیں گے، جن کی آنکھوں پر (دُنیا میں) میری نصیحت کی طرف سے پردہ پڑا ہوا تھا، اور جو سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ <sup>(۱۰۱)</sup>

<sup>(۵۰)</sup> ذوالقرنین نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دینے کے بعد دو حقیقتوں کو واضح کیا۔ ایک یہ کہ یہ سارا کارنامہ میرے قوتِ بازو کا کرشمہ نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مجھے اس کی توفیق ہوئی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اگرچہ اس وقت یہ دیوار بہت مستحکم بن گئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے اسے توڑنا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، یہ قائم رہے گی، اور جب وہ وقت آجائے گا جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ٹوٹنا مقرر کر رکھا ہے تو یہ ٹوٹ کر زمین کے برابر ہو جائے گی۔ اس طرح قرآن کریم سے یہ بات یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتی کہ یہ دیوار قیامت تک قائم رہے گی، بلکہ اس کا قیامت سے پہلے ٹوٹنا بھی ممکن ہے۔ چنانچہ بعض محققین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ دیوار رُوس کے علاقے داغستان میں در بند کے مقام پر بنائی گئی تھی، اور اب وہ ٹوٹ چکی ہے۔ یا جوج ماجوج کے مختلف ریلے تاریخ کے مختلف زمانوں میں متمدن آبادیوں پر حملہ آور ہوتے رہے ہیں، اور پھر وہ ان متمدن علاقوں میں پہنچ کر خود بھی متمدن ہوتے رہے ہیں۔ البتہ ان کا آخری ریلا قیامت سے کچھ پہلے نکلے گا۔ اس موضوع کی مفصل تحقیق حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”قص القرآن“ میں اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ”معارف القرآن“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اور آگے ذوالقرنین نے جو فرمایا کہ: ”میرے رب کا وعدہ بالکل سچا ہے“ اس سے مراد قیامت کا وعدہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تو ابھی معلوم نہیں ہے کہ اس دیوار کے ٹوٹنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کونسا وقت مقرر فرمایا ہے، لیکن ایک وعدہ واضح طور پر معلوم ہے کہ ایک وقت قیامت آنے والی ہے، اور جب وہ آئے گی تو ہر مضبوط سے مضبوط چیز بھی ٹوٹ پھوٹ کر فنا ہو جائے گی۔ ذوالقرنین نے اس موقع پر قیامت کا جو حوالہ دیا، اُس کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے آگے قیامت کے کچھ حالات بیان فرمائے ہیں۔

<sup>(۵۱)</sup> اس سے مراد یا جوج ماجوج کا وہ ریلا بھی ہو سکتا ہے جو قیامت کے قریب نکلے گا، اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ قیامت کے



أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۖ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ  
 لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيُهُمْ فِي  
 الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يُحْسَبُونَ أَنَّهم يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ  
 وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذَلِكَ جَزَاءُ وَهُمْ جَهَنَّمَ بِمَا  
 كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ  
 جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حَوْلًا ﴿۱۰۸﴾

جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، کیا وہ پھر بھی یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے چھوڑ کر میرے ہی بندوں کو اپنا رکھوالا بنالیں گے؟ یقین رکھو کہ ہم نے ایسے کافروں کی مہمانی کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ ﴿۱۰۲﴾ کہہ دو کہ: ”کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ ہیں جو اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام ہیں؟“ ﴿۱۰۳﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیوی زندگی میں ان کی ساری دوڑ دھوپ سیدھے راستے سے بھٹکی رہی، اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔“ ﴿۱۰۴﴾ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مالک کی آیتوں کا اور اُس کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا، اس لئے ان کا سارا کیا دھرا غارت ہو گیا، چنانچہ قیامت کے دن ہم اُن کا کوئی وزن شمار نہیں کریں گے۔ ﴿۱۰۵﴾ یہ ہے جہنم کی شکل میں اُن کی سزا، کیونکہ انہوں نے کفر کی روش اختیار کی تھی، اور میری آیتوں اور میرے پیغمبروں کا مذاق بنایا تھا۔ ﴿۱۰۶﴾ (دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کی مہمانی کے لئے بیشک فردوس کے باغ ہوں گے، ﴿۱۰۷﴾ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، (اور) وہ وہاں سے کہیں اور جانا نہیں چاہیں گے۔ ﴿۱۰۸﴾

قریب نکلیں گے تو ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں نکلیں گے، اور موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قیامت کے وقت عام لوگوں کی بدحواسی کا بیان ہو کہ قیامت کے ہولناک مناظر دیکھ کر لوگ بدحواسی میں ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے۔

(۵۲) اس آیت کریمہ نے یہ بڑی اہم حقیقت واضح فرمائی ہے کہ کسی عمل کے مقبول ہونے کے لئے صرف خلوص نیت کافی نہیں ہے، بلکہ راستے کا سیدھا ہونا بھی ضروری ہے۔ بہت سے کافر خلوص کے ساتھ ایک کام کو اچھا سمجھ کر کرتے ہیں، لیکن چونکہ وہ کام انہوں نے خود اپنی طرف سے گھڑا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ یا اُس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی طرف سے اُس کام کی کوئی سند نہیں ہوتی، اس لئے وہ ساری محنت اکارت ہو کر رہ جاتی ہے۔



قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَكَلِمَتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَتَفَدَّ كَلِمَتُ رَبِّي وَلَوْ جُنُابًا بِشْطِهِ  
 مَدَدًا ۝۱۰۹ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ  
 رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ ۚ أَحَدًا ۝۱۱۰

(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ: ”اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر روشنائی بن جائے، تو میرے رب کی باتیں ختم نہیں ہوں گی کہ اُس سے پہلے سمندر ختم ہو چکا ہوگا، چاہے اُس سمندر کی کمی پوری کرنے کے لئے ہم ویسا ہی ایک اور سمندر کیوں نہ لے آئیں۔“ ۝۱۰۹ کہہ دو کہ: ”میں تو تمہی جیسا ایک انسان ہوں، (البتہ) مجھ پر یہ وحی آتی ہے کہ تم سب کا خدا بس ایک خدا ہے۔ لہذا جس کسی کو اپنے مالک سے جاننے کی اُمید ہو، اُسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے، اور اپنے مالک کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائے۔“ ۝۱۱۰

(۵۳) ”اللہ تعالیٰ کی باتوں“ سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات اور کمالات کا تذکرہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت، اُس کی حکمت اور اُس کے کمالات اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان کو قلم بند کیا جائے تو بڑے بڑے سمندروں کو روشنائی بنا کر لکھا جائے تو سمندر کے سمندر خشک ہو جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور کمالات کا بیان ختم نہیں ہوگا۔

الحمد للہ تعالیٰ! آج شبِ دو شنبہ ۲۹ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۴ اکتوبر ۲۰۰۶ء کورات کے چار بجے سحری سے کچھ قبل سورہ کہف کا ترجمہ اور حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضا کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین، ثناء آمین۔



# سُورَةُ مَرْيَمَ

## تعارف

اس سورت کا بنیادی مقصد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں صحیح عقائد کی وضاحت اور اُن کے بارے میں عیسائیوں کی تردید ہے۔ اگرچہ مکہ مکرمہ میں، جہاں یہ سورت نازل ہوئی، عیسائیوں کی کوئی خاص آبادی نہیں تھی، لیکن مکہ مکرمہ کے بت پرست کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کی تردید کے لئے عیسائیوں سے مدد لیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے صحابہ کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے جہاں عیسائی مذہب ہی کی حکمرانی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ، حضرت مریم، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کی صحیح حقیقت سے واقف ہوں۔ چنانچہ اس سورت میں ان حضرات کے واقعات اسی سیاق و سباق میں بیان ہوئے ہیں۔ اور چونکہ یہ واضح کرنا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں ہیں، جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے، بلکہ وہ انبیائے کرام ہی کے مقدس سلسلے کی ایک کڑی ہیں، اس لئے بعض دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کا بھی مختصر تذکرہ اس سورت میں آیا ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت اور اُس وقت حضرت مریم علیہا السلام کی کیفیات سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوئی ہیں، اس لئے اس کا نام سورۃ مریم رکھا گیا ہے۔



﴿ آیتھا ۹۸ ﴾ ﴿ ۱۹ سُورَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ ۲۴ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

كَهَيِّعَصَ ۱ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَاهُ زَكْرِيَّا ۲ اِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۳ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاسْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَاۤیِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۴ وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتْ اُمْرَاۤتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۵ یٰرِثْنِیْ وَیَرِثْ مِنْ اِلٰی یَعْقُوبَ ۶ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَاضِیًّا ۷ یٰزَكْرٰیآ اِنَّا نَبْشُرُكَ بِغُلَامٍ اَسْمُهُ یَجْیٰی ۸ لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ۹

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کَهِیْعَصَ ۱ یہ تذکرہ ہے اُس رحمت کا جو تمہارے پروردگار نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی، ۲ یہ اُس وقت کی بات ہے جب انہوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آہستہ آواز سے پکارا تھا۔ ۳ انہوں نے کہا تھا کہ: ”میرے پروردگار! میری ہڈیاں تک کمزور پڑ گئی ہیں، اور سر بڑھاپے کی سفیدی سے بھڑک اٹھا ہے، اور میرے پروردگار! میں آپ سے دُعا مانگ کر کبھی نامراد نہیں ہوا۔ ۴ اور مجھے اپنے بعد اپنے چچا زاد بھائیوں کا اندیشہ لگا ہوا ہے، اور میری بیوی بانجھ ہے، لہذا آپ خاص اپنے پاس سے مجھے ایک ایسا وارث عطا کر دیجئے ۵ جو میرا بھی وارث ہو، اور یعقوب (علیہ السلام) کی اولاد سے بھی میراث پائے۔ ۶ اور یا رَبِّ! اُسے ایسا بنائیے جو (خود آپ کا) پسندیدہ ہو۔“ ۷ (آواز آئی کہ:) اے زکریا! ہم تمہیں ایک ایسے لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے پہلے ہم نے اس کے نام کا کوئی اور شخص پیدا نہیں کیا۔“ ۸

(۱) جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا، مختلف سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات آئے ہیں، ان کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے۔

(۲) یعنی میری کوئی اولاد تو ہے نہیں، اور میرے پیچھے میرے چچا زاد بھائی اپنے علم اور تقویٰ کے اعتبار سے اُس مقام پر نہیں ہیں کہ وہ میرے مشن کو آگے جاری رکھ سکیں، اس لئے مجھے اُن سے اندیشہ ہے کہ وہ دین کی خدمت نہیں کر سکیں گے۔ لہذا مجھے ایسا بیٹا عطا فرما دیجئے جو میرے علوم نبوت کا وارث ہو۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی اس دُعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے جواب میں بیٹا عطا فرمانے کا تذکرہ پیچھے سورہ آل عمران (۳: ۸ تا ۴۰) میں بھی گذر چکا ہے۔ ان آیتوں کے حواشی بھی ملاحظہ فرمائے جائیں۔

(۳) ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ میراث پانے سے حضرت زکریا علیہ السلام کا مطلب مال و دولت کی میراث نہیں تھا، بلکہ علوم



قَالَ رَبِّ اَنِّیْ یُکُوْنُ لِیْ غُلَمٌ وَكَانَتْ اُمِّرَاتِیْ عَاقِرًا وَاقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ۝ قَالَ کَذٰلِکَ ۚ قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلٰی هٰیئٍ وَّاقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِیْ اٰیَةً ۚ قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ۝ فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهِ مِنَ الْبَحْرَابِ فَاَوْحٰی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُکْرَةً وَّاَعِشًا ۝ یَّجِیْیْ خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۚ وَاتَّبِعْهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا ۝

زکریا نے کہا: ”میرے پروردگار! میرے یہاں لڑکا کس طرح پیدا ہوگا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے، اور میں بڑھاپے سے اس حال کو پہنچ گیا ہوں کہ میرا جسم سوکھ چکا ہے!“ (۱) کہا: ”ہاں! ایسا ہی ہوگا۔ تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ یہ تو میرے لئے معمولی بات ہے۔ اور اس سے پہلے میں نے تمہیں پیدا کیا تھا جب تم کچھ بھی نہیں تھے۔“ (۲) زکریا نے کہا: ”میرے پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے۔“ فرمایا: ”تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم صحت مند ہونے کے باوجود تین رات تک لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے۔“ (۳) چنانچہ وہ عبادت گاہ سے نکل کر اپنی قوم کے سامنے آئے، اور ان کو اشارے سے ہدایت دی کہ تم لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح کیا کرو۔ (۴) پھر جب یحییٰ پیدا ہو کر بڑے ہو گئے تو ہم نے ان سے فرمایا: ”اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے تھام لو۔“ اور ہم نے بچپن ہی میں ان کو دانائی بھی عطا کر دی تھی، (۵)

نبوت کی میراث پانا مراد تھا، کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے مالی وراثت پانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا ان کی یہ دعا اس اصول کے خلاف نہیں ہے جو معروف حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا ترکہ ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا۔

(۴) یہ تعجب کا اظہار درحقیقت فرط مسرت میں اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر شکر ادا کرنے کا ایک اسلوب تھا۔

(۵) یعنی جس اللہ تعالیٰ نے تمہیں عدم سے وجود عطا فرمایا ہے، وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ تمہیں بڑھاپے میں اولاد عطا فرمادے۔

(۶) یعنی کوئی ایسی نشانی بتا دیجئے جس سے مجھے یہ پتہ چل جائے کہ حمل قرار پا چکا ہے۔

(۷) یعنی جب حمل قرار پائے گا تو تم سے بولنے کی قوت تین دن کے لئے سلب کر لی جائے گی، البتہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کر سکو گے۔

(۸) کتاب سے مراد تورات ہے، اور مضبوطی کے ساتھ تھامنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر خود بھی پورا پورا عمل کرو، اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرو۔



وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً ۖ وَكَانَ تَقِيًّا ۝۱۳ وَبَرًّا بِوَالَدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝۱۴  
وَسَلَّمَ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝۱۵ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ  
إِذِ اتَّخَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝۱۶ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا  
رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝۱۷ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝۱۸ قَالَ  
إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۝۱۹ قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي  
بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۝۲۰ قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَىٰ هَيْئٍ ۚ وَلَنَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ  
وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝۲۱

اور خاص اپنے پاس سے نرم دلی اور پاکیزگی بھی۔ اور وہ بڑے پرہیزگار تھے، ۱۳ اور اپنے والدین کے خدمت گزار! نہ وہ سرکش تھے، نہ نافرمان۔ ۱۴ اور (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سلام ہے ان پر اُس دن بھی جس روز وہ پیدا ہوئے، اُس دن بھی جس روز انہیں موت آئے گی، اور اُس دن بھی جس روز انہیں زندہ کر کے دوبارہ اُٹھایا جائے گا۔ ۱۵ اور اس کتاب میں مریم کا بھی تذکرہ کرو۔ اُس وقت کا تذکرہ جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر اُس جگہ چلی گئیں جو مشرق کی طرف واقع تھا۔ ۱۶ پھر انہوں نے ان لوگوں کے اور اپنے درمیان ایک پردہ ڈال لیا۔ ۱۷ اس موقع پر ہم نے ان کے پاس اپنی رُوح (یعنی ایک فرشتہ) کو بھیجا جو ان کے سامنے ایک مکمل انسان کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ۱۸ مریم نے کہا: ”میں تم سے خدائے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تم میں خدا کا خوف ہے (تو یہاں سے ہٹ جاؤ) ۱۹ فرشتے نے کہا: ”میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں، (اور اس لئے آیا ہوں) تاکہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔“ ۱۰ مریم نے کہا: ”میرے لڑکا کیسے ہو جائے گا، جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے، اور نہ میں کوئی بدکار عورت ہوں؟“ ۲۰ فرشتے نے کہا: ”ایسے ہی ہو جائے گا۔ تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ: ”یہ میرے لئے ایک معمولی بات ہے۔ اور ہم یہ کام اس لئے کریں گے تاکہ اُس لڑکے کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کی) ایک نشانی بنائیں، اور اپنی طرف سے رحمت کا مظاہرہ کریں۔ اور یہ بات پوری طرح طے ہو چکی ہے۔“ ۲۱

(۹) علیحدہ جا کر پردہ ڈالنے کی وجہ بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ وہ غسل کرنا چاہتی تھیں، اور بعض نے کہا ہے کہ عبادت کے لئے تنہائی اختیار کرنا مقصود تھا۔ علامہ قرطبی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

(۱۰) پاکیزہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے نسب اور اپنے اخلاق و عادات کے اعتبار سے پاکیزہ ہوگا۔

(۱۱) انسان کی پیدائش کا عام طریقہ تو یہ ہے کہ وہ مرد اور عورت دونوں کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس طرح پیدا فرمایا کہ ان کی پیدائش میں نہ کسی مرد کا کوئی دخل تھا، نہ کسی عورت کا، اور حضرت حوا، کو چونکہ انہی کی



فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۖ قَالَتْ  
يَلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مَنْسِيًّا ۝ فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ  
رَبُّكَ تَحْتَكَ سَرِيًّا ۝ وَهَزَّيْنِي إِلَيْكَ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسْقِطُ عَلَيْكَ رَطْبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلْ  
وَأَشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۖ فَمَا تَرَيْنَ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ۖ فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا  
فَلَنْ أَكَلِمَ الْيَوْمَ أَنْسِيًّا ۝

پھر ہوا یہ کہ مریم کو اُس بچے کا حمل ٹھہر گیا، (اور جب ولادت کا وقت قریب آیا) تو وہ اس کو لے کر لوگوں سے الگ ایک  
دُور مقام پر چلی گئیں۔ ۱۱ پھر زچگی کے درد نے انہیں ایک کھجور کے درخت کے پاس پہنچا دیا۔ وہ کہنے لگیں: ”کاش کہ  
میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی، اور مر کر بھولی بسر ہو جاتی!“ ۱۲ پھر فرشتے نے ان کے نیچے ایک جگہ سے انہیں آواز  
دی کہ: ”غم نہ کرو، تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ پیدا کر دیا ہے۔“ ۱۳ اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ،  
اُس میں سے پکی ہوئی تازہ کھجوریں تم پر جھڑیں گی۔ ۱۴ اب کھاؤ، اور پیو، اور آنکھیں ٹھنڈی رکھو۔ ۱۵ اور اگر لوگوں میں  
سے کسی کو آتا دیکھو تو (اشارے سے) کہہ دینا کہ: ”آج میں نے خدائے رحمن کے لئے ایک روزے کی منت مانی ہے،  
اس لئے میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی۔“ ۱۶

پسلی سے پیدا کیا گیا، اس لئے ان کی پیدائش میں مرد کا توفی الجملہ دخل تھا، عورت کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے پیدائش کی  
چوتھی صورت اپنی قدرت سے ظاہر فرمائی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باپ کے بغیر صرف ماں سے پیدا فرمایا۔ اس سے ایک تو  
اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ مقصود تھا، اور دوسرے وہ ایک پیغمبر کی حیثیت میں لوگوں کے لئے رحمت بن کر تشریف لارہے تھے۔  
۱۴ ایک پاکباز عورت کو کنوارے پن میں بچہ پیدا ہونے کے تصور سے جو بے چینی ہو سکتی ہے، وہ ظاہر ہے۔ اگرچہ عام حالات  
میں موت کی تمنا کرنا منع ہے، لیکن کسی دینی نقصان کے اندیشے سے ایسی تمنا منع نہیں۔ اور ایسا لگتا ہے کہ شدید بے چینی کے عالم  
میں حضرت مریم علیہا السلام کو فرشتے کی دی ہوئی بشارتوں کی طرف وقتی طور سے دھیان نہیں رہا۔ اس لئے بے ساختہ یہ کلمات  
زبان سے نکلے۔

۱۳ حضرت مریم علیہا السلام جس جگہ تشریف لے گئی تھیں، وہ کچھ بلندی پر واقع تھی، (اور شاید یہی جگہ بیت اللحم کہلاتی ہے جو  
بیت المقدس سے چند میل کے فاصلے پر ہے) اس کے نیچے نشیب میں سے فرشتہ ان سے دوبارہ ہم کلام ہوا، اور انہیں تسلی دی کہ  
اللہ تعالیٰ نے آپ کے کھانے پینے کا یہ انتظام فرما دیا ہے کہ نیچے ایک چشمہ بہہ رہا ہے، اور معمولی کوشش سے تازہ کھجوریں آپ پر  
خود بخود جھڑ جائیں گی جن میں پوری غذائیت بھی ہے، اور تقویت کا سامان بھی۔

۱۴ بعض پچھلی شریعتوں میں بات چیت نہ کرنے کا روزہ رکھنا بھی عبادت کی ایک شکل تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی  
شریعت میں منسوخ ہو گئی۔ اب ایسا روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ ہدایت دی گئی کہ وہ ایسے روزے کی



فَاتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحِيْلَهُ ۖ قَالُوا لَيْرِيمُ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا فَرِيًّا ۚ (۲۷) يَا خُتُّ هَارُونَ مَا كَانَ  
 أَبُوكَ أَمْرًا سَوْءًا وَمَا كَانَتْ أُمُّكَ بَغِيًّا ۖ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي  
 الْهَيْدِ صَبِيًّا ۚ (۲۸) قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ۖ آتَانِي الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۖ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا  
 كُنْتُ ۖ وَأَوْصَنِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۖ (۲۹) وَبَرًّا بِوَالِدَتِي ۖ وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا  
 شَقِيًّا ۖ (۳۰) وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۖ (۳۱)

پھر وہ اُس بچے کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں۔ (۱۵) وہ کہنے لگے کہ: ”مریم! تم نے تو بڑا غضب ڈھا دیا۔ (۲۷)  
 اے ہارون کی بہن! نہ تو تمہارا باپ کوئی بُرا آدمی تھا، نہ تمہاری ماں کوئی بدکار عورت تھی!“ (۲۸) اس پر مریم نے اُس بچے  
 کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا: ”بھلا ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی پالنے میں پڑا ہوا بچہ ہے؟“ (۲۹) (اس  
 پر) بچہ بول اٹھا کہ: ”میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب دی ہے، اور نبی بنایا ہے، (۱۷) اور جہاں بھی میں رہوں،  
 مجھے بابرکت بنایا ہے، اور جب تک زندہ رہوں، مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے، (۱۸) اور مجھے اپنی والدہ کا فرماں بردار  
 بنایا ہے، اور مجھے سرکش اور سنگ دل نہیں بنایا۔ (۳۰) اور (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سلامتی ہے مجھ پر اُس دن بھی جب  
 میں پیدا ہوا، اور اُس دن بھی جس دن میں مروں گا، اور اُس دن بھی جب مجھے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔“ (۳۱)

منّت مان کر روزہ رکھ لیں، اور کوئی بات کرنا چاہے تو اسے اشاروں سے بتا دیں کہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے، تاکہ خواہ مخواہ لوگوں  
 کے سوال و جواب سے مزید تکلیف نہ ہو۔

(۱۵) بچے کی پیدائش کے بعد حضرت مریم علیہا السلام پوری طرح مطمئن ہو چکی تھیں کہ جس اللہ تعالیٰ نے یہ بچہ اپنی خاص قدرت  
 سے پیدا فرمایا ہے، وہی ان کی براءت بھی ظاہر فرمائے گا، اس لئے اب اطمینان کے ساتھ خود ہی بچے کو لے کر لوگوں کے سامنے  
 تشریف لے گئیں۔

(۱۶) یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں، اور ان کے قبیلے کی طرف منسوب  
 کر کے ان کو ہارون کی بہن کہہ دیا گیا ہو جیسے حضرت ہود علیہ السلام کو ”عاد کا بھائی“ کہا گیا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے کسی  
 بھائی کا نام ہارون ہو، اور چونکہ وہ نیک نام بزرگ تھے، اس لئے ان کی قوم نے ان کا حوالہ دیا ہو۔

(۱۷) یعنی بڑے ہو کر مجھے انجیل عطا کی جائے گی، اور نبی بنایا جائے گا، اور یہ بات اتنی یقینی ہے جیسے ہو ہی چکی۔ دودھ پیتے بچے  
 کا اس طرح بولنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلا ہوا معجزہ تھا جس نے حضرت مریم علیہا السلام کی براءت بالکل واضح کر دی۔

(۱۸) یعنی جب تک میں اس دنیا میں زندہ رہوں گا، مجھ پر نماز اور زکوٰۃ فرض رہے گی۔



ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَسْتَرْوْنَ ۝۳۴ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۚ سُبْحٰنَهُ ۚ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۳۵ وَاِنَّ اللّٰهَ رَآبِيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۳۶ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۳۷ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصُرْ ۚ يَوْمَ يَأْتُوْنَنا لَكِنِ الظّٰلِمُوْنَ اَلْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۸ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۚ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۹ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا ۚ اَلْيَبْنٰى يُرْجَعُوْنَ ۝۴۰ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝۴۱ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰ اَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ۝۴۲

یہ ہیں عیسیٰ بن مریم! ان (کی حقیقت) کے بارے میں سچی بات یہ ہے جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ (۱۹) اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کوئی بیٹا بنائے، اُس کی ذات پاک ہے۔ جب وہ کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اُس سے یہ کہتا ہے کہ: ”ہوجا“ چنانچہ وہ ہوجاتی ہے۔ (۲۰) اور (اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دو کہ:) یقیناً اللہ میرا بھی پروردگار ہے، اور تمہارا بھی پروردگار، اس لئے اُس کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ (۲۱) پھر بھی ان میں سے مختلف گروہوں نے اختلاف ڈال دیا ہے، چنانچہ جس دن یہ ایک زبردست دن کا مشاہدہ کریں گے، اُس دن اُن کی بڑی تباہی ہوگی جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ (۲۲) جس روز یہ ہمارے پاس آئیں گے، اُس دن یہ کتنے سننے والے اور دیکھنے والے بن جائیں گے! لیکن یہ ظالم آج کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ (۲۳) اور (اے پیغمبر!) ان کو اُس پچھتاوے کے دن سے ڈرائیے جب ہر بات کا آخری فیصلہ ہو جائے گا، جبکہ یہ لوگ (اس وقت) غفلت میں ہیں، اور ایمان نہیں لارہے۔ (۲۴) یقین جانو کہ زمین اور اُس پر سارے رہنے والوں کے وارث ہم ہی ہوں گے، اور ہماری طرف ہی ان سب کو لوٹایا جائے گا۔ (۲۵)

اور اس کتاب میں ابراہیم کا بھی تذکرہ کرو۔ بیشک وہ سچائی کے خوگر نبی تھے۔ (۲۶) یاد کرو جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ: ”ابا جان! آپ ایسی چیزوں کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں، اور نہ آپ کا کوئی کام کر سکتی ہیں؟“ (۲۷)

(۱۹) اس پورے واقعے کو ذکر فرما کر یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو افراط و تفریط اختیار کر رکھی ہے، وہ حقیقت نہیں ہے۔ نہ وہ الزامات درست ہیں جو یہودیوں نے ان پر لگا رکھے ہیں، اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا ماننا صحیح ہے جیسا کہ عیسائیوں نے مان رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی بیٹے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر نہ صرف بت پرست تھا، بلکہ خود بت تراشی کیا کرتا تھا۔



يَا بَتِ اِنِّي قَدْ جَاَءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ (۲۳) يَا بَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۚ اِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ (۲۴) يَا بَتِ اِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يَّيْسَكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ (۲۵) قَالَ اَرَا غِبُّ اَنْتَ عَنِ السَّهَتِ يَا اِبْرٰهِيْمُ ۚ لَيْنَ لَّمْ تَنْتَهَ لَا رُجُوكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ (۲۶) قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُكَ رَبِّيْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ (۲۷) وَاعْتَزِلْكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوا رَبِّيْ ۚ عَسٰى اَلَّا اَكُوْنَ بِدُعَاِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ (۲۸)

اباجان! میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، اس لئے میری بات مان لیجئے، میں آپ کو سیدھا راستہ بتا دوں گا۔ (۲۳) اباجان! شیطان کی عبادت نہ کیجئے۔ (۲۴) یقین جانئے کہ شیطان خدائے رحمن کا نافرمان ہے۔ (۲۵) اباجان! مجھے اندیشہ ہے کہ خدائے رحمن کی طرف سے آپ کو کوئی عذاب نہ آپکڑے، جس کے نتیجے میں آپ شیطان کے ساتھی بن کر رہ جائیں۔ (۲۶) ان کے باپ نے کہا: ”ابراہیم! کیا تم میرے خداؤں سے بیزار ہو؟ یاد رکھو، اگر تم باز نہ آئے تو میں تم پر پتھر برسائوں گا، اور اب تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے دُور ہو جاؤ۔“ (۲۷) ابراہیم نے کہا: ”میں آپ کو (رخصت کا) سلام کرتا ہوں۔ میں اپنے پروردگار سے آپ کی بخشش کی دُعا کروں گا۔“ (۲۸) بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ (۲۹) اور میں آپ لوگوں سے بھی الگ ہوتا ہوں، اور اللہ کو چھوڑ کر آپ لوگ جن جن کی عبادت کرتے ہیں، اُن سے بھی، اور میں اپنے پروردگار کو پکارتا رہوں گا۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ اپنے رب کو پکار کر میں نافرمان نہیں رہوں گا۔“ (۳۰)

(۲۱) بتوں کی عبادت کرنے کا خیال درحقیقت شیطان کا ڈالا ہوا خیال تھا، اس لئے بتوں کی عبادت کا مطلب یہی تھا کہ انسان شیطان کو قابلِ اطاعت سمجھ کر اس کی عبادت کرے۔

(۲۲) یعنی جو انجام شیطان کا ہو، وہ آپ کا بھی ہو۔

(۲۳) عام حالات میں کافروں کو سلام کی ابتدا کرنا جائز نہیں ہے، لیکن جہاں کوئی دینی مصلحت داعی ہو تو اس نیت سے سلام کرنے کی گنجائش ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اسلام کی توفیق دے کر سلامتی سے ہم کنار فرمائیں۔

(۲۴) سورۃ توبہ (۱۱۳: ۹) میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس وعدے کا حوالہ دیا ہے، اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے یہ وعدہ اُس وقت کیا تھا جب آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اُس کے مقدر میں ایمان نہیں ہے، چنانچہ جب یہ بات معلوم ہو گئی تو پھر آپ اس کے لئے دُعا کرنے سے دست بردار ہو گئے۔



فَلَمَّا عَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ<sup>۱۸</sup> وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا<sup>۱۹</sup> وَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا<sup>۲۰</sup> وَادَّكُرْنَا فِي الْكِتَابِ<sup>۲۱</sup> مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا<sup>۲۲</sup> وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا<sup>۲۳</sup> وَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا<sup>۲۴</sup> وَادَّكُرْنَا فِي الْكِتَابِ<sup>۲۵</sup> إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا<sup>۲۶</sup> وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا<sup>۲۷</sup> وَادَّكُرْنَا فِي الْكِتَابِ<sup>۲۸</sup> إِذْ رَأَيْسَ<sup>۲۹</sup> إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا<sup>۳۰</sup>

چنانچہ جب وہ اُن سے اور ان (بتوں) سے الگ ہو گئے جنہیں وہ اللہ کے بجائے پکارا کرتے تھے، تو ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب (جیسی اولاد) بخشی، اور ان میں سے ہر ایک کو نبی بنایا۔<sup>(۱۹)</sup> اور ان کو اپنی رحمت سے نوازا، اور انہیں اُونچے درجے کی نیک نامی عطا کی۔<sup>(۲۵)</sup>

اور اس کتاب میں موسیٰ کا بھی تذکرہ کرو۔ بیشک وہ اللہ کے چنے ہوئے بندے تھے، اور رسول اور نبی تھے۔<sup>(۲۱)</sup> ہم نے انہیں کوہ طور کی دائیں جانب سے پکارا، اور انہیں اپنا رازدار بنا کر اپنا قرب عطا کیا۔<sup>(۲۲)</sup> اور ہم نے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر اپنی رحمت سے انہیں (ایک مددگار) عطا کیا۔<sup>(۲۳)</sup> اور اس کتاب میں اسمعیل کا بھی تذکرہ کرو۔ بیشک وہ وعدے کے سچے تھے، اور رسول اور نبی تھے۔<sup>(۲۴)</sup> اور وہ اپنے گھر والوں کو بھی نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے، اور اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے۔<sup>(۲۵)</sup> اور اس کتاب میں ادریس کا بھی تذکرہ کرو۔ بیشک وہ سچائی کے خوگر نبی تھے۔<sup>(۳۰)</sup>

(۲۵) چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ صرف مسلمان، بلکہ یہودی اور عیسائی بھی اپنا مقتدا سمجھتے ہیں۔

(۲۶) حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا مفصل واقعہ اگلی سورت میں آ رہا ہے۔

(۲۷) پیچھے آیت نمبر ۴۹ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا تھا کہ اُن کی اہمیت کے پیش نظر اُن کا تذکرہ علیحدہ کرنا مقصود تھا جو اس آیت میں کیا گیا ہے۔ یوں تو سارے انبیائے علیہم السلام ہی وعدے کے سچے ہوتے ہیں، لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے خاص طور پر یہ صفت اس لئے بیان فرمائی گئی ہے کہ جب انہیں ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اپنے والد سے وعدہ کیا تھا کہ ذبح کے وقت وہ انہیں صبر کرنے والا پائیں گے (جس کا ذکر سورہ صافات میں آئے گا)۔ موت کو سامنے دیکھ کر بھی انہیں اپنا یہ وعدہ یاد رہا، اور انہوں نے مثالی صبر و ضبط کا مظاہرہ فرمایا۔ اس کے علاوہ بھی وعدے کی پابندی کے معاملے میں ان کے کئی واقعات مفسرین نے بیان فرمائے ہیں۔



وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ اُولَٰئِكَ الَّذِينَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّنَ مِنْ ذُرِّيَةِ اٰدَمَ ۚ  
وَمِمَّنْ حٰمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۚ وَمِنْ ذُرِّيَةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۚ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ  
اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ۝ ۵۶ ۚ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَصَاغَوْا  
الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ عَذَابًا ۝ ۵۷ ۚ اِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صٰلِحًا فَاُولَٰئِكَ  
يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝ ۵۸ ۚ جَنَّتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ ۚ  
اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا ۝ ۵۹ ۚ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لُغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۚ وَلَهُمْ فِيْهَا مَزٰكِرٌ  
وَّعَشِيًّا ۝ ۶۰ ۚ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْۢ عِبَادِنَا مَن كَانَ تَقِيًّا ۝ ۶۱

اور ہم نے انہیں رفعت دے کر ایک بلند مقام تک پہنچا دیا تھا۔ (۲۸) آدم کی اولاد میں سے یہ وہ نبی ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا، اور ان میں سے کچھ ان لوگوں کی اولاد میں سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا، اور کچھ ابراہیم اور اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کی اولاد میں سے ہیں۔ اور یہ سب ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی، اور (اپنے دین کے لئے) منتخب کیا۔ جب ان کے سامنے خدائے رحمن کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی تو یہ روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے۔ (۲۹) پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کی جگہ آئے جنہوں نے نمازوں کو برباد کیا، اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلے۔ چنانچہ ان کی گمراہی بہت جلد ان کے سامنے آ جائے گی۔ (۳۰) البتہ جن لوگوں نے توبہ کر لی، اور ایمان لے آئے، اور نیک عمل کئے، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا۔ (۱) ان کا داخلہ ایسے ہمیشہ باقی رہنے والے باغات میں (ہوگا) جن کا خدائے رحمن نے اپنے بندوں سے ان کے دیکھے بغیر وعدہ کر رکھا ہے۔ یقیناً اس کا وعدہ ایسا ہے کہ یہ اس تک ضرور پہنچیں گے۔ (۲) وہ اس میں سلامتی کی باتوں کے سوا کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔ اور وہاں ان کا رزق انہیں صبح و شام ملا کرے گا۔ (۳) یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو متقی ہو۔ (۴)

(۲۸) اس سے مراد نبوت و رسالت اور تقویٰ اور بزرگی کا اعلیٰ مرتبہ ہے جو ان کے زمانے میں انہی کو عطا ہوا۔ بائبل میں ان کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا تھا۔ تفسیر کی بعض کتابوں میں بھی ایسی کچھ روایتیں آئی ہیں جن کی بنیاد پر کہا گیا ہے کہ اس آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن یہ روایتیں سند کے اعتبار سے نہایت کمزور اور ناقابل اعتبار ہیں۔

(۲۹) یہ سجدے کی آیت ہے۔ جو کوئی شخص عربی میں یہ آیت پڑھے، یا سنے اس پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔

(۳۰) یعنی ان کی گمراہی کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی صورت میں ان کے سامنے آ جائے گا۔



وَمَا نُنَزِّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ  
 نَسِيًّا ۚ (۱۴) رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۖ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ  
 سَمِيًّا ۚ (۱۵) وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ إِذَا مَاتَ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ۖ (۱۶) أَوْ لَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ  
 مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۖ (۱۷) فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۖ (۱۸)

اور (فرشتے تم سے یہ کہتے ہیں کہ) ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر اتر کر نہیں آتے۔ جو کچھ ہمارے آگے ہے، اور جو  
 کچھ ہمارے پیچھے ہے، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، وہ سب اُسی کی ملکیت ہے۔ اور تمہارا رب ایسا نہیں ہے جو بھول  
 جایا کرے۔ (۱۴) وہ آسمانوں اور زمین کا بھی مالک ہے، اور جو مخلوقات اُن کے درمیان ہیں، اُن کا بھی۔ لہذا تم اُس کی  
 عبادت کرو، اور اُس کی عبادت پر جتھے رہو۔ کیا تمہارے علم میں کوئی اور ہے جو اُس جیسی صفات رکھتا ہو؟ (۱۵)  
 اور (کافر) انسان یہ کہتا ہے کہ: ”جب میں مر چکا ہوں گا تو کیا واقعی اُس وقت مجھے زندہ کر کے نکالا جائے گا؟“ (۱۶) کیا  
 اس انسان کو یہ بات یاد نہیں آتی کہ ہم نے اُسے شروع میں اُس وقت پیدا کیا تھا جب وہ کچھ بھی نہیں تھا؟ (۱۷) تو قسم ہے  
 تمہارے پروردگار کی! ہم ان کو اور ان کے ساتھ سارے شیطانوں کو ضرور اکٹھا کریں گے، پھر ان کو دوزخ کے گرد اس  
 طرح لے کر آئیں گے کہ یہ سب گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ (۱۸)

(۳۱) صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ہوئے کافی  
 عرصہ ہو گیا تھا۔ اس پر بعض کفار نے آپ کا مذاق بھی بنایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو (معاذ اللہ) چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ جب  
 جبریل علیہ السلام آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ آپ جلدی جلدی ہمارے پاس کیوں نہیں آتے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس  
 آیت میں حضرت جبریل علیہ السلام کا جواب نقل فرمایا ہے کہ ہمارا اتر کر آنا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ہوتا ہے۔ ساری  
 کائنات کی مصلحتیں وہی جانتا ہے، کیونکہ آسمان، زمین اور ان کی درمیانی مخلوقات سب اُسی کے قبضے میں ہیں۔ اور اگر کسی وقت  
 دیر ہوتی ہے تو کسی حکمت کی وجہ سے ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور دیر کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ (معاذ اللہ) وہ وحی نازل  
 کرنا بھول گیا ہے۔

(۳۲) یعنی جب انسان کا وجود بالکل تھا ہی نہیں، تب اللہ تعالیٰ نے اُسے محض اپنی قدرت سے پیدا فرمایا تھا، اب مرنے کے بعد  
 تو انسان کے جسم کے کچھ نہ کچھ حصے کسی نہ کسی شکل میں باقی رہتے ہیں۔ ان کو دوبارہ زندگی دے دینا اُس کے لئے کیا مشکل ہے  
 جو بالکل عدم سے انسان کو پیدا کر چکا ہے؟

(۳۳) یعنی اُن شیطانوں کو جو انہیں گمراہ کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ہر انسان کے ساتھ وہ شیطان بھی لایا جائے گا جس نے اُس  
 انسان کو گمراہ کیا تھا (تفسیر عثمانی)۔



ثُمَّ لَنُنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا ۖ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ  
 أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ۖ وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا ۖ ثُمَّ نُنْجِي  
 الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۖ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمُ الصُّلُوبُ ابْتِغَاءَ بَنَاتٍ قَالِ  
 الَّذِينَ كَفَرُوا الَّذِينَ آمَنُوا أَمْ يَلْبِسُونَ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ۖ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ  
 مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئَیًّا ۖ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَبْذُذْهُ الرَّحْمَنُ مَذَاةً  
 حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ۖ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَكَانًا وَ  
 أَوْفَعُ جُنْدًا ۖ

پھر ان کے ہر گروہ میں سے اُن لوگوں کو کھینچ نکالیں گے جو خدائے رحمن کے ساتھ سرکشی کرنے میں زیادہ سخت تھے۔ (۶۹)  
 پھر یہ بات ہم ہی خوب جانتے ہیں کہ وہ کون لوگ ہیں جو سب سے پہلے اس دوزخ میں جھونکے جانے کے زیادہ مستحق  
 ہیں۔ (۷۰) اور تم میں سے کوئی نہیں ہے جس کا اس (دوزخ) پر گزرنہ ہو۔ اس بات کا تمہارے پروردگار نے حتمی طور پر  
 ذمہ لے رکھا ہے۔ (۷۱) پھر جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، انہیں تو ہم نجات دے دیں گے، اور جو ظالم ہیں، انہیں  
 اس حالت میں چھوڑ دیں گے کہ وہ اس (دوزخ میں) گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے۔ (۷۲) اور جب ان کے سامنے  
 ہماری کھلی کھلی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں، تو کافر لوگ مومنوں سے کہتے ہیں کہ: ”بتاؤ، ہم دونوں فریقوں میں سے کس کا  
 مقام زیادہ بہتر ہے اور کس کی مجلس زیادہ اچھی ہے؟“ (۷۳) اور (یہ نہیں دیکھتے کہ) ان سے پہلے ہم کتنی نسلیں ہلاک  
 کر چکے ہیں، جو اپنے ساز و سامان اور ظاہری آن بان میں ان سے کہیں بہتر تھیں۔ (۷۴) کہہ دو کہ: ”جو لوگ گمراہی میں  
 جا پڑیں تو اُن کے لئے مناسب یہی ہے کہ خدائے رحمن انہیں خوب ڈھیل دیتا رہے۔“ یہاں تک کہ جب یہ لوگ وہ چیز  
 خود دیکھ لیں گے جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے، چاہے وہ (اس دُنیا کا) عذاب ہو، یا قیامت، تو اُس وقت انہیں پتہ چلے  
 گا کہ بدترین مقام کس کا تھا، اور لشکر کس کا زیادہ کمزور تھا۔ (۷۵)

(۳۴) اس سے مراد پل صراط ہے جو دوزخ ہی پر بنا ہوا ہے، اور اس پل پر سے ہر شخص کو گزرنا ہوگا، چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر،  
 نیک ہو یا بد عمل۔ پھر جیسے اگلی آیت میں آرہا ہے، نیک لوگ تو اس پل سے اس طرح گزر جائیں گے کہ انہیں دوزخ کی ذرا سی  
 بھی تکلیف نہیں ہوگی، اور کافر اور بد عمل لوگوں کو دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔ پھر جن کے دلوں میں ایمان ہوگا، انہیں تو اپنے  
 اعمال کی سزا بھگتنے کے بعد دوزخ سے نکال لیا جائے گا، اور جن کے دلوں میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہوگا، وہ دوزخ میں پڑے  
 رہیں گے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور نیک لوگوں کو دوزخ سے گزارنے کی حکمت یہ بھی ہے کہ جہنم کا ہولناک نظارہ دیکھنے کے بعد  
 جنت کی قدر و قیمت یقیناً زیادہ ہوگی۔



وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۖ وَالْبَاقِيَتُ الصَّالِحَتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَرَدًّا ۝۶۱ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۖ ۝۶۲ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۖ ۝۶۳ كَلَّا ۖ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۖ ۝۶۴ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۖ ۝۶۵ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۖ ۝۶۶ كَلَّا ۖ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۖ ۝۶۷

اور جن لوگوں نے سیدھا راستہ اختیار کر لیا ہے، اللہ ان کو ہدایت میں اور ترقی دیتا ہے۔ اور جو نیک عمل باقی رہنے والے ہیں، ان کا بدلہ بھی تمہارے پروردگار کے یہاں بہتر ملے گا، اور ان کا (مجموعی) انجام بھی بہتر ہوگا۔ ۝۶۱ بھلا تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جس نے ہماری آیتوں کو ماننے سے انکار کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ: ”مجھے مال اور اولاد (آخرت میں بھی) ضرور ملیں گے۔“ ۝۶۲ کیا اُس نے عالم غیب میں جھانک کر دیکھ لیا ہے، یا اُس نے خدائے رحمن سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟ ۝۶۳ ہرگز نہیں! جو کچھ یہ کہہ رہا ہے، ہم اُسے بھی لکھ رکھیں گے، اور اُس کے عذاب میں اور اضافہ کر دیں گے۔ ۝۶۴ اور جس (مال اور اولاد) کا یہ حوالہ دے رہا ہے، اُس کے وارث ہم ہوں گے، اور یہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔ ۝۶۵ اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود اس لئے بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کی پشت پناہی کریں۔ ۝۶۶ یہ سب غلط بات ہے! وہ تو ان کی عبادت ہی کا انکار کر دیں گے، اور اُلٹے ان کے مخالف ہو جائیں گے۔ ۝۶۷

(۳۵) صحیح بخاری میں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے مکہ مکرمہ میں لوہار کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا۔ اور (اسی سلسلے میں) میرے کچھ پیسے مکہ مکرمہ کے ایک کافر سردار عاص بن وائل کے ذمے واجب ہو گئے تھے۔ میں اس سے اپنا حق مانگنے کے لئے گیا تو اُس نے قسم کھا کر کہا کہ: ”میں تمہارے پیسے اُس وقت تک نہیں دوں گا جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہ جھٹلاؤ“ میں نے کہا کہ: ”تم مر کر دوبارہ زندہ ہو جاؤ، تب بھی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا نہیں سکتا۔“ اس پر عاص بن وائل نے کہا: ”اچھا جب میں مر کر دوبارہ زندہ ہوں گا تو وہاں بھی میرے پاس بہت سا مال اور اولاد ہوگی، اُس وقت میں تمہارے پیسے ادا کر دوں گا۔“ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئی تھیں۔

(۳۶) بعض مشرکین یہ کہا کرتے تھے کہ ہم لات اور عزیٰ جیسے بتوں یا دوسرے معبودوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کریں (سورہ یونس ۱۰: ۱۸)۔ یہ اُن کے اسی عقیدے کی طرف اشارہ ہے۔ اور جواب میں فرمایا گیا ہے کہ جن دیوتاؤں پر یہ بھروسہ کئے بیٹھے ہیں، قیامت کے دن وہ تو اس بات ہی سے انکار کر دیں گے کہ ان کی عبادت کی گئی تھی، اور وہ ان کی سفارش تو کیا کرتے، اُلٹے ان کے مخالف ہو جائیں گے۔ یہ مضمون سورہ نحل (۸۶: ۱۶) میں بھی گزرا ہے، جیسا کہ وہاں بھی عرض کیا گیا تھا، عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بتوں کو بھی زبان دیدے، اور وہ ان کے جھوٹا ہونے کا اعلان کریں، کیونکہ دُنیا میں بے جان ہونے کی بنا پر انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ کون ان کی عبادت کر رہا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زبانِ حال سے یہ بات کہیں، اور شیاطین واقعی زبان سے یہ بات کہہ کر ان سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کریں۔



أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤْزُرُهُمْ آثَرًا ۚ ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَذَابًا ۚ ﴿۸۴﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا ۚ ﴿۸۵﴾ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَى جَهَنَّمَ وَرِثَةً ۚ ﴿۸۶﴾ لَا يَصْلَحُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۚ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۚ ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۚ ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۚ ﴿۹۰﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ۚ ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۚ ﴿۹۲﴾ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِيَ الرَّحْمَنِ عَبْدًا ۚ ﴿۹۳﴾ لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۚ ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَرْدًا ۚ ﴿۹۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا ۚ ﴿۹۶﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لَدُنَّا ۚ ﴿۹۷﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ۖ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۚ ﴿۹۸﴾

(اے پیغمبر!) کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ ہم نے کافروں پر شیاطین چھوڑ رکھے ہیں جو انہیں برابر اُکساتے رہتے ہیں؟ ﴿۸۳﴾ لہذا تم ان کے معاملے میں جلدی نہ کرو۔ ہم تو ان کے لئے گنتی گن رہے ہیں۔ ﴿۸۴﴾ (اُس دن کونہ بھولو) جس دن ہم سارے متقی لوگوں کو مہمان بنا کر خدائے رحمن کے پاس جمع کریں گے، ﴿۸۵﴾ اور مجرموں کو پیا سے جانوروں کی طرح ہنکا کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔ ﴿۸۶﴾ لوگوں کو کسی کی سفارش کرنے کا اختیار بھی نہیں ہوگا، سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے خدائے رحمن سے کوئی اجازت حاصل کر لی ہو۔ ﴿۸۷﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمن کی کوئی اولاد ہے! ﴿۸۸﴾ (ایسی بات کہنے والو!) حقیقت یہ ہے کہ تم نے بڑی سنگین حرکت کی ہے۔ ﴿۸۹﴾ کچھ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ ﴿۹۰﴾ کہ ان لوگوں نے خدائے رحمن کے لئے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ﴿۹۱﴾ حالانکہ خدائے رحمن کی یہ شان نہیں ہے کہ اُس کی کوئی اولاد ہو۔ ﴿۹۲﴾ آسمانوں اور زمین میں جتنے لوگ ہیں، ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو خدائے رحمن کے حضور بندہ بن کر نہ آئے۔ ﴿۹۳﴾ یقین رکھو کہ اُس نے سب کا احاطہ کر رکھا ہے اور انہیں خوب اچھی طرح گن رکھا ہے۔ ﴿۹۴﴾ اور قیامت کے دن ان میں سے ایک ایک شخص اُس کے پاس اکیلا آئے گا۔ ﴿۹۵﴾ (ہاں) بیشک جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، خدائے رحمن ان کے لئے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔ ﴿۹۶﴾ چنانچہ (اے پیغمبر!) ہم نے اس قرآن کو تمہاری زبان میں آسان



بنادیا ہے تاکہ تم اس کے ذریعے متقی لوگوں کو خوشخبری دو، اور اسی کے ذریعے ان لوگوں کو ڈراؤ جو ضد کی وجہ سے جھگڑے پر آمادہ ہیں۔ (۹۵) ان سے پہلے ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ کیا تمہیں ٹٹولنے سے بھی ان میں سے کسی کا پتہ ملتا ہے، یا ان میں سے کسی کی بھنک بھی تمہیں سنائی دیتی ہے؟ (۹۶)

(۳۷) یعنی اس وقت تو مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ کفار ان کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔ لیکن عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب مخلوق خدا کے دلوں میں ان مسلمانوں کی محبت پیدا ہو جائے گی۔

الحمد للہ! آج شب جمعہ ۲ ذیقعدہ ۱۴۲ھ مطابق ۲۳ نومبر ۲۰۰۶ء کو بحرین میں بعد نمازِ عشاء سورہ مریم کے ترجمے اور حواشی کی تکمیل ہوئی، اللہ تعالیٰ بندے کے گناہوں کو معاف فرما کر اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق بخشیں۔ آمین۔



# سُورَةُ طه

## تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی۔ مستند روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی سورت کو سن کر اسلام لائے تھے۔ ان کی بہن حضرت فاطمہ اور ان کے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما ان سے پہلے خفیہ طور پر اسلام لا چکے تھے جس کا انہیں پتہ نہیں تھا۔ ایک روز وہ گھر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے۔ راستے میں نعیم بن عبد اللہ نامی ایک صاحب انہیں ملے، انہوں نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ پہلے اپنے گھر کی خبر لیں جہاں آپ کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر غصے کے عالم میں واپس آئے تو بہن اور بہنوئی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے سورہ طہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر کو آتے دیکھا تو انہوں نے وہ صحیفہ جس پر سورہ طہ لکھی ہوئی تھی، کہیں چھپا دیا، لیکن حضرت عمر پڑھنے کی آواز سن چکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو، اور یہ کہہ کر بہن اور بہنوئی دونوں کو بہت مارا۔ اس وقت ان دونوں نے کہا کہ آپ ہمیں کوئی بھی سزا دیں، ہم مسلمان ہو چکے ہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے، وہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر نے کہا کہ اچھا مجھے بھی دکھاؤ، وہ کیسا کلام ہے۔ بہن نے ان سے غسل کروا کر صحیفہ ان کو دکھایا جس میں سورہ طہ لکھی ہوئی تھی۔ اسے پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مبہوت رہ گئے، اور انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا نہیں، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں اسلام لانے کی ترغیب دی، اور بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ابو جہل یا عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کو اسلام کی توفیق دے کر اسلام کی قوت کا سامان پیدا فرمادے۔ چنانچہ اسی وقت وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اسلام قبول کر لیا۔



جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی، وہ مسلمانوں کے لئے بڑی آزمائش اور تکلیفوں کا زمانہ تھا۔ کفار مکہ نے ان پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ اس لئے اس سورت کا بنیادی مقصد ان کو تسلی دینا تھا کہ اس قسم کی آزمائشیں حق کے علم برداروں کو ہر زمانے میں پیش آئی ہیں، لیکن آخری انجام انہی کے حق میں ہوا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ نہایت تفصیل کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوا ہے جس سے دونوں باتیں ثابت ہوتی ہیں، یہ بھی کہ ایمان والوں کو آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور یہ بھی کہ آخری فتح انہی کی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ثابت کرنا مقصود ہے کہ تمام انبیائے کرام کی بنیادی دعوت ایک ہی ہوتی ہے کہ انسان خدائے واحد پر ایمان لائے، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔



ایاتھا ۱۳۵ ﴿۲۰﴾ سُورَةُ طه مَكِّيَّةٌ ۲۵ ﴿۲۱﴾ رُكُوعَاتُهَا ۸ ﴿۲۲﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾

طہ ﴿۱﴾ مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى ﴿۲﴾ إِلَّا تَذَكُّرًا لِّمَن يَخْشَى ﴿۳﴾ تَنزِيلًا مِّنْ خَلْقِ  
الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ الْعُلَى ﴿۴﴾ الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى ﴿۵﴾ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي  
الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَاتَحْتَ الثَّرَى ﴿۶﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

طہ! ﴿۱﴾ ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم تکلیف اٹھاؤ۔ ﴿۲﴾ البتہ یہ اس شخص کے لئے ایک نصیحت ہے جو  
ڈرتا ہو۔ ﴿۳﴾ اسے اُس ذات کی طرف سے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا جا رہا ہے جس نے زمین اور اونچے اونچے آسمان  
پیدا کئے ہیں۔ ﴿۴﴾ وہ بڑی رحمت والا عرش پر استوا فرمائے ہوئے ہے۔ ﴿۵﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اور ان  
کے درمیان جو کچھ ہے، وہ سب بھی اسی کی ملکیت ہے، اور زمین کی تہوں کے نیچے جو کچھ ہے وہ بھی۔ ﴿۶﴾

﴿۱﴾ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ طہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی میں سے ایک نام ہے۔ اور بعض مفسرین  
نے فرمایا ہے کہ یہ ان حروف مقطعات میں سے ہے جو مختلف سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، اور ان کے ٹھیک ٹھیک معنی  
اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

﴿۲﴾ اس تکلیف سے مراد وہ تکلیفیں بھی ہو سکتی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی طرف سے پہنچ رہی تھیں، اس صورت میں  
مطلب یہ ہے کہ یہ تکلیفیں ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دُور فرما کر آپ کو فتح عطا فرمائے گا۔ اور بعض روایات  
سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں ساری ساری رات جاگ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت فرماتے تھے، یہاں  
تک کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے تھے۔ اس آیت نے ارشاد فرمایا کہ آپ کو اتنی تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ  
اس آیت کے نزول کے بعد آپ نے رات کے شروع حصے میں سونا اور آخری حصے میں عبادت کرنا شروع کر دیا۔

﴿۳﴾ یہ نصیحت اس کے لئے کارآمد ہے جو ڈرتا رہتا ہو کہ میرا طرزِ عمل صحیح ہے یا نہیں، دوسرے الفاظ میں جس کے دل میں حق کی  
طلب ہو، اور جو ہٹ دھرمی یا لاپرواہی کی روش اختیار کرنے کے بعد بے فکر ہو کر نہ بیٹھ گیا ہو۔

﴿۴﴾ اس کی تشریح پیچھے سورہ اعراف (۵۴:۷) کے حاشیے میں گذر چکی ہے۔



وَإِنْ تَجْهَرُ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ۝ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ۝ وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ۝ إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا تَلْعَلْ أَتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجْدٍ عَلَىٰ النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَمْوَسَى ۖ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْذُمْنَاهُ نَعْلَيْكَ ۖ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝

اگر تم کوئی بات بلند آواز سے کہو (یا آہستہ)، تو وہ چپکے سے کہی ہوئی باتوں کو، بلکہ اور زیادہ چھپی ہوئی باتوں کو بھی جانتا ہے۔ ۵) اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اُسی کے اچھے اچھے نام ہیں۔ ۶)

اور (اے پیغمبر!) کیا تم تک موسیٰ کا واقعہ پہنچا ہے؟ ۷) یہ اس وقت کی بات ہے جب ان کو ایک آگ نظر آئی تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا: ”تم یہیں ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ شاید میں اس میں سے کوئی شعلہ تمہارے پاس لے آؤں، یا اُس آگ کے پاس مجھے راستے کا پتہ مل جائے۔“ ۸) چنانچہ جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں آواز دی گئی کہ: ”اے موسیٰ! یقین سے جان لو کہ میں ہی تمہارا رب ہوں۔ اب تم اپنے جوتے اتار دو۔ تم اس وقت طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔ ۹)

۵) اور زیادہ چھپی ہوئی باتیں وہ ہیں جو زبان سے کہی ہی نہیں گئیں، بلکہ جن کا صرف خیال دل میں آیا۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بھی باخبر ہے۔

۶) سورہ قصص میں آگے اس واقعے کی تفصیل آنے والی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں ایک عرصہ دراز گزارنے کے بعد اپنی اہلیہ کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ جب صحرائے سینا میں پہنچے تو راستہ بھول گئے، اور سخت سردی کا بھی احساس ہوا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آگ کی شکل نظر آئی جو درحقیقت ایک نور تھا۔ اُس وقت انہوں نے اپنی اہلیہ کو وہاں رکنے کی ہدایت دی، اور خود آگ کی طرف چلے۔

۷) سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ یقین کیسے آیا کہ یہ آواز اللہ تعالیٰ کی طرف سے آرہی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو یہ اطمینان عطا فرمادیا کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی سے ہم کلام ہیں۔ اور حالات بھی ایسے پیدا کر دیئے گئے کہ انہیں یہ یقین آجائے۔ مثلاً بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو یہ عجیب منظر نظر آیا کہ وہ آگ ایک درخت کے اوپر شعلے مار رہی ہے، مگر درخت کا کوئی پتہ جلتا نہیں ہے۔ انہوں نے انتظار کیا کہ شاید کوئی چنگاری اڑ کر ان کے پاس آجائے، مگر وہ بھی نہ آئی۔ پھر انہوں نے کچھ گھاس پھوس لے کر اسے آگ کے قریب کیا، تاکہ اس میں آگ لگ جائے تو وہ آگ پیچھے ہٹ گئی۔ اس وقت یہ آواز سنائی دی، اور آواز کسی ایک جہت سے نہیں، بلکہ چاروں طرف سے آتی محسوس ہو رہی تھی، اور موسیٰ علیہ السلام صرف کان سے نہیں، بلکہ تمام اعضاء سے یہ آواز سن رہے تھے۔

۸) کوہ طور کے دامن میں جو وادی ہے، اس کا نام ”طویٰ“ ہے۔ اور یہ ان مقامات میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے خصوصی



وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ﴿١٣﴾ إِنَّنِيَ أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ﴿١٤﴾ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِيُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ﴿١٥﴾ فَلَا يَصُدُّكَ عَنْهَا مَنِ الْيُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ﴿١٦﴾ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يُمُوسَىٰ ﴿١٧﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ﴿١٨﴾ قَالَ أَلْقِهَا يُمُوسَىٰ ﴿١٩﴾ فَالْقَهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ <sup>وَقَفَّ</sup> سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيضًا مِّنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾ لِنُرِيكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ ﴿٢٣﴾ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿٢٤﴾

ع

اور میں نے تمہیں (نبوت کے لئے) منتخب کیا ہے۔ لہذا جو بات وحی کے ذریعے کہی جا رہی ہے، اُسے غور سے سنو۔ ﴿۱۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس لئے میری عبادت کرو، اور مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز قائم کرو۔ ﴿۱۴﴾ یقین رکھو کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے۔ میں اُس (کے وقت) کو خفیہ رکھنا چاہتا ہوں، تاکہ ہر شخص کو اُس کے کئے کا بدلہ ملے۔ ﴿۱۵﴾ لہذا کوئی ایسا شخص تمہیں اس سے ہرگز غافل نہ کرنے پائے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو، اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلتا ہو، ورنہ تم ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔ ﴿۱۶﴾ اور موسیٰ! یہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟“ ﴿۱۷﴾ موسیٰ نے کہا: ”یہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس کا سہارا لیتا ہوں، اور اس سے اپنی بکریوں پر (درخت سے) پتے جھاڑتا ہوں، اور اس سے میری دوسری ضروریات بھی پوری ہوتی ہیں۔“ ﴿۱۸﴾ فرمایا: ”موسیٰ! اسے نیچے پھینک دو“ ﴿۱۹﴾ چنانچہ انہوں نے اسے پھینک دیا۔ بس پھر کیا تھا! وہ اچانک ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گئی۔ ﴿۲۰﴾ اللہ نے فرمایا: ”اسے پکڑ لو، اور ڈرو نہیں۔ ہم ابھی اسے اس کی کچھلی حالت پر لوٹا دیں گے۔“ ﴿۲۱﴾ اور اپنے ہاتھ کو اپنی بغل میں دباؤ، وہ کسی بیماری کے بغیر سفید ہو کر نکلے گا۔ ﴿۲۲﴾ یہ (تمہاری نبوت کی) ایک اور نشانی ہوگی۔ ﴿۲۳﴾ (یہ ہم اس لئے کر رہے ہیں) تاکہ اپنی بڑی نشانیوں میں سے کچھ تمہیں دکھائیں۔ ﴿۲۴﴾ (اب) فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ سرکشی میں حد سے نکل گیا ہے۔“ ﴿۲۵﴾

تقدس عطا فرمایا ہے۔ اور جوتے اُتارنے کا حکم ایک تو اس وادی کے تقدس کی وجہ سے تھا، اور دوسرے یہ موقع جبکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف مل رہا تھا، ادب اور عجز و نیاز کے اظہار کا موقع تھا، اس لئے بھی جوتے اُتار دینا مناسب تھا۔

(۹) یعنی جب ہاتھ کو بغل سے نکالو گے تو سفیدی سے چمک رہا ہوگا، اور یہ سفیدی برص وغیرہ کی کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوگی۔



قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ وَاجْعَلْ لِّي زَيْرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ هَرُونَ أَخِي ۝ اشْدُدْ بِهِ أَزْرَارِي ۝ وَاشْرِكْهُ فِيَّ أَمْرِي ۝ كُنْ نُسَبَّحُكَ كَثِيرًا ۝ وَنَذْكُرُكَ كَثِيرًا ۝ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ۝ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يٰمُوسَىٰ ۝ وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۝ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ۝ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْكَ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَهُ ۝

موسیٰ نے کہا: ”پروردگار! میری خاطر میرا سینہ کھول دیجئے، ۱۵ اور میرے لئے میرا کام آسان بنا دیجئے، ۱۶ اور میری زبان میں جو گرہ ہے، اُسے دُور کر دیجئے، ۱۷ تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ ۱۸ اور میرے لئے میرے خاندان ہی کے ایک فرد کو مددگار مقرر کر دیجئے، ۱۹ یعنی ہارون کو جو میرے بھائی ہیں! ۲۰ ان کے ذریعے میری طاقت مضبوط کر دیجئے، ۲۱ اور ان کو میرا شریک کار بنا دیجئے، ۲۲ تاکہ ہم کثرت سے آپ کی تسبیح کریں، ۲۳ اور کثرت سے آپ کا ذکر کریں۔ ۲۴ بیشک آپ ہمیں اچھی طرح دیکھنے والے ہیں۔“ ۲۵ اللہ نے فرمایا: ”موسیٰ! تم نے جو کچھ مانگا ہے، تمہیں دے دیا گیا، ۲۶ اور ہم نے تم پر ایک اور مرتبہ بھی احسان کیا تھا، ۲۷ جب ہم نے تمہاری ماں سے وحی کے ذریعے وہ بات کہی تھی جو اب وحی کے ذریعے (تمہیں) بتائی جا رہی ہے۔ ۲۸ کہ اس (بچے) کو صندوق میں رکھو، پھر اس صندوق کو دریا میں ڈال دو۔ ۲۹ پھر دریا کو چھوڑ دو کہ وہ اسے ساحل کے پاس لا کر ڈال دے، جس کے نتیجے میں ایک ایسا شخص اس (بچے) کو اٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہوگا، اور اس کا بھی دشمن۔“ ۳۰

(۱۰) بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک انگارازبان پر رکھ لیا تھا جس کی وجہ سے ان کی زبان میں تھوڑی سی لکنت پیدا ہو گئی تھی۔ اسی لکنت کو یہاں ”گرہ“ سے تعبیر فرمایا ہے۔  
(۱۱) اگرچہ تسبیح اور ذکر تنہا بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر اچھے رفقاء میسر ہوں، اور ماحول سازگار ہو تو یہ رفاقت خود بخود اس تسبیح اور ذکر کا داعیہ بن جاتی ہے۔

(۱۲) فرعون کو کسی نجومی نے یہ کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص تمہاری سلطنت ختم کرے گا۔ اس لئے اُس نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو کوئی بچہ پیدا ہو اُسے قتل کر دیا جائے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو فکر ہوئی کہ ان کو بھی فرعون کے آدمی قتل کر ڈالیں گے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پر الہام فرمایا کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو۔

(۱۳) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا، اور فرعون کے کارندوں نے بچے کو اٹھا کر فرعون کے پاس پیش کیا، اور اس کی بیوی حضرت آسیہ نے اسے آمادہ کر لیا کہ اُسے اپنا بیٹا بنا کر پالیں۔



وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۖ وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي ﴿۳۹﴾ اِذْ تَسْتَشِيْ اُخْتُكَ فَيَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ  
عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهُ ۖ فَرَجَعْنَا اِلٰى اُمِّكَ كِيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَكَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ  
الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُوْنًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْ اَهْلِ مَدْيَنَ ۚ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يُّوسٰى ﴿۴۰﴾

اور میں نے اپنی طرف سے تم پر ایک محبوبیت نازل کر دی تھی، اور یہ سب اس لئے کیا تھا تا کہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔ (۳۹) اس وقت کا تصور کرو جب تمہاری بہن گھر سے چلتی ہے، اور (فرعون کے کارندوں سے) یہ کہتی ہے کہ: ”کیا میں تمہیں اُس (عورت) کا پتہ بتاؤں جو اس (بچے) کو پالے؟“ اس طرح ہم نے تمہیں تمہاری ماں کے پاس لوٹا دیا، تاکہ اُس کی آنکھ ٹھنڈی رہے، اور وہ غمگین نہ ہو۔ اور تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا، پھر ہم نے تمہیں اس گھٹن سے نجات دی، اور تمہیں کئی آزمائشوں سے گذارا۔ پھر تم کئی سال مدین والوں میں رہے، اس کے بعد اے موسیٰ! تم ایک ایسے وقت پر یہاں آئے ہو جو پہلے سے مقدر تھا، (۴۰)

(۳۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شکل و صورت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی معصومیت رکھ دی تھی کہ جو بھی آپ کو دیکھتا، آپ سے محبت کرتا تھا۔ اسی وجہ سے فرعون بھی انہیں اپنے گھر میں رکھنے پر راضی ہو گیا۔

(۱۵) یوں تو ہر شخص کی پرورش اللہ تعالیٰ ہی کی نگرانی میں ہوتی ہے، مگر یہاں مطلب یہ ہے کہ عام طور سے پرورش کے جو اسباب ہوتے ہیں کہ ماں باپ اپنے خرچ اور ذمہ داری پر بچے کی پرورش کرتے ہیں، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں اختیار نہیں فرمائے گئے۔ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے براہ راست ان کی پرورش ان کے دشمن سے کرائی۔

(۱۶) فرعون کی اہلیہ نے جب بچے کو پالنے کا ارادہ کر لیا تو ان کو دودھ پلانے والی کی تلاش شروع ہوئی، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی بھی عورت کا دودھ منہ میں نہیں لیتے تھے۔ حضرت آسیہ نے اپنی کنیریں بھیجیں کہ وہ کوئی ایسی عورت تلاش کریں جس کا دودھ یہ قبول کر لیں۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے کو دریا میں ڈالنے کے بعد بے چین تھیں۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو دیکھنے کے لئے بھیجا کہ بچہ کا انجام کیا ہوا؟ یہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اُسی جگہ پہنچ گئیں جہاں فرعون کی کنیریں پریشانی کے عالم میں دودھ پلانے والی عورتوں کو تلاش کر رہی تھیں۔ ان کو موقع مل گیا، اور انہوں نے اپنی والدہ کو یہ خدمت سوچنے کی تجویز پیش کی، اور انہیں وہاں لے بھی آئیں۔ جب انہوں نے بچے کو دودھ پلانا چاہا تو بچے نے آرام سے دودھ پی لیا، اور پھر اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق بچہ دوبارہ ان کے پاس آ گیا۔

(۱۷) یہ سارے واقعات تفصیل سے سورہ قصص میں آنے والے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے ایک مظلوم اسرائیلی کو ایک ظالم سے بچانے کے لئے اُسے ایک مکا مارا تھا، ان کا مقصد اُسے ظلم سے باز رکھنا تھا، قتل کرنا مقصود نہیں تھا، لیکن وہ مکے ہی سے مر گیا۔

(۱۸) ان آزمائشوں کی تفصیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک طویل روایت میں بتائی ہے جو تفسیر ابن کثیرؒ میں مروی ہے، اور اس کا مکمل ترجمہ ”معارف القرآن“ جلد ۶ ص ۸۴ تا ۱۰۳ میں موجود ہے۔



وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ۖ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوكَ بِاَيَّتِي وَلَا تَتَّبِعَانِي ذِكْرِي ۖ اِذْهَبَا اِلَى  
 فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰ ۖ فَقُوْلَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۖ قَالَ رَبَّنَا اِنَّا نَخَافُ  
 اَنْ يَّفِرُّ طَعْنًا عَلَيْنَا اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۖ قَالَ لَا تَخَافَا اِنِّى مَعَكُمْ اَسْمِعُوْا اَرْۤى ۖ فَاْتِيَهُ فَقُوْلَا اِنَّا  
 رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي اِسْرَآءِيْلَ وَلَا تَعْذِرْهُمْ ۖ قَدْ جِئْنَاكَ بِاَيَّةٍ مِّنْ رَبِّكَ ط  
 وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۖ اِنَّا قَدْ اُوْحٰى اِلَيْنَا اَنَّ الْعَذَابَ عَلَى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلٰى ۖ ۙ  
 قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمْ اَيُّوْسٰى ۖ قَالَ رَبُّنَا الَّذِىْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدٰى ۖ ۚ

اور میں نے تمہیں خاص اپنے لئے بنایا ہے۔ ۱۹ تم اور تمہارا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ، اور میرا ذکر کرنے  
 میں سستی نہ کرنا۔ ۲۰ دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ حد سے آگے نکل چکا ہے۔ ۲۱ جا کر دونوں اُس سے نرمی سے  
 بات کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے، یا (اللہ سے) ڈر جائے۔ ۲۲ دونوں نے کہا: ”ہمارے پروردگار! ہمیں اندیشہ  
 ہے کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کرے، یا کہیں سرکشی پر آمادہ نہ ہو جائے۔“ ۲۳ اللہ نے فرمایا: ”ڈرو نہیں، میں تمہارے  
 ساتھ ہوں، سن بھی رہا ہوں، اور دیکھ بھی رہا ہوں۔ ۲۴ اب اُس کے پاس جاؤ، اور کہو کہ ہم دونوں تمہارے رب کے  
 پیغمبر ہیں، اس لئے بنو اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو، اور انہیں تکلیفیں نہ پہنچاؤ، ہم تمہارے پاس تمہارے رب کی  
 طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں، اور سلامتی اُسی کے لئے ہے جو ہدایت کی پیروی کرے۔ ۲۵ ہم پر یہ وحی نازل کی گئی  
 ہے کہ عذاب اُس کو ہوگا جو (حق کو) جھٹلائے، اور منہ موڑے۔“ ۲۶ (یہ ساری باتیں سن کر) فرعون نے کہا: ”موسیٰ! تم  
 دونوں کا رب ہے کون؟“ ۲۷ موسیٰ نے کہا: ”ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو وہ بناوٹ عطا کی جو اُس کے مناسب  
 تھی، پھر (اس کی) رہنمائی بھی فرمائی۔“ ۲۸

(۱۹) یہاں یہ سبق دینا مقصود ہے کہ ایک داعی حق کو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم رکھنا چاہئے، اور ہر مشکل میں اسی سے مدد  
 مانگنی چاہئے۔

(۲۰) یعنی یہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور حکمت ہے کہ جس مخلوق کے لئے جو بناوٹ مقرر کر دی، اُس کو اسی کے مطابق کائنات  
 میں اپنی ڈیوٹی بجالانے کا طریقہ بھی سکھا دیا۔ مثلاً سورج کو کائنات میں روشنی اور حرارت پیدا کرنے کے لئے ایک خاص بناوٹ  
 عطا فرمائی تو اسے یہ طریقہ بھی سکھا دیا کہ وہ کس طرح اپنے نظام شمسی کے ساتھ گردش کرے، اسی طرح ہر جان دار کو یہ سکھا دیا کہ  
 وہ کس طرح چلے، اور کس طرح اپنی غذا حاصل کرے۔ مچھلی کا بچہ پانی میں پیدا ہوتا ہے، اور کسی کے سکھائے بغیر تیرنا شروع کر دیتا  
 ہے۔ پرندے ہوا میں اڑنا خود بخود دیکھ لیتے ہیں۔ غرض ہر مخلوق کو اس کی ساخت کے مناسب زندہ رہنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ ہی  
 سکھاتے ہیں۔



قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ﴿٥١﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَىٰ ﴿٥٢﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَوَسَّلَ لَكُم فِيهَا سُبُلًا وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتَّىٰ ﴿٥٣﴾ كُلُّوْا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ ﴿٥٤﴾ مِنْهَا خَلَقْنَاهُمْ وَفِيهَا نُعِيدُهُمْ وَمِنْهَا نَخْرِجُهُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ﴿٥٥﴾ وَلَقَدْ أَرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَأَبَىٰ ﴿٥٦﴾ قَالَ أَجئتُكَ بِثَمَلٍ خَيْرٍ مِّنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَمُوسَىٰ ﴿٥٧﴾ فَلَنَاتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهِ ۖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا ۖ لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا سَوْىٰ ﴿٥٨﴾

فرعون بولا: ”اچھا پھر ان قوموں کا کیا معاملہ ہوا جو پہلے گزر چکی ہیں؟“ ﴿٥١﴾ موسیٰ نے کہا: ”ان کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں محفوظ ہے۔ میرے رب کو نہ کوئی غلطی لگتی ہے، نہ وہ بھولتا ہے۔“ ﴿٥٢﴾ یہ وہ ذات ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنادیا، اور اُس میں تمہارے لئے راستے بنائے، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اُس کے ذریعے طرح طرح کی مختلف نباتات نکالیں۔ ﴿٥٣﴾ خود بھی کھاؤ، اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ۔ یقیناً ان سب باتوں میں عقل والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ ﴿٥٤﴾ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا، اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے، اور اسی سے ایک مرتبہ پھر تمہیں نکال لائیں گے۔ ﴿٥٥﴾ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اُس (فرعون) کو اپنی ساری نشانیاں دکھائیں، مگر وہ جھٹلاتا ہی رہا، اور مان کر نہیں دیا۔ ﴿٥٦﴾ کہنے لگا: ”موسیٰ! کیا تم اس لئے آئے ہو کہ اپنے جادو کے ذریعے ہمیں اپنی زمین سے نکال باہر کرو؟“ ﴿٥٧﴾ اچھا تو ہم بھی تمہارے سامنے ایسا ہی جادو لا کر رہیں گے۔ اب تم کسی کھلے میدان میں ہمارے اور اپنے درمیان مقابلے کا ایسا وقت طے کر لو جس کی خلاف ورزی نہ ہم کریں، نہ تم کرو۔“ ﴿٥٨﴾

(۲۱) اس سوال سے فرعون کا مقصد یہ تھا کہ مجھ سے پہلے بہت سی قومیں گزر چکی ہیں جو توحید کی قائل نہیں تھیں، اس کے باوجود وہ زندہ رہیں، اور ان پر کوئی عذاب نازل نہیں ہوا۔ اگر توحید کے انکار سے انسان عذاب الہی کا مستحق ہو جاتا ہے تو ان قوموں پر عذاب کیوں نہیں آیا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کا اور اُس کے کئے ہوئے کاموں کا پورا پورا حال معلوم ہے۔ وہ اپنی حکمت ہی سے فیصلہ فرماتا ہے کہ حق کا انکار کرنے والوں میں سے کس کو اسی دنیا میں سزا دینی ہے، اور کس کی سزا آخرت تک مؤخر کرنی ہے۔ اگر کسی کا فرقہ کو دنیا میں کسی عذاب کا سامنا نہیں ہوا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے معاذ اللہ کوئی بھول چوک ہو گئی ہے، بلکہ یہ اس کی حکمت کا فیصلہ ہے کہ اس کو دنیا کے بجائے آخرت میں عذاب دیا جائے۔



قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝۵۹ فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ أَتَىٰ ۝۶۰ قَالَ لَهُمُ مُوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَيَّ اللَّهُ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنْ افْتَرَىٰ ۝۶۱ فَتَنَازَعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ وَأَسْرُوا النَّجْوَىٰ ۝۶۲ قَالُوا إِنَّ هَٰذَا مِنْ لَسْعَانِ لِسْرَيْنِ أَنْ يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِ هَبَاوَيْدَ هَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ النَّثْلَىٰ ۝۶۳ فَأَجْبِعُوا كَيْدَكُمْ ثُمَّ اسْتَوَا صَفًّا ۚ وَقَدْ أَفْذَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلَىٰ ۝۶۴ قَالُوا يُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقَىٰ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَىٰ ۝۶۵ قَالَ بَلْ أَلْقُوا ۚ فَإِذَا حَبَالُهُمْ وَعَصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ۝۶۶ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةُ مُوسَىٰ ۝۶۷ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ ۝۶۸

موسیٰ نے کہا: ”تم سے وہ دن طے ہے جس میں جشن منایا جاتا ہے، اور یہ بھی طے ہے کہ دن چڑھے ہی لوگوں کو جمع کر لیا جائے۔“ ۵۹ چنانچہ فرعون (اپنی جگہ) واپس چلا گیا، اور اُس نے اپنی ساری تدبیریں اکٹھی کیں، پھر (مقابلے کے لئے) آگیا۔ ۶۰ موسیٰ نے ان (جادوگروں سے) کہا: ”افسوس ہے تم پر! اللہ پر بہتان نہ باندھو، ورنہ وہ ایک سخت عذاب سے تمہیں ملیا میٹ کر دے گا، اور جو کوئی بہتان باندھتا ہے، نامراد ہوتا ہے۔“ ۶۱ اس پر ان کے درمیان اپنی رائے قائم کرنے میں اختلاف ہو گیا، اور وہ چپکے چپکے سرگوشیاں کرنے لگے۔ ۶۲ (آخر کار) انہوں نے کہا کہ: ”یقینی طور پر یہ دونوں (یعنی موسیٰ اور ہارون) جادوگر ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور پر تم لوگوں کو تمہاری سرزمین سے نکال باہر کریں، اور تمہارے بہترین (دینی) طریقے کا خاتمہ ہی کر ڈالیں۔ ۶۳ لہذا اپنی ساری تدبیریں پختہ کر لو، پھر صرف باندھ کر آؤ، اور یقین رکھو کہ آج جو غالب آجائے گا، فلاح اُسی کو حاصل ہوگی۔“ ۶۴ جادوگر بولے: ”موسیٰ! یا تو تم (اپنی لاٹھی پہلے) ڈال دو، یا پھر ہم ڈالنے میں پہل کریں؟ ۶۵ موسیٰ نے کہا: ”نہیں، تم ہی ڈالو، بس پھر اچانک ان کی (ڈالی ہوئی) رسیاں اور لاٹھیاں اُن کے جادو کے نتیجے میں موسیٰ کو ایسی محسوس ہونے لگیں جیسے دوڑ رہی ہیں۔ ۶۶ اس پر موسیٰ کو اپنے دل میں کچھ خوف محسوس ہوا۔ ۶۷ ہم نے کہا: ”ڈرو نہیں، یقین رکھو تم ہی تم سر بلند رہو گے۔“ ۶۸

(۲۲) یہ کوئی تہوار تھا جس میں فرعون کی قوم جشن منایا کرتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا انتخاب اس لئے فرمایا تاکہ ایک بڑا مجمع موجود ہو، اور اس کے سامنے حق کی فتح کا مظاہرہ ہو سکے۔

(۲۳) یعنی کفر کی راہ اختیار نہ کرو، کیونکہ کفر کا ہر باطل عقیدہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے کے مرادف ہے۔

(۲۴) یہ طبعی خوف تھا، اور اس لئے تھا کہ جو شعبہ ان جادوگروں نے دکھایا، وہ بظاہر اُس معجزے سے ملتا جلتا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام دکھا چکے تھے۔ لہذا خوف یہ تھا کہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو بھی کہیں جادو ہی نہ سمجھ بیٹھیں۔



وَأَتَىٰ مَا فِي يَمِينِكَ تَلَقَّفَ مَا صَنَعُوا ۖ إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سِحْرٍ ۖ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ ۚ (۲۹) فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ ۚ (۳۰) قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ أَدْنٰ لَكُمْ ۚ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَا قِطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَأَنْتُمْ جُلُكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَا وَصَلِبَتَكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ ۚ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ ۚ (۳۱) قَالُوا لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ ۚ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۚ (۳۲) إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطِئَنَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهٍ مِنَ السِّحْرِ ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ وَأَبْقَىٰ ۚ (۳۳)

اور جو (لاٹھی) تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے، اُسے (زمین پر) ڈال دو، ان لوگوں نے جو کارگیری کی ہے، وہ اُس سب کو نکل جائے گی۔ ان کی ساری کارگیری ایک جادوگر کے کرتب کے سوا کچھ نہیں، اور جادوگر چاہے کہیں چلا جائے، اُسے فلاح نصیب نہیں ہوتی۔“ (۲۹) چنانچہ (یہی ہوا اور) سارے جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے۔“ (۳۰) کہنے لگے کہ: ”ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔“ (۳۱) فرعون بولا: ”تم ان پر میرے اجازت دینے سے پہلے ہی ایمان لے آئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ (موسیٰ) تم سب کا سرغنہ ہے جس نے تمہیں جادو سکھلایا ہے۔ اب میں نے بھی پکا ارادہ کر لیا ہے کہ تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹوں گا، اور تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا۔ اور تمہیں یقیناً پتہ لگ جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر پا ہے۔“ (۳۲) جادوگروں نے کہا: ”قسم اُس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے! ہمارے سامنے جو روشن نشانیاں آگئی ہیں، ان پر ہم تمہیں ہرگز ترجیح نہیں دے سکتے۔ اب تمہیں جو کچھ کرنا ہو، کر لو۔ تم جو کچھ بھی کرو گے، اسی دنیوی زندگی کے لئے ہوگا۔“ (۳۳) ہم تو اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں، تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو بھی بخش دے، اور جادو کے اُس کام کو بھی جس پر تم نے ہمیں مجبور کیا۔ اور اللہ ہی سب سے اچھا اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔“ (۳۴)

(۲۵) یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر پھینکا تو اُس نے ایک اثر دہا بن کر جادوگروں کے بنائے ہوئے جعلی سانپوں کو ایک ایک کر کے نکل لیا۔ اس پر جادوگروں کو یقین ہو گیا کہ یہ جادو نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ چنانچہ وہ سجدے میں گر پڑے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قرآن کریم نے ان کے لئے ”سجدے میں گر گئے“ کے بجائے ”سجدے میں گرا دیئے گئے“ فرمایا ہے۔ اس میں اشارہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ دکھلایا، وہ اس درجہ مؤثر تھا کہ اُس نے انہیں بے ساختہ سجدے میں گرا دیا۔

(۲۶) اندازہ لگائیے کہ جب ایمان دل میں گھر کر جاتا ہے تو وہ انسان کی سوچ اور اس کے ارادوں میں کتنا بڑا انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ یہ وہ جادوگر تھے جن کی سب سے بڑی معراج یہ تھی کہ فرعون ان کو انعام و اکرام سے نواز کر اپنی خوشنودی اور تقرب عطا



إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ۚ وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ۖ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّىٰ ۖ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَىٰ مُوسَىٰ ۙ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاصْرَبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۚ لَا تَخَفْ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ ۚ فَاتَّبِعْهُمْ فَرْعَوْنَ يَجُودُ ۚ فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۚ

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اپنے پروردگار کے پاس مجرم بن کر آئے گا، اُس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جئے گا۔ (۲۷) اور جو شخص اُس کے پاس مؤمن بن کر آئے گا جس نے نیک عمل بھی کئے ہوں گے، تو ایسے ہی لوگوں کے لئے بلند درجات ہیں، (۲۸) وہ ہمیشہ رہنے والے باغات جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے! اور یہ صلہ ہے اُس کا جس نے پاکیزگی اختیار کی۔ (۲۹)

اور ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی کہ: ”تم میرے بندوں کو لے کر راتوں رات روانہ ہو جاؤ، پھر ان کے لئے سمندر میں ایک خشک راستہ اس طرح نکال لینا کہ نہ تمہیں (دشمن کے) آپکڑنے کا اندیشہ رہے، اور نہ کوئی اور خوف ہو۔“ (۳۰) چنانچہ فرعون نے اپنے لشکروں سمیت اُن کا پیچھا کیا تو سمندر کی جس (خوفناک) چیز نے انہیں ڈھانپا، وہ انہیں ڈھانپ کر ہی رہی۔ (۳۱)

کر دے۔ چنانچہ مقابلے پر آنے کے وقت فرعون سے ان کا سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ: ”اگر ہم غالب آگئے تو ہمیں کوئی اجر بھی ملے گی؟“ (دیکھئے سورہ اعراف ۷: ۱۱۳) لیکن جب حق کھل کر ان کے سامنے آ گیا اور اس پر ایمان و یقین دل میں گھر کر گیا تو انہیں نہ فرعون کی ناراضی کا خوف رہا، نہ اپنے ہاتھ پاؤں کٹوانے یا سولی پر لٹکنے کا۔ اللہ اکبر!

(۲۷) مرے گا تو اس لئے نہیں کہ وہاں کسی کو موت نہیں آئے گی، اور جینے کی جو نفی کی گئی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جینا چونکہ موت سے بھی بدتر ہوگا، اس لئے وہ جینے میں شمار کرنے کے لائق نہیں ہوگا۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذَٰلِكَ۔

(۲۸) جادوگروں سے مقابلے میں فتح پانے کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کافی عرصے مصر میں رہے، اور اس دوران فرعون کو ان کی تبلیغ بھی جاری رہی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعدد نشانیاں بھی دکھائی جاتی رہیں، جن کا ذکر سورہ اعراف میں گذرا ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ تمام بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جائیں۔

(۲۹) یعنی تمہارے راستے میں سمندر آئے گا، تم اپنا عصا اُس پر مارو گے تو اُس میں تمہاری قوم کے گذرنے کے لئے خشک راستہ بن جائے گا۔ اس کی تفصیل سورہ یونس (۱۰: ۸۹ تا ۹۲) میں بھی گذری ہے، اور سورہ شعراء (۲۶: ۶۰ تا ۶۶) میں بھی آئے گی۔ چونکہ یہ راستہ اللہ تعالیٰ نے صرف تمہارے لئے پیدا کیا ہوگا، اس لئے فرعون کا لشکر اُس سے گذر کر تمہیں نہیں پکڑ سکے گا، لہذا نہ تمہیں پکڑے جانے کا خوف ہوگا، نہ ڈوب جانے کا۔

(۳۰) عربی محاورے کے مطابق ”وہ چیز“ کہہ کر اُس کے ناقابل بیان حد تک خوفناک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔



وَأَصْلُ فِرْعَوْنَ قَوْمَهُ وَمَاهْدَى ۝۹۰ يُبْنِي إِسْرَآءِ يَلْ قَدْ أَنْجَيْنُكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ وَوَعَدُنُكُمْ  
جَانِبَ الطُّورِ إِلَّا يَمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَى ۝۹۱ كَلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا  
تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي ۚ وَمَنْ يَحِلُّ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَى ۝۹۲ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ  
تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى ۝۹۳ وَمَا أَعْجَلَك عَنْ قَوْمِكَ يَمُوسَى ۝۹۴ قَالَ هُمْ  
أُولَآءِ عَلَى أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَى ۝۹۵ قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ  
وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝۹۶ فَرَجَعَ مُوسَى إِلَى قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ يَقَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ  
رَبُّكُمْ وَعَدًّا حَسَنًا أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَادْتُمْ أَنْ يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَبِّكُمْ  
فَاخْلَقْتُمْ مَّوْعِدِي ۝۹۷ قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا وَلَكِنَّا حَمَلْنَا آوْزَارًا مِّنْ زِينَةِ  
الْقَوْمِ فَقَدْ فُتِنَ فَكَذَلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝۹۸

اور فرعون نے اپنی قوم کو برے راستے پر لگایا، اور انہیں صحیح راستہ نہ دکھایا۔ ۹۰ اے بنی اسرائیل! ہم نے تمہیں تمہارے  
دُشمن سے نجات دی، اور تم سے کوہ طور کے دائیں جانب آنے کا وعدہ ٹھہرایا، اور تم پر من و سلویٰ نازل کیا۔ ۹۱ جو پاکیزہ  
رزق ہم نے تمہیں عطا کیا ہے، اُس میں سے کھاؤ، اور اس میں سرکشی نہ کرو جس کے نتیجے میں تم پر میرا غضب نازل  
ہو جائے۔ اور جس کسی پر میرا غضب نازل ہو جاتا ہے، وہ تباہی میں گر کر رہتا ہے۔ ۹۲ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جو شخص توبہ  
کرے، ایمان لائے، اور نیک عمل کرے، پھر سیدھے راستے پر قائم رہے تو میں اُس کے لئے بہت بخشنے والا ہوں۔ ۹۳  
اور (جب موسیٰ کوہ طور پر اپنے لوگوں سے پہلے چلے آئے تو اللہ نے ان سے کہا:) ”موسیٰ! تم اپنی قوم سے پہلے جلدی کیوں  
آگئے؟“ ۹۴ انہوں نے کہا: ”وہ میرے پیچھے پیچھے آیا ہی چاہتے ہیں، اور پروردگار! میں آپ کے پاس اس لئے جلدی  
آگیا تاکہ آپ خوش ہوں۔“ ۹۵ اللہ نے فرمایا: ”پھر تمہارے آنے کے بعد ہم نے تمہاری قوم کو فتنے میں مبتلا کر دیا ہے،  
اور انہیں سامری نے گمراہ کر ڈالا ہے۔“ ۹۶ چنانچہ موسیٰ غم و غصے میں بھرے ہوئے اپنی قوم کے پاس واپس لوٹے۔  
کہنے لگے: ”میری قوم کے لوگو! کیا تمہارے پروردگار نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ تو کیا تم پر کوئی بہت لمبی  
مدت گذر گئی تھی، یا تم چاہتے ہی یہ تھے کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو جائے، اور اس وجہ سے تم نے مجھ سے وعدہ  
خلائی کی؟“ ۹۷ کہنے لگے: ”ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی، بلکہ ہوا یہ کہ ہم پر لوگوں  
کے زیورات کے بوجھ لدے ہوئے تھے، اس لئے ہم نے انہیں پھینک دیا، پھر اسی طرح سامری نے کچھ ڈالا۔“ ۹۸



(۳۱) صحرائے سینا میں قیام کے دوران اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلایا تھا، تاکہ وہ وہاں چالیس دن تک اعتکاف کریں تو انہیں تورات عطا کی جائے گی۔ شروع میں بنی اسرائیل کے کچھ منتخب لوگوں کے بارے میں بھی یہ طے ہوا تھا کہ وہ بھی آپ کے ساتھ جائیں گے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام جلدی روانہ ہو گئے، اور ان کا خیال تھا کہ باقی ساتھی بھی پیچھے آرہے ہوں گے۔ لیکن وہ لوگ نہیں آئے۔

(۳۲) سامری ایک جادوگر تھا جو بظاہر حضرت موسیٰ پر ایمان لے آیا تھا، اور اسی لئے ان کے ساتھ لگ گیا تھا، مگر حقیقت میں وہ منافق تھا۔

(۳۳) اچھے وعدے سے مراد کوہ طور پر تورات دینے کا وعدہ ہے۔

(۳۴) یعنی مجھے کوہ طور پر گئے ہوئے کوئی ایسی لمبی مدت تو نہیں گذری تھی کہ تم میرا انتظار کئے بغیر اس پچھڑے کو معبود بنا بیٹھو۔

(۳۵) بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ فرعون کے لشکر کا چھوڑا ہوا مال غنیمت تھا، اُس دور میں مال غنیمت کو استعمال کرنا جائز نہیں تھا۔ اس کے بجائے اُسے ایک میدان میں رکھ دیا جاتا تھا، اور آسمان سے ایک آگ آکر اُسے جلا دیتی تھی۔ شاید ان زیورات کو پھینکنے کا یہی مقصد ہو کہ آسمانی آگ انہیں آکر جلا دے۔ اس کے برخلاف عام طور پر تفسیروں میں یہ روایت مذکور ہے کہ بنی اسرائیل جب مصر سے نکلے تھے تو نکلنے سے پہلے انہوں نے فرعون کی قوم کے لوگوں سے بہت سے زیورات عید کے موقع پر پہننے کے لئے مستعار لئے تھے۔ وہ سارے زیورات مصر سے نکلے ہوئے ان کے ساتھ تھے۔ چونکہ یہ زیورات دوسروں کی امانت تھیں، اس لئے بنی اسرائیل کے لئے جائز نہیں تھا کہ وہ انہیں مالکوں کی اجازت کے بغیر استعمال کریں۔ دوسری طرف انہیں واپس کرنے کا بھی کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس لئے حضرت ہارون علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ یہ زیورات یہیں پھینک دو، اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو دشمن سے حاصل کئے ہوئے مال غنیمت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی روایت بہت مستند نہیں ہے، اور احتمال یہ بھی ہے کہ سامری نے اپنا شعبہ دکھانے کے لئے لوگوں سے کہا ہو کہ تم اپنے اپنے زیور نیچے پھینکو، میں تمہیں ایک تماشا دکھاتا ہوں۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عام لوگوں نے جو زیورات پھینکے، اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ”قذف“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اور سامری نے جو کچھ پھینکا، اُس کے لئے دوسرا لفظ ”القاء“ استعمال فرمایا ہے۔ اس میں یہ بھی امکان ہے کہ یہ صرف اُسلوب کی تبدیلی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ سامری کے پھینکنے سے مراد اس کی شعبہ بازی کی کارگیری ہو، کیونکہ ”القاء“ کا لفظ جادوگروں کے کرتب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

(۳۶) جب سارے لوگوں نے اپنے زیورات پھینک دیئے تو سامری بھی کوئی چیز مٹھی میں دبا کر لایا، اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا کہ کیا میں بھی پھینک دوں؟ حضرت ہارون علیہ السلام نے سمجھا کہ وہ بھی کوئی زیور ہوگا، اس لئے فرمایا کہ ڈال دو۔ اُس پر سامری نے کہا کہ آپ میرے لئے دُعا فرمائیں کہ جب میں ڈالوں تو جو کچھ میں چاہتا ہوں، وہ پورا ہو جائے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو اس کی منافقت معلوم نہیں تھی، اس لئے دُعا فرمادی۔ حقیقت میں وہ مٹھی میں زیور کے بجائے مٹی لے کر آیا تھا، اور اُس نے وہ مٹی ان زیورات پر ڈال کر انہیں پگھلایا، اور اُن سے ایک پچھڑے کی سی مورت بنالی جس میں سے آواز نکلتی تھی۔



فَاُخْرِجْ لَهُمْ عَجَلًا جَسَدًا ۖ اَلَهُ خُورًا فَقَالُوا هَذَا اِلَهُمُوسٰى وَ اِلَهُ مُوْسٰى ۚ فَتَنَسٰى ۙ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ صَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۙ ۙ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ يَقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُونِي وَاَطِيعُوْا اَمْرِي ۙ قَالُوا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۙ ۙ قَالَ يَهْرُؤُنْ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْا ۙ ۙ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۙ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِي ۙ ۙ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحِيَّتِيْ ۙ وَلَا يَرْأْسِيْ ۚ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۙ ۙ

اور لوگوں کے سامنے ایک پچھڑا بنا کر نکال لیا، ایک جسم تھا جس میں سے آواز نکلتی تھی۔ لوگ کہنے لگے کہ: ”یہ تمہارا معبود ہے، اور موسیٰ کا بھی معبود ہے، مگر موسیٰ بھول گئے ہیں۔“ (۹۱) بھلا کیا انہیں یہ نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہ نہ ان کی بات کا جواب دیتا تھا، اور نہ ان کو کوئی نقصان یا نفع پہنچا سکتا تھا؟ (۹۲)

اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہا تھا کہ: ”میری قوم کے لوگو! تم اس (پچھڑے) کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہو گئے ہو، اور حقیقت میں تمہارا رب تو رحمن ہے، اس لئے تم میرے پیچھے چلو اور میری بات مانو۔“ (۹۰) وہ کہنے لگے کہ: ”جب تک موسیٰ واپس نہ آجائیں، ہم تو اسی کی عبادت پر جے رہیں گے۔“ (۹۱) موسیٰ نے (واپس آ کر) کہا: ”ہارون! جب تم نے دیکھ لیا تھا کہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں تو تمہیں کس چیز نے روکا تھا؟ (۹۲) کہ تم میرے پیچھے چلے آتے؟ بھلا کیا تم نے میری بات کی خلاف ورزی کی؟“ (۹۳) ہارون نے کہا: ”میرے ماں کے بیٹے! میری داڑھی نہ پکڑو، اور نہ میرا سر۔ حقیقت میں مجھے یہ اندیشہ تھا کہ تم یہ کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا، اور میری بات کا پاس نہیں کیا۔“ (۹۳)

(۳۷) قرآن کریم کی اس آیت نے بائبل کی اس روایت کی واضح طور پر تردید فرمادی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام خود بھی (معاذ اللہ) پچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہو گئے تھے (دیکھئے خروج ۳۲: ۶ تا ۱۰)۔ یہ روایت اس لئے بھی قطعی طور پر لغو ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے، اور کسی نبی کے شرک میں ملوث ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

(۳۸) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ طور پر جا رہے تھے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بناتے ہوئے انہوں نے فرمایا تھا کہ: ”اصلاح کرتے رہنا اور مفسدوں کے پیچھے نہ چلنا“ (۱۳۲: ۷) یہاں اپنی اسی ہدایت کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تھے تو آپ کو چاہئے تھا کہ ان سے الگ ہو کر میرے پاس چلے آتے۔ اس طرح آپ مفسدوں کے ساتھی بھی نہ بنتے، اور میرے ذریعے اصلاح بھی کرتے۔

(۳۹) یعنی میرے چلے جانے سے قوم دو ٹکڑوں میں بٹ جاتی، کچھ لوگ میرا ساتھ دیتے، اور کچھ ان گمراہوں کا جو مجھے قتل تک کرنے کے درپے تھے۔ (جیسا کہ سورہ اعراف ۷: ۱۵۰ میں حضرت ہارون علیہ السلام کی زبانی بیان فرمایا گیا ہے) لہذا آپ نے جو فرمایا تھا کہ ”اصلاح کرتے رہنا“ مجھے اندیشہ تھا کہ ایسا کرنے سے آپ کے اس حکم کی خلاف ورزی ہو جاتی۔



قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يُسَامِرِي ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ۝ قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهُ ۚ وَانْظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝

موسیٰ نے کہا: ”اچھا تو سامری! تجھے کیا ہوا تھا؟“ ۝ وہ بولا: ”میں نے ایک ایسی چیز دیکھ لی تھی جو دوسروں کو نظر نہیں آئی تھی۔ اس لئے میں نے رسول کے نقش قدم سے ایک مٹھی اٹھالی، اور اُسے (پچھڑے پر) ڈال دیا۔ اور میرے دل نے مجھے کچھ ایسا ہی بجھایا۔“ ۝ موسیٰ نے کہا: ”اچھا تو جا، اب زندگی بھر تیرا کام یہ ہوگا کہ تو لوگوں سے یہ کہا کرے گا کہ مجھے نہ چھوٹا۔ اور (اس کے علاوہ) تیرے لئے ایک وعدے کا وقت مقرر ہے جو تجھ سے ٹلایا نہیں جاسکتا۔ اور دیکھ اپنے اس (جھوٹے) معبود کو جس پر تو جما بیٹھا تھا! ہم اسے جلا ڈالیں گے، اور پھر اس (کی راکھ) کو چورا چورا کر کے سمندر میں بکھیر دیں گے۔ ۝ حقیقت میں تم سب کا معبود تو بس ایک ہی اللہ ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اُس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ۝

(۳۰) رسول سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کے ساتھ تھے۔ عام طور سے مفسرین نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں ایک گھوڑے پر سوار تھے، اور سامری نے دیکھا کہ گھوڑے کا پاؤں جس جگہ پڑتا، وہاں زندگی کے کچھ آثار پیدا ہو جاتے تھے۔ سامری نے سمجھا کہ اس مٹی میں جو زندگی کے آثار پیدا ہو رہے ہیں، ان سے یہ کام بھی لیا جاسکتا ہے کہ کسی بے جان چیز پر ڈالنے سے اس میں زندگی کچھ خصوصیات پیدا ہو جائیں، چنانچہ اُس نے ایک مٹھی اس مٹی کی لے کر پچھڑے پر ڈال دی جس سے آواز نکلنے لگی۔ لیکن بعض مفسرین مثلاً حضرت مولانا حقانی نے تفسیر حقانی (جلد: ۳ ص: ۲۷۲-۲۷۳) میں فرمایا ہے کہ یہ سامری کی طرف سے ایک جھوٹا بہانہ تھا، ورنہ پچھڑے میں آواز خلا میں ہوا کے گزرنے سے نکلتی تھی۔ چونکہ قرآن کریم نے نہ کوئی تفصیل خود بیان فرمائی، نہ کسی مضبوط حدیث سے ثابت ہے، اور نہ کوئی دینی ضرورت اس کے جاننے پر موقوف ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس تفصیل کو اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے کیا جائے۔

(۳۱) سامری کے جرم کی سزا اُس کو یہ دی گئی کہ تمام لوگ اُس کا بایکاٹ کریں، نہ کوئی اُسے چھوئے، اور نہ وہ کسی کو ہاتھ لگائے۔ اب یہ بھی ممکن ہے کہ اُس کو یہ سزا قانونی حکم کے ذریعے دی گئی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے، جیسا کہ بعض روایات میں آیا بھی ہے، کہ اُس کے جسم میں کوئی ایسی بیماری پیدا ہو گئی تھی کہ کوئی شخص اُسے ہاتھ لگاتا تو اُس کو بھی اور ہاتھ لگانے والے کو بھی بخار چڑھ جاتا تھا۔ (۳۲) اس سے مراد آخرت کے عذاب کا وعدہ ہے۔



كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ۖ مَنِ اعْرِضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وِزْرًا ۖ (۱۰۰) خَلِيدِينَ فِيهِ ۖ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حِمْلًا ۖ (۱۰۱) يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ وَنَحْشُرُ الْجُرِمِينَ يَوْمَئِذٍ رُزْقًا ۖ (۱۰۲) يَتَخَفَتُونَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ۖ (۱۰۳) نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ۖ (۱۰۴) وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۖ (۱۰۵) فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۖ (۱۰۶) لَا تَبْقَىٰ فِيهَا جَبَلًا وَلَا أَمْتًا ۖ (۱۰۷)

(اے پیغمبر!) ماضی میں جو حالات گزرے ہیں اُن میں سے کچھ واقعات ہم اسی طرح تم کو سناتے ہیں، اور ہم نے تمہیں خاص اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ عطا کیا ہے۔ (۱۰۰) جو لوگ اُس سے منہ موڑیں گے، تو وہ قیامت کے دن بڑا بھاری بوجھ لادے ہوں گے، (۱۰۱) جس (کے عذاب) میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور قیامت کے دن اُن کے لئے یہ بدترین بوجھ ہوگا، (۱۰۲) جس دن صور پھونکا جائے گا، اور اُس دن ہم سارے مجرموں کو گھیر کر اس طرح جمع کریں گے کہ وہ نیلے پڑے ہوں گے، (۱۰۳) آپس میں سرگوشیاں کر رہے ہوں گے کہ تم (قبروں میں یا دنیا میں) دس دن سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ (۱۰۴) جس بارے میں وہ باتیں کریں گے اُس کی حقیقت ہمیں خوب معلوم ہے، جبکہ ان میں سے جس کا طریقہ سب سے بہتر ہوگا، وہ کہے گا کہ تم ایک دن سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ (۱۰۵)

اور لوگ تم سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں (کہ قیامت میں ان کا کیا بنے گا؟) جواب میں کہہ دو کہ میرا پروردگار ان کو دھول کی طرح اڑا دے گا (۱۰۵) اور زمین کو ایسا ہموار چٹیل میدان بنا کر چھوڑے گا (۱۰۶) کہ اس میں تمہیں نہ کوئی بل نظر آئے گا، نہ کوئی اُبھار (۱۰۷)

(۲۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اس جیسے واقعات کا جاری ہونا جبکہ آپ اُمی ہیں، اور آپ کے پاس ان معلومات کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، اور جو آیات آپ تلاوت کر رہے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی ہیں۔

(۲۴) قیامت کا دن ان کے لئے اتنا ہولناک ہوگا کہ وہ دنیا کی ساری زندگی کو ایسا سمجھیں گے جیسے وہ دس دن کی بات ہو۔

(۲۵) یعنی جن دنوں کا شمار وہ صرف دس دن سمجھ کر کر رہے تھے، اُن کی صحیح تعداد ہم جانتے ہیں۔

(۲۶) یعنی جس شخص کو زیادہ سمجھ دار سمجھا جاتا تھا، وہ تو کہے گا کہ ہمارے دنیا میں قیام کی مدت یا قبروں میں رہنے کی مدت صرف ایک ہی دن تھی۔



يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۖ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَبْسًا ۝  
يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَاضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ  
أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۝ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ  
مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَفُ ظُلْمًا وَلَا هَضْبًا ۝  
وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ  
ذِكْرًا ۝ فَتَعَلَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۖ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ ۚ  
وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝

اُس دن سب کے سب منادی کے پیچھے اس طرح چلے آئیں گے کہ اُس کے سامنے کوئی ٹیڑھ نہیں دکھائیں گے۔ اور  
خداے رحمن کے آگے تمام آوازیں دب کر رہ جائیں گی، چنانچہ تمہیں پاؤں کی سرسراہٹ کے سوا کچھ سنائی نہیں دے گا۔ ۱۰۸  
اُس دن کسی کی سفارش کام نہیں آئے گی، سوائے اُس شخص (کی سفارش) کے جسے خداے رحمن نے اجازت دے دی ہو، اور  
جس کے بولنے پر وہ راضی ہو۔ ۱۰۹ وہ لوگوں کی ساری اگلی پچھلی باتوں کو جانتا ہے، اور وہ اُس کے علم کا احاطہ نہیں  
کر سکتے۔ ۱۱۰ اور سارے کے سارے چہرے حیرت و قیوم کے آگے جھکے ہوں گے، اور جو کوئی ظلم کا بوجھ لا کر لایا ہوگا، نامراد  
ہوگا۔ ۱۱۱ اور جس نے نیک عمل کئے ہوں گے، جبکہ وہ مؤمن بھی ہو، تو اُسے نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہوگا، نہ کسی حق تلفی کا۔ ۱۱۲  
اور ہم نے اسی طرح یہ وحی ایک عربی قرآن کی شکل میں نازل کی ہے، اور اُس میں تنبیہات کو طرح طرح سے بیان کیا ہے،  
تاکہ لوگ پرہیزگاری اختیار کریں، یا یہ قرآن اُن میں کچھ سوچ سمجھ پیدا کرے۔ ۱۱۳ ایسی ہی اونچی شان ہے اللہ کی، جو  
سلطنت کا حقیقی مالک ہے! اور (اے پیغمبر!) جب قرآن وحی کے ذریعے نازل ہو رہا ہو تو اُس کے مکمل ہونے سے پہلے  
قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو، اور یہ دُعا کرتے رہا کرو کہ: ”میرے پروردگار! مجھے علم میں اور ترقی عطا فرما۔“ ۱۱۴

(۳۷) جب حضرت جبریل علیہ السلام قرآن کریم کی آیتیں وحی کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے، تو آپ  
اس دُر سے کہ کہیں بھول نہ جائیں، ساتھ ساتھ اُن آیتوں کو دُہراتے رہتے تھے جس سے ظاہر ہے کہ آپ کو سخت مشقت ہوتی  
تھی۔ اس آیت میں آپ سے فرمایا گیا ہے کہ آپ کو یہ محنت اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی قرآن کریم کو آپ کے  
سینہ مبارک میں محفوظ فرما دے گا۔ یہی بات سورہ قیامہ (۵۷: ۱۶-۱۸) میں بھی فرمائی گئی ہے۔

(۳۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دُعا کی تلقین فرما کر یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ علم ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ  
نہیں، اور انسان کو علم کے کسی بھی درجے پر قناعت کر کے نہیں بیٹھنا چاہئے، بلکہ ہر وقت علم میں ترقی کی کوشش اور دُعا کرتے رہنا  
چاہئے۔ اس دُعا میں یادداشت کی قوت کی دُعا بھی شامل ہے، اور معلومات کی زیادتی اور ان کی صحیح سمجھ کی بھی۔



وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسَىٰ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۝ (۱۱۵) وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَىٰ ۝ (۱۱۶) فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجُكَمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰ ۝ (۱۱۷) إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۝ (۱۱۸) وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيْهَا وَلَا تَصْحَىٰ ۝ (۱۱۹) فَوَسَّوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ ۝ (۱۲۰)

اور ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک بات کی تاکید کی تھی، پھر اُن سے بھول ہو گئی، اور ہم نے اُن میں عزم نہیں پایا۔ (۱۱۵) یاد کرو وہ وقت جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو، چنانچہ سب نے سجدہ کیا، البتہ ابلیس تھا جس نے انکار کیا۔ (۱۱۶) چنانچہ ہم نے کہا کہ: ”اے آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، لہذا ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے، اور تم مشقت میں پڑ جاؤ۔“ (۱۱۷) یہاں تو تمہیں یہ فائدہ ہے کہ نہ تم بھوکے ہو گے، نہ ننگے، (۱۱۸) اور نہ یہاں پیاسے رہو گے، نہ دُھوپ میں تپو گے۔“ (۱۱۹) پھر شیطان نے اُن کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ کہنے لگا: ”اے آدم! کیا میں تمہیں ایک ایسا درخت بتاؤں جس سے جاودانی زندگی اور وہ بادشاہی حاصل ہو جاتی ہے جو کبھی پرانی نہیں پڑتی؟“ (۱۲۰)

(۱۱۹) جس تاکید کا یہاں ذکر ہے، اُس سے مراد ایک خاص درخت کا پھل نہ کھانے کی تاکید ہے۔ اس واقعے کی تفصیل اور اس سے متعلق سوالات کا جواب سورہ بقرہ (۲: ۳۴ تا ۳۹) میں گزر چکا ہے۔ اور یہاں آدم علیہ السلام کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے کہ ہم نے اُن میں عزم نہیں پایا، اس کا ایک مطلب بعض مفسرین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اُن سے درخت کا پھل کھانے کے سلسلے میں جو غلطی کی، اُس میں اُن کے عزم کو دخل نہیں تھا، یعنی انہوں نے نافرمانی کے ارادے سے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی، بلکہ اُن سے بھول ہو گئی۔ اور دوسرے مفسرین نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اُن میں ایسا پختہ عزم نہیں تھا کہ شیطان کے بہکائے میں نہ آتے۔ اس سے انسان کی اُس سرشت کی طرف اشارہ ہے جس میں شیطان اور نفس کے بہکائے میں آنے کی صلاحیت موجود ہے۔ چونکہ قرآن کریم نے عزم کی نفی کو بھول ہو جانے کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے، اس لئے یہاں پہلے معنی زیادہ بہتر معلوم ہوتے ہیں۔

(۱۲۰) اس آیت کو اگلی آیت سے ملا کر پڑھا جائے تو مطلب یہ ہے کہ جنت میں تو تمہیں زندگی کی ساری ضروریات یعنی خوراک، کپڑا اور رہنے کے لئے گھر بغیر کسی محنت کے حاصل ہے۔ جنت سے نکل گئے تو اُن چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے محنت اور مشقت اُٹھانی پڑے گی۔

(۱۲۱) ساتھ ہی شیطان نے یہ تاویل بھی بھائی کہ اس درخت کی جو ممانعت کی گئی تھی، وہ اس لئے تھی کہ تم میں اُس وقت اس درخت کا پھل کھانے کی طاقت نہیں تھی۔ اب ایک عرصہ گزر جانے کے بعد یہ رُکاؤ باقی نہیں رہی۔



فَاَكْلًا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهَا سَؤَاتُهَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهَا مِنْ رَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ  
 فَغَوَىٰ ۚ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ۚ ۞ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ  
 عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى ۚ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ۚ ۞ وَمَنْ أَعْرَضَ  
 عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمَىٰ ۚ ۞ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي  
 أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ۚ ۞ قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۚ وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَىٰ ۚ ۞  
 وَكَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِآيَاتِ رَبِّهِ ۚ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ ۚ ۞

چنانچہ ان دونوں نے اُس درخت میں سے کچھ کھا لیا جس سے اُن دونوں کے شرم کے مقامات اُن کے سامنے کھل گئے،  
 اور وہ دونوں جنت کے پتوں کو اپنے اوپر گانٹھنے لگے۔ اور (اس طرح) آدم نے اپنے رب کا کہا ٹالا، اور بھٹک  
 گئے۔ ۵۲ پھر اُن کے رب نے انہیں چن لیا، چنانچہ ان کی توبہ قبول فرمائی، اور انہیں ہدایت عطا فرمائی۔ ۵۳ اللہ نے  
 فرمایا: ”تم دونوں کے دونوں یہاں سے نیچے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔“ پھر اگر تمہیں میری طرف سے  
 کوئی ہدایت پہنچے، تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ نہ گمراہ ہوگا، اور نہ کسی مشکل میں گرفتار ہوگا۔ ۵۴ اور جو  
 میری نصیحت سے منہ موڑے گا تو اُس کو بڑی تنگ زندگی ملے گی، اور قیامت کے دن ہم اُسے اندھا کر کے اٹھائیں  
 گے۔ ۵۵ وہ کہے گا کہ: ”یا رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا، حالانکہ میں تو آنکھوں والا تھا؟“ ۵۶ اللہ کہے گا:  
 ”اسی طرح ہماری آیتیں تیرے پاس آئی تھیں، مگر تو نے انہیں بھلا دیا۔ اور آج اُسی طرح تجھے بھلا دیا جائے گا۔“ ۵۷  
 اور جو شخص حد سے گذر جاتا ہے، اور اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان نہیں لاتا، اُسے ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں، اور  
 آخرت کا عذاب واقعی زیادہ سخت اور زیادہ دیر رہنے والا ہے۔ ۵۸

۵۲) سورہ بقرہ میں ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی اجتہادی غلطی تھی جس کی حقیقت اوپر آیت نمبر ۱۱۵ میں یہ  
 بیان فرمائی گئی ہے کہ اُن سے بھول ہو گئی، اور اجتہادی غلطی اور بھول میں جو کام کیا جاتا ہے، وہ گناہ نہیں ہوتا، لیکن چونکہ پیغمبروں  
 کی شان بہت بلند ہوتی ہے، اس لئے ان سے اس قسم کی اجتہادی غلطی کا سرزد ہونا بھی ان کے شایانِ شان نہیں ہوتا، اس لئے  
 اُسے حکم ماننے اور بھٹکنے سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس پر بھی توبہ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

۵۳) یعنی انسان اور شیطان ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔

۵۴) جب قبر سے اٹھا کر حشر کی طرف لائے جائیں گے، اُس وقت تو یہ لوگ اندھے ہوں گے، لیکن بعد میں انہیں بینائی دے  
 دی جائے گی، جیسا کہ سورہ کہف (۱۸: ۵۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہنم کی آگ کو دیکھیں گے۔



أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ يَيسُوْنَ فِي مَسْكِنِهِمْ ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي  
النُّهَى ۝ (۱۲۸) وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاجِلٌ مِّنْهُ ۖ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا  
يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ  
فَسَبِّحْ وَاطَّرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ ۝ (۱۲۹) وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَاهُ أَزْوَاجًا  
مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝ (۱۳۰)

پھر کیا ان لوگوں کو اس بات نے بھی کوئی ہدایت کا سبق نہیں دیا کہ ان سے پہلے کتنی نسلیں تھیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا، جن کی بستیوں میں یہ لوگ چلتے پھرتے بھی ہیں؟ یقیناً جن لوگوں کے پاس عقل ہے، اُن کے لئے اس بات میں عبرت کے بڑے سامان ہیں۔ (۱۲۸) اور اگر تمہارے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہی طے نہ کر دی گئی ہوتی، اور (اس کے نتیجے میں عذاب کی) ایک میعاد مقرر نہ ہوتی، تو لازمی طور پر عذاب (ان کو) چمٹ چکا ہوتا۔ (۱۲۹) لہذا (اے پیغمبر!) یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں، تم ان پر صبر کرو، اور سورج نکلنے سے پہلے اور اُس کے غروب سے پہلے اپنے رب کی تسبیح اور حمد کرتے رہو، اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو، اور دن کے کناروں میں بھی، تاکہ تم خوش ہو جاؤ۔ (۱۳۰) اور دُنیوی زندگی کی اُس بہار کی طرف آنکھیں اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان (کافروں) میں سے مختلف لوگوں کو مزے اُڑانے کے لئے دے رکھی ہے، تاکہ ہم ان کو اُس کے ذریعے آزمائیں۔ اور تمہارے رب کا رزق سب سے بہتر اور سب سے زیادہ دیر پا ہے۔ (۱۳۱)

(۵۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ان کافروں کو عذاب دینے کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، اور یہ طے کر رکھا ہے کہ اُس سے پہلے ان کو مہلت دی جائے گی۔ اس لئے ان کی نافرمانیوں کے باوجود ان پر عذاب نازل نہیں ہو رہا ہے۔ اگر یہ بات پہلے سے طے نہ ہوتی تو ان کے کرتوت ایسے تھے کہ ان کو فوری طور پر عذاب آچمٹا۔

(۵۶) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ لوگ آپ کے خلاف جو بے ہودہ باتیں کرتے ہیں، ان کا جواب دینے کے بجائے ان پر صبر کرتے رہئے، اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہئے جس کا بہترین طریقہ نماز پڑھنا ہے، چنانچہ سورج نکلنے سے پہلے فجر کی نماز اور غروب سے پہلے عصر کی نماز اور رات میں عشاء اور تہجد کی نماز اور دن کے کناروں پر مغرب کی نماز کا اہتمام کرتے رہئے۔ اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بالآخر آپ خوش ہو جائیں گے، ایک تو اس لئے کہ اس پر آپ کو جو اجر ملنے والا ہے، وہ انتہائی عظیم الشان ہے، اور دوسرے یہی طرز عمل آخر کار دشمنوں پر آپ کی فتح کا ضامن ہے، اور تیسرے اس لئے کہ آپ کو اُمت کی شفاعت کا مقام حاصل ہوگا تو اُمت کی نجات سے آپ کو خوشی ہوگی۔



وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا تَسْأَلْ رِزْقًا ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ  
 لِلتَّقْوَى ۝ (۳۲) وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ ۖ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةٌ مَّا فِي الصُّحُفِ الْأُولَى ۝ (۳۳)  
 وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا إِنَّا بَنَاءُ لَّوَلَا أُرْسِلَتْ إِلَيْنَا رَسُولٌ إِلَّا فَتْنَةٌ أَلَيْتِكَ  
 مِّن قَبْلِ أَنْ نُنْزِلَ نَذِيرًا ۖ وَنَخْزِي ۝ (۳۴) قُلْ كُلُّ مُتَرَبِّصٍ فَتَرَبَّصُوا ۚ فَسَتَعْلَمُونَ مَن أَصْحَابُ  
 الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَى ۝ (۳۵)

اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، اور خود بھی اُس پر ثابت قدم رہو۔ ہم تم سے رزق نہیں چاہتے، رزق تو ہم تمہیں دیں گے۔ اور بہتر انجام تقویٰ ہی کا ہے۔ (۳۲) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”یہ (نبی) ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لے آتے؟“ بھلا کیا ان کے پاس پچھلے (آسمانی) صحیفوں کے مضامین کی گواہی نہیں آگئی؟ (۳۳) اور اگر ہم انہیں اس (قرآن) سے پہلے ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ کہتے کہ: ”ہمارے پروردگار! آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہیں بھیجا، تاکہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے آپ کی آیتوں کی پیروی کرتے؟“ (۳۴) (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: ”(ہم) سب انتظار کر رہے ہیں، لہذا تم بھی انتظار کرو“ کیونکہ عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ سیدھے راستے والے لوگ کون ہیں، اور کون ہیں جو ہدایت پا گئے ہیں؟ (۳۵)

(۵۷) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں آقا اپنے غلاموں کو معاشی مشغلے میں لگا کر ان کی آمدنی سے رزق حاصل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ تمہاری اس طرح کی بندگی سے بے نیاز ہے، اس کے بجائے وہ خود تمہیں رزق دینے کا وعدہ کر چکا ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے تم پر یہ ذمہ داری عائد نہیں کی کہ تم اپنا رزق خود پیدا کرو۔ تم زیادہ سے زیادہ جو کچھ کرتے ہو، وہ یہ کہ اسباب کو اختیار کر لیتے ہو، مثلاً زمین میں بیج بودیتے ہو، لیکن اُس بیج سے دانہ اُگانے کا کام ہم نے تم پر نہیں رکھا، بلکہ ہم خود اُس سے وہ پیداوار پیدا کرتے ہیں جو تمہیں رزق مہیا کرتی ہے۔

(۵۸) اس سے مراد قرآن کریم ہے، اور آیت کی تشریح دو طرح کی جاسکتی ہے۔ ایک یہ کہ یہ قرآن وہ کتاب ہے جس کی پیشین گوئی پچھلے آسمانی صحیفوں میں موجود تھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان صحیفوں نے قرآن کریم کی حقانیت کی گواہی دی تھی، اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ قرآن کریم پچھلے آسمانی صحیفوں کے مضامین کی تصدیق کر کے ان کی گواہی دے رہا ہے، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی زبان مبارک پر یہ کلام جاری ہوا ہے، وہ اُمی ہیں، اور ان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے وہ پچھلی کتابوں کا علم حاصل کر سکتے۔ اب جو ان آسمانی کتابوں کے مضامین ان کی زبان پر جاری ہو رہے ہیں، اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ مضامین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں، اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اس سے بڑھ کر آنحضرت



صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی اور کیا نشانی چاہتے ہو؟

(۵۹) یعنی دلیلیں اور جہتیں تو ساری تمام ہو چکیں۔ اب اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا تم بھی انتظار کرو، اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ وہ وقت دور نہیں جب ہر شخص کے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو کر واضح ہو جائے گا۔

الحمد للہ! سورہ ظہ کا ترجمہ اور حواشی آج بتاریخ ۲۷ دسمبر ۲۰۰۶ء - ۵ رذوالحجہ ۱۴۲۷ھ دُبی سے کراچی جاتے ہوئے طیارے میں تکمیل کو پہنچے۔ اور اس سورت کا بیشتر کام بحرین، دُبی، لاہور اور اسلام آباد کے سفروں میں انجام پایا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ الْاَنْبِيَاءِ

## تعارف

اس سورت کا بنیادی مقصد اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات ہے، اور ان عقائد کے خلاف کفار مکہ جو اعتراضات اٹھایا کرتے تھے، سورت میں اُن کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ان لوگوں کا ایک اعتراض یہ تھا کہ ایک ہم جیسے انسان کو پیغمبر بنا کر کیوں بھیجا گیا ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ انسانوں کے پاس انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا مناسب تھا، اور اس ضمن میں بہت سے پچھلے پیغمبروں کا حوالہ دیا گیا ہے کہ وہ سب انسان ہی تھے، اور انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو انہی عقائد کی تعلیم دی تھی جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقائد ہیں۔ انبیائے کرام کے اسی حوالے کی بنا پر اس سورت کا نام سورۃ الانبیاء رکھا گیا ہے۔



﴿ ایتھا ۱۱۲ ﴾ سُورَةُ الْاَنْبِيَاءِ مَكِّيَّةٌ ۲۱ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۷ ﴾

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝۱ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِمْ مُّحَدَّثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۲ لَا هِيَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝۳ قُلْ رَاٰی یَّعْلَمُ ظَلَمُوْا ۙ هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ اَفَتَاتُّوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تَبْصِرُوْنَ ۝۴ قُلْ رَاٰی یَّعْلَمُ الْقَوْلُ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ وَهُوَ السَّیِّعُ الْعَلِیْمُ ۝۵ بَلْ قَالُوْا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلْ اَفْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۙ فَلْيَاْتِنَا بِآیَةٍ كَمَا اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۶ مَا اَمْنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنَاهَا ۙ اَفْهَمْ یُؤْمِنُوْنَ ۝۷

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

لوگوں کے لئے ان کے حساب کا وقت قریب آپہنچا ہے، اور وہ ہیں کہ غفلت کی حالت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں! ۱ جب کبھی ان کے پروردگار کی طرف سے نصیحت کی کوئی نئی بات ان کے پاس آتی ہے تو وہ اسے مذاق بنانا کر اس حالت میں سنتے ہیں ۲ کہ ان کے دل فضولیات میں منہمک ہوتے ہیں۔ اور یہ ظالم چپکے چپکے (ایک دوسرے سے) سرگوشی کرتے ہیں کہ: ”یہ شخص (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تنہی جیسا ایک انسان نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا پھر بھی تم سو جھتے بوجھتے جادو کی بات سننے جاؤ گے؟“ ۳ پیغمبر نے (جواب میں) کہا کہ: ”آسمان اور زمین میں جو کچھ کہا جاتا ہے، میرا پروردگار اُس سب کو جانتا ہے۔ وہ ہر بات سنتا ہے، ہر چیز سے باخبر ہے۔“ ۴ یہی نہیں بلکہ ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ: ”یہ (قرآن) بے جوڑ خوابوں کا مجموعہ ہے، بلکہ یہ ان صاحب نے خود گھڑ لیا ہے، بلکہ یہ ایک شاعر ہیں۔ بھلا یہ ہمارے سامنے کوئی نشانی تو لے آئیں جیسے پچھلے پیغمبر (نشانوں کے ساتھ) بھیجے گئے تھے!“ ۵ حالانکہ ان سے پہلے جس کسی بستی کو ہم نے ہلاک کیا، وہ ایمان نہیں لائی، اب کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے؟ ۶

(۱) جو باتیں یہ کافر لوگ خفیہ طور پر کیا کرتے تھے، بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے ذریعے اُن سے باخبر ہو کر وہ باتیں بتا دیا کرتے تھے، اس بات کو وہ لوگ جادو کہہ دیا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ یہ جادو نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی وحی ہے جو زمین و آسمان میں کہی ہوئی ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔

(۲) نشانی سے مراد معجزہ ہے۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معجزات ان کے سامنے آچکے تھے، لیکن وہ نت نئے



وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ فَسَلُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٥﴾  
 وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا إِلَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ﴿٦﴾ ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ  
 فَأَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَشَاءُ وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ﴿٧﴾ لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا  
 تَعْقِلُونَ ﴿٨﴾ وَكَمْ قَصْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿٩﴾ فَلَمَّا  
 أَحْسَوْا بِأَسْنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ ﴿١٠﴾

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کسی اور کو نہیں، آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے۔ لہذا (کافروں سے کہو کہ) اگر تمہیں خود علم نہیں ہے تو نصیحت کا علم رکھنے والوں سے پوچھ لو۔ ﴿۳﴾ اور ہم نے ان (رسولوں) کو ایسے جسم بنا کر پیدا نہیں کر دیا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں، اور نہ وہ ایسے تھے کہ ہمیشہ زندہ رہیں۔ ﴿۴﴾ پھر ہم نے ان سے جو وعدہ کیا تھا، اُسے سچا کر دکھایا کہ ان کو بھی بچالیا، اور (ان کے علاوہ) جن کو ہم نے چاہا ان کو بھی، اور جو لوگ حد سے گزر چکے تھے، انہیں ہلاک کر دیا۔ ﴿۵﴾ (اب) ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب اُتاری ہے جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے۔ ﴿۶﴾ کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟ ﴿۷﴾

اور ہم نے کتنی بستیوں کو پیس ڈالا جو ظالم تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری نسلیں پیدا کیں۔ ﴿۸﴾ چنانچہ جب انہوں نے ہمارے عذاب کی آہٹ پائی تو وہ ایک دم وہاں سے بھاگنے لگے۔ ﴿۹﴾

معجزوں کے مطالبات کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ پچھلی قوموں نے بھی ایسے مطالبات کئے تھے، لیکن جب ان کو ان کی فرمائش کے مطابق معجزات دکھائے گئے تب بھی وہ ایمان نہیں لائے جس کے نتیجے میں انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ بھی اپنے فرمائشی معجزے دیکھنے کے بعد ایمان نہیں لائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی قوم اپنے فرمائشی معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے تو اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اور ابھی اللہ تعالیٰ کو ان کی فوری ہلاکت منظور نہیں ہے۔

﴿۳﴾ نصیحت کا علم رکھنے والوں سے مراد اہل کتاب ہیں۔ یعنی اگر تمہیں خود پچھلے پیغمبروں کا علم نہیں ہے تو اہل کتاب سے پوچھ لو، وہ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ تمام انبیائے کرام انسانوں ہی میں سے آئے ہیں۔

﴿۴﴾ اس آیت کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ: ”ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب اُتاری ہے جس میں تمہارے ہی ذکرِ خیر کا سامان ہے“ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ کتاب عربی زبان میں نازل کی گئی ہے جس کے براہِ راست مخاطب تم عرب لوگ ہو، اور یہ تمہارے لئے بہت بڑے اعزاز کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری کلام تم پر تمہاری زبان میں نازل فرمایا، اور اس سے رہتی دنیا تک دنیا کی ساری قوموں میں تمہارا ذکرِ خیر جاری رہے گا۔



لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسْكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَسْكُونُونَ ﴿۱۳﴾ قَالُوا أَيَوِيلُنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زِلْنَا تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خِلْدِينَ ﴿۱۵﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعِبْدِينَ ﴿۱۶﴾ لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهَؤُنَا تَخَذُتُهُ مِنْ لَدُنَّا ۖ إِنَّ كُنَّا فَعِلِينَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۖ وَلَكُمْ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴿۱۸﴾

(ان سے کہا گیا:) ”بھاگو مت، اور واپس جاؤ اپنے انہی مکانات اور اسی عیش و عشرت کے سامان کی طرف جس کے مزے تم لوٹ رہے تھے، شاید تم سے کچھ پوچھا جائے۔“ ﴿۱۳﴾ وہ کہنے لگے: ”ہائے ہماری کم بختی! سچی بات یہ ہے کہ ہم لوگ ہی ظالم تھے۔“ ﴿۱۴﴾ ان کی یہی پکار جاری رہی یہاں تک کہ ہم نے ان کو ایک کٹی ہوئی کھیتی، ایک نبھھی ہوئی آگ بنا کر رکھ دیا۔ ﴿۱۵﴾ اور ہم نے آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اُس کو اس لئے پیدا نہیں کیا کہ ہم کوئی کھیل کرنا چاہتے ہوں۔ ﴿۱۶﴾ اگر ہمیں کوئی کھیل بنانا ہوتا تو ہم خود اپنے پاس سے بنا لیتے، اگر ہمیں ایسا کرنا ہی ہوتا۔ ﴿۱۷﴾ بلکہ ہم تو حق بات کو باطل پر کھینچ مارتے ہیں، جو اُس کا سر توڑ ڈالتا ہے، اور وہ ایک دم ملیا میٹ ہو جاتا ہے۔ ﴿۱۸﴾ اور جو باتیں تم بنا رہے ہو، اُن کی وجہ سے خرابی تمہاری ہی ہے۔ ﴿۱۹﴾

(۵) یہ بات اُن سے طنز کے طور پر کہی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے عیش و عشرت میں منہمک تھے تو تمہارے نوکر چاکر تم سے پوچھا کرتے تھے کہ ”کیا حکم ہے؟“ اب ذرا اپنے گھروں میں واپس جا کر دیکھو، شاید تمہارے نوکر چاکر تم سے تمہارا حکم پوچھیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اب نہ تمہیں اپنے گھروں کا کوئی نشان ملے گا، نہ عیش و عشرت کے سامان کا، اور نہ ان نوکروں کا جو تمہارے احکام کے منتظر رہا کرتے تھے۔

(۶) جو لوگ دُنیا کے بعد آخرت کی زندگی کا انکار کرتے ہیں، درحقیقت اُن کے دعوے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات یونہی کسی مقصد کے بغیر ایک کھیل بنا کر پیدا کر دی ہے، اور جو کچھ اس دُنیا میں ہو رہا ہے، اُس کا کوئی نتیجہ بعد میں ظاہر ہونے والا نہیں ہے، نہ کسی شخص کو اس کی نیکی کا کوئی صلہ ملے گا، اور نہ کسی ظالم اور بدکار کو اُس کے گناہ کی سزا ملے گی۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات کی نسبت بہت بڑی گستاخی ہے۔

(۷) یعنی اول تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ تصور کرنا حماقت ہے کہ وہ کوئی کھیل کرنا چاہتا ہے، دوسرے اگر بفرض محال اُسے کوئی دل لگی کرنی ہوتی تو اُس کے لئے کائنات کا یہ سارا کارخانہ پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی، وہ اپنے پاس ہی سے کوئی مشغلہ بنا سکتا تھا۔

(۸) یعنی کھیل دل لگی ہمارا کام نہیں ہے۔ ہم تو جو کام کرتے ہیں، وہ حق ہی حق ہوتا ہے، اور اُس کے مقابلے میں باطل آتا ہے تو حق ہی کے ذریعے اُس کا توڑ کیا جاتا ہے۔



وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا  
يَسْتَحْسِرُونَ ۚ ۱۹ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۚ ۲۰ أَمْ اتَّخَذُوا إِلَهًا مِّنْ  
الْأَرْضِ هُمْ يُنْشِرُونَ ۚ ۲۱ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلَ إِلَهَةٍ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَنَ اللَّهُ رَبِّ  
الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۚ ۲۲

اور آسمانوں اور زمین میں جو لوگ بھی ہیں، اللہ کے ہیں۔ اور جو (فرشتے) اللہ کے پاس ہیں، وہ نہ اُس کی عبادت سے  
سرکشی کرتے ہیں، نہ تھکتے ہیں۔ ۱۹ وہ رات دن اُس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، اور ست نہیں پڑتے۔ ۲۰  
بھلا کیا ان لوگوں نے زمین میں سے ایسے خدا بنا رکھے ہیں جو نئی زندگی دیتے ہیں؟ ۲۱ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے  
سوا دوسرے خدا ہوتے تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔ ۱۰ لہذا عرش کا مالک اللہ اُن باتوں سے بالکل پاک ہے جو یہ لوگ  
بنایا کرتے ہیں۔ ۲۲

۹ اکثر مفسرین نے نئی زندگی دینے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جن دیوتاؤں کو انہوں نے خدا بنا رکھا ہے، کیا وہ اس بات پر قادر  
ہیں کہ مردوں کو نئی زندگی دے سکیں؟ اگرچہ مشرکین عرب مرنے کے بعد کی زندگی کے قائل نہیں تھے، لیکن جب کسی ذات کو خدا  
مان لیا تو اُس کا منطقی تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ اُس ذات کو نئی زندگی دینے پر بھی قدرت حاصل ہو، تو کیا یہ لوگ بتوں کو ایسا قادر  
مانتے ہیں؟ لیکن بعض مفسرین نے یہاں نئی زندگی دینے کا مطلب یہ لیا ہے کہ ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دیوتا زمین کو نئی زندگی  
دیتے ہیں جس سے وہ سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے، کیونکہ ان میں سے بعض کافروں کا یہ عقیدہ تھا کہ آسمان کا خدا کوئی اور ہے، اور  
زمین کا کوئی اور، اللہ تعالیٰ کی خدائی تو آسمان پر ہے، اور زمین کا سارا انتظام یہ دیوتا کرتے ہیں۔

۱۰ یہ تو حید کی ایک عام فہم دلیل ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر اس کائنات میں ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو ہر خدا مستقل خدائی کا حامل  
ہوتا، اور کوئی کسی کا تابع نہ ہوتا۔ اس صورت میں ان کے فیصلوں کے درمیان اختلاف بھی ہو سکتا تھا۔ اب اگر ایک خدا نے ایک  
فیصلہ کیا، اور دوسرے خدا نے دوسرا فیصلہ تو یا تو اُن میں سے ایک دوسرے کے آگے ہار مان لیتا، تو پھر وہ خدا ہی کیا ہوا جو کسی سے  
ہار مان لے، یا دونوں اپنے اپنے فیصلے کو نافذ کرنے کے لئے زور لگاتے تو متضاد فیصلوں کی تنفیذ سے آسمان اور زمین کا نظام درہم  
برہم ہو جاتا۔ اسی دلیل کی ایک دوسری تشریح یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ جو لوگ آسمان اور زمین کے لئے الگ الگ خدا مانتے ہیں،  
اُن کا یہ عقیدہ اس لئے بالکل باطل ہے کہ مشاہدے سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ پوری کائنات ایک ہی مربوط نظام میں بندھی  
ہوئی ہے۔ چاند، سورج اور ستاروں سے لے کر دریاؤں، پہاڑوں اور زمین کی نباتات اور جمادات تک سب میں ایک ہم آہنگی  
پائی جاتی ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان سب کو ایک ہی ارادے، ایک ہی مشیت اور ایک ہی منصوبہ بندی نے کام پر  
لگا رکھا ہے۔ اگر آسمان اور زمین کے خدا الگ الگ ہوتے تو کائنات میں اس ربط اور ہم آہنگی کا فقدان ہوتا، جس کے نتیجے میں یہ  
سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔



لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ﴿۲۳﴾ أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُلُوبًا بِرُءُوسِهِمْ  
هَذَا ذِكْرٌ مِّنْ مَّعِيَ وَذِكْرٌ مِّنْ قَبْلِي ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۲۴﴾  
وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿۲۵﴾  
وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ  
بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ  
مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِّنْ دُونِهِ فَلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمُ  
كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿۲۹﴾

وہ جو کچھ کرتا ہے، اُس کا کسی کو جواب دہ نہیں ہے، اور ان سب کو جواب دہی کرنی ہوگی۔ ﴿۲۳﴾ بھلا کیا اُسے چھوڑ کر انہوں نے دوسرے خدا بنا رکھے ہیں؟ (اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ: ”لاؤ اپنی دلیل!“ یہ (قرآن) بھی موجود ہے جس میں میرے ساتھ والوں کے لئے نصیحت ہے، اور وہ (کتابیں) بھی موجود ہیں جن میں مجھ سے پہلے لوگوں کے لئے نصیحت تھی۔ ﴿۲۴﴾ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ حق بات کا یقین نہیں کرتے، اس لئے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۲۵﴾ اور تم سے پہلے ہم نے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا جس پر ہم نے یہ وحی نازل نہ کی ہو کہ: ”میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، لہذا میری عبادت کرو۔“ ﴿۲۶﴾ یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”خدائے رحمن (فرشتوں کی شکل میں) اولاد رکھتا ہے۔“ سبحان اللہ! بلکہ (فرشتے تو اللہ کے) بندے ہیں جنہیں عزت بخشی گئی ہے۔ ﴿۲۷﴾ وہ اُس سے آگے بڑھ کر کوئی بات نہیں کرتے، اور وہ اُسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ ﴿۲۸﴾ وہ اُن کی تمام اگلی پچھلی باتوں کو جانتا ہے، اور وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکتے، سوائے اُس کے جس کے لئے اللہ کی مرضی ہو، اور وہ اُس کے خوف سے سبے رہتے ہیں۔ ﴿۲۹﴾ اور اگر اُن میں سے کوئی (بالفرض) یہ کہے کہ: ”اللہ کے علاوہ میں بھی معبود ہوں“ تو اُس کو ہم جہنم کی سزا دیں گے۔ ایسے ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ﴿۲۹﴾

(۱۱) اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر ایک عقلی دلیل تو پچھلی آیت میں بیان فرمادی گئی ہے جس کی تشریح اوپر کے حاشیے میں گذری۔ اب اس آیت میں نقلی دلیل بیان کی جا رہی ہے کہ تمام آسمانی کتابوں میں توحید کے عقیدے پر ہی زور دیا گیا ہے۔ اس قرآن کریم کے علاوہ جتنی کتابیں پچھلی قوموں پر نازل کی گئیں، اُن سب میں یہی عقیدہ بیان ہوا ہے۔

(۱۲) اہل عرب فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔



أَوَلَمْ يَرِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ۖ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿٣٢﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٣٣﴾

جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، کیا انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ سارے آسمان اور زمین بند تھے، پھر ہم نے انہیں کھول دیا، اور پانی سے ہر جاندار چیز پیدا کی ہے؟ کیا پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے؟ ﴿۳۰﴾ اور ہم نے زمین میں جسے ہوئے پہاڑ پیدا کئے ہیں، تاکہ وہ انہیں لے کر ہلنے نہ پائے، اور اُس میں ہم نے چوڑے چوڑے راستے بنائے ہیں، تاکہ وہ منزل تک پہنچ سکیں۔ ﴿۳۱﴾ اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا ہے، اور یہ لوگ ہیں کہ اُس کی نشانیوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۳۲﴾ اور وہی (اللہ) ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند پیدا کئے۔ سب کسی نہ کسی مدار میں تیر رہے ہیں۔ ﴿۳۳﴾

(۱۳) اکثر مفسرین کی تفسیر کے مطابق اس آیت میں آسمان کے بند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس سے بارش نہیں ہوتی تھی، اور زمین کے بند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس سے کوئی پیداوار نہیں ہوتی تھی، اور ان دونوں کو کھولنے کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پانی برسنے لگا، اور زمین سے سبزیاں اُگنے لگیں۔ یہ تفسیر متعدد صحابہ اور تابعین سے منقول ہے۔ لیکن دوسرے بعض مفسرین نے اس کی یہ تفسیر بھی کی ہے کہ آسمان اور زمین دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے اور یک جان تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو الگ الگ کیا۔

(۱۴) اس آیت نے واضح کر دیا ہے کہ ہر جان دار چیز کی تخلیق میں پانی کا کوئی نہ کوئی دخل ضرور ہے۔  
(۱۵) یہ حقیقت قرآن کریم نے کئی مقامات پر بیان فرمائی ہے کہ جب زمین کو بچھایا گیا تو وہ ہلتی تھی، اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے پہاڑ پیدا کر کے اُس پر جمائے تو اُس کو قرار حاصل ہوا۔ جدید سائنس نے بھی صدیوں کے بعد یہ پتہ لگایا ہے کہ بڑے بڑے براعظم اب بھی بہت سست رفتار سے سمندر کے پانی پر سرکتے رہتے ہیں، مگر اب ان کی رفتار اتنی دھیمی ہے کہ عام آنکھیں ان کا ادراک نہیں کر سکتیں۔

(۱۶) یعنی وہ گرنے اور ٹوٹنے پھوٹنے سے بھی محفوظ ہے، اور شیطانوں کی دست برد سے بھی۔  
(۱۷) قرآن کریم میں اصل لفظ ”فلک“ ہے جو عربی زبان میں گول دائرے کو کہتے ہیں۔ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ہے، اُس وقت فلکیات میں یہ بطلموسی نظریہ دنیا پر چھایا ہوا تھا کہ چاند سورج اور دوسرے سیارے آسمانوں میں جڑے ہوئے ہیں، اور آسمان کی گردش کے ساتھ وہ سیارے بھی گردش کرتے ہیں۔ لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو الفاظ اختیار فرمائے، وہ اس بطلموسی نظریے پر پوری طرح منطبق نہیں ہوتے۔ اس کے بجائے اس آیت کے مطابق ہر سیارے کا اپنا مدار ہے جس میں وہ



وَمَا جَعَلْنَا الْبَشَرَ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمْ الْخَالِدُونَ ﴿۳۳﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَالْإِنْسَانُ لِرَجْعُونَ ﴿۳۴﴾ وَإِذَا رَأَاكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ ۖ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَنِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿۳۵﴾ خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۖ سَأُورِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ﴿۳۶﴾ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۷﴾

اور (اے پیغمبر!) تم سے پہلے بھی ہمیشہ زندہ رہنا ہم نے کسی فرد بشر کے لئے طے نہیں کیا۔ چنانچہ اگر تمہارا انتقال ہو گیا تو کیا یہ لوگ ایسے ہیں جو ہمیشہ زندہ رہیں؟ ﴿۳۳﴾ ہر جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور ہم تمہیں آزمانے کے لئے بُری بھلی حالتوں میں مبتلا کرتے ہیں، اور تم سب ہمارے پاس ہی لوٹا کر لائے جاؤ گے۔ ﴿۳۴﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا ہے، وہ جب تمہیں دیکھتے ہیں تو اس کے سوا اُن کا کوئی کام نہیں ہوتا کہ وہ تمہارا مذاق بنانے لگتے ہیں (اور کہتے ہیں:) ”کیا یہی صاحب ہیں جو تمہارے خداؤں کا ذکر کیا کرتے ہیں؟ (یعنی یہ کہتے ہیں کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں)“ حالانکہ ان (کافروں) کی اپنی حالت یہ ہے کہ وہ خدائے رحمن ہی کا ذکر کرنے سے انکار کئے بیٹھے ہیں! ﴿۳۵﴾ انسان جلد بازی کی خصلت لے کر پیدا ہوا ہے۔ میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھلا دوں گا، لہذا تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ۔ ﴿۳۶﴾ اور یہ لوگ (مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ: ”اگر تم سچے ہو تو آخر یہ (عذاب کی) دھمکی کب پوری ہوگی؟“ ﴿۳۷﴾

”تیر رہا ہے۔“ تیر نے کالفظ بطور خاص قابل توجہ ہے، جو خلا میں تیر نے پر زیادہ صادق آتا ہے۔ سائنس اس حقیقت تک بھی بہت بعد میں پہنچی ہے کہ سیارے خلا میں تیر رہے ہیں۔

(۱۸) سورہ طور (۳۰: ۵۲) میں مذکور ہے کہ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے تھے کہ ہم ان کی موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے انتقال کے موقع پر وہ خوشی منائیں گے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اول تو موت ہر شخص کو آتی ہے، اور کیا خود یہ خوشی منانے والے موت سے بچ جائیں گے؟

(۱۹) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بتوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کی خدائی کی کوئی حقیقت نہیں، اس پر یہ لوگ عیب لگاتے ہیں کہ آپ ہمارے خداؤں کا برائی سے ذکر کر رہے ہیں، لیکن ان کا اپنا حال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا نام ”رحمن“ ذکر کرتے ہیں تو یہ اُس کا انکار کرتے ہیں کہ: ”رحمن کیا ہوتا ہے؟“ دیکھئے سورہ فرقان (۲۵: ۶۰)۔

(۲۰) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا یا آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے تھے تو یہ لوگ اُس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ وہ عذاب ابھی لے آؤ۔ ان آیتوں میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔



لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكْفُونُ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿۳۱﴾ بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۳۲﴾ وَلَقَدْ اسْتَهْزَى بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۳﴾ قُلْ مَن يَكْلُوْكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَنِ ۚ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۳۴﴾ أَمْ لَهُمُ إِلَهَةٌ تَنْصَعُهُمْ مِّنْ دُونِنَا ۚ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِنَّا يُصْحَبُونَ ﴿۳۵﴾ بَلْ مَتَّعْنَاهُمْ لَا عِوَابَ لَهُمْ حَتَّى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۳۶﴾

کاش ان کافروں کو اُس وقت کی کچھ خبر لگ جاتی جب یہ نہ اپنے چہروں سے آگ کو دُور کر سکیں گے، اور نہ اپنی پشتوں سے، اور نہ ان کو کوئی مدد میسر آئے گی۔ ﴿۳۱﴾ بلکہ وہ (آگ) ان کے پاس ایک دم آدھمکے گی، اور ان کے ہوش و حواس گم کر کے رکھ دے گی، پھر نہ یہ اُسے پیچھے ہٹا سکیں گے، اور نہ انہیں کوئی مہلت دی جائے گی۔ ﴿۳۲﴾ اور (اے پیغمبر!) تم سے پہلے بھی پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا تھا، پھر ان کا مذاق بنانے والوں کو اُسی چیز نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ﴿۳۳﴾ کہہ دو کہ: ”کون ہے جو رات میں اور دن میں خدائے رحمن (کے عذاب سے) سے تمہارا بچاؤ کرے؟“ مگر وہ ہیں کہ اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۳۴﴾ بھلا کیا ان کے پاس ہمارے سوا کوئی ایسے خدا ہیں جو ان کی حفاظت کرتے ہوں؟ وہ تو خود اپنی مدد نہیں کر سکتے، اور نہ ہمارے مقابلے میں کوئی ان کا ساتھ دے سکتا ہے۔ ﴿۳۵﴾ بلکہ معاملہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو اور ان کے آباء و اجداد کو سامانِ عیش عطا کیا، یہاں تک کہ (اسی حالت میں) ان پر ایک عمر گزر گئی۔ ﴿۳۶﴾ بھلا کیا انہیں یہ نظر نہیں آتا کہ ہم زمین کو اس کے مختلف کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں۔ ﴿۳۷﴾ پھر کیا وہ غالب آجائیں گے؟ ﴿۳۸﴾

(۳۱) یعنی ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو عیش و عشرت کا جو سامان دے دیا تھا، اُس سے وہ لمبے عرصے تک مزے اڑاتے رہے، اور یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ ان کا حق ہے، اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں، ٹھیک کر رہے ہیں۔ اس غرور میں مبتلا ہو کر وہ حق کے انکار پر آمادہ ہو گئے۔

(۳۲) یہ وہی بات ہے جو سورہ رعد (۲۱: ۱۳) میں بھی گزری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جزیرہ عرب کے مختلف اطراف سے شرک اور مشرکین کا اثر و رسوخ گھٹتا چلا جا رہا ہے، اور اسلام اور مسلمانوں کے اثرات بڑھ رہے ہیں۔



قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنذَرُونَ ﴿۳۵﴾ وَلَئِنْ مَسَّتْهُمْ  
نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يُوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۳۶﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ  
لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۖ وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۖ وَكَفَى  
بِنَا حُسْبِينَ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۸﴾  
الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿۳۹﴾ وَهَذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ  
أَنْزَلْنَاهُ ۖ أَفَأَنْتُمْ مُنْكَرُونَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ  
عَلِيمِينَ ﴿۴۱﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عِقْفُونَ ﴿۴۲﴾

کہہ دو کہ: ”میں تو تمہیں وحی کے ذریعے ڈراتا ہوں“ لیکن بہرے لوگ ایسے ہیں کہ جب انہیں ڈرایا جاتا ہے تو وہ کوئی  
پکار نہیں سنتے۔ ﴿۳۵﴾ اور اگر تمہارے پروردگار کے عذاب کا ایک جھونکا بھی انہیں چھو جائے تو یہ کہہ اٹھیں گے کہ: ”ہائے  
ہماری کم بختی! واقعی ہم لوگ ظالم تھے۔“ ﴿۳۶﴾ اور ہم قیامت کے دن ایسی ترازویں لا رکھیں گے جو سراپا انصاف ہوں  
گی، چنانچہ کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا، تو ہم اُسے سامنے لے آئیں گے۔  
اور حساب لینے کے لئے ہم کافی ہیں۔ ﴿۳۷﴾ اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو حق و باطل کا ایک معیار، (ہدایت کی) ایک روشنی  
اور ان متقی لوگوں کے لئے نصیحت کا سامان عطا کیا تھا ﴿۳۸﴾ جو دیکھے بغیر اپنے پروردگار سے ڈریں، اور جن کو قیامت کی  
گھڑی کا خوف لگا ہوا ہو۔ ﴿۳۹﴾ اور اب یہ (قرآن) برکتوں والا پیغام نصیحت ہے جو ہم نے نازل کیا ہے۔ کیا پھر بھی تم  
اسے ماننے سے انکار کرتے ہو؟ ﴿۴۰﴾

اور اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو وہ سمجھ بوجھ عطا کی تھی جو ان کے لائق تھی، اور ہم انہیں خوب جانتے تھے۔ ﴿۴۱﴾ وہ وقت  
یاد کرو جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”یہ کیا مورتیں ہیں جن کے آگے تم دھرنادے بیٹھے ہو؟“ ﴿۴۲﴾

﴿۲۳﴾ اس آیت نے واضح فرمایا ہے کہ قیامت کے دن صرف یہی نہیں کہ تمام لوگوں سے انصاف ہوگا، بلکہ اس بات کا بھی  
اہتمام کیا جائے گا کہ انصاف سب لوگوں کو آنکھوں سے نظر آئے۔ اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ ایسی ترازویں برسرِ عام نصب  
فرمائیں گے جن میں انسانوں کے اعمال کو تولاجائے گا، اور اعمال کے وزن کے حساب سے انسانوں کے انجام کا فیصلہ ہوگا۔  
انسان جو عمل بھی کرتا ہے، اس دنیا میں اگرچہ ان کا نہ کوئی جسم نظر آتا ہے، اور نہ ان میں کسی وزن کا احساس ہوتا ہے، لیکن آخرت  
میں اللہ تعالیٰ ان کا وزن کرنے کی ایسی صورت پیدا فرمائیں گے جن سے ان اعمال کی حقیقت واضح ہو جائے۔ اگر انسان سردی  
گرمی جیسی چیزوں کو تولنے کے لئے نئے نئے آلات ایجاد کر سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ ان  
اعمال کو تولنے کا عملی مظاہرہ فرمادیں۔



قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عِبِدِينَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۵۴﴾  
 قَالُوا أَجِئْنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
 الَّذِي فَطَرَهُنَّ ۖ وَأَنَا عَلَىٰ ذَلِكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللَّهِ لَا كَيْدَ لَنَا صَاحِبُكُمْ بَعْدَ أَنْ  
 تَوَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذًا إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ ﴿۵۸﴾ قَالُوا مَنْ  
 فَعَلَ هَذَا بِآلِهَتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۹﴾ قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ ﴿۶۰﴾  
 قَالُوا فَاتَّبِعُوهُ عَلَىٰ آعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يُشْهَدُونَ ﴿۶۱﴾

وہ بولے کہ: ”ہم نے اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔“ ﴿۵۳﴾ ابراہیم نے کہا: ”حقیقت یہ ہے کہ تم بھی اور تمہارے باپ دادے بھی کھلی گمراہی میں مبتلا رہے ہو۔“ ﴿۵۴﴾ انہوں نے کہا: ”کیا تم ہم سے سچ مچ کی بات کر رہے ہو، یا دل لگی کر رہے ہو؟“ ﴿۵۵﴾ ابراہیم نے کہا: ”نہیں، بلکہ تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، جس نے یہ ساری چیزیں پیدا کی ہیں، اور لوگو! میں اس بات پر گواہی دیتا ہوں۔“ ﴿۵۶﴾ اور اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک (ایسا) کام کروں گا (جس سے ان کی حقیقت کھل جائے گی)۔“ ﴿۵۷﴾ چنانچہ ابراہیم نے ان کے بڑے بت کے سوا سارے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، تاکہ وہ لوگ اُن کی طرف رجوع کریں۔“ ﴿۵۸﴾ وہ کہنے لگے کہ: ”ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ وہ کوئی بڑا ہی ظالم تھا۔“ ﴿۵۹﴾ کچھ لوگوں نے کہا: ”ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے کہ وہ ان بتوں کے بارے میں باتیں بنایا کرتا ہے، اُسے ابراہیم کہتے ہیں۔“ ﴿۶۰﴾ انہوں نے کہا: ”تو پھر اُس کو سب لوگوں کے سامنے لے کر آؤ، تاکہ سب گواہ بن جائیں۔“ ﴿۶۱﴾

﴿۲۳﴾ انہیں چونکہ توقع نہیں تھی کہ کوئی ان کے بتوں کے بارے میں ایسی بات کہہ سکتا ہے، اس لئے شروع میں انہیں یہ شک ہوا کہ شاید حضرت ابراہیم علیہ السلام سنجیدگی سے نہیں، بلکہ مذاق کے طور پر یہ بات کہہ رہے ہیں۔

﴿۲۵﴾ جیسا کہ سورہ صافات (۸۸: ۳-۸۹) میں آنے والا ہے، وہ کوئی جشن کا دن تھا جس میں ساری قوم شہر چھوڑ کر کہیں جایا کرتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے ساتھ جانے سے معذرت کر لی تھی، اور جب سارے لوگ چلے گئے تو بت خانے میں جا کر سارے بتوں کو توڑ ڈالا، صرف ایک بڑے بت کو چھوڑ دیا، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی کلہاڑی بھی اُس کی گردن میں لٹکا کر چھوڑ دی۔ اس عمل سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ اپنی آنکھوں سے ان بتوں کی بے بسی کا منظر دیکھ سکیں، اور یہ سوچیں کہ جو بت خود اپنا دفاع نہیں کر سکتے، وہ دوسروں کی کیا مدد کریں گے۔ بڑے بت کو چھوڑنے کی مصلحت اس سوال و جواب سے واضح ہوگی جو آیت نمبر ۶۳ میں آگے آ رہا ہے۔



قَالُوا أَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَتَايَا بُرْهِيْمُ ۖ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ ۚ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَسْئَلُوهُمْ  
 إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ ۖ فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنْفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ۖ ثُمَّ نَكِسُوا عَلَىٰ  
 رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَؤُلَاءِ يَنْطِقُونَ ۖ قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا  
 يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۖ

(پھر جب ابراہیم کو لایا گیا تو) وہ بولے: ”ابراہیم! کیا ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت تم ہی نے کی ہے؟“ (۲۱)  
 ابراہیم نے کہا: ”نہیں، بلکہ یہ حرکت اُن کے اس بڑے سردار نے کی ہے، اب انہی بتوں سے پوچھ لو، اگر یہ بولتے  
 ہوں۔“ (۲۲) اس پر وہ لوگ اپنے دل میں کچھ سوچنے لگے، اور (اپنے آپ سے) کہنے لگے کہ: ”سچی بات تو یہی ہے کہ تم  
 خود ظالم ہو۔“ (۲۳) پھر انہوں نے اپنے سر جھکا لئے، اور کہا: ”تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔“ (۲۴) ابراہیم  
 نے کہا: ”بھلا بتاؤ کہ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کر رہے ہو جو تمہیں نہ کچھ فائدہ پہنچاتی ہیں نہ نقصان؟“ (۲۵)  
 تف ہے تم پر بھی، اور اُن پر بھی جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ بھلا کیا تمہیں اتنی سمجھ نہیں؟“ (۲۶)

(۲۱) یہ درحقیقت ان کے عقیدے پر ایک طنز تھا، وہ لوگ چونکہ بتوں کو بڑے اختیارات کا مالک سمجھتے تھے، اور بڑا بت بنانے کا  
 مقصد یہی تھا کہ یہ چھوٹے چھوٹے خداؤں کے لئے سردار کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے اس طنز سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا  
 مقصد یہ تھا کہ جب تم اس بڑے بت کو بتوں کا سردار سمجھتے ہو، اور سردار اپنے ماتحتوں کا محافظ ہوا کرتا ہے، اس لئے اگر کسی اور شخص  
 نے چھوٹے بتوں کو توڑا ہوتا تو تمہارے اعتقاد کے مطابق یہ سردار اُسے ایسا کرنے نہ دیتا، لہذا یہ احتمال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی  
 اور شخص بتوں کی یہ گت بنائے، اور ان کا یہ سردار چپ چاپ دیکھتا رہے، اب تمہارے اعتقاد کے مطابق ایک ہی احتمال رہ جاتا  
 ہے کہ خود یہ سردار ہی ان سے ناراض ہو گیا ہو، اور اسی نے ان کو توڑ پھوڑ ڈالا ہو۔ چونکہ یہ واضح طور پر ایک طنز تھا، اس لئے اس  
 میں غلط بیانی کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ دوسری طرف یہ چھوٹے بت بھی ان کے عقیدے کے مطابق چھوٹے ہونے کے باوجود خدا  
 ہی تھے، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ان میں اتنی طاقت تو ہونی چاہئے کہ جو واقعہ ان کے ساتھ پیش آیا ہے، کم  
 از کم وہ تمہیں بتا سکیں، اس لئے انہی سے پوچھ کر دیکھ لو کہ کیا قصہ ہوا تھا۔

(۲۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی حقیقت بتانے کے لئے جو طریقہ اختیار فرمایا، اُس نے انہیں کم از کم اپنے دل میں  
 سوچنے پر مجبور کر دیا، اور اُن کے دل نے گواہی دی کہ قصور دراصل ہمارا ہی ہے۔ لیکن مدتوں سے جیسے ہوئے عقیدے کو چھوڑنے  
 کی جرأت نہ ہوئی، لا جواب ہو کر سر تو جھکا دیا، لیکن کہا یہ کہ یہ بات تو تم بھی جانتے ہو، اور ہم بھی پہلے سے جانتے ہیں کہ یہ بت  
 بولتے نہیں ہیں۔



قَالُوا احْرِقُوهُ وَاَنْصُرُوا الْيَهُتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فَعِلِينَ ﴿٢٨﴾ قُلْنَا يَنْتَرِكُوْنِيْ بَرْدًا وَسَلْمًا عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٢٩﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمْ اِلَّا خٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٣١﴾ وَهَبْنٰآلَءِ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اٰيَةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فَعَلِ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتٰآءَ الزَّكٰوةَ وَكَانُوْا النّٰعِمِيْنَ ﴿٣٣﴾ وَلُوْطًا اَتَيْنٰهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبِيْثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا سَوِيًّا فٰسِقِيْنَ ﴿٣٤﴾

وہ (ایک دوسرے سے) کہنے لگے: ”آگ میں جلاؤ الواس شخص کو، اور اپنے خداؤں کی مدد کرو، اگر تم میں کچھ کرنے کا دم خم ہے۔“ ﴿۲۸﴾ (چنانچہ انہوں نے ابراہیم کو آگ میں ڈال دیا، اور) ہم نے کہا: ”اے آگ! ٹھنڈی ہو جا، اور ابراہیم کے لئے سلامتی بن جا۔“ ﴿۲۹﴾ اُن لوگوں نے ابراہیم کے لئے بُرائی کا منصوبہ بنایا تھا، مگر نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُنہی کو بُری طرح ناکام کر دیا۔ ﴿۳۰﴾ اور ہم انہیں اور لوط کو بچا کر اُس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے دُنیا جہان کے لوگوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔ ﴿۳۱﴾ اور ہم نے اُن کو انعام کے طور پر اسحاق اور یعقوب عطا کئے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے نیک بنایا۔ ﴿۳۲﴾ اور ان سب کو ہم نے پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، اور ہم نے وحی کے ذریعے انہیں نیکیاں کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید کی تھی، اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔ ﴿۳۳﴾ اور لوط کو ہم نے حکمت اور علم عطا کیا، اور انہیں اُس بستی سے نجات دی جو گندے کام کرتی تھی۔ حقیقت میں وہ بہت بُرائی والی نافرمان قوم تھی۔ ﴿۳۴﴾

(۲۸) اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا یہ معجزہ دکھایا کہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا سبب بن گئی۔ جو لوگ معجزات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، ان کا موقف درحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر شک کرنے کے مرادف ہے۔ حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ آگ میں جلانے کی خاصیت اُسی نے پیدا فرمائی ہے، اگر وہ اپنے ایک جلیل القدر پیغمبر کو دشمنوں کے ظلم سے بچانے کے لئے اُس کی یہ خاصیت ختم کر دے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

(۲۹) لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، اور سورہٴ عنکبوت (۲۶: ۲۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم میں سے تنہا وہی ان پر ایمان لائے تھے۔ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انہیں آگ میں ڈالنے کی سازش ناکام ہو گئی تو نمرود نے مرعوب ہو کر ان سے تعرض نہیں کیا، اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے بھتیجے کو لے کر عراق سے شام کے علاقے میں تشریف لے گئے۔ قرآن کریم نے کئی مقامات پر شام اور فلسطین کے علاقے کو برکتوں والا علاقہ قرار دیا ہے۔

(۳۰) یوں تو یہ قوم بہت سے گندے کاموں میں مبتلا تھی، لیکن ان کی جس گھناؤنی حرکت کا قرآن کریم نے خاص طور پر ذکر کیا ہے، وہ ہم جنس پرستی یعنی مردوں کا مردوں سے جنسی لذت حاصل کرنا ہے۔ اس کا مفصل تذکرہ سورہٴ ہود (۱۱: ۷۷-۸۳) میں گزر چکا ہے۔



وَاَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا ۚ إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٤٥﴾ وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ۖ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٤٦﴾ وَنَصْرَانَهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٧﴾ وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴿٤٨﴾ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۚ وَكُلًّا آتَيْنَاهُمْ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ﴿٤٩﴾ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ ﴿٥٠﴾ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۚ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمِينَ ﴿٥١﴾

اور لوط کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کر لیا، وہ یقیناً نیک لوگوں میں سے تھے۔ ﴿٤٥﴾ اور نوح کو بھی (ہم نے حکمت اور علم عطا کیا)، وہ وقت یاد کرو جب اس واقعے سے پہلے انہوں نے ہمیں پکارا، تو ہم نے ان کی دعا قبول کی، اور ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بڑی بھاری مصیبت سے بچا لیا۔ ﴿٤٦﴾ اور جس قوم نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، اُس کے مقابلے میں اُن کی مدد کی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت برے لوگ تھے، اس لئے ہم نے اُن سب کو غرق کر دیا۔ ﴿٤٧﴾

اور داود اور سلیمان (کو بھی ہم نے حکمت اور علم عطا کیا تھا) جب وہ دونوں ایک کھیت کے جھگڑے کا فیصلہ کر رہے تھے، کیونکہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت اُس کھیت میں جا گھسی تھیں، اور ان لوگوں کے بارے میں جو فیصلہ ہوا اُسے ہم خود دیکھ رہے تھے۔ ﴿٤٨﴾ چنانچہ اس فیصلے کی سمجھ ہم نے سلیمان کو دے دی، اور (ویسے) ہم نے دونوں ہی کو حکمت اور علم عطا کیا تھا۔ ﴿٤٩﴾ اور ہم نے داود کے ساتھ پہاڑوں کو تابع دار بنادیا تھا کہ وہ پرندوں کو ساتھ لے کر تسبیح کریں، اور یہ سارے کام کرنے والے ہم تھے۔ ﴿٥٠﴾ اور ہم نے اُنہیں تمہارے فائدے کے لئے ایک جنگی لباس (یعنی زرہ) بنانے کی صنعت سکھائی تاکہ وہ تمہیں لڑائی میں ایک دوسرے کی زد سے بچائے۔ اب بتاؤ کہ کیا تم شکر گزار ہو؟ ﴿٥١﴾ اور ہم نے تیز چلتی ہوئی ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا تھا جو اُن کے حکم سے اُس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔ اور ہمیں ہر ہر بات کا پورا پورا علم ہے۔ ﴿٥١﴾

(۳۱) واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک شخص کی بکریوں نے رات کے وقت دوسرے کے کھیت میں گھس کر ساری فصل تباہ کر دی تھی۔ کھیت والا مقدمہ لے کر حضرت داود علیہ السلام کے پاس آیا، حضرت داود علیہ السلام نے فیصلہ یہ فرمایا کہ بکریوں کے مالک کا فرض تھا کہ



وہ رات کے وقت بکریوں کو باندھ کر رکھتا، اور چونکہ اُس کی غلطی سے کھیت والے کا نقصان ہوا، اس لئے بکری والا اپنی اتنی بکریاں کھیت والے کو دے جو قیمت میں تباہ ہونے والی فصل کے برابر ہوں۔ یہ فیصلہ عین شریعت کے مطابق تھا، لیکن جب یہ لوگ باہر نکلنے لگے تو دروازے پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُن سے پوچھا کہ میرے والد نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ انہوں نے بتا دیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ذہن میں ایک اور صورت آرہی ہے جس میں دونوں کا فائدہ ہے۔ حضرت داود علیہ السلام نے اُن کی یہ بات سن لی تو انہیں بلا کر پوچھا کہ وہ کیا صورت ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ بکری والا کچھ عرصے کے لئے اپنی بکریاں کھیت والے کو دیدے جن کے دودھ وغیرہ سے کھیت والا فائدہ اٹھاتا رہے، اور کھیت والا اپنا کھیت بکری والے کے حوالے کر دے کہ وہ اُس میں کھیتی اُگائے، اور جب فصل اُتی ہی ہو جائے جتنی بکریوں کے نقصان پہنچانے سے پہلے تھی تو اُس وقت بکریوں والا کھیت والے کو کھیت واپس کر دے، اور کھیت والا اُسے بکریاں واپس کر دے۔ یہ ایک مصالحت کی صورت تھی جس میں دونوں کا فائدہ تھا، اس لئے حضرت داود علیہ السلام نے اسے پسند فرمایا، اور دونوں فریق بھی اس پر راضی ہو گئے۔

(۳۲) چونکہ حضرت داود علیہ السلام کا فیصلہ اصل قانون کے مطابق تھا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی تجویز باہمی رضامندی سے ایک صلح کی صورت تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں کے بارے میں یہ فرمایا کہ ہم نے علم اور حکمت دونوں کو عطا کی تھی، لیکن مصالحت کی جو صورت حضرت سلیمان علیہ السلام نے تجویز کی، اُس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس کی سمجھ انہیں ہم نے عطا فرمائی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقدمے کے دوران قانونی فیصلہ حاصل کرنے سے بہتر ہے کہ فریقین آپس کی رضامندی سے مصالحت کی کوئی ایسی شکل نکال لیں جس میں دونوں کا بھلا ہو۔

(۳۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو بہت دلکش آواز عطا فرمائی تھی، اور معجزے کے طور پر یہ خصوصیت بخشی تھی کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ ذکر اور تسبیح میں شریک ہوتے تھے، اور اڑتے ہوئے پرندے بھی رُک جاتے، اور وہ بھی ذکر کرنے لگتے تھے۔

(۳۴) سورہ سبأ (۱۰:۳۴) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوہے کو ان کے ہاتھ میں نرم کر دیا تھا، اور وہ اُسے جس طرح چاہتے موڑ لیتے تھے، اور لوہے کی زرہ اس طرح بناتے تھے کہ اُس کے تمام خانے نہایت متوازن ہوتے تھے۔ علمائے کرام نے اس آیت کے تحت فرمایا ہے کہ اس میں ہر اُس صنعت کے قابل تعریف ہونے کی طرف اشارہ ہے جو انسانوں کے لئے فائدہ مند ہو۔

(۳۵) حضرت داود علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے لوہے جیسی سخت چیز کو نرم کر دیا تھا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا جیسی لطیف چیز کو۔ چنانچہ وہ اپنے تخت پر بیٹھ کر ہوا کو حکم دیتے تو وہ انہیں ان کی مرضی کے مطابق جہاں چاہتے لے جاتی تھی، اور سورہ سبأ (۱۲:۳۴) میں مذکور ہے کہ وہ ایک مہینے کا فاصلہ صبح کے سفر میں، اور ایک مہینے کا فاصلہ شام کے سفر میں طے کر لیا کرتے تھے۔ اور برکتوں والی سرزمین سے مراد شام یا فلسطین کا علاقہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ کہیں دُور چلے جاتے تو وہ ہوا انہیں تیز رفتاری کے ساتھ واپس اپنے شہر میں لے آتی تھی جو فلسطین میں واقع تھا۔



وَمِنَ الشَّيْطَانِ مَنْ يَغْوُصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حَفِظِينَ ﴿۳۱﴾  
 وَيُوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿۳۲﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا  
 بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ ﴿۳۳﴾ وَاسْمَاعِيلَ  
 إِذْ رَأَيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ ﴿۳۴﴾ وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۵﴾

اور کچھ ایسے شریر جنات بھی ہم نے اُن کے تابع کر دیئے تھے جو اُن کی خاطر پانی میں غوطے لگاتے تھے، اور اس کے سوا اور بھی کام کرتے تھے۔ اور ان سب کی دیکھ بھال کرنے والے ہم تھے۔ ﴿۳۱﴾

اور ایوب کو دیکھو! جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ: ”مجھے یہ تکلیف لگ گئی ہے، اور تو سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“ ﴿۳۲﴾ پھر ہم نے ان کی دعا قبول کی، اور انہیں جو تکلیف لاحق تھی، اُسے دُور کر دیا، اور ان کو ان کے گھر والے بھی دیئے، اور ان کے ساتھ اتنے ہی لوگ اور بھی، تاکہ ہماری طرف سے رحمت کا مظاہرہ ہو، اور عبادت کرنے والوں کو ایک یادگار سبق ملے۔ ﴿۳۳﴾ اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو دیکھو! یہ سب صبر کرنے والوں میں سے تھے۔ ﴿۳۴﴾ اور ان کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کر لیا تھا۔ یقیناً ان کا شمار نیک لوگوں میں ہے۔ ﴿۳۵﴾

﴿۳۱﴾ شریر جنات سے مراد وہ جنات ہیں جو ایمان نہیں لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا، وہ ان کے حکم سے دریا میں غوطے لگا کر موتی نکالتے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو لا کر دیتے تھے۔ اور اس کے سوا اور کام بھی کرتے تھے جن کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ سورہ سبأ (۳۴: ۱۳) میں آئے گی۔

﴿۳۲﴾ حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم نے اتنا بتایا ہے کہ انہیں کوئی سخت بیماری لاحق ہو گئی تھی، لیکن انہوں نے صبر و ضبط سے کام لیا، اور اللہ تعالیٰ کو پکارتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شفاء عطا فرمائی۔ وہ بیماری کیا تھی؟ اس کی تشریح قرآن کریم نے بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، اس لئے اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، اور جو روایتیں اس سلسلے میں مشہور ہیں، وہ عام طور سے مستند نہیں ہیں۔

﴿۳۳﴾ بیماری کے دوران اُن کی باوفا بیوی کے سوا گھر کے بیشتر افراد حضرت ایوب علیہ السلام کا ساتھ چھوڑ گئے تھے، پھر جب انہیں صحت حاصل ہوئی تو ان کی اولاد اور پوتے پوتیوں کی تعداد ان لوگوں سے دُگنی ہو گئی جو بیماری کے دوران ان کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

﴿۳۴﴾ حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہما السلام کا ذکر تو پہلے سورہ مریم میں گذر چکا ہے۔ حضرت ذوالکفل کا قرآن کریم میں صرف نام آیا ہے، ان کا کوئی واقعہ قرآن کریم نے بیان نہیں فرمایا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ بھی کوئی پیغمبر تھے، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ حضرت یسوع علیہ السلام کے خلیفہ تھے، اور نبی تو نہیں تھے، لیکن بڑے اُونچے درجے کے ولی اللہ تھے۔ واللہ اعلم۔



وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا ظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۸﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۖ وَكَذَلِكَ نُجَيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۹﴾ وَذَكَرَ يَا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿۹۰﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَاهُ زَوْجَهُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَشِيعِينَ ﴿۹۱﴾

اور مچھلی والے (پیغمبر یعنی یونس علیہ السلام) کو دیکھو! جب وہ خفا ہو کر چل کھڑے ہوئے تھے، اور یہ سمجھے تھے کہ ہم ان کی کوئی پکڑ نہیں کریں گے۔ پھر انہوں نے اندھیریوں میں سے آواز لگائی کہ: ”(یا اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہر عیب سے پاک ہے۔ بیشک میں قصور وار ہوں۔“ ﴿۸۸﴾ اس پر ہم نے ان کی دعا قبول کی، اور انہیں گھٹن سے نجات عطا کی۔ اور اسی طرح ہم ایمان رکھنے والوں کو نجات دیتے ہیں۔ ﴿۸۹﴾ اور زکریا کو دیکھو! جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا کہ: ”یا رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑیے، اور آپ سب سے بہتر وارث ہیں۔“ ﴿۹۰﴾ چنانچہ ہم نے ان کی دعا قبول کی، اور ان کو یحییٰ (جیسا بیٹا) عطا کیا، اور ان کی خاطر ان کی بیوی کو اچھا کر دیا۔ یقیناً یہ لوگ بھلائی کے کاموں میں تیزی دکھاتے تھے، اور ہمیں شوق اور رعب کے عالم میں پکارا کرتے تھے، اور ان کے دل ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے۔ ﴿۹۱﴾

﴿۸۸﴾ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ پیچھے سورہ یونس (۱۰: ۹۷) میں گزر چکا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم آنے سے پہلے اپنی ہستی کو چھوڑ گئے تھے، اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی، اور اس کی وجہ سے ان پر یہ آزمائش آئی کہ جس کشتی میں وہ سوار ہوئے تھے، انہیں اس میں سے دریا میں اتار دیا گیا، اور ایک مچھلی انہیں نگل گئی، جس کے پیٹ میں وہ تین دن رہے۔ اس آیت میں اندھیریوں سے مراد مچھلی کے پیٹ کی اندھیریاں ہیں۔ وہاں وہ مستقل اللہ تعالیٰ کو ان الفاظ میں پکارتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انہیں ایک کنارے پر لا کر پھینک دے، اور اس طرح انہیں اُس گھٹن سے نجات ملی۔ واقعے کی مزید تفصیل ان شاء اللہ سورہ صافات (۳۷: ۱۳۹ تا ۱۴۸) میں آئے گی۔

﴿۸۹﴾ حضرت زکریا علیہ السلام کی کوئی اولاد نہیں تھی، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لئے دعا کی تو انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا گیا۔ اس واقعے کی تفصیل سورہ آل عمران (۳: ۳۷ تا ۴۰) میں گزر چکی ہے۔

﴿۹۰﴾ یعنی ان کی بیوی بانجھ تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان میں اولاد کی صلاحیت پیدا فرمادی۔



وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿٩١﴾ إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ﴿٩٢﴾ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلُّ إِلَيْنَا لِرَجْعُونَ ﴿٩٣﴾ فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعِيدِهِ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ﴿٩٤﴾ وَحَرَّمَ عَلَيَّ قُرْبَةَ أَهْلِكُنْهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٩٥﴾ حَتَّىٰ إِذَا قُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ﴿٩٦﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ يَوِيلُنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٩٧﴾

اور اُس خاتون کو دیکھو جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی، پھر ہم نے اُس کے اندر اپنی رُوح پھونکی، اور انہیں اور اُن کے بیٹے کو دُنیا جہان کے لوگوں کے لئے ایک نشانی بنا دیا۔ ﴿٩١﴾

(لوگو!) یقین رکھو کہ یہ (دین جس کی یہ تمام انبیاء دعوت دیتے رہے ہیں) تمہارا دین ہے جو ایک ہی دین ہے، اور میں تمہارا پروردگار ہوں، لہذا تم میری عبادت کرو۔ ﴿٩٢﴾ اور لوگوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹ لیا، (مگر) سب ہمارے پاس لوٹ کر آنے والے ہیں۔ ﴿٩٣﴾ پھر جو مؤمن بن کر نیک عمل کرے گا تو اُس کی کوشش کی ناقدری نہیں ہوگی، اور ہم اُس کوشش کو لکھتے جاتے ہیں۔ ﴿٩٤﴾ اور جس کسی بستی (کے لوگوں) کو ہم نے ہلاک کیا ہے، اُس کے لئے ناممکن ہے کہ وہ پلٹ کر (دُنیا میں) آجائیں، ﴿٩٥﴾ یہاں تک کہ جب یا جوج اور ماجوج کو کھول دیا جائے گا، اور وہ ہر بلندی سے پھسلنے نظر آئیں گے، ﴿٩٦﴾ اور سچا وعدہ پورا ہونے کا وقت قریب آجائے گا تو اچانک حالت یہ ہوگی کہ جن لوگوں نے کفر اپنالیا تھا اُن کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، (اور وہ کہیں گے کہ:) ”ہائے ہماری کم بختی! ہم اس چیز سے بالکل ہی غفلت میں تھے، بلکہ ہم نے بڑے ستم ڈھائے تھے۔“ ﴿٩٧﴾

﴿٩٣﴾ مراد حضرت مریم علیہا السلام ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر کے انہیں اپنی قدرتِ کاملہ کی ایک عظیم نشانی بنا دیا تھا۔

﴿٩٤﴾ کافر لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر مرنے کے بعد دوبارہ زندگی آنے والی ہے تو جو کافر پہلے مر چکے ہیں، انہیں زندہ کر کے ابھی ان کا حساب کیوں نہیں لے لیا جاتا؟ یہ آیت اُس کا جواب دے رہی ہے کہ حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، اس سے پہلے کسی کا زندہ ہو کر اس دُنیا میں آجانا ممکن نہیں ہے۔

﴿٩٥﴾ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنا اُس وقت ہوگا جب قیامت آئے گی، اور اُس کی ایک علامت یہ ہوگی کہ یا جوج اور ماجوج کے وحشی قبیلے بہت بڑی تعداد میں دُنیا پر حملہ آور ہوں گے، اور ایسا محسوس ہوگا کہ وہ ہر بلند جگہ سے پھسلنے ہوئے آرہے ہیں۔



إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۚ أَنْتُمْ لَهَا وَرَدُونَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ  
 إِلَهَةً مَّا وَرَدُوهَا ۚ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٩٩﴾ لَهُمْ فِيهَا زَوْجٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ إِنَّ  
 الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۚ  
 وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿١٠٢﴾ لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ  
 هَٰذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١٠٣﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا  
 بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ ۖ وَعَدًّا عَلَيْنَا ۚ إِنَّكَ كَنَافِعِلِينَ ﴿١٠٤﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزُّبُورِ مِنْ بَعْدِ  
 الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿١٠٥﴾

(اے شرک کرنے والو!) یقین رکھو کہ تم اور جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ تمہیں  
 اسی جہنم میں جا اترنا ہے۔ ﴿۹۸﴾ اگر یہ واقعی خدا ہوتے تو اُس (جہنم) میں نہ جاتے۔ اور سب کے سب اس میں ہمیشہ  
 رہیں گے۔ ﴿۹۹﴾ وہاں اُن کی چینیں نکلیں گی، اور وہاں وہ کچھ سن نہیں سکیں گے۔ ﴿۱۰۰﴾ (البتہ) جن لوگوں کے لئے ہماری  
 طرف سے بھلائی پہلے سے لکھی جا چکی ہے، (یعنی نیک مؤمن) اُن کو اُس جہنم سے دُور رکھا جائے گا۔ ﴿۱۰۱﴾ وہ اُس کی  
 سرسراہٹ بھی نہیں سنیں گے، اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اپنی من پسند چیزوں کے درمیان رہیں گے۔ ﴿۱۰۲﴾ اُن کو وہ (قیامت کی)  
 سب سے بڑی پریشانی غمگین نہیں کرے گی، اور فرشتے اُن کا (یہ کہہ کر) استقبال کریں گے (کہ:) ”یہ تمہارا وہ دن ہے  
 جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔“ ﴿۱۰۳﴾

اُس دن (کا دھیان رکھو) جب ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے کاغذوں کے طومار میں تحریریں لپیٹ دی جاتی  
 ہیں۔ جس طرح ہم نے پہلی بار تخلیق کی ابتدا کی تھی، اسی طرح ہم اُسے دوبارہ پیدا کر دیں گے۔ یہ ایک وعدہ ہے جسے  
 پورا کرنے کا ہم نے ذمہ لیا ہے۔ ہمیں یقیناً یہ کام کرنا ہے۔ ﴿۱۰۴﴾ اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین  
 کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ ﴿۱۰۵﴾

(۲۶) پتھر کے جن بتوں کی یہ مشرکین عبادت کرتے تھے، ان کو بھی سزا کے طور پر نہیں، بلکہ اس لئے جہنم میں ڈالا جائے گا تاکہ  
 اس بات کا عملی مظاہرہ کیا جائے کہ جن بتوں کو تم خدا سمجھتے تھے، وہ آخر کار کتنے بے بس ثابت ہوئے۔

(۲۷) یعنی آخرت میں ساری زمین پر کسی کافر کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں ہی کو ملے گی۔







# سُورَةُ الْحَجِّ

## تعارف

اس سورت کا کچھ حصہ مدنی ہے، اور کچھ مکی۔ مطلب یہ ہے کہ اس سورت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے شروع ہو چکا تھا، اور تکمیل ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔ اسی سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حج کی عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں کس طرح شروع ہوئی، اور اس کے بنیادی ارکان کیا ہیں؟ اسی وجہ سے اس کا نام سورہ حج ہے۔ مکہ مکرمہ میں مشرکین نے مسلمانوں کو طرح طرح کے ظلم کا نشانہ بنایا تھا، وہاں مسلمانوں کو صبر کی تلقین کی جاتی تھی، لیکن مدینہ منورہ آنے کے بعد اسی سورت میں پہلی بار مسلمانوں کو کفار کے ظلم و ستم کے مقابلے میں جہاد کی اجازت دی گئی، اور فرمایا گیا کہ جن کافروں نے مسلمانوں پر ظلم کر کے انہیں اپنا وطن اور گھر بار چھوڑنے پر مجبور کیا ہے، اب مسلمان ان کے خلاف تلوار اٹھا سکتے ہیں۔ اس طرح جہاد کو ایک عبادت قرار دے کر یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ نہ صرف اس کا ثواب آخرت میں ملے گا، بلکہ دنیا میں بھی مسلمانوں کو ان شاء اللہ فتح نصیب ہوگی۔ اس کے علاوہ اسلام کے بنیادی عقائد بھی بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ سورت کا آغاز آخرت کے بیان سے ہوا ہے جس میں قیامت کا ہولناک منظر بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔



﴿آیتھا ۷۸﴾ ﴿سُورَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۳﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۱۰﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ۖ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝<sup>(۱)</sup> يَوْمَ تَرَوُنَّهَا تُذْهِلُ كُلُّ مَرْضَعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝<sup>(۲)</sup> وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَٰنٍ مَّרِيدٍ ۝<sup>(۳)</sup> كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَن تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝<sup>(۴)</sup> يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُّرَابٍ ثُمَّ مِّن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِّن عِلْقَةٍ ثُمَّ مِّن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنَبِّئَنَّ لَكُم

سورہ حج مدنی ہے، اور اس میں اٹھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے لوگو! اپنے پروردگار (کے غضب) سے ڈرو۔ یقین جانو کہ قیامت کا بھونچال بڑی زبردست چیز ہے۔<sup>(۱)</sup> جس دن وہ تمہیں نظر آجائے گا، اُس دن ہر دودھ پلانے والی اُس بچے (تک) کو بھول بیٹھے گی جس کو اُس نے دودھ پلایا، اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا بیٹھے گی، اور لوگ تمہیں یوں نظر آئیں گے کہ وہ نشے میں بدحواس ہیں، حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہوگا۔<sup>(۲)</sup> اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں بے جا بوجھے جھگڑے کرتے ہیں، اور اُس سرکش شیطان کے پیچھے چل کھڑے ہوتے ہیں<sup>(۳)</sup> جس کے مقدر میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جو کوئی اُسے دوست بنائے گا، تو وہ اُس کو گمراہ کرے گا، اور اُسے بھڑکتی دوزخ کے عذاب کی طرف لے جائے گا۔<sup>(۴)</sup> اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں کچھ شک ہے تو (ذرا سوچو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر ایک جمے ہوئے خون سے، پھر ایک گوشت کے لوٹھڑے سے جو (کبھی) پورا بن جاتا ہے، اور (کبھی) پورا نہیں بنتا، تاکہ ہم تمہارے لئے (تمہاری) حقیقت کھول کر بتا دیں،

(۱) جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن یا مشکل سمجھتے ہیں، اُن سے کہا جا رہا ہے کہ خود اپنی تخلیق پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کس حیرت انگیز طریقے پر کتنے مرحلوں سے گزار کر تمہیں پیدا فرمایا تھا۔ تمہارا کوئی وجود نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے تمہیں وجود بخشا، تم میں جان نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے تم میں جان ڈالی۔ جس ذات نے اس حیرت انگیز طریقے سے تمہیں اُس وقت پیدا کیا جب تم کچھ بھی نہیں تھے تو کیا وہ تمہیں مردہ لاش بننے کے بعد دوبارہ زندگی نہیں دے سکتا؟

(۲) یعنی بعض اوقات تو اس گوشت کے لوٹھڑے سے ماں کے پیٹ میں بچے کے اعضاء پورے بن جاتے ہیں، اور بعض اوقات



وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْدَلِ الْعُمْرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا وَتَرَىٰ الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝۳  
ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۴ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ  
لَّا رَيْبَ فِيهَا ۝۵ وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝۶

اور ہم (تمہیں) ماؤں کے پیٹ میں جب تک چاہتے ہیں، ایک متعین مدت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر تمہیں ایک بچے کی شکل میں باہر لاتے ہیں، پھر (تمہیں پالتے ہیں) تاکہ تم اپنی بھرپور عمر تک پہنچ جاؤ، اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو (پہلے ہی) دُنیا سے اٹھائے جاتے ہیں، اور تمہی میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جن کو بدترین عمر (یعنی انتہائی بڑھاپے) تک لوٹا دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی کچھ نہیں جانتے۔ اور تم دیکھتے ہو کہ زمین مرجھائی ہوئی پڑی ہے، پھر جب ہم اُس پر پانی برساتے ہیں تو وہ حرکت میں آتی ہے، اُس میں بڑھوتری ہوتی ہے، اور وہ ہر قسم کی خوشنما چیزیں اُگاتی ہے۔ ۵ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی کا وجود برحق ہے، اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے، اور وہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے، ۶ اور اس لئے کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے، جس میں کوئی شک نہیں ہے، اور اس لئے کہ اللہ اُن سب لوگوں کو دوبارہ زندہ کرے گا جو قبروں میں ہیں۔ ۷

پورے نہیں بنتے۔ پھر بعض اوقات اسی نامکمل حالت میں عورت کو اسقاط ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات بچہ ناقص اعضاء کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔

(۳) یعنی زیادہ بڑھاپے کی حالت میں انسان بچپن کی سی نا سمجھی کی طرف لوٹ جاتا ہے، اور جوانی میں اُس نے کتنا علم حاصل کیا ہو، اس بڑھاپے میں وہ سب یا اکثر حصہ بھول جاتا ہے۔

(۴) یہ دوبارہ زندگی دینے کی دوسری دلیل ہے، اور وہ یہ کہ زمین جب خشک ہوتی ہے تو اُس میں زندگی کے آثار ختم ہو جاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ بارش برسا کر اُس میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دیتا ہے، اور اُسی بے جان زمین سے پودے اُگنے لگتے ہیں۔ جو خدا اس پر قادر ہے، کیا وہ تمہیں دوبارہ زندگی دینے پر قادر نہیں؟

(۵) مطلب یہ ہے کہ تمہاری اپنی تخلیق ہو، یا زمین سے پودے اُگنے کا معاملہ، ان ساری باتوں کی اصل علت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کا وجود ایسا ہے جو کسی کا محتاج نہیں، اور باقی ساری چیزیں اُسی کی قدرت سے وجود میں آتی ہیں۔ لہذا وہ مردوں کو زندہ کرنے کی بھی پوری قدرت رکھتا ہے۔

(۶) انسان کی جس پیدائش کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، وہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی دلیل ہے جس سے یہ بات ثابت



وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ ۝ ثَانِي عَظْمُهُ لِيُضِلَّ  
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۝ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ذَلِكَ بِمَا  
قَدَّمْتَ يَدَكَ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْبُدُ اللَّهَ عَلَى  
حَرْفٍ ۚ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۚ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا  
وَالْآخِرَةَ ۚ ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝ يَدْعُوا مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُ وَمَا لَا نُنْفَعُهُ ۚ  
ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۝

اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑے کرتے ہیں، حالانکہ اُن کے پاس نہ کوئی علم ہے، نہ ہدایت،  
اور نہ کوئی روشنی دینے والی کتاب۔ ۱۰ وہ تکبر سے اپنا پہلو اُکڑائے ہوئے ہیں، تاکہ دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے  
گمراہ کریں۔ ایسے ہی شخص کے لئے دُنیا میں رُسوائی ہے، اور قیامت کے دن ہم اُسے جلتی ہوئی آگ کا مزہ چکھائیں  
گے ۱۱ (کہ) یہ سب کچھ تیرے اُس کر توت کا بدلہ ہے جو تو نے اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجا تھا، اور یہ بات طے ہے کہ  
اللہ بندوں پر ظلم ڈھانے والا نہیں ہے۔ ۱۲

اور لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جو ایک کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ چنانچہ اگر اُسے (دُنیا میں) کوئی فائدہ پہنچ  
گیا تو وہ اُس سے مطمئن ہو جاتا ہے، اور اگر اُسے کوئی آزمائش پیش آگئی تو وہ منہ موڑ کر (پھر کفر کی طرف) چل دیتا  
ہے۔ ۱۳ ایسے شخص نے دُنیا بھی کھوئی، اور آخرت بھی۔ یہی تو کھلا ہوا گھاٹا ہے۔ ۱۴ وہ اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتا ہے  
جو نہ اُسے نقصان پہنچا سکتے ہیں، نہ کوئی فائدہ دے سکتے ہیں۔ یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ ۱۵

ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے مرنے کے بعد انہیں دوبارہ زندہ کر سکتا ہے، اور دوسری طرف اسی سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جن  
لوگوں کو دُنیا میں پیدا کیا گیا ہے، اُن کی پیدائش ہی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ انہیں ایک اور زندگی دی جائے، کیونکہ اگر  
دوسری زندگی نہ ہو تو دُنیا میں نیکی کرنے والے اور بدی کرنے والے، ظالم اور مظلوم سب برابر ہو جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ ایسی  
نا انصافی کے لئے انسانوں کو پیدا نہیں کر سکتا کہ جو چاہے دوسروں پر ظلم کرتا رہے، یا گناہوں کا طومار لگا دے، اور اُسے اپنے عمل کی  
کوئی سزا نہ ملے، اور اسی طرح دُنیا میں کوئی شخص کتنی پاکباز زندگی گزارے، اُس کو کوئی انعام نہ ملے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ  
لازمی تقاضا ہے کہ جب انسانوں کو دُنیا میں پیدا کیا ہے تو آخرت میں انہیں دوسری زندگی دے کر انہیں انعام یا سزا ضرور دے۔

۱۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ کچھ لوگ اس لالچ میں  
اسلام لائے کہ اسلام کی وجہ سے انہیں دُنیا میں کچھ فوائد حاصل ہوں گے، لیکن جب ان کی توقع پوری نہیں ہوئی، بلکہ کوئی آزمائش  
آگئی تو وہ دوبارہ کفر کی طرف لوٹ گئے۔ یہ آیت ان کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہ لوگ حق کو حق ہونے کی وجہ سے قبول نہیں



يَدْعُوا لِسَنٍّ ضَرُّكَ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ ۖ لِبُسِّ الْمَوْلَىٰ وَلِبُسِّ الْعَشِيرِ ۝ (۳) إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ  
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا  
يُرِيدُ ۝ (۴) مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ  
ثُمَّ لِيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ۝ (۵)

یہ ایسے (جھوٹے خدا) کو پکارتے ہیں جس کا نقصان اس کے فائدے سے زیادہ قریب ہے۔ ایسا مددگار بھی کتنا بُرا ہے،  
اور ایسا ساتھی بھی کتنا بُرا! (۳) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اللہ یقیناً ان کو ایسے باغات  
میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یقیناً اللہ ہر وہ کام کرتا ہے جس کا ارادہ کر لیتا ہے۔ (۴) جو شخص یہ  
سمجھتا تھا کہ اللہ دنیا اور آخرت میں اس (پیغمبر) کی مدد نہیں کرے گا تو وہ آسمان تک ایک رسی تان کر رابطہ کاٹ ڈالے،  
پھر دیکھے کہ کیا اُس کی یہ تدبیر اُس کی جھنجلاہٹ دُور کر سکتی ہے؟ (۵)

کرتے، بلکہ دنیا کے مفادات کی خاطر قبول کرتے ہیں، اور ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو کسی جنگ میں اس نیت سے ایک  
کنارے کھڑا ہو گیا ہو کہ دونوں لشکروں میں سے جس کا پلہ بھاری نظر آئے گا، اُس کے ساتھ ہو جاؤں گا، تاکہ کچھ مفادات حاصل  
کر سکوں۔ سبق یہ دیا گیا ہے کہ اسلام پر عمل اس لالچ میں نہ کرو کہ اس دنیا ہی میں تمہیں کوئی فائدہ مل جائے گا، بلکہ اس لئے کرو کہ وہ  
برحق ہے، اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا تقاضا یہی ہے۔ جہاں تک دنیا کے مفادات کا تعلق ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ مشیت ہے کہ کس کو  
کیا دیا جائے، چنانچہ اسلام لانے کے بعد دُنیوی فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور کوئی آزمائش بھی  
آ سکتی ہے جس میں صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنی چاہئے کہ مصیبت دُور فرما کر آزمائش سے نکال دے۔  
(۸) اصل میں ان جھوٹے خداؤں میں خود تو نہ کوئی فائدہ پہنچانے کی طاقت ہے، نہ نقصان پہنچانے کی۔ البتہ یہ نقصان پہنچنے کا سبب  
بن سکتے ہیں، اور وہ اس طرح کہ جو شخص انہیں اللہ تعالیٰ کی خدائی میں شریک مانے گا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا مستحق ہوگا۔  
(۹) جس کا نقصان فائدے سے زیادہ ہو، وہ نہ مددگار بنانے کے لائق ہے، اور نہ ساتھی بنانے کے لائق۔ لہذا ان بتوں سے  
اُمیدیں لگانا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔

(۱۰) رسی تان کر رابطہ کاٹ ڈالنے کے ایک معنی تو عربی محاورے کے مطابق پھانسی دے کر گلا گھونٹنے کے ہوتے ہیں۔ اگر یہاں  
یہ معنی لئے جائیں، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں، تو اُس صورت میں آسمان سے مراد اوپر کی سمت  
یعنی چھت ہوگی، اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا شخص جس کا خیال یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی کامیابی حاصل  
نہیں ہوگی، اُس کا یہ خیال نہ تو پورا ہوا ہے، نہ ہوگا۔ اس پر اگر اُسے غصہ اور جھنجلاہٹ ہے تو وہ چھت کی طرف ایک رسی تان کر  
اپنے آپ کو پھانسی دے، اور اپنا گلا گھونٹ لے۔

اور آسمان تک رسی تان کر رابطہ کاٹ لینے کی ایک دوسری تشریح حضرت جابر بن زید سے منقول ہے، اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم کو جو کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں، اُن کا سرچشمہ وہ وحی ہے جو آپ پر آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ اب اگر کسی شخص کو ان



وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِيَ مَن يُرِيدُ ۝۱۶ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝۱۷ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ۖ وَكَثِيرٌ حَقٌّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۖ وَمَن يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝۱۸ هَٰذِهِ حَصْنٌ اخْتَصَمُوا فِي رَأْيِهِمْ ۚ فَالَّذِينَ كَفَرُوا أَقْطَعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّن نَّارٍ ۖ يُصَبُّ

مِن فَوْق رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ۝۱۹

اور ہم نے اس (قرآن) کو کھلی کھلی نشانیوں کی صورت میں اسی طرح اتارا ہے، اور اللہ جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔ ۱۶ بلاشبہ مؤمن ہوں یا یہودی، صابی ہوں یا نصرانی اور مجوسی، یا وہ جنہوں نے شرک اختیار کیا ہے، اللہ قیامت کے دن ان سب کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا گواہ ہے۔ ۱۷ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے آگے وہ سب سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب جو زمین میں ہیں، نیز سورج اور چاند، اور ستارے اور پہاڑ، اور درخت اور جانور، اور بہت سے انسان بھی! اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن پر عذاب طے ہو چکا ہے۔ اور جسے اللہ ذلیل کر دے، کوئی نہیں ہے جو اُسے عزت دے سکے۔ یقیناً اللہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ ۱۸ یہ (مؤمن اور کافر) دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑا کیا ہے۔ اب (اس کا فیصلہ اس طرح ہو گا کہ) جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، اُن کے لئے آگ کے کپڑے تراشے جائیں گے۔ اُن کے سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی چھوڑا جائے گا ۱۹

کامیابیوں پر غم و غصہ ہے، اور وہ ان کامیابیوں کا راستہ روکنا چاہتا ہے تو اُس کا ایک ہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی رسی تان کر آسمان تک جائے، اور وہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ رابطہ کاٹ دے جس کے ذریعے آپ پر وحی آرہی ہے، اور کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کسی کے بس میں نہیں ہے، اس لئے آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کو مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو سکتا (روح المعانی)۔

(۱۱) ان مخلوقات کے سجدہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی تابع فرمان ہیں، اور ہر چیز اُس کے ہر حکم کے آگے سر جھکائے ہوئے ہے۔ نیز اس سے عبادت کا سجدہ بھی مراد ہو سکتا ہے، کیونکہ اتنی سمجھ کائنات کی ہر چیز میں موجود ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اور اُسی کی عبادت کرنی چاہئے، البتہ ہر چیز کے سجدے کی صورت مختلف ہے۔ اس پوری کائنات میں انسان ہی ایسی مخلوق ہے جس کے تمام افراد عبادت کا یہ سجدہ نہیں کرتے، بلکہ بہت سے کرتے ہیں، بعض نہیں کرتے، اس لئے انسانوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا ہے کہ ”بہت سے انسان بھی“۔ یاد رہے کہ یہ سجدے کی آیت ہے، جو شخص اصل عربی میں یہ آیت تلاوت کرے یا سنے، اُس پر سجدہ کرنا واجب ہے۔



يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ۚ وَلَهُمْ مَقَامِعٌ مِنْ حَدِيدٍ ۚ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ۚ وَهُدًى إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدًى إِلَى صِرَاطٍ الْحَيْدِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۚ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِالْحَادِ بِظُلْمٍ نُزِقْهُ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ۚ

جس سے اُن کے پیٹ کے اندر کی چیزیں اور کھالیں گل جائیں گی، اور اُن کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے، جب کبھی تکلیف سے تنگ آ کر وہ اُس سے نکلنا چاہیں گے، تو انہیں پھر اُسی میں لوٹا دیا جائے گا، کہ چکھو جلتی آگ کا مزہ! (دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک کام کئے ہیں، اللہ اُن کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں انہیں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے سجایا جائے گا، اور جہاں اُن کا لباس ریشم ہوگا۔ اور (وجہ یہ ہے کہ) ان لوگوں کی رسائی پاکیزہ بات (یعنی کلمہ توحید) تک ہو گئی تھی، اور وہ اُس خدا کے راستے تک پہنچ گئے تھے جو ہر تعریف کا مستحق ہے۔ بیشک وہ لوگ (سزا کے لائق ہیں) جنہوں نے کفر اپنالیا ہے، اور جو دوسروں کو اللہ کے راستے سے اور اُس مسجدِ حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے لوگوں کے لئے ایسا بنایا ہے کہ اُس میں وہاں کے باشندے اور باہر سے آنے والے سب برابر ہیں۔ اور جو کوئی شخص اُس میں ظلم کر کے ٹیڑھی راہ نکالے گا، ہم اُسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

(۱۲) مسجدِ حرام اور اُس کے آس پاس کے وہ مقامات جن میں حج کے افعال ادا ہوتے ہیں، مثلاً صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی جگہ، منی، عرفات اور مزدلفہ کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہیں، بلکہ وہ دُنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے وقفِ عام ہیں، اور ان کو عبادت کے لئے استعمال کرنے میں مقامی باشندے اور باہر سے آنے والے سب برابر ہیں۔

(۱۳) ٹیڑھی راہ نکالنے سے مراد کفر و شرک، حرم کے احکام کی خلاف ورزی، بلکہ ہر قسم کا گناہ ہے۔ حرم میں جس طرح ہر نیکی کا ثواب بڑھ جاتا ہے، اسی طرح بعض صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ یہاں گناہوں کا وبال بھی دوسری جگہوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔



وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ  
وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝ (۲۶) وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ  
يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ (۲۷) لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ  
عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَاكُلُوا مِنْهَا وَأَطِيعُوا أَمْرَ الْفَقِيرِ ۝ (۲۸) ثُمَّ  
لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلِيُوفُوا نَدْوَاهُمْ وَلِيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ (۲۹)

اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے ابراہیم کو اس گھر (یعنی خانہ کعبہ) کی جگہ بتادی تھی، (اور یہ ہدایت دی تھی کہ: ”میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، اور میرے گھر کو ان لوگوں کے لئے پاک رکھنا جو (یہاں) طواف کریں، اور عبادت کے لئے کھڑے ہوں، اور رُکوع سجدے بجالائیں۔ (۲۶) اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، کہ وہ تمہارے پاس پیدل آئیں، اور دُور دراز کے راستوں سے سفر کرنے والی اُن اُونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں جو (لمبے سفر سے) دُہلی ہو گئی ہوں، (۲۷) تاکہ وہ اُن فوائد کو آنکھوں سے دیکھیں جو اُن کے لئے رکھے گئے ہیں، اور متعین دنوں میں اُن چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے اُنہیں عطا کئے ہیں۔“ چنانچہ (مسلمانو!) اُن جانوروں میں سے خود بھی کھاؤ، اور تنگ دست محتاج کو بھی کھلاؤ۔ (۲۸) پھر (حج کرنے والے) لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنا میل کچیل دُور کریں، اور اپنی منتیں پوری کریں، اور اس بیتِ عتیق کا طواف کریں۔ (۲۹)

(۱۳) جیسا کہ سورہ بقرہ (۲: ۱۲۷) میں گزر چکا ہے، بیت اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے تعمیر ہو کر منہدم ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اُنہیں وہ جگہ بتائی جہاں بیت اللہ کو دوبارہ تعمیر کرنا منظور تھا۔

(۱۵) حج کے کاموں میں ایک اہم کام جانوروں کی قربانی ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اُنہیں ذبح کیا جائے۔ یہ اُس کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۶) حج کے دوران انسان احرام میں ہوتا ہے تو اُس کے لئے بال کاٹنا اور ناخن تراشنا جائز نہیں رہتا۔ یہ پابندیاں اُس وقت ختم ہوتی ہیں جب وہ حج کی قربانی سے فارغ ہو جائے۔ چنانچہ یہاں میل کچیل دُور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حج کرنے والے قربانی کے بعد جسم کے بال اور ناخن کاٹ سکتے ہیں۔ اور منتیں پوری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ واجب قربانی کے علاوہ بہت سے حضرات یہ منتیں مان لیا کرتے تھے کہ حج کے موقع پر ہم اپنی طرف سے بھی قربانی کریں گے۔ اس کے بعد بیت اللہ شریف کے جس طواف کا ذکر ہے، اُس سے مراد ”طواف زیارت“ ہے۔ یہ طواف عام طور پر قربانی اور سر منڈانے کے بعد کیا جاتا ہے، اور حج کا اہم رکن ہے۔ بیت اللہ کو یہاں ”بیت عتیق“ کہا گیا ہے۔ اس کے ایک معنی تو قدیم کے ہیں، یعنی یہ اس معنی میں قدیم ترین گھر ہے کہ دُنیا میں سب سے پہلا گھر ہے جو عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا۔ اور اس کے ایک معنی ”آزاد“ کے بھی ہیں، اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے آزاد کہنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے ظالموں کے قبضہ کر لینے سے آزاد رکھا ہے۔



ذَلِكَ وَمَنْ يُعِظْ حُرْمَتَ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ وَأُحِلَّتْ لَكُمْ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يَتْلُو عَلَيْكُمْ فَاَجْتَنِبُوا رِجْسَ مَنْ اِلَّا وَشَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ حُنْفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهِ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَانَ ثَمَآخِرًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهٖ الرِّيحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ ذٰلِكَ وَمَنْ يُعِظْ شَعًا بِرِ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِّنْ تَقْوٰى الْقُلُوْبِ ۝ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝

یہ ساری باتیں یاد رکھو، اور جو شخص اُن چیزوں کی تعظیم کرے گا جن کو اللہ نے حرمت دی ہے، تو اُس کے حق میں یہ عمل اُس کے پروردگار کے نزدیک بہت بہتر ہے۔ سارے مویشی تمہارے لئے حلال کر دیئے گئے ہیں، سوائے اُن جانوروں کے جن کی تفصیل تمہیں پڑھ کر سنادی گئی ہے۔ لہذا بتوں کی گندگی سے اور جھوٹی بات سے اس طرح بچ کر رہو ۝ (۱۷) حُنْفَاءَ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانتے ہو۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر یا تو پرندے اُسے اُچک لے جائیں، یا ہوا اُسے کہیں دُور دراز کی جگہ لا پھینکے۔ (۱۸) یہ ساری باتیں یاد رکھو، اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے، تو یہ بات دلوں کے تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ (۱۹) تمہیں ایک معین وقت تک ان (جانوروں سے) فوائد حاصل کرنے کا حق ہے، پھر اُن کے حلال ہونے کی منزل اُسی قدیم گھر (یعنی خانہ کعبہ) کے آس پاس ہے۔ (۲۰)

(۱۷) جانوروں کی قربانی کا ذکر آیا تو مشرکین عرب کی اُس جاہلانہ رسم کی بھی تردید کر دی گئی جس کی رُو سے انہوں نے بتوں کے نام پر بہت سے جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا (تفصیل کے لئے دیکھئے سورۃ اَنْعَام ۶: ۱۳ تا ۱۴)۔ چنانچہ یہ بتا دیا گیا کہ یہ سب چوپائے تمہارے لئے حلال ہیں، سوائے اُن چیزوں کے جنہیں قرآن کریم نے سورۃ مائدہ (۵: ۳) میں حرام قرار دیا ہے۔ پھر اسی کے ساتھ جس بنیاد پر مشرکین ان جانوروں کو حرام قرار دیتے تھے، یعنی بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ماننا اور اُن کے نام پر جانوروں کو چھوڑ دینا، اُس بنیاد کو بھی یہ فرما کر ختم کر دیا گیا ہے کہ بتوں کی گندگی سے اور جھوٹی باتوں سے بچو۔ (۱۸) اس تمثیل کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کی مثال آسمان کی سی ہے۔ جو شخص شرک کا ارتکاب کرتا ہے، وہ ایمان کے بلند مقام سے نیچے گر پڑتا ہے۔ پھر پرندوں کے اُچک لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی خواہشات اُسے راہِ راست سے بھٹکا کر ادھر ادھر لئے پھرتی ہیں، اور ہوا کے دُور دراز پھینک دینے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شیطان اُسے مزید گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایسا شخص ایمان کے بلند مقام سے نیچے گر کر اپنی نفسانی خواہشات اور شیطاں کا غلام بن بیٹھتا ہے جو اُسے گمراہی کی انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔

(۱۹) ”شعائر“ کے معنی ہیں وہ علامتیں جن کو دیکھ کر کوئی دوسری چیز یاد آئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو عبادتیں واجب قرار دی ہیں، اور خاص طور پر جن مقامات پر حج کی عبادت مقرر فرمائی ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے شعائر میں داخل ہیں، اور اُن کی تعظیم ایمان کا تقاضا ہے۔ (۲۰) یعنی جب تک تم نے ان جانوروں کو حج کی قربانی کے لئے خاص نہ کر لیا ہو، اُس وقت تک تم ان سے ہر طرح کے فوائد



وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَالْهُكْمُ إِلَهُ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۖ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿۳۳﴾ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمُ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ ۖ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۳۴﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ ۚ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِيعُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۖ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳۵﴾ لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ۖ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ ۖ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۶﴾

اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی اس غرض کے لئے مقرر کی ہے کہ وہ اُن مویشیوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔ لہذا تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے، چنانچہ تم اُسی کی فرماں برداری کرو، اور خوشخبری سنا دو اُن لوگوں کو جن کے دل اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں، ﴿۳۳﴾ جن کا حال یہ ہے کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دلوں پر رعب طاری ہو جاتا ہے، اور جو اپنے اوپر پڑنے والی ہر مصیبت پر صبر کرنے والے ہیں، اور نماز کو قائم کرنے والے ہیں، اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے، اُس میں سے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتے ہیں۔ ﴿۳۴﴾ اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر میں شامل کیا ہے، تمہارے لئے اُن میں بھلائی ہے۔ چنانچہ جب وہ ایک قطار میں کھڑے ہوں، اُن پر اللہ کا نام لو، پھر جب (ذبح ہو کر) اُن کے پہلو زمین پر گر جائیں تو اُن (کے گوشت) میں سے خود بھی کھاؤ، اور اُن محتاجوں کو بھی کھلاؤ جو صبر سے بیٹھے ہوں، اور اُن کو بھی جو اپنی حاجت ظاہر کریں۔ اور ان جانوروں کو ہم نے اسی طرح تمہارے تابع بنا دیا ہے تاکہ تم شکر گزار بنو۔ ﴿۳۵﴾ اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے، نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اُس نے یہ جانور اسی طرح تمہارے تابع بنا دیئے ہیں، تاکہ تم اس بات پر اللہ کی تکبیر کرو کہ اُس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی۔ اور جو لوگ خوش اُسلوبی سے نیک عمل کرتے ہیں، انہیں خوشخبری سنا دو۔ ﴿۳۶﴾

حاصل کر سکتے ہو، ان پر سواری کرنا بھی جائز ہے، اُن کا دودھ پینا بھی، اُن کے جسم سے اُون حاصل کرنا بھی، لیکن جب انہیں حج کے لئے خاص کر لیا گیا تو پھر ان میں سے کوئی کام جائز نہیں رہتا۔ اُس کے بعد تو انہیں بیت اللہ کے آس پاس یعنی حدودِ حرم میں ذبح کر کے حلال کرنا ہی واجب ہے۔ اور حج کے لئے خاص کرنے کی مختلف علامتیں ہیں جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ ﴿۲۱﴾ یہاں قرآن کریم نے دو لفظ استعمال فرمائے ہیں، ایک ”قانع“ جس کا مطلب ہے وہ شخص جو حاجت مند تو ہے، لیکن اپنی حاجت کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتا، بلکہ صبر کئے بیٹھا ہے، اور دوسرا ”معتر“ جس کا مطلب وہ شخص ہے جو اپنی حاجت اپنے کسی قول یا فعل سے ظاہر کر دے۔



إِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ۚ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۚ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۚ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدَمَتِ السَّوَامِعُ وَبُيْعَتِ الصَّلَواتُ وَمَسْجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۚ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝

بیشک اللہ اُن لوگوں کا دفاع کرے گا جو ایمان لے آئے ہیں۔ یقین جانو کہ اللہ کسی دغا باز ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔ جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے، انہیں اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ اپنے دفاع میں لڑیں) کیونکہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے، اور یقین رکھو کہ اللہ ان کو فتح دلانے پر پوری طرح قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں صرف اتنی بات پر اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا ہے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے، سب مسمار کر دی جاتیں۔ اور اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو اُس (کے دین) کی مدد کریں گے۔ بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے۔

(۲۲) مکہ مکرمہ میں کافروں کی طرف سے مسلمانوں پر جو ظلم توڑے جارہے تھے، شروع میں قرآن کریم ہی نے انہیں بار بار صبر سے کام لینے کا حکم دیا تھا۔ اب اس آیت میں یہ تسلی دی جارہی ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ صبر آزمایا مرحلہ اب ختم ہونے والا ہے، اور وقت آگیا ہے کہ ان ظالموں کے ظلم کا جواب دیا جائے، چنانچہ اگلی آیت میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے، لیکن اس سے پہلے یہ خوشخبری دے دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود مسلمانوں کا دفاع کرے گا، اس لئے وہ اب بے خوف ہو کر لڑیں۔ اور وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں سے لڑائی ہونی ہے، وہ دغا باز اور ناشکرے لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ اس لئے وہ ان کے خلاف مسلمانوں ہی کی مدد کرے گا۔

(۲۳) مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک صبر و ضبط کی تلقین کے بعد یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کافروں کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو کفار کے ظلم و ستم کا کوئی جواب دینے کی اجازت نہیں تھی، بلکہ ہر زیادتی پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

(۲۴) اس آیت میں جہاد کی حکمت بیان فرمائی گئی ہے، اور وہ یہ کہ جتنے انبیائے کرام علیہم السلام دنیا میں آئے ہیں، اپنے اپنے وقت میں انہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تعلیم دی، اور اس کے لئے عبادت گاہیں بنائیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اس کام کے لئے خانقاہیں اور کلیسا بنائے گئے جنہیں عربی میں ”صومعہ“ اور ”بیعہ“ کہا جاتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروں نے جو عبادت گاہیں بنائیں، اُن کو صلوات کہا گیا ہے، اور مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو مسجد کہا جاتا ہے۔ جو



الَّذِينَ اِنْ مَكَنَّتْهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَامَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا  
عَنِ الْمُنْكَرِ ۖ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ  
وَتَمُودُ ﴿۳۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿۳۳﴾ وَاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكَذَّبَ مُوسٰى فَاَمْلَيْتُ  
لِلْكَافِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿۳۴﴾ فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ  
خَآوِيَةٌ عَلٰى عُرُوشِهَا وَبُيُوتٍ مُّعْتَطَلَةٍ وَقَصْرِ مَشِيدٍ ﴿۳۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ  
قُلُوْبٌ يَعْقِلُوْنَ بِهَا اَوْ اَذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمٰى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمٰى الْقُلُوْبُ  
الَّتِي فِي الصُّدُوْرِ ﴿۳۶﴾

یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں، اور برائی سے روکیں۔ اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔ ﴿۳۱﴾ اور (اے پیغمبر!) اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں، تو ان سے پہلے نوح کی قوم، اور عاد و ثمود کی قومیں بھی (اپنے اپنے پیغمبروں کو) جھٹلا چکی ہیں، ﴿۳۲﴾ نیز ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم ﴿۳۳﴾ اور مدین کے لوگ بھی۔ اور موسیٰ کو بھی جھٹلایا گیا تھا، چنانچہ ان کافروں کو میں نے کچھ ڈھیل دی، پھر انہیں پکڑ میں لے لیا، اب دیکھ لو کہ میری پکڑ کیسی تھی! ﴿۳۴﴾ غرض کتنی بستیاں تھیں جن کو ہم نے اُس وقت ہلاک کیا جب وہ ظلم کر رہی تھیں، چنانچہ وہ اپنی چھتوں کے بل گری پڑی ہیں، اور کتنے ہی کنویں جو آب بیکار ہوئے پڑے ہیں، اور کتنے پکے بنے ہوئے محل (جو کھنڈر بن چکے ہیں) ﴿۳۵﴾ تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں جس سے انہیں وہ دل حاصل ہوتے جو انہیں سمجھ دے سکتے، یا ایسے کان حاصل ہوتے جن سے وہ سن سکتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔ ﴿۳۶﴾

لوگ ان آسمانی مذاہب کے مخالف تھے، وہ ان عبادت گاہوں کو مٹانے کے درپے رہے، اگر ان کے خلاف جہاد کی اجازت نہ ہوتی، تو وہ ان عبادت گاہوں کو مسمار کر ڈالتے۔

(۲۵) مسلمانوں کو مدینہ منورہ میں حکومت قائم کرنے اور کافروں کے خلاف لڑائی میں ان کی مدد کرنے کا مقصد اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ زمین میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد اپنی جان اور مال سے اللہ تعالیٰ کی عبادت خود بھی کریں گے، اور دوسروں کو بھی نیکی کی تلقین اور برائی سے روکنے کا فریضہ انجام دیں گے۔ اس طرح یہ آیت ایک اسلامی ریاست کے بنیادی اغراض و مقاصد بیان فرما رہی ہے۔



وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۖ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿۴۸﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا ۖ وَإِلَى الْمَصِيرِ ﴿۴۹﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۵۰﴾ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۵۱﴾ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي الْاِيتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۵۲﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ ۖ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكُمُ اللَّهُ آيَتِهِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۵۳﴾

اور یہ لوگ تم سے عذاب جلدی لانے کا مطالبہ کرتے ہیں، حالانکہ اللہ اپنے وعدے کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا، اور یقین جانو کہ تمہارے رب کے یہاں کا ایک دن تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال کی طرح کا ہوتا ہے۔ ﴿۴۸﴾ اور کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں جنہیں میں نے مہلت دی تھی، اور وہ ظلم کرتی رہیں، پھر میں نے انہیں پکڑ میں لے لیا، اور سب کو آخر کار میرے پاس ہی لوٹنا ہوگا۔ ﴿۴۹﴾

(اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ”اے لوگو! میں تو تمہیں وضاحت کے ساتھ خبردار کرنے والا ہوں۔“ ﴿۴۹﴾ پھر جو لوگ ایمان لے آئے، اور نیک عمل کرنے لگے، تو اُن کے لئے مغفرت ہے، اور باعزت رزق ہے۔ ﴿۵۰﴾ اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو نیچا دکھانے کے لئے دوڑ دھوپ کی ہے، تو وہ دوزخ کے باسی ہیں۔ ﴿۵۱﴾ اور (اے پیغمبر!) تم سے پہلے ہم نے جب بھی کوئی رسول یا نبی بھیجا تو اس کے ساتھ یہ واقعہ ضرور ہوا کہ جب اُس نے (اللہ کا کلام) پڑھا تو شیطان نے اُس کے پڑھنے کے ساتھ ہی (کفار کے دلوں میں) کوئی رکاوٹ ڈال دی، پھر جو رکاوٹ شیطان ڈالتا ہے، اللہ اُسے دُور کر دیتا ہے، پھر اپنی آیتوں کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے، اور اللہ بڑے علم کا، بڑی حکمت کا مالک ہے۔ ﴿۵۲﴾

(۲۶) اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے ایک ہزار سال کے برابر ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کی صحیح تشریح تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے مشابہات میں بھی شمار کیا ہے، لیکن اس آیت کو سمجھنے کے لئے اتنی تشریح کافی ہے کہ کفار کے سامنے جب یہ کہا جاتا تھا کہ ان کے کفر کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُنیا یا آخرت میں عذاب آئے گا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے، اور کہتے تھے کہ اتنے دن گزر گئے، لیکن کوئی عذاب نہیں آیا، اگر واقعی عذاب آنا ہے تو ابھی کیوں نہیں آ جاتا؟ اس کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ تو ضرور پورا ہوگا۔ رہا اُس کا وقت، تو وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمت کے مطابق متعین ہوگا۔ اور تم جو سمجھ رہے ہو کہ اس کے آنے میں بہت دیر ہوگئی ہے تو درحقیقت تم جس مدت کو ایک ہزار سال سمجھتے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے۔ اس آیت کی کچھ مزید تفصیل ان شاء اللہ سورۃ معارج (۷۰: ۴) میں آئے گی۔

(۲۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کے مخالفین کی طرف سے جن شکوک و شبہات کا اظہار ہو رہا ہے، یہ



لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ ۖ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝۵۳ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۖ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُدَالِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝۵۴ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مَرِيَّةٍ مِنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يَوْمٍ عَقِيمٍ ۝۵۵ أَلَمْ لِكُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۖ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝۵۶ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝۵۷

یہ (شیطان نے رُکاوٹ اس لئے ڈالی) تاکہ جو رُکاوٹ شیطان نے ڈالی تھی، اللہ اُسے ان لوگوں کے لئے فتنہ بنادے جن کے دلوں میں روگ ہے، اور جن کے دل سخت ہیں۔ اور یقین جانو کہ یہ ظالم لوگ مخالفت میں بہت دُور چلے گئے ہیں۔ ۵۳ اور (اُس رُکاوٹ کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے دُور کیا) تاکہ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے، وہ جان لیں کہ یہی (کلام) برحق ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آیا ہے، پھر وہ اُس پر ایمان لائیں، اور اُن کے دل اُس کے آگے جھک جائیں۔ اور یقین رکھو کہ اللہ ایمان والوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دینے والا ہے۔ ۵۴ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ اس (کلام) کی طرف سے برابر شک ہی میں پڑے رہیں گے، یہاں تک کہ اُن پر اچانک قیامت آجائے، یا ایسے دن کا عذاب ان تک آپہنچے جو (ان کے لئے) کسی بھلائی کو جنم دینے کی صلاحیت سے خالی ہوگا۔ ۵۵ بادشاہی اُس دن اللہ کی ہوگی، وہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے گا، چنانچہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، وہ نعمتوں کے باغات میں ہوں گے۔ ۵۶ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، تو ایسے لوگوں کے لئے ذلت والا عذاب ہوگا۔ ۵۷

کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ پچھلے انبیائے کرام کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے کہ جب وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھ کر سناتے تو شیطان کافروں کے دل میں شکوک و شبہات پیدا کر دیتا جس کی بنا پر وہ لوگ ایمان نہیں لاتے تھے، لیکن چونکہ یہ شکوک و شبہات اصل میں بے بنیاد ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کا کوئی اثر مخلص مسلمانوں پر باقی نہیں رہنے دیتا، بلکہ انہیں نیست و نابود کر دیتا ہے۔ اس آیت کا ایک اور ترجمہ اس طرح بھی ممکن ہے کہ: ”تم سے پہلے ہم نے جو کوئی رسول یا نبی بھیجا، تو اُس کے ساتھ یہی ہوا کہ جب اُس نے کوئی تمنا کی تو شیطان نے اُس کی تمنا میں کوئی کھنڈت ڈال دی، پھر شیطان جو کھنڈت ڈالتا ہے، اللہ اُسے ختم کر دیتا ہے پھر اپنی آیتوں کو اور مضبوط کر دیتا ہے۔“ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انبیائے کرام اپنی قوم کی اصلاح کے لئے کسی بات کی تمنا کرتے تھے، مگر شروع میں شیطان اس تمنا کے پورے ہونے میں کوئی رُکاوٹ پیدا کر دیتا تھا، لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ اُس رُکاوٹ کو دُور فرما کر اپنی اُن آیتوں کو مزید مستحکم بنا دیتا جن میں انبیائے کرام کی مدد کی بشارت دی گئی تھی، البتہ شیطان نے جو رُکاوٹ ڈالی تھی، وہ کافر لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے، اُسے انبیائے کرام کے خلاف دلیل کے طور پر پیش کر کے فتنے میں مبتلا ہو جاتے تھے۔



وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قَاتَلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّزُقِينَ ﴿٥٩﴾ لِيُدْخِلَنَّهُمْ مُدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿٦٠﴾ ذَلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوِّقَ بِهِ ثُمَّ بَغَىٰ عَلَيْهِ لَيُصْرَفْهُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ﴿٦١﴾ ذَلِكَ ۚ بِأَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٦٢﴾ ذَلِكَ ۚ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٦٣﴾

اور جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی، پھر قتل کر دیئے گئے یا اُن کا انتقال ہو گیا، تو اللہ انہیں ضرور اچھا رزق دے گا، اور یقین رکھو کہ اللہ ہی بہترین رزق دینے والا ہے۔ ﴿٥٩﴾ وہ انہیں ضرور ایسی جگہ پہنچائے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے، اور اللہ یقیناً ہر بات جاننے والا، بڑا بردبار ہے۔ ﴿٥٩﴾ یہ بات تو طے ہے، اور (آگے یہ بھی سن لو کہ) جس شخص نے کسی کو بدلے میں اتنی ہی تکلیف پہنچائی جتنی اُس کو پہنچائی گئی تھی، اُس کے بعد پھر اُس سے زیادتی کی گئی، تو اللہ اُس کی ضرور مدد کرے گا۔ ﴿٦٠﴾ یقین رکھو کہ اللہ بہت معاف کرنے والا، بہت بخشنے والا ہے۔ ﴿٦٠﴾ یہ اس لئے کہ اللہ (کی قدرت اتنی بڑی ہے کہ وہ) رات کو دن میں داخل کر دیتا اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، اور اس لئے کہ اللہ ہر بات سنتا، ہر چیز دیکھتا ہے۔ ﴿٦١﴾ یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے، اور یہ لوگ اُسے چھوڑ کر جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں، وہ سب باطل ہیں، اور اللہ ہی وہ ہے جس کی شان بھی اونچی ہے، رُتبہ بھی بڑا۔ ﴿٦٣﴾

﴿٢٨﴾ اوپر آیت نمبر ۳۹ میں مسلمانوں کو ان کافروں سے لڑنے کی اجازت دی گئی تھی جنہوں نے اُن پر ظلم ڈھائے تھے، حالانکہ اس سے پہلے ان کے ظلم کے جواب میں صبر اور درگزر کے احکام دیئے جاتے رہے تھے۔ اب یہاں صرف جنگ ہی کے معاملے میں نہیں، بلکہ ہر قسم کے ظلم کا بدلہ لینے کی اجازت دی جا رہی ہے، بشرطیکہ وہ اتنا ہی ہو جتنا ظلم ہوا۔ اور بتایا جا رہا ہے کہ اگرچہ درگزر کا معاملہ زیادہ افضل ہے، لیکن برابر کا بدلہ لینا بھی جائز ہے، اور اُس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا وعدہ ہے۔ بلکہ یہاں اور آگے بڑھ کر یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر برابر کا بدلہ لینے کے بعد ظالم دوبارہ زیادتی کرے تو اُس پر بھی اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔

﴿٢٩﴾ یعنی ایک موسم میں جو دن کا وقت تھا، دوسرے موسم میں اللہ تعالیٰ نے اُسے رات بنادیا، اور ایک موسم میں جو رات کا وقت تھا، اُسے دوسرے موسم میں دن بنادیا۔ چاند سورج کی گردش کا یہ نظام اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اس طرح بنایا ہے کہ اس میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بیشمار مظاہر میں سے یہاں خاص طور پر اس کو شاید اس لئے ذکر کیا گیا ہو کہ یہاں مظلوم کی مدد فرمانے کا ذکر ہے، اور جس طرح رات دن کے اوقات بدلتے رہتے ہیں، اسی طرح جو کبھی مظلوم تھا، اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کر کے اُسے فتح دلادیتے ہیں، اور جو ظالم اور بالادست تھا، اُسے نچا دکھادیتے ہیں۔



أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۝ (۲۳) لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝ (۲۴) أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۗ وَيُيَسِّرُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَّ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرءُوفٌ رَحِيمٌ ۝ (۲۵) وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ۝ (۲۶) لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ ۗ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٌ ۝ (۲۷) وَإِنْ جَدَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ (۲۸) اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ (۲۹)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، جس سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑا مہربان، ہر بات سے باخبر ہے۔ (۲۳) جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اُسی کا ہے۔ اور یقین رکھو کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جو سب سے بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف۔ (۲۴)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے کام میں لگا رکھی ہیں، اور وہ کشتیاں بھی جو اُس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہیں؟ اور اُس نے آسمان کو اس طرح تھام رکھا ہے کہ وہ اُس کی اجازت کے بغیر زمین پر نہیں گر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (۲۵) اور وہی ہے جس نے تمہیں زندگی دی، پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ واقعی انسان بڑا ناشکرا ہے۔ (۲۶) ہم نے ہر اُمت کے لوگوں کے لئے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے، جس کے مطابق وہ عبادت کرتے ہیں، لہذا (اے پیغمبر!) لوگوں کو تم سے اس معاملے میں جھگڑا نہیں کرنا چاہئے، اور تم اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیتے رہو۔ تم یقیناً سیدھے راستے پر ہو۔ (۲۷) اور اگر وہ تم سے جھگڑیں تو کہہ دو کہ: ”جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ (۲۸) اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان اُن باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔“ (۲۹)

(۳۰) بعض لوگ اس بات پر اعتراض کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام دیئے ہیں، اُن میں سے کچھ اُن احکام سے مختلف ہیں جو پچھلے انبیائے کرام کی اُمتوں کو دیئے گئے تھے۔ اس آیت میں اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ یعنی مختلف انبیائے کرام کی شریعتوں میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کے مختلف طریقے مقرر فرمائے تھے اور ہر دور کے مناسب شریعت کے



أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۖ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ ۖ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ۝ وَإِذْ تَتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۖ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا ۖ قُلْ أَفَأَنْبِيَاكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَلِكَمُ النَّارُ ۖ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبَ مَثَلٍ ۖ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۖ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ۖ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۝

کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان اور زمین کی تمام چیزیں اللہ کے علم میں ہیں؟ یہ سب باتیں ایک کتاب میں محفوظ ہیں۔ بیشک یہ سارے کام اللہ کے لئے بہت آسان ہیں۔ اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن (کے معبود ہونے) کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی، اور خود ان لوگوں کو بھی اس کے بارے میں کوئی علم حاصل نہیں۔ اور ان ظالموں کا (آخرت میں) کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ اور جب ان کو ہماری آیتیں اپنی پوری وضاحتوں کے ساتھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو تم ان کافروں کے چہروں پر ناگواری کے اثرات صاف پہچان لیتے ہو، ایسا لگتا ہے کہ یہ ان لوگوں پر حملہ کر دیں گے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنارہے ہیں۔ کہہ دو کہ: ”لوگو! کیا میں تمہیں ایسی چیز بتلاؤں جو اس سے زیادہ ناگوار ہے؟ آگ! اللہ نے کافروں سے اس کا وعدہ کر رکھا ہے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔“ اور لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے، اب اُسے کان لگا کر سنو! تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن جن کو دُعا کے لئے پکارتے ہو، وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، چاہے اس کام کے لئے سب کے سب اکٹھے ہو جائیں، اور اگر مکھی اُن سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اُس سے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ ایسا دُعا مانگنے والا بھی بودا اور جس سے دُعا مانگی جا رہی ہے وہ بھی! (۷۲)

مختلف احکام دیئے تھے۔ لہذا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے کچھ احکام پچھلی شریعتوں سے الگ ہیں تو اس میں نہ کوئی اعتراض کی بات ہے، اور نہ بحث مباحثے کا کوئی موقع۔

(۳۱) یعنی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے جس سے یہ علم حاصل ہو سکے کہ یہ بت واقعی خدائی کا درجہ رکھتے ہیں۔

(۳۲) مطلب یہ ہے کہ ابھی تو تم ان آیتوں ہی کو ناگوار سمجھ رہے ہو، آخرت میں جب آگ سامنے آئے گی تو پتہ چلے گا کہ اصل ناگوار چیز کیا تھی؟



مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۵۰﴾ اللَّهُ يُصْطَفَى مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿۵۱﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۵۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۵۳﴾ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۖ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۖ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۖ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۵۴﴾

ان لوگوں نے اللہ کی ٹھیک ٹھیک قدر ہی نہیں پہچانی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ قوت کا بھی مالک ہے، اقتدار کا بھی مالک۔ ﴿۵۰﴾ اللہ فرشتوں میں سے بھی اپنا پیغام پہنچانے والے منتخب کرتا ہے، اور انسانوں میں سے بھی۔ یقیناً اللہ ہر بات سنتا ہر چیز دیکھتا ہے۔ ﴿۵۱﴾ وہ اُن کے آگے اور پیچھے کی ساری باتوں کو جانتا ہے، اور اللہ ہی پر تمام معاملات کا دار و مدار ہے۔ ﴿۵۲﴾ اے ایمان والو! رُکوع کرو، اور سجدہ کرو، اور اپنے پروردگار کی بندگی کرو، اور بھلائی کے کام کرو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔ ﴿۵۳﴾ اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو، جیسا کہ جہاد کا حق ہے۔ اُس نے تمہیں (اپنے دین کے لئے) منتخب کر لیا ہے، اور تم پر دین کے معاملے میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ اپنے باپ ابراہیم کے دین کو مضبوطی سے تھام لو، اُس نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا، اور اس (قرآن) میں بھی، تاکہ یہ رسول تمہارے لئے گواہ بنیں، اور تم دوسرے لوگوں کے لئے گواہ بنو۔ ﴿۵۴﴾ لہذا نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھو، وہ تمہارا رکھوالا ہے، دیکھو، کتنا اچھا رکھوالا، اور کتنا اچھا مددگار! ﴿۵۴﴾

(۳۳) کونسے فرشتے پیغمبروں کے پاس وحی کا پیغام لے کر جائیں، اور کن انسانوں کو پیغمبری کے مقام پر سرفراز کیا جائے، ان سب باتوں کا تعین اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں۔

(۳۴) شافعی مذہب میں یہاں سجدہ ہے۔

(۳۵) ”جہاد“ کے لفظی معنی جدوجہد اور کوشش کے ہیں، اور یہ لفظ دین کے راستے میں ہر کوشش کو شامل ہے۔ اس میں مسلح جدوجہد یعنی اللہ کے راستے میں جنگ کرنا بھی داخل ہے، پُر امن جدوجہد بھی، اور انسان اپنی اصلاح کے لئے جو محنت



کرے، وہ بھی۔

(۳۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے مؤمنوں کے حق میں گواہی دیں گے کہ یہ لوگ ایمان لے آئے تھے، اور مسلمان دوسری اُمتوں کے بارے میں گواہی دیں گے کہ پیغمبروں نے اُن کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ یہ مضمون سورۃ بقرہ (۲: ۱۷۷) میں گزر چکا ہے۔ وہاں اس کی تشریح دیکھ لی جائے۔

الحمد للہ، آج بروز دوشنبہ ۱۵ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۵ مارچ ۲۰۰۷ء مدینہ منورہ میں سورۃ حج کا ترجمہ اور حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ

## تعارف

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے وہ بنیادی صفات ذکر فرمائی ہیں جو مسلمانوں میں پائی جانی چاہئیں۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ اس سورت کی پہلی دس آیتوں میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں، اگر کوئی شخص وہ ساری باتیں اپنے اندر پیدا کر لے تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ اسی لئے اس سورت کا نام ”مؤمنون“ ہے، یعنی وہ سورت جو یہ بیان کرتی ہے کہ مسلمانوں کو کیسا ہونا چاہئے۔ نیز نسائی میں روایت ہے کہ ایک صاحب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور اوصاف کیسے تھے؟ اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورہ مؤمنون کی یہ دس آیتیں تلاوت فرمادیں کہ یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف تھے۔ سورت کا بنیادی مقصد انسان کو اُس کی اصلیت کی طرف متوجہ کر کے اس بات پر غور و فکر کی دعوت دینا ہے کہ اُس کے دُنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے، اور بالآخر مرنے کے بعد جو زندگی آتی ہے، اُس میں انسان کا انجام کیا ہوگا؟ اس کے علاوہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بہت سے انبیائے کرام کے واقعات اس سورت میں دُہرائے گئے ہیں، تاکہ یہ بات واضح ہو کہ ان سب پیغمبروں کی دعوت تو اتر کے ساتھ ایک ہی تھی، اور جن لوگوں نے اُن کا انکار کیا، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا نشانہ بننا پڑا۔ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے اُن کی نیکیوں اور بُرائیوں کا حساب لیس گے، اور ہر انسان کو اپنے عقیدے اور عمل کے اعتبار سے جزا و سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس عقیدے کو کائنات میں پھیلی ہوئی قدرتِ خداوندی کی نشانیوں کی طرف متوجہ کر کے ثابت کیا گیا ہے۔



آیتھا ۱۱۸ ﴿۲۳﴾ سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ مَكِّيَّةٌ ۷۴ ﴿۲۴﴾ رُكُوعَاتُهَا ۶ ﴿۲۵﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَشِعُونَ ﴿۲﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ﴿۳﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ﴿۴﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَفِظُونَ ﴿۵﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿۶﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سواٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اُن ایمان والوں نے یقیناً فلاح پالی ہے ﴿۱﴾ جو اپنی نماز میں دل سے جھکنے والے ہیں، ﴿۲﴾ اور جو لغو چیزوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں ﴿۳﴾ اور جو زکوٰۃ پر عمل کرنے والے ہیں، ﴿۴﴾ اور جو اپنی شرم گاہوں کی (اور سب سے) حفاظت کرتے ہیں، ﴿۵﴾ سوائے اپنی بیویوں اور اُن کنیزوں کے جو اُن کی ملکیت میں آچکی ہوں، ﴿۶﴾ کیونکہ ایسے لوگ قابلِ ملامت نہیں ہیں، ﴿۱﴾

(۱) یہ ”خشوع“ کا ترجمہ ہے۔ عربی میں ”خضوع“ کے معنی ہیں ظاہری اعضاء کو جھکانا، اور ”خشوع“ کے معنی ہیں دل کو عاجزی کے ساتھ نماز کی طرف متوجہ رکھنا۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان نماز میں جو کچھ زبان سے پڑھ رہا ہو، اُس کی طرف دھیان رکھے، اور اگر غیر اختیاری طور پر کوئی خیال آجائے تو وہ معاف ہے، لیکن جو نہی یاد آئے، دوبارہ نماز کے الفاظ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے۔

(۲) ”لغو“ کا مطلب ہے بیکار مشغلہ جس میں نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہو، نہ آخرت کا۔

(۳) ”زکوٰۃ“ کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کو پاک صاف کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جو فریضہ عائد کیا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ غریبوں کے لئے نکالیں، اُسے زکوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اُس سے اُن کا باقی مال بھی پاک صاف ہو جاتا ہے، اور ان کے دلوں کو بھی پاکی حاصل ہوتی ہے۔ یہاں زکوٰۃ سے مراد وہ مالی فریضہ بھی ہو سکتا ہے، اور اُس کے دوسرے معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں، یعنی اپنے آپ کو بُرے اعمال اور اخلاق سے پاک صاف کرنا۔ اس کو ”تزکیہ“ بھی کہتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہاں زکوٰۃ کے ساتھ ”ادا کرنے“ کے بجائے زکوٰۃ پر ”عمل کرنے والے“ کا جولوفظ استعمال فرمایا ہے، اُس کی وجہ سے بہت سے مفسرین نے یہاں دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے۔

(۴) یعنی اس بات سے حفاظت کرتے ہیں کہ اپنی جنسی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے کوئی ناجائز طریقہ اختیار کیا جائے۔

(۵) اس سے مراد وہ کنیزیں ہیں جو شرعی احکام کے مطابق کسی کی ملکیت میں آئی ہوں، لیکن آج کل ایسی کنیزوں کا کوئی وجود نہیں رہا۔



فَمَنْ ابْتَدِئَ وَرَأَىٰ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدُونَ ﴿٥﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لَا مُتَرَبِّعِيهِمْ وَعَهْدُهُمْ  
رَاعُونَ ﴿٦﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَواتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٧﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ﴿٨﴾ الَّذِينَ يَرِثُونَ  
الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ﴿١٠﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ  
نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ﴿١١﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ  
عِظًا فَكَسَوْنَا الْعِظَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ﴿١٢﴾ فَتَبَرَّكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴿١٣﴾ ثُمَّ  
إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ لَنَبِئُونَ ﴿١٤﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ تُبْعَثُونَ ﴿١٥﴾

ہاں جو اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہیں تو ایسے لوگ حد سے گزرے ہوئے ہیں۔ ﴿۵﴾ اور وہ جو اپنی امانتوں  
اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں، ﴿۶﴾ اور جو اپنی نمازوں کی پوری نگرانی رکھتے ہیں۔ ﴿۷﴾ یہ ہیں وہ وارث ﴿۸﴾  
جنہیں جنت الفردوس کی میراث ملے گی۔ یہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۹﴾ اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے  
پیدا کیا، ﴿۱۰﴾ پھر ہم نے اُسے ٹپکی ہوئی بوند کی شکل میں ایک محفوظ جگہ پر رکھا، ﴿۱۱﴾ پھر ہم نے اُس بوند کو جسے ہوئے خون  
کی شکل دے دی، پھر اُس جسے ہوئے خون کو ایک لوتھڑا بنا دیا، پھر اُس لوتھڑے کو ہڈیوں میں تبدیل کر دیا، پھر ہڈیوں کو  
گوشت کا لباس پہنایا، پھر اُسے ایسی اٹھان دی کہ وہ ایک دوسری ہی مخلوق بن کر کھڑا ہو گیا۔ غرض بڑی شان ہے اللہ کی  
جو سارے کاریگروں سے بڑھ کر کاریگر ہے! ﴿۱۲﴾ پھر اس سب کے بعد تمہیں یقیناً موت آنے والی ہے، ﴿۱۳﴾ پھر قیامت  
کے دن تمہیں یقیناً دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ ﴿۱۴﴾

(۱) یعنی بیوی اور شرعی کنیز کے سوا کسی اور طریقے سے اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کی کوشش کرنا حرام ہے۔  
(۷) نمازوں کی نگرانی میں یہ بات بھی داخل ہے کہ نماز کی پوری پابندی کی جائے، اور یہ بھی کہ اُن کو صحیح طریقے سے آداب اور  
شرائط کے ساتھ ادا کیا جائے۔

(۸) جنت کو مومنوں کی میراث اس لئے کہا گیا ہے کہ ملکیت کے اسباب میں سے میراث ہی ایک ایسا طریقہ ہے جس میں ایک  
چیز خود بخود اس طرح انسان کی ملکیت میں آ جاتی ہے کہ اُس ملکیت کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ اشارہ اس طرف ہے کہ جنت  
کے مل جانے کے بعد اُس کے چھن جانے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا۔

(۹) انسان کا مٹی سے پیدا ہونا یا تو اس اعتبار سے ہے کہ تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے،  
پھر تمام انسان اُن کی پشت سے پیدا ہوئے، اس لئے بالواسطہ تمام انسانوں کی اصل مٹی ہے، یا پھر اس کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ  
انسان کی تخلیق مٹی کے قطرے سے ہوتی ہے، اور وہ غذا سے پیدا ہوتی ہے جس کے اُگنے اور بننے میں مٹی کا دخل واضح ہے۔

(۱۰) محفوظ جگہ سے مراد رحم مادر ہے۔



وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَفِيلِينَ ﴿۱۸﴾ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَتْهُ فِي الْآرْضِ نَضًى ۖ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَدِيرُونَ ﴿۱۹﴾ فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّاتٍ مِّنْ تَحْتِهَا أَعْنَابٌ ۖ لَّكُمْ فِيهَا فَاوَاكِهِ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۲۰﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِلَّهِ لِلَّذِينَ يُحَلِّلُونَ ﴿۲۱﴾ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْآلِ نَعَامٍ لَّعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۲۲﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿۲۳﴾

اور ہم نے تمہارے اوپر سات تہہ برتہہ راستے پیدا کئے ہیں، اور ہم مخلوق سے غافل نہیں ہیں۔ ﴿۱۸﴾ اور ہم نے آسمان سے ٹھیک اندازے کے مطابق پانی اتارا، پھر اُسے زمین میں ٹھہرا دیا، اور یقین رکھو، ہم اُسے غائب کر دینے پر بھی قادر ہیں۔ ﴿۱۹﴾ پھر ہم نے اُس سے تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کئے جن سے تمہیں بہت سے میوے حاصل ہوتے ہیں، اور اُنہی میں سے تم کھاتے ہو۔ ﴿۲۰﴾ اور وہ درخت بھی پیدا کیا جو طور سینا سے نکلتا ہے، جو اپنے ساتھ تیل لے کر اور کھانے والوں کے لئے سالن لے کر اُگتا ہے۔ ﴿۲۱﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے مویشیوں میں بڑی نصیحت کا سامان ہے۔ جو (دودھ) ان کے پیٹ میں ہے، اُس سے ہم تمہیں میراب کرتے ہیں، اور اُن میں تمہارے لئے بہت سے فوائد ہیں، اور اُنہی سے تم غذا بھی حاصل کرتے ہو۔ ﴿۲۲﴾ اور اُنہی پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار بھی کیا جاتا ہے۔ ﴿۲۳﴾

(۱۱) یہاں آسمانوں کو تہہ برتہہ راستوں سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے انہی آسمانوں سے آتے جاتے ہیں۔ اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ ہماری مخلوق کی ضروریات کیا ہیں، اور ان کی مصلحت کا کیا تقاضا ہے، اس لئے ہماری تمام تخلیقات میں ان مصالح کی پوری رعایت ہے۔

(۱۲) یعنی اگر آسمان سے پانی برسا کر تمہیں ذمہ داری دی جاتی کہ تم خود اس کا ذخیرہ کرو، تو یہ تمہارے بس میں نہیں تھا۔ ہم نے یہ پانی پہاڑوں پر برسا کر اُسے برف کی شکل میں جمادیا، جو رفتہ رفتہ پگھل کر دریاؤں کی شکل اختیار کرتا ہے، اور اُس کی جڑیں زمین بھر میں پھیلی ہوئی ہوئی ہیں، جن سے کنویں بنتے ہیں، اور اس طرح زمین کی تہہ میں وہ پانی محفوظ رہتا ہے۔

(۱۳) اس سے مراد زیتون کا درخت ہے جو طور سینا کے علاقے میں کثرت سے پایا جاتا تھا۔ اس سے جو تیل نکلتا ہے، اُس سے روغن کا کام بھی لیا جاتا ہے، اور عرب میں اُسے روئی کے ساتھ سالن کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ اس درخت کا خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اس کے فوائد بہت ہیں۔



وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ لِقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ الْمَلِكُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً ۚ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَاءِنَا الْأُولَىٰ ﴿٢٤﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جَنَّةٌ مَثَرٌ بِصَوَابِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كُنْتُ دُوبُونَ ﴿٢٦﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعِ الْفُلَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيُنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُورُ ۖ فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ شَيْنٍ ۚ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَا تُخَاطَبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٢٧﴾

اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس بھیجا تھا، چنانچہ انہوں نے (قوم سے) کہا کہ: ”میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ بھلا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟“ ﴿۲۳﴾ اس پر اُن کی قوم کے کافر سرداروں نے (ایک دوسرے سے) کہا: ”اس شخص کی اس کے سوا کوئی حقیقت نہیں کہ یہ تمہی جیسا ایک انسان ہے جو تم پر اپنی برتری جمانا چاہتا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے نازل کر دیتا۔ یہ بات تو ہم نے اپنے پچھلے باپ دادوں میں کبھی نہیں سنی۔“ ﴿۲۴﴾ (رہا یہ شخص، تو) یہ اور کچھ نہیں، ایک ایسا آدمی ہے جسے جنون لاحق ہو گیا ہے، اس لئے کچھ وقت تک اس کا انتظار کر کے دیکھ لو (کہ شاید اپنے حواس میں آجائے)“ ﴿۲۵﴾ نوح نے کہا: ”یا رب! ان لوگوں نے مجھے جس طرح جھوٹا بنایا ہے، اُس پر تو ہی میری مدد فرما۔“ ﴿۲۶﴾ چنانچہ ہم نے اُن کے پاس وحی بھیجی کہ: ”تم ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ۔ پھر جب ہمارا حکم آجائے، اور تنور اُبل پڑے، تو ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا لے کر اُسے بھی اُس کشتی میں سوار کر لینا، اور اپنے گھر والوں کو بھی، سوائے اُن کے جن کے خلاف پہلے ہی حکم صادر ہو چکا ہے۔ اور ان ظالموں کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرنا، یہ بات طے ہے کہ یہ سب غرق کئے جائیں گے۔“ ﴿۲۷﴾

(۱۴) تنور چولہے کو بھی کہتے ہیں، اور سطح زمین کو بھی۔ بعض روایات میں ہے کہ طوفانِ نوح اس طرح شروع ہوا تھا کہ ایک چولہے سے پانی اُبلنے لگا، اوپر سے بارش شروع ہو گئی، اور رفتہ رفتہ وہ ایک ہولناک طوفان میں بدل گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ سورہ ہود (۱۱: ۲۵ تا ۴۸) میں گزر چکا ہے۔

(۱۵) تاکہ ضرورت کے جانوروں کی نسل باقی رہے۔

(۱۶) اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کے خاندان کے وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائے تھے، اور نہ اُن کا ایمان لانا مقدر تھا، مثلاً اُن کا بیٹا کنعان جس کا واقعہ سورہ ہود میں گزر چکا ہے۔



فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلِّ فَقُلِ الْخُذُوا إِلَيَّ نُجَاتًا مِمَّنِ الْظَّالِمِينَ ﴿٢٩﴾ وَقُلْ رَبِّ انْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبْرَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿٣٠﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ وَإِنْ كُنَّا لَبْتَائِلِينَ ﴿٣١﴾ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٣٢﴾ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَهِ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣٣﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا الْإِخْرَاءَ ۖ وَأَتَتْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَاهَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لَا يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿٣٤﴾ وَلَئِنْ أَطَعْتُم بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذَا لَخَسِرُونَ ﴿٣٥﴾ أَيْعِدُكُمْ أَنْتُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنْتُمْ مُخْرَجُونَ ﴿٣٦﴾ هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَاتُوعَدُونَ ﴿٣٧﴾

پھر جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں ٹھیک ٹھیک بیٹھ چکیں، تو کہنا: 'شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی۔' ﴿۲۹﴾ اور کہنا: 'یا رب! مجھے ایسا اترنا نصیب کر جو برکت والا ہو، اور تو بہترین اُتارنے والا ہے۔' ﴿۳۰﴾ اس سارے واقعے میں بڑی نشانیاں ہیں، اور یقینی بات ہے کہ ہمیں آزمائش تو کرنی ہی کرنی تھی۔ ﴿۳۱﴾ پھر اُن کے بعد ہم نے دوسری نسلیں پیدا کیں، ﴿۳۲﴾ اور اُن کے درمیان اُنہی میں کے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا (جس نے کہا) کہ: "اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ بھلا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟" ﴿۳۳﴾ اُن کی قوم کے وہ سردار جنہوں نے کفر اپنارکھا تھا، اور جنہوں نے آخرت کا سامنا کرنے کو جھٹلایا تھا، اور جن کو ہم نے دُنیوی زندگی میں خوب عیش دے رکھا تھا، اُنہوں نے (ایک دوسرے سے) کہا: "اس شخص کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ تمہی جیسا ایک انسان ہے۔ جو چیز تم کھاتے ہو، یہ بھی کھاتا ہے، اور جو تم پیتے ہو، یہ بھی پیتا ہے۔" ﴿۳۴﴾ اور اگر کہیں تم نے اپنے ہی جیسے ایک انسان کی فرماں برداری قبول کر لی تو تم بڑے ہی گھائے کا سودا کرو گے۔ ﴿۳۵﴾ بھلا بتاؤ، یہ شخص تمہیں ڈراتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے، اور مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہو جاؤ گے، تو تمہیں دوبارہ زمین سے نکالا جائے گا؟ ﴿۳۶﴾ جس بات سے تمہیں ڈرایا جا رہا ہے، وہ تو بہت ہی بعید بات ہے، سمجھ سے بالکل ہی دُور! ﴿۳۷﴾

(۱۷) یہاں قرآن کریم نے پیغمبر کا نام نہیں لیا، لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت صالح علیہ السلام ہیں جنہیں قوم ثمود کی طرف بھیجا گیا تھا، کیونکہ آگے آیت نمبر ۴۰ میں فرمایا گیا ہے کہ اُن کی قوم کو چنگھاڑ سے ہلاک کیا گیا تھا۔ اور بعض مفسرین نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ شاید حضرت ہود علیہ السلام مراد ہوں جنہیں قوم عاد کی طرف بھیجا گیا تھا، اور چنگھاڑ سے مراد ہوا کا وہ عذاب ہے جس کے ساتھ یقیناً خوفناک آواز بھی ہوگی۔ ان دونوں قوموں کے واقعات سورہ اعراف (۷: ۶۵ و ۷۳) اور سورہ ہود (۱۱: ۵۰ و ۶۱) میں گزر چکے ہیں۔



إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٣٨﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٣٩﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَبُونَ ﴿٤٠﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ﴿٤١﴾ فَآخَذَتْهُمْ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً ۖ فَبُعْدَ اللَّقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٢﴾ ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ﴿٤٣﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿٤٤﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا ۖ كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةٌ رَّسُولَهَا كَذَّبُوهُ فَاتَّبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۖ فَبُعْدَ الْقَوْمِ لَآئِيَوْمُنُونَ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ ۖ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٤٦﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ﴿٤٧﴾ فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ بِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عِبَدُونَ ﴿٤٨﴾

زندگی تو ہماری اس دُنیوی زندگی کے سوا کوئی اور نہیں ہے، (یہیں) ہم مرتے اور جیتے ہیں، اور ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جاسکتا۔ ﴿۳۸﴾ (رہا یہ شخص، تو) یہ اور کچھ نہیں، ایک ایسا آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان گھڑا ہے، اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ ﴿۳۹﴾ پیغمبر نے کہا: ”یا رَبِّ! ان لوگوں نے مجھے جس طرح جھوٹا بنایا ہے، اُس پر تو ہی میری مدد فرما۔“ اللہ نے فرمایا: ”اب تھوڑی ہی دیر کی بات ہے کہ یہ لوگ پچھتاتے رہ جائیں گے۔“ ﴿۴۰﴾ چنانچہ اس سچے وعدے کے مطابق اُن کو ایک چنگھاڑ نے آپکڑا، اور ہم نے اُنہیں کوڑا کرکٹ بنا کر رکھ دیا۔ پھٹکار ہے ایسے ظالم لوگوں پر! ﴿۴۱﴾ اس کے بعد ہم نے دوسری نسلیں پیدا کیں۔ ﴿۴۲﴾ کوئی اُمت نہ اپنے معین وقت سے پہلے جاسکتی ہے، نہ اُس کے بعد ٹھہر سکتی ہے۔ ﴿۴۳﴾ پھر ہم نے پے در پے اپنے پیغمبر بھیجے۔ جب بھی کسی قوم کے پاس اُس کا پیغمبر آتا تو وہ اُسے جھٹلاتے، چنانچہ ہم نے بھی ایک کے بعد ایک (کو ہلاک کرنے) کا سلسلہ باندھ دیا، اور اُنہیں قصہ کہانیاں بنا ڈالا۔ پھٹکار ہے اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے! ﴿۴۴﴾ پھر ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی ہارون کو اپنی نشانوں اور واضح ثبوت کے ساتھ فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو اُنہوں نے گھمنڈ کا مظاہرہ کیا، اور وہ بڑے تکبر والے لوگ تھے۔ ﴿۴۵﴾ چنانچہ کہنے لگے: ”کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں، حالانکہ اُن کی قوم ہماری غلامی کر رہی ہے؟“ ﴿۴۶﴾

(۱۸) یعنی تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے جس قوم کے لئے فنا ہونے کا جو وقت مقرر کر رکھا ہے، وہ اُس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔

(۱۹) حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی قوم بنی اسرائیل تھی جسے فرعون نے غلام بنایا ہوا تھا۔



فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ﴿٣٨﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣٩﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنُهُمَا إِلَى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿٤٠﴾ يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٤١﴾ وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿٤٢﴾ فَتَقَطُّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٤٣﴾ فَذَرُهُمْ فِي غَمَرَاتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٤٤﴾ أَيْحَسِبُونَ أَنَّنَا إِنْدُهُمْ بِهِ مِنْ مَّالٍ وَبَنِينَ ۖ لَا نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾

اس طرح انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا، اور آخر کار وہ بھی اُن لوگوں سے جا ملے جنہیں ہلاک کیا گیا تھا۔ ﴿۳۸﴾ اور موسیٰ کو ہم نے کتاب عطا فرمائی، تاکہ اُن کے لوگ رہنمائی حاصل کریں۔ ﴿۳۹﴾ اور مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کو اور اُن کی ماں کو ہم نے ایک نشانی بنایا، اور ان دونوں کو ایک ایسی بلندی پر پناہ دی جو ایک پرسکون جگہ تھی، اور جہاں صاف ستھرا پانی بہتا تھا۔ ﴿۴۰﴾ اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزوں میں سے (جو چاہو) کھاؤ، اور نیک عمل کرو۔ یقین رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، مجھے اُس کا پورا پورا علم ہے۔ ﴿۴۱﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی تمہارا دین ہے، (سب کے لئے) ایک ہی دین! اور میں تمہارا پروردگار ہوں، اس لئے دل میں (صرف) میرا رعب رکھو۔ ﴿۴۲﴾ پھر ہوا یہ کہ لوگوں نے اپنے دین میں باہم پھوٹ ڈال کر فرقے بنائے۔ ہر گروہ نے اپنے خیال میں جو طریقہ اختیار کر لیا ہے، اُسی پر لگن ہے۔ ﴿۴۳﴾ لہذا (اے پیغمبر!) ان کو ایک خاص وقت تک اپنی جہالت میں ڈوبا رہنے دو۔ ﴿۴۴﴾ کیا یہ لوگ اس خیال میں ہیں کہ ہم ان کو جو دولت اور اولاد دیئے جا رہے ہیں، تو اُن کو بھلائیاں پہنچانے میں جلدی دکھا رہے ہیں؟ نہیں، بلکہ ان کو حقیقت کا شعور نہیں ہے۔ ﴿۴۵﴾

(۲۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی کے طور پر بغیر باپ کے بیت اللحم کے مقام پر پیدا ہوئے تھے۔ بیت اللحم کا بادشاہ ان کا اور ان کی والدہ کا دشمن ہو گیا تھا، اس لئے حضرت مریم علیہا السلام کو وہاں سے نکل کر کسی ایسی جگہ اپنے آپ کو اور اپنے صاحبزادے کو چھپانا پڑا جہاں اُس بادشاہ کی پہنچ نہ ہو۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں ایک ایسی بلند جگہ پر پناہ دی جو اُن کے لئے پرسکون بھی تھی، اور وہاں چشمے کا پانی بھی بہتا تھا جو ان کی ضروریات پوری کر سکے۔

(۲۱) بہت سے کفار اپنے حق پر ہونے کی یہ دلیل دیتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بہت سامان و دولت دے رکھا ہے، ہماری اولاد بھی خوشحال ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہے، اور ہمیں آسندہ بھی خوشحال رکھے گا۔ اگر ناراض ہوتا تو یہ مال اور اولاد ہمیں میسر نہ ہوتا، یہ آیت اُن کا جواب دے رہی ہے، اور وہ یہ کہ دنیا میں مال و دولت مل جانا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ وہ کافروں اور نافرمانوں کو بھی رزق دیتا ہے۔ اس کے بجائے وہ اُن لوگوں سے خوش ہے، اور اُن کا انجام بہتر کرے گا جن کے حالات آیت نمبر ۵۷ تا ۶۰ میں بیان فرمائے گئے ہیں۔



إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۸﴾  
وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ  
رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿۶۰﴾ أُولَٰئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿۶۱﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا  
وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۶۲﴾ بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمَرَةٍ مِنْ هَذَا  
وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِمَّنْ دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عَمِلُونَ ﴿۶۳﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِمْ بِالْعَذَابِ إِذَا  
هُمْ يُجْرُونَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْعَلُوا الْيَوْمَ لَكُم مِّنَّا أَتَقْرَبُونَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُثَلِّي عَلَيْكُمْ  
فَكُنْتُمْ عَلَىٰ آعْقَابِكُمْ تُنْكِرُ صَوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِينَ ﴿۶۷﴾ بِهِ سُبُّرَاتِهِمْ يُجْرُونَ ﴿۶۸﴾ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ  
أَمْ جَاءَهُمْ مَّالٌ يَأْتِ آبَاءَهُمْ الْأَوَّلِينَ ﴿۶۹﴾

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے پروردگار کے رُعب سے ڈر رہتے ہیں، ﴿۵۷﴾ اور جو اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، ﴿۵۸﴾ اور جو اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے، ﴿۵۹﴾ اور وہ جو عمل بھی کرتے ہیں، اُسے کرتے وقت ان کے دل اس بات سے سہمے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے پروردگار کے پاس واپس جانا ہے، ﴿۶۰﴾ وہ ہیں جو بھلائیاں حاصل کرنے میں جلدی دکھا رہے ہیں، اور وہ ہیں جو اُن کی طرف تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ﴿۶۱﴾ اور ہم کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ کسی کام کی ذمہ داری نہیں دیتے، اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو (سب کا حال) ٹھیک ٹھیک بول دے گی، اور اُن پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۶۲﴾ لیکن ان کے دل اس بات سے غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور اس کے علاوہ اُن کی اور بھی کارستانیوں میں جو وہ کرتے رہتے ہیں ﴿۶۳﴾ یہاں تک کہ جب ہم اُن کے دولت مند لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیں گے تو وہ ایک دم بلبلا اٹھیں گے۔ ﴿۶۴﴾ آج بلبلاؤ نہیں، ہماری طرف سے تمہیں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ ﴿۶۵﴾ میری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی جاتی تھیں، تو تم اُلٹے پاؤں مڑ جاتے تھے، ﴿۶۶﴾ بڑے غرور سے اس (قرآن) کے بارے میں رات کو مجلسیں جما کر بے ہودہ باتیں کرتے تھے۔ ﴿۶۷﴾ بھلا کیا ان لوگوں نے اس کلام پر غور نہیں کیا، یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آگئی ہے جو ان کے پچھلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی؟ ﴿۶۸﴾

(۲۲) یعنی نیک عمل کرتے ہوئے بھی اُن کے دل میں کوئی بڑائی نہیں آتی، بلکہ وہ سہمے رہتے ہیں کہ اس عمل میں کوئی ایسی کوتاہی نہ رہ گئی ہو جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب بن جائے۔

(۲۳) یعنی کفر اور شرک کے علاوہ ان لوگوں کے اور بھی بہت سے بُرے کام ہیں جو وہ کرتے رہتے ہیں۔



أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿٢٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ  
وَأَكْثَرُهُم لِلْحَقِّ كِرْهُونَ ﴿٣٠﴾ وَلَوْ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ  
وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ﴿٣١﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا  
فَخَرَجَ رِبِّكَ خَيْرٌ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٣٢﴾ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٣٣﴾ وَإِنَّ  
الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنُكَيِّبُونَ ﴿٣٤﴾ وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ  
ضُرٍّ لَلْجَوَانِ طَعْيَانَهُمْ يَعْهَدُونَ ﴿٣٥﴾

یا یہ اپنے پیغمبر کو (پہلے سے) جانتے ہی نہیں تھے، اس وجہ سے ان کا انکار کر رہے ہیں؟ ﴿۲۹﴾ یا ان کا کہنا ہے کہ ان  
(پیغمبر) کو جنون لاحق ہو گیا ہے؟ نہیں، بلکہ (اصل وجہ یہ ہے کہ) یہ پیغمبران کے پاس حق لے کر آئے ہیں، اور ان میں  
سے اکثر لوگ حق کو پسند نہیں کرتے۔ ﴿۳۰﴾ اور اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہو جاتا تو آسمان اور زمین اور ان میں  
بسنے والے سب برباد ہو جاتے۔ نہیں، بلکہ ہم ان کے پاس خود ان کے لئے نصیحت کا سامان لے کر آئے ہیں، اور وہ ہیں  
کہ خود اپنی نصیحت سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۳۱﴾ یا (ان کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ) تم ان سے کوئی معاوضہ مانگ  
رہے ہو؟ تو (یہ بات بھی غلط ہے، اس لئے کہ) تمہارے پروردگار کا دیا ہوا معاوضہ (تمہارے لئے) کہیں بہتر ہے، اور  
وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ ﴿۳۲﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ تم تو انہیں سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہو، ﴿۳۳﴾ اور جو لوگ  
آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ راستے سے بالکل ہٹے ہوئے ہیں۔ ﴿۳۴﴾ اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور اُس تکلیف کو دور  
کر دیں جس میں یہ مبتلا ہیں تب بھی یہ بھٹکتے ہوئے اپنی سرکشی پر اڑے رہیں گے۔ ﴿۳۵﴾

﴿۲۳﴾ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سچائی اور امانت و دیانت سے واقف نہ ہوتا تو اُس کے دل میں آپ کی  
نبوت میں شک ہونا کم از کم شروع میں سمجھ میں آ سکتا تھا، لیکن یہ لوگ چالیس سال سے آپ کی سچائی اور اعلیٰ اخلاق و کردار کا کھلی  
آنکھوں مشاہدہ کرتے رہے ہیں، اور انہیں یقین سے معلوم ہے کہ آپ نے کبھی نہ جھوٹ بولا ہے، نہ کسی کو دھوکا دیا ہے، اس کے  
باوجود وہ آپ کو اس طرح جھٹلا رہے ہیں جیسے وہ آپ کے حالات سے کبھی واقف ہی نہیں تھے۔

﴿۲۵﴾ ان کے جھٹلانے کی نہ یہ وجہ ہے کہ آپ کوئی ایسی نئی بات لے کر آئے ہیں جو پچھلے انبیائے کرام لے کر نہ آئے ہوں، نہ آپ  
کے اعلیٰ اخلاق ان لوگوں سے پوشیدہ ہیں، اور نہ یہ سچ مچ آپ کو (معاذ اللہ) مجنون سمجھتے ہیں۔ اصل وجہ اس کے برعکس یہ ہے کہ حق کی  
جو بات آپ لے کر آئے ہیں، وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے، اس لئے اُسے جھٹلانے کے لئے مختلف بہانے بناتے رہتے ہیں۔  
﴿۲۶﴾ اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو جھنجھوڑنے کے لئے دو ایک مرتبہ انہیں قحط اور معاشی بد حالی میں مبتلا کیا۔ یہ آیت کسی ایسے ہی  
موقع پر نازل ہوئی تھی۔



وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ﴿۴۶﴾ حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ  
 بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذْ هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ  
 وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿۴۸﴾ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۴۹﴾  
 وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۵۰﴾ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا  
 قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿۵۱﴾ قَالُوا إِذَا مِثْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا إِنَّا لَبَعُوثُونَ ﴿۵۲﴾ لَقَدْ وَعَدْنَا  
 نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَذَا مِنْ قَبْلُ إِن هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۵۳﴾ قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ  
 فِيهَا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۵۴﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۖ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۵۵﴾

واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو (ایک مرتبہ) عذاب میں پکڑا تھا، تو اُس وقت بھی یہ لوگ اپنے پروردگار کے سامنے نہیں  
 جھکے۔ اور یہ تو عاجزی کی روش اختیار کرتے ہی نہیں ہیں۔ ﴿۴۶﴾ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب والا دروازہ کھول  
 دیں گے، تو یہ ایک دم اس میں مایوس ہو کر رہ جائیں گے۔ ﴿۴۷﴾

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کئے۔ (مگر) تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ ﴿۴۸﴾  
 اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا، اور اُسی کی طرف تمہیں اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا۔ ﴿۴۹﴾ اور وہی ہے جو  
 زندگی اور موت دیتا ہے، اور اُسی کے قبضے میں رات اور دن کی تبدیلیاں ہیں۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۵۰﴾  
 اس کے بجائے یہ لوگ بھی ویسی ہی باتیں کرتے ہیں جیسی پچھلے لوگوں نے کی تھیں۔ ﴿۵۱﴾ کہتے ہیں کہ: ”کیا جب ہم  
 مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہو جائیں گے، تو کیا واقعی ہمیں دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا؟“ ﴿۵۲﴾ یہ وہ  
 یقین دہانی ہے جو ہم سے بھی کی گئی ہے، اور اس سے پہلے ہمارے باپ دادوں سے بھی کی گئی تھی۔ اس کی کوئی حقیقت  
 اس کے سوا نہیں کہ یہ پچھلے لوگوں کے بنائے ہوئے افسانے ہیں۔ ﴿۵۳﴾ (اے پیغمبر! ذرا ان سے) کہو کہ: ”یہ ساری  
 زمین اور اُس میں بسنے والے کس کی ملکیت ہیں؟ بتاؤ اگر جانتے ہو۔“ ﴿۵۴﴾ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ: ”یہ سب کچھ اللہ کا  
 ہے۔“ کہو کہ: ”کیا پھر بھی تم سبق نہیں لیتے؟“ ﴿۵۵﴾

(۲۷) یہاں سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے مختلف مظاہر بیان فرما رہے ہیں جنہیں کفار مکہ بھی مانتے تھے۔ مقصد یہ ہے کہ جو  
 ذات اتنے عظیم اور حیرت انگیز کام کرنے پر قادر ہے، وہ انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیوں نہیں کر سکتی؟  
 (۲۸) کفار عرب مانتے تھے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے، اس کے باوجود مختلف خداؤں کے بھی قائل تھے۔



قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝۹۶ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۖ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝۹۷ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝۹۸ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۖ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ ۝۹۹ بَلْ أَتَيْنَهُم بِآلَاحٍ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝۱۰۰ مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ ۚ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ إِذْ أَذًا لِّذَهَبِ كُلِّ إِلَٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۖ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ۝۱۰۱ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝۱۰۲ قُلْ رَبِّ إِمَّا تُرِيدُنِي مَا يُوعَدُونَ ۝۱۰۳ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝۱۰۴ وَإِنَّا عَلَىٰ أَنْ نُزِيلَكَ مَانِعِدُهُمْ لَقَدِيرُونَ ۝۱۰۵ إِذْ فَعَمَّ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةِ ۖ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ۝۱۰۶

کہو کہ: ”سات آسمانوں کا مالک اور عالیشان عرش کا مالک کون ہے؟“ ۝۹۶ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ: ”یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔“ کہو کہ: ”کیا پھر بھی تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟“ ۝۹۷ کہو کہ: ”کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اختیار ہے، اور جو پناہ دیتا ہے، اور اُس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟ بتاؤ اگر جانتے ہو۔“ ۝۹۸ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ: ”سارا اختیار اللہ کا ہے۔“ کہو کہ: ”پھر کہاں سے تم پر کوئی جادو چل جاتا ہے؟“ ۝۹۹ نہیں، (یہ افسانے نہیں) بلکہ ہم نے انہیں حق بات پہنچائی ہے، اور یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔ ۝۱۰۰ نہ تو اللہ نے کوئی بیٹا بنایا ہے، اور نہ اُس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا، اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتے۔ پاک ہے اللہ ان باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں، ۝۱۰۱ وہ اللہ جسے تمام چھپی اور کھلی باتوں کا مکمل علم ہے۔ لہذا وہ ان کے شرک سے بہت بلند و بالا ہے۔ ۝۱۰۲ (اے پیغمبر!) دُعا کرو کہ: ”میرے پروردگار! جس عذاب کی دھمکی ان (کافروں) کو دی جا رہی ہے، اگر آپ اُسے میری آنکھوں کے سامنے لے آئیں، تو اے میرے پروردگار! مجھے ان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کیجئے گا۔“ ۝۱۰۳ اور یقین جانو کہ ہم جس چیز کی انہیں دھمکی دے رہے ہیں، اُسے تمہاری آنکھوں کے سامنے لانے پر پوری طرح قادر ہیں۔ ۝۱۰۴ (لیکن جب تک وہ وقت نہ آئے) تم برائی کا دفعیہ ایسے طریقے سے کرتے رہو جو بہترین ہو۔ ۝۱۰۵ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں، ہم خوب جانتے ہیں۔ ۝۱۰۶

(۲۹) یہ توحید کی تقریباً وہی دلیل ہے جو سورہ بنی اسرائیل (۴۲:۱۷) اور سورہ انبیاء (۲۲:۲۱) میں گزری ہے۔ تشریح کے لئے ان آیتوں کے حواشی ملاحظہ فرمائیے۔

(۳۰) یعنی ان کی بے ہودگیوں کا اور ان کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچ رہی ہیں اُن کا جواب حتی الامکان نرمی، خوش اخلاقی اور احسان سے دیئے جائیے۔



وَقُلْ رَبِّ اَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ ۝۹۸ ۝ وَاَعُوذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُونِ ۝۹۹ ۝ حَتَّىٰ اِذَا جَاءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ۝۱۰۰ ۝ لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۝۱۰۱ ۝ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝۱۰۲ ۝ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ۝۱۰۳ ۝ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝۱۰۴ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَاُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ۝۱۰۵ ۝ تَتَلَفَّحُ وُجُوهُهُمْ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كَالِحُونَ ۝۱۰۶ ۝ اَلَمْ تَكُنْ اِلٰهِي تَتْلٰى عَلَيْهِمْ فَاَنتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ۝۱۰۷ ۝ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ۝۱۰۸ ۝ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظَالِمُونَ ۝۱۰۹ ۝

اور دُعا کرو کہ: ”میرے پروردگار! میں شیطان کے لگائے ہوئے چرکوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، ۹۸ اور میرے پروردگار! میں اُن کے اپنے قریب آنے سے بھی آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔“ ۹۹ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آکھڑی ہوگی تو وہ کہے گا کہ: ”میرے پروردگار! مجھے واپس بھیج دیجئے، ۱۰۰ تاکہ جس دُنیا کو میں چھوڑ آیا ہوں، اُس میں جا کر نیک عمل کروں۔“ ہرگز نہیں! یہ تو ایک بات ہی بات ہے جو وہ زبان سے کہہ رہا ہے، اور ان (مرنے والوں) کے سامنے عالم برزخ کی آڑ ہے جو اُس وقت تک قائم رہے گی جب تک ان کو دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا جائے۔ ۱۰۱ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اُس دن نہ ان کے درمیان رشتے ناتے باقی رہیں گے، اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔ ۱۰۲ اُس وقت جن کے پلڑے بھاری نکلے، تو وہی ہوں گے جو فلاح پائیں گے، ۱۰۳ اور جن کے پلڑے ہلکے پڑ گئے، تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے لئے گھائے کا سودا کیا تھا، وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ۱۰۴ آگ اُن کے چہروں کو جھلس ڈالے گی، اور اُس میں اُن کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔ ۱۰۵ (اُن سے کہا جائے گا کہ:) ”کیا میری آیتیں تمہیں پڑھ کر سنائی نہیں جاتی تھیں؟ اور تم اُن کو جھٹلایا کرتے تھے۔“ ۱۰۶ وہ کہیں گے: ”ہمارے پروردگار! ہم پر ہماری بدبختی چھا گئی تھی، اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ ۱۰۷ ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے باہر نکال دیجئے، پھر اگر ہم دوبارہ وہی کام کریں تو بیشک ہم ظالم ہوں گے۔“ ۱۰۸

(۳۱) مرنے کے بعد سے قیامت تک مردہ جس عالم میں رہتا ہے، اُسے ”عالم برزخ“ کہا جاتا ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد تمہارا دُنیا میں واپس جانا ناممکن نہیں، کیونکہ تمہارے سامنے عالم برزخ ہے، جو قیامت تک باقی رہے گا۔  
(۳۲) دُنیا میں رشتہ دار اور دوست ایک دوسرے کے بارے میں یہ پوچھتے رہتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔ قیامت کا منظر اتنا ہولناک ہوگا کہ ہر شخص کو اپنی فکر پڑی ہوگی، اور اُسے اتنی فرصت نہیں ہوگی کہ وہ رشتہ داروں اور ملاقاتیوں کا حال معلوم کرے۔



قَالَ اخْسَوْا فِيهَا وَلَا تُكَلِّبُوا ۝۹۸ إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا  
وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ۝۹۹ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سَخِرِيًّا حَتَّىٰ أَنْسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنْتُمْ  
مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ۝۱۰۰ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا ۖ إِنَّهُمْ هُمُ الْفَآذِرُونَ ۝۱۰۱ قُلْ كَمْ لَبِثْتُمْ  
فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ۝۱۰۲ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسَلِّ الْعَادِيْنَ ۝۱۰۳ قُلْ إِنْ  
لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝۱۰۴ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا  
تُرْجَعُونَ ۝۱۰۵ فَتَعَلَّىٰ اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۖ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ۝۱۰۶ وَمَنْ يَدْعُ  
مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۖ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ ۚ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ۝۱۰۷  
وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ۝۱۰۸

اللہ فرمائے گا: ”اسی (دوزخ) میں ذلیل ہو کر پڑے رہو، اور مجھ سے بات بھی نہ کرو۔“ ۱۰۹ میرے بندوں میں سے ایک جماعت یہ دعا کرتی تھی کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، پس ہمیں بخش دیجئے، اور ہم پر رحم فرمائیے، اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والے ہیں“ ۱۱۰ تو تم نے ان لوگوں کا مذاق بنایا تھا۔ یہاں تک کہ اُن ہی (کے ساتھ چھیڑ چھاڑ) نے تمہیں میری یاد تک سے غافل کر دیا، اور تم اُن کی ہنسی اڑاتے رہے۔ ۱۱۱ انہوں نے جس طرح صبر سے کام لیا تھا، آج میں نے انہیں اُس کا یہ بدلہ دیا ہے کہ انہوں نے اپنی مراد پالی ہے۔“ ۱۱۲ (پھر) اللہ (ان دوزخیوں سے) فرمائے گا: ”تم زمین میں گنتی کے کتنے سال رہے؟“ ۱۱۳ وہ کہیں گے کہ: ”ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے۔“ (ہمیں پوری طرح یاد نہیں) اس لئے جنہوں نے (وقت کی) گنتی کی ہو، اُن سے پوچھ لیجئے۔“ ۱۱۴ اللہ فرمائے گا: ”تم تھوڑی مدت سے زیادہ نہیں رہے۔ کیا خوب ہوتا اگر یہ بات تم نے (اُس وقت) سمجھ لی ہوتی! ۱۱۵ بھلا کیا تم یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ ہم نے تمہیں یونہی بے مقصد پیدا کر دیا، اور تمہیں واپس ہمارے پاس نہیں لایا جائے گا؟“ ۱۱۶ غرض بہت اونچی شان ہے اللہ کی جو صحیح معنی میں بادشاہ ہے! اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عزت والے عرش کا مالک ہے۔ ۱۱۷ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور خدا کو پکارے، جس پر اُس کے پاس کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں، تو اُس کا حساب اُس کے پروردگار کے پاس ہے۔ یقین جانو کہ کافر لوگ فلاح نہیں پاسکتے۔ ۱۱۸ اور تم (اے پیغمبر!) یہ کہو کہ: ”میرے پروردگار! ہماری خطائیں بخش دے، اور رحم فرما دے، تو سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“ ۱۱۹



(۳۳) یعنی تمہارا جرم صرف یہی نہیں ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے حقوق پامال کئے، بلکہ نیک بندوں پر ظلم کر کے حقوق العباد بھی پامال کئے۔ اس دن کی ہولناک سزا سے تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا گیا تھا، مگر تم اس کا مذاق اڑاتے رہے، اس لئے اب تم کسی رعایت کے مستحق نہیں ہو۔

(۳۴) آخرت کا عذاب اتنا سخت ہوگا کہ اُس کے مقابلے میں دُنیا کی ساری زندگی اور اُس میں جو عیش و عشرت کئے تھے، وہ ان دوزخیوں کو ایک دن یا اُس سے بھی کم معلوم ہوں گے۔

(۳۵) یعنی اب تو تم نے خود دیکھ لیا کہ دُنیا کا عیش ایک دن کا نہ سہی، مگر آخرت کے مقابلے میں بہت تھوڑا سا تھا۔ یہی بات تم سے دُنیا میں کہی جاتی تھی تو تم اُسے ماننے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ کاش یہ حقیقت تم نے اُس وقت سمجھ لی ہوتی تو آج تمہارا یہ حشر نہ ہوتا۔

(۳۶) جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، اُن کے موقف کا لازمی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بے مقصد پیدا کر دی ہے۔ یہاں جس کے جو جی میں آئے کرتا رہے، اُس کا کوئی بدلہ کسی اور زندگی میں ملنے والا نہیں ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود اور اُس کی حکمت پر ایمان رکھتا ہو، اُس کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی غلط بات منسوب کرے، لہذا آخرت پر ایمان اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا منطقی تقاضا ہے۔

الحمد للہ! سورہ مؤمنون کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج شب جمعہ ۲۶ / صفر المظفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۶ / مارچ ۲۰۰۷ء کو کراچی میں تکمیل تک پہنچے، جبکہ سورت کا آغاز مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق بخشیں۔ آمین۔



# سُورَةُ النُّورِ

## تعارف

اس سورت کا مرکزی موضوع معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی کو روکنے اور عفت و عصمت کو فروغ دینے کے لئے ضروری ہدایات اور احکام دینا ہے۔ پچھلی سورت کے شروع میں مومنوں کی جو خصوصیات بیان فرمائی گئی تھیں، اُن میں سے ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی باعفت زندگی گزارتے ہیں۔ اب اس سورت میں باعفت زندگی گزارنے کے ضروری تقاضے بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ سورت کے شروع ہی میں زنا کی شرعی سزا بیان فرمائی گئی ہے، اور ساتھ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح زنا انتہائی گھناؤنا جرم ہے، اُسی طرح کسی بے گناہ پر شرعی ثبوت کے بغیر زنا کا الزام لگانا بھی نہ صرف سخت گناہ ہے، بلکہ اُس پر بھی سخت قانونی سزا مقرر فرمائی گئی ہے۔

غالب گمان یہ ہے کہ یہ سورت ہجرت کے بعد چھٹے سال نازل ہوئی۔ اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کے ایک قبیلے بنو المصطلق کے بارے میں یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ آپ پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر جمع کر رہا ہے۔ آپ نے اُس کے حملے سے پہلے ہی پیش قدمی کر کے اُس کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ اسی سفر سے واپسی پر منافقین نے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خلاف بڑی کمینگی کے ساتھ ایک بے بنیاد تہمت لگائی، اور اُسے مدینہ منورہ میں بڑے پیمانے پر شہرت دی جس سے کچھ مخلص مسلمان بھی متاثر ہو گئے۔ اس سورت کی آیات ۱۱ تا ۲۰ حضرت عائشہ کی براءت کا اعلان کرنے کے لئے نازل ہوئیں، اور جن لوگوں نے تہمت لگانے کا گھناؤنا جرم کیا تھا، اُن کو اور معاشرے میں عریانی و فحاشی پھیلانے والوں کو سخت عذاب کی وعیدیں سنائی گئیں۔ نیز عفت و عصمت کی حفاظت کے پہلے قدم کے طور پر خواتین کو پردے کے احکام بھی اسی سورت میں دیئے گئے ہیں، اور دوسروں کے گھر جانے کے لئے ضروری آداب و احکام کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔



۲۴ سُورَةُ النُّورِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۲ آیتها ۲۴ رکوعاتها ۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝۱ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَلَيَشْهَدَ عَذَابُهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝۲ الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً ۚ وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝۳ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝۴ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا ۚ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۵ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَرْوَاحَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ ۚ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝۶

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں چونسٹھ آیتیں اور نور کوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

یہ ایک سورت ہے جو ہم نے نازل کی ہے، اور جس (کے احکام) کو ہم نے فرض کیا ہے، اور اُس میں کھلی کھلی آیتیں نازل کی ہیں، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ ۱ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ، اور اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، تو اللہ کے دین کے معاملے میں اُن پر ترس کھانے کا کوئی جذبہ تم پر غالب نہ آئے۔ اور یہ بھی چاہئے کہ مؤمنوں کا ایک مجمع اُن کی سزا کو کھلی آنکھوں دیکھے۔ ۲ زانی مرد نکاح کرتا ہے تو زنا کار یا مشرک عورت ہی سے نکاح کرتا ہے، اور زنا کار عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہی مرد جو خود زانی ہو، یا مشرک ہو، اور یہ بات مؤمنوں کے لئے حرام کر دی گئی ہے۔ ۳ اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، تو اُن کو اسی کوڑے لگاؤ، اور اُن کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، اور وہ خود فاسق ہیں۔ ۴ ہاں جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں، اور (اپنی) اصلاح کر لیں، تو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔ ۵ اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں، اور خود اپنے سوا اُن کے پاس کوئی اور گواہ نہ ہوں تو ایسے کسی شخص کو جو گواہی دینی ہوگی وہ یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ بیان دے کہ وہ (بیوی پر لگائے ہوئے الزام میں) یقیناً سچا ہے۔ ۶



(۱) یہ وہ سزا ہے جو مرد یا عورت کے زنا کرنے پر قرآن کریم نے مقرر فرمائی ہے، اور جسے اصطلاح میں ”حد زنا“ کہا جاتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور اپنے عمل سے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اگر زنا کا ارتکاب کسی غیر شادی شدہ مرد یا عورت نے کیا ہو تب تو یہی سزا دی جائے گی، اور اگر اس جرم کا ارتکاب شادی شدہ مرد یا عورت نے کیا ہو، تو اُس کی سزا رجم یعنی سنگساری ہے۔ اس مسئلے کی مکمل تحقیق میری کتاب ”عدالتی فیصلے“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(۲) یعنی جو شخص بدکاری کا عادی ہو، اور اُس پر نہ شرمندہ ہو، نہ توبہ کرتا ہو، اُس کا مزاج ایسی ہی عورت سے ملتا ہے جو بدکار ہو، اس لئے اول تو وہ بدکاری ہی کی کوشش میں رہتا ہے، اور اگر نکاح کرنا پڑ جائے تو وہ نکاح بھی ایسی ہی بدکار عورت سے کرنا چاہتا ہے، چاہے وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح جو عورت اسی طرح کی عادی بدکار ہو اُس کا مزاج بھی بدکار مرد ہی سے ملتا ہے، اس لئے اُس سے نکاح وہی کرتا ہے جو خود بدکاری کا عادی رہا ہو، اور اُسے اس بات سے کوئی شرم محسوس نہ ہوتی ہو کہ اُس کی بیوی بدکاری میں ملوث ہے، اور وہ خود بھی ایسے ہی مرد کو پسند کرتی ہے، چاہے وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) یعنی بدکار مرد یا عورت کو نکاح کے لئے پسند کرنا مسلمانوں کے لئے حرام ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے لئے شریک زندگی تلاش کرتے وقت اُس کی نیکی اور پاک دامنی کا ضرور خیال رکھیں۔ یہ اور بات ہے کہ اگر کسی نے کسی بدکار مرد یا عورت سے نکاح کر لیا تو اُس نکاح کو باطل نہیں کہا جائے گا، اور اُس پر نکاح کے تمام احکام جاری ہوں گے، لیکن اس غلط انتخاب کا گناہ ضرور ہوگا۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ حکم اُن عادی بدکاروں کا ہے جنہوں نے اپنے اس گناہ سے توبہ نہ کی ہو۔ لیکن اگر کسی نے توبہ کر لی تو پھر اُس کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس آیت کی تشریح اس کے علاوہ بھی دوسرے طریقوں سے کی گئی ہے لیکن جو تشریح یہاں لکھی گئی ہے وہ آسان اور بے غبار ہے۔ حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی ”بیان القرآن“ میں اسی کو ترجیح دی ہے۔

(۴) جس طرح زنا ایک انتہائی گھناؤنا جرم ہے، اور اُس پر سزا بھی بڑی سخت رکھی گئی ہے، اسی طرح کسی بے گناہ پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کو بھی نہایت سنگین جرم قرار دیا گیا ہے، اور اُس کی سزا اُسی کوڑے مقرر کی گئی ہے۔ اس کو اصطلاح میں ”حد قذف“ کہا جاتا ہے۔

(۵) یہ بھی جھوٹی تہمت کی سزا کا ایک حصہ ہے کہ ایسی تہمت لگانے والے کی گواہی کسی بھی مقدمے میں قبول نہیں کی جائے گی۔

(۶) توبہ سے جھوٹی تہمت کا گناہ تو معاف ہو جائے گا، لیکن جو سزائیں اُوپر بیان کی گئی ہیں، وہ پھر بھی دی جائیں گی۔

(۷) اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو اُوپر جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے، اُس کی رُو سے اگر وہ چار گواہ نہ لاسکے تو اُس پر بھی اُسی کوڑوں کی سزا لاگو ہونی چاہئے تھی، لیکن میاں بیوی کے تعلقات کی خصوصی نوعیت کی وجہ سے اُن کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک الگ خصوصی طریقہ کار مقرر فرمایا ہے جسے اصطلاح میں ”لعان“ کہا جاتا ہے۔ یہ طریق کار ان آیات میں بیان ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں کو قاضی اُن الفاظ میں پانچ پانچ قسمیں کھانے کو کہے گا جو ان آیتوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور اس سے پہلے دونوں کو یہ ترغیب دے گا کہ آخرت کا عذاب دُنیا کی سزا سے زیادہ سخت ہے، اس لئے جھوٹی قسم کھانے کے بجائے اصل حقیقت کا اعتراف کر لو۔ اگر بیوی قسم کھانے کے بجائے اپنے جرم کا اعتراف کر لے تو اُس پر زنا کی حد جاری ہوگی، اور اگر شوہر قسم کھانے کے بجائے یہ اعتراف کر لے کہ اُس نے جھوٹا الزام لگایا تھا تو اُس پر وہ حد قذف جاری ہوگی جو آیت نمبر ۴ میں بیان ہوئی ہے۔ اور اگر دونوں قسم کھالیں تو کسی پر دُنیا میں سزا جاری نہیں ہوگی، البتہ اس کے بعد قاضی دونوں کے درمیان نکاح فسخ کر دے گا۔ اور اگر کوئی بچہ پیدا ہوا اور شوہر اُسے اپنا بچہ ماننے سے انکار کرے تو وہ صرف ماں کی طرف منسوب ہوگا۔



وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ۝ إِنْ الَّذِينَ جَاءُوا بِآلِ فُلِكَ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۖ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ لَوْ لَا إِذْ سَعَيْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا ۖ وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ۝ لَوْ لَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ ۚ فَوَلَّيْكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ۝ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا ۖ وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ۝

اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ: ”اگر میں (اپنے الزام میں) جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔“ ۵ اور عورت سے (زنا کی) سزا دور کرنے کا راستہ یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ اُس کا شوہر (اس الزام میں) جھوٹا ہے۔ ۶ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ: ”اگر وہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔“ ۷ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ کثرت سے توبہ قبول کرنے والا، حکمت والا ہے (تو خود سوچ لو کہ تمہارا کیا بنتا؟)۔ ۸ یقین جانو کہ جو لوگ یہ جھوٹی تہمت گھڑ کر لائے ہیں، وہ تمہارے اندر ہی کا ایک ٹولہ ہے۔ تم اس بات کو اپنے لئے بُرا نہ سمجھو، بلکہ یہ تمہارے لئے بہتر ہی بہتر ہے۔ ان لوگوں میں سے ہر ایک کے حصے میں اپنے کئے کا گناہ آیا ہے۔ اور ان میں سے جس شخص نے اس (بہتان) کا بڑا حصہ اپنے سر لیا ہے، اُس کے لئے تو زبردست عذاب ہے۔ ۹ جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی، تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ مؤمن مرد بھی اور مؤمن عورتیں بھی اپنے بارے میں نیک گمان رکھتے اور کہہ دیتے کہ یہ کھلم کھلا جھوٹ ہے؟ ۱۰ وہ (بہتان لگانے والے) اس بات پر چار گواہ کیوں نہیں لے آئے؟ اب جبکہ وہ گواہ نہیں لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ ۱۱ اور اگر تم پر دُنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے، اُن کی وجہ سے تم پر اُس وقت سخت عذاب آپڑتا، ۱۲ جب تم اپنی زبانوں سے اس بات کو ایک دوسرے سے نقل کر رہے تھے، اور اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہیں تھا، اور تم اس بات کو معمولی سمجھ رہے تھے، حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بڑی سنگین بات تھی۔ ۱۳



(۸) یعنی لعان کا جو طریق کار مقرر کیا گیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے، ورنہ اگر میاں بیوی کے درمیان بھی وہی قاعدہ جاری ہوتا کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو بدکاری میں مبتلا دیکھے تو اُس وقت تک زبان نہ کھولے جب تک چار گواہ میسر نہ ہوں، ورنہ خود اُس کو اُستی کوڑے لگائے جائیں گے تو سخت دُشواری کا سامنا ہوتا۔

(۹) یہاں سے آیت نمبر ۲۶ تک جس واقعے کی طرف اشارہ ہے، اُس کا پس منظر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد اسلام کو جو تیز رفتار فروغ حاصل ہوا، اُس پر کفر کی طاقتیں دانت پیس رہی تھیں۔ خود مدینہ منورہ میں اُن منافقوں کا ایک گروہ موجود تھا جو زبان سے تو اسلام لے آئے تھے، لیکن اُن کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے خلاف کینہ بھرا ہوا تھا، اور وہ مسلمانوں کو بدنام کرنے اور تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع چھوڑتے نہیں تھے۔ اسی زمانے میں غزوہ بنو المصطلق پیش آیا جس میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ واپسی کے سفر میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا تو حضرت عائشہ کا ایک ہار گم ہو گیا، اور وہ اُس کی تلاش میں جنگل کی طرف نکل گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کا علم نہیں تھا، اس لئے آپ نے لشکر کو روانہ ہونے کا حکم دے دیا، اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو قافلہ جاچکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ذہانت اور تحمل کا غیر معمولی مقام عطا فرمایا تھا، وہ پریشان ہو کر ادھر ادھر جانے کے بجائے اُسی جگہ بیٹھ گئیں جہاں سے روانہ ہوئی تھیں، کیونکہ اُنہیں یقین تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اُن کی غیر موجودگی کا احساس ہوگا تو آپ اُن کی تلاش میں اُسی جگہ یا تو خود تشریف لائیں گے یا کسی کو بھیجیں گے۔ قافلوں کا ایک دستوریہ تھا کہ ایک شخص کو قافلے کے بالکل پیچھے اس طرح رکھا جاتا تھا کہ قافلے کی روانگی کے بعد وہ یہ دیکھتا ہوا آئے کہ کوئی چیز گری پڑی تو نہیں رہ گئی ہے۔ اس قافلے میں آپ نے حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مقرر فرمایا تھا۔ وہ جب اُس جگہ سے گزرے جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں تو اُنہیں اس سانحے کا علم ہوا، اور پھر اُنہوں نے اپنا اونٹ اُمّ المؤمنین کو پیش کیا، جس پر سوار ہو کر وہ مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔ اس واقعے کو منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے ایک بتنگڑ بنالیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تنہا صفوان بن معطل کے ساتھ سفر کیا ہے، اور اس کی وجہ سے آپ پر وہ گھناؤنی تہمت لگائی جسے زبان سے نکالنا بھی ایک غیرت مند مسلمان کے لئے مشکل ہے۔ عبداللہ بن ابی نے اس تہمت کو اتنی شہرت دی کہ دو تین سادہ لوح مسلمان بھی اس کے فریب میں آ گئے، اور اس طرح کئی دن تک یہ بے سرو پا باتیں لوگوں میں پھیلانی جاتی رہیں۔ بالآخر سورہ نور کی یہ آیات نازل ہوئیں جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مکمل برائت ظاہر کرنے کے ساتھ اُن لوگوں کو سخت وعیدیں سنائیں جو اس سازش کے کرتا دھرتا تھے۔

(۱۰) یعنی اگرچہ بظاہر یہ واقعہ بڑا تکلیف دہ تھا، لیکن انجام کے لحاظ سے تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے، اول تو اس لئے کہ اس کے ذریعے وہ لوگ بے نقاب ہو گئے جو خانوادہ نبوت کے خلاف سازشیں کرتے تھے، دوسرے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقام بلند لوگوں پر ظاہر ہوا، تیسرے اس واقعے سے مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچی، اُس پر انہیں بڑا ثواب ہوا۔

(۱۱) اس سے مراد منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی ہے جس نے یہ ساری سازش تیار کی تھی۔

(۱۲) اگرچہ اکثر مخلص مسلمان اس تہمت کو جھوٹ ہی سمجھتے تھے، لیکن مجلسوں میں اس کا تذکرہ ہونے لگا تھا۔ اس آیت نے بتایا کہ اس طرح کی بے بنیاد اور بے دلیل باتوں کا تذکرہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔



وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا ۖ سُبْحَنَكَ هَذَا ابْهَتَانٌ عَظِيمٌ ﴿۱۶﴾  
يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِلْإِثْلَةِ ۖ أَبَدًا ۚ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۖ وَاللَّهُ  
عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُجِبُونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ  
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ  
وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۲۰﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوتَ الشَّيْطَانِ ۖ وَمَنْ يَتَّبِعْ  
خُطُوتَ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۖ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا  
مِنْكُمْ مَن أَحَدٌ أَبَدًا ۖ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ سَبِيْعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَأْتِلْ أُولُو  
الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِيَ الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ  
وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۖ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۲﴾

اور جس وقت تم نے یہ بات سنی تھی، اُسی وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ: ”ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم یہ بات منہ سے نکالیں، یا اللہ! آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، یہ تو بڑا زبردست بہتان ہے۔“ ﴿۱۶﴾ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا، اگر واقعی تم مؤمن ہو۔ ﴿۱۷﴾ اور اللہ تمہارے سامنے ہدایت کی باتیں صاف صاف بیان کر رہا ہے۔ اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۱۸﴾ یاد رکھو کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، اُن کے لئے دُنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔ ﴿۱۹﴾ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت تمہارے شامل حال ہے، اور اللہ بڑا شفیق، بڑا مہربان ہے (تو تم بھی نہ بچتے) ﴿۲۰﴾ اے ایمان والو! تم شیطان کے پیچھے نہ چلو، اور اگر کوئی شخص شیطان کے پیچھے چلے، تو شیطان تو ہمیشہ بے حیائی اور بدی کی تلقین کرے گا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک صاف نہ ہوتا، لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے، پاک صاف کر دیتا ہے، اور اللہ ہر بات سنتا، ہر چیز جانتا ہے۔ ﴿۲۱﴾ اور تم میں سے جو لوگ اہل خیر ہیں اور مالی وسعت رکھتے ہیں، وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے، اور انہیں چاہئے کہ معافی اور درگزر سے کام لیں۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ اللہ تمہاری خطائیں بخش دے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۲۲﴾

(۱۳) جو دو تین مخلص مسلمان اپنی سادہ لوحی سے منافقوں کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے تھے، اُن میں ایک مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جو مہاجر صحابی تھے، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رشتہ دار بھی تھے۔ حضرت صدیق اکبر اُن کی مالی مدد



إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغُفْلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لَعُنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَ لَا يُؤْفِكُهُمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾ الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ أُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ﴿٢٦﴾ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٧﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ غَيْرِ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ﴿٢٨﴾ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٢٩﴾

یاد رکھو کہ جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی مسلمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، اُن پر دنیا اور آخرت میں پھٹکار پڑ چکی ہے، اور اُن کو اُس دن زبردست عذاب ہوگا ﴿۲۳﴾ جس دن خود اُن کی زبانیں، اُن کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں اُن کے خلاف اُس کر تو ت کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے رہے ہیں۔ ﴿۲۴﴾ اُس دن اللہ اُن کو وہ بدلہ پورا پورا دیدے گا جس کے وہ مستحق ہیں، اور اُن کو پتہ چل جائے گا کہ اللہ ہی حق ہے، اور وہی ساری بات کھول دینے والا ہے۔ ﴿۲۵﴾ گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہیں، اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق۔ اور پاکباز عورتیں پاکباز مردوں کے لائق ہیں، اور پاکباز مرد پاکباز عورتوں کے لائق۔ ﴿۲۶﴾ یہ (پاکباز مرد اور عورتیں) اُن باتوں سے بالکل مبرا ہیں جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔ اُن (پاکبازوں) کے حصے میں تو مغفرت ہے اور باعزت رزق۔ ﴿۲۷﴾ اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اُس وقت تک داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو، اور اُن میں بسنے والوں کو سلام نہ کرلو۔ یہی طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے، اُمید ہے کہ تم خیال رکھو گے۔ ﴿۲۸﴾

فرمایا کرتے تھے۔ جب ان کو پتہ چلا کہ مسطح رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عائشہؓ کے خلاف ایسی باتیں کی ہیں تو انہوں نے قسم کھالی کہ میں آئندہ ان کی مالی مدد نہیں کروں گا۔ حضرت مسطح سے غلطی ضرور ہو گئی تھی، لیکن پھر انہوں نے سچے دل سے توبہ بھی کر لی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں متنبہ فرمایا کہ اُن کی مالی مدد نہ کرنے کی قسم کھانا ٹھیک نہیں ہے۔ جب انہوں نے توبہ کر لی ہے تو ان کو معاف کر دینا چاہئے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے نزول کے بعد اُن کی مالی امداد دوبارہ جاری کر دی، اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا، اور فرمایا کہ آئندہ کبھی اس امداد کو بند نہیں کروں گا۔

﴿۱۳﴾ اشارہ فرمادیا گیا کہ اس کائنات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پاکباز شخصیت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ اس اصول کے تحت یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زوجیت میں کسی ایسی خاتون کو لائے جو (معاذ اللہ) پاکباز نہ ہو۔ کوئی شخص اسی بات پر غور کر لیتا تو اُس پر اس تہمت کی حقیقت واضح ہو جاتی۔

﴿۱۵﴾ یہاں سے معاشرے میں بے حیائی پھیلنے کے بنیادی اسباب پر پہرہ بٹھانے کے لئے کچھ احکام دیئے جا رہے ہیں۔ ان



فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا  
فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا  
غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ  
يَعْزُومُنْ أَبْصَارُهُمْ وَيَحْفَظُوا أَرْوَاجَهُمْ ۗ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿۳۰﴾

اور اگر تم اُن گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تب بھی اُن میں اُس وقت تک داخل نہ ہو جب تک تمہیں اجازت نہ دے دی جائے۔ اور اگر تم سے کہا جائے کہ: ”واپس چلے جاؤ“ تو واپس چلے جاؤ۔ یہی تمہارے لئے پاکیزہ ترین طریقہ ہے، اور تم جو عمل بھی کرتے ہو، اللہ کو اُس کا پورا پورا علم ہے۔ ﴿۲۸﴾ تمہارے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم ایسے گھروں میں (اجازت لئے بغیر) داخل ہو جن میں کوئی رہتا نہ ہو، اور اُن سے تمہیں فائدہ اٹھانے کا حق ہو۔ اور تم جو کام علانیہ کرتے ہو، اور جو چھپ کر کرتے ہو، اللہ اُن سب کو جانتا ہے۔ ﴿۲۹﴾ مؤمن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہی اُن کے لئے پاکیزہ ترین طریقہ ہے۔ وہ جو کارروائیاں کرتے ہیں، اللہ اُن سب سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۳۰﴾

میں سب سے پہلا حکم یہ دیا گیا ہے کہ کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اُس سے اجازت لینا ضروری ہے۔ اس میں ایک تو حکمت یہ ہے کہ کسی دوسرے کے گھر میں بے جا مداخلت نہ ہو جس سے اُسے تکلیف پہنچے۔ دوسرے بلا اجازت کسی کے گھر میں چلے جانے سے بے حیائی کو بھی فروغ مل سکتا ہے۔ اور اجازت لینے کا طریقہ بھی یہ بتایا گیا ہے کہ باہر سے ”السلام علیکم“ کہا جائے، یا اگر یہ خیال ہو کہ گھر والا سلام نہیں سن سکے گا، اور اجازت دستک دے کر یا گھنٹی بجا کر لی جا رہی ہے تو جب گھر والا سامنے آجائے اُس وقت اُسے سلام کیا جائے۔

﴿۱۶﴾ یعنی اگر کوئی گھر کسی اور کا ہے اور بظاہر خالی معلوم ہو رہا ہے، تب بھی اُس میں بلا اجازت داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ اول تو ممکن ہے کہ وہ اندر موجود ہو، اور نظر نہ آ رہا ہو، اور اگر موجود نہ بھی ہو تو کسی اور کے گھر میں اُس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

﴿۱۷﴾ اس سے مراد وہ عوامی مقامات ہیں جو کسی ایک شخص یا اشخاص کی ملکیت نہیں ہوتے، بلکہ عوام کو اُن سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہوتی ہے، مثلاً عوامی مسافر خانے، ہوٹل کے بیرونی حصے، ہسپتال، ڈاک خانے، پارک، مدرسے، وغیرہ۔ اجازت طلب کرنے کے مفصل احکام کے لئے ان آیات کے تحت ”معارف القرآن“ کی طرف رجوع کیا جائے جس میں یہ اہم احکام بڑے شرح و بسط کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔



وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُرُجِهِنَّ عَلَى خُيُوبِهِنَّ<sup>(۱۸)</sup> وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ نِسَاءِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ<sup>(۱۹)</sup> وَالتَّابِعِينَ غَيْرَ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ وَالْطُّفُلَ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ<sup>(۲۰)</sup> وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ<sup>(۲۱)</sup> وَتَوْبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ<sup>(۲۲)</sup>

وَأَنْتُمْ حَوَالِيَ مَوَاطِنِكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ<sup>(۲۳)</sup> إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ<sup>(۲۴)</sup> وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ<sup>(۲۵)</sup>

اور مؤمن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی سجاوٹ کو کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اُس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے، اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں، اور اپنی سجاوٹ اور کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے شوہروں کے، یا اپنے باپ، یا اپنے شوہروں کے باپ کے، یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے، یا اپنی عورتوں کے، یا اُن کے جو اپنے ہاتھوں کی ملکیت میں ہیں، یا اُن خدمت گزاروں کے جن کے دل میں کوئی (جنسی) تقاضا نہیں ہوتا، یا اُن بچوں کے جو ابھی عورتوں کے چھپے ہوئے حصوں سے آشنا نہیں ہوئے۔ اور مسلمان عورتوں کو چاہئے کہ وہ اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ ماریں کہ اُنہوں نے جو زینت چھپا رکھی ہے، وہ معلوم ہو جائے۔ اور اے مؤمنو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔<sup>(۲۶)</sup> تم میں سے جن (مردوں یا عورتوں) کا اس وقت نکاح نہ ہو، اُن کا بھی نکاح کراؤ، اور تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نکاح کے قابل ہوں، اُن کا بھی۔ اگر وہ تنگ دست ہوں تو اللہ اپنے فضل سے اُنہیں بے نیاز کر دے گا۔ اور اللہ بہت وسعت والا ہے، سب کچھ جانتا ہے۔<sup>(۲۷)</sup>

(۱۸) سجاوٹ سے مراد جسم کے وہ حصے ہیں جن پر زیور پہنا جاتا ہے، یا خوشنما کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ لہذا اس آیت کریمہ نے عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ غیر محرم مردوں کے سامنے اپنا پورا جسم کسی ایسی چادر یا برقع سے چھپائیں جو ان کے سجاوٹ کے مقامات کو چھپالے۔ البتہ ان مقامات میں سے کوئی حصہ کام کاج کے دوران بے اختیار کھل جائے، یا کسی ضرورت کی وجہ سے کھولنا پڑے تو اُسے یہ کہہ کر مستثنیٰ کر دیا گیا ہے کہ ”سوائے اُس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے۔“ تفسیر ابن جریر کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد وہ چادر ہے جو عورت نے اوڑھی ہوئی ہو کہ اُس کو چھپانا



ممکن نہیں ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ضرورت کے وقت عورت کو اگر اپنا چہرہ اور ہتھیلیوں تک ہاتھ کھولنے پڑیں تو اس آیت نے اُس کی بھی اجازت دی ہے۔ لیکن چونکہ چہرہ ہی عورت کے حسن کا اصل مرکز ہوتا ہے، اس لئے عام حالات میں اُس کو بھی چھپانے کا حکم ہے جیسا کہ سورہ احزاب (۵۹:۳۳) میں بیان فرمایا گیا ہے، البتہ صرف ضرورت کے مواقع پر اُسے کھولنے کی اجازت ہے، اور اُس حالت میں بھی مردوں کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، جیسا کہ پچھلی آیت میں گذرا۔

(۱۹) یہاں سے اُن افراد کی فہرست دی جا رہی ہے جن سے عورتوں کو پردہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲۰) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں، لہذا غیر مسلم عورتوں سے بھی پردہ ضروری ہے، لیکن چونکہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ غیر مسلم عورتیں ازواجِ مطہرات کے پاس جایا کرتی تھیں، اس لئے امام رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ ”اپنی عورتوں“ سے مراد اپنے میل جول کی عورتیں ہیں، چاہے مسلمان ہوں یا کافر۔ اُن سے پردہ واجب نہیں ہے (معارف القرآن)۔

(۲۱) اس سے مراد باندیاں ہیں، چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ اور بعض فقہاء نے اپنے غلاموں کو بھی اس میں شامل قرار دیا ہے، یعنی اُن سے پردہ نہیں ہے۔

(۲۲) قرآن کریم میں اصل لفظ ”تابعین“ استعمال ہوا ہے، اس کے معنی ایسے لوگ ہیں جو کسی دوسرے کے تابع ہوں۔ اکثر مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اُس زمانے میں کچھ بے عقل قسم کے لوگ ایسے ہوتے تھے جو کسی گھروالے کے اس لئے پیچھے لگ جاتے تھے کہ وہ انہیں کھانا کھلا دے، یا کسی مہمان کے طفیلی بن کر کسی کے گھر میں چلے جاتے تھے، اور کھانے کے سوا انہیں کسی سے سروکار نہیں ہوتا تھا، اور نہ ان میں کوئی جنسی خواہش ہوتی تھی۔ البتہ امام شعمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ نوکر چاکر ہیں جو اتنے بوڑھے ہو چکے ہوں کہ اُن کے دل میں عورتوں کی طرف کوئی میلان باقی نہ رہا ہو (تفسیر ابن جریر)۔

(۲۳) یعنی وہ نابالغ بچے جن کو ابھی مرد و عورت کے جنسی تعلقات کا کچھ پتہ ہی نہ ہو۔

(۲۴) یعنی اگر پاؤں میں پازیب پہنی ہوئی ہے تو اس طرح نہ چلیں کہ پازیب کی آواز سنائی دے، یا زیوروں کے ایک دوسرے سے ٹکرا کر بجھنے کی آواز غیر محرم مرد سنیں۔

(۲۵) اس سورت میں جہاں بے حیائی اور بدکاری کو روکنے کے لئے مختلف احکام دیئے گئے ہیں، وہاں انسان کی فطرت میں جو جنسی خواہش موجود ہے، اُس کو حلال طریقے سے پورا کرنے کی ترغیب بھی دی گئی ہے، چنانچہ اس آیت میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ جو بالغ مرد و عورت نکاح کے قابل ہوں، تمام متعلقین کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اُن کا نکاح ہو جائے، اور یہ اندیشہ نہ کرنا چاہئے کہ اگرچہ اس وقت تو وسعت موجود ہے، لیکن نکاح کے نتیجے میں بیوی بچوں کا خرچ زیادہ ہونے کی وجہ سے کہیں مفلسی نہ ہو جائے، بلکہ جب اس وقت نکاح کی وسعت موجود ہے تو اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر نکاح کر لینا چاہئے۔ پاک دامنی کی نیت سے نکاح کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ آئندہ اخراجات کا بھی مناسب انتظام فرما دے گا۔ البتہ اگلی آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جن کے پاس اس وقت بھی نکاح کی وسعت نہیں ہے۔ اُن کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان میں وسعت پیدا کرے، اُس وقت تک وہ پاک دامنی کے ساتھ رہیں۔



وَلَيْسَتَعْفِیَ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ  
الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۚ وَآتُوهُمْ مِّنْ مَّالِ اللَّهِ  
الَّذِي آتَاكُمْ ۖ وَلَا تَكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَادْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ  
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَمَنْ يُكْرِهْنَهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ  
أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبِينَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً  
لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۴﴾

اور جن لوگوں کو نکاح کے مواقع میسر نہ ہوں، وہ پاک دامنی کے ساتھ رہیں، یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں  
بے نیاز کر دے۔ اور تمہاری ملکیت کے غلام باندیوں میں سے جو مکاتبت کا معاہدہ کرنا چاہیں، اگر ان میں بھلائی  
دیکھو تو ان سے مکاتبت کا معاہدہ کر لیا کرو، اور (مسلمانو!) اللہ نے تمہیں جو مال دے رکھا ہے، اُس میں سے ایسے  
غلام باندیوں کو بھی دیا کرو۔ اور اپنی باندیوں کو دنیوی زندگی کا ساز و سامان حاصل کرنے کے لئے بدکاری پر مجبور نہ کرو  
جبکہ وہ پاک دامنی چاہتی ہوں۔ اور جو کوئی انہیں مجبور کرے گا تو ان کو مجبور کرنے کے بعد اللہ (ان باندیوں کو) بہت  
بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۳۴﴾

اور ہم نے وہ آیتیں بھی اتار کر تم تک پہنچادی ہیں جو ہر بات کو واضح کرنے والی ہیں، اور ان لوگوں کی مثالیں بھی جو تم  
سے پہلے گزر چکے ہیں، اور وہ نصیحت بھی جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے کارآمد ہے۔ ﴿۳۴﴾

(۲۶) جب غلاموں اور باندیوں کا رواج تھا، اُس وقت وہ اپنے آقاؤں سے یہ معاملہ کر لیتے تھے کہ وہ ایک طے شدہ رقم کما کر  
اپنے آقاؤں کو دیں گے جس کے بعد وہ آزاد ہو جائیں گے۔ یہ معاملہ ”مکاتبت“ کہلاتا ہے۔ اس آیت نے آقاؤں کو یہ ترغیب  
دی ہے کہ جب ان کے غلام یا باندیاں ان سے یہ معاملہ کرنا چاہیں تو انہیں قبول کر لینا چاہئے، اور دوسرے مسلمانوں کو یہ ترغیب  
دی ہے کہ وہ ایسے غلاموں اور باندیوں کی مالی مدد کریں، تاکہ وہ آزادی حاصل کر سکیں۔

(۲۷) جاہلیت میں یہ بھی رواج تھا کہ لوگ اپنی کنیزوں سے عصمت فروشی کراتے، اور اس طرح ان کو بدکاری پر مجبور کر کے پیسہ  
کماتے تھے۔ اس آیت نے اس گھناؤنی رسم کو شدید گناہ قرار دے کر اُسے ختم کیا۔

(۲۸) یعنی جس کنیز کو اُس کی مرضی کے خلاف بدکاری پر مجبور کیا گیا، اُس کو مجبور ہونے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں ہوگا، بشرطیکہ اُس  
نے بدکاری سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی ہو، نیز اُسے بدکاری کی شرعی سزا بھی نہیں دی جائے گی، البتہ بدکاری کی سزا اُس کو ملے  
گی جس نے اُس سے بدکاری کی، نیز اُس آقا کو بھی تعزیری سزا ہوگی جس نے اُسے عصمت فروشی پر مجبور کیا۔



اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ مِثْلُ نُورِ كِشْكُوَةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۖ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ ۖ  
 الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ ۗ  
 يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۖ نُورٌ عَلَى نُورٍ ۗ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ ۖ  
 وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۖ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (۲۹)

اللہ تمام آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (۲۹) اُس کے نور کی مثال کچھ یوں ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں چراغ رکھا ہو،  
 چراغ ایک شیشے میں ہو۔ شیشہ ایسا ہو جیسے ایک ستارا، موتی کی طرح چمکتا ہو! وہ چراغ ایسے برکت والے درخت یعنی  
 زیتون سے روشن کیا جائے جو نہ (صرف) مشرقی ہو نہ (صرف) مغربی، ایسا لگتا ہو کہ اُس کا تیل خود ہی روشنی دیدے گا،  
 چاہے اُسے آگ بھی نہ لگے۔ نور بالائے نور! اللہ اپنے نور تک جسے چاہتا ہے، پہنچا دیتا ہے، اور اللہ لوگوں کے فائدے  
 کے لئے تمثیلیں بیان کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (۳۰)

(۲۹) اس جملے کا سادہ مطلب یہ ہے کہ آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات کو ہدایت کا نور پہنچانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔  
 البتہ امام غزالی نے اس آیت کی تشریح میں ایک مستقل مقالہ لکھا ہے جس میں اس فقرے کا مطلب بڑے لطیف فلسفیانہ انداز  
 میں سمجھایا ہے، اُن کی یہ پوری بحث امام رازی نے بھی اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت نقل فرمائی ہے جو اہل علم کے لئے  
 قابل دید ہے۔

(۳۰) امام رازی فرماتے ہیں کہ اگرچہ سورج کی روشنی ایک چراغ کی روشنی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، لیکن یہاں اللہ تعالیٰ  
 کے نور ہدایت کی مثال سورج کے بجائے چراغ سے اس لئے دی گئی ہے کہ یہاں مقصود اُس ہدایت کی مثال دینا ہے جو  
 گمراہی کے اندھیروں کے عین درمیان راستہ دکھائے، اور چراغ ہمیشہ اندھیرے کے پیچوں بچ روشنی پیدا کرتا ہے، اس کے  
 برعکس سورج کی موجودگی میں کوئی اندھیرا باقی نہیں رہتا، اس لئے اندھیرے سے اُس کا تقابل ساتھ ساتھ ظاہر نہیں ہوتا  
 (تفسیر کبیر)۔

(۳۱) یعنی سورج چاہے مشرق میں ہو یا مغرب میں، اُس کی دُھوپ اُس درخت کو ہر حال میں پہنچتی ہو۔ ایسے درخت کا پھل  
 اچھی طرح پکتا ہے، اور اُس کا تیل بھی زیادہ شفاف ہوتا ہے۔

(۳۲) پکے ہوئے زیتون کا تیل اگر خالص ہو تو خود اُس میں اتنی چمک ہوتی ہے کہ وہ دُور سے روشن معلوم ہوتا ہے۔



فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ ۖ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۚ  
 رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ۚ  
 يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ ۚ وَالْآبُصَارُ ۚ لِيَجْزِيَ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا  
 وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

جن گھروں کے بارے میں اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اُن کو بلند مقام دیا جائے، اور اُن میں اُس کا نام لے کر ذکر کیا جائے،  
 اُن میں صبح و شام وہ لوگ تسبیح کرتے ہیں جنہیں کوئی تجارت یا کوئی خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے نہ نماز  
 قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ دینے سے۔ وہ اُس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور نگاہیں الٹ پلٹ کر رہ  
 جائیں گی۔ (۳۳) - (۳۴) نتیجہ یہ ہے کہ اللہ ان لوگوں کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے گا، اور اپنے فضل سے مزید کچھ اور  
 بھی دے گا، اور اللہ جس کو چاہتا ہے، بے حساب دیتا ہے۔ (۳۵)

(۳۳) پچھلی آیت میں یہ بیان تھا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، نور ہدایت تک پہنچا دیتا ہے۔ اب اُن لوگوں کی خصوصیات بیان  
 فرمائی جا رہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نور ہدایت تک پہنچایا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ مسجدوں اور عبادت  
 گاہوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔ یہ مسجدیں اور عبادت گاہیں ایسے گھر ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ ان  
 کو بلند مرتبہ دے کر اُن کی تعظیم کی جائے۔ پھر یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ ان عبادت گاہوں میں عبادت کرنے والے دنیا کو بالکل  
 چھوڑ کر نہیں بیٹھتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق معاشی کاروبار میں حصہ لے کر تجارت اور خرید و فروخت بھی کرتے ہیں، لیکن یہ  
 تجارتی سرگرمیاں اُن کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اُس کے احکام کی اطاعت سے غافل نہیں کرتیں۔ چنانچہ وہ اپنے وقت پر نماز بھی قائم  
 کرتے ہیں، زکوٰۃ بھی دیتے ہیں، اور کسی وقت اس حقیقت سے بے پروا نہیں ہوتے کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے جس میں  
 سارے اعمال کا حساب دینا ہوگا، اور وہ دن اتنا ہولناک ہوگا کہ اُس میں لوگوں اور خاص طور پر نافرمانوں کے دل الٹ جائیں  
 گے، اور آنکھیں پلٹ کر رہ جائیں گی۔

(۳۴) نیک اعمال کا ثواب کچھ تو وہ ہے جس کا ذکر قرآن و حدیث میں آگیا ہے۔ اس آیت نے بڑے لطیف انداز میں یہ  
 بتایا ہے کہ نیک لوگوں کا ثواب صرف اُن نعمتوں میں منحصر نہیں ہوگا جن کا تذکرہ قرآن و حدیث میں کر دیا گیا ہے، بلکہ  
 اللہ تعالیٰ اُس کے علاوہ ایسی نعمتیں بھی عطا فرمائیں گے جن کا تذکرہ نہ قرآن و حدیث میں آیا ہے، اور نہ کسی کے دل میں  
 اُن کا تصور آیا ہے۔



وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمَانُ مَاءً ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَجَدَ اللَّهُ عِنْدَهُ فَوْقَهُ حِسَابًا ۖ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ (۳۵) أَوْ كَظُلُمٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ۖ ظُلُمٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۖ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكْدِيرْهَا ۗ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ ۝ (۳۶)

اور (دوسری طرف) جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اُن کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹیل صحرا میں ایک سراب ہو جسے پیاسا آدمی پانی سمجھ بیٹھتا ہے، یہاں تک کہ جب اُس کے پاس پہنچتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا، اور اُس کے پاس اللہ کو پاتا ہے، چنانچہ اللہ اُس کا پورا پورا حساب چکا دیتا ہے۔ اور اللہ بہت جلدی حساب لے لیتا ہے۔ (۳۵) یا پھر اُن (اعمال) کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر میں پھیلے ہوئے اندھیرے، کہ سمندر کو ایک موج نے ڈھانپ رکھا ہو، جس کے اوپر ایک اور موج ہو، اور اُس کے اوپر بادل، غرض اوپر تلے اندھیرے ہی اندھیرے! اگر کوئی اپنا ہاتھ باہر نکالے تو اُسے بھی نہ دیکھ پائے۔ اور جس شخص کو اللہ ہی نور عطا نہ کرے، اُس کے نصیب میں کوئی نور نہیں۔ (۳۶)

(۳۵) ریگستان میں جو ریت چمکتا نظر آتا ہے، دُور سے وہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ پانی ہو، اُسے ”سراب“ کہتے ہیں۔ جس طرح سفر کرتے ہوئے آدمیوں کو سراب دھوکا دیتا ہے کہ وہ اُسے پانی سمجھتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ کچھ بھی نہیں ہوتا، اسی طرح کافر لوگ جو عبادت نیکی سمجھ کر کرتے ہیں، وہ سراب کی طرح ایک دھوکا ہے۔

(۳۶) یہ مثال اُن کافروں کی ہے جو آخرت کو مانتے ہیں، لیکن توحید اور رسالت کے منکر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جن اعمال کے بارے میں یہ کافر لوگ سمجھے بیٹھے تھے کہ وہ ان کو آخرت میں فائدہ پہنچائیں گے، مرنے کے بعد انہیں اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کا پورا پورا حساب دُنیا میں چکا کر انہیں سزا کا مستحق قرار دیا ہے، اور اس طرح اُن سارے کاموں نے فائدے کے بجائے نقصان پہنچایا ہے۔

(۳۷) یہ اُن کافروں کی مثال ہے جو آخرت کو سرے سے مانتے ہی نہیں، اس لئے ان کے پاس اتنا نور بھی نہیں جتنا پہلے گروہ کے پاس تھا کہ کم از کم وہ یہ اُمید رکھتے تھے کہ اُن کے اعمال انہیں آخرت میں فائدہ پہنچائیں گے، لیکن ان لوگوں کے پاس اُمید کی یہ کرن بھی نہیں ہے۔ اور بعض مفسرین نے دونوں مثالوں میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ کافروں کے اعمال دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو وہ نیکی سمجھ کر کرتے ہیں، اور اُن سے فائدے کی اُمید رکھتے ہیں، اُن کی مثال تو سراب جیسی ہے، اور ایک وہ اعمال ہیں جو وہ نیکی سمجھ کر نہیں کرتے، اُن کی مثال اُن اندھیروں کی ہے جن میں روشنی کی کوئی کرن نہیں ہوتی۔ پھر سمندر کی تہہ کا اندھیرا اُن کے کافرانہ عقائد کی مثال ہے، اور ایک موج کا اندھیرا اُن کے برے اعمال کی مثال ہے، اور دوسری موج کا اندھیرا اُن کی ہٹ دھرمی کی مثال ہے۔ اس طرح اُن میں اوپر تلے بہت سے اندھیرے جمع ہو گئے ہیں۔ ایسے سخت اندھیرے میں جس طرح انسان کو اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا، اسی طرح کفر و فسق کے اندھیروں میں ان لوگوں کو خود اپنی حقیقت بھی سمجھ میں نہیں آتی۔



أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفَّتٍ ۖ كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ  
وَتَسْبِيحَهُ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۳۱﴾ وَ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ  
الْبَصِيرُ ﴿۳۲﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَّامًا فَتَرَى الْوَدْقَ  
يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ  
وَيَصْرِفُهُ عَنِ مَنْ يَشَاءُ ۚ يَكَادُ سَنَابِرُ قَهْ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ۚ يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ  
وَالنَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿۳۳﴾ وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَّاءٍ ۚ فَمِنْهُمْ  
مَنْ يَمْشِي عَلَى بَطْنِهِ ۚ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى أَرْبَعٍ ۚ  
يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۴﴾

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں، اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں، اور وہ پرندے بھی جو پر پھیلائے  
ہوئے اڑتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنی نماز اور اپنی تسبیح کا طریقہ معلوم ہے۔ اور اللہ ان کے سارے کاموں سے پوری طرح  
باخبر ہے۔ ﴿۳۱﴾ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے، اور اللہ ہی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا  
ہے۔ ﴿۳۲﴾ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ بادلوں کو ہنکاتا ہے، پھر ان کو ایک دوسرے سے جوڑ دیتا ہے، پھر انہیں تہہ برتہہ گھٹا  
میں تبدیل کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ بارش اُس کے درمیان سے برس رہی ہے۔ اور آسمان میں (بادلوں کی شکل میں)  
جو پہاڑ کے پہاڑ ہوتے ہیں، اللہ ان سے اوالے برساتا ہے، پھر جس کے لئے چاہتا ہے، ان کو مصیبت بنا دیتا ہے، اور  
جس سے چاہتا ہے، اُن کا رُخ پھیر دیتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اُس کی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی اُچک لے جائے  
گی۔ ﴿۳۳﴾ وہی اللہ رات اور دن کا اُلٹ پھیر کرتا ہے۔ یقیناً ان سب باتوں میں اُن لوگوں کے لئے نصیحت کا سامان ہے  
جن کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہیں۔ ﴿۳۴﴾ اور اللہ نے زمین پر چلنے والے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ پھر ان میں  
سے کچھ وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں، کچھ وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو چار (پاؤں) پر چلتے  
ہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ یقیناً اللہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۳۵﴾

(۳۸) سورہ بنی اسرائیل (۱۷: ۴۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، لیکن تم ان کی تسبیح  
کو سمجھتے نہیں ہو۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ فرما دیا ہے کہ ہر چیز کے تسبیح کرنے کا طریقہ مختلف ہے، اور کائنات کی تمام چیزیں  
اپنے اپنے مخصوص انداز میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہیں۔ جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل کے حاشیے میں عرض کیا گیا، قرآن کریم کی  
متعدد آیتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن چیزوں کو ہم دُنیا میں بے حس سمجھتے ہیں، اُن سب میں کچھ نہ کچھ حس موجود ہے، اور  
یہ بات اب رفتہ رفتہ موجودہ سائنس بھی تسلیم کر رہی ہے۔



لَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُبَيِّنَاتٍ ۖ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۳۶﴾ وَيَقُولُونَ  
 آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ ۖ وَمَا أُولَٰئِكَ  
 بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۷﴾ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۳۸﴾  
 وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿۳۹﴾ أَفِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ أَمْ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ  
 أَنْ يَحْيِفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۴۰﴾ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ  
 إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ  
 الْمُفْلِحُونَ ﴿۴۱﴾ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشِ اللَّهَ وَيَتَّقْهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۴۲﴾

بیشک ہم نے وہ آیتیں نازل کی ہیں جو حقیقت کو کھول کھول کر بیان کرنے والی ہیں، اور اللہ جس کو چاہتا ہے، سیدھے  
 راستے تک پہنچا دیتا ہے۔ ﴿۳۶﴾

اور یہ (منافق) لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم فرماں بردار ہو گئے ہیں، پھر ان میں  
 سے ایک گروہ اس کے بعد بھی منہ موڑ لیتا ہے۔ یہ لوگ (حقیقت میں) مؤمن نہیں ہیں۔ ﴿۳۷﴾ اور جب انہیں اللہ اور  
 اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان میں سے کچھ لوگ ایک دم رُخ  
 پھیر لیتے ہیں۔ ﴿۳۸﴾ اور اگر خود انہیں حق وصول کرنا ہو تو وہ بڑے فرماں بردار بن کر رسول کے پاس چلے آتے ہیں۔ ﴿۳۹﴾  
 کیا ان کے دلوں میں کوئی روگ ہے، یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں، یا انہیں یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اُس کا رسول ان پر  
 ظلم ڈھائے گا؟ نہیں، بلکہ ظلم ڈھانے والے تو خود یہ لوگ ہیں۔ ﴿۴۰﴾ مؤمنوں کی بات تو یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور  
 اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول اُن کے درمیان فیصلہ کریں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ: ”ہم نے (حکم) سن لیا،  
 اور مان لیا“ اور ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿۴۱﴾ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری  
 کریں، اللہ سے ڈریں، اور اس کی نافرمانی سے بچیں، تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔ ﴿۴۲﴾

﴿۳۹﴾ منافقین چونکہ دل سے ایمان نہیں لائے تھے، اس لئے اُن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے خلاف  
 معاندانہ حرکتیں سرزد ہوتی رہتی تھیں۔ چنانچہ ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ بشر نامی ایک منافق کا ایک یہودی سے جھگڑا ہو گیا۔ یہودی  
 جانتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق کا فیصلہ کریں گے، اس لئے اُس نے بشر کو پیشکش کی کہ چلو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے  
 اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرا لیں۔ بشر کے دل میں چور تھا، اس لئے اُس نے آپ سے فیصلہ کرانے کے بجائے ایک یہودی سردار  
 کعب بن اشرف سے فیصلہ کرانے کی تجویز پیش کی۔ اُس کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں (ابن جریر طبری)۔



وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُلْ لَا تُقْسِمُوا ۚ طَاعَةٌ مَعْرُوفَةٌ ۚ  
 إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۵۳﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكُمْ  
 حِسَابُ مَا حِصَلْتُمْ ۖ وَإِنْ تَطِيعُوا تَهْتَدُوا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۵۴﴾  
 وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ  
 الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيَسَكُنَنَّ لَهُمْ دِينُهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ  
 أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۵۵﴾

اور یہ (منافق لوگ) بڑے زوروں سے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر (اے پیغمبر!) تم انہیں حکم دو گے تو یہ نکل کھڑے  
 ہوں گے۔ (ان سے) کہو کہ: ”قسمیں نہ کھاؤ۔ (تمہاری) فرماں برداری کا سب کو پتہ ہے۔ یقین جانو کہ تم جو کچھ  
 کرتے ہو اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔“ ﴿۵۳﴾ (ان سے) کہو کہ: ”اللہ کا حکم مانو، اور رسول کے فرماں بردار بنو، پھر  
 بھی اگر تم نے منہ پھیرے رکھا تو رسول پر تو اتنا ہی بوجھ ہے جس کی ذمہ داری ان پر ڈالی گئی ہے، اور جو بوجھ تم پر ڈالا گیا  
 ہے، اُس کے ذمہ دار تم خود ہو۔ اگر تم اُن کی فرماں برداری کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے، اور رسول کا فرض اس سے زیادہ  
 نہیں ہے کہ وہ صاف صاف بات پہنچا دیں۔“ ﴿۵۴﴾ تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل  
 کئے ہیں، اُن سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا، جس طرح اُن سے پہلے لوگوں کو بنایا  
 تھا، اور اُن کے لئے اُس دین کو ضرور اقتدار بخشے گا جسے اُن کے لئے پسند کیا ہے، اور اُن کو جو خوف لاحق رہا ہے، اُس کے  
 بدلے انہیں ضرور امن عطا کرے گا۔ (بس) وہ میری عبادت کریں، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور جو  
 لوگ اس کے بعد بھی ناشکری کریں گے، تو ایسے لوگ نافرمان ہوں گے۔ ﴿۵۵﴾

(۴۰) جب جہاد کا موقع نہ ہوتا تو یہ منافق لوگ منہ بھر کر قسمیں کھاتے تھے کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو یہ  
 جہاد کے لئے گھروں سے نکل کھڑے ہوں گے، لیکن جب وقت آتا تو کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے جہاد سے جان چھڑا لیتے تھے۔ اس  
 لئے فرمایا گیا کہ تمہاری فرماں برداری کی حقیقت تو سب کو معلوم ہے۔ بار بار تجربہ ہو چکا ہے کہ وقت پڑنے پر تمہاری ساری قسمیں  
 دھری رہ جاتی ہیں۔

(۴۱) مکہ مکرمہ میں صحابہ کرام نے کفار کے ظلم و ستم کا سامنا کیا تھا، اور جب وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تو اُس کے بعد بھی  
 کافروں کی طرف سے ہر وقت حملوں کا خوف لاحق رہتا تھا۔ اس موقع پر ایک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا  
 کہ کیا کوئی ایسا وقت بھی آئے گا کہ ہم ہتھیار کھول کر چین سکون کے ساتھ رہ سکیں۔ اُس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ بہت  
 جلد وہ وقت آنے والا ہے۔ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی، اور اس میں پیشین گوئی فرمائی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور



وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرُّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ  
كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمُ النَّارُ وَلَيْسَ الْمَصِيرُ ﴿۵۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
لَيْسَتْ أَدْنَاكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ  
صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ  
لَكُمْ ۖ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طُفُوفٌ عَلَيْكُمْ بِعُصَمَاءَ بَعْضُ  
كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۵۸﴾

اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور رسول کی فرماں برداری کرو، تاکہ تمہارے ساتھ رحمت کا برتاؤ کیا جائے۔ ﴿۵۶﴾ یہ  
ہرگز نہ سمجھنا کہ جن لوگوں نے کفر کا راستہ اپنایا ہے، وہ زمین میں (کہیں بھاگ کر ہمیں) بے بس کر دیں گے۔ اُن کا  
ٹھکانا دوزخ ہے، اور یقیناً وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ ﴿۵۷﴾

اے ایمان والو! جو غلام لونڈیاں تمہاری ملکیت میں ہیں، اور تم میں سے جو بچے ابھی بلوغ تک نہیں پہنچے، ان کو چاہئے کہ وہ  
تین اوقات میں (تمہارے پاس آنے کے لئے) تم سے اجازت لیا کریں: نماز فجر سے پہلے، اور جب تم دوپہر کے وقت  
اپنے کپڑے اتار کر رکھا کرتے ہو، اور نماز عشاء کے بعد۔ ﴿۵۸﴾ یہ تین وقت تمہارے پردے کے اوقات ہیں۔ ان اوقات  
کے علاوہ نہ تم پر کوئی تنگی ہے، نہ اُن پر۔ اُن کا بھی تمہارے پاس آنا جانا لگا رہتا ہے، تمہارا بھی ایک دوسرے کے پاس۔  
اللہ اسی طرح آیتوں کو تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کرتا ہے، اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۵۹﴾

صحابہ کرام کو زمین پر اقتدار حاصل ہونے والا ہے۔ چنانچہ اس وعدے کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے میں  
پورا جزیرہ عرب اسلام کے جھنڈے تلے آچکا تھا، اور خلافت راشدہ کے دور میں اسلامی حکومت کا دائرہ تقریباً آدھی دنیا تک  
وسیع ہو گیا تھا۔

﴿۵۸﴾ آیات: ۲۹ تا ۳۷ میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ کسی دوسرے کے گھر میں اجازت مانگے بغیر داخل نہیں ہونا چاہئے۔ عام طور سے  
مسلمان اس حکم پر عمل کرنے لگے تھے، لیکن کسی گھر کے غلام باندیوں اور نابالغ لڑکے لڑکیوں کو چونکہ بکثرت گھروں میں آنا جانا  
رہتا تھا، اس لئے وہ اس حکم کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ بعض واقعات ایسے پیش آئے کہ یہ لوگ کسی کے گھر میں ایسے وقت  
بلا اجازت داخل ہو گئے جو اُس کے آرام اور تنہائی کا وقت تھا، جس سے نہ صرف یہ کہ اُس کو تکلیف ہوئی، بلکہ بے پردگی بھی  
ہوئی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، اور ان میں یہ واضح کر دیا گیا کہ کم از کم تین اوقات میں ان لوگوں کو بھی بلا اجازت گھروں  
میں داخل نہیں ہونا چاہئے۔ یہ تین اوقات وہ ہیں جن میں عام طور سے انسان تنہائی پسند کرتا ہے، اور بے تکلفی سے صرف ضروری  
کپڑوں میں رہنا چاہتا ہے، اور ایسے میں کسی کے اچانک آجانے سے بے پردگی کا بھی احتمال رہتا ہے۔ البتہ دوسرے اوقات  
میں چونکہ یہ خطرہ نہیں ہے، اس لئے ضرورت کی وجہ سے ان کو بلا اجازت بھی چلے جانے کی اجازت دی گئی ہے۔



وَإِذَا بَدَأَ الْطِفَالُ مِنْكُمْ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ۖ وَأَنْ يَسْتَغْفِنَ خَيْرٌ لَهُنَّ ۖ وَاللَّهُ سَبِيحٌ عَلِيمٌ ﴿۶۰﴾ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَلَتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكَتْكُمْ مَفَاتِحُهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ ۖ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا وَأَشْتَاتًا ۖ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۖ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۶۱﴾

اور جب تمہارے بچے بلوغ کو پہنچ جائیں، تو وہ بھی اُسی طرح اجازت لیا کریں جیسے اُن سے پہلے بالغ ہونے والے اجازت لیتے رہے ہیں۔ اللہ اسی طرح اپنی آیتیں کھول کھول کر تمہارے سامنے بیان کرتا ہے، اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۵۹﴾ اور جن بڑی بوڑھی عورتوں کو نکاح کی کوئی توقع نہ رہی ہو، اُن کے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے، (مثلاً چادریں نامحرموں کے سامنے) اتار کر رکھ دیں، بشرطیکہ زینت کی نمائش نہ کریں، اور اگر وہ احتیاط ہی رکھیں تو اُن کے لئے اور زیادہ بہتر ہے۔ اور اللہ سب کچھ سنتا، ہر بات جانتا ہے۔ ﴿۶۰﴾ نہ کسی نابینا کے لئے اس میں کوئی گناہ ہے، نہ کسی پاؤں سے معذور شخص کے لئے کوئی گناہ ہے، نہ کسی بیمار شخص کے لئے کوئی گناہ ہے، اور نہ خود تمہارے لئے کہ تم اپنے گھروں سے کچھ کھاؤ، یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے، یا اپنی بہنوں کے گھروں سے، یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے، یا اپنی پھوپھوں کے گھروں سے، یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے، یا اُن گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے اختیار میں ہوں، یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔ اس میں بھی تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں ہے کہ سب مل کر کھاؤ، یا الگ الگ۔ چنانچہ جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو، کہ یہ ملاقات کی وہ بابرکت پاکیزہ دعا ہے جو اللہ کی طرف سے آئی ہے۔ اللہ اسی طرح آیتوں کو تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم سمجھ جاؤ۔ ﴿۶۱﴾



(۳۳) یہ ان بوڑھی عورتوں کا حکم ہے جن کی طرف نہ کسی کو رغبت ہوتی ہے، نہ وہ نکاح کے قابل ہوتی ہیں۔ ان کو یہ سہولت دی گئی ہے کہ عام عورتیں غیر محرموں کے سامنے جانے کے لئے جو چادر یا برقع وغیرہ استعمال کرتی ہیں، یہ بوڑھی عورتیں ان کے بغیر بھی نامحرم مردوں کے سامنے جاسکتی ہیں، بشرطیکہ بن سنور کر اور سنگھار کر کے نہ جائیں۔ اس سہولت کے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ ان کے لئے بھی احتیاط اس میں ہے کہ وہ بھی دوسری عورتوں کی طرح پردہ کریں۔

(۳۴) ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ بعض افراد جو نابینا یا پاؤں سے معذور یا بیمار ہوتے تھے، وہ دوسروں کے ساتھ مل کر کھانا کھانے سے اس لئے شرماتے تھے کہ شاید دوسروں کو ان کے ساتھ کھاتے ہوئے کراہیت محسوس ہو، اور بعض معذور افراد یہ بھی سوچتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی معذوری کی وجہ سے دوسروں سے زیادہ جگہ گھیر لیں، یا نابینا ہونے کی بنا پر دوسروں سے زیادہ کھالیں۔ دوسری طرف صحت مند لوگ بھی بعض اوقات یہ خیال کرتے تھے کہ کہیں یہ اپنی معذوری کی وجہ سے دوسروں کا ساتھ نہ دے سکیں، کم کھائیں اور مشترک کھانے میں سے اپنا مناسب حصہ نہ لے سکیں۔ یہ احساس ان حضرات کے دل میں اسلام کے ان احکام نے پیدا کیا تھا جن کی رو سے کسی دوسرے کو اپنی طرف سے ادنیٰ سی تکلیف پہنچانا گناہ قرار دیا گیا ہے، نیز مشترک چیزوں کے استعمال میں احتیاط کی تاکید کی گئی ہے۔ ان آیات نے یہ واضح فرمایا کہ بے تکلف مقامات پر اتنی باریک بینی کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳۵) عرب کے لوگوں میں یہ عام رواج تھا کہ ان کے گھر میں آنے والے یہ رشتہ دار جن کا اس آیت میں ذکر ہے، اگر ان کی اجازت کے بغیر بھی ان کے گھر سے کچھ کھا لیتے تو وہ نہ صرف یہ کہ بُرا نہیں مناتے تھے، بلکہ خوش ہوتے تھے۔ جب یہ احکام آئے کہ کسی کی چیز اس کی خوش دلی کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں تو بعض صحابہ یہاں تک پرہیز کرنے لگے کہ اگر کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کے گھر جاتے، اور اس کے بیوی بچے ان کی کچھ خاطر تواضع کرتے تو ان کو کھانے میں تردد ہوتا تھا کہ گھر کا اصل مالک تو موجود نہیں ہے، اس لئے ہمیں اس کی اجازت کے بغیر کھانا نہیں چاہئے۔ اس آیت نے واضح فرما دیا کہ جہاں یہ بات یقینی ہو کہ اصل مالک ہمارے کھانے سے خوش ہوگا، وہاں کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ البتہ جہاں یہ بات مشکوک ہو، وہاں یہ حکم نہیں ہے، چاہے وہ کتنے قریبی رشتہ دار کا گھر ہو (روح المعانی و معارف القرآن)۔

(۳۶) بعض حضرات جب جہاد کے لئے جاتے تو اپنے گھر کی چابیاں ایسے معذور افراد کے حوالے کر جاتے جو جہاد میں جانے کے لائق نہیں تھے، اور ان کو یہ بھی کہہ جاتے تھے کہ ہمارے گھر کی کوئی چیز اگر آپ کھانا چاہیں تو کھالیا کریں، اس کے باوجود یہ معذور حضرات احتیاط کی وجہ سے کھانے سے پرہیز کرتے تھے۔ اس آیت نے ان کو بھی یہ ہدایت فرمادی کہ اتنی احتیاط کی ضرورت نہیں ہے، جب مالک کی طرف سے چابیاں تک آپ کے حوالے کر دی گئی ہیں، اور اجازت بھی دے دی گئی ہے تو اب کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔



إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا  
 حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا  
 أَسْتَأْذِنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأَذِنَ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرَ لَهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ  
 رَّحِيمٌ ﴿۲۲﴾ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ  
 يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ  
 عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۳﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ ۚ وَيَوْمَ  
 يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۴﴾

مؤمن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول کو دل سے مانتے ہیں، اور جب رسول کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں شریک  
 ہوتے ہیں تو اُن سے اجازت لئے بغیر کہیں نہیں جاتے۔ (اے پیغمبر!) جو لوگ تم سے اجازت لیتے ہیں، یہی وہ لوگ  
 ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول کو دل سے مانتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ اپنے کسی کام کے لئے تم سے اجازت مانگیں تو اُن  
 میں سے جن کو چاہو، اجازت دے دیا کرو، اور اُن کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کیا کرو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا  
 مہربان ہے۔ ﴿۲۲﴾ (اے لوگو!) اپنے درمیان رسول کے بلانے کو ایسا (معمولی) نہ سمجھو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو  
 بلا لیا کرتے ہو۔ اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔  
 لہذا جو لوگ اُس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اُن کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں اُن پر کوئی آفت نہ آپڑے، یا  
 انہیں کوئی دردناک عذاب نہ آپکڑے۔ ﴿۲۳﴾ یاد رکھو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کا ہے۔ تم جس حالت  
 پر بھی ہو، اللہ اُسے خوب جانتا ہے، اور جس دن سب کو اُس کے پاس لوٹایا جائے گا، اُس دن وہ اُن کو بتا دے گا کہ انہوں  
 نے کیا عمل کیا تھا، اور اللہ کو ہر بات کا پورا پورا علم ہے۔ ﴿۲۴﴾

(۲۷) یہ آیت غزوہٗ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ اُس وقت عرب کے کئی قبیلوں نے مل کر مدینہ منورہ پر چڑھائی کی تھی،  
 اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کے دفاع کے لئے مدینہ منورہ کے گرد ایک خندق کھودنے کے لئے تمام مسلمانوں کو جمع کیا  
 تھا۔ سارے مسلمان خندق کھودنے میں مصروف تھے، اور اگر کسی کو اپنے کسی کام سے جانا ہوتا تو آپ سے اجازت لے کر جاتا  
 تھا۔ لیکن منافق لوگ اول تو اس کام کے لئے آنے میں سستی کرتے تھے، اور اگر آ جاتے تو کبھی کسی بہانے سے اُٹھ کر چلے جاتے،  
 اور کبھی بلا اجازت ہی چپکے سے روانہ ہو جاتے۔ اس آیت میں اُن کی مذمت اور اُن مخلص مسلمانوں کی تعریف کی گئی ہے جو  
 بلا اجازت نہیں جاتے تھے۔



(۴۸) برابر کے آدمی جب ایک دوسرے کو بلاتے ہیں تو اُس کی زیادہ اہمیت نہیں سمجھی جاتی، اگر کوئی اُس کے جواب میں نہ جائے تو اتنا برا نہیں سمجھا جاتا، اور اگر چلا بھی جائے تو بغیر اجازت کے واپس آ جانے کو بھی گوارا کر لیا جاتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں کسی کام کے لئے بلائیں تو اُسے آپس کا بلانا نہ سمجھو کہ چاہے گئے چاہے نہ گئے، بلکہ اہتمام کر کے جانا ہی ضروری ہے، دوسرے یہ بات بھی معمولی نہ سمجھو کہ جب چاہو، بلا اجازت اُٹھ کر چلے آؤ، بلکہ جب کہیں جانا ہو تو آپ سے اجازت لے کر جاؤ۔

اسی آیت کی ایک اور تفسیر یہ بھی ممکن ہے کہ جب تم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرو تو اس طرح نہ کرو جیسے ایک دوسرے کو نام لے کر مخاطب کرتے ہو، لہذا ”یا محمد“ کہہ کر نہ بلاؤ، بلکہ آپ کو تعظیم کے ساتھ ”یا رسول اللہ“ کہہ کر مخاطب کرو۔

الحمد للہ! سورہ نور کا ترجمہ اور حواشی آج کراچی میں شبِ دو شنبہ ۲۶ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۴/اپریل ۲۰۰۷ء کو تکمیل تک پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ الْفُرْقَانِ

## تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی، اور اس کا بنیادی مقصد اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات اور ان کے بارے میں کفارِ مکہ کے مختلف اعتراضات کا جواب دینا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے کائنات میں انسان کے لئے جو بیشمار نعمتیں پیدا فرمائی ہیں، انہیں یاد دلا کر اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری، اُس کی توحید کے اقرار اور شرک سے علیحدگی کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی خصوصیات بیان فرمائی گئی ہیں، اور اُن کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے آخرت میں جو اجر و ثواب رکھا ہے، اُس کا بیان فرمایا گیا ہے۔



آیاتھا ۷۷ ﴿۲۵﴾ سُورَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ ۲۲ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴿۷۷﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

تَبٰرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ﴿۱﴾ الَّذِيْ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدْ رَءٰهُ تَقْدِيْرًا ﴿۲﴾ وَاتَّخَذُ وَاٰمِنْ دُوْنِهٖ الْهٰهٗ لَا يَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا یَسْلُکُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوَةً وَّلَا نُسُوْرًا ﴿۳﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا اِفْکٌ افْتَرٰهُ وَاَعٰنَہٗ عَلَیْہِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَآءُ وُظْلَمًا وَّزُوْرًا ﴿۴﴾

مَعْنٰی

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ستر آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

بڑی شان ہے اُس ذات کی جس نے اپنے بندے پر حق و باطل کا فیصلہ کر دینے والی یہ کتاب نازل کی، تاکہ وہ دنیا جہان کے لوگوں کو خبردار کر دے۔ ﴿۱﴾ وہ ذات جو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت کی تنہا مالک ہے اور جس نے نہ تو کوئی بیٹا بنایا ہے، اور نہ اُس کی بادشاہت میں کوئی شریک ہے، اور جس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اُس کو ایک نیا تلاء انداز عطا کیا ہے۔ ﴿۲﴾ اور لوگوں نے اُسے چھوڑ کر ایسے خدا بنارکھے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کرتے، بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، اور جن کا خود اپنے نقصان یا فائدے پر بھی کوئی بس نہیں چلتا، اور نہ کسی کا مرنا یا جینا اُن کے اختیار میں ہے، نہ کسی کو دوبارہ زندہ کرنا۔ ﴿۳﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ”یہ (قرآن) تو کچھ بھی نہیں، بس ایک من گھڑت چیز ہے جو اس شخص نے گھڑ لی ہے، اور اس کام میں کچھ اور لوگ بھی اس کے مددگار بنے ہیں۔“ اس طرح (یہ بات کہہ کر) یہ لوگ بڑے ظلم اور کھلے جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔ ﴿۴﴾

(۱) مکہ مکرمہ کے بعض کافروں نے یہ الزام لگایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلے انبیائے کرام کے واقعات کچھ یہودیوں سے سیکھ لئے ہیں، اور وہی واقعات لکھوا کر (معاذ اللہ) یہ قرآن بنالیا ہے، حالانکہ جن یہودیوں کا وہ ذکر کرتے تھے، وہ اسلام لائے تھے۔ اگر آپ (معاذ اللہ) انہی سے سیکھ کر اس کلام کے کلام الہی ہونے کا غلط دعویٰ کر رہے تھے تو یہ حقیقت سب سے پہلے اُن یہودیوں پر ظاہر ہوتی، پھر وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا سچا پیغمبر مان کر آپ پر ایمان ہی کیوں لاتے؟



وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ٥ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ  
السِّرِّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ٦ وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ  
يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيُشْرِي فِي الْأَسْوَاقِ ٧ لَوْلَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ٨ أَوْ  
يُلْقَى إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ٩ وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا  
مَسْحُورًا ١٠ أَنْظِرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ١١ تَبَارَكَ الَّذِي  
إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِمَّنْ ذَلِكْ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ١٢ وَيَجْعَلُ لَكَ قُصُورًا ١٣  
بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ ١٤ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ كَذَبًا بِالْسَّاعَةِ سَعِيرًا ١٥ إِذَا رَأَوْهُم مِّنْ مَّكَانٍ  
بَعِيدٍ سَمِعُوا نَجْوَاهُمْ أَوْ زَفِيرًا ١٦

اور کہتے ہیں کہ: ”یہ تو پچھلے لوگوں کی لکھی ہوئی کہانیاں ہیں جو اس شخص نے لکھوالی ہیں، اور صبح و شام وہی اس کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔“ (۵) کہہ دو کہ: ”یہ کلام تو اُس (اللہ) نے نازل کیا ہے جو ہر بھید کو پوری طرح جانتا ہے، آسمانوں میں بھی، زمین میں بھی۔ بیشک وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ (۶) اور یہ کہتے ہیں کہ: ”یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے، اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے؟ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہ کر لوگوں کو ڈراتا؟ (۷) یا اس کے اوپر کوئی خزانہ ہی آپڑتا، یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس میں سے یہ کھایا کرتا۔“ اور یہ ظالم (مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ: ”تم جس کے پیچھے چل رہے ہو، وہ اور کچھ نہیں، بس ایک شخص ہے جس پر جادو ہو گیا ہے۔“ (۸) (اے پیغمبر!) دیکھو ان لوگوں نے تمہارے بارے میں کیسی کیسی باتیں بنائی ہیں، چنانچہ ایسے بھٹکے ہیں کہ راستے پر آنا ان کے بس سے باہر ہے۔ (۹) بڑی شان ہے اُس (اللہ) کی جو اگر چاہے تو تمہیں ان سب سے کہیں بہتر چیز، (ایک باغ کے بجائے) بہت سے باغات دیدے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اور تمہیں بہت سے محلات کا مالک بنا دے۔ (۱۰) اصل حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے قیامت کی گھڑی کو جھٹلایا ہوا ہے، اور جو کوئی قیامت کی گھڑی کو جھٹلائے، اُس کے لئے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ (۱۱) جب وہ ان کو دُور سے دیکھے گی تو یہ لوگ اُس کے پھرنے اور پھنکارنے کی آوازیں سنیں گے۔ (۱۲)

(۲) یعنی یہ لوگ جو باتیں بنا رہے ہیں، اُن کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ حق کے طلب گار ہیں، اور ان کے شبہات دُور ہو جائیں تو یہ ایمان لے آئیں، بلکہ اصل وجہ ان کی بے فکری ہے۔ چونکہ ان کو قیامت اور آخرت پر ایمان نہیں ہے، اس لئے ان کو بے ہودہ اعتراضات کرتے ہوئے کوئی خوف نہیں ہوتا کہ آخرت میں ان پر سزا بھی مل سکتی ہے۔



وَإِذْ أَلْقَوْنَاهَا مَكَّانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنَيْنِ دَعَوَاهُنَّ لِكَثْبُوْرًا ۝۱۳ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا  
وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ۝۱۴ قُلْ أَذَلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ كَانَتْ  
لَهُمْ جَزَاءً وَّ مَصِيرًا ۝۱۵ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خُلْدٌ ۖ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُولًا ۝۱۶  
وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ عَآءَانْتُمْ أَضَلَلْتُمْ عِبَادِي هَؤُلَاءِ عَمَّ هُمْ  
ضَلُّوا السَّبِيلَ ۝۱۷ قَالُوا سُبْحَنَكَ مَا كَانَ يُبْغَىٰ لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَ  
لَكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الَّذِي كَرَّمُوا وَكَانُوا قَوْمًا ثُبُورًا ۝۱۸

اور جب ان کو اچھی طرح باندھ کر اُس کی ایک تنگ جگہ میں پھینکا جائے گا تو وہاں یہ موت کو آواز دے کر پکاریں  
گے۔ (۱۳) (اُس وقت ان سے کہا جائے گا کہ:) ”آج تم موت کو صرف ایک بار نہ پکارو، بلکہ بار بار موت کو پکارتے ہی  
رہو۔“ (۱۴) کہو کہ یہ انجام بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے والی جنت، جس کا وعدہ متقی لوگوں سے کیا گیا ہے؟ وہ اُن کے لئے انعام  
ہوگی، اور اُن کا آخری انجام۔ (۱۵) وہاں انہیں ہمیشہ ہمیشہ بستے ہوئے ہر وہ چیز ملے گی جو وہ چاہیں گے۔ یہ وہ ذمہ دارانہ  
وعدہ ہے جو تمہارے رب نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ (۱۶) اور وہ دن (انہیں یاد دلاؤ) جب اللہ ان (کافروں) کو بھی  
حشر میں جمع کرے گا اور اُن (معبودوں) کو بھی جن کی یہ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے، اور (ان کے معبودوں) سے  
کہے گا کہ: ”کیا تم نے میرے ان بندوں کو بہکایا تھا، یا یہ راستے سے خود بھٹکے تھے؟“ (۱۷) وہ کہیں گے کہ: ”آپ کی ذات  
ہر عیب سے پاک ہے۔ ہماری مجال نہیں تھی کہ ہم آپ کو چھوڑ کر دوسرے رکھوالوں کے قائل ہوں، لیکن ہوا یہ کہ آپ نے  
ان کو اور ان کے باپ دادوں کو دنیا کا ساز و سامان دیا، یہاں تک کہ جو بات یاد رکھنی تھی، یہ اُسے بھلا بیٹھے، اور (اس  
طرح) یہ خود برباد ہو کر رہے۔“ (۱۸)

(۳) یہ ترجمہ مشہور مفسر ابوالسعود کی تفسیر پر مبنی ہے جسے علامہ آلوسی نے بھی نقل فرمایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی جس  
شدت سے گھبرا کر تم موت کو پکار رہے ہو، وہ تو آنے والی نہیں ہے، بلکہ تمہیں بار بار نئے نئے عذاب سے سابقہ پڑے گا، اور ہر  
مرتبہ تمہیں اُس کی شدت سے گھبرا کر موت کو پکارنا پڑے گا۔

(۴) جن معبودوں کو انہوں نے خدائی کا درجہ دے رکھا تھا، اُن میں سے کچھ تو فرشتے تھے جنہیں یہ خدا کی بیٹیاں کہتے تھے یا بعض  
لوگوں نے کچھ انبیاء یا بزرگوں کو خدا بنا رکھا تھا، اُن کی طرف سے تو یہ جواب ظاہر ہی ہے، لیکن جو لوگ بتوں کو پوجتے تھے، اُن کے  
بارے میں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ وہ تو پتھر تھے، اور اُن میں بولنے کی صلاحیت کہاں تھی؟ اُس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صرف اُن  
مشرکین کا ذکر ہے جو انسانوں یا فرشتوں کو خدا بنائے بیٹھے تھے، اور اُن کی علامت کے طور پر بتوں کو پوجتے تھے، اور یہ بھی ممکن  
ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اُن پتھروں میں بھی بولنے کی صلاحیت پیدا فرمادے۔



فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ ۚ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَظْلِمِ مِنْكُمْ نُدِقَهُ  
عَذَابًا كَبِيرًا ۝ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ  
وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۚ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۚ أَتَصْبِرُونَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ  
بَصِيرًا ۝ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَ نَا لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا الْمَلِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا ۚ لَقَدْ  
اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْعَتُوا كَبِيرًا ۝ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ  
لِّلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حَجْرًا مَّحْجُورًا ۝

لو، (اے کافرو!) انہوں نے تو تمہاری وہ ساری باتیں جھٹلا دیں جو تم کہا کرتے ہو۔ اب نہ (عذاب کو) ٹالنا تمہارے  
بس میں ہے، نہ کوئی مدد حاصل کرنا۔ اور تم میں سے جو کوئی ظلم کا مرتکب ہے، ہم اُسے بڑے بھاری عذاب کا مزہ چکھائیں  
گے۔ ۱۹ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے، وہ سب ایسے تھے کہ کھانا بھی کھاتے تھے، اور بازاروں  
میں بھی چلتے پھرتے تھے۔ اور ہم نے تم لوگوں کو ایک دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے۔ بتاؤ کیا صبر کرو گے؟ اور  
تمہارا پروردگار ہر بات دیکھ رہا ہے۔ ۲۰

جن لوگوں کو یہ توقع ہی نہیں ہے کہ وہ (کسی وقت) ہم سے آلیں گے، وہ یوں کہتے ہیں کہ: ”ہم پر فرشتے کیوں نہیں  
اتارے جاتے؟ یا پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہم خود اپنے پروردگار کو دیکھ لیں؟“ حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنے دلوں میں  
اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھے ہوئے ہیں، اور انہوں نے بڑی سرکشی اختیار کی ہوئی ہے۔ ۲۱ جس دن ان کو فرشتے نظر  
آگئے، اُس دن ان مجرموں کے لئے کوئی خوشی کا موقع نہیں ہوگا، بلکہ یہ کہتے پھریں گے کہ خدایا! ہمیں ایسی پناہ دے  
کہ یہ ہم سے دُور ہو جائیں۔ ۲۲

(۵) کفار کے اعتراضات کا جواب دینے کے بعد درمیان میں اب اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے خطاب فرما رہے ہیں کہ تمہارے  
مخالفین تم پر طرح طرح کے اعتراضات کر کے تمہیں جو تکلیفیں دے رہے ہیں، وہ اس لئے کہ ہم نے تمہیں ان کی آزمائش کا  
ذریعہ بنایا ہے کہ یہ حق واضح ہو جانے کے باوجود اُسے مانتے ہیں یا نہیں، اور انہیں تمہاری آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے کہ تم ان کی  
پہنچائی ہوئی تکلیفوں پر صبر کرتے ہو یا نہیں، کیونکہ تمہارے صبر ہی سے یہ ظاہر ہوگا کہ تم نے حق کو سچے دل سے قبول کیا ہے۔

(۶) یہ ان کا تکبر ہے جو اُن سے ایسی باتیں کہلوا رہا ہے۔ یہ اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھتے ہیں کہ اپنی ہدایت کے لئے کسی پیغمبر کی بات  
ماننا اپنی توہین سمجھتے ہیں، اور مطالبہ یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود آکر انہیں سمجھائیں، یا کم از کم کوئی فرشتہ بھیجیں۔

(۷) مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کو دیکھنے کی ان میں تاب ہی نہیں ہے، اور فرشتے انہیں اُس وقت دکھائے جائیں گے جب وہ  
انہیں دوزخ میں ڈالنے کے لئے آئیں گے، اُس وقت یہ ان کو دیکھنے سے پناہ مانگیں گے۔



وَقَدْ مَنَّآ إِلَىٰ مَاعِیلُوۡا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْثُورًا ۝۳۳ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيلًا ۝۳۴ وَیَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا ۝۳۵ الْمَلٰٓئِكُ یَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۝۳۶ وَكَانَ یَوْمًا عَلٰی الْكٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا ۝۳۷ وَیَوْمَ یَعُضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ اَتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا ۝۳۸ یٰوَيْلَتِیْ لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا ۝۳۹ لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ ۝۴۰ وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَدُوْلًا ۝۴۱ وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنِّ قَوْمِیْ اَتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝۴۲ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ۝۴۳ وَ كَفٰی بِرَبِّكَ هٰدِیًا وَنَصِیْرًا ۝۴۴

اور انہوں نے (دُنیا میں) جو عمل کئے ہیں، ہم اُن کا فیصلہ کرنے پر آئیں گے تو انہیں فضا میں بکھرے ہوئے گرد و غبار (کی طرح بے قیمت) بنادیں گے۔<sup>(۸)</sup> ۳۳ اُس دن جنتی لوگ ہوں گے جن کا مستقر بھی بہترین ہوگا، اور آرام گاہ بھی خوب ہوگی۔ ۳۴ اور جس دن آسمان پھٹ کر ایک بادل کو راہ دے گا، اور فرشتے اس طرح اُتارے جائیں گے کہ اُن کا تار بندھ جائے گا۔ ۳۵ اُس دن صحیح معنی میں بادشاہی خدائے رحمن کی ہوگی، اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہوگا۔ ۳۶ اور جس دن ظالم انسان (حسرت سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹ کھائے گا، اور کہے گا: ”کاش میں نے پیغمبر کی ہمراہی اختیار کر لی ہوتی!“ ۳۷ ہائے میری بربادی! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا! ۳۸ میرے پاس نصیحت آچکی تھی، مگر اس (دوست) نے مجھے اُس سے بھٹکا دیا۔“ اور شیطان تو ہے ہی ایسا کہ وقت پڑنے پر انسان کو بے کس چھوڑ جاتا ہے۔ ۳۹ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کہیں گے کہ: ”یا رب! میری قوم اس قرآن کو بالکل چھوڑ بیٹھی تھی۔“<sup>(۹)</sup> ۴۰ اور ہم نے اسی طرح مجرم لوگوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے۔<sup>(۱۰)</sup> اور تمہارا پروردگار ہدایت دینے اور مدد کرنے کے لئے کافی ہے۔ ۴۱

(۸) جن اعمال کو انہوں نے نیکی سمجھ رکھا تھا، وہ آخرت میں گرد و غبار کی طرح بے حقیقت نظر آئیں گے۔ اور ان کے جو کام واقعی اچھے تھے، اُن کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دُنیا میں دے دیا ہوگا، لیکن آخرت میں تمام نیکیوں کے قبول ہونے کے لئے ایمان لازمی شرط ہے، اس لئے وہاں یہ نیکیاں بھی کام نہیں آئیں گی۔

(۹) اگرچہ سیاق و سباق کی روشنی میں یہاں قوم سے مراد کافر لوگ ہیں، لیکن یہ مسلمانوں کے لئے بھی ڈرنے کا مقام ہے کہ اگر مسلمان ہونے کے باوجود قرآن کریم کو پس پشت ڈال دیا جائے تو کہیں وہ بھی اس سنگین جملے کا مصداق نہ بن جائیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے بجائے شکایت پیش کریں، والعیاذ باللہ العلی العظیم۔

(۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار مکہ آپ کے ساتھ جو دشمنی کر رہے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں، ہر پیغمبر



وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۖ كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۚ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۚ ۝۳۳ الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۚ ۝۳۴ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ۚ ۝۳۵ فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ۚ ۝۳۶ وَقَوْمُ نُوحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً ۚ وَاعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ ۝۳۷ وَعَادًا وَثَمُودَ ۚ وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا ۚ ۝۳۸

اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ: ”ان پر سارا قرآن ایک ہی دفعہ میں کیوں نازل نہیں کر دیا گیا؟“ (اے پیغمبر!) ہم نے ایسا اس لئے کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہارا دل مضبوط رکھیں، اور ہم نے اُسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھوایا ہے۔ ۝۳۳ اور جب کبھی یہ لوگ تمہارے پاس کوئی انوکھی بات لے کر آتے ہیں، ہم تمہیں (اُس کا) ٹھیک ٹھیک جواب اور زیادہ وضاحت کے ساتھ عطا کر دیتے ہیں۔ ۝۳۴ جن لوگوں کو گھیر کر منہ کے بل دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا، وہ بدترین مقام پر ہیں، اور اُن کا راستہ بدترین گمراہی کا راستہ ہے۔ ۝۳۵

پیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، اور اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون کو مددگار کے طور پر مقرر کیا تھا۔ ۝۳۶ چنانچہ ہم نے کہا تھا کہ: ”تم دونوں اُن لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ہے۔“ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُن کو تباہ کر کے نیست و نابود کر دیا۔ ۝۳۷ اور نوح کی قوم نے جب پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں غرق کر دیا، اور اُن کو لوگوں کے لئے عبرت کا سامان بنا دیا۔ اور ہم نے اُن ظالموں کے لئے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ۝۳۸ اسی طرح ہم نے عاد و ثمود اور اصحاب الرس کو اور اُن کے درمیان بہت سی نسلوں کو تباہ کیا۔ ۝۳۹

کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے، پھر جن کے مقدر میں ہدایت قبول کرنا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت دے دیتے ہیں، اور اپنے پیغمبروں کی مدد فرماتے ہیں۔

(۱۱) یعنی قرآن کریم کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کی حکمت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین کی طرف سے جونت نئی تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں، ہم کوئی نئی آیت نازل کر کے آپ کو تسلی دے دیتے ہیں۔

(۱۲) یہ قرآن کریم کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کا دوسرا فائدہ ہے کہ جب کوئی نیا اعتراض کافروں کی طرف سے آتا ہے تو قرآن کریم کی کسی نئی آیت کے ذریعے اُس کا واضح جواب فراہم کر دیا جاتا ہے۔

(۱۳) عاد و ثمود کا تعارف سورہ اعراف (۷: ۶۵ تا ۸۴) میں گزر چکا ہے، اور ”اصحاب الرس“ کے لفظی معنی ہیں ”کنویں والے۔“ بظاہر یہ لوگ کسی کنویں کے پاس آباد تھے۔ قرآن کریم نے بس اتنا ذکر فرمایا ہے کہ انہیں ان کی نافرمانی کی وجہ سے



وَكَلَّا ضَرْبًا لَّهِ اِلَّا مِثَالُ نُوْثًا تَنْبِيْرًا ۝ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلٰی الْقَرْيَةِ الَّتِي اُمْطِرَتْ  
مَطَرًا سَوِيْرًا ۝ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرْوْنَهَا ۝ اَمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝ وَاِذَا رَاوْكَ اِنْ  
يَتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۝ اِهْذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ كَاذِبٌ لِّضُلٰنَاعِنِ الْهَيْتٰنَا لَوْلَا  
اَنْ صَبَرْنَا عَلَيَّهَا ۝ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرُوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ اَرَاَيْتَ  
مَنْ اَتَّخَذَ الْهٰهٗ هُوَةً ۝ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنْ اَكْثَرُهُمْ يَسْمَعُوْنَ  
اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۝ اِنْ هُمْ اِلَّا كَاِلَّا نَعَامٍ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

ع

ان میں سے ہر ایک کو سمجھانے کے لئے ہم نے مثالیں دیں، اور (جب وہ نہ مانے تو) ہر ایک کو ہم نے پس کر رکھ  
دیا۔ ۳۹ اور یہ (کفار مکہ) اُس بستی سے ہو کر گذرتے رہے ہیں جس پر بری طرح (پتھروں کی) بارش برسائی گئی تھی۔  
بھلا کیا یہ اُس بستی کو دیکھتے نہیں رہے؟ (پھر بھی انہیں عبرت نہیں ہوئی) بلکہ ان کے دل میں دوسری زندگی کا اندیشہ تک  
پیدا نہیں ہوا۔ ۴۰ اور (اے پیغمبر!) جب یہ لوگ تمہیں دیکھتے ہیں تو ان کا کوئی کام اس کے سوا نہیں ہوتا کہ یہ تمہارا مذاق  
بناتے ہیں کہ: ”کیا یہی وہ صاحب ہیں جنہیں اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟“ ۴۱ اگر ہم اپنے خداؤں (کی عقیدت) پر  
مضبوطی سے جمے نہ رہتے تو ان صاحب نے تو ہمیں اُن سے بھٹکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔“ (جو لوگ یہ باتیں  
کہہ رہے ہیں) جب انہیں عذاب آنکھوں سے نظر آجائے گا تب انہیں پتہ چلے گا کہ کون راستے سے بالکل بھٹکا ہوا  
تھا؟ ۴۲ بھلا بتاؤ جس شخص نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنا لیا ہو، تو (اے پیغمبر!) کیا تم اُس کی ذمہ داری لے سکتے  
ہو؟ ۴۳ یا تمہارا خیال یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں؟ نہیں! ان کی مثال تو بس چار پاؤں کے جانوروں  
کی سی ہے، بلکہ یہ اُن سے زیادہ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ ۴۴

ہلاک کیا گیا، ان کے بارے میں مختلف تاریخی روایتیں ملتی ہیں، لیکن ان کے واقعے کی کوئی تفصیل نہ قرآن کریم نے بتائی ہے، نہ  
کسی مستند حدیث میں آئی ہے۔ اتنی بات ظاہر ہے کہ ان کے پاس کوئی پیغمبر بھیجے گئے تھے جن کی انہوں نے نافرمانی کی، اور اس  
کی وجہ سے ان کو ہلاک کیا گیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو کنویں میں لٹکا کر پھانسی دی تھی۔ واللہ اعلم  
(۱۴) اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہے جس کا واقعہ سورہ ہود (۱۱: ۷۷ تا ۸۳) میں گزر چکا ہے۔

(۱۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ اپنی اُمت پر بہت شفقت تھی، اس لئے آپ کی یہ خواہش رہتی تھی کہ جو لوگ کفر و شرک پر  
اڑے ہوئے ہیں، وہ کسی طرح ایمان لے آئیں، اور جب وہ ایمان نہیں لاتے تھے تو آپ کو صدمہ ہوتا تھا۔ قرآن کریم نے  
جا بجا آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ کا فریضہ حق بات کو پہنچانے کی حد تک محدود ہے۔ جن لوگوں نے اپنی خواہشات کو خدا بنا رکھا ہے،  
اُن کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔



أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسُ عَلَيْهِ دَلِيلًا ۚ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ۝۶۱ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ۝۶۲ وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ۝۶۳ لِّنُخْرِجَ بِهِ بَلْدَةً مَّيِّتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنْعَامًا كَثِيرًا ۝۶۴ وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا ۚ فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ۝۶۵

کیا تم نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کو نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح سائے کو پھیلاتا ہے؟ اور اگر وہ چاہتا تو اُسے ایک جگہ ٹھہرا دیتا۔ پھر ہم نے سورج کو اُس کے لئے رہنما بنا دیا ہے ۝۶۱ پھر ہم اُسے تھوڑا تھوڑا کر کے اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔ ۝۶۲ اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو لباس بنایا، اور نیند کو سراپا سکون، اور دن کو دوبارہ اُٹھ کھڑے ہونے کا ذریعہ بنا دیا۔ ۝۶۳ اور وہی ہے جس نے اپنی رحمت (یعنی بارش) سے پہلے ہوائیں بھیجیں جو (بارش کی) خوشخبری لے کر آتی ہیں، اور ہم نے ہی آسمان سے پاکیزہ پانی اُتارا ہے، ۝۶۴ تاکہ ہم اُس کے ذریعے مردہ زمین کو زندگی بخشیں، اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے موشیوں اور انسانوں کو اُس سے سیراب کریں۔ ۝۶۵ اور ہم نے لوگوں کے فائدے کے لئے اُس (پانی) کی الٹ پھیر کر رکھی ہے، تاکہ وہ سبق حاصل کریں۔ لیکن اکثر لوگ ناشکری کے سوا ہر بات سے انکاری ہیں۔ ۝۶۵

(۱۶) یہاں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کی کئی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی ہے جن پر انسان غور کرے تو ان میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی توحید پر واضح دلیل ہے۔ سب سے پہلے یاد دلایا گیا ہے کہ دُھوپ چھاؤں کی تبدیلیاں انسان کی زندگی کے لئے کتنی ضروری ہیں۔ اگر دُنیا میں ہمیشہ دُھوپ رہتی تب بھی زندگی دو بھر ہو جاتی، اور اگر ہر وقت سایہ ہی سایہ رہتا تو بھی انسان کا کاروبار زندگی معطل ہو کر رہ جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہر روز ان دونوں کا حسین امتزاج اس طرح پیدا فرماتا ہے کہ صبح کے وقت سایہ زمین پر پھیلا ہوا ہوتا ہے، پھر جوں جوں سورج چڑھتا جاتا ہے، اُس کا سایہ سُنتا رہتا ہے۔ ”سورج کو سائے کا رہنما بنانے“ کا مطلب یہی ہے کہ سورج کے چڑھنے کے ساتھ ساتھ سایہ گھٹنا شروع ہوتا ہے، یہاں تک کہ عین دوپہر کے وقت وہ کا اعدام ہو جاتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سمیٹنے سے تعبیر فرمایا ہے، پھر جوں جوں سورج مغرب کی طرف ڈھلتا ہے، سایہ پھر رفتہ رفتہ بڑھنا شروع ہوتا ہے، یہاں تک کہ غروب کے وقت پورے اُفق کو گھیر لیتا ہے۔ اور اس طرح انسانوں کو دُھوپ چھاؤں کی یہ تبدیلی دھیرے دھیرے حاصل ہوتی ہے، اور ناگہانی تبدیلی کے نقصانات سے بچاؤ ہوتا رہتا ہے۔

(۱۷) پانی کی الٹ پھیر کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ پانی اللہ تعالیٰ انسانوں کے درمیان اپنی حکمت سے ایک خاص تناسب کے مطابق تقسیم فرماتے ہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پانی کا اصل ذخیرہ سمندر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ وہاں سے اُسے بادلوں کے ذریعے اُٹھاتے ہیں، اور پہاڑوں پر برف کی صورت میں جمادیتے ہیں جہاں سے وہ پگھل پگھل کر دریاؤں کی صورت اختیار کرتا ہے، اور لوگ اُس سے اپنی ضروریات پوری کر کے اُسے ضائع کر دیتے ہیں، لیکن یہی مستعمل پانی ندی نالوں



وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِيعُ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ﴿٥٢﴾ وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَحْجُورًا ﴿٥٣﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۖ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿٥٤﴾ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۖ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿٥٥﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٥٦﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَتَيْتُمْ إِلَّا بِرَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٥٧﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۖ وَكَفَىٰ بِهِ بُدْنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا ﴿٥٨﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک الگ آگاہ کرنے والا (پیغمبر) بھیج دیتے۔ ﴿٥١﴾ لہذا (اے پیغمبر!) تم ان کافروں کا کہنا نہ مانو، اور اس قرآن کے ذریعے اُن کے خلاف پوری قوت سے جدوجہد کرو۔ ﴿٥٢﴾ اور وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو اس طرح ملا کر چلایا ہے کہ ایک میٹھا ہے جس سے تسکین ملتی ہے، اور ایک نمکین ہے، سخت کڑوا۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ اور ایسی رکاوٹ حائل کر دی ہے جس کو (دونوں میں سے) کوئی عبور نہیں کر سکتا۔ ﴿٥٣﴾ اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اُس کو نسبی اور سرسالی رشتے عطا کئے، اور تمہارا پروردگار بڑی قدرت والا ہے۔ ﴿٥٤﴾ اور یہ لوگ ہیں کہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کر رہے ہیں جو نہ ان کو کوئی فائدہ پہنچاتی ہیں، نہ نقصان۔ اور کافر انسان نے اپنے پروردگار ہی کی مخالفت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ ﴿٥٥﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں کسی اور کام کے لئے نہیں، بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ تم لوگوں کو خوشخبری دو، اور خبردار کرو۔ ﴿٥٦﴾ کہہ دو کہ: ”میں اس کام پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، ہاں جو شخص یہ چاہے کہ اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کر لے (تو یہی میری اجرت ہے)“ ﴿٥٧﴾ اور تم اُس ذات پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے، جسے کبھی موت نہیں آئے گی، اور اُسی کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو، اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لئے کافی ہے۔ ﴿٥٨﴾

کے ذریعے دوبارہ سمندروں میں جا گرتا ہے، اور پاک پانی کے اس ذخیرے میں بہہ بہہ کر دوبارہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اُسے پھر بادلوں کے ذریعے اوپر اٹھایا جائے۔

(۱۸) دریاؤں اور سمندروں کے سنگم پر یہ نظارہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ دو الگ الگ قسم کے پانی ساتھ ساتھ چلتے ہیں، لیکن ایک دوسرے میں گڈنڈ نہیں ہوتے، بلکہ دُور تک ان کی خصوصیات الگ الگ دیکھی اور محسوس کی جاسکتی ہیں۔ یہی وہ عجیب و غریب آڑ ہے جو دونوں کو ایک دوسرے کی سرحد عبور کرنے نہیں دیتی۔



الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ  
 الرَّحْمَنُ فَسُئِلَ بِهِ خَبِيرًا ۝ (۵۹) وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَسْجُدُ  
 لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۝ (۶۰) تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا  
 وَقَمَرًا مُنِيرًا ۝ (۶۱) وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنۢ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ  
 شُكُورًا ۝ (۶۲) وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا  
 سَلَامًا ۝ (۶۳) وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝ (۶۴)

وہ ذات جس نے چھ دن میں سارے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں پیدا کیں، پھر اُس نے عرش پر استواء فرمایا، وہ رحمن ہے، اس لئے اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھو۔ (۵۹) اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ رحمن کو سجدہ کرو تو یہ کہتے ہیں کہ: ”رحمن کیا ہوتا ہے؟ کیا جسے بھی تم کہہ دو، ہم اُسے سجدہ کیا کریں؟“ اور اس بات سے وہ اور زیادہ بدکنے لگتے ہیں۔ (۶۰) بڑی شان ہے اُس کی جس نے آسمان میں برج بنائے، اور اُس میں ایک روشن چراغ اور نور پھیلانے والا چاند پیدا کیا۔ (۶۱) اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایسا بنایا کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے چلے آتے ہیں، (مگر یہ ساری باتیں) اُس شخص کے لئے (کارآمد ہیں) جو نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو یا شکر بجالانا چاہتا ہو۔ (۶۲) اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں، اور جب جاہل لوگ اُن سے (جاہلانہ) خطاب کرتے ہیں تو وہ سلامتی کی بات کہتے ہیں۔ (۶۳) اور جو راتیں اس طرح گزارتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے آگے (کبھی) سجدے میں ہوتے ہیں، اور (کبھی) قیام میں۔ (۶۴)

(۱۹) ”استواء“ کے لفظی معنی سیدھا ہو جانے اور مضبوطی سے بیٹھ جانے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عرش پر استواء فرمانے کا کیا مطلب اور اُس کی کیا کیفیت ہے؟ یہ بات ہماری محدود عقل سے ماورا ہے، اور اُن متشابہات میں سے ہے جن کا ذکر سورہ آل عمران کے بالکل شروع میں آیا ہے۔ اس لئے اس پر جوں کا توں ایمان رکھنا چاہئے، اور اس کی کیفیت کی تحقیق و جستجو میں نہیں پڑنا چاہئے۔

(۲۰) مشرکین مکہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے ”رحمن“ کے نام کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اس لئے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر اس نام کے ساتھ کیا جاتا تو وہ بڑی بدتمیزی سے اس مبارک نام کی تردید کرتے تھے۔

(۲۱) یہ سجدے کی آیت ہے، جو کوئی شخص عربی میں یہ آیت پڑھے یا سنے اُس پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔

(۲۲) ”بروج“ سے مراد ستارے بھی ہو سکتے ہیں، اور آسمان کے وہ مختلف حصے بھی جنہیں فلکیات والے بروج کہتے ہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے بالائی فضا کے کچھ ایسے اجسام مراد ہوں جن تک ابھی انسان کی پہنچ نہیں ہو سکی۔

(۲۳) یعنی ان کی بدکلامی اور گالی گفتار کا جواب بڑے الفاظ میں دینے کے بجائے شریفانہ انداز میں دیتے ہیں۔



وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝۱۵۱ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝۱۵۲ وَالَّذِينَ إِذَا آنَفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ۝۱۵۳ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۖ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۝۱۵۴ يُضْعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا ۝۱۵۵ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلِئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۱۵۶ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ۝۱۵۷

اور جو یہ کہتے ہیں کہ: ”ہمارے پروردگار! جہنم کے عذاب کو ہم سے دُور رکھئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس کا عذاب وہ تباہی ہے جو چھٹ کر رہ جاتی ہے۔ ۱۵۱ یقیناً وہ کسی کا مستقر اور قیام گاہ بننے کے لئے بدترین جگہ ہے۔“ ۱۵۲ اور جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں، نہ تنگی کرتے ہیں، بلکہ اُن کا طریقہ اس (افراط و تفریط) کے درمیان اعتدال کا طریقہ ہے۔ ۱۵۳ اور جو اللہ کے ساتھ کسی بھی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے، اور جس جان کو اللہ نے حرمت بخشی ہے، اُسے ناحق قتل نہیں کرتے، اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔ اور جو شخص بھی یہ کام کرے گا، اُسے اپنے گناہ کے وبال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ۱۵۴ قیامت کے دن اُس کا عذاب بڑھا بڑھا کر دُگنا کر دیا جائے گا، اور وہ ذلیل ہو کر اُس عذاب میں ہمیشہ رہے گا۔ ۱۵۵ ہاں مگر جو کوئی توبہ کر لے، ایمان لے آئے، اور نیک عمل کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی بُرائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ۱۵۶ اور جو کوئی توبہ کرتا اور نیک عمل کرتا ہے تو وہ درحقیقت اللہ کی طرف ٹھیک ٹھیک لوٹ آتا ہے۔ ۱۵۷

(۲۴) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر و شرک کا ارتکاب کریں، کیونکہ مومن عذاب میں ہمیشہ نہیں رہیں گے، اور اگر انہوں نے گناہ کئے ہوں گے تو اس کی سزا پا کر جنت میں جائیں گے۔

(۲۵) یعنی حالت کفر میں انہوں نے جو بُرے کام کئے تھے، وہ ان کے نامہ اعمال سے مٹا دیئے جائیں گے، اور اسلام لا کر جو نیک عمل کئے ہوں گے، وہ ان کی جگہ لے لیں گے۔



وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ ۚ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۖ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ۖ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْ لَنَا لُتْفَاتِكَ ۖ أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۖ خُلِدُوا فِيهَا حَسَنَتٌ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۖ قُلْ مَا يَعْبُؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۖ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ۖ

اور (رحمن کے بندے وہ ہیں) جو ناحق کاموں میں شامل نہیں ہوتے، اور جب کسی لغو چیز کے پاس سے گذرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔ (۲۷) اور جب انہیں اپنے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے بن کر نہیں گرتے (۲۸) اور جو (دعا کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ: ”ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی بیوی بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہمیں پرہیزگاروں کا سربراہ بنادے۔“ (۲۹) یہ لوگ ہیں جنہیں اُن کے صبر کے بدلے جنت کے بالا خانے عطا ہوں گے، اور وہاں دُعاؤں اور سلام سے اُن کا استقبال کیا جائے گا۔ (۳۰) وہ وہاں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ کسی کا مستقر اور قیام گاہ بننے کے لئے وہ بہترین جگہ ہے۔ (۳۱) (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ: ”میرے پروردگار کو تمہاری ذرا بھی پروا نہ ہوتی، اگر تم اُس کو نہ پکارتے۔ اب جبکہ (اے کافرو!) تم نے حق کو جھٹلادیا ہے تو یہ جھٹلانا تمہارے گلے پڑ کر رہے گا۔“ (۳۲)

(۲۶) قرآن کریم میں اصل لفظ ”زور“ استعمال ہوا ہے جس کے معنی جھوٹ کے ہیں، اور ہر باطل اور ناحق کو بھی ”زور“ کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں ناحق اور ناجائز کام ہو رہے ہوں، اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اُن میں شامل نہیں ہوتے۔ اور اس کا ایک یہ ترجمہ بھی ممکن ہے کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

(۲۷) یعنی نہ تو اُس لغو اور بے ہودہ کام میں شریک ہوتے ہیں، اور نہ اُن لوگوں کی تحقیر کرتے ہیں جو ان کاموں میں مبتلا ہیں، البتہ اُس بُرے کام کو بُرا سمجھتے ہوئے وقار کے ساتھ وہاں سے گذر جاتے ہیں۔

(۲۸) یہ منافقین پر طنز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں سن کر وہ بظاہر تو بڑے اشتیاق کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ اُن کے آگے گرے اور جھکے ہوئے نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت میں انہوں نے حق بات کے لئے اپنے کان بند کئے ہوتے ہیں، اور آنکھیں اندھی بنائی ہوتی ہیں اس لئے اُن آیتوں سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ان آیتوں کا شوق سے استقبال کرتے ہیں تو اُن کے مضامین کو توجہ سے سنتے بھی ہیں، اور جن حقائق کی طرف وہ توجہ دلاتی ہیں، انہیں کھلی آنکھوں سمجھنے اور محسوس کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

(۲۹) باپ عام طور سے اپنے خاندان کا سربراہ ہوتا ہے۔ اُس کو یہ دُعا سکھائی جا رہی ہے کہ بحیثیت باپ اور شوہر کے مجھے اپنے



بیوی بچوں کا سربراہ تو بننا ہے، لیکن میرے بیوی بچوں کو متقی پرہیزگار بنادیتجئے تاکہ میں پرہیزگاروں کا سربراہ بنوں جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں، فاسق و فاجر لوگوں کا سربراہ نہ بنوں جو میرے لئے عذابِ جان بن جائیں۔ جو لوگ اپنے گھروالوں کے رویے سے پریشان رہتے ہیں، انہیں یہ دُعا ضرور مانگتے رہنا چاہئے۔

یہ خطاب اُن لوگوں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے رُجوع نہ کرتے، اور اُس کی عبادت سے روگردانی کرتے تو اللہ تعالیٰ کو بھی تمہاری کوئی پروا نہیں تھی، لیکن جو لوگ اُس کی عبادت کرتے ہیں اور جن کے نیک کاموں کا اُوپر بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اُن کے بہتر انجام کا کفیل ہے۔ پھر آگے کافروں سے خطاب ہے کہ جب تمہیں یہ اُصول معلوم ہو گیا، اور تم نے حق کو جھٹلانے کی روش اختیار کر رکھی ہے تو تمہارا وہ انجام نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا ہوتا ہے۔ تمہارا یہ طرزِ عمل تمہارے گلے پڑے گا، اور آخرت کے عذاب کی شکل میں تم سے اس طرح چمٹ جائے گا کہ اس سے خلاصی ممکن نہیں ہوگی۔

الحمد للہ، آج بروز دوشنبہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق ۳۰ اپریل ۲۰۰۷ء سورہ فرقان کا ترجمہ اور حواشی کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق بخشیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الشُّعَرَاءِ

## تعارف

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت کے مطابق یہ سورت سورہ واقعہ (سورت نمبر ۵۶) کے بعد نازل ہوئی تھی۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کا وہ زمانہ تھا جس میں کفار مکہ آپ کی دعوت کی بڑے زور شور سے مخالفت کرتے ہوئے آپ سے اپنی پسند کے معجزات دکھانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس سورت کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی دی گئی ہے، اور کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کی طرف توجہ دلا کر اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی کے دل میں انصاف ہو اور وہ سچے دل سے حق کی تلاش کرنا چاہتا ہو تو اُس کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی یہ نشانیاں اُس کی توحید کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں، اور اُسے کسی اور معجزے کی تلاش کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی ضمن میں پچھلے انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے واقعات یہ بیان کرنے کے لئے سنائے گئے ہیں کہ ان کی قوموں نے جو معجزات مانگے تھے، انہیں وہی معجزات دکھائے گئے، لیکن وہ پھر بھی نہ مانے جس کے نتیجے میں انہیں عذاب الہی کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب منہ مانگے معجزات دیکھنے کے باوجود کوئی قوم ایمان نہیں لاتی تو اُسے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اس بنا پر کفار مکہ کو مہلت دی جا رہی ہے کہ وہ انت نئے معجزات کا مطالبہ کرنے کے بجائے توحید و رسالت کے دوسرے دلائل پر کھلی آنکھوں سے غور کر کے ایمان لائیں، اور ہلاکت سے بچ جائیں۔

کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کاہن کہتے تھے، کبھی جادوگر اور کبھی آپ کو شاعر کا نام دیتے تھے۔ سورت کے آخری رکوع میں ان باتوں کی مدلل تردید فرمائی گئی ہے، اور کاہنوں اور شاعروں کی خصوصیات بیان کر کے بتایا گیا ہے کہ ان میں سے کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں پائی جاتی۔ اسی ضمن میں آیت: ۲۲۷ نے شعراء کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ اسی وجہ سے سورت کا نام شعراء رکھا گیا ہے۔



﴿آیاتها ۲۲﴾ ﴿سُورَةُ الشَّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ ۲۷﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۱۱﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

طَسَمَ ۱ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۲ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۳ إِنَّ نَسْأَ  
نُزِّلَ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ ۴ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ  
الرَّحْمَنِ مُحَدِّثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ۵ فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ  
يَسْتَهْزِءُونَ ۶ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْآرْضِ كَمَا أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۷ إِنَّ فِي ذَلِكَ  
لَآيَةً ۸ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۹ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۱۰

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں دو سو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

طَسَمَ ۱ یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو حق کو واضح کرنے والی ہے۔ ۲ (اے پیغمبر!) شاید تم اس غم میں اپنی جان ہلاک  
کئے جا رہے ہو کہ یہ لوگ ایمان (کیوں) نہیں لاتے! ۳ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی اتار دیں کہ  
اُس کے آگے ان کی گردنیں جھک کر رہ جائیں۔ ۴ (ان کا حال تو یہ ہے کہ) ان کے پاس خدائے رحمن کی طرف سے  
جو کوئی نئی نصیحت آتی ہے، یہ اُس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ۵ اس طرح انہوں نے حق کو جھٹلادیا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ جن  
باتوں کا مذاق اڑاتے رہے ہیں، اب عنقریب اُن کے ٹھیک ٹھیک حقائق ان کے سامنے آ جائیں گے۔ ۶ اور کیا انہوں  
نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں ہر نفیس قسم کی کتنی چیزیں اُگائی ہیں؟ ۷ یقیناً ان سب چیزوں میں عبرت کا بڑا  
سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ۸ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحبِ اقتدار بھی ہے،  
بہت مہربان بھی۔ ۹

(۱) جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا تھا، مختلف سورتوں کے شروع میں جو حروف آئے ہیں، انہیں حروفِ مقطعات کہا  
جاتا ہے، اور ان کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں تھا کہ ان کو ایمان لانے پر مجبور کر دیتا، لیکن اس دُنیا میں انسان کو بھیجنے  
کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اُسے زبردستی مسلمان بنایا جائے، بلکہ انسان سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ کسی زور زبردستی کے بغیر اپنی عقل کو  
استعمال کر کے اور دلائل پر غور کر کے ایمان کا راستہ اختیار کرے۔ یہی وہ آزمائش ہے جس کے لئے اُسے دُنیا میں بھیجا گیا ہے۔  
اس لئے اگر یہ لوگ ایمان نہیں لارہے ہیں تو آپ کو اتنا صدمہ نہیں کرنا چاہئے کہ اپنی جان کو ہلاک کر لیں۔



وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنْ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۖ أَلَا يَتَّقُونَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ۝ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَرُونَ ۝ وَلَهُمْ عَلَىٰ ذُنُوبٍ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ۝ قَالَ كَلَّا ۖ فَادْهَبَا بِأُيُوتَنَا إِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَمِعُونَ ۝ فَاتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَنْ أَرْسِلَ مَعَنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ۝ وَفَعَلْتَ فَعَلْتِكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝ قَالَ فَعَلْتُمَا إِذَا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ۝

اور اُس وقت کا حال سنو جب تمہارے پروردگار نے موسیٰ کو آواز دے کر کہا تھا کہ: ”اس ظالم قوم کے پاس جاؤ، (۱۰) یعنی فرعون کی قوم کے پاس۔ کیا ان کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہے؟“ (۱۱) موسیٰ نے کہا کہ: ”میرے پروردگار! مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھوٹا بنائیں گے۔ (۱۲) اور میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے، اور میری زبان نہیں چلتی۔ اس لئے آپ ہارون کو بھی (نبوت کا) پیغام بھیج دیجئے۔ (۱۳) اور میرے خلاف ان لوگوں نے ایک جرم بھی عائد کر رکھا ہے، جس کی وجہ سے مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل نہ کر ڈالیں۔“ (۱۴) اللہ نے فرمایا کہ: ”ہرگز نہیں! تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ۔ یقین رکھو کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ساری باتیں سنتے رہیں گے۔ (۱۵) اب تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، اور کہو کہ: ”ہم دونوں رب العالمین کے پیغمبر ہیں (۱۶) (اور یہ پیغام لائے ہیں) کہ تم بنو اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو۔“ (۱۷) فرعون نے (جواب میں موسیٰ علیہ السلام سے) کہا: ”کیا ہم نے تمہیں اُس وقت اپنے پاس رکھ کر نہیں پالا تھا جب تم بالکل بچے تھے؟ اور تم نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہمارے یہاں رہ کر گزارے، (۱۸) اور جو حرکت تم نے کی تھی وہ بھی کر گزرے، اور تم بڑے ناشکرے آدمی ہو۔“ (۱۹) موسیٰ نے کہا: ”اُس وقت وہ کام میں ایسی حالت میں کر گزرا تھا کہ مجھے پتہ نہیں تھا۔“ (۲۰)

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مظلوم کو بچاتے ہوئے ظالم کو ایک مکا مارا تھا جس سے وہ مر ہی گیا۔ اس وجہ سے ان پر قتل کا الزام لگ گیا تھا۔ تفصیلی واقعہ سورہ قصص (سورت نمبر: ۲۸) میں آنے والا ہے۔

(۴) بنو اسرائیل اصل میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا نام ہے۔ یہ فلسطین کے علاقے کنعان کے باشندے تھے، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کے حکمران بنے تو انہوں نے اپنے سارے خاندان کو مصر بلا کر آباد کر لیا تھا، جس کا واقعہ سورہ یوسف میں گزر چکا ہے۔ کچھ عرصے یہ لوگ وہاں اطمینان سے رہے، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد مصر کے بادشاہوں نے جنہیں فرعون کہا جاتا تھا، ان کو غلام بنا کر ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھانے شروع کر دیئے۔

(۵) یہ واقعہ سورہ طہ (۳۹: ۲۰) میں گزر چکا ہے۔

(۶) یہ اُسی قتل کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر اوپر حاشیہ نمبر ۳ میں کیا گیا ہے۔

(۷) یعنی یہ پتہ نہیں تھا کہ وہ ایک ہی مکا کھا کر مر جائے گا۔



فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢١﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَبَاهَا عَلَى أَنْ عَبَّدْتُ بَنِي إِسْرَءِيلَ ﴿٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَ لِمَنِ اتَّخَذَتِ الْهَاطِغِيرِيُّ لَا جَعَلَنَّاكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ أَوْ لَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُبِينٍ ﴿٣٠﴾ قَالَ فَأْتِ بِهِ ۚ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣١﴾

چنانچہ جب مجھے تم لوگوں سے خوف ہوا تو میں تمہارے پاس سے فرار ہو گیا، پھر اللہ نے مجھے حکمت عطا فرمائی، اور پیغمبروں میں شامل فرمادیا۔ ﴿۲۱﴾ اور وہ احسان جو تم مجھ پر رکھ رہے ہو، (اُس کی حقیقت) یہ ہے کہ تم نے سارے بنو اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ ﴿۲۲﴾ فرعون نے کہا: ”اور یہ رَّبِّ العالمین کیا چیز ہے؟“ ﴿۲۳﴾ موسیٰ نے کہا: ”وہ سارے آسمانوں اور زمین کا، اور اُن ساری چیزوں کا پروردگار ہے جو ان کے درمیان پائی جاتی ہیں، اگر تم کو واقعی یقین کرنا ہو۔“ ﴿۲۴﴾ فرعون نے اپنے ارد گرد کے لوگوں سے کہا: ”سن رہے ہو کہ نہیں؟“ ﴿۲۵﴾ موسیٰ نے کہا: ”وہ تمہارا بھی پروردگار ہے، اور تمہارے پچھلے باپ دادوں کا بھی۔“ ﴿۲۶﴾ فرعون بولا: ”تمہارا یہ پیغمبر جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے، یہ تو بالکل ہی دیوانہ ہے۔“ ﴿۲۷﴾ موسیٰ نے کہا: ”وہ مشرق و مغرب کا بھی پروردگار ہے، اور اُن کے درمیان ساری چیزوں کا بھی، اگر تم عقل سے کام لو۔“ ﴿۲۸﴾ کہنے لگا: ”یاد رکھو، اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود مانا تو میں تمہیں ضرور اُن لوگوں میں شامل کر دوں گا جو جیل خانے میں پڑے ہوئے ہیں۔“ ﴿۲۹﴾ موسیٰ بولے: ”اور اگر میں تمہیں کوئی ایسی چیز لا دکھاؤں جو حق کو واضح کر دے، پھر؟“ ﴿۳۰﴾ فرعون نے کہا: ”اچھا، اگر واقعی سچے ہو تو لے آؤ وہ چیز۔“ ﴿۳۱﴾

(۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین چلے گئے تھے جہاں سے واپسی میں انہیں نبوت عطا ہوئی۔ تفصیلی واقعہ سورہ قصص (سورت نمبر ۲۸) میں آنے والا ہے۔

(۹) فرعون نے جو سوال کیا تھا، اس کا مطلب یہ تھا کہ رَّبِّ العالمین کی حقیقت و ماہیت بتاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت و ماہیت کوئی نہیں جان سکتا، البتہ اُس کو اُس کی صفات سے پہچانا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں باری تعالیٰ کی صفات ہی بیان فرمائیں۔ اس پر فرعون نے کہا کہ ”یہ بالکل دیوانہ ہے“ کیونکہ سوال حقیقت کا کیا گیا تھا، اور جواب صفات سے دے رہے ہیں۔



فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿۳۲﴾ وَنَزَعْنَا مِنْهُ آيَاتِهِ بَيِّنَاتٍ ۚ وَنُفِخَ فِي سُوفٍ مِّنَ السَّحَابِ مَنَاسِكُ ۖ وَقَالَ لِّلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي هَٰذَا قَرْيَةً ۖ فَاتَّبِعُوا أَمْرِي وَلَا تَعْصُوا أَمْرَ ثَعْنُ ۚ فَجَعَلْنَاهَا سَكِينًا ۖ وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا شَرًّا مِّنَ الْيَاسْرِ ۖ فَجَعَلْنَاهَا لَكُم مَّغْرَبًا ۖ وَأَوَّلَ قُرْآنٍ مِّنَ الْكِتَابِ ﴿۳۳﴾ قَالُوا أَرْجَاهُ وَآخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۳۴﴾ يَا ثَعْنُ كُلِّ سَحَابٍ عَلِيمٌ ﴿۳۵﴾ فَجَبَعْنَا السَّحَابَ رُءُوسًا لِّبَيْتَاتٍ يَوْمَ مَعْلُومٍ ﴿۳۶﴾ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُّجْتَبِعُونَ ﴿۳۷﴾ لَعَلَّكَ أَتَيْتَ السَّحَابَ بِغُلَبٍ ۚ إِنَّكُمْ كَانُوا ثَغِيرًا ۖ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَابُ ثَغِيرًا ۖ قَالَ لِّقُرْعُونَ إِنِّي لَنَآلٍ جُرَّاءٍ ۖ إِنَّكُمْ لَبُتُوعُونَ ۖ قَالُوا نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذَا لَبِثَ الْبَيْتَ بَيْنَ يَدَيْنَا لَكُنَّا عَصَا ۖ قَالُوا لَٰكُم مَّا أَنْتُمْ مُّلتَقُونَ ﴿۳۸﴾ فَالْقُوا حَبَالَهُمْ وَعَصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ رَبِّكُمْ إِنَّا لَنَخِفُّ لَكُمْ كَالْأَغْلَابِ ۖ قَالُوا لَٰكُم مَّا أَنْتُمْ مُّلتَقُونَ ﴿۳۹﴾

چنانچہ موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا، اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ کھلا ہوا اژدھا بن گیا، ﴿۳۲﴾ اور انہوں نے اپنا ہاتھ (بغل میں سے) کھینچ کر نکالا تو پل بھر میں وہ سب دیکھنے والوں کے سامنے سفید ہو گیا۔ ﴿۳۳﴾ فرعون نے اپنے ارد گرد کے سرداروں سے کہا: ”یقیناً یہ کوئی ماہر جادوگر ہے۔“ ﴿۳۴﴾ یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال باہر کرے۔ اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟“ ﴿۳۵﴾ انہوں نے کہا: ”ان کو اور ان کے بھائی کو کچھ مہلت دیجئے، اور تمام شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے“ ﴿۳۶﴾ جو ہر ماہر جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں (اور ان جادوگروں کا مقابلہ کریں)“ ﴿۳۷﴾ چنانچہ ایک دن مقررہ وقت پر سارے جادوگر جمع کر لئے گئے۔ ﴿۳۸﴾ اور لوگوں سے کہا گیا کہ: ”کیا تم لوگ جمع ہو رہے ہو؟“ ﴿۳۹﴾ شاید اگر یہ جادوگر ہی غالب آگئے تو ہم انہی کے راستے پر چلیں۔“ ﴿۴۰﴾ پھر جب جادوگر آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا: ”یہ بات تو یقینی ہے نا کہ اگر ہم غالب آگئے تو ہمیں کوئی انعام ملے گا؟“ ﴿۴۱﴾ فرعون نے کہا: ”ہاں ہاں، اور تمہیں اُس صورت میں مقرب لوگوں میں بھی ضرور شامل کر لیا جائے گا۔“ ﴿۴۲﴾ موسیٰ نے اُن جادوگروں سے کہا: ”جو کچھ تمہیں پھینکنا ہے، پھینکو۔“ ﴿۴۳﴾ اس پر اُن جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لٹھیاں زمین پر ڈال دیں، ﴿۴۴﴾ اور کہا کہ: ”فرعون کی عزت کی قسم! ہم ہی ہم غالب آئیں گے۔“ ﴿۴۵﴾

(۱۰) یعنی چمک دار ہو گیا۔

(۱۱) سورہ طہ (۲۰: ۶۶) میں گزر چکا ہے کہ اچانک ان کی ڈالی ہوئی رسیاں اور لٹھیاں اُن کے جادو کے نتیجے میں ایسی محسوس

ہونے لگیں جیسے دوڑ رہی ہیں۔



فَأُلْقِيَ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿٣٧﴾ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجُودِينَ ﴿٣٨﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٩﴾ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿٤٠﴾ قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ أَدْنِ لَكُمْ ۚ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ لَا قُطْعَنَ أَيِّدِيكُمُ وَآرُسُجُلُكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَا وَصَلِبَتُكُمُ أَجْعَعِينَ ﴿٤١﴾ قَالُوا لَا ضَيْرَ ۚ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿٤٢﴾ إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطِيئَتَنَا ۚ إِنَّا كُنَّا آوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٣﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي ۖ إِنَّكُمْ مُّتَّبِعُونَ ﴿٤٤﴾ فَأَرْسَلْ فِرْعَوْنَ فِي الْمَدَآئِنِ حَاشِرِينَ ﴿٤٥﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُونَ ﴿٤٧﴾ وَإِنَّا لَجَبِيحٌ حَذِرُونَ ﴿٤٨﴾ فَأَخْرَجْنَاهُم مِّنْ جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ﴿٤٩﴾ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٥٠﴾

اب موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر ڈالا، تو اچانک اُس نے (اڑدھا بن کر) اُس تماشے کو نگنا شروع کر دیا جو وہ جھوٹ موٹ بنا رہے تھے۔ ﴿۳۷﴾ بس پھر وہ جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے۔ ﴿۳۸﴾ کہنے لگے کہ: ”ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے، جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے۔“ ﴿۳۹﴾ فرعون بولا: ”تم میرے اجازت دینے سے پہلے ہی موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ ثابت ہوا کہ یہ تم سب کا سرغنہ ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ اچھا ابھی تمہیں پتہ چل جائے گا۔ میں تم سب کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹواؤں گا، اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔“ ﴿۴۰﴾ جادوگروں نے کہا: ”ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا، ہمیں یقین ہے کہ ہم لوٹ کر اپنے پروردگار کے پاس چلے جائیں گے۔“ ﴿۴۱﴾ ہم تو شوق سے اُمید لگائے ہوئے ہیں کہ ہمارا پروردگار اس وجہ سے ہماری خطائیں بخش دے گا کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔“ ﴿۴۲﴾ اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ: ”میرے بندوں کو لے کر راتوں رات روانہ ہو جاؤ، تمہارا پیچھا یقیناً کیا جائے گا۔“ ﴿۴۳﴾ اس پر فرعون نے شہروں میں ہر کارے بھیج دیئے ﴿۴۴﴾ (اور یہ کہلا بھیجا کہ: ”یہ (بنی اسرائیل) ایک چھوٹی سی ٹولی کے تھوڑے سے لوگ ہیں ﴿۴۵﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے دل جلائے ہوئے ہیں، ﴿۴۶﴾ اور ہم سب احتیاطی تدبیریں کئے ہوئے ہیں (لہذا سب مل کر ان کا تعاقب کرو)۔“ ﴿۴۷﴾ اس طرح ہم انہیں باہر نکال لائے باغوں اور چشموں سے بھی ﴿۴۸﴾ اور خزانوں اور باعزت مقامات سے بھی ﴿۴۹﴾

(۱۲) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قرآن کریم نے ان کے لئے ”سجدے میں گر گئے“ کے بجائے ”سجدے میں گرا دیئے گئے“ فرمایا ہے۔ اس میں اشارہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ دکھلایا، وہ اس درجہ مؤثر تھا کہ اُس نے انہیں بے ساختہ سجدے میں گرا دیا۔



كَذٰلِكَ ۖ وَاَوْشٰهُا۟ بَنِيۤ اِسْرَآءِیْلَ ۚ فَاتَّبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ۚ فَلَمَّاتَرَآءَ الْجَمْعِیْنَ قَالِ  
اَصْحَبُ مُوْسٰی اِنَّا لَمُدْرٰكُوْنَ ۚ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّیۡ سَیَهْدِیْنِ ۚ فَاَوْحٰیۤ اِلٰی مُوْسٰی اَنْ  
اَضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ ۚ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ۚ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ۚ  
وَاَنْجِیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗ اَجْمَعِیْنَ ۚ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ۚ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ۚ وَمَا  
كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهٗوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۚ وَاَتْلُ عَلٰیهِمْ نَبَا  
اِبْرٰهٖمَ ۚ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۚ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنُظِلُّ لَهَا مِنْ غَیْفِیْنَ ۚ

ان کا معاملہ تو اسی طرح ہوا، اور (دوسری طرف) ان چیزوں کا وارث ہم نے بنی اسرائیل کو بنا دیا۔ (۱۳) غرض ہوا یہ کہ یہ سب لوگ سورج نکلتے ہی اُن کا پیچھا کرنے نکل کھڑے ہوئے۔ (۱۴) پھر جب دونوں جتھے ایک دوسرے کو نظر آنے لگے تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا کہ: ”اب تو کچھ بات ہے کہ ہم پکڑ ہی لئے گئے۔“ (۱۵) موسیٰ نے کہا: ”ہرگز نہیں، میرے ساتھ یقینی طور سے میرا پروردگار ہے، وہ مجھے راستہ بتائے گا۔“ (۱۶) چنانچہ ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو۔ بس پھر سمندر پھٹ گیا، اور ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا۔ (۱۷) اور دوسرے فریق کو بھی ہم اُس جگہ کے نزدیک لے آئے۔ (۱۸) اور موسیٰ اور اُن کے تمام ساتھیوں کو ہم نے بچا لیا، (۱۹) پھر دوسروں کو غرق کر ڈالا۔ (۲۰) یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، (۲۱) اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحب اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ (۲۲)

اور (اے پیغمبر!) ان کو ابراہیم کا واقعہ سناؤ، (۲۳) جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟“ (۲۴) انہوں نے کہا کہ: ”ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں، اور انہی کے آگے دھرنادیتے رہتے ہیں۔“ (۲۵)

(۱۳) اس کی تشریح کے لئے دیکھئے سورہ اعراف (۷: ۱۳۷) کا حاشیہ۔

(۱۴) موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کے سامنے سمندر آگیا تھا، اور پیچھے سے فرعون کا لشکر۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی سمجھے کہ اب بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے پانی کے کئی حصے کر کے اُن کو پہاڑ کی طرح کھڑا کر دیا، اور اُن حصوں کے درمیان خشک راستے بن گئے۔

(۱۶) یعنی فرعون کے لشکر نے جب دیکھا کہ سمندر کے درمیان راستے بنے ہوئے ہیں، تو اُس نے بھی اُس راستے سے گزرنے کی کوشش کی، لیکن جب وہ لوگ وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو اپنی اصل حالت پر لوٹا دیا، اور فرعون اور اُس کے ساتھی اُسی سمندر میں غرق ہو گئے۔ یہ تفصیل سورہ یونس (۱۰: ۹۱ و ۹۲) میں گزر چکی ہے۔



قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ۖ (۷۲) أَوْ يَنْفَعُكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ۖ (۷۳) قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ۖ (۷۴) قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۖ (۷۵) أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ ۖ (۷۶) فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيَ إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ۖ (۷۷) الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ۖ (۷۸) وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ۖ (۷۹) وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ۖ (۸۰) وَالَّذِي يُبَيِّتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ۖ (۸۱) وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۖ (۸۲) رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ۖ (۸۳) وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ۖ (۸۴) وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ۖ (۸۵) وَاعْفِرْ لِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۖ (۸۶) وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۖ (۸۷) يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۖ (۸۸) إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۖ (۸۹)

ابراہیم نے کہا: ”جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا یہ تمہاری بات سنتے ہیں؟“ (۷۲) یا تمہیں کوئی فائدہ یا نقصان پہنچاتے ہیں؟“ (۷۳) انہوں نے کہا: ”اصل بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے۔“ (۷۴) ابراہیم نے کہا: ”بھلا کبھی تم نے ان چیزوں کو غور سے دیکھا بھی جن کی تم عبادت کرتے رہے ہو؟“ (۷۵) تم بھی اور تمہارے پرانے باپ دادے بھی! (۷۶) میرے لئے تو یہ سب دشمن ہیں، سوائے ایک رب العالمین کے (۷۷) جس نے مجھے پیدا کیا ہے، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے، (۷۸) اور جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے (۷۹) اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے، (۸۰) اور جو مجھے موت دے گا، پھر زندہ کرے گا، (۸۱) اور جس سے میں یہ اُمید لگائے ہوئے ہوں کہ وہ حساب و کتاب کے دن میری خطا بخش دے گا۔“ (۸۲) میرے پروردگار! مجھے حکمت عطا فرما، اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرما لے، (۸۳) اور آنے والی نسلوں میں میرے لئے وہ زبانیں پیدا فرما دے جو میری سچائی کی گواہی دیں۔ (۸۴) اور مجھے اُن لوگوں میں سے بنادے جو نعمتوں والی جنت کے وارث ہوں گے۔ (۸۵) اور میرے باپ کی مغفرت فرما۔ یقیناً وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔ (۸۶) اور اُس دن مجھے رُسوانہ کرنا جس دن لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، (۸۷) جس دن نہ کوئی مال کام آئے گا، نہ اولاد، (۸۸) ہاں جو شخص اللہ کے پاس سلامتی والا دل لے کر آئے گا، (اس کو نجات ملے گی) (۸۹)

(۱۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ادب ملاحظہ فرمائیے کہ انہوں نے بیمار ہونے کی نسبت تو اپنی طرف فرمائی، اور شفا دینے کو اللہ تعالیٰ کا عمل قرار دیا۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیماری انسان کی کسی اپنی غلطی کے سبب آتی ہے، اور شفا براہ راست اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔

(۱۸) سورہ مریم (۱۹: ۴۷) میں گزر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اُس



وَأَزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ۙ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَافِلِينَ ۙ وَقِيلَ لَهُمْ آيِنَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۙ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ هَلْ يَنْصَرُّوكُمْ أَوْ يَنْتَصِرُونَ ۙ فَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْغَاوِينَ ۙ وَحُنُودَ ابْلِيسَ أَجْمَعُونَ ۙ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ۙ تَاللَّهِ إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۙ إِذْ نَسَوْنَكُمْ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۙ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمَجْرُمُونَ ۙ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ ۙ وَلَا صَدِيقٍ حَقِيمٍ ۙ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۙ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۚ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۙ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۙ

اور جنت متقی لوگوں کے لئے قریب کر دی جائے گی، ۹۰ اور دوزخ کھلے طور پر گمراہوں کے سامنے کر دی جائے گی ۹۱ اور اُن سے کہا جائے گا کہ: ”کہاں ہیں وہ جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے؟ کیا وہ تمہاری مدد کریں گے یا خود اپنا بچاؤ کر لیں گے؟“ ۹۲ و ۹۳ پھر اُن کو اور گمراہوں کو بھی اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، ۹۴ اور ابلیس کے سارے لشکروں کو بھی۔ ۹۵ وہاں یہ سب آپس میں جھگڑتے ہوئے (اپنے معبودوں سے) کہیں گے ۹۶ کہ: ”اللہ کی قسم ہم تو اُس زمانے میں کھلی گمراہی میں مبتلا تھے ۹۷ جب ہم نے تمہیں رب العالمین کے برابر قرار دے رکھا تھا ۹۸ اور ہمیں تو ان بڑے بڑے مجرموں نے ہی گمراہ کیا تھا۔“ ۹۹ نتیجہ یہ ہے کہ نہ تو ہمیں کسی قسم کی سفارش کرنے والے میسر ہیں ۱۰۰ اور نہ کوئی ایسا دوست جو ہمدردی کر سکے ۱۰۱ اب کاش کہ ہمیں ایک مرتبہ دُنیا میں واپس جانے کا موقع مل جائے تو ہم مؤمن بن جائیں! ۱۰۲ یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ۱۰۳ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحب اقتدار بھی ہے، بہت مہربان بھی۔ ۱۰۴

کی مغفرت کی دُعا کریں گے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعت آگئی اور معلوم ہو گیا کہ وہ کبھی ایمان نہیں لائے گا تو انہوں نے بھی اس سے براءت کا اظہار فرما دیا، جیسا کہ سورہ توبہ (۱۱۴:۹) میں گذر چکا ہے۔

(۱۹) یعنی ان گمراہوں کے ساتھ ان کے جھوٹے معبودوں کو بھی دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جنہوں نے خود اپنی خدائی کا دعویٰ کیا تھا، اور بعض پتھر کے بت ہیں، اُن کو یہ دکھانے کے لئے دوزخ میں ڈالا جائے گا کہ جن کو یہ گمراہ لوگ معبود سمجھتے تھے، ان کا حشر بھی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

(۲۰) مجرموں سے یہاں مراد وہ بڑے بڑے سردار ہیں جو کفر پر قائم رہے، اور انہیں دیکھ کر دوسروں نے بھی کفر اختیار کئے رکھا۔ (۲۱) یہ وہ تقریر تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے فرمائی۔ باقی واقعہ یہاں بیان نہیں کیا گیا، اس کی تفصیل پیچھے سورہ انبیاء (۵۱:۲۱) میں گذر چکی ہے، اور کچھ تفصیل سورہ صافات (۸۳:۳۷) میں بھی آنے والی ہے۔



كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۖ (۱۰۵) إِذْ قَالَ لَهُمُ نُوحٌ الَا تَتَّقُونَ ۖ (۱۰۶) اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۖ (۱۰۷) فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنَ ۖ (۱۰۸) وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۖ (۱۰۹) فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنَ ۖ (۱۱۰) قَالُوْا اَنْتُمْ لَكَ وَاَتَّبَعَكَ اِلَّا رُذُلُوْنَ ۖ (۱۱۱) قَالَ وَمَا عَلَیْیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۖ (۱۱۲) اِنْ حَسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۖ (۱۱۳) وَمَا اَنَا بِطَارِدٍ الْمُؤْمِنِیْنَ ۖ (۱۱۴) اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۖ (۱۱۵) قَالُوْا لَیْسَ لَكَ تَنْتَهٰی یُنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ۖ (۱۱۶) قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِیْ ۖ (۱۱۷) فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ فَتَحَوْنِیْ وَنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیْ ۖ (۱۱۸) مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۖ (۱۱۹) فَانْجِیْنِهٖ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۖ (۱۲۰) ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدَ الْبَقِیْنَ ۖ (۱۲۱)

نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا (۱۰۵) جبکہ اُن کے بھائی نوح نے اُن سے کہا کہ: ”کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟“ (۱۰۶) یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، لہذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ (۱۰۸) اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دُنیا جہان کی پرورش کرتی ہے۔ (۱۰۹) لہذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔“ (۱۱۰) وہ لوگ بولے: ”کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں، حالانکہ بڑے نیچے درجے کے لوگ تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں؟“ (۱۱۱) نوح نے کہا: ”میں کیا جانوں کہ وہ کیا کام کرتے ہیں؟“ (۱۱۲) اُن کا حساب لینا کسی اور کا نہیں، میرے پروردگار کا کام ہے۔ (۱۱۳) کاش! تم سمجھ سے کام لو! (۱۱۴) اور میں ان مومنوں کو دھتکار کر اپنے سے دُور نہیں کر سکتا۔ (۱۱۵) میں تو بس ایک خبردار کرنے والا ہوں جو (تمہارے سامنے) حقیقت کھول کر رکھ رہا ہے۔“ (۱۱۶) وہ کہنے لگے: ”اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے گا۔“ (۱۱۷) نوح نے کہا: ”میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلادیا ہے۔ (۱۱۸) اب آپ میرے اور ان کے درمیان دو ٹوک فیصلہ کر دیجئے، اور مجھے اور میرے مومن ساتھیوں کو بچا لیجئے۔“ (۱۱۹) چنانچہ ہم نے انہیں اور اُن کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی میں بچالیا، (۱۲۰) پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔ (۱۲۱)

(۲۲) کافروں نے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ طعنہ دیا تھا کہ اُن کے پیروکار اکثر ایسے لوگ ہیں جن کا پیشہ نچلے درجے کا سمجھا جاتا

ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ مجھے اس سے کیا سروکار کہ اُن کا پیشہ کیا ہے، اور وہ کیا کام کرتے ہیں۔

(۲۳) کافروں کے مذکورہ اعتراض میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ یہ نچلے درجے کے لوگ سوچ سمجھ کر دل سے ایمان نہیں لائے

ہیں، بلکہ کسی ذاتی مفاد کی خاطر آپ کے ساتھ ہوئے ہیں۔ اس جملے میں اس کا جواب ہے کہ اگر بالفرض اُن کے دل میں کوئی اور

بات ہے بھی، تو میں اُس کی تحقیق کا مکلف نہیں ہوں، اُن کا حساب اللہ تعالیٰ خود لے لیں گے۔

(۲۴) پورا واقعہ سورہ ہود (۱۱: ۲۵ تا ۲۸) میں گزر چکا ہے۔



۱۸۰ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةًۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۸۱ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۱۸۲ كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۸۳ اِذْ قَالَ لَهُمُ اخُوهُمْ هُوْدًا لَا تَتَّبِعُوْنَ ۝۱۸۴ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝۱۸۵ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاطِيعُوْنَ ۝۱۸۶ وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۸۷ اَتَّبِعُوْنَ بِكُلِّ رِیْءٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ۝۱۸۸ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصٰنِعَ لَّعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝۱۸۹ وَاِذَا بَطِشْتُمْ بَطِشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝۱۹۰ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاطِيعُوْنَ ۝۱۹۱

یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ۱۸۱ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحب اقتدار بھی ہے، بہت مہربان بھی۔ ۱۸۲

عاد کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا ۱۸۳ جبکہ اُن کے بھائی ہود نے اُن سے کہا کہ: ”کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟“ ۱۸۴ یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، ۱۸۵ لہذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ۱۸۶ اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دُنیا جہان کی پرورش کرتی ہے۔ ۱۸۷ کیا تم ہر اونچی جگہ پر کوئی یادگار بنا کر فضول حرکتیں کرتے ہو؟ ۱۸۸ اور تم نے بڑی کاریگری سے بنائی ہوئی عمارتیں اس طرح رکھ چھوڑی ہیں جیسے تمہیں ہمیشہ زندہ رہنا ہے؟ ۱۸۹ اور جب کسی کی پکڑ کرتے ہو تو پکے ظالم و جابر بن کر پکڑ کرتے ہو۔ ۱۹۰ اب اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ۱۹۱

(۲۵) فضول حرکتوں کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر بلند جگہ پر کوئی یادگار تعمیر کرنے کو ہی فضول حرکت کہا گیا ہے، کیونکہ اس کا کوئی صحیح مقصد نہیں تھا، بلکہ محض دکھاوے اور بڑائی کے اظہار کے لئے یہ کام کیا جاتا تھا۔ دوسری تشریح بعض مفسرین، مثلاً حضرت ضحاکؒ نے یہ کی ہے کہ وہ لوگ ان اونچی تعمیروں پر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر نیچے سے گذرنے والوں کے ساتھ طرح طرح کی ناشائستہ حرکتیں کیا کرتے تھے۔ اس کو فضول حرکت سے تعبیر کیا گیا ہے (روح المعانی)۔

(۲۶) قرآن کریم میں یہاں ”مصانع“ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے اصل معنی ہیں وہ چیزیں جو کاریگری کا مظاہرہ کر کے بنائی گئی ہوں، اس میں ہر طرح کی وہ تعمیرات داخل ہیں جو نام و نمود کی خاطر بڑی شان و شوکت سے بنائی گئی ہوں، چاہے وہ زرق برق محل ہوں، یا پُر شکوہ قلعے یا نہریں اور راستے۔ یہاں حضرت ہود علیہ السلام نے اس طرزِ عمل پر جو اعتراض فرمایا ہے، دراصل اُس کا منشا یہ ہے کہ تم نے اپنی ساری دوڑ دھوپ کا مرکز اس نام و نمود اور شان و شوکت کو بنایا ہوا ہے، اور اسی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ بیٹھے ہو، جیسے تمہیں ہمیشہ اسی دُنیا میں رہنا ہے، اور کبھی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش نہیں ہونا۔

(۲۷) یعنی ایک طرف تو تمہارا حال یہ ہے کہ ان نام و نمود کی عمارتوں پر پانی کی طرح پیسہ بہاتے ہو، اور دوسری طرف غریبوں کے ساتھ تمہارا رویہ انتہائی ظالمانہ ہے کہ ذرا سی بات پر کسی کی پکڑ کر لی تو اس کی جان عذاب میں آگئی۔ حضرت ہود علیہ السلام کی



وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ﴿۳۳﴾ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۳۴﴾ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا خَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۳۵﴾ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعُظَّتْ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَعِظِينَ ﴿۳۶﴾ إِنَّ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ ﴿۳۸﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ﴿۳۹﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۴۰﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿۴۲﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَدِيقٌ ﴿۴۳﴾ إِنِّي آنَسْتُ لَكُمْ رَسُولًا أَمِينًا ﴿۴۴﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا

اور اُس ذات سے ڈرو جس نے اُن چیزوں سے نواز کر تمہاری قوت میں اضافہ کیا ہے جو تم خود جانتے ہو۔ ﴿۳۲﴾ اُس نے تمہیں مویشیوں اور اولاد سے بھی نوازا ہے، ﴿۳۳﴾ اور باغوں اور چشموں سے بھی۔ ﴿۳۴﴾ حقیقت یہ ہے کہ مجھے تم پر ایک زبردست دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ ﴿۳۵﴾ وہ کہنے لگے: ”چاہے تم نصیحت کرو، یا نہ کرو، ہمارے لئے سب برابر ہے۔ ﴿۳۶﴾ یہ باتیں تو وہی ہیں جو پچھلے لوگوں کی عادت رہی ہیں۔ ﴿۳۷﴾ اور ہم عذاب کا نشانہ بننے والے نہیں ہیں۔“ ﴿۳۸﴾ غرض ان لوگوں نے ہود کو جھٹلایا، جس کے نتیجے میں ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا۔ یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۳۹﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحب اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿۴۰﴾ قوم ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا، ﴿۴۱﴾ جبکہ اُن کے بھائی صالح نے اُن سے کہا کہ: ”کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟“ ﴿۴۲﴾ یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، ﴿۴۳﴾ لہذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۴۴﴾

یہ باتیں نقل کر کے قرآن کریم نے ہم سب کو توجہ دلائی ہے کہ کہیں ہمارا طرز عمل بھی اس زمرے میں تو نہیں آتا کہ بس دنیا کی شان و شوکت ہی کو سب کچھ سمجھ کر آخرت سے غافل ہوں، اور دولت مندی کے نشے میں غریبوں کو اپنے ظلم و ستم کی چکی میں پیس رکھا ہو؟ ﴿۲۸﴾ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم جو ہمیں دنیا کی شان و شوکت سے بیزار کر کے آخرت کی باتیں کر رہے ہو، پچھلے زمانے میں بھی لوگ اس طرح کے جھوٹے دعوے کرتے آئے ہیں، اس لئے تمہاری بات توجہ کے لائق نہیں ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ پرانے زمانے سے لوگ یہی کرتے آرہے ہیں۔ اس لئے اس پر اعتراض درست نہیں۔

﴿۲۹﴾ قوم عاد اور حضرت ہود علیہ السلام کے مزید تعارف کے لئے دیکھئے سورۃ اعراف (۷: ۶۵) اور سورۃ ہود (۱۱: ۵۰ تا ۵۹)۔

﴿۳۰﴾ قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا تعارف پیچھے سورۃ اعراف (۷: ۷۲) اور سورۃ ہود (۱۱: ۶۱ تا ۶۸) میں گزر چکا ہے۔



وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۴۵﴾ أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هُنَا  
 آمِنِينَ ﴿۱۴۶﴾ فِي جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ﴿۱۴۷﴾ وَذُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ  
 بُيُوتًا فَرِهِينَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِينَ  
 يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿۱۵۳﴾ مَا أَنْتَ إِلَّا  
 بَشَرٌ مِثْلُنَا ۖ فَأْتِ بَآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هَذِهِ نَاقَةٌ لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ  
 يَوْمٍ مَعْلُومٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوا هَافًا صَبَحُوا  
 نُدْمِينَ ﴿۱۵۷﴾ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۵۸﴾

اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو  
 سارے دُنیا جہان کی پرورش کرتی ہے۔ ﴿۱۴۵﴾ کیا تمہیں اطمینان کے ساتھ ان ساری نعمتوں میں ہمیشہ رہنے دیا جائے گا جو  
 یہاں موجود ہیں؟ ﴿۱۴۶﴾ ان باغوں اور چشموں میں؟ ﴿۱۴۷﴾ اور ان کھیتوں اور ان نخلستانوں میں جن کے خوشے ایک  
 دوسرے میں پیوست ہیں؟ ﴿۱۴۸﴾ اور کیا پہاڑوں کو بڑے ناز کے ساتھ تراش کر تم (ہمیشہ) گھر بناتے رہو گے؟ ﴿۱۴۹﴾ اب  
 اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۵۰﴾ اور اُن حد سے گزرے ہوئے لوگوں کا کہنا مت مانو ﴿۱۵۱﴾ جو زمین میں فساد  
 پھیلاتے ہیں، اور اصلاح کا کام نہیں کرتے۔ ﴿۱۵۲﴾ وہ کہنے لگے کہ: ”تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے، ﴿۱۵۳﴾  
 تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم جیسے ہی ایک انسان ہو۔ لہذا اگر سچے ہو تو کوئی نشانی لے کر آؤ۔“ ﴿۱۵۴﴾  
 صالح نے کہا: ”(لو) یہ اُونٹنی ہے۔ پانی پینے کے لئے ایک باری اس کی ہوگی، اور ایک معین دن میں ایک باری  
 تمہاری۔“ ﴿۱۵۵﴾ اور اس کو بری نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا، ورنہ ایک زبردست دن کا عذاب تمہیں آ پکڑے گا۔“ ﴿۱۵۶﴾ پھر ہوا  
 یہ کہ انہوں نے اس اُونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں، اور آخر کار پشیمان ہوئے۔ ﴿۱۵۷﴾ چنانچہ عذاب نے انہیں آ پکڑا۔ یقیناً  
 اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۱۵۸﴾

(۳۱) نشانی سے مراد معجزہ ہے، اور انہوں نے خود فرمائش کی تھی کہ پہاڑ کے اندر سے ایک اُونٹنی نکال کر دکھاؤ۔

(۳۲) چونکہ اُونٹنی کا معجزہ انہوں نے خود مانگا تھا، اس لئے ان سے کہا گیا کہ اس اُونٹنی کے کچھ حقوق ہوں گے، اور اُن میں سے  
 ایک حق یہ ہے کہ ایک دن تمہارے کنویں سے صرف یہ اُونٹنی پانی پیئے گی، اور ایک دن تم کنویں سے جتنا پانی بھر سکو، بھر کر رکھ لو۔

(۳۳) سورہ ہود (۱۱: ۶۸) میں قرآن کریم ہی نے بتایا ہے کہ یہ عذاب ایک خوفناک چنگھاڑ کی شکل میں آیا جس سے اُن کے  
 کلیجے پھٹ کر رہ گئے۔ مزید تفصیل وہیں پر گزر چکی ہے۔



وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۵۹﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۶۰﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ  
 لُوطُ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۶۱﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرِي ﴿۱۶۳﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ  
 مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۴﴾ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۵﴾  
 وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۖ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ  
 يَلُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ إِنِّي لَعَمْرِي مِنَ الْقَالِينَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِي وَاهْلِي بِمَا  
 يَعْمَلُونَ ﴿۱۶۹﴾ فَنجَّيْنَاهُ وَاهْلَهُ أَجْعَلِينَ ﴿۱۷۰﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَرْنَا الْأَخْرِينَ ﴿۱۷۲﴾

اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحب اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿۱۵۹﴾

لوط کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا، ﴿۱۶۰﴾ جبکہ اُن کے بھائی لوط نے اُن سے کہا کہ: ”کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟“ ﴿۱۶۱﴾  
 یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، ﴿۱۶۲﴾ لہذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۶۳﴾ اور میں  
 تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے  
 دُنیا جہان کی پرورش کرتی ہے۔ ﴿۱۶۴﴾ کیا دُنیا جہان کے سارے لوگوں میں تم ہو جو مردوں کے پاس جاتے ہو، ﴿۱۶۵﴾ اور  
 تمہاری بیویاں جو تمہارے رب نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں، اُن کو چھوڑے بیٹھے ہو؟ حقیقت تو یہ ہے کہ تم حد سے  
 بالکل گزرے ہوئے لوگ ہو۔“ ﴿۱۶۶﴾ کہنے لگے: ”لوط! اگر تم باز نہ آئے تو تم بھی اُن لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے جنہیں  
 (بستی سے) نکال باہر کیا جاتا ہے۔“ ﴿۱۶۷﴾ لوط نے کہا: ”یقین جانو، میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو تمہارے اس کام  
 سے بالکل بیزار ہیں۔ ﴿۱۶۸﴾ میرے پروردگار! جو حرکتیں یہ لوگ کر رہے ہیں، مجھے اور میرے گھر والوں کو اُن سے نجات  
 دیدے۔“ ﴿۱۶۹﴾ چنانچہ ہم نے اُن کو اور اُن کے سب گھر والوں کو نجات دی، ﴿۱۷۰﴾ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے  
 والوں میں شامل رہی۔ ﴿۱۷۱﴾ پھر اور سب کو ہم نے تباہ کر دیا۔ ﴿۱۷۲﴾

(۳۴) حضرت لوط علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، اُن کے مرد فطرت کے خلاف مردوں ہی سے اپنی جنسی ہوس پوری  
 کرتے تھے۔ اُن کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورہ ہود (۱۱: ۷۷ تا ۸۳) اور سورہ حجر (۱۵: ۵۸ تا ۷۶) میں گزر چکا ہے، اور ہم نے  
 ان کا مختصر تعارف سورہ اعراف (۷: ۸۰) میں کرایا ہے۔

(۳۵) یعنی اُس کڑھن سے نجات دیدے جو ان لوگوں کو ایسے گھناؤنے کردار میں ملوث دیکھ کر پیدا ہوتی ہے، اور اُس عذاب  
 سے محفوظ رکھ جو ان کی حرکتوں کی وجہ سے ان پر نازل ہونے والا ہے۔

(۳۶) اس سے مراد خود حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو ایمان لانے کے بجائے اپنی بد کردار قوم کا ساتھ دیتی تھی۔ جب  
 عذاب آنے سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام کو شہر سے باہر نکلنے کا حکم ہوا تو یہ عورت اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے پیچھے رہ گئی تھی، اور  
 جب بستی والوں پر عذاب آیا تو یہ بھی اُس کا شکار ہوئی۔



وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذِرِينَ ﴿۱۸۳﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۸۴﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۸۵﴾ كَذَّبَ أَصْحَابُ لَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۸۶﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۸۷﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۸۸﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ۖ وَأَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجَرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۸۹﴾ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿۱۹۰﴾ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۱۹۲﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأُولَىٰ ﴿۱۹۳﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿۱۹۴﴾ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۱۹۵﴾

اور اُن پر ایک زبردست بارش بر سادی۔ غرض بہت بُری بارش تھی جو اُن پر برسی جنہیں پہلے سے ڈرا دیا گیا تھا۔ ﴿۱۸۳﴾ یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۱۸۴﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحب اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿۱۸۵﴾ اُیکہ کے باشندوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا، ﴿۱۸۶﴾ جبکہ شعیب نے اُن سے کہا کہ: ”کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟“ ﴿۱۸۷﴾ یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، ﴿۱۸۸﴾ لہذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۸۹﴾ اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دُنیا جہان کی پرورش کرتی ہے۔ ﴿۱۹۰﴾ پورا پورا ناپ دیا کرو، اور اُن لوگوں میں سے نہ بنو جو دوسروں کو گھائے میں ڈالتے ہیں۔ ﴿۱۹۱﴾ اور سیدھی ترازو سے تولاد کرو، ﴿۱۹۲﴾ اور لوگوں کو اُن کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو، اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرو۔ ﴿۱۹۳﴾ اور اُس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے، اور پچھلی خلقت کو بھی۔“ ﴿۱۹۴﴾ کہنے لگے: ”تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے، تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم ہم جیسے ہی ایک انسان ہو، اور ہم تمہیں پورے یقین کے ساتھ جھوٹا سمجھتے ہیں۔“ ﴿۱۹۵﴾

﴿۱۸۷﴾ پتھروں کی بارش مراد ہے جو ان لوگوں پر برسائی گئی تھی، جیسا کہ سورہ حجر میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ ﴿۱۸۸﴾ ”اُیکہ“ اصل میں گھنے جنگل کو کہتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، وہ ایسے ہی گھنے جنگل کے پاس واقع تھی۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اسی بستی کا نام مدین تھا، اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ مدین کے علاوہ کوئی اور بستی تھی، اور حضرت شعیب علیہ السلام اُس کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اس قوم کا واقعہ سورہ اعراف (۷: ۸۵ تا ۹۳) میں گزر گیا ہے۔ تفصیلات کے لئے ان آیات کے حواشی ملاحظہ فرمائیے۔

﴿۱۸۹﴾ کفر و شرک کے علاوہ ان لوگوں کی ایک خرابی یہ تھی کہ یہ تجارت میں ڈنڈی مارنے کے عادی تھے۔

﴿۱۹۰﴾ یہ لوگ مسافروں کو لوٹنے کے لئے ڈاکے بھی ڈالتے تھے۔



فَأَسْقُطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۱۸۸﴾ قَالَ رَبِّیْٓ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸۹﴾ فَكَذَّبُوهُ فَآخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ ۖ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیمٍ ﴿۱۹۰﴾ إِنَّ فِیْ ذَٰلِكَ لَآیَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِینَ ﴿۱۹۱﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیزُ الرَّحِیمُ ﴿۱۹۲﴾ وَإِنَّهُ لَتَنْزِیلُ رَبِّ الْعَالَمِینَ ۖ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِینُ ﴿۱۹۳﴾ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِینَ ۖ بِلِسَانٍ عَرَبِیِّ مُبِینٍ ﴿۱۹۴﴾ وَإِنَّهُ لَفِی زُبُرِ الْأَوَّلِینَ ﴿۱۹۵﴾ أَوَلَمْ یَكُنْ لَهُمْ آیَةٌ أَن یَّعْلَمَهُ عُلَمَآؤُ بَنِی إِسْرَءِیْلَ ﴿۱۹۶﴾

لہذا اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔“ ﴿۱۸۸﴾ شعیب نے کہا: ”میرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تم کیا کر رہے ہو۔“ ﴿۱۸۹﴾ غرض ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے آ پکڑا۔ بیشک وہ ایک زبردست دن کا عذاب تھا۔ ﴿۱۹۰﴾ یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۱۹۱﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحب اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿۱۹۲﴾ بیشک یہ قرآن رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ ﴿۱۹۳﴾ امانت دار فرشتہ اسے لے کر اُتر رہا ہے ﴿۱۹۴﴾ (اے پیغمبر!) تمہارے قلب پر اُتر رہا ہے تاکہ تم اُن (پیغمبروں) میں شامل ہو جاؤ جو لوگوں کو خبردار کرتے ہیں، ایسی عربی زبان میں اُتر رہا ہے جو پیغام کو واضح کر دینے والی ہے۔ ﴿۱۹۵﴾ اور اس (قرآن) کا تذکرہ پچھلی (آسمانی) کتابوں میں بھی موجود ہے۔ ﴿۱۹۶﴾ بھلا کیا ان لوگوں کے لئے یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ بنو اسرائیل کے علماء اس سے واقف ہیں؟ ﴿۱۹۷﴾

﴿۳۱﴾ یعنی کس وقت کونسا عذاب نازل کیا جائے، یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ جب چاہے گا، جس قسم کا عذاب مناسب ہوگا، نازل فرما دے گا، کیونکہ وہ تمہارے سب کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔

﴿۳۲﴾ کئی دن تک سخت گرمی پڑنے کے بعد ایک بادل ان کی بستی کے قریب آیا جس کے نیچے بظاہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، بستی کے سب لوگ اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے تو اُس بادل نے ان پر انگارے برسائے جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔

﴿۳۳﴾ یعنی تورات، زبور اور انجیل میں، نیز دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے صحیفوں میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ آخری پیغمبر تشریف لانے والے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہوگا۔ اگر چاہے ان کتابوں میں بہت سی تحریفات ہو گئی ہیں، لیکن ان میں سے متعدد بشارتیں آج بھی ان کتابوں میں موجود ہیں۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اپنی کتاب ”اظہار الحق“ کے آخری باب میں یہ بشارتیں تفصیل کے ساتھ نقل فرمائی ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ راقم الحروف کی شرح و تحقیق کے ساتھ ”بائبل سے قرآن تک“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

﴿۳۴﴾ بنو اسرائیل میں سے جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے، وہ تو کھلم کھلا یہ بتاتے تھے کہ یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت اور آپ کی علامتیں درج ہیں، لیکن بنی اسرائیل کے جو علماء ایمان نہیں لائے تھے، وہ بھی تنہائی میں کبھی کبھی اس حقیقت کا اعتراف کر لیتے تھے۔



وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَبِينَ ۖ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ۚ كَذَلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۖ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۖ فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۖ فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ ۖ أَفَعَذَابُنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۖ أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ۖ ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ ۖ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَسْتَعْوُونَ ۖ

اور اگر ہم یہ کتاب عجمی لوگوں میں سے کسی پر نازل کر دیتے، (۱۹۹) اور وہ ان کے سامنے پڑھ بھی دیتا تو یہ لوگ تب بھی اُس پر ایمان نہ لاتے۔ (۱۹۹) مجرموں کے دلوں میں تو ہم نے اس کو اسی طرح داخل کیا ہے، (۲۰۰) یہ لوگ اس پر اُس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک دردناک عذاب آنکھوں سے نہ دیکھ لیں، (۲۰۱) اور وہ ان کے پاس اس طرح اچانک آکھڑا ہو کہ ان کو پتہ بھی نہ چلے، (۲۰۲) پھر یہ کہہ اٹھیں کہ کیا ہمیں کچھ مہلت مل سکتی ہے؟ (۲۰۳) تو کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں؟ (۲۰۴) بھلا بتاؤ اگر ہم کئی سال تک انہیں عیش کا سامان مہیا کرتے رہیں، (۲۰۵) پھر وہ (عذاب) ان کے اوپر آکھڑا ہو جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے (۲۰۶) تو عیش کا جو سامان ان کو دیا جاتا رہا وہ انہیں (عذاب کے وقت) کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ (۲۰۷)

(۲۰۵) یعنی اگر ہم قرآن کریم کے معجزہ ہونے کی اور زیادہ وضاحت اس طرح کر دیتے کہ یہ عربی زبان کی کتاب کسی غیر عرب پر نازل ہوتی جو عربی سے ناواقف ہوتا، اور وہ عربی نہ جاننے کے باوجود اس عربی قرآن کو پڑھ کر سناتا تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے، کیونکہ ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم کی حقانیت کے دلائل معاذ اللہ کمزور ہیں، بلکہ انہوں نے ضد کی بنا پر طے کر رکھا ہے کہ کیسے ہی دلائل سامنے آجائیں، یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

(۲۰۶) مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم اگرچہ ہدایت کی کتاب ہے، اور جو لوگ حق کے طلب گار ہوں، اُن کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے اور ان کی ہدایت کا ذریعہ بنتی ہے، لیکن چونکہ انہوں نے ضد کا راستہ اپنا رکھا ہے، اس لئے ہم بھی ان کے دلوں میں قرآن اس طرح داخل کرتے ہیں کہ اُس کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

(۲۰۷) اوپر عذاب کا جو ذکر آیا، اُس کو سن کر کافر لوگ مذاق اڑانے کے انداز میں یہ کہتے تھے کہ اگر ہم پر عذاب ہونا ہے تو ابھی جلدی ہو جائے۔ یہ آیات اُس کا جواب ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے فوراً کسی پر عذاب نازل نہیں کرتا، بلکہ اُس کے پاس ایسے رہنما بھیجتا ہے جو اُسے خبردار کریں، اور پھر اُسے مہلت دیتا ہے کہ وہ اگر حق کو قبول کرنا چاہے تو کر لے۔

(۲۰۸) عذاب کے جلدی نہ آنے پر کافروں کا ایک استدلال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں بڑے عیش دے رکھے ہیں اگر ہم لوگ غلط راستے پر ہوتے تو یہ عیش ہمیں کیوں دیا جاتا؟ ان آیات میں جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مہلت سنبھلنے کے لئے دی ہوئی ہے، اگر کچھ لوگ سنبھل گئے تو خیر، ورنہ جب مہلت ختم ہونے پر، مثلاً مرنے کے بعد عذاب آئے گا تو یہ عیش و عشرت جس



وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ ﴿۲۹﴾ ذِكْرًا وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۳۰﴾ وَمَا تَنْزَلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ﴿۳۱﴾ وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَفِيعُونَ ﴿۳۲﴾ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعَزُولُونَ ﴿۳۳﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ ﴿۳۴﴾ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۳۵﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۶﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنَّي بِرَبِّيَ مُبْتَئِسٌ ﴿۳۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۳۸﴾ الَّذِي يَرِيكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۳۹﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السُّجُودِ ﴿۴۰﴾

اور ہم نے کسی بستی کو اس کے بغیر ہلاک نہیں کیا کہ (پہلے) اُس کے لئے خبردار کرنے والے موجود تھے، تاکہ وہ نصیحت کریں، اور ہم ایسے تو نہیں ہیں کہ ظلم کریں۔ ﴿۲۹﴾ اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں اُترے، ﴿۳۰﴾ نہ یہ قرآن اُن کے مطلب کا ہے، اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں، ﴿۳۱﴾ اُنہیں تو (وحی کے) سننے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ ﴿۳۲﴾ لہذا اللہ کے ساتھ کوئی معبود نہ مانو، کبھی تم بھی اُن لوگوں میں شامل ہو جاؤ جنہیں عذاب ہوگا۔ ﴿۳۳﴾ اور (اے پیغمبر!) تم اپنے قریب ترین خاندان کو خبردار کرو، ﴿۳۴﴾ اور جو مؤمن تمہارے پیچھے چلیں، اُن کے لئے انکساری کے ساتھ اپنی شفقت کا بازو جھکا دو، ﴿۳۵﴾ اور اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ: ”جو کچھ تم کر رہے ہو، اُس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔“ ﴿۳۶﴾ اور اُس (اللہ) پر بھروسہ رکھو جو بڑا اقتدار والا، بہت مہربان ہے، ﴿۳۷﴾ جو تمہیں اُس وقت بھی دیکھتا ہے جب تم (عبادت کے لئے) کھڑے ہوتے ہو، ﴿۳۸﴾ اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان تمہاری آمد و رفت کو بھی دیکھتا ہے، ﴿۳۹﴾

کے مزے تم دنیا میں اڑا رہے ہو، کچھ بھی کام نہیں آئے گا، بلکہ اُس وقت معلوم ہوگا کہ آخرت کی زندگی کے مقابلے میں اُس کی ذرہ برابر کوئی وقعت نہیں ہے۔

﴿۳۹﴾ یہاں سے چند اُن باتوں کی تردید کی جا رہی ہے جو کفار مکہ قرآن کریم کے بارے میں کہا کرتے تھے۔ بنیادی طور پر اُن کے دو دعوے تھے، بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہن ہیں، اور بعض لوگ آپ کو شاعر کہہ کر قرآن کریم کو شاعری کی کتاب قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان دونوں باتوں کی تردید فرمائی ہے۔ ”کاہن“ اُن لوگوں کو کہا جاتا تھا جن کا دعویٰ یہ تھا کہ جنات اُن کے قبضے میں ہیں جو انہیں غیب کی خبریں لا کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کاہنوں کی یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ جو جنات اُن کے پاس آتے ہیں، وہ دراصل شیاطین ہیں۔ اور قرآن کریم کے مضامین ایسے ہیں کہ شیاطین کو کبھی پسند نہیں آسکتے، اور نہ وہ ایسی نیکی کی باتیں کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

﴿۵۰﴾ یہ وہ آیت ہے جس کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلی بار تبلیغ کا حکم ہوا، اور یہ ہدایت دی گئی کہ تبلیغ کا آغاز اپنے قریبی خاندان کے لوگوں سے فرمائیں، چنانچہ اسی آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے اپنے خاندان کے قریبی لوگوں کو جمع کر کے اُن کو دین حق کی دعوت دی۔ اس میں یہ سبق بھی دیا گیا ہے کہ اصلاح کا کام کرنے والے کو سب سے پہلے اپنے گھر اور اپنے خاندان سے شروع کرنا چاہئے۔



إِنَّهُ هُوَ السَّيِّعُ الْعَلِيمُ ﴿٢٠٠﴾ هَلْ أَنْبِئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنْزَلُ الشَّيَاطِينُ ﴿٢٠١﴾ تَنْزَلُ عَلَىٰ كُلِّ آفَاكٍ أَثِيمٍ ﴿٢٠٢﴾ يُلقُونَ السَّمْعَ وَآكُثْرُهُمْ كَذِبُونَ ﴿٢٠٣﴾ وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿٢٠٤﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿٢٠٥﴾ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿٢٠٦﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا ﴿٢٠٧﴾ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿٢٠٨﴾

یقین رکھو کہ وہی ہے جو ہر بات سنتا ہر چیز جانتا ہے۔ ﴿۲۰۰﴾ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کن لوگوں پر اترتے ہیں؟ ﴿۲۰۱﴾ وہ ہر ایسے شخص پر اترتے ہیں جو پرلے درجے کا جھوٹا گنہگار ہو، ﴿۲۰۲﴾ وہ سنی سنائی بات لاڈالتے ہیں، اور اُن میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ ﴿۲۰۳﴾ رہے شاعر لوگ، تو اُن کے پیچھے تو بے راہ لوگ چلتے ہیں ﴿۲۰۴﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں؟ ﴿۲۰۵﴾ اور یہ کہ وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں، ﴿۲۰۶﴾ ہاں مگر وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے، اور انہوں نے نیک عمل کئے، اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا، اور اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد اُس کا بدلہ لیا۔ ﴿۲۰۷﴾ اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب پتہ چل جائے گا کہ وہ کس انجام کی طرف پلٹ رہے ہیں۔ ﴿۲۰۸﴾

(۵۱) یعنی شیاطین کی باتوں پر بھروسہ کرنے والے کوئی نیک لوگ نہیں، گنہگار لوگ ہوتے ہیں، اور ان شیاطین کا یہ دعویٰ بھی بالکل لغو ہے کہ انہیں غیب کی خبریں معلوم ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ کبھی فرشتوں کی کوئی بات اُن کے کانوں میں پڑ جاتی ہے تو وہ اُس میں بہت سے جھوٹ شامل کر کے اپنے معتقدین کو آکر بتا دیتے ہیں۔

(۵۲) یہ کفار کی دوسری بات کی تردید ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ شاعر ہیں، اور قرآن کریم شاعری کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شاعری تو ایک تخیلاتی چیز ہے جس کا بسا اوقات حقیقت سے تعلق نہیں ہوتا، چنانچہ وہ اپنی خیالی وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں، طرح طرح کے مبالغے کرتے ہیں، اور تشبیہات اور استعاروں میں حد سے گزر جاتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ شاعری ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں، اُن کو کوئی بھی اپنا دینی پیشوا نہیں بناتا، اور اگر کوئی اُن کو اپنا مقتدا بناتا بھی ہے تو وہ جو خود گمراہ ہو، اور حقیقت کے بجائے خیالی دنیا میں رہنا چاہتا ہو۔

(۵۳) یعنی اپنی شیخی بگھارتے ہوئے ایسے دعوے کرتے ہیں جن کا اُن کی عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

(۵۴) یہ استثناء ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ اگر شاعری میں یہ خرابیاں نہ ہوں، اور ایمان اور عمل صالح کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی شاعری کرے، اور اپنے شاعرانہ تخیلات کو دین و مذہب کے خلاف استعمال نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ظلم کا بدلہ لینے کا ذکر بطور خاص اس لئے کیا گیا ہے کہ اُس زمانے میں شاعری پروپیگنڈے کا سب سے مؤثر ذریعہ



سمجھی جاتی تھی۔ کوئی شاعر کسی کے خلاف کوئی شاندار جویہ قصیدہ کہہ دیتا تو وہ لوگوں کی زبانوں پر چڑھ جاتا تھا۔ چنانچہ بعض بدنہاد کافروں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی اس قسم کے اشعار کہہ کر مشہور کر دیئے تھے۔ بعض صحابہ مثلاً حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اُس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعتیہ قصیدے کہے، اور اُن میں کفار کے اعتراضات کا جواب دیا، بلکہ اُن کی اپنی حقیقت واضح فرمائی۔ اس آیت میں اُن حضرات کی شاعری کی تائید کی گئی ہے۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۴ مئی ۲۰۰۷ء کو دُبی سے فرینکفرٹ جاتے ہوئے جہاز میں سورہ شعراء کے ترجمے اور تشریحی حواشی کی تکمیل ہوئی۔ اور آیت نمبر ۱۶۰ کے حواشی سے لے کر آخر سورت تک کا سارا کام اسی سفر کے دوران جہاز ہی میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی خالص رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی نبینا الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔



# سُورَةُ النَّمْلِ

## تعارف

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت کے مطابق یہ سورت پچھلی سورت یعنی سورہ شعراء کے فوراً بعد نازل ہوئی تھی۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس کا موضوع بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات اور کفر کے بُرے نتائج کا بیان ہے۔ حضرت موسیٰ، اور حضرت صالح علیہما السلام کے واقعات کی طرف مختصر اشارہ کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی قوموں نے اس بنا پر اُن کی بات نہیں مانی کہ انہیں اپنی دولت اور اپنے سماجی رُتبے پر گھمنڈ تھا۔ اسی طرح کفارِ مکہ بھی گھمنڈ میں مبتلا ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کر رہے تھے۔ دوسری طرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی دولت اور بے نظیر بادشاہت سے نوازا تھا، لیکن یہ دولت اور بادشاہت اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے سے مانع نہیں ہوئی۔ اسی طرح سبّا کی ملکہ بلقیس بھی بہت دولت مند تھی، لیکن حق واضح ہونے کے بعد اُس نے اُس کو فوراً قبول کر لیا۔ اس سیاق میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور سبّا کی ملکہ کا واقعہ اس سورت میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور اُس کے بعد کائنات میں پھیلی ہوئی قدرتِ خداوندی کی نشانیوں کو بڑے مؤثر انداز میں ذکر فرمایا گیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ثابت ہوتی ہے۔ نمل کے معنی عربی میں چیونٹی کے ہوتے ہیں، اور چونکہ اس سورت کی آیت نمبر ۱۸ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ چیونٹیوں کی وادی کے پاس سے گزر رہے تھے، اس لئے، اس کا نام سورہ نمل رکھا گیا ہے۔



﴿ آیاتھا ۹۳ ﴾ ﴿ ۲۷ سُورَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ ۳۸ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۷ ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

طَسَّ تِلْكَ آيَةُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُبِينٍ ۝ هُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ إِلَّا خُسْرُونَ ۝ وَإِنَّكَ لَتَلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ۝ إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا ۖ سَأَتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ترانوے آیتیں اور سات رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

طَسَّ - یہ قرآن کی اور ایک ایسی کتاب کی آیتیں ہیں جو حقیقت کھول دینے والی ہے، ۱ یہ اُن مؤمنوں کے لئے سراپا ہدایت اور خوشخبری بن کر آئی ہے ۲ جو نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور وہی ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ۳ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ہم نے اُن کے اعمال کو اُن کی نظروں میں خوشنما بنا دیا ہے، ۴ اس لئے وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ ۵ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے برا عذاب ہے، اور وہی ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ۶ اور (اے پیغمبر!) بلاشبہ تمہیں یہ قرآن اُس (اللہ) کی طرف سے عطا کیا جا رہا ہے جو حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک۔ ۷ اُس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا تھا کہ: ”مجھے ایک آگ نظر آئی ہے۔ میں ابھی تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں، یا پھر تمہارے پاس آگ کا کوئی شعلہ اٹھا کر لے آؤں گا، تاکہ تم آگ سے گرمی حاصل کر سکو۔“ ۸

(۱) یعنی اُن کی ضد کی وجہ سے انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے سارے برے اعمال کو اچھا سمجھتے ہیں، اور ہدایت کی طرف نہیں آتے۔

(۲) یہاں یہ واقعہ محض ایک اشارے کے طور پر آیا ہے، مفصل واقعہ اگلی سورت یعنی سورہ قصص میں آنے والا ہے۔



فَلَمَّا جَاءَ هَانُودِي أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا<sup>ط</sup> وَسُبْحَنَ اللَّهُ رَبِّ الْعَالَمِينَ<sup>۵</sup>  
يُوسَى إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ<sup>۹</sup> وَأَتَى عَصَاكَ<sup>ط</sup> فَلَمَّا رَاها تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى  
مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ<sup>ط</sup> يُوسَى لَا تَخَفْ<sup>ق</sup> إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ<sup>۱۰</sup> إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ  
بَدَّلَ حُسْبًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ<sup>۱۱</sup> وَأَدْخَلَ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بَيْضًا مِنْ  
غَيْرِ سُوءٍ<sup>ق</sup> فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ<sup>ط</sup> إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ<sup>۱۲</sup> فَلَمَّا جَاءَ نُفُوسُهُمْ  
الْيَتْنَا مُبْصَرَةً قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ<sup>۱۳</sup>

چنانچہ جب وہ اُس آگ کے پاس پہنچے تو انہیں آواز دی گئی کہ: ”برکت ہو اُن پر بھی جو اس آگ کے اندر ہیں، اور اُس  
پر بھی جو اس کے آس پاس ہے، اور پاک ہے اللہ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔“ (۵) اے موسیٰ! بات یہ ہے کہ  
میں اللہ ہوں، بڑے اقتدار والا، بڑی حکمت والا، (۹) اور ذرا اپنی لاٹھی کو نیچے پھینکو۔“ پھر جب انہوں نے لاٹھی کو دیکھا  
کہ وہ اس طرح حرکت کر رہی ہے جیسے وہ کوئی سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے، اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (ارشاد ہوا:)  
”موسیٰ! ڈرو نہیں، جن کو پیغمبر بنایا جاتا ہے، ان کو میرے حضور کوئی اندیشہ نہیں ہوتا، (۱۰) الا یہ کہ کسی نے کوئی زیادتی کی  
ہو۔“ پھر وہ برائی کے بعد اُسے بدل کر اچھے کام کر لے، تو میں بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہوں۔ (۱۱) اور اپنا ہاتھ اپنے  
گریبان میں داخل کرو، تو وہ کسی بیماری کے بغیر سفید ہو کر نکلے گا۔ یہ دونوں باتیں اُن نو نشانیوں میں سے ہیں جو فرعون  
اور اُس کی قوم کی طرف (تمہارے ذریعے) بھیجی جا رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ نافرمان لوگ ہیں۔“ (۱۲) پھر ہوا یہ کہ  
جب اُن کے پاس ہماری نشانیاں اس طرح پہنچیں کہ وہ آنکھیں کھولنے والی تھیں، تو انہوں نے کہا کہ: ”یہ تو کھلا ہوا  
جادو ہے۔“ (۱۳)

(۳) یہ حقیقت میں آگ نہیں تھی، بلکہ ایک نور تھا، اور اُس میں فرشتے تھے، ان کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت کی دُعا دی گئی،  
اور اُس کے آس پاس موسیٰ علیہ السلام تھے، اُن کو بھی۔

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور پیغمبروں کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں ہوتا، البتہ کسی سے کوئی قصور ہو گیا ہو، تو اُسے یہ اندیشہ ہوتا  
ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس پر ناراض نہ ہوں، لیکن جب ایسا کوئی شخص تو بہ اور استغفار کے بعد اپنے حالات کی اصلاح کر لیتا ہے تو  
اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرما دیتے ہیں۔

(۵) ان نشانیوں کا بیان سورہ اعراف (۷: ۱۳۰ و ۱۳۳) میں گزر چکا ہے۔



وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلُمًا وَعُظْمًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝<sup>۱۳</sup>  
 وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَ الْخُصْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلْنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ  
 الْمُؤْمِنِينَ ۝<sup>۱۴</sup> وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنَاطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ  
 كُلِّ شَيْءٍ ۖ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ۝<sup>۱۵</sup> وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ  
 وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝<sup>۱۶</sup>

اور اگرچہ اُن کے دلوں کو ان (کی سچائی) کا یقین ہو چکا تھا، مگر انہوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے اُن کا انکار کیا۔ اب دیکھ  
 لو کہ ان فساد مچانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟<sup>(۱۳)</sup>

اور ہم نے داود اور سلیمان کو علم عطا کیا۔ اور انہوں نے کہا: ”تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن  
 بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔“<sup>(۱۴)</sup> اور سلیمان کو داود کی وراثت ملی، اور انہوں نے کہا: ”اے لوگو! ہمیں پرندوں کی  
 بولی سکھائی گئی ہے، اور ہمیں ہر (ضرورت کی) چیز عطا کی گئی ہے۔ یقیناً یہ (اللہ تعالیٰ کا) کھلا ہوا فضل ہے۔“<sup>(۱۵)</sup> اور  
 سلیمان کے لئے اُن کے سارے لشکر جمع کر دیئے گئے تھے جو جنات، انسانوں اور پرندوں پر مشتمل تھے، چنانچہ انہیں  
 قابو میں رکھا جاتا تھا۔<sup>(۱۶)</sup>

(۱۳) اس انجام کا مفصل ذکر سورہ یونس (۱۰: ۹۰ تا ۹۲) اور سورہ شعراء (۲۶: ۶۰ تا ۶۶) میں گزر چکا ہے۔

(۱۴) یاد رہے کہ ایک صحیح حدیث کے مطابق انبیاء علیہم السلام کا ترکہ اُن کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا اس لئے یہاں وراثت ملنے  
 کا مطلب یہ ہے کہ نبوت اور سلطنت میں وہ اپنے والد حضرت داود علیہ السلام کے جانشین ہوئے۔

(۱۵) حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی بولیاں سکھا دی تھیں جس کی وجہ سے اُن کو پتہ چل جاتا تھا کہ وہ کیا کہہ  
 رہے ہیں۔ بلکہ آگے چونی کا جو واقعہ آ رہا ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں پرندوں کے علاوہ دوسرے جانوروں کی بولی بھی  
 سکھائی گئی تھی۔ بعض معاصرین نے نہ جانے اس بات کو تسلیم کرنے میں کیا دشواری محسوس کی ہے جس کی وجہ سے انہوں نے ان  
 آیتوں میں دُور از کارت و یلات کا دروازہ کھول دیا ہے، حالانکہ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جانوروں کی ایک بولی ہوتی ہے۔ ہم چاہیں  
 اُسے نہ سمجھیں، لیکن جس پروردگار نے انہیں پیدا کیا ہے، اور بولنے پر قدرت عطا فرمائی ہے، ظاہر ہے کہ وہ اُن کی بولی کو بھی  
 جانتا اور سمجھتا ہے۔ لہذا اگر وہ یہ بولی اپنے کسی پیغمبر کو سکھا دے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

(۱۶) یہاں بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو سلطنت عطا فرمائی تھی، وہ صرف انسانوں پر ہی



حَتَّىٰ إِذَا اتَّوَعَلَىٰ وَادِ النَّبْلِ ۖ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّبْلُ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٌ وَجُنُودُهُ ۚ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ (۱۸) فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ۝ (۱۹) وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ۝ (۲۰) لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِي بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۝ (۲۱) فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِط بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَأٍ يَقِينٍ ۝ (۲۲) إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ۝ (۲۳)

یہاں تک کہ ایک دن جب یہ سب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: ”چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اُن کا لشکر تمہیں پیس ڈالے، اور انہیں پتہ بھی نہ چلے۔“ (۱۸) اُس کی بات پر سلیمان مسکرا کر ہنسے، اور کہنے لگے: ”میرے پروردگار! مجھے اس بات کا پابند بنادیتے کہ میں اُن نعمتوں کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں، اور وہ نیک عمل کروں جو آپ کو پسند ہو، اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرمالیجئے۔“ (۱۹) اور انہوں نے (ایک مرتبہ) پرندوں کی حاضری لی تو کہا: ”کیا بات ہے، مجھے ہدہ نظر نہیں آ رہا، کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے؟“ (۲۰) میں اُسے سخت سزا دوں گا، یا اُسے ذبح کر ڈالوں گا، الا یہ کہ وہ میرے سامنے کوئی واضح وجہ پیش کرے۔“ (۲۱) پھر ہدہ نے زیادہ دیر نہیں لگائی، اور (آکر) کہا کہ: ”میں نے ایسی معلومات حاصل کی ہیں جن کا آپ کو علم نہیں ہے، اور میں ملکِ سبأ سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔“ (۲۲) میں نے وہاں ایک عورت کو پایا جو اُن لوگوں پر بادشاہت کر رہی ہے، اور اُس کو ہر طرح کا ساز و سامان دیا گیا ہے، اور اُس کا ایک شاندار تخت بھی ہے۔ (۲۳)

نہیں، بلکہ جنات اور پرندوں پر بھی تھی، چنانچہ جب اُن کا لشکر چلتا تھا تو اُس میں جنات، انسان اور پرندے سب شامل ہوتے تھے، اور اس طرح لشکر کے افراد اتنے زیادہ ہو جاتے تھے کہ انہیں قابو میں رکھنے کا خاص اہتمام کرنا پڑتا تھا، لیکن نظم و ضبط پھر بھی قائم رہتا تھا۔

(۱۰) سبأ ایک قوم کا نام تھا جو یمن کے ایک علاقے میں آباد تھی، اُسی قوم کے نام پر اُس علاقے کو بھی سبأ کہا جاتا تھا۔ اُس وقت یہاں ایک ملکہ حکمرانی کر رہی تھی جس کا نام تاریخی روایتوں میں ”بلقیس“ بیان کیا گیا ہے۔



وَجَدْتُهُا وَتَوَّعَّتُهُمَا يَسْجُدُونَ لِلشَّيْءِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ  
عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٢٣﴾ أَلَا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿٢٤﴾ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿٢٥﴾  
قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٦﴾ اذْهَبْ بِكِتَابِي هَذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ  
عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ﴿٢٧﴾ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ ﴿٢٨﴾ إِنَّهُ مِنْ  
سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿٢٩﴾ أَلَّا تَعْلَمُونَ أَلَّا تَتُوبُونَ إِلَىٰ رَبِّكُمْ ﴿٣٠﴾ قَالَتْ يَا أَيُّهَا  
الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ﴿٣١﴾ قَالُوا نَحْنُ أَوْلُو الْقُوَّةِ  
وَأُولُو الْأَبَاسِ شَدِيدٌ ﴿٣٢﴾ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ﴿٣٣﴾

میں نے اُس عورت اور اُس کی قوم کو پایا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کے آگے سجدے کرتے ہیں، اور شیطان نے اُن کو یہ بھٹا دیا ہے کہ اُن کے اعمال بہت اچھے ہیں، چنانچہ اُس نے انہیں صحیح راستے سے روک رکھا ہے اور اس طرح وہ ہدایت سے اتنے دُور ہیں ﴿٢٣﴾ کہ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو باہر نکال لاتا ہے، اور تم جو کچھ چھپاؤ، اور جو کچھ ظاہر کرو، سب کو جانتا ہے۔ ﴿٢٤﴾ اللہ تو وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، (اور) جو عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ ﴿٢٥﴾ سلیمان نے کہا: ”ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تم نے سچ کہا ہے، یا جھوٹ بولنے والوں میں تم بھی شامل ہو گئے ہو۔ ﴿٢٦﴾ میرا یہ خط لے کر جاؤ، اور اُن کے پاس ڈال دینا، پھر الگ ہٹ جانا، اور دیکھنا کہ وہ جواب میں کیا کرتے ہیں۔ ﴿٢٧﴾ (چنانچہ ہد ہد نے ایسا ہی کیا اور) ملکہ نے (اپنے درباریوں سے) کہا: ”قوم کے سردارو! میرے سامنے ایک باوقار خط ڈالا گیا ہے، ﴿٢٨﴾ وہ سلیمان کی طرف سے آیا ہے، اور وہ اللہ کے نام سے شروع کیا گیا ہے جو رحمن و رحیم ہے، ﴿٢٩﴾ (اُس میں لکھا ہے) کہ: ”میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو، اور میرے پاس تابع دار بن کر چلے آؤ۔“ ﴿٣٠﴾ ملکہ نے کہا: ”قوم کے سردارو! جو مسئلہ میرے سامنے آیا ہے، اُس میں مجھے فیصلہ کن مشورہ دو۔ میں کسی مسئلے کا حتمی فیصلہ اُس وقت تک نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو۔“ ﴿٣١﴾ انہوں نے کہا: ”ہم طاقت ور اور ڈٹ کر لڑنے والے لوگ ہیں، آگے معاملہ آپ کے سپرد ہے، اب آپ دیکھ لیں کہ کیا حکم دیتی ہیں۔“ ﴿٣٣﴾

(\*) یہ سجدے کی آیت ہے، جو کوئی شخص عربی میں یہ آیت پڑھے یا سنے اس پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔

(۱۱) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یمن کا یہ علاقہ بھی اصل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ماتحت تھا، لیکن کسی وقت اس عورت نے خفیہ طور پر یہاں اپنی حکومت قائم کر لی تھی، جس کی خبر آ کر ہد ہد نے دی۔ اسی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس مختصر مگر نہایت بلوغ خط میں کوئی تفصیلی بات کرنے کے بجائے بلقیس اور اُس کی قوم کو سرکشی سے باز رہنے اور تابع دار بننے کا حکم دیا۔



قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۖ وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿۳۳﴾ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنظِرَ لَهُ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ ﴿۳۴﴾ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَنَ قَالَ اتَّبِدُونَنِي بِمَالٍ نَفْسًا أَتَنُ اللَّهَ خَيْرٌ مِّمَّا تَشْكُمُ ۖ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ﴿۳۵﴾ ارْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿۳۶﴾ قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَ أَيْكُمُ يَا تَبِئَنِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿۳۷﴾ قَالَ عَفَرَيْتُ مِنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ﴿۳۸﴾

ملکہ بولی: ”حقیقت یہ ہے کہ بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں گھس آتے ہیں تو اُسے خراب کر ڈالتے ہیں، اور اُس کے باعزت باشندوں کو ذلیل کر کے چھوڑتے ہیں، اور یہی کچھ یہ لوگ بھی کریں گے۔“ ﴿۳۳﴾ اور میں ان کے پاس ایک تحفہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھوں گی کہ اپنی کیا جواب لے کر واپس آتے ہیں؟“ ﴿۳۴﴾ چنانچہ جب اپنی سلیمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا: ”کیا تم مال سے میری امداد کرنا چاہتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ مجھے دیا ہے، وہ اُس سے کہیں بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے، البتہ تم ہی لوگ اپنے تحفے پر خوش ہوتے ہو۔“ ﴿۳۵﴾ اُن کے پاس واپس جاؤ، کیونکہ اب ہم اُن کے پاس ایسے لشکر لے کر پہنچیں گے جن کے مقابلے کی اُن میں تاب نہیں ہوگی، اور انہیں وہاں سے اس طرح نکالیں گے کہ وہ ذلیل ہوں گے، اور ماتحت بن کر رہیں گے۔“ ﴿۳۶﴾ سلیمان نے کہا: ”اے اہل دربار! تم میں سے کون ہے جو اُس عورت کا تخت ان کے تابع دار بن کر آنے سے پہلے ہی میرے پاس لے آئے؟“ ﴿۳۷﴾ ایک قوی ہیکل جن نے کہا: ”آپ اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ ہوں گے کہ میں اُس سے پہلے ہی اُسے آپ کے پاس لے آؤں گا، اور یقین رکھئے کہ میں اس کام کی پوری طاقت رکھتا ہوں، (اور) امانت دار بھی ہوں۔“ ﴿۳۸﴾

(۱۲) حضرت سلیمان علیہ السلام دراصل یہ چاہتے تھے کہ جب ملکہ آئے تو اُس کے سامنے اُن کا یہ معجزہ ظاہر ہو کہ اتنا بھاری تخت

ملکہ کے آنے سے پہلے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا، اور اس طرح اُن کی طاقت کا بھی مظاہرہ ہو۔

(۱۳) یہ کوئی جن تھا جس نے یہ پیشکش کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار ختم کرنے سے پہلے ہی وہ تخت اٹھالائے گا۔ اور

یہ اطمینان دلایا کہ نہ صرف یہ کہ اُس میں اتنی طاقت ہے، بلکہ وہ امانت دار بھی ہے، اس لئے اُس تخت میں جو سونا چاندی یا ہیرے

جو اہرات لگے ہوں گے، اُن میں کوئی خرد برد نہیں کرے گا۔



قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي ۖ لِيَبْلُوَنِي ؕ أَشْكُرَ أَمْ أَكْفُرُ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَ شْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ۝۳۰ قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنظُرُ أَ تَهْتَدِي ۚ أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ۝۳۱ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَ هَكَذَا عَرْشُكِ ۚ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ۝۳۲

جس کے پاس کتاب کا علم تھا، وہ بول اٹھا: ”میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی اُسے آپ کے پاس لے آتا ہوں۔“ (۱۳۷)  
چنانچہ جب سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: ”یہ میرے پروردگار کا فضل ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری؟ اور جو کوئی شکر کرتا ہے، تو وہ اپنے ہی فائدے کے لئے شکر کرتا ہے، اور اگر کوئی ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے نیاز ہے، کریم ہے۔“ (۱۳۸) سلیمان نے (اپنے خدام سے) کہا کہ: ”اس ملکہ کے تخت کو اس کے لئے اجنبی بنادو، دیکھیں وہ اُسے پہچانتی ہے، یا وہ اُن لوگوں میں سے ہے جو حقیقت تک نہیں پہنچتے؟“ (۱۳۹) غرض جب وہ آئی تو اُس سے پوچھا گیا: ”کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟“ کہنے لگی: ”ایسا لگتا ہے کہ یہ تو بالکل وہی ہے۔ ہمیں تو اس سے پہلے ہی (آپ کی سچائی کا) علم عطا ہو گیا تھا، اور ہم سر جھکا چکے تھے۔“ (۱۴۰)

(۱۳۷) قرآن کریم نے اس شخص کا تعین نہیں فرمایا، صرف اتنا کہا ہے کہ اس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ بظاہر اس کتاب سے مراد تورات ہے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا تھے، اور ان کو اسم اعظم کا علم حاصل تھا جس کی بنا پر انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کی برکت سے پلک جھپکنے کی دیر میں تخت وہاں لے آئیں گے۔ دوسری طرف امام رازی وغیرہ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں، کیونکہ کتاب کا جتنا علم اُن کو حاصل تھا، اتنا کسی اور کو نہیں تھا، اور شروع میں تو آپ نے اہل دربار اور خاص طور پر جنات کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ کون ہے جو اس ملکہ کا تخت اُس کے آنے سے پہلے ہی یہاں لے آئے، لیکن اس سے اُن کا مقصد جنات کا غرور توڑنا تھا۔ چنانچہ جب ایک جن نے بڑے فخر یہ انداز میں یہ کہا کہ میں دربار ختم ہونے سے پہلے ہی تخت لے آؤں گا تو اُس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے خود یہ فرمایا کہ تم تو دربار ختم ہونے کی بات کر رہے ہو، میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے معجزے کے طور پر اُسے تمہاری پلک جھپکنے سے پہلے ہی یہاں لے آؤں گا۔ چنانچہ پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی ہوگی، اور اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت وہ تخت وہاں حاضر کر دیا۔

(۱۳۸) یعنی اس کی شکل میں کوئی ایسی تبدیلی کر دو جس کی وجہ سے اُسے پہچاننے میں کچھ دقت ہو، اور اُس کی سمجھ کو آزمایا جاسکے۔

(۱۳۹) بلقیس سمجھ گئی کہ اس تخت کی شکل میں کچھ رد و بدل کیا گیا ہے، اس لئے اُس نے ایک طرف تو یقین ظاہر کرنے کے بجائے یہ کہا کہ: ”ایسا لگتا ہے“ لیکن دوسری طرف یہ بھی ظاہر کر دیا کہ وہ اپنے تخت کو پہچان گئی ہے۔

(۱۴۰) یعنی مجھے آپ کی سچائی کا یقین کرنے کے لئے یہ معجزہ دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ آپ کے ایلچیوں کے ذریعے آپ



وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿۱۷﴾ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِيهَا ۖ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ ۖ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۸﴾

اور (اب تک) اُس کو (ایمان لانے سے) اس بات نے روک رکھا تھا کہ وہ اللہ کے بجائے دوسروں کی عبادت کرتی تھی، اور ایک کافر قوم سے تعلق رکھتی تھی۔ ﴿۱۷﴾ اُس سے کہا گیا کہ: ”اس محل میں داخل ہو جاؤ“ اُس نے جو دیکھا تو یہ سمجھی کہ یہ پانی ہے، اس لئے اُس نے (پانیچے چڑھا کر) اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ سلیمان نے کہا کہ: ”یہ تو محل ہے جو شیثوں کی وجہ سے شفاف نظر آ رہا ہے۔“ ملکہ بول اٹھی: ”میرے پروردگار! حقیقت یہ ہے کہ میں نے (اب تک) اپنی جان پر ظلم کیا ہے، اور اب میں نے سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی فرماں برداری قبول کر لی ہے۔“ ﴿۱۸﴾

کے جو حالات مجھے معلوم ہوئے تھے، اُن کی وجہ سے مجھے پہلے ہی آپ کی سچائی کا علم حاصل ہو گیا تھا، اور ہم نے آپ کی تابع داری میں سر جھکانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

﴿۱۸﴾ بلقیس نے چونکہ سمجھ کی بات کی تھی کہ ہمیں پہلے ہی آپ کی سچائی کا علم ہو چکا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی اُس کی تعریف فرمائی کہ وہ ایک سمجھ دار عورت تھی، اور اب تک وہ جو ایمان نہیں لائی تھی، اُس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کی ساری قوم کافر تھی، اور انسان جب ایسے ماحول میں ہو تو بے سوچے سمجھے ماحول کے مطابق کام کرتا رہتا ہے، لیکن جب اُسے توجہ دلائی گئی تو اُس نے حق بات کے ماننے میں دیر نہیں لگائی۔

﴿۱۹﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دُنیا پرستوں پر رُعب ڈالنے کے لئے ایک ایسا شیش محل بنوایا تھا جس کے صحن میں ایک پانی کا حوض تھا، اور اُس پر بھی مہین اور شفاف شیشے کی چھت اس طرح ڈال دی تھی کہ غور سے دیکھے بغیر شیشہ نظر نہیں آتا تھا، اور سرسری نظر سے دیکھیں تو وہ کھلا ہوا حوض معلوم ہوتا تھا۔ محل میں داخل ہونے کے لئے اُسی حوض کے اوپر سے گزرنا پڑتا تھا، چنانچہ جب بلقیس محل میں داخل ہونے کے لئے چلی تو سامنے وہ حوض نظر آیا جس کا پانی گہرا نہیں تھا، اس لئے اُس نے حوض سے گزرنے کے لئے اپنے پانیچے چڑھائے۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُسے بتایا کہ پانیچے چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس حوض کے اوپر شیشہ چڑھا ہوا ہے، اور اس پر سے گزرتے ہوئے پانی میں بھگنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

﴿۲۰﴾ ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کی سچائی کی تو پہلے ہی قائل ہو چکی تھی، محل کی یہ شان و شوکت دیکھ کر اُس کے دل میں آپ کی مزید عظمت پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دُنیا کے لحاظ سے بھی ایسی شان و شوکت سے نوازا ہے۔ اس لئے وہ بالکل فرماں بردار ہو کر رہی۔ اس واقعے کو ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے دُنیا کے مال و دولت اور اقتدار حاصل کرنے کے بعد ناشکری کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی اور زیادہ اطاعت اختیار کرتے ہیں، اور دُنیا کی رنگینیاں اُن کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نہیں روکتیں۔



وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ شُعُودٍ آخَاهُمْ صَٰلِحًا أَنْ اْعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ﴿٢١﴾ قَالَ يُقَوْمٌ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٢﴾ قَالُوا طَيِّرٌ نَّابِكُ وَبَيْنَ مَعَكَ ۖ قَالَ طَيْرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿٢٣﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿٢٤﴾ قَالُوا اتَّقَاسُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصٰدِقُونَ ﴿٢٥﴾

اور ہم نے قومِ شمود کے پاس اُن کے بھائی صالح کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو، تو اچانک وہ دو گروہ بن گئے جو آپس میں جھگڑنے لگے۔ ﴿۲۱﴾ صالح نے کہا: ”میری قوم کے لوگو! اچھائی سے پہلے بُرائی کو کیوں جلدی مانگتے ہو۔ تم اللہ سے معافی کیوں نہیں مانگتے تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے؟“ ﴿۲۲﴾ انہوں نے کہا: ”ہم نے تو تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے بُرا شکون لیا ہے۔“ صالح نے کہا: ”تمہارا شکون تو اللہ کے قبضے میں ہے، البتہ تم لوگوں کی آزمائش ہو رہی ہے۔“ ﴿۲۳﴾ اور شہر میں نو آدمی ایسے تھے جو زمین میں فساد مچاتے تھے، اور اصلاح کا کام نہیں کرتے تھے۔ ﴿۲۴﴾ انہوں نے (آپس میں ایک دوسرے سے) کہا: ”سب مل کر اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم صالح اور اُس کے گھر والوں پر رات کے وقت حملہ کریں گے، پھر اُس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم ان گھر والوں کی ہلاکت کے وقت موجود ہی نہ تھے، اور یقیناً جانو ہم بالکل سچے ہیں۔“ ﴿۲۵﴾

﴿۲۱﴾ قومِ شمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا تعارف پیچھے سورہٴ اعراف (۷: ۷۲) اور سورہٴ ہود (۱۱: ۶۱ تا ۶۸) میں گزر چکا ہے۔  
 ﴿۲۲﴾ اچھائی سے مراد ایمان ہے، اور بُرائی سے مراد عذاب۔ مطلب یہ ہے کہ چاہئے تو یہ تھا کہ تم ایمان لا کر اچھائی حاصل کرتے، لیکن ایمان لانے کے بجائے تم نے عذابِ جلدی لانے کا مطالبہ شروع کر دیا۔  
 ﴿۲۳﴾ یعنی آپ کے نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد ہماری قوم دو حصوں میں بٹ گئی ہے، اور ہم اسے آپ کی نحوست سمجھتے ہیں۔ نیز بعض روایات میں ہے کہ ان پر قحط بھی آپڑا تھا، اس کو بھی انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی نحوست قرار دیا۔  
 ﴿۲۴﴾ یعنی نحوست تو تمہارے اعمال کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، اور اس لئے آئی ہے کہ تمہیں آزمایا جائے کہ ان مصائب کے وقت اللہ تعالیٰ سے رُجوع کرتے ہو یا اپنی بد اعمالیوں پر قائم رہتے ہو۔  
 ﴿۲۵﴾ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے نو سردار تھے، جن میں سے ہر ایک کے پیچھے ایک جتھہ تھا۔ اور بالآخر یہی لوگ تھے جنہوں نے اُس اُونٹنی کو ہلاک کیا جو معجزے کے طور پر پیدا ہوئی تھی۔ جب حضرت صالح علیہ السلام نے اُن کو عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ وہ رات کے وقت اُن پر خفیہ طور پر حملہ کریں گے، اور اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو ہلاک کر دیں گے۔



وَمَكْرُؤًا مَّكْرًا وَمَكْرًا نَّامِكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٠﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۖ أَنَا  
 دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥١﴾ فَتِلْكَ بَيُوتُهُمْ خَاوِيَةٌ بِأَظْلَمُوا ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ  
 يَعْلَمُونَ ﴿٥٢﴾ وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٣﴾ وَلَوْ طَآ اذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ  
 الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿٥٤﴾ أَيَنْتَكُمُ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ ۖ بَلْ أَنْتُمْ  
 قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿٥٥﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُو آلَ لُوطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ  
 إِنَّهُمْ أَنْاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ﴿٥٦﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۖ قَدَّرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٥٧﴾

انہوں نے یہ چال چلی، اور ہم نے بھی ایک چال اس طرح چلی کہ اُن کو پتہ بھی نہ لگ سکا۔ ﴿۵۰﴾ اب دیکھو کہ اُن کی  
 چال بازی کا انجام کیسا ہوا کہ ہم نے انہیں اور اُن کی ساری قوم کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ ﴿۵۱﴾ چنانچہ وہ رہے اُن کے گھر جو اُن  
 کے ظلم کی وجہ سے ویران پڑے ہیں! یقیناً اس واقعے میں اُن لوگوں کے لئے عبرت کا سامان ہے جو علم سے کام لیتے  
 ہیں۔ ﴿۵۲﴾ اور جو لوگ ایمان لائے تھے، اور تقویٰ اختیار کئے ہوئے تھے، اُن سب کو ہم نے بچا لیا۔ ﴿۵۳﴾  
 اور ہم نے لوط کو پیغمبر بنا کر بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”کیا تم کھلی آنکھوں دیکھتے ہوئے بھی بے حیائی کا  
 یہ کام کرتے ہو؟“ ﴿۵۴﴾ کیا یہ کوئی یقین کرنے کی بات ہے کہ تم اپنی جنسی خواہش کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس  
 جاتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم بڑی جہالت کے کام کرنے والے لوگ ہو۔“ ﴿۵۵﴾ اس پر یہ کہنے کے سوا ان کی قوم کا کوئی  
 جواب نہیں تھا کہ: ”لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو، یہ بڑے پاک باز بنتے ہیں۔“ ﴿۵۶﴾ پھر ہوا یہ کہ ہم نے  
 لوط اور اس کے گھر والوں کو بچا لیا، سوائے اُن کی بیوی کے جس کے بارے میں ہم نے یہ طے کر دیا تھا کہ وہ پیچھے رہ  
 جانے والوں میں شامل رہے گی۔ ﴿۵۷﴾

(۲۶) قرآن کریم نے یہ تفصیل نہیں بتائی کہ اُن لوگوں کی سازش کس طرح ناکام ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جب یہ لوگ بُرا  
 ارادہ لے کر چلے تو ایک چٹان ان پر آگری، اور یہ سب ہلاک ہو گئے، اور بعد میں پوری قوم پر عذاب آگیا۔ اور بعض روایتوں  
 میں ہے کہ جب وہ مسلح ہو کر حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پہنچے تو فرشتوں نے اُن کا محاصرہ کر لیا، اور اُنہی کے ہاتھوں وہ مارے  
 گئے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ابھی وہ اپنی سازش پر عمل نہیں کر پائے تھے کہ پوری قوم پر عذاب آگیا، اور اپنی قوم کے  
 دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہو گئے۔

(۲۷) حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کی بستیاں عرب ہی کے علاقے میں تھیں، اور مدینہ منورہ سے کچھ ہی فاصلے پر واقع  
 تھیں، اور اہل عرب جب شام کا سفر کرتے تو اُن کے پاس سے گذر کرتے تھے۔ اس لئے قرآن کریم نے اُن کی طرف اس  
 طرح اشارہ فرمایا ہے جیسے وہ نظر آ رہے ہوں۔ آج بھی یہ ویران بستیاں اور اُن کے کھنڈر ”مدائن صالح“ کے نام سے مشہور  
 ہیں، اور سامانِ عبرت بنی ہوئی ہیں۔



وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۵۸﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ  
الَّذِينَ اصْطَفَى ۚ اللَّهُ خَيْرٌ مَّا يُشْرِكُونَ ﴿۵۹﴾ أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ  
مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُشْبِتُوا شَجَرَهَا ۗ إِنَّهُ  
مَعَ اللَّهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ ﴿۶۰﴾

اور ہم نے اُن پر ایک زبردست بارش برسائی، چنانچہ بہت بری بارش تھی جو اُن لوگوں پر بری جنہیں پہلے سے خبردار  
کر دیا گیا تھا۔ ﴿۵۸﴾

(اے پیغمبر!) کہو: ”تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اور سلام ہو اُس کے اُن بندوں پر جن کو اُس نے منتخب فرمایا ہے! بتاؤ  
کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو اُن لوگوں نے اللہ کی خدائی میں شریک بنا رکھا ہے؟ ﴿۵۹﴾ بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور  
زمین کو پیدا کیا، اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا؟ — پھر ہم نے اُس پانی سے بارونق باغ اُگائے، تمہارے بس  
میں نہیں تھا کہ تم اُن کے درختوں کو اُگا سکتے۔ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں! بلکہ اُن  
لوگوں نے راستے سے منہ موڑ رکھا ہے۔ ﴿۶۰﴾

(۲۸) حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورہ ہود (۱۱: ۷۷ تا ۸۳) اور سورہ حجر (۱۵: ۵۸ تا ۷۶) میں گزر چکا  
ہے، نیز پچھلی سورت سورہ شعراء میں (۲۶: ۱۶۰ تا ۱۷۵) بھی گزرا ہے اور ہم نے ان کا مختصر تعارف سورہ اعراف (۷: ۸۰)  
میں کرایا ہے۔

(۲۹) مختلف پیغمبروں کے واقعات بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ عقیدہ توحید کے دلائل بیان فرما رہے ہیں جو تمام پیغمبروں  
کا مشترک اور متفقہ عقیدہ تھا۔ کائنات میں پھیلی ہوئی قدرت خداوندی کی نشانیوں کی طرف توجہ دلا کر فرمایا جا رہا ہے کہ جو  
ذات اس کائنات کی تخلیق کر کے اُس کا محیر العقول انتظام کر رہی ہے، کیا اُسے اپنی خدائی کا نظام چلانے میں کسی اور کی مدد کی  
ضرورت ہو سکتی ہے؟ یہ توحید کے بارے میں ایک انتہائی بلیغ خطبہ ہے جس کے زور بیان کو کسی ترجمے میں منتقل کرنا ممکن نہیں،  
تاہم مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چونکہ یہ خطبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہی لوگوں تک پہنچنا تھا، اس لئے  
اُس کے شروع میں آپ کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اُس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام بھیج کر کیا  
جائے، اور اس طرح یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ جب کوئی تقریر کرنی ہو تو اُسے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کے پیغمبروں پر درود  
وسلام بھیج کر کیا جائے۔

(۳۰) واضح رہے کہ کفار مکہ یہ بات مانتے تھے کہ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، مگر ساتھ ہی وہ کہتے تھے کہ اُس نے  
کائنات کے انتظام کے بہت سے شعبے دوسرے خداؤں کو سونپ دیئے ہیں، اس لئے اُن کی عبادت کرنی چاہئے۔



أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَافَهَا نُهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِي وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۖ ءَالَهُ مَعَ اللَّهِ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾ أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۖ ءَالَهُ مَعَ اللَّهِ ۖ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۖ ءَالَهُ مَعَ اللَّهِ ۖ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٣﴾ أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۖ ءَالَهُ مَعَ اللَّهِ ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٤﴾ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾

بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو قرار کی جگہ بنایا، اور اُس کے بیچ بیچ میں دریا پیدا کئے، اور اُس (کو ٹھہرانے) کے لئے (پہاڑوں کی) میخیں گاڑ دیں، اور دو سمندروں کے درمیان ایک آڑ رکھ دی؟ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں! بلکہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت سے ناواقف ہیں۔ ﴿٦١﴾ بھلا وہ کون ہے کہ جب کوئی بے قرار اُسے پکارتا ہے تو وہ اُس کی دعا قبول کرتا ہے، اور تکلیف دُور کر دیتا ہے، اور جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں! بلکہ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔ ﴿٦٢﴾ بھلا وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں تمہیں راستہ دکھاتا ہے، اور جو اپنی رحمت (کی بارش) سے پہلے ہوائیں بھیجتا ہے جو تمہیں (بارش کی) خوشخبری دیتی ہیں؟ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ (نہیں! بلکہ) اللہ اُس شرک سے بہت بالا و برتر ہے جس کا ارتکاب یہ لوگ کر رہے ہیں۔ ﴿٦٣﴾ بھلا وہ کون ہے جس نے ساری مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا، پھر وہ اُس کو دوبارہ پیدا کرے گا، اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق فراہم کرتا ہے؟ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ کہو: ”لا واپنی کوئی دلیل، اگر تم سچے ہو۔“ ﴿٦٤﴾ کہہ دو کہ: ”اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کسی کو بھی غیب کا علم نہیں ہے، اور لوگوں کو یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ انہیں کب دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔“ ﴿٦٥﴾

(۳۱) جہاں دو دریا یا دو سمندر ملتے ہیں، وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا یہ کرشمہ دکھایا ہے کہ دونوں کے پانی آپس میں ملتے نہیں ہیں، بلکہ دُور تک دونوں دریا ساتھ ساتھ بہنے کے باوجود الگ الگ نظر آتے ہیں، گویا اُن کے درمیان ایک آڑ کھڑی کر دی گئی ہے۔ (۳۲) اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو غیب کی بہت سی باتیں وحی کے ذریعے بتا دیتے ہیں، اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ غیب کی خبریں حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی گئی تھیں، لیکن مکمل علم غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اس لئے اُس کے سوا کسی کو ”عالم الغیب“ نہیں کہا جاسکتا۔



بَلْ اِذْ رَاكَ عَلَيْهِمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا ۚ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۙ ۝۱۱ وَقَالَ ۙ  
 الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِذَا كُنَّا تُرَابًا وَّاَبَاؤُنَا اِنَّا لَبٰخِرُوْنَ ۙ ۝۱۲ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ  
 وَاٰبَاؤُنَا مِن قَبْلُ ۚ اِنَّ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۙ ۝۱۳ قُلْ سِيرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانظُرُوْا  
 كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۙ ۝۱۴ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَكْسُرُوْنَ ۙ ۝۱۵  
 وَيَقُولُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ۙ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۙ ۝۱۶ قُلْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ رَءْفٌ لَّكُمْ بَعْضُ  
 الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۙ ۝۱۷ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلٰى النَّاسِ وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۙ ۝۱۸  
 وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلَنُوْنَ ۙ ۝۱۹ وَمَا مِنْ غَآيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ  
 وَاِلَّا رُضٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۙ ۝۲۰

بلکہ آخرت کے بارے میں ان (کافروں) کا علم بے بس ہو کر رہ گیا ہے، بلکہ وہ اُس کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں،  
 بلکہ اُس سے اندھے ہو چکے ہیں۔ ۝۲۰

جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ”کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادے مٹی ہو چکے ہوں گے تو کیا اُس وقت  
 واقعی ہمیں (قبروں سے) نکالا جائے گا؟“ ۝۲۱ ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے اس قسم کے وعدے پہلے بھی کئے گئے  
 تھے، (لیکن) ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ قصہ کہانیاں ہیں جو پرانے زمانے کے لوگوں سے نقل ہوتی چلی  
 آرہی ہیں۔“ ۝۲۲ کہو کہ: ”ذرا زمین میں سفر کر کے دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا ہے۔“ ۝۲۳ اور (اے پیغمبر!) تم ان  
 لوگوں پر غم نہ کرو، اور یہ جس مکاری کا مظاہرہ کر رہے ہیں، ان کی وجہ سے گھٹن محسوس نہ کرو۔ ۝۲۴ یہ (تم سے) یوں کہتے  
 ہیں کہ: ”یہ وعدہ کب پورا ہوگا، اگر تم سچے ہو؟“ ۝۲۵ کہہ دو کہ: ”کچھ بعید نہیں ہے کہ جس عذاب کی تم جلدی مچارہے ہو،  
 اُس کا کچھ حصہ تمہارے بالکل پاس آ لگا ہو۔“ ۝۲۶ اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پروردگار لوگوں پر بہت فضل کرنے والا ہے،  
 لیکن اُن میں سے اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ ۝۲۷ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار وہ ساری باتیں بھی جانتا ہے جو ان کے  
 سینے چھپائے ہوئے ہیں، اور وہ باتیں بھی جو وہ علانیہ کرتے ہیں۔ ۝۲۸ اور آسمان اور زمین کی کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں  
 ہے جو ایک واضح کتاب میں درج نہ ہو۔ ۝۲۹

(۲۳) یعنی کفر کا اصل عذاب تو آخرت ہی میں ہوگا، لیکن اُس کا کچھ حصہ دُنیا میں بھی ظاہر ہو سکتا ہے، چنانچہ قریش کے  
 بڑے بڑے سردار جنگِ بدر میں مارے گئے، اور باقی لوگوں کو بری طرح شکست ہوئی۔  
 (۲۴) اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔



إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَى بَنِي إِسْرَآءَ يَلْ أَكْثَرِ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ وَإِنَّهُ لَهْدَىٰ وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ۝ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ۝ وَمَا أَنْتَ بِهْدَىٰ الْعُصَىٰ عَنْ صَلَاتِهِمْ ۖ إِنَّ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْمِعُونَ ۝ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ۝ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ أَكْذَبْتُمْ بِآيَاتِنَا وَلَمْ تُحِطُوا بِهَا عُلَمَاءُ مَا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

واقعہ یہ ہے کہ یہ قرآن بنو اسرائیل کے سامنے اکثر ان باتوں کی حقیقت واضح کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ (۳۵) اور یقیناً یہ ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ (۳۶) اور تمہارا پروردگار یقیناً ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کرے گا، اور وہ بڑا اقتدار والا، بڑا علم والا ہے۔ (۳۷) لہذا (اے پیغمبر!) تم اللہ پر بھروسہ رکھو۔ یقیناً تم کھلے کھلے حق پر ہو۔ (۳۸) یاد رکھو کہ تم مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے، اور نہ تم بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہو، جب وہ پیٹھ پھیر کر چل کھڑے ہوں۔ (۳۹) اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے بچا کر راستے پر لا سکتے ہو۔ تم تو انہی لوگوں کو اپنی بات سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں، پھر وہی لوگ فرماں بردار ہوں گے۔ (۴۰) اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت ان لوگوں پر آ پہنچے گا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے بات کرے گا کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ (۴۱)

اور اس دن کو نہ بھولو جب ہم ہر اُمت میں سے ان لوگوں کی پوری فوج کو گھیر لائیں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے، پھر ان کی جماعت بندی کی جائے گی۔ (۴۲) یہاں تک کہ جب سب آجائیں گے تو اللہ کہے گا کہ: ”کیا تم نے میری آیتوں کو پوری طرح سمجھے بغیر ہی جھٹلادیا تھا، یا کیا کرتے رہے تھے؟“ (۴۳)

(۳۵) یہ بھی قرآن کریم کی حقانیت کی دلیل ہے کہ جن معاملات میں بنی اسرائیل کے بڑے بڑے علماء میں بھی اختلاف رہا، قرآن کریم نے ان کی حقیقت واضح فرمادی۔

(۳۶) قیامت کی آخری علامتوں میں سے ایک علامت قیامت کے بالکل قریب یہ ظاہر ہوگی کہ اللہ تعالیٰ زمین سے ایک عجیب الخلق جانور پیدا کریں گے جو انسانوں سے بات کرے گا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے فوراً بعد قیامت آجائے گی، اور اس جانور کے نکلنے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔



وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿۸۵﴾ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لَيْسَكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۸۶﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۚ وَكُلُّ أَتَوْهُ ذَخِيرِينَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتَقَنَ كُلُّ شَيْءٍ ۚ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وَجُوهُهُمْ فِي النَّارِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدَةِ ۚ الَّذِي حَرَّمَ هَؤُلَاءِ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۹۱﴾

اور انہوں نے جو ظلم کیا تھا، اُس کی وجہ سے اُن پر عذاب کی بات پوری ہو جائے گی، چنانچہ وہ کچھ بول نہیں سکیں گے۔ ﴿۸۵﴾ کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے رات اس لئے بنائی ہے کہ وہ اُس میں سکون حاصل کریں، اور دن اس طرح بنایا ہے کہ اُس میں چیزیں دکھائی دیں؟ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ ﴿۸۶﴾ اور جس دن صور پھونکا جائے گا، تو آسمانوں اور زمین کے سب رہنے والے گھبرا اٹھیں گے، سوائے اُن کے جنہیں اللہ چاہے گا، اور سب اُس کے پاس جھکے ہوئے حاضر ہوں گے۔ ﴿۸۷﴾ تم (آج) پہاڑوں کو دیکھتے ہو تو سمجھتے ہو کہ یہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں، حالانکہ (اُس وقت) وہ اس طرح پھر رہے ہوں گے جیسے بادل پھرتے ہیں۔ یہ سب اللہ کی کارگیری ہے جس نے ہر چیز کو مستحکم طریقے سے بنایا ہے۔ یقیناً اُسے پوری خبر ہے کہ تم کیا کام کرتے ہو۔ ﴿۸۸﴾ جو کوئی نیکی لے کر آئے گا اُسے اُس سے بہتر بدلہ ملے گا، اور ایسے لوگ اُس دن ہر قسم کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے۔ ﴿۸۹﴾ اور جو کوئی برائی لے کر آئے گا، تو ایسے لوگوں کو منہ کے بل آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ تمہیں کسی اور بات کی نہیں، اُنہی اعمال کی سزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے۔ ﴿۹۰﴾ (اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ:) ”مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اس شہر کو حرمت بخشی ہے، اور ہر چیز کا مالک وہی ہے، اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں فرماں برداروں میں شامل رہوں۔ ﴿۹۱﴾

(۳۷) آگے آیت نمبر ۸۹ میں اس کی وضاحت آرہی ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو نیک اعمال لے کر آئیں گے، اور بعض روایات میں ہے کہ اس سے مراد وہ شہداء ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کیں۔ (۳۸) اللہ تعالیٰ نے ہر نیکی کا ثواب دس گنا دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔



وَأَنْ أَتْلُوا الْقُرْآنَ ۚ فَمَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سِيرِكُمْ أَيْتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۳﴾

اور یہ کہ میں قرآن کی تلاوت کروں۔“ اب جو شخص ہدایت کے راستے پر آئے، وہ اپنے ہی فائدے کے لئے راستے پر آئے گا، اور جو گمراہی اختیار کرے، تو کہہ دینا کہ: ”میں تو بس اُن لوگوں میں سے ہوں جو خبردار کرتے ہیں۔“ ﴿۹۲﴾ اور کہہ دو کہ: ”تمام تعریفیں اللہ کی ہیں، وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا، پھر تم انہیں پہچان بھی لو گے۔“ ﴿۹۳﴾ اور تمہارا پروردگار تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ہے۔“ ﴿۹۳﴾

(۳۹) اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور اپنی قدرت کی بہت سی نشانیاں دُنیا میں بھی دکھاتا رہا ہے، مثلاً بہت سی پیشگی خبریں جو آپ نے وحی کی بنیاد پر دی تھیں، وہ لوگوں نے کھلی آنکھوں پوری ہوتی ہوئی دیکھیں، جیسا کہ سورہ روم کے شروع میں اُس کی ایک مثال آنے والی ہے۔ یہاں اس قسم کی نشانیاں بھی مراد ہو سکتی ہیں، اور قیامت بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اُس وقت قیامت کے منکر بھی اُسے پہچان لیں گے، لیکن اس وقت کا پہچاننا فائدہ مند نہیں ہوگا، کیونکہ ایمان لانے کا وقت گزر چکا ہوگا۔

الحمد للہ! آج بروز اتوار ۲۰ مئی ۲۰۰۷ء مطابق ۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ کو سورہ نمل کا ترجمہ اور تفسیری حواشی دُبی سے کراچی جاتے ہوئے تکمیل کو پہنچے، اور یہ پوری سورت یورپ کے سفر میں مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بندہ کی خطاؤں سے درگزر فرما کر اس کاوش کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی تکمیل بھی اپنی رضا کے مطابق کرنے کی توفیق سے نوازیں۔ آمین۔



# سُورَةُ الْقَصَصِ

## تعارف

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ یہ سورت سورہ نمل (سورت نمبر ۲۷) کے بعد نازل ہوئی تھی، اور مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری سورت ہے جو مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی، کیونکہ اس کی آیت نمبر ۸۵ اُس وقت نازل ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کی غرض سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔ سورت کا مرکزی موضوع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کی دعوت کی سچائی کو ثابت کرنا ہے۔ سورت کی پہلی ۴۳ آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی زندگی کی وہ تفصیلات بیان فرمائی گئی ہیں جو کسی اور سورت میں بیان نہیں ہوئیں۔ اس واقعے کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد آیات ۴۴ تا ۴۷ میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان واقعات کو اتنی تفصیل سے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، اس کے باوجود جب آپ یہ واقعات بیان فرما رہے ہیں تو اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ کفار مکہ کی طرف سے آپ کی نبوت اور رسالت پر جو اعتراضات کئے جاتے تھے، اُن کا شافی جواب بھی اس سورت میں دیا گیا ہے، اور آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ جو لوگ ضد پر اڑے ہوئے ہیں، ان کے طرز عمل کی کوئی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی۔ پھر کفار مکہ جن جھوٹے خداؤں پر ایمان رکھتے تھے، اُن کی تردید کی گئی ہے۔ قریش کے بڑے بڑے سردار اپنی دولت پر غرور کی وجہ سے بھی آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ اُن کی عبرت کے لئے آیات ۷۶ تا ۸۲ میں قارون کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سب سے زیادہ دولت مند شخص تھا، لیکن اس کی دولت اُسے تباہی سے نہ بچا سکی جو غرور اور ضد کے نتیجے میں اُس پر آ کر رہی۔ سورت کے آخر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا گیا ہے کہ اگرچہ اس وقت آپ بے سروسامانی کی حالت میں مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور ہو رہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو فاتح کی حیثیت سے دوبارہ مکہ مکرمہ واپس آنے کا موقع عنایت فرمائے گا۔



آیاتھا ۸۸ سُورۃ القصص مکیۃ ۴۹ رکوعاتها ۹

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طَسَمَ ۝ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوسٰی وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلٰی فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلًا شِیْعًا یَّسْتَضِعُّ طَآئِفَةً مِنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَاءَهُمْ وَیَسْتَحْیِ نِسَاءَهُمْ ۝ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الْاٰزِیْنِ اَسْتَضِعُّوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اٰیٰةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِیْنَ ۝ وَنَمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیْ فِرْعَوْنَ وَاهْلًا مِنْ وُجُوْدِهِمْ اَمْثَلًا ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اٹھاسی آیتیں اور نور کوغ ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

طَسَمَ۔ ۱۔ یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو حقیقت واضح کرنے والی ہے۔ ۲۔ ہم ایمان والے لوگوں کے فائدے کے لئے تمہیں موسیٰ اور فرعون کے کچھ حالات ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں۔ ۳۔ واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی اختیار کر رکھی تھی، اور اُس نے وہاں کے باشندوں کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا جن میں سے ایک گروہ کو اُس نے اتنا دبا کر رکھا ہوا تھا کہ اُن کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا، اور اُن کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو فساد پھیلایا کرتے ہیں۔ ۴۔ اور ہم یہ چاہتے تھے کہ جن لوگوں کو زمین میں دبا کر رکھا گیا ہے، اُن پر احسان کریں، اُن کو پیشوا بنائیں، اُنہی کو (ملک و مال کا) وارث بنادیں، ۵۔ اور اُنہیں زمین میں اقتدار عطا کریں، اور فرعون، ہامان اور اُن کے لشکروں کو وہی کچھ دکھا دیں جس سے بچاؤ کی وہ تدبیریں کر رہے تھے۔ ۶۔

(۱) جیسا کہ سورہ طہ (۲۰: ۳۶) کے حاشیے میں ہم نے عرض کیا ہے، فرعون کو کسی نجومی نے یہ کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص تمہاری سلطنت ختم کرے گا۔ اس لئے اُس نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو کوئی بچہ پیدا ہوا اسے قتل کر دیا جائے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو فکر ہوئی کہ ان کو بھی فرعون کے آدمی قتل کر ڈالیں گے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پر الہام فرمایا کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا، اور فرعون کے کارندوں نے بچے کو اٹھا کر فرعون کے پاس پیش کیا، اور اس کی بیوی حضرت آسیہ نے اسے آمادہ کر لیا کہ اُسے اپنا بیٹا بنا کر پالیں۔ یہی واقعہ آگے آیت نمبر ۶ تا ۸ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

(۲) اُنہیں جو خطرہ تھا کہ کوئی بچہ بڑا ہو کر اُن کے زوال کا باعث بنے گا، اُسی سے بچنے کے لئے وہ تدبیریں کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم یہ چاہتے تھے کہ اُنہیں یہ دکھائیں کہ اُن کی ساری تدبیریں ناکام ہو گئی ہیں، اور وہ خطرہ حقیقت بن کر سامنے آ گیا ہے۔



وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَإِذَا خَفَتْ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۚ إِنَّا رَأَيْنَا دُورَهُ إِلَيْكَ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٥﴾ فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۖ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ﴿٦﴾ وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنِي لِي وَلَكَ ۚ لَا تَقْتُلُوهُ ۚ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٧﴾ وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَرِغًا ۚ إِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَنْ رَبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨﴾ وَقَالَتِ لَأُخْتِي قُصِّيهِ ۚ فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَصْحُونَ ﴿١٠﴾

اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ: ”تم اس (بچے) کو دودھ پلاؤ، پھر جب تمہیں اس کے بارے میں کوئی خطرہ ہو تو اُسے دریا میں ڈال دینا، اور ڈرنا نہیں، اور نہ صدمہ کرنا، یقین رکھو ہم اُسے واپس تمہارے پاس پہنچا کر رہیں گے، اور اُس کو پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر بنائیں گے۔“ ﴿۵﴾ اس طرح فرعون کے لوگوں نے اُس بچے (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو اٹھالیا، تاکہ آخر کار وہ اُن کے لئے دشمن اور غم کا ذریعہ بنے۔ بیشک فرعون، ہامان اور اُن کے لشکر بڑے خطا کار تھے۔ ﴿۶﴾ اور فرعون کی بیوی نے (فرعون سے) کہا کہ: ”یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو، کچھ بعید نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے، یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔“ اور (یہ فیصلہ کرتے وقت) اُنہیں انجام کا پتہ نہیں تھا۔ ﴿۷﴾ ادھر موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار تھا۔ قریب تھا کہ وہ یہ سارا راز کھول دیتیں، اگر ہم نے ان کے دل کو سنبھالا نہ ہوتا، تاکہ وہ (ہمارے وعدے پر) یقین کئے رہیں۔ ﴿۸﴾ اور انہوں نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ: ”اس بچے کا کچھ سراغ لگاؤ۔“ چنانچہ اُس نے بچے کو دور سے اس طرح دیکھا کہ اُن لوگوں کو پتہ نہیں چلا۔ ﴿۹﴾ اور ہم نے موسیٰ پر پہلے ہی سے یہ بندش لگا دی تھی کہ دودھ پلانے والیاں اُنہیں دودھ نہ پلا سکیں، اس لئے اُن کی بہن نے کہا: ”کیا میں تمہیں ایسے گھر کا پتہ بتاؤں جس کے لوگ تمہارے لئے اس بچے کی پرورش کریں، اور اس کے خیر خواہ رہیں؟“ ﴿۱۰﴾

(۳) خطا کار ہونے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کافر اور گناہگار لوگ تھے، اور یہ بھی کہ انہوں نے اُس بچے کو اٹھا کر اپنے حق میں غلطی کی، کیونکہ وہی بچہ آخر اُن کے زوال کا سبب بنا۔

(۴) فرعون کی اہلیہ نے جب بچے کو پالنے کا ارادہ کر لیا تو ان کو دودھ پلانے والی کی تلاش شروع ہوئی، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی بھی عورت کا دودھ منہ میں نہیں لیتے تھے۔ حضرت آسیہ نے اپنی کنیزیں بھیجیں کہ وہ کوئی ایسی عورت تلاش کریں جس کا دودھ یہ قبول کر لیں۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے کو دریا میں ڈالنے کے بعد بے چین تھیں۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو دیکھنے کے لئے بھیجا کہ بچہ کا انجام کیا ہوا؟ یہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اُسی جگہ پہنچ گئیں جہاں فرعون کی کنیزیں



فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾ وَلَمَّا بَدَغَ آشُدُهُ وَأَسْتَوَىٰ اتَيْنَهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۖ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ ۖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنَ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ ۖ فَوَكَّزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ۖ قَالَ هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶﴾

اس طرح ہم نے موسیٰ کو اُن کی ماں کے پاس لوٹا دیا، تاکہ اُن کی آنکھ ٹھنڈی رہے، اور وہ غمگین نہ ہوں، اور تاکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۱۳﴾ اور جب موسیٰ اپنی بھرپور توانائی کو پہنچے، اور پورے جوان ہو گئے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم سے نوازا، اور نیک لوگوں کو ہم یوں ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ ﴿۱۴﴾ اور (ایک دن) وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جب اُس کے باشندے غفلت میں تھے، تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں دو آدمی لڑ رہے ہیں، ایک تو اُن کی اپنی برادری کا تھا، اور دوسرا اُن کی دشمن قوم کا۔ اب جو شخص اُن کی برادری کا تھا، اُس نے انہیں اُن کی دشمن قوم کے آدمی کے مقابلے میں مدد کے لئے پکارا، اس پر موسیٰ نے اُس کو ایک مکا مارا جس نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ (پھر) انہوں نے (پچھتا کر) کہا کہ: ”یہ تو کوئی شیطان کی کارروائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک کھلا دشمن ہے جو غلط راستے پر ڈال دیتا ہے۔“ ﴿۱۵﴾ کہنے لگے: ”میرے پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کر لیا، آپ مجھے معاف فرما دیجئے۔“ چنانچہ اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ یقیناً وہی ہے جو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۶﴾

پریشانی کے عالم میں دودھ پلانے والی عورتوں کو تلاش کر رہی تھیں۔ ان کو موقع مل گیا، اور انہوں نے اپنی والدہ کو یہ خدمت سونپنے کی تجویز پیش کی، اور انہیں وہاں لے بھی آئیں۔ جب انہوں نے بچے کو دودھ پلانا چاہا تو بچے نے آرام سے دودھ پی لیا، اور پھر اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق بچہ دوبارہ ان کے پاس آ گیا۔

(۱۵) یعنی اکثر لوگ دو پہر کے وقت بے خبر سوئے ہوئے تھے۔

(۱۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ اسرائیلی شخص کو اُس کے ظلم سے بچائیں، اُسے قتل کرنا مقصود نہیں تھا، لیکن وہ ایک ہی مکے سے مر گیا۔

(۱۷) چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جان بوجھ کر اُسے قتل نہیں کیا تھا، بلکہ وہ بلا ارادہ مارا گیا، اس لئے اصل میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام معذور تھے، لیکن بہر حال کسی کا قتل ہو جانا ایک سنگین معاملہ ہے، اور ایک ہونے والے پیغمبر کے شایانِ شان نہیں، اس



قَالَ رَبِّ إِنِّي نَعَمْتُ عَلَىٰ فُلَانٍ أَكُونُ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ ﴿١٤﴾ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ ۖ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۚ قَالَ يَمُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۖ إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمَصْلُوحِينَ ﴿١٦﴾ وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ ۚ قَالَ يَمُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَكَ يَأْتِيكَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ﴿١٧﴾

موسیٰ نے کہا: ”میرے پروردگار! آپ نے جو مجھ پر انعام کیا ہے، تو میں آئندہ کبھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔“ ﴿۱۴﴾ پھر صبح کے وقت وہ شہر میں ڈرتے ڈرتے حالات کا جائزہ لے رہے تھے، اتنے میں دیکھا کہ جس شخص نے کل اُن سے مدد مانگی تھی، وہ پھر انہیں فریاد کے لئے پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے اُس سے کہا کہ: ”معلوم ہوا کہ تم تو کھلم کھلا شریر آدمی ہو۔“ ﴿۱۵﴾ پھر جب انہوں نے اُس شخص کو پکڑنے کا ارادہ کیا جو ان دونوں کا دشمن تھا تو اُس (اسرائیلی) نے کہا: ”موسیٰ! کیا تم مجھے بھی اسی طرح قتل کرنا چاہتے ہو جیسے تم نے کل ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا؟ تمہارا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم زمین میں اپنی زبردستی جماؤ، اور تم مصلح بننا نہیں چاہتے۔“ ﴿۱۶﴾ اور (اُس کے بعد یہ ہوا کہ) شہر کے بالکل دُور دراز علاقے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، اُس نے کہا کہ: ”موسیٰ! سردار لوگ تمہارے بارے میں مشورے کر رہے ہیں کہ تمہیں قتل کر ڈالیں، اس لئے تم یہاں سے نکل جاؤ، یقین رکھو میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔“ ﴿۱۷﴾

لئے وہ شرمندہ بھی ہوئے، اور اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگی۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ مسلمان اور غیر مسلم آپس میں امن کے ساتھ رہ رہے ہوں، خواہ وہاں حکومت غیر مسلموں ہی کی ہو، وہاں کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کو قتل کرے، یا اُس کی جان و مال کو کسی اور طرح نقصان پہنچائے۔

﴿۸﴾ اب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ساتھ رہ رہے تھے، اور اُس کے ساتھ آتے جاتے تھے۔ اس واقعے نے اُن کے دل میں ایک انقلاب پیدا کر دیا، اور انہیں یہ محسوس ہوا کہ یہ سارا جھگڑا اور حقیقت فرعون کے جابرانہ طرز حکومت کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے مصریوں کو اسرائیلیوں پر ظلم ڈھانے کی جرأت ہوئی ہے۔ اس لئے اس واقعے کے بعد انہوں نے تہیہ کر لیا کہ آئندہ میں فرعون اور اُس کے اہل کاروں سے مکمل علیحدگی اختیار کر لوں گا، تاکہ اُن کی بالواسطہ بھی کسی بھی قسم کی مدد کا ارتکاب نہ ہو۔

﴿۹﴾ یعنی لڑائی بھڑائی تمہارا روز کا وطیرہ معلوم ہوتا ہے کہ کل کسی اور سے لڑے تھے، اور آج اس شخص سے لڑ رہے ہو۔ ﴿۱۰﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ تو اُس مصری قبیلے کی طرف بڑھایا تھا، تاکہ اُسے مارنے سے روکیں، لیکن اسرائیلی نے جب اُن کا یہ جملہ سنا کہ: ”تم بڑے شریر آدمی ہو“ تو وہ یہ سمجھا کہ وہ اُس کو مارنے کے لئے ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ اس لئے اُس نے یہ بات کہی۔



فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۚ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ وَلَمَّا تَوَجَّهَ  
تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَى رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ  
وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ۚ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۚ قَالَ مَا  
خَطْبُكُمَا ۚ قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاءُ ۚ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ۝ فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى  
إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ۝ فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى  
اسْتِحْيَاءٍ ۚ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ  
الْقَصَصَ ۚ قَالَ لَا تَخَفْ ۖ نَجَوْتَ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝

چنانچہ موسیٰ ڈرتے ڈرتے، حالات کا جائزہ لیتے شہر سے نکل کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے: ”میرے پروردگار! مجھے ظالم  
لوگوں سے بچالے۔“ (۱۱) اور جب انہوں نے مدین کی طرف رخ کیا تو کہا کہ: ”مجھے پوری امید ہے کہ میرا پروردگار  
مجھے سیدھے راستے پر ڈال دے گا۔“ (۱۲)

اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ اُس پر ایسے لوگوں کا ایک مجمع ہے جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں، اور  
دیکھا کہ اُن سے پہلے دو عورتیں ہیں جو اپنے جانوروں کو روکے کھڑی ہیں۔ موسیٰ نے اُن سے کہا: ”تم کیا چاہتی ہو؟“  
اُن دونوں نے کہا: ”ہم اپنے جانوروں کو اُس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک سارے چرواہے پانی پلا کر نکل نہیں  
جاتے، اور ہمارے والد بہت بوڑھے آدمی ہیں۔“ (۱۳) اس پر موسیٰ نے اُن کی خاطر اُن کے جانوروں کو پانی پلا دیا، پھر  
مڑ کر ایک سائے کی جگہ چلے گئے، اور کہنے لگے: ”میرے پروردگار! جو کوئی بہتری تو مجھ پر اوپر سے نازل کر دے، میں  
اُس کا محتاج ہوں۔“ (۱۴) تھوڑی دیر بعد اُن دونوں عورتوں میں سے ایک اُن کے پاس شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی  
آئی، کہنے لگی: ”میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں، تاکہ آپ کو اس بات کا انعام دیں کہ آپ نے ہماری خاطر جانوروں  
کو پانی پلایا ہے۔“ (۱۵) چنانچہ جب وہ عورتوں کے والد کے پاس پہنچے اور اُن کو ساری سرگزشت سنائی، تو انہوں نے کہا:  
”کوئی اندیشہ نہ کرو، تم ظالم لوگوں سے بچ آئے ہو۔“ (۱۶)

(۱۱) مدین حضرت شعیب علیہ السلام کی بستی تھی اور وہ علاقہ فرعون کی حکومت سے باہر تھا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے  
وہاں جانے کا ارادہ کیا، لیکن شاید راستہ پوری طرح معلوم نہیں تھا، محض اندازے سے چل رہے تھے، اس لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا  
کہ اللہ تعالیٰ مجھے صحیح راستے پر ڈال دے گا۔



(۱۲) مطلب یہ تھا کہ ہمارے والد بوڑھے ہونے کی وجہ سے جانوروں کو پانی پلانے کے لئے نہیں آسکتے، اور ہم چونکہ عورت ذات ہیں، اس لئے مردوں میں گھس کر پانی نہیں پلا سکتیں، اس لئے اس انتظار میں ہیں کہ مرد چلے جائیں اور کنواں خالی ہو جائے تو ہم اپنے جانوروں کو لے جا کر پانی پلائیں۔ واضح رہے کہ ان عورتوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام تھے جنہیں مدین کے لوگوں کی اصلاح کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا، اور جن کا واقعہ سورہ اعراف، سورہ ہود وغیرہ میں تفصیل سے آچکا ہے۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت خواتین کا کسی کام کے لئے باہر نکلنا جائز ہے، البتہ اگر مرد وہ کام انجام دے سکتے ہوں تو مردوں ہی کو انجام دینا چاہئے، اسی لئے انہوں نے اپنے آنے کی وجہ یہ بیان کی کہ ہمارے والد ضعیف ہیں، اور گھر میں کوئی اور مرد نہیں ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواتین سے بات کرنا جائز ہے، خاص طور پر اگر انہیں کسی مشکل میں مبتلا دیکھیں تو ان کی مدد کے لئے ان کا حال پوچھ کر حتی الامکان ان کی مدد کرنی چاہئے، بشرطیکہ کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۱۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان عورتوں سے پوچھا کہ کیا یہاں کوئی اور کنواں بھی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ایک کنواں اور ہے، مگر اُس کے منہ پر ایک بہت بھاری پتھر رکھا ہوا ہے جسے اٹھانا آسان نہیں۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں گئے، اور پتھر کو اٹھا کر ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا (روح المعانی بحوالہ عبد بن حمید ص: ۳۶۷ ج: ۲۰)۔

(۱۴) اس مختصر دُعا میں عبدیت کا عجیب مظاہرہ ہے، ایک طرف اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے محتاج ہونے کا ذکر فرما رہے ہیں کہ اس غریب الوطنی میں جہاں کوئی شخص آشنا نظر نہیں آتا، زندگی کی ہر ضرورت کی احتیاج ہے، اور دوسری طرف خود سے کوئی نعمت تجویز کرنے کے بجائے معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ رہے ہیں کہ آپ بھلائی کی جو صورت بھی تجویز کر کے مجھ پر اُدھر سے نازل فرمادیں گے، تو سمجھو کہ اُسی کی احتیاج ظاہر کر کے وہی میں نے مانگی ہے، میں اپنی طرف سے کوئی متعین حاجت مانگنے کی حالت میں نہیں ہوں۔

(۱۵) معلوم ہوا کہ اگرچہ اُس وقت پردے کے باقاعدہ احکام نہیں تھے جو قرآن کریم نے عطا فرمائے، لیکن خواتین شرم و حیا کے لباس میں رہتی تھیں، اور مردوں سے معاملات کرتے وقت شرم و حیا کو پوری طرح ملحوظ رکھتی تھیں، چنانچہ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور سعید بن منصور نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ خاتون جب آئیں تو انہوں نے اپنی قمیص کی آستین اپنے چہرے پر رکھی ہوئی تھی۔

(۱۶) اگرچہ کسی نیکی کا انعام وصول کرنے کے لئے جانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیرت اور شرافت کے خلاف تھا، لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی تھی کہ آپ کی طرف سے جو بھلائی بھی آئے گی، میں اُس کا محتاج ہوں، اور اس خاتون کی دعوت سے ایک راستہ ایسا پیدا ہوا تھا کہ اس بستی میں کسی بزرگ سے جان پہچان ہو جائے، اور دوسری طرف ان کے اپنی بیٹی کو بھیجنے سے ان کی شرافت اور بزرگی ظاہر ہو رہی تھی، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس وقت یہ خیال فرمایا کہ اس دعوت کو رد کرنا ناشکری اور اُس عبدیت کے خلاف ہوگا جس کے ساتھ دُعا مانگی گئی تھی، اور ہو سکتا ہے کہ ان بزرگ سے کوئی مفید مشورہ مل جائے۔ چنانچہ دعوت کو قبول کر کے ان کے پاس چلے گئے، لیکن ابن عساکر کی ایک روایت میں حضرت ابو حازم سے یہ تفصیل منقول ہے



قَالَتْ أَحَدُهُمَا يَبْتَاسُ جُرُؤُهُ ۚ إِنَّ خَيْرَ مَنْ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنِّي  
أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَلَاثِينَ حَجَّجًا ۚ فَإِنْ أَتَيْتَ  
عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْلِكَ عَلَيْكَ ۚ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ  
الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾ قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ ۚ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتَ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۚ وَاللَّهُ  
عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٢٨﴾

اُن دونوں عورتوں میں سے ایک نے کہا: ”ابا جان! آپ ان کو اجرت پر کوئی کام دے دیجئے۔ آپ کسی سے اجرت پر کام لیں تو اس کے لئے بہترین شخص وہ ہے جو طاقتور بھی ہو، امانت دار بھی۔“ ﴿۲۶﴾ اُن کے باپ نے کہا: ”میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک سے تمہارا نکاح کر دوں، بشرطیکہ تم آٹھ سال تک اجرت پر میرے پاس کام کرو، پھر اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہوگا۔ اور میرا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ تم پر مشقت ڈالوں، ان شاء اللہ تم مجھے اُن لوگوں میں سے پاؤ گے جو بھلائی کا معاملہ کرتے ہیں۔“ ﴿۲۷﴾ موسیٰ نے کہا: ”یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہو گئی۔ دونوں مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کر دوں، تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی، اور جو بات ہم کر رہے ہیں، اللہ اُس کا رکھوالا ہے۔“ ﴿۲۸﴾

کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے کھانا پیش کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔“ حضرت شعیب علیہ السلام نے پوچھا: ”کیوں؟ کیا آپ کو بھوک نہیں ہے؟“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”بھوک تو ہے، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ کھانا میرے اُس عمل کا معاوضہ نہ بن جائے کہ میں نے بکریوں کو پانی پلا دیا تھا، اور ہم ایسے لوگ ہیں کہ جو کام آخرت کی خاطر کریں، اُس کے معاوضے میں کوئی پوری زمین سونے سے بھر کر بھی دیدے تو اُسے قبول نہیں کرتے۔“ حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب دیا کہ: ”اللہ کی قسم، ایسا نہیں ہے، لیکن میری اور میرے آباؤ اجداد کی یہ عادت رہی ہے کہ ہم مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔“ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھ گئے۔“ (روح المعانی، حوالہ بالا)۔ اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاتون نے جو کہا تھا کہ میرے والد آپ کو اس لئے بلا رہے ہیں کہ آپ کو آپ کی نیکی کا انعام دیں گے، یہ انہوں نے اپنے خیال کے مطابق کہہ دیا تھا، حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ الفاظ استعمال نہیں فرمائے ہوں گے۔ واللہ سبحانہ اعلم

﴿۲۹﴾ یہ وہی خاتون تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے گئی تھیں، ان کا نام صفورا تھا، اور پھر انہی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوا۔ گھر میں ایک ایسے مرد کی ضرورت تھی جو گھر کے باہر کے کاموں کی دیکھ بھال کرے، اور عورتوں کو بکریاں چرانے اور



انہیں پانی پلانے کی ضرورت نہ پڑے۔ اس لئے انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ آپ انہیں اس کام پر رکھ لیں، اور اُس کی باقاعدہ اُجرت طے کر لیں۔ اور خاتون کا یہ جملہ کہ: ”آپ کسی سے اُجرت پر کام لیں تو اس کے لئے بہترین شخص وہ ہے جو طاقتور بھی ہو، امانت دار بھی۔“ ان کی کمال عقل مندی کا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا یہ جملہ نقل فرما کر ملازمت کے فیصلے کے لئے بہترین معیار عطا فرما دیا ہے کہ ایک اچھے ملازم میں یہی دو بنیادی خصوصیات ہونی چاہئیں، ایک یہ کہ جو فرائض اُس کے سپرد کئے گئے ہیں، وہ اُن کو بجالانے کی جسمانی اور ذہنی طاقت رکھتا ہو، اور دوسرے یہ کہ امانت دار ہو۔ خاتون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان دونوں باتوں کا تجربہ ہو چکا تھا، پانی پلانے کے لئے انہوں نے جو طریقہ اختیار فرمایا کہ ایک نہایت بھاری پتھر کو ہٹا کر کنویں سے پانی نکالا، یہ اُن کی جسمانی اور ذہنی صلاحیت کی دلیل تھی، اور جہاں تک امانت داری کا تعلق ہے، اُس کا تجربہ خاتون کو اس طرح ہوا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام خاتون کے ساتھ چلنے لگے تو اُن سے کہا کہ آپ میرے پیچھے رہیں، اور راستہ بتاتی جائیں، تاکہ اُن کی شرم و حیا اور عفت و عصمت کا پورا احترام ہو۔ اس قسم کی امانت چونکہ کم دیکھنے میں آتی ہے، اس لئے وہ سمجھ گئی کہ امانت و دیانت ان کا خاص وصف ہے۔

(۱۸) اُس وقت تو حضرت شعیب علیہ السلام نے دونوں میں سے کسی ایک صاحبزادی کی تعیین نہیں کی، لیکن جب باقاعدہ نکاح ہوا تو متعین کر کے معروف طریقے کے مطابق ہوا۔ اور اُجرت پر کام کرنے سے مراد بکریاں چرانا تھا۔ بہت سے فقہاء اور مفسرین نے یہ قرار دیا ہے کہ بکریاں چرانے کو حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی کا مہر مقرر کیا تھا، لیکن اُس پر اوّل تو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ آیا بیوی کا کوئی کام کرنا مہر بن سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، دوسرے یہاں تو بیوی کا نہیں، بلکہ بیوی کے والد کا کام کرنے کا معاہدہ ہوا تھا۔ جو حضرات اس معاہدے کو مہر قرار دیتے ہیں اگرچہ انہوں نے اس اشکال کا بھی جواب دینے کی کوشش کی ہے، لیکن وہ تکلف سے خالی نہیں ہے۔ اس کے برعکس بعض مفسرین اور فقہاء نے یہ موقف اختیار فرمایا ہے کہ بکریاں چرانا بطور مہر نہیں تھا، بلکہ یہ دو الگ الگ باتوں کی مفاہمت تھی، حضرت شعیب علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کی بکریاں بھی چرائیں جس کی اُجرت الگ مقرر ہو، اور اُن کی صاحبزادی سے نکاح بھی کریں، جس کا مہر الگ سے قاعدے کے مطابق طے کیا جائے۔ ان دونوں باتوں کے بارے میں اُن کی مرضی معلوم کرنے کے لئے آپ نے دونوں باتیں ذکر فرمائیں، تاکہ جب وہ ان باتوں کو منظور کر کے وعدہ کر لیں تو نکاح اُس کے اپنے طریقے سے کیا جائے جس میں لڑکی کا تعین بھی ہو، گواہ بھی ہوں اور مہر بھی مقرر کیا جائے، اور ملازمت کا معاہدہ اپنے طریقے سے کیا جائے جس میں اُجرت باقاعدہ مقرر کی جائے۔ چنانچہ یہ دونوں معاملات اپنے اپنے احکام کے مطابق اپنے وقت پر انجام پائے، اور اس وقت صرف اُن معاملات کو آئندہ وجود میں لانے کا دونوں طرف سے وعدہ کیا گیا۔ لہذا اس پر یہ اشکال بھی نہیں ہو سکتا کہ ایک معاملے کو دوسرے معاملے کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ یہی موقف علامہ بدر الدین عینیؒ نے شرح بخاری میں اختیار فرمایا ہے (دیکھئے عمدۃ القاری، کتاب الاجارات، ص: ۸۵ ج: ۱۲)۔



فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا أَلَّيْتُ عَلَيْكُمْ مِنْهَا خَبِرَ أُودُودٌ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿١٩﴾ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يُّوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٠﴾ وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تُهْتَزُّ كَانَهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ يُّوسَىٰ أَقْبَلَ وَلَا تَخَفْ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ ﴿٢١﴾ أَسْلُكُ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بَيْضًا مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۚ وَأَضْمُمُ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذُنُوبُكَ بِرَهَانٍ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿٢٣﴾

پھر جب موسیٰ نے وہ مدت پوری کر لی، اور اپنی اہلیہ کو لے کر چلے تو انہوں نے کوہ طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی۔<sup>(۱۹)</sup> انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا: ”تھہرو! میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید میں وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لے آؤں، یا آگ کا کوئی انگارہ اٹھالائوں، تاکہ تم گرمائی حاصل کر سکو۔“<sup>(۱۹)</sup> چنانچہ جب وہ اُس آگ کے پاس پہنچے تو دائیں وادی کے کنارے پر جو برکت والے علاقے میں واقع تھی، ایک درخت سے آواز آئی کہ: ”اے موسیٰ! میں ہی اللہ ہوں، تمام جہانوں کا پروردگار!“<sup>(۲۰)</sup> اور یہ کہ: ”اپنی لائھی نیچے ڈال دو۔“ پھر ہوا یہ کہ جب انہوں نے اُس لائھی کو دیکھا کہ وہ اس طرح حرکت کر رہی ہے جیسے وہ سانپ ہو، تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے، اور مڑ کر بھی نہ دیکھا۔<sup>(۲۰)</sup> (اُن سے کہا گیا: ”موسیٰ! سامنے آؤ، اور ڈرو نہیں، تم بالکل محفوظ ہو۔“<sup>(۲۱)</sup> اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو، وہ کسی بیماری کے بغیر چمکتا ہوا نکلے گا، اور ڈر دور کرنے کے لئے اپنا بازو اپنے جسم سے لپٹا لینا۔<sup>(۲۱)</sup> اب یہ دوز بردست دلیلیں ہیں جو تمہارے پروردگار کی طرف سے فرعون اور اُس کے درباریوں کے پاس بھیجی جا رہی ہیں۔ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔“<sup>(۲۲)</sup> موسیٰ نے کہا: ”میرے پروردگار! میں نے اُن کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا، اس لئے مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔“<sup>(۲۳)</sup>

(۱۹) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پورے کئے تھے۔ اُس کے بعد غالباً انہوں نے اپنی والدہ اور دوسرے رشتہ داروں کے پاس مصر جانے کا ارادہ فرمایا، اور یہ سوچا کہ قبطنی کے قتل کا قصہ اب بھولا بسر ہو چکا ہوگا، اور واپس مصر جانے میں کوئی خطرہ نہیں رہا۔

(۲۰) یہ ایک طبعی خوف تھا جو نبوت کے منافی نہیں ہوتا۔

(۲۱) لائھی کے سانپ بننے اور ہاتھ سے اچانک روشنی نکلنے کے واقعات سے جو طبعی گھبراہٹ ہوئی، اُس کا علاج بھی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ جس ہاتھ کو بغل سے نکالا تھا، اور وہ چمکنے لگا تھا، اُسے دوبارہ اپنے جسم سے لپٹا لو، تو گھبراہٹ دور ہو جائے گی۔



وَ أَخِي هَارُونَ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي ۚ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُون ۝ (۳۳) قَالَ سَنُنْشِئُ عُصْدَكَ بِأَخِيكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا بِأَيِّتِنَا ۚ أَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُونَ ۝ (۳۴) فَلَمَّا جَاءَهُم مُّوسَىٰ بِأَيِّتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوا مَا هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَ مَا سِيعُنَا بِهٰذَا فِي آبَا ۖ إِنَّا لَوَلِيّٰنَ ۝ (۳۵) وَقَالَ مُّوسَىٰ رَبِّيٰٓ أَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ وَ مَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّٰلِمُونَ ۝ (۳۶) وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنَ إِلٰهٍ غَيْرِي ۚ فَأَوْقِدْ لِّيْهَا مِنْ عَلَى الطَّيْنِ فَاجْعَلْ لِّي صَرَخًا عَلٰٓى أَظْفَرِ إِلَى إِلٰه مُّوسَىٰ ۚ وَ إِنِّي لَا ظَنُّهُ مِنَ الْكٰذِبِينَ ۝ (۳۷)

اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ صاف ہے، اس لئے اُن کو بھی میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دیجئے کہ وہ میری تائید کریں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔“ (۳۳) ارشاد ہوا: ”ہم تمہارے بھائی کے ذریعے تمہارے ہاتھ مضبوط کئے دیتے ہیں، اور تم دونوں کو ایسا دبدبہ عطا کر دیتے ہیں کہ اُن کو ہماری نشانیوں کی برکت سے تم پر دسترس حاصل نہیں ہوگی، تم اور تمہارے پیروکار ہی غالب رہو گے۔“ (۳۴) چنانچہ جب موسیٰ اُن کے پاس ہماری کھلی ہوئی نشانیاں لے کر پہنچے تو اُنہوں نے کہا: ”یہ کچھ نہیں، بس بناوٹی جادو ہے، اور ہم نے یہ بات اپنے پچھلے باپ دادوں میں نہیں سنی۔“ (۳۵) اور موسیٰ نے کہا: ”میرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اُس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے، اور آخر کار بہتر ٹھکانا کس کے ہاتھ آئے گا، یہ یقینی بات ہے کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔“ (۳۶) اور فرعون بولا: ”اے دربار والو! میں تو اپنے سوا تمہارے کسی اور خدا سے واقف نہیں ہوں۔ ہا مان! تم ایسا کرو کہ میرے لئے گارے کو آگ دے کر پکواؤ، اور میرے لئے ایک اونچی عمارت بناؤ، تاکہ میں اُس پر سے موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں، اور میں تو پورے یقین کے ساتھ یہ سمجھتا ہوں کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔“ (۳۷)

(۲۲) جیسا کہ سورہ طہ (۲۵:۲۰) میں گزرا ہے، بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک انگارازبان پر رکھ لیا تھا جس کی وجہ سے ان کی زبان میں تھوڑی سی لکنت پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے اُنہوں نے درخواست کی کہ اُن کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی اُن کے ساتھ نبی بنا کر بھیج دیا جائے، کیونکہ اُن کی زبان زیادہ صاف ہے۔

(۲۳) ٹھکانے سے مراد دُنیا بھی ہو سکتی ہے کہ دُنیا میں اچھا انجام کس کا ہوگا کہ خاتمہ بخیر ہو، اور آخرت بھی مراد ہو سکتی ہے کہ آخرت میں انجام بہتر ہو۔

(۲۴) یہ اُس نے محض مذاق اڑانے کے طور پر کہا تھا۔



وَأَسْتَغْبِرُ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمُ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ﴿۳۹﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُدْعَوْنَ إِلَى النَّارِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ ﴿۴۱﴾ وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ ﴿۴۲﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بِصَاحِبِ النَّاسِ وَهْدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغُرُبِ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۴۴﴾ وَلَكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُورُ ۖ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًّا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمُ آيَاتِنَا ۖ وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿۴۵﴾

غرض یہ کہ اُس نے اور اُس کے لشکروں نے زمین میں ناحق گھمنڈ کیا، اور یہ سمجھ بیٹھے کہ انہیں ہمارے پاس واپس نہیں لایا جائے گا۔ ﴿۳۹﴾ اس لئے ہم نے اُس کو اور اُس کے لشکروں کو پکڑ میں لے کر سمندر میں پھینک دیا۔ اب دیکھ لو کہ ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔ ﴿۴۰﴾ ہم نے انہیں قائد بنایا تھا جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے، اور قیامت کے دن اُن کو کسی کی مدد نہیں پہنچے گی۔ ﴿۴۱﴾ دُنیا میں ہم نے لعنت اُن کے پیچھے لگا دی ہے، اور قیامت کے دن وہ اُن لوگوں میں شامل ہوں گے جن کی بُری حالت ہونے والی ہے۔ ﴿۴۲﴾ ہم نے کچھلی اُمتوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو ایسی کتاب دی تھی جو لوگوں کے لئے بصیرت کی باتوں پر مشتمل، اور سراپا ہدایت و رحمت تھی، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ ﴿۴۳﴾ اور (اے پیغمبر!) تم اُس وقت (کوہ طور کی) مغربی جانب موجود نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ کو احکام سپرد کئے تھے، اور نہ تم اُن لوگوں میں سے تھے جو اس کا مشاہدہ کر رہے ہوں۔ ﴿۴۴﴾ بلکہ اُن کے بعد ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں، جن پر طویل زمانہ گزر گیا۔ اور تم مدین کے بسنے والوں کے درمیان بھی مقیم نہیں تھے کہ اُن کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہو، بلکہ (تمہیں) رسول بنانے والے ہم ہیں، ﴿۴۵﴾

(۲۵) اس سے مراد تورات ہے۔

(۲۶) یہاں سے آیت نمبر ۶۱ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی سچائی کا بیان ہے۔ پہلے یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو واقعات قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں، مثلاً کوہ طور کے مغربی کنارے پر اُن کو تورات دیا جانا، اور صحرائے سینا میں اُن کو پکار کر نبوت عطا کرنا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عرصہ دراز تک مدین میں رہنا، یہ ساری باتیں ایسی ہیں کہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت خود موجود تھے کہ ان واقعات کو دیکھتے، اور نہ ان کو معلوم کرنے کا آپ کے پاس کوئی اور ذریعہ تھا، اس کے باوجود آپ یہ واقعات اتنی تفصیل سے بیان فرما رہے ہیں، تو اس کا کوئی اور مطلب سوائے اس کے نہیں ہو سکتا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی ہے جس نے آپ کو ان واقعات سے باخبر کیا۔



وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَتْهُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۶﴾ وَلَوْ لَا أَن تُصِيبَهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۷﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ ۖ أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوا سِحْرَانِ تَظَاهَرَا ۖ وَقَالُوا إِنَّا بِكُمْ لِكُفْرُونٌ ﴿۵۸﴾ قُلْ فَاتَّبِعُوا بَيْتِي مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعُهُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۵۹﴾ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۶۰﴾

اور نہ تم اُس وقت طور کے کنارے موجود تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) پکارا تھا، بلکہ یہ تمہارے رب کی رحمت ہے (کہ تمہیں وحی کے ذریعے یہ باتیں بتائی جا رہی ہیں) تاکہ تم اُس قوم کو خبردار کرو جس کے پاس تم سے پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا، شاید وہ نصیحت قبول کر لیں۔ ﴿۵۶﴾ اور تاکہ جب ان لوگوں پر ان کے ہاتھوں کے کثرت کی وجہ سے کوئی مصیبت آئے تو وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ: ”ہمارے پروردگار! آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم آپ کی آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمان والوں میں ہم بھی شامل ہو جاتے؟“ ﴿۵۷﴾ پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آگیا تو کہنے لگے کہ: ”اس پیغمبر کو اُس جیسی چیز کیوں نہیں دی گئی جیسی موسیٰ (علیہ السلام) کو دی گئی تھی؟“ حالانکہ جو چیز موسیٰ کو دی گئی تھی، کیا انہوں نے پہلے ہی اُس کا انکار نہیں کر دیا تھا؟ انہوں نے کہا تھا کہ: ”یہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں، اور ہم ان میں سے ہر ایک کے منکر ہیں۔“ ﴿۵۸﴾ (ان سے) کہو: ”اچھا، اگر تم سچے ہو تو اللہ کے پاس سے کوئی اور ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت پر مشتمل ہو، میں اُس کی اتباع کر لوں گا۔“ ﴿۵۹﴾ پھر اگر یہ تمہاری فرمائش پوری نہ کریں، تو سمجھ لو کہ درحقیقت یہ لوگ اپنی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں۔ اور اُس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہش کے پیچھے چلے؟ بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ﴿۶۰﴾

(۲۷) یعنی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوری تورات ایک ہی مرتبہ عطا کر دی گئی تھی، اسی طرح آپ کو سارا قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نہیں دے دیا گیا؟ اس اعتراض کا یہ جواب آگے دیا گیا ہے کہ تم لوگ تورات پر کونسا ایمان لے آئے تھے جو قرآن کے بارے میں یہ مطالبہ کر رہے ہو؟



وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۱﴾ الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ  
يُؤْمِنُونَ ﴿۵۲﴾ وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا الْمَنَابِهَ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ  
مُسْلِمِينَ ﴿۵۳﴾ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَآوَيْدُ سَاءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ  
وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۵۴﴾

اور واقعہ یہ ہے کہ ہم ان کے فائدے کے لئے ایک کے بعد ایک (نصیحت کی) بات بھیجتے رہے ہیں، تاکہ وہ متنبہ  
ہوں۔ ﴿۵۱﴾ جن کو ہم نے قرآن سے پہلے آسمانی کتابیں دی ہیں، وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں، ﴿۵۲﴾ اور جب وہ  
اُن کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ: ”ہم اس پر ایمان لائے، یقیناً یہ برحق کلام ہے جو ہمارے پروردگار کی طرف  
سے آیا ہے۔ ہم تو اس سے پہلے بھی اسے مانتے تھے۔ ﴿۵۳﴾ ایسے لوگوں کو اُن کا ثواب دُہرا دیا جائے گا، کیونکہ انہوں نے  
صبر سے کام لیا، اور وہ نیکی سے برائی کا دفعیہ کرتے ہیں، اور ہم نے جو کچھ اُن کو دیا ہے، اُس میں سے (اللہ کے راستے  
میں) خرچ کرتے ہیں۔ ﴿۵۴﴾

(۲۸) قرآن کریم ایک ہی مرتبہ کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ اس کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ اس میں تم لوگوں ہی کا فائدہ مقصود تھا  
کہ ہر موقع پر اُس کے مناسب ہدایات دی جاسکیں، اور ایک کے بعد ایک ہدایات دے کر تمہیں اس بات کا موقع دیا جائے کہ تم  
کسی بات کو قبول کرلو۔

(۲۹) یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی سچائی کی ایک اور دلیل ہے، اور وہ یہ کہ جن لوگوں کو پہلے آسمانی کتابیں دی  
جا چکی ہیں، یعنی یہودی اور عیسائی، اُن میں سے جو لوگ حق کے طالب تھے، وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے اس  
بات کا اعتراف کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور قرآن کریم کے نزول کی بشارت کچھلی کتابوں میں موجود  
ہے، اس لئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی آپ کو اور قرآن کریم کو مانتے تھے۔

(۳۰) جو شخص پہلے ایک دین کو اختیار کئے ہوئے ہو، اور جسے اس بات پر فخر بھی ہو کہ وہ ایک آسمانی کتاب کی پیروی کر رہا ہے،  
اُس کے لئے نیا دین اختیار کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، اس لئے بھی کہ اپنی پرانی عادت چھوڑنا دشوار ہے، اور اس لئے بھی کہ اُس  
کے ہم مذہب اُسے تکلیفیں پہنچاتے ہیں، لیکن ان حضرات نے ان تمام تکلیفوں پر صبر کیا، اور حق پر ثابت قدم رہے، اس لئے ان کو  
دُہرا ثواب ملے گا۔

(۳۱) یعنی برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں۔



وَإِذَا سَبَّحُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا تَبْتَغِ الْجَاهِلِينَ ﴿٥٥﴾ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾ وَقَالُوا إِنْ تَتَّبِعِ الْهُدَى مَعَكَ نُتَخَطَّفُ مِنْ أَرْضِنَا أَوَلَمْ نَكُنْ لَهُمْ حَرَمًا مِمَّا امْنَأَيْجُبِي إِلَيْهِ شِمَارُ كُلِّ شَيْءٍ رِزْقًا مِمَّنْ لَدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطَرَتْ مَعِيشَتَهَا فَتِلْكَ مَسْكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿٥٨﴾

اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اُسے ٹال جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: ”ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں، اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ ہم تمہیں سلام کرتے ہیں۔ ہم نادان لوگوں سے اُلجھنا نہیں چاہتے۔“ ﴿۵۵﴾ (اے پیغمبر!) حقیقت یہ ہے کہ تم جس کو خود چاہو، ہدایت تک نہیں پہنچا سکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے، ہدایت تک پہنچا دیتا ہے، اور ہدایت قبول کرنے والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔ ﴿۵۶﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں گے تو ہمیں اپنی زمین سے کوئی اُچک کر لے جائے گا۔“ بھلا کیا ہم نے ان کو اُس حرم میں جگہ نہیں دے رکھی جو اتنا پُر امن ہے کہ ہر قسم کے پھل اُس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں، جو خاص ہماری طرف سے دیا ہوا رزق ہے؟ لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۵۷﴾ اور کتنی ہی بستیاں وہ ہیں جو اپنی معیشت پر اتراتی تھیں، ہم نے اُن کو تباہ کر ڈالا، اب وہ اُن کی رہائش گاہیں تمہارے سامنے ہیں، جو اُن کے بعد تھوڑے عرصے کو چھوڑ کر کبھی آباد ہی نہ ہو سکیں، اور ہم ہی تھے جو اُن کے وارث بنے۔ ﴿۵۸﴾

(۲۲) یعنی تم سے بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتے، ہاں یہ دُعا کرتے ہیں کہ تمہیں اسلام کی توفیق ملے، اور اس کے نتیجے میں تمہیں سلامتی عطا ہو۔

(۲۳) بعض کافروں نے اسلام لانے میں یہ رُکاوٹ ظاہر کی تھی کہ اسلام لانے کے بعد عرب کے لوگ ہماری عزت کرنا چھوڑ دیں گے، اور ہمارے خلاف قتل و غارت گری کا بازار گرم کر کے ہمیں یہاں سے نکال باہر کریں گے۔ قرآن کریم نے اس کے تین جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب تو اسی آیت میں یہ دیا ہے کہ ہم نے ان کے کفر کے باوجود ان کو حدودِ حرم میں اتنا محفوظ بنایا ہوا ہے کہ سارے عرب میں قتل و غارت گری ہو رہی ہے، لیکن حرم والوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا، بلکہ چاروں طرف سے ہر قسم کے پھل کھینچ کھینچ کر وہاں آتے ہیں، اور حرم آنے والے کسی سامان پر کوئی ڈاکا نہیں ڈالتا۔ جب تمہارے کفر کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حفاظت بخشی ہوئی ہے تو جب تم ایمان لے آؤ گے تو کیا اُس وقت اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت نہیں کرے گا؟ پھر آیت ۵۸ میں دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بربادی تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے آتی ہے، چنانچہ تم سے پہلی جن قوموں نے کفر کی راہ اختیار کی، آخر کار



وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿۵۹﴾ وَمَا أَوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَّاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتِهَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۰﴾ أَفَسَوْفَ نَعْتَدُ لَهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَا فِيهِ كَمَن مَّتَّعْنَاهُ مَتَّاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿۶۱﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۶۲﴾

اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ وہ بستیوں کو نہیں ہلاک کر ڈالے جب تک اُس نے اُن بستیوں کے مرکزی مقام پر کوئی رسول نہ بھیجا ہو جو اُن کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے، اور ہم بستیوں کو اُس وقت تک ہلاک کرنے والے نہیں ہیں جب تک اُن کے باشندے ظالم نہ بن جائیں۔ ﴿۵۹﴾ اور تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے، وہ دُنیوی زندگی کی پونجی اور اُس کی سجاوٹ ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ کہیں زیادہ بہتر اور کہیں زیادہ پائیدار ہے۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۶۰﴾ بھلا بتاؤ کہ جس شخص سے ہم نے اچھا سا وعدہ کر رکھا ہے، اور وہ اُس وعدے کو پا کر رہے گا، کیا وہ اُس جیسا ہو سکتا ہے جسے ہم نے دُنیوی زندگی کی پونجی کے کچھ مزے دے دیئے ہیں، پھر وہ اُن لوگوں میں شامل ہونے والا ہے جو قیامت کے دن دھرائے جائیں گے؟ ﴿۶۱﴾ اور وہ دن (کبھی نہ بھولو) جب اللہ ان لوگوں کو پکارے گا، اور کہے گا: ”کہاں ہیں (خدائی میں) میرے وہ شریک جن کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟“ ﴿۶۲﴾

وہی تباہ ہوئیں، نہ کہ وہ لوگ جو ایمان لے آئے تھے۔ پھر آیت نمبر ۶۰ میں تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر بالفرض اسلام لانے کے نتیجے میں تمہیں دُنیا کے اندر کچھ تکلیفیں پہنچ بھی جائیں تو وہ آخرت کی تکلیفوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ ﴿۶۱﴾ یہ بیچ میں کفار عرب کے ایک اور اعتراض کا جواب دے دیا گیا ہے۔ وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے مذہب اور طریق کار سے ناراض ہے، تو جس طرح اُس نے پچھلی قوموں کو ہلاک کیا ہے، جن کا حوالہ پچھلی آیت میں بھی دیا گیا ہے، اُسی طرح ہم کو اب تک کیوں ہلاک نہیں کیا؟ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ لوگوں کو ہلاک کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ وہ سب سے پہلے اپنا کوئی پیغمبر اُن کے مرکزی علاقے میں بھیجتا ہے جو انہیں سیدھے راستے کی دعوت دے، اور بار بار دیتا رہے، تاکہ وہ راہِ راست پر آئیں، اور انہیں سزا دینے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ اگر وہ اپنی گمراہی سے باز آجاتے ہیں تو انہیں ہلاک نہیں کیا جاتا، البتہ اگر وہ اپنی ظالمانہ روش پر اڑے رہتے ہیں، تب انہیں سزا دی جاتی ہے۔ یہی معاملہ پچھلی قوموں کے ساتھ ہوا، اور وہی سلوک تمہارے ساتھ ہو رہا ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بار بار حق کو قبول کرنے کی دعوت دے رہے ہیں، اور تمہیں مہلت دی جا رہی ہے۔ اس کا یہ مطلب لینا پڑے کہ اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہیں، اور تمہیں کبھی سزا نہیں ملے گی۔

﴿۶۲﴾ اس سے مراد وہ شیاطین ہیں جن کو کافروں نے معبود بنا رکھا تھا۔



قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَهُمْ كَمَا غَوَيْنَا  
تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٢٣﴾ وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا  
لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٢٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ  
الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٥﴾ فَعَبَّيْتُ عَلَيْهِمْ إِلَّا نُبَأَ يَوْمٍ مِّنْهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٦﴾ فَأَمَّا مَن تَابَ  
وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَن يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٢٧﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ  
وَيَخْتَارُ ۚ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَنَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٢٨﴾

جن کے خلاف (اللہ کی) بات پوری ہو چکی ہوگی، وہ کہیں گے: ”اے ہمارے پروردگار! یہ لوگ جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا، ہم نے ان کو اُسی طرح گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے۔“ ہم آپ کے سامنے ان سے دست بردار ہوتے ہیں، یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔“ ﴿۲۳﴾ اور (ان کافروں سے) کہا جائے گا کہ: ”پکارو ان کو جنہیں تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا تھا!“ چنانچہ وہ ان کو پکاریں گے، مگر وہ ان کو جواب نہیں دیں گے، اور یہ عذاب آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ کاش یہ ایسے ہوتے کہ ہدایت کو قبول کر لیتے! ﴿۲۴﴾ اور وہ دن (بھی ہرگز نہ بھولو) جب اللہ ان کو پکارے گا، اور کہے گا: ”تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا؟“ ﴿۲۵﴾ اس پر ساری باتیں (جو یہ بنایا کرتے ہیں) اُس دن بے نشان ہو چکی ہوں گی، چنانچہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے کچھ پوچھ بھی نہیں سکیں گے۔ ﴿۲۶﴾ البتہ جن لوگوں نے توبہ کر لی، اور ایمان لے آئے، اور نیک عمل کئے، تو پوری امید ہے کہ وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جنہیں فلاح حاصل ہوگی۔ ﴿۲۷﴾ اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور (جو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے۔ ان کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اللہ ان کے شرک سے پاک اور بہت بالا و برتر ہے۔ ﴿۲۸﴾

﴿۳۶﴾ ان سے مراد بھی وہی شیاطین ہیں جن کو نفع نقصان کا مالک سمجھ کر کافر لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ اور بات پوری ہونے سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ جو شیاطین دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں، انہیں آخر کار دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ان شیاطین کے دوزخ میں جانے کا وقت آچکا ہوگا، اُس وقت وہ یہ بات کہیں گے۔

﴿۳۷﴾ یعنی جس طرح ہم نے اپنے اختیار سے گمراہی اختیار کی، ان لوگوں نے بھی اپنے اختیار سے گمراہی اپنائی، ورنہ ہم نے ان پر کوئی زبردستی نہیں کی تھی کہ یہ ضرور ہماری بات مانیں۔

﴿۳۸﴾ یعنی درحقیقت یہ لوگ ہماری عبادت کرنے کے بجائے اپنی نفسانی خواہشات کی عبادت کرتے تھے۔

﴿۳۹﴾ یہ کفار کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ پیغمبر ہمارے سرداروں اور دولت مند لوگوں میں سے کسی کو کیوں نہیں بنایا گیا؟ مختصر جواب یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ ساری کائنات پیدا کی ہے، اور اُسی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کس کو اپنا پیغمبر بنائے۔ ان لوگوں کو کوئی اختیار نہیں ہے۔



وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٢٩﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْخِصْمُ فِي  
 الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٣٠﴾ قُلْ أَسَاءَيتُمْ أَنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ  
 سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَاءٍ ۖ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ﴿٣١﴾ قُلْ أَسَاءَيتُمْ  
 أَنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِلَيْلٍ  
 تَسْكُنُونَ فِيهِ ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٣٢﴾ وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ  
 وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٣٣﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ  
 كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٣٤﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ  
 وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٣٥﴾

اور تمہارا پروردگار اُن باتوں کو بھی جانتا ہے جو ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں، اور اُن باتوں کو بھی جو یہ کھلم کھلا کرتے  
 ہیں۔ ﴿۲۹﴾ اللہ وہی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تعریف اُسی کی ہے، دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور  
 حکم اُسی کا چلتا ہے، اور اُسی کی طرف تم سب واپس بھیجے جاؤ گے۔ ﴿۳۰﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو: ”ذرا یہ بتلاؤ کہ اگر  
 اللہ تم پر رات کو ہمیشہ کے لئے قیامت کے دن تک مسلط رکھے تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو تمہارے پاس روشنی لے کر  
 آئے؟ بھلا کیا تم سنتے نہیں ہو؟“ ﴿۳۱﴾ کہو: ”ذرا یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تم پر دن کو ہمیشہ کے لئے قیامت کے دن تک مسلط  
 کر دے تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو تمہیں وہ رات لا کر دیدے جس میں تم سکون حاصل کر سکو؟ بھلا کیا تمہیں کچھ  
 بھائی نہیں دیتا؟“ ﴿۳۲﴾ یہ تو اُسی نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات بھی بنائی ہے اور دن بھی، تاکہ تم اُس میں سکون  
 حاصل کرو، اور اس میں اللہ کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔ ﴿۳۳﴾ اور وہ دن (نہ بھولو) جب وہ ان (مشرکوں) کو  
 پکارے گا، اور کہے گا کہ: ”کہاں ہیں (خدائی میں) میرے وہ شریک جن کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟“ ﴿۳۴﴾ اور ہم ہر  
 اُمت میں سے ایک گواہی دینے والا نکال لائیں گے، پھر کہیں گے کہ: ”لاؤ اپنی کوئی دلیل!“ اُس وقت اُن کو پتہ چل  
 جائے گا کہ سچی بات اللہ ہی کی تھی، اور وہ ساری باتیں جو انہوں نے گھڑ رکھی تھیں، سب گم ہو کر رہ جائیں گی۔ ﴿۳۵﴾

﴿۳۰﴾ یہ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم انعام کا تذکرہ ہے کہ اُس نے رات کے وقت کو سکون حاصل کرنے کا ذریعہ بنادیا، اندھیرا طاری  
 کر کے سب کو مجبور کر دیا کہ وہ اُس وقت آرام کریں، ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ سب لوگ کسی ایک وقت پر متفق ہو کر اُسے آرام کا  
 وقت قرار دے دیتے، اور نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک شخص آرام کرنا چاہتا ہے تو دوسرا اُس وقت کوئی کام کرنا چاہتا ہے، اور اُس کے کام  
 میں مشغول ہونے سے پہلے شخص کے آرام میں خلل واقع ہوتا۔ اسی طرح دن کے وقت کو اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل تلاش کرنے یعنی



إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءَ  
بِالْعَصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ ۖ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿٤٦﴾ وَابْتَغَ فِيمَا  
آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنُ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ  
وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُبْغِضِينَ ﴿٤٧﴾

قارون موسیٰ کی قوم کا ایک شخص تھا، پھر اُس نے اُنہی پر زیادتی کی۔ اور ہم نے اُسے اتنے خزانے دیئے تھے کہ اُس کی  
چابیاں طاقت ور لوگوں کی ایک جماعت سے بھی مشکل سے اُٹھتی تھیں۔ ایک وقت تھا جب اُس کی قوم نے اُس سے کہا  
کہ: ”اُتراؤ نہیں، اللہ اُترانے والوں کو پسند نہیں کرتا، ﴿۴۶﴾ اور اللہ نے تمہیں جو کچھ دے رکھا ہے، اُس کے ذریعے  
آخرت والا گھر بنانے کی کوشش کرو، اور دُنیا میں سے بھی اپنے حصے کو نظر انداز نہ کرو، اور جس طرح اللہ نے تم پر احسان  
کیا ہے، تم بھی (دوسروں پر) احسان کرو، اور زمین میں فساد مچانے کی کوشش نہ کرو۔ یقین جانو اللہ فساد مچانے والوں کو  
پسند نہیں کرتا۔“ ﴿۴۷﴾

روزی روزگار کمانے کا وقت بنادیا، تاکہ اُس وقت سب کام میں لگیں۔ اگر تمام وقت دن رہتا تو سکون حاصل کرنا مشکل ہوتا، اور  
اگر تمام وقت رات رہتی تو سارے کام ناممکن ہو جاتے۔

﴿۴۱﴾ اتنی بات تو خود قرآن کریم سے واضح ہے کہ قارون بنو اسرائیل ہی کا ایک شخص تھا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ  
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے فرعون نے اُس کو بنو اسرائیل کی نگرانی پر  
متعین کیا ہوا تھا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنایا اور حضرت ہارون علیہ السلام آپ کے نائب قرار پائے تو  
اسے حسد ہوا، اور بعض روایات میں ہے کہ اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ بھی کیا کہ اُسے کوئی منصب دیا جائے، لیکن  
اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں تھا کہ اُسے کوئی منصب ملے، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معذرت کر لی، اس پر اس کے حسد کی  
آگ اور زیادہ بھڑک اُٹھی، اور اُس نے منافقت شروع کر دی۔

﴿۴۲﴾ قرآن کریم نے یہاں جو لفظ استعمال فرمایا ہے، اُس کے معنی ظلم اور زیادتی کرنے کے بھی ہو سکتے ہیں، اور تکبر کرنے کے بھی۔  
کہتے ہیں کہ جب اُس کو فرعون کی طرف سے بنو اسرائیل کی نگرانی سونپی گئی تھی تو اُس نے اپنے ہی قوم کے لوگوں پر زیادتیاں کی تھیں۔  
﴿۴۳﴾ مطلب یہ ہے کہ مال و دولت کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق استعمال کرو جس کے نتیجے میں آخرت کا ثواب حاصل ہو۔  
﴿۴۴﴾ یعنی آخرت کا گھر بنانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دُنیا کی ضروریات کو بالکل نظر انداز کر دو، بلکہ ضرورت کے مطابق دُنیا کا  
ساز و سامان رکھنے اور کمانے میں بھی کچھ گناہ نہیں ہے۔ البتہ دُنیا اس انداز سے نہ کماؤ جس سے آخرت میں نقصان اُٹھانا پڑے۔  
﴿۴۵﴾ یہاں اشارہ فرمادیا گیا کہ جو مال و دولت تمہیں دُنیا میں ملا ہے، حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، اور اُس نے تم پر  
احسان کر کے تمہیں عطا فرمایا ہے۔ اسی طرح تم بھی لوگوں پر احسان کر کے اُنہیں اس مال و دولت میں شریک کرو۔



قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۖ أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَآكْثَرُ جَعًا ۖ وَلَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۴۶﴾ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ۖ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لَيْلِيَّتْ لَنَمِثِلَ مَا أُوْتِيَ قَارُونُ ۖ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿۴۷﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيَلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُكْفِيهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ﴿۴۸﴾ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبَدَارِهِ الْأَرْضَ ۖ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ ﴿۴۹﴾

کہنے لگا: ”یہ سب کچھ تو مجھے خود اپنے علم کی وجہ سے ملا ہے۔“ بھلا کیا اُسے اتنا بھی علم نہیں تھا کہ اللہ نے اُس سے پہلی نسلوں کے ایسے ایسے لوگوں کو ہلاک کر ڈالا تھا جو طاقت میں بھی اُس سے زیادہ مضبوط تھے، اور جن کی جمعیت بھی زیادہ تھی۔ اور مجرموں سے اُن کے گناہوں کے بارے میں پوچھا بھی نہیں جاتا۔ ﴿۴۶﴾ پھر (ایک دن) وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی آن بان کے ساتھ نکلا۔ جو لوگ دنیوی زندگی کے طلب گار تھے، وہ کہنے لگے: ”اے کاش! ہمارے پاس بھی وہ چیزیں ہوتیں جو قارون کو عطا کی گئی ہیں۔ یقیناً وہ بڑے نصیبوں والا ہے۔“ ﴿۴۷﴾ اور جن لوگوں کو (اللہ کی طرف سے) علم عطا ہوا تھا، انہوں نے کہا: ”تم پر افسوس ہے (کہ تم ایسا کہہ رہے ہو)۔ اللہ کا دیا ہوا ثواب اُس شخص کے لئے کہیں زیادہ بہتر ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اور وہ اُنہی کو ملتا ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں۔“ ﴿۴۸﴾ پھر ہوا یہ کہ ہم نے اُسے اور اُس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، پھر اُسے کوئی ایسا گروہ میسر نہ آیا جو اللہ کے مقابلے میں اُس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود اپنا بچاؤ کر سکا۔ ﴿۴۹﴾

﴿۴۶﴾ ایک طرف تو قارون یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ میں نے جو مال و دولت حاصل کیا ہے اپنے علم و ہنر سے حاصل کیا ہے، اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ علم کا کوئی اعلیٰ درجہ تو درکنار اُسے اتنی معمولی بات بھی معلوم نہیں تھی کہ اگر بالفرض اُس نے اپنے علم و ہنر ہی سے یہ سب کچھ حاصل کیا تو وہ علم و ہنر کس کا دیا ہوا تھا؟ نیز یہ بات بھی اُس نے نظر انداز کر دی کہ اللہ تعالیٰ ایسے بہت سے انسانوں کو ہلاک کر چکا ہے جو اُس سے زیادہ مضبوط تھے، اور اسی قسم کے دعوے کیا کرتے تھے۔

﴿۴۷﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کو مجرموں کے حالات کا پورا علم ہے، اس لئے اُس کو حالات جاننے کے لئے اُن سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں آخرت میں اُن سے جو سوالات ہوں گے، وہ اُن کا جرم خود اُن پر ثابت کرنے کے لئے ہوں گے۔

﴿۴۸﴾ ”صبر“ قرآن کریم کی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی ناجائز خواہشات پر قابو پا کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری پر ثابت قدم رکھے۔



وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيَكَانَ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ  
 مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَا أَنْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۚ وَيَكَانَهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿٨٢﴾  
 تِلْكَ الدَّائِرَةُ الَّتِي نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ  
 لِلْمُتَّقِينَ ﴿٨٣﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا ۚ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ  
 عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾ إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأْدُكَ إِلَى  
 مَعَادٍ ۖ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَى وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٨٥﴾

اور کل جو لوگ اُس جیسا ہونے کی تمنا کر رہے تھے، کہنے لگے: ”اوہو! پتہ چل گیا کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں وسعت کر دیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے۔ اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو وہ ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا۔ اوہو! پتہ چل گیا کہ کافر لوگ فلاح نہیں پاتے۔“ ﴿۸۲﴾

وہ آخرت والا گھر تو ہم اُن لوگوں کے لئے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں نہ تو بڑائی چاہتے ہیں، اور نہ فساد، اور آخری انجام پر ہیزگاروں کے حق میں ہوگا۔ ﴿۸۳﴾ جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اُس کو اُس سے بہتر چیز ملے گی، اور جو کوئی بدی لے کر آئے گا تو جنہوں نے برے کام کئے ہیں، اُن کو کسی اور چیز کی نہیں، اُن کے کئے ہوئے کاموں ہی کی سزا دی جائے گی۔ ﴿۸۴﴾

(اے پیغمبر!) جس ذات نے تم پر اس قرآن کی ذمہ داری ڈالی ہے، وہ تمہیں دوبارہ اُس جگہ پر لا کر رہے گا جو (تمہارے لئے) اُنسیت کی جگہ ہے۔ کہہ دو: ”میرا رب اُس سے بھی خوب واقف ہے جو ہدایت لے کر آیا ہے، اور اُس سے بھی جو کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔“ ﴿۸۵﴾

﴿۸۹﴾ قرآن کریم میں اصل لفظ ”معاذ“ استعمال ہوا ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ ”عادت“ سے نکلا ہے، یعنی وہ جگہ جس میں رہنے اور آنے جانے کا انسان عادی اور اُس سے مانوس ہو۔ اور بعض حضرات نے اس کے معنی ”لوٹنے کی جگہ“ بیان کئے ہیں۔ دونوں صورتوں میں اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اور یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے، جب جحفہ کے قریب اُس جگہ پہنچے جہاں سے مکہ مکرمہ کا راستہ الگ ہوتا تھا تو آپ کو اپنے وطن سے جدائی کا احساس ہوا، اُس موقع پر اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تسلی دی، اور وعدہ فرمایا کہ آپ کو دوبارہ اس سرزمین پر فاتح کی حیثیت سے لایا جائے گا۔ چنانچہ آٹھ سال کی مدت میں یہ وعدہ پورا ہو گیا، اور مکہ مکرمہ میں آپ فاتح بن کر داخل ہوئے۔ اور بعض مفسرین نے ”اُنسیت کی جگہ“ یا ”لوٹنے کی جگہ“ سے مراد جنت لی ہے۔ اور آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ آپ کو اگرچہ اس دُنیا میں تکلیفیں پہنچ رہی ہیں، لیکن آخر کار آپ کا مقام جنت ہے۔



وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا  
 لِّلْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ  
 مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا  
 وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٨﴾

وقفوا  
 المائدة  
 ۸۸-۸۶

اور (اے پیغمبر!) تمہیں پہلے سے یہ اُمید نہیں تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی جائے گی، لیکن یہ تمہارے رب کی طرف سے  
 رحمت ہے، لہذا کافروں کے ہرگز مددگار نہ بننا۔ ﴿۸۶﴾ اور جب اللہ کی آیتیں تم پر نازل کر دی گئی ہیں، تو اس کے بعد یہ لوگ  
 تمہیں ہرگز اُن (پر عمل کرنے) سے روکنے نہ پائیں۔ اور تم اپنے رب کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہو، اور ہرگز ان  
 مشرکین میں شامل نہ ہونا۔ ﴿۸۷﴾ اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ہر چیز فنا ہونے  
 والی ہے، سوائے اُس کی ذات کے۔ حکومت اُسی کی ہے، اور اُسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔ ﴿۸۸﴾

الحمد للہ! آج بروز اتوار مورخہ ۱۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ مطابق ۳ / جون ۲۰۰۷ء کو ڈربن  
 جنوبی افریقہ میں سورہ قصص کا ترجمہ اور تشریحی حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو اپنی  
 بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے ساتھ تکمیل کی توفیق  
 عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ

## تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ کے اُس دور میں نازل ہوئی تھی جب مسلمانوں کو اُن کے دشمنوں کے ہاتھوں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانی پڑ رہی تھیں۔ بعض مسلمان ان تکلیفوں کی شدت سے بعض اوقات پریشان ہوتے، اور اُن کی ہمت ٹوٹنے لگتی تھی۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے مسلمانوں کو بڑی قیمتی ہدایات عطا فرمائی ہیں۔ اول تو سورت کے بالکل شروع میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لئے جو جنت تیار فرمائی ہے، وہ اتنی سستی نہیں ہے کہ کسی تکلیف کے بغیر حاصل ہو جائے۔ ایمان لانے کے بعد انسان کو مختلف آزمائشوں سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ دوسرے یہ تسلی بھی دی گئی ہے کہ یہ ساری تکلیفیں عارضی نوعیت کی ہیں، اور آخر کار ایک وقت آنے والا ہے جب ظالموں کو ظلم کرنے کی طاقت نہیں رہے گی، اور غلبہ اسلام اور مسلمانوں ہی کو حاصل ہوگا۔ اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں پچھلے کئی انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات سنائے ہیں جن میں سے ہر واقعے میں یہی ہوا کہ شروع میں ایمان لانے والوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو برباد کیا، اور مظلوم مومنوں کو فتح عطا فرمائی۔ مکی زندگی کے اسی زمانے میں کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ اولاد مسلمان ہو گئی، اور والدین کفر پر بضد رہے، اور اپنی اولاد کو واپس کفر اختیار کرنے پر مجبور کرنے لگے۔ اُن کا کہنا تھا کہ والدین ہونے کی وجہ سے اُن کی اولاد کو دین و مذہب کے معاملے میں بھی اُن کی فرماں برداری کرنی چاہئے۔ اس سورت کی آیت نمبر ۸ میں اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں یہ معتدل اور برحق اصول بیان فرمایا کہ والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ انسان کا فرض ہے، لیکن اگر وہ کفر یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں تو اُن کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ جن مسلمانوں کے لئے مکہ مکرمہ کے کافروں کا ظلم و ستم ناقابل برداشت ہو رہا تھا، اُن کو اس سورت میں نہ صرف اجازت، بلکہ ترغیب دی گئی ہے کہ وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں وہ اطمینان کے ساتھ اپنے دین پر عمل کر سکیں۔ بعض کافر لوگ مسلمانوں پر زور دیتے تھے کہ دین اسلام کو چھوڑ دو، اور اگر اس کے نتیجے میں تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سزا آئی تو تمہاری طرف سے ہم اُسے بھگت لیں گے۔ اس سورت کی آیات ۱۲ و ۱۳ میں اس لغو پیشکش کی حقیقت واضح کر دی گئی ہے کہ آخرت میں کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا۔ اس کے علاوہ توحید، رسالت اور آخرت کے دلائل بھی اس سورت میں بیان ہوئے ہیں، اور اس سلسلے میں جو اعتراضات کافروں کی طرف سے اٹھائے جاتے تھے، اُن کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

”عنکبوت“ عربی میں مکڑی کو کہتے ہیں، اور اس سورت کی آیت نمبر ۴۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے مکڑی کے جالے پر بھروسہ کر رکھا ہو، اس لئے اس سورت کا نام سورہ عنکبوت ہے۔



﴿آیتھا ۲۹﴾ سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ مَكِّيَّةٌ ۸۵ ﴿رکوعاتها ۷﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

الْم ۱ ○ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۲ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۳ ○ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا ۴ ○ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۵ ○ مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ ۶ ○ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۷ ○ وَمَنْ جَاهَدْ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۸ ○ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۹ ○ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۱۰ ○

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں انہتر آیتیں اور سات رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الْم۔ ۱ ○ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا کہ بس وہ یہ کہہ دیں کہ: ”ہم ایمان لے آئے“ اور اُن کو آزمایا نہ جائے؟ ۲ ○ حالانکہ ہم نے اُن سب کی آزمائش کی ہے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ لہذا اللہ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ ہیں جنہوں نے سچائی سے کام لیا ہے، اور وہ یہ بھی معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ جھوٹے ہیں۔ ۳ ○ جن لوگوں نے بُرے بُرے کام کئے ہیں، کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہم سے بازی لے جائیں گے؟ بہت بُرا اندازہ ہے جو وہ لگا رہے ہیں۔ ۴ ○ جو شخص اللہ سے جا ملنے کی اُمید رکھتا ہو، اُسے یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ کی مقرر کی ہوئی میعاد ضرور آ کر رہے گی، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، ہر چیز جانتا ہے۔ ۵ ○ اور جو شخص بھی ہمارے راستے میں محنت اٹھاتا ہے، وہ اپنے ہی فائدے کے لئے محنت اٹھاتا ہے۔ یقیناً اللہ تمام دُنیا جہان کے لوگوں سے بے نیاز ہے۔ ۶ ○ اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ہم اُن کی خطاؤں کو ضرور اُن سے جھاڑ دیں گے، اور جو عمل وہ کرتے رہے ہیں، اُن کا بہترین بدلہ انہیں ضرور دیں گے۔ ۷ ○

(۱) اگرچہ اللہ تعالیٰ کو شروع ہی سے سب کچھ معلوم ہے کہ کون فرماں بردار ہوگا، اور کون نافرمان، لیکن اللہ تعالیٰ اس اَزلی علم کی بنیاد پر جزا و سزا کا فیصلہ کرنے کے بجائے لوگوں پر حجت تمام کرنے کے لئے انہیں موقع دیتا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے ہدایت یا گمراہی کا راستہ خود چنیں، اور یہاں یہی دیکھنا مراد ہے کہ کس نے کونسا راستہ عملاً چنا ہے۔

(۲) اس میں دین کے راستے میں کی ہوئی ہر محنت داخل ہے، چاہے وہ نفس اور شیطان کا مقابلہ کرنے کی محنت ہو، یا تبلیغ و دعوت کی محنت، یا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے کی محنت۔



وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ إِلَىٰ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۸﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ﴿۹﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةً لِلنَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ ۖ وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِّن رَّبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۖ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ﴿۱۰﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ السُّفْهَاءَ ﴿۱۱﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ وَمَاهُمْ بِخَابِرِينَ مِّنْ خَطِيئَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۖ إِنَّهُمْ لَكَذِبُونَ ﴿۱۲﴾

اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اور اگر وہ تم پر زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی ایسے (معبود) کو شریک ٹھہراؤ جس کے بارے میں تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو اُن کا کہنا مت مانو۔<sup>(۳)</sup> میری ہی طرف تم سب کو لوٹ کر آنا ہے، اُس وقت میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ ﴿۸﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ہم انہیں ضرور نیک لوگوں میں شامل کریں گے۔ ﴿۹﴾ اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ کہہ دیتے ہیں کہ: ”ہم اللہ پر ایمان لے آئے ہیں“ پھر جب اُن کو اللہ کے راستے میں کوئی تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو وہ لوگوں کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو ایسا سمجھتے ہیں جیسا اللہ کا عذاب۔ اور اگر کبھی تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی مدد ان (مسلمانوں) کے پاس آگئی ہے تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ: ”ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔“ بھلا کیا اللہ کو وہ باتیں اچھی طرح معلوم نہیں ہیں جو سارے دُنیا جہان کے لوگوں کے سینوں میں چھپی ہیں؟ ﴿۱۰﴾ اور اللہ تعالیٰ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ ایمان لائے ہیں، اور وہ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ منافق ہیں۔ ﴿۱۱﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، انہوں نے ایمان والوں سے کہا کہ: ”ہمارے راستے کے پیچھے چلو تو ہم تمہاری خطاؤں کا بوجھ اٹھالیں گے،“ حالانکہ وہ اُن کی خطاؤں کا ذرا بھی بوجھ نہیں اٹھا سکتے، اور یہ لوگ یقیناً بالکل جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۲﴾

(۳) اس آیت نے یہ اصول بتا دیا ہے کہ اگر والدین کافر ہوں، تب بھی اُن کے ساتھ عام برتاؤ میں نیک سلوک کرنا چاہئے، اور ان کی توہین یا ان کو تکلیف پہنچانا مسلمان کا کام نہیں ہے، لیکن اگر وہ کفر و شرک پر مجبور کریں تو ان کا کہا ماننا جائز نہیں۔  
(۴) یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب جتنا سنگین ہے، یہ لوگ انسانوں کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو بھی اتنا ہی سنگین سمجھتے ہیں، اور اس کی وجہ سے کفار کی بات مان کر واپس کفر کی طرف چلے جاتے ہیں، اور یہ بات منافقت کے طور پر مسلمانوں سے چھپاتے ہیں۔  
(۵) یعنی جب مسلمانوں کو فتح ہوگی، اور فتح کے اچھے نتائج سامنے آئیں گے تو یہ لوگ مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم تو دل سے تمہارے ساتھ تھے، اس لئے ہم سے کافروں جیسا معاملہ کرنے کے بجائے ہمیں اس فتح کے نتائج میں شریک کرو۔  
(۶) دیکھئے حاشیہ نمبر ۱۔



وَلِيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ۚ وَلَيَسَّ لُنَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝  
 وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ  
 الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ۝ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ۝  
 وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ۖ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ إِنَّمَا  
 تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا  
 يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ۖ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝  
 وَإِنْ تَكْذِبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۖ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝ أَوَلَمْ  
 يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝

اور وہ اپنے گناہوں کے بوجھ بھی ضرور اٹھائیں گے، اور اپنے بوجھ کے ساتھ کچھ اور بوجھ بھی (۷)۔ اور یہ لوگ جتنے جھوٹ  
 گھڑا کرتے تھے، قیامت کے دن ان سے اُن سب کی باز پرس ضرور کی جائے گی۔ (۱۳)

اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس بھیجا تھا، چنانچہ پچاس کم ایک ہزار سال تک وہ اُن کے درمیان رہے، پھر اُن کو  
 طوفان نے آ پکڑا، اور وہ ظالم لوگ تھے۔ (۱۴) پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو بچالیا، اور ہم نے اُس کو دنیا جہان  
 والوں کے لئے ایک عبرت بنا دیا۔ (۱۵) اور ہم نے ابراہیم کو بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”اللہ کی عبادت  
 کرو، اور اُس سے ڈرو، یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم سمجھ سے کام لو۔ (۱۶) جو کچھ تم کرتے ہو وہ یہ ہے کہ اللہ کو  
 چھوڑ کر تم بتوں کو پوجتے ہو، اور جھوٹی باتیں گھڑتے ہو۔ یقین جانو کہ اللہ کو چھوڑ کر جن جن کی تم عبادت کرتے ہو، وہ  
 تمہیں رزق دینے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے، اس لئے رزق اللہ کے پاس تلاش کرو، اور اُس کی عبادت کرو، اور اُس کا شکر  
 ادا کرو۔ اُسی کے پاس تمہیں واپس لوٹایا جائے گا۔ (۱۷) اور اگر تم مجھے جھٹلا رہے ہو تو تم سے پہلے بہت سی قومیں جھٹلانے کی  
 روش اختیار کر چکی ہیں، اور رسول پر اس کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی کہ وہ صاف صاف بات پہنچا دے۔“ (۱۸) بھلا  
 کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح مخلوق کو شروع میں پیدا کرتا ہے؟ پھر وہی اُسے دوبارہ پیدا کرے گا، یہ کام  
 تو اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ (۱۹)

(۷) یعنی جن لوگوں کو انہوں نے گمراہ کیا، اُن کے گناہوں کا بوجھ بھی ان کو اٹھانا ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لوگ  
 گناہوں کی سزا سے بچ جائیں گے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن کو تو گناہ ہوگا ہی، لیکن ان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی گناہ ہوگا جنہوں  
 نے ان کو گمراہ کیا۔

(۸) حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورہ ہود (۲۵:۱۱) میں گزر چکا ہے۔



قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (۲۰) يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ۝ (۲۱) وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۚ وَمَالَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ (۲۲) وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَكُونُ مِنْ رَحْمَتِي وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (۲۳) فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ (۲۴) وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ ۚ وَلَيَعْنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۚ وَمَالَكُمْ النَّارُ وَمَالَكُمْ مِنْ نَصِيرِينَ ۝ (۲۵)

کہو کہ: ”ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ اللہ نے کس طرح مخلوق کو شروع میں پیدا کیا، پھر اللہ ہی آخرت والی مخلوق کو بھی اٹھا کھڑا کرے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۰) وہ جس کو چاہے گا، سزا دے گا، اور جس پر چاہے گا رحم کرے گا، اور اُسی کی طرف تم سب کو پلٹا کر لے جایا جائے گا۔ (۲۱) اور تم نہ زمین میں (اللہ کو) عاجز کر سکتے ہو، اور نہ آسمان میں، اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی رکھوالا ہے، اور نہ کوئی مددگار۔“ (۲۲) اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا اور اُس سے جاننے کا انکار کیا ہے، وہ میری رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں، اور اُن کے لئے دُکھ دینے والا عذاب ہے۔ (۲۳) غرض ابراہیم کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ انہوں نے کہا: ”قتل کر ڈالو اس کو یا جلاؤ الواسے!“ پھر اللہ نے ابراہیم کو آگ سے بچایا۔ یقیناً اس واقعے میں اُن لوگوں کے لئے بڑی عبرتیں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ (۲۴) اور ابراہیم نے یہ بھی کہا کہ: ”تم نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو (خدا) مانا ہوا ہے جس کے ذریعے دنیوی زندگی میں تمہاری آپس کی دوستی قائم ہے۔ پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے، اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے، اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا، اور تمہیں کسی بھی طرح کے مددگار میسر نہیں ہوں گے۔“ (۲۵)

(۹) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے کے لئے دیکھئے سورۃ انبیاء (۵۱:۲۱)۔

(۱۰) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جو لوگ بتوں کی عبادت کرتے ہیں، انہوں نے اسی بت پرستی کی بنیاد پر دوستیاں قائم کر رکھی ہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم لوگوں نے بت پرستی سوچ سمجھ کر اختیار نہیں کی، بلکہ اپنے دوستوں کو دیکھا کہ وہ بت پرستی کر رہے ہیں، تو انہی کے طریقے پر چل پڑے، اور صرف دوستی قائم رکھنے کے لئے اس مذہب کو اپنالیا۔ سبق یہ دیا گیا ہے کہ حق و باطل کے معاملے میں دوستوں اور رشتہ داروں کی مرؤت میں کوئی راستہ اختیار نہیں کرنا چاہئے، بلکہ بصیرت کے ساتھ وہی راستہ اختیار کرنا چاہئے جو حق ہو۔



فَأَمِّنْ لَهُ لُوطٌ ۖ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (۲۸) وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ (۲۹) وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝ (۳۰) أَيُّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقَاطِعُونَ السَّبِيلَ ۚ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيَكُمُ الْمُنْكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اتَّبِعْنَا عَذَابَ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ (۳۱) قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ۝ (۳۲) وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ ۖ قَالُوا إِنَّا مُهْدِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ ۖ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ۝ (۳۳)

پھر لوط اُن پر ایمان لائے، اور ابراہیم نے کہا کہ: ”میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کر کے جا رہا ہوں، وہی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔“ (۲۸) اور ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب (جیسے بیٹے) عطا فرمائے، اور اُن کی اولاد میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ جاری رکھا، اور اُن کا اجر ہم نے انہیں دُنیا میں (بھی) دیا اور یقیناً آخرت میں اُن کا شمار صالحین میں ہوگا۔ (۲۹)

اور ہم نے لوط کو بھیجا جبکہ اُس نے اپنی قوم سے کہا: ”حقیقت یہ ہے کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دُنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔“ (۳۰) کیا تم مردوں کے پاس جاتے ہو، اور راستوں میں ڈاکے ڈالتے ہو، اور اپنی بھری مجلس میں بدی کا ارتکاب کرتے ہو؟“ پھر اُن کی قوم کے لوگوں کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا کہ اُنہوں نے کہا: ”اے آؤ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم سچے ہو!“ (۳۱) لوط نے کہا: ”میرے پروردگار! ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرمائیے۔“ (۳۲) اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس (اُن کے بیٹا ہونے کی) خوشخبری لے کر پہنچے، تو اُنہوں نے کہا کہ: ”ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے باشندے بڑے ظالم بنے ہوئے ہیں۔“ (۳۳)

(۱۱) لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وطن یعنی عراق میں اُن پر حضرت لوط علیہ السلام کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی، لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے اُن کو بھی پیغمبر بنا کر سدوم اور عمورہ کی بستیوں کی طرف بھیجا تھا۔

(۱۲) مطلب یہ ہے کہ وطن چھوڑ کر اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔

(۱۳) یعنی اپنی جنسی خواہش عورتوں کے بجائے مردوں سے پوری کرتے ہو۔

(۱۴) جو فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس یہ خوشخبری لے کر آئے تھے کہ اُن کے یہاں بیٹا پیدا ہوگا، اُنہی کو حضرت



قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ۖ قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا ۖ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ (۳۶) وَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيئًا بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذُرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۖ إِنَّا مُنْجُونَكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ (۳۷) إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ (۳۸) وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (۳۹) وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۖ فَقَالَ لِّقَوْمٍ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْأَخِرَ وَلَا تَعْتَوُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ (۴۰) فَكَذَّبُوهُ فَاخْتَلَتْهُمْ الرَّجُفَةُ فَاصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جُثَيِّينَ ۝ (۴۱)

ابراہیم نے کہا: ”اس بستی میں تو لوط موجود ہیں۔“ فرشتوں نے کہا: ”ہمیں خوب معلوم ہے کہ اُس میں کون ہے۔ ہم انہیں اور اُن کے متعلقین کو ضرور پچالیں گے، سوائے اُن کی بیوی کے کہ وہ اُن لوگوں میں شامل رہے گی جو پیچھے رہ جائیں گے۔“ (۳۶) اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو لوط اُن کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے، اور ان کی وجہ سے اُن کا دل تنگ ہونے لگا۔ اُن فرشتوں نے کہا: ”آپ نہ ڈریے، اور نہ غم کیجئے۔ ہم آپ کو اور آپ کے متعلقین کو پچالیں گے، سوائے آپ کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں شامل رہے گی۔“ (۳۷) اس بستی کے باشندے جو بدکاریاں کرتے رہے ہیں، اُن کی وجہ سے ہم ان پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔“ (۳۸) اور ہم نے اس بستی کی کچھ کھلی نشانی اُن لوگوں کے لئے چھوڑ دی ہے جو سمجھ سے کام لیں۔“ (۳۹)

اور مدین کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ چنانچہ انہوں نے کہا: ”میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اور آخرت والے دن کی امید رکھو، اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔“ (۴۰) پھر ہوا یہ کہ ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا، چنانچہ زلزلے نے اُن کو آ پکڑا، اور وہ اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہ گئے۔“ (۴۱)

لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھی بھیجا گیا تھا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سورۃ ہود (۱۱: ۶۹) اور سورۃ حجر (۵۱: ۱۵)۔

(۱۵) یعنی ان کی بستیوں کے کھنڈر آج بھی موجود ہیں، اور نشانِ عبرت بنے ہوئے ہیں۔

(۱۶) دیکھئے سورۃ اعراف (۷: ۸۴) اور سورۃ ہود (۱۱: ۸۳)۔



وَعَادًا وَثَمُودًا وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِنْ مَّسْكِنِهِمْ<sup>۱۷</sup> وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ<sup>۱۸</sup> وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ<sup>۱۹</sup> وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا اسْمِقِينَ<sup>۲۰</sup> فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذُنُوبِهِ فَمِنْهُمْ مَن أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَن أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَن خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَن أَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ<sup>۲۱</sup> مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعُنْكَبُوتِ<sup>۲۲</sup> اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعُنْكَبُوتِ<sup>۲۳</sup> لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ<sup>۲۴</sup>

اور ہم نے عاد اور ثمود کو بھی ہلاک کیا، اور اُن کی تباہی تم پر اُن کے گھروں سے واضح ہو چکی ہے۔<sup>(۱۷)</sup> اور شیطان نے اُن کے اعمال کو ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر اُنہیں راہِ راست سے روک دیا تھا، حالانکہ وہ سوجھ بوجھ کے لوگ تھے۔<sup>(۱۸)</sup> اور قارون، فرعون اور ہامان کو بھی ہم نے ہلاک کیا۔<sup>(۱۹)</sup> موسیٰ اُن کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تھے، مگر اُنہوں نے زمین میں تکبر سے کام لیا، اور وہ (ہم سے) جیت نہ سکے۔<sup>(۲۰)</sup> ہم نے ان سب کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ میں لیا، چنانچہ ان میں سے کچھ وہ تھے جن پر ہم نے پتھر اُڑ کرنے والی ہوا بھیجی،<sup>(۲۱)</sup> اور کچھ وہ تھے جن کو ایک چنگھاڑنے آ پکڑا،<sup>(۲۲)</sup> اور کچھ وہ تھے جن کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا،<sup>(۲۳)</sup> اور کچھ وہ جنہیں ہم نے پانی میں غرق کر دیا۔<sup>(۲۴)</sup> اور اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن یہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔<sup>(۲۵)</sup> جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے رکھوالے بنا رکھے ہیں، ان کی مثال مکڑی کی سی ہے جس نے کوئی گھر بنا لیا ہو۔ اور کھلی بات ہے کہ تمام گھروں میں سب سے کمزور گھر مکڑی کا ہوتا ہے۔ کاش کہ یہ لوگ جانتے!<sup>(۲۶)</sup>

(۱۷) دیکھئے سورہ اعراف (۷: ۶۴ و ۷: ۷۲) و سورہ ہود (۱۱: ۴۹ و ۱۱: ۶۰)۔

(۱۸) یعنی دُنیا کے معاملات میں بڑے سمجھدار اور ہوشیار تھے، مگر آخرت سے بالکل غافل اور جاہل۔

(۱۹) دیکھئے سورہ قصص (۲۸: ۷ و ۲۸: ۲۸)۔

(۲۰) قوم عاد اسی طرح ہلاک ہوئی۔ دیکھئے سورہ اعراف (۷: ۶۴)۔

(۲۱) قوم ثمود اسی طرح تباہ ہوئی۔ دیکھئے سورہ اعراف (۷: ۷۲)۔

(۲۲) قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا تھا۔ دیکھئے سورہ قصص (۲۸: ۷)۔

(۲۳) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان آیا تھا جس میں وہ غرق ہوئی، اسی طرح فرعون اور اس کی قوم کو بھی سمندر میں غرق کیا گیا۔

(۲۴) یعنی کاش یہ لوگ جانتے کہ جن جھوٹے خداؤں پر انہوں نے بھروسہ کیا ہوا ہے، وہ مکڑی کے جالے سے زیادہ کمزور ہیں،

اور انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔



إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۳۲﴾ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿۳۳﴾ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۴﴾ أَتُلُّ مَا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ﴿۳۵﴾ وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَالْهُنَاوَالْهَكُم وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۳۶﴾

یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جس جس چیز کو پکارتے ہیں اللہ اُسے خوب جانتا ہے، اور وہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۳۲﴾ ہم یہ مثالیں لوگوں کے فائدے کے لئے دیتے ہیں، اور انہیں سمجھتے وہی ہیں جو علم والے ہیں۔ ﴿۳۳﴾ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق (مقصد کے لئے) پیدا کیا ہے۔ ﴿۳۴﴾ درحقیقت اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانی ہے۔ ﴿۳۵﴾ (اے پیغمبر!) جو کتاب تمہارے پاس وحی کے ذریعے بھیجی گئی ہے، اُس کی تلاوت کرو، اور نماز قائم کرو۔ بیشک نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے، اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سب کو جانتا ہے۔ ﴿۳۶﴾ اور (مسلمانو!) اہل کتاب سے بحث نہ کرو، مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہو، — البتہ اُن میں سے جو زیادتی کریں، اُن کی بات اور ہے — اور (ان سے) یہ کہو کہ: ”ہم اُس کتاب پر بھی ایمان لائے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے، اور اُس پر بھی جو تم پر نازل کی گئی تھی، اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہے، اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں۔“ ﴿۳۷﴾

(۲۵) یعنی یہ کائنات اس مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ اُس کے ذریعے لوگوں کو آزمایا جائے، اور پھر لوگوں کے اعمال کے مطابق انہیں جزا یا سزا ملے۔ اگر آخرت کی زندگی آنے والی نہ ہو تو کائنات کو پیدا کرنے کا یہ اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ (۲۶) یعنی اگر انسان نماز کو نماز کی طرح پڑھے، اور اس کے مقصد پر دھیان دے تو وہ اُسے بے حیائی اور ہر بُرے کام سے روکے گی، اس لئے کہ انسان نماز میں سب سے پہلے تکبیر کہہ کر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اعلان اور اقرار کرتا ہے، جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے کسی بات کو وقعت نہیں دیتا۔ پھر ہر رکعت میں وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس بات کا اقرار اور عہد کرتا ہے کہ یا اللہ! میں آپ ہی کی بندگی کرتا ہوں، اور آپ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ لہذا جب اس کے بعد کسی گناہ کا خیال اُس کے دل میں آئے تو اگر اُس نے نماز دھیان سے پڑھی ہے تو اُسے اپنا یہ عہد یاد آنا چاہئے جو یقیناً اُسے گناہ سے روکے گا۔ نیز وہ رُکوع، سجدے اور نماز کی ہر حرکت و سکون میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے زبان حال سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بنا کر پیش کرتا ہے۔ اس لئے جو شخص نماز کو سوچ سمجھ کر اُس طرح پڑھے جیسے پڑھنا چاہئے تو نماز یقیناً اُسے برائیوں سے روکے گی۔

(۲۷) یوں تو دعوتِ اسلام میں ہر جگہ یہی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ شائستگی کے ساتھ ہو، لیکن خاص طور پر اہل کتاب، یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں اس لئے یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ آسمانی کتابوں پر فی الجملہ ایمان رکھتے ہیں، اس لئے بت پرستوں



وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ ۖ فَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ ﴿۴۷﴾ وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَأُثَرَتَابَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوا لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۰﴾

اور (اے پیغمبر!) اسی طرح ہم نے تم پر کتاب نازل کی ہے، اس لئے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس پر ایمان لاتے ہیں، اور ان (بت پرستوں) میں سے بھی کچھ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لا رہے ہیں، اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو کافر ہیں۔ ﴿۴۷﴾ اور تم اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے، اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو باطل والے مین میخ نکال سکتے تھے۔ ﴿۴۸﴾ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ قرآن ایسی نشانیوں کا مجموعہ ہے جو ان لوگوں کے سینوں میں بالکل واضح ہیں جنہیں علم عطا کیا گیا ہے، اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو ظالم ہیں۔ ﴿۴۹﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”ان (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) پر ان کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اُتاری گئیں؟“ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: ”نشانیاں صرف اللہ کے پاس ہیں، اور میں تو ایک واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔“ ﴿۵۰﴾

کے مقابلے میں وہ مسلمانوں سے زیادہ قریب ہیں۔ تاہم اگر زیادتی ان کی طرف سے ہو تو ترکی بہ ترکی جواب دینے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔

(۲۸) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اُمی بنایا، یعنی آپ لکھتے پڑھتے نہیں تھے۔ اس آیت میں اُس کی حکمت بیان فرمائی گئی ہے کہ اُمی ہونے کے باوجود جب آپ کی زبان مبارک پر قرآن کریم جاری ہوا تو یہ بذات خود ایک عظیم الشان معجزہ تھا کہ جس شخص نے کبھی نہ پڑھنا سیکھا، نہ لکھنا، وہ ایسا فصیح و بلیغ کلام پیش کر رہا ہے جس کی مثال پیش کرنے سے سارا عرب عاجز ہو گیا۔ قرآن کریم فرما رہا ہے کہ اگر آپ پڑھتے لکھتے ہوتے تو آپ کے مخالفین کو یہ کہنے کا کچھ نہ کچھ موقع مل جاتا کہ آپ نے کہیں سے پڑھ پڑھا کر یہ مضامین اکٹھے کر لئے ہیں۔ اگرچہ اعتراض اُس پر بھی فضول ہی ہوتا، لیکن اب تو یہ کہنے کا کوئی موقع ہی باقی نہیں رہا۔ (۲۹) یعنی وہ معجزات کیوں نہیں دیئے گئے جن کی ہم فرمائش کرتے ہیں۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے معجزات عطا فرمائے گئے تھے، لیکن کفار مکہ نت نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے، جیسے سورہ بنی اسرائیل (۱۷: ۹۳) میں تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ معجزات دکھانا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے، میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبردار کرنے کے لئے آیا ہوں۔ نیز اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم بذات خود ایک بڑا معجزہ ہے جو ایک طالب حق کے لئے بالکل کافی ہونا چاہئے۔



أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرًا لِّقَوْمٍ  
يُؤْمِنُونَ ﴿۵۱﴾ قُلْ كَفَىٰ بِاللّٰهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ ۝  
وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللّٰهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۵۲﴾ وَ يَسْتَعْجِلُونَكَ  
بِالْعَذَابِ ۖ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ ۖ وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْةٌ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۳﴾  
يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۖ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ  
فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُو قُوَّامَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۵۵﴾ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ  
أَرْضِي وَاسِعَةً فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿۵۷﴾

بھلا کیا ان کے لئے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جا رہی ہے؟ یقیناً  
اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے جو ماننے والے ہوں۔ ﴿۵۱﴾ کہہ دو کہ: ”میرے اور تمہارے  
درمیان گواہی دینے کے لئے اللہ کافی ہے، اُسے ان تمام چیزوں کا علم ہے جو آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں۔ اور جو  
لوگ باطل پر ایمان لائے ہیں، اور اللہ کا انکار کیا ہے، وہی ہیں جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔“ ﴿۵۲﴾ اور یہ لوگ تم  
سے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں۔ اگر (عذاب کا) ایک معین وقت نہ ہوتا تو ان پر ضرور عذاب آ جاتا، اور وہ آئے گا  
ضرور (مگر) اتنا اچانک کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ ﴿۵۳﴾ یہ تم سے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں، اور یقیناً جہنم ان کو  
گھیرے میں لے لے گی، ﴿۵۴﴾ اُس دن جب عذاب اُن پر اُوپر سے بھی چھا جائے گا، اور ان کے پاؤں کے نیچے سے  
بھی، اور کہے گا کہ: ”چکھو اُن کاموں کا مزہ جو تم کیا کرتے تھے۔“ ﴿۵۵﴾ اے میرے بندو جو ایمان لا چکے ہو! یقین جانو  
میری زمین بہت وسیع ہے، لہذا خالص میری عبادت کرو۔ ﴿۵۶﴾ ہر تنفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، پھر ہماری ہی طرف  
تم سب کو واپس لایا جائے گا۔ ﴿۵۷﴾

(۳۰) جیسا کہ اس سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، یہ سورت اُس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب کفار مکہ نے مسلمانوں پر  
ظلم و ستم کی انتہا کر رکھی تھی، اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس صورت حال سے پریشان تھے۔ اس سورت کے شروع میں تو انہیں  
صبر و استقامت کی تلقین فرمائی گئی ہے، اور اب اس آیت میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ اگر مکہ مکرمہ میں دین پر عمل کرنا  
مشکل ہو رہا ہے تو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، ہجرت کر کے کسی اور ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں امن و سکون کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی  
عبادت کر سکو۔

(۳۱) یعنی اگر ہجرت کرنے سے اس لئے رکاوٹ محسوس ہو کہ اپنے عزیزوں و دوستوں کو چھوڑنا پڑے گا تو یہ جدائی کبھی نہ کبھی تو  
ہونی ہی ہے، کیونکہ ہر انسان کو موت آنی ہے۔ پھر جب سب ہمارے پاس واپس آ جاؤ گے تو پھر کبھی جدائی نہیں ہوگی۔



وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُرًّا فَتَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نِعَمَ أَجْرًا لِلْعَبِيدِينَ ﴿٥٩﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٦٠﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۗ اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۗ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦١﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٦٢﴾ اللَّهُ يَسْبِطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٤﴾

اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کو ہم ضرور جنت کے ایسے بالا خانوں میں آباد کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بہترین اجر ہے ان عمل کرنے والوں کا، ﴿٥٩﴾ جنہوں نے صبر سے کام لیا، اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ﴿٥٩﴾ اور کتنے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے! اللہ انہیں بھی رزق دیتا ہے، اور تمہیں بھی، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، ہر چیز جانتا ہے۔ ﴿٦٠﴾ اور اگر تم اُن سے پوچھو کہ: ”کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور سورج اور چاند کو کام پر لگایا؟“ تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ: ”اللہ!“ پھر آخر یہ لوگ کہاں سے اوندھے چل پڑتے ہیں؟ ﴿٦١﴾ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے، رزق میں کشادگی کر دیتا ہے، اور جس کے لئے چاہتا ہے، تنگی کر دیتا ہے۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا مکمل علم رکھتا ہے۔ ﴿٦٢﴾ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ: ”کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس کے ذریعے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اُسے زندگی بخشی؟“ تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ: ”اللہ!“ کہو: ”الحمد للہ!“ لیکن ان میں سے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ ﴿٦٣﴾

﴿٣٢﴾ ہجرت کرنے میں ایک خوف یہ ہو سکتا تھا کہ یہاں تو ہمارے روزگار کا ایک نظام موجود ہے، کہیں اور جا کر معلوم نہیں کوئی مناسب روزگار ملے یا نہ ملے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دنیا میں کتنے جانور ایسے ہیں جو اپنا رزق ساتھ لئے نہیں پھرتے، بلکہ وہ جہاں کہیں جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ وہیں ان کے رزق کا انتظام فرماتا ہے۔ لہذا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں وطن چھوڑیں گے، کیا اللہ تعالیٰ اُن کے رزق کا انتظام نہیں فرمائے گا؟ البتہ رزق کی کمی اور زیادتی تمام تر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت پر موقوف ہے۔ لہذا وہی فیصلہ فرماتا ہے کہ کس کو کس وقت کتنا رزق دینا ہے۔

﴿٣٣﴾ یعنی اس حقیقت کا اعتراف کرنے کا منطقی تقاضا یہ تھا کہ وہ اُسی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے، کسی اور کی نہیں، لیکن اس کے بعد انہیں کیا ہو جاتا ہے کہ اس منطقی تقاضے پر عمل کرنے کے بجائے شرک شروع کر دیتے ہیں۔

﴿٣٤﴾ یعنی الحمد للہ! کہ انہوں نے خود اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کے خالق کائنات ہونے کا اعتراف کر لیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے شرک کا نہ عقائد بے بنیاد اور سراسر باطل ہیں۔



وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُمُ وَلَعِبٌ ۖ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٢٣﴾ فَإِذَا رَأَوْا فِي الْقُلُوبِ دَعَا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿٢٤﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ وَلِيَتَّعَبُوا ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مِمَّا امْنَأَوْ يُتَخَفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ﴿٢٦﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ﴿٢٧﴾ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٨﴾

اور یہ دُنیوی زندگی کھیل کود کے سوا کچھ بھی نہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ دارِ آخرت ہی اصل زندگی ہے، اگر یہ لوگ جانتے ہوتے! ﴿۲۳﴾ چنانچہ جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو اس طرح پکارتے ہیں کہ ان کا اعتقاد خالص اُسی پر ہوتا ہے۔ پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو فوراً شرک کرنے لگتے ہیں۔ ﴿۲۴﴾ کر لیں یہ لوگ ناشکری اُس نعمت کی جو ہم نے اُن کو دی ہے، اور اڑا لیں کچھ مزے! پھر وہ وقت دُور نہیں جب انہیں سب پتہ چل جائے گا۔ ﴿۲۵﴾ بھلا کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے (ان کے شہر کو) ایک پر امن حرم بنا دیا ہے، جبکہ ان کے ارد گرد لوگوں کا حال یہ ہے کہ انہیں اُچک لیا جاتا ہے۔ ﴿۲۶﴾ کیا پھر بھی یہ باطل پر ایمان لاتے ہیں، اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں؟ ﴿۲۷﴾ اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے، یا جب اُس کے پاس حق کی بات پہنچے تو وہ اُسے جھٹلائے؟ کیا جہنم میں (ایسے) کافروں کا ٹھکانا نہیں ہوگا؟ ﴿۲۸﴾ اور جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی ہے، ہم انہیں ضرور بالضرور اپنے راستوں پر پہنچائیں گے، اور یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ﴿۲۹﴾

﴿۲۵﴾ یعنی جس طرح کھیل کود میں کچھ دیر تو مزہ آتا ہے، مگر وہ کوئی پائیدار چیز نہیں ہے، ذرا دیر گزرنے کے بعد سارا تماشا ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح دُنیا کی لذتیں بھی ناپائیدار ہیں، اور کچھ ہی عرصے میں سب ختم ہو جائیں گی۔ اس کے برخلاف آخرت کی زندگی ہمیشہ کے لئے ہے، اس لئے اُس کی لذتیں اور نعمتیں سدا بہار ہیں۔ اس لئے اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے۔

﴿۲۶﴾ مشرکین عرب کا یہ عجیب طریقہ تھا کہ جب سمندر کی موجوں میں گھر کر موت نظر آنے لگتی تو اُس وقت انہیں نہ کوئی بت یاد آتا تھا، نہ کوئی دیوی یاد دیتا۔ اُس وقت وہ مدد کے لئے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔ لیکن جب دُوبنے سے بچ کر کنارے پہنچ جاتے تو اللہ تعالیٰ کے بجائے پھر انہی بتوں کی عبادت شروع کر دیتے تھے۔

﴿۲۷﴾ پچھلی سورت یعنی سورہ قصص (۵۷:۲۸) میں گزرا ہے کہ مشرکین مکہ اپنے ایمان نہ لانے کا ایک بہانہ یہ پیش کرتے تھے



کہ اگر ہم ایمان لے آئے تو سارا عرب جو اس وقت ہماری عزت کرتا ہے، ہمارا مخالف ہو جائے گا، اور ہمیں اپنی سر زمین سے نکال باہر کرے گا۔ اس آیت میں اول تو اس بہانے کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی مکہ مکرمہ کو حرم بنا کر اُسے اتنا پر امن علاقہ بنا دیا ہے کہ وہاں کوئی قتل و غارت گری کی جرأت نہیں کرتا، حالانکہ اُس کے ارد گرد اچھے خاصے لوگوں کو دن دھاڑے اُچک کر قتل اور لوٹ مار کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ لہذا جب تمہاری نافرمانی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ چین کی زندگی دے رکھی ہے تو جب تم اُس کے فرماں بردار بن جاؤ گے تو کیا وہ تمہیں اس نعمت سے محروم کر دے گا؟ دوسرے اس آیت نے اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ مکہ مکرمہ کو کیا کسی بت نے یا دیوتا نے حرم بنا دیا تھا جو تم اُن کی عبادت کے پیچھے پڑے ہوئے ہو؟ یقیناً اس خطے کو یہ تقدس تو اللہ تعالیٰ ہی نے عطا فرمایا ہے۔ پھر خود سوچ لو کہ عبادت کے لائق کون ہے؟

(۳۸) یہ اُن لوگوں کے لئے بڑی عظیم خوشخبری ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین پر خود چلنے اور دوسروں کو چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب تک انسان اس راستے میں کوشش جاری رکھے، اور مایوس ہو کر نہ بیٹھ جائے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اُس کی مدد فرما کر ضرور منزل تک پہنچا دیں گے۔ لہذا راستے کی مشکلات سے ہار مان کر بیٹھنے کے بجائے نئے عزم و ہمت کے ساتھ یہ کوشش ہمیشہ جاری رہنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی مکمل توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

الحمد للہ! سورہ عنکبوت کا ترجمہ اور حواشی آج شب چہار شنبہ ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۲ جون ۲۰۰۷ء کو اذانِ عشاء کے وقت کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرما کر نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل تک پہنچانے کی توفیق بخشیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الرُّومِ

## تعارف

اس سورت کا ایک خاص تاریخی پس منظر ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی سچائی اور حقانیت کا ناقابل انکار ثبوت فراہم کرتا ہے۔ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہوئی، اُس وقت دُنیا میں دو بڑی طاقتیں تھیں، ایک ایران کی حکومت جو مشرق کے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی، اور اُس کے ہر بادشاہ کو ”کسریٰ“ کہا جاتا تھا، یہ لوگ آتش پرست تھے، یعنی آگ کو پوجتے تھے۔ دوسری بڑی طاقت رُوم کی تھی جو مکہ مکرمہ کے شمال اور مغرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ شام، مصر، ایشیائے کوچک اور یورپ کے علاقے اسی سلطنت کے ماتحت تھے، اور اس کے ہر بادشاہ کو ”قیصر“ کہا جاتا تھا، اور ان کی اکثریت عیسائی مذہب پر تھی۔ جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی ہے، اُس وقت ان دونوں طاقتوں کے درمیان شدید جنگ ہو رہی تھی، اور اس جنگ میں ایران کا پلہ ہر لحاظ سے بھاری تھا، اور اُس کی فوجوں نے ہر محاذ پر رُوم کی فوجوں کو شکست دے کر اُن کے بڑے بڑے شہر فتح کر لئے تھے، یہاں تک کہ وہ بیت المقدس میں عیسائیوں کا مقدس ترین کلیسا تباہ کر کے رومیوں کو مسلسل پیچھے دھکیلتی جا رہی تھیں، اور رُوم کے بادشاہ ہر قل کو جائے پناہ تلاش کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ ایران کی حکومت چونکہ آتش پرست تھی، اس لئے مکہ مکرمہ کے بت پرستوں کی ہمدردیاں اُس کے ساتھ تھیں، اور جب کبھی ایران کی کسی فتح کی خبر آتی تو مکہ مکرمہ کے بت پرست اُس پر نہ صرف خوشی مناتے، بلکہ مسلمانوں کو چڑاتے کہ عیسائی لوگ جو آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، مسلسل شکست کھاتے جا رہے ہیں، اور ایران کے لوگ جو ہماری طرح کسی پیغمبر یا آسمانی کتاب کو نہیں مانتے، انہیں برابر فتح نصیب ہو رہی ہے۔ اس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی، اور اُس کے بالکل شروع میں یہ پیشینگوئی کی گئی کہ رُوم کے لوگ اگرچہ اس وقت شکست کھا گئے ہیں، لیکن چند سالوں میں وہ فتح حاصل کر کے ایرانیوں پر غالب آجائیں گے، اور اُس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے۔ اس طرح اس سورت کے شروع میں بیک وقت دو پیشینگوئیاں کی گئیں۔ ایک یہ کہ رُوم کے جو لوگ شکست کھا گئے ہیں، وہ چند سالوں میں ایرانیوں پر غالب آجائیں گے، اور دوسرے یہ کہ مسلمان جو اس وقت مکہ مکرمہ کے مشرکین کے ہاتھوں ظلم و ستم کا شکار ہیں، اُس دن وہ بھی مشرکین پر فتح منائیں گے۔ یہ دونوں پیشین گوئیاں اُس وقت



کے ماحول میں اتنی بعید از قیاس تھیں کہ کوئی بھی شخص جو اُس وقت کے حالات سے واقف ہو، ایسی پیشینگوئی نہیں کر سکتا تھا۔ مسلمان اُس وقت جس طرح کافروں کے ظلم و ستم میں دبے اور پسے ہوئے تھے، اُس کے پیش نظر بظاہر کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ اپنی فتح کی خوشی منائیں۔ دوسری طرف سلطنتِ روما کا حال بھی یہ تھا کہ اُس کے ایرانیوں کے مقابلے میں اُبھرنے کا دُور دُور کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ سلطنتِ روما کا مشہور مؤرخ ایڈورڈ گِبِن اس پیشینگوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: ”جس وقت مبینہ طور پر یہ پیشینگوئی کی گئی، اُس وقت کسی بھی پیشینگوئی کا پورا ہونا اس سے زیادہ بعید نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے کہ قیصر ہرقل کی حکومت کے پہلے بارہ سالوں میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی تھی کہ رومی سلطنت کا خاتمہ بالکل قریب آچکا ہے۔“

(Gibbon: The Decline and Fall of the Roman Empire, chapter 46, Volume 2, p.125, Great Books, v.38, University of Chicago, 1990)

چنانچہ مکہ مکرمہ کے مشرکین نے اس پیشینگوئی کا بہت مذاق اڑایا، یہاں تک کہ اُن کے ایک مشہور سردار اُبی بن خلف نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ شرط لگالی کہ اگر آئندہ نو سال کے درمیان روم کے لوگ ایرانیوں پر غالب آگئے تو وہ حضرت ابوبکرؓ کو سو اُونٹ دے گا، اور اگر اس عرصے میں وہ غالب نہ آئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اُس کو سو اُونٹ دیں گے (اُس وقت تک اس قسم کی دو طرفہ شرط لگانا حرام نہیں کیا گیا تھا)۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی ایرانیوں کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ وہ قیصر کے پایہ تخت قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچ گئے، اور انہوں نے قیصر ہرقل کی طرف سے صلح کی ہر پیشکش کو ٹھکرا کر یہ جواب دیا کہ انہیں ہرقل کے سر کے سوا کوئی اور پیشکش منظور نہیں ہے، جس کے نتیجے میں ہرقل تیونس کی طرف بھاگنے کا منصوبہ بنانے لگا۔ لیکن اس کے فوراً بعد حالات نے عجیب و غریب پلٹا کھایا، ہرقل نے مجبور ہو کر ایرانیوں پر عقب سے حملہ کیا جس میں اُسے ایسی کامیابی حاصل ہوئی جس نے جنگ کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ اس پیشینگوئی کو ابھی سات سال گزرے تھے کہ رومیوں کی فتح کی خبر عرب تک پہنچ گئی۔ جس وقت یہ خبر پہنچی، یہ ٹھیک وہ وقت تھا جب بدر کے میدان میں سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کے لشکر کو عبرتناک شکست دی تھی، اور مسلمانوں کو اس فتح پر غیر معمولی خوشی حاصل ہوئی تھی۔ اس طرح قرآن کریم کی دونوں پیشینگوئیاں کھلی آنکھوں اس طرح پوری ہوئیں جن کا بظاہر حالات کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا، اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی سچائی روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی۔ اُس وقت اُبی بن خلف جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شرط لگائی تھی، مرچکا تھا، لیکن اُس کے بیٹوں نے شرط کے مطابق سو اُونٹ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ادا کئے، اور چونکہ اُس وقت جوئے کی حرمت آچکی تھی، اور دو طرفہ شرط جوئے ہی کی ایک شکل ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہ اُونٹ خود استعمال کرنے کے بجائے صدقہ کر دیں۔ اس پیشینگوئی کے علاوہ اس سورت میں اسلام کے بنیادی عقائد تو حید، رسالت اور آخرت کو مختلف دلائل سے ثابت کیا گیا ہے، اور مخالفین کی تردید کی گئی ہے۔



آیاتھا ۶۰ سُورۃُ الرُّومِ مَکِیَّۃٌ ۸۴ رُکوعاھا ۶

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الْم ۱ غُلِبَتِ الرُّومُ ۲ فِيْ اَدْنٰى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَلَيْهِمْ سَيِّغُلِبُوْنَ ۳ فِيْ بَضْعِ  
سِنِيْنَ ۴ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ۵ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۶ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۷ يَنْصُرُ  
مَنْ يَّشَاءُ ۸ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِیْمُ ۹ وَعَدَ اللّٰهُ ۱۰ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ  
لَا يَعْلَمُوْنَ ۱۱

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ساٹھ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الْم ۱ رومی لوگ قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں، اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب  
آجائیں گے ۲ و ۳ چند ہی سالوں میں! سارا اختیار اللہ ہی کا ہے، پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور اُس دن ایمان  
والے اللہ کی دی ہوئی فتح سے خوش ہوں گے۔ وہ جس کو چاہتا ہے، فتح دیتا ہے، اور وہی صاحب اقتدار بھی ہے، بڑا  
مہربان بھی۔ ۴ و ۵ یہ اللہ کا کیا ہوا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ۶

(۱) اس پیشینگوئی کی تفصیل اوپر سورت کے تعارف میں آچکی ہے، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ”چند سالوں“ کے لئے قرآن کریم نے ”بضع“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا ترجمہ اردو میں ”چند“ کیا جاتا ہے، لیکن عربی زبان میں ”بضع“ کا لفظ تین سے لے کر نو تک کے لئے بولا جاتا ہے۔ چنانچہ شروع میں اُبی بن خلف نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جو شرط لگائی تھی، وہ یہ تھی کہ اگر تین سال کے اندر اندر رومی فتح پا گئے تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دس اُونٹ دے گا، ورنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اُس کو دس اُونٹ دیں گے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کریم میں ”بضع“ کا لفظ آیا ہے، اور اُس میں تین سے لے کر نو سال تک کا احتمال ہے، اس لئے تم اُبی بن خلف سے دس کے بجائے سو اُونٹوں کی شرط لگا لو، البتہ مدت کو تین سال سے بڑھا کر نو سال کر دو۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ چونکہ رومیوں کے فتح پانے کا دور دور بھی کوئی احتمال نظر نہیں آتا تھا، اس لئے اُبی بن خلف بھی اس پر راضی ہو گیا، اور اب شرط یہ قرار پائی کہ اگر نو سال کے اندر اندر رومی غالب آ گئے تو اُبی بن خلف سو اُونٹ حضرت ابوبکرؓ کو دے گا، ورنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کو سو اُونٹ دیں گے۔ اور یہ بات اوپر عرض کی جا چکی ہے کہ اُس وقت ایسی شرط لگانا حرام نہیں ہوا تھا، لیکن جب یہ پیشینگوئی پوری ہو گئی اور اُبی بن خلف کے بیٹے نے سو اُونٹ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ادا کئے تو اُس وقت ایسی شرط لگانا جائز نہیں رہا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ ان اُونٹوں کو صدقہ کر دیں۔

(۲) جیسا کہ اوپر تعارف میں عرض کیا گیا، اس سے مراد غزوہ بدر کی فتح ہے۔



يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ ﴿٥﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ وَاجَلٍ مُّسَمًّى ۚ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ﴿٦﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَشَارُوْا اِلَّا بِالْاَرْضِ وَعَمْرُوْهَا اَكْثَرُ مِمَّا عَمُرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٧﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْاۤى اَنْ كَذَّبُوْا بِآيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٨﴾ اَللّٰهُ يَبْدُوْا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُكَ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٩﴾ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿١٠﴾

وہ دنیوی زندگی کے صرف ظاہری رخ کو جانتے ہیں، اور آخرت کے بارے میں اُن کا حال یہ ہے کہ وہ اُس سے بالکل غافل ہیں۔ ﴿۵﴾ بھلا کیا انہوں نے اپنے دلوں میں غور نہیں کیا؟ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان پائی جانے والی چیزوں کو بغیر کسی برحق مقصد کے اور کوئی میعاد مقرر کئے بغیر پیدا نہیں کر دیا“ اور بہت سے لوگ ہیں کہ اپنے پروردگار سے جاننے کے منکر ہیں۔ ﴿۶﴾ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں، تاکہ وہ یہ دیکھتے کہ اُن سے پہلے جو لوگ تھے، اُن کا انجام کیسا ہوا؟ وہ طاقت میں ان سے زیادہ مضبوط تھے، اور انہوں نے زمین کو بھی جوتا تھا، اور جتنا ان لوگوں نے اُسے آباد کیا ہے، اُس سے زیادہ انہوں نے اُس کو آباد کیا تھا، اور اُن کے پاس اُن کے پیغمبر کھلے کھلے دلائل لے کر آئے تھے! چنانچہ اللہ تو ایسا نہیں تھا کہ اُن پر ظلم کرے، لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ ﴿۷﴾ پھر جن لوگوں نے برائی کی تھی، اُن کا انجام بھی برا ہی ہوا، کیونکہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا تھا، اور وہ اُن کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ﴿۸﴾ اللہ ہی مخلوق کی ابتدا کرتا ہے، اور وہی اُس کو دوبارہ پیدا کرے گا، پھر تم سب اُس کے پاس واپس بلا لئے جاؤ گے۔ ﴿۹﴾ اور جس دن قیامت برپا ہوگی، اُس روز مجرم لوگ ناامید ہو جائیں گے۔ ﴿۱۰﴾

(۳) یعنی اگر آخرت کو نہ مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات یونہی بغیر کسی مقصد کے پیدا کر دی ہے جس میں نہ کسی ظالم اور بدکار سے کوئی حساب کبھی لیا جائے گا، اور نہ کسی نیک انسان کو اُس کی نیکی کا کوئی انعام کبھی مل سکے گا، نیز یہ کائنات غیر محدود مدت تک اسی طرح بے مقصد چلتی رہے گی۔

(۴) جو لوگ اس بات کو ناممکن سمجھتے تھے کہ انسان کے مرنے اور گلنے سڑنے کے بعد اُسے دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا، یہ اُن کا جواب ہے۔ یعنی ہر چیز کا قاعدہ یہ ہے کہ اُسے پہلی بار بنانا زیادہ مشکل ہوتا ہے، لیکن جب کوئی چیز ایک مرتبہ بنالی جائے تو دوبارہ



وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ بِهِمْ شُفَعَاءُ وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ ﴿١٣﴾ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُومِنُ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ﴿١٤﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿١٥﴾ فَسُبْحَنَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ ﴿١٦﴾ وَلَهُ الْحُكْمُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ﴿١٧﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُخَيِّمُ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١٨﴾

پھر

اور انہوں نے جن کو اللہ کا شریک مان رکھا تھا، اُن میں سے کوئی اُن کا سفارشی نہیں ہوگا، اور خود یہ لوگ اپنے مانے ہوئے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے۔ ﴿۱۳﴾ اور جس دن قیامت برپا ہوگی، اُس روز لوگ مختلف قسموں میں بٹ جائیں گے۔ ﴿۱۴﴾ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے تھے، اور انہوں نے نیک عمل کئے تھے، اُن کو تو جنت میں ایسی خوشیاں دی جائیں گی جو اُن کے چہروں سے پھوٹی پڑ رہی ہوں گی۔ ﴿۱۵﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنایا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کا سامنا کرنے کو جھٹلایا تھا، تو ایسے لوگوں کو عذاب میں دھر لیا جائے گا۔ ﴿۱۶﴾ لہذا اللہ کی تسبیح کرو اُس وقت بھی جب تمہارے پاس شام آتی ہے، اور اُس وقت بھی جب تم پر صبح طلوع ہوتی ہے، ﴿۱۷﴾ اور اُسی کی حمد ہوتی ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔ اور سورج ڈھلنے کے وقت بھی (اُس کی تسبیح کرو) اور اُس وقت بھی جب تم پر ظہر کا وقت آتا ہے۔ ﴿۱۸﴾ وہ جاندار کو بے جان سے نکال لاتا ہے، اور بے جان کو جاندار سے نکال لیتا ہے، اور وہ زمین کو اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ اور اسی طرح تم کو (قبروں سے) نکال لیا جائے گا۔ ﴿۱۹﴾

اُسی جیسی چیز بنانا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمام چیزوں کو پہلی بار پیدا فرمایا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے انہیں دوبارہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے؟

﴿۵﴾ یعنی ایک مرحلے پر یہ مشرک لوگ صاف جھوٹ بول جائیں گے کہ ہم نے دُنیا میں کبھی شرک ہی نہیں کیا تھا، چنانچہ سورہ انعام میں قرآن کریم نے ان کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے کہ: ”وَاللّٰهُ رَآيْنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ“ (ہم اللہ اپنے پروردگار کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم لوگ مشرک نہیں تھے۔) دیکھئے سورہ انعام (۶: ۲۳)۔

﴿۶﴾ جاندار کو بے جان سے نکالنے کی مثال جیسے انڈے سے مرغی، اور بے جان کو جاندار سے نکالنے کی مثال جیسے مرغی سے انڈا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ مثال دی ہے کہ زمین قحط کی وجہ سے مردہ ہو چکی ہوتی ہے، اور اس میں کچھ اُگانے کی صلاحیت نہیں رہتی، لیکن اللہ تعالیٰ بارش برسا کر اُسے دوبارہ زندگی بخشتے ہیں۔ اسی طرح انسانوں کو بھی مرنے کے بعد وہ دوبارہ زندہ کر دیں گے۔



وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ﴿٢٠﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْتَكَرُونَ ﴿٢١﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالاختلافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَاللُّوَانِ كُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالَمِينَ ﴿٢٢﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُسْمِعُونَ ﴿٢٣﴾

اور اُس کی (قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ اُس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تم دیکھتے ہی دیکھتے انسان بن کر (زمین میں) پھیلے پڑے ہو۔ ﴿۲۰﴾ اور اُس کی ایک نشانی یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم اُن کے پاس جا کر سکون حاصل کرو، اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت کے جذبات رکھ دیئے۔ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۲۱﴾ اور اُس کی نشانیوں کا ایک حصہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی ہے۔ یقیناً اس میں دانش مندوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ ﴿۲۲﴾ اور اُس کی نشانیوں کا ایک حصہ تمہارا رات اور دن کے وقت سونا اور اللہ کا فضل تلاش کرنا ہے۔ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو بات سنتے ہوں۔ ﴿۲۳﴾

﴿۲۰﴾ یہاں سے آیت نمبر ۳ تک اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان ہے۔ اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے کائنات میں پھیلی ہوئی اپنی قدرت کی بہت سی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اگر کوئی شخص حقیقت پسندی اور انصاف سے ان پر غور کرے تو اُسے نظر آئے گا کہ ان میں سے ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ جس ذات نے کائنات کا یہ محیر العقول نظام بنایا ہے، وہ اپنی خدائی میں کسی شریک کی محتاج نہیں ہو سکتی، اور نہ یہ بات معقول ہے کہ اتنے عظیم الشان کارناموں کے بعد چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے (معاذ اللہ) وہ چھوٹے چھوٹے خداؤں کی ضرورت محسوس کرے۔

﴿۲۱﴾ عام طور پر نکاح سے پہلے میاں بیوی الگ الگ ماحول میں پرورش پاتے ہیں، لیکن نکاح کے بعد اُن میں ایسا گہرا رشتہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے پچھلے طرز زندگی کو خیر باد کہہ کر ایک دوسرے کے ہو رہتے ہیں۔ اُن کے درمیان یک بیک وہ محبت پیدا ہو جاتی ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر رہنا اُن کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ جوانی میں اُن کے درمیان محبت کا جوش ہوتا ہے، اور بڑھاپے میں اُس پر رحمت اور ہمدردی کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

﴿۲۲﴾ رات کے وقت سونے اور دن کے وقت اللہ کا فضل یعنی روزگار تلاش کرنے کا یہ نظام اللہ تعالیٰ ہی نے بنایا ہے۔ اس کے لئے انسانوں کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ اگر یہ کام لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا تو کچھ لوگ ایک وقت سونا چاہتے، اور دوسرے لوگ اُسی وقت کام میں مشغول ہو کر اُن کی نیند خراب کرتے۔



وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُخْرِجُ بِهِ الْأَرْضَ رُضًا بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٣﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ رُضًا بِأَمْرِهِ ۚ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ ۚ إِنَّكُمْ تَخْرُجُونَ ﴿٢٤﴾ وَلَهُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ كُلُّ لَّهُ قٰنِثُونَ ﴿٢٥﴾ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٦﴾ ۚ ضَرَبَ لَكُم مَّثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ ۚ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ فِي مَا رَزَقْتُمْ فَأَنْتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ ۚ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٧﴾

اور اُس کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے جس سے ڈر بھی لگتا ہے، اور اُمید بھی ہوتی ہے، اور آسمان سے پانی برساتا ہے، جس کے ذریعے وہ زمین کو اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۲۳﴾ اور اُس کی ایک نشانی یہ ہے کہ آسمان اور زمین اُس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جب وہ ایک پکار دے کہ تمہیں زمین سے بلائے گا تو تم فوراً نکل پڑو گے۔ ﴿۲۴﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب اُسی کی ملکیت ہیں۔ سب اُسی کے حکم کے تابع ہیں۔ ﴿۲۵﴾ اور وہی ہے جو مخلوق کی ابتدا کرتا ہے، پھر اُسے دوبارہ پیدا کرے گا، اور یہ کام اُس کے لئے زیادہ آسان ہے۔ اور اُسی کی سب سے اونچی شان ہے، آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی، اور وہی ہے جو اقتدار والا بھی ہے، حکمت والا بھی۔ ﴿۲۶﴾ وہ تمہیں خود تمہارے اندر سے ایک مثال دیتا ہے۔ ہم نے جو رزق تمہیں دیا ہے، کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی اُس میں تمہارا شریک ہے کہ اُس رزق میں تمہارا درجہ اُن کے برابر ہو (اور) تم اُن غلاموں سے ویسے ہی ڈرتے ہو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے ڈرتے ہو؟ ہم اسی طرح دلائل اُن لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو عقل سے کام لیں۔ ﴿۲۷﴾

(۱۰) ڈر اس بات کا کہ بجلی گر کر کوئی نقصان نہ پہنچا دے، اور اُمید اس بات کی کہ اس کے نتیجے میں رحمت کی بارش برے۔

(۱۱) کوئی بھی شخص یہ گوارا نہیں کرتا کہ اُس کا غلام اُس کی املاک میں اُس کے برابر ہو جائے، اور کوئی کام کرتے وقت اُس سے اسی طرح ڈرنا پڑے جیسے دو آزاد آدمی جو کاروبار میں ایک دوسرے کے شریک ہوں، ایک دوسرے سے ڈرتے ہیں۔ اگر یہ بات یہ شرک لوگ اپنے لئے گوارا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کی خدائی میں دوسروں کو کیسے شریک ٹھہرا دیتے ہیں؟



بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۚ وَمَا لَهُمْ مِنْ  
 نَصِيرِينَ ﴿٢٩﴾ فَأَقْمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ  
 لِخُلُقِ اللَّهِ ۚ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ وَلَكِنَّا أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ  
 وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٣١﴾ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا  
 شِيَعًا ۚ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٣٢﴾

لیکن ظالم لوگ کسی علم کے بغیر اپنی خواہشات کے پیچھے چل پڑے ہیں۔ اب اُس شخص کو کون ہدایت دے سکتا ہے جسے  
 اللہ نے گمراہ کر دیا ہو، اور ایسے لوگوں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ ﴿۲۹﴾ لہذا تم یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف قائم  
 رکھو۔ اللہ کی بنائی ہوئی اُس فطرت پر چلو جس پر اُس نے تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ ﴿۳۰﴾ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں  
 لائی جاسکتی، یہی بالکل سیدھا راستہ ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۳۱﴾ (فطرت کی پیروی) اس طرح (کرو)  
 کہ تم نے اُسی (اللہ) سے لو لگا رکھی ہو، اور اُس سے ڈرتے رہو، اور نماز قائم کرو، اور اُن لوگوں کے ساتھ شامل نہ ہو جو  
 شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، ﴿۳۲﴾ وہ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا، اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ ہر گروہ  
 اپنے اپنے طریقے پر مگن ہے۔ ﴿۳۲﴾

﴿۱۲﴾ یعنی اُس کی ضد اور ہٹ دھرمی کے نتیجے میں اُسے ہدایت کی توفیق نہ دی ہو۔  
 ﴿۱۳﴾ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں یہ صلاحیت رکھ دی ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے، اُس کی توحید کا قائل ہو، اور اُس کے  
 پیغمبروں کے لائے ہوئے دین کی پیروی کرے۔ اسی کو آیت میں فطرت سے تعبیر کیا گیا ہے۔  
 ﴿۱۴﴾ یعنی یہ فطری صلاحیت جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عطا فرمائی ہے، اس صلاحیت کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ ماحول کے اثر سے  
 انسان غلط راستے پر جاسکتا ہے، لیکن اُس کی یہ صلاحیت ختم نہیں ہو سکتی، چنانچہ جب کبھی وہ ضد اور عناد کو چھوڑ کر حق پرستی کے  
 جذبے سے غور کرے گا تو اُس کی یہ صلاحیت کام دکھائے گی، اور وہ حق تک پہنچ جائے گا۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص مسلسل  
 ضد اور عناد کی روش اختیار کئے رکھے، اور حق بات سننے کے لئے تیار ہی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ خود اُس کے دل پر مہر لگا دے، جیسا کہ کئی  
 آیتوں میں بعض کافروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمایا ہے۔ سورہ بقرہ (۷: ۷۷) اور پیچھے آیت نمبر ۲۹ میں یہی حقیقت  
 بیان فرمائی گئی ہے۔

﴿۱۵﴾ انسان جب پہلے پہل دنیا میں آیا، تو اُس نے اسی فطری صلاحیت سے کام لے کر دین حق کو اختیار کیا، لیکن پھر لوگوں نے  
 الگ الگ طریقے اختیار کر کے اپنے آپ کو مختلف مذاہب میں بانٹ لیا۔ اسی کو دین کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور فرقوں میں بٹ  
 جانے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔



وَإِذَا مَسَّ النَّاسُ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا آذَاهُمْ مِنْهُ رَحْمَةٌ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ۝۳۲ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۖ فَتَسْتَعِزُّوا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝۳۳ أَمْ أَنْزَلْنَاهُ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ۝۳۴ وَإِذَا آذَيْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ۝۳۵ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝۳۶ قَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالسُّكَّانَ وَابْنَ السَّبِيلِ ۖ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝۳۷

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف چھو جاتی ہے تو وہ اپنے پروردگار سے لولگا کر اُسی کو پکارتے ہیں، پھر جب وہ اپنی طرف سے انہیں کسی رحمت کا ذائقہ چکھا دیتا ہے، تو اُن میں سے کچھ لوگ یکا یک اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں، ۳۳ تاکہ ہم نے انہیں جو کچھ دیا تھا، اُس کی ناشکری کریں۔ اچھا! کچھ مزے اُڑالو، پھر وہ وقت دُور نہیں جب تمہیں سب پتہ چل جائے گا۔ ۳۴ بھلا کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے جو اُس شرک کا ارتکاب کرنے کو کہتی ہو جو یہ اللہ کے ساتھ کرتے رہے ہیں؟ ۳۵ اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر اتر اجاتے ہیں، اور اگر انہیں خود اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے کوئی برائی پہنچ جائے تو ذرا سی دیر میں وہ مایوس ہونے لگتے ہیں۔ ۳۶ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہے) تنگ کر دیتا ہے۔ ۳۷ اس میں یقیناً اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو ایمان لائیں۔ ۳۸

لہذا تم رشتہ دار کو اُس کا حق دو، اور مسکین اور مسافر کو بھی ۳۹ جو لوگ اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں، اُن کے لئے یہ بہتر ہے، اور وہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ ۴۰

(۱۶) یعنی تنگی کے مواقع پر مایوس ہو کر اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرنے کے بجائے اول تو یہ سمجھنا چاہئے کہ وسعت اور تنگی کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت فرماتا ہے جو ضروری نہیں کہ ہر ایک کی خواہشات کے مطابق ہو، یا اُس کی سمجھ میں بھی آجائے، دوسرے چونکہ وسعت اور تنگی اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں، اس لئے تنگی کے مواقع پر اُسی کی طرف رجوع کر کے اُسی سے مدد مانگنی چاہئے۔

(۱۷) پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ رزق تمام تر اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اس لئے جو کچھ اُس نے عطا فرمایا ہے، وہ اُسی کے حکم اور ہدایت کے مطابق خرچ ہونا چاہئے، لہذا اُس میں غریبوں مسکینوں اور رشتہ داروں کے جو حقوق اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں، وہ اُن کو دینا ضروری ہے، اور دیتے وقت یہ اندیشہ نہیں ہونا چاہئے کہ اس سے مال میں کمی آجائے گی، کیونکہ جیسا کہ پچھلی آیت میں فرمایا گیا، رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہے، وہ تمہیں حقوق کی ادائیگی کے بعد محروم نہیں فرمائے گا۔ چنانچہ آج تک نہیں دیکھا گیا کہ حقوق ادا کرنے کے نتیجے میں کوئی مفلس ہو گیا ہو۔



وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رَبِّ بِالْيَرْبِ بَوَافِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرُبُّوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكٰوٰةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿٢٩﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُعِيْتْكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۚ هَلْ مِنْ شُرَكَآءِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ۖ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿٣٠﴾

اور یہ جو تم سود دیتے ہو تا کہ وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھ جائے تو وہ اللہ کے نزدیک بڑھتا نہیں ہے، اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ارادے سے دیتے ہو، تو جو لوگ بھی ایسا کرتے ہیں وہ ہیں جو (اپنے مال کو) کئی گنا بڑھا لیتے ہیں۔ ﴿۲۹﴾ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر اُس نے تمہیں رزق دیا، پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے، پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ جن کو تم نے اللہ کا شریک مانا ہوا ہے، کیا اُن میں سے کوئی ہے جو ان میں سے کوئی کام کرتا ہو؟ پاک ہے وہ اور بہت بالا و برتر اُس شرک سے جس کا ارتکاب یہ لوگ کرتے ہیں۔ ﴿۳۰﴾

﴿۱۸﴾ واضح رہے کہ سورہ روم کی یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی، اور یہ پہلی آیت ہے جس میں سود کی مذمت کی گئی ہے، اُس وقت تک سود کو واضح لفظوں میں حرام نہیں کیا گیا تھا، لیکن اشارہ فرما دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سود کی آمدنی بڑھتی نہیں، یعنی سود لینے والا لیتا تو اسی ارادے سے ہے کہ اُس سے اُس کی دولت بڑھے گی، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑھتی نہیں ہے، کیونکہ اوّل تو دنیا میں بھی حرام مال اگرچہ گنتی میں بڑھ جائے، لیکن اُس میں برکت نہیں ہوتی، مال و دولت کا اصل فائدہ تو یہ ہے کہ انسان کو اس سے آرام و راحت نصیب ہو، لیکن حرام آمدنی کی گنتی بڑھانے والے بکثرت دنیا میں بھی پریشانیوں کا شکار رہتے ہیں، اور انہیں راحت نصیب نہیں ہوتی۔ دوسرے دولت کی یہ بڑھوتری آخرت میں کچھ کام نہیں آتی، اس کے برخلاف صدقات آخرت میں کام آتے ہیں۔ اسی حقیقت کو سورہ بقرہ میں (۲: ۲۷۶) میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے، اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

واضح رہے کہ اس آیت میں ”ربا“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے مشہور معنی ”سود“ کے ہیں۔ لیکن اس کے ایک معنی اور ہیں، اور وہ یہ کہ کوئی شخص اس نیت سے کسی کو کوئی تحفہ دے کہ وہ اُس کو اُس سے زیادہ قیمتی تحفہ دے گا، مثلاً شادی بیاہ کے موقع پر ”نیوتہ“ کی جو رسم ہوتی ہے، اُس کا یہی مقصد ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت سے مفسرین نے یہاں ”ربا“ کے یہی معنی مراد لئے ہیں اور فرمایا ہے کہ اس آیت میں ”نیوتہ“ کی رسم کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اس قسم کا تحفہ جس کا مقصد زیادہ قیمتی تحفہ حاصل کرنا ہو، اُس کو سورہ مدثر (آیت نمبر ۶) میں بھی ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

﴿۱۹﴾ سورہ آل عمران (۳: ۲۶۱) میں فرمایا گیا ہے کہ صدقے کا ثواب سات سو گنا ملتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتے ہیں، مزید اضافہ فرما دیتے ہیں۔



ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٣١﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۖ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿٣٢﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَدِيمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يُصَدِّعُونَ ﴿٣٣﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا نَفْسَ لَهُ يَهْدِيهِ يَوْمَئِذٍ ۖ ﴿٣٤﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ ۖ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿٣٥﴾

لوگوں نے اپنے ہاتھوں جو کمائی کی، اُس کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیلا، تاکہ انہوں نے جو کام کئے ہیں اللہ اُن میں سے کچھ کا مزہ انہیں چکھائے، شاید وہ باز آجائیں۔ ﴿۳۱﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ”زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ جو لوگ پہلے گزرے ہیں، اُن کا کیسا انجام ہوا۔ اُن میں سے اکثر مشرک تھے۔“ ﴿۳۲﴾ لہذا تم اپنا رخ صحیح دین کی طرف قائم رکھو، قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس کے ٹلنے کا اللہ کی طرف سے کوئی امکان نہیں ہے۔ اُس دن لوگ الگ الگ ہو جائیں گے۔ ﴿۳۳﴾ جس نے کفر کیا ہے، اُس کا کفر اُسی پر پڑے گا، اور جن لوگوں نے نیک عمل کیا ہے، وہ اپنے لئے ہی راستہ بنا رہے ہیں، نتیجہ یہ کہ اللہ اُن لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے گا جو ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں۔ یقیناً اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۳۴﴾

(۲۰) مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں جو عام مصیبتیں لوگوں پر آئیں، مثلاً قحط، وبائیں، زلزلے، ظالموں کا تسلط، ان سب کا اصل سبب یہ تھا کہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی، اور اس طرح یہ مصیبتیں اپنے ہاتھوں مول لیں، اور ان کا ایک مقصد یہ تھا کہ ان مصائب سے دوچار ہو کر لوگوں کے دل کچھ نرم پڑیں، اور وہ اپنے بُرے اعمال سے باز آئیں۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ دُنوی مصیبتوں کا بعض اوقات کوئی ظاہری سبب بھی ہوتا ہے جو کائنات کے طبعی قوانین کے مطابق اپنا اثر دکھاتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ وہ سبب بھی اللہ تعالیٰ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے، اور اُس کو کسی خاص وقت یا خاص جگہ پر موثر بنادینا اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت سے ہوتا ہے، اور عموماً اُس کی بنیادی وجہ انسانوں کی بد اعمالیاں ہوتی ہیں۔ اس طرح آیت کریمہ یہ سبق دے رہی ہے کہ عام مصیبتوں کے وقت، چاہے وہ ظاہری اسباب کے ماتحت وجود میں آئی ہوں، اپنے گناہوں پر استغفار اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔



وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَّاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيَذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلُكُ بِأَمْرِهِ  
وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ  
فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَاذْتَقَنَّا مِنَ الَّذِينَ أَجْرُمُوا ۖ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۷﴾  
اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَّاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسْفًا  
فَاتْرَى الْوُدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۚ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ  
يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۳۸﴾ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمُبْلِسِينَ ﴿۳۹﴾

اور اُس (اللہ کی قدرت) کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے جو (بارش کی) خوشخبری لے کر آتی ہیں، اور اس لئے بھیجتا ہے تاکہ تمہیں اپنی رحمت کا کچھ مزہ چکھائے، اور تاکہ کشتیاں اُس کے حکم سے پانی میں چلیں، اور تم اُس کا فضل تلاش کرو، اور شکر ادا کرو۔ ﴿۳۶﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر اُن کی قوموں کے پاس بھیجے، چنانچہ وہ اُن کے پاس کھلے کھلے دلائل لے کر آئے۔ پھر جنہوں نے جرائم کا ارتکاب کیا تھا، ہم نے اُن سے انتقام لیا، اور ہم نے یہ ذمہ داری لی تھی کہ ایمان والوں کی مدد کریں۔ ﴿۳۷﴾ اللہ ہی وہ ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے، چنانچہ وہ بادل کو اٹھاتی ہیں، پھر وہ اُس (بادل) کو جس طرح چاہتا ہے، آسمان میں پھیلا دیتا ہے، اور اُسے کئی تہوں (والی گھاٹ) میں تبدیل کر دیتا ہے۔ تب تم دیکھتے ہو کہ اُس کے درمیان سے بارش برس رہی ہے۔ چنانچہ جب وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے، وہ بارش پہنچاتا ہے تو وہ اچانک خوشی منانے لگتے ہیں، ﴿۳۸﴾ حالانکہ اس سے پہلے جب تک اُن پر بارش نہیں برساتی گئی تھی، وہ نا اُمید ہو رہے تھے۔ ﴿۳۹﴾

﴿۳۶﴾ ہوائیں چلانے کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ وہ بارش کی خوشخبری لاتی ہیں، اور بادلوں کو اٹھا کر پانی برسانے کا سبب بنتی ہیں، اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ وہ سمندروں اور دریاؤں میں کشتیوں کو چلاتی ہیں، بادبانی کشتیوں کا تو سارا دار و مدار ہی ہواؤں پر ہوتا ہے، لیکن مشینی جہاز بھی ہوا کی مدد سے بے نیاز نہیں ہوتے۔ اور سمندروں میں کشتیاں چلانے کا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ اُس کے ذریعے لوگ اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کریں، جیسا کہ بار بار عرض کیا گیا، ”اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنا“ قرآن کریم کی ایک اصطلاح ہے جس سے مراد تجارت اور روزگار کے دوسرے ذرائع اختیار کرنا ہے۔ لہذا قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے کہ اگر یہ ہوائیں نہ ہوں جن سے کشتیاں اور جہاز سمندروں میں چلنے کے لائق ہوتے ہیں، تو تمہاری ساری تجارت ٹھپ ہو کر رہ جائے، کیونکہ ساری بین الاقوامی تجارت کا دار و مدار پانی کے جہازوں پر ہی ہوتا ہے۔



فَانْظُرْ اِلَىٰ اَثْرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَیِّنْ اُرْسَلْنَا رَیْحًا فَرَاوًا مُّصَفَّرًا اَظْلُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا یُكْفَرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا اَنْتَ بِهٰذَا الْعُنٰی عَنْ صَلَاتِهِمْ ۚ اِنَّ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشِیْبَةً ۚ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾ وَیَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لِبَشَرٍ اٰخِرَ سَاعَةٍ ۚ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُفْکَرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ ۚ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

اب ذرا اللہ کی رحمت کے اثرات دیکھو کہ وہ زمین کو اُس کے مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندگی بخشتا ہے! حقیقت یہ ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ ﴿۵۰﴾ اور اگر ہم (نقصان دہ) ہوا چلا دیں جس کے نتیجے میں وہ اپنے کھیت کو پیلا پڑا ہوا دیکھیں تو اس کے بعد یہ ناشکری کرنے لگیں۔ ﴿۵۱﴾ غرض (اے پیغمبر!) تم مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے، اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہو جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں، ﴿۵۲﴾ اور نہ تم اندھوں کو اُن کی گمراہی سے نکال کر راستے پر ڈال سکتے ہو۔ تم تو اُنہی لوگوں کو اپنی بات سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں، پھر فرماں بردار بن جائیں۔ ﴿۵۳﴾ اللہ وہ ہے جس نے تمہاری تخلیق کی ابتدا کمزوری سے کی، پھر کمزوری کے بعد طاقت عطا فرمائی، پھر طاقت کے بعد (دوبارہ) کمزوری اور بڑھاپا طاری کر دیا۔ وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے، اور وہی ہے جس کا علم بھی کامل ہے، قدرت بھی کامل۔ ﴿۵۴﴾ اور جس دن قیامت برپا ہوگی، اُس دن مجرم لوگ قسم کھالیں گے کہ وہ (برزخ میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔ اسی طرح (دُنیا میں بھی) وہ اوندھے چلا کرتے تھے۔ ﴿۵۵﴾ جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا کیا گیا ہے، وہ کہیں گے کہ: ”تم اللہ کی لکھی ہوئی تقدیر کے مطابق حشر کے دن تک (برزخ میں) پڑے رہے ہو۔ اب یہ وہی حشر کا دن ہے، لیکن تم لوگ یقین نہیں کرتے تھے۔“ ﴿۵۶﴾

(۲۲) قرآن کریم میں جہاں کہیں ”ریاح“ (ہوائیں) کا لفظ جمع کے صیغے میں آیا ہے، اُس سے مراد فائدہ مند ہوائیں ہیں، اور

جہاں ”ریح“ (ہوا) مفرد آیا ہے، وہاں اُس سے مراد نقصان دہ ہوا ہے۔

(۲۳) یعنی وہ اندھے جو کسی کی رہنمائی قبول نہ کریں۔



فَيَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَمْعَادُ رِثَتِهِمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۵۵﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي  
هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۖ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِآيَةٍ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا  
مُبْطِلُونَ ﴿۵۶﴾ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۷﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ  
وَلَا يَسْتَخِفُّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ۚ

چنانچہ جن لوگوں نے ظلم کی راہ اپنائی تھی، اُس دن اُن کی معذرت انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی، اور نہ اُن سے یہ کہا جائے گا کہ اللہ کی ناراضی دُور کرو۔ ﴿۵۵﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کو سمجھانے) کی خاطر ہر قسم کی باتیں بیان کی ہیں۔ اور (اے پیغمبر!) اُن کا حال یہ ہے کہ تم ان کے پاس کوئی بھی نشانی لے آؤ، یہ کافر لوگ پھر بھی یہی کہیں گے کہ تم کچھ بھی نہیں، بالکل غلط کار ہو۔ ﴿۵۶﴾ اللہ اسی طرح اُن لوگوں کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیتا ہے جو سمجھ سے کام نہیں لیتے۔ ﴿۵۷﴾ لہذا (اے پیغمبر!) تم صبر سے کام لو، یقین جانو اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور ایسا ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ جو لوگ یقین نہیں کرتے، اُن کی وجہ سے تم ڈھیلے پڑ جاؤ۔ ﴿۵۸﴾

الحمد للہ! آج شب جمعہ ۶ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۲ جون ۲۰۰۷ء کورات کے بارہ بجے  
دوحہ (قطر) ایئرپورٹ پر سورہ روم کا ترجمہ اور تشریحی حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی  
بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل تک  
پہنچائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ لُقْمَانَ

## تعارف

یہ سورت بھی مکہ مکرمہ کے اُس دور میں نازل ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے بارے میں کفارِ مکہ کی مخالفت اپنے شباب پر تھی، اور کافروں کے سردار حیلوں بہانوں اور پر تشدد کارروائیوں سے اسلام کی نشر و اشاعت کا راستہ روکنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ قرآن کریم کا اثر انگیز اُسلوب جب لوگوں کے دلوں پر اثر انداز ہوتا تو وہ اُن کی توجہ اُس سے ہٹانے کے لئے اُنہیں قصے کہانیوں اور شعر و شاعری میں الجھانے کی کوشش کرتے تھے جس کا تذکرہ اس سورت کے شروع (آیت نمبر ۶) میں کیا گیا ہے۔ حضرت لقمان اہل عرب کے ایک بڑے عقل مند اور دانشور کی حیثیت سے مشہور تھے۔ اُن کی حکیمانہ باتوں کو اہل عرب بڑا وزن دیتے تھے، یہاں تک کہ شاعروں نے اپنے اشعار میں اُن کا ایک حکیم کی حیثیت سے تذکرہ کیا ہے۔ قرآن کریم نے اس سورت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ لقمان جیسے حکیم اور دانشور جن کی عقل و حکمت کا تم بھی لوہا مانتے ہو، وہ بھی توحید کے قائل تھے، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک ماننے کو ظلمِ عظیم قرار دیا تھا، اور اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ تم کبھی شرک مت کرنا۔ اس ضمن میں اس سورت نے اُن کی اور بھی کئی قیمتی نصیحتیں ذکر فرمائی ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ دوسری طرف مکہ مکرمہ کے مشرکین کا حال یہ تھا کہ وہ اپنی اولاد کو توحید اور نیک عمل کی نصیحت تو کیا کرتے، اُنہیں شرک پر مجبور کرتے تھے، اور اگر اُن کی اولاد میں سے کوئی مسلمان ہو جاتا تو اُس پر دباؤ ڈالتے تھے کہ وہ دوبارہ شرک کو اختیار کر لے۔ اس مناسبت سے حضرت لقمان کی نصیحتوں کے درمیان (آیات نمبر ۱۴ و ۱۵ میں) اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر وہ اُصول بیان فرمایا ہے جو پیچھے سورہ عنکبوت (۸:۲۹) میں بھی گزرا ہے کہ والدین کی عزت اور اطاعت اپنی جگہ، لیکن اگر وہ اپنی اولاد کو شرک اختیار کرنے کے لئے دباؤ ڈالیں تو ان کا کہنا ماننا جائز نہیں۔ اس کے علاوہ یہ سورت توحید کے دلائل اور آخرت کی یاد دہانی کے مؤثر مضامین پر مشتمل ہے۔



﴿ آیاتھا ۳۲ ﴾ ﴿ سُورَةُ لُقْمٰنْ مَكِّيَّةٌ ۵۷ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۴ ﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلَمْ ۙ تِلْكَ اٰیَةُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ۙ ۱ ۙ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ۙ ۲ ۙ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ ۙ ۳ ۙ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۙ ۴ ۙ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهٗوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۙ وَ یَتَّخِذَ هَٰهٗزًا ۙ ۵ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۙ ۶ ۙ وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا وَّلٰی مُسْتَكْبِرًا ۙ ۷ ۙ اِذَا لَمْ یَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِیْ اُذُنِیْهِ وَقْرًا ۙ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۙ ۸ ۙ

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چونتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اَلَمْ۔ ۱۔ یہ اُس حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں، ۲۔ جو نیک لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت بن کر آئی ہے، ۳۔ وہ نیک لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں۔ ۴۔ وہی ہیں جو اپنے پروردگار کی طرف سے سیدھے راستے پر ہیں، اور وہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ ۵۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ سے غافل کرنے والی باتوں کے خریدار بنتے ہیں، تاکہ اُن کے ذریعے لوگوں کو بے سمجھے ہو جھے اللہ کے راستے سے بھٹکائیں، اور اُس کا مذاق اڑائیں۔ ان لوگوں کو وہ عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ ۶۔ اور جب ایسے شخص کے سامنے ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ پورے تکبر کے ساتھ منہ موڑ لیتا ہے، جیسے اُنہیں سنا ہی نہیں، گویا اُس کے دونوں کانوں میں بہرا پن ہے۔ لہذا اُس کو ایک دُکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ ۷۔

(۱) جیسا کہ اوپر سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، قرآن کریم کی تاثیر ایسی تھی کہ جو لوگ ابھی ایمان نہیں لائے تھے، وہ بھی چھپ چھپ کر قرآن کریم سنا کرتے تھے جس کے نتیجے میں بعض لوگ اسلام قبول بھی کر لیتے تھے۔ کافروں کے سردار اس صورت حال کو اپنے لئے ایک خطرہ سمجھتے تھے، اس لئے چاہتے تھے کہ قرآن کریم کے مقابلے میں کوئی ایسی دلچسپ صورت پیدا کریں کہ لوگ قرآن کریم کو سننا بند کر دیں۔ اسی کوشش میں مکہ مکرمہ کا ایک تاجر نضر بن حارث جو اپنی تجارت کے لئے غیر ملکوں کا سفر کیا کرتا تھا، ایران سے وہاں کے بادشاہوں کے قصوں پر مشتمل کتابیں خرید لایا، اور بعض روایات میں ہے کہ وہ وہاں سے ایک گانے والی کنیز بھی خرید کر لایا، اور لوگوں سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں، میں تمہیں اُن سے زیادہ دلچسپ قصے اور گانے سناؤں گا۔ چنانچہ لوگ اس کے گرد اکٹھے ہونے لگے۔ یہ آیت اس واقعے کی طرف اشارہ کر رہی ہے، نیز اس میں یہ اصول بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر وہ دل بہلانے کا مشغلہ جو انسان کو اپنے دینی فرائض سے غافل اور بے پروا کرے، ناجائز ہے۔ کھیل اور دل بہلانے کے صرف وہ مشغلے جائز ہیں جن میں کوئی فائدہ ہو، مثلاً جسمانی یا ذہنی ورزش، یا تھکن دُور کرنا، اور جن کی وجہ سے نہ کسی کو کوئی تکلیف پہنچے، اور نہ وہ انسان کو اپنے دینی فرائض سے غافل کریں۔



إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ ۝ خُلِدُوا فِيهَا وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَآلَتْ فِي الْأَرْضِ رَاسِي أَنْ تُمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۖ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۝ هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۖ بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنْ اشْكُرْ لِلَّهِ ۖ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَسِيدٌ ۝ وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۖ حَسَنَةً أُمُّهُ وَهُنَّاءٌ عَلَى وَهْنٍ وَفِصْلُہٗ فِي عَمَيْنِ أَنْ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ۖ إِلَى الْمَصِيرِ ۝

البتہ جو لوگ ایمان لے آئے، اور انہوں نے نیک عمل کئے اُن کے لئے نعمتوں کے باغات ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے، اور وہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ اُس نے آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر پیدا کیا جو تمہیں نظر آسکیں، اور زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے ہیں، تاکہ وہ تمہیں لے کر ڈگمگائے نہیں، اور اُس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے ہیں۔ اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس (زمین) میں ہر قابلِ قدر قسم کی نباتات اُگائیں۔ یہ ہے اللہ کی تخلیق! اب ذرا مجھے دکھاؤ کہ اللہ کے سوا کسی نے کیا پیدا کیا؟ بات دراصل یہ ہے کہ یہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

اور ہم نے لقمان کو دانائی عطا کی تھی، (اور اُن سے کہا تھا) کہ اللہ کا شکر کرتے رہو۔ اور جو کوئی اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، وہ خود اپنے فائدے کے لئے شکر کرتا ہے، اور اگر کوئی ناشکری کرے تو اللہ بڑا بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف! اور وہ وقت یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ: ”میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ یقیناً جانو شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔“ اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے بارے میں یہ تاکید کی ہے — (کیونکہ) اُس کی ماں نے اُسے کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے پیٹ میں رکھا، اور دو سال میں اُس کا دودھ چھوٹا ہے — کہ تم میرا شکر ادا کرو، اور اپنے ماں باپ کا۔ میرے پاس ہی (تمہیں) لوٹ کر آنا ہے۔

(۲) آسمانوں کا پورا نظام کسی ایسے ستونوں پر نہیں کھڑا جو انسان کو نظر آسکیں، بلکہ اُسے اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کے سہارے قائم فرمایا ہے جو معنوی ستون ہیں، نظر نہیں آتے۔ آیت کی یہ تفسیر حضرت مجاہدؒ سے منقول ہے، جیسا کہ سورہ رعد (۲: ۱۳) میں بھی گزر چکا ہے۔



(۳) یہ مضمون بھی قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے کہ زمین کو پانی پر ڈگمگانے سے بچانے کے لئے پہاڑ پیدا کئے گئے ہیں۔ دیکھئے پیچھے سورۃ رعد (۳:۱۳)، سورۃ حجر (۱۹:۱۵)، سورۃ نحل (۱۵:۱۶)، سورۃ انبیاء (۳۱:۲۱) اور سورۃ نمل (۶۱:۲۷) اور آگے سورۃ حم السجدہ (۱۰:۴۱)، سورۃ ق (۷۰:۷۰) اور سورۃ مرسلات (۷۷:۷۷)۔

(۴) حضرت لقمان کے بارے میں رائج بات یہی ہے کہ وہ نبی نہیں، بلکہ ایک دانشمند شخص تھے۔ وہ کس زمانے میں تھے؟ اور کس علاقے کے باشندے تھے، اس کے بارے میں بھی روایات بہت مختلف ہیں جن سے کوئی حتمی نتیجہ نکالنا مشکل ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ یمن کے باشندے تھے، اور حضرت ہود علیہ السلام کے جو ساتھی عذاب سے بچ گئے تھے، اُن میں یہ بھی شامل تھے، اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ حبشہ سے تعلق رکھتے تھے، لیکن قرآن کریم نے اُن کا جس غرض سے تذکرہ فرمایا ہے، وہ ان تفصیلات کے جاننے پر موقوف نہیں ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ عرب کے لوگ اُن کو ایک عظیم دانشور سمجھتے تھے، اور اُن کی حکمت کی باتیں اُن کے درمیان مشہور تھیں۔ جاہلیت کے زمانے کے کئی شعراء نے اُن کا تذکرہ کیا ہے۔ لہذا اُن کی باتیں بجا طور پر ان اہل عرب کے سامنے حجت کے طور پر پیش کی جاسکتی تھیں۔

(۵) بعض اوقات اللہ تعالیٰ پیغمبروں کے علاوہ اپنے خاص بندوں پر بھی الہام فرماتے ہیں جو انبیائے کرام پر نازل ہونے والی وحی کی طرح تو حجت نہیں ہوتا، لیکن اُس کے ذریعے عام ہدایات دی جاتی ہیں جو وحی کے کسی حکم کے خلاف نہ ہوں۔

(۶) ”ظلم“ کے معنی یہ ہیں کسی کا حق چھین کر دوسرے کو دے دیا جائے۔ شرک اس لحاظ سے واضح طور پر بہت بڑا ظلم ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کا خالص حق ہے، شرک کرنے والے اللہ تعالیٰ کا یہ حق اُس کو ادا کرنے کے بجائے خود اُسی کے بندوں اور اُسی کی مخلوقات کو دیتے ہیں۔

(۷) یہ حضرت لقمان کی نصیحتوں کے درمیان ایک جملہ معترضہ ہے جو اس مناسبت سے لایا گیا ہے کہ حضرت لقمان تو اپنے بیٹے کو شرک سے بچنے اور توحید کا عقیدہ رکھنے کی تاکید کر رہے تھے، دوسری طرف مکہ مکرمہ کے بعض مشرکین، جو حضرت لقمان کو ایک دانش مند شخص سمجھتے تھے، جب اُن کی اولاد نے توحید کا عقیدہ اختیار کیا تو وہ انہیں دوبارہ شرک اختیار کرنے پر زور دے رہے تھے، اور اولاد پریشان تھی کہ وہ ان ماں باپ کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو یہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے ہی انسان کو یہ تاکید کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے والدین کا بھی شکر ادا کرے، کیونکہ اگرچہ اُسے پیدا تو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، لیکن ظاہری اسباب میں والدین ہی اُس کا سبب بنے ہیں۔ پھر والدین میں سے بھی خاص طور پر ماں کی مشقتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ کتنی محنت سے اُس نے بچے کو پیٹ میں اٹھائے رکھا، اور دو سال تک اُسے دودھ پلایا، اور بچے کی پرورش میں دودھ پلانے کا زمانہ ماں کے لئے سب سے زیادہ محنت کا ہوتا ہے۔ اس لئے ماں بطور خاص اولاد کی طرف سے اچھے سلوک کی مستحق ہے۔ لیکن اس اچھے سلوک کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان اپنے دین اور عقیدے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کے بجائے ماں باپ کا حکم ماننا شروع کر دے۔ اسی لئے اس آیت میں والدین کا شکر ادا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنا شکر ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے، کیونکہ والدین تو صرف ایک ذریعہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی پرورش کے لئے پیدا کر دیا ہے، ورنہ خالق حقیقی تو خود اللہ تعالیٰ ہیں، لہذا ایک ذریعے کی اہمیت کو خالق حقیقی کی اہمیت سے بڑھایا نہیں جاسکتا۔



وَإِنْ جَاهَدَكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهَا فِي الدُّنْيَا  
مَعْرُوفٌ ۖ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَىَّ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۵﴾  
يُنَبِّئُهَا اللَّهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿۶﴾ يُنَبِّئُ أَقِيمِ الصَّلَاةَ وَارْزُقْ بِالْمَعْرُوفِ وَأَنَّهُ عَنِ  
الْمُنْكَرِ وَأَصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ  
وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿۸﴾ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ  
وَاعْصُصْ مِنْ صَوْتِكَ ۖ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴿۹﴾ أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ  
سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۖ وَمِنَ  
النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ ﴿۱۰﴾

اور اگر وہ تم پر یہ زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو (خدائی میں) شریک قرار دو جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں تو اُن کی بات مت مانو، اور دُنیا میں اُن کے ساتھ بھلائی سے رہو، اور ایسے شخص کا راستہ اپناؤ جس نے مجھ سے لو لگا رکھی ہو۔<sup>(۸)</sup> پھر تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، اُس وقت میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔<sup>(۵)</sup> (لقمان نے یہ بھی کہا: ”بیٹا! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر بھی ہو، اور وہ کسی چٹان میں ہو، یا آسمانوں میں یا زمین میں، تب بھی اللہ اُسے حاضر کر دے گا۔ یقین جانو اللہ بڑا باریک بین، بہت باخبر ہے۔“<sup>(۶)</sup> بیٹا! نماز قائم کرو، اور لوگوں کو نیکی کی تلقین کرو، اور برائی سے روکو، اور تمہیں جو تکلیف پیش آئے، اُس پر صبر کرو۔ بیشک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔<sup>(۷)</sup> اور لوگوں کے سامنے (غور سے) اپنے گال مت پھلاؤ، اور زمین پر اتراتے ہوئے مت چلو۔ یقین جانو اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔<sup>(۸)</sup> اور اپنی چال میں اعتدال اختیار کرو، اور اپنی آواز آہستہ رکھو۔ بیشک سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔“<sup>(۹)</sup>

کیا تم لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُسے اللہ نے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے، اور تم پر<sup>(۱۰)</sup> اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری پوری نچھاور کی ہیں؟ پھر بھی انسانوں میں سے کچھ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں بحثیں کرتے ہیں، جبکہ اُن کے پاس نہ کوئی علم ہے، نہ ہدایت ہے، اور نہ کوئی ایسی کتاب ہے جو روشنی دکھائے۔<sup>(۱۰)</sup>

(۸) یعنی دین کے معاملے میں اگر والدین کوئی غلط بات کہیں تو اُن کی بات ماننا تو جائز نہیں ہے، لیکن اُن کی بات رد کرنے کے



لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہئے جو اُن کے لئے تکلیف دہ ہو، یا جس سے وہ اپنی توہین محسوس کریں، بلکہ نرم الفاظ میں اُن کو بتادینا چاہئے کہ میں آپ کی یہ بات ماننے سے معذور ہوں۔ اور صرف اتنا ہی نہیں، اپنے عام برتاؤ میں بھی اُن کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرتے رہنا چاہئے، مثلاً اُن کی خدمت کرنا، اُن کی مالی امداد کرنا، وہ بیمار ہو جائیں تو اُن کی تیمارداری کرنا، وغیرہ۔

(۹) چونکہ والدین غلط راستے پر ہیں، اس لئے اُن کا غلط راستہ اپنانا جائز نہیں، بلکہ راستہ اُنہی کا اپنانا چاہئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق قائم کیا ہوا ہو، یعنی وہ اُسی کی عبادت اور اطاعت کرتے ہوں۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دین پر عمل بھی صرف اپنی سمجھ اور رائے سے نہیں کرنا چاہئے، بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ جن لوگوں کے بارے میں یہ بات واضح طور پر معلوم ہے کہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے لو لگائی ہوئی ہے اُن کو دیکھنا چاہئے کہ اُنہوں نے دین پر کس طرح عمل کیا، اور پھر اُنہی کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے، اور بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ قرآن و حدیث کے صرف ذاتی مطالعے کی بنیاد پر کوئی ایسا نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے جو اُمت کے علماء اور بزرگوں کی تشریح کے خلاف ہو۔

(۱۰) یہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا بیان ہے۔ جو لوگ آخرت کا انکار کرتے تھے، وہ یہ کہا کرتے تھے کہ جب انسان کے مرنے کے بعد اُس کے سارے اجزاء منتشر ہو جائیں گے تو اُنہیں کیسے جمع کیا جاسکے گا؟ حضرت لقمان نے بیٹے کو بتایا کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا ذرہ بھی زمین و آسمان کی کسی بھی پوشیدہ جگہ چلا جائے، وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اور وہ اُسے نکال لانے پر پوری طرح قادر ہے۔ یاد رہے کہ جب کسی شخص کی کوئی چیز گم ہو جائے، تو اُسے تلاش کرنے کے لئے بعض بزرگوں نے بتایا ہے کہ گیارہ مرتبہ ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ پڑھ کر سورہ لقمان کی یہ آیت تلاوت کی جاتی رہے تو عموماً وہ گمشدہ چیز مل جاتی ہے۔ بندہ نے بھی اس کا درجنوں بار تجربہ کیا ہے۔

(۱۱) یعنی انسان کو درمیانی رفتار سے چلنا چاہئے، رفتار نہ اتنی تیز ہو کہ بھاگنے کے قریب پہنچ جائے، اور نہ اتنی آہستہ کہ سستی میں داخل ہو جائے۔ یہاں تک کہ جب کوئی شخص جماعت سے نماز پڑھنے جا رہا ہو تو اُس کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھاگنے سے منع فرما کر وقار اور سکون کے ساتھ چلنے کی تاکید فرمائی ہے۔

(۱۲) آواز آہستہ رکھنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ انسان اتنا آہستہ بولے کہ سننے والے کو وقت پیش آئے، بلکہ مراد یہ ہے کہ جن کو سنانا مقصود ہے، اُن تک تو آواز وضاحت کے ساتھ پہنچ جائے، لیکن اس سے زیادہ چیخ چیخ کر بولنا اسلامی آداب کے خلاف ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص درس دے رہا ہو، یا وعظ کر رہا ہو، تو اُس کی آواز اتنی ہی بلند ہونی چاہئے جتنی اُس کے مخاطبوں کو سننے سمجھنے کے لئے ضرورت ہے۔ اُس سے زیادہ آواز بڑھانے کو بھی اس آیت کے تحت بزرگوں نے منع فرمایا ہے۔ اس حکم پر خاص طور سے اُن حضرات کو غور کرنے کی ضرورت ہے جو بلا ضرورت لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کر کے لوگوں کے لئے تکلیف کا باعث بنتے ہیں۔

(۱۳) حضرت لقمان کی بنیادی نصیحت میں توحید پر جو زور دیا گیا تھا، اب اُس کے وہ دلائل بیان فرمائے جا رہے ہیں جو اس کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں، اور انسان ذرا غور کرے تو اُن سے اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کے سوا کوئی اور نتیجہ معقولیت کے ساتھ نہیں نکالا جاسکتا۔



وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا آبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۚ (۲۱) وَمَنْ يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ ۖ وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۚ (۲۲) وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنكَ كُفْرُهُ ۖ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۚ (۲۳) نُنَبِّئُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۚ (۲۴) وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۚ (۲۵) لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۚ (۲۶) وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۚ (۲۷)

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ: ”اُس چیز کی اتباع کرو جو اللہ نے اُتاری ہے“ تو وہ کہتے ہیں: ”نہیں، بلکہ ہم تو اُس طریقے کے پیچھے چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔“ بھلا اگر شیطان اُن (باپ دادوں) کو بھڑکتی آگ کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو، کیا تب بھی (وہ اُنہی کے پیچھے چلیں گے؟) (۲۱) اور جو شخص فرماں بردار بن کر اپنا رُخ اللہ کی طرف کر دے، اور نیک عمل کرنے والا ہو، تو اُس نے یقیناً بڑا مضبوط کنڈا تھام لیا۔ اور تمام کاموں کا آخری انجام اللہ ہی کے حوالے ہے۔ (۲۲) اور (اے پیغمبر!) جس کسی نے کفر اپنا لیا ہے، تمہیں اُس کا کفر صدے میں نہ ڈالے۔ آخر انہیں ہمارے پاس ہی تو لوٹنا ہے، پھر ہم انہیں بتائیں گے کہ انہوں نے کیا کیا ہے؟ یقیناً اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ (۲۳) ہم انہیں کچھ مزے اڑانے کا موقع دے رہے ہیں، پھر ہم انہیں ایک سخت عذاب کی طرف کھینچ کر لے جائیں گے۔ (۲۴) اور اگر تم ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ: ”اللہ!“ کہو: ”الحمد للہ!“ اس کے باوجود ان میں سے اکثر لوگ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔ (۲۵) اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، بیشک اللہ ہی ہے جو سب سے بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف۔ (۲۶) اور زمین میں جتنے درخت ہیں، اگر وہ قلم بن جائیں، اور یہ جو سمندر ہے، اُس کے علاوہ سات سمندر اس کے ساتھ اور مل جائیں، (اور وہ روشنائی بن کر اللہ کی صفات لکھیں) تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ (۲۷)

(۱۳) یعنی الحمد للہ! ان لوگوں نے اس حقیقت کا تو اعتراف کر لیا کہ اس کائنات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اس سے جو کھلا ہوا نتیجہ نکالنا چاہئے تھا کہ جب یہ کائنات تنہا اُسی نے پیدا کی ہے تو عبادت کے لائق بھی تنہا ہی ہے، اُس نتیجے تک پہنچنے کے لئے انہوں نے سمجھ سے کام نہیں لیا، اور اپنے باپ دادوں کی تقلید میں شرک اختیار کئے ہوئے ہیں۔



مَا خَلَقَكُمْ وَلَا بَعَثَكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةً ۖ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿۲۸﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ  
 اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ  
 مُّسَمًّى ۖ وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۹﴾ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ  
 الْبَاطِلُ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿۳۰﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ  
 لِيُرِيَكُمْ مِنْ آيَاتِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۳۱﴾ وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلُمِ  
 اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۖ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا  
 كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ﴿۳۲﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ  
 وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَانِبُ وَالِدِهِ شَيْئًا ۚ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۖ  
 وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغُرُورُ ﴿۳۳﴾ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي  
 الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ  
 إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۳۴﴾

تم سب کو پیدا کرنا اور دوبارہ زندہ کرنا (اللہ کے لئے) ایسا ہی ہے جیسے ایک انسان کو (پیدا کرنا اور دوبارہ زندہ کرنا)۔  
 یقیناً اللہ ہر بات سنتا، ہر چیز دیکھتا ہے۔ ﴿۲۸﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے، اور دن کو رات  
 میں داخل کر دیتا ہے، اور اُس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک کسی متعین میعاد تک رواں دواں ہے، اور  
 (کیا تمہیں یہ معلوم نہیں) کہ اللہ پوری طرح باخبر ہے کہ تم کیا کرتے ہو؟ ﴿۲۹﴾ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اللہ ہی کا وجود سچا  
 ہے، اور اس کے سوا جن (معبودوں) کو یہ (مشرک) پکارتے ہیں، وہ بے بنیاد ہیں، اور اللہ ہی وہ ہے جس کی شان بہت  
 اونچی ہے، جس کی ذات بہت بڑی۔ ﴿۳۰﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کشتیاں سمندر میں اللہ کی مہربانی سے چلتی ہیں، تاکہ وہ تمہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائے؟ یقیناً اس  
 میں ہر اُس شخص کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں جو صبر کا پکا، اعلیٰ درجے کا شکر گزار ہو۔ ﴿۳۱﴾ اور جب موجیں سائبانوں کی  
 طرح اُن پر چڑھ آتی ہیں تو وہ اللہ کو اس طرح پکارتے ہیں کہ اُس وقت اُن کا اعتقاد خالص اُسی پر ہوتا ہے۔ پھر جب وہ  
 اُن کو بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو اُن میں سے کچھ ہیں جو راہِ راست پر رہتے ہیں (باقی پھر شرک کرنے لگتے ہیں) اور  
 ہماری آیتوں کا انکار وہی شخص کرتا ہے جو پکا بدعہد، پر لے درجے کا ناشکر ہو۔ ﴿۳۲﴾ اے لوگو! اپنے پروردگار (کی ناراضی)



سے بچو، اور ڈرو اُس دن سے جب کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام نہیں آئے گا، اور نہ کسی بیٹے کی یہ مجال ہوگی کہ وہ اپنے باپ کے ذرا بھی کام آجائے۔ یقین جانو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اس لئے ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ یہ دُنیوی زندگی تمہیں دھوکے میں ڈال دے، اور ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ وہ (شیطان) تمہیں اللہ کے معاملے میں دھوکے میں ڈال دے جو سب سے بڑا دھوکا باز ہے۔ (۳۳)

یقیناً (قیامت کی) گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے، اور کسی تنفس کو یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ کل کیا کمائے گا، اور نہ کسی تنفس کو یہ پتہ ہے کہ کونسی زمین میں اُسے موت آئے گی۔ بیشک اللہ ہر چیز کا مکمل علم رکھنے والا، ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔ (۳۴)

الحمد للہ! سورہ لقمان کا ترجمہ اور تفسیری حواشی آج بروز منگل ۲۶ جون ۲۰۰۷ء مطابق ۱۰ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ کو مغرب سے ذرا پہلے جدہ، (سعودی عرب) میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا ترجمہ اور تشریح بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ السَّجْدَةِ

## تعارف

اس سورت کا مرکزی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد، یعنی توحید، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آخرت کا اثبات ہے۔ نیز جو کفار عرب ان عقائد کی مخالفت کرتے تھے، اس سورت میں اُن کے اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے، اور اُن کا انجام بھی بتایا گیا ہے۔ چونکہ اس سورت کی آیت نمبر ۱۵ سجدے کی آیت ہے، یعنی جو شخص بھی اس کی تلاوت کرے یا سنے، اس پر سجدہ تلاوت واجب ہے، اس لئے اس کا نام ”تنزیل السجدہ“ یا ”الم السجدہ“ یا صرف ”سورہ سجدہ“ رکھا گیا ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں بکثرت یہ سورت پڑھا کرتے تھے۔ اور مسند احمد (۳: ۳۴۰) کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ رات کو سونے سے پہلے دو سورتوں کی تلاوت ضرور فرماتے تھے، ایک سورہ تنزیل السجدہ اور دوسری سورہ ملک۔



آیتھا ۳۰ ﴿۳۲﴾ سُورَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ ۴۵ ﴿۳﴾ رُكُوعَاتُهَا ۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الَمْ ۱ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۲ اَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۳ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اَتَتْهُمْ مِنْ نَذِيرٍ ۴ مَنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۵ اَللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۶ مَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيعٍ ۷ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۸

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں تیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الَمْ ۱ رَبِّ الْعَالَمِينَ کی طرف سے یہ ایک ایسی کتاب اتاری جا رہی ہے جس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے۔ کیا لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ پیغمبر نے اسے خود گھڑ لیا ہے؟ نہیں! (اے پیغمبر!) یہ تو وہ حق ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے اس لئے آیا ہے کہ تم اس کے ذریعے اُن لوگوں کو خبردار کرو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا، تاکہ وہ صحیح راستے پر آجائیں۔ ۲ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن کے درمیان ساری چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر اُس نے عرش پر استواء فرمایا۔ ۳ اُس کے سوا نہ تمہارا کوئی رکھوالا ہے، نہ کوئی سفارشی ہے۔ کیا پھر بھی تم کسی نصیحت پر دھیان نہیں دیتے؟ ۴

(۱) مکہ مکرمہ میں جب سے بت پرستی شروع ہوئی، کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ انفرادی طور پر کچھ ایسے حضرات حق کی تعلیم و تبلیغ کرتے رہے ہیں جو نبی نہیں تھے، لیکن نبی کوئی نہیں آیا تھا۔

(۲) ”استواء“ کے لفظی معنی سیدھا ہونے اور بیٹھنے کے آتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے عرش پر استواء فرمانے کا صحیح مطلب ہماری فہم اور ادراک سے باہر ہے۔ اس لئے اس کی تفصیلات میں جانے کی نہ ضرورت ہے، نہ اُس کا کوئی یقینی نتیجہ نکل سکتا ہے۔ اتنا ایمان رکھنا کافی ہے کہ جو کچھ قرآن کریم نے فرمایا ہے، وہ برحق ہے۔

(۳) اہل عرب بتوں کی پوجا اس عقیدے سے کیا کرتے تھے کہ یہ بت اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش کر کے ہماری دُنیوی ضروریات پوری کریں گے۔ جیسا کہ سورہ یونس (۱۰: ۱۸) میں اللہ تعالیٰ نے اُن کا یہ عقیدہ بیان فرمایا ہے۔



يُدَبِّرُ الْأُمُورَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۝ ذَٰلِكَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ الَّذِي أَحْصَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۝ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝

وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر کام کا انتظام خود کرتا ہے، پھر وہ کام ایک ایسے دن میں اُس کے پاس اُپر پہنچ جاتا ہے جس کی مقدار تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار سال ہوتی ہے۔ ۵ وہ ہر چھپی اور کھلی چیز کا جاننے والا ہے، جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی رحمت بھی کامل۔ ۶ اُس نے جو چیز بھی پیدا کی، اُسے خوب بنایا، اور انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی۔ ۷ پھر اُس کی نسل ایک نچوڑے ہوئے حقیر پانی سے چلائی۔ ۸ پھر اُسے ٹھیک ٹھاک کر کے اُس میں اپنی رُوح پھونکی، اور (انسانو!) تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل پیدا کئے۔ تم لوگ شکر تھوڑا ہی کرتے ہو۔ ۹

(۴) اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے ایک ہزار سال کے برابر ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کی صحیح تشریح تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے متشابہات میں بھی شمار کیا ہے، لیکن دوسرے مفسرین کے مطابق اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے جو ایک ہزار سال کے برابر ہوگا، اور مطلب یہ ہے کہ جتنی مخلوقات کا انتظام اس وقت اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں، وہ سب آخر کار قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن اُمور کا فیصلہ فرماتے ہیں، اُن کی تنفیذ اپنے اپنے طے شدہ وقت پر ہوتی ہے، چنانچہ بعض اُمور کی تنفیذ میں انسانوں کی گنتی کے مطابق ایک ہزار سال بھی لگ جاتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ایک ہزار سال بھی کوئی بڑی مدت نہیں ہے، بلکہ ایک دن کے برابر ہے۔ چنانچہ جیسا کہ سورہ حج (۲۳: ۷۷) میں فرمایا گیا ہے، کفار کے سامنے جب یہ کہا جاتا تھا کہ ان کے کفر کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُنیا یا آخرت میں عذاب آئے گا تو وہ اس کا مذاق اُڑاتے تھے، اور کہتے تھے کہ اتنے دن گزر گئے، لیکن کوئی عذاب نہیں آیا، اگر واقعی عذاب آنا ہے تو ابھی کیوں نہیں آ جاتا؟ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ تو ضرور پورا ہوگا۔ رہا اُس کا وقت، تو وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمت کے مطابق متعین ہوگا۔ اور تم جو سمجھ رہے ہو کہ اس کے آنے میں بہت دیر ہوگئی ہے تو درحقیقت تم جس مدت کو ایک ہزار سال سمجھتے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے۔ اس آیت کی کچھ مزید تفصیل ان شاء اللہ سورہ معارج (۷۰: ۳) میں آئے گی۔



وَقَالُوا إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۖ بَلْ هُمْ بِلِقَائِ رَبِّهِمْ كَفِرُونَ ۝  
 قُلْ يَتَوَفَّيْكُمْ مَلَكَ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ۝ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ  
 الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ ۖ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَبِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا  
 إِنَّا مُوقِنُونَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًى وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ  
 مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا إِنَّا نَسِينَاكُمْ  
 وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا  
 خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”کیا جب ہم زمین میں رل کر کھو جائیں گے، تو کیا اُس وقت ہم کسی نئے جنم میں پیدا ہوں گے؟“ بات دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پروردگار سے جا ملنے کا انکار کرتے ہیں۔ ۱۰ کہہ دو کہ: ”تمہیں موت کا وہ فرشتہ پورا پورا وصول کر لے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، پھر تمہیں واپس تمہارے پروردگار کے پاس لے جایا جائے گا۔“ ۱۱ اور کاش تم وہ منظر دیکھو جب یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے (کھڑے) ہوں گے، (کہہ رہے ہوں گے کہ:) ”ہمارے پروردگار! ہماری آنکھیں اور ہمارے کان کھل گئے، اس لئے ہمیں (دُنیا میں) دوبارہ بھیج دیجئے، تاکہ ہم نیک عمل کریں۔ ہمیں اچھی طرح یقین آچکا ہے۔“ ۱۲ اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو (پہلے ہی) اُس کی ہدایت دے دیتے، لیکن وہ بات جو میری طرف سے کہی گئی تھی، طے ہو چکی ہے کہ: ”میں جہنم کو جنات اور انسانوں سب سے ضرور بھردوں گا۔“ ۱۳ اب (جہنم کا) مزہ چکھو کیونکہ تم نے اپنے اس دن کا سامنا کرنے کو بھلا ڈالا تھا۔ ہم نے (بھی) تمہیں بھلا دیا ہے۔ جو کچھ تم کرتے رہے ہو، اُس کے بدلے اب ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔ ۱۴ ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جن کا حال یہ ہے کہ جب انہیں ان آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں، اور اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے ہیں، اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ ۱۵

(۵) یعنی اگر اللہ تعالیٰ زبردستی لوگوں کو ہدایت پر لانا چاہتے تو وہ ضرور ایسا کر سکتے تھے، لیکن اس صورت میں وہ آزمائش نہ ہوتی جو انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے۔ انسان کی آزمائش تو اسی میں تھی کہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر پیغمبروں کی بات پر ایمان لائے۔ جنت اور جہنم کا آنکھ سے نظارہ کر لینے کے بعد اُس پر زبردستی ایمان لانے میں کوئی آزمائش نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اس آزمائش کی خاطر انسان کو پیدا کر کے ازل ہی میں یہ طے کر لیا تھا کہ جو لوگ عقل سے کام لے کر پیغمبروں کی اطاعت نہیں کریں گے، بلکہ اُن کو جھٹلائیں گے، اُن سے میں جہنم کو بھردوں گا۔  
 (۶) یہ سجدے کی آیت ہے جس کی تلاوت کرنے یا سننے سے سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔



تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿١٦﴾  
 فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٧﴾ أَفَمَن كَانَ  
 مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ ﴿١٨﴾ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ  
 الْمَأْوَى نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن  
 يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٢٠﴾  
 وَلَنذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾

اُن کے پہلو (رات کے وقت) اپنے بستروں سے جدا ہوتے ہیں وہ اپنے پروردگار کو ڈر اور اُمید (کے ملے جذبات) کے ساتھ پکار رہے ہوتے ہیں، اور ہم نے اُن کو جو رزق دیا ہے، وہ اس میں سے (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں۔ ﴿۱۶﴾ چنانچہ کسی تنفس کو کچھ پتہ نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان اُن کے اعمال کے بدلے میں چھپا کر رکھا گیا ہے۔ ﴿۱۷﴾ بھلا بتاؤ کہ جو شخص مؤمن ہو، کیا وہ اُس شخص کے برابر ہو جائے جو فاسق ہے؟ — (ظاہر ہے کہ) وہ برابر نہیں ہو سکتے۔ ﴿۱۸﴾ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کے لئے مستقل قیام کے باغات ہیں جو اُن کو پہلی مہمانی ہی کے طور پر دے دیئے جائیں گے، اُن اعمال کے صلے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿۱۹﴾ رہے وہ لوگ جنہوں نے نافرمانی کی ہے، تو اُن کے مستقل قیام کی جگہ جہنم ہے۔ جب بھی وہ اُس سے نکلنا چاہیں گے، انہیں وہیں واپس لوٹا دیا جائے گا، اور اُن سے کہا جائے گا کہ: ”آگ کے جس عذاب کو تم جھٹلایا کرتے تھے، اُس کا مزہ چکھو۔“ ﴿۲۰﴾ اور اُس بڑے عذاب سے پہلے بھی ہم انہیں کم درجے کے عذاب کا مزہ بھی ضرور چکھائیں گے، شاید یہ باز آجائیں۔ ﴿۲۱﴾

(۷) یعنی رات کے وقت وہ نمازیں پڑھتے ہیں۔ اس میں عشاء کی نماز بھی داخل ہے جو فرض ہے، اور تہجد کی نماز بھی جو سنت ہے۔  
 (۸) وہ اس بات سے ڈرتے بھی ہیں کہ ان کی عبادت میں جو قصور ہوا ہے، کہیں وہ نا منظور نہ ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ اُمید بھی رکھتے ہیں کہ وہ اُسے قبول فرما کر اجر و ثواب عطا فرمائے۔  
 (۹) یعنی خزانہ غیب میں ایسے نیک لوگوں کے لئے جو نعمتیں چھپی ہوئی ہیں، وہ انسان کے تصور سے بھی بلند ہیں۔  
 (۱۰) یعنی آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے اسی دنیا میں انسان کو چھوٹی چھوٹی مصیبتیں اس لئے پیش آتی ہیں کہ وہ اپنے طرزِ عمل پر نظر ثانی کر کے اپنے گناہوں سے باز آجائے۔ سبق یہ دیا گیا ہے کہ دنیا میں پیش آنے والی مصیبتوں کے وقت اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے اپنے گناہوں سے توبہ کرنی چاہئے، اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کرنی چاہئے۔



وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ ﴿٢٢﴾  
 وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهِ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي  
 إِسْرَءِيلَ ۖ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً يَّهْدُونَ بِأَمْرِنَا لِنَبْلُوهُمْ أَصَابُوا أَنَا آيَةً يَّهْدُونَ  
 يُؤْقِنُونَ ﴿٢٣﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُم يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٢٤﴾ أَوَلَمْ  
 يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْقُرُونِ يَيسُّونَ فِي مَسْكِنِهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۚ أَفَلَا  
 يَسْمَعُونَ ﴿٢٥﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرْزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زُرْعًا تَأْكُلُ  
 مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَانْفُسُهُمْ ۚ أَفَلَا يُبْصِرُونَ ﴿٢٦﴾ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْفَتْحُ إِن كُنْتُمْ  
 صَادِقِينَ ﴿٢٧﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٢٨﴾  
 فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرِ إِنَّهُمْ مُنْتَضِرُونَ ﴿٢٩﴾

اور اُس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس کو اپنے پروردگار کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی گئی، تو اُس نے اُن سے منہ موڑ لیا۔ ہم یقیناً ایسے مجرموں سے بدلہ لے کر رہیں گے۔ ﴿۲۲﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، لہذا (اے پیغمبر!) تم اس کے ملنے کے بارے میں کسی شک میں نہ رہو، اور ہم نے اُس کتاب کو بنو اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا تھا، ﴿۲۳﴾ اور ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو، جب انہوں نے صبر کیا، ایسے پیشوا بنادیا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔ ﴿۲۴﴾ یقیناً تمہارا پروردگار ہی قیامت کے دن اُن کے درمیان اُن باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ ﴿۲۵﴾ اور کیا ان (کافروں) کو اس بات سے کوئی ہدایت نہیں ملی کہ اُن سے پہلے کتنی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں جن کے گھروں میں یہ خود چلتے پھرتے ہیں؟ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ تو کیا یہ لوگ سنتے نہیں ہیں؟ ﴿۲۶﴾ اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو کھینچ کر خشک زمین کی طرف لے جاتے ہیں، پھر اُس سے وہ کھیتی نکالتے ہیں جس سے اُن کے چوپائے بھی کھاتے ہیں، اور وہ خود بھی۔ تو کیا انہیں کچھ بھائی نہیں دیتا؟ ﴿۲۷﴾ اور وہ یہ کہتے ہیں کہ: ”اگر تم سچے ہو تو یہ فیصلہ کب ہوگا؟“ ﴿۲۸﴾ کہہ دو کہ: ”جس دن فیصلہ ہوگا، اُس دن کافروں کو اُن کا ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا، اور نہ انہیں کوئی مہلت دی جائے گی۔“ ﴿۲۹﴾ لہذا (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں کی پروا نہ کرو، اور انتظار کرو۔ یہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔ ﴿۳۰﴾



(۱۱) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو رات کے ملنے میں کوئی شک نہ کرو، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی تھی، اُسی طرح آپ کو بھی کتاب دی گئی ہے، لہذا اس قرآن کے منجانب اللہ وصول کرنے میں آپ کوئی شک نہ کریں، اور جب آپ صاحب کتاب رسول ہیں تو ان کافروں کی بنائی ہوئی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔ ایک تیسری تفسیر بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ ”اس کے ملنے“ سے مراد کافروں کو اُس عذاب کا ملنا ہے جس کا ذکر پچھلی آیات میں آیا ہے۔

(۱۲) مثلاً قوم ثمود کی بستیوں سے عرب کے لوگ بکثرت گذرا کرتے تھے، اور اُن کے مکانوں کے کھنڈرات میں چلتے پھرتے بھی تھے۔

الحمد للہ! سورہ سجدہ کے ترجمہ اور تفسیری حواشی کی تکمیل آج بروز جمعہ بتاریخ ۶ جولائی ۲۰۰۷ء مطابق ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ عشاء سے ذرا پہلے کراچی میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی تکمیل کی بھی اپنے فضل و کرم سے توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ الْأَحْزَابِ

## تعارف

یہ سورت حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد چوتھے اور پانچویں سال کے درمیان نازل ہوئی ہے۔ اس کے پس منظر میں چار واقعات خصوصی اہمیت رکھتے ہیں جن کا حوالہ اس سورت میں آیا ہے۔ ان چار واقعات کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔ تفصیلات ان شاء اللہ متعلقہ آیتوں کی تشریح میں آگے آئیں گی۔

پہلا واقعہ جنگِ احزاب کا ہے، جس کے نام پر اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔ بدر و احد کی ناکامیوں کے بعد قریش کے لوگوں نے عرب کے دوسرے قبائل کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکسایا، اور ان کا ایک متحدہ محاذ بنا کر مدینہ منورہ پر حملہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر مدینہ منورہ کے دفاع کے لئے شہر کے گرد ایک خندق کھودی تاکہ دشمن اُسے عبور کر کے شہر تک نہ پہنچ سکے۔ اسی لئے اس جنگ کو ”جنگِ خندق“ بھی کہا جاتا ہے۔ اس جنگ کے اہم واقعات اس سورت میں بیان ہوئے ہیں، اور اس موقع پر مسلمانوں کو جس شدید آزمائش سے گزرنا پڑا، اُس کی تفصیل بھی بیان فرمائی گئی ہے۔

دوسرا اہم واقعہ جنگِ قریظہ کا ہے۔ قریظہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مدینہ منورہ کے مضافات میں آباد تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ان سے امن کا ایک معاہدہ کیا تھا جس کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ مسلمان اور یہودی ایک دوسرے کے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے۔ لیکن قریظہ کے یہودیوں نے معاہدے کی دوسری خلاف ورزیوں کے علاوہ جنگِ احزاب کے نازک موقع پر خفیہ ساز باز کر کے پیچھے سے مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپنا چاہا۔ اس لئے جنگِ احزاب سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ آپ فوراً بنو قریظہ پر حملہ کر کے ان آستین کے سانپوں کا قلع قمع فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے ان کا محاصرہ فرمایا جس کے نتیجے میں ان کے بہت سے افراد قتل ہوئے، اور بہت سے گرفتار۔ اس واقعے کی بھی کچھ تفصیل اس سورت میں آئی ہے۔

تیسرا اہم واقعہ یہ تھا کہ اہل عرب جب کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیتے تو اُسے ہر معاملے میں سگے بیٹے کا درجہ



دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ میراث بھی پاتا تھا، اور اُس کے منہ بولے باپ کے لئے جائز نہیں سمجھا جاتا تھا کہ وہ اس کی بیوہ یا مطلقہ بیوی سے نکاح کرے، بلکہ اس کو بدترین معیوب عمل سمجھا جاتا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی ممانعت نہیں تھی۔ عرب کی یہ جاہلانہ رسمیں دلوں میں ایسا گھر کر گئی تھیں کہ اُن کا خاتمہ صرف زبانی نصیحت سے نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی رسموں کا خاتمہ کرنے کے لئے سب سے پہلے خود علی الاعلان اُن رسموں کے خلاف عمل فرمایا، تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ اگر اس کام میں ذرا بھی کوئی خرابی ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پاس بھی نہ جاتے۔ اس کی بہت سی مثالیں آپ کی سیرت طیبہ میں موجود ہیں۔ منہ بولے بیٹے کے بارے میں جو رسم تھی، اُس کے سد باب کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ اپنے ایک منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ کی مطلقہ بیوی حضرت زینب بنت جحش سے نکاح فرمائیں۔ واضح رہے کہ حضرت زینبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں، اور حضرت زیدؓ سے اُن کا نکاح خود آپ نے کروایا تھا، اس لئے اگرچہ اب اُن سے نکاح کرنا آپ کے لئے ایک صبر آزمائے عمل تھا، لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور دینی مصلحت کے آگے سر جھکا دیا، اور اُن سے نکاح کر لیا۔ اسی نکاح کے ولیمے میں حجاب (پردے) کے احکام پر مشتمل آیات نازل ہوئیں جو اس سورت کا حصہ ہیں۔

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہراتؓ نے اگرچہ ہر طرح کے سرد و گرم حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور ساتھ دیا، لیکن جب آپ کے پاس مختلف فتوحات کے نتیجے میں مالی طور پر وسعت ہوئی تو اُنہوں نے اپنے نفقے میں اضافے کا مطالبہ کر دیا۔ یہ مطالبہ عام حالات میں کسی بھی طرح کوئی ناجائز مطالبہ نہیں تھا، لیکن پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف رکھنے والی ان مقدس خواتین کا مقام بلند اس قسم کے مطالبات سے بالاتر تھا۔ اس لئے اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہراتؓ کو یہ اختیار دیا ہے کہ اگر وہ دنیا کی زیب و زینت چاہتی ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُنہیں اعزاز و اکرام کے ساتھ علیحدہ کرنے کو تیار ہیں، اور اگر وہ پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی ساتھی ہیں، اور آخرت کے انعامات کی طلبگار ہیں تو پھر اس قسم کے مطالبے اُن کو زیب نہیں دیتے۔

چونکہ حضرت زینبؓ سے نکاح کے واقعے پر کفار اور منافقین نے آپ کے خلاف اعتراضات کئے تھے، اس لئے اسی سورت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بلند بتایا گیا ہے، اور آپ کی تعظیم و تکریم اور اطاعت کا حکم دے کر یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ آپ جیسی عظیم شخصیت پر نادانوں کے یہ اعتراضات آپ کے مقام بلند میں ذرہ برابر کمی نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپ کے طرزِ عمل اور اس سے متعلق بعض تفصیلات بھی اسی سورت میں بیان ہوئی ہیں۔



﴿آیتھا ۷۲﴾ سُورَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ ۙ ۹۰ ﴿رکوعاتها ۹﴾

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝<sup>(۱)</sup>  
وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝<sup>(۲)</sup> وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَ  
كَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝<sup>(۳)</sup> مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ ۚ

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں تہتر آیتیں اور نور کو ع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہو، اور کافروں اور منافقوں کا کہنا مت مانو۔<sup>(۱)</sup> بیشک اللہ بہت علم والا، بڑا حکمت والا ہے۔<sup>(۱)</sup>  
اور تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر جو وحی بھیجی جا رہی ہے، اُس کی پیروی کرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ یقینی طور پر اُس  
سے پوری طرح باخبر ہے۔<sup>(۲)</sup> اور اللہ پر بھروسہ رکھو، اور کام بنانے کے لئے اللہ بالکل کافی ہے۔<sup>(۳)</sup> اللہ نے کسی بھی  
شخص کے سینے میں دو دل پیدا نہیں کئے،<sup>(۲)</sup>

(۱) بعض اوقات کچھ کافر لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف قسم کی تجویزیں پیش کرتے تھے کہ اگر آپ ہماری فلاں بات  
مان لیں تو ہم آپ کی بات مان لیں گے۔ بعض منافقین بھی اُن کی تائید کرتے کہ یہ اچھی تجویز ہے، اور اس پر عمل کرنے سے بڑی  
تعداد میں لوگوں کی حمایت حاصل ہو سکتی ہے، حالانکہ وہ تجویز ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہوتی تھی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ  
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا ہے کہ ایسی تجویزوں پر کان دھرنے کے بجائے اپنے کام میں لگے رہئے، اور  
اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھئے۔ وہ خود ہی سارے معاملات ٹھیک کر دے گا۔

(۲) اس معجزانہ جملے کا تعلق پچھلی آیت سے بھی ہے، اور اگلی آیت سے بھی۔ پچھلی آیت سے اس کا تعلق یہ ہے کہ کافر اور منافق  
لوگ آپ کو یہ تجویز پیش کر رہے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کو بھی خوش رکھئے، اور ان کے مطالبات مان کر اُن کو بھی خوش کر دیجئے،  
حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے سینے میں ایک ہی دل پیدا فرمایا ہے، اور جب وہ اللہ تعالیٰ کا ہو رہے تو پھر اُس کی مرضی کے خلاف  
کسی اور کو خوش رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہ ممکن نہیں ہے کہ انسان ایک دل اللہ تعالیٰ کو دیدے، اور دوسرا دل کسی اور کو۔ اور  
اگلی آیت سے اس کا تعلق یہ ہے کہ اہل عرب میں یہ رسم تھی کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ کہہ دیتا تھا کہ: ”تم میرے لئے ایسی ہو جیسے  
میری ماں کی پشت“ اور یہ کہنے کے بعد وہ بیوی کو ماں کی طرح حرام سمجھتا تھا، اسی طرح جب کوئی کسی کو منہ بولا بیٹا بنا لیتا تو اُسے اپنا  
سگا بیٹا ہی سمجھ لیتا تھا، اور اس پر میراث وغیرہ میں بھی ویسے ہی احکام جاری کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح ایک  
انسان کے سینے میں دو دل نہیں ہو سکتے، اسی طرح انسان کی دو مائیں نہیں ہو سکتیں، اور نہ دو قسم کے بیٹے ہو سکتے ہیں کہ ایک انسان  
کی اپنی صلب سے پیدا ہو، اور دوسرا زبانی اعلان سے بیٹا بن جائے۔



وَمَا جَعَلَ أَرْوَاجَكُمْ أَلَىٰ تُظْهَرُونَ مِنْهُمْ أُمَّهُتُكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ۚ  
 ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ۝۴۰ أَدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ  
 أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ ۚ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ  
 جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ ۚ وَلَكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۴۱ النَّبِيُّ  
 أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۚ وَأَرْوَاجُهُ أُمَّهُتُكُمْ ۚ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ  
 فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُمْ مَّعْرُوفًا ۚ كَانَ  
 ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ۝۴۲

اور تم اپنی جن بیویوں کو ماں کی پشت سے تشبیہ دے دیتے ہو، اُن کو تمہاری ماں نہیں بنایا، اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو  
 تمہارا حقیقی بیٹا قرار دیا ہے۔ یہ تو باتیں ہی باتیں ہیں جو تم اپنے منہ سے کہہ دیتے ہو، اور اللہ وہی بات کہتا ہے جو حق ہو، اور  
 وہی صحیح راستہ بتلاتا ہے۔ ۴۰ تم ان (منہ بولے بیٹوں) کو ان کے اپنے باپوں کے نام سے پکارا کرو۔ یہی طریقہ اللہ کے  
 نزدیک پورے انصاف کا ہے۔ اور اگر تمہیں اُن کے باپ معلوم نہ ہوں، تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے دوست ہیں۔  
 اور تم سے جو غلطی ہو جائے، اُس کی وجہ سے تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، البتہ جو بات تم اپنے دلوں سے جان بوجھ کر کرو، (اُس پر  
 گناہ ہے۔) بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ۴۱ ایمان والوں کے لئے یہ نبی اُن کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ  
 قریب تر ہیں، اور ان کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں۔ اس کے باوجود اللہ کی کتاب کے مطابق پیٹ کے رشتہ دار دوسرے  
 مؤمنوں اور مہاجرین کے مقابلے میں ایک دوسرے پر (میراث کے معاملے میں) زیادہ حق رکھتے ہیں، الا یہ کہ تم اپنے  
 دوستوں (کے حق میں کوئی وصیت کر کے اُن) کے ساتھ کوئی نیکی کر لو۔ یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ ۴۲

(۳) اس کو اصطلاح میں ”ظہار“ کہتے ہیں، اور آگے سورہ مجادلہ میں اس کی تفصیل آنے والی ہے۔

(۴) یعنی اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اپنے منہ بولے بیٹے کے ساتھ محبت اور حسن سلوک میں بیٹے جیسا معاملہ کرو، لیکن  
 جب اُس کی ولدیت بتانے کی ضرورت پیش آئے تو اُس کو اپنی طرف منسوب کرنے کے بجائے اُس کی صحیح ولدیت بتاؤ۔  
 (۵) مطلب یہ ہے کہ اگر منہ بولے بیٹے کی صحیح ولدیت معلوم نہ ہو تب بھی اُسے اپنی طرف منسوب کرنے کے بجائے اُسے اپنا  
 بھائی یا اپنا ہم قبیلہ دوست کہو۔

(۶) بھول چوک میں یا مجازی طور پر منہ بولے بیٹے کو بیٹا کہہ دینے کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا ہے، البتہ جب سنجیدگی سے  
 ولدیت بتائی جائے، اُس وقت اُسے اپنا بیٹا ظاہر کرنا درست نہیں۔

(۷) یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ اگرچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کو اپنی جان سے زیادہ



وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ ۚ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ۝ لِّيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صُوقِهِمْ ۚ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَنْزَلْنَاهَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا أَلَمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝

اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد رکھو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا، اور تم سے بھی، اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی۔ اور ہم نے اُن سے نہایت پختہ عہد لیا تھا۔ ۸ تاکہ اللہ سچے لوگوں سے اُن کی سچائی کے بارے میں پوچھے۔ ۹ اور اُس نے کافروں کے لئے تو ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ۱۰ اے ایمان والو! یاد کرو اللہ نے اُس وقت تم پر کیسا انعام کیا جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے تھے، پھر ہم نے اُن پر ایک آندھی بھی بھیجی، اور ایسے لشکر بھی جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے۔ اور تم جو کچھ کر رہے تھے، اللہ اُس کو دیکھ رہا تھا۔ ۱۱

عزیز ہیں، اور آپ کی ازواجِ مطہرات کو سب مسلمان اپنی ماں سمجھتے ہیں، لیکن اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواجِ مطہرات کو میراث کے معاملے میں کسی مسلمان کے اپنے رشتہ داروں پر فوقیت حاصل نہیں ہوئی، چنانچہ جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اُس کی میراث اُس کے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کی ازواجِ مطہرات کو اُس میں سے کوئی حصہ نہیں دیا جاتا، حالانکہ دینی اعتبار سے آپ اور آپ کی ازواجِ مطہرات دوسرے رشتہ داروں سے زیادہ حق رکھتی ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواجِ مطہرات کو اُن کے دینی رشتے کے باوجود میراث میں شریک نہیں کیا گیا تو منہ بولے بیٹے کو محض زبان سے بیٹا کہہ دینے کی بنا پر میراث میں کیسے شریک کیا جاسکتا ہے؟ البتہ اگر اُن کے ساتھ نیکی کا ارادہ ہو تو اُن کے لئے اپنے ترکے کے تہائی حصے کی حد تک کوئی وصیت کی جاسکتی ہے۔

۸ پیچھے جو حقیقت بیان فرمائی تھی کہ نبی ہر مؤمن کے لئے اپنی جان سے بھی زیادہ قربت کا مقام رکھتے ہیں، اُس کی وجہ اس آیت میں بیان فرمائی ہے کہ اُن کی ذمہ داری بڑی سخت ہے، کیونکہ اُن سے بڑا سخت عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو ٹھیک ٹھیک لوگوں تک پہنچا کر اُن کی ہدایت کا سبب بنیں گے۔

۹ یہ عہد اس واسطے لیا گیا تھا کہ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام ٹھیک ٹھیک پہنچ جائے، اور اُن پر حجت تمام ہو جائے، اور پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُن سے پوچھ گچھ کرے کہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کس قدر سچائی سے کام لیا۔ اگر انبیائے کرام اپنے عہد کے مطابق اللہ تعالیٰ کا پیغام اُن تک ٹھیک ٹھیک نہ پہنچاتے تو اُن پر حجت قائم نہ ہوتی، اور نہ اللہ تعالیٰ اُن سے باز پرس فرماتا، کیونکہ حجت تمام کئے بغیر کسی سے باز پرس کرنا اُس کے انصاف کے خلاف ہے۔

۱۰ یہاں سے جنگِ احزاب کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ آیت نمبر ۲۷ تک اس جنگ کے مختلف پہلوؤں پر تبصرہ فرمایا گیا ہے۔ اس جنگ کا واقعہ مختصر یہ ہے کہ بنو نضیر کے یہودیوں کی سازش سے قریش کے بت پرستوں نے یہ طے کیا تھا کہ عرب کے مختلف



اِذْ جَاءُوكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنُونَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۝

یاد کرو جب وہ تم پر تمہارے اوپر سے بھی چڑھ آئے تھے اور تمہارے نیچے سے بھی، اور جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں، اور کلیجے منہ کو آگئے تھے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سوچنے لگے تھے۔ (۱۱) اس موقع پر ایمان والوں کی بڑی آزمائش ہوئی، اور انہیں ایک سخت بھونچال میں ڈال کر ہلا ڈالا گیا۔ (۱۲) اور یاد کرو جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے، یہ کہہ رہے تھے کہ: ”اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا ہے، وہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔“ (۱۳)

قبائل کو جمع کر کے مدینہ منورہ پر اکٹھے حملہ کریں۔ چنانچہ قریش کے علاوہ بنو غطفان، بنو اسلم، بنو مرہ، بنو شجع، بنو کنانہ اور بنو فزارہ نے مل کر ایک زبردست لشکر تیار کیا جس کی تعداد بارہ سے پندرہ ہزار تک بتائی جاتی ہے، اور یہ لشکر جرار مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ کے شمال میں جہاں سے حملہ آور آنے والے ہیں، ایک گہری خندق کھود دی جائے، تاکہ وہ شہر تک نہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ تمام صحابہؓ نے بڑی محنت اٹھا کر صرف چھ دن میں یہ خندق کھودی جو ساڑھے تین میل لمبی اور پانچ گز گہری تھی۔ یہ جنگ پچھلی تمام جنگوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ سخت جنگ تھی، دشمن کی تعداد اُن کے چار گنے سے بھی زائد تھی، اور اُس پر طرہ یہ ہوا کہ بنو قریظہ کے یہودی جو مسلمانوں کی بالکل بغل میں بیٹھے تھے، اُن کے بارے میں یہ اطلاع مل گئی کہ انہوں نے بھی مسلمانوں سے کیا ہوا عہد توڑ کر دشمن کی مدد کا عہد کر لیا ہے۔ سخت سردی کا موسم تھا، اتنی لمبی خندق کھودنے میں دن رات مصروفیت کی وجہ سے خوراک کا سامان کم پڑ گیا تھا۔ پھر جب دشمن نے خندق کے پار پڑاؤ ڈال دیا تو دونوں طرف سے تیروں اور پتھروں کا تبادلہ تقریباً ایک مہینے جاری رہا، اور دن رات پہرہ دینے کی وجہ سے لوگ تھکن سے نڈھال تھے۔ کڑی آزمائش کا یہ زمانہ آخر کار اس طرح ختم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کے لشکر پر برفانی ہوا کی ایک سخت آندھی مسلط فرمادی جس سے اُن کے خیمے اُکھڑ گئے، دیگیں اُلٹ گئیں، چولھے تباہ ہو گئے، اور سواری کے جانور بدک کر بھاگنے لگے۔ اس موقع پر انہیں محاصرہ ختم کر کے واپس جانا پڑا۔ اس آیت میں اسی آندھی کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور اس کے ساتھ اُن دیکھے لشکروں کا بھی جن سے مراد فرشتے ہیں جنہوں نے دشمن کو سرا سیمہ کر کے بھاگنے پر مجبور کیا۔

(۱۱) اوپر سے مراد تو وہ متحدہ محاذ کا لشکر ہے جو خندق کے پار محاصرہ کئے ہوئے تھا، اور نیچے سے مراد بنو قریظہ ہیں جنہوں نے اندر سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔

(۱۲) سخت آزمائش کی اس گھڑی میں غیر اختیاری طور پر مختلف وسوسوں میں آیا کرتے ہیں۔ یہ انہی وسوسوں کا بیان ہے جن سے ایمان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(۱۳) مستند روایات میں ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ جس جگہ خندق کھود رہے تھے، وہاں ایک سخت چٹان بچ میں آگئی جو کسی طرح



وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا هَلْ يَظُرُّبَ لَا مَقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنَّ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۝۱۳ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُلِوا الْفِتْنَةَ لَاتَوْهَا وَمَاتَكَبَتُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ۝۱۴ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهِدُوا لَ اللَّهِ مِن قَبْلُ لَا يُؤَلُّونَ إِلَّا دُبَارًا ۝۱۵ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ۝۱۶

اور جب انہی میں سے کچھ لوگوں نے کہا تھا کہ: ”یثرب کے لوگو! تمہارے لئے یہاں ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، پس واپس لوٹ جاؤ۔“ اور انہی میں سے کچھ لوگ نبی سے یہ کہہ کر (گھر جانے کی) اجازت مانگ رہے تھے کہ: ”ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں“ حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے، بلکہ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ (کسی طرح) بھاگ کھڑے ہوں۔ ۱۳ اور اگر دشمن مدینے میں چاروں طرف سے آگھے، پھر ان سے فساد میں شامل ہونے کو کہا جائے تو یہ اُس میں ضرور شامل ہو جائیں گے، اور (اُس وقت) گھروں میں تھوڑے ہی ٹھہریں گے۔ ۱۴ اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ سے پہلے یہ عہد کر رکھا تھا کہ وہ پیٹھ پھیر کر نہیں جائیں گے۔ اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کی باز پرس ضرور ہو کر رہے گی۔ ۱۵

ٹوٹ نہیں رہی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ بہ نفس نفیس وہاں تشریف لے گئے، اور اپنے دست مبارک میں کدال لے کر یہ آیت پڑھی: ”وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا“ اور کدال سے چٹان پر ضرب لگائی تو ایک تہائی چٹان ٹوٹ گئی، اور اُس میں سے ایک روشنی نمودار ہوئی جس میں آپ کو یمن اور کسریٰ کے محلات دکھائے گئے۔ پھر دوسری ضرب لگاتے وقت آپ نے اُسی آیت کو پورا پڑھا: ”وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدًا“ اس پر چٹان کا ایک اور حصہ ٹوٹا، اور دوبارہ روشنی ظاہر ہوئی جس میں آپ نے روم کے محلات دیکھے۔ پھر تیسری ضرب پر چٹان پوری ٹوٹ گئی۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ مجھے یمن، ایران اور روم کے محلات دکھا کر یہ بشارت دی گئی ہے کہ یہ سارے ملک میری امت کے ہاتھوں فتح ہوں گے۔ منافقین نے یہ سنا تو کہا کہ حالت تو یہ ہے کہ خود اپنے شہر کا بچاؤ کرنے میں مشکل پیش آرہی ہے، اور خواب یہ دیکھے جارہے ہیں کہ ایران اور روم ہمارے ہاتھوں فتح ہوں گے! مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں منافقین کی اس بات کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

۱۳) یہ منافقین تھے جو اپنے گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا بہانہ کر کے محاذ سے بھاگنا چاہتے تھے۔

۱۴) یعنی یہ منافق لوگ اس وقت تو یہ بہانہ بنا رہے ہیں کہ ہمارے گھروں کی دیواریں نیچی ہیں، اور وہ غیر محفوظ ہیں، لیکن اگر دشمن مدینہ منورہ میں چاروں طرف سے داخل ہو جائے، اور ان سے فرمائش کرے کہ تم بھی مسلمانوں کے خلاف ہمارے ساتھ جنگ میں شامل ہو جاؤ تو دشمن کا پلہ بھاری دیکھ کر یہ اُن کے ساتھ جا ملیں گے، اور اُس وقت انہیں اپنے گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا خیال نہیں آئے گا۔



قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذَا لُتُّعْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٥٠﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِيكُمْ مِنْ اِلٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۖ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِنْ دُوْنِ اِلٰهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيْرًا ﴿٥١﴾ قَدْ يَعْلَمُ اِلٰهُ الْمَعْوِقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِيْنَ لِخَوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۖ وَلَا يَأْتُوْنَ الْبَاسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٥٢﴾ اَشْحٰةٌ عَلَيَّكُمْ ۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاٰيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرًا عَيْنُهُمْ ۚ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِالْسِنَةِ ۚ جَدَادٍ اَشْحٰةٌ عَلٰى الْخَيْرِ ۚ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اِلٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلٰى اِلٰهِ يَسِيْرًا ﴿٥٣﴾

(اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: ”اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگ بھی جاؤ تو یہ بھاگنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا، اور اُس صورت میں تمہیں (زندگی کا) لطف اٹھانے کا جو موقع دیا جائے گا، وہ تھوڑا ہی سا ہوگا۔“ ﴿۵۰﴾ کہو کہ: ”کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے، اگر وہ تمہیں کوئی برائی پہنچانے کا ارادہ کر لے، یا (وہ کون ہے جو اُس کی رحمت کو روک سکے)، اگر وہ تم پر رحمت کرنے کا ارادہ کر لے؟“ اور اللہ کے سوا ان لوگوں کو نہ کوئی رکھوالا مل سکتا ہے، نہ کوئی مددگار۔ ﴿۵۱﴾ اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (جہاد میں) رُکاوٹ ڈالتے ہیں، اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ: ”ہمارے پاس چلے آؤ،“ اور خود لڑائی میں آتے نہیں، اور آتے ہیں تو بہت کم، ﴿۵۲﴾ (اور وہ بھی) تمہارے ساتھ لالچ رکھتے ہوئے۔ ﴿۵۳﴾ چنانچہ جب خطرے کا موقع آ جاتا ہے تو وہ تمہاری طرف چکرائی ہوئی آنکھوں سے اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہو۔ پھر جب خطرہ دور ہو جاتا ہے تو تمہارے سامنے مال کی حرص میں تیز تیز بانیں چلاتے ہیں۔ ﴿۵۴﴾ یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائے ہیں، اس لئے اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے ہیں۔ اور یہ بات اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ ﴿۵۵﴾

(۱۶) یہ ایک منافق کی طرف اشارہ ہے جو اپنے گھر میں کھانے پینے میں مشغول تھا، اور اُس کا مخلص مسلمان بھائی جو جنگ میں جانے کے لئے تیار تھا، اُس سے کہہ رہا تھا کہ اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنے کیوں جا رہے ہو؟ یہاں میرے پاس آؤ، اور اطمینان سے میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو (ابن جریر طبری)۔

(۱۷) یعنی اگر نام کرنے کو کچھ دیر کے لئے لڑائی میں حصہ لینے آتے بھی ہیں تو اس لالچ میں آتے ہیں کہ اگر لڑائی میں مسلمانوں کو مال غنیمت ملا تو وہ بھی اپنا حصہ لگائیں۔

(۱۸) یعنی بڑی چرب زبانی سے مال غنیمت کا حصہ مسلمانوں سے مانگتے ہیں۔



يَحْسَبُونَ الْآخِزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۚ وَإِنْ يَأْتِ الْآخِزَابُ يَوْمَئِذٍ فَأُولَٰئِكَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۚ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَاقْتُلُوا إِلَّا قَلِيلًا ۚ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ ۖ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۚ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْآخِزَابَ ۚ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۚ ۚ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ ۚ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۚ ۚ لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۚ

وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ (دُشمنوں کے) لشکر ابھی گئے نہیں ہیں۔ اور اگر وہ لشکر (دوبارہ) آجائیں تو ان کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ دیہات میں جا کر رہیں، (اور وہیں بیٹھے ہوئے) تمہاری خبریں معلوم کرتے رہیں۔ اور اگر تمہارے درمیان رہے بھی تو لڑائی میں تھوڑا ہی حصہ لیں گے۔ ۲۰ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اُس شخص کے لئے جو اللہ سے اور یومِ آخرت سے اُمید رکھتا ہو، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔ ۲۱ اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں، جب انہوں نے (دُشمن کے) لشکروں کو دیکھا تھا تو انہوں نے یہ کہا تھا کہ: ”یہ وہی بات ہے جس کا وعدہ اللہ اور اُس کے رسول نے ہم سے کیا تھا، اور اللہ اور اُس کے رسول نے سچ کہا تھا۔“ اور اس واقعے نے اُن کے ایمان اور تابع داری کے جذبے میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ ۲۲ انہی ایمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا، اُسے سچا کر دکھایا۔ پھر اُن میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنا نذرانہ پورا کر دیا، اور کچھ وہ ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں، اور انہوں نے (اپنے ارادوں میں) ذرا سی بھی تبدیلی نہیں کی۔ ۲۳ (یہ واقعہ اس لئے ہوا) تاکہ اللہ سچوں کو اُن کی سچائی کا انعام دے، اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب دے، یا اُن کی توبہ قبول کر لے۔ اللہ یقیناً بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ۲۴

(۱۹) نذرانہ پورا کرنے سے مراد جہاد میں جامِ شہادت نوش کرنا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جو صحیح معنی میں مومن تھے، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اُس کے راستے میں اپنے جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ پھر ان حضرات میں سے کچھ نے تو اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے جامِ شہادت نوش کر لیا، اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے جہاد میں حصہ تو لیا، لیکن شہید نہیں ہوئے، اور ابھی اس انتظار اور اشتیاق میں ہیں کہ کب انہیں بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان قربان کرنے کا موقع ملے۔ (۲۰) یعنی جو منافق سچی توبہ کر لیں، اُن کی توبہ قبول کر لے۔



وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۖ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ۝ (۲۵) وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُواهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِبِهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ۝ (۲۶) وَأَوْشَكُمْ أَنْ يُضِيقَهُمْ وَدِيَارُهُمْ أَزْوَاجُكُمْ ۖ إِن كُنْتُمْ تُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ (۲۷) وَإِن كُنْتُمْ تُرِيدُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنِينَ مِنْكُمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (۲۸) يَنْسَاءَ النَّبِيُّ مِنْ يَدَاتِ مَنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ يُضَعِّفُ لَهَا الْعَذَابَ ضِعْفَيْنِ ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ (۲۹) وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُمْ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعَمَّلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ۝ (۳۰)

اور جو لوگ کافر تھے، اللہ نے انہیں اُن کے سارے غیظ و غضب کے ساتھ اس طرح پسپا کر دیا کہ وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ اور مؤمنوں کی طرف سے لڑائی کے لئے اللہ خود کافی ہو گیا۔ اور اللہ بڑی قوت کا، بڑے اقتدار کا مالک ہے۔ (۲۵) اور جن اہل کتاب نے ان (دُشمنوں) کی مدد کی تھی، انہیں اللہ اُن کے قلعوں سے نیچے اتار لایا، اور اُن کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ (اے مسلمانو!) اُن میں سے کچھ کو تم قتل کر رہے تھے، اور کچھ کو قیدی بنا رہے تھے۔ (۲۶) اور اللہ نے تمہیں اُن کی زمین کا، اُن کے گھروں کا اور اُن کی دولت کا وارث بنا دیا، اور ایک ایسی زمین کا بھی جس تک ابھی تمہارے قدم نہیں پہنچے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ (۲۷) اے نبی! اپنی بیویوں سے کہو کہ: ”اگر تم دُنیوی زندگی اور اُس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں کچھ تحفے دے کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں۔“ (۲۸) اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسول اور عالم آخرت کی طلبگار ہو، تو یقین جانو اللہ نے تم میں سے نیک خواتین کے لئے شاندار انعام تیار کر رکھا ہے۔“ (۲۹) اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی کسی کھلی بے ہودگی کا ارتکاب کرے گی، اُس کا عذاب بڑھا کر دوگنا کر دیا جائے گا، اور اللہ کے لئے ایسا کرنا بہت آسان ہے۔ (۳۰) اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی تابع دار رہے گی، اور نیک عمل کرے گی، اُسے ہم اُس کا ثواب بھی دوگنا دیں گے، اور اُس کے لئے ہم نے باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔ (۳۱)

(۲۱) اس سے مراد بنو قریظہ ہیں۔ یہ یہودیوں کا قبیلہ تھا، اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا ہوا تھا، لیکن



جنگِ احزاب کے موقع پر عہد شکنی کر کے حملہ آوروں سے ساز باز کی، اور مسلمانوں کی پشت سے خنجر گھونپنے کا منصوبہ بنایا۔ اس لئے جنگِ احزاب سے فارغ ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے ان پر حملہ کیا، یہ لوگ اپنے قلعے میں محصور ہو گئے۔ ایک مہینے تک محاصرہ جاری رہا، اور آخر کار یہ اپنے قلعے سے اتر آئے، اور اس بات پر راضی ہو گئے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بارے میں جو بھی فیصلہ کریں گے، وہ انہیں منظور ہوگا۔ حضرت سعد بن معاذ نے یہ فیصلہ کیا کہ اُن کے لڑنے والے مردوں کو قتل کیا جائے، اور عورتوں اور نابالغ بچوں کو قیدی بنایا جائے۔ چنانچہ اسی فیصلے پر عمل ہوا۔

(۲۲) اس زمین سے مراد خیبر ہے۔ خیبر میں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے، اور وہیں سے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ اس موقع پر اس آیت نے مسلمانوں کو یہ خوشخبری دی کہ خیبر بھی کچھ عرصے میں مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہجرت کے ساتویں سال خیبر بھی فتح ہو گیا۔

(۲۳) ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات یوں تو ہر قسم کے سرد و گرم حالات میں بڑی استقامت سے آپ کا ساتھ دیتی آئی تھیں، لیکن جنگِ احزاب اور جنگِ بنو قریظہ میں فتوحات کے بعد مسلمانوں کو کچھ مالی خوش حالی حاصل ہوئی، تو اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس تنگی ترشی میں وہ اب تک گزارہ کرتی رہی ہیں، اب اُس میں کچھ تبدیلی آنی چاہئے، چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خیال کا ذکر بھی کر دیا، اور یہ مثال بھی دی کہ قیصر و کسریٰ کی بیگمات بڑی سچ دھج کے ساتھ رہتی ہیں، اُن کی خدمت کے لئے کنیریں موجود ہیں، اب جبکہ مسلمانوں میں خوش حالی آچکی ہے، ہمارے نفقے میں بھی اضافہ ہونا چاہئے۔ اگرچہ ازواجِ مطہرات کے دل میں مالی وسعت کی خواہش پیدا ہونا کوئی گناہ کی بات نہیں تھی، لیکن اول تو پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہونے کی حیثیت سے یہ مطالبہ اُن کے شایانِ شان نہیں سمجھا گیا، دوسرے شاید بادشاہوں کی بیگمات کی مثال دینے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی کہ وہ اپنے آپ کو ان بیگمات پر قیاس کر رہی ہیں۔ اس لئے قرآن کریم کی ان آیات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی کہ آپ ازواجِ مطہرات سے یہ بات اچھی طرح صاف کر لیں کہ اگر پیغمبر کے ساتھ رہنا ہے تو اپنے سوچنے کا یہ انداز بدلنا ہوگا، دوسری عورتوں کی طرح ان کا مٹھ نظر دنیا کی سچ دھج نہیں ہونی چاہئے، بلکہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اُس کے نتیجے میں آخرت کی بھلائی ہونی چاہئے۔ اور ساتھ ہی اُن پر یہ بات بھی واضح کر دی گئی کہ اگر وہ دنیا کی زیب و زینت کو پسند کریں گی تو پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اُن کو کھلا اختیار ہے کہ وہ آپ سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ اس صورت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کسی تلخی کے ساتھ نہیں، بلکہ سنت کے مطابق جوڑوں وغیرہ کے تحفے دے کر خوش اُسلوبی سے رخصت فرمائیں گے۔ چنانچہ ان آیات کے احکام کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کو یہ پیشکش فرمائی، اور تمام ازواج نے اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے ہی کو پسند کیا، خواہ اُس کے لئے کیسی تنگی ترشی برداشت کرنی پڑے۔



لِیْسَاءِ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَا حِدٍ مِّنَ النِّسَاءِ ۚ اِنْ اَتَّقِیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿۲۴﴾ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْأُولَىٰ ۚ وَاَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِیْنَ الزَّكَاةَ وَاطَعْنَ اِلٰهَ رَبِّهِنَّ ۚ اِنَّہَا یُرِیْدُ اِلٰہُ لَیْذُہِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا ﴿۲۵﴾

اے نبی کی بیویو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ لہذا تم نزاکت کے ساتھ بات مت کیا کرو، کبھی کوئی ایسا شخص بجالا لچ کرنے لگے جس کے دل میں روگ ہوتا ہے، اور بات وہ کہو جو بھلائی والی ہو۔ ﴿۲۴﴾ اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو، اور (غیر مردوں کو) بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو، جیسا کہ پہلی جاہلیت میں دکھایا جاتا تھا، اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ اور اُس کے رسول کی فرماں برداری کرو۔ اے نبی کے اہل بیت! (گھر والو) اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور رکھے، اور تمہیں ایسی پاکیزگی عطا کرے جو ہر طرح مکمل ہو۔ ﴿۲۵﴾

﴿۲۴﴾ یعنی ازواجِ مطہرات کا مقام عام عورتوں سے بلند ہے، اس لئے اگر وہ تقویٰ اختیار کریں گی تو انہیں ثواب بھی دو گنا ملے گا، اور کوئی گناہ کریں گی تو اُس کا عذاب بھی دو گنا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو پیغمبر کے ساتھ جتنا قرب ہو، اُسے اپنے عمل میں اتنا ہی محتاط ہونا چاہئے۔

﴿۲۵﴾ اس آیت نے خواتین کو غیر محرم مردوں سے بات کرنے کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ اُس میں جان بوجھ کر نزاکت اور کشش پیدا نہیں کرنی چاہئے، البتہ اپنی بات کسی بد اخلاقی کے بغیر پھیکے انداز میں کہہ دینی چاہئے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب عام گفتگو میں بھی خواتین کو یہ ہدایت کی گئی ہے تو غیر مردوں کے سامنے ترنم کے ساتھ اشعار پڑھنا یا گانا کتنا برا ہوگا۔

﴿۲۶﴾ اس آیت نے یہ واضح فرمادیا ہے کہ عورت کا اصل مقام اُس کا گھر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُس کے لئے گھر سے نکلنا جائز نہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نے واضح فرمادیا ہے کہ حاجت کے وقت عورت پردے کے ساتھ باہر جاسکتی ہے، لیکن اس فقرے نے یہ عظیم اصول بیان فرمایا ہے کہ عورت کا اصل فریضہ گھر اور خاندان کی تعمیر ہے، اور ایسی سرگرمیاں جو اس مقصد میں خلل انداز ہوں، اُس کے اصل مقصد زندگی کے خلاف ہیں، اور ان سے معاشرے کا توازن بگڑ جاتا ہے۔

﴿۲۷﴾ پہلی جاہلیت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا زمانہ ہے جس میں عورتیں بے حیائی کے ساتھ بناؤ سنگھار غیر مردوں کو دکھاتی پھرتی تھیں۔ اور ”پہلی جاہلیت“ کے لفظ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایک جاہلیت آخر میں بھی آنے والی ہے۔ اور کم از کم اس بے حیائی کے معاملے میں یہ جاہلیت ہماری آنکھوں کے سامنے اس طرح آچکی ہے کہ اس نے پہلی جاہلیت کو مات کر دیا ہے۔

﴿۲۸﴾ چونکہ آگے پیچھے سارا ذکر ازواجِ مطہرات کا چل رہا ہے، اس لئے وہ تو اہل بیت میں براہِ راست داخل ہیں، لیکن الفاظ



وَإِذْ كُنَّا مَا يَمِثُلُ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝ إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنَاتِ وَالْقَنَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَشِيعِينَ وَالْخَشِيعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْحَفِظِينَ وَالْحَفِظَاتِ وَالذَّكِرِينَ اللَّهُ كَثِيرًا وَالذَّكِرَاتِ ۚ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں، اُن کو یاد رکھو۔ یقین جانو اللہ بہت باریک بین اور ہر بات سے باخبر ہے۔ (۲۹) بیشک فرماں بردار مرد ہوں یا فرماں بردار عورتیں، مؤمن مرد ہوں یا مؤمن عورتیں، عبادت گزار مرد ہوں یا عبادت گزار عورتیں، سچے مرد ہوں یا سچی عورتیں، صابر مرد ہوں یا صابر عورتیں، دل سے جھکنے والے مرد ہوں یا دل سے جھکنے والی عورتیں، صدقہ کرنے والے مرد ہوں یا صدقہ کرنے والی عورتیں، روزہ دار مرد ہوں یا روزہ دار عورتیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد ہوں یا حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد ہوں یا ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور شاندار اجر تیار کر رکھا ہے۔ (۳۰)

کے عموم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں، اور اُن کی اولاد بھی داخل ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنی چادر میں ڈھانپ لیا، اور یہ آیت تلاوت کی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ: ”یا اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔“ (ابن جریر) یہاں یہ بھی واضح رہے کہ مکمل پاکیزگی سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ انبیائے کرام کی طرح گناہوں سے معصوم ہو جائیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ اتنے متقی بن جائیں کہ گناہوں کی گندگی اُن سے دُور ہو جائے۔

(۲۹) مسلمانوں کو قرآن کریم میں جب بھی کوئی حکم دیا گیا ہے، یا ان کو کوئی خوشخبری دی گئی ہے، تو عام طور سے مذکر ہی کا صیغہ استعمال ہوا ہے، اگرچہ خواتین بھی اُس میں داخل ہیں، (جیسا کہ دنیوی قوانین میں بھی صورت حال یہی ہے) لیکن بعض صحابیات کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ خاص مؤنث کے صیغے کے ساتھ بھی خواتین کے بارے میں کوئی خوشخبری دیں۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳۰) یہ ”خشوع“ کا ترجمہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کے وقت دل عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگا ہوا ہو۔ اس کا بیان سورہ مؤمنون کی دوسری آیت میں گزر چکا ہے۔



وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۚ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۝

اور جب اللہ اور اُس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کر دیں تو نہ کسی مؤمن مرد کے لئے یہ گنجائش ہے نہ کسی مؤمن عورت کے لئے کہ اُن کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جس کسی نے اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی، وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔ ۝

(۳۱) یہ آیت کریمہ چند ایسے واقعات کے پس منظر میں نازل ہوئی جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ کے لئے کسی خاتون سے رشتہ دیا، مگر وہ خاتون یا اُن کے رشتہ دار شروع میں اُس رشتے پر راضی نہیں ہوئے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے یہ واقعات تفصیل سے بیان کئے ہیں، اور ان سب میں مشترک بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابہ کے نکاح کا پیغام دیا تھا، اُن میں کوئی خرابی نہیں تھی، لیکن خاتون یا اُن کے گھر والوں نے صرف اپنی خاندانی یا مالی فوقیت کی وجہ سے شروع میں اُن کا رشتہ قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔ دوسری طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غالباً یہ چاہتے تھے کہ لوگ صرف اپنی خاندانی یا مالی فوقیت کی وجہ سے اچھے رشتوں سے انکار کرنے کا رجحان ختم کریں۔ اگرچہ شریعت نے نکاح میں کفالت (یعنی میاں بیوی کے ہم پلہ ہونے) کا کافی الجملہ اعتبار کیا ہے، لیکن اگر رشتے میں کوئی اور بڑی وجہ ترجیح موجود ہو تو عورت اور اُس کے سرپرستوں کو صرف اس بنا پر رشتے سے انکار نہیں کر دینا چاہئے کہ وہ خاندانی اعتبار سے عورت کے خاندان کا ہم پلہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ان تمام واقعات میں رشتہ منظور کر لیا گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز ہی کے مطابق نکاح ہوا۔

ان واقعات میں سب سے اہم واقعہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے، جس کا تعلق آنے والی آیات سے بھی ہے۔ یہ شروع میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے، اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہہ کر دیا تھا، آپ نے انہیں آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ (جس کی تفصیل اگلی آیت کے حاشیہ میں آرہی ہے۔) چنانچہ آپ نے اپنی پھوپھی کی صاحبزادی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ان کے نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت زینبؓ اُنچے خاندان کی خاتون تھیں، اور اُس وقت کسی آزاد کردہ غلام سے شادی کرنا ایسی خاندانی عورت کے لئے معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے انہوں نے شروع میں انکار کیا۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس کے بعد انہوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا، اور پھر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے اُن کا نکاح ہو گیا جس کا مہر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمایا۔ آیت کریمہ اگرچہ ان واقعات کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے، لیکن اُس کے الفاظ عام ہیں، اور وہ شریعت کا یہ بنیادی اصول واضح کر رہی ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعد کسی بھی مخلوق کو اپنی رائے چلانے کا اختیار نہیں رہتا۔



وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ  
وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۖ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ  
مِنْهَا وَطَرًا ۖ وَجُنُكَهَا لِيَكُنْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا  
مِنْهُنَّ وَطَرًا ۖ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿۳۱﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ  
سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۖ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ﴿۳۲﴾ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ  
رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿۳۳﴾

اور (اے پیغمبر!) یاد کرو جب تم اُس شخص سے جس پر اللہ نے بھی احسان کیا تھا، اور تم نے بھی احسان کیا تھا، یہ کہہ رہے  
تھے کہ: ”اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو، اور اللہ سے ڈرو“ اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے  
اللہ کھول دینے والا تھا، اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اُس سے ڈرو۔ پھر  
جب زید نے اپنی بیوی سے تعلق ختم کر لیا تو ہم نے اُس سے تمہارا نکاح کر دیا، تاکہ مسلمانوں کے لئے اپنے منہ بولے  
بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح کرنے) میں اُس وقت کوئی تنگی نہ رہے جب انہوں نے اپنی بیویوں سے تعلق ختم کر لیا ہو۔  
اور اللہ نے جو حکم دیا تھا، اُس پر عمل تو ہو کر رہنا ہی تھا۔ ﴿۳۱﴾ نبی کے لئے اُس کام میں اعتراض کی کوئی بات نہیں ہوتی جو  
اللہ نے اُس کے لئے طے کر دیا ہو۔ یہی اللہ کی وہ سنت ہے جس پر اُن (انبیاء) کے معاملے میں بھی عمل ہوتا آیا ہے جو  
پہلے گزر چکے ہیں۔ اور اللہ کا فیصلہ نپا تلا مقدر ہوتا ہے۔ ﴿۳۲﴾ پیغمبر وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بھیجے ہوئے احکام کو لوگوں تک  
پہنچاتے ہیں، اور اُسی سے ڈرتے ہیں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ اور حساب لینے کے لئے اللہ کو کسی کی  
ضرورت نہیں۔ ﴿۳۳﴾

﴿۳۲﴾ اس سے مراد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اُن پر اللہ تعالیٰ کا احسان تو یہ تھا کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
کی خدمت میں پہنچایا، اور اسلام لانے کی توفیق دی، یہاں تک کہ یہ اُن چار خوش نصیب صحابہ کرامؓ میں سے ہیں جو سب سے  
پہلے اسلام لائے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پر احسان کی تفصیل یہ ہے کہ یہ آٹھ سال کی عمر میں اپنی والدہ کے ساتھ  
اپنی ننھیال میں گئے تھے، وہاں قبیلہ قین کے لوگوں نے حملہ کر کے انہیں غلام بنایا، اور عکاظ کے میلے میں لے جا کر حضرت حکیم بن  
حزامؓ کے ہاتھ بیچ دیا، انہوں نے یہ غلام اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا۔ اُس کے بعد جب  
حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا تو حضرت خدیجہؓ نے انہیں آپ کی خدمت میں  
پیش کر دیا، جبکہ اُن کی عمر پندرہ سال تھی۔ کچھ عرصے کے بعد ان کے والد اور چچا کو معلوم ہوا کہ اُن کا بچہ مکہ مکرمہ میں ہے تو وہ  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور عرض کی کہ آپ جو معاوضہ چاہیں، ہم سے لے لیں، اور یہ بچہ ہمارے حوالے



کر دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر وہ بچہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو میں کسی معاوضے کے بغیر ہی اُسے آپ کے حوالے کر دوں گا، البتہ اگر وہ نہ جانا چاہے تو میں زبردستی اُسے نہیں بھیج سکتا، وہ لوگ یہ سن کر بہت خوش ہوئے، اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا، اور آپ نے انہیں اختیار دیا کہ اگر وہ اپنے والد اور چچا کے ساتھ جانا چاہیں تو جاسکتے ہیں، لیکن حضرت زیدؓ نے یہ حیرت انگیز جواب دیا کہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتا۔ اُن کے والد اور چچا بڑے حیران ہوئے کہ اُن کا بیٹا آزادی پر غلامی کو اور اپنے باپ اور چچا پر ایک بالکل غیر شخص کو ترجیح دے رہا ہے، لیکن حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے اس آقا کا جو طرزِ عمل دیکھا ہے، اُس کے بعد دنیا کے کسی شخص کو میں ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ (واضح رہے کہ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی تک نبوت عطا نہیں ہوئی تھی) اس پر اُن کے والد اور چچا بھی مطمئن ہو کر چلے گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو فوراً آزاد کر دیا، اور حرمِ مکہ میں جا کر قریش کے لوگوں کے سامنے اعلان فرما دیا کہ آج سے میں نے انہیں اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ اسی بنا پر لوگ انہیں زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا کرتے تھے۔

(۳۳) حضرت زینبؓ سے حضرت زیدؓ کا نکاح ہو تو گیا تھا، لیکن حضرت زیدؓ کو یہ شکایت رہتی تھی کہ اُن کی اہلیہ کے دل سے اپنی خاندانی فوقیت کا احساس مٹا نہیں، اور شاید اُسی کی وجہ سے بعض اوقات وہ حضرت زیدؓ کے ساتھ تیز زبانی کا بھی مظاہرہ کرتی ہیں۔ حضرت زیدؓ کی یہ شکایت اتنی بڑھی کہ انہوں نے حضرت زینبؓ کو طلاق دینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو، بلکہ اپنے پاس رکھو، اور اللہ سے ڈرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو طلاق پسند نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بیوی کے جو حقوق رکھے ہیں، انہیں ادا کرو۔

(۳۴) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضرت زیدؓ کے مشورہ لینے سے پہلے ہی یہ بتا دیا تھا کہ حضرت زیدؓ کسی وقت حضرت زینبؓ کو طلاق دے دیں گے، اور اُس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت آپ کو اُن سے نکاح کرنا ہوگا، تاکہ عرب میں اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے کو جو معیوب سمجھا جاتا ہے، اُس رسم کا عملی طور پر خاتمہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ بڑی آزمائش تھی، اول تو حضرت زیدؓ کا یہ نکاح آپ نے بڑے اصرار سے کرایا تھا، دوسرے اُن کے طلاق دینے کے بعد اُن سے آپ کا نکاح ہونے سے مخالفین کو باتیں بنانے کا موقع ملے گا کہ انہوں نے اپنی منہ بولی بہو سے نکاح کر لیا۔ لہذا جب حضرت زیدؓ نے آپ سے طلاق دینے کے بارے میں مشورہ کیا تو آپ نے یہ سوچا ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حتمی حکم آجائے گا، اُس وقت تو سر تسلیم خم کرنا ہی ہوگا، لیکن جب تک حتمی حکم نہیں آتا، اُس وقت تک مجھے حضرت زیدؓ کو وہی مشورہ دینا چاہئے جو میاں بیوی کے اختلاف کے موقع پر عام طور سے دیا جاتا ہے کہ طلاق سے حتی الامکان بچو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ایک دوسرے کے حقوق ادا کرو۔ چنانچہ آپ نے یہی مشورہ دیا، اور یہ بات ظاہر نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ کسی وقت حضرت زیدؓ اپنی اہلیہ کو طلاق دیں گے، اور پھر وہ آپ کے نکاح میں آئیں گی۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یوں بیان فرمایا ہے کہ: ”اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھول دینے والا تھا“۔ صحیح روایات کی روشنی میں اس آیت کی یہی تفسیر صحیح ہے۔ بعض دشمنانِ اسلام نے کچھ واہی تباہی روایتوں کی بنا پر اس کا جو مطلب نکالا ہے، وہ سراسر غلط ہے، اور جو انتہائی کمزور روایتیں اس سلسلے میں پیش کی گئی ہیں، وہ قطعی طور پر غیر معقول اور ناقابلِ توجہ ہیں۔



مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ (۲۰) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ (۲۱) وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ (۲۲) هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۝ (۲۳) تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ۚ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ۝ (۲۴) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ (۲۵) وَدَاعِيَا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝ (۲۶) وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ۝ (۲۷) وَلَا تَطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعِ أَذُنَهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ (۲۸)

(مسلمانو!) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔ اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے۔ (۲۵)

اے ایمان والو! اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو، (۲۱) اور صبح و شام اُس کی تسبیح کرو۔ (۲۲) وہی ہے جو خود بھی تم پر رحمت بھیجتا ہے، اور اُس کے فرشتے بھی، تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئے، اور وہ مؤمنوں پر بہت مہربان ہے۔ (۲۳) جس دن مؤمن لوگ اللہ سے ملیں گے اُس دن اُن کا استقبال سلام سے ہوگا، اور اللہ نے اُن کے لئے باعزت انعام تیار کر رکھا ہے۔ (۲۴) اے نبی! بیشک ہم نے تمہیں ایسا بنا کر بھیجا ہے کہ تم گواہی دینے والے، خوشخبری سنانے والے اور خبردار کرنے والے ہو، (۲۵) اور اللہ کے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے، اور روشنی پھیلانے والے چراغ ہو۔ (۲۶) تم مؤمنوں کو خوشخبری سناؤ کہ اُن پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے، (۲۷) اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو، اور اُن کی طرف سے جو تکلیف پہنچے، اُس کی پروا نہ کرو، اور اللہ پر بھروسہ کئے رہو، اور اللہ رکھوالا بننے کے لئے کافی ہے۔ (۲۸)

(۲۵) چونکہ حضرت زید بن حارثہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بیٹا قرار دیا تھا، اس لئے لوگ اُن کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر پکارتے تھے۔ پچھلی آیتوں میں جب یہ حکم جاری ہوا کہ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا قرار نہیں دیا جاسکتا، تو حضرت زید کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے کی بھی ممانعت ہو گئی، چنانچہ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ کسی مرد کے نسبى باپ نہیں ہیں، (کیونکہ آپ کی زندہ رہنے والی اولاد میں صرف بیٹیاں تھیں) لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کی وجہ سے پوری امت کے روحانی باپ ہیں، اور چونکہ آخری نبی ہیں، اور قیامت تک کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے، اس لئے جاہلیت کی رسموں کو اپنے عمل سے ختم کرنے کی ذمہ داری آپ ہی پر عائد ہوتی ہے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَتَّسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا فَمِيتَعُوهُنَّ وَسِرَّ حُوهُنَّ سِرًّا حَبِيلاً ۝ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي أَتَيْتَ أَجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَلَّتِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبْتَ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ تَرْجَى مِنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤَيِّ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ ۗ وَمَنْ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۗ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ۝

اے ایمان والو! جب تم نے مؤمن عورتوں سے نکاح کیا ہو، پھر تم نے انہیں چھونے سے پہلے ہی طلاق دے دی ہو، تو ان کے ذمے تمہاری کوئی عدت واجب نہیں ہے جس کی گنتی تمہیں شمار کرنی ہو۔ لہذا انہیں کچھ تحفہ دے دو، اور انہیں خوبصورتی سے رخصت کر دو۔ ۲۹ اے نبی! ہم نے تمہارے لئے تمہاری وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جن کو تم نے ان کا مہر ادا کر دیا ہے، نیز اللہ نے غنیمت کا جو مال تمہیں عطا کیا ہے، اُس میں سے جو کنیزیں تمہاری ملکیت میں آچکی ہیں وہ بھی (تمہارے لئے حلال ہیں) اور تمہاری وہ چچا کی بیٹیاں اور پھوپھی کی بیٹیاں اور ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں بھی جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے، نیز کوئی مسلمان عورت جس نے مہر کے بغیر نبی کو اپنے آپ (سے نکاح کرنے) کی پیشکش کی ہو، بشرطیکہ نبی اُس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ سارے احکام خاص تمہارے لئے ہیں، دوسرے مؤمنوں کے لئے نہیں۔ ہمیں وہ احکام خوب معلوم ہیں جو ہم نے اُن کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں اُن پر عائد کئے ہیں، (اور تمہیں اُن سے مستثنیٰ کیا ہے) تاکہ تم پر کوئی تنگی نہ رہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ۳۰ ان بیویوں میں سے تم جس کی باری چاہو، ملتوی کر دو، اور جس کو چاہو، اپنے پاس رکھو، اور جن کو تم نے الگ کر دیا ہو، اُن میں سے اگر کسی کو واپس بلانا چاہو تو اس میں بھی تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں ہے۔ ۳۱ اس طریقے میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ اُن سب کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی، اور انہیں رنج نہیں ہوگا، اور تم انہیں جو کچھ دے دو گے، اُس پر وہ سب کی سب راضی رہیں گی۔ ۳۲ اور اللہ اُن سب باتوں کو جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہیں، اور اللہ علم اور حلم کا مالک ہے۔ ۳۳

(۳۶) اگر رخصتی کے بعد طلاق ہو تو عورت کو عدت گزارنے کا حکم ہے جو سورہ بقرہ (۲: ۲۲۸) میں گذرا ہے کہ ایسی عورت تین



مرتبہ ایام ماہواری گزرنے تک عدت میں بیٹھے گی، اور اُس کے بعد نکاح کر سکے گی۔ لیکن اگر رخصتی نہ ہوئی ہو تو اُس کا حکم اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ ایسی صورت میں عورت پر عدت گزارنا واجب نہیں ہے، بلکہ وہ طلاق کے فوراً بعد بھی نکاح کر سکتی ہے۔ آیت میں ”چھوٹے“ کا جملہ استعمال ہوا ہے اُس سے مراد رخصتی ہے، یعنی میاں بیوی کو ایسی تنہائی میسر آ جائے کہ اگر وہ ہم بستری کرنا چاہیں تو کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اگر ایسی تنہائی میسر آ جائے تو عدت واجب ہو جاتی ہے، چاہے ہم بستری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

(۳۷) تحفے سے مراد یہ ہے کہ بیوی کو طلاق کے ذریعے رخصت کرتے وقت ایک جوڑا دیا جائے، جسے اصطلاح میں ”متعہ“ کہا جاتا ہے۔ اور یہ جوڑا مہر کے علاوہ ہے، اور ہر صورت میں مرد کو دینا چاہئے، چاہے رخصتی سے پہلے طلاق ہو، یا رخصتی کے بعد۔ آیت کا منشاء یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے آپس میں نبھاؤ ممکن نہ رہا ہو اور طلاق دینی ہی ہو، تو دونوں کے درمیان جدائی بھی لڑائی اور دشمنی کی فضا کے بجائے خوش اسلوبی کے ساتھ ہونی چاہئے۔

(۳۸) آیت نمبر ۵۰ اور ۵۱ میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بارے میں وہ احکام بیان فرمائے ہیں جو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ان میں سے پہلا حکم یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے لئے چار سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چار سے زیادہ نکاح کی اجازت ہے۔ اس اجازت میں بہت سی حکمتیں تھیں جن کی تفصیل دیکھنی ہو تو ”معارف القرآن“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳۹) یہ دوسرا حکم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے، عام مسلمان اس میں شریک نہیں ہیں۔ اور وہ یہ کہ عام مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی بھی مسلمان عورت سے یا اہل کتاب (یعنی عیسائیوں اور یہودیوں) میں سے کسی عورت سے بھی نکاح کر سکتے ہیں، لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ جائز قرار نہیں دیا گیا کہ آپ کسی یہودی یا عیسائی عورت سے نکاح کریں، نیز مسلمان عورتوں میں سے بھی جنہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت نہ کی ہو، اُن سے بھی آپ کے لئے نکاح جائز نہیں کیا گیا۔

(۴۰) یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تیسرا خصوصی حکم ہے۔ یعنی عام مسلمانوں کے لئے کسی عورت سے مہر کے بغیر نکاح کرنا جائز نہیں ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز قرار دیا گیا ہے کہ اگر کوئی عورت خود سے یہ پیشکش کرے کہ وہ آپ سے مہر کے بغیر نکاح کرنا چاہتی ہے، اور آپ بھی اُس سے نکاح کرنا چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ اگرچہ قرآن کریم کی اس آیت نے آپ کے لئے یہ خصوصی اجازت دے دی تھی، لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر اس اجازت سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا۔

(۴۱) یہ چوتھا خصوصی حکم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقرر فرمایا گیا ہے۔ یعنی عام مسلمانوں پر یہ بات فرض ہے کہ اگر اُن کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو وہ ہر معاملے میں اُن کے ساتھ برابری کا سلوک کریں، چنانچہ جتنی راتیں ایک بیوی کے ساتھ گزاریں، اتنی ہی راتیں دوسری بیوی کے ساتھ گزارنا فرض ہے۔ لیکن اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باریاں مقرر کرنے کی یہ پابندی اٹھالی گئی ہے۔ چنانچہ آپ کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ آپ اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی کی باری ملتوی فرما سکتے ہیں۔ لیکن یہ بھی وہ سہولت ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر فائدہ نہیں اٹھایا، اور ہمیشہ تمام ازواجِ مطہرات سے مکمل برابری کا معاملہ فرمایا۔

(۴۲) مطلب یہ ہے کہ جب ازواجِ مطہرات پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر برابری کا معاملہ کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں فرمائی، تو آپ کی طرف سے ان کے ساتھ جتنا بھی حسن سلوک ہوگا، وہ اُسے اپنے استحقاق سے زیادہ سمجھ کر خوش ہوں گی۔



لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا  
 مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ رَاقِبًا ۝ (۲۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ  
 النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرٍ نَبِذَ لَكُمْ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا  
 طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۖ

اس کے بعد دوسری عورتیں تمہارے لئے حلال نہیں ہیں، اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بدلے کوئی دوسری بیویاں لے آؤ،  
 چاہے اُن کی خوبی تمہیں پسند آئی ہو، البتہ جو کنیزیں تمہاری ملکیت میں ہوں، (وہ تمہارے لئے حلال ہیں)، اور اللہ ہر  
 چیز کی پوری نگرانی کرنے والا ہے۔ (۲۱)

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں (بلا اجازت) داخل نہ ہو، الا یہ کہ تمہیں کھانے پر آنے کی اجازت دے دی جائے،  
 وہ بھی اس طرح کہ تم اُس کھانے کی تیاری کے انتظار میں نہ بیٹھے رہو، لیکن جب تمہیں دعوت دی جائے تو جاؤ، پھر جب  
 کھانا کھا چکو تو اپنی اپنی راہ لو، اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھو۔ (۲۲)

(۲۳) یہ آیت پچھلی دو آیتوں کے کچھ عرصے کے بعد نازل ہوئی ہے۔ پیچھے آیات نمبر ۲۸ و ۲۹ میں ازواجِ مطہرات کو جو اختیار  
 دیا گیا تھا، اُس کے جواب میں تمام ازواجِ مطہرات نے دُنیا کی زیب و زینت کے بجائے آخرت کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی رفاقت کو ترجیح دی تھی۔ اُس کے انعام کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اور عورت سے  
 نکاح کرنے سے بھی منع فرمادیا، اور موجودہ ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو طلاق دے کر اُن کی جگہ کسی اور سے نکاح کرنا بھی  
 ممنوع قرار دے دیا۔ (بعض مفسرین نے اس آیت کی کسی اور طرح بھی تفسیر کی ہے، لیکن جو تفسیر اوپر ذکر کی گئی، وہ حضرت انسؓ  
 اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے منقول ہے، (روح المعانی بحوالہ نہہقی وغیرہ) اور زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۲۴) ان آیات میں معاشرت کے کچھ آداب بتائے گئے ہیں، اور یہ آیات اُس وقت نازل ہوئیں جب حضور اقدس صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنے نکاح کے موقع پر ویسے کا اہتمام فرمایا۔ اس وقت کچھ حضرات کھانے کے  
 وقت سے کافی پہلے آ بیٹھے جبکہ ابھی کھانا تیار نہیں ہوا تھا، اور کچھ حضرات کھانے کے بعد دیر تک آپ کے مکان مبارک میں بیٹھے  
 باتیں کرتے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا، اور ان حضرات کے دیر تک بیٹھے رہنے کی وجہ  
 سے آپ کو ان کے ساتھ مشغول رہنا پڑا جس سے آپ کو تکلیف ہوئی۔ یہ واقعہ تو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا  
 تھا، اس لئے اس آیت میں آپ کے گھروں کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے، لیکن ان آیتوں کے احکام عام ہیں۔ ادب یہ سکھایا  
 گیا ہے کہ اول تو کسی کے گھر میں بلا اجازت جانا منع ہے۔ دوسرے اگر کسی نے کھانے کی دعوت کی ہے تو کوئی بھی ایسا طریقہ  
 اختیار کرنا جائز نہیں ہے جس سے میزبان کو تکلیف ہو، چنانچہ کھانے کے وقت سے بہت پہلے جا بیٹھنا یا کھانے کے بعد دیر تک اس  
 طرح بیٹھے رہنا جس سے میزبان کی آزادی میں خلل آئے، اسلامی تہذیب کے خلاف ہے۔



إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيُ مِنْكُمْ ۚ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيُ مِنَ الْحَقِّ ۖ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ۝ (۵۳) إِنْ تَبَدُّوا شَيْئًا أَوْ تُخَفُّوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ (۵۴) لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءَ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ وَلَا مَمْلَكَتٍ أَيْمَانِهِنَّ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝ (۵۵) إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْلُوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (۵۶)

حقیقت یہ ہے کہ اس بات سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے، اور وہ تم سے (کہتے ہوئے) شرماتے ہیں، اور اللہ حق بات میں کسی سے نہیں شرماتا۔ اور جب تمہیں نبی کی بیویوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ (۵۴) یہ طریقہ تمہارے دلوں کو بھی اور اُن کے دلوں کو بھی زیادہ پاکیزہ رکھنے کا ذریعہ ہوگا۔ اور تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ، اور نہ یہ جائز ہے کہ اُن کے بعد اُن کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑی سنگین بات ہے۔ (۵۳) چاہے تم کوئی بات ظاہر کرو، یا اُسے چھپاؤ، اللہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھنے والا ہے۔ (۵۴) نبی کی بیویوں کے لئے اپنے اپنے باپ (کے سامنے بے پردہ آنے) میں کوئی گناہ نہیں ہے، نہ اپنے بیٹوں کے، نہ اپنے بھائیوں کے، نہ اپنے بھتیجیوں کے، نہ اپنے بھانجوں کے، اور نہ اپنی عورتوں کے، اور نہ اپنی کنیزوں کے (سامنے آنے میں کوئی گناہ ہے۔) اور (اے خواتین!) تم اللہ سے ڈرتی رہو۔ یقین جانو کہ اللہ ہر بات کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ (۵۵) بیشک اللہ اور اُس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اُن پر درود بھیجو، اور خوب سلام بھیجا کرو۔ (۵۶)

(۳۵) اسلامی معاشرت کا یہ دوسرا اہم حکم ہے، اور اس کے ذریعے خواتین کے لئے پردہ واجب کیا گیا ہے۔ یہاں اگرچہ براہِ راست خطاب ازواجِ مطہرات کو ہے، لیکن حکم عام ہے جیسا کہ آگے آیت نمبر ۵۹ میں اس کی صراحت آرہی ہے۔ (۳۶) جیسا کہ سورہ نور (۲۴:۳۱) میں گذر چکا ہے، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں، لہذا غیر مسلم عورتوں سے بھی پردہ ضروری ہے، لیکن چونکہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ غیر مسلم عورتیں ازواجِ مطہرات کے پاس جایا کرتی تھیں، اس لئے امام رازی اور علامہ آلوسی نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ ”اپنی عورتوں“ سے مراد اپنے میل جول کی عورتیں ہیں، چاہے مسلمان ہوں یا کافر۔ اُن سے پردہ واجب نہیں ہے۔ جن مزید لوگوں سے پردہ واجب نہیں ہے، اُن کی تفصیل سورہ نور کی مذکورہ آیت میں گذر چکی ہے۔



إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ﴿٥٥﴾  
وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغَيْرِ مَا كُتِبَُوا فَقَدْ احْتَبَلُوا بِهْتَانًا وَإِثْمًا  
مُهِينًا ﴿٥٦﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ  
جَلَابِيبِهِنَّ ۖ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥٧﴾ لَئِنْ لَّمْ  
يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا  
يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ﴿٥٨﴾

جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اللہ نے دنیا اور آخرت میں اُن پر لعنت کی ہے، اور اُن کے لئے ایسا عذاب تیار کر رکھا ہے جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ ﴿۵۵﴾ اور جو لوگ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو اُن کے کسی جرم کے بغیر تکلیف پہنچاتے ہیں، انہوں نے بہتان طرازی اور کھلے گناہ کا بوجھ اپنے اوپر لا دیا ہے۔ ﴿۵۶﴾

اے نبی! تم اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی چادریں اپنے (منہ کے) اوپر جھکالیا کریں۔ اس طریقے میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی، تو اُن کو ستایا نہیں جائے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۵۷﴾ اگر وہ لوگ باز نہ آئے جو منافق ہیں، جن کے دلوں میں روگ ہے اور جو شہر میں شرانگیز افواہیں پھیلاتے ہیں، تو ہم ضرور ایسا کریں گے کہ تم اُن کے خلاف اُٹھ کھڑے ہو گے، پھر وہ اس شہر میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکیں گے، البتہ تھوڑے دن ﴿۵۸﴾

﴿۵۷﴾ اس آیت نے واضح فرمادیا ہے کہ پردے کا حکم صرف ازواجِ مطہرات کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام مسلمان عورتوں کے لئے ہے۔ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کے لئے گھر سے باہر نکلیں تو اپنی چادروں کو اپنے چہروں پر جھکا کر انہیں چھپالیا کریں۔ مقصد یہ ہے کہ راستہ دیکھنے کے لئے آنکھوں کو چھوڑ کر چہرے کا باقی حصہ چھپالیا جائے۔ اس کی صورت یہ بھی ممکن ہے کہ جس چادر سے پورا جسم ڈھکا ہوا ہے، اُس کو چہرے پر اس طرح لپیٹ لیا جائے کہ آنکھوں کے سوا باقی چہرہ نظر نہ آئے، اور یہ صورت بھی ممکن ہے کہ چہرے پر الگ سے نقاب ڈال لیا جائے۔

﴿۵۸﴾ بعض منافقین عورتوں کو راستے میں چھیڑا کرتے تھے، اس آیت میں پردے کے ساتھ نکلنے کی یہ حکمت بیان فرمائی گئی ہے کہ جب عورتیں پردے کے ساتھ باہر نکلیں گی تو ہر دیکھنے والا یہ سمجھ جائے گا کہ یہ شریف اور پاک دامن عورتیں ہیں، اس لئے منافقین کو انہیں چھیڑنے اور ستانے کی جرأت نہیں ہوگی۔ اس کے برخلاف بے پردہ بن ٹھن کر باہر نکلنے والی خواتین اُن کی چھیڑ چھاڑ کا زیادہ نشانہ بن سکتی ہیں۔ علامہ ابو حیان نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے (البحر المحیط)۔



مَلْعُونِينَ ۖ أَيُّنَا ثَقِفُوا أَخْذُوا وَقْتَكُمْ تَقْتِيلًا ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ يَسْأَلُ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ۖ خُلِدَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۖ يَوْمَ تُقَلَّبُ وَجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَلَيَّتْنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَ ۖ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلًا ۖ رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنَهُمُ لَعْنًا كَبِيرًا ۖ

جن میں وہ پھنکارے ہوئے ہوں گے۔ (پھر) جہاں کہیں ملیں گے، پکڑ لئے جائیں گے، اور انہیں ایک ایک کر کے قتل کر دیا جائے گا۔ (۴۹) یہ اللہ کا وہ معمول ہے جس پر ان لوگوں کے معاملے میں بھی عمل ہوتا رہا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور تم اللہ کے معمول میں کوئی تبدیلی ہرگز نہیں پاؤ گے۔ (۵۰) لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اُس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور تمہیں کیا پتہ شاید قیامت قریب ہی آگئی ہو۔ (۵۱) اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ نے کافروں کو رحمت سے دُور کر دیا ہے، اور اُن کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے، (۵۲) جس میں وہ ہمیشہ اس طرح رہیں گے کہ انہیں نہ کوئی حمایتی مل سکے گا، اور نہ کوئی مددگار۔ (۵۳) جس دن اُن کے چہروں کو آگ میں اُلٹا پلٹا جائے گا، وہ کہیں گے کہ: ”اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کر لی ہوتی، اور رسول کا کہنا مان لیا ہوتا!“ (۵۴) اور کہیں گے کہ: ”اے ہمارے پروردگار! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا، اور انہوں نے ہمیں راستے سے بھٹکا دیا۔“ (۵۵) اے ہمارے پروردگار! ان کو دو گنا عذاب دے، اور اُن پر ایسی لعنت کر جو بڑی بھاری لعنت ہو۔“ (۵۶)

(۴۹) یہاں منافقین کو خبردار کیا گیا ہے کہ اس وقت تو اُن کی منافقت چھپی ہوئی ہے، لیکن اگر انہوں نے اپنی نازیبا حرکتیں نہ چھوڑیں جن میں عورتوں کو چھیڑنے اور بے بنیاد افواہیں پھیلانے کا خاص طور پر حوالہ دیا گیا ہے تو اُن کی منافقت صاف واضح ہو جائے گی، اور اس صورت میں اُن کے ساتھ غیر مسلم دشمنوں جیسا سلوک کیا جائے گا۔

(۵۰) اللہ تعالیٰ کے معمول سے یہاں مراد یہ ہے کہ جو لوگ زمین میں فساد مچاتے ہیں، اُن کو پہلے خبردار کیا جاتا ہے، پھر بھی اگر وہ باز نہیں آتے تو انہیں سزا دی جاتی ہے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ إِذْ دُاعُوا إِلَى اللَّهِ فَبَرَّاهُ مِمَّا قَالُوا ۖ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا ۝ (۵۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ (۵۲) يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ (۵۳) إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝ (۵۴) لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ (۵۵)

اے ایمان والو! اُن لوگوں کی طرح نہ بن جانا جنہوں نے موسیٰ کو ستایا تھا، پھر اللہ نے اُن کو اُن باتوں سے بری کر دیا جو ان لوگوں نے بنائی تھیں، اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے رُتبے والے تھے۔ (۵۱) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سیدھی سچی بات کہا کرو، (۵۲) اللہ تمہارے فائدے کے لئے تمہارے کام سنوار دے گا، اور تمہارے گناہوں کی مغفرت کر دے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے، اُس نے وہ کامیابی حاصل کر لی جو زبردست کامیابی ہے۔ (۵۳) ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، تو انہوں نے اُس کے اٹھانے سے انکار کیا، اور اُس سے ڈر گئے، اور انسان نے اُس کا بوجھ اٹھالیا۔ (۵۴) حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ظالم، بڑا نادان ہے۔ (۵۵) نتیجہ یہ ہے کہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو، نیز مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے گا، اور مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (۵۵)

(۵۱) بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طرح طرح کے الزامات لگا کر انہیں بہت ستایا تھا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے فرمایا جا رہا ہے کہ وہ ایسی حرکت نہ کریں۔

(۵۲) یہاں ”امانت“ کا مطلب ہے: ”اپنی آزاد مرضی سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی ذمہ داری لینا۔“ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے تکوینی احکام تو وہ ہیں جنہیں ماننے پر تمام مخلوقات مجبور ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کر ہی نہیں سکتیں، مثلاً موت اور زندگی کا فیصلہ، وغیرہ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی مختلف مخلوقات کو یہ پیشکش فرمائی کہ بعض احکام کے معاملے میں انہیں یہ اختیار دیا جائے گا کہ اگر وہ چاہیں تو اللہ تعالیٰ کا حکم مان کر اُس پر عمل کریں، اور اگر چاہیں تو حکم پر عمل نہ کریں۔ پہلی صورت میں اُن کو جنت کی ابدی نعمتیں حاصل ہوں گی، اور دوسری صورت میں انہیں دوزخ کا عذاب دیا جائے گا۔ جب یہ پیشکش آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو کی گئی تو وہ یہ ذمہ داری اٹھانے سے ڈر گئے، اور انہوں نے ایسی ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں انہیں دوزخ کے عذاب کا خطرہ ہو۔ لیکن جب انسان کو یہ پیشکش کی گئی تو اُس نے یہ ذمہ داری



اُٹھالی۔ آسمان، زمین اور پہاڑ اگر چہ دیکھنے میں ایسے نظر آتے ہیں جیسے ان میں شعور نہیں ہے، لیکن قرآن کریم کی کئی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کسی نہ کسی درجے میں شعور موجود ہے، جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل (۱۷: ۴۴) میں گزرا ہے۔ اس لئے ان مخلوقات کو یہ پیشکش حقیقی معنی میں ہوئی ہو، اور انہوں نے انکار کیا ہو تو اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ امانت کی پیشکش اور اس سے انکار مجازی معنی میں ہو، یعنی اس امانت کے اُٹھانے کی صلاحیت نہ ہونے کو انکار سے تعبیر فرمایا گیا ہو۔ اس موقع پر سورہ اعراف کی آیت (۱۷۲: ۷) اور اس پر ہمارا تشریحی حاشیہ بھی ملاحظہ فرمایا جائے۔

(۵۳) یہ جملہ اُن لوگوں کے لئے فرمایا گیا ہے جنہوں نے امانت کا یہ بوجھ اُٹھانے کے بعد اُس کا حق ادا نہیں کیا، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کی، یعنی کافر اور منافق لوگ۔ چنانچہ اگلی آیت میں اُنہی کا انجام بیان ہوا ہے۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۱۲ شعبان ۱۴۲۸ھ، مطابق ۲۶ اگست ۲۰۰۷ء بروز اتوار سورہ احزاب کا ترجمہ اور تشریحی حواشی پایہ تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا ترجمہ اور تفسیر بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل تک پہنچائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ سَبَا

## تعارف

اس سورت کا بنیادی موضوع اہل مکہ اور دوسرے مشرکین کو اسلام کے بنیادی عقائد کی دعوت دینا ہے۔ اس سلسلے میں اُن کے اعتراضات اور شبہات کا جواب بھی دیا گیا ہے، اور اُن کو نافرمانی کے بُرے انجام سے بھی ڈرایا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے ایک طرف حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی اور دوسری طرف قوم سبا کی عظیم الشان حکومتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو ایسی زبردست سلطنت سے نوازا گیا جس کی کوئی نظیر دُنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی، لیکن ان برگزیدہ پیغمبروں کو کبھی اس سلطنت پر ذرہ برابر غرور نہیں ہوا، اور وہ اس سلطنت کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے رہے، اور اپنی حکومت کو نیکی کی ترویج اور بندوں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں استعمال کیا، چنانچہ وہ دُنیا میں بھی سرخرو رہے، اور آخرت میں بھی اُن کا مقام پایا۔ دوسری طرف قوم سبا کو جو یمن میں آباد تھی، اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی خوشحالی سے نوازا، لیکن اُنہوں نے ناشکری کی روش اختیار کی، اور کفر و شرک کو فروغ دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا، اور اُن کی خوشحالی ایک قصہ پارینہ بن کر رہ گئی۔ ان دونوں واقعات کو ذکر فرما کر سبق یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اقتدار حاصل ہو، یا دُنوی خوشحالی نصیب ہو تو اُس میں لگن ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھلا بیٹھنا تاہی کو دعوت دینا ہے۔ اس سے مشرکین کے اُن سرداروں کو متنبہ کیا گیا ہے جو اپنے اقتدار کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر دین حق کے راستے میں روڑے اٹکا رہے تھے۔



ایاتھا ۵۴ ﴿۵۳﴾ سُورَةُ سَبَا مَكِّيَّةٌ ۵۸ ﴿۵۸﴾ رُكُوعَاتُهَا ۶ ﴿۵۹﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۖ وَهُوَ الْحَكِيْمُ  
الْخَبِيْرُ ﴿۱﴾ يَعْلَمُ مَا يَدْبُرُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ  
فِيْهَا ۚ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ﴿۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَأْتِيْنَا السَّاعَةُ ۖ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ  
لَتَأْتِيَنَّكُمْ ۚ عَلِمِ الْغَيْبُ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَا  
اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ ۚ اَلَا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تمام تر تعریف اُس اللہ کی ہے جس کی صفت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اُسی کا ہے، اور آخرت میں  
بھی تعریف اُسی کی ہے، اور وہی ہے جو حکمت کا مالک ہے، مکمل طور پر باخبر! ﴿۱﴾ وہ اُن چیزوں کو بھی جانتا ہے جو زمین  
کے اندر جاتی ہیں، اور اُن کو بھی جو اُس سے باہر نکلتی ہیں، اُن کو بھی جو آسمان سے اُترتی ہیں، اور اُن کو بھی جو اُس میں  
چڑھتی ہیں، اور وہی ہے جو بڑا مہربان ہے، بہت بخشنے والا ہے۔ ﴿۲﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ:  
”ہم پر قیامت نہیں آئے گی“ کہہ دو: ”کیوں نہیں آئے گی؟ میرے عالم الغیب پروردگار کی قسم! وہ تم پر ضرور آکر رہے  
گی۔ کوئی ذرہ برابر چیز اُس کی نظر سے دور نہیں ہوتی، نہ آسمانوں میں، نہ زمین میں، اور نہ اُس سے چھوٹی کوئی چیز ایسی  
ہے نہ بڑی جو ایک کھلی کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں درج نہ ہو۔ ﴿۳﴾

(۱) جو کافر لوگ آخرت کی زندگی کا انکار کرتے تھے، اُن کا کہنا یہ تھا کہ انسان کے مٹی میں مل جانے کے بعد اُس کو از سر نو زندگی دینا  
کیسے ممکن ہے؟ ان آیتوں میں جواب یہ دیا جا رہا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کو انسان پر قیاس کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا علم تو  
اس کائنات کے ہر چھوٹے سے چھوٹے ذرے کا بھی احاطہ کئے ہوئے ہے، اور جو ذات آسمان وزمین جیسی عظیم الشان مخلوقات کو  
بالکل عدم سے وجود میں لاسکتی ہے، اُس کے لئے یہ کیا مشکل ہے کہ مردہ جسم کے ذرات کو دوبارہ اکٹھا کر کے انہیں نئی زندگی عطا  
کر دے؟ اور آیت نمبر ۴ میں آخرت کی زندگی کی عقلی ضرورت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ اگر یہ دنیا ہی سب کچھ ہے، اور کوئی  
دوسری زندگی آنے والی نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرماں برداروں اور نافرمانوں میں کوئی فرق ہی نہیں  
رکھا۔ آخرت کی زندگی اس لئے ضروری ہے تاکہ اُس میں فرماں برداروں کو اُن کی نیکی کا انعام دیا جائے، اور نافرمانوں کو سزا ملے۔



لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ  
 سَعَوْا فِي الْاِيتِنَامِ عِزِّينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رَّجْزٍ أَلِيمٌ ۝ وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ  
 الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ هُوَ الْحَقُّ ۖ وَيَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝ وَقَالَ  
 الَّذِينَ كَفَرُوا أَهْلُ نَدُوكُمْ عَلَى رَجُلٍ يَنْبَغِيكُمْ إِذَا مَرَّ قُتْمٌ كُلُّ مَرَّ قٍ ۖ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ  
 جَدِيدٍ ۝ أَفْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جِنَّةٌ ۖ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي  
 الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ۝ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَى مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاءِ  
 وَالْأَرْضِ ۖ إِنَّ نَّشَانِ خُسْفٍ بِهِمُ الْأَرْضُ ۖ وَأَنْتُمْ عَلَيْهُمْ كَسَافٌ مِّنَ السَّمَاءِ ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ  
 لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۝

(اور قیامت اس لئے آئے گی) تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اللہ اُن کو انعام دے۔ ایسے لوگوں کے لئے مغفرت ہے، اور باعزت رزق۔ ۝ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے بارے میں یہ کوشش کی ہے کہ انہیں ناکام بنا سکیں، اُن کے لئے بلا کا دردناک عذاب ہے۔ ۝ اور (اے پیغمبر!) جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، وہ حق ہے، اور اُس (اللہ) کا راستہ دکھاتا ہے جو اقتدار کا مالک بھی ہے، ہر تعریف کا مستحق بھی۔ ۝ اور یہ کافر لوگ (ایک دوسرے سے) کہنے لگے: ”کیا ہم تمہیں ایک ایسے شخص کا پتہ بتائیں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم (مر کر) بالکل ریزہ ریزہ ہو چکو گے، اُس وقت تم ایک نئے جہنم میں آؤ گے؟“ ۝ پتہ نہیں اس شخص نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، یا اُسے کسی طرح کا جنون لاحق ہے؟“ — نہیں! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ خود عذاب میں اور پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ۝ بھلا کیا ان لوگوں نے اُس آسمان و زمین کو نہیں دیکھا جو ان کے آگے بھی موجود ہیں اور ان کے پیچھے بھی۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں، یا آسمان کے کچھ ٹکڑے ان پر گرا دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں ہر اُس بندے کے لئے ایک نشانی ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ ۝

(۲) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی مذکورہ بات کا جواب ہے۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دو احتمال ذکر کئے تھے، ایک یہ کہ (معاذ اللہ) آپ نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے کے مرادف ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب الہی کو دعوت دینے والا کوئی کام نہیں کیا، اس کے برعکس آخرت کے منکرین ضرور عذاب کا کام کر رہے ہیں۔ دوسرا احتمال کافروں نے یہ ذکر کیا تھا کہ



وَلَقَدْ أَتَيْنَا دَاوُدَ مِنْ أَفْضَلًا ۖ لِيَجِبَالَ أَوْبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ ۚ وَآلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ ۚ إِنَّ آعْمَلَ  
سَبِغَتْ وَقَدَّرَ فِي السَّرْدِ وَأَعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحُ  
عُدُوهُ حَاشَهُمْ وَرَوَاحُهُمْ ۚ وَآسَلْنَاهُ عَيْنَ الْقَطْرِ ۖ

اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے داود کو خاص اپنے پاس سے فضل عطا کیا تھا۔ ”اے پہاڑو! تم بھی تسبیح میں ان کے ساتھ ہم آواز بن جاؤ، اور اے پرندو! تم بھی۔“ اور ہم نے اُن کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا، ۱۰ کہ: ”پوری پوری زر ہیں بناؤ، اور کڑیاں جوڑنے میں توازن سے کام لو، اور تم سب لوگ نیک عمل کرو۔ تم جو عمل بھی کرتے ہو، میں اُسے دیکھ رہا ہوں۔“ ۱۱ اور سلیمان کے لئے ہم نے ہوا کو تابع بنا دیا تھا۔ اُس کا صبح کا سفر بھی ایک مہینے کی مسافت کا ہوتا تھا، اور شام کا سفر بھی ایک مہینے کی مسافت کا۔ ۱۲ اور ہم نے اُن کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا۔ ۱۳

(معاذ اللہ) آپ کو جنون لاحق ہو گیا ہے، اور جنون کی حالت میں اگرچہ عذاب نہیں ہوتا، لیکن مجنون راستے سے بھٹکا ہوا ضرور ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ آپ نہیں، بلکہ منکرینِ آخرت پر لے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ۱۴ حضرت داود علیہ السلام خود بھی بہت خوش آواز تھے، اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو بھی اُن کے لئے مسخر کر دیا تھا کہ جب وہ ذکر اور تسبیح میں مشغول ہوں تو پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ساتھ تسبیح اور ذکر کرنے لگتے تھے، اور ماحول میں ایک پُر کیف سماں بندھ جاتا تھا۔ پہاڑوں اور پرندوں کو ذکر و تسبیح کی صلاحیت عطا ہونا حضرت داود علیہ السلام کا خاص معجزہ تھا۔ ۱۵ یہ حضرت داود علیہ السلام کے ایک اور معجزے کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو لوہے کی وہ زر ہیں بنانے کی خصوصی مہارت عطا فرمائی تھی جو اُس زمانے میں جنگ کے موقع پر دشمن کے وار سے بچاؤ کے لئے پہنی جاتی تھیں۔ اس صنعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو یہ خصوصیت عطا فرمادی تھی کہ لوہا اُن کے ہاتھ میں پہنچ کر نرم ہو جاتا تھا، اور وہ اُسے جس طرح چاہتے موڑ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس بات کا بھی خاص ذکر فرمایا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کو ہدایت دی گئی تھی کہ وہ زرہ کی کڑیوں میں توازن قائم رکھیں۔ اس میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر کام اور ہر صنعت میں سلیقے اور توازن کا خیال رکھنا پسند ہے۔

۱۶ یہ وہ معجزہ ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو اُن کا تابع فرمان بنا دیا تھا، وہ ہوا کی تیز رفتاری کو استعمال فرما کر دُر دراز کا سفر مختصر وقت میں طے کر لیتے تھے۔ قرآن کریم نے اس معجزے کی تفصیل بیان نہیں فرمائی، لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے تخت کو ہوا پُر اُڑنے کی صلاحیت دے دی گئی تھی، چنانچہ جو سفر عام حالات میں ایک مہینے میں طے ہوا کرتا تھا، وہ اس طرح صرف صبح یا صرف شام میں طے ہو جایا کرتا تھا۔

۱۷ یہ ایک اور نعمت کا ذکر ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا ہوئی تھی کہ تانبے کا ایک چشمہ اُن کی دسترس میں تھا، اور اُس میں اللہ تعالیٰ نے تانبے کو سیال بنا دیا تھا جس کی وجہ سے تانبے کی مصنوعات آسانی سے بن جاتی تھیں۔



وَمِنَ الْجِنَّ مَنْ یَعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَمَنْ یَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نَذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیرِ ۝ یَعْمَلُونَ لَهُ مَا یَشَاءُ مِنْ مَّحَارِیبَ وَتَمَاثِیلَ وَجِفَانٍ کَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِیَّتٍ ۖ اَعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا ۖ وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِی الشَّکُورُ ۝ فَلَمَّا قَضَیْنَا عَلَیْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَاتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَ تَبِیَّنَتْ الْجِنَّ أَنَّ لَّهُمْ کَانُوا یَعْلَمُونَ الْغِیْبَ مَا لِبَشَرٍ فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ۝

اور جنات میں سے کچھ وہ تھے جو اپنے پروردگار کے حکم سے اُن کے آگے کام کرتے تھے، اور (ہم نے اُن پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ) اُن میں سے جو کوئی ہمارے حکم سے ہٹ کر ٹیڑھا راستہ اختیار کرے گا، اُسے ہم بھڑکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھائیں گے۔ ۝ وہ جنات سلیمان کے لئے جو وہ چاہتے بنا دیا کرتے تھے: اونچی اونچی عمارتیں، تصویریں، حوض جیسے بڑے بڑے لگن اور زمین میں جمی ہوئی دیگیں! ”اے داود کے خاندان والو! تم ایسے عمل کیا کرو جن سے شکر ظاہر ہو۔ اور میرے بندوں میں کم لوگ ہیں جو شکر گزار ہوں۔“ ۝ پھر جب ہم نے سلیمان کی موت کا فیصلہ کیا تو ان جنات کو اُن کی موت کا پتہ کسی اور نے نہیں، بلکہ زمین کے کیڑے نے دیا جو اُن کے عصا کو کھارہا تھا۔ ۝ چنانچہ جب وہ گر پڑے تو جنات کو معلوم ہوا کہ اگر وہ غیب کا علم جانتے ہوتے تو اس ذلت والی تکلیف میں مبتلا نہ رہتے۔ ۝

(۷) وہ شریر جنات جو کسی کے قابو میں نہیں آتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع بنا دیا تھا، چنانچہ وہ اُن کی مختلف خدمات انجام دیتے تھے جن میں سے کچھ کا ذکر آگے آرہا ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تو جنات کو اللہ تعالیٰ نے خود تابع بنا دیا تھا، لیکن آج کل جو لوگ عملیات کے ذریعے جنات کو تابع بنانے کا دعویٰ کرتے ہیں، اگر وہ صحیح ہو، اور اُس کے لئے کوئی ناجائز طریقہ بھی اختیار نہ کرنا پڑے تو وہ صرف اس صورت میں جائز ہے جب اُس کا مقصد شریر جنات کی تکلیف سے بچنا ہو، ورنہ کسی آزاد اور بے ضرر جن کو غلام بنانا جائز نہیں ہے۔

(۸) ظاہر یہ ہے کہ یہ تصویریں بے جان چیزوں کی ہوتی تھیں، جیسے درختوں اور عمارتوں وغیرہ کی، اس لئے کہ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ جانداروں کی تصویریں بنانا حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں بھی ناجائز تھا۔

(۹) حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر پر جنات کو مقرر کیا ہوا تھا۔ یہ جنات طبعی طور پر سرکش تھے، اور صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کی نگرانی میں کام کرتے تھے، اور اندیشہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد وہ کام کرنا چھوڑ دیں گے۔ اس لئے جب اُن کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے یہ تدبیر اختیار کی کہ جنات کی نگاہوں کے سامنے ایک



لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۚ كُلُّوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا  
لَهُ ۚ بَلَدٌ طَيِّبٌ وَرَبُّ غَفُورٌ ﴿۱۵﴾ فَأَعْرَضُوا فَأَنْرَسْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ  
بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِ أُكُلٍ خَطْبٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ ﴿۱۶﴾ ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا  
كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجْزِي إِلَّا الْكَفُورَ ﴿۱۷﴾

حقیقت یہ ہے کہ قوم سبا کے لئے خود اُس جگہ ایک نشانی موجود تھی جہاں وہ رہا کرتے تھے، دائیں اور بائیں دونوں طرف  
باغوں کے دو سلسلے تھے! ”اپنے پروردگار کا دیا ہوا رزق کھاؤ، اور اُس کا شکر بجالاؤ۔ ایک تو شہر بہترین، دوسرے  
پروردگار بخشے والا!“ ﴿۱۵﴾ پھر بھی انہوں نے (ہدایت سے) منہ موڑ لیا، اس لئے ہم نے اُن پر بند والا سیلاب چھوڑ دیا،  
اور اُن کے دونوں طرف کے باغوں کو ایسے دو باغوں میں تبدیل کر دیا جو بدمزہ پھلوں، جھاؤ کے درختوں اور تھوڑی سی  
بیڑیوں پر مشتمل تھے۔ ﴿۱۶﴾ یہ سزا ہم نے اُن کو اس لئے دی کہ انہوں نے ناشکری کی روش اختیار کی تھی، اور ایسی سزا ہم  
کسی اور کو نہیں، بڑے بڑے ناشکروں ہی کو دیا کرتے ہیں۔ ﴿۱۷﴾

عصا کے سہارے اپنی عبادت گاہ میں کھڑے ہو گئے جو شفاف شیشے کی بنی ہوئی تھی، تاکہ جنات انہیں دیکھتے رہیں۔ اسی حالت  
میں اُن کی وفات ہو گئی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے جسم کو عصا کے سہارے کھڑا رکھا، اور جنات یہ سمجھتے رہے کہ وہ زندہ ہیں، یہاں  
تک کہ انہوں نے تعمیر کا کام مکمل کر لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُس عصا پر دیمک مسلط فرمادی جس نے عصا کو کھانا شروع کیا،  
عصا کمزور پڑ گیا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم گر پڑا۔ اُس وقت جنات کو احساس ہوا کہ وہ اپنے آپ کو جو عالم الغیب  
سمجھتے تھے، وہ کتنی غلط بات تھی، اگر انہیں غیب کا پتہ ہوتا تو وہ اتنے دن تک غلط فہمی میں مبتلا رہ کر تعمیر کے کام کی تکلیف نہ  
اٹھاتے۔

﴿۱۰﴾ قوم سبا یمن میں آباد تھی، اور کسی زمانے میں وہ اپنے تہذیب و تمدن میں ممتاز حیثیت رکھتی تھی۔ جیسا کہ قرآن کریم نے بتایا  
ہے، اُن کی زمینیں بڑی زرخیز تھیں، ان کی سڑکوں کے دونوں طرف پھل دار باغات کے سلسلے دور تک چلے گئے تھے۔ خوشحالی  
بھی میسر تھی، اور سیاسی استحکام بھی، لیکن رفتہ رفتہ یہ لوگ اپنی عیاشیوں میں ایسے لگن ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے احکام کو  
بھول بیٹھے اور شرک کو اپنا مذہب بنا لیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس کئی پیغمبر بھیجے، حافظ ابن کثیر کے بیان کے مطابق ان کے پاس  
یکے بعد دیگرے تیرہ پیغمبر بھیجے گئے جنہوں نے اس قوم کو ہر طرح سمجھانے اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کی، مگر یہ نہ مانے۔  
آخر کار ان پر جو عذاب آیا وہ یہ تھا کہ مآرب کے مقام پر ایک بند تھا جس کے پانی سے ان کی زمینیں سیراب ہوتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ  
نے وہ بند توڑ دیا، اور اس طرح پوری بستی کو سیلاب نے گھیر لیا، اور سارے باغات تباہ ہو گئے۔



وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ۖ سِيرُوا فِيهَا لِيَالِي وَأَيَّامًا آمِنِينَ ﴿١١﴾ فَقَالُوا رَبَّنَا بَعْدَ بَيْنِ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَرِّقٍ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾

اور ہم نے اُن کے اور اُن بستیوں کے درمیان جن پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، ایسی بستیاں بسا رکھی تھیں جو دُور سے نظر آتی تھیں، اور اُن میں سفر کو نپے تلے مرحلوں میں بانٹ دیا تھا (اور کہا تھا کہ) ”ان (بستیوں) کے درمیان راتیں ہوں یا دن، امن و امان کے ساتھ سفر کرو“ ﴿۱۱﴾ اس پر وہ کہنے لگے کہ: ”ہمارے پروردگار! ہمارے سفر کی منزلوں کے درمیان دُور دُور کے فاصلے پیدا کر دے“ اور یوں انہوں نے اپنی جانوں پر ستم ڈھایا، جس کے نتیجے میں ہم نے انہیں افسانہ ہی افسانہ بنا دیا، اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے بالکل تتر بتر کر دیا۔ یقیناً اس واقعے میں ہر اُس شخص کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو صبر و شکر کا خوگر ہو۔ ﴿۱۲﴾ اور واقعی ان لوگوں کے بارے میں ابلیس نے اپنا خیال دُست پایا، چنانچہ یہ اُسی کے پیچھے چل پڑے، سوائے اُس گروہ کے جو مومن تھا۔ ﴿۱۳﴾

(۱۱) اس سے مراد شام اور فلسطین کے علاقے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان علاقوں کو ظاہری حسن اور شادابی سے بھی نوازا ہے، اور انبیائے کرام کی سرزمین ہونے کا بھی شرف عطا فرمایا ہے۔

(۱۲) یہ اللہ تعالیٰ کے ایک اور انعام کا ذکر ہے جو سب کی قوم پر فرمایا گیا تھا۔ یہ لوگ تجارتی مقاصد کے لئے یمن سے شام کا سفر کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سہولت کے لئے یہ انتظام فرمایا تھا کہ یمن سے لے کر شام تک کے پورے علاقے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بستیاں بسائی تھیں جو سفر کے دوران تھوڑے تھوڑے وقفے سے نظر آتی رہتی تھیں۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ تھا کہ سفر کو آسان مرحلوں میں تقسیم کیا جاسکتا تھا، اور مسافر جہاں چاہے، کھانے پینے اور سونے کے لئے ٹھہر سکتا تھا۔ اور دُوسرا فائدہ یہ تھا کہ اس طرح بستیوں کے تسلسل کی وجہ سے نہ چوری ڈاکے کا خطرہ تھا، نہ راستہ بھٹک جانے کا، نہ کھانے پینے کے سامان کے ختم ہو جانے کا۔ لیکن بجائے اس کے کہ یہ لوگ اس نعمت کی قدر پہچان کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے، انہوں نے اُلٹا اللہ تعالیٰ سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ بستیوں کے اس تسلسل کی وجہ سے ہمیں سفر کی مہم جوئی کا مزہ ہی نہیں آتا، اس لئے یہ بستیاں ختم کر کے منزلوں کا فاصلہ بڑھا دیجئے، تاکہ صحراؤں اور جنگلوں میں سفر کرنے کا لطف آئے۔

(۱۳) سب کی قوم جو اس عذاب سے پہلے ایک جگہ آباد تھی، عذاب کے بعد وہ مختلف علاقوں میں تتر بتر ہو گئی۔

(۱۴) یعنی ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت جو خیال ظاہر کیا تھا کہ میں آدم علیہ السلام کی اولاد کو بہکاؤں گا، ان سرکش لوگوں کے حق میں وہ واقعی دُست نکلا کہ انہوں نے اُس کی بات مان لی۔



وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُوْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ ط  
 وَرَبُّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ۝ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَسْلِكُون  
 مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهَا مِنْ شَرْكِ وَمَالَهُ مِنْهُمْ مَنْ  
 ظَهِيرٌ ۝ وَلَا تَتَّقُوا الشَّفَاعَةَ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ط حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا  
 مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ط قَالُوا الْحَقُّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝

اور ابلیس کو ان پر کوئی تسلط نہیں تھا، البتہ ہم (نے اُس کو بہکانے کی صلاحیت اس لئے دی تھی کہ) ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون ہے جو آخرت پر ایمان لاتا ہے، اور کون ہے جو اس کے بارے میں شک میں پڑا ہوا ہے۔ اور تمہارا پروردگار ہر چیز پر نگران ہے۔ ۲۱

(اے پیغمبر! ان کافروں سے) کہو کہ: ”پکارو اُن کو جنہیں تم نے اللہ کے سوا خدا سمجھا ہوا ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، نہ اُن کو آسمان و زمین کے معاملات میں (اللہ کے ساتھ) کوئی شرکت حاصل ہے، اور نہ اُن میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔“ ۲۲ اور اللہ کے سامنے کوئی سفارش کار آمد نہیں ہے، سوائے اُس شخص کے جس کے لئے خود اُس نے (سفارش کی) اجازت دے دی ہو، یہاں تک کہ جب اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ: ”تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ: ”حق بات ارشاد فرمائی، اور وہی ہے جو بڑا عالیشان ہے۔“ ۲۳

(۱۵) یعنی شیطان کو ہم نے کوئی ایسی طاقت نہیں دی تھی کہ وہ انسانوں پر زبردستی مسلط ہو کر اُن کو نافرمانی پر مجبور کر دے، البتہ اُسے صرف بہکانے کی صلاحیت دی تھی جس سے دل میں گناہ کی خواہش ضرور پیدا ہو جاتی ہے، مگر کوئی شخص گناہ اور نافرمانی پر مجبور نہیں ہوتا، اور اگر کوئی شخص عقل اور شریعت کے مطالبے پر ڈٹ جائے تو شیطان کچھ بھی نہیں کر سکتا، اور یہ صلاحیت بھی اُس کو اس لئے دی گئی ہے کہ اس کے ذریعے انسانوں کی آزمائش بھی مقصود تھی، کہ کون ہے جو آخرت کی زندگی کو پیش نظر رکھ کر شیطان کی بات رد کر دیتا ہے، اور کون اُسے مان لیتا ہے۔

(۱۶) آیت نمبر ۲۲ و ۲۳ میں مشرکین کے مختلف عقیدوں کی تردید کی گئی ہے۔ ان میں سے بعض مشرکین تو وہ تھے کہ وہ اپنے تراشے ہوئے بتوں ہی کو اپنا خدا مانتے تھے، اور انہی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ براہِ راست ہماری حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ اُن کی تردید کے لئے تو آیت ۲۲ میں فرمایا گیا ہے کہ: ”وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، نہ اُن کو آسمان و زمین کے معاملات میں (اللہ کے ساتھ) کوئی شرکت حاصل ہے۔“ اور بعض مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کے کاموں میں اُس کے مددگار ہیں۔ اُن کی تردید کے لئے اسی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ: ”اور نہ اُن میں سے کوئی



قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ اللَّهُ ۗ وَإِنَّا أَوْيَاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًىٰ أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ قُلْ لَا تُسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرُ مَنَا وَلَا نُسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ قُلْ يَجْعَلُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ يَفْطَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۖ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ۝ قُلْ أَرَأُونِي الَّذِينَ أَلْحَقْتُمْ بِهِ شُرَكَاءَ كَلَّا ۖ بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

کہو کہ: ”کون ہے جو تمہیں آسمانوں سے اور زمین سے رزق دیتا ہے؟“ کہو: ”وہ اللہ ہے! اور ہم ہوں یا تم، یا تو ہدایت پر ہیں، یا کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔“ کہو کہ: ”ہم نے جو جرم کیا ہو، اُس کے بارے میں تم سے نہیں پوچھا جائے گا، اور تم جو عمل کرتے ہو، اُس کے بارے میں ہم سے سوال نہیں ہوگا۔“ کہو کہ: ”ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان برحق فیصلہ کرے گا، اور وہی ہے جو خوب فیصلے کرنے والا، مکمل علم کا مالک ہے۔“ کہو کہ: ”ذرا مجھے دکھاؤ وہ کون ہیں جنہیں تم نے شریک بنا کر اللہ سے جوڑ رکھا ہے۔ ہرگز نہیں! (اُس کا کوئی شریک نہیں ہے) بلکہ وہ اللہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔“ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں سارے ہی انسانوں کے لئے ایسا رسول بنا کر بھیجا ہے جو خوشخبری بھی سنائے، اور خبردار بھی کرے، لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رہے ہیں۔ اور (تم سے) کہتے ہیں کہ: ”اگر تم سچے ہو تو یہ (قیامت کا) وعدہ کب پورا ہوگا؟“

اللہ کا مددگار ہے۔“ اور بعض مشرکین اُن کو خدائی میں اللہ تعالیٰ کا شریک یا مددگار تو نہیں مانتے تھے، لیکن یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری سفارش کریں گے۔ اُن کی تردید کے لئے آیت ۲۳ میں فرمایا گیا ہے کہ: ”اور اللہ کے سامنے کوئی سفارش کار آمد نہیں ہے، سوائے اُس شخص کے جس کے لئے خود اُس نے (سفارش کی) اجازت دے دی ہو۔“ جس کا مطلب یہ ہے کہ تم ان بتوں کے بارے میں یہ سمجھتے ہو کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے یہاں تقرب اور مقبولیت حاصل ہے جس کی وجہ سے ان کو سفارش کرنے کا اختیار حاصل ہے، حالانکہ ان کو نہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی تقرب حاصل ہے، اور نہ ان میں خود سے سفارش کرنے کی صلاحیت ہے، کیونکہ جن کو واقعی اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہے، یعنی فرشتے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔ پھر آگے یہ فرمایا گیا ہے کہ ان فرشتوں کا حال تو یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے رُعب سے سہمے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم ملتا ہے، یا سفارش کی اجازت ملتی ہے تو وہ رُعب کے مارے گھبراہٹ میں مدہوش جیسے ہو جاتے ہیں، پھر جب اُن کی گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ اس کے بعد اُس پر عمل کرتے ہیں۔ جب ان مقرب فرشتوں کا یہ حال ہے تو یہ تراشے ہوئے بت جنہیں کسی قسم کا تقرب حاصل نہیں ہے، وہ کیسے اللہ تعالیٰ سے کسی کی سفارش کر سکتے ہیں؟



قُلْ لَّكُمْ مِيعَادُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ﴿۳۰﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا  
لَنْ نُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ۖ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ  
رَبِّهِمْ ۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا  
لَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ  
عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا الَّذِينَ  
اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا ۖ وَأَسْرُوا  
النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۖ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي الْأَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ هَلْ يُجْزَوْنَ  
إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۳﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِهَا  
أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿۳۴﴾

کہہ دو کہ: ”تمہارے لئے ایک ایسے دن کی مِیعاد مقرر ہے جس سے تم گھڑی برابر نہ پیچھے ہٹ سکتے ہو، نہ آگے جاسکتے ہو۔“ ﴿۳۰﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ”ہم نہ تو اس قرآن پر کبھی ایمان لائیں گے، اور نہ اُن (آسمانی کتابوں) پر جو اس سے پہلے ہوئی ہیں۔“ اور اگر تم اُس وقت کا منظر دیکھو جب یہ ظالم لوگ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے، تو یہ ایک دوسرے پر بات ڈال رہے ہوں گے۔ جن لوگوں کو (دنیا میں) کمزور سمجھا گیا تھا وہ اُن سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ: ”اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مؤمن بن جاتے۔“ ﴿۳۱﴾ جو بڑے بنے ہوئے تھے، اُن سے کہیں گے جنہیں کمزور سمجھا گیا تھا کہ: ”کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا جبکہ وہ تمہارے پاس آچکی تھی؟ اصل بات یہ ہے کہ تم خود مجرم تھے۔“ ﴿۳۲﴾ اور جنہیں کمزور سمجھا گیا تھا وہ اُن سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ: ”نہیں، یہ تمہاری رات دن کی مکاری ہی تو تھی (جس نے ہمیں روکا تھا) جب تم ہمیں تاکید کرتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کا معاملہ کریں، اور اُس کے ساتھ (دوسروں کو) شریک مانیں۔“ اور یہ سب جب عذاب کو دیکھ لیں گے تو اپنا پچھتاوا اچھپا رہے ہوں گے۔ اور جن جن لوگوں نے کفر اختیار کیا تھا، ہم اُن سب کے گلوں میں طوق ڈال دیں گے۔ اُن کو کسی اور بات کا نہیں، اُنہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿۳۳﴾ اور جس کسی بستی میں ہم نے کوئی خبردار کرنے والا پیغمبر بھیجا، اُس کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ: ”جس پیغام کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے، ہم اُس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔“ ﴿۳۴﴾

(۳۴) یعنی ظاہر میں تو ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہوں گے، لیکن دل میں سمجھتے ہوں گے کہ دراصل جرم میں ہم سب شریک ہیں، اس لئے دل ہی دل میں پچھتا رہے ہوں گے۔



وَقَالُوا إِنَّا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا ۖ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿۳۵﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۶﴾ وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِندَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَن آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضَّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْعُرْفِ أَمْنُونَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿۳۸﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۖ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۳۹﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَبِعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۴۰﴾ قَالُوا سُبْحَنَكَ أَنْتَ وَلِيِّنَا مِّنْ دُونِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُونَ ﴿۴۱﴾

اور کہا کہ: ”ہم مال اور اولاد میں تم سے زیادہ ہیں، اور ہمیں عذاب ہونے والا نہیں ہے۔“ ﴿۳۵﴾ کہہ دو کہ: ”میرا پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے، رزق کی فراوانی کر دیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے، لیکن اکثر لوگ اس بات کو سمجھتے نہیں ہیں۔“ ﴿۳۶﴾ اور نہ تمہارے مال تمہیں اللہ کا قرب عطا کرتے ہیں، اور نہ تمہاری اولاد۔ ہاں مگر جو ایمان لائے، اور نیک عمل کرے، تو ایسے لوگوں کو ان کے عمل کا دہرا ثواب ملے گا، اور وہ (جنت کے) بالا خانوں میں چین کریں گے۔ ﴿۳۷﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کو ناکام بنائیں، ان کو عذاب میں دھریا جائے گا۔ ﴿۳۸﴾ کہہ دو کہ: ”میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کی فراوانی کر دیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے۔ اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو، وہ اُس کی جگہ اور چیز دے دیتا ہے، اور وہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔“ ﴿۳۹﴾ اور وہ دن نہ بھولو جب اللہ ان سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے کہے گا کہ: ”کیا یہ لوگ واقعی تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟“ ﴿۴۰﴾ وہ کہیں گے کہ: ”ہم تو آپ کی ذات کی پاکی بیان کرتے ہیں، ہمارا تعلق آپ سے ہے، ان لوگوں سے نہیں۔ دراصل یہ تو جنات کی عبادت کیا کرتے تھے۔“ ان میں سے اکثر لوگ انہی کے معتقد تھے۔“ ﴿۴۱﴾

(۱۸) اصل بات نہ سمجھنے کی وجہ سے انہیں یہ خیال ہو گیا ہے کہ جب دنیا میں انہیں مال و دولت میسر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں، حالانکہ دنیا میں رزق دینے کا معیار اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ نہیں ہے کہ جو جتنا مقرب ہو، اُسے اتنا ہی زیادہ رزق دیا جائے، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور حکمت کے تحت یہاں جس کو چاہتا ہے، رزق زیادہ دیتا ہے، اُس کا اللہ تعالیٰ کے تقرب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۱۹) یہاں جنات سے مراد شیاطین ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ شیاطین سے بہت سے کام نکالا کرتے تھے، اور ان کے



فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَفَعًا وَلَا ضَرًّا ۖ وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ  
النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿۲۰﴾ وَإِذْ اتَّخَذْتُمْ عَلَيْهِمْ اٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَا اِلَّا رَجُلٌ  
یُّرِیْدُ اَنْ یَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانُ یَعْبُدُ اٰبَاؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَا اِلَّا افْكٌ مِّمَّنْ مَّفْتَرٰی ۖ وَقَالَ  
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۱﴾ وَمَا اَتٰیْنَهُمْ مِّنْ كُتُبٍ  
یَّدْرُسُوْنَهَا وَمَا اَرْسَلْنَا اِلَیْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِیْرٍ ﴿۲۲﴾ وَكَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا بَلَغُوا  
مِْعْشَارَ مَا اَتٰیْنَهُمْ فَاْكَذَّبُوْا رُسُلِیْ ۖ فَكِیْفَ كَانَ نَكِیْرٍ ﴿۲۳﴾

لہذا آج تم میں سے کوئی نہ کسی کو کوئی فائدہ پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے، نہ نقصان پہنچانے کا۔ اور جن لوگوں نے ظلم کی روش  
اختیار کی تھی، اُن سے ہم کہیں گے کہ: ”اُس آگ کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔“ ﴿۲۰﴾ اور جب ہماری آیتیں جو  
مکمل وضاحت کی حامل ہیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ (ہمارے پیغمبر کے بارے میں) کہتے ہیں کہ: ”کچھ نہیں،  
یہ شخص بس یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو اُن معبودوں سے برگشتہ کر دے جنہیں تمہارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں۔“ اور  
کہتے ہیں کہ: ”یہ (قرآن) کچھ بھی نہیں، ایک من گھڑت جھوٹ ہے۔“ اور جب ان کافروں کے پاس حق کا پیغام آیا تو  
انہوں نے اُس کے بارے میں یہ کہا کہ: ”یہ تو ایک کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں ہے۔“ ﴿۲۱﴾ حالانکہ ہم نے انہیں پہلے نہ  
ایسی کتابیں دی تھیں جو یہ پڑھتے پڑھاتے ہوں، اور نہ (اے پیغمبر!) تم سے پہلے ہم نے ان کے پاس کوئی خبردار کرنے  
والا (نبی) بھیجا تھا۔ ﴿۲۲﴾ اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی (پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا، اور یہ (عرب کے مشرکین) تو اُس  
ساز و سامان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے ہیں جو ہم نے اُن (پہلے لوگوں) کو دے رکھا تھا، پھر بھی انہوں نے میرے  
پیغمبروں کو جھٹلایا، تو (دیکھ لو کہ) میری دی ہوئی سزا کیسی (سخت) تھی! ﴿۲۳﴾

کہنے پر عمل کرتے تھے، انہوں نے ہی ان کو شرک کا عقیدہ بھجایا تھا، اس لئے حقیقت میں یہ شیاطین کی عبادت کرتے تھے۔  
﴿۲۰﴾ یعنی یہ لوگ اس قرآن کو (معاذ اللہ) من گھڑت کہہ رہے ہیں، حالانکہ من گھڑت تو خود ان کا مذہب ہے، کیونکہ ان کے  
پاس اس سے پہلے نہ کوئی آسمانی کتاب آئی ہے، نہ کوئی پیغمبر، لہذا انہوں نے جو کوئی مذہب بنایا ہے، وہ اپنے دل سے گھڑ کر بنایا  
ہے۔ نیز ان کو پہلی مرتبہ کتاب اور پیغمبر سے نوازا گیا ہے تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اس نعمت کی قدر کرتے، لیکن یہ اُلے اُس کے  
مخالف بن گئے ہیں۔



قُلْ إِنَّمَا أَعْظُمُ بِوَاحِدَةٍ ۚ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مِثْلِي وَفَرَادَى ثُمَّ تَتَفَكَّرُونَ ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جَنَّةٍ ۚ إِنَّ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۝ قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۚ إِنِ اجْتَبَىٰ إِلَا عَلَى اللَّهِ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ قُلْ إِنْ رَبِّي يَظْهَرُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبَدِّلُ الْبَاطِلُ وَمَا يَعْبُدُ ۝ قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسِي ۚ وَإِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ رَبِّي ۚ إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ۝ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَرَغُوا فَلَاقُوا وَأُخِذُوا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝

(اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ: ”میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں، اور وہ یہ کہ تم چاہے دو دول کر اور چاہے اکیلے اکیلے اللہ کی خاطر اٹھ کھڑے ہو، پھر (انصاف سے) سوچو (تو فوراً سمجھ میں آجائے گا کہ) تمہارے اس ساتھی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) میں جنون کی کوئی بات بھی تو نہیں ہے۔ وہ تو ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے تمہیں خبردار کر رہے ہیں۔“ ۝ کہو: ”میں نے اگر اس بات پر تم سے کوئی اجرت مانگی ہو تو وہ تمہاری ہے۔ میرا اجر تو اللہ کے سوا کسی کے ذمے نہیں ہے، اور وہ ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔“ ۝ کہہ دو کہ: ”میرا پروردگار حق کو اوپر سے بھیج رہا ہے، وہ غیب کی ساری باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔“ ۝ کہہ دو کہ: ”حق آچکا ہے، اور باطل میں نہ کچھ شروع کرنے کا دم ہے، نہ دوبارہ کرنے کا۔“ ۝ کہہ دو کہ: ”اگر میں راستے سے بھٹکا ہوں تو میرے بھٹکنے کا نقصان مجھی کو ہوگا، اور اگر میں نے سیدھا راستہ پالیا ہے تو یہ اُس وحی کی بدولت ہے جو میرا رب مجھ پر نازل کر رہا ہے۔ وہ یقیناً سب کچھ سننے والا، ہر ایک سے قریب ہے۔“ ۝ (اے پیغمبر! تمہیں ان کی حالت عجیب نظر آئے گی) اگر تم وہ منظر دیکھو جب یہ گھبرائے پھرتے ہوں گے، اور بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا، اور انہیں قریب ہی سے پکڑ لیا جائے گا۔ ۝

(۲۱) اٹھ کھڑا ہونا اہتمام اور سنجیدگی سے کنایہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ابھی تک تم لوگوں نے سنجیدگی سے غور ہی نہیں کیا، اس لئے یہ بے بنیاد الزام لگا رہا ہے ہو کہ (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنون میں مبتلا ہیں۔ سنجیدگی سے سوچنے کا تقاضا یہ ہے کہ اول تو اس مسئلے کی اہمیت محسوس کرو، دوسرے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے سوچو، اور کبھی اکیلے سوچنے سے فائدہ ہوتا ہے، کبھی اجتماعی طور پر سوچنے سے، اس لئے دونوں صورتیں ذکر فرمائی گئی ہیں۔

(۲۲) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ حق باتیں وحی کے ذریعے اوپر سے آرہی ہیں، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اوپر سے حق کو بھیج کر اُسے باطل پر غالب فرما رہا ہے، لہذا چاہے تم کتنی مخالفت کرو، باطل رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گا، اور حق غالب آکر رہے گا۔



وَقَالُوا امْنَابِهٖ ۚ وَآتَىٰ لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۝۵۰ وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ۚ  
وَيَقْنِفُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۝۵۱ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ  
بِأَشْيَاعِهِمْ مِنْ قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرِيبٍ ۝۵۲

اور (اُس وقت) یہ کہیں گے کہ: ”ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں“، حالانکہ اتنی دُور جگہ سے اُن کو کوئی چیز کیسے ہاتھ آ سکتی ہے؟ (۵۰) جبکہ انہوں نے پہلے اس کا انکار کیا تھا، اور دُور دُور سے اُنکل پچوں تیر پھینکا کرتے تھے۔ (۵۱) اور اُس وقت یہ جس (ایمان) کی آرزو کریں گے، اُس کے اور ان کے درمیان ایک آڑ کر دی جائے گی، جیسا کہ ان جیسے جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں، اُن کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ایسے شک میں پڑے ہوئے تھے جس نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ (۵۲)

(۲۳) یعنی ایمان لانے کی اصل جگہ دُنیا تھی جو اب دُور جا چکی، اب یہاں اتنی دُور پہنچنے کے بعد وہ ایمان تمہارے ہاتھ نہیں آ سکتا جو دُنیا ہی میں مطلوب تھا، کیونکہ دیکھنا تو یہی تھا کہ دُنیا کی رنگینیوں میں گم ہو کر تم اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے ہو، یا بھول جاتے ہو؟ اب جبکہ آخرت کا سارا منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا تو اب ایمان لانا کون سے کمال کی بات ہے جس کی بنا پر تمہیں معاف کیا جائے۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲۱ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ مطابق ۴ ستمبر ۲۰۰۷ء بروز پیر لندن میں مغرب سے ذرا پہلے سورہ سبأ کے ترجمے اور حواشی کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اس کو بندے کی مغفرت کا ذریعہ بنادیں، اور باقی سورتوں کے ترجمے اور تشریح کی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ فَاطِر

## تعارف

اس سورت میں بنیادی طور پر مشرکین کو توحید اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اور فرمایا گیا ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی جو نشانیاں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں، اُن پر سنجیدگی سے غور کرنے سے اول تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جس قادرِ مطلق نے یہ کائنات پیدا فرمائی ہے، اُسے اپنی خدائی کا نظام چلانے میں کسی شریک یا مددگار کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور دوسرے یہ کہ وہ یہ کائنات کسی مقصد کے بغیر فضول پیدا نہیں کر سکتا، یقیناً اس کا کوئی مقصد ہے، اور وہ یہ کہ جو لوگ یہاں اُس کے احکام کے مطابق نیک زندگی گذاریں، اُنہیں انعامات سے نوازا جائے، اور جو نافرمانی کریں، اُن کو سزا دی جائے، جس کے لئے آخرت کی زندگی ضروری ہے۔ تیسرے یہ کہ جو ذات کائنات کے اس عظیم الشان کارخانے کو عدم سے وجود میں لے کر آئی ہے، اُس کے لئے اس کو ختم کر کے نئے سرے سے آخرت کا عالم پیدا کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے جسے ناممکن سمجھ کر اُس کا انکار کیا جائے۔ اور جب یہ حقیقتیں مان لی جائیں تو اُس سے خود بخود یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اس دُنیا میں انسان اُس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارے تو ظاہر ہے کہ اپنی مرضی لوگوں کو بتانے کے لئے اُس نے رہنمائی کا کوئی سلسلہ ضرور جاری فرمایا ہوگا، اسی سلسلے کا نام رسالت، نبوت یا پیغمبری ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی سلسلے کے آخری نمائندے ہیں۔ اس سورت میں آپ کو یہ تسلی بھی دی گئی ہے کہ اگر کافر لوگ آپ کی بات نہیں مان رہے ہیں تو اس میں آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ آپ کا فریضہ صرف اتنا ہے کہ لوگوں تک حق کا پیغام واضح طریقے سے پہنچا دیں۔ آگے ماننا نہ ماننا اُن کا کام ہے، اور وہی اس کے لئے جواب دہ ہیں۔

سورت کا نام ”فاطر“ بالکل پہلی آیت سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں پیدا کرنے والا۔ اسی سورت کا دوسرا نام سورۃ ملائکہ بھی ہے، کیونکہ اس کی پہلی آیت میں فرشتوں کا بھی ذکر آیا ہے۔



﴿ آیاتھا ۲۵ ﴾ ﴿ ۳۵ سُورَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ ۲۲ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۵ ﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَكَةِ رُسُلًا أُولَىٰ أَجْنَحَةٍ مِّثْنَىٰ وَثُلَاثَ  
وَرُبَاعٍ ۖ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (۱) مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ  
رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۖ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (۲)  
يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ۖ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ  
وَالْأَرْضِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَآَنِي تُؤَفَّكُونَ ۝ (۳) وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ  
قَبْلِكَ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ (۴)

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پینتالیس آیتیں اور پانچ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تمام تر تعریف اللہ کی ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، جس نے اُن فرشتوں کو پیغام لے جانے کے لئے  
مقرر کیا ہے، جو دو، تین تین اور چار چار پروں والے ہیں۔ وہ پیدائش میں جتنا چاہتا ہے اضافہ کر دیتا ہے۔ (۱) بیشک اللہ  
ہر چیز کی قدرت رکھنے والا ہے۔ (۲) جس رحمت کو اللہ لوگوں کے لئے کھول دے، کوئی نہیں ہے جو اُسے روک سکے، اور  
جسے وہ روک لے، تو کوئی نہیں ہے جو اس کے بعد اُسے چھڑا سکے۔ اور وہی ہے جو اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا  
بھی مالک۔ (۳) اے لوگو! یاد کرو ان نعمتوں کو جو اللہ نے تم پر نازل کی ہیں۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں  
آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر آخر تم کہاں اوندھے چلے جا رہے ہو؟ (۴) اور  
(اے پیغمبر!) اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلا رہے ہیں، تو تم سے پہلے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا گیا ہے۔ اور تمام معاملات آخر کار اللہ  
ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (۵)

(۱) پچھلے جملے کی مناسبت سے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن فرشتوں کے پروں کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہتا ہے، اضافہ  
کر دیتا ہے، چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام کے چھ سو پروں کی تعداد حدیث میں آئی ہے۔ لیکن الفاظ عام ہیں، اور ہر تخلیق کو  
شامل ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ جس کی تخلیق میں چاہتا ہے، کسی خاص وصف کا اضافہ فرما دیتا ہے۔



يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا <sup>وَقَفَّةً</sup> وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغُرُورُ ۝  
 إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۖ إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝  
 الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ  
 كَبِيرٌ ۝ اٰمَنَ زَيْنٌ لَهُ سُوءُ عَمَلٍ فَرَأَاهُ حَسَنًا ۖ فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ  
 يَشَاءُ ۚ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ وَاللَّهُ الَّذِي  
 أَرْسَلَ الرِّيحَ فَثِيرٌ سَحَابًا فُسْقَنَهُ إِلَى بَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَحْيَيْنَاهُ بِالْأَرْضِ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ  
 كَذَلِكَ النُّشُورُ ۝

اے لوگو! یقین جانو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، لہذا تمہیں یہ دُنیوی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے، اور نہ اللہ کے معاملے میں تمہیں وہ (شیطان) دھوکے میں ڈالنے پائے جو بڑا دھوکے باز ہے۔ ۵ یقین جانو کہ شیطان تمہارا دشمن ہے، اس لئے اُس کو دشمن ہی سمجھتے رہو۔ وہ تو اپنے ماننے والوں کو جو دعوت دیتا ہے، وہ اس لئے دیتا ہے تاکہ وہ دوزخ کے باسی بن جائیں۔ ۱ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، ان کے لئے شدید عذاب ہے، اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کے لئے مغفرت ہے، اور بڑا اجر! ۲ بھلا بتاؤ کہ جس شخص کی نظروں میں اس کی بد عملی ہی خوشنما بنا کر پیش کی گئی ہو، جس کی بنا پر وہ اس بد عملی کو اچھا سمجھتا ہو، (وہ نیک آدمی کے برابر کیسے ہو سکتا ہے؟) کیونکہ اللہ جس کو چاہتا ہے، راستے سے بھٹکا دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے ٹھیک راستے پر پہنچا دیتا ہے۔ لہذا (۱) (اے پیغمبر) ایسا نہ ہو کہ ان (کافروں) پر افسوس کے مارے تمہاری جان ہی جاتی رہے۔ یقین رکھو کہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں، اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ ۳

اور اللہ ہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے، پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر ہم انہیں ہنکا کر ایک ایسے شہر کی طرف لے جاتے ہیں جو (قطر سے) مردہ ہو چکا ہوتا ہے، پھر ہم اُس (بارش) کے ذریعے مردہ زمین کو نئی زندگی عطا کرتے ہیں۔ بس اسی طرح انسانوں کی دوسری زندگی ہوگی۔ ۴

(۲) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، زبردستی گمراہ کر دیتا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص ہٹ دھرمی سے خود گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس کو گمراہی میں ہی مبتلا رکھ کر اُس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ دیکھئے سورہ بقرہ (۷:۲)۔



مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا ۖ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۚ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَمَكْرُ أُولَٰئِكَ هُوَ يَوْمُ ۝  
وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا ۚ وَمَا تَحِثُّ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ  
إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُعَمَّرٍ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ  
يَسِيرٌ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ ۚ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۚ وَمِنْ  
كُلِّ تَاكُلُونَ لِحَاطًا يَأْتِيَنَّكُمْ تَخْرِجُونَ حَلِيَّةً تَلْبَسُونَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاجِرَ  
لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہو، تو تمام تر عزت اللہ کے قبضے میں ہے۔ پاکیزہ کلمہ اُسی کی طرف چڑھتا ہے، اور نیک عمل اُس کو اوپر اٹھاتا ہے۔ اور جو لوگ بُری بُری مکاریاں کر رہے ہیں، ان کو سخت عذاب ہوگا، اور اُن کی مکاری ہی ہے جو ملیا میٹ ہو جائے گی۔ اور اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر تمہیں جوڑے جوڑے بنا دیا۔ اور کسی مادہ کو جو کوئی حمل ہوتا ہے، اور جو کچھ وہ جنتی ہے، وہ سب اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ اور کسی عمر رسیدہ کو جتنی عمر دی جاتی ہے، اور اُس کی عمر میں جو کوئی کمی ہوتی ہے، وہ سب ایک کتاب میں درج ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ اور دو دریا برابر نہیں ہوتے۔ ایک ایسا میٹھا ہے کہ اُس سے پیاس بجھتی ہے، جو پینے میں خوشگوار ہے، اور دوسرا کڑوا نمکین۔ اور ہر ایک سے تم (مچھلیوں کا) تازہ گوشت کھاتے ہو، اور وہ زیور نکالتے ہو جو تمہارے پہنے کے کام آتا ہے۔ اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ وہ اُس (دریا) میں پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں، تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ شکر گزار بنو۔

(۲) پاکیزہ کلمے سے مراد وہ کلمہ ہے جس کے ذریعے انسان ایمان کا اقرار کرتا ہے، نیز اس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے دوسرے کلمات بھی داخل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف اُن کے چڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہوتے ہیں۔ اور نیک عمل کے اُس کلمے کو اوپر اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کلمے کی پوری مقبولیت نیک عمل کے ذریعے ہوتی ہے۔  
(۳) اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔

(۵) جیسا کہ پہلے کئی بار عرض کیا جا چکا ہے، اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنا قرآن کریم کی اصطلاح ہے جس سے مراد تجارت وغیرہ کے ذریعے روزی کمانا ہے۔ اس اصطلاح میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کو جو روزی ملتی ہے، ظاہری اعتبار سے انسان اُسے اپنی قوت بازو کا کرشمہ سمجھتا ہے، لیکن درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اگر یہ فضل شامل حال نہ ہو تو کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔



یُولِجُ اللَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُولِجُ النَّهَارَ فِی اللَّیْلِ ۚ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ كُلٌّ یَجْرِی لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِینَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا یَسْلُکُونَ مِنْ قَاطِعٍ ۖ إِن تَدْعُهُمْ لَا یَسْمَعُوا دَعَاءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۖ وَیَوْمَ الْقِیَامَةِ یَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ۚ یَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ ۖ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۚ إِن یَشَآئِدْ هَبِكُمْ وَیَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ وَمَا ذَلِكُ عَلَى اللَّهِ بِعَزِیزٍ ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ جِلْهَآ لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۚ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغِیْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۚ وَمَنْ تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا یَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِیرُ ۚ

وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، اور اُس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا ہے۔ (ان میں سے) ہر ایک کسی مقررہ میعاد تک کے لئے رواں دواں ہے۔ یہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے، ساری بادشاہی اُسی کی ہے۔ اور اُسے چھوڑ کر جن (جھوٹے خداؤں) کو تم پکارتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ (۱۳) اگر تم اُن کو پکارو گے تو وہ تمہاری پکار سنیں گے ہی نہیں، اور اگر سن بھی لیں تو تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔ اور قیامت کے دن وہ خود تمہارے شرک کی تردید کریں گے۔ اور جس ذات کو تمام باتوں کی مکمل خبر ہے، اُس کی برابر تمہیں کوئی اور صحیح بات نہیں بتائے گا۔ (۱۴)

اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو، اور اللہ بے نیاز ہے، ہر تعریف کا بذاتِ خود مستحق۔ (۱۵) اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے، اور ایک نئی مخلوق وجود میں لے آئے۔ (۱۶) اور یہ کام اللہ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ (۱۷) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور جس کسی پر بڑا بوجھ لدا ہوا ہو، وہ اگر کسی اور کو اُس کے اٹھانے کی دعوت دے گا تو اُس میں سے کچھ بھی اٹھایا نہیں جائے گا، چاہے وہ (جسے بوجھ اٹھانے کی دعوت دی گئی تھی) کوئی قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ (اے پیغمبر!) تم انہی لوگوں کو خبردار کر سکتے ہو جو اپنے پروردگار کو دیکھے بغیر اُس سے ڈرتے ہوں، اور جنہوں نے نماز قائم کی ہو۔ اور جو شخص پاک ہوتا ہے، وہ اپنے ہی فائدے کے لئے پاک ہوتا ہے۔ اور آخر کار سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (۱۸)

(۶) یعنی اللہ تعالیٰ دوسروں کی عبادت اور اُن کے تعریف کرنے سے بالکل بے نیاز ہے، کوئی اُس کی تعریف کرے یا نہ کرے، وہ بذاتِ خود قابلِ تعریف ہے۔



وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ (۱۹) وَلَا الظُّلُمُتُ وَلَا النُّورُ ۚ وَلَا الظُّلُمُتُ وَلَا الظُّلُمُتُ وَلَا الْحَرُورُ ۚ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ ۚ (۲۰) إِنَّ أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ ۚ (۲۱) إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۚ (۲۲) وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۚ (۲۳) ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۚ (۲۴) أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ فَآخَرَجْنَا بِهِ شَجَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَادٌ بَيْضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۚ (۲۵)

اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہو سکتے۔ (۱۹) اور نہ اندھیرے اور روشنی (۲۰) اور نہ سایہ اور دُھوپ (۲۱) اور زندہ لوگ اور مُردے برابر نہیں ہو سکتے، اور اللہ تو جس کو چاہتا ہے، بات سنا دیتا ہے، اور تم اُن کو بات نہیں سنا سکتے جو قبروں میں پڑے ہیں۔ (۲۲) تم تو بس ایک خبردار کرنے والے ہو۔ (۲۳) ہم نے تمہیں حق بات دے کر اس طرح بھیجا ہے کہ تم خوشخبری دو، اور خبردار کرو۔ اور کوئی اُمت ایسی نہیں ہے جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ آیا ہو۔ (۲۴) اور اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلا رہے ہیں تو جو (کافر) ان سے پہلے تھے، انہوں نے بھی (رسولوں کو) جھٹلایا تھا۔ اُن کے پیغمبر اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر، صحیفے لے کر اور روشنی پھیلانے والی کتاب لے کر آئے تھے۔ (۲۵) پھر جن لوگوں نے انکار کی رُوں اپنائی تھی، میں نے انہیں پکڑ میں لے لیا۔ اب دیکھو کہ میری سزا کیسی (ہولناک) تھی! (۲۶) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اُس کے ذریعے رنگ رنگ کے پھل اُگائے؟ اور پہاڑوں میں بھی ایسے ٹکڑے ہیں جو رنگ رنگ کے سفید اور سرخ ہیں، اور کالے سیاہ بھی۔ (۲۷)

(۲۷) جن لوگوں نے ضد اور ہٹ دھرمی سے حق بات ماننے کے تمام دروازے اپنے اوپر بند کر لئے ہیں، اُن کو پہلے اندھوں سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اُن کے کفر کو اندھیروں سے، اور اس کی سزائیں انہیں دوزخ کے جس عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا اُس کو دُھوپ سے۔ اس کے مقابلے میں حق پرستوں کو دیکھنے والوں سے، اُن کے دین کو روشنی سے، اور جنت کی جو نعمتیں انہیں حاصل ہوں گی، اُن کو سائے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں نے حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم کر لی ہے، وہ تو مُردوں جیسے ہیں، اور مُردوں کو آپ اپنی مرضی سے کچھ سنا نہیں سکتے۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر یہ لوگ حق کو قبول نہیں کر رہے ہیں تو آپ زیادہ رنجیدہ نہ ہوں، اور آپ پر اس کی کوئی ذمہ داری بھی عائد نہیں ہوتی۔



وَمِنَ النَّاسِ وَالذَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ ۖ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿۸۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ ﴿۸۱﴾ لِيُوفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۸۲﴾ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۸۳﴾ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۖ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿۸۴﴾

اور انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی ایسے ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں۔ اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔ <sup>(۸۰)</sup> یقیناً اللہ صاحبِ اقتدار بھی ہے، بہت بخشنے والا بھی۔ <sup>(۸۱)</sup> جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، اور جنہوں نے نماز کی پابندی کر رکھی ہے، اور ہم نے انہیں جو رزق دیا ہے، اُس میں سے وہ (نیک کاموں میں) خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کے اُمیدوار ہیں جو کبھی نقصان نہیں اٹھائے گی۔ <sup>(۸۲)</sup> تاکہ اللہ اُن کے پورے اجر اُن کو دیدے، اور اپنے فضل سے اور زیادہ بھی دے۔ یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بڑا قدردان ہے۔ <sup>(۸۳)</sup> اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہارے پاس وحی کے ذریعے جو کتاب بھیجی ہے، وہ سچی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے۔ یقیناً اللہ اپنے بندوں سے پوری طرح باخبر، ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔ <sup>(۸۴)</sup> پھر ہم نے اس کتاب کا وارث اپنے بندوں میں سے اُن کو بنایا جنہیں ہم نے چن لیا تھا۔ پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں، اور اُنہی میں سے کچھ ایسے ہیں جو درمیانے درجے کے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں بڑھے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ (اللہ کا) بہت بڑا فضل ہے۔ <sup>(۸۵)</sup>

(۸) کائنات کی ان عجیب و غریب مخلوقات کو دیکھ کر اور ان سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اُس کی توحید پر استدلال کر کے اُنہی کے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت پیدا ہوتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا علم اور اُس کی سمجھ ہے۔ اور جو لوگ اس سمجھ سے محروم ہیں، وہ کائنات کے ان عجوبوں کی تہہ تک پہنچنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے وجود، اُس کی توحید اور اُس کی عظمت تک نہیں پہنچتے۔

(۹) اس سے مراد مسلمان ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن براہِ راست تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، لیکن پھر اس کا وارث اُن مسلمانوں کو بنایا گیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے چن لیا تھا کہ وہ اللہ کی کتاب پر ایمان لائیں۔ لیکن ایمان لانے کے بعد اُن کی تین قسمیں ہو گئیں۔ ایک وہ تھے جو ایمان تو لے آئے، لیکن اُس کے تقاضوں پر پوری طرح عمل نہیں کیا، چنانچہ اپنے بعض فرائض چھوڑ دیئے، اور گناہوں کا بھی ارتکاب کر لیا۔ ان کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، کیونکہ ایمان کا تقاضا تو یہ تھا کہ انہیں جنت میں فوری داخلہ نصیب ہوتا، لیکن انہوں نے گناہ کر کے اپنے آپ



جَنَّتْ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا  
 حَرِيرٌ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ ۖ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ۝ الَّذِي  
 أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ ۖ لَا يَسُنُّ فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَسُنُّ فِيهَا عُوبٌ ۝ وَالَّذِينَ  
 كَفَرُوا إِلَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۖ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا ۖ كَذَلِكَ  
 نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ۝ وَهُمْ يَصْطَرِحُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا  
 نَعْمَلُ ۖ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ ۖ فَذُوقُوا فَمَا  
 لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ۝

ہمیشہ بسنے کے باغات ہیں جن میں وہ لوگ داخل ہوں گے، وہاں ان کو سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیا جائے گا، اور ان کا لباس وہاں پریشم ہوگا۔ ۳۳ اور وہ کہیں گے کہ: ”تمام تر تعریف اللہ کی ہے جس نے ہم سے ہر غم دور کر دیا۔ بیشک ہمارا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا قدر دان ہے، ۳۴ جس نے اپنے فضل سے ہم کو ابدی ٹھکانے کے گھر میں لا اُتارا ہے جس میں نہ ہمیں کبھی کوئی کلفت چھو کر گزرے گی، اور نہ کبھی کوئی تھکن پیش آئے گی۔“ ۳۵ اور جن لوگوں نے کفر کی روش اپنالی ہے، اُن کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔ نہ تو اُن کا کام تمام کیا جائے گا کہ وہ مر ہی جائیں، اور نہ اُن سے دوزخ کا عذاب ہلکا کیا جائے گا۔ ہر ناشکرے کافر کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ۳۶ اور وہ اُس دوزخ میں چیخ پکار مچائیں گے کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں باہر نکال دے تاکہ ہم جو کام پہلے کیا کرتے تھے، انہیں چھوڑ کر نیک عمل کریں۔“ (ان سے جواب میں کہا جائے گا کہ:) ”بھلا کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جس کسی کو اُس میں سوچنا سمجھنا ہوتا، وہ سمجھ لیتا؟ اور تمہارے پاس خبردار کرنے والا بھی آیا تھا۔ اب مزا چکھو، کیونکہ کوئی نہیں ہے جو ایسے ظالموں کا مددگار بنے۔“ ۳۷

کو سزا کا مستحق بنالیا، جس کے نتیجے میں قانون کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے شخص کو پہلے اپنے گناہوں کا عذاب بھگتنا ہوگا۔ دوسری قسم جس کو درمیانے درجے کا کہا گیا ہے، اس سے مراد وہ مسلمان ہیں جو فرائض و واجبات پر تو عمل کرتے ہیں، اور گناہوں سے بھی پرہیز کرتے ہیں، لیکن نفلی عبادتیں اور مستحب کاموں پر عمل نہیں کرتے۔ اور تیسری قسم اُن لوگوں پر مشتمل ہے جو صرف فرائض و واجبات پر اکتفا کرنے کے بجائے نفلی عبادتوں اور مستحب کاموں کا بھی پورا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ تینوں قسمیں مسلمانوں ہی کی بیان ہوئی ہیں، اور آخر کار مغفرت کے بعد جنت میں ان شاء اللہ تینوں قسمیں داخل ہوں گی۔

(۱۰) انسان کو اوسطاً جتنی عمر دی جاتی ہے، وہ اتنی طویل ہے، اور اُس میں انسان اتنے مختلف مراحل سے گذرتا ہے کہ اگر وہ واقعی حق تک پہنچنا چاہے تو پہنچ سکتا ہے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبردار کرنے والے بھی اسی عمر کے دوران آتے رہتے



إِنَّ اللَّهَ عَلِيمُ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۳۵﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ۖ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿۳۶﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ أَرَأُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ ۚ أَمْ آتَيْنَهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْهُ ۚ بَلْ إِنَّمَا نَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ إِلَّا غُرُورًا ﴿۳۷﴾ إِنَّ اللَّهَ يُمِسُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿۳۸﴾

بیشک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا علم رکھتا ہے۔ بیشک وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۳۵﴾ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں (پچھلے لوگوں کا) جانشین بنایا۔ اب جو شخص کفر کرے گا تو اُس کا کفر اُسی پر پڑے گا۔ اور کافروں کے لئے اُن کا کفر ان کے پروردگار کے پاس غضب کے سوا کسی اور چیز میں اضافہ نہیں کرتا، اور کافروں کو اُن کے کفر سے خسارے کے سوا کسی چیز میں ترقی حاصل نہیں ہوتی۔ ﴿۳۶﴾ (اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ: ”بھلا بتاؤ تم اللہ کو چھوڑ کر اپنے جن من گھڑت شریکوں کو پوجا کرتے ہو، ذرا مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کونسا حصہ پیدا کیا ہے؟ یا آسمانوں (کی پیدائش میں) اُن کی کونسی شرکت ہے؟“ یا پھر ہم نے انہیں کوئی کتاب دے رکھی ہے جس کی کسی واضح ہدایت پر یہ لوگ قائم ہیں؟ نہیں، بلکہ یہ ظالم لوگ ایک دوسرے کو خالص دھوکے کی یقین دہانی کرتے آئے ہیں۔ ﴿۳۷﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو تھام رکھا ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ٹلیں نہیں۔ اور اگر وہ ٹل جائیں تو اُس کے سوا کوئی نہیں ہے جو انہیں تھام سکے۔ یقیناً اللہ بڑا بردبار، بہت بخشنے والا ہے۔ ﴿۳۸﴾

ہیں۔ خبردار کرنے والے سے مراد انبیائے کرام اور اس اُمت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے انسان کو آخرت کے عذاب سے آگاہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ اور ہر دور میں علماء بھی یہ فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔ اور بعض مفسرین نے خبردار کرنے والے کی تفسیر یہ کی ہے کہ انسانی عمر کے مختلف مرحلوں پر جو چیزیں موت کی یاد دلاتی ہیں، یہاں خبردار کرنے والے سے وہ مراد ہیں۔ چنانچہ بڑھاپے کے مقدمے کے طور پر جب انسان کے بال سفید ہوتے ہیں تو وہ بھی خبردار کرنے والا ہے، جب کسی کے یہاں اُس کا پوتا پیدا ہوتا ہے تو وہ بھی ڈرانے والا ہے کہ موت کا وقت قریب آ رہا ہے، نیز انسان کو جو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں، وہ سب بھی موت کی یاد دلا کر انسان کو خبردار کرتی ہیں کہ وہ آخرت کی بہتری کا کوئی سامان کر لے۔

(۱۱) کسی دعوے کو ثابت کرنے کے دو ہی طریقے ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ انسان عقل کی کسی دلیل سے اُسے ثابت کرے، اور دوسرا



وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ ۚ  
فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۚ (۱۲) اسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرُ السَّيِّئِ ۚ وَلَا  
يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ  
اللَّهِ تَبْدِيلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ۚ (۱۳) أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ  
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ  
فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ۚ (۱۴) وَلَوْ يُوَأْخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا  
مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهِمَا مِنْ ذَاتِ بَآءٍ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ  
اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ۚ (۱۵)

اور انہوں نے پہلے اللہ کی بڑے زوروں میں قسمیں کھائی تھیں کہ اگر ان کے پاس کوئی خبردار کرنے والا (پیغمبر) آیا تو وہ  
ہر دوسری امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے۔ مگر جب اُن کے پاس ایک خبردار کرنے والا آ گیا تو  
اُس کے آنے سے ان کی حالت میں اور کوئی ترقی نہیں ہوئی، سوائے اس کے کہ یہ (حق کے راستے سے) اور زیادہ  
بھاگنے لگے، (۱۲) اس لئے کہ انہیں زمین میں اپنی بڑائی کا گھمنڈ تھا، اور انہوں نے (حق کی مخالفت میں) بُری بُری  
چالیں چلنی شروع کر دیں۔ حالانکہ بُری چالیں کسی اور کو نہیں، خود اپنے چلنے والوں ہی کو گھیرے میں لے لیتی ہیں۔ اب  
یہ لوگ اُس دستور کے سوا کس بات کے منتظر ہیں جس پر پچھلے لوگوں کے ساتھ عمل ہوتا آیا ہے؟ (اگر یہ بات ہے) تو تم  
اللہ کے طے شدہ دستور میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے، اور نہ تم اللہ کے طے شدہ دستور کو کبھی ٹلتا ہوا پاؤ گے۔ (۱۳)

اور کیا ان لوگوں نے زمین میں کبھی سفر نہیں کیا جس سے وہ یہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں، اُن کا انجام کیسا  
ہوا، جبکہ وہ طاقت میں ان سے بہت زیادہ مضبوط تھے؟ اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ آسمانوں یا زمین کی کوئی چیز اُسے عاجز  
کر سکے۔ بیشک وہ علم کا بھی مالک ہے، قدرت کا بھی مالک۔ (۱۴) اور اگر اللہ لوگوں کے ہر کرتوت پر اُن کی پکڑ کرنے لگتا  
تو اس زمین کی پشت پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتا، لیکن وہ ایک معین مدت تک کے لئے ان کو مہلت دے رہا ہے۔ پھر  
جب ان کا مقررہ وقت آجائے گا، تو اللہ اپنے بندوں کو خود دیکھ لے گا۔ (۱۵)

یہ کہ اُس کے پاس کسی واجب التعمیل ذات کی طرف سے کوئی حکم ملا ہو۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ من گھڑت خدا مان  
رکھے ہیں، اُن کے پاس نہ تو کوئی عقلی دلیل ہے، اس لئے کہ وہ کسی طرح ثابت نہیں کر سکتے کہ ان کے گھڑے ہوئے خداؤں نے  
زمین یا آسمان کا کوئی حصہ پیدا کیا ہے، یا ان کی تخلیق میں کسی بھی طرح کا کوئی حصہ لیا ہے، اور نہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب



ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ ہدایت دی ہو کہ فلاں فلاں دیوتاؤں کو خدا مان کر اُن کی عبادت کیا کرو۔

(۱۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے کفارِ قریش نے غالباً یہودیوں اور عیسائیوں سے بحث کرتے ہوئے بڑی جوشیلی قسمیں کھائی تھیں کہ اگر ہمارے پاس کوئی پیغمبر آیا تو ہم اور ساری اُمتوں سے زیادہ اُس کی ہدایت پر عمل کریں گے، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو وہ آپ کی بات ماننے سے مکر گئے۔

(۱۳) بدعتی سے کسی کے خلاف جو ناحق تدبیریں کی جاتی ہیں، اکثر تو دُنیا ہی میں وہ اُلٹی پڑ جاتی ہیں، اور اُن کا نقصان خود تدبیر کرنے والے کو اٹھانا پڑتا ہے، چنانچہ کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو چالیں چلی تھیں، وہ آخر کار اُنہی کے خلاف پڑیں، اور اگر کبھی دُنیا میں نقصان اٹھانا نہ پڑے تو ان بُری تدبیروں کا عذابِ آخرت میں تو ہوتا ہی ہے جو دُنیا کے عذاب سے زیادہ سخت ہے۔

(۱۴) یعنی پچھلی اُمتوں میں سے جنہوں نے اپنے پیغمبر کی مخالفت کی، اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ اُن کو عذاب ہوتا ہے، چاہے وہ دُنیا میں ہو، یا آخرت میں۔ کیا یہ لوگ ایمان لانے کے لئے اسی عذاب کا انتظار کر رہے ہیں؟

(۱۵) دستور میں تبدیلی کا تو یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو عذاب کے بجائے ثواب دینے لگے، اور دستور کے ٹلنے کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے بجائے ایمان والوں کو عذاب دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے دستور میں ان میں سے کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔

الحمد للہ! آج ۱۲ رمضان المبارک (۱۴۲۸ھ) کی شب میں سورہ فاطر کے ترجمے اور تشریحی حواشی کی تکمیل ہوئی۔ صرف یہ آخری حصہ کراچی میں لکھا گیا، جبکہ پوری سورت کا کام مختلف سفروں میں انجام پایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی خدمت کی بھی اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ يَسَّ

## تعارف

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی وہ نشانیاں بیان فرمائی ہیں جو نہ صرف پوری کائنات میں بلکہ خود انسان کے اپنے وجود میں پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ان مظاہر سے ایک طرف یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو ذات اتنی قدرت اور حکمت کی مالک ہے، اُس کو اپنی خدائی کا نظام چلانے کے لئے نہ کسی شریک کی ضرورت ہے، نہ کسی مددگار کی، اس لئے وہ اور صرف وہ عبادت کے لائق ہے، اور دوسری طرف قدرت کی ان نشانیوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جس ذات نے یہ کائنات اور اُس کا محیر العقول نظام پیدا فرمایا ہے، اُس کے لئے یہ بات کچھ بھی مشکل نہیں ہے کہ وہ انسانوں کے مرنے کے بعد انہیں دوسری زندگی عطا فرمائے۔ اس طرح قدرت کی ان نشانیوں سے تو حید اور آخرت کا عقیدہ واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو یہی دعوت دینے کے لئے تشریف لائے ہیں کہ وہ ان نشانیوں پر غور کر کے اپنا عقیدہ اور عمل درست کریں۔ اُس کے باوجود اگر کچھ لوگ اس دعوت کو قبول نہیں کر رہے ہیں تو وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں، کیونکہ اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کے مستحق بن رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں آیات نمبر ۱۳ سے ۲۹ تک ایک ایسی قوم کا واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے جس نے حق کی دعوت کو قبول نہ کیا، بلکہ حق کے داعیوں کے ساتھ ظلم و بربریت کا معاملہ کیا جس کے نتیجے میں حق کے داعی کا انجام تو بہترین ہوا، لیکن حق کے یہ منکر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی پکڑ میں آ گئے۔ چونکہ اس سورت میں اسلام کے بنیادی عقائد کو بڑے فصیح و بلیغ اور جامع انداز میں بیان فرمایا گیا ہے، اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے اس سورت کو ”قرآن کا دل“ قرار دیا ہے۔



ایاتھا ۸۳ ﴿۳۶﴾ سُوْرَةُ یَس ۳۶ مَکِّيَّةٌ ۲۱ ﴿۳۷﴾ رُکُوْعَاتُهَا ۵ ﴿۳۸﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

یَس ۱ ﴿۲﴾ وَ الْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ ﴿۳﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۴﴾ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵﴾  
تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ﴿۶﴾ لِنُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اَبَاؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ لَقَدْ حَقَّ  
الْقَوْلُ عَلٰی اَکْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۸﴾ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلَٰلًا فَهٰی اِلٰی  
الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿۹﴾ وَ جَعَلْنَا مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا  
فَاَعْشٰیهُمْ فَهُمْ لَا یَبْصُرُوْنَ ﴿۱۰﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ترسی آیتیں اور پانچ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

یس! ﴿۱﴾ حکمت بھرے قرآن کی قسم! ﴿۲﴾ تم یقیناً پیغمبروں میں سے ہو ﴿۳﴾ بالکل سیدھے راستے پر! ﴿۴﴾ یہ قرآن اُس  
ذات کی طرف سے اتارا جا رہا ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی رحمت بھی کامل، ﴿۵﴾ تاکہ تم اُن لوگوں کو خبردار کرو  
جن کے باپ دادوں کو پہلے خبردار نہیں کیا گیا تھا، اس لئے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۶﴾ حقیقت یہ ہے کہ ان  
میں سے اکثر لوگوں کے بارے میں بات پوری ہو چکی ہے، اس لئے وہ ایمان نہیں لاتے۔ ﴿۷﴾ ہم نے اُن کے گلوں میں  
طوق ڈال رکھے ہیں، جو ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں، اور اس وجہ سے اُن کے سر اوپر کو اٹھے رہ گئے ہیں۔ ﴿۸﴾ اور ہم  
نے ایک آڑ اُن کے آگے کھڑی کر دی ہے، اور ایک آڑ اُن کے پیچھے کھڑی کر دی ہے، اور اس طرح انہیں ہر طرف سے  
ڈھانک لیا ہے جس کے نتیجے میں انہیں کچھ بھائی نہیں دیتا۔ ﴿۹﴾

(۱) یعنی مکہ مکرمہ اور اُس کے اطراف میں مدت سے کوئی پیغمبر نہیں آیا تھا۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے بارے میں تقدیر میں جو بات لکھی تھی کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے، وہ بات پوری ہو رہی ہے۔  
لیکن یہ واضح رہے کہ تقدیر میں لکھا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کفر پر مجبور ہو گئے ہیں، کیونکہ تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ  
ان کو ایمان لانے کا موقع بھی دے گا، اور اختیار بھی دے گا، لیکن یہ لوگ اپنے اختیار اور اپنی خوشی سے ضد پر اڑے رہیں گے،  
اور ایمان نہیں لائیں گے۔

(۳) یہ اُن کی ضد اور ہٹ دھرمی کو بیان کرنے کے لئے ایک استعارہ اور مجازی تعبیر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حق کے صاف  
صاف ظاہر ہونے کے باوجود ان لوگوں نے اس طرح ہٹ دھرمی کی روش اختیار کی ہے کہ اپنے آپ کو حق کے دیکھنے سے محروم کر لیا  
ہے، جیسے ان کے گلوں میں طوق پڑے ہوئے ہوں، اور ان کے ہر طرف ایسی دیواریں کھڑی ہوں کہ اُن کو کچھ بھائی نہ دے۔



وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾ إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ  
 وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبَ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ﴿١١﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ  
 مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۚ وَكُلُّ شَيْءٍ ءَحْصِينُهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿١٢﴾ وَاصْرَبْ لَهُمْ مَثَلًا بِصُحْبِ  
 الْقُرْيَةِ ۚ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿١٣﴾ إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ  
 فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُم مُّرْسَلُونَ ﴿١٤﴾ قَالُوا مَآ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ مِنْ  
 شَيْءٍ ۚ إِن أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ ﴿١٥﴾

اور ان کے لئے دونوں باتیں برابر ہیں، چاہے تم انہیں خبردار کرو، یا خبردار نہ کرو، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ﴿۱۰﴾ تم تو صرف ایسے شخص کو خبردار کر سکتے ہو جو نصیحت پر چلے، اور خدائے رحمن کو دیکھے بغیر اُس سے ڈرے۔ چنانچہ ایسے شخص کو تم مغفرت اور باعزت اجر کی خوشخبری سنا دو۔ ﴿۱۱﴾ یقیناً ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے، اور جو کچھ عمل انہوں نے آگے بھیجے ہیں، ہم اُن کو بھی لکھتے جاتے ہیں، اور اُن کے کاموں کے جو اثرات ہیں اُن کو بھی۔ اور ہم نے ایک واضح کتاب میں ہر چیز کا پورا احاطہ کر رکھا ہے۔ ﴿۱۲﴾

اور (اے پیغمبر!) تم ان کے سامنے ایک بستی والوں کی مثال پیش کرو، جب اُن کے پاس رسول آئے تھے۔ ﴿۱۳﴾ جب ہم نے اُن کے پاس (شروع میں) دو رسول بھیجے، تو انہوں نے دونوں کو جھٹلا دیا، پھر ہم نے ایک تیسرے کے ذریعے اُن کی تائید کی، اور ان سب نے کہا کہ: ”یقین جانو ہمیں تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔“ ﴿۱۴﴾ انہوں نے کہا: ”تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم ہم جیسے ہی آدمی ہو۔ اور خدائے رحمن نے کوئی چیز نازل نہیں کی ہے، اور تم سراسر جھوٹ بول رہے ہو۔“ ﴿۱۵﴾

(۲) یعنی ان لوگوں کی ساری بد عملیاں بھی لکھی جا رہی ہیں، اور ان بد عملیوں کے جو بُرے اثرات ان کے مرنے کے بعد بھی باقی رہ جاتے ہیں، وہ بھی لکھے جا رہے ہیں۔

(۵) قرآن کریم نے نہ اس بستی کا نام ذکر فرمایا ہے، اور نہ اُن رسولوں کا جو اس بستی میں بھیجے گئے تھے۔ بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ یہ بستی شام کا مشہور شہر انطاکیہ تھی لیکن نہ تو یہ روایتیں مضبوط ہیں، اور نہ تاریخی قرائن سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ دوسری طرف رسول کا لفظ عربی زبان میں ہر اُس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی کا پیغام لے کر دوسرے کے پاس جائے، لیکن قرآن کریم میں زیادہ تر یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کے لئے استعمال ہوا ہے، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ یہ حضرات انبیائے کرام تھے، اور بعض روایتوں میں ان کے نام بھی صادق، صدوق اور شلوم یا شمعون بتائے گئے ہیں، لیکن یہ روایات بھی زیادہ مضبوط نہیں ہیں۔ اور بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ یہ حضرات انبیاء نہیں تھے، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد تھے جنہیں



قَالُوا رَبَّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۱۷﴾ قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِن لَّمْ تَنْتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَسَّسَنَّكُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوا طَائِفُكُمْ مَعَكُمْ أَيْنَ ذُكِّرْتُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿۱۹﴾ وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَّسْعَىٰ قَالِ يَقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۰﴾

اُن (رسولوں) نے کہا: ”ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ ہمیں واقعی تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔“ ﴿۱۶﴾ اور ہماری ذمہ داری اس سے زیادہ نہیں ہے کہ صاف صاف پیغام پہنچا دیں۔“ ﴿۱۷﴾ بستی والوں نے کہا: ”ہم نے تو تمہارے اندر نحوست محسوس کی ہے۔“ یقین جانو اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم پر پتھر برسائیں گے، اور ہمارے ہاتھوں تمہیں بڑی دردناک سزا ملے گی۔“ ﴿۱۸﴾ رسولوں نے کہا: ”تمہاری نحوست خود تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ کیا یہ باتیں اس لئے کر رہے ہو کہ تمہیں نصیحت کی بات پہنچائی گئی ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ تم خود حد سے گزرے ہوئے لوگ ہو۔“ ﴿۱۹﴾ اور شہر کے پرلے علاقے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ اُس نے کہا: ”اے میری قوم کے لوگو! ان رسولوں کا کہنا مان لو،“ ﴿۲۰﴾

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہی اس بستی میں تبلیغ کے لئے بھیجا تھا۔ اور ”مُرْسَلُونَ“ کا لفظ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن چونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں بھیجنے کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ یہ انبیائے کرام تھے۔ شروع میں دو نبی بھیجے گئے تھے، پھر ایک تیسرے پیغمبر بھی بھیجے گئے۔ بہر حال! عبرت کا جو سبق قرآن کریم دینا چاہتا ہے، وہ نہ بستی کے تعین پر موقوف ہے، اور نہ پیغام لے جانے والوں کی شناخت پر۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے نام نہیں بتائے۔ لہذا ہمیں بھی اس کی کھوج میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿۱۶﴾ بعض روایات میں ہے کہ ان حضرات کے بستی میں تشریف لانے اور دین حق کی دعوت دینے کے بعد جب بستی کے لوگوں نے نافرمانی پر کمر باندھ رکھی تو اُن پر تنبیہ کے طور پر قحط مسلط کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے اسے ایک تازیانہ سمجھنے کے بجائے اُلٹا اُسے ان حضرات کی نحوست قرار دیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان حضرات کی دعوت کے نتیجے میں جو بحث مباحثہ شروع ہوا ہو، اُسی کو انہوں نے نحوست سے تعبیر کیا ہو۔

﴿۱۷﴾ یعنی نحوست کا اصل سبب تو تمہارا کفر اور شرک ہے۔

﴿۱۸﴾ روایتوں میں ان کا نام حبیب نجار بتایا گیا ہے۔ یہ پیشے کے لحاظ سے بڑھئی تھے، اور ان رسولوں کی دعوت پہلے ہی قبول کر کے ایمان لا چکے تھے، اور شہر کے سرے پر کہیں تنہا رہ کر عبادت میں لگے رہتے تھے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ ان کی قوم کے لوگ ان رسولوں کو تکلیف پہنچانے کے درپے ہیں تو یہ جلدی سے وہاں پہنچے، اور بڑے مؤثر انداز میں اپنی قوم کے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔



اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْئَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿٢١﴾ وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ  
تُرْجَعُونَ ﴿٢٢﴾ أَوَاتَّخِذُ مِنْ دُونِهِ إِلَهًا إِنْ يُرِدْنِ الرَّحْمَنُ بِضُرٍّ لَا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا  
وَلَا يُنْقِذُونِ ﴿٢٣﴾ إِنِّي إِذًا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٢٤﴾ إِنِّي آمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمِعُونِ ﴿٢٥﴾ قِيلَ ادْخُلِ  
الْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَلِيَّتْ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٧﴾ وَمَا  
أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُودٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ﴿٢٨﴾ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً  
وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خِدُودٌ ﴿٢٩﴾

ان لوگوں کا کہنا مان لو جو تم سے کوئی اجرت نہیں مانگ رہے، اور وہ صحیح راستے پر ہیں۔ ﴿٢١﴾ اور بھلا میں اُس ذات کی عبادت کیوں نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے؟ اور اُسی کی طرف تم سب کو واپس بھیجا جائے گا۔ ﴿٢٢﴾ بھلا کیا اُسے چھوڑ کر میں ایسوں کو معبود مانوں کہ اگر خدائے رحمن مجھے کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ کر لے تو اُن کی سفارش میرے کسی کام نہ آئے، اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں؟ ﴿٢٣﴾ اگر میں ایسا کروں گا تو یقیناً میں کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ ﴿٢٤﴾ میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا۔ اب تم بھی میری بات سن لو۔“ ﴿٢٥﴾ (آخر کار بستی والوں نے اُس کو قتل کر دیا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس سے) کہا گیا کہ: ”جنت میں داخل ہو جاؤ۔“ اُس نے (جنت کی نعمتیں دیکھ کر) کہا کہ: ”کاش! میری قوم کو معلوم ہو جائے ﴿٢٦﴾ کہ اللہ نے کس طرح میری بخشش کی ہے، اور مجھے باعزت لوگوں میں شامل کیا ہے!“ ﴿٢٧﴾ اور اُس شخص کے بعد ہم نے اُس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا، اور نہ ہمیں اتارنے کی ضرورت تھی۔ ﴿٢٨﴾ وہ تو بس ایک ہی چنگھاڑ تھی جس سے وہ ایک دم بجھ کر رہ گئے۔ ﴿٢٩﴾

(۹) بعض روایتوں میں ہے کہ سنگدل قوم نے اُن کی خیر خواہانہ تقریر کے جواب میں انہیں لاتیں، گھونسنے اور پتھر مار مار کر شہید کر دیا۔  
(۱۰) جنت میں اصل داخلہ تو حشر و نشر کے بعد ہوگا، البتہ نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ عالم برزخ میں بھی جنت کی بعض نعمتیں عطا فرمادیتے ہیں۔ یہاں اُن کو ایک طرف خوشخبری دی گئی کہ اُن کا مقام جنت ہے، اور دوسری طرف جنت کی کچھ نعمتیں عالم برزخ ہی میں عطا فرمادی گئیں جنہیں دیکھ کر انہوں نے پھر اپنی قوم ہی کی خیر خواہی کی بات فرمائی کہ کاش انہیں یہ پتہ چل جائے کہ مجھے کن نعمتوں سے سرفراز فرمایا گیا ہے تو شاید اُن کی بھی آنکھیں کھل جائیں۔

(۱۱) یعنی اس ظالم اور نافرمان قوم کو ہلاک کرنے کے لئے ہمیں فرشتوں کا کوئی لشکر آسمان سے اتارنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بس ایک ہی فرشتے نے ایک زوردار آواز نکالی تو اُسی سے ان کے کلیجے پھٹ گئے، اور پوری قوم ہلاک ہو کر ایسی ہو گئی جیسے آگ بجھ کر راکھ کا ڈھیر بن جائے۔ والعیاذ باللہ العلی العظیم۔



يُحْسِرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٣٠﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٣١﴾ وَإِنْ كُلُّ لَبَّاسٍ جَبِيحٌ لَدَيْنَا مَحْضَرُونَ ﴿٣٢﴾ وَآيَةٌ لَهُمْ الْأَرْضُ الْمَيِّتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿٣٤﴾ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ ۚ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٥﴾ سُبْحَنَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُثْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٦﴾

افسوس ہے ایسے بندوں کے حال پر! ان کے پاس کوئی رسول ایسا نہیں آیا جس کا وہ مذاق نہ اڑاتے رہے ہوں۔ ﴿۳۰﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اُن سے پہلے ہم کتنی قوموں کو اس طرح ہلاک کر چکے ہیں کہ وہ اُن کے پاس لوٹ کر نہیں آتے؟ ﴿۳۱﴾ اور یہ جتنے لوگ ہیں، ان سبھی کو اکٹھا کر کے ہمارے سامنے حاضر کیا جائے گا۔ ﴿۳۲﴾

اور ان کے لئے ایک نشانی وہ زمین ہے جو مردہ پڑی ہوئی تھی۔ ہم نے اُسے زندگی عطا کی، اور اُس سے غلہ نکالا، جس کی خوراک یہ کھاتے ہیں۔ ﴿۳۳﴾ اور ہم نے اُس زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے، اور ایسا انتظام کیا کہ اُس میں سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلے، ﴿۳۴﴾ تاکہ یہ اُس کی پیداوار میں سے کھائیں، حالانکہ اُس کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا تھا۔ ﴿۳۵﴾ کیا پھر بھی یہ شکر ادا نہیں کریں گے؟ ﴿۳۶﴾ پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کے جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں، اُس پیداوار کے بھی جو زمین اُگاتی ہے، اور خود ان انسانوں کے بھی، اور اُن چیزوں کے بھی جنہیں یہ لوگ (ابھی) جانتے تک نہیں ہیں۔ ﴿۳۷﴾

(۱۲) تو جس طرف دلائل جا رہی ہے کہ انسان جب کھیت یا باغ لگاتا ہے تو اُس کی ساری دوڑ دھوپ کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ وہ زمین کو ہموار کر کے اُس میں بیج ڈال دے۔ لیکن اُس بیج کی پرورش کر کے اُسے زمین کا پیٹ پھاڑ کر کونپل کی شکل میں نکالنا اور پھر اُسے پروان چڑھا کر درخت بنانا اور اُس میں پھل پیدا کرنا انسان کا کام نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی شانِ ربوبیت ہے جو اس ساری پیداوار کی تخلیق کرتی ہے۔

(۱۳) قرآن کریم نے کئی جگہ یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے پیدا فرمائے ہیں۔ انسانوں کے جوڑے تو مرد اور عورت کی شکل میں شروع سے واضح چلے آتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے بتایا ہے کہ نباتات میں بھی نر اور مادہ کے جوڑے ہوتے ہیں۔ اور یہ حقیقت سائنس کو بہت بعد میں دریافت ہوئی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے صریح الفاظ میں یہ بھی بیان فرمادیا ہے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں ابھی تمہیں معلوم ہی نہیں ہے کہ اُن کے بھی جوڑے ہوتے ہیں۔ لہذا سائنس کو مختلف چیزوں کے جوڑوں کا جو رفتہ رفتہ ادراک ہو رہا ہے، مثلاً بجلی میں مثبت اور منفی کا اور ایٹم میں الیکٹرون اور پروٹون کا، وہ سب قرآن کریم کے اس عمومی بیان میں داخل ہو سکتے ہیں۔



وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ نَسُدُّ مِنْهُ النَّهَارَ فَادَا هُمْ مُّظْلِمُونَ ﴿٣٥﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۖ  
 ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٣٦﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ﴿٣٧﴾  
 لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۗ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٣٨﴾  
 وَآيَةٌ لَهُمُ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿٣٩﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمُ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ﴿٤٠﴾

اور ان کے لئے ایک اور نشانی رات ہے۔ ہم اُس پر سے دن کا چھلکا اُتار لیتے ہیں تو وہ یکا یک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ ﴿۳۵﴾ اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے۔ یہ سب اُس ذات کا مقرر کیا ہوا نظام ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کا علم بھی کامل۔ ﴿۳۶﴾ اور چاند ہے کہ ہم نے اُس کی منزلیں ناپ تول کر مقرر کر دی ہیں، یہاں تک کہ وہ جب (ان منزلوں کے دورے سے) لوٹ کر آتا ہے تو کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح (پتلا) ہو کر رہ جاتا ہے۔ ﴿۳۷﴾ نہ تو سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے، اور نہ رات دن سے آگے نکل سکتی ہے۔ اور یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ ﴿۳۸﴾ اور ان کے لئے ایک اور نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا، ﴿۳۹﴾ اور ہم نے ان کے لئے اُسی جیسی اور چیزیں بھی پیدا کیں جن پر یہ سواری کرتے ہیں۔ ﴿۴۰﴾

(۱۳) یہاں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ کائنات میں اصل اندھیرا ہے، اللہ تعالیٰ نے اُسے دُور کرنے کے لئے سورج کی روشنی پیدا فرمائی ہے۔ جب سورج نکلتا ہے تو وہ اپنی روشنی کا ایک غلاف کائنات کے کچھ حصے پر چڑھا دیتا ہے جس سے روشنی ہو جاتی ہے۔ پھر جب سورج غروب ہوتا ہے تو روشنی کا یہ چھلکا اُتر جاتا ہے، اور اندھیرا واپس آ جاتا ہے۔

(۱۵) یعنی پورے مہینے کا دورہ مکمل کرنے کے بعد آخر میں ایک یا دو راتوں میں تو وہ غائب رہتا ہے، پھر جب دوسرا دورہ شروع کرتا ہے تو وہ اتنا پتلا، نرم دار اور پیلا ہو جاتا ہے جیسے کھجور کے درخت کی وہ شاخ جو پرانی ہو کر پتلی، خم دار اور پیلی ہو جاتی ہے۔

(۱۶) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ چاند اور سورج دونوں اپنے اپنے مدار میں چل رہے ہیں، سورج کی مجال نہیں ہے کہ وہ چاند کے مدار میں داخل ہو جائے۔ اولاً دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سورج کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ رات کے وقت جب چاند افق پر موجود ہو، اُس وقت نکل آئے، اور رات کو دُن بنادے۔

(۱۷) اولاد کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اہل عرب اپنی جوان اولاد کو تجارت کی غرض سے سمندری سفر پر بھیجا کرتے تھے۔

(۱۸) کشتی جیسی دوسری سواری کی تشریح عام طور سے مفسرین نے اُونٹوں سے کی ہے، کیونکہ اہل عرب اُونٹوں کو صحرا کا جہاز کہا کرتے تھے۔ لیکن قرآن کریم کے الفاظ عام ہیں جس میں کشتی کے مشابہ ہر طرح کی سواریاں داخل ہیں، بلکہ عربی قواعد کی رُو سے آیت کا ترجمہ اس طرح بھی کیا جاسکتا ہے کہ: ”ہم نے ان کے لئے اُسی جیسی اور چیزیں بھی پیدا کی ہیں جن پر یہ (آئندہ) سواری کریں گے۔“ اس صورت میں وہ تمام سواریاں اس عبارت میں داخل ہو جاتی ہیں جو قیامت تک پیدا ہوں گی، مثلاً آبدوزیں، اور ہوائی جہاز جو اس لحاظ سے کشتی کے مشابہ ہیں کہ کشتی پانی پر تیرتی ہے، اور ہوائی جہاز ہوا پر تیرتا ہے۔



وَإِنْ تَشَاءُ نَعْرِقُهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ ۝ إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ۝  
وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ وَمَاتَ تِبْيَهُمْ مِنْ آيَةٍ  
مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ انْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۚ قَالَ  
الَّذِينَ كَفَرُوا الَّذِينَ آمَنُوا أَلْطَعِمُ مَنْ لَّوِيْشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ ۖ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ  
مُّبِينٍ ۝ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً  
تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّصُونَ ۝ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ۝ وَنُفِخَ فِي  
الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ۝ قَالُوا أَلْيَوْمَ يُنْزَلُنَا مِنْ بَعْثِنَا مَنْ  
مَّرْقَدِنَا ۚ هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ۝ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا  
هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ۝

اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر ڈالیں، جس کے بعد نہ تو کوئی ان کی فریاد کو پہنچے، اور نہ ان کی جان بچائی جاسکے۔ ۳۳  
لیکن یہ سب ہماری طرف سے ایک رحمت ہے، اور ایک معین وقت تک (زندگی کا) مزہ اٹھانے کا موقع ہے (جو انہیں دیا  
جا رہا ہے)۔ ۳۴ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ: ”بچو اُس (عذاب) سے جو تمہارے سامنے ہے، اور جو تمہارے  
(مرنے کے) بعد آئے گا، تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“ (تو وہ ذرا کان نہیں دھرتے) ۳۵ اور ان کے پروردگار کی نشانیوں  
میں سے کوئی نشانی ایسی نہیں آتی جس سے وہ منہ نہ موڑ لیتے ہوں۔ ۳۶ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ: ”اللہ نے تمہیں  
جو رزق دیا ہے، اُس میں سے (غریبوں پر بھی) خرچ کرو،“ تو یہ کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ: ”کیا ہم ان لوگوں  
کو کھانا کھلائیں جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا؟ (مسلمانو!) تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم کھلی گمراہی  
میں پڑے ہوئے ہو۔“ ۳۷ اور کہتے ہیں کہ: ”یہ (قیامت کا) وعدہ کب پورا ہوگا؟ (مسلمانو!) بتاؤ، اگر تم سچے ہو۔“ ۳۸  
(دراصل) یہ لوگ بس ایک چنگھاڑ کا انتظار کر رہے ہیں جو ان کی حجت بازی کے عین درمیان انہیں آپکڑے گی، ۳۹  
پھر نہ یہ کوئی وصیت کر سکیں گے، اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جا سکیں گے۔ ۴۰ اور صور پھونکا جائے گا تو  
یکا یک یہ اپنی قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے روانہ ہو جائیں گے۔ ۴۱ کہیں گے کہ: ”ہائے ہماری  
کم بختی! ہمیں کس نے ہمارے مرقد سے اٹھا کھڑا کیا ہے؟“ (جواب ملے گا کہ:) ”یہ وہی چیز ہے جس کا خدائے رحمن  
نے وعدہ کیا تھا، اور پیغمبروں نے سچی بات کہی تھی۔“ ۴۲ اور کچھ نہیں، بس ایک زور کی آواز ہوگی، جس کے بعد یہ سب  
کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ ۴۳



فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۵۴﴾ إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ  
 فِي شُغْلٍ فَاكِهِونَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَى الْأَرَآئِكِ مُتَكِنُونَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ  
 وَلَهُمْ مَا يَدْعُونَ ﴿۵۷﴾ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ ﴿۵۸﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿۵۹﴾  
 أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَبْنَىٰ أَدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۶۰﴾ وَ أَنْ  
 اعْبُدُونِي ۚ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا  
 تَعْقِلُونَ ﴿۶۲﴾ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۶۳﴾ اَصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۶۴﴾  
 الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ  
 نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ ﴿۶۶﴾

چنانچہ اُس دن کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، اور تمہیں کسی اور چیز کا نہیں، بلکہ انہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے  
 تھے۔ ﴿۵۴﴾ جنت والے لوگ اُس دن یقیناً اپنے مشغلے میں لگن ہوں گے، ﴿۵۵﴾ وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں آرام دہ  
 نشستوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے۔ ﴿۵۶﴾ وہاں اُن کے لئے میوے ہوں گے، اور انہیں ہر وہ چیز ملے گی جو وہ  
 منگوائیں گے۔ ﴿۵۷﴾ رحمت والے پروردگار کی طرف سے انہیں سلام کہا جائے گا۔ ﴿۵۸﴾ (اور کافروں سے کہا جائے گا  
 کہ:) ”اے مجرمو! آج تم (مومنوں سے) الگ ہو جاؤ۔“ ﴿۵۹﴾ اے آدم کے بیٹو! کیا میں نے تمہیں یہ تاکید نہیں کر دی  
 تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، ﴿۶۰﴾ اور یہ کہ تم میری عبادت کرنا۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ ﴿۶۱﴾  
 اور حقیقت یہ ہے کہ شیطان نے تم میں سے ایک بڑی خلقت کو گمراہ کر ڈالا۔ تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے؟ ﴿۶۲﴾ یہ ہے وہ جہنم  
 جس سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا! ﴿۶۳﴾ آج اس میں داخل ہو جاؤ، کیونکہ تم کفر کیا کرتے تھے۔“ ﴿۶۴﴾ آج کے دن ہم اُن کے  
 منہ پر مہر لگا دیں گے، اور اُن کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے، اور اُن کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ کیا کمائی کیا کرتے  
 تھے۔ ﴿۶۵﴾ (۱۹) اور اگر ہم چاہیں تو (یہیں دنیا میں) اُن کی آنکھیں ملیا میٹ کر دیں، پھر یہ راستے (کی تلاش) میں بھاگے  
 پھریں، لیکن انہیں کہاں کچھ بھٹائی دے گا؟ ﴿۶۶﴾

(۱۹) جب کافر لوگ اس بات سے انکار کریں گے کہ انہوں نے شرک یا دوسرے جرائم کا ارتکاب کیا تھا تو اُس وقت اللہ تعالیٰ اُن  
 کے ہاتھوں اور پاؤں کو بولنے کی صلاحیت عطا فرما دے گا، اور وہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے فلاں فلاں جرائم کئے تھے۔ یہ  
 تفصیل قرآن کریم نے سورہ نور (۲۴: ۲۴) اور سورہ حم السجدة (۲۰: ۴۱) میں بھی بیان فرمائی ہے۔



وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ﴿٢٥﴾ وَمَنْ يَعْزِدْ نُكْسُهُ  
فِي الْخَلْقِ ۖ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٦﴾ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ  
مُّبِينٌ ﴿٢٧﴾ لِيُنذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٢٨﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ  
مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مِلْكُونَ ﴿٢٩﴾ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا  
يَأْكُلُونَ ﴿٣٠﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبٌ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٣١﴾ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً  
لَّهُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٣٢﴾

اور اگر ہم چاہیں تو ان کی اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے ان کی صورتیں اس طرح مسخ کر دیں کہ یہ نہ آگے بڑھ سکیں، اور نہ پیچھے  
لوٹ سکیں۔ ﴿۲۵﴾ اور ہم جس شخص کو لمبی عمر دیتے ہیں، اُسے تخلیقی اعتبار سے الٹ ہی دیتے ہیں۔ کیا پھر بھی انہیں عقل  
نہیں آتی؟ ﴿۲۶﴾ اور ہم نے (اپنے) ان (پیغمبر) کو نہ شاعری سکھائی ہے، اور نہ وہ ان کے شایانِ شان ہے۔ یہ تو بس  
ایک نصیحت کی بات ہے، اور ایسا قرآن جو حقیقت کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، ﴿۲۷﴾ تاکہ ہر اُس شخص کو خبردار کرے جو  
زندہ ہو، اور تاکہ کفر کرنے والوں پر حجت پوری ہو جائے۔ ﴿۲۸﴾

اور کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے مویسیٰ پیدا کئے، اور یہ  
اُن کے مالک بنے ہوئے ہیں؟ ﴿۲۹﴾ اور ہم نے ان مویسیوں کو اُن کے قابو میں دے دیا ہے، چنانچہ ان میں سے کچھ وہ  
ہیں جو ان کی سواری بنے ہوئے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جنہیں یہ کھاتے ہیں۔ ﴿۳۰﴾ نیز ان کو ان مویسیوں سے اور بھی فوائد  
حاصل ہوتے ہیں، اور پینے کی چیزیں ملتی ہیں۔ کیا پھر بھی یہ شکر نہیں بجالائیں گے؟ ﴿۳۱﴾ اور انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اس  
امید پر دوسرے خدا بنائے ہیں کہ انہیں (ان سے) مدد ملے، ﴿۳۲﴾

(۲۵) جب انسان بہت بوڑھا ہو جاتا ہے تو اُس کے قوی جواب دے جاتے ہیں، اُس کے دیکھنے، سننے، بولنے اور سمجھنے کی  
طاقت ختم ہو جاتی ہے، یا کمزور پڑ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ لوگ انسانوں کو پیش آنے والے ان تغیرات کو دیکھتے  
ہیں، اُس سے انہیں یہ سبق لینا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ انسانوں کے جسم میں یہ تغیرات پیدا کر سکتا ہے تو وہ اُن کی نافرمانیوں کی بنا  
پر ان کی بینائی بالکل ختم بھی کر سکتا ہے، اور ان کی صورتیں بھی بالکل مسخ کر سکتا ہے۔

(۲۶) بعض مشرکین کہا کرتے تھے کہ (معاذ اللہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہیں، اور قرآن کریم آپ کی شاعری کی  
کتاب ہے۔ یہ آیت اس کی تردید کر رہی ہے۔

(۲۷) یعنی جس کا دل زندہ ہو، اور وہ حقیقت تک پہنچنا چاہتا ہو۔ ایسے شخص کو زندہ فرما کر اشارہ کیا گیا ہے کہ جو شخص حق کا



لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ<sup>۱۰</sup> وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحَضَّرُونَ<sup>۱۱</sup> فَلَا يَحْزُنُكَ قَوْلُهُمْ<sup>۱۲</sup> إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ<sup>۱۳</sup> أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ<sup>۱۴</sup> وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ<sup>۱۵</sup> قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ<sup>۱۶</sup> قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ<sup>۱۷</sup> وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ<sup>۱۸</sup> الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقَدُونَ<sup>۱۹</sup> أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ<sup>۲۰</sup> بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ<sup>۲۱</sup> إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ<sup>۲۲</sup> فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ<sup>۲۳</sup>

(حالانکہ) ان میں یہ طاقت ہی نہیں ہے کہ ان کی مدد کر سکیں، بلکہ وہ ان کے لئے ایک ایسا (مخالف) لشکر بنیں گے جسے (قیامت میں ان کے سامنے) حاضر کر لیا جائے گا۔<sup>(۲۳)</sup> غرض (اے پیغمبر!) ان کی باتیں تمہیں رنجیدہ نہ کریں۔ یقیناً جانو، ہمیں سب معلوم ہے کہ یہ کیا کچھ چھپاتے، اور کیا کچھ ظاہر کرتے ہیں۔<sup>(۲۴)</sup> اور کیا انسان نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اُسے نطفے سے پیدا کیا تھا؟ پھر اچانک وہ کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا بن گیا۔<sup>(۲۵)</sup> ہمارے بارے میں تو وہ باتیں بناتا ہے، اور خود اپنی پیدائش کو بھلا بیٹھا ہے۔ کہتا ہے کہ: ”ان ہڈیوں کو کون زندگی دے گا جبکہ وہ گل چکی ہوں گی؟“<sup>(۲۶)</sup> کہہ دو کہ: ”ان کو وہی زندگی دے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور وہ پیدا کرنے کا ہر کام جانتا ہے،<sup>(۲۷)</sup> وہی ہے جس نے تمہارے لئے سرسبز درخت سے آگ پیدا کر دی ہے، پھر تم ذرا سی دیر میں اُس سے سلگانے کا کام لے لیتے ہو۔“<sup>(۲۸)</sup> بھلا جس ذات نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو (دوبارہ) پیدا کر سکے؟ — کیوں نہیں؟ جبکہ وہ سب کچھ پیدا کرنے کی پوری مہارت رکھتا ہے!<sup>(۲۹)</sup> اُس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کر لے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ: ”ہو جا“، بس وہ ہو جاتی ہے۔<sup>(۳۰)</sup> غرض پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے، اور اُسی کی طرف تم سب کو آخر کار لے جایا جائے گا۔<sup>(۳۱)</sup>

طلب گار نہ ہو، اور غفلت میں زندگی گزار رہا ہو، وہ زندہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

(۲۳) یعنی جن من گھڑت خداؤں سے یہ مدد کی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں، وہ ان کی مدد تو کیا کرتے؟ قیامت کے دن ان کا پورا لشکر ان کے خلاف گواہی دے گا، جیسا کہ قرآن کریم نے سورہ سبأ (۲۴: ۴۰) اور سورہ قصص (۶۳: ۲۸) میں بتلایا ہے۔



(۲۴) عرب میں دو درخت ہوتے تھے، ایک مرغ اور دوسرا عفار۔ اہل عرب ان سے چقماق کا کام لیتے تھے، اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ رگڑنے سے آگ پیدا ہو جاتی تھی۔ فرمایا یہ جارہا ہے کہ جس ذات نے ایک سرسبز درخت سے آگ پیدا کر دی ہے، اُس کے لئے دوسرے جمادات میں زندگی پیدا کر دینا کیا مشکل ہے؟

الحمد للہ! آج رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ کی اکیسویں شب میں (۳ اکتوبر ۲۰۰۶ء کو) تین بجے سورہ یس کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الصُّفَّت

## تعارف

مکی سورتوں میں زیادہ تر اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کے اثبات پر زور دیا گیا ہے، اس سورت کا مرکزی موضوع بھی یہی ہے، البتہ اس سورت میں خاص طور پر مشرکینِ عرب کے اس غلط عقیدے کی تردید کی گئی ہے جس کی رو سے وہ کہا کرتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سورت کا آغاز فرشتوں کے اوصاف سے کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس سورت میں آخرت میں پیش آنے والے حالات کی منظر کشی فرمائی گئی ہے۔ کفار کو کفر کے ہولناک انجام سے ڈرایا گیا ہے، اور انہیں متنبہ کیا گیا ہے کہ ان کی تمام تر مخالفت کے باوجود اس دُنیا میں بھی اسلام ہی غالب آکر رہے گا۔ اسی مناسبت سے حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت موسیٰ، حضرت الیاس اور حضرت یونس علیہم السلام کے واقعات مختصراً اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ خاص طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا، اور انہوں نے قربانی کے جس عظیم جذبے سے اُس کی تعمیل فرمائی، اُس کا واقعہ بڑے مؤثر اور مفصل انداز میں اسی سورت کے اندر بیان ہوا ہے۔ سورت کا نام اُس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔



﴿ آیاتہا ۱۸۲ ﴾ ﴿ سُورَةُ الصّٰفّٰتِ مَكِّيَّةٌ ۵۲ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۵ ﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَ الصّٰفّٰتِ صَفًّا ○ فَالزُّجُرٰتِ زُجْرًا ○ فَالتّٰلِیٰتِ ذِكْرًا ○ اِنَّ الْهَکْمَ لَوَاحِدٌ ○ رَبُّ  
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ○ رَبُّ الْمَشَارِقِ ○

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو بیاسی آیتیں اور پانچ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم اُن کی جو پرے باندھ کر صف بناتے ہیں، ○ پھر اُن کی جو روک ٹوک کرتے ہیں، ○ پھر اُن کی جو ذکر کی تلاوت کرتے ہیں، ○ تمہارا معبود ایک ہی ہے، ○ جو تمام آسمانوں اور زمین کا اور اُن کے درمیان کی ہر چیز کا مالک ہے، اور اُن تمام مقامات کا مالک جہاں سے ستارے طلوع ہوتے ہیں۔ ○

(۱) اللہ تعالیٰ کو اپنی کسی بات کی تصدیق کے لئے قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مختلف چیزوں کی جو قسمیں کھائی ہیں، وہ اول تو عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کا ایک اُسلوب ہے جس سے کلام میں زور اور تاثر پیدا ہوتی ہے، دوسرے جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے، اُن پر اگر غور کیا جائے تو وہ اُس دعوے کی دلیل ہوتی ہیں جو ان قسموں کے بعد مذکور ہوتا ہے۔ اور ہمارے لئے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے سوا کسی اور چیز کی قسم کھائیں۔

(۲) اکثر مفسرین کے مطابق اس سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے وقت یا اللہ تعالیٰ کا حکم سننے کے لئے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں، لیکن الفاظ میں فرشتوں کا نام نہیں لیا گیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے یہ ہدایت دینی مقصود ہے کہ کسی اجتماعی کام کے وقت لوگوں کا ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں جمع ہونا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے، بلکہ ایسے موقع پر صف اور قطار بنا کر نظم و ضبط کا مظاہرہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اسی لئے نماز میں بھی صف بندی کی بڑی تاکید کی گئی ہے، اور جہاد کے وقت بھی صف بنانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(۳) یعنی وہ فرشتے شیطانوں کو عالم بالا میں داخل ہونے اور شرارت کرنے سے روکتے ہیں۔

(۴) اس سے مراد قرآن کریم کی تلاوت بھی ہو سکتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغولیت بھی۔ بہر حال! یہ تینوں صفتیں فرشتوں کی ہیں، اور ان میں بندگی کی تمام صورتیں جمع ہیں، یعنی صف باندھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، طاغوتی طاقتوں پر روک ٹوک رکھنا، اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت اور ذکر میں مشغول رہنا۔ ان کی قسم کھا کر یہ فرمایا گیا ہے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور اُس کا نہ کوئی شریک ہے، اور نہ اُسے اولاد کی حاجت ہے۔ فرشتوں کے ان اوصاف کی قسم کھا کر یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ اگر فرشتوں کے ان حالات پر غور کرو تو وہ سب اللہ تعالیٰ کی بندگی میں لگے ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے اُن کا رشتہ باپ بیٹی کا نہیں، بلکہ عابد اور معبود کا ہے۔



إِنَّا زَيْنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ۚ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ۚ لَا يَسْعَوْنَ  
إِلَى الْمَلَا أَعْلَى وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۚ إِلَّا مَنْ  
خَطَفَ الْخَطْفَةَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ شَاقِبٌ ۚ فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خُلُقًا أَمْ مَن خَلَقْنَا إِنَّا  
خَلَقْنَاهُمْ مِّن طِينٍ لَّازِبٍ ۖ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ۚ وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ۚ وَإِذَا  
رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخَرُونَ ۚ وَقَالُوا إِن هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۚ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا  
وَعِظَامًا إِنَّا لَنَبْعُوْثُونَ ۚ أَوَابَاؤُنَا إِلَّا وَلُؤُنَ ۚ قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ۚ فَإِنَّمَا هِيَ  
زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ۚ وَقَالُوا لَئِنَّا هَذَا يَوْمُ الدِّينِ ۚ هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ  
الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۚ

۱۰

بیشک ہم نے نزدیک والے آسمان کو ستاروں کی شکل میں ایک سجاوٹ عطا کی ہے، اور ہر شریر شیطان سے حفاظت کا  
ذریعہ بنایا ہے۔ وہ اوپر کے جہان کی باتیں نہیں سن سکتے، اور ہر طرف سے اُن پر مار پڑتی ہے، انہیں دھکے  
دیئے جاتے ہیں، اور اُن کو (آخرت میں) دائمی عذاب ہوگا۔ البتہ جو کوئی کچھ اُچک لے جائے تو ایک روشن شعلہ  
اُس کا پیچھا کرتا ہے۔ اب ذرا ان (کافروں) سے پوچھو کہ ان کی تخلیق زیادہ مشکل ہے یا ہماری پیدا کی ہوئی دوسری  
مخلوقات کی؟ ان کو تو ہم نے لیس درگزرے سے پیدا کیا ہے۔ (اے پیغمبر!) حقیقت تو یہ ہے کہ تم (ان کی باتوں  
پر) تعجب کرتے ہو، اور یہ ہنسی اُڑاتے ہیں، اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت مانتے نہیں، اور جب  
کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق اُڑاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: ”یہ ایک کھلے جادو کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، بھلا  
جب ہم مرمٹھی اور ہڈیوں کی صورت اختیار کر لیں گے، تو کیا ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟“ اور بھلا کیا ہمارے  
پچھلے باپ دادوں کو بھی؟“ کہہ دو کہ: ”ہاں! اور تم ذلیل بھی ہو گے۔“ بس وہ تو ایک ہی زوردار آواز ہوگی، جس  
کے بعد وہ اچانک (سارے ہولناک مناظر) دیکھنے لگیں گے، اور کہیں گے کہ: ”ہائے ہماری شامت! یہ تو حساب  
و کتاب کا دن ہے۔“ (جی ہاں!) یہی وہ فیصلے کا دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

(۵) اس حقیقت کی پوری تفصیل سورہ حجر (۱۵: ۱۷۱) کے حاشیے میں گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

(۶) یعنی آسمان، زمین اور چاند ستاروں کی تخلیق انسان کی تخلیق سے زیادہ مشکل ہے، جب اللہ تعالیٰ ان مشکل مخلوقات کو عدم سے  
وجود میں لے آئے، تو گارے سے بنے ہوئے انسان کو ایک مرتبہ موت دے کر دوبارہ پیدا کر دینا اُس کے لئے کیا مشکل ہے؟



أَحْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝ لَا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ  
إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ ۝ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْصَرُونَ ۝ بَلْ هُمْ  
الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ۝ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ  
تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ۝ قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ  
سُلْطَانٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طَٰغِينَ ۝ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۚ إِنَّكَ أَشْقَوْنَ ۝ فَاعْوِذْ بِنَا  
إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ۝ فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝ إِنَّا كَذَبْنَاكَ نَفْعَلُ  
بِالْبُجْرِمِينَ ۝ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ۚ يَسْتَكْبِرُونَ ۝ وَيَقُولُونَ  
أَيْنَا لَنَارِ كُؤَالِهِتْنَا شَاعِرٌ مَجْنُونٌ ۝

(فرشتوں سے کہا جائے گا کہ:) ”گھیر لاؤ ان سب کو جنہوں نے ظلم کیا تھا، اور ان کے ساتھیوں کو بھی، اور ان کو بھی جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے، پھر انہیں دوزخ کا راستہ دکھاؤ،“ (۱۱) و (۱۲) اور ذرا انہیں ٹھہراؤ، ان سے کچھ پوچھا جائے گا۔“ (۱۳) ”کیوں جی؟ تمہیں کیا ہوا کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کر رہے؟“ (۱۴) اس کے بجائے یہ تو آج سر جھکائے کھڑے ہیں۔ (۱۵) اور وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں سوال جواب کریں گے۔ (۱۶) (ماتحت لوگ اپنے بڑوں سے) کہیں گے کہ: ”تم تھے جو ہم پر بڑے زوروں سے چڑھ چڑھ کر آتے تھے“ (۱۷) وہ کہیں گے کہ: ”نہیں، بلکہ تم خود ایمان لانے والے نہیں تھے۔“ (۱۸) اور تم پر ہمارا کوئی زور نہیں تھا، اصل بات یہ ہے کہ تم خود سرکش لوگ تھے۔ (۱۹) اب تو ہمارے پروردگار کی یہ بات ہم پر ثابت ہو گئی ہے کہ ہم سب کو یہ مزہ چکھنا ہے، (۲۰) کیونکہ ہم نے تمہیں بہکایا۔ ہم خود بہکے ہوئے تھے۔“ (۲۱) غرض اُس دن یہ سب عذاب میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوں گے۔ (۲۲) ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔ (۲۳) ان کا حال یہ تھا کہ جب ان سے یہ کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو یہ اکڑ دکھاتے تھے۔ (۲۴) اور کہا کرتے تھے کہ: ”کیا ہم ایسے ہیں کہ ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑ بیٹھیں؟“ (۲۵)

(۷) یعنی ہم پر زور ڈالتے تھے کہ ہم ایمان نہ لائیں۔

(۸) مطلب یہ ہے کہ ہم چونکہ خود بہکے ہوئے تھے، اس لئے ہم نے تمہیں بہکایا ضرور، لیکن ہمارے بہکانے سے تم کفر پر مجبور نہیں ہو گئے تھے، اگر تم ہمارے بہکانے میں نہ آتے تو ہمارا تم پر کوئی زور نہ چلتا۔



بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۳۷﴾ إِنَّكُمْ لَذَاقُوا الْعَذَابِ الْآلِيمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۹﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۴۰﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ ؕ وَهُمْ مُكْرَمُونَ ﴿۴۲﴾ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿۴۳﴾ عَلَى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِينٍ ﴿۴۵﴾ بَيضَاءَ كَلْدٍ لِّلشَّرِبِ ۖ إِنَّ لَّا فِيهَا غَوْلٌ ۖ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ﴿۴۶﴾ وَعِنْدَهُمْ قُصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ﴿۴۷﴾ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ﴿۴۸﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۴۹﴾ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿۵۰﴾ يَقُولُ أَفِنَّكَ لِمَنِ الْمَصَدِّقِينَ ﴿۵۱﴾ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ۖ إِنَّنَا لَمَدِينُونَ ﴿۵۲﴾ قَالَ هَلْ أَنْتُمْ مُّطَّلِعُونَ ﴿۵۳﴾ فَاطَّلَعَ فَرَآهُ فِي سَوَاءٍ الْجَحِيمِ ﴿۵۴﴾

حالانکہ وہ (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) حق لے کر آئے تھے، اور انہوں نے دوسرے پیغمبروں کی تصدیق کی تھی! ﴿۳۷﴾ چنانچہ (اُن سے کہا جائے گا کہ:) ”تم سب کو دردناک عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا، ﴿۳۸﴾ اور تمہیں کسی اور بات کا نہیں، خود تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔“ ﴿۳۹﴾ البتہ جو اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں، ﴿۴۰﴾ اُن کے لئے طے شدہ رزق ہے، ﴿۴۱﴾ میوے ہیں، اور نعمت بھرے باغات میں اُن کی پوری پوری عزت ہوگی، ﴿۴۲﴾ وہ اونچی نشستوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے، ﴿۴۳﴾ ایسی لطیف شراب کے جام اُن کے لئے گردش میں آئیں گے، ﴿۴۴﴾ جو سفید رنگ کی ہوگی، پینے والوں کے لئے سراپا لذت! ﴿۴۵﴾ نہ اُس سے سر میں خمار ہوگا، اور نہ اُن کی عقل بہکے گی۔ ﴿۴۶﴾ اور اُن کے پاس وہ بڑی بڑی آنکھوں والی خواتین ہوں گی جن کی نگاہیں (اپنے شوہروں پر) مرکوز ہوں گی، ﴿۴۷﴾ (اُن کا بے داغ وجود) ایسا لگے گا جیسے وہ (گرد و غبار سے) چھپا کر رکھے ہوئے انڈے ہوں۔ ﴿۴۸﴾ پھر جنتی لوگ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں سوالات کریں گے۔ ﴿۴۹﴾ اُن میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا، ﴿۵۰﴾ جو (مجھ سے) کہا کرتا تھا کہ: ”کیا تم واقعی اُن لوگوں میں سے ہو جو (آخرت کی زندگی کو) سچ مانتے ہیں؟“ ﴿۵۱﴾ کیا جب ہم مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہمیں (اپنے کاموں کا) بدلہ دیا جائے گا؟“ ﴿۵۲﴾ وہ جنتی (دوسرے جنتیوں سے) کہے گا کہ: ”کیا تم (میرے اُس ساتھی) کو جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو؟“ ﴿۵۳﴾ پھر وہ خود (دوزخ میں) جھانک کر دیکھے گا تو وہ اُسے دوزخ کے بیچوں بیچ نظر آ جائے گا۔ ﴿۵۴﴾

(۹) یہ حوری ہوں گی جو اپنے شوہروں کے سوا کسی اور کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھیں گی۔ اور اس آیت کا ایک مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی نگاہوں میں اتنی حسین ہوں گی کہ وہ اُن کو دوسری عورتوں کی طرف مائل نہیں ہونے دیں گی۔



قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَ لَتُرْدِيْنَ ۝۵۶ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝۵۷ اَفَمَنْ حُجِّنَا بِسِتِّيْنَ ۝۵۸ اِلَّا مَوْتَتْنَا الْاُولٰٓئِ وَ مَنَحْنُ بَعْدَ بَيْنٍ ۝۵۹ اِنَّ هٰذَا لَهٗوَ الْفُوْزِ الْعَظِيْمِ ۝۶۰ لِيَسْلٰ هٰذَا فْلْيَعْمَلَ الْعِبٰلُوْنَ ۝۶۱ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقٰوْمِ ۝۶۲ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظٰلِمِيْنَ ۝۶۳ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝۶۴ طَلْعَهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيْطٰنِ ۝۶۵ فَاِنَّهُمْ لَا كُوْنَ مِنْهَا فَمَا لُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝۶۶ ثُمَّ اِنَّا لَنُهَمُّ عَلَيْهِمُ الشُّوْبًا مِّنْ حَبِيْمٍ ۝۶۷ ثُمَّ اِنَّا مَرْجِعُهُمْ لَا اِلٰى الْجَحِيْمِ ۝۶۸ اِنَّهُمْ اَلْفُوْا اَبَآءَهُمْ صٰلِحِيْنَ ۝۶۹ فَهَمُّ عَلٰٓى اٰثَرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ۝۷۰

وہ جنتی (اُس سے) کہے گا کہ: ”اللہ کی قسم! تم تو مجھے بالکل ہی برباد کرنے لگے تھے، (۵۶) اور اگر میرے پروردگار کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو اور لوگوں کے ساتھ مجھے بھی دھریا جاتا۔“ (۵۷) (پھر وہ خوشی کے عالم میں اپنے جنتی ساتھیوں سے کہے گا: ”اچھا تو کیا اب ہمیں موت نہیں آئے گی؟ (۵۸) سوائے اُس موت کے جو ہمیں پہلے آچکی؟ اور ہمیں عذاب بھی نہیں ہوگا؟“ (۵۹) حقیقت یہ ہے کہ زبردست کامیابی یہی ہے، (۶۰) اسی جیسی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے۔ (۶۱) بھلا یہ مہمانی اچھی ہے، یا زقوم کا درخت؟ (۶۲) ہم نے اُس درخت کو ان ظالموں کے لئے ایک آزمائش بنا دیا ہے۔ (۶۳) دراصل وہ درخت ہی ایسا ہے جو دوزخ کی تہہ سے نکلتا ہے، (۶۴) اُس کا خوشہ ایسا ہے جیسے شیطانوں کے سر، (۶۵) چنانچہ دوزخی لوگ اُسی میں سے خوراک حاصل کریں گے، اور اُسی سے پیٹ بھریں گے۔ (۶۶) پھر انہیں اُس کے اوپر سے کھولتے ہوئے پانی کا آمیزہ ملے گا، (۶۷) پھر وہ لوٹیں گے تو اُسی دوزخ کی طرف لوٹیں گے۔ (۶۸) انہوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہی کی حالت میں پایا تھا، (۶۹) چنانچہ یہ انہی کے نقش قدم پر لپک کر دوڑتے رہے۔ (۷۰)

(۱۰) جب قرآن کریم نے یہ بتایا کہ دوزخ میں زقوم کا درخت ہوگا جو دوزخیوں کی خوراک بنے گا، تو کافروں نے مذاق اڑایا کہ بھلا آگ میں کوئی درخت کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ زقوم کا ذکر کر کے ان کافروں کو ایک اور آزمائش میں ڈالا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بات کی تصدیق کرتے ہیں، یا اُس کا انکار کرتے ہیں۔

(۱۱) اس کا ایک ترجمہ سانپوں کے سر سے بھی کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اردو میں جس درخت کو ناگ پھنی کا درخت کہا جاتا ہے، وہی زقوم ہے۔

(۱۲) یعنی کھولتے ہوئے پانی میں زقوم کا بد مزہ ذائقہ اور پیپ وغیرہ ملی ہوگی۔

(۱۳) یعنی یہ عذاب بھگتنے کے بعد بھی وہ دوزخ سے نہیں نکلیں گے، بلکہ دوزخ ہی میں رہیں گے۔

(۱۴) لپکنے کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے اپنی مرضی اور اشتیاق سے وہی راستہ اختیار کیا، اور نہ خود اپنی عقل سے سوچا اور نہ پیغمبروں کی بات مانی۔



وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ۝۱ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنْذِرِينَ ۝۲ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذِرِينَ ۝۳ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝۴ وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا فَلْنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ۝۵ وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝۶ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ۝۷ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝۸ سَلَامٌ عَلَى نُوْحٍ فِي الْعَالَمِينَ ۝۹ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝۱۰ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۱ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ۝۱۲ وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ۝۱۳ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝۱۴ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ۝۱۵ أَفَكَا الْإِلَهَةُ دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ۝۱۶ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۱۷ فَظَنَرُظْرَةً فِي النُّجُومِ ۝۱۸ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۝۱۹

اور ان سے پہلے جو لوگ گزر چکے ہیں، اُن میں سے اکثر لوگ بھی گمراہ ہوئے، ۱۵ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اُن کے درمیان خبردار کرنے والے (پیغمبر) بھیجے تھے، ۱۶ اب دیکھ لو کہ جن کو خبردار کیا گیا تھا، اُن کا انجام کیسا ہوا؟ ۱۷ البتہ جو اللہ کے برگزیدہ بندے تھے، (وہ محفوظ رہے)۔ ۱۸

اور نوح نے ہمیں پکارا تھا، تو (دیکھ لو کہ) ہم پکار کا کتنا اچھا جواب دینے والے ہیں! ۱۹ اور ہم نے انہیں اور اُن کے گھر والوں کو بڑے کرب سے نجات دی، ۲۰ اور ہم نے اُن کی نسل ہی کو باقی رکھا، ۲۱ اور جو لوگ اُن کے بعد آئے، اُن میں یہ روایت قائم کی ۲۲ (کہ وہ یہ کہا کریں کہ: ”سلام ہو نوح پر دُنیا جہان کے لوگوں میں!“) ۲۳ ہم نیک عمل کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں ۲۴ بیشک وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے۔ ۲۵ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو پانی میں غرق کر دیا۔ ۲۶ اور انہی کے طریقے پر چلنے والوں میں یقیناً ابراہیم بھی تھے، ۲۷ جب وہ اپنے پروردگار کے پاس صاف ستھرا دل لے کر آئے، ۲۸ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ: ”تم کن چیزوں کی عبادت کرتے ہو؟“ ۲۹ کیا اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے خدا چاہتے ہو؟ ۳۰ تو پھر جو ذات سارے جہانوں کو پالنے والی ہے، اُس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“ ۳۱ اس کے (کچھ عرصے) بعد انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نگاہ ڈال کر دیکھا، ۳۲ اور کہا کہ: ”میری طبیعت خراب ہے۔“ ۳۳

(۱۵) حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کی قوم کا پورا واقعہ سورہ ہود (۳۶: ۱۱) میں گزر چکا ہے۔

(۱۶) اُن کی قوم کے لوگ انہیں اپنے ایک میلے میں لے جانا چاہتے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک تو میلے میں شریک نہیں ہونا چاہتے تھے، دوسرے اُن کے دل میں یہ ارادہ تھا کہ جب یہ سارے لوگ میلے میں چلے جائیں گے، اور مندر خالی ہوگا تو وہ وہاں جا کر بتوں کو توڑ پھوڑ دیں گے، تاکہ یہ لوگ آنکھوں سے اُن بتوں کی بے بسی کا منظر دیکھیں جنہیں انہوں نے خدا بنا رکھا ہے۔ اس لئے انہوں نے عذر کیا کہ میری طبیعت خراب ہے۔ اب یہ بھی ممکن ہے کہ واقعی اُن کے مزاج ناساز ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُن کا اصل مطلب یہ ہے کہ تمہارے کفر و شرک کی حرکتیں دیکھ کر میری طبیعت روحانی طور پر خراب ہوتی ہے۔



فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ إِلَىٰ إِلَهِهِمْ فَقَالَ لَا تَأْكُلُونَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ﴿۹۲﴾  
 فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴿۹۳﴾ فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزْفُونَ ﴿۹۴﴾ قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ﴿۹۵﴾  
 وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ﴿۹۷﴾ فَأَرَادُوا بِهِ  
 كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴿۹۸﴾ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِي  
 مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشِّرْنَاهُ بِعُلْمٍ حَلِيمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَدَغَ مَعَهُ السَّعْيُ قَالَ يُبْنِيَٰ إِنِّي أَرَىٰ فِي  
 السَّمَاءِ آتٍ أَذْبَحُكَ فَأَنْظِرْ مَاذَا تَرَىٰ ۖ قَالَ يَا بَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ  
 مِنَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۰۲﴾

چنانچہ وہ لوگ پیٹھ موڑ کر اُن کے پاس سے چلے گئے۔ ﴿۹۰﴾ اس کے بعد یہ اُن کے بنائے ہوئے معبودوں (یعنی بتوں) میں جا گھسے، (اور اُن سے) کہا: ”کیا تم کھاتے نہیں ہو؟“ ﴿۹۱﴾ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم بولتے نہیں؟“ ﴿۹۲﴾ پھر وہ پوری قوت سے مارتے ہوئے اُن (بتوں) پر پل پڑے، ﴿۹۳﴾ اس پر اُن کی قوم کے لوگ ان کے پاس دوڑے ہوئے آئے، ﴿۹۴﴾ ابراہیم نے کہا: ”کیا تم ان (بتوں) کو پوجتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو؟“ ﴿۹۵﴾ حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے، اور جو کچھ تم بناتے ہو، اُس کو بھی۔“ ﴿۹۶﴾ اُن لوگوں نے کہا: ”ابراہیم کے لئے ایک عمارت بناؤ، اور اُسے دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دو۔“ ﴿۹۷﴾ اس طرح اُنہوں نے ابراہیم کے خلاف ایک بُرا منصوبہ بنانا چاہا، لیکن ہم نے اُنہیں نچا دکھا دیا۔ ﴿۹۸﴾ اور ابراہیم نے کہا: ”میں اپنے رب کے پاس جا رہا ہوں، وہی میری رہنمائی فرمائے گا۔“ ﴿۹۹﴾ میرے پروردگار! مجھے ایک ایسا بیٹا دیدے جو نیک لوگوں میں سے ہو۔“ ﴿۱۰۰﴾ چنانچہ ہم نے اُنہیں ایک بُر دار لڑکے کی خوشخبری دی۔ ﴿۱۰۱﴾ پھر جب وہ لڑکا ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو اُنہوں نے کہا: ”بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں، اب سوچ کر بتاؤ، تمہاری کیا رائے ہے؟“ بیٹے نے کہا: ”ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے، اِن شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔“ ﴿۱۰۲﴾

(۱۷) یعنی جو آگ دہکائی گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے اُسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈا کر دیا۔ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۃ انبیاء (۳۲: ۲۱) میں گزر چکا ہے۔ وہیں اس کی تشریح بھی گزری ہے۔

(۱۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصل وطن عراق تھا، اس واقعے کے بعد آپ شام کی طرف ہجرت فرما گئے تھے۔

(۱۹) اس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(۲۰) یہ اگرچہ ایک خواب تھا، لیکن انبیائے کرام علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، اس لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اُسے اللہ تعالیٰ کا حکم قرار دیا۔



فَلَمَّا أَسْلَمُوا تَلَّ لِلْجَبِّينَ ۝ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقَتِ الرُّعْيَا إِنَّا كَذَبُكَ  
 نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هَذَا هُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝ وَقَدَيْنَاهُ بِذُبْحٍ عَظِيمٍ ۝ وَتَرَكْنَا  
 عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَّمَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا  
 الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَبَرَكَنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ ۝ وَمِنْ  
 ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ ۝ وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝ وَنَجَّيْنَاهُمَا  
 وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝ وَنَصَرْنَاهُمْ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۝ وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ  
 الْمُسْتَبِينَ ۝ وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝

چنانچہ (وہ عجیب منظر تھا) جب دونوں نے سر جھکا دیا، اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرایا، ۱۰۳ اور ہم نے انہیں  
 آواز دی کہ: ”اے ابراہیم! ۱۰۴ تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے  
 ہیں۔“ ۱۰۵ یقیناً یہ ایک کھلا ہوا امتحان تھا، ۱۰۶ اور ہم نے ایک عظیم ذبیحہ کا فدیہ دے کر اُس بچے کو بچا لیا۔ ۱۰۷ اور جو لوگ  
 اُن کے بعد آئے، اُن میں یہ روایت قائم کی ۱۰۸ (کہ وہ یہ کہا کریں کہ: ”سلام ہو ابراہیم پر!“ ۱۰۹ ہم نیکی کرنے  
 والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔ ۱۱۰ یقیناً وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے۔ ۱۱۱ اور ہم نے انہیں اسحاق کی  
 خوشخبری دی، کہ وہ صالحین میں سے ایک نبی ہوں گے، ۱۱۲ اور ہم نے اُن پر بھی برکتیں نازل کیں، اور اسحاق پر بھی، اور  
 اُن کی اولاد میں سے کچھ لوگ نیک عمل کرنے والے ہیں، اور کچھ اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والے۔ ۱۱۳  
 اور بیشک ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کیا۔ ۱۱۴ اور ہم نے انہیں اور اُن کی قوم کو ایک بڑے کرب سے نجات  
 دی، ۱۱۵ اور ہم نے اُن کی مدد کی جس کے نتیجے میں وہی غالب رہے، ۱۱۶ اور ہم نے اُن دونوں کو ایسی کتاب عطا کی جو  
 بالکل واضح تھی، ۱۱۷ اور اُن دونوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دی، ۱۱۸

(۲۱) باپ بیٹے دونوں نے تو اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں یہی ٹھان لی تھی کہ باپ بیٹے کو ذبح کرے گا، اس لئے  
 حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹایا، تاکہ چھری پھرتے وقت اُن کی صورت دیکھ کر ارادے میں کوئی تزلزل  
 نہ آجائے۔

(۲۲) چونکہ باپ بیٹے دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اپنے اختیار کا ہر کام کر چکے تھے، اس لئے امتحان پورا ہو گیا تھا۔ اب  
 اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھایا کہ چھری حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے ایک مینڈھے پر چلی جو اللہ تعالیٰ نے اپنی  
 قدرت سے وہاں بھیج دیا، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام زندہ سلامت رہے۔



وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ ۚ سَلَّمَ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۖ إِنَّا كَذَلِكْ نَجْزِي  
 الْمُحْسِنِينَ ۖ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنْ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ  
 قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ ۖ أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ۖ اللَّهُ رَبُّكُمْ  
 وَرَبَّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۖ فَكَذَّبُوهُ فَأَنَّهُمْ مُحْضَرُونَ ۖ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۖ  
 وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۖ سَلَّمَ عَلَىٰ إِيَّاسِينَ ۖ إِنَّا كَذَلِكْ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۖ  
 إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۖ

اور جو لوگ اُن کے بعد آئے، اُن میں یہ روایت قائم کی (۱۱۹) (کہ وہ یہ کہا کریں کہ:) ”سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر!“ (۱۲۰) یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔ (۱۲۱) بیشک وہ دونوں ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے۔ (۱۲۲) اور الیاس بھی یقیناً پیغمبروں میں سے تھے، (۱۲۳) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”کیا تم لوگ اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟“ (۱۲۴) کیا تم بعل (نامی بت) کو پوجتے ہو، اور اُس کو چھوڑ دیتے ہو جو سب سے بہتر تخلیق کرنے والا ہے؟“ (۱۲۵) اُس اللہ کو جو تمہارا بھی پروردگار ہے، اور تمہارے باپ دادوں کا بھی جو پہلے گذر چکے ہیں؟“ (۱۲۶) پھر ہوا یہ کہ انہوں نے الیاس کو جھٹلایا، اس لئے وہ ضرور (عذاب میں) دھر لئے جائیں گے۔ (۱۲۷) البتہ اللہ کے برگزیدہ بندے (محفوظ رہیں گے) (۱۲۸) اور جو لوگ اُن کے بعد آئے، اُن میں ہم نے یہ روایت قائم کی (۱۲۹) (کہ وہ یہ کہا کریں کہ:) ”سلام ہو الیاسین پر!“ (۱۳۰) یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔ (۱۳۱) بیشک وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے۔ (۱۳۲)

(۲۳) حضرت الیاس علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم نے زیادہ تفصیلات بیان نہیں فرمائیں۔ تاریخی اور اسرائیلی روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل میں کفر و شرک کی وبا میں پھوٹیں تو اُس وقت آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا، بائبل کی کتاب سلاطین میں ہے کہ بادشاہ انخی اب کی بیوی ازائیل نے بعل نام کے ایک بت کی پرستش شروع کی تھی، حضرت الیاس علیہ السلام نے انہیں بت پرستی سے روکا، اور معجزے بھی دکھائے، لیکن نافرمان قوم نے ہدایت کی بات ماننے کے بجائے حضرت الیاس علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے منصوبے کو ناکام بنا کر خود انہی پر بلائیں مسلط فرمائیں، اور حضرت الیاس علیہ السلام کو اپنے پاس بلا لیا۔ اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہیں آسمان پر زندہ اٹھالیا گیا تھا، لیکن کسی مستند روایت سے اس بات کی تائید نہیں ہوتی۔ مزید تفصیل کے لئے اس آیت کی تشریح میں تفسیر ”معارف القرآن“ ملاحظہ فرمائیے۔



وَإِنَّ لَوْ طَالَيْنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ۖ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ۖ  
ثُمَّ دَمَرْنَا الْأَخْرِينَ ۖ وَانْكُمُ لَتَرُونَ عَلَيْهِمْ مُصْبِحِينَ ۖ وَبِالْبَلِيلِ ۖ أَفَلَا  
تَعْقِلُونَ ۖ وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلِّ الْمَشْحُونِ ۖ فَسَاهَمَ  
فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۖ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ۖ

اور یقیناً لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ ۲۳ جب ہم نے اُن کو اور اُن کے سارے گھر والوں کو (عذاب سے) نجات دی تھی، ۲۴ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں شامل رہی، ۲۵ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو ملیا میٹ کر دیا، ۲۶ اور (اے مکہ والو!) تم اُن (کی بستیوں) پر سے گذر کرتے ہو، (کبھی) صبح ہوتے، ۲۷ اور (کبھی) رات کے وقت۔ ۲۸ کیا پھر بھی تمہیں عقل نہیں آتی؟ ۲۹

اور یقیناً یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے، ۳۰ جب وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں پہنچے، ۳۱ پھر وہ قرعہ اندازی میں شریک ہوئے، اور قرعے میں مغلوب ہوئے ۳۲ پھر مچھلی نے اُنہیں نگل لیا، جبکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ ۳۳

(۲۴) اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو آخر وقت تک کافروں کا ساتھ دیتی رہی، اور اُنہی کے ساتھ عذاب میں ہلاک ہوئی۔ حضرت لوط علیہ السلام کا مفصل واقعہ سورہ ہود (۱۱: ۷۷) میں گزر چکا ہے۔

(۲۵) اہل عرب اپنی تجارت کے لئے جب شام کا سفر کرتے تو ان اُجڑی ہوئی بستیوں پر سے گذر کرتے تھے جہاں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا تھا۔

(۲۶) حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ اختصار کے ساتھ سورہ یونس (۱۰: ۹۸) میں بھی گزر چکا ہے، اور سورہ انبیاء (۲۱: ۸۷) میں بھی۔ وہ عراق کے شہر نینوا میں بھیجے گئے تھے، اور انہوں نے ایک عرصے تک اپنی قوم کو ایمان لانے کی دعوت دی، اور جب وہ نہ مانی تو اُنہیں متنبہ کر دیا کہ اب تم پر تین دن کے اندر اندر عذاب آکر رہے گا، قوم کے لوگوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ حضرت یونس علیہ السلام چونکہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے، اس لئے اگر وہ بستی سے چلے جاتے ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ ٹھیک کہہ رہے تھے۔ اس کے بعد حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے بستی چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ ادھر بستی کے لوگوں نے جب دیکھا کہ آپ بستی میں نہیں ہیں، اور کچھ عذاب کے آثار بھی محسوس کئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ توبہ کی، جس کے نتیجے میں اُن سے عذاب ٹل گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو اُن کی توبہ کا حال معلوم نہیں تھا، اور جب اُنہوں نے یہ دیکھا کہ تین دن گذر گئے اور عذاب نہیں آیا تو اُنہیں ڈر ہوا کہ اگر میں بستی میں واپس جاؤں گا تو بستی والے مجھے جھوٹا بنائیں گے، اور اندیشہ یہ بھی تھا کہ جھوٹا سمجھ کر قتل نہ کر دیں، اس لئے اس خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا حکم آنے سے پہلے ہی وہ اپنی بستی میں جانے



فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿۳۳﴾ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۳۴﴾ فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ  
وَهُوَ سَقِيمٌ ﴿۳۵﴾ وَأَثْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِينٍ ﴿۳۶﴾ وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ  
يَزِيدُونَ ﴿۳۷﴾ فَأَمْنُوا فَاسْتَغْنَاهُمْ إِلَى حِينٍ ﴿۳۸﴾

چنانچہ اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے، ﴿۳۳﴾ تو وہ اُس دن تک اُسی مچھلی کے پیٹ میں رہتے جس دن  
مردوں کو زندہ کیا جائے گا۔ ﴿۳۴﴾ پھر ہم نے انہیں ایسی حالت میں ایک کھلے میدان میں لا کر ڈال دیا کہ وہ بیمار  
تھے، ﴿۳۵﴾ اور اُن کے اوپر ایک نیل دار درخت اُگادیا، ﴿۳۶﴾ اور ہم نے انہیں ایک لاکھ، بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگوں  
کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا تھا، ﴿۳۷﴾ پھر وہ ایمان لے آئے تھے، اس لئے ہم نے انہیں ایک زمانے تک زندگی سے  
فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔ ﴿۳۸﴾

کے بجائے سمندر کی طرف نکل کھڑے ہوئے، اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے جو آدمیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ایک  
جلیل القدر پیغمبر ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ بات پسند نہیں آئی کہ آپ اللہ تعالیٰ کا حکم آنے سے پہلے ہی بستی کو چھوڑ کر  
کیوں چلے گئے۔ بڑے لوگوں کی معمولی چوک پر بھی گرفت ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ کشتی وزن زیادہ  
ہونے کی وجہ سے ڈوبنے کے قریب آگئی، اور قرعہ اندازی کی گئی کہ کس شخص کو کشتی سے باہر پانی میں اتارا جائے، کئی مرتبہ قرعہ ڈالا  
گیا، اور ہر بار قرعے میں انہی کا نام نکلا۔ چنانچہ انہیں پانی میں پھینک دیا گیا جہاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بڑی مچھلی آپ کی  
منتظر تھی، اُس نے آپ کو نگل لیا، اور آپ کچھ عرصے مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ تین دن اُس میں  
گزارے، اور بعض میں ہے کہ چند گھنٹے مچھلی کے پیٹ میں رہے، جیسا کہ سورہ انبیاء میں گزرا ہے، وہاں آپ یہ تسبیح پڑھتے رہے  
کہ: ”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ“۔

(۲۷) تسبیح پڑھنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انہیں ایک کھلے میدان کے کنارے لا کر ڈال دے۔ چنانچہ ایسا  
ہی ہوا، اُس وقت حضرت یونس علیہ السلام بہت کمزور ہو چکے تھے، اور بعض روایات میں ہے کہ اُن کے جسم پر بال نہیں رہے تھے۔  
اللہ تعالیٰ نے اُن کے اوپر ایک درخت اُگایا، بعض روایات میں ہے کہ وہ کدو کا درخت تھا۔ اس سے انہیں سایہ بھی حاصل ہوا، اور  
شاید اُس کے پھل کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے علاج بھی بنادیا ہو۔ نیز ایک بکری وہاں بھیج دی گئی جس کا آپ دودھ پیتے رہے،  
یہاں تک کہ تندرست ہو گئے۔

(۲۸) جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اور سورہ یونس (۹۸:۱۰) میں بھی گزر چکا ہے، حضرت یونس علیہ السلام کی قوم عذاب کے آثار  
دیکھ کر عذاب آنے سے پہلے ہی ایمان لے آئی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن سے عذاب کو ہٹا دیا تھا، اور وہ ایمان لا کر ایک  
عرصے تک زندہ رہے۔



فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَّبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ۚ (۱۳۹) أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ۚ (۱۴۰)  
 أَلَا إِنَّهُمْ مِّنْ أَفْكِهَمُ لَيَقُولُونَ ۚ (۱۴۱) وَلَدَا اللَّهُ ۚ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۚ (۱۴۲) أَصْطَفَى الْبَنَاتِ  
 عَلَى الْبَنِينَ ۚ (۱۴۳) مَا لَكُمْ ۖ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۚ (۱۴۴) أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۚ (۱۴۵) أَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ  
 مُّبِينٌ ۚ (۱۴۶) فَآتُوا بِكِتَابِكُمْ إِن كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ۚ (۱۴۷) وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نِسْبًا ۚ وَلَقَدْ  
 عَلِمْتَ الْجَنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ۚ (۱۴۸) سُبْحٰنَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ۚ (۱۴۹) إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ  
 الْمُخْلَصِينَ ۚ (۱۵۰) فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ۚ (۱۵۱) مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفِتْنِينَ ۚ (۱۵۲) إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ  
 الْجَحِيمِ ۚ (۱۵۳)

اب ان (مکہ کے مشرکوں) سے پوچھو کہ: ”کیا (اے پیغمبر!) تمہارے رب کے حصے میں تو بیٹیاں آئی ہیں، اور خود ان کے حصے میں بیٹے؟“ (۱۳۹) یا پھر جب ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا تھا تو کیا یہ دیکھ رہے تھے؟ (۱۴۰) یاد رکھو! یہ اپنی من گھڑت بات کی وجہ سے کہتے ہیں (۱۴۱) کہ اللہ کے کوئی اولاد ہے، اور یہ لوگ یقینی طور پر جھوٹے ہیں۔ (۱۴۲) کیا اللہ نے بیٹوں کے بجائے بیٹیاں پسند کی ہیں؟ (۱۴۳) تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسا انصاف کرتے ہو؟ (۱۴۴) بھلا کیا تم اتنا بھی نہیں دھیان نہیں دیتے؟ (۱۴۵) یا اگر تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے، (۱۴۶) تو لاؤ اپنی وہ کتاب اگر تم سچے ہو۔ (۱۴۷) اور انہوں نے اللہ اور جنات کے درمیان بھی نسبی رشتہ داری بنا رکھی ہے، حالانکہ خود جنات کو یہ بات معلوم ہے کہ یہ لوگ مجرم بن کر پیش ہوں گے، (۱۴۸) (کیونکہ) جو باتیں یہ بناتے ہیں، اللہ ان سب سے پاک ہے، (۱۴۹) البتہ اللہ کے برگزیدہ بندے (محفوظ رہیں گے) (۱۵۰) کیونکہ تم اور جن جن کی تم عبادت کرتے ہو، (۱۵۱) وہ کسی کو اللہ کے بارے میں گمراہ نہیں کر سکتے، (۱۵۲) سوائے ایسے شخص کے جو دوزخ میں جلنے والا ہو۔ (۱۵۳)

(۲۹) جیسا کہ سورت کے شروع میں عرض کیا گیا، مکہ مکرمہ کے بت پرست، فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ یہاں سے ان کے اس بے ہودہ عقیدے کی تردید ہو رہی ہے۔ یہ بت پرست اپنے لئے بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ ان میں سے کچھ لوگ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اوّل تو یہ فرما رہے ہیں کہ یہ کیسے غضب کی بات ہے کہ تم اپنے لئے تو بیٹیوں کو ناپسند کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیوں کا عقیدہ رکھتے ہو۔ پھر آگے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی اولاد کی ضرورت نہیں ہے، نہ بیٹوں کی نہ بیٹیوں کی۔

(۳۰) یہ ان مشرکین کے ایک اور بے ہودہ عقیدے کی تردید ہے۔ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ جنات کے سرداروں کی بیٹیاں فرشتوں کی مائیں ہیں، گویا العیاذ باللہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیویاں ہیں۔



وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ۚ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ۚ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ۚ  
 وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ ۚ لَوْ أَنَّ عِندَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۚ لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ  
 الْمُخْلِصِينَ ۚ فَكْفَرُوا بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۚ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا  
 الْمُرْسَلِينَ ۚ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۚ وَإِنَّ جُنَدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۚ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ  
 حَتَّىٰ حِينٍ ۚ وَأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصَرُونَ ۚ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۚ فَإِذَا نَزَلَ  
 بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ۚ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۚ وَأَبْصِرْ فَسَوْفَ  
 يُبْصَرُونَ ۚ سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۚ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۚ  
 وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ

اور (فرشتے تو یہ کہتے ہیں کہ:) ”ہم میں سے ہر ایک کا ایک معین مقام ہے، اور ہم تو (اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں) صف باندھے رہتے ہیں، اور ہم تو اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔“ اور یہ (کافر) لوگ پہلے تو یہ کہا کرتے تھے کہ: ”اگر ہمارے پاس پچھلے لوگوں کی طرح کوئی نصیحت کی کتاب ہوتی، تو ہم بھی ضرور اللہ کے برگزیدہ بندوں میں شامل ہوتے۔“ پھر بھی انہوں نے کفر کی روش اپنائی ہے۔ اس لئے انہیں سب پتہ چل جائے گا۔ اور ہم پہلے ہی اپنے پیغمبر بندوں کے بارے میں یہ بات طے کر چکے ہیں کہ یقینی طور پر ان کی مدد کی جائے گی، اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لشکر کے لوگ ہی غالب رہتے ہیں۔ لہذا (اے پیغمبر!) تم کچھ وقت تک ان لوگوں سے بے پروا ہو جاؤ، اور انہیں دیکھتے رہو، عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔ بھلا کیا یہ ہمارے عذاب کے لئے جلدی مچار ہے ہیں؟ سو جب وہ ان کے صحن میں آترے گا تو جن لوگوں کو خبردار کیا جا چکا تھا، اُن کی وہ صبح بہت بُری صبح ہوگی۔ اور تم کچھ وقت تک ان لوگوں سے بے پروا ہو جاؤ، اور دیکھتے رہو، عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔ تمہارا پروردگار، عزت کا مالک، اُن سب باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بناتے ہیں! اور سلام ہو پیغمبروں پر اور تمام تر تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

(۳۱) یعنی خود فرشتے تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں نہیں کہتے، بلکہ اپنی بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔

(۳۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے یہ بت پرست، یہودیوں اور عیسائیوں سے یہ کہتے تھے کہ اگر ہم



پر کوئی آسمانی کتاب اُتری تو ہم تم سے زیادہ اُس کو مان کر اُس پر عمل کریں گے۔ یہی مضمون سورہ فاطر (۴۲:۳۵) میں بھی گزرا ہے۔

(۳۳) کفار، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاق اُڑانے کے انداز میں کہا کرتے تھے کہ آپ جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہیں، وہ ابھی جلدی کیوں نہیں آجاتا؟

الحمد للہ! آج ۳۰ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ کی شب میں سحری کے وقت سورہ صافات کا ترجمہ اور تشریحی حواشی کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ ص

## تعارف

اس سورت کے نزول کا ایک خاص واقعہ ہے جو معتبر روایتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تھے، لیکن اپنی رشتہ داری کا حق نبھانے کے لئے آپ کی مدد بہت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قریش کے دوسرے سردار ابوطالب کے پاس وفد کی شکل میں آئے، اور کہا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں تو ہم انہیں ان کے اپنے دین پر عمل کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بتوں کو اس کے سوا کچھ نہیں کہتے تھے کہ ان میں کوئی نفع یا نقصان پہنچانے کی کوئی طاقت نہیں ہے، اور ان کو خدا ماننا گمراہی ہے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجلس میں بلا کر آپ کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی تو آپ نے ابوطالب سے فرمایا کہ: ”چچا جان! کیا میں اس چیز کی دعوت نہ دوں جس میں ان کی بہتری ہے؟“ ابوطالب نے پوچھا: ”وہ کیا چیز ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”میں ان سے ایک ایسا کلمہ کہلانا چاہتا ہوں جس کے ذریعے سارا عرب ان کے آگے سرنگوں ہو جائے، اور یہ پورے عجم کے مالک ہو جائیں۔“ اس کے بعد آپ نے کلمہ ”توحید“ پڑھا۔ یہ سن کر تمام لوگ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے، اور کہنے لگے کہ: ”کیا ہم سارے معبودوں کو چھوڑ کر ایک کو اختیار کر لیں؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔“ اس موقع پر سورہ ص کی آیات نازل ہوئیں۔ اس کے علاوہ اس سورت میں مختلف پیغمبروں کا بھی تذکرہ ہے جن میں حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے واقعات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔



﴿ایاتھا ۸۸﴾ ﴿سُورَةُ ص مَكِّيَّةٌ ۲۸﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۵﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ۝۱ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ ۝۲ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ  
مِنْ قَرْنٍ فَنَادَُوا وَآوَلَاتٍ حِينَ مَنَاصٍ ۝۳ وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ  
الْكَافِرُونَ هَذَا سِحْرٌ كَذَّابٌ ۝۴ أَجْعَلُ الْإِلَهَةَ الْهَآؤَاحِدًا ۝۵ إِنَّ هَذَا الشَّيْءُ عَجَابٌ ۝۶  
وَأَنْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنْ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَى آلِهَتِكُمْ ۝۷ إِنَّ هَذَا الشَّيْءُ عِیرَادٌ ۝۸ مَا سَمِعْنَا  
بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ ۝۹ إِنَّ هَذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۱۰ أُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا ۝۱۱ بَلْ هُمْ فِي  
شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِي ۝۱۲ بَلْ لَّيْسَ آيِدُوقُوا عَذَابَ ۝۱۳

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اٹھاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

ص، قسم ہے نصیحت بھرے قرآن کی، ۱ کہ جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، وہ کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ اس لئے اپنایا ہے  
کہ وہ بڑائی کے گھمنڈ اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں۔ ۲ اور ان سے پہلے ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کیا، تو انہوں نے  
اُس وقت آوازیں دیں جب چھٹکارے کا وقت رہا ہی نہیں تھا۔ ۳ اور ان (قریش کے) لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا  
ہے کہ ایک خبردار کرنے والا انہی میں سے آگیا۔ اور ان کافروں نے یہ کہہ دیا کہ: ”وہ جھوٹا جادوگر ہے۔“ ۴ کیا اُس  
نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود میں تبدیل کر دیا ہے؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔“ ۵ اور ان میں کے سردار لوگ یہ  
کہہ کر چلتے بنے کہ: ”چلو، اور اپنے خداؤں (کی عبادت) پر ڈٹے رہو یہ بات تو ایسی ہے کہ اس کے پیچھے کچھ اور ہی  
ارادے ہیں۔“ ۶ ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں کبھی نہیں سنی۔ اور کچھ نہیں، یہ من گھڑت بات ہے۔ ۷ کیا یہ نصیحت  
کی بات ہم سب کو چھوڑ کر اسی شخص پر نازل کی گئی ہے؟“ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ میری نصیحت کے بارے میں شک  
میں مبتلا ہیں، بلکہ انہوں نے ابھی میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا۔ ۸

- (۱) یہ انہی حروفِ مقطعات میں سے ہے جن کا صحیح مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ دیکھئے سورہ بقرہ کی پہلی آیت پر ہمارا  
حاشیہ۔ اور قرآن کریم میں جو قسمیں کھائی گئی ہیں، اُن کے بارے میں پچھلی سورت (سورہ صافات) کا پہلا حاشیہ۔  
(۲) یہ ترجمہ اس جملے کی اُس ترکیب پر مبنی ہے جو علامہ آلوسیؒ نے ”اظہر“ کہہ کر نقل کی ہے (روح المعانی ج: ۲۳ ص: ۲۱۷)۔  
(۳) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کے ذریعے (معاذ اللہ) اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتے ہیں۔



أَمْرٌ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ۝۹ أَمْ لَهُمْ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ۝۱۰ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ۝۱۱  
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ۝۱۲ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لَيْكَةِ ۚ  
۝۱۳ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ۝۱۴ إِنَّ كُلَّ أَكْذَابِ الرُّسُلِ فَحَقَّ عِقَابٌ ۝۱۵ وَمَا يَنْظُرُ هَؤُلَاءِ إِلَّا  
صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهُمُ مِنْ فَوَاقٍ ۝۱۶ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْنَاقَ بَلِّ يُومِ الْحِسَابِ ۝۱۷

تمہارا رب جو بڑا داتا، بڑا صاحب اقتدار ہے، کیا اُس کی رحمت کے سارے خزانے انہی کے پاس ہیں؟ ۝۹ یا پھر  
آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان ہر چیز کی بادشاہت ان کے قبضے میں ہے؟ پھر تو انہیں چاہئے کہ رسیاں تان کر اوپر  
چڑھ جائیں۔ ۝۱۰ (ان کی حقیقت تو یہ ہے کہ) یہ مخالف گروہوں کا ایک لشکر سا ہے جو یہیں پر شکست کھا جائے گا۔ ۝۱۱  
ان سے پہلے نوح کی قوم، قوم عاد اور میمنوں والے فرعون نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا، ۝۱۲ اور قوم ثمود، اور لوط کی قوم اور  
ایکہ والوں نے بھی۔ وہ تھے مخالف گروہ کے لوگ! ۝۱۳ ان میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جس نے پیغمبروں کو نہ جھٹلایا ہو، اس  
لئے میرا عذاب بجا طور پر نازل ہو کر رہا ۝۱۴ اور (مکہ کے) یہ لوگ (بھی) بس ایک ایسی چنگھاڑ کا انتظار کر رہے ہیں  
جس میں کوئی وقفہ نہیں ہوگا۔ ۝۱۵ اور کہتے ہیں کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہمارا حصہ ہمیں روزِ حساب سے پہلے ہی  
جلدی دیدے!“ ۝۱۶

(۲) مطلب یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ لوگ اس طرح اعتراضات کر رہے ہیں جیسے نبوت جو درحقیقت  
اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک حصہ ہے، ان کے اپنے اختیار میں ہے کہ جسے یہ چاہیں اُسے نبی بنایا جائے، اور جسے یہ ناپسند کریں،  
اُسے نبوت نہ دی جائے۔

(۵) یعنی اگر یہ اتنے وسیع اختیارات کے مالک ہیں تو ان میں رسیاں تان کر آسمان پر چڑھنے کی بھی طاقت ہونی چاہئے، جو ظاہر  
ہے کہ انہیں حاصل نہیں ہے، اس لئے آسمان وزمین کی معلومات پر انہیں کیا اختیار ہوگا جس کی بنا پر وہ یہ رائے دیں کہ فلاں کو نبی  
بنایا جائے اور فلاں کو نہ بنایا جائے۔

(۶) مقصد یہ ہے کہ جو بڑی بڑی قومیں پہلے گزری ہیں، اُن کے مقابلے میں یہ لوگ ایک چھوٹا سا لشکر ہیں جو خود اپنے وطن میں  
شکست کھا جائے گا۔ یہ فتح مکہ کی پیشین گوئی ہے، اور واقعہ بھی یہی ہوا کہ یہ سارے بڑے بول بولنے والے فتح مکہ کے موقع پر  
ایسی شکست کھا گئے کہ مکہ مکرمہ پر ان کا کوئی اقتدار باقی نہیں رہا۔

(۷) اس سے مراد صور پھونکنے کی آواز ہے جس کے ساتھ ہی قیامت آجائے گی۔

(۸) یہ کافروں کا وہی مطالبہ ہے جس کا ذکر پہلے بار بار گزرا ہے کہ اگر ہم پر عذاب آنا ہے تو ابھی فوراً کیوں نہیں آتا؟



اصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ ۚ إِنَّكَ أَوَّابٌ ۝۱۷ إِنَّا سَخَرْنَا الْجِبَالَ  
مَعَهُ يُسَبِّحُنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ۝۱۸ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۚ كُلٌّ لَّكَ أَوَّابٌ ۝۱۹ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ  
وَاتَيْنَهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَّلَ الْخُطَابِ ۝۲۰ وَهَلْ أَتَاكَ نَبُوءُ الْخَصِمِ ۚ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝۲۱

(اے پیغمبر!) یہ جو کچھ کہتے ہیں، اس پر صبر کرو، اور ہمارے بندے داود (علیہ السلام) کو یاد کرو جو بڑے طاقتور تھے۔ وہ  
بیشک اللہ سے بہت لو لگائے ہوئے تھے۔ ۱۷ ہم نے پہاڑوں کو اس کام پر لگا دیا تھا کہ وہ شام کے وقت اور سورج کے  
نکلنے وقت اُن کے ساتھ تسبیح کیا کریں۔ ۱۸ اور پرندوں کو بھی، جنہیں اکٹھا کر لیا جاتا تھا۔ یہ سب اُن کے ساتھ مل کر اللہ کا  
خوب ذکر کرتے تھے۔ ۱۹ اور ہم نے اُن کی سلطنت کو استحکام بخشا تھا، اور انہیں دانائی اور فیصلہ کن گفتگو کا سلیقہ عطا کیا  
تھا۔ ۲۰ اور کیا تمہیں اُن مقدمہ والوں کی خبر پہنچی ہے، جب وہ دیوار پر چڑھ کر عبادت گاہ میں گھس آئے تھے؟ ۲۱

(۹) سورت کے شروع میں کافروں کی وہ باتیں ذکر کر کے اُن کی تردید فرمائی گئی تھی جن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج  
ہوا کرتا تھا۔ اب یہاں سے یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ان کی بے ہودہ باتوں پر صبر کر کے آپ اپنے کام میں لگے رہے، اور اسی سلسلے  
میں کچھ پچھلے انبیائے کرام کے واقعات بیان فرمائے جا رہے ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہو۔ ان میں سے پہلا  
تذکرہ حضرت داود علیہ السلام کا ہے۔

(۱۰) جیسا کہ سورۃ انبیاء (۷۹:۲۱) میں گذر چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو بہت دلکش آواز عطا فرمائی تھی، اور  
معجزے کے طور پر یہ خصوصیت بخشی تھی کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ ذکر اور تسبیح میں شریک ہوتے  
تھے، اور اڑتے ہوئے پرندے بھی رُک جاتے، اور وہ بھی ذکر کرنے لگتے تھے۔

(۱۱) یہاں سے آیت نمبر ۲۴ تک جو واقعہ بیان ہوا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت داود علیہ السلام سے کوئی لغزش ہو گئی تھی،  
اللہ تعالیٰ نے اُس لغزش پر تنبیہ کرنے کے لئے یہ دو آدمی غیر معمولی طریقے سے آپ کے پاس اُس وقت بھیجے جب آپ اپنی  
عبادت گاہ میں تھے۔ ان دونوں نے اپنا ایک جھگڑا فیصلے کے لئے آپ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے فیصلہ تو فرمادیا، لیکن اُس  
کے ساتھ ہی آپ سمجھ گئے کہ یہ مقدمہ جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے، اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ایک لطیف پیرائے میں  
انہیں تنبیہ کی ہے، اس لئے وہ فوراً سجدے میں گر گئے، اور توبہ اور استغفار میں مشغول ہو گئے۔ قرآن کریم نے یہ تفصیل نہیں بتائی  
کہ وہ لغزش کیا تھی؟ اور اس مقدمے کے پیش ہونے سے انہیں اُس کا خیال کس طرح آیا؟ کیونکہ قرآن کریم تو صرف یہ سبق دینا  
چاہتا ہے کہ بھول چوک تو انسان کی خاصیت ہے، بڑے بڑے بزرگوں، یہاں تک کہ انبیائے کرام سے بھی معمولی قسم کی لغزشیں  
ہو جاتی ہیں، لیکن یہ حضرات اپنی کسی لغزش پر اصرار نہیں فرماتے، بلکہ جونہی اپنی غلطی واضح ہوتی ہے، فوراً اللہ تعالیٰ سے رُجوع  
کر کے اُس پر توبہ اور استغفار کرتے ہیں۔ یہ عملی سبق حضرت داود علیہ السلام کے اس واقعے کی تفصیل جاننے پر موقوف نہیں ہے۔



اِذْ دَخَلُوا عَلٰی دَاوُدَ فَفَزَعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصٰصِيْنَ بَغٰی بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ فَاَحْكُمْ بَيْنَنَا  
بِالْحَقِّ وَلَا تُسْطِطْ وَاهِدِنَا ۚ اِلٰی سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَا اَخٰی ۚ لَهٗ تَسْمَعُ وَتَسْعَوْنَ نَعْجَةً  
وَلٰی نَعْجَةً وَّاحِدَةً ۚ فَقَالَ اَکْفِلْنِیْہَا وَعَرِّنِیْ فِی الْخَطَابِ ﴿۲۳﴾

جب وہ داود کے پاس پہنچے تو داود اُن سے گھبرا گئے۔ اُنہوں نے کہا: ”ڈریئے نہیں، ہم ایک جھگڑے کے دو فریق ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اب آپ ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیجئے، اور زیادتی نہ کیجئے، اور ہمیں ٹھیک ٹھیک راستہ بتا دیجئے۔“ ﴿۲۲﴾ یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دُنیاں ہیں، اور میرے پاس ایک ہی دُنیا ہے۔ اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کرو، اور اس نے زور بیان سے مجھے دبا لیا ہے۔“ ﴿۲۳﴾

البتہ جو حضرات مفسرین تفصیل میں گئے ہیں، اُنہوں نے مختلف باتیں کہی ہیں۔ اس سلسلے میں طرح طرح کی داستانیں بھی گھڑی گئی ہیں جن میں سے ایک بے ہودہ داستان بائبل میں بھی ہے کہ حضرت داود علیہ السلام نے اپنے ایک سپہ سالار ”اوریا“ کی بیوی سے (معاذ اللہ) زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ لیکن یہ داستان تو بیان کرنے کے بھی لائق نہیں ہے۔ ایک جلیل القدر پیغمبر کے بارے میں، جنہیں خود قرآن کریم کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ کا خاص تقرب حاصل تھا، ایسی بات یقیناً من گھڑت ہے۔ البتہ بعض مفسرین نے یہ روایت بیان کی ہے کہ اُس زمانے میں کسی شخص کی بیوی سے نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کر کے اُس کے شوہر سے یہ فرمائش کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ یہ ایک عام رواج تھا جس پر کوئی بُرا بھی نہیں مانتا تھا۔ اور یا کی بیوی چونکہ بہت ذہین تھی، اس لئے حضرت داود علیہ السلام نے اپنے معاشرے کے چلن کے مطابق اُس سے یہ فرمائش کی تھی کہ وہ اُسے طلاق دیدے، تاکہ وہ حضرت داود علیہ السلام کے نکاح میں آ سکے۔ ایسی فرمائش نہ تو گناہ تھی، کیونکہ شوہر کو حق حاصل تھا کہ وہ یہ بات مانے یا نہ مانے، اور نہ معاشرے کے رواج کے مطابق معیوب تھی، لیکن ایک جلیل القدر پیغمبر کے شایانِ شان نہیں تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس لطیف پیرائے میں آپ کو تنبیہ فرمائی۔ چنانچہ آپ نے اس پر استغفار فرمایا، اور پھر نکاح کی تجویز پر عمل بھی نہیں کیا۔ یہ تشریح اگرچہ بائبل والے واقعے کی طرح لغو تو نہیں ہے، لیکن کسی مستند روایت سے ثابت بھی نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ لغزش جو کوئی بھی تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک جلیل القدر پیغمبر کو اس پر نہ صرف یہ کہ معاف فرمایا، بلکہ اُس پر اتنا پردہ ڈالا کہ قرآن کریم میں بھی اُسے صراحت کے ساتھ بیان نہیں فرمایا، اس لئے اس بات کی چھان بین جسے اللہ تعالیٰ نے خود خفیہ رکھا ہے، نہ تو اس جلیل القدر پیغمبر کی تعظیم کے شایانِ شان ہے، نہ اُس کی کوئی ضرورت ہے، لہذا اُسے اتنا ہی مبہم رکھنا چاہئے جتنا قرآن کریم نے اُسے مبہم رکھا ہے، کیونکہ جو سبق قرآن کریم دینا چاہتا ہے، وہ اُس کے بغیر بھی پوری طرح حاصل ہو جاتا ہے۔



قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعَجِكَ إِلَىٰ نَعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۖ وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتْنَتْهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۚ (۲۳) فَغَفَرْنَا لَهُ ذَلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَّآبٍ ۖ (۲۴) لِيَدَاوُدَ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَصِلُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ۚ (۲۵) وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۖ ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ۚ (۲۶) أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ۚ (۲۷)

داود نے کہا: ”اس نے اپنی دُنیوں میں شامل کرنے کے لئے تمہاری دُنی کا جو مطالبہ کیا ہے، اُس میں یقیناً تم پر ظلم کیا ہے۔ اور بہت سے لوگ جن کے درمیان شرکت ہوتی ہے، وہ ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں، سوائے اُن کے جو ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اور وہ بہت کم ہیں۔“ اور داود کو خیال آیا کہ ہم نے دراصل اُن کی آزمائش کی ہے، اس لئے اُنہوں نے اپنے پروردگار سے معافی مانگی، جھک کر سجدے میں گر گئے، اور اللہ سے لو لگائی۔ (۲۳) چنانچہ ہم نے اُس معاملے میں انہیں معافی دے دی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اُن کو ہمارے پاس خاص تقرب حاصل ہے، اور بہترین ٹھکانا! (۲۴) اے داود! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہذا تم لوگوں کے درمیان برحق فیصلے کرو، اور نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ یقین رکھو کہ جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں، اُن کے لئے سخت عذاب ہے، کیونکہ اُنہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا تھا۔ (۲۵) اور ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان جو چیزیں ہیں اُن کو فضول ہی پیدا نہیں کر دیا۔ یہ تو اُن لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے، چنانچہ ان کافروں کے لئے دوزخ کی شکل میں بڑی تباہی ہے۔ (۲۶) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، کیا ہم اُن کو ایسے لوگوں کے برابر کر دیں گے جو زمین میں فساد مچاتے ہیں؟ یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے؟ (۲۷)

(۱۲) یہ آیت سجدہ ہے۔ یعنی جو شخص اس کی عربی میں تلاوت کرے، یا تلاوت سنے، اُس پر سجدہ کرنا واجب ہے۔

(۱۳) یہ آخرت کے ضروری ہونے کی دلیل ہے، اور پچھلی آیتوں سے اس کا ربط یہ ہے کہ جب ہم نے حضرت داود علیہ السلام کو اپنے خلیفہ کی حیثیت میں یہ حکم دیا ہے کہ وہ عدل و انصاف سے کام لیں تو کیا ہم خود انصاف نہیں کریں گے؟ اسی انصاف کے



کُتِبَ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّدَّبَرُوا إِلَيْهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۲۹﴾ وَهَبْنَا لِدَاوُدَ  
 سُلَيْمَانَ نِعَمَ الْعَبْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ إِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصِّفَتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ  
 إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ فطَفِقَ  
 مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

(اے پیغمبر!) یہ ایک بابرکت کتاب ہے جو ہم نے تم پر اس لئے اتاری ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں، اور  
 تاکہ عقل رکھنے والے نصیحت حاصل کریں۔ ﴿۲۹﴾ اور ہم نے داود کو سلیمان (جیسا بیٹا) عطا کیا، وہ بہترین بندے تھے،  
 واقعی وہ اللہ سے خوب لولگائے ہوئے تھے۔ ﴿۳۰﴾ (وہ ایک یادگار وقت تھا) جب اُن کے سامنے شام کے وقت اچھی نسل  
 کے عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے، ﴿۳۱﴾ تو اُنہوں نے کہا: ”میں نے اس دولت کی محبت اپنے پروردگار کی یاد ہی کی وجہ سے  
 اختیار کی ہے“ یہاں تک کہ وہ اوٹ میں چھپ گئے۔ ﴿۳۲﴾ (اس پر اُنہوں نے کہا:) ”ان کو میرے پاس واپس لے آؤ،  
 چنانچہ وہ (اُن کی) پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ ﴿۳۳﴾

لئے آخرت میں حساب و کتاب ہوگا، ورنہ یہ لازم آئے گا کہ ہم نے نیک لوگوں اور بدکاروں کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا، اور  
 دُنیا میں چاہے کوئی شخص اچھے کام کرے یا بدکاری کا مرتکب ہو، نہ اُس سے کوئی باز پرس ہونی ہے، اور نہ نیک آدمی کو کوئی انعام ملنا  
 ہے۔ ایسی بے انصافی اللہ تعالیٰ کیسے گوارا فرما سکتے ہیں؟

(۱۳) یعنی جب آخرت اور حساب و کتاب کی ضرورت معلوم ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف ہی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انسانوں  
 کو پہلے سے متنبہ کرنے کے لئے کوئی ہدایت نامہ عطا فرمائیں، تاکہ لوگ اُس پر عمل کر کے اپنی آخرت کو درست کر سکیں۔ اس کے  
 لئے قرآن کریم کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے یہ مبارک کتاب نازل فرمائی ہے۔

(۱۵) حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے وہ بہترین گھوڑے پیش کئے گئے جو جہاد کے مقصد سے اکٹھے کئے گئے تھے، اور اُن  
 سے آپ کی سلطنت کی شان و شوکت کا مظاہرہ ہو رہا تھا، آپ نے جب اُن کا معائنہ فرمایا تو یہ شان و شوکت آپ کو اللہ تعالیٰ کی یاد  
 سے غافل نہ کر سکی، بلکہ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس دولت سے محبت اس لئے نہیں ہے کہ اس سے میرے دبدبے کا اظہار ہوتا ہے،  
 بلکہ اس لئے ہے کہ یہ جہاد کے لئے تیار کئے گئے ہیں، اور جہاد اللہ تعالیٰ کی محبت میں کیا جاتا ہے۔ پھر وہ گھوڑے چلتے ہوئے آپ  
 کی نگاہوں سے روپوش ہو گئے تو آپ نے اُنہیں دوبارہ بلوایا، اور اُن کی پنڈلیوں اور گردنوں پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ اس  
 واقعے کو ذکر فرما کر قرآن کریم نے یہ سبق دیا ہے کہ انسان کو دُنیا کی دولت یا عزت و شوکت حاصل ہو تو اُسے مغرور ہونے اور  
 اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہونے کے بجائے اُس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اُسے اُن کاموں میں استعمال کرنا چاہئے جو  
 اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہوں۔ اس آیت کی یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، اور قرآن کریم کے الفاظ سے  
 وہ زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔ حافظ ابن جریر طبریؒ اور امام رازیؒ وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ مفسرین کی ایک بڑی جماعت



وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَداً ثُمَّ أَنَابَ ﴿۳۳﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا  
لَّا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۴﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً  
حَيْثُ أَصَابَ ﴿۳۵﴾ وَالشَّيَاطِينُ كُلٌّ بِنَاءٍ وَغَوَّاصٍ ﴿۳۶﴾ وَآخِرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿۳۷﴾

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم نے سلیمان کی ایک آزمائش کی تھی، اور اُن کی کرسی پر ایک دھڑلا کر ڈال دیا تھا، پھر انہوں نے  
(اللہ سے) رُجوع کیا، ﴿۳۳﴾ کہنے لگے کہ: ”میرے پروردگار! میری بخشش فرمادے، اور مجھے ایسی سلطنت بخش دے جو  
میرے بعد کسی اور کے لئے مناسب نہ ہو۔ بیشک تیری، اور صرف تیری ہی ذات وہ ہے جو اتنی نخی داتا ہے۔“ ﴿۳۴﴾ چنانچہ  
ہم نے ہوا کو اُن کے قابو میں کر دیا جو اُن کے حکم سے جہاں وہ چاہتے، ہموار ہو کر چلا کرتی تھی۔ ﴿۳۵﴾ اور شریر جنات بھی  
اُن کے قابو میں دے دیئے تھے، جن میں ہر طرح کے معمار اور غوطہ خور شامل تھے۔ ﴿۳۶﴾ اور کچھ وہ جنات جو زنجیروں  
میں جکڑے ہوئے تھے۔ ﴿۳۷﴾

نے آیت اور اُس کے واقعے کی ایک اور تفسیر کی ہے جو زیادہ مشہور ہے، اور وہ یہ کہ گھوڑوں کے معاینے کے دوران آپ کی نماز  
قضا ہو گئی تھی، جس پر آپ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ اس دولت کی محبت نے مجھے اللہ تعالیٰ کی محبت سے غافل  
کر دیا، اس لئے انہوں نے گھوڑوں کو واپس بلوا کر انہیں اللہ تعالیٰ کے لئے قربان کرنے کا ارادہ کیا، اور تلوار سے اُن کی پنڈلیاں  
اور گردنیں کاٹنی شروع کر دیں۔ اس تفسیر کے مطابق آیت کا ترجمہ بالکل مختلف اس طرح ہوگا: ”جب اُن کے پاس اچھی نسل کے  
عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے تو انہوں نے کہا کہ اس دولت کی محبت نے مجھے اللہ کی محبت سے غافل کر دیا، یہاں تک کہ وہ گھوڑے  
اوٹ میں چلے گئے، (تو انہوں نے کہا:) ”انہیں واپس لاؤ“ پھر انہوں نے اُن کی پنڈلیوں اور گردنوں پر (تلوار سے) ہاتھ  
صاف کرنا شروع کر دیا۔“

﴿۱۶﴾ یہ ایک اور واقعہ ہے جس کی تفصیل نہ قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے، نہ کسی مستند حدیث سے اس آیت کی تفسیر کے طور پر  
کوئی واقعہ ثابت ہوتا ہے۔ جو روایتیں اس آیت کی تفسیر میں بیان کی گئی ہیں، وہ یا تو انتہائی کمزور اور لغو ہیں، یا اُن کا اس آیت کی  
تفسیر ہونا ثابت نہیں، لہذا سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ جس بات کو خود قرآن کریم نے مبہم چھوڑا ہے، اُسے مبہم ہی رہنے دیا جائے۔  
واقعے کا حوالہ دینے کا جو مقصد ہے، وہ تفصیلات جانے بغیر بھی پورا ہو جاتا ہے، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام  
کی کوئی آزمائش فرمائی تھی جس کے بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ ہی سے رُجوع فرمایا۔

﴿۱۷﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہواؤں اور جنات اور پرندوں پر جو سلطنت حاصل ہوئی، وہ بعد میں کسی کو نہ ہو سکی۔

﴿۱۸﴾ اس کی تفصیل سورہ انبیاء (۸۱: ۲۱) میں گزر چکی ہے۔

﴿۱۹﴾ یہ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کی کیا خدمات انجام دیا کرتے تھے؟ اس کی تفصیل سورہ سبأ (۳۴: ۱۳ و ۱۴) میں گزری  
ہے یہاں یہ اضافہ ہے کہ وہ غوطے لگا کر سمندر سے موتی وغیرہ نکال لایا کرتے تھے۔ اور کچھ جنات جو نہایت شریر تھے، اُن کی  
شرارتوں سے لوگوں کو محفوظ کرنے کے لئے انہیں جکڑ کر رکھا گیا تھا۔



هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۹ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَّآبٍ ۝۱۰  
وَإِذْ كُرِعَ عَبْدَنَا أَيُّوبُ ۖ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسْنِي الشَّيْطَانُ يَنْصُبْ عَلَيَّ عَذَابٍ ۝۱۱ أُرْكَضْ  
بِرَجْلِكَ ۖ هَذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ۝۱۲ وَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا  
وَإِذْ كُرِيَ لِلْوُحَاةِ الْأَلْبَابِ ۝۱۳ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنُثْ ۖ إِنَّا وَجَدْنَاهُ  
صَابِرًا ۖ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝۱۴

(اور اُن سے کہا تھا کہ:) ”یہ ہمارا عطیہ ہے، اب تمہیں اختیار ہے کہ احسان کر کے کسی کو کچھ دو، یا اپنے پاس رکھو، تم پر کسی حساب کی ذمہ داری نہیں ہے۔“ ۝۹ اور حقیقت یہ ہے کہ اُن کو ہمارے پاس خاص تقرب حاصل ہے، اور بہترین ٹھکانا! ۝۱۰

اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو، جب اُنہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا کہ: ”شیطان مجھے دکھ اور آزار لگا گیا ہے۔“ ۝۱۱ (ہم نے اُن سے کہا:) ”اپنا پاؤں زمین پر مارو، لو! یہ ٹھنڈا پانی ہے نہانے کے لئے بھی، اور پینے کے لئے بھی۔“ ۝۱۲ اور (اس طرح) ہم نے اُنہیں اُن کے گھر والے بھی عطا کر دیئے، اور اُن کے ساتھ اتنے ہی اور بھی، تاکہ اُن پر ہماری رحمت ہو، اور عقل والوں کے لئے ایک یادگار نصیحت۔ ۝۱۳ اور (ہم نے اُن سے یہ بھی کہا کہ:) ”اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھالو، اور اُس سے مار دو، اور اپنی قسم مت توڑو۔“ ۝۱۴ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اُنہیں بڑا صبر کرنے والا پایا، وہ بہترین بندے تھے، واقعی وہ اللہ سے خوب لو لگائے ہوئے تھے۔ ۝۱۵

(۲۰) حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ دولت مالک بنا کر دے دی گئی تھی، اور یہ اختیار دیا گیا تھا کہ جتنی چاہیں، خود رکھیں، اور جتنی چاہیں، کسی اور کو دیں۔

(۲۱) جیسا کہ سورۃ انبیاء (۲۱: ۸۴) میں گذر چکا ہے، حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک طویل بیماری لاحق ہو گئی تھی۔ وہ صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرتے رہے جس کے بعد اُنہیں شفا حاصل ہوئی۔ آیت نمبر ۴۲ میں شفا کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ہدایت فرمائی کہ وہ اپنا پاؤں زمین پر ماریں۔ اُنہوں نے زمین پر پاؤں مارا تو وہاں سے ایک چشمہ پھوٹ نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں حکم دیا کہ اُس پانی سے نہائیں، اور اُسی کو پیئیں۔ اُنہوں نے ایسا ہی کیا تو اُن کی بیماری جاتی رہی۔

(۲۲) بیماری میں اُن کی وفادار اہلیہ کے سوا سب اُن کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ صحت کے بعد نہ صرف وہ واپس آ گئے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں مزید پوتے پوتیاں عطا فرمائیں، اور اس طرح اُن کے خاندان کی تعداد دو گنی ہو گئی۔

(۲۳) حضرت ایوب علیہ السلام کی اہلیہ کو ایک مرتبہ شیطان نے اس طرح ورغلا یا کہ وہ ایک طبیب کی شکل میں اُن کے سامنے آیا، یہ اپنے شوہر کی بیماری سے پریشان تھیں، اُنہوں نے اُس کو واقعی طبیب سمجھ کر اُس سے کہا کہ میرے شوہر کا علاج کر دو، وہ تو



وَإِذْ كُنَّا ابْرَهِیمَ وَاسْحٰقَ وَیَعْقُوبَ اُولٰٓئِیْمٰی وَالْاَبْصَارِ ۝۳۵ اِنَّا اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرٰی الدَّارِ ۝۳۶ وَانْتَهَمُ عِنْدَنَا مِنَ الْمُصْطَفٰیْنَ الْاَخْيَارِ ۝۳۷ وَادْكُرْ اِسْمٰعِیْلَ وَالیْسَعُ وَذَا الْكُفْلِ ۝۳۸ وَكُلُّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۝۳۹ هٰذَا ذِكْرٌ ۝۴۰ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ لَحُسْنَ مَّآبٍ ۝۴۱ جَنَّتٍ عَدْنٍ مُّفْتَحَةٌ لَّهُمْ الْاَبْوَابُ ۝۴۲

اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو (نیک عمل کرنے والے) ہاتھ اور (دیکھنے والی) آنکھیں رکھتے تھے۔ ۳۵ ہم نے انہیں ایک خاص وصف کے لئے چن لیا تھا، جو (آخرت کے) حقیقی گھر کی یاد تھی۔ ۳۶ اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے نزدیک وہ چنے ہوئے بہترین لوگوں میں سے تھے۔ ۳۷ اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل ۳۸ کو یاد کرو۔ اور یہ سب بہترین لوگوں میں سے تھے۔ ۳۹ یہ سب کچھ ایک نصیحت کا پیغام ہے، اور یقین جانو کہ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں، آخری ٹھکانے کی بہتری انہی کے حصے میں آئے گی، ۴۰ یعنی ہمیشہ بے رہنے کے لئے جنتیں جن کے دروازے ان کے لئے پوری طرح کھلے ہوں گے! ۴۱

شیطان تھا۔ اُس نے کہا کہ اس شرط پر علاج کرتا ہوں کہ اگر تمہارے شوہر کو شفا ہوگئی تو تمہیں یہ کہنا ہوگا کہ اس طبیب نے انہیں شفا دی ہے۔ یہ خاتون چونکہ اپنے شوہر کی بیماری سے پریشان تھیں، اس لئے ان کے دل میں اُس کی بات ماننے کا میلان پیدا ہوا، اور انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو بڑا رنج ہوا کہ شیطان نے اُن کی اہلیہ تک رسائی حاصل کر لی ہے، اور وہ اُس کی بات ماننے کی طرف مائل ہو رہی ہیں۔ اس رنج کے عالم میں انہوں نے قسم کھالی کہ میں صحت مند ہونے کے بعد اپنی بیوی کو سوچیاں ماروں گا۔ لیکن جب انہیں صحت حاصل ہوگئی تو انہیں اپنی قسم پر شرمندگی ہوئی، اور خیال آیا کہ اپنی ایسی با وفا بیوی کو کس طرح یہ سزا دوں؟ اور اگر نہ دوں تو قسم ٹوٹتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعے حکم دیا کہ وہ سو سینکوں کا ایک مٹھا لے کر ایک ہی مرتبہ اپنی بیوی کو مار دیں، اس طرح قسم بھی نہیں ٹوٹے گی، اور بیوی کو کوئی خاص تکلیف بھی نہیں پہنچے گی۔

(۲۴) حضرت الیسع علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں صرف دو جگہ آیا ہے، ایک یہاں اور ایک سورۃ النعام (۸۶:۶) میں۔ دونوں جگہ آپ کا صرف نام مذکور ہے، کوئی مفصل واقعہ بیان نہیں فرمایا گیا۔ تاریخی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بنو اسرائیل کے انبیاء میں سے تھے، اور حضرت الیاس علیہ السلام کے چچا زاد بھائی تھے۔ بائبل کی کتاب سلاطین اول باب ۱۹ میں آپ کا واقعہ مذکور ہے۔ اسی طرح حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا بھی دو جگہ صرف ذکر آیا ہے، ایک یہاں اور دوسرے سورۃ انبیاء (۸۵:۲۱) میں۔ بعض مفسرین نے انہیں حضرت الیسع علیہ السلام کا خلیفہ قرار دیا ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ نبی نہیں تھے، ولی اللہ تھے۔



مُتَّكِئِينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَشَرَابٍ ۝۵۱ وَعِنْدَهُمْ قُصِرَاتُ الطَّرَفِ  
 أَشْرَابٌ ۝۵۲ هَٰذَا مَتَاعُ دُونِ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝۵۳ إِنَّ هَٰذَا لَرِزْقُنَا مَالَهُ مِنْ نَفَادٍ ۝۵۴ هَٰذَا  
 وَإِنَّ لِلطَّغْيِينَ لَشَرَّ مَآبٍ ۝۵۵ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْبِهَادُ ۝۵۶ هَٰذَا فَلْيَذُوقُوهُ حَبِيمٌ  
 وَغَسَّاقٌ ۝۵۷ وَآخِرُ مِنْ شَكْلِهِ أَزْوَاجٌ ۝۵۸ هَٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۝۵۹ إِنَّهُمْ  
 صَالُوا النَّارِ ۝۶۰ قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَمَرْحَبًا بِكُمْ ۝۶۱ أَنْتُمْ قَدْ مُتَّسَوُّوهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝۶۲  
 قَالُوا أَرَأَيْتُمْ إِنْ قَدَّمْنَا هَٰذَا فَرْدُهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝۶۳ وَقَالُوا مَالَنَا لَا نَرَىٰ رِجَالًا كُنَّا  
 نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْأَشْرَارِ ۝۶۴ اتَّخَذْنَاهُمْ سَخَرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمْ الْأَبْصَارُ ۝۶۵ إِنَّ ذَٰلِكَ لَحَقٌّ  
 تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ۝۶۶

جہاں وہ تکیہ لگائے ہوئے بہت سے میوے اور مشروبات منگوار ہے ہوں گے، ۵۱ اور اُن کے پاس وہ ہم عمر خواتین  
 ہوں گی جن کی نگاہیں (اپنے شوہروں پر) مرکوز ہوں گی۔ ۵۲ یہ ہے وہ (نعمتوں سے بھرپور زندگی) جس کا تم سے  
 روزِ حساب میں وعدہ کیا گیا ہے۔ ۵۳ بیشک یہ ہماری عطا ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ ۵۴ ایک طرف تو یہ ہے، اور  
 (دوسری طرف) جن لوگوں نے سرکشی اختیار کی ہے، یقین جانو، اُن کا آخری ٹھکانا بہت بُرا ہوگا، ۵۵ یعنی دوزخ جس  
 میں وہ داخل ہوں گے! پھر وہ اُن کا بدترین بستر بنے گی۔ ۵۶ یہ ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ! اب وہ اس کا مزہ  
 چکھیں، ۵۷ اور اُن طرح طرح کی چیزوں کا جو اسی جیسی (تکلیف دہ) ہوں گی۔ ۵۸ (جب وہ اپنے پیروکاروں کو آتا  
 دیکھیں گے تو ایک دوسرے سے کہیں گے:) ”یہ ایک اور لشکر ہے جو تمہارے ساتھ گھسا چلا آ رہا ہے، پھٹکار ہوا ان پر، یہ  
 سب آگ میں جلنے والے ہیں۔“ ۵۹ وہ (آنے والے) کہیں گے: ”نہیں، بلکہ پھٹکار تم پر ہو، تم ہی تو یہ مصیبت  
 ہمارے آگے لائے ہو، اب تو یہی بدترین جگہ ہے جس میں رہنا ہوگا۔“ ۶۰ (پھر وہ اللہ تعالیٰ سے کہیں گے کہ:) ”اے  
 ہمارے پروردگار! جو شخص بھی یہ مصیبت ہمارے آگے لایا ہے، اُسے دوزخ میں دو گنا عذاب دیجئے۔“ ۶۱ اور وہ (ایک  
 دوسرے سے) کہیں گے: ”کیا بات ہے کہ ہمیں وہ لوگ (یہاں دوزخ میں) نظر نہیں آ رہے جنہیں ہم بُرے لوگوں  
 میں شمار کرتے تھے؟“ ۶۲ کیا ہم نے اُن کا (ناحق) مذاق اڑایا تھا، یا انہیں دیکھنے سے نگاہوں کو غلطی لگ رہی ہے؟“ ۶۳  
 — یقیناً دوزخیوں کے آپس میں جھگڑنے کی یہ ساری باتیں بالکل سچی ہیں جو ہو کر رہیں گی۔ ۶۴

(۲۵) اس سے مراد مسلمان ہیں جن کو یہ کافر لوگ دُنیا میں بُرا سمجھتے تھے، اور اُن کا مذاق اڑاتے تھے۔ وہ ان کو جہنم میں نظر  
 نہیں آئیں گے۔



قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ ۚ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ هُوَ نَبَوُّ عَظِيمٌ ﴿٦٧﴾ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ﴿٦٨﴾ مَا كَانَ لِي  
مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَائِكَةِ إِلَّا عَلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿٦٩﴾ إِنْ يُؤْخَىٰ إِلَىٰ إِلَهِ أَنَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٧٠﴾ إِذْ قَالَ  
رَبُّكَ لِلْمَلِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ ﴿٧١﴾ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا  
لَهُ سَاجِدِينَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ الْمَلَكَةُ كُلُّهُمْ أَسْجُودًا ﴿٧٣﴾ إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ  
الْكَافِرِينَ ﴿٧٤﴾ قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيدِي ۖ اسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ  
مِنَ الْعَالِينَ ﴿٧٥﴾ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ﴿٧٦﴾

(اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ”میں تو ایک خبردار کرنے والا ہوں، اور اُس اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو ایک ہے، جو سب پر غالب ہے، ﴿٦٥﴾ جو تمام آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان ہر چیز کا مالک ہے، جس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہے، جو بہت بخشنے والا ہے۔“ ﴿٦٦﴾ کہہ دو کہ: ”یہ ایک عظیم حقیقت کا اظہار ہے، ﴿٦٧﴾ جس سے تم منہ موڑے ہوئے ہو، ﴿٦٨﴾ مجھے عالم بالا کی باتوں کا کچھ علم نہیں تھا جب وہ (فرشتے) سوال جواب کر رہے تھے ﴿٦٩﴾ میرے پاس وحی صرف اس لئے آتی ہے کہ میں صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔“ ﴿٧٠﴾

یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں گارے سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں، ﴿٧١﴾ چنانچہ جب میں اُسے پوری طرح بنا دوں اور اُس میں اپنی رُوح پھونک دوں تو تم اُس کے آگے سجدے میں گر جانا۔ ﴿٧٢﴾ پھر ہوا یہ کہ سارے کے سارے فرشتوں نے تو سجدہ کیا، ﴿٧٣﴾ البتہ ابلیس نے نہ کیا، اُس نے تکبر سے کام لیا، اور کافروں میں شامل ہو گیا۔ ﴿٧٤﴾ اللہ نے کہا: ”ابلیس! جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، اُس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا ہے؟ کیا تو نے تکبر سے کام لیا ہے، یا تو کوئی بہت اونچی ہستیوں میں سے ہے؟“ ﴿٧٥﴾ کہنے لگا: ”میں اس (آدم) سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے، اور اُس کو گارے سے پیدا کیا ہے۔“ ﴿٧٦﴾

(۲۶) پیغمبروں کے واقعات اور قیامت کے حالات بیان کرنے کے بعد حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ ان منکرین سے فرما دیجئے اگر غور کرو تو ان واقعات سے تمہیں میری نبوت پر استدلال کرنا چاہئے، کیونکہ ان باتوں کے معلوم ہونے کا میرے پاس کوئی اور ذریعہ نہیں تھا، میں جو یہ باتیں بتا رہا ہوں، وہ یقیناً وحی کے ذریعے مجھے معلوم ہوئی ہیں، مگر تم وحی کی اس نصیحت سے منہ موڑے ہوئے ہو۔

(۲۷) اس سے فرشتوں کی اُس گفتگو کی طرف اشارہ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت ہوئی تھی، اور جو تفصیل کے



قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَاجِعٌ ۖ وَإِنْ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ۚ قَالَ رَبِّ فَاظْطَرَّنِي  
إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ ۚ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ۚ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۚ قَالَ  
فَبِعِزَّتِكَ لَا غُورِيَهُمْ أَجْعِلْهُمْ أَجْعِلْهُمْ ۚ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ ۚ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ  
أَقُولُ ۚ لَا مَلَكَيْنَ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْعِلْهُمْ ۚ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ  
أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ۚ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۚ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ۚ

اللہ نے فرمایا کہ: ”اچھا تو نکل جا یہاں سے! کیونکہ تو مردود ہے، اور یقین جان قیامت کے دن تک تجھ پر میری  
پھٹکار رہے گی۔“ اُس نے کہا: ”میرے پروردگار! پھر تو مجھے اُس دن تک کے لئے (جینے کی) مہلت دیدے جس  
دن لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔“ اللہ نے فرمایا: ”چل، تجھے اُن لوگوں میں شامل کر لیا گیا ہے جنہیں مہلت دی  
جائے گی، (لیکن) ایک متعین وقت کے دن تک۔“ کہنے لگا: ”بس تو میں تیری عزت کی قسم کھاتا ہوں کہ میں  
ان سب کو بہکاؤں گا، سوائے تیرے برگزیدہ بندوں کے۔“ اللہ نے فرمایا: ”تو پھر سچی بات یہ ہے، اور میں  
سچی بات ہی کہا کرتا ہوں، کہ میں تجھ سے اور اُن سب سے جو ان میں سے تیرے پیچھے چلیں گے، جہنم کو بھر کر  
رہوں گا۔“ (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ: ”میں تم سے اس (اسلام کی دعوت) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، اور  
نہ میں بناوٹی لوگوں میں سے ہوں۔ یہ تو دنیا جہان کے لوگوں کے لئے بس ایک نصیحت ہے، اور تھوڑے سے  
وقت کے بعد تمہیں اس کا حال معلوم ہو جائے گا۔“

ساتھ سورہ بقرہ (۲: ۳۱) میں گزر چکی ہے، اور اُس کا کچھ حصہ آگے آرہا ہے۔  
(۲۸) اس واقعے کی پوری تفصیل سورہ بقرہ (۲: ۳۱ تا ۳۶) میں گزر چکی ہے، نیز شیطان نے جو مہلت مانگی تھی، وہ روزِ حشر تک  
کے لئے تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کا وعدہ نہیں فرمایا، بلکہ یہ فرمایا کہ ایک معین وقت تک مہلت دی جاتی ہے۔ لہذا پہلے صور کے  
بعد تمام مخلوقات کو موت آئے گی تو اُن میں شیطان کو بھی آئے گی۔ جیسا کہ سورہ حجر (۱۵: ۳۸) میں بھی گزر چکا ہے۔

الحمد للہ! سورہ ص کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج ۷ شوال ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۷ء کو دبی  
سے کراچی جاتے ہوئے امارات کے جہاز میں تکمیل کو پہنچے، اور اس سورت کا کام کل سات دن میں  
پورا ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا  
کے مطابق تکمیل کی توفیق بخشیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الزُّمَرِ

## تعارف

یہ سورت مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی، اور اس میں مشرکین مکہ کے مختلف باطل عقیدوں کی تردید فرمائی گئی ہے۔ یہ مشرکین مانتے تھے کہ کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، لیکن انہوں نے مختلف دیوتا گھڑ کر یہ مانا ہوا تھا کہ ان کی عبادت کرنے سے وہ خوش ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کریں گے، اور بعض نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا ہوا تھا۔ اس سورت میں ان مختلف عقائد کی تردید کر کے انہیں توحید کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ وہ دور ہے جب مسلمانوں کو مشرکین کے ہاتھوں بدترین اذیتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اس لئے اس سورت میں مسلمانوں کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ کسی ایسے خطے کی طرف ہجرت کر جائیں جہاں وہ اطمینان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔ نیز کافروں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر انہوں نے اپنی معاندانہ روش نہ چھوڑی تو انہیں بدترین سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سورت کے آخر میں نقشہ کھینچا گیا ہے کہ آخرت میں کافر کس طرح گروہوں کی شکل میں دوزخ تک لے جائے جائیں گے، اور مسلمانوں کو کس طرح گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ گروہوں کے لئے عربی لفظ ”زمر“ استعمال کیا گیا ہے، اور وہی اس سورت کا نام ہے۔



آیتھا ۷۵ ﴿۳۹﴾ سُورَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ ۵۹ ﴿۸﴾ رُكُوعَاتُهَا ۸

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۱﴾ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ﴿۲﴾ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ۖ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۖ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى ۚ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ﴿۳﴾ لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَاصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ سُبْحَنَهُ ۚ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۴﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پچھتر آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کی جا رہی ہے، جو بڑے اقتدار کا مالک ہے، بہت حکمت والا۔ ﴿۱﴾ (اے پیغمبر!) بیشک یہ کتاب ہم نے تم پر برحق نازل کی ہے، اس لئے اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ بندگی خالص اُسی کے لئے ہو۔ ﴿۲﴾ یاد رکھو کہ خالص بندگی اللہ ہی کا حق ہے۔ اور جن لوگوں نے اُس کے بجائے دوسرے رکھوالے بنائے ہیں — (یہ کہہ کر کہ: ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں) — اُن کے درمیان اللہ اُن باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ یقین رکھو کہ اللہ کسی ایسے شخص کو راستے پر نہیں لاتا جو جھوٹا ہو، کفر پر جما ہوا ہو۔ ﴿۳﴾ اگر اللہ یہ چاہتا کہ کسی کو اولاد بنائے تو وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا منتخب کر لیتا، (لیکن) وہ پاک ہے (اس بات سے کہ اُس کی کوئی اولاد ہو) وہ تو اللہ ہے، ایک، اور زبردست اقتدار کا مالک! ﴿۴﴾

(۱) مشرکین عرب عام طور سے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے، لیکن اُنہوں نے کچھ دیوتا گھڑ کر اُن کے بت بنائے تھے، اور اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ ہم ان کی عبادت کریں گے تو یہ اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش کریں گے، اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوگا۔ قرآن کریم نے اس کو بھی شرک قرار دیا، کیونکہ اول تو ان دیوتاؤں کی کوئی حقیقت ہی نہیں تھی، دوسرے عبادت تو اللہ تعالیٰ کا خالص حق ہے، کسی دوسرے کی عبادت، خواہ کسی نیت سے کی جائے، شرک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص واقعی بزرگ اور ولی اللہ ہو، تب بھی اُس کی عبادت شرک ہے، چاہے اس نیت سے ہو کہ اس کے ذریعے ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔



خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ  
وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ أَلَا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ﴿٥﴾ خَلَقَكُمْ مِنْ  
نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَانزَلَ لَكُمْ مِنْهَا نَعَامَ ثَمَنِيَّةً ۚ وَوَاجٍ ۖ يَخْلُقُكُمْ فِي  
بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ۖ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۖ لَا إِلَهَ  
إِلَّا هُوَ ۚ فَآتَىٰ تَصْرُفُونَ ﴿٦﴾ إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۖ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَإِنْ  
تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۖ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۖ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا  
كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٧﴾

اُس نے سارے آسمان اور زمین برحق پیدا کئے ہیں۔ وہ رات کو دن پر لپیٹ دیتا ہے، اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے، اور اُس نے سورج اور چاند کو کام پر لگایا ہوا ہے۔ ہر ایک کسی معین مدت تک کے لئے رواں دواں ہے۔ یاد رکھو وہ بڑے اقتدار کا مالک، بہت بخشنے والا ہے۔ ﴿۵﴾ اُس نے تم سب کو ایک شخص سے پیدا کیا، پھر اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا، اور تمہارے لئے مویشیوں میں سے آٹھ جوڑے پیدا کئے۔ ﴿۶﴾ وہ تمہاری تخلیق تمہاری ماؤں کے پیٹ میں اس طرح کرتا ہے کہ تین اندھیروں کے درمیان تم بناوٹ کے ایک مرحلے کے بعد دوسرے مرحلے سے گذرتے ہو۔ ﴿۷﴾ وہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے! ساری بادشاہی اُسی کی ہے، اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ پھر بھی تمہارا منہ آخر کوئی کہاں سے موڑ دیتا ہے؟ ﴿۸﴾ اگر تم کفر اختیار کرو گے تو یقین رکھو کہ اللہ تم سے بے نیاز ہے، اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا، اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ اُسے تمہارے لئے پسند کرے گا، اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر تم سب کو اپنے پروردگار ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے، اُس وقت وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کیا کرتے تھے۔ یقیناً وہ دلوں کی باتیں بھی خوب جانتا ہے۔ ﴿۹﴾

﴿۲﴾ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور اُن کے جوڑے سے مراد حضرت حواء علیہا السلام۔

﴿۳﴾ اس سے مراد اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری ہیں جن میں سے ہر ایک کے نر اور مادہ مل کر آٹھ جوڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ عام طور پر یہی مویشی انسان کے زیادہ کام آتے ہیں۔ انہی آٹھ جوڑوں کا ذکر سورہٴ انعام (۱۴۳: ۶) میں گزرا ہے۔

﴿۴﴾ تین اندھیریاں اس طرح ہیں کہ ایک اندھیری پیٹ کی، دوسری رحم کی، اور تیسری اُس جھلی کی جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ اور بناوٹ کے مرحلوں سے مراد یہ ہے کہ پہلے نطفہ ہوتا ہے، پھر خون، پھر لوتھڑا، پھر ہڈیاں وغیرہ جس کی تفصیل سورہٴ حج (۵: ۲۲) اور سورہٴ مؤمنون (۱۴: ۲۳) میں گزری ہے، اور سورہٴ غافر (۶۷: ۳۰) میں آگے آئے گی۔



وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوًّا إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ قُلْ تَتَّبِعُونَ كُفْرًا قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝۹ أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةً رَّبِّهِ ۖ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۖ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝۱۰ قُلْ لِعِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۖ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۖ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ ۖ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۱ قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝۱۲

اور جب انسان کو کوئی تکلیف چھو جاتی ہے تو وہ اپنے پروردگار کو اُسی سے لوگا کر پکارتا ہے، پھر جب وہ انسان کو اپنی طرف سے کوئی نعمت بخش دیتا ہے تو وہ اُس (تکلیف) کو بھول جاتا ہے جس کے لئے پہلے اللہ کو پکار رہا تھا، اور اللہ کے لئے شریک گھڑ لیتا ہے، جس کے نتیجے میں دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے بھٹکاتا ہے۔ کہہ دو کہ: ”کچھ دن اپنے کفر کے مزے اُڑالے، یقیناً تو دوزخ والوں میں شامل ہے۔“ ۝۹ بھلا (کیا ایسا شخص اُس کے برابر ہو سکتا ہے) جو رات کی گھڑیوں میں عبادت کرتا ہے، کبھی سجدے میں، کبھی قیام میں، آخرت سے ڈرتا ہے، اور اپنے پروردگار کی رحمت کا اُمیدوار ہے؟ کہو کہ: ”کیا وہ جو جانتے ہیں، اور جو نہیں جانتے، سب برابر ہیں؟“ (مگر) نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔ ۝۱۰

کہہ دو کہ: ”اے میرے ایمان والے بندو! اپنے پروردگار کا خوف دل میں رکھو۔ بھلائی اُنہی کی ہے جنہوں نے اس دُنیا میں بھلائی کی ہے، اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، جو لوگ صبر سے کام لیتے ہیں، اُن کا ثواب اُنہیں بے حساب دیا جائے گا۔“ ۝۱۱ کہہ دو کہ: ”مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ میری بندگی خالص اُسی کے لئے ہو، ۝۱۲

(۵) یعنی اگر آخرت کا حساب و کتاب نہ ہو تو اُس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ مؤمن کافر اور بدکار اور نیک سب برابر ہو جائیں گے، جو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور انصاف سے ممکن نہیں۔

(۶) یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر اپنے وطن میں دین پر عمل کرنا ممکن نہ ہو یا سخت مشکل ہو جائے تو وہاں سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں دین پر عمل کرنا نسبتاً آسان ہو، اور اگر وطن چھوڑنے سے تکلیف ہو تو اُس پر صبر کرو، کیونکہ صبر کا ثواب بے حساب ہے۔



وَأَمَرْتُ لَئِنْ أَكُونُ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۲﴾ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللَّهُ أَعْبُدْ مُخْلِصًا لَهُ دِينِي ﴿۱۴﴾ فَأَعْبُدُوا مَا شِئْتُمْ مِنْ دُونِهِ ۚ قُلْ إِنَّا الْخَسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ أَلَا ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مَنْ فَوْقَهُمْ ظُلُلٌ مِنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلُلٌ ۚ ذَلِكَ يُخَوِّفُ اللَّهَ بِهِ عِبَادَهُ ۚ لِيُعَذِّبَ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلا فرماں بردار میں بنوں۔ ﴿۱۲﴾ کہہ دو کہ: ”اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک زبردست دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔“ ﴿۱۳﴾ کہہ دو کہ: ”میں تو اللہ کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ میں نے اپنی بندگی صرف اُسی کے لئے خالص کر لی ہے۔“ ﴿۱۴﴾ اب تم اُسے چھوڑ کر جس کی چاہو، عبادت کرو۔“ کہہ دو کہ: ”گھائے کا سودا کرنے والے تو وہ ہیں جو قیامت کے دن اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں سب کو ہرا بیٹھیں گے۔ یاد رکھو کہ کھلا ہوا گھانا یہی ہے۔“ ﴿۱۵﴾ ایسے لوگوں کے لئے اُن کے اوپر بھی آگ کے بادل ہیں، اور اُن کے نیچے بھی ویسے ہی بادل۔ یہ وہی چیز ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ لہذا اے میرے بندو! میرا خوف دل میں رکھو۔ ﴿۱۶﴾ اور جن لوگوں نے اس بات سے پرہیز کیا ہے کہ وہ طاغوت کی عبادت کرنے لگیں، اور انہوں نے اللہ سے لو لگائی ہے، خوشی کی خبر انہی کے لئے ہے، لہذا میرے اُن بندوں کو خوشی کی خبر سنا دو ﴿۱۷﴾ جو بات کو غور سے سنتے ہیں تو اُس میں جو بہترین ہوتی ہے، اُس کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے، اور یہی ہیں جو عقل والے ہیں۔ ﴿۱۸﴾

﴿۷﴾ اس میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جو شخص دوسروں کو کسی نیکی کی دعوت دے، اُسے چاہئے کہ پہلے خود اُس پر عمل کر کے دکھائے۔  
 ﴿۸﴾ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کافروں کو کفر کی کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے، کیونکہ اگلے ہی جملے میں صاف فرما دیا گیا ہے کہ یہ گھائے کا سودا ہے، اور پیچھے آیت نمبر ۷ میں فرما دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر کو پسند نہیں فرماتا۔ لہذا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اس بات کی طاقت ضرور دی گئی ہے کہ تم اگر کفر اختیار کرنا چاہو تو کر سکو، تمہیں ایمان لانے پر زبردستی مجبور نہیں کیا جائے گا، لیکن اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کے دن اپنا سب کچھ ہار بیٹھو گے۔

﴿۹﴾ ”طاغوت“ شیطان کو بھی کہتے ہیں، اور ہر باطل چیز کو بھی۔

﴿۱۰﴾ اس کا زیادہ واضح مطلب یہ ہے کہ وہ سنتے تو سب کچھ ہیں، لیکن پیروی اُسی بات کی کرتے ہیں جو بہترین ہو (روح المعانی عن الزجاج)۔



أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۖ أَفَأَنْتَ تُتَّقِدُ مَنْ فِي النَّارِ ۚ (۱۹) لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ وَعَدَ اللَّهُ ۚ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْبِعَادَ (۲۰) أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعٌ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (۲۱) أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَكَ لِإِسْلَامٍ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ ۚ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (۲۲) اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيًّا ۖ تَقْشَعُرُ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۖ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدًى لِّلَّذِينَ يَهْدِي اللَّهُ يُهْدِي بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ (۲۳)

بھلا جس شخص پر عذاب کی بات طے ہو چکی، تو کیا تم اُسے بچالو گے جو آگ کے اندر پہنچ چکا ہے؟ (۱۹) البتہ جنہوں نے اپنے پروردگار کا خوف دل میں رکھا ہے، اُن کے لئے اوپر تلے بنی ہوئی اونچی اونچی عمارتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ کبھی وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ (۲۰) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اُسے زمین کے سوتوں میں پرو دیا؟ پھر وہ اُس پانی سے ایسی کھیتیاں وجود میں لاتا ہے جن کے رنگ مختلف ہیں، پھر وہ کھیتیاں سوکھ جاتی ہیں تو تم انہیں دیکھتے ہو کہ پھل پڑ گئی ہیں، پھر وہ انہیں چورا چورا کر دیتا ہے۔ یقیناً ان باتوں میں اُن لوگوں کے لئے بڑا سبق ہے جو عقل رکھتے ہیں۔ (۲۱) بھلا کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اپنے پروردگار کی عطا کی ہوئی روشنی میں آپکا ہے، (سنگدلوں کے برابر ہو سکتا ہے؟) ہاں! بربادی اُن کی ہے جن کے دل اللہ کے ذکر سے سخت ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ (۲۲) اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، جس کی باتیں بار بار دہرائی گئی ہیں۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں اپنے پروردگار کا رعب ہے ان کی کھالیں اس سے کانپ اٹھتی ہیں، پھر اُن کے جسم اور اُن کے دل نرم ہو کر اللہ کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ذریعے وہ جس کو چاہتا ہے، راہِ راست پر لے آتا ہے، اور جسے اللہ راستے سے بھٹکا دے، اُسے کوئی راستے پر لانے والا نہیں۔ (۲۳)

(۱۱) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آسمان سے پانی پہاڑوں پر برستا ہے، پھر وہاں سے پکھل پکھل کر دریاؤں اور ندیوں کی شکل اختیار کرتا ہے، اور زمین کی تہہ میں سوتوں تک پہنچ جاتا ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کے شروع میں پانی پیدا کیا، اور اُسے آسمان سے اتار کر براہِ راست زمین کے سوتوں تک پہنچا دیا (روح المعانی)۔



أَفَمَنْ يَتَّقِ بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٢٣﴾ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاتَتْهُمْ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٤﴾ فَأَذَاقَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٦﴾ قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٢٧﴾ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَكِّسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ ۖ هَلْ يُسْتَوِينَ مَثَلًا ۚ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾ إِنَّكَ مِثْلُ وَائِهِمْ مَبِيتُونَ ﴿٢٩﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ﴿٣٠﴾

بھلا (اُس شخص کا کیسا بُرا حال ہوگا) جو قیامت کے دن اپنے چہرے ہی سے بدترین عذاب کو روکنا چاہے گا؟ اور ظالموں سے کہا جائے گا کہ: ”چکھو مزہ اُس کمائی کا جو تم نے کر رکھی تھی۔“ ﴿٢٣﴾ جو لوگ ان سے پہلے تھے، انہوں نے بھی (پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا جس کے نتیجے میں اُن پر عذاب ایسی جگہ سے آیا جس کی طرف اُن کا گمان بھی نہیں جاسکتا تھا، ﴿٢٤﴾ چنانچہ اللہ نے اُن کو اسی دُنیوی زندگی میں رُسوائی کا مزہ چکھایا، اور آخرت کا عذاب تو اور بھی بڑا ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے! ﴿٢٥﴾ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی خاطر ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں، تاکہ لوگ سبق حاصل کریں، ﴿٢٦﴾ یہ عربی قرآن جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں! تاکہ لوگ تقویٰ اختیار کریں۔ ﴿٢٧﴾ اللہ نے ایک مثال یہ دی ہے کہ ایک (غلام) شخص ہے جس کی ملکیت میں کئی لوگ شریک ہیں جن کے درمیان آپس میں کھینچ تان بھی ہے، اور دوسرا (غلام) شخص وہ ہے جو پورے کا پورا ایک ہی آدمی کی ملکیت ہے۔ کیا ان دونوں کی حالت ایک جیسی ہو سکتی ہے؟ ﴿٢٨﴾ الحمد للہ! (اس مثال سے بات بالکل واضح ہو گئی) لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔ ﴿٢٩﴾ (اے پیغمبر!) موت تمہیں بھی آنی ہے، اور موت انہیں بھی آنی ہے، ﴿٣٠﴾ پھر تم سب قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس اپنا مقدمہ پیش کرو گے۔ ﴿٣١﴾

﴿١٢﴾ یہ دوزخ کے ایک خوفناک پہلو کی منظر کشی ہے۔ عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ انسان جب کوئی تکلیف دہ چیز اپنی طرف آتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ اپنے ہاتھوں یا پاؤں سے اُسے روکنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن دوزخ میں یہ اس لئے ممکن نہیں ہوگا کہ ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں گے، اس لئے جسم سے عذاب کو روکنے کی کوئی اور صورت نہیں ہوگی، سوائے اس کے کہ چہرے ہی کو آگے کر کے اُسے ڈھال بنایا جائے، لیکن ظاہر ہے کہ چہرے پر روکنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ چہرے کو تکلیف سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

﴿١٣﴾ جو غلام کئی آدمیوں کی مشترک ملکیت میں ہو، اور وہ کئی آدمی بھی آپس میں جھگڑتے رہتے ہوں، وہ ہمیشہ پریشانی کا شکار رہتا ہے کہ کس کا کہنا مانوں، اور کس کا نہ مانوں، اس کے برخلاف جو غلام کسی ایک ہی آقا کی ملکیت میں ہو، اُسے یہ پریشانی پیش



فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ۖ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى  
لِّلْكَافِرِينَ ۝۳۲ وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝۳۳ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ  
عِندَ رَبِّهِمْ ۖ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝۳۴ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَ لَهُمْ  
أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۳۵ أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ۖ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ  
مِنْ دُونِهِ ۖ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝۳۶ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّضِلٍّ ۖ أَلَيْسَ  
اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انْتِقَامٍ ۝۳۷ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۖ قُلْ  
أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَتُ ضُرِّيَّهٗ أَوْ أَرَادَنِي  
بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِي ۖ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ ۖ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝۳۸

اب بتاؤ کہ اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، اور جب سچی بات اُس کے پاس آئے تو وہ اُس کو جھٹلا دے؟ کیا جہنم میں ایسے کافروں کا ٹھکانا نہیں ہوگا؟ ۳۲ اور جو لوگ سچی بات لے کر آئیں، اور خود بھی اُسے سچ مانیں وہ ہیں جو متقی ہیں۔ ۳۳ اُن کو اپنے پروردگار کے پاس ہر وہ چیز ملے گی جو وہ چاہیں گے۔ یہ ہے نیک لوگوں کا بدلہ، ۳۴ تاکہ اُنہوں نے جو بدترین کام کئے تھے، اللہ اُن کا کفارہ کر دے، اور جو بہترین کام کرتے رہے تھے، اُن کا ثواب اُنہیں عطا فرمائے۔ ۳۵ (اے پیغمبر!) کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟ اور یہ لوگ تمہیں اُس کے سوا دوسروں سے ڈراتے ہیں، اور جسے اللہ راستے سے بھٹکا دے، اُسے کوئی راستے پر لانے والا نہیں، ۳۶ اور جسے اللہ راہِ راست پر لے آئے، اُسے کوئی راستے سے بھٹکانے والا نہیں۔ کیا اللہ زبردست، انتقام لینے والا نہیں؟ ۳۷ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ (ان سے) کہو کہ: ”ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن (بتوں) کو پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ کر لے تو کیا یہ اُس کے پہنچائے ہوئے نقصان کو دور کر سکتے ہیں؟ یا اگر اللہ مجھ پر مہربانی فرمانا چاہے تو کیا یہ اُس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟“ کہو کہ: ”میرے لئے اللہ ہی کافی ہے۔ بھروسہ رکھنے والے اُسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔“ ۳۸

نہیں آتی، وہ یکسو ہو کر اپنے آقا کی اطاعت کر سکتا ہے۔ اسی طرح جو شخص توحید کا قائل ہے، وہ ہمیشہ یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتا ہے، اور اُسی کی عبادت کرتا ہے، اس کے برخلاف جن لوگوں نے کئی کئی خدا گھڑ رکھے ہیں، وہ کبھی ایک جھوٹے دیوتا کا سہارا لیتے ہیں، کبھی دوسرے کا، اور انہیں یکسوئی میسر نہیں آتی۔ اس طرح یہ مثال توحید کی دلیل بھی ہے، اور اُس کی حکمت بھی۔



قُلْ لِّقَوْمٍ اَعْمَلُوا عَلٰی مَا كَانَتْكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳۹ مَنْ یَّاتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ  
وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۝۴۰ اِنَّا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنْ اهْتَدٰی  
فَلَیْنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یُضِلُّ عَلَیْهَا ۚ وَمَا اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٌ ۝۴۱ اللّٰهُ یَتَوَفّٰی الْاَنْفُسَ  
حِیْنَ مَوْتِهَا ۚ وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَا مَهَا ۚ فِیْ سِکِّ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْوُتَّ ۚ وَیُرْسِلُ  
الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۴۲ اِمَّا تَخَذُوْا مِنْ دُوْنِ  
اللّٰهِ شُفَعَاً ۚ قُلْ اَوْلَوْا كَانُوْا لَا یُبْدِلُوْنَ شَیْئًا ۚ وَلَا یَعْقِلُوْنَ ۝۴۳ قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا ۚ لَهٗ  
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۴۴

کہہ دو کہ: ”اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے طریقے پر عمل کئے جاؤ، میں (اپنے طریقے پر) عمل کر رہا ہوں، پھر عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا“ ۳۹ کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اُسے رُسوا کر کے رکھ دے گا، اور کس پر وہ عذاب نازل ہوتا ہے جو ہمیشہ جم کر رہے گا۔“ ۴۰ (اے پیغمبر!) ہم نے لوگوں کے فائدے کے لئے تم پر یہ کتاب برحق نازل کی ہے۔ اب جو شخص راہِ راست پر آجائے گا، وہ اپنی ہی بھلائی کے لئے آئے گا، اور جو گمراہی اختیار کرے گا، وہ اپنی گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرے گا، اور تم اُس کے ذمہ دار نہیں ہو۔ ۴۱

اللہ تمام رُوحوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے، اور جن کو ابھی موت نہیں آئی ہوتی، اُن کو بھی اُن کی نیند کی حالت میں (قبض کر لیتا ہے)، پھر جن کے بارے میں اُس نے موت کا فیصلہ کر لیا، انہیں اپنے پاس روک لیتا ہے، اور دوسری رُوحوں کو ایک معین وقت تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ یقیناً اس بات میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ ۴۲ بھلا کیا ان لوگوں نے اللہ (کی اجازت) کے بغیر کچھ سفارشی گھڑ رکھے ہیں؟ (ان سے) کہو کہ: ”چاہے یہ نہ کوئی اختیار رکھتے ہوں، نہ کچھ سمجھتے ہوں (پھر بھی تم انہیں سفارشی مانتے رہو گے؟)“ ۴۳ کہو کہ: ”سفارش تو ساری کی ساری اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ اُسی کے قبضے میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، پھر اُسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔“ ۴۴

(۱۴) نیند کی حالت میں بھی کسی درجے میں رُوح قبض ہوتی ہے، لیکن اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، واپس آ جاتی ہے، اور اگر موت کا وقت آچکا ہو تو اسے پوری طرح قبض کر لیا جاتا ہے۔

(۱۵) اس سے مراد وہ من گھڑت دیوتا ہیں جن کو مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سفارشی سمجھ رکھا تھا۔



وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۳۵﴾ قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَلِيمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۳۶﴾ وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَا فُتَدُوا بِهِ مِنْ سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ﴿۳۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۸﴾ فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ ۖ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۴۰﴾

اور جب کبھی تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اُن کے دل بیزار ہو جاتے ہیں، اور جب اُس کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ لوگ خوشی سے کھل اُٹھتے ہیں۔ ﴿۳۵﴾ کہو: ”اے اللہ! اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے، ہر غائب و حاضر کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اُن باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔“ ﴿۳۶﴾ اور جن لوگوں نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے، اگر اُن کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے، اور اُس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی، تو قیامت کے دن بدترین عذاب سے بچنے کے لئے وہ سب فدیہ کے طور پر دینے لگیں گے، اور اللہ کی طرف سے وہ کچھ ان کے سامنے آجائے گا جس کا اُنہیں گمان بھی نہیں تھا، ﴿۳۷﴾ اُنہوں نے جو کمائی کی تھی، اُس کی بُرائیاں اُن کے سامنے ظاہر ہو جائیں گی، اور جن باتوں کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، وہ اُنہیں چاروں طرف سے گھیر لیں گی۔ ﴿۳۸﴾ پھر انسان (کا حال یہ ہے کہ جب اُس) کو کوئی تکلیف چھو جاتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے، اس کے بعد جب ہم اُسے اپنی طرف سے کسی نعمت سے نوازتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ: ”یہ تو مجھے (اپنے) ہنر کی وجہ سے ملی ہے۔“ نہیں! بلکہ یہ آزمائش ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۳۹﴾ یہی بات ان سے پہلے (کچھ) لوگوں نے بھی کہی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ وہ کماتے تھے، وہ اُن کے کام نہیں آیا، ﴿۴۰﴾

(۱۶) یعنی ایک طرف تو کافر لوگ توحید کا انکار کرتے ہیں، اور دوسری طرف جب کوئی تکلیف آتی ہے تو بتوں کو نہیں، ہمیں پکارتے ہیں۔

(۱۷) مثلاً قارون نے یہی بات کہی تھی کہ مجھے جو دولت ملی ہے، وہ میرے علم و ہنر کی وجہ سے ملی ہے۔ دیکھئے سورہ قصص (۷۸:۲۸)۔



فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۖ وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۖ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۵۱﴾ أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۲﴾ قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۵۳﴾ وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلُمُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْثَةً وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۵۵﴾ أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يُحْصِرُنِي عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّخِرِينَ ﴿۵۶﴾ أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي عَلَىٰ لَكُم مِّنَ الشَّقَاقِينَ ﴿۵۷﴾

اور انہوں نے جو کمائی کی تھی، اُس کی بُرائیاں اُنہی پر آپڑیں، اور ان (عرب کے) لوگوں میں سے جنہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے، ان کی کمائی کی بُرائیاں بھی عنقریب ان پر آپڑیں گی، اور یہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔ ﴿۵۱﴾ اور کیا انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے، رزق میں وسعت کر دیتا ہے، اور وہی تنگی بھی کر دیتا ہے؟ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ ﴿۵۲﴾

کہہ دو کہ: ”اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر رکھی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یقین جانو اللہ سارے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔“ یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ ﴿۵۳﴾ اور تم اپنے پروردگار سے لو لگاؤ، اور اُس کے فرماں بردار بن جاؤ قبل اس کے کہ تمہارے پاس عذاب آپہنچے، پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔ ﴿۵۴﴾ اور تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس جو بہترین باتیں نازل کی گئی ہیں، اُن کی پیروی کرو، قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے، اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے، ﴿۵۵﴾ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی شخص کو یہ کہنا پڑے کہ: ”ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کے معاملے میں برتی! اور سچی بات یہ ہے کہ میں تو (اللہ تعالیٰ کے احکام کا) مذاق اڑانے والوں میں شامل ہو گیا تھا۔“ ﴿۵۶﴾ یا کوئی یہ کہے کہ: ”اگر مجھے اللہ ہدایت دیتا تو میں بھی متقی لوگوں میں شامل ہوتا۔“ ﴿۵۷﴾

(۱۸) یعنی اگر کسی شخص نے ساری زندگی کفر، شرک یا گناہوں میں گزاری ہے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اب اُس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ایسی ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے جس وقت بھی انسان اپنی اصلاح کا پختہ ارادہ کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنی کچھلی زندگی کی معافی مانگے، اور توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اُس کے تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا۔



أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾ بَلَىٰ قَدْ جَاءَ تَكَ  
 اِلْتِي فَكَذَّبَتْ بِهَا وَاسْتَكْبَرَتْ وَكُنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٥٩﴾ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا  
 عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ ۖ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٦٠﴾ وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ  
 اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۚ لَا يَبْسُطُهُمُ السُّوءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦١﴾ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ  
 شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿٦٢﴾ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ  
 الْخَاسِرُونَ ﴿٦٣﴾ قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونَنِي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى  
 الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٥﴾ بَلِ اللَّهُ  
 فَاَعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٦٦﴾ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۚ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ  
 الْقِيَمَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِّمِيمِنِهِ ۚ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٧﴾

یاجب عذاب آنکھوں سے دیکھ لے تو یہ کہے کہ: ”کاش مجھے ایک مرتبہ واپس جانے کا موقع مل جائے تو میں نیک لوگوں  
 میں شامل ہو جاؤں!“ ﴿۵۸﴾ (تجھے ہدایت) کیوں نہیں (دی گئی؟) میری آیتیں تیرے پاس آچکی تھیں، پھر تو نے انہیں  
 جھٹلایا، اور بڑائی کے گھمنڈ میں پڑ گیا، اور کافروں میں شامل رہا۔ ﴿۵۹﴾ اور قیامت کے دن تم دیکھو گے کہ جن لوگوں نے  
 اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، اُن کے چہرے سیاہ پڑے ہوئے ہیں۔ کیا جہنم میں ایسے متکبروں کا ٹھکانا نہیں ہوگا؟ ﴿۶۰﴾ اور  
 جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، اللہ اُن کو نجات دے کر اُن کی مراد کو پہنچا دے گا، انہیں کوئی تکلیف چھوے گی بھی  
 نہیں، اور نہ انہیں کسی بات کا غم ہوگا۔ ﴿۶۱﴾ اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اور وہی ہر چیز کا رکھوالا ہے۔ ﴿۶۲﴾ سارے  
 آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں، اور جنہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا ہے، گھائٹے میں رہنے والے وہی  
 ہیں۔ ﴿۶۳﴾ کہہ دو کہ: ”کیا پھر بھی اے جاہلو! تم مجھ سے کہتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں؟“ ﴿۶۴﴾ اور یہ  
 حقیقت ہے کہ تم سے اور تم سے پہلے تمام پیغمبروں سے وحی کے ذریعے یہ بات کہہ دی گئی تھی کہ اگر تم نے شرک کا ارتکاب  
 کیا تو تمہارا کیا کر یا سب غارت ہو جائے گا، اور تم یقینی طور پر سخت نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ ﴿۶۵﴾  
 لہذا اس کے بجائے تم اللہ ہی کی عبادت کرو، اور شکر گزار لوگوں میں شامل ہو جاؤ۔ ﴿۶۶﴾ اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر  
 ہی نہیں پہچانی جیسا کہ اُس کی قدر پہچاننے کا حق تھا، حالانکہ پوری کی پوری زمین قیامت کے دن اُس کی مٹھی میں ہوگی،  
 اور سارے کے سارے آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک ہے، اور بہت بالا و برتر اُس  
 شرک سے جس کا ارتکاب یہ لوگ کر رہے ہیں۔ ﴿۶۷﴾



وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ  
اٰخَرٰى فَاِذَا هُمْ قِيٰمٌ يَّظُنُّوْنَ ۝۶۸ وَاشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُورٍ سَابِّحًا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِئَتْ  
بِالنَّبِيِّنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۶۹ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا  
عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۰ وَسَيُقَآلُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى جَهَنَّمَ ذُمَرًا ۖ حَتّٰى اِذَا  
جَآءُوْهَا فَتَحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ  
رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْكُمْ لِقَآءِ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۖ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلٰى  
الْكٰفِرِيْنَ ۝۷۱ قِيْلَ اَدْخُلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوٰى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۷۲  
وَسَيُقَآلُ لِلَّذِيْنَ اٰتَقَوْا رَبَّهُمْ اِلٰى الْجَنَّةِ ذُمَرًا ۖ حَتّٰى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ  
لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝۷۳ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ صَدَقْنَا  
وَعَدًا ۚ وَآوَرٰنَا الْاَرْضَ نَتَّبِعُوْا مِنْ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝۷۴ وَتَرٰى  
الْمَلٰٓئِكَةَ حَافِيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيْلَ  
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۵

۷۵

اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں، وہ سب بے ہوش ہو جائیں گے، سوائے اُس کے جسے اللہ  
چاہے۔ پھر دوسری بار پھونکا جائے گا تو وہ سب لوگ پل بھر میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ ۷۸ اور زمین اپنے  
پروردگار کے نور سے چمک اُٹھے گی، اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا، اور انبیاء اور سب گواہوں کو حاضر کر دیا جائے  
گا، اور لوگوں کے درمیان بالکل برحق فیصلہ کیا جائے گا، اور اُن پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ ۷۹ اور ہر شخص کو اُس کے عمل کا پورا  
پورا بدلہ دیا جائے گا، اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں، اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ ۸۰ اور جن لوگوں نے کفر اپنایا تھا، انہیں جہنم  
کی طرف گروہوں کی شکل میں ہانکا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ اُس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اُس کے دروازے  
کھولے جائیں گے، اور اُس کے محافظ اُن سے کہیں گے کہ: ”کیا تمہارے پاس تمہارے اپنے لوگوں میں سے پیغمبر نہیں  
آئے تھے جو تمہیں تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہوں، اور تمہیں اس دن کا سامنا کرنے سے خبردار کرتے  
ہوں؟“ وہ کہیں گے کہ: ”بیشک آئے تھے، لیکن عذاب کی بات کافروں پر سچی ہو کر رہی۔“ ۸۱ کہا جائے گا کہ: ”جہنم  
کے دروازوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ، کیونکہ بہت بُرا ٹھکانا ہے اُن کا جو تکبر سے کام لیتے ہیں۔“ ۸۲



اور جنہوں نے اپنے پروردگار سے تقویٰ کا معاملہ رکھا تھا انہیں جنت کی طرف گروہوں کی شکل میں لے جایا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ اُس کے پاس پہنچیں گے، جبکہ اُس کے دروازے اُن کے لئے پہلے سے کھولے جا چکے ہوں گے، (تو وہ عجیب عالم ہوگا) اور اُس کے محافظ اُن سے کہیں گے کہ: ”سلام ہو آپ پر، خوب رہے آپ لوگ! اب اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لئے آجائیے۔“ ﴿۵۲﴾ اور وہ (جنتی) کہیں گے کہ: ”تمام تر شکر اللہ کا ہے جس نے ہم سے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا، اور ہمیں اس سرزمین کا ایسا وارث بنادیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانا بنالیں۔ ثابت ہوا کہ بہترین انعام (نیک) عمل کرنے والوں کا ہے۔“ ﴿۵۳﴾ اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کر رہے ہوں گے، اور لوگوں کے درمیان برحق فیصلہ کر دیا جائے گا، اور کہنے والے کہیں گے کہ: ”تمام تر تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔“ ﴿۵۴﴾

الحمد للہ! سورہ زمر کا ترجمہ اور تفسیری حواشی آج شب جمعہ میں بتاریخ ۲۷ شوال ۱۴۲۸ھ مطابق ۸ نومبر ۲۰۰۷ء کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْمُؤْمِنِ

## تعارف

یہاں سے سورہ احقاف تک ہر سورت حمّ کے حروفِ مقطعات سے شروع ہو رہی ہے، جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا تھا، ان حروف کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ چونکہ یہ سات سورتیں حمّ سے شروع ہو رہی ہیں، اس لئے ان کو ”حوامیم“ کہا جاتا ہے، اور ان کے اُسلوب میں عربی بلاغت کے لحاظ سے جو ادبی حسن ہے، اُس کی وجہ سے انہیں ”عروس القرآن“ یعنی قرآن کی دُہن کا لقب بھی دیا گیا ہے۔ یہ تمام سورتیں مکی ہیں، اور ان میں اسلام کے بنیادی عقائد تو حید، رسالت اور آخرت کے مضامین پر زور دیا گیا ہے، کفار کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اور کفر کے بُرے انجام سے خبردار کیا گیا ہے، اور بعض انبیائے کرام کے واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس پہلی سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے آیت ۲۸ سے ۳۵ تک فرعون کی قوم کے ایک ایسے مردِ مؤمن کی تقریر نقل فرمائی گئی ہے جنہوں نے اپنا ایمان اب تک چھپایا ہوا تھا، لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے رفقاء پر فرعون کے مظالم بڑھنے کا اندیشہ ہوا، اور فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے اپنے ایمان کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہوئے فرعون کے دربار میں یہ مؤثر تقریر فرمائی۔ اسی مردِ مؤمن کے حوالے سے اس سورت کا نام بھی مؤمن ہے، اور اسے سورہ غافر بھی کہتے ہیں، ”غافر“ کے معنی ہیں ”معاف کرنے والا“۔ اس سورت کی پہلی ہی آیت میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے استعمال ہوا ہے، اس وجہ سے سورت کی پہچان کے لئے اس کا ایک نام غافر بھی رکھا گیا ہے۔



ایاتھا ۸۵ ﴿۱﴾ سُورَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ ۲۰ ﴿۲﴾ رُكُوعَاتُهَا ۹ ﴿۳﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

حَمَّ ۱ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۲ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ۳ ذِي الطَّوْلِ ۴ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۵ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۶ مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرُكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۷ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ ۸ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَجَدَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ ۹ فَأَخَذْتُهُمْ ۱۰ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۱۱ وَكَذَلِكَ حَقَّتْ لِرَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۱۲

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پچاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حَمَّ ۱ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اُتاری جا رہی ہے جو بڑا صاحبِ اقتدار، بڑے علم کا مالک ہے، ۲ جو گناہ کو معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا، بڑی طاقت کا مالک ہے۔ اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اُسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ ۳ اللہ کی آیتوں میں جھگڑے وہی لوگ پیدا کرتے ہیں جنہوں نے کفر اپنالیا ہے۔ لہذا ان لوگوں کا شہروں میں دندناتے پھرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ ۴ ان سے پہلے نوح کی قوم اور اُن کے بعد بہت سے گروہوں نے بھی (پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا، اور ہر قوم نے اپنے پیغمبر کے بارے میں یہ ارادہ کیا تھا کہ اُنہیں گرفتار کر لے، اور انہوں نے باطل کا سہارا لے کر جھگڑے کئے تھے تاکہ اُس کے ذریعے حق کو مٹا دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے اُن کو پکڑ میں لے لیا۔ اب (دیکھ لو کہ) میری سزا کیسی (سخت) تھی؟ ۵ اور اسی طرح جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اُن کے بارے میں تمہارے پروردگار کی یہ بات بھی پکی ہو چکی ہے کہ وہ دوزخی لوگ ہیں۔ ۶

(۱) یعنی کافر لوگ اپنے کفر کے باوجود جس طرح خوش حال نظر آتے ہیں، اُس سے کسی کو یہ دھوکا نہ ہو کہ اُنہیں اپنے کئے کی سزا نہیں ملے گی۔



الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ  
لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ  
وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ رَبَّنَا وَادْخُلْهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ  
أَبَائِهِمْ وَازْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ ۖ وَمَنْ تَقِ  
السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَاحَتْهُ ۖ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادُونَ  
لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ مَقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ۝ قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا  
أَشْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ ۝

وہ (فرشتے) جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور جو اس کے گرد موجود ہیں، وہ سب اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اُن کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں (کہ): ”اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور علم ہر چیز پر حاوی ہے، اس لئے جن لوگوں نے توبہ کر لی ہے، اور تیرے راستے پر چل پڑے ہیں، اُن کی بخشش فرما دے، اور اُنہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔“ ۱ اور اے پروردگار! اُنہیں ہمیشہ رہنے والی اُن جنتوں میں داخل فرما جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے۔ نیز اُن کے ماں باپ اور بیوی بچوں میں سے جو نیک ہوں، اُنہیں بھی۔ یقیناً تیری اور صرف تیری ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔ ۲ اور اُن کو ہر طرح کی بُرائیوں سے محفوظ رکھ۔ ۳ اور اُس دن جسے تو نے بُرائیوں سے محفوظ کر لیا، اُس پر تو نے بڑا رحم فرمایا۔ اور یہی زبردست کامیابی ہے۔ ۴ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے، اُن سے پکار کر کہا جائے گا کہ: ”(آج) تمہیں جتنی بیزاری اپنے آپ سے ہو رہی ہے، اُس سے زیادہ بیزاری اللہ کو اُس وقت ہوتی تھی جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی، اور تم انکار کرتے تھے۔“ ۵ وہ کہیں گے کہ: ”اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی، اور دو مرتبہ زندگی دی، اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، تو کیا (ہمارے دوزخ سے) نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟“ ۶

(۲) بُرائیوں سے مراد دوزخ کی تکلیفیں بھی ہو سکتی ہیں، اور دُنیا میں کی ہوئی بُرائیاں بھی، اور اُس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ دُنیا میں کی ہوئی بُرائیوں کے انجام سے بچائے، یعنی اُن بُرائیوں کو معاف فرما دے۔

(۳) یہ بات اُس وقت کہی جائے گی جب کافر لوگ دوزخ میں پہنچ کر عذاب میں مبتلا ہوں گے، اور اُس وقت وہ خود اپنے آپ سے نفرت کریں گے کہ ہم نے دُنیا میں کفر کا راستہ کیوں اختیار کیا تھا۔

(۴) ایک مرتبہ کی موت سے مراد تو پیدائش سے پہلے کا وہ وقت ہے جب انسان وجود ہی میں نہیں آیا تھا، اور اُس وقت گویا مُردہ تھا، اور دوسری موت سے مراد وہ موت ہے جو زندگی کے آخر میں آئی۔ کافروں کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ ہم دُنیا میں اس



ذِكْمُ بَآئِنَةٍ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ؕ وَان يُشْرِكْ بِهِ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝۱۲ هُوَ الَّذِي يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهِ وَيُنَزِّلْ لَكُمْ مِنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنْيَبُ ۝۱۳ فَاذْعُوْا لِلّٰهِ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ۝۱۴ رَافِعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ؕ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝۱۵ يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ ؕ لَا يَخْفٰى عَلٰى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝۱۶ الْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۱۷ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاَزْفَةِ اِذَا الْقُلُوبُ لَدٰى الْحَنَاجِرِ كَظْمِيْنَ ؕ مَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنْ حَيِّمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۝۱۸

(جواب دیا جائے گا کہ:) ”تمہاری یہ حالت اس لئے ہے کہ جب اللہ کو تنہا پکارا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے، اور اگر اُس کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرایا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے۔ اب تو فیصلہ اللہ ہی کا ہے جس کی شان بہت اونچی، جس کی ذات بہت بڑی ہے۔“ ۱۲ وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا، اور تمہارے لئے آسمان سے رزق اتارتا ہے۔ اور نصیحت تو وہی مانا کرتا ہے جو (ہدایت کے لئے) دل سے رُجوع ہو۔ ۱۳ لہذا (اے لوگو!) اللہ کو اس طرح پکارو کہ تمہاری تابع داری خالص اُسی کے لئے ہو، چاہے کافروں کو کتنا بُرا لگے۔ ۱۴ وہ اونچے درجوں والا، عرش کا مالک ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے رُوح (یعنی وحی) نازل کر دیتا ہے تاکہ ملاقات کے اُس دن سے (لوگوں کو) خبردار کرے ۱۵ جس دن وہ سب گھل کر سامنے آجائیں گے، اللہ سے اُن کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہوگی۔ (کہا جائے گا:) ”کس کی بادشاہی ہے آج؟“ (جواب ایک ہی ہوگا کہ:) ”صرف اللہ کی جو واحد وقہار ہے۔“ ۱۶ آج کے دن ہر شخص کو اُس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ یقیناً اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ ۱۷ (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو ایک ایسی مصیبت کے دن سے ڈراؤ جو قریب آنے والی ہے، جب لوگوں کے کلیجے گھٹ گھٹ کر منہ کو آجائیں گے، ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا، اور نہ کوئی ایسا سفارشی جس کی بات مانی جائے۔ ۱۸

بات کے تو قائل تھے کہ ہم پیدائش سے پہلے موجود نہیں تھے، اور آخر میں ہمیں موت آنے والی ہے، لیکن دوسری زندگی کے قائل نہیں تھے۔ اب ہمیں اس دوسری زندگی کا بھی یقین آ گیا ہے۔



يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۝ (۱۹) وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ ۖ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ (۲۰) أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ ۖ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۖ وَمَا كَانَ لَهُمُ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ۝ (۲۱) ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ۖ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ (۲۲) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُبِينٍ ۖ (۲۳) إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سِحْرٌ كَذَّابٌ ۝ (۲۴) فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ ۖ وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝ (۲۵)

اللہ آنکھوں کی چوری کو بھی جانتا ہے، اور اُن باتوں کو بھی جن کو سینوں نے چھپا رکھا ہے۔ (۱۹) اور اللہ برحق فیصلے کرتا ہے، اور اُسے چھوڑ کر جن (جھوٹے خداؤں) کو یہ پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ یقیناً اللہ ہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔ (۲۰) اور کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے، اُن کا کیسا انجام ہو چکا ہے۔ وہ طاقت میں بھی ان سے زیادہ مضبوط تھے، اور زمین میں چھوڑی ہوئی یادگاروں کے اعتبار سے بھی۔ پھر اللہ نے اُن کے گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑ میں لے لیا، اور کوئی نہیں تھا جو انہیں اللہ سے بچائے۔ (۲۱) یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ان کے پاس اُن کے پیغمبر کھلی کھلی دلیلیں لے کر آتے تھے، تو یہ انکار کرتے تھے، اس لئے اللہ نے انہیں پکڑ میں لیا۔ یقیناً وہ بڑی قوت والا، سزا دینے میں بڑا سخت ہے۔ (۲۲)

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور بڑی واضح دلیل دے کر فرعون، ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تھا، تو انہوں نے کہا کہ یہ جھوٹا جادوگر ہے۔ (۲۳) و (۲۴) پھر جب وہ لوگوں کے پاس وہ حق بات لے کر گئے جو ہماری طرف سے آئی تھی تو انہوں نے کہا کہ: ”جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لے آئے ہیں، اُن کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو، اور اُن کی عورتوں کو زندہ رکھو۔“ حالانکہ کافروں کی چال کا انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ مقصد تک نہ پہنچ سکیں۔ (۲۵)

(۵) یعنی جب وہ سچے دین کا پیغام عام لوگوں کے پاس لے کر گئے، اور بہت سے لوگ اُن پر ایمان لانے لگے تو فرعون کے لوگوں نے یہ تجویز دی کہ جو مرد ایمان لائیں، اُن کے بیٹوں کو قتل کر دو، اور عورتوں کو زندہ رکھو تا کہ انہیں غلام بنا کر اُن سے خدمت لی جائے۔ یہ حکم ایک تو موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے دیا گیا تھا، جس کی تفصیل سورہ طہ اور سورہ قصص میں گزر چکی



وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ ۚ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ ۚ (۲۰) وَقَالَ مُوسَى إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۚ (۲۱) وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِّنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ وَإِنَّ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ ۚ وَإِنَّ يَكُ صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۚ (۲۲)

اور فرعون نے کہا: ”لاؤ، میں موسیٰ کو قتل ہی کر ڈالوں، اور اُسے چاہئے کہ اپنے رب کو پکار لے۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا، یا زمین میں فساد برپا کر دے گا۔“ (۲۰) اور موسیٰ نے کہا: ”میں نے تو ہر اُس متکبر سے جو یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتا، اُس کی پناہ لے لی ہے جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔“ (۲۱) اور فرعون کے خاندان میں سے ایک مؤمن شخص جو ابھی تک اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، بول اٹھا کہ: ”کیا تم ایک شخص کو صرف اس لئے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں لے کر آیا ہے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہی ہو تو اُس کا جھوٹ اُسی پر پڑے گا، اور اگر سچا ہو تو جس چیز سے وہ تمہیں ڈرا رہا ہے، اُس میں سے کچھ تو تم پر آ ہی پڑے گی۔ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گذر جانے والا (اور) جھوٹ بولنے کا عادی ہو۔“ (۲۲)

ہے، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ کسی نجومی نے پیشین گوئی کی تھی کہ بنی اسرائیل کا کوئی شخص فرعون کا تختہ اُلٹے گا۔ اور دوسری بار یہ حکم اُس وقت دیا گیا جب لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے لگے۔ اور بیٹوں کو قتل کرنے کا منشاء ایک تو یہ تھا کہ ایمان لانے والوں کی نسل نہ پھیلے، اور دوسرے عام طور سے انسان کو اپنے بیٹوں کے قتل ہونے کا زیادہ صدمہ ہوتا ہے، اس لئے لوگ ایمان لاتے ہوئے ڈریں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آگے ارشاد فرمایا ہے کہ کافروں کی اس طرح کی تدبیریں آخر کار ناکام ہوتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہوتا ہے، وہی غالب رہتا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آخر کار فرعون غرق ہوا، اور بنی اسرائیل کو فتح حاصل ہوئی۔

(۲) یہ صاحب کون تھے؟ ان کا نام قرآن کریم نے نہیں لیا، بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ یہ فرعون کے چچا زاد بھائی تھے، اور ان کا نام شمعان تھا۔ واللہ اعلم۔

(۳) یعنی جو شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے، اُسے اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں رسوا کر دیتا ہے، اس لئے اگر بالفرض یہ جھوٹے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں خود رسوا کر دے گا، تمہیں ان کو قتل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔



يَقُومُ لَكُمْ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَهَرِينَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَأْسِ اللَّهِ إِنْ جَاءَنَا<sup>ط</sup>  
 قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَىٰ وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ<sup>۲۹</sup> وَقَالَ الَّذِي  
 آمَنَ يَقُومُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ<sup>۳۰</sup> مِثْلَ دَابِّ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَ  
 ثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ<sup>ط</sup> وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعِبَادِ<sup>۳۱</sup> وَيَقُومُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ  
 يَوْمَ التَّنَادِ<sup>۳۲</sup> يَوْمَ تَوَلَّوْنَ مُدْبِرِينَ<sup>ط</sup> مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ<sup>ط</sup> وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ  
 فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ<sup>۳۳</sup> وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا  
 جَاءَكُمْ بِهِ<sup>ط</sup> حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا<sup>ط</sup> كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ  
 مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٌ<sup>۳۴</sup>

اے میری قوم! آج تو تمہیں ایسی سلطنت حاصل ہے کہ زمین میں تمہارا راج ہے، لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہے جو اُس کے مقابلے میں ہماری مدد کرے؟“ فرعون نے کہا: ”میں تو تمہیں وہی رائے دوں گا جسے میں درست سمجھتا ہوں، اور میں تمہاری جو رہنمائی کر رہا ہوں، وہ بالکل ٹھیک راستے کی طرف کر رہا ہوں۔“<sup>۲۹</sup> اور جو شخص ایمان لے آیا تھا اُس نے کہا: ”اے میری قوم! مجھے ڈر ہے کہ تم پر ویسا ہی دن نہ آجائے جیسا بہت سے گروہوں پر آچکا ہے۔“<sup>۳۰</sup> (اور تمہارا حال بھی ویسا نہ ہو) جیسا حال نوح (علیہ السلام) کی قوم کا، اور عاد و ثمود کا اور اُن کے بعد کے لوگوں کا ہوا تھا۔ اور اللہ بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔<sup>۳۱</sup> اور اے میری قوم! مجھے تم پر اُس دن کا خوف ہے جس میں چیخ پکار مچی ہوگی،<sup>۳۲</sup> جس دن تم پیٹھ پھیر کر اس طرح بھاگو گے کہ کوئی بھی تمہیں اللہ سے بچانے والا نہیں ہوگا، اور جسے اللہ بھٹکا دے، اُسے کوئی راستہ دکھانے والا میسر نہیں آتا۔<sup>۳۳</sup> اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) تمہارے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تھے، تب بھی تم اُن کی لائی ہوئی باتوں کے متعلق شک میں پڑے رہے۔ پھر جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہا کہ اُن کے بعد اللہ اب کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ اُن تمام لوگوں کو گمراہی میں ڈالے رکھتا ہے جو حد سے گزرے ہوئے، شکی ہوتے ہیں،<sup>۳۴</sup>

(۸) یہ خطاب فرعون کی قوم یعنی قبطیوں کو ہو رہا ہے، اور قبطیوں کو ہدایت کا پیغام حضرت یوسف علیہ السلام نے دیا تھا۔

(۹) یعنی اول تو حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت ہی کا انکار کرتے رہے، اور جب اُن کی وفات ہو گئی تو اُن کے کارنامے یاد کر کے تم نے یہ کہا کہ اگر وہ رسول تھے بھی تو اب اُن جیسا آدمی پیدا نہیں ہو سکتا، اور اس طرح آئندہ بھی کسی پیغمبر کو ماننے کا دروازہ بند کر دیا۔



الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَتْهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ  
 آمَنُوا ۖ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝۳۵ وَقَالَ فِرْعَوْنُ لِيَهَا مِنْ ابْنِ  
 صَرَحَالَةَ ۚ أَبْلُغْ الْأَسْبَابَ ۝۳۶ أَسْبَابَ السَّمَوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَى إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّي لَا أَظُنُّهُ  
 كَاذِبًا ۖ وَكَذَلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوءُ عَمَلِهِ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيلِ ۖ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي  
 تَبَابٍ ۝۳۷ وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَقُومُوا تَتَّبِعُونِ أَهْدِكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ۝۳۸ يَقُومُوا أَنفُسَهُمْ  
 الْحَيَاةَ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝۳۹ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَى إِلَّا  
 مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِمَّنْ ذَكَرُوا أَنشَأْنِي وَمُوْثِقُومِنْ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ  
 فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۴۰

جو اپنے پاس کسی واضح دلیل کے آئے بغیر اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں۔ یہ بات اللہ کے نزدیک بھی  
 قابل نفرت ہے، اور ان لوگوں کے نزدیک بھی جو ایمان لے آئے ہیں۔ اسی طرح اللہ ہر متکبر جابر شخص کے دل پر  
 مہر لگا دیتا ہے۔“ ۝۳۵

اور فرعون نے (اپنے وزیر سے) کہا کہ: ”اے ہامان! میرے لئے ایک اونچی عمارت بنا دو، تاکہ میں ان راستوں تک  
 پہنچوں ۝۳۶ جو آسمانوں کے راستے ہیں، پھر میں موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں۔ اور یقین رکھو کہ میں تو اُسے جھوٹا ہی  
 سمجھتا ہوں۔“ اسی طرح فرعون کی بدکرداری اُس کی نظر میں خوشنما بنا دی گئی تھی، اور اُسے راستے سے روک دیا گیا تھا۔  
 اور فرعون کی کوئی چال ایسی نہیں تھی جو بربادی میں نہ لگتی ہو۔ ۝۳۷ اور جو شخص ایمان لے آیا تھا اُس نے کہا: ”اے میری  
 قوم! میری بات مانو، میں تمہیں ہدایت کے راستے پر لے جاؤں گا۔ ۝۳۸ اے میری قوم! یہ دُنیوی زندگی تو بس تھوڑا سا  
 مزہ ہے، اور یقین جانو کہ آخرت ہی رہنے بسنے کا اصل گھر ہے۔ ۝۳۹ اور جس شخص نے کوئی بُرائی کی ہوگی، اُسے اُسی کے  
 برابر بدلہ دیا جائے گا، اور جس نے نیک کام کیا ہوگا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مؤمن ہو، تو ایسے لوگ جنت میں  
 داخل ہوں گے۔ وہاں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا۔ ۝۴۰

(۱۰) ظاہر یہ ہے کہ یہ بات فرعون نے طنز کے طور پر کہی تھی، کیونکہ وہ خود خدائی کا دعوے دار تھا، اور اُس نے حضرت موسیٰ  
 علیہ السلام سے کہا تھا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو خدا مانا تو میں تمہیں قید کر دوں گا (دیکھئے سورہ شعراء ۲۶: ۲۹)۔

(۱۱) یعنی اُس کی نفسانی خواہشات نے اُسے سیدھے راستے پر چلنے سے روک رکھا تھا، اور یہ بجھا دیا تھا کہ جو کام تم کر رہے ہو، وہ  
 بہت اچھا ہے۔



وَلْيَقُومَ مَالِي اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجْوَةِ وَتَدْعُوْنِنِىْ اِلَى النَّارِ ۝۳۱ تَدْعُوْنِنِىْ لَا كُفْرًا بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ  
 بِهِ مَا لَيْسَ لِيْ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۝۳۲ لَا جَرَمَ اَنَّا تَدْعُوْنِنِىْ اِلَيْهِ  
 لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِى الدُّنْيَا وَلَا فِى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّا مَرَدُّنَا اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّا الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحَابُ  
 النَّارِ ۝۳۳ فَسْتَذْكُرُوْنَ مَا اَقُولُ لَكُمْ ۚ وَاُقُوْضُ اَمْرِيْ اِلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ۝۳۴  
 فَوَقَّعَ اللّٰهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوْا وَاَحَاقَ بِاِلٰ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ ۝۳۵ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا  
 غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ۚ اَدْخِلُوْا اِلٰ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝۳۶ وَاِذْ  
 يَتَحَاجُّوْنَ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعْفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَاَهْلُ اَنْتُمْ  
 مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ۝۳۷

اور اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دے رہا ہوں، اور تم مجھے آگ کی طرف بلا رہے ہو؟ ۳۱ تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ اللہ کا انکار کروں، اور اُس کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک مانوں جن کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں ہے، اور میں تمہیں اُس ذات کی طرف بلا رہا ہوں جو بڑی صاحبِ اقتدار، بہت بخشنے والی ہے۔ ۳۲ سچ تو یہ ہے کہ جن چیزوں کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو، وہ کسی دعوت کے اہل نہیں ہیں، نہ دنیا میں، نہ آخرت میں، ۳۳ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم سب کو اللہ کی طرف پلٹ کر جانا ہے، اور یہ کہ جو لوگ حد سے گزرنے والے ہیں، وہ آگ کے باسی ہیں۔ ۳۴ غرض تم عنقریب میری یہ باتیں یاد کرو گے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں، اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ یقیناً اللہ سارے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ ۳۵ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن لوگوں نے جو بُرے بُرے منصوبے بنا رکھے تھے، اللہ نے اُس (مردِ مؤمن) کو اُن سب سے محفوظ رکھا، اور فرعون کے لوگوں کو بدترین عذاب نے آگھیرا۔ ۳۶ آگ ہے جس کے سامنے انہیں صبح و شام پیش کیا جاتا ہے، اور جس دن قیامت آجائے گی، (اُس دن حکم ہوگا کہ:) ”فرعون کے لوگوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو۔“ ۳۷ اور اُس وقت (کا دھیان رکھو) جب یہ لوگ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں گے، چنانچہ جو (دنیا میں) کمزور تھے، وہ اُن لوگوں سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ: ”ہم تو تمہارے پیچھے چلنے والے لوگ تھے، تو کیا تم آگ کا کچھ حصہ ہمارے بدلے خود لے لو گے؟“ ۳۸

(۱۲) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن بتوں کو تم پوجتے ہو، خود اُن میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنے پوجنے کی دعوت دیں، اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ جن کو تم پوجنے کی ہمیں دعوت دے رہے ہو، وہ اس دعوت کے ہرگز لائق نہیں ہیں۔

(۱۳) انسان کے مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے انسان کی رُوح جس عالم میں رہتی ہے، اُسے عالم برزخ کہا جاتا ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ فرعون اور اُس کے ساتھیوں کو عالم برزخ میں دوزخ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، تاکہ انہیں پتہ چلے کہ اُن کا ٹھکانا یہ ہے۔



قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۖ (۳۸) وَقَالَ الَّذِينَ فِي  
النَّارِ لِحَزْنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِنَ الْعَذَابِ (۳۹) قَالُوا أَوَلَمْ تَكُنْ تَأْتِيكُم  
رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۖ قَالُوا فادْعُوا ۖ وَمَا دُعَاؤُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ (۴۰) إِنَّا  
لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ (۴۱) يَوْمَ لَا يَنْفَعُ  
الظَّالِمِينَ مَعَذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ (۴۲) وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ  
وَأَوْشَيْنَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ الْكِتَابَ ۖ هُدًى وَذِكْرًا لِأُولِي الْأَلْبَابِ (۴۳) فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ  
اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ (۴۴)

وہ جو بڑے بنے ہوئے تھے، کہیں گے کہ: ”ہم سب ہی اس دوزخ میں ہیں۔ اللہ تمام بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے۔“ (۳۸) اور یہ سب جو آگ میں پڑے ہوں گے، دوزخ کے نگرانوں سے کہیں گے کہ: ”اپنے پروردگار سے دُعا کرو کہ وہ کسی دن ہم سے عذاب کو ہلکا کر دے۔“ (۳۹) وہ کہیں گے کہ: ”کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر کھلی کھلی نشانیاں لے کر آتے نہیں رہے تھے؟“ دوزخی جواب دیں گے کہ: ”بیشک (آتے تو رہے تھے۔)“ وہ کہیں گے: ”پھر تو تم ہی دُعا کرو، اور کافروں کی دُعا کا کوئی انجام اکارت جانے کے سوا نہیں ہے۔“ (۴۰)

یقین رکھو کہ ہم اپنے پیغمبروں اور ایمان لانے والوں کی دُنوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں، اور اُس دن بھی کریں گے جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے، (۴۱) جس دن ظالموں کو اُن کی معذرت کچھ بھی فائدہ نہیں دے گی، اور اُن کے حصے میں پھٹکار ہوگی، اور اُن کے لئے رہائش کی بدترین جگہ۔ (۴۲) اور ہم نے موسیٰ کو ہدایت عطا کی، اور بنی اسرائیل کو اُس کتاب کا وارث بنایا (۴۳) جو عقل والوں کے لئے سراپا ہدایت اور نصیحت تھی۔ (۴۴) لہذا (اے پیغمبر!) صبر سے کام لو، یقین رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور اپنے قصور پر استغفار کرتے رہو، اور صبح و شام اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔ (۴۵)

(۱۳) یعنی جب لوگوں کے اعمال کی گواہی دینے کے لئے گواہوں کو بلایا جائے گا۔ یہ گواہ فرشتے بھی ہوں گے، اور انبیائے کرام وغیرہ بھی۔

(۱۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے پاک بنایا ہے۔ اس کے باوجود آپ کثرت سے استغفار فرمایا کرتے تھے، اور قرآن کریم میں بھی آپ کو اس کی تاکید فرمائی گئی ہے، تاکہ آپ کی اُمت یہ سبق لے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہونے کے باوجود اتنی کثرت سے اپنے ایسے کاموں کی معافی مانگتے ہیں جو درحقیقت گناہ نہیں ہیں، لیکن آپ اُن کو اپنے مقامِ بلند کی وجہ سے قصور یا گناہ سمجھتے ہیں، تو جو لوگ معصوم نہیں ہیں، اُن کو تو اور زیادہ استغفار کرنا چاہئے۔



إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَتْهُمْ ۖ إِنَّ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرًا مَّا هُمْ  
 بِبَالِغِيهِ ۖ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿٥٦﴾ لَخَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَكْبَرَ مِنْ  
 خَلْقِ النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا  
 وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ إِنَّ السَّاعَةَ لَأَتِيَةٌ لَا رَيبَ  
 فِيهَا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٩﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ  
 يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَٰخِرِينَ ﴿٦٠﴾ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا  
 فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦١﴾

یقین جانو کہ جو لوگ اللہ کی آیتوں کے بارے میں جھگڑے نکالتے ہیں، جبکہ اُن کے پاس (اپنے دعوے کی) کوئی سند نہیں آئی، اُن کے سینوں میں اور کچھ نہیں، بلکہ اُس بڑائی کا ایک گھمنڈ ہے جس تک وہ کبھی پہنچنے والے نہیں ہیں۔ لہذا تم اللہ کی پناہ مانگو۔ یقیناً وہی ہے جو ہر بات سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ ﴿٥٦﴾ یقینی بات ہے کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے، لیکن اکثر لوگ (اتنی سی بات) نہیں سمجھتے۔ ﴿٥٧﴾ اور اندھا اور بینائی رکھنے والا دونوں برابر نہیں ہوتے، اور نہ وہ لوگ جو ایمان لائے، اور اُنہوں نے نیک عمل کئے، وہ اور بدکار برابر ہیں، (لیکن) تم لوگ بہت کم دھیان دیتے ہو۔ ﴿٥٨﴾ یقین رکھو کہ قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے، جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ ﴿٥٩﴾ اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ: ”مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بیشک جو لوگ تکبر کی بنا پر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔“ ﴿٦٠﴾

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی، تاکہ تم اُس میں سکون حاصل کرو، اور دن کو دیکھنے والا بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ ﴿٦١﴾

(۱۶) یعنی ان کو اپنے بارے میں جو گھمنڈ ہے کہ ہم کوئی بہت اُونچے درجے پر فائز ہیں، یہ سراسر غلط ہے۔ نہ وہ اس وقت کسی بڑے مرتبے پر ہیں، اور نہ کبھی ایسے کسی مرتبے پر پہنچ پائیں گے۔

(۱۷) مشرکین عرب مانتے تھے کہ آسمان وزمین سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اتنی سی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ جو ذات اتنی عظیم الشان چیزیں عدم سے وجود میں لاسکتی ہے، اُس کے لئے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ چنانچہ اس واضح بات کا بھی وہ انکار کرتے ہیں۔



ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَاَنۡتَ تُؤۡفِكُونَ ﴿٢١﴾ كَذٰلِكَ يُؤۡفِكُ الَّذِيۡنَ  
 كَانُوۡا بِآيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوۡنَ ﴿٢٢﴾ اللّٰهُ الَّذِيۡ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَآءَ بِنَآءً  
 وَصَوَّرَكُمۡ فَآحْسَنَ صُوَرَكُمۡ وَرَزَقَكُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۗ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ ۚ فَتَبَرَّكَ اللّٰهُ رَبُّ  
 الْعٰلَمِيۡنَ ﴿٢٣﴾ هُوَ الْحَيُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۗ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ  
 الْعٰلَمِيۡنَ ﴿٢٤﴾ قُلْ اِنِّیۡ نُهِیۡتُ اَنْۢ اَعْبُدَ الَّذِيۡنَ تَدْعُوۡنَ مِنْ دُوۡنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیۡ الْبَيِّنٰتُ مِنْ  
 رَبِّیۡ ۚ وَاُمِرْتُ اَنْۢ اُسَلِّمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيۡنَ ﴿٢٥﴾ هُوَ الَّذِيۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ  
 مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوۡا اَشْدَّٰكُمۡ ثُمَّ لِتَكُوۡنُوۡا شِیْوًا ۚ وَمِنْكُمۡ مَّنۡ  
 یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوۡا اَجَلَ مُّسَمًّی ۚ وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوۡنَ ﴿٢٦﴾

وہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے، ہر چیز کا پیدا کرنے والا۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر کہاں سے کوئی چیز تمہیں  
 اوندھا چلا دیتی ہے؟ ﴿۲۱﴾ اسی طرح وہ لوگ بھی اوندھے چلے تھے جو (پہلے) اللہ کی آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ ﴿۲۲﴾ اللہ  
 ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرار کی جگہ بنایا، اور آسمان کو ایک گنبد، اور تمہاری صورت گری کی، اور تمہاری  
 صورتوں کو اچھا بنایا، اور پاکیزہ چیزوں میں سے تمہیں رزق عطا کیا۔ وہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے۔ غرض بڑی برکت  
 والا ہے اللہ، سارے جہانوں کا پروردگار! ﴿۲۳﴾ وہی سدا زندہ ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس لئے اُس کو اس طرح  
 پکارو کہ تمہاری تابع داری خالص اُسی کے لئے ہو۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار  
 ہے۔ ﴿۲۴﴾ (اے پیغمبر! کافروں سے) کہہ دو کہ: ”مجھے اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ جب میرے پاس میرے رب  
 کی طرف سے کھلی کھلی نشانیاں آچکی ہیں، تو پھر بھی میں اُن کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے بجائے پکارتے ہو۔ اور  
 مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کے آگے سر جھکاؤں۔“ ﴿۲۵﴾ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا  
 کیا، پھر نطفے سے، پھر جمے ہوئے خون سے۔ پھر وہ تمہیں بچے کی شکل میں باہر لاتا ہے، پھر (وہ تمہاری پرورش کرتا ہے)  
 تاکہ تم اپنی بھرپور طاقت کو پہنچ جاؤ، اور پھر بوڑھے ہو جاؤ — اور تم میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو اس سے پہلے ہی وفات  
 پا جاتے ہیں — اور تاکہ تم ایک مقرر میعاد تک پہنچو، اور تاکہ تم عقل سے کام لو۔ ﴿۲۶﴾

(۱۸) یعنی یہ سمجھو کہ جو ذات انسان کو تخلیق کے ان سارے مراحل سے گذار رہی ہے، اُس کو کسی اور شریک کی کیا حاجت ہے؟ اور  
 اُس کے سوا کون ہے جو عبادت کے لائق ہو؟ نیز جس نے انسان کو اتنے سارے مراحل سے گذارا، کیا وہ اُسے ایک اور مرحلے  
 سے گذار کر اُسے ایک دوسری زندگی نہیں دے سکتی؟



هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ فَإِذَا قُضِيَ أَمْرٌ فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ (۱۹) أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ ۚ أَنِّي يُصْرَفُونَ ۝ (۲۰) الَّذِينَ كَذَبُوا بِالْكِتَابِ وَبِآرِئِ سَلْتَانِهِ رُسُلَنَا ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ (۲۱) إِذَا لَا غُلُّ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلْسِلُ ۚ يُسْحَبُونَ ۝ (۲۲) فِي الْحَمِيمِ ۚ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ۝ (۲۳) ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ آيِنَ مَا كُنتُمْ تُشْرِكُونَ ۝ (۲۴) مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذَلِكَ يَضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ۝ (۲۵) ذَلِكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَمْرَحُونَ ۝ (۲۶) أَدْخُلُوا أَبْوََابَ جَهَنَّمَ خَلِدِينَ فِيهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝ (۲۷) فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَأَمَّا رِيبُكَ بِعُضِّ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَقَّعُكَ ۚ فَالْيَنَابِئُ جَعُونَ ۝ (۲۸)

وہی ہے جو زندگی دیتا اور موت دیتا ہے۔ اور جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اُس سے صرف اتنا کہتا ہے کہ: ”ہو جا“۔ بس وہ ہو جاتا ہے۔ (۲۸)

کیا تم نے اُن لوگوں کو دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں؟ کوئی کہاں سے ان کا رُخ پھیر دیتا ہے؟ (۱۹) یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اس کتاب کو بھی جھٹلایا ہے، اور اُس (تعلیم) کو بھی جس کا حامل بنا کر ہم نے اپنے پیغمبر بھیجے تھے۔ چنانچہ انہیں عنقریب پتہ لگ جائے گا (۲۰) جب ان کے گلوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی، انہیں گرم پانی میں گھسیٹا جائے گا، پھر آگ میں جھونک دیا جائے گا، (۲۱) پھر ان سے کہا جائے گا: ”کہاں ہیں اللہ کے سوا وہ (تمہارے معبود) جنہیں تم خدائی میں اُس کا شریک مانا کرتے تھے؟“ یہ کہیں گے: ”وہ سب تو ہم سے کھوئے گئے، بلکہ ہم پہلے کسی چیز کو نہیں پکارا کرتے تھے۔“ (۱۹) اس طرح اللہ کافروں کو بدحواس کر دیتا ہے۔ (۲۲) (ان سے یہ پہلے ہی کہہ دیا گیا ہو گا کہ:) ”یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ تم زمین میں ناحق بات پر اترایا کرتے تھے، اور اس لئے کہ تم اکڑ دکھاتے تھے۔ (۲۳) جاؤ، جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ، کیونکہ تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بہت ہی بُرا ہے۔“ (۲۴) لہذا (اے پیغمبر!) تم صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اب ہم ان (کافروں کو) جس (عذاب) سے ڈرا رہے ہیں، چاہے اُس کا کچھ حصہ ہم تمہیں بھی (تمہاری زندگی میں) دکھلا دیں، یا تمہیں دُنیا سے اٹھالیں، بہر صورت ان کو ہمارے پاس ہی واپس لایا جائے گا۔ (۲۵)

(۱۹) اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اُس وقت جھوٹ بول جائیں گے، اور یہ کہیں گے کہ ہم نے کبھی شرک کا ارتکاب نہیں کیا، جیسا کہ سورۃ انعام (۶: ۲۳) میں مذکور ہے۔ اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ اُس وقت وہ یہ اعتراف کریں گے کہ جن بتوں وغیرہ کو ہم دُنیا میں پکارا کرتے تھے، اب ہمیں پتہ چل گیا کہ وہ کوئی حقیقی چیز نہیں تھے، اور ہم کسی حقیقی چیز کو نہیں پکارتے تھے۔



وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّن لَّمْ نَقْصُصْ  
عَلَيْكَ ۖ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ فَاذْجَأْ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ  
ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۸۸﴾ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا  
تَأْكُلُونَ ﴿۸۹﴾ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ  
تُحْمَلُونَ ﴿۹۰﴾ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ ۚ فَآيَ آيَاتِ اللَّهِ تُنْكِرُونَ ﴿۹۱﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا  
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوا أَكْثَرُ مِنْهُمْ وَأَشَدُّ قُوَّةً وَأَثَرًا فِي الْأَرْضِ  
فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۹۲﴾

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر بھیجے ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کے واقعات ہم نے تمہیں بتادیئے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جن کے واقعات ہم نے تمہیں نہیں بتائے۔ اور کسی پیغمبر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے۔ پھر جب اللہ کا حکم آئے گا تو سچائی کا فیصلہ ہو جائے گا، اور جو لوگ باطل کی پیروی کر رہے ہیں، وہ اُس موقع پر سخت نقصان اٹھائیں گے۔ ﴿۸۸﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے مویٹی پیدا کئے، تاکہ اُن میں سے کچھ پر تم سواری کرو، اور اُنہی میں سے وہ بھی ہیں جنہیں تم کھاتے ہو۔ ﴿۸۹﴾ اور تمہارے لئے اُن میں بہت سے فائدے ہیں، اور اُن کا مقصد یہ بھی ہے کہ تمہارے دلوں میں (کہیں جانے کی) جو حاجت ہو اُس تک پہنچ سکو۔ اور تمہیں ان جانوروں پر اور کشتیوں پر اٹھا کر لے جایا جاتا ہے۔ ﴿۹۰﴾ اور اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھا رہا ہے، پھر تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے؟ ﴿۹۱﴾ بھلا کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے جو لوگ تھے، اُن کا انجام کیسا ہوا؟ وہ ان سے تعداد میں زیادہ تھے، اور طاقت میں بھی ان سے بڑھے ہوئے تھے، اور ان یادگاروں میں بھی جو وہ زمین میں چھوڑ کر گئے ہیں۔ پھر بھی جو کچھ وہ کماتے تھے، وہ اُن کے کچھ کام نہیں آیا۔ ﴿۹۲﴾

(۲۰) کفار مکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار نیت نئے معجزے دکھانے کی فرمائش کرتے رہتے تھے، اور اصرار کرتے تھے کہ وہی معجزہ دکھائیں جو ہم کہیں۔ اور مقصد سوائے وقت گزاری کے کچھ نہیں تھا، کیونکہ آپ کے کئی معجزات دیکھنے کے باوجود وہ ایمان لانے پر تیار نہیں تھے۔ اس لئے یہاں اُن کو دینے کے لئے یہ جواب سکھایا جا رہا ہے کہ معجزہ دکھانا کسی پیغمبر کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے دکھایا جاسکتا ہے، اس لئے آپ ان سے صاف کہہ دیں کہ میں تمہاری نیت نئی فرمائشیں پوری کرنے سے معذور ہوں۔



فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ  
يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا امْنَابِ اللَّهِ وَحُدَاهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿۱۴﴾  
فَلَمْ يَكُنْ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۚ وَخَسِرَ  
هَٰذَا الْكَافِرُونَ ﴿۱۵﴾

۱۳  
۱۴  
۱۵

چنانچہ جب اُن کے پیغمبر اُن کے پاس کھلی کھلی دلیلیں لے کر آئے، تب بھی وہ اپنے اُس علم پر ہی ناز کرتے رہے جو اُن کے پاس تھا، اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، اُسی نے اُن کو آگھیرا۔ ﴿۱۳﴾ پھر جب اُنہوں نے ہمارا عذاب آنکھوں سے دیکھ لیا تو اُس وقت کہا کہ: ”ہم خدائے واحد پر ایمان لے آئے، اور اُن سب کا ہم نے انکار کر دیا جن کو ہم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔“ ﴿۱۴﴾ لیکن جب ہمارا عذاب اُنہوں نے دیکھ لیا تھا تو اُس کے بعد اُن کا ایمان لانا اُنہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتا تھا۔ خبردار رہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہی معمول ہے جو اُس کے بندوں میں پہلے سے چلا آتا ہے۔ اور اُس موقع پر کافروں نے سخت نقصان اٹھایا۔ ﴿۱۵﴾

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲۲ / ذیقعدہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۳ / دسمبر ۲۰۰۷ء بروز دوشنبہ بعد نمازِ عشاء  
سورہ مؤمن کا ترجمہ اور اُس کے حواشی کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ  
میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے ساتھ تکمیل کی توفیق  
عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ حَمِّ السَّجْدَةِ

## تعارف

یہ سورت اُس مجموعے کا ایک حصہ ہے جسے حوامیم کہا جاتا ہے، اور جس کا تعارف پیچھے سورہ مؤمن کے شروع میں گزر چکا ہے۔ اس سورت کے مضامین بھی دوسری مکی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد کے اثبات اور مشرکین کی تردید وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ اس سورت کی آیت نمبر ۳۸ آیت سجدہ ہے، یعنی اس کے پڑھنے اور سننے سے سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے، اس لئے اس کو حَمَّ السَّجْدَةِ کہا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا نام سورہ ”فُصِّلَتْ“ بھی ہے، کیونکہ اس کی پہلی ہی آیت میں یہ لفظ آیا ہے۔ نیز اسے ”سورة المصابيح“ اور ”سورة الأقوات“ بھی کہا جاتا ہے۔ (رُوح المعانی)۔



ایاتھا ۵۴ سورۃ حم السجدة مکیہ ۲۱ رکوعاھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

حَمْ ۝ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ کُتِبَ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِیْرًا وَنَذِیْرًا ۚ فَاَعْرَضْ اَکْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْ اَكْثٰتٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَیْهِ وَفِیْ اِذْنَانَا وَقُرْءَانٍ مِّنْ بَیْنِنَا وَبَیْنِكَ حِجَابٌ ۚ فَاَعْمَلْ اِنَّا عَمِلُوْنَ ۝ ۱ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوحٰی اِلَیَّ اَنْبَا الْهٰکُمِ اِلٰهُ وَاحِدٌ ۚ فَاسْتَقِیْبُوْا اِلَیْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۚ ۲ وَوِیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ ۝ ۳ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوٰةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ کٰفِرُوْنَ ۝ ۴ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ ۵

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حَمْ ۱ یہ کلام اُس ذات کی طرف سے نازل کیا جا رہا ہے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے۔ ۲ عربی قرآن کی شکل میں یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں علم حاصل کرنے والوں کے لئے تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، ۳ یہ قرآن خوشخبری دینے والا بھی ہے، اور خبردار کرنے والا بھی۔ پھر بھی ان میں سے اکثر لوگوں نے منہ موڑ رکھا ہے جس کے نتیجے میں وہ سنتے نہیں ہیں، ۴ اور (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے) کہتے ہیں کہ: ”جس چیز کی طرف تم ہمیں بلارہے ہو، اُس کے لئے ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں، ہمارے کان بہرے ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔ لہذا تم اپنا کام کرتے رہو، ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔“ ۵ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ”میں تو تم ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ (البتہ) مجھ پر یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔ لہذا تم اپنا رخ سیدھا اُسی کی طرف رکھو، اور اُسی سے مغفرت مانگو۔ اور بڑی تباہی ہے اُن مشرکوں کے لئے ۶ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، اور اُن کا حال یہ ہے کہ آخرت کے وہ بالکل ہی منکر ہیں۔ ۷ (البتہ) جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کے لئے بیشک ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔“ ۸

(۱) یہ سورت مکی ہے، اور اس کے علاوہ بعض دوسری مکی سورتوں میں بھی زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ مکہ مکرمہ ہی میں فرض ہو چکی تھی، البتہ اُس کے تفصیلی احکام مدینہ منورہ میں آئے ہیں۔



قُلْ اِيَّاكُمْ لَتَنكَفُرُنَّ بِالَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهُ اُنْدَادًا ۚ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيْ مِنْ فَوْقِهَا وَبَرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَامًا فِيْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۚ سَوَآءٌ لِّلْسَاعِدِيْنَ ۝۱۰ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۚ قَالَتَا تَبٰىنَا طَآءِیْنِ ۝۱۱ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۚ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحٍ ۚ وَحِفْظًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۱۲

کہہ دو کہ: ”کیا تم واقعی اُس ذات کے ساتھ کفر کا معاملہ کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا، اور اُس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو؟ وہ ذات تو سارے جہانوں کی پرورش کرنے والی ہے۔“ (۱) اور اُس نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ پیدا کئے جو اُس کے اوپر ابھرے ہوئے ہیں، اور اُس میں برکت ڈال دی، اور اُس میں توازن کے ساتھ اُس کی غذائیں پیدا کیں۔ سب کچھ چار دن میں۔ (۲) تمام سوال کرنے والوں کے لئے برابر! (۳) پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، جبکہ وہ اُس وقت دھوئیں کی شکل میں تھا، اور اُس سے اور زمین سے کہا: ”چلے آؤ، چاہے خوشی سے یا زبردستی۔“ دونوں نے کہا: ”ہم خوشی خوشی آتے ہیں۔“ (۴) چنانچہ اُس نے دو دن میں اپنے فیصلے کے تحت اُن کے سات آسمان بنا دیئے، اور ہر آسمان میں اُس کے مناسب حکم بھیج دیا۔ اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو چراغوں سے سجایا، اور اُسے خوب محفوظ کر دیا۔ یہ اُس ذات کی نپي تلی منصوبہ بندی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کا علم بھی مکمل۔ (۵)

(۲) زمین میں برکت ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں مخلوقات کے فائدے کی چیزیں پیدا فرمائیں، اور ایسا نظام بنا دیا کہ وہ زمین سے ضرورت کے مطابق مناسب مقدار میں نکلتی رہیں۔

(۳) ان چار دنوں میں زمین کی تخلیق بھی شامل ہے جس کے بارے میں پیچھے فرمایا گیا تھا کہ وہ دو دن میں مکمل فرمائی گئی، لہذا دو دن میں زمین پیدا کی گئی، اور دو دن میں اُس زمین پر پہاڑ اور دوسری انسانی ضروریات کی چیزیں اور خوراک وغیرہ پیدا کرنے کا انتظام فرمایا گیا، اس طرح زمین اور اُس کے اوپر کی اشیاء پیدا کرنے میں کل چار دن استعمال فرمائے گئے۔ اور دو دن میں ساتوں آسمان پیدا فرمائے گئے۔ اس طرح کائنات کی تخلیق کل چھ دن میں مکمل ہوئی، جیسا کہ سورۃ اعراف (۵۴: ۷)، سورۃ یونس (۳: ۱۰)، سورۃ ہود (۷: ۱۱)، سورۃ فرقان (۵۹: ۲۵)، سورۃ الم سجدہ (۴: ۳۲) اور سورۃ حدید (۲۱: ۵۷) میں مذکور ہے۔ سورۃ اعراف میں ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ یہ اُس وقت کی بات ہے جب دنوں کا حساب سورج کے طلوع و غروب کے بجائے کسی اور معیار پر ہوتا تھا جس کا ٹھیک ٹھیک علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اور اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ وہ ایک ہی لمحے میں



سب کچھ پیدا فرمادیتے، لیکن اس عمل کے ذریعے انسان کو بھی جلد بازی کے بجائے اطمینان اور وقار کے ساتھ کام کرنے کی تعلیم دی گئی ہے، نیز اس میں اور بھی نہ جانے کیا مصلحتیں ہوں گی جن کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

(۴) اس جملے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ جو لوگ بھی زمین و آسمان کی تخلیق کے بارے میں سوال کریں، اُن سب کے لئے یہ یکساں جواب ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ”سوال کرنے والوں“ سے مراد وہ ساری مخلوقات ہیں جو زمین سے غذائیں حاصل کرنا چاہیں، چاہے وہ انسان ہوں، یا جنات، یا جانور۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے یہ موقع عطا فرمایا ہے کہ وہ زمین سے اپنی اپنی غذا حاصل کر سکیں۔ مختلف مفسرین نے اس جملے کی یہ دونوں تفسیریں کی ہیں، چنانچہ ترجمے میں بھی دونوں کی گنجائش ہے۔

(۵) شروع میں اللہ تعالیٰ نے آسمان کا مادہ پیدا فرمادیا تھا جو دھویں کی شکل میں تھا، پھر دو دن میں اُسے سات آسمانوں کی صورت میں تبدیل فرما کر اُس کا مستقل نظام قائم فرمایا۔

(۶) ”چلے آؤ“ کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے حکم کے تابع بن جاؤ، ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا گیا کہ تم خوشی سے ہمارے حکم کے تابع بننا نہ چاہو، تب بھی تمہیں زبردستی تابع بننا ہی پڑے گا، یعنی زمین اور آسمان میں وہی کام ہوں گے جن کا اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق تکوینی طور پر ہم حکم دیں گے، تمہارے اندر یہ قدرت پیدا نہیں کی گئی ہے کہ تم ہمارے تکوینی احکام کی مخالفت کر سکو، لہذا اگر تم خوشی سے نہیں چاہو گے تو زبردستی تمہیں کرنا وہی ہوگا جو ہمارا حکم ہے۔ اس میں یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ انسان کا معاملہ کائنات کی دوسری مخلوقات سے مختلف ہے، انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو قسم کے احکام کا پابند ہے، ایک تکوینی احکام ہیں، مثلاً یہ کہ وہ کب پیدا ہوگا، کتنی عمر پائے گا، اُسے کونسی بیماریاں لاحق ہوں گی، اُس کی کتنی اولاد ہوگی، یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں، اور ان معاملات میں انسان کائنات کی دوسری مخلوقات کی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع رہنے پر مجبور ہے۔ یہاں آسمان و زمین سے یہ مکالمہ حقیقی بھی ہو سکتا ہے، اور مجازی بھی، لیکن انسان کو بتانا یہ مقصود ہے کہ ان تکوینی احکام میں چونکہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلنے پر مجبور ہے، اس لئے وہ ان احکام پر خوشی سے چلے، یا اُن پر ناخوش ہو، ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ لہذا ایک بندہ ہونے کی وجہ سے انسان کو وہی طریقہ عمل اختیار کرنا چاہئے جو زمین اور آسمان نے کیا کہ اُنہوں نے کہا کہ ہم تو خوشی خوشی اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے تابع رہیں گے۔ لہذا غیر اختیاری معاملات میں جو بات بھی پیش آئے، انسان کو اُس پر اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر کم از کم عقلی طور پر راضی رہنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کی ایک قسم اور ہے جنہیں شرعی احکام کہا جاتا ہے، یعنی کونسی چیز حلال ہے، کونسی حرام، اللہ تعالیٰ کو کونسا کام پسند ہے، کونسا ناپسند۔ انسان کو حکم یہ دیا گیا ہے کہ وہ وہی کام کرے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، لیکن اس بات پر اُسے اس طرح مجبور نہیں کیا گیا جیسے تکوینی احکام پر وہ مجبور ہے، بلکہ یہ احکام دینے کے بعد اُسے یہ اختیار بھی دیا گیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو ان پر عمل کرے، اور اگر چاہے تو نافرمانی کا راستہ اختیار کر لے، اور یہی اُس کا امتحان ہے جس کے نتیجے میں اُس کے لئے جنت یا جہنم کا فیصلہ ہوگا۔ چونکہ دوسری مخلوقات کو اس امتحان میں نہیں ڈالا گیا، اس لئے اُن کو نہ شرعی احکام دیئے گئے ہیں، اور نہ نافرمانی کا اختیار دیا گیا ہے۔ ان احکام پر بھی انسان کو خوشی خوشی عمل کرنا چاہئے، کیونکہ اُس کی ابدی زندگی کی صلاح و فلاح اسی پر موقوف ہے۔

(۷) یعنی آسمانوں کا نظام چلانے کے لئے جو احکام مناسب تھے، وہ متعلقہ مخلوقات کو عطا فرمادیئے۔



فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صِيعَةً مِثْلَ صِيعَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ۖ إِذْ جَاءَتْهُمْ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ۚ ۱۳ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۖ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۚ ۱۴ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَحْسَاتٍ لِنَنْذِرَهُمْ عَذَابَ الْآخِرَةِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ وَهُمْ لَا يُنْصَرُونَ ۚ ۱۵ وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَنَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ فَآخَذَتْهُمْ صِيعَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۚ ۱۶ وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۚ ۱۷

پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ: ”میں نے تمہیں اُس کڑ کے سے خبردار کر دیا ہے جیسا کڑ کا عاد اور ثمود پر نازل ہوا تھا۔“ ۱۳ یہ اُس وقت کی بات ہے جب اُن کے پاس پیغمبر (کبھی) اُن کے آگے سے اور (کبھی) اُن کے پیچھے سے ۱۸ یہ پیغام لے کر آئے کہ اللہ کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرو۔ اُنہوں نے کہا کہ: ”اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتے بھیجتا۔ لہذا جس بات کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے، ہم اُس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔“ ۱۴ پھر عاد کا قصہ تو یہ ہوا کہ اُنہوں نے زمین میں ناحق تکبر کا رویہ اختیار کیا، اور کہا کہ: ”کون ہے جو طاقت میں ہم سے زیادہ ہو؟“ بھلا کیا اُن کو یہ نہیں سوچا کہ جس اللہ نے اُن کو پیدا کیا ہے، وہ طاقت میں اُن سے کہیں زیادہ ہے؟ اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے۔ ۱۵ چنانچہ ہم نے کچھ منحوس دنوں میں ۱۹ اُن پر آندھی کی شکل میں ہوا بھیجی تاکہ اُنہیں دنیوی زندگی میں رُسوائی کے عذاب کا مزہ چکھائیں۔ اور آخرت کا عذاب اُس سے بھی زیادہ رُسوا کرنے والا ہے، اور اُن کو کوئی مدد میسر نہیں آئے گی۔ ۱۶ رہے ثمود، تو ہم نے اُنہیں سیدھا راستہ دکھایا تھا، لیکن اُنہوں نے سیدھا راستہ اختیار کرنے کے مقابلے میں اندھا رہنے کو زیادہ پسند کیا، چنانچہ اُنہوں نے جو کمائی کر رکھی تھی، اُس کی وجہ سے اُن کو ایسے عذاب کے کڑ کے نے آپکڑا جو سراپا ذلت تھا، ۱۷ اور جو لوگ ایمان لے آئے تھے، اور تقویٰ اختیار کئے ہوئے تھے، اُن کو ہم نے نجات دے دی۔ ۱۸

(۸) یہ ایک محاورہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے ہر رخ سے اپنی قوموں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

(۹) قرآن و سنت کے متعدد دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام دن اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، اور کسی بھی دن میں بذاتِ خود کوئی عمومی نحوست نہیں ہوتی، اس لئے یہاں منحوس دنوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ دن اُن لوگوں کے لئے منحوس ثابت ہوئے۔



وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٠﴾ وَقَالُوا الْجُودُودُ هُمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا ۖ قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢١﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٢﴾ وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِنْ يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَإِنْ يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُمْ مِنَ الْمُعْتَبِينَ ﴿٢٤﴾

اور اُس دن کا دھیان رکھو جب اللہ کے دشمنوں کو جمع کر کے آگ کی طرف لے جایا جائے گا، چنانچہ انہیں ٹولیوں میں بانٹ دیا جائے گا۔ ﴿۱۹﴾ یہاں تک کہ جب وہ اُس (آگ) کے پاس پہنچ جائیں گے تو اُن کے کان، اُن کی آنکھیں اور اُن کی کھالیں اُن کے خلاف گواہی دیں گی کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔ ﴿۲۰﴾ وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ: ”تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟“ وہ کہیں گی کہ: ”ہمیں اُسی ذات نے بولنے کی طاقت دے دی ہے جس نے ہر چیز کو گویائی عطا فرمائی۔“ اور وہی ہے جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور اُسی کی طرف تمہیں واپس لے جایا جا رہا ہے۔ ﴿۲۱﴾ اور تم (گناہ کرتے وقت) اس بات سے تو چھپ ہی نہیں سکتے تھے کہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں، لیکن تمہارا گمان یہ تھا کہ اللہ کو تمہارے بہت سے اعمال کا علم نہیں ہے۔ ﴿۲۲﴾ اپنے پروردگار کے بارے میں تمہارا یہی گمان تھا جس نے تمہیں برباد کیا، اور اسی کے نتیجے میں تم اُن لوگوں میں شامل ہو گئے جو سراسر خسارے میں ہیں۔ ﴿۲۳﴾ اب ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر یہ صبر کریں تب بھی آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے، اور اگر یہ معذرت چاہیں تو یہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کی معذرت قبول کی جاتی ہے۔ ﴿۲۴﴾

(۱۰) شروع میں مشرک لوگ بوکھلاہٹ کے عالم میں یہ جھوٹ بول جائیں گے کہ ہم نے تو کبھی شرک نہیں کیا تھا، جیسا کہ قرآن کریم نے سورہ انعام (۶: ۲۳) میں بیان فرمایا ہے۔ اُس موقع پر اللہ تعالیٰ خود انہی کے جسم کے مختلف حصوں سے اُن کے خلاف گواہی دلوائیں گے۔

(۱۱) صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ بعض احمق کافر یہ سمجھتے تھے کہ اگر وہ کوئی گناہ چھپ کر کریں گے تو اللہ تعالیٰ کو اُس کا علم نہیں ہوگا، اُس وقت وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے گناہ کا نہ کوئی گواہ ہے، اور نہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو اس کا پتہ چلے گا۔ اُن کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تو ہر بات کا گواہ ہے ہی، خود اُن کے جسم کے یہ اعضاء بھی اُن کے خلاف گواہ بن جائیں گے۔



وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ  
 ۱۲ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَسِرِينَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا  
 لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ۝ فَلَنذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا  
 شَدِيدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ذَلِكَ جَزَاءُ عَادَ إِذْ هِيَ الْتَأَمَّتْ لَهَا  
 فِيهَا ذُرَّاءُ الْخُلْدِ جَزَاءُ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا  
 الَّذِينَ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ نَجْعَلُهُم تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونُوا مِنَ الْسَفَلِينَ ۝ إِنَّ  
 الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا  
 وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝

اور ہم نے (دُنیا میں) ان پر کچھ ساتھی مسلط کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے آگے پیچھے کے سارے کاموں کو خوشنما بنا دیا  
 تھا، چنانچہ جو دوسرے جنات اور انسان ان سے پہلے گزر چکے ہیں، اُن کے ساتھ مل کر (عذاب کی) بات ان پر بھی سچی  
 ہوئی۔ یقیناً وہ سب خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہیں۔ ۱۲

اور یہ کافر (ایک دوسرے سے) کہتے ہیں کہ: ”اس قرآن کو سنو ہی نہیں، اور اس کے بیچ میں غل مچا دیا کرو تا کہ تم ہی  
 غالب رہو۔“ ۱۳ اس لئے ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے، اور یہ (دُنیا میں) جو بدترین کام کیا کرتے  
 تھے، اُس کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔ ۱۴ یہی ہے سزا اللہ کے دشمنوں کی جو آگ کی صورت میں ہوگی۔ اُسی میں اُن کا دائمی  
 ٹھکانا ہوگا، جو اس بات کا بدلہ ہوگا کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ ۱۵ اور یہ کافر لوگ کہیں گے کہ: ”اے  
 ہمارے پروردگار! ہمیں اُن جنات اور انسانوں دونوں کی صورت دکھائیے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، تا کہ ہم انہیں  
 اپنے پاؤں تلے ایسا روندیں کہ وہ خوب ذلیل ہوں۔“ ۱۶ (دوسری طرف) جن لوگوں نے کہا ہے کہ: ”ہمارا رب اللہ  
 ہے“ اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے تو اُن پر بیشک فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اُتریں گے کہ: ”نہ کوئی خوفِ دل میں لاؤ،  
 نہ کسی بات کا غم کرو، اور اُس جنت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔“ ۱۷

(۱۲) اس سے مراد وہ شیاطین بھی ہیں جو انسانوں کو گناہ پر آمادہ کرنے کے لئے گناہوں کے لئے بہکاتے تھے، اور ایسے انسان بھی جو  
 گناہ کے کاموں کو مفید اور ضروری قرار دینے کے لئے طرح طرح کے دلائل گھڑتے اور اُن کی بنیاد پر قائل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔  
 (۱۳) دُنیا میں انسان کے جو ساتھی اُسے دین سے غافل کر کے گمراہ کرتے رہے، وہ بھی اس میں داخل ہیں، اور وہ شیطان جو  
 اُسے بہکا تا رہا، وہ بھی۔ ان دونوں کے بارے میں دوزخی شخص یہ کہے گا کہ مجھے یہ گمراہ کرنے والے نظر آجائیں تو میں انہیں  
 پاؤں تلے روند ڈالوں۔



نَحْنُ أَوْلَىٰكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهَىٰ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ۖ <sup>۳۱</sup> نَزَّلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ۚ <sup>۳۲</sup> وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا ۖ وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۚ <sup>۳۳</sup> وَلَا تَسْتَوِ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ <sup>۳۴</sup> ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۚ <sup>۳۵</sup> وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا ۖ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا ذُوحَظٍّ عَظِيمٌ ۚ <sup>۳۶</sup> وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۚ <sup>۳۷</sup> وَمِنَ اللَّيْلِ فَسُجِّدْ لِلَّهِ تَحَنُّنًا ۚ <sup>۳۸</sup> لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدْ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۚ <sup>۳۹</sup>

ہم دنیا والی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی تھے، اور آخرت میں بھی رہیں گے۔ اور اس جنت میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لئے ہے جس کو تمہارا دل چاہے، اور اس میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لئے ہے جو تم منگوانا چاہو، <sup>(۳۱)</sup> یہ سب کچھ اُس ذات کی طرف سے پہلی پہلی میزبانی ہے جس کی بخشش بھی بہت ہے، جس کی رحمت بھی کامل۔ <sup>(۳۲)</sup> اور اُس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف دعوت دے، اور نیک عمل کرے، اور یہ کہے کہ میں فرماں برداروں میں شامل ہوں۔ <sup>(۳۳)</sup> اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ تم بدی کا دفاع ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ <sup>(۳۴)</sup> نتیجہ یہ ہوگا کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی، وہ دیکھتے ہی دیکھتے ایسا ہو جائے گا جیسے وہ (تمہارا) جگری دوست ہو۔ <sup>(۳۵)</sup> اور یہ بات صرف اُنہی کو عطا ہوتی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں، اور یہ بات اُسی کو عطا ہوتی ہے جو بڑے نصیبے والا ہو۔ <sup>(۳۶)</sup> اور اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کبھی کوئی کچوکا لگے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ <sup>(۳۷)</sup> بیشک وہ ہر بات سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے۔ <sup>(۳۸)</sup> اور اُسی کی نشانیوں میں سے ہیں یہ رات اور دن اور سورج اور چاند۔ نہ سورج کو سجدہ کرو، نہ چاند کو، اور سجدہ اُس اللہ کو کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے، اگر واقعی تمہیں اُسی کی عبادت کرنی ہے۔ <sup>(۳۹)</sup>

<sup>(۱۴)</sup> یعنی جو شخص تمہارے ساتھ بُرا سلوک کر رہا ہو، اگرچہ تمہارے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اُس سے برابر کا بدلہ لے لو، لیکن بہتر یہ ہے کہ اُس کی بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دو۔ ایسا کرو گے تو تمہارا دشمن بھی دوست بن جائے گا، اور تم نے اُس کی بُرائی پر جو صبر کیا اُس کا بہترین ثواب آخرت میں تمہیں ملے گا۔

<sup>(۱۵)</sup> شیطان کے کچوکے سے مراد یہ ہے کہ جب وہ تمہارے دل میں کوئی گناہ کا یا کوئی بُرائی کرنے کا وسوسہ ڈالے تو تم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کرو جس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ یہ کہو: ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“۔



فَإِنْ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ ﴿۳۸﴾ وَمِنْ أٰيٰتِهِ اَنَّكَ تَرٰى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَا اَنزَلْنَا عَلَيَّهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۖ اِنَّ الَّذِيْ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتِ ۖ اِنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِىْ اٰيٰتِنَا لَا يَخَفُوْنَ عَلَيْنَا ۖ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَنْ يَّاتِىْ اِمْنًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۖ اَعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۚ اِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالَّذِيْ كُرِّهَآ جَاءَهُمْ ۚ وَاِنَّهُ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ لَا يٰۤاٰتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَبِيْبٍ ﴿۴۲﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۖ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾

پھر بھی اگر یہ (کافر) تکبر سے کام لیں، تو (کرتے رہیں) کیونکہ جو (فرشتے) تمہارے رب کے پاس ہیں، وہ دن رات اُس کی تسبیح کرتے ہیں، اور وہ اُکتاتے نہیں ہیں۔ ﴿۳۸﴾

اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تم زمین کو دیکھتے ہو کہ وہ مرجھائی پڑی ہے۔ پھر جو نہی ہم نے اُس پر پانی اُتارا، وہ حرکت میں آگئی، اور اُس میں بڑھوتری پیدا ہوگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے اُس زمین کو زندہ کیا، وہی مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے۔ یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿۳۹﴾ جو لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں، وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے۔ بھلا بتاؤ کہ جس شخص کو آگ میں ڈال دیا جائے، وہ بہتر ہے، یا وہ شخص جو قیامت کے دن بے خوف و خطر آئے گا؟ (اچھا) جو چاہو، کرلو، یقین جانو کہ وہ تمہارے ہر کام کو خوب دیکھ رہا ہے۔ ﴿۴۰﴾ بیشک (اُن لوگوں نے بہت بُرا کیا ہے) جنہوں نے نصیحت کی اس کتاب کا انکار کیا جبکہ وہ اُن کے پاس آچکی تھی، حالانکہ وہ بڑی عزت والی کتاب ہے، ﴿۴۱﴾ جس تک باطل کی کوئی رسائی نہیں ہے، نہ اُس کے آگے سے، نہ اُس کے پیچھے سے۔ یہ اُس ذات کی طرف سے اُتاری جا رہی ہے جو حکمت کا مالک ہے، تمام تعریفیں اُسی کی طرف لوٹی ہیں۔ ﴿۴۲﴾ (اے پیغمبر!) تم سے جو باتیں کہی جا رہی ہیں، وہ وہی ہیں جو تم سے پہلے پیغمبروں سے کہی گئی تھیں۔ یقین رکھو تمہارا پروردگار مغفرت کرنے والا بھی ہے، اور دردناک سزا دینے والا بھی۔ ﴿۴۳﴾

(۳۸) یہ آیت سجدہ ہے، یعنی جو شخص اس کی تلاوت کرے، یا کسی کو تلاوت کرتے ہوئے سنے، اُس پر ایک سجدہ کرنا واجب ہے۔

(۴۰) ٹیڑھا راستہ اختیار کرنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ اُن آیتوں کو ماننے سے انکار کیا جائے، اور یہ بھی کہ انہیں غلط سلف معنی

پہنائے جائیں۔ آیت کی وعید دونوں صورتوں کو شامل ہے۔



وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَجَبِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۖ أَءَعْجَبِيٌّ وَعَرَبِيٌّ ۚ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ۚ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۚ أُولَٰئِكَ يُنَادُونَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۚ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۚ (۳۵) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۚ (۳۶) إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامٍهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ

اور اگر ہم اس (قرآن) کو عجیبی قرآن بناتے تو یہ لوگ کہتے کہ: ”اس کی آیتیں کھول کھول کر کیوں نہیں بیان کی گئیں؟ یہ کیا بات ہے کہ قرآن عجیبی ہے، اور پیغمبر عربی؟“ کہہ دو کہ: ”جو لوگ ایمان لائیں، اُن کے لئے یہ ہدایت اور شفا کا سامان ہے، اور جو ایمان نہیں لاتے، اُن کے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے، اور یہ (قرآن) اُن کے لئے اندھیرے میں بھٹکنے کا سامان ہے۔ ایسے لوگوں کو کسی دُور دراز جگہ سے پکارا جا رہا ہے۔“ (۳۵) اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی، پھر اُس میں بھی اختلاف ہوا۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے ہی طے نہ کر دی گئی ہوتی، تو ان لوگوں کا معاملہ چکا ہی دیا گیا ہوتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے ان کو خلیجان میں ڈال رکھا ہے۔ (۳۶) جو کوئی نیک عمل کرتا ہے، وہ اپنے ہی فائدے کے لئے کرتا ہے، اور جو کوئی بُرائی کرتا ہے، وہ اپنے ہی نقصان کے لئے کرتا ہے، اور تمہارا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ (۳۷) قیامت کا علم اُسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ اور اللہ کے علم کے بغیر نہ پھلوں میں سے کوئی پھل اپنے شگوفوں سے نکلتا ہے، اور نہ کسی مادہ کو حمل ٹھہرتا ہے، اور نہ اُس کے کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے۔

(۱۸) بعض کفار مکہ قرآن کریم کے بارے میں یہ اعتراض کرتے تھے کہ یہ عربی زبان میں کیوں اُتارا گیا؟ اگر کسی اور زبان میں ہوتا تو یقیناً یہ ایک معجزہ ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ کوئی دوسری زبان نہیں جانتے، اس لئے آپ پر کسی اور زبان کی وحی نازل ہونے سے واضح ہو جاتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس قسم کے اعتراضات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اگر قرآن کسی اور زبان میں اُتارا جاتا تو کہنے والے یہ اعتراض کرتے کہ عربی پیغمبر پر غیر عربی قرآن کیوں نازل کیا گیا ہے؟ غرض جب بات ماننی نہ ہو تو ہزار بہانے پیدا کر لئے جاتے ہیں۔

(۱۹) کسی کو دُور دراز جگہ سے پکارا جائے تو بسا اوقات نہ وہ اپنے آپ کو مخاطب سمجھتا ہے، اور نہ دُور کی آواز پر توجہ دیتا ہے۔ اسی طرح یہ کافر لوگ قرآن کریم کی دعوت پر توجہ نہیں دے رہے ہیں۔



وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِيَ قَالُوا اذْنُكَ ۚ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيدٍ ۚ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ وَظَنَّوْا مَا لَهُمْ مِنْ مَّحِيصٍ ۚ لَا يَسْمَعُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ ۚ وَإِنَّ مَسَّهُ الشَّرُّ فَيَوْسُقُ قَنُوطٌ ۚ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً ۚ وَلَئِنْ رُجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْحُسْنَىٰ ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا ۚ وَلَنُذِيقَهُنَّ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۚ وَإِذَا آنَعْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأٰ بِجَانِبِهِ ۚ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُودُوعًا ۚ عَرِيضٌ ۚ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهِ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۚ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۚ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ فِي مَرِيَّةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ۚ

اور جس دن وہ ان (مشرکوں) کو پکارے گا کہ: ”کہاں ہیں میرے وہ شریک؟“ تو وہ کہیں گے کہ: ”ہم تو آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی اب اس بات کا گواہ نہیں ہے (کہ آپ کا کوئی شریک ہے)“ اور پہلے یہ لوگ جن (جھوٹے خداؤں) کو پکارا کرتے تھے، ان کو اب اُن کا کوئی سراغ نہیں ملے گا، اور وہ سمجھ جائیں گے کہ ان کے لئے اب بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ (۳۸) انسان کا حال یہ ہے کہ وہ بھلائی مانگنے سے نہیں تھکتا، اور اگر اُسے کوئی بُرائی چھو جائے تو ایسا مایوس ہو جاتا ہے کہ ہر اُمید چھوڑ بیٹھتا ہے۔ (۳۹) اور جو تکلیف اُسے پہنچی تھی، اگر اُس کے بعد ہم اُسے اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھا دیں تو وہ لازماً یہ کہے گا کہ: ”یہ تو میرا حق تھا، اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آنے والی ہے، اور اگر مجھے اپنے رب کے پاس واپس بھیجا بھی گیا تو مجھے یقین ہے کہ اُس کے پاس بھی مجھے خوش حالی ہی ضرور ملے گی۔“ اب ہم ان کافروں کو یہ ضرور جتلائیں گے کہ اُنہوں نے کیا عمل کئے ہیں، اور اُنہیں ایک سخت عذاب کا مزہ ضرور چکھائیں گے۔ (۴۰)

اور جب ہم انسان پر کوئی انعام کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا اور پہلو بدل کر دُور چلا جاتا ہے، اور جب اُسے کوئی بُرائی چھو جاتی ہے تو وہ لمبی چوڑی دُعائیں کرنے لگتا ہے۔ (۴۱) (اے پیغمبر! ان کافروں سے) کہو کہ: ”ذرا مجھے بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے آیا ہے، پھر بھی تم نے اس کا انکار کیا تو اُس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو (اس کی)



مخالفت میں بہت دُور نکل گیا ہو؟“ (۵۲)

ہم انہیں اپنی نشانیاں کائنات میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے اپنے وجود میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل کر سامنے آجائے کہ یہی حق ہے۔ کیا تمہارے رَب کی یہ بات کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز کا گواہ ہے؟ (۵۳) یاد رکھو کہ یہ لوگ اپنے رَب کا سامنا کرنے کے معاملے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو احاطے میں لئے ہوئے ہے۔ (۵۴)

الحمد للہ! سورہ حم السجدہ کے ترجمے اور حواشی کی تکمیل یومِ عرفہ ۱۴۲۸ھ کو میدانِ عرفات میں مغرب کے بعد مزدلفہ جانے کے لئے گاڑی کے انتظار کے وقت میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرما کر بندے کی مغفرت اور نجات کا ذریعہ بنادیں، اور باقی سورتوں کی تکمیل بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ الشُّورَىٰ

## تعارف

یہ حوامیم کے مجموعے کی تیسری سورت ہے۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید، رسالت اور آخرت کے بنیادی عقائد پر زور دیا گیا ہے، اور ایمان کی قابل تعریف صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ اسی ذیل میں آیت نمبر ۳۸ میں مسلمانوں کی یہ خصوصیت بیان فرمائی گئی ہے کہ اُن کے اہم معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ مشورے کے لئے عربی کا لفظ ”شوری“ استعمال کیا گیا ہے، اسی بنا پر سورت کا نام سورہ شوریٰ ہے۔ سورت کے آخر میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان سے روبرو ہو کر ہم کلام نہیں ہوتا، بلکہ وحی کے ذریعے کلام فرماتا ہے، اور پھر اس وحی کی مختلف صورتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔



﴿ ایتھا ۵۳ ﴾ ﴿ سُورَةُ الشُّورَى مَكِّيَّةٌ ۲۲ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۵ ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

حَمَّ ۱ عَسَقَ ۲ كَذَلِكَ يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ اللَّهُ الْعَزِيزُ  
الْحَكِيمُ ۳ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۴ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ  
يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي  
الْأَرْضِ ۚ أَلَا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۵ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ  
اللَّهُ حَفِيفٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۶ وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا  
لِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنذِرَ يَوْمَ الْجُمُعِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَ  
فَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ۷

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں تیرپن آیتیں اور پانچ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حَمَّ ۱ عَسَقَ ۲ (اے پیغمبر!) اللہ جو عزیز و حکیم ہے، تم پر اور تم سے پہلے جو (پیغمبر) ہوئے ہیں، اُن پر اسی طرح وحی  
نازل کرتا ہے۔ ۳ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اُسی کا ہے، اور وہی ہے جو برتری اور عظمت کا  
مالک ہے۔ ۴ ایسا لگتا ہے کہ آسمان اُوپر سے پھٹ پڑیں گے، اور فرشتے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح  
کر رہے ہیں، اور زمین والوں کے لئے استغفار کر رہے ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ ہی ہے جو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان  
ہے۔ ۵ اور جن لوگوں نے اُس کے سوا دوسرے رکھوالے بنا رکھے ہیں، اللہ اُن پر نگرانی رکھے ہوئے ہے، اور تم اُن  
کے ذمہ دار نہیں ہو۔ ۶ اور اسی طرح ہم نے یہ عربی قرآن تم پر وحی کے ذریعے بھیجا ہے، تاکہ تم مرکزی بستی (مکہ) اور  
اُس کے ارد گرد والوں کو اُس دن سے خبردار کرو جس میں سب کو جمع کیا جائے گا، جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے۔  
ایک گروہ جنت میں جائے گا، اور ایک گروہ بھڑکتی ہوئی آگ میں۔ ۷

(۱) مطلب یہ ہے کہ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے اتنی بڑی تعداد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہیں کہ ایسا لگتا ہے  
جیسے اُن کے بوجھ سے آسمان پھٹ پڑیں گے۔



وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ ۖ وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُمْ  
 مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝۸۰ أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۚ قَالَ اللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَ  
 هُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۸۱ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۖ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي  
 عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝۸۲ فَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ  
 أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذُرُّكُمْ فِيهِ ۖ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ  
 الْبَصِيرُ ۝۸۳ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ  
 بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۸۴ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا الَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ وَمَا  
 وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ كَبُرَ عَلَى  
 الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ ۝۸۵

اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا، لیکن وہ جس کو چاہتا ہے، اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے، اور جو ظالم  
 لوگ ہیں، اُن کا نہ کوئی رکھوالا ہے، نہ کوئی مددگار۔ ۸۰ کیا ان لوگوں نے اُس کو چھوڑ کر دوسرے رکھوالے بنائے ہیں؟ سچ  
 تو یہ ہے کہ رکھوالا اللہ ہی ہے، اور وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ ۸۱ اور تم جس بات میں بھی  
 اختلاف کرتے ہو، اُس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔ لوگو! وہی اللہ ہے جو میرا پروردگار ہے۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کیا  
 ہے، اور اُسی سے میں لو لگاتا ہوں۔ ۸۲ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اُس نے تمہارے لئے تمہاری ہی  
 جنس سے جوڑے پیدا کئے ہیں، اور مویشیوں کے بھی جوڑے بنائے ہیں۔ اسی ذریعے سے وہ تمہاری نسل چلاتا ہے۔  
 کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔ ۸۳ آسمانوں اور زمین کی ساری کنجیاں  
 اُسی کے قبضے میں ہیں۔ وہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں وسعت اور تنگی کرتا ہے، یقیناً وہ ہر چیز کا جاننے والا  
 ہے۔ ۸۴ اُس نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ طے کیا ہے جس کا حکم اُس نے نوح کو دیا تھا، اور جو (اے پیغمبر!) ہم  
 نے تمہارے پاس وحی کے ذریعے بھیجا ہے، اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ تم دین کو قائم کرو، اور  
 اُس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ (پھر بھی) مشرکین کو وہ بات بہت گراں گذرتی ہے جس کی طرف تم انہیں دعوت دے رہے ہو۔  
 اللہ جس کو چاہتا ہے، جن کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، اور جو کوئی اُس سے لو لگاتا ہے، اُسے اپنے پاس پہنچا دیتا ہے۔ ۸۵

(۲) یعنی سب کو زبردستی مسلمان بنا دیتا، لیکن انسان کو پیدا کرنے کا اصل مقصد ہی یہ تھا کہ لوگ زبردستی نہیں، بلکہ خود اپنے  
 اختیار سے سوچ سمجھ کر حق کو قبول کریں۔ اسی میں اُن کا امتحان ہے جس پر آخرت کی جزا اور سزا مرتب ہونے والی ہے، اس  
 لئے اللہ تعالیٰ نے کسی کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں چاہا۔



وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعِيًّا بَيْنَهُمْ ۖ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّفُتِيَ بَيْنَهُمْ ۖ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكُتُبَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿۱۳﴾ فَلِذَلِكَ فَادْعُ ۖ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَقُلْ آمَنْتُ بِهَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كُتُبٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۖ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۖ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿۱۴﴾ وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۱۵﴾ اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْيِزَانَ ۖ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ﴿۱۶﴾

اور لوگوں نے آپس کی عداوتوں کی وجہ سے (دین میں) جو تفرقہ ڈالا ہے وہ اس کے بعد ہی ڈالا ہے جب ان کے پاس یقینی علم آچکا تھا۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک معین مدت تک کے لئے ایک بات پہلے سے طے نہ ہوتی تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ اور ان لوگوں کے بعد جن کو کتاب کا وارث بنایا گیا ہے، وہ اُس کے بارے میں ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے انہیں خلجان میں ڈال کھا ہے۔ ﴿۱۳﴾ لہذا (اے پیغمبر!) تم اُسی بات کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہو، اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے، (اسی دین پر) جمے رہو، اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو، اور کہہ دو کہ: ”میں تو اُس کتاب پر ایمان لایا ہوں جو اللہ نے نازل کی ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہمارا بھی رُب ہے، اور تمہارا بھی رُب ہے۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں، اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان (اب) کوئی بحث نہیں۔ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا، اور اُسی کے پاس آخر سب کو لوٹنا ہے۔“ ﴿۱۴﴾ اور جو لوگ اللہ کے بارے میں بحثیں نکالتے ہیں جبکہ لوگ اُس کی بات مان چکے ہیں، اُن کی بحث اُن کے پروردگار کے نزدیک باطل ہے، اور اُن پر (اللہ کا) غضب ہے، اور اُن کے لئے سخت عذاب۔ ﴿۱۵﴾ اللہ وہ ہے جس نے حق پر مشتمل یہ کتاب اور انصاف کی ترازو اتاری ہے۔ اور تمہیں کیا پتہ، شاید کہ قیامت کی گھڑی قریب ہی ہو۔ ﴿۱۶﴾

(۳) پہلے سے طے شدہ بات یہ تھی کہ ان لوگوں کو ایک دم کسی عذاب سے ہلاک نہیں کیا جائے گا، بلکہ مہلت دی جائے گی جس میں اگر یہ چاہیں تو ایمان لاسکیں۔



يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا  
 الْحَقُّ ۚ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝ (۱۸) اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ  
 مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝ (۱۹) مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۚ وَمَنْ  
 كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ۝ (۲۰) أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ  
 شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّ  
 الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (۲۱) تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُمْ لَا يَهْتُمُّونَ  
 بِالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَتِ الْجَنَّةِ ۚ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ  
 ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝ (۲۲)

جو لوگ اُس پر ایمان نہیں رکھتے، وہ اُس کے آنے کی جلدی مچاتے ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ اُس سے سہمے  
 رہتے ہیں، اور جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ ارے جو لوگ قیامت کے بارے میں بخشیں کر رہے ہیں، وہ گمراہی میں بہت  
 دُور چلے گئے ہیں۔ (۱۸) اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے، وہ جس کو چاہتا ہے، رزق دیتا ہے، اور وہی ہے جو قوت کا  
 بھی مالک ہے، اقتدار کا بھی مالک۔ (۱۹) جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہو، ہم اُس کی کھیتی میں اور اضافہ کریں گے، اور جو  
 شخص (صرف) دُنیا کی کھیتی چاہتا ہو، ہم اُسے اُسی میں سے دے دیں گے، (۲۰) اور آخرت میں اُس کا کوئی حصہ نہیں۔ (۲۱)  
 کیا ان (کافروں) کے کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین طے کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت  
 نہیں دی ہے؟ اور اگر (اللہ کی طرف سے) فیصلہ کن بات طے شدہ نہ ہوتی تو ان کا معاملہ چکا دیا گیا ہوتا۔ اور یقین رکھو  
 کہ ان ظالموں کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔ (۲۲) (اُس وقت) تم ان ظالموں کو دیکھو گے کہ انہوں نے جو کمائی کی  
 ہے، اُس (کے وبال) سے سہمے ہوئے ہوں گے، اور وہ ان پر پڑ کر رہے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے  
 نیک عمل کئے ہیں، وہ جنتوں کی کیاریوں میں ہوں گے۔ انہیں اپنے پروردگار کے پاس وہ سب کچھ ملے گا جو وہ چاہیں  
 گے۔ یہی بڑا فضل ہے۔ (۲۳)

(۲۳) یہی مضمون سورہ بنی اسرائیل (۱۸:۱۷) میں گزرا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص صرف دُنیا کی بہتری چاہے،  
 اُس کو دُنیا کی نعمتیں دی جاتی ہیں، لیکن ہر مانگی ہوئی چیز پھر بھی نہیں ملتی، بلکہ جس کو اللہ تعالیٰ دینا چاہتا ہے، اور جتنا دینا چاہتا ہے،  
 اُتنا دیتا ہے۔



ذٰلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللّٰهَ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۖ قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْبَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۖ وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نّٰزِدْ لَهُ فِيْهَا حُسْنًا ۖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾  
 اَمْرٍ يَقُوْلُوْنَ اِفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۖ فَاِنْ يَّشَا اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلَى قَلْبِكَ ۖ وَيَبْحِ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقِّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهِ ۖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾ وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَيَسْتَجِيبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۖ وَالْكَافِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾

یہی وہ چیز ہے جس کی خوشخبری اللہ اپنے اُن بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں۔ (اے پیغمبر! کافروں سے) کہہ دو کہ: ”میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، سوائے رشتہ داری کی محبت کے“۔ اور جو شخص کوئی بھلائی کرے گا، ہم اُس کی خاطر اُس بھلائی میں مزید خوبی کا اضافہ کر دیں گے۔ یقین جانو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا قدردان ہے۔ ﴿۲۳﴾ بھلا کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ کلام خود گھڑ کر جھوٹ موٹ اللہ کے ذمے لگا دیا ہے؟ حالانکہ اگر اللہ چاہے تو تمہارے دل پر مہر لگا دے، اور اللہ تو باطل کو مٹاتا ہے، اور حق کو اپنے کلمات کے ذریعے ثابت کرتا ہے۔ یقیناً وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں تک کو جانتا ہے۔ ﴿۲۴﴾ اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے، اور گناہوں کو معاف کرتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اُس کا پورا علم رکھتا ہے۔ ﴿۲۵﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، وہ اُن کی دعا سنتا ہے، اور انہیں اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے۔ اور کافروں کے لئے سخت عذاب ہے۔ ﴿۲۶﴾

(۵) قریش مکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو رشتہ داریاں تھیں، اُن کے حوالے سے فرمایا جا رہا ہے کہ میں تم سے تبلیغ کی کوئی اجرت تو نہیں مانگتا، لیکن کم از کم اتنا تو کرو کہ تم پر میری رشتہ داری کے جو حقوق ہیں، ان کا لحاظ کرتے ہوئے مجھے تکلیف نہ دو، اور میرے راستے میں رُکاوٹیں پیدا نہ کرو۔

(۶) یعنی اُس بھلائی پر جتنا اجر ملنا چاہئے تھا، اُس سے زیادہ دیں گے۔

(۷) یعنی اگر (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے گھڑ کر یہ قرآن بنا رہے ہوتے تو اللہ تعالیٰ آپ کے دل پر مہر لگا دیتا، جس کی وجہ سے آپ کو ایسا کلام پیش کرنے پر قدرت ہی نہ ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے تو اُس کی بات کو چلنے نہیں دیتے، اور باطل کو مٹا دیتے ہیں۔ اس کے برعکس سچے نبی کے دعوے کو اپنے کلمات کے ذریعے ثابت فرماتا ہے۔



وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قُطِّعُوا وَيُنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا مِنْ دَأْبَةٍ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ﴿۳۰﴾ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ إِنَّ يَسَاءَ لِمُكَرِّمِي الرِّيحِ فَيَظْلَنَ رَاوَاكِدَ عَلَى ظَهْرِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۳۳﴾ أَوْ يُوقِنُ أَنَّ بِمَا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ﴿۳۴﴾ وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا ۚ مَا لَهُمْ مِنْ مَّحِيصٍ ﴿۳۵﴾ فَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَّاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۳۶﴾

اور اگر اللہ اپنے تمام بندوں کے لئے رزق کو کھلے طور پر پھیلا دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کرنے لگتے، مگر وہ ایک خاص انداز سے جتنا چاہتا ہے (رزق) اتارتا ہے۔ یقیناً وہ اپنے بندوں سے پوری طرح باخبر، اُن پر نظر رکھنے والا ہے۔ ﴿۲۷﴾ اور وہی ہے جو لوگوں کے نا اُمید ہونے کے بعد بارش برساتا اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے، اور وہی ہے جو (سب کا) قابلِ تعریف رکھوالا ہے۔ ﴿۲۸﴾ اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور وہ جاندار جو اُس نے ان دونوں میں پھیلا رکھے ہیں۔ اور وہ جب چاہے، ان کو جمع کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۲۹﴾ اور تمہیں جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے پہنچتی ہے، اور بہت سے کاموں سے تو وہ درگزر ہی کرتا ہے۔ ﴿۳۰﴾ اور تمہاری مجال نہیں ہے کہ زمین میں (اللہ کو) عاجز کر سکو، اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی رکھوالا ہے، نہ مددگار۔ ﴿۳۱﴾ اور اُس کی نشانیوں میں سے ہیں سمندر میں یہ پہاڑوں جیسے جہاز! ﴿۳۲﴾ اگر وہ چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے، جس سے یہ سمندر کی پشت پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں — یقیناً اس میں ہر اُس شخص کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو صبر کا بھی خوگر ہو، شکر کا بھی — ﴿۳۳﴾ یا (اگر اللہ چاہے) تو ان جہازوں کو لوگوں کے بعض اعمال کی وجہ سے تباہ ہی کر دے، اور بہت سوں سے درگزر کر جائے، ﴿۳۴﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں میں جھگڑے ڈالتے ہیں، انہیں پتہ چل جائے کہ اُن کے لئے کوئی بچاؤ کی جگہ نہیں ہے۔ ﴿۳۵﴾ غرض تمہیں جو کوئی چیز دی گئی ہے، وہ دُنیوی زندگی کی پونجی ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ اُن لوگوں کے لئے کہیں بہتر اور پائیدار ہے جو ایمان لائے ہیں، اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ﴿۳۶﴾



وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْأَثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۳۹﴾ وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ﴿۴۰﴾ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۴۱﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ﴿۴۲﴾ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴۳﴾ وَلَمَنِ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۴۴﴾ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهِ ۖ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَبَّاسًا أَوَّالِ الْعَذَابِ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلٍ ﴿۴۵﴾

اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں، اور جب اُن کو غصہ آتا ہے تو وہ درگزر سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۳۸﴾ اور جنہوں نے اپنے پروردگار کی بات مانی ہے، اور نماز قائم کی ہے، اور اُن کے معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں، اور ہم نے انہیں جو رزق دیا ہے، اُس میں سے وہ (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں، ﴿۳۹﴾ اور جب اُن پر کوئی زیادتی ہوتی ہے تو وہ اپنا دفاع کرتے ہیں۔ ﴿۴۰﴾ اور کسی بُرائی کا بدلہ اُسی جیسی بُرائی ہے۔ ﴿۴۱﴾ پھر بھی جو کوئی معاف کر دے، اور اصلاح سے کام لے تو اُس کا ثواب اللہ نے ذمے لیا ہے۔ یقیناً وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۴۲﴾ اور جو شخص اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد (برابر کا) بدلہ لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے۔ ﴿۴۳﴾ الزام تو اُن پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ﴿۴۴﴾ اور یہ حقیقت ہے کہ جو کوئی صبر سے کام لے، اور درگزر کر جائے تو یہ بڑی ہمت کی بات ہے۔ ﴿۴۵﴾ اور جسے اللہ گمراہ کر دے، تو اس کے بعد کوئی نہیں ہے جو اُس کا مددگار بنے۔ اور جب ظالموں کو عذاب نظر آجائے گا تو تم انہیں یہ کہتا ہوا دیکھو گے کہ: ”کیا واپس جانے کا بھی کوئی راستہ ہے؟“ ﴿۴۶﴾

(۸) یعنی اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کی جائے تو مظلوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اتنی ہی تکلیف ظالم کو پہنچا دے جتنی اُس نے پہنچائی تھی، لیکن آگے اس بات کی بڑی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے کہ انسان بدلہ لینے کے بجائے صبر کر کے معاف کر دے۔



وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَشِيعِينَ مِنَ الدُّلِّ يَنْظُرُونَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۖ وَقَالَ الَّذِينَ  
 آمَنُوا إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ أَلَا إِنَّ الظَّالِمِينَ فِي  
 عَذَابٍ مُّقِيمٍ ۝۴۵ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُونَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ  
 فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ۝۴۶ اسْتَجِيبُوا لِلرَّبِّ كَمَا مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۖ مَا لَكُمْ  
 مِنْ مَلْجَأٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَكِيرٍ ۝۴۷ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ إِنْ  
 عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ ۖ وَإِنَّا إِذَا أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَدَحَا بِهَا ۖ وَإِنْ تُصِبُّهُمْ سَيِّئَةٌ يَبَآ  
 قَدَمَتْ أَيْدِيهِمْ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ ۝۴۸ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَخْلُقُ مَا  
 يَشَاءُ ۖ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ۖ لَا أَوْيَزُ وَجْهَهُمْ ذَكَرًا  
 وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ۝۴۹

اور تم انہیں دیکھو گے کہ دوزخ کے سامنے انہیں اس طرح پیش کیا جائے گا کہ وہ ذلت کے مارے جھکے ہوئے کن آنکھوں  
 سے دیکھ رہے ہوں گے۔ اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، وہ کہہ رہے ہوں گے کہ: ”واقعی اصل خسارے میں وہ لوگ ہیں  
 جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈال دیا۔“ یاد رکھو کہ ظالم لوگ ایسے عذاب  
 میں ہوں گے جو ہمیشہ قائم رہے گا، ۴۵ اور ان کو ایسے کوئی مددگار میسر نہیں آئیں گے جو اللہ کو چھوڑ کر ان کی کوئی مدد  
 کریں۔ اور جسے اللہ گمراہ کر دے، اُس کے لئے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ ۴۶ (لوگو!) اپنے پروردگار کی بات اُس  
 دن کے آنے سے پہلے پہلے مان لو جسے اللہ کی طرف سے ٹالا نہیں جائے گا۔ اُس دن تمہارے لئے کوئی جائے پناہ نہیں  
 ہوگی، اور نہ تمہارے لئے پوچھ گچھ کا کوئی موقع ہوگا۔ ۴۷ (اے پیغمبر!) یہ لوگ اگر پھر بھی منہ موڑیں تو ہم نے تمہیں ان  
 پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ تم پر بات پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اور (انسان کا حال یہ ہے کہ) جب ہم  
 انسان کو اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اُس پر اتر اجاتا ہے، اور اگر خود اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی  
 وجہ سے ایسے لوگوں کو کوئی مصیبت پیش آ جاتی ہے تو وہی انسان پکنا شکر ابن جاتا ہے۔ ۴۸ سارے آسمانوں اور زمین کی  
 سلطنت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے، لڑکیاں دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، لڑکے  
 دیتا ہے، ۴۹ یا پھر ان کو ملا جلا کر لڑکے بھی دیتا ہے، اور لڑکیاں بھی، اور جس کو چاہتا ہے، بانجھ بنا دیتا ہے۔ یقیناً وہ علم کا  
 بھی مالک ہے، قدرت کا بھی مالک۔ ۵۰

(۹) یعنی کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ سے یہ پوچھ سکے کہ اس شخص کو یہ سزا کیوں دی گئی ہے، کیونکہ تمام انسانوں پر رحمت پہلے  
 ہی تمام ہو چکی ہوگی۔



وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ  
بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ ﴿٥١﴾ وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ  
تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيْمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ  
لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٥٢﴾ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ لَا  
إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ تَصِيرَ الْأُمُورُ ﴿٥٣﴾

۵۳

اور کسی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ اُس سے (رُوبرو) بات کرے، سوائے اس کے کہ وہ وحی کے ذریعے ہو، یا کسی پردے کے پیچھے سے، یا پھر وہ کوئی پیغام لانے والا (فرشتہ) بھیج دے، اور وہ اُس کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کا پیغام پہنچا دے۔ یقیناً وہ بہت اونچی شان والا، بڑی حکمت کا مالک ہے۔ ﴿۵۱﴾ اور اسی طرح ہم نے تمہارے پاس اپنے حکم سے ایک رُوح بطور وحی نازل کی ہے۔ تمہیں اس سے پہلے نہ یہ معلوم تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے، اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے اس (قرآن) کو ایک نور بنایا ہے جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تم لوگوں کو وہ سیدھا راستہ دکھا رہے ہو ﴿۵۲﴾ جو اللہ کا راستہ ہے، وہ اللہ جس کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے، اور وہ سب کچھ جو زمین میں ہے۔ یاد رکھو کہ سارے معاملات آخر کار اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے۔ ﴿۵۳﴾

(۱۰) اس دُنیا میں کسی انسان سے اللہ تعالیٰ رُوبرو ہو کر ہم کلام نہیں ہوتا، البتہ تین طریقوں میں سے کوئی طریقہ اختیار فرماتا ہے۔ ایک کو وحی سے تعبیر فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو بات فرمانا چاہتا ہے، وہ کسی کے دل میں ڈال دیتا ہے، دوسرے کو پردے کے پیچھے سے تعبیر فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی صورت نظر آئے بغیر کوئی بات کانوں کے ذریعے ہی سنا دی جاتی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا، اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنا کلام کسی فرشتے کے ذریعے کسی پیغمبر کے پاس بھیجا جاتا ہے۔

(۱۱) رُوح سے مراد قرآن کریم اور اُس کے احکام ہیں، کیونکہ وہ انسان کے لئے رُوحانی زندگی کا باعث ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ رُوح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں جنہیں رُوح القدس بھی کہا جاتا ہے، اور قرآن کریم کے نزول کے لئے اللہ تعالیٰ نے اُنہی کو واسطہ بنایا ہے۔

الحمد للہ! سورہ شوریٰ کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج شب جمعہ ۲۴ رذوالحجہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۳ جنوری ۲۰۰۸ء کو کراچی میں تکمیل تک پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ الزُّخْرَفِ

## تعارف

اس سورت کا مرکزی موضوع مشرکین مکہ کی تردید ہے جس میں اُن کے اس عقیدے کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے جس کی رو سے وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ نیز وہ اپنے دین کو صحیح قرار دینے کے لئے یہ دلیل دیتے تھے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طریقے پر پایا ہے۔ اُس کے جواب میں اوّل تو یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ قطعی عقائد کے معاملے میں باپ دادوں کی تقلید بالکل غلط طریقہ عمل ہے، اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حوالہ دے کر فرمایا گیا ہے کہ اگر باپ دادوں ہی کے پیچھے چلنا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کیوں نہیں کرتے جنہوں نے شرک سے کھلم کھلا بیزاری کا اعلان فرمایا تھا۔ مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اعتراضات کیا کرتے تھے، اس سورت میں اُن کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ اُن کا ایک اعتراض یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی پیغمبر بھیجنا ہی تھا تو کسی دولت مند سردار کو اس مقصد کے لئے کیوں نامزد نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ دُنوی مال و دولت کا انسان کے تقدس اور اللہ تعالیٰ کے تقرب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو بھی سونا چاندی اور دُنیا بھر کی دولت دے سکتا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں، کیونکہ آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اس مال و دولت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس سورت نے یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ دُنیا میں اللہ تعالیٰ معاشی وسائل کی تقسیم اپنی حکمت کے مطابق ایک خاص انداز سے فرماتے ہیں، جس کے لئے ایک مستحکم نظام بنایا گیا ہے۔ اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بھی اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے، کیونکہ فرعون کو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہی اعتراض تھا کہ وہ دُنوی مال و دولت کے اعتبار سے کوئی بڑی حیثیت نہیں رکھتے، اور فرعون کے پاس سب کچھ ہے۔ لیکن انجام یہ ہوا کہ فرعون اپنے کفر کی وجہ سے غرق ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام غالب آکر رہے۔ نیز اس سورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی مختصر ذکر فرما کر اُن کی صحیح حیثیت واضح فرمائی گئی ہے۔

”زُخْرَف“ عربی زبان میں سونے کو کہتے ہیں، اور اس سورت کی آیت نمبر ۳۵ میں اُس کا ذکر اسی سیاق میں کیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سارے کافروں کو سونے ہی سونے سے نہال کر دے۔ اسی وجہ سے اس سورت کا نام زُخْرَف ہے۔



﴿۸۹﴾ آیاتھا ۸۹ ﴿۲۳﴾ سُورَةُ النَّازِعَاتِ مَكِّيَّةٌ ۲۳ رُكُوعَاتُهَا ۷

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْدٌ ۱ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۲ اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۳ وَاِنَّهُ فِي اُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلٌّ حَكِيمٌ ۴ اَفَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ ۵ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيِّ فِي الْاَوَّلِينَ ۶ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۷ فَاهْلَكْنَا اشْدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَمَضَىٰ مِثْلُ الْاَوَّلِينَ ۸ وَلَيْنَ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لِيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۹ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۱۰

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں نو اسی آیتیں اور سات رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حَمْدٌ ۱ قسم ہے اس واضح کتاب کی، ۲ ہم نے اسے عربی زبان کا قرآن بنایا ہے، تاکہ تم سمجھو ۳ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بڑے اونچے درجے کی حکمت سے بھری ہوئی کتاب ہے۔ ۴ بھلا کیا ہم منہ موڑ کر اس نصیحت نامے کو تم سے اس بنا پر ہٹالیں کہ تم حد سے گزرے ہوئے لوگ ہو؟ ۵ اور کتنے ہی نبی ہم نے پچھلے لوگوں میں بھی بھیجے ہیں، ۶ اور اُن لوگوں کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کا وہ مذاق نہ اڑاتے ہوں۔ ۷ پھر جو لوگ ان (مکہ والوں) سے کہیں زیادہ زور آور تھے، ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، اور ان پچھلے لوگوں کا حال پیچھے گزر چکا ہے۔ ۸ اور اگر تم ان (مشرکوں) سے پوچھو کہ سارے آسمان اور زمین کس نے پیدا کئے ہیں، تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ: ”اُنہیں اُس ذات نے پیدا کیا ہے جو اقتدار کی بھی مالک ہے، علم کی بھی مالک۔“ ۹ یہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا، اور اُس میں تمہارے لئے راستے بنائے، تاکہ تم منزل تک پہنچ سکو، ۱۰

(۱) قرآن کریم ازل سے لوح محفوظ میں موجود تھا، پھر وہاں سے آسمان دُنیا پر، اور اُس کے بعد حسب موقع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

(۲) یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا ہے کہ جو لوگ نافرمانی میں حد سے گزر گئے ہوں، اُن کو بھی ہدایت کا راستہ دکھایا جاتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ تم پسند کرو یا نا پسند، ہم تمہیں ہدایت کا راستہ بتا کر نصیحت کرنا نہیں چھوڑ سکتے۔



وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيِّتَةً ۚ كَذَلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١١﴾  
 وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ﴿١٢﴾ لَتَسْتَوُوا عَلَىٰ  
 ظُهُورِهِمْ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا  
 وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿١٣﴾ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ﴿١٤﴾ وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا ۖ إِنَّ  
 الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾

اور جس نے آسمان سے ایک خاص انداز سے پانی اتارا، پھر ہم نے اُس کے ذریعے ایک مردہ علاقے کو نئی زندگی دے دی — اسی طرح تمہیں (قبروں سے) نکال کر نئی زندگی دی جائے گی — ﴿١١﴾ اور جس نے ہر طرح کے جوڑے پیدا کئے، اور تمہارے لئے وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سواری کرتے ہو، ﴿١٢﴾ تاکہ تم اُن کی پشت پر چڑھو، پھر جب اُن پر چڑھ کر بیٹھ جاؤ تو اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو، اور یہ کہو کہ: ”پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے بس میں دے دیا، ورنہ ہم میں یہ طاقت نہیں تھی کہ اس کو قابو میں لاسکتے۔“ ﴿١٣﴾ اور بیشک ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔“ ﴿١٤﴾ اور ان (مشرک) لوگوں نے یہ بات بنائی ہے کہ اللہ کا خود اُس کے بندوں میں سے کوئی جزء ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کھلم کھلا ناشکر ہے۔ ﴿١٥﴾

(۳) انسان جن سواریوں پر سواری کرتا ہے، وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ سواریاں جن کے بنانے میں انسان کا کچھ نہ کچھ دخل ہوتا ہے۔ کشتیوں سے اس قسم کی سواریوں کی طرف اشارہ ہے، اور دوسری قسم کی سواریاں وہ ہیں جن کے بنانے میں انسان کا کوئی دخل ہی نہیں ہے، جیسے گھوڑے، اونٹ اور سواری کے دوسرے جانور، چوپایوں سے اُن کی طرف اشارہ ہے۔ اور آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ دونوں قسم کی سواریاں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں۔ سواری کے جانور اگرچہ انسان سے کہیں زیادہ طاقتور ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں انسان کے اس طرح قابو میں دے دیا ہے کہ ایک بچہ بھی اُن کو لگام دے کر جہاں چاہے لئے پھرتا ہے۔ اور جن سواریوں کی صنعت میں انسان کا کچھ دخل ہے، مثلاً کشتیاں، جہاز، کاریں، ریلیں وغیرہ، اُن کا خام مواد بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو اتنی سمجھ دی ہے کہ وہ یہ سواریاں بنانے کے قابل ہوا۔

(۴) یہ وہ دعا ہے جو کسی سواری پر سوار ہونے کے وقت پڑھنی چاہئے۔ اس میں اول تو اس بات کا شکر اور اعتراف ہے کہ یہ سواری اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، اور دوسرے اس کے آخری جملے میں انسان کو اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ دنیا میں کوئی بھی سفر کرتے وقت یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ اُسے ایک آخری سفر پیش آنے والا ہے جس میں وہ دنیا کو چھوڑ کر اپنے پروردگار کے پاس پہنچے گا، اور اُس وقت اپنے سارے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔ اس لئے یہاں رہتے ہوئے کوئی کام ایسا نہیں کرنا چاہئے جس کے نتیجے میں وہاں شرمندگی اُٹھانی پڑے۔

(۵) مشرکین عرب یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ یہاں سے اُن کے اس عقیدے کی تردید کی جا رہی ہے،



أَمَّا اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بِنْتٍ وَأَصْفَاكُمْ بِالْبَنِينَ ﴿١٦﴾ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿١٧﴾ أَوْ مَن يَنْشَأُ فِي الْحُلِيِّةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ﴿١٨﴾ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَاثًا أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ ۖ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ﴿١٩﴾ وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ ۚ مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ ؕ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٢٠﴾

بھلا کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لئے تو بیٹیاں پسند کی ہیں، اور تمہیں بیٹوں کے لئے منتخب کیا ہے؟ ﴿۱۶﴾ حالانکہ ان میں سے کسی کو جب اُس (بیٹی) کی (ولادت) کی خوشخبری دی جاتی ہے جو اُس نے خدائے رحمن کی طرف منسوب کر رکھی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے، اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے۔ ﴿۱۷﴾ اور کیا (اللہ نے ایسی اولاد پسند کی ہے) جو زیوروں میں پالی پوسی جاتی ہے، اور جو بحث مباحثے میں اپنی بات کھل کر بھی نہیں کہہ سکتی؟ ﴿۱۸﴾ اس کے علاوہ انہوں نے فرشتوں کو جو خدائے رحمن کے بندے ہیں، مؤنث بنا دیا ہے۔ کیا یہ لوگ اُن کی تخلیق کے وقت موجود تھے؟ ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جائے گا، اور ان سے باز پرس ہوگی۔ ﴿۱۹﴾ اور یہ کہتے ہیں کہ: ”اگر خدائے رحمن چاہتا تو ہم ان (فرشتوں) کی عبادت نہ کرتے۔“ ان کو اس بات کی حقیقت کا ذرا بھی علم نہیں ہے، اور ان کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ اندازوں کے تیر چلاتے ہیں۔ ﴿۲۰﴾

اور اُس کے خلاف چار دلیلیں اگلی آیتوں میں (آیت نمبر ۲۱ تک) پیش کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی اولاد ہونا ناممکن ہے، اس لئے کہ اولاد ماں باپ کا جزء ہوتی ہے، کیونکہ وہ اُن کے نطفے سے پیدا ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا کوئی جزء نہیں ہو سکتا، وہ ہر قسم کے اجزاء سے پاک ہے، لہذا اُس کی کوئی اولاد نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ ان مشرکین کا اپنا حال یہ ہے کہ وہ اپنے لئے بیٹیوں کی ولادت کو عار سمجھتے ہیں، اور اگر کسی کے یہاں کوئی لڑکی پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اس پر بہت مغموم ہوتا ہے۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ بیٹی کو خود اپنے لئے تو عیب سمجھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُس کی بیٹیاں ہیں۔ تیسرے اس عقیدے کی رُو سے فرشتے مؤنث قرار پاتے ہیں، حالانکہ وہ مؤنث نہیں ہیں۔ چوتھے اگرچہ عورت ہونا حقیقت میں کوئی عیب یا عار کی بات نہیں ہے، لیکن عام طور سے عورتوں کی صلاحیتیں مردوں کے مقابلے میں کم ہوتی ہیں، کیونکہ اُن کی زیادہ توجہ زیورات اور زیب و زینت کی طرف رہتی ہے، اور اپنی بات کو خوب واضح کر کے کہنے کی صلاحیت بھی اکثر اُن میں کم ہوتی ہے۔ لہذا اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کو کوئی اولاد رکھنی منظور ہوتی تو وہ مؤنث ہی کا کیوں انتخاب فرماتا؟



أَمْ آتَيْنَهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَسْكُونَ ﴿٢١﴾ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّقْتَدُونَ ﴿٢٢﴾ وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّقْتَدُونَ ﴿٢٣﴾ قُلْ أَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿٢٤﴾

فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَنْظَرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٥﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿٢٦﴾ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ﴿٢٧﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾

بھلا کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کوئی کتاب دی تھی جسے یہ تھامے بیٹھے ہیں؟ ﴿۲۱﴾ نہیں، بلکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا ہے، اور ہم انہی کے نقشِ قدم کے مطابق ٹھیک ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔ ﴿۲۲﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے جب بھی کسی بستی میں کوئی خبردار کرنے والا (پیغمبر) بھیجا تو وہاں کے دولت مند لوگوں نے یہی کہا کہ: ”ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا ہے، اور ہم انہی کے نقشِ قدم کے پیچھے چل رہے ہیں۔“ ﴿۲۳﴾ پیغمبر نے کہا کہ: ”تم نے اپنے باپ دادوں کو جس طریقے پر پایا ہے، اگر میں تمہارے پاس اُس سے زیادہ ہدایت کی بات لے کر آیا ہوں تو کیا پھر بھی (تم اپنے طریقے پر چلے جاؤ گے؟)“ انہوں نے جواب دیا کہ: ”تم جو پیغام دے کر بھیجے گئے ہو، ہم تو اُس کو ماننے والے نہیں ہیں۔“ ﴿۲۴﴾ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُن سے انتقام لیا، اب دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿۲۵﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”میں اُن چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو، ﴿۲۶﴾ سوائے اُس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، چنانچہ وہی میری رہنمائی کرتا ہے۔“ ﴿۲۷﴾ اور ابراہیم نے اس (عقیدے) کو ایسی بات بنا دیا جو اُن کی اولاد میں باقی رہی، تاکہ لوگ (شرک سے) باز آئیں۔ ﴿۲۸﴾

﴿۲۶﴾ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوئی عقیدہ یا تو اُس وقت رکھا جاسکتا ہے جب وہ ہر عقل والے انسان کے لئے بالکل بدیہی طور پر واضح ہو، یا پھر خود اللہ تعالیٰ نے کسی آسمانی کتاب کے ذریعے اُس کی وضاحت فرمائی ہو۔ مشرکین کے عقیدوں کی دونوں طرح کوئی بنیاد نہیں ہے۔ ان کا عقیدہ عقل کے بھی خلاف ہے، اور ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی کوئی کتاب بھی ایسی نہیں ہے جس میں ایسے عقائد بیان کئے گئے ہوں۔



بَلْ مَتَّعْتُ هَؤُلَاءِ وَاَبَاءَهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ  
 قَالُوا هَذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ  
 الْقُرَيْتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۖ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ  
 الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سَخِرِيًّا ۖ وَرَحْمَتُ  
 رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْعُونَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَا اَنْ يَّكُونَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ  
 بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقْفًا مِّنْ فِصَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوتِهِمْ اَبْوَابًا وَسُرُورًا  
 عَلَيْهَا يَتَّكُونَ ﴿۳۴﴾

(پھر بھی بہت سے لوگ باز نہ آئے) اس کے باوجود میں نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو زندگی کے فائدے دیئے،  
 یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور صاف صاف ہدایت دینے والا پیغمبر آ گیا۔ ﴿۲۹﴾ اور جب وہ حق ان کے پاس آیا تو وہ  
 کہنے لگے کہ: ”یہ تو جادو ہے، اور ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔“ ﴿۳۰﴾ اور کہنے لگے کہ: ”یہ قرآن دو بستیوں میں سے کسی  
 بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟“ ﴿۳۱﴾ بھلا کیا یہ لوگ ہیں جو تمہارے پروردگار کی رحمت تقسیم کریں گے؟ ﴿۸﴾ دنیوی  
 زندگی میں ان کی روزی کے ذرائع بھی ہم نے ہی ان کے درمیان تقسیم کر رکھے ہیں، اور ہم نے ہی ان میں سے ایک کو  
 دوسرے پر درجات میں فوقیت دی ہے، تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔ اور تمہارے پروردگار کی رحمت تو اُس  
 (دولت) سے کہیں بہتر چیز ہے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔ ﴿۳۲﴾ اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمام انسان ایک ہی طریقے کے  
 (یعنی کافر) ہو جائیں گے تو جو لوگ خدائے رحمن کے منکر ہیں، ہم اُن کے لئے اُن کے گھروں کی چھتیں بھی چاندی کی  
 بنادیتے، اور وہ سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں، ﴿۳۳﴾ اور اُن کے گھروں کے دروازے بھی، اور وہ تخت بھی جن پر وہ  
 تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں، ﴿۳۴﴾

﴿۸﴾ دو بستیوں سے مراد مکہ مکرمہ اور طائف کے شہر ہیں۔ چونکہ اس علاقے میں یہی دو بڑے شہر تھے، اس لئے مشرکین نے یہ کہا  
 کہ ان شہروں کے دولت مند سرداروں پر قرآن نازل ہونا چاہئے تھا۔

﴿۸﴾ یہاں رحمت سے مراد نبوت ہے، اور مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ جو تجویز پیش کر رہے ہیں کہ قرآن مکہ یا طائف کے کسی بڑے  
 آدمی پر نازل ہونا چاہئے تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو اس فیصلے کا حق دار سمجھتے ہیں کہ نبوت کی رحمت کس کو عطا  
 کی جائے، کس کو نہ کی جائے۔

﴿۹﴾ یہاں پھر رحمت سے مراد نبوت ہے، اور مطلب یہ ہے کہ نبوت تو بہت اعلیٰ درجے کی چیز ہے، اُس کی تقسیم کا کام ان لوگوں



وَزُخْرَفًا وَإِنْ كُلُّ ذَلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ ۝۳۰ وَمَنْ  
يَعِشْ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقِيضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۝۳۱ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ  
وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُونَ ۝۳۲ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ نَا قَالْ يَلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ  
فَبِئْسَ الْقَرِينُ ۝۳۳ وَلَنْ يَنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝۳۴

بلکہ انہیں سونا بنادیتے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ بھی نہیں، صرف دُنیوی زندگی کا سامان ہے۔ اور آخرت تمہارے  
پروردگار کے نزدیک پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ ۝۳۵

اور جو شخص خدائے رحمن کے ذکر سے اندھا بن جائے، ہم اُس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اُس کا ساتھی بن جاتا  
ہے۔ ۝۳۶ ایسے شیاطین اُن کو راستے سے روکتے رہتے ہیں، اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک راستے پر ہیں۔ ۝۳۷ یہاں تک کہ  
جب ایسا شخص ہمارے پاس آئے گا تو (اپنے شیطان ساتھی سے) کہے گا کہ: ”کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق  
و مغرب کا فاصلہ ہوتا، کیونکہ تو بہت بُرا ساتھی تھا۔“ ۝۳۸ اور آج جب تم ظلم کر چکے ہو تو تمہیں یہ بات ہرگز کوئی فائدہ نہیں  
پہنچائے گی کہ تم عذاب میں ایک دوسرے کے شریک ہو۔ ۝۳۹

کے حوالے کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دُنیا کا مال و دولت اور روزی کے ذرائع جو نبوت سے بہت کم درجے کی چیز ہیں،  
اُن کی تقسیم بھی ہم نے ان لوگوں کے حوالے نہیں کی، کیونکہ یہ اُس کے بھی اہل نہیں تھے، بلکہ خود ایسا نظام بنایا ہے جس کے ذریعے  
ہر شخص کو اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے دوسرے کا محتاج بنادیا ہے، اسی باہمی احتیاج کی بنیاد پر لوگوں کی آمدنی میں بھی فرق  
ہے، اور اسی فرق کی بنیاد پر ایک شخص دوسرے کی حاجتیں پوری کرتا ہے، ”تا کہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں“ کا یہی  
مطلب ہے۔ اس مسئلے کی مکمل تفصیل کے لئے اس آیت کے تحت تفسیر ”معارف القرآن“ کا مطالعہ فرمایا جائے۔

(۱۰) بتلانا یہ مقصود ہے کہ دُنیا کا مال و دولت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی بے حقیقت چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے ناراض ہونے  
کے باوجود اُن کے آگے سونے چاندی کے ڈھیر لگا سکتا ہے۔ اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ مال و دولت کی حقیقت نہ سمجھنے کی وجہ  
سے کافروں کی دولت کو دیکھ کر کافر ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کافروں کے گھر اور اُن کے گھر کا سارا ساز و سامان سونے چاندی کا  
بنادیتا، کیونکہ وہ فنا ہونے والی چیزیں ہیں، اور اصل دولت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی ابدی زندگی کی خوش حالی ہے جو  
پرہیزگاروں ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ لہذا کسی دولت مند شخص پر نازل کرنے کا مطالبہ سراسر لغو مطالبہ ہے۔

(۱۱) اس سے معلوم ہوا کہ بے فکری کے ساتھ گناہ کئے جانے اور اُس پر شرمندہ نہ ہونے کا ایک عذاب یہ ہوتا ہے کہ ایسے شخص پر  
شیطان مسلط ہو جاتا ہے جو اُسے نیکی کی طرف آنے نہیں دیتا، اور گناہ کی زندگی پر ہی مگن رکھتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

(۱۲) دُنیا میں یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک ہی قسم کی تکلیف بہت سے آدمیوں کو ایک ساتھ ہو رہی ہو تو اُس سے ہر ایک کے دل میں  
تکلیف کا احساس کچھ کم ہو جاتا ہے کہ اس تکلیف میں میں تنہا نہیں ہوں، بلکہ دوسرے بھی میرے ساتھ شریک ہیں۔ لیکن دوزخ



أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْى وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ ۝ أَوْ نُرِيَنَّكَ الْآزِمَى وَعَذَابُهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُونَ ۝ فَاسْتَسْئِلُكَ بِالْآزِمَى أَوْ حَى إِلَيْكَ ۚ إِنَّكَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ۝ وَسَأَلْنَا مَنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهَةً يُعْبَدُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَى بِآيَاتِنَا إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ ۚ الْعَالَمِينَ ۝ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ ۝ وَمَأْنُرِيهِمْ مِّنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا ۚ وَأَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝

تو پھر (اے پیغمبر!) کیا تم بہروں کو سناؤ گے، یا اندھوں کو اور اُن لوگوں کو راستے پر لاؤ گے جو کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں؟ ۲۰ اب تو یہی ہوگا کہ اگر ہم تمہیں دُنیا سے اٹھالیں، تب بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں، ۲۱ یا اگر تمہیں بھی وہ (عذاب) دکھادیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے، تب بھی ہمیں ان پر ہر طرح کی قدرت حاصل ہے۔ ۲۲ لہذا تم پر جو وحی نازل کی گئی ہے، اُسے مضبوطی سے تھامے رکھو۔ یقیناً تم سیدھے راستے پر ہو۔ ۲۳ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ وحی تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے ایک نیک نامی کا ذریعہ ہے، اور تم سب سے پوچھا جائے گا (کہ تم نے اس کا کیا حق ادا کیا؟) ۲۴ اور تم سے پہلے ہم نے اپنے جو پیغمبر بھیجے ہیں، اُن سے پوچھ لو کہ کیا ہم نے خدائے رحمن کے سوا کوئی اور معبود بھی مقرر کئے تھے جن کی عبادت کی جائے؟ ۲۵ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس بھیجا تھا، چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ: ”میں رَبِّ الْعَالَمِينَ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔“ ۲۶ پھر جب اُنہوں نے ہماری نشانیاں اُن کے سامنے پیش کیں تو وہ اُن کا مذاق اڑانے لگے۔ ۲۷ اور ہم اُنہیں جو نشانی بھی دکھاتے، وہ پہلی نشانی سے بڑھ چڑھ کر ہوتی تھی، اور ہم نے اُنہیں عذاب میں بھی پکڑا، تاکہ وہ باز آجائیں۔ ۲۸

میں ایسا نہیں ہوگا، کیونکہ ہر ایک کی تکلیف اتنی زیادہ ہوگی کہ دوسروں کے اُسی تکلیف میں مبتلا ہونے کے احساس سے بھی اُس میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

(۱۳) یعنی اُن پر جو آسمانی کتابیں نازل ہوئی تھیں، اُن میں دیکھ لو کہ اُن کو کیا تعلیم دی گئی تھی۔

(۱۴) ان سے مراد وہ بلائیں ہیں جن میں مصر والوں کو یکے بعد دیگرے مبتلا کیا گیا، اور جن کی تفصیل سورہ اعراف (۷: ۱۳۳ تا ۱۳۵) میں گزر چکی ہے۔



وَقَالُوا يَا أَيُّهَ السَّحَرَاءُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۖ إِنَّا لَنُكْفِرُكَ ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ  
 الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ۝۵۰ وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يُقَوْمُوا لِي مَلِكٌ مِّصْرَ  
 وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝۵۱ أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ ۚ  
 وَلَا يَكَادُ يُبَيِّنُ ۝۵۲ فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلِكَةُ مُقْتَرِنِينَ ۝۵۳  
 فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَاطَاعُوهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝۵۴ فَلَمَّا آسَفُونَا انتَقْنَا مِنْهُمْ  
 ۚ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝۵۵ فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ ۝۵۶ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا  
 قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ۝۵۷

اور وہ یہ کہنے لگے کہ: ”اے جادوگر! تم سے تمہارے پروردگار نے جو عہد کر رکھا ہے، اُس کا واسطہ دے کر اُس سے  
 ہمارے لئے دُعا کرو، ہم یقیناً راہِ راست پر آجائیں گے۔“ ۝۴۹ پھر جب ہم اُن سے عذاب کو دور کر دیتے تو پل بھر میں  
 وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے تھے۔ ۝۵۰ اور فرعون نے اپنی قوم کے درمیان پکار کر کہا کہ: ”اے میری قوم! کیا مصر کی سلطنت  
 میرے قبضے میں نہیں ہے؟ اور (دیکھو) یہ دریا میرے نیچے بہہ رہے ہیں۔ کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟ ۝۵۱ یا پھر مانو کہ میں  
 اس شخص سے کہیں بہتر ہوں جو بڑا حقیر قسم کا ہے، اور اپنی بات کھل کر کہنا بھی اس کے لئے مشکل ہے۔ ۝۵۲ بھلا (اگر یہ  
 پیغمبر ہے تو) اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے؟ یا پھر اس کے ساتھ فرشتے پرے باندھے ہوئے کیوں نہ  
 آئے؟“ ۝۵۳ اس طرح اُس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا، اور انہوں نے اس کا کہنا مان لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سب  
 گنہگار لوگ تھے۔ ۝۵۴ چنانچہ جب انہوں نے ہمیں ناراض کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا، اور ان سب کو غرق  
 کر دیا۔ ۝۵۵ اور ہم نے انہیں ایک گئی گزری قوم اور بعد والوں کے لئے عبرت کا نمونہ بنا دیا۔ ۝۵۶  
 اور جب (عیسیٰ) ابن مریم کی مثال دی گئی تو تمہاری قوم کے لوگ یکا یک شور مچانے لگے۔ ۝۵۷

(۱۵) اس آیت میں فرعون کو بھی گنہگار کہا گیا ہے، اور اُس کی قوم کو بھی۔ فرعون تو اس لئے گنہگار تھا کہ اُس نے اپنی سلطنت کو  
 خدائی کی علامت قرار دے کر خدائی کا دعویٰ کیا، اور اپنی قوم کو بے وقوف بنایا۔ اور اُس کی قوم اس لئے گنہگار تھی کہ اُس نے ایسے  
 گمراہ شخص کو اپنا حکمران تسلیم کیا، اور اُس کی تمام گمراہیوں میں اُس کی پیروی کی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی قوم پر کوئی  
 گمراہ شخص مسلط ہو جائے، اور وہ اپنی طاقت کے مطابق اُسے ہٹانے کی کوشش کرنے کے بجائے ہر غلط کام میں اُس کی اطاعت  
 کئے جائے تو وہ بھی مجرم قرار پاتی ہے۔

(۱۶) جب سورۃ انبیاء کی وہ آیت نازل ہوئی جس میں بت پرستوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا تھا کہ: ”یقین رکھو کہ تم اور جن کی تم  
 اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔“ (۹۸:۲۱) تو ایک کافر نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ بہت



وَقَالُوا إِلَهْتَنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۖ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿۵۸﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَآءِيلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُقُونَ ﴿۶۰﴾ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُون ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۶۲﴾

اور کہنے لگے کہ: ”ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟“ انہوں نے تمہارے سامنے یہ مثال محض کٹ جتی کے لئے دی ہے، بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ ﴿۵۸﴾ وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) تو بس ہمارے ایک بندے تھے جن پر ہم نے انعام کیا تھا، اور بنی اسرائیل کے لئے اُن کو ایک نمونہ بنایا تھا۔ ﴿۵۹﴾ اور اگر ہم چاہیں تو تم سے فرشتے پیدا کر دیں جو زمین میں ایک دوسرے کے جانشین بن کر رہا کریں۔ ﴿۶۰﴾ اور یقین رکھو کہ وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی ایک نشانی ہیں، اس لئے تم اس میں شک نہ کرو، اور میری بات مانو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ ﴿۶۱﴾ اور ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ شیطان تمہیں اس راستے سے روک دے۔ یقین جانو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ﴿۶۲﴾

سے لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی عبادت کرتے ہیں، اس لئے اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ (معاذ اللہ) وہ بھی جہنم کا ایندھن نہیں، حالانکہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔ اُس کی یہ بات سن کر دوسرے کافروں نے خوب شور مچایا کہ واقعی اس شخص نے بہت زبردست اعتراض کیا ہے، حالانکہ اعتراض بالکل لغو تھا، کیونکہ اُس آیت میں بت پرستوں سے خطاب تھا، عیسائیوں سے نہیں، اور اس میں بتوں کے علاوہ وہ لوگ شامل تھے جنہوں نے لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہو۔ لہذا اُس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے داخل ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ یہ آیتیں اس موقع پر نازل ہوئی تھیں۔ اس آیت کے شان نزول میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ کافر لوگوں میں سے کسی نے یہ کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت اپنے آپ کو اسی طرح خدا کا بیٹا قرار دیں گے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا تھا، اس پر بھی دوسرے مشرکین نے اُس کی تعریف میں خوشی سے شور مچایا، اور اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ دونوں واقعے پیش آئے ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کا جامع جواب اس آیت کے ذریعے نازل فرما دیا ہو۔

(۱۷) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ نہ خود انہوں نے اپنی خدائی کا دعویٰ کیا تھا، اور نہ ہم نے انہیں اپنا بیٹا قرار دیا تھا، بلکہ انہیں اپنی قدرت کی ایک نشانی بنا کر بھیجا تھا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ عیسائی لوگ اس بنا پر انہیں خدا کہنے لگے، حالانکہ بغیر باپ کے پیدا ہونا خدائی کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے، اور انہیں کوئی بھی خدا نہیں مانتا۔ درحقیقت اُن کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک مظاہرہ تھا، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو اس سے بھی زیادہ عجیب کام کر دیں کہ انسانوں سے فرشتے پیدا کر دیں جو اسی طرح ایک دوسرے کے جانشین ہوں جیسے انسان ایک دوسرے کے جانشین ہوتے ہیں۔

(۱۸) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کے بغیر پیدا ہونا قیامت میں تمام انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کی بھی ایک دلیل



وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝۱۳۱ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۖ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝۱۳۲ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابٍ يَوْمَ الْيَوْمِ ۝۱۳۳ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۱۳۴ إِلَّا خِلَافُ يَوْمٍ مِثْلٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۝۱۳۵ لِعِبَادٍ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ۝۱۳۶ الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ۝۱۳۷ أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ۝۱۳۸ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ ۖ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ إِلَّا عَيْنٌ ۖ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝۱۳۹

اور جب عیسیٰ کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے تھے تو انہوں نے (لوگوں سے) کہا تھا کہ: ”میں تمہارے پاس دانائی کی بات لے کر آیا ہوں، اور اس لئے لایا ہوں کہ تمہارے سامنے کچھ وہ چیزیں واضح کر دوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مان لو۔“ ۱۳۱ یقیناً اللہ ہی میرا بھی رب ہے، اور تمہارا بھی رب ہے، اس لئے اُس کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔“ ۱۳۲ پھر بھی ان میں سے کئی گروہوں نے اختلاف پیدا کیا، چنانچہ ان ظالموں کے لئے ایک دردناک دن کے عذاب کی وجہ سے بڑی خرابی ہوگی۔ ۱۳۳ یہ لوگ بس اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ قیامت ان کے سامنے اچانک آکھڑی ہو، اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ ۱۳۴ اُس دن تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، سوائے متقی لوگوں کے، ۱۳۵ (جن سے کہا جائے گا کہ:) ”اے میرے بندو! آج تم پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا، اور نہ تم غمگین ہو گے۔“ ۱۳۶ اے میرے وہ بندو جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے، اور فرماں بردار رہے تھے! ۱۳۷ تم بھی اور تمہاری بیویاں بھی، خوشی سے چمکتے چہروں کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔“ ۱۳۸ ان کے آگے سونے کے پیالے اور گلاس گردش میں لائے جائیں گے۔ اور اُس جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جس کی دلوں کو خواہش ہوگی، اور جس سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی۔ (ان سے کہا جائے گا کہ:) ”اس جنت میں تم ہمیشہ رہو گے۔“ ۱۳۹

ہے، کیونکہ دوسری زندگی پر کافروں کو یہی تو اعتراض ہے کہ ایسا ہونا بہت عجیب اور خلافِ عادت ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا بھی خلافِ عادت اور عجیب تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ واقعہ ہوا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تمام مُردوں کو دوسری زندگی ملے گی۔ یہ اس آیت کی ایک تفسیر ہے جو حضرت حکیم الامتؒ نے ”بیان القرآن“ میں اختیار فرمائی ہے۔ اور دوسرے بعض مفسرین نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی علامتوں میں سے ہیں، یعنی وہ قیامت کے قریب آسمان سے دوبارہ دُنیا میں تشریف لائیں گے، اور اُن کی تشریف آوری اس بات کی علامت ہوگی کہ قیامت قریب آگئی ہے۔



وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۵۴﴾ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۵۵﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿۵۶﴾ لَا يُفْتَرَعُنَّهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿۵۷﴾ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿۵۸﴾ وَنَادُوا إِلَيْكَ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُمْ مُّكْشُوتُونَ ﴿۵۹﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كُرْهُونَ ﴿۶۰﴾ أَمْ أَمْرًا مِّمَّا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ﴿۶۱﴾ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ۖ بَلَىٰ وَرُسُلْنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿۶۲﴾

اور یہ وہ جنت ہے جس کا تمہیں اپنے اعمال کے بدلے وارث بنا دیا گیا ہے۔ ﴿۵۴﴾ اس میں تمہارے لئے خوب افراط کے ساتھ میوے ہیں جن میں سے تم کھاؤ گے۔ ﴿۵۵﴾ البتہ جو لوگ مجرم تھے، وہ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۵۶﴾ وہ عذاب اُن کے لئے ہلکا نہیں پڑنے دیا جائے گا، اور وہ اُس میں مایوس پڑے ہوں گے۔ ﴿۵۷﴾ اور ہم نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا، لیکن وہ خود ہی ظالم لوگ تھے۔ ﴿۵۸﴾ اور وہ (دوزخ کے فرشتے سے) پکار کر کہیں گے کہ: ”اے مالک! تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کر دے۔“ وہ کہے گا کہ: ”تمہیں اسی حال میں رہنا ہے۔“ ﴿۵۹﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم تمہارے پاس حق بات لے کر آئے تھے، لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق بات ہی کو بُرا سمجھتے ہیں۔ ﴿۶۰﴾ ہاں کیا ان لوگوں نے کچھ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟ اچھا تو ہم بھی کچھ کرنے کا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ ﴿۶۱﴾ کیا انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتیں اور ان کی سرگوشیاں نہیں سنتے؟ کیسے نہیں سنتے؟ نیز ہمارے فرشتے اُن کے پاس ہیں، وہ سب کچھ لکھتے رہتے ہیں۔ ﴿۶۲﴾

(۱۹) دوزخ کی نگرانی پر جو فرشتہ مقرر ہے، اُس کا نام ”مالک“ ہے۔ دوزخی لوگ عذاب کی شدت سے تنگ آ کر مالک سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرو کہ وہ ہمیں موت ہی دیدے۔ جواب میں ”مالک“ کی طرف سے کہا جائے گا کہ تمہیں اسی دوزخ میں زندہ رہنا ہوگا۔

(۲۰) مکہ مکرمہ کے کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خفیہ منصوبے بناتے رہتے تھے، مثلاً انہوں نے آپ کو گرفتار کرنے یا قتل کرنے کے لئے سازش تیار کی تھی جس کا ذکر سورۃ انفال (۸: ۳۰) میں گزرا ہے۔ اسی قسم کی کسی سازش کے موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ اگر انہوں نے آپ کے خلاف کچھ کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو ہم نے بھی فیصلہ کر لیا ہے کہ ان کی سازش خود انہی کے خلاف پڑے گی۔



قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ ۖ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَبْدِينَ ۝ سُبْحَنَ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ فَذَرُهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌُ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌُ ۖ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ۝ وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ وَلَمَّا سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ وَقِيلَ لَهُ رَبِّ إِنْ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝

(اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ”اگر خدائے رحمن کی کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلا عبادت کرنے والا میں ہوتا۔“ (۱) وہ جو آسمانوں اور زمین کا بھی مالک ہے، عرش کا بھی مالک، وہ اُن ساری باتوں سے پاک ہے جو یہ بنایا کرتے ہیں۔ (۲) لہذا (اے پیغمبر!) انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو کہ یہ ان باتوں میں ڈوبے رہیں، اور ہنسی کھیل کرتے رہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے اُس دن سے جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ (۳) وہی (اللہ) ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے، اور زمین میں بھی معبود۔ اور وہی ہے جو حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک۔ (۴) اور بڑی شان ہے اُس کی جس کے قبضے میں آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان تمام چیزوں کی سلطنت ہے، اور اُسی کے پاس قیامت کا علم ہے، اور اُسی کے پاس تم سب کو واپس لے جایا جائے گا۔ (۵) اور یہ لوگ اُسے چھوڑ کر جن معبودوں کو پکارتے ہیں، انہیں کوئی سفارش کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، ہاں البتہ جن لوگوں نے حق بات کی گواہی دی ہو، اور انہیں اُس کا علم بھی ہو۔ (۶) اور اگر تم ان لوگوں سے پوچھو کہ اُن کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ اس کے باوجود کوئی انہیں کہاں سے اوندھا چلا دیتا ہے؟ (۷) اور اللہ کو پیغمبر کی اس بات کا بھی علم ہے کہ: ”یا رَبِّ! یہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔“ (۸) لہذا (اے پیغمبر!) تم ان کی پروا نہ کرو، اور کہہ دو: ”سلام!“ کیونکہ عنقریب انہیں خود سب پتہ چل جائے گا۔ (۹)

(۲۱) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہونے کا کوئی امکان ہے، بلکہ یہ بات فرض محال کے طور پر کہی گئی ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے عقائد کا جو انکار کر رہا ہوں، وہ کسی ہٹ دھرمی یا عناد کی وجہ سے نہیں کر رہا، بلکہ دلائل کی بنا پر کر رہا ہوں، اور اگر دلیل سے اللہ تعالیٰ کی کسی اولاد کا کوئی ثبوت ہوتا تو میں اس سے کبھی انکار نہ کرتا۔

(۲۲) یعنی جن بتوں وغیرہ کو مشرکین نے اس اعتقاد سے خدائی میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری



سفارش کریں گے تو درحقیقت ان کو سفارش کرنے کا کوئی اختیار ہی نہیں ہے۔ البتہ جو لوگ کسی کے بارے میں سچی گواہی دیں، اور پورے علم کے ساتھ دیں کہ وہ واقعی مؤمن تھا تو اُس کی گواہی بیشک قبول کی جائے گی۔ اور اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ”جن لوگوں نے حق کی گواہی دی ہو“ سے مراد وہ ہیں جنہوں نے ایمان قبول کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا پیغمبر ہونے کی گواہی دی ہو، ایسے لوگوں کی سفارش اللہ تعالیٰ کی اجازت سے قبول کی جائے گی۔

(۲۳) یہ جملہ یہ واضح کرنے کے لئے لایا گیا ہے کہ ان کافروں پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہونے کے کتنے شدید اسباب موجود ہیں۔ ایک طرف تو ان کے جرائم بذاتِ خود بڑے سخت ہیں، اور دوسری طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمتہ للعالمین اور شفیع المذنبین ہیں، وہ ان کی سفارش کے بجائے ان کی شکایت کریں تو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے آپ کو کتنی اذیتیں پہنچائی ہوں گی، ورنہ معمولی بات پر آپ جو سراپا رحمت ہیں، ایسی پُر درد شکایت نہ فرماتے۔

(۲۴) یہاں سلام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے خوبصورتی کے ساتھ قطع تعلق کر لیا جائے، یعنی تمہاری کٹ جتنی کے بعد اب میں تم سے مزید بحث کرنے کے بجائے تم سے شائستگی کے ساتھ علیحدگی اختیار کر لیتا ہوں۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۱ جنوری ۲۰۰۸ء کراچی میں سورہ زُخرف کا ترجمہ اور حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ الدُّخَانِ

## تعارف

مستند روایات کے مطابق یہ سورت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کے کافروں کو متنبہ کرنے کے لئے ایک شدید قحط میں مبتلا فرمایا، اس موقع پر لوگ چمڑے تک کھانے پر مجبور ہوئے، اور ابوسفیان کے ذریعے کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ قحط دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں، اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر قحط دور ہو گیا تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے قحط سے نجات عطا فرمادی، لیکن جب قحط دور ہو گیا تو یہ کافر لوگ اپنے وعدے سے پھر گئے، اور ایمان نہیں لائے۔ اس واقعے کا تذکرہ اس سورت کی آیت نمبر ۱۰ تا ۱۵ میں آیا ہے، اور اسی سلسلے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ایک دن آسمان پر دُھواں ہی دُھواں نظر آئے گا (اس کا مطلب ان شاء اللہ اس آیت کی تفسیر میں آئے گا) دُھویں کو عربی میں ”دُخان“ کہتے ہیں، اور اسی وجہ سے اس سورت کا نام ”سورۃ دُخان“ ہے۔ سورت کے باقی مضامین توحید، رسالت اور آخرت کے اثبات پر مشتمل ہیں۔



ایاتھا ۵۹ ﴿۵۹﴾ سُورَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ ۲۴ رُكُوعَاتُهَا ۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمِّ ۱ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۲ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۳ فِيْهَا يُفْرَقُ ۴ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۵ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۶ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۷ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۸ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۹ اِنْ كُنْتُمْ مُّوَقِنِيْنَ ۱۰ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيِيْ وَيُمِيتُ ۱۱ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَائِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۱۲ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۱۳ فَاَنْتَقَبُ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۱۴ يَغْشَى النَّاسَ ۱۵ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۱۶

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اُنسٹھ آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حَمِّ ۱ قسم ہے اس کتاب کی جو حق کو واضح کرنے والی ہے ۲ کہ ہم نے اسے ایک مبارک رات میں اُتارا ہے، (کیونکہ) ہم لوگوں کو خبردار کرنے والے تھے، ۳۔ اسی رات میں ہر حکیمانہ معاملہ ہمارے حکم سے طے کیا جاتا ہے۔ (نیز) ہم ایک پیغمبر بھیجنے والے تھے، ۴ و ۵ تاکہ تمہارے رب کی طرف سے رحمت کا معاملہ ہو — یقیناً وہی ہے جو ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے — ۶ جو سارے آسمانوں اور زمین کا اور ان کے درمیان ہر چیز کا رب ہے، اگر تم واقعی یقین کرنے والے ہو۔ ۷ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ زندگی بھی دیتا ہے، اور موت بھی۔ وہ تمہارا بھی رب ہے، اور تمہارے پہلے گزرے ہوئے باپ دادوں کا بھی رب۔ ۸ (پھر بھی کافر ایمان نہیں لاتے) بلکہ وہ شک میں پڑے ہوئے کھیل کر رہے ہیں۔ ۹ لہذا اُس دن کا انتظار کرو جب آسمان ایک واضح دُھواں لے کر نمودار ہوگا ۱۰ جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ ۱۱ یہ ایک دردناک سزا ہے۔ ۱۲

(۱) اس سے مراد شبِ قدر ہے، کیونکہ اسی رات میں قرآنِ کریم لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر نازل کیا گیا، اور پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔

(۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سال میں جو اہم واقعات ہونے والے ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ فلاں شخص پیدا ہوگا، اُسے اتنا رزق دیا جائے گا، فلاں کا انتقال ہوگا، یہ ساری باتیں عملی تنفیذ کے لئے متعلقہ فرشتوں کے حوالے کر دی جاتی ہیں۔

(۳) اس آیت کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو متنبہ کرنے کے لئے انہیں ایک سخت قحط میں مبتلا فرمادیا تھا، اُس وقت لوگ بھوک کی شدت کے عالم میں جب آسمان کی طرف دیکھتے تو انہیں آسمان پر دُھواں ہی دُھواں چھایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اس آیت میں اس قحط سالی کی پیشین گوئی کی گئی ہے، اور فرمایا گیا ہے کہ کافروں کو سزا کے طور پر



رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾ اَتَىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿١١﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ﴿١٢﴾ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿١٣﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿١٥﴾ أَنْ أَذُّوْا إِلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُم رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦﴾ وَأَنْ لَا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ ۚ إِنِّي آتِيكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿١٧﴾ وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجَبُونِ ﴿١٨﴾ وَإِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوا لِي فَاَعْتَرِضُوا ﴿١٩﴾

(اُس وقت یہ لوگ کہیں گے کہ:) ”اے ہمارے پروردگار! ہم سے یہ عذاب دُور کر دیجئے، ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔“ ﴿۱۰﴾ ان کو نصیحت کہاں ہوتی ہے؟ حالانکہ ان کے پاس ایسا پیغمبر آیا ہے جس نے حقیقت کو کھول کر رکھ دیا ہے۔ ﴿۱۱﴾ پھر بھی یہ لوگ اُس سے منہ موڑے رہے، اور کہنے لگے کہ: ”یہ سکھایا پڑھایا ہوا ہے، دیوانہ ہے۔“ ﴿۱۲﴾ (اچھا) ہم عذاب کو کچھ عرصے تک ہٹا دیتے ہیں۔ یقین ہے کہ تم پھر اُسی حالت پر لوٹ آؤ گے۔ ﴿۱۳﴾ جس دن ہماری طرف سے سب سے بڑی پکڑ ہوگی، اُس دن ہم پورا انتقام لے لیں گے۔ ﴿۱۴﴾ اور ان سے پہلے ہم نے فرعون کی قوم کو آزمایا تھا، اور ان کے پاس ایک معزز پیغمبر آئے تھے ﴿۱۵﴾ (اور انہوں نے کہا تھا) کہ: ”اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کر دو، میں تمہاری طرف ایک امانت دار پیغمبر بن کر آیا ہوں“ ﴿۱۶﴾ اور یہ کہ: ”اللہ کے آگے سرکشی مت کرو، میں تمہارے پاس ایک کھلی ہوئی دلیل پیش کرتا ہوں، ﴿۱۷﴾ اور میں اس بات سے اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو۔“ ﴿۱۸﴾ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ۔“ ﴿۱۹﴾

ایسے قحط میں مبتلا کیا جائے گا کہ انہیں بھوک کی وجہ سے آسمان پر دھواں ہی دھواں نظر آئے گا، اور اُس وقت یہ لوگ وعدہ کریں گے کہ اگر یہ قحط ہم سے دُور ہو گیا تو ہم ایمان لے آئیں گے، لیکن جب قحط دُور ہوگا تو اپنے وعدے سے پھر کر دوبارہ شرک کی طرف لوٹ جائیں گے۔

(۳) یعنی اس وقت تو یہ عذاب ان سے دُور کر دیا جائے گا، لیکن جب قیامت میں ان کی پکڑ ہوگی، اُس وقت انہیں پورے عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔

(۵) اس سے مراد بنو اسرائیل ہیں جن کو فرعون نے غلام بنایا ہوا تھا۔ دیکھئے سورۃ طٰہ (۲۰: ۴۷)۔

(۶) فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی دعوت کے جواب میں قتل کی دھمکیاں دی تھیں۔ یہ اُن کا جواب ہے۔

(۷) یعنی اگر میری دعوت پر ایمان نہ لاؤ تو کم سے کم مجھے چھوڑ دو کہ میں حق کا پیغام اُن لوگوں کو پیش کروں جو ماننے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اور مجھے تکلیف پہنچانے اور میرے راستے میں رُکاوٹیں ڈالنے سے باز رہو۔



فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿۲۲﴾ فَاسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُم مُّتَّبِعُونَ ﴿۲۳﴾ وَاتَّخِذْ  
 الْبَحْرَ رَهْوًا ۖ إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُونَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۲۵﴾ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ  
 كَرِيمٍ ﴿۲۶﴾ وَنَعْمَةً كَانُوا فِيهَا فَكَاهِنَ ۖ كَذَلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿۲۷﴾ فَمَا بَكَتْ  
 عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ ﴿۲۸﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ مِنْ  
 الْعَذَابِ النَّهْمِينَ ﴿۲۹﴾ مَنْ فِرْعَوْنُ ۖ إِنَّهُ كَانَ عَلِيًّا مِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿۳۰﴾ وَلَقَدْ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَى  
 عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۱﴾ وَآتَيْنَاهُمْ مِنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُّبِينٌ ﴿۳۲﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ﴿۳۳﴾  
 إِن هِيَ إِلَّا أَمْوَاتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِينَ ﴿۳۴﴾

پھر انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ یہ مجرم لوگ ہیں۔ ﴿۲۲﴾ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:) ”اچھا تم میرے بندوں کو لے کر راتوں رات روانہ ہو جاؤ۔ تمہارا پیچھا ضرور کیا جائے گا، ﴿۲۳﴾ اور تم سمندر کو ٹھہرا ہوا چھوڑ دینا، یقیناً یہ لشکر ڈبویا جائے گا۔“ ﴿۲۴﴾ کتنے باغات اور چشمے تھے جو یہ لوگ چھوڑ گئے، ﴿۲۵﴾ اور کتنے کھیت اور شاندار مکانات، ﴿۲۶﴾ اور عیش کے کتنے سامان جن میں وہ مزے کر رہے تھے! ﴿۲۷﴾ اُن کا انجام اسی طرح ہوا، اور ہم نے ان سب چیزوں کا وارث ایک دوسری قوم کو بنا دیا۔ ﴿۲۸﴾ پھر نہ اُن پر آسمان رویانہ زمین، اور نہ اُن کو کچھ مہلت دی گئی۔ ﴿۲۹﴾ اور بنی اسرائیل کو ہم نے ذلت کے عذاب سے نجات دے دی، ﴿۳۰﴾ یعنی فرعون سے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا سرکش، حد سے گزرے ہوئے لوگوں میں سے تھا۔ ﴿۳۱﴾ اور ہم نے اُن کو اپنے علم کے مطابق دُنیا جہان والوں پر فوقیت دی، ﴿۳۲﴾ اور ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں کھلا ہوا انعام تھا۔ ﴿۳۳﴾ یہ لوگ صاف کہتے ہیں ﴿۳۴﴾ کہ: ”اور کچھ نہیں ہے، بس ہماری وہی پہلی موت ہوگی، اور ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔“ ﴿۳۵﴾

(۸) مطلب یہ ہے کہ جب تمہارے راستے میں سمندر آجائے گا تو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سمندر کو ٹھہرا کر راستہ بنا دیں گے۔ جب تم اُس سے پار ہو جاؤ تو اس بات کی فکر نہ کرنا کہ سمندر میں جو راستہ بنا ہوا ہے، وہ فرعون کے لشکر کے بھی کام آئے گا، اور وہ سمندر پار کر کے ہمارا تعاقب جاری رکھیں گے، بلکہ سمندر کو ویسا ہی ٹھہرا ہوا چھوڑ دینا۔ اللہ تعالیٰ خود ان کو ڈبونے کے لئے سمندر کو پھر پہلی حالت میں واپس کر دیں گے۔ اس واقعے کی تفصیل سورہ یونس (۱۰: ۹۲ تا ۹۷) اور سورہ شعراء (۲۶: ۵۶ تا ۶۷) میں گزر چکی ہے۔

(۹) اس سے مراد وہ انعامات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل پر فرمائے، مثلاً من وسلویٰ نازل کرنا، پھر سے چشمے نکال دینا وغیرہ، جن کا ذکر سورہ بقرہ (۲: ۴۷ تا ۵۸) میں فرمایا ہے۔



فَاتُوا بِآبَائِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۳﴾ أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۚ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۳۴﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِلْعِبَادِ ۚ مَا خَلَقْنَاهُمْ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۵﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفُصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْعَلُ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَوْلًى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۳۶﴾ إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۳۷﴾ إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿۳۸﴾ طَعَامُ الْآثِيمِ ﴿۳۹﴾ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿۴۰﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ﴿۴۱﴾ خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَى سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿۴۲﴾ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿۴۳﴾ ذُقْ ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿۴۴﴾ إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ﴿۴۵﴾

معانی ۱۰۴

اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو اٹھا لاؤ۔ ﴿۳۳﴾ بھلا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم ﴿۱۰﴾ اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے؟ ہم نے اُن سب کو ہلاک کر دیا، (کیونکہ) وہ یقینی طور پر مجرم لوگ تھے۔ ﴿۳۴﴾ اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کی چیزیں بے فائدہ کھیل کرنے کے لئے پیدا نہیں کر دی ہیں۔ ﴿۳۵﴾ ہم نے انہیں برحق مقصد ہی کے لئے پیدا کیا ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۳۶﴾ حقیقت یہ ہے کہ فیصلے کا دن ان سب کی مقررہ میعاد ہے، ﴿۳۷﴾ جس دن کوئی حمایتی کسی حمایتی کے ذرا بھی کام نہیں آئے گا، اور اُن میں سے کسی کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی، ﴿۳۸﴾ سوائے اُس کے جس پر اللہ رحم فرمائے۔ یقیناً وہ مکمل اقتدار کا مالک بھی ہے، بہت مہربان بھی۔ ﴿۳۹﴾

یقین جانو کہ زقوم کا درخت ﴿۴۰﴾ گنہگار کا کھانا ہوگا، ﴿۴۱﴾ تیل کی تلچھٹ جیسا۔ وہ لوگوں کے پیٹ میں اس طرح جوش مارے گا ﴿۴۲﴾ جیسے کھولتا ہوا پانی۔ ﴿۴۳﴾ (فرشتوں سے کہا جائے گا:) ”اس کو پکڑو، اور گھیٹ کر دوزخ کے پیچوں بیچ تک لے جاؤ، ﴿۴۴﴾ پھر اس کے سر کے اوپر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب اُنڈیل دو۔“ ﴿۴۵﴾ (کہا جائے گا کہ:) ”لے چکھ۔ تو ہی ہے وہ بڑا صاحبِ اقتدار، بڑا عزت والا! ﴿۱۲﴾ یہ وہی چیز ہے جس کے بارے میں تم لوگ شک کیا کرتے تھے۔“ ﴿۴۶﴾

﴿۱۰﴾ تبع دراصل یمن کے بادشاہوں کا لقب تھا، قرآن کریم نے یہ متعین نہیں فرمایا کہ یہاں کونسا تبع مراد ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہاں مراد وہ تبع ہے جس کا نام اسعد ابو کریب تھا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے سات سو سال پہلے گذرا ہے، یہ خود دین موسوی پر، جو اُس وقت دینِ برحق تھا، ایمان لے آیا تھا، لیکن اُس کی قوم نے بعد میں بت پرستی اختیار کر لی جس کے نتیجے میں اُن پر عذاب آیا۔

﴿۱۱﴾ اگر آخرت کا انکار کر دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا دن آنے والا نہیں ہے جس میں نیک لوگوں کو انعام اور ظالموں کو سزا دی جائے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات (معاذ اللہ) یونہی بے فائدہ کھیل کے طور پر پیدا کر دی ہے۔

﴿۱۲﴾ یعنی دُنیا میں تو اپنے آپ کو بڑا صاحبِ اقتدار اور بڑا باعزت سمجھتا تھا، اور اس پر تجھے گھمنڈ تھا، آج اپنی یہ حالت دیکھ لے کہ تکبر، گھمنڈ اور حق کے انکار کا انجام کیا ہوتا ہے؟



إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ مِنْ سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ  
مُتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾ كَذَلِكَ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ﴿٥٥﴾  
لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَعَهُمْ عَذَابُ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضَلًا مِّن رَّبِّكَ ۗ  
ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾ فَإِن سَأَلْتَهُنَّ لَمَّا بَلَغَ لَهُنَّ الْكُرْهُنَّ ﴿٥٨﴾ فَاتَرْتَقِبْنَ إِنَّهُنَّ  
مُّرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾

۴۴

(دوسری طرف) پرہیزگار لوگ یقیناً امن و امان والی جگہ میں ہوں گے، ﴿۵۱﴾ باغات میں اور چشموں میں! ﴿۵۲﴾ وہ آمنے  
سامنے بیٹھے ہوئے سندس اور استبرق کا لباس پہنے ہوں گے۔ ﴿۵۳﴾ اُن کے ساتھ یہی معاملہ ہوگا، اور ہم بڑی بڑی  
آنکھوں والی حوروں کا اُن سے بیاہ کر دیں گے۔ ﴿۵۴﴾ وہ وہاں بڑے اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگواتے ہوں  
گے۔ ﴿۵۵﴾ جو موت اُن کو پہلے آچکی تھی، اُس کے علاوہ وہاں وہ کسی اور موت کا مزہ نہیں چکھیں گے، اور اللہ انہیں دوزخ  
کے عذاب سے محفوظ رکھے گا، ﴿۵۶﴾ یہ سب تمہارے پروردگار کی طرف سے فضل ہوگا۔ (انسان کے لئے) زبردست  
کامیابی یہی ہے۔ ﴿۵۷﴾

غرض (اے پیغمبر!) ہم نے اس (قرآن) کو تمہاری زبان میں آسان بنا دیا ہے، تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ ﴿۵۸﴾  
اب تم بھی انتظار کرو، یہ لوگ بھی انتظار کر رہے ہیں۔ ﴿۵۹﴾

(۱۳) یہ دونوں ریشمی کپڑوں کی دو قسمیں ہیں۔ ”سندس“ باریک اور ”استبرق“ دبیز ہوتا ہے، لیکن جنت کے سندس اور استبرق  
کی صحیح کیفیت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

(۱۴) یہ لوگ تو جھٹلانے کے انداز میں قیامت کا انتظار کر رہے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تصدیق کے ساتھ اُس کے  
انتظار کا حکم دیا گیا ہے کہ اُس وقت ساری حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی، اور ان کافروں کو سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔

الحمد للہ! سورہ دُخان کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی آج بروز عاشوراء ۱۰/ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ  
مطابق ۲۰ جنوری ۲۰۰۸ء کو کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ  
قبول عطا فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کو بھی اپنی رضا کے مطابق بعافیت تکمیل  
تک پہنچائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْحَاشِيَةِ

## تعارف

اس سورت میں بنیادی طور پر تین باتوں پر زور دیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ اس کائنات میں ہر طرف اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی اتنی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں کہ ایک انسان اگر معقولیت کے ساتھ اُن پر غور کرے تو اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کائنات کے خالق کو اپنی خدائی کے انتظام میں کسی شریک کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لہذا اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا کر اُس کی عبادت کرنا سراسر بے بنیاد بات ہے۔ دوسرے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا ہے کہ آپ کو شریعت کے کچھ ایسے احکام دیئے گئے ہیں جو کچھلی اُمتوں کو دیئے ہوئے احکام سے کسی قدر مختلف ہیں۔ چونکہ یہ سارے احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اس لئے اس پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ تیسرے اس سورت میں قیامت کے ہولناک مناظر کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اسی سلسلے میں آیت نمبر ۲۸ میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ اتنے خوف زدہ ہوں گے کہ ڈر کے مارے گھٹنوں کے بل بیٹھ جائیں گے۔ ”جاشیہ“ عربی زبان میں اُن لوگوں کو کہتے ہیں جو گھٹنے کے بل بیٹھے ہوں۔ اسی لفظ کو سورت کا نام بنادیا گیا ہے۔



ایاتھا ۲۷ سُورَةُ الْجَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ ۲۵ رُكُوعَاتُهَا ۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمَّ ۝ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّ فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَابَّةٍ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ وَاختِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ ۝ وَيُلْ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝ يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں سینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حَمَّ ۝ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اتاری جا رہی ہے جو بڑا صاحبِ اقتدار، بڑا صاحبِ حکمت ہے۔ ۱ حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں ماننے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ ۲ اور خود تمہاری پیدائش میں، اور اُن جانوروں میں جو اُس نے (زمین میں) پھیلا رکھے ہیں، اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو یقین کریں۔ ۳ نیز رات اور دن کے آنے جانے میں، اور اللہ نے آسمان سے رزق کا جو ذریعہ اتارا، پھر اُس سے زمین کو اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد نئی زندگی دی، اُس میں اور ہواؤں کی گردش میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیں۔ ۴ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنارہے ہیں۔ اب اللہ اور اُس کی آیتوں کے بعد کوئی بات ہے جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟ ۵ بُرا ہو ہر اُس جھوٹے گنہگار کا جو اللہ کی آیتیں سنتا ہے جبکہ وہ اُسے پڑھ کر سنائی جا رہی ہوتی ہیں، پھر بھی وہ تکبر کے عالم میں اس طرح (کفر پر) اڑا رہتا ہے جیسے اُس نے وہ آیتیں سنی ہی نہیں۔ لہذا ایسے شخص کو دردناک عذاب کی ”خوشخبری“ سنادو۔ ۶ اور جب ہماری آیتوں میں سے کوئی آیت ایسے شخص کے علم میں آتی ہے تو وہ اُس کا مذاق بناتا ہے۔ ایسے لوگوں کو وہ عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ ۷



مِنْ وَّرَأْيِهِمْ جَهَنَّمَ ۚ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ مَا كَسَبُوا شَيْئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ  
 أَوْلِيَاءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰﴾ هَذَا هُدًى ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ  
 مِّن رَّجْزٍ أَلِيمٌ ﴿۱۱﴾ اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لَتَجْرِي الْفُلُكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ  
 فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ  
 فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ  
 اللَّهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۴﴾ مَن عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۚ وَمَن أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۚ  
 ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم تَرْجَعُونَ ﴿۱۵﴾

اُن کے آگے جہنم ہے، اور جو کچھ اُنہوں نے کمایا ہے، نہ وہ اُن کے کچھ کام آئے گا، اور نہ وہ کام آئیں گے جن کو اُنہوں  
 نے اللہ کے بجائے اپنا رکھوالا بنا رکھا ہے۔ اور اُن کے حصے میں ایک زبردست عذاب آئے گا۔ ﴿۱۰﴾ یہ (قرآن) سراپا  
 ہدایت ہے، اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کا انکار کیا ہے، اُن کے لئے بلا کا دردناک عذاب ہے۔ ﴿۱۱﴾ اللہ  
 وہ ہے جس نے سمندر کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے، تاکہ اُس کے حکم سے اُس میں کشتیاں چلیں، اور تاکہ تم اُس کا فضل  
 تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔ ﴿۱۲﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُس سب کو اُس نے اپنی طرف سے تمہارے  
 کام میں لگا رکھا ہے۔ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیں۔ ﴿۱۳﴾ (اے پیغمبر!) جو  
 لوگ ایمان لے آئے ہیں، اُن سے کہو کہ جو لوگ اللہ کے دنوں کا اندیشہ نہیں رکھتے اُن سے درگزر کریں، تاکہ اللہ لوگوں  
 کو اُن کاموں کا بدلہ دے جو وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿۱۴﴾ جو شخص بھی نیک کام کرتا ہے، وہ اپنے ہی فائدے کے لئے کرتا ہے،  
 اور جو بُرا کام کرتا ہے، وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے، پھر تم سب کو اپنے پروردگار ہی کے پاس واپس لایا جائے گا۔ ﴿۱۵﴾

(۱) جیسا کہ پہلے کئی بار عرض کیا گیا، اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنا قرآن کریم کی اصطلاح میں روزی تلاش کرنے کو کہا جاتا ہے۔  
 یہاں سمندری تجارت مراد ہے۔

(۲) ”اللہ کے دنوں“ سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ لوگوں کو اُن کے اعمال کی سزا یا جزا دے، چاہے دُنیا میں یا آخرت  
 میں، اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس بات سے بے فکر ہیں، بلکہ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ کوئی ایسے دن آنے والے ہیں۔  
 (۳) درگزر کرنے کا مطلب یہاں یہ ہے کہ اُن کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچائی جائیں، اُن کا بدلہ نہ لیں۔ یہ حکم کی زندگی میں دیا  
 گیا تھا جہاں مسلمانوں کو مسلسل صبر کی تلقین کی جا رہی تھی، اور ہاتھ اٹھانے سے منع کیا گیا تھا۔

(۴) اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ کافر لوگ اُن پر جو ستم ڈھا رہے ہیں، تم اُن کا فی الحال بدلہ نہ لو،  
 کیونکہ اللہ تعالیٰ خود ہی اُن کا بدلہ لے لے گا، چاہے وہ اسی دُنیا میں ہو، یا آخرت میں۔ اور ساتھ ہی یہ مطلب بھی ہے کہ جو لوگ



وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَآءَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ (۱۲) وَآتَيْنَاهُمْ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ لَا بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ (۱۳) ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (۱۴) إِنَّهُمْ لَن يَغْنُؤُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ۝ (۱۵) هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ (۱۶) أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝ (۱۷) ع

اور ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب، اور حکومت اور نبوت عطا کی تھی، اور انہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا تھا، اور انہیں دُنیا جہان کے لوگوں پر فوقیت بخشی تھی، (۱۲) اور انہیں کھلے کھلے احکام دیئے تھے۔ اس کے بعد اُن میں جو اختلاف پیدا ہوا، وہ اُن کے پاس علم آجانے کے بعد ہی ہوا، صرف اس لئے کہ اُن کو ایک دوسرے سے ضد ہو گئی تھی۔ یقیناً تمہارا پروردگار اُن کے درمیان قیامت کے دن اُن باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ (۱۳) پھر (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں دین کی ایک خاص شریعت پر رکھا ہے، لہذا تم اُسی کی پیروی کرو، اور اُن لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلنا جو حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔ (۱۴) وہ اللہ کے مقابلے میں تمہارے ذرا بھی کام نہیں آسکتے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور اللہ متقی لوگوں کا دوست ہے۔ (۱۵) یہ (قرآن) تمام لوگوں کے لئے بصیرتوں کا مجموعہ ہے، اور جو لوگ یقین کریں، اُن کے لئے منزل تک پہنچانے کا ذریعہ اور سراپا رحمت ہے۔ (۱۶) جن لوگوں نے بُرے بُرے کاموں کا ارتکاب کیا ہے، کیا وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ انہیں ہم اُن لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، جس کے نتیجے میں اُن کا جینا اور مرنا ایک ہی جیسا ہو جائے؟ کتنی بُری بات ہے جو یہ طے کئے ہوئے ہیں! (۱۷)

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل میں صبر سے کام لیں گے، اور بدلہ نہیں لیں گے، اللہ تعالیٰ اُن کی اس نیکی کا بدلہ آخرت کی نعمتوں کی صورت میں ضرور عطا فرمائے گا۔

(۵) یعنی بنو اسرائیل کو تورات کا علم دیا گیا تھا، اُس کے باوجود انہوں نے ایک دوسرے سے حسد اور ضد کی وجہ سے آپس میں پھوٹ ڈال لی، اور اختلافات میں پڑ گئے۔

(۶) یہ آخرت کی زندگی کی ضرورت بتائی جا رہی ہے کہ اگر آخرت کی جزا و سزا نہ ہو تو اچھے بُرے سب لوگ برابر ہو جائیں، اور جن نیک لوگوں نے دُنیا میں شریعت کے احکام پر عمل کر کے محنت اٹھائی، یا مخالفین کی طرف سے تکلیفیں برداشت کیں، اُن کو



وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۱﴾  
 أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ  
 بَصَرِهِ غِشَاوَةً ۖ فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ ۖ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۲۲﴾ وَقَالُوا مَاهِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا  
 الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْدِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۲۳﴾  
 وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَّا كَانَ حُجَّتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا اتُّوَابًا بَيْنًا إِنْ كُنْتُمْ  
 صَادِقِينَ ﴿۲۴﴾ قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَكِنَّ  
 أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۵﴾

اللہ نے سارے آسمانوں اور زمین کو برحق مقصد کے لئے پیدا کیا ہے، اور اس لئے کیا ہے کہ ہر شخص کو اُس کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ دیا جائے، اور دیتے وقت اُن پر کوئی ظلم نہ کیا جائے۔ ﴿۲۱﴾ پھر کیا تم نے اُسے بھی دیکھا جس نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنالیا ہے، اور علم کے باوجود اللہ نے اُسے گمراہی میں ڈال دیا، اور اُس کے کان اور دل پر مہر لگا دی، اور اُس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا؟ اب اللہ کے بعد کون ہے جو اُسے راستے پر لائے؟ کیا پھر بھی تم لوگ سبق نہیں لیتے؟ ﴿۲۲﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”جو کچھ زندگی ہے، بس یہی ہماری دُنیوی زندگی ہے، (اسی میں) ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں کوئی اور نہیں، زمانہ ہی ہلاک کر دیتا ہے۔“ حالانکہ اس بات کا انہیں کچھ بھی علم نہیں ہے، بس وہی اندازے لگاتے ہیں۔ ﴿۲۳﴾ اور جب ہماری آیتیں پوری وضاحت کے ساتھ ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ کہنے کے سوا اُن کی کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ: ”اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو (زندہ کر کے) لے آؤ۔“ ﴿۲۴﴾ کہہ دو کہ اللہ ہی تمہیں زندگی دیتا ہے، پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے، لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۲۵﴾

مرنے کے بعد بھی اس قربانی کا کوئی انعام نہ ملے، اور اُن کا مرنا جینا بالکل برابر ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نا انصافی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے یہ کائنات اسی برحق مقصد کے لئے پیدا کی ہے کہ ہر ایک کو اُس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔

(۷) یہ ترجمہ ”وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ“ کے جملے کو ”تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ“ سے حال قرار دینے پر مبنی ہے۔

(۸) یعنی آخرت کے عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سارے انسانوں کو جمع کرے گا، یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اسی دُنیا میں مردوں کو زندہ کرے گا، لہذا آخرت کے عقیدے کے مقابلے میں تمہارا یہ مطالبہ کہ ہمارے باپ دادوں کو زندہ



وَاللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُؤْمِنُ يَخْسِرُ الْمُبْطِلُونَ ﴿۲۷﴾  
 وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۚ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا ۚ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۸﴾  
 هٰذَا كِتٰبُنَا يُنٰطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۚ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ  
 اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾ وَاَمَّا  
 الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۖ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰتٰى تَتْلٰى عَلَيْهِمْ فَاَسْتَكْبِرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا  
 قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۖ وَالسَّاعَةُ ۖ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِىْ مَا السَّاعَةُ ۚ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا  
 ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُتَّبِعِيْنَ ﴿۳۲﴾

اور آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے، اور جس دن قیامت آکھڑی ہوگی، اُس دن جو لوگ باطل پر ہیں، وہ سخت نقصان اٹھائیں گے۔ ﴿۲۷﴾ اور تم ہر گروہ کو دیکھو گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہے۔ ﴿۲۸﴾ ہر گروہ کو اُس کے اعمال نامے کی طرف بلایا جائے گا، (اور کہا جائے گا کہ:) ”آج تمہیں اُن اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔“ ﴿۲۹﴾ یہ ہمارا (لکھوایا ہوا) دفتر ہے جو تمہارے بارے میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے۔ تم جو کچھ کرتے تھے، ہم اُس سب کو لکھوایا کرتے تھے۔“ ﴿۳۰﴾ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کو تو اُن کا پروردگار اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہی کھلی ہوئی کامیابی ہے۔ ﴿۳۱﴾ رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر اپنالیا تھا، (اُن سے کہا جائے گا کہ:) ”بھلا کیا تمہارے سامنے میری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں؟ پھر بھی تم نے تکبر سے کام لیا، اور مجرم بنے رہے، ﴿۳۲﴾ اور جب تم سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور قیامت وہ حقیقت ہے جس میں کوئی بھی شک نہیں ہے، تو تم یہ کہتے تھے کہ: ”ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہوتی ہے؟ اُس کے بارے میں ہم جو کچھ خیال کرتے ہیں، بس ایک گمان سا ہوتا ہے، اور ہمیں یقین بالکل نہیں ہے۔“ ﴿۳۳﴾

کر کے لاؤ، سراسر لغو مطالبہ ہے۔ رہی یہ بات کہ مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا بہت مشکل بات ہے تو جس اللہ نے تمہیں عدم سے وجود عطا کر کے پیدا کیا ہے، اُس کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ ایک مرتبہ تمہاری رُوح قبض کر کے دوبارہ پیدا کر دے، جبکہ اس ساری کائنات کی بادشاہی اُسی کے قبضے میں ہے؟

(۹) قیامت کے مختلف مراحل میں ایک مرحلہ ایسا بھی آئے گا کہ وہاں کے ہولناک مناظر دیکھ کر لوگ بے ساختہ گھٹنوں کے بل گر جائیں گے یا بیٹھ جائیں گے۔



وَبَدَّاهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۳﴾ وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنْسِفُكُمْ  
 كَمَا نَسِفْنَا لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَا وَلَكُمْ النَّارُ وَمَالَكُمْ مِنْ نَصْرِينَ ﴿۳۴﴾ ذَلِكُمْ بِأَنكُم  
 اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۖ فَالْيَوْمَ لَا يَخْرُجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ  
 يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۳۵﴾ فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ  
 الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۳۷﴾

اور (اس موقع پر) انہوں نے جو اعمال کئے تھے، اُن کی برائیاں کھل کر اُن کے سامنے آ جائیں گی، اور جس چیز کا وہ مذاق اڑاتے تھے، وہی اُن کو آگھیرے گی، ﴿۳۳﴾ اور اُن سے کہا جائے گا کہ: ”آج ہم تمہیں اُسی طرح بھلا دیں گے جیسے تم نے یہ بات بھلا ڈالی تھی کہ تمہیں اپنے اس دن کا سامنا کرنا ہوگا، اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے، اور تمہیں کسی قسم کے مددگار میسر نہیں آئیں گے۔ ﴿۳۴﴾ یہ سب اس لئے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنایا تھا، اور دُنیوی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا تھا۔“ چنانچہ آج ایسے لوگوں کو نہ وہاں سے نکالا جائے گا، اور نہ اُن سے معافی مانگنے کو کہا جائے گا۔ ﴿۳۵﴾ غرض تعریف تمام تر اللہ کی ہے جو سارے آسمانوں کا بھی مالک ہے، زمین کا بھی مالک، اور تمام جہانوں کا بھی مالک۔ ﴿۳۶﴾ اور تمام تر بڑائی اُسی کو حاصل ہے، آسمانوں میں بھی، اور زمین میں بھی، اور وہی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔ ﴿۳۷﴾

(۱۰) یعنی دوزخ کے جس عذاب کا یہ کافر لوگ مذاق اڑایا کرتے تھے، وہی عذاب اُن کو آگھیرے گا۔  
 (۱۱) توبہ کرنے اور معافی مانگنے کا دروازہ انسان کے لئے ساری زندگی کھلا ہوا ہے، لیکن مرنے کے بعد اور آخرت میں پہنچنے کے بعد یہ دروازہ بند ہو جاتا ہے، اور وہاں معافی مانگنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اس لئے وہاں کسی سے یہ کہا بھی نہیں جائے گا کہ معافی مانگ لو۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

الحمد للہ! سورہ جاثیہ کا ترجمہ اور اُس کے حواشی آج شب جمعہ میں ۱۵ محرم ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۴ جنوری ۲۰۰۸ء کو دبی سے لندن جاتے ہوئے جہاز میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ بندے کی مغفرت فرما کر اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کے ترجمے اور تشریح کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْأَحْقَافِ

## تعارف

اس سورت کی آیت نمبر ۲۹ اور ۳۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُس وقت نازل ہوئی تھی جب جنات کی ایک جماعت نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم سنا تھا۔ معتبر روایات کے مطابق یہ واقعہ ہجرت سے پہلے اُس وقت پیش آیا تھا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے، اور نخلہ کے مقام پر فجر کی نماز میں قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کو دلائل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ اُسی زمانے میں اس قسم کے واقعات پیش آرہے تھے کہ ایک ہی گھرانے میں والدین مسلمان ہو گئے، اور اولاد مسلمان نہیں ہوئی، اور اُس نے اپنے والدین کو ملامت شروع کر دی کہ وہ کیوں اسلام لائے۔ اس کے برعکس بعض گھرانوں میں اولاد مسلمان ہو گئی اور والدین مسلمان نہ ہوئے، اور انہوں نے اولاد پر تشدد شروع کر دیا۔ اس سورت کی آیات ۱۶ اور ۱۷ میں اسی قسم کی صورت حال کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اسی پس منظر میں اولاد پر ماں باپ کے حقوق بیان فرمائے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ماضی میں جن قوموں نے کفر اور نافرمانی کی روش اختیار کی، اُن کے بُرے انجام کا حوالہ دیا گیا ہے، اور قوم عاد کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس جگہ یہ قوم آباد تھی، وہاں بہت سے ریت کے ٹیلے تھے جنہیں عربی زبان میں ”أَحْقَاف“ کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ”أَحْقَاف“ ہے۔



﴿۳۵﴾ آیاتہا ۳۵ ﴿۳۶﴾ سُورَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ ۲۶ ﴿۳۷﴾ رُكُوعَاتُهَا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

حَمَّ ۝ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۝ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی ۝ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَمَّا اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝ قُلْ اَرَاَیْتُمْ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اُرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْکٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۝ اٰیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَشْرَکَۃٌ مِّنْ عِلْمِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَا یَسْتَجِیْبُ لَهُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حَمَّ ۝ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اتاری جا رہی ہے جو بڑا صاحبِ اقتدار، بڑا صاحبِ حکمت ہے۔ ۝ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کسی برحق مقصد کے بغیر اور کسی متعین ميعاد کے بغیر پیدا نہیں کر دیا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ اُس چیز سے منہ موڑے ہوئے ہیں جس سے انہیں خبر دار کیا گیا ہے۔ ۝ تم ان سے کہو کہ: ”کیا تم نے اُن چیزوں پر کبھی غور کیا ہے جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟ مجھے دکھاؤ تو سہی کہ انہوں نے زمین کی کوئی چیز پیدا کی ہے؟ یا آسمانوں (کی تخلیق) میں اُن کا کوئی حصہ ہے؟ میرے پاس کوئی ایسی کتاب لاؤ جو اس قرآن سے پہلے کی ہو، یا پھر کوئی روایت جس کی بنیاد علم پر ہو، اگر تم واقعی سچے ہو۔ ۝ اُس شخص سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر اُن (من گھڑت دیوتاؤں) کو پکارے جو قیامت کے دن تک اُس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے، اور جن کو ان کی پکار کی خبر تک نہیں ہے۔ ۝

(۱) ان آیتوں میں یہ فرمایا گیا ہے کہ مشرکین کے پاس اپنے شرک والے عقیدوں کو ثابت کرنے کے لئے نہ کوئی عقلی دلیل ہے جو یہ ثابت کر سکے کہ جن معبودوں کو یہ پوجتے ہیں، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خدائی میں کوئی حصہ لیا ہے، اور نہ کوئی نقلی دلیل ہے۔ نقلی دلیل دو قسم کی ہو سکتی ہے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے کوئی ایسی کتاب نازل ہوئی ہو جس میں ان معبودوں کو اللہ تعالیٰ کی خدائی میں شریک قرار دیا گیا ہو، مشرکین سے کہا جا رہا ہے کہ اگر ایسی کوئی کتاب ہے تو لا کر دکھاؤ۔ نقلی دلیل کی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کسی پیغمبر نے کوئی بات کہی ہو، اور اس بات پر کوئی علمی سند موجود ہو کہ واقعی انہوں نے ایسا کہا ہے۔ ”کوئی روایت جس کی بنیاد علم پر ہو“ سے مراد یہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ مشرکین کے پاس اپنے عقیدے کے ثبوت میں نہ کوئی آسمانی کتاب ہے، اور نہ کسی پیغمبر کا کوئی قول جو مستند طریقے پر ثابت ہو۔



وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كُفَرِينَ ﴿٦﴾ وَإِذْ أَتَى عَلَىٰ آلِهَتِهِمْ بَيْنَتٍ قَالُوا الَّذِينَ كَفَرُوا الدَّحَىٰ لَسَاءَ مَا جَاءَهُمْ ۖ هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٧﴾ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنْ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفْعِلُونَ فِيهِ ۖ كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٨﴾

اور جب لوگوں کو محشر میں جمع کیا جائے گا تو وہ ان کے دشمن بن جائیں گے، اور اُن کی عبادت ہی سے منکر ہوں گے۔ ﴿۶﴾ اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں اپنی پوری وضاحت کے ساتھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو یہ کافر لوگ حق بات کے اُن تک پہنچ جانے کے بعد بھی اُس کے بارے میں یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ ﴿۷﴾ کیا ان کا کہنا یہ ہے کہ اسے پیغمبر نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ کہہ دو کہ: ”اگر میں نے اسے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے تو تم مجھے اللہ کی پکڑ سے ذرا بھی نہیں بچا سکو گے۔“ ﴿۸﴾ جو باتیں تم بناتے ہو، وہ اُنہیں خوب جانتا ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بننے کے لئے وہ کافی ہے، اور وہی ہے جو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ ﴿۹﴾

(۲) یعنی جن جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے، آخرت میں وہ سب ان مشرکین سے براۃ ظاہر کر کے یہ کہہ دیں گے کہ یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ یہ بات سورہ قصص (۶۳: ۲۸) میں بھی گزری ہے، اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ مشرکین کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض مشرکین نے کچھ دُنیا سے گذرے ہوئے انسانوں کو معبود بنا رکھا ہے۔ اُن انسانوں کو بسا اوقات یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ اُن کی عبادت کی جارہی ہے، اس لئے وہ انکار کر دیں گے۔ اور جن کو پتہ ہے، وہ یہ کہیں گے کہ درحقیقت یہ ہماری نہیں، بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کی عبادت کرتے تھے۔ دوسرے بعض مشرکین وہ ہیں جو فرشتوں کو معبود بنائے ہوئے تھے۔ اُن کے بارے میں سورہ سبأ (۳۴: ۳۰ و ۳۱) میں گذرا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھیں گے کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے تو وہ کہیں گے کہ یہ تو جنات اور شیاطین کی عبادت کیا کرتے تھے، کیونکہ اُنہوں نے ہی انہیں بہکایا تھا۔ مشرکین کی تیسری قسم وہ ہے جو پتھر کے بتوں کو پوجتی ہے۔ بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو دکھانے کے لئے ان بتوں کو بھی زبان دے دیں گے، اور چونکہ وہ دُنیا میں بے جان پتھر تھے، اس لئے انہیں واقعی یہ پتہ نہیں ہوگا کہ مشرکین اُن کی عبادت کرتے تھے، اس لئے وہ بھی یہی کہیں گے کہ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اور اگر یہ روایت ثابت نہ ہو تو پھر یہ بت زبان حال سے یہ کہیں گے کہ ہم تو بے جان پتھر ہیں، ہمیں کیا پتہ کہ ہماری عبادت کی جاتی تھی۔ (روح المعانی)

(۳) اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی من گھڑت کلام منسوب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے دُنیا ہی میں رُسوا فرما دیتے ہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنے کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر میں نے یہ کلام (نعوذ باللہ) خود گھڑا ہے تو اللہ تعالیٰ اس دُنیا ہی میں میری پکڑ کر لے گا، اور مجھے کوئی بچا نہیں سکے گا۔



قُلْ مَا كُنْتُ بِدُعَاةٍ مِنَ الرَّسْلِ وَمَا أَدْرِ بِي مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنَّا تَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ  
إِلَىٰ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ قُلْ أَسَاءَ يُتِمُّ إِنَّ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ  
شَاهِدٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَآءِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِ فَأَمَّا مَنْ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ  
الظَّالِمِينَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ ۖ وَإِذْ لَمْ  
يَهْتَدُوا بِهِ فَسَيَقُولُونَ هَذَا إِفْكٌ قَدِيمٌ ۝

کہو کہ: ”میں پیغمبروں میں کوئی انوکھا پیغمبر نہیں ہوں۔ مجھے معلوم نہیں ہے کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا، اور نہ یہ معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا؟“ میں کسی اور چیز کی نہیں، صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے بھیجی جاتی ہے۔ اور میں تو صرف ایک واضح انداز سے خبردار کرنے والا ہوں۔“ ۹ کہو کہ: ”ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو، اور تم نے اُس کا انکار کر دیا، اور بنو اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس جیسی بات کے حق میں گواہی بھی دے دی، اور اُس پر ایمان بھی لے آیا، اور تم اپنے گھمنڈ میں مبتلا رہے (تو یہ کتنے ظلم کی بات ہے؟) یقیناً جانو کہ اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا جو ظالم ہوں۔“ ۱۰ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ ایمان لانے والوں کے بارے میں یوں کہتے ہیں کہ: ”اگر یہ (ایمان لانا) کوئی اچھی بات ہوتی تو یہ لوگ اس بارے میں ہم سے سبقت نہ لے جاسکتے۔“ اور جب ان کافروں نے اس سے خود ہدایت حاصل نہیں کی تو وہ تو یہی کہیں گے کہ یہ وہی پرانے زمانے کا جھوٹ ہے۔ ۱۱

(۴) اس جملے کو اگلے جملے کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہئے، اور مطلب یہ ہے کہ نہ میں کوئی انوکھا پیغمبر ہوں کہ مجھ سے پہلے دوسرے پیغمبر نہ آئے ہوں، اور نہ میں کوئی ایسا غیر معمولی دعویٰ کر رہا ہوں کہ میں عالم الغیب ہوں، کیونکہ مجھے جو کچھ علم ملا ہے، وہ وحی کے ذریعے ملا ہے، یہاں تک کہ وحی کے بغیر مجھے ذاتی طور پر یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ دنیا اور آخرت میں میرے ساتھ یا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے۔

(۵) یہ پیشین گوئی کی جارہی ہے کہ بنو اسرائیل میں سے کچھ یہودی اور عیسائی لوگ قرآن کریم پر ایمان لانے والے ہیں، جیسا کہ بعد میں یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عیسائیوں میں سے حضرت عدی بن حاتم اور نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایمان لائے، اور انہوں نے گواہی دی کہ اسی جیسی کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، اور قرآن کریم بنیادی عقائد میں اُسی کتاب جیسا ہے۔ مکہ مکرمہ کے بت پرستوں سے کہا جا رہا ہے کہ جو لوگ پہلے سے آسمانی کتاب رکھتے تھے، وہ تو ایمان لانے میں تم سے آگے نکل جائیں، اور تم اپنے گھمنڈ میں بیٹھے رہو تو یہ کتنے ظلم کی بات ہوگی۔

(۶) یہ تھا ان کافروں کا گھمنڈ کہ ہر قسم کی خوبیاں ہم میں ہی پائی جاتی ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ ہم سے کم حیثیت ہیں، اس لئے اگر اسلام کوئی اچھی بات ہوتی تو یہ لوگ ہم سے سبقت نہ لے جاتے۔



وَمِنْ قَبْلِهِ كُتِبَ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۖ وَهَذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانِ عَزِيزٍ لِّبْنِزَارِ  
الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ وَبُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ ۝۱۲ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا  
فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝۱۳ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ جَزَاءً لِّمَا  
كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۱۴ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ  
كُرْهًا ۖ وَحَلَلَهُ وَفَضَلَهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۖ

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت بن کر آچکی ہے۔ اور یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جو عربی زبان میں ہوتے ہوئے اُس کو سچا بتا رہی ہے، تاکہ ان ظالموں کو خبردار کرے، اور نیک کام کرنے والوں کے لئے خوشخبری بن جائے۔ ۱۲ یقیناً جن لوگوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ: ”ہمارا پروردگار اللہ ہے“ پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، تو اُن پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ۱۳ وہ جنت والے لوگ ہیں جو ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔ یہ اُن اعمال کا بدلہ ہوگا جو وہ کیا کرتے تھے۔ ۱۴ اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اُس کی ماں نے بڑی مشقت سے اُسے (پیٹ میں) اُٹھائے رکھا، اور بڑی مشقت سے اُس کو جنما، اور اُس کو اُٹھائے رکھنے اور اُس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہوتی ہے، ۱۵

(۷) عربی زبان میں ہونے کا خاص طور پر ذکر کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ کچھلی کوئی آسمانی کتاب عربی زبان میں نہیں آئی، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عربی کے سوا کسی اور زبان سے واقف نہیں ہیں، اس کے باوجود وہ عربی زبان میں اُن کچھلی کتابوں کی باتیں بتا رہے ہیں جن کا علم حاصل ہونے کا آپ کے پاس وحی کے سوا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔

(۸) ثابت قدم رہنے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مرتے دم تک اس ایمان پر قائم رہے، اور یہ بھی کہ اُس کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کی۔

(۹) ایمان پر ثابت قدم رہنے کا جو ذکر کچھلی آیت میں آیا ہے، اُس کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ انسان اپنے والدین سے اچھا سلوک کرے، نیز جیسا کہ اوپر سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، بعض مرتبہ کچھ لوگ مسلمان ہو جاتے تھے، اور اُن کے والدین ایمان نہیں لاتے تھے۔ ایسے میں اُن کے سامنے یہ سوال آتا تھا کہ ان کا فر والدین کے ساتھ کیا سلوک کریں۔ اس آیت نے یہ تعلیم دی کہ والدین کا انسان پر بہت بڑا احسان ہے، اس لئے جہاں تک اُن کے ساتھ عام برتاؤ کا تعلق ہے، اُس میں اچھا سلوک ہی کرنا چاہئے، لیکن نہ عقیدے میں اُن کا ساتھ دیا جائے، اور نہ کسی گناہ کے کام میں اُن کی بات مانی جائے، جیسا کہ سورہ عنکبوت (۸:۲۹) میں یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ گزر چکی ہے۔

(۱۰) حمل کی وہ کم سے کم مدت جس میں زندہ بچے کی پیدائش ممکن ہے، چھ مہینے ہے، اور دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔ اس طرح تیس مہینے یعنی ڈھائی سال کی مدت بنتی ہے۔



حَتَّىٰ إِذَا بَدَغَ أَسَدُهُ وَبَدَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۖ قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي  
 أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ  
 إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ  
 سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾ وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ  
 أُفٍّ لَّكُمَا اتَّعَذَّبْنِي أَنْ أَخْرِجَ وَقَدْ خَلَّتِ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِي ۖ وَهُمَا يَسْتَغِيثَانِ اللَّهَ وَيْلَكَ  
 آمِنْ ۖ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَيَقُولُ مَا هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٧﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ  
 عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا  
 خَاسِرِينَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا ۖ وَلِيُوفيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٩﴾

یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری توانائی کو پہنچ گیا، اور چالیس سال کی عمر تک پہنچا تو وہ کہتا ہے کہ: ”یا رَبِّ! مجھے توفیق دیجئے کہ میں آپ کی اُس نعمت کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی، اور ایسے نیک عمل کروں جن سے آپ راضی ہو جائیں، اور میرے لئے میری اولاد کو بھی صلاحیت دے دیجئے۔ میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں، اور میں فرماں برداروں میں شامل ہوں۔“ ﴿۱۵﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہم اُن کے بہترین اعمال قبول کریں گے، اور اُن کی خطاؤں سے درگزر کریں گے، (جس کے نتیجے میں) وہ جنت والوں میں شامل ہوں گے، اُس سچے وعدے کی بدولت جو اُن سے کیا جاتا تھا۔ ﴿۱۶﴾ اور ایک وہ شخص ہے جس نے اپنے والدین سے کہا ہے کہ: ”تف ہے تم پر! کیا تم مجھ سے یہ وعدہ کرتے ہو کہ مجھے زندہ کر کے قبر سے نکالا جائے گا، حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی نسلیں گزر چکی ہیں۔“ اور والدین اللہ سے فریاد کرتے ہیں، (اور بیٹے سے کہتے ہیں کہ:) ”افسوس ہے تجھ پر، ایمان لے آ۔ یقین جان کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔“ تو وہ کہتا ہے کہ: ”ان باتوں کی اس کے سوا کوئی حقیقت نہیں ہے کہ یہ محض افسانے ہیں جو پچھلے لوگوں سے نقل ہوتے چلے آ رہے ہیں۔“ ﴿۱۷﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں جنات اور انسانوں کے اُن گروہوں سمیت جو ان سے پہلے گزرے ہیں، (عذاب کی) بات طے ہو چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب بڑا نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ﴿۱۸﴾ اور ہر ایک (گروہ) کے اپنے اعمال کی وجہ سے مختلف درجے ہیں، اور اس لئے ہیں تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے۔ اور اُن پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۱۹﴾

(۱۱) بعض روایات میں مذکور ہے کہ یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے، انہوں نے ہی یہ دعا فرمائی تھی۔



وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۚ أَذُهِبَتْ طَبِيبَتُكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿٢٠﴾ وَاذْكُرُوا عَادَ ۚ إِذْ أَنْذَرْتُمُوهُ بِآلَا حَقَّافٍ وَقَدْ خَلَّتِ النَّذِيرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ ۖ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢١﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَأْفِكَنَّكَ عَنْ إِلَهِتِنَا ۖ فَأَتَيْنَا بِتَعْدُنَا ۖ إِن كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٢﴾ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَأُبَلِّغُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿٢٣﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ ۖ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُطَرِّنَا ۖ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ ۖ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٤﴾

اور اُس دن کو یاد رکھو جب ان کافروں کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا، (اور کہا جائے گا کہ:) ”تم نے اپنے حصے کی اچھی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں ختم کر ڈالیں، اور ان سے خوب مزہ لے لیا، لہذا آج تمہیں بدلے میں ذلت کی سزا ملے گی، کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے، اور کیونکہ تم نافرمانی کے عادی تھے۔“ ﴿۲۰﴾

اور قوم عاد کے بھائی (حضرت ہود علیہ السلام) کا تذکرہ کرو، جب انہوں نے اپنی قوم کو خم دار ٹیلوں کی سرزمین میں (۱۳) خبردار کیا تھا — اور ایسے خبردار کرنے والے اُن سے پہلے بھی گزر چکے ہیں، اور اُن کے بعد بھی — کہ: ”اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تم پر ایک زبردست دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔“ ﴿۲۱﴾ انہوں نے کہا: ”کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمارے خداؤں سے ہمیں برگشتہ کرو؟ اچھا اگر تم سچے ہو تو لے آؤ ہم پر وہ (عذاب) جس کی دھمکی دے رہے ہو۔“ ﴿۲۲﴾ انہوں نے فرمایا: ”ٹھیک ٹھیک علم تو اللہ کے پاس ہے (کہ وہ عذاب کب آئے گا؟) مجھے جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے، میں تو تمہیں وہی پیغام پہنچا رہا ہوں، البتہ میں یہ ضرور دیکھ رہا ہوں کہ تم ایسے لوگ ہو جو نادانی کی باتیں کر رہے ہو۔“ ﴿۲۳﴾ پھر ہوا یہ کہ جب انہوں نے اُس (عذاب) کو ایک بادل کی شکل میں آتا دیکھا جو اُن کی وادیوں کا رخ کر رہا تھا تو انہوں نے کہا کہ: ”یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔“ — نہیں! بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کی تم نے جلدی مچائی تھی — ایک آندھی جس میں دردناک عذاب ہے، ﴿۲۴﴾

(۱۲) یعنی اگر تم نے دنیا میں کچھ اچھے کام کئے بھی تھے تو ہم نے دنیا ہی میں ان کا بدلہ عیش و عشرت کی شکل میں تمہیں دے دیا، اور تم نے اُس کے مزے اُڑا کر اپنا حصہ دنیا ہی میں لے لیا۔

(۱۳) قرآن کریم میں اصل لفظ ”حقاف“ ہے۔ یہ ”حقف“ کی جمع ہے جو لمبے مگر خم دار ریت کے ٹیلے کو کہتے ہیں۔ جس جگہ



تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَى إِلَّا مَسْكِنُهُمْ ۚ كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ  
 الْمُجْرِمِينَ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ مَكَنَّا لَهُمْ فِيهَا إِنْ مَكَنَّاكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَعَادًا أَبْصَارًا وَأَفِيدَةً ۚ فَمَا  
 أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفِيدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ ۚ بِآيَاتِ اللَّهِ  
 وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حولَكُم مِّنَ الْقُرَىٰ وَصَرَّفْنَا الْآيَاتِ  
 لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصْرُهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً ۚ بَلْ ضَلُّوا  
 عَنْهُمْ ۚ وَذَلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۸﴾ وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ  
 الْقُرْآنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوا قَالُوا أَنصِتُوا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِينَ ﴿۲۹﴾

جوا اپنے پروردگار کے حکم سے ہر چیز کو تہس نہس کر ڈالے گی! غرض اُن کی حالت یہ ہو گئی کہ اُن کے گھروں کے سوا کچھ نظر  
 نہیں آتا تھا۔ ایسے مجرم لوگوں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ﴿۲۵﴾ اور (اے عرب کے لوگو!) ہم نے ان لوگوں کو ان باتوں  
 کی طاقت دی تھی جن کی طاقت تمہیں نہیں دی، اور ہم نے اُن کو کان، آنکھیں اور دل سب کچھ دے رکھے تھے، لیکن نہ  
 اُن کے کان اور ان کی آنکھیں اُن کے کچھ کام آئیں، اور نہ اُن کے دل، کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے، اور  
 جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، اُسی نے اُنہیں آگھیرا۔ ﴿۲۶﴾

اور ہم نے اور بستیوں کو بھی ہلاک کیا ہے جو تمہارے ارد گرد واقع تھیں، جبکہ ہم طرح طرح کی نشانیاں (اُن کے)  
 سامنے لا چکے تھے، تاکہ وہ باز آجائیں۔ ﴿۲۷﴾ پھر انہوں نے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے جن چیزوں کو اللہ کے سوا  
 معبود بنا رکھا تھا، اُنہوں نے ان کی کیوں مدد نہ کر لی؟ اس کے بجائے وہ سب ان کے لئے بے نشان ہو گئے۔ یہ تو ان کا  
 سراسر جھوٹ تھا، اور بہتان تھا جو انہوں نے تراش رکھا تھا۔ ﴿۲۸﴾

اور (اے پیغمبر!) یاد کرو جب ہم نے جنات میں سے ایک گروہ کو تمہاری طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں، چنانچہ جب  
 وہ وہاں پہنچے تو اُنہوں نے (ایک دوسرے سے) کہا کہ: ”خاموش ہو جاؤ“ پھر جب وہ پڑھا جا چکا تو وہ اپنی قوم کے پاس  
 اُنہیں خبردار کرتے ہوئے واپس پہنچے۔ ﴿۲۹﴾

قوم عاد آباد تھی، وہاں اسی قسم کے ٹیلے کثرت سے پائے جاتے تھے۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اُس سرزمین کا نام ہی  
 ”احقاف“ تھا، اور یہ یمن کے علاقے میں واقع تھی، آج یہاں کوئی آبادی نہیں ہے۔ قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو  
 بھیجا گیا تھا، اور اُن کا تعارف پیچھے سورہ اعراف (۶۵:۷) کے حاشیے میں گزر چکا ہے۔

(۱۴) اس سے مراد قوم ثمود اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں ہیں جو شام جاتے ہوئے اہل عرب کے راستے میں پڑتی تھیں۔

(۱۵) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے علاوہ جنات کے لئے بھی پیغمبر بنایا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ جس کا



قَالُوا يَقَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۳۰﴾ يَقَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءُ ۖ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۳۲﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْزُقْهُمْ بِخَلْقِهِنَّ يَقْدِرَ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ۖ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۳﴾

انہوں نے کہا: ”اے ہماری قوم کے لوگو! یقین جانو ہم نے ایک ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل کی گئی ہے، اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، حق بات اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ﴿۳۰﴾ اے ہماری قوم کے لوگو! اللہ کے داعی کی بات مان لو، اور اس پر ایمان لے آؤ، اللہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور تمہیں ایک دردناک عذاب سے پناہ دیدے گا۔“ ﴿۳۱﴾ اور جو کوئی اللہ کے داعی کی بات نہ مانے تو وہ ساری زمین میں کہیں بھی جا کر اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا، اور اللہ کے سوا اُس کو کسی قسم کے رکھوالے بھی نہیں ملیں گے۔ ایسے لوگ کھلی گمراہی مبتلا ہیں۔ ﴿۳۲﴾ کیا ان کو یہ سمجھائی نہیں دیا کہ وہ اللہ جس نے سارے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور ان کو پیدا کرنے سے اُس کو ذرا بھی تھکن نہیں ہوئی، وہ یقیناً اس بات پر پوری طرح قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے؟ اور کیوں نہ ہو؟ وہ بیشک ہر چیز کی پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ ﴿۳۳﴾

اس آیت میں تذکرہ ہے، اُس وقت پیش آیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف والوں کو تبلیغ فرمانے اور اُن سے دکھ اٹھانے کے بعد مکہ مکرمہ واپس تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک مقام کا نام نخلہ ہے، وہاں آپ نے قیام فرمایا، اور فجر کی نماز میں قرآن کریم کی تلاوت شروع کی۔ اُس وقت جنّات کی ایک جماعت وہاں سے گزر رہی تھی۔ اُس نے یہ کلام سنا تو وہ اُسے سننے کے لئے رُک گئے، اور توجہ سے سننے کے لئے ایک دوسرے کو خاموش رہنے کی تلقین کی۔ قرآن کریم کا پُر اثر کلام، اور فجر کے وقت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی، اُس نے ان جنّات پر ایسا اثر کیا کہ وہ اپنی قوم کے پاس بھی اسلام کے داعی بن کر پہنچے، اور پھر اُن کے کئی وفود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مختلف اوقات میں آئے، آپ نے اُن کو تبلیغ اور تعلیم کا فریضہ انجام دیا۔ جن راتوں میں جنّات سے آپ کی ملاقاتیں ہوئیں، اُن میں سے ہر ایک کو ”لیلة الجن“ کہا جاتا ہے، اور ان میں سے بعض راتوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ جنّات کے اسلام قبول کرنے کی مزید تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سورہ جن میں آئے گی۔



وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۚ أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبَّنَا ۚ قَالَ  
فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۳﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعِزِّ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا  
تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ۚ كَانَتْهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ ۚ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۚ بَلَدٌ  
فَهَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ الْفَاسِقُونَ ﴿۳۴﴾

اور جس دن کافروں کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا، اُس دن (ان سے پوچھا جائے گا) کہ کیا یہ (دوزخ) سچ نہیں ہے؟ وہ کہیں گے کہ: ”ہمارے رب کی قسم! یہ واقعی سچ ہے۔“ اللہ ارشاد فرمائے گا کہ: ”پھر چکھو مزہ عذاب کا، اُس کفر کے بدلے میں جو تم نے اختیار کر رکھا تھا۔“ ﴿۳۳﴾

غرض (اے پیغمبر!) تم اُسی طرح صبر کئے جاؤ جیسے اُولو العزم پیغمبروں نے صبر کیا ہے، اور ان کے معاملے میں جلدی نہ کرو۔ جس دن یہ لوگ وہ چیز دیکھ لیں گے جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے، اُس دن (انہیں) یوں محسوس ہوگا جیسے وہ (دُنیا میں) دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔ یہ ہے وہ پیغام جو پہنچا دیا گیا ہے! اب برباد تو وہی لوگ ہوں گے جو نافرمان ہیں۔ ﴿۳۴﴾

(۱۶) یعنی آخرت میں پہنچ کر جب وہ عذاب سامنے آئے گا جس سے انہیں مسلسل آگاہ کیا جاتا رہا تھا، تو اُس کی شدت دیکھ کر انہیں دُنیا کی ساری زندگی اتنی مختصر محسوس ہوگی جیسے وہ صرف ایک دن کا کوئی حصہ ہو۔

الحمد للہ! سورۃ اَحْقَاف کا ترجمہ اور حواشی آج بروز اتوار شب ۲۴ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۱ فروری ۲۰۰۸ء کو کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اُسے مفید بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ مُحَمَّدٍ

## تعارف

یہ سورت مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں، اور بیشتر مفسرین کی رائے میں جنگِ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب عرب کے کفار مدینہ منورہ کی اُبھرتی ہوئی اسلامی حکومت کو کسی نہ کسی طرح زیر کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے، اور اُس پر حملے کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس لئے اس سورت میں بنیادی طور پر جہاد و قتال کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کا کلمہ بلند رکھنے کے لئے جہاد کرتے ہیں، اُن کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ مدینہ منورہ میں ایک بڑی تعداد اُن منافقوں کی تھی جو زبان سے تو اسلام لے آئے تھے، لیکن دل سے وہ کافر تھے۔ ایسے لوگوں کے سامنے جب جہاد اور لڑائی کی بات کی جاتی تو اپنی بزدلی اور دل کے کھوٹ کی وجہ سے لڑائی سے بچنے کے بہانے تلاش کرتے تھے۔ اس سورت میں اُن کی مذمت کر کے اُن کا برا انجام بتایا گیا ہے۔ جنگ کے دوران جو قیدی گرفتار ہوں، اُن کے احکام بھی اس سورت میں بیان ہوئے ہیں۔ چونکہ اس سورت کی دوسری ہی آیت میں حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نام لیا گیا ہے، اس لئے اس کا نام سورہ محمد (ﷺ) ہے، اور چونکہ اس میں جہاد و قتال کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں، اس لئے اس کو سورہ قتال بھی کہا جاتا ہے۔



﴿ ایتھا ۲۸ ﴾ ﴿ سُورَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ ۹۵ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۴ ﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْذُوعُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ○ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ○ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ○ ذَلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ ○ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ○ فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ○ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَسْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ○ فَمَا مَتَابِعْدُ ○ إِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ○ ذَلِكَ ○ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرْنَا مِنْهُمْ ○ وَلَكِنْ لِيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ○ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ○ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ○

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں اڑتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے، اللہ نے اُن کے اعمال اکارت کر دیئے ہیں۔ (۱) اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اور ہر اُس بات کو دل سے مانا ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے — اور وہی حق ہے جو ان کے پروردگار کی طرف سے آیا ہے — اللہ نے اُن کی بُرائیوں کو معاف کر دیا ہے، اور ان کی حالت سنواری ہے۔ (۲) یہ اس لئے کہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے، وہ باطل کے پیچھے چلے ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ اُس حق کے پیچھے چلے ہیں جو اُن کے پروردگار کی طرف سے آیا ہے۔ اسی طرح اللہ لوگوں کو بتا رہا ہے کہ اُن کے حالات کیا ہیں۔ (۳) اور جب اُن لوگوں سے تمہارا مقابلہ ہو جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے، تو گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم اُن کی طاقت کچل چکے ہو، تو مضبوطی سے گرفتار کر لو، پھر چاہے احسان کر کے چھوڑ دو، یا فدیہ لے کر، یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار پھینک کر ختم ہو جائے۔ تمہیں تو یہی حکم ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو خود ان سے انتقام لے لیتا، لیکن (تمہیں یہ حکم اس لئے دیا ہے) تاکہ تمہارا ایک دوسرے کے ذریعے امتحان لے۔ (۴) اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے، اللہ اُن کے اعمال کو ہرگز اکارت نہیں کرے گا۔ (۵) وہ انہیں منزل تک پہنچا دے گا، اور اُن کی حالت سنواری دے گا، (۶)

(۱) کافر لوگ جو کوئی اچھے کام دُنیا میں کرتے ہیں، جیسے غریبوں کی امداد وغیرہ، اُن کا بدلہ اللہ تعالیٰ انہیں دُنیا ہی میں دے



دیتے ہیں، لیکن آخرت میں ثواب حاصل کرنے کے لئے ایمان شرط ہے، اس لئے آخرت کے لحاظ سے وہ اعمال اکارت چلے جاتے ہیں۔

(۲) جنگِ بدر میں جو ستر آدمی گرفتار ہوئے تھے، اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی اکثریت کے مشورے سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا تھا۔ اس پر سورہ انفال (۲۲:۸-۲۳) میں اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جب تک کافروں کی طاقت اچھی طرح کچلی نہیں جاتی، اُس وقت تک قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا صحیح فیصلہ نہیں تھا، کیونکہ ان حالات میں دشمنوں کو چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اُن کی طاقت کو اور مضبوط کیا جائے۔ سورہ انفال کی ان آیتوں سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا تھا کہ شاید آئندہ بھی جنگی قیدیوں کو چھوڑنا جائز نہ ہو۔ اس آیت نے یہ وضاحت فرمادی کہ اُس وقت قیدیوں کو چھوڑنے پر اللہ تعالیٰ نے ناراضگی کا جو اظہار فرمایا تھا، وہ اس لئے کہ دشمن کی طاقت کو اچھی طرح کچلے بغیر انہیں رہا کر دیا گیا۔ لیکن جب اُن کی طاقت کچلی جا چکی ہو تو اُس وقت انہیں چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور مسلمان حاکم کے لئے دونوں صورتیں جائز ہیں، چاہے کوئی فدیہ یعنی معاوضہ لئے بغیر احسان کے طور پر انہیں چھوڑ دیا جائے، یا کوئی فدیہ لے کر چھوڑا جائے۔ چنانچہ اس آیت کی روشنی میں اسلامی حکومت کو چار قسم کے اختیار حاصل ہیں، ایک یہ کہ قیدیوں کو بلا معاوضہ احسان کے طور پر چھوڑ دے، دوسرے یہ کہ ان سے کوئی فدیہ یا معاوضہ لے کر چھوڑے جس میں جنگی قیدیوں کا تبادلہ بھی داخل ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر ان کو زندہ چھوڑنے میں یہ اندیشہ ہو کہ وہ مسلمانوں کے لئے خطرہ بنیں گے تو انہیں قتل کرنے کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ سورہ انفال (۲۲:۸-۲۳) میں بیان فرمایا گیا ہے، اور چوتھے یہ کہ اگر ان میں یہ صلاحیت محسوس ہو کہ وہ زندہ رہ کر مسلمانوں کے لئے خطرہ بننے کے بجائے اچھی خدمات انجام دے سکیں گے تو انہیں غلام بنا کر رکھا جائے، اور اُن اسلامی احکام کے مطابق رکھا جائے جو غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتے ہیں، اور انہیں بھائیوں کا سادہ درجہ دیتے ہیں۔ ان چار صورتوں میں سے کوئی صورت لازمی نہیں ہے، بلکہ اسلامی حکومت حالات کے مطابق کسی بھی صورت کو اختیار کر سکتی ہے۔ لیکن یہ اُس وقت ہے جب دشمنوں سے جنگی قیدیوں کے بارے میں کوئی معاہدہ نہ ہو۔ اگر کوئی ایسا معاہدہ ہو تو مسلمانوں پر اُس کی پابندی لازم ہے۔ آج کل بین الاقوامی طور پر اکثر ملکوں نے جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ معاہدہ کیا ہوا ہے کہ وہ قیدیوں کو نہ قتل کریں گے اور نہ غلام بنائیں گے۔ جو ممالک اس معاہدے میں شریک ہیں، اور جب تک شریک ہیں، اُن کے لئے اُس کی پابندی شرعاً بھی لازم ہے۔

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر مسلموں کو قتل کرنا یا گرفتار کرنا صرف حالتِ جنگ میں جائز ہے۔ جب حالتِ جنگ ختم ہوگئی ہو، اور امن کا کوئی معاہدہ ہو گیا ہو تو قتل یا گرفتار کرنا جائز نہیں ہے۔

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ خود براہِ راست ان پر کوئی عذاب نازل کر کے ان سے انتقام لے سکتا تھا، لیکن اُس نے تم پر جہاد کا فریضہ اس لئے عائد فرمایا ہے کہ تمہارا امتحان مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر تم میں سے کون ثابت قدمی سے اپنی جان خطرے میں ڈالتا ہے، اور ان کافروں کا بھی امتحان مقصود ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت دیکھ کر ایمان کی طرف مائل ہوتے ہیں یا نہیں۔

(۵) جو لوگ جہاد میں شہید ہو جائیں، ان کے بارے میں یہ خیال ہو سکتا تھا کہ وہ فتح کی منزل تک پہنچے بغیر دنیا سے چلے گئے، اس لئے شاید ان کے اجر و ثواب میں کوئی کمی ہو، آیت نے واضح فرمادیا کہ انہوں نے جو قربانی دی، اللہ تعالیٰ اُس کو ضائع نہیں کرے گا، اور ان کو اصلی منزل یعنی جنت تک پہنچا دے گا۔



وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَفَهَا لَهُمْ ① يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ② وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعَسَّأَلَهُمْ وَاصْلَ أَعْمَالَهُمْ ③ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا آمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ④ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ⑤ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ⑥ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ⑦ إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ⑧ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَشْوَى لَهُمْ ⑨ وَكَائِنْ مِنْ قُرَيْبَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قُرَيْتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ ⑩ أَهْلَكَنَّهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ⑪

اور انہیں جنت میں داخل کرے گا جس کی انہیں خوب پہچان کرادی ہوگی۔ ① اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدم جمادے گا۔ ② اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اُن کے لئے تباہی ہے، اور اللہ نے اُن کے اعمال اکارت کر دیئے ہیں۔ ③ یہ اس لئے کہ انہوں نے اُس بات کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کی تھی، چنانچہ اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔ ④ بھلا کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ اُن لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے گزرے ہیں؟ اللہ نے ان پر تباہی ڈالی، اور کافروں کے لئے اسی جیسے انجام مقدر ہیں۔ ⑤ یہ اس لئے کہ اللہ اُن لوگوں کا رکھوالا ہے جو ایمان لائیں، اور کافروں کا کوئی رکھوالا نہیں ہے۔ ⑥ یقین رکھو کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اللہ اُن کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور جنہوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ (یہاں تو) مزے اڑا رہے ہیں، اور اس طرح کھا رہے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں، اور جہنم اُن کا آخری ٹھکانا ہے۔ ⑦ اور کتنی بستیاں ہیں جو طاقت میں تمہاری اُس بستی سے زیادہ مضبوط تھیں جس نے (اے پیغمبر!) تمہیں نکالا ہے، ان سب کو ہم نے ہلاک کر دیا، اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔ ⑧

① اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دُنیا ہی میں اپنے پیغمبروں کے ذریعے مسلمانوں کو جنت کا تعارف کرادیا ہے۔ یہ جنت اُسی تعارف کے مطابق ہوگی۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ممکن ہے، اور زیادہ تر مفسرین نے اُسی کو اختیار کیا ہے کہ ہر جنتی کو جنت میں اپنی جگہ تلاش کرنے میں کوئی دُشواری نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی پہچان کرانے کا ایسا آسان انتظام کر رکھا ہے کہ ہر جنتی اپنی مقررہ جگہ پر کسی دُشواری اور تفتیش کے بغیر بے تکلف پہنچ جائے گا۔

② مکہ مکرمہ کے کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا گھربار چھوڑ کر مکہ مکرمہ سے نکلنے پر جو مجبور کیا تھا، اُس کی طرف اشارہ ہے، اور فرمایا جا رہا ہے کہ اُن کی اس کارروائی سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ لوگ طاقتور ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم



أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوهُ أَوْ هُوَ آءَهُمْ ۖ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ ۖ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ ۖ وَأَنْهَارٌ مِّن خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِلشَّرْبِ بَيْنَ ۖ وَأَنْهَارٌ مِّن عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۖ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيماً فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ۖ (۱۴)  
وَمِنْهُمْ مَّن يَّسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِن عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَوْ هُوَ آءَهُمْ ۖ (۱۵)

اب بتاؤ کہ جو لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن راستے پر ہوں، کیا وہ اُن جیسے ہو سکتے ہیں جن کی بدکاری ہی اُن کے لئے خوشنما بنا دی گئی ہو، اور وہ اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلتے ہوں؟ (۱۴)  
متقی لوگوں سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے، اُس کا حال یہ ہے کہ اُس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو خراب ہونے والا نہیں، ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ نہیں بدلے گا، ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے سراپا لذت ہوگی، اور ایسے شہد کی نہریں ہیں جو تھرا ہوا ہوگا، اور ان جنتیوں کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے، اور ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت! کیا یہ لوگ اُن جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، اور انہیں گرم پانی پلایا جائے گا، چنانچہ وہ ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا؟ (۱۵) اور (اے پیغمبر!) ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو تمہاری باتیں کانوں سے تو سنتے ہیں، لیکن جب تمہارے پاس سے نکل کر جاتے ہیں تو جنہیں علم عطا ہوا ہے، اُن سے پوچھتے ہیں کہ: ”ابھی ابھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا کہا تھا؟“ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے، اور جو اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ (۱۶)

پر غالب آ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ طاقت ور قوموں کو ہلاک کر چکا ہے، ان کی توان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے، اس لئے آخر کار غلبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہوگا۔

(۸) یہ منافقین کا ذکر ہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر ظاہر تو یہ کرتے تھے کہ وہ آپ کی باتیں سن رہے ہیں، لیکن باہر نکل کر دوسروں سے پوچھتے تھے کہ آپ نے کیا بات فرمائی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم نے مجلس میں بیٹھ کر توجہ سے آپ کی بات نہیں سنی۔ اور شاید آپس میں ایک دوسرے کو یہ جتاننا بھی مقصود ہو کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو (معاذ اللہ) قابل توجہ نہیں سمجھتے۔



وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ۖ فَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا فَأَنَّى لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرُهُمْ ۚ فَأَعْلَمَ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ۖ وَاسْتَغْفِرُ لِدُنْيِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ ۚ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۚ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۖ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ ۚ

اور جن لوگوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا ہے، اللہ نے انہیں ہدایت میں اور ترقی دی ہے، اور انہیں اُن کے حصے کا تقویٰ عطا فرمایا ہے۔ (۱۵) اب کیا یہ (کافر) لوگ قیامت ہی کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ یکا یک ان پر آن پڑے؟ (اگر ایسا ہے) تو اُس کی علامتیں تو آچکی ہیں۔ پھر جب وہ آہی جائے گی تو اُس وقت ان کے لئے نصیحت ماننے کا موقع کہاں سے آئے گا؟ (۱۸) لہذا (اے پیغمبر!) یقین جانو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، اور اپنے قصور پر بھی بخشش کی دعا مانگتے رہو، اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی بخشش کی بھی، اور اللہ تم سب کی نقل و حرکت اور تمہاری قیام گاہ کو خوب جانتا ہے۔ (۱۹) اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: ”کیا اچھا ہو کہ کوئی (نئی) سورت نازل ہو جائے؟“ پھر جب کوئی چچی تلی سورت نازل ہو جائے، اور اُس میں لڑائی کا ذکر ہو تو جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے، تم انہیں دیکھو گے کہ وہ تمہاری طرف اس طرح نظریں اٹھائے ہوئے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو۔ بڑی خرابی ہے ایسے لوگوں کی۔ (۲۰)

(۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے معصوم تھے، آپ سے گناہ کا کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا تھا، لیکن آپ کی کسی کسی رائے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ آپ کے مقام بلند کے مناسب نہیں تھی (مثلاً جنگِ بدر کے قیدیوں کے بارے میں آپ کا فیصلہ جس کا ذکر سورہ انفال (۲۲: ۸-۲۳) میں گزرا ہے، نیز بشری تقاضے سے کبھی کبھی آپ سے نماز کی رکعتوں وغیرہ میں بھول بھی ہوئی)۔ اسی قسم کی باتوں کو یہاں قصور سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اور درحقیقت اس میں آپ کی امت کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی جو گناہ نہیں ہیں، استغفار فرماتے ہیں تو امت کے لوگوں کو اپنے ہر چھوٹے بڑے گناہ پر اور زیادہ اہتمام کے ساتھ استغفار کرنا چاہئے۔

(۱۰) صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو قرآن کریم سے عشق تھا، اس لئے انہیں ہمیشہ یہ اشتیاق رہتا تھا کہ کوئی نئی سورت نازل ہو، خاص طور پر جو حضرات جہاد کے مشتاق تھے، انہیں یہ انتظار تھا کہ کسی نئی سورت کے ذریعے انہیں جہاد کی اجازت ملے۔ منافق لوگ بھی اُن کی دیکھا دیکھی کبھی اس خواہش کا اظہار کر دیتے ہوں گے، لیکن جب جہاد کی آیتیں آئیں تو اُن کے سارے



طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ ۚ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ ۖ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ ۚ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ ۚ الْقُرْآنَ أَمْرٌ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۚ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ ۖ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ ۖ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ۚ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا الَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ۚ ۚ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۚ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا آسَخَطَ اللَّهُ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ ۖ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۚ ۚ

۱۱۱

یہ فرماں برداری کا اظہار اور اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں، لیکن جب (جہاد کا) حکم پکا ہو جائے، اُس وقت اگر یہ اللہ کے ساتھ سچے نکلیں تو ان کے حق میں اچھا ہو۔ ۱۱۱ پھر اگر تم نے (جہاد سے) منہ موڑا تو تم سے کیا توقع رکھی جائے؟ یہی کہ تم زمین میں فساد مچاؤ، اور اپنے خونی رشتے کاٹ ڈالو! ۱۱۲ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دُور کر دیا ہے، چنانچہ اُنہیں بہر اِبنادیا ہے، اور ان کی آنکھیں اندھی کر دی ہیں۔ ۱۱۳ بھلا کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے، یا دلوں پر وہ تالے پڑے ہوئے ہیں جو دلوں پر پڑا کرتے ہیں؟ ۱۱۴ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ حق بات سے پیٹھ پھیر کر مڑ گئے ہیں، باوجودیکہ ہدایت اُن کے سامنے خوب واضح ہو چکی تھی، اُنہیں شیطان نے پٹی پڑھائی ہے، اور اُنہیں دُور دراز کی اُمیدیں دلائی ہیں۔ ۱۱۵ یہ سب اس لئے ہوا کہ جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی باتوں کو ناپسند کرتے ہیں، ان (منافقوں) نے اُن سے یہ کہا ہے کہ: ”بعض معاملات میں ہم تمہاری بات مانیں گے۔“ اور اللہ ان کی خفیہ باتوں کو خوب جانتا ہے۔ ۱۱۶ پھر اس وقت ان کا کیا حال بنے گا جب فرشتے ان کی رُوح اس طرح قبض کریں گے کہ ان کے چہروں پر اور پیٹھوں پر مارتے جاتے ہوں گے؟ ۱۱۷ یہ سب اس لئے کہ یہ اس طریقے پر چلے جس نے اللہ کو ناراض کیا، اور اُس کی رضا مندی حاصل کرنے کو خود انہوں نے ناپسند کیا، اس لئے اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔ ۱۱۸

اشتیاق کی قلعی کھل گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زبانی شوق ظاہر کرنے کا کیا فائدہ؟ جب وقت آئے، اُس وقت اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو سچا کر دکھائیں تو ان کے حق میں بہتر ہو۔

(۱۱) جہاد کا ایک مقصد یہ ہے کہ اُس کے ذریعے دُنیا میں انصاف قائم ہو، اور غیر اسلامی حکومتوں کے ذریعے جو ظلم اور فساد پھیلا ہوا ہے، اُس کا خاتمہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اگر تم جہاد سے منہ موڑ لو گے تو دُنیا میں فساد پھیلے گا، اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کے نتیجے میں ظلم اور نا انصافی کا دور دورہ ہوگا جس کی ایک شکل یہ ہے کہ رشتہ داریوں کے حقوق پامال ہوں۔



أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَصْغَانَهُمْ ۖ وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسَيِّئِهِمْ ۖ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ۖ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّى نَعْلَمَ الْمُجْتَهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ ۚ وَنَبْلُوَكُمْ أَخْبَارَكُمْ ۖ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۖ وَسَيُحِطُّ أَعْمَالُهُمْ ۖ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۖ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۖ

جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے، کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کے چھپے ہوئے کینوں کو اللہ کبھی ظاہر نہیں کرے گا؟ ۲۹ اور (مسلمانو!) اگر ہم چاہیں تو تمہیں یہ لوگ اس طرح دکھا دیں کہ تم اُن کی علامت سے انہیں پہچان جاؤ، اور (اب بھی) تم انہیں بات کرنے کے ڈھب سے ضرور پہچان ہی جاؤ گے، اور اللہ تم سب کے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ ۳۰ اور ہم ضرور تمہیں آزمائش میں ڈالیں گے، تاکہ ہم یہ دیکھ لیں کہ تم میں سے کون ہیں جو مجاہد اور ثابت قدم رہنے والے ہیں، اور تاکہ تمہارے حالات کی جانچ پڑتال کر لیں۔ ۳۱ یقین رکھو کہ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اور دُوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے، اور پیغمبر سے دشمنی ٹھانی ہے باوجودیکہ ان کے سامنے ہدایت واضح ہو کر آگئی تھی، وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور عنقریب اللہ ان کا سارا کیا دھرا غارت کر دے گا۔ ۳۲ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔ ۳۳ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اور دُوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے، پھر کفر ہی کی حالت میں مر گئے ہیں، اللہ کبھی اُن کو نہیں بخشے گا۔ ۳۴

(۱۲) اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ جو سازشیں اللہ تعالیٰ کے دین کے خلاف کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو ملیا میٹ کر دے گا، اور وہ مطلب بھی ہو سکتا ہے جو سورت کی پہلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ان کے جو کوئی اچھے کام ہیں، آخرت میں اُن پر کوئی ثواب نہیں ملے گا۔



فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ ۖ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ ۖ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتَرَكَكُمْ  
 أَعْمَالَكُمْ ۝ (۳۵) إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۖ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أَجْرَكُمْ  
 وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ۝ (۳۶) إِنْ يَسْأَلْكُمْوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخُلُوا وَيُخْرِجْ أَضْعَانَكُمْ ۝ (۳۷) هَآأَنْتُمْ  
 هَآؤُلَآءِ تَدْعُونَ لِنُتَّقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَبِمَنْ مِّنْ يَّبْخُلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلْ عَنِ  
 نَفْسِهِ ۖ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ ثُمَّ لَا  
 يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ۝ (۳۸)

ع

لہذا (اے مسلمانو!) تم کمزور پڑ کر صلح کی دعوت نہ دو، تم ہی سر بلند رہو گے، اللہ تمہارے ساتھ ہے، اور وہ تمہارے اعمال کو ہرگز برباد نہیں کرے گا۔ (۳۵) یہ دنیوی زندگی تو بس کھیل تماشا ہے، اور اگر تم ایمان لاؤ، اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تمہارے اجر تمہیں دے گا، اور تمہارے مال تم سے نہیں مانگے گا۔ (۳۶) اگر وہ تم سے تمہارے مال طلب کرے، اور تم سے سب کچھ سمیٹ لے تو تم بخل سے کام لو گے، اور وہ تمہارے دل کی ناراضیوں کو ظاہر کر دے گا۔ (۳۷) دیکھو! تم ایسے ہو کہ تمہیں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو بخل سے کام لیتے ہیں، اور جو شخص بھی بخل کرتا ہے، وہ خود اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے۔ (۳۸) اور اللہ بے نیاز ہے، اور تم ہو جو محتاج ہو۔ اور اگر تم منہ موڑو گے تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا، پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔ (۳۹)

(۱۳) مطلب یہ ہے کہ بزدلی کی وجہ سے دشمن کو صلح کی دعوت نہ دو، ورنہ قرآن کریم نے خود سورہ انفال (۶۱:۸) میں فرمایا ہے کہ: ”اور اگر وہ لوگ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اُس کی طرف جھک جاؤ۔“ یعنی جب یہ صلح کسی بزدلی کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ مصلحت کا تقاضا ہو تو صلح جائز ہے۔

(۱۴) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سر بلندی کے لئے تم جو کوشش بھی جہاد وغیرہ کے ذریعے کرو گے، اُسے اللہ تعالیٰ رانگاں نہیں جانے دے گا، اور تمہیں سر بلندی حاصل ہوگی، اور یہ بھی کہ تم جو کوئی نیک کام کرو گے جس میں جہاد بھی داخل ہے، چاہے دنیا میں فتح کی صورت میں اُس کا نتیجہ نہ نکلے، لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں اُس کا پورا پورا ثواب عطا فرمائے گا، اور اُس ثواب میں صرف اس وجہ سے کوئی کمی نہیں ہوگی کہ تمہاری جدوجہد بظاہر کامیاب نہیں ہوئی۔

(۱۵) اطاعت کا اصل تقاضا تو یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیں کہ اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دو تو تم اُس پر بھی خوشی سے راضی رہو، لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اس حکم کو برداشت نہیں کر سکو گے، اور اس سے تمہارے دلوں میں



نا پسندیدگی پیدا ہوگی، اس لئے اللہ تعالیٰ ایسا حکم نہیں دیتے۔ البتہ تمہارے مال کا کچھ حصہ وہ خود تمہارے فائدے کے لئے جہاد میں خرچ کرنے کو کہہ رہا ہے، اپنے فائدے کے لئے نہیں۔ چنانچہ اس سے تمہیں بخل نہیں کرنا چاہئے۔

(۱۶) اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خرچ کرنے سے بخل کرو گے تو اس کا نقصان تم ہی کو پہنچے گا، اول تو اس لئے کہ اس کے نتیجے میں جہاد نہ ہو سکے گا، اور دشمن غالب آجائے گا، یا مثلاً زکوٰۃ نہ دینے کی صورت میں فقر و فاقہ عام رہے گا، اور دوسرے اس لئے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا وبال بھگتنا پڑے گا۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۳ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۹ فروری ۲۰۰۸ء شبِ دو شنبہ میں سورہ محمد (ﷺ) کا ترجمہ اور تشریحی حواشی کی تکمیل بحرین میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اسے قارئین کے لئے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْفَتْحِ

## تعارف

یہ سورت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی جس کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ فرمایا کہ اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ ادا فرمائیں۔ آپ نے یہ خواب بھی دیکھا تھا کہ آپ مسجد حرام میں اپنے صحابہؓ کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں۔ چنانچہ آپ چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو آپ کو پتہ چلا کہ قریش کے مشرکین نے ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکے۔ اس خبر کے ملنے پر آپ نے اپنی پیش قدمی روک دی، اور مکہ مکرمہ سے کچھ دُور حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا، (یہ جگہ آج کل ”شمیسی“ کہلاتی ہے) وہاں سے آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا ایلیٰ بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا، تاکہ وہ وہاں کے سرداروں کو بتائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنگ کے ارادے سے نہیں آئے ہیں، وہ صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں، اور عمرہ کر کے پُر امن طور پر واپس چلے جائیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ گئے تو ان کے جانے کے کچھ ہی بعد یہ افواہ پھیل گئی کہ مکہ مکرمہ کے کافروں نے انہیں قتل کر دیا ہے۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے اُن سے یہ بیعت لی، (یعنی ہاتھ میں ہاتھ لے کر یہ عہد لیا) کہ اگر کفار مکہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تو وہ اُن کے مقابلے میں اپنی جانوں کی قربانی پیش کریں گے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ خزاعہ کے ایک سردار کے ذریعے قریش کے سرداروں کو یہ پیشکش کی کہ اگر وہ ایک مدت تک جنگ بندی کا معاہدہ کرنا چاہیں تو آپ اس کے لئے تیار ہیں۔ جواب میں مکہ مکرمہ سے کئی ایلیٰ آئے، اور آخر کار ایک معاہدہ لکھا گیا جس میں محمد بن اسحقؓ کی روایت کے مطابق یہ طے ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش آئندہ دس سال تک ایک دوسرے کے خلاف کوئی جنگ نہیں کریں گے۔ (سیرت ابن ہشام ۲: ۳۱۷ و فتح الباری ۸: ۲۸۳) اسی معاہدے کو صلح حدیبیہ کا معاہدہ کہا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ اس موقع پر کافروں کے طرزِ عمل سے بہت غم و غصے کی حالت میں تھے، اور کافروں نے صلح کی یہ شرط رکھی تھی کہ اس وقت مسلمان واپس مدینہ منورہ چلے جائیں، اور



اگلے سال آ کر عمرہ کریں۔ تمام صحابہٴ احرام باندھ کر آئے تھے، اور کافروں کی ضد کی وجہ سے احرام کھولنا اُن کو بہت بھاری معلوم ہو رہا تھا، اس کے علاوہ کافروں نے ایک شرط یہ بھی رکھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ کا کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ منورہ جائے گا تو مسلمانوں کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اُسے واپس مکہ مکرمہ بھیجیں، اور اگر کوئی شخص مدینہ منورہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ آئے گا تو قریش کے ذمے یہ نہیں ہوگا کہ وہ اُسے واپس مدینہ منورہ بھیجیں۔ یہ شرط بھی مسلمانوں کے لئے بہت تکلیف دہ تھی، اور اس کی وجہ سے وہ یہ چاہتے تھے کہ ان شرائط کو قبول کرنے کے بجائے ان کافروں سے ابھی ایک فیصلہ کن معرکہ ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اسی صلح کے نتیجے میں آخر کار قریش کا اقتدار ختم ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرائط منظور کر لیں۔ صحابہ کرام اُس وقت جہاد کے جوش سے سرشار تھے، اور موت پر بیعت کر چکے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے آگے انہوں نے سر جھکا دیا، اور صلح پر راضی ہو کر واپس مدینہ منورہ چلے گئے، اور اگلے سال عمرہ کیا۔ اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد ایک واقعہ تو یہ ہوا کہ ایک صاحب جن کا نام ابوبصیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تھا، مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدے کے مطابق انہیں واپس بھیج دیا، انہوں نے مکہ مکرمہ جانے کے بجائے ایک درمیانی جگہ پڑاؤ ڈال کر قریش کے خلاف چھاپہ مار جنگ شروع کر دی، کیونکہ وہ صلح حدیبیہ کے معاہدے کے پابند نہیں تھے۔ اس چھاپہ مار جنگ سے قریش اتنے پریشان ہوئے کہ خود انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ اب ہم وہ شرط واپس لیتے ہیں جس کی رو سے مکہ مکرمہ کے مسلمانوں کو واپس بھیجنا ضروری قرار دیا گیا تھا، قریش نے کہا کہ اب جو کوئی مسلمان ہو کر آئے تو آپ اُسے مدینہ منورہ ہی میں رکھیں، اور ابوبصیر اور اُن کے ساتھیوں کو بھی اپنے پاس بلا لیں، چنانچہ آپ نے انہیں مدینہ منورہ بلا لیا۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ قریش کے کافروں نے دو سال کے اندر اندر حدیبیہ کے معاہدے کی خلاف ورزی کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیغام بھیجا کہ یا تو وہ اس کی تلافی کریں، یا معاہدہ ختم کریں، قریش نے اُس وقت غرور میں آ کر کوئی بات نہ مانی جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو پیغام بھیج دیا کہ اب ہمارا آپ کا معاہدہ ختم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ہجرت کے آٹھویں سال دس ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ اُس وقت تک قریش کا غرور ٹوٹ چکا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص خونریزی کے بغیر مکہ مکرمہ میں فاتح بن کر داخل ہوئے، اور قریش کے لوگوں نے شہر آپ کے حوالے کر دیا۔

سورہ فتح میں صلح حدیبیہ کے مختلف واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے، اور صحابہ کرامؓ کی تعریف کی گئی ہے کہ انہوں نے اس واقعے کے ہر مرحلے پر بڑی بہادری، سرفروشی اور اطاعت کے جذبے کا مظاہرہ کیا۔ دوسری طرف منافقین کی بد اعمالیوں اور اُن کے بُرے انجام کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔



﴿اٰیٰتِهَا ۲۹﴾ ﴿سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۱﴾ ﴿رُكُوْعَاتُهَا ۴﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝۱ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيْكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۲ وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝۳ هُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزِدَّ اٰيٰتًا مَّعَ اٰيٰتِهِمْ ۝۴ وَلِيُهْزِلَ جُنُوْدَ السَّمُوْتِ وَالْاَرْضِ ۝۵ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۶

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں اُنتیس آیتیں اور چار رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) یقین جانو، ہم نے تمہیں کھلی ہوئی فتح عطا کر دی ہے، ۱ تاکہ اللہ تمہاری اگلی کچھلی تمام کوتاہیوں کو معاف کر دے، ۲ اور تاکہ اپنی نعمت تم پر مکمل کر دے، اور تمہیں سیدھے راستے پر لے چلے، ۳ اور (تاکہ) اللہ تمہاری ایسی مدد کرے جو سب پر غالب آجائے۔ ۴ وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں سکینت اُتار دی، تاکہ اُن کے ایمان میں مزید ایمان کا اضافہ ہو۔ اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ ہی کے ہیں، اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ۵

(۱) صحیح روایات کے مطابق یہ آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی جس کا واقعہ سورت کے تعارف میں گزر چکا ہے۔ اگرچہ بظاہر صلح کی شرائط ایسی نظر نہیں آرہی تھیں جنہیں ”کھلی ہوئی فتح“ کہا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ جن حالات میں یہ صلح ہوئی ہے، اُن میں یہ ایک بڑی اور کھلی ہوئی فتح کا پیش خیمہ ہے، اور آخر کار اسی کے نتیجے میں مکہ مکرمہ فتح ہوگا۔

(۲) جیسا کہ پیچھے سورہ محمد (ﷺ) کی آیت نمبر ۱۹ کی تشریح میں عرض کیا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے معصوم تھے، اور آپ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہو سکتا تھا، لیکن کوئی معمولی قسم کی بھول چوک ہو جاتی تو آپ اُس کو بھی اپنا قصور سمجھتے تھے، یہاں اسی قسم کے قصور مراد ہیں۔

(۳) یعنی اب تک دین کی تبلیغ اور اُس پر مکمل طور سے عمل کرنے میں کافروں کی طرف سے بڑی بڑی رُکاوٹیں ڈالی جا رہی تھیں۔ اب اس فتح کے بعد سیدھا راستہ صاف ہو جائے گا۔

(۴) جیسا کہ سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کفار کے خلاف بہت غم و غصے اور جوش کی حالت میں تھے، اور انہیں صلح کی شرائط ماننا بھی بہت بھاری معلوم ہو رہا تھا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس وقت یہی منظور تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں سکینت اور اطمینان پیدا کر دیا جس کے نتیجے میں انہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے آگے سر جھکا دیا۔



لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفَّرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۖ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ۖ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لَتَتُومِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ۖ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۖ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۖ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَمَیْوُتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

تاکہ وہ مؤمن مردوں اور عورتوں کو ایسے باغات میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جہاں وہ ہمیشہ بے رہیں گے، اور اُن کی بُرائیوں کو اُن سے دُور کر دے — اور اللہ کے نزدیک یہ بڑی زبردست کامیابی ہے — ۝ تاکہ اُن منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو اللہ کے ساتھ بدگمانیاں رکھتے ہیں۔ بُرائی کا پھیراُنہی پر پڑا ہوا ہے، اور اللہ اُن سے ناراض ہے، اُس نے اُن کو اپنی رحمت سے دُور کر دیا ہے، اور اُن کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے، اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ ۝ اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ ہی کے ہیں، اور اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ۝ (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اُس کی مدد کرو، اور اُس کی تعظیم کرو، اور صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو۔ ۝ (اے پیغمبر!) جو لوگ تم سے بیعت کر رہے ہیں، وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ اس کے بعد جو کوئی عہد توڑے گا، اُس کے عہد توڑنے کا وبال اُسی پر پڑے گا، اور جو کوئی اُس عہد کو پورا کرے گا جو اُس نے اللہ سے کیا ہے، تو اللہ اُس کو زبردست ثواب عطا کرے گا۔ ۝

(۵) یعنی وہ اپنے خیال میں مسلمانوں کے خلاف برے برے منصوبے بناتے ہیں، لیکن بُرائی کے پھیر میں وہ خود پڑے ہوئے ہیں، کیونکہ ایک طرف اُن کے منصوبے ناکام ہوں گے، اور دوسری طرف انہیں اللہ تعالیٰ کے قہر کا سامنا کرنا پڑے گا۔  
(۶) یہ اُسی بیعت رضوان کی طرف اشارہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر مشہور ہونے کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لی تھی جس کا واقعہ سورت کے تعارف میں گذر چکا ہے۔



سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ بِالسِّنَةِ يَهُدِيهِمْ مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۖ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۗ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ (۱۱) بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَّنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزَيَّنَ ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَّتُمْ ظَنَّ السَّوِّءِ ۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝ (۱۲)

وہ دیہاتی جو (حدیبیہ کے سفر میں) پیچھے رہ گئے تھے، اب وہ تم سے ضرور یہ کہیں گے کہ: ”ہمارے مال و دولت اور ہمارے اہل و عیال نے ہمیں مشغول کر لیا تھا، اس لئے ہمارے لئے مغفرت کی دعا کر دیجئے۔“ وہ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔ (ان سے) کہو کہ: ”اچھا تو اگر اللہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا فائدہ پہنچانا چاہے تو کون ہے جو اللہ کے سامنے تمہارے معاملے میں کچھ بھی کرنے کی طاقت رکھتا ہو؟“ (۸) بلکہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ (۱۱) حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے یہ سمجھا تھا کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دوسرے مسلمان کبھی اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر نہیں آئیں گے، اور یہی بات تمہارے دلوں کو اچھی معلوم ہوتی تھی، اور تم نے بُرے بُرے گمان کئے تھے، اور تم ایسے لوگ بن گئے تھے جنہیں برباد ہونا تھا۔ (۱۲)

(۷) حدیبیہ کے سفر میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کے ارادے سے روانہ ہوئے تو تمام مخلص صحابہ کرامؓ تو خود ہی بڑے اشتیاق کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے تھے، لیکن چونکہ یہ اندیشہ شروع ہی سے تھا کہ شاید قریش کے کافر لوگ راستہ روکیں، اور لڑائی کی نوبت آجائے، اس لئے آپ نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ سفر کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ کے آس پاس کے دیہات میں بھی یہ اعلان فرما دیا تھا کہ وہاں کے لوگ بھی ساتھ چلیں۔ ان میں سے جو حضرات مخلص مسلمان تھے، وہ تو آپ کے ساتھ آ گئے، لیکن ان میں سے جو لوگ منافق تھے، انہوں نے یہ سوچا کہ جنگ کی صورت میں ہمیں لڑائی میں حصہ لینا پڑے گا، اس لئے وہ مختلف بہانے کر کے رُک گئے۔ اس آیت میں ”پیچھے رہنے والوں“ سے وہی منافق مراد ہیں، اور فرمایا جا رہا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس پہنچیں گے تو یہ لوگ یہ بہانہ کریں گے کہ ہم اپنے گھربار کی مصروفیت کی وجہ سے آپ کے ساتھ نہیں جاسکے تھے۔

(۸) یعنی تم تو یہ سوچ کر اپنے گھروں میں رُک گئے تھے کہ گھر میں رہنا فائدہ مند ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے میں نقصان ہے، حالانکہ فائدہ اور نقصان تو تمام تر اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، وہ نفع یا نقصان پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو کسی کی مجال نہیں ہے کہ اُسے روک سکے۔

(۹) ان منافقین کا خیال یہ تھا کہ مسلمان چاہے عمرے کے ارادے سے جا رہے ہوں، لیکن جنگ ضرور ہوگی، اور قریش کی طاقت اتنی بڑی ہے کہ مسلمان وہاں سے زندہ واپس نہیں آسکیں گے۔



وَمَنْ لَّمْ يُؤْمَرْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ﴿۱۳﴾ وَ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ  
وَالْاَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَّشَاءُ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾  
سَيَقُوْلُ الْمَخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَعَانِمَ لِتَأْخُذُوْهَا ذُرُوْا نَتَّبِعْكُمْ يَّرِيْدُوْنَ اَنْ  
يُّبَدِّلُوْا كَلِمَ اللّٰهِ ۚ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ  
تَحْسُدُوْنَآ ۚ بَلْ كَاْنُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾

اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو (وہ یاد رکھے کہ) ہم نے کافروں کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ ﴿۱۳﴾ اور آسمانوں اور زمین کی سلطنت تمام تر اللہ ہی کی ہے، وہ جس کو چاہے، بخش دے، اور جس کو چاہے، عذاب دے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ ﴿۱۴﴾ (مسلمانو!) جب تم غنیمت کے مال لینے کے لئے چلو گے تو یہ (حدیبیہ کے سفر سے) پیچھے رہنے والے تم سے کہیں گے کہ: ”ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔“ وہ چاہیں گے کہ اللہ کی بات کو بدل دیں۔ تم کہہ دینا کہ: ”تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلو گے۔ اللہ نے پہلے سے یوں ہی فرما رکھا ہے۔“ اس پر وہ کہیں گے کہ: ”دراصل آپ لوگ ہم سے حسد رکھتے ہیں۔“ نہیں! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ خود ہی ایسے ہیں کہ بہت کم بات سمجھتے ہیں۔ ﴿۱۵﴾

(۱۰) صحابہ کرامؓ نے حدیبیہ کے سفر میں جس جاں نثاری اور اطاعت کے جذبے سے کام لیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اُس کے صلے میں یہ وعدہ فرمایا تھا کہ مکہ مکرمہ کی فتح سے پہلے انہیں ایک اور فتح حاصل ہوگی جس میں بہت سا مال غنیمت بھی حصے میں آئے گا۔ اس سے مراد خیبر کی فتح تھی۔ چنانچہ سن ۷ ہجری میں جب آپ خیبر کے لئے روانہ ہو رہے تھے تو صحابہ کرامؓ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق خیبر ضرور فتح ہوگا، اور وہاں سے مال غنیمت بھی حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جب یہ موقع آئے گا تو جو منافق حدیبیہ کے سفر میں حیلے بہانے کر کے پیچھے رہ گئے تھے، وہ خیبر کے سفر میں تمہارے ساتھ چلنا چاہیں گے، کیونکہ انہیں یقین ہوگا کہ اس سفر میں فتح بھی ہوگی، اور مال غنیمت بھی ملے گا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ اُن کی یہ خواہش پوری نہ کریں، اور انہیں ساتھ لے جانے سے انکار کر دیں۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی یہ حکم دے دیا تھا کہ خیبر کے سفر میں صرف اُن حضرات کو شرکت کی اجازت دیں جو حدیبیہ کے سفر میں آپ کے ساتھ تھے۔ اسی حکم کی طرف اس آیت میں ”اللہ کی بات“ فرما کر اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱۲) یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اس سے پہلے قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں ہے کہ خیبر کی جنگ میں صرف وہ لوگ شریک ہوں جو حدیبیہ میں شامل تھے، بلکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا، اور آپ نے لوگوں تک پہنچایا۔ اس سے صاف واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کے علاوہ بھی وحی کے ذریعے احکام آیا کرتے تھے، اور وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے احکام ہوتے تھے۔ لہذا منکرین حدیث جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے علاوہ کسی اور وحی کا کوئی ثبوت نہیں ہے، یہ آیت اُس کی واضح تردید کر رہی ہے۔

(۱۳) یعنی ہمیں مال غنیمت میں حصہ دار بنانا نہیں چاہتے۔



قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سُدُّ عَوْنٍ إِلَى قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِمَّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣﴾ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٤﴾ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿١٥﴾

ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے کہہ دینا کہ: عنقریب تمہیں ایسے لوگوں کے پاس (لڑنے کے لئے) بلایا جائے گا جو بڑے سخت جنگجو ہوں گے، کہ یا تو اُن سے لڑتے رہو، یا وہ اطاعت قبول کر لیں۔ اُس وقت اگر تم (جہاد کے اُس حکم کی) اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں اچھا اجر دے گا، اور اگر تم منہ موڑ دو گے جیسا کہ تم نے پہلے منہ موڑا تھا تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ ﴿۱۳﴾ اندھے آدمی پر (جہاد نہ کرنے کا) کوئی گناہ نہیں ہے، نہ لنگڑے آدمی پر کوئی گناہ ہے، اور نہ بیمار آدمی پر گناہ ہے۔ اور جو شخص بھی اللہ اور اُس کے رسول کا کہنا مانے، اللہ اُس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور جو کوئی منہ موڑے گا، اُسے دردناک عذاب دے گا۔ ﴿۱۴﴾ یقیناً اللہ ان مومنوں سے بڑا خوش ہوا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے، اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ بھی اللہ کو معلوم تھا، اس لئے اُس نے اُن پر سکینت اتار دی، اور اُن کو انعام میں ایک قریبی فتح عطا فرمادی، ﴿۱۵﴾

﴿۱۳﴾ دیہات کے ان لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ آپ لوگوں کا خیبر کی جنگ میں شامل ہونا تو اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہے، البتہ اس کے بعد ایک وقت آئے گا جب آپ لوگوں کو سخت جنگجو قوموں سے لڑنے کی دعوت دی جائے گی، اُس وقت اگر آپ نے سچا مومن بن کر استقامت سے کام لیا تو آپ کا یہ گناہ دھل جائے گا، اور اللہ تعالیٰ آپ کو ثواب عطا فرمائیں گے۔ اس میں وہ تمام جنگیں داخل ہیں جن میں کسی بڑی طاقت سے مسلمانوں کا مقابلہ ہوا، اور دیہات کے ان لوگوں کو اُس میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی۔ صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ دیہات کے لوگوں کو یہ دعوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد خلافت میں اُس وقت دی گئی جب مسلمانوں کا مقابلہ مسلمہ کذاب اور قیسرو کسریٰ کی طاقتوں سے ہوا۔ اس موقع پر دیہات کے ان لوگوں میں سے کچھ حضرات تائب بھی ہو گئے تھے۔

﴿۱۵﴾ یہ اُسی بیعت رضوان کا ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے حدیبیہ کے مقام پر بہول کے ایک درخت کے نیچے لی تھی، اور جس کا ذکر سورت کے تعارف میں آچکا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ان حضرات نے یہ بیعت دل سے پورے عزم کے ساتھ کی تھی، وہ منافقوں کی طرح جھوٹا عہد کرنے والے نہیں تھے۔

﴿۱۶﴾ اس سے مراد خیبر کی فتح ہے۔ اس سے پہلے مسلمان دو طرفہ خطرے سے دوچار تھے۔ جنوب میں قریش مکہ کی طرف سے ہر



وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ (۱۹) وَعَدَ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً  
تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ  
وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ (۲۰) وَأُخْرَى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۚ وَكَانَ  
اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝ (۲۱) وَلَوْ قَتَلْتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوْا إِلَادَ بَارِئَةٍ لَا يَجِدُونَ  
وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ (۲۲)

اور غنیمت میں ملنے والے بہت سے مال بھی جو اُن کے ہاتھ آئیں گے! اور اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ (۱۹) اللہ نے تم سے بہت سے مال غنیمت کا وعدہ کر رکھا ہے جو تم حاصل کرو گے، اب فوری طور پر اُس نے تمہیں یہ فتح دے دی ہے، اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا، تاکہ یہ مؤمنوں کے لئے ایک نشانی بن جائے، اور تمہیں اللہ سیدھے راستے پر ڈال دے، (۲۰) اور ایک فتح اور بھی ہے جو ابھی تمہارے قابو میں نہیں آئی، لیکن اللہ نے اُس کو اپنے احاطے میں لے رکھا ہے، اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ (۲۱) اور یہ کافر لوگ تم سے لڑتے تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے، پھر انہیں کوئی یار و مددگار بھی نہ ملتا، (۲۲)

وقت حملوں کا خطرہ رہتا تھا جس کا سد باب حدیبیہ کی صلح کے ذریعے ہوا، اور شمال میں خیبر کے یہودی تھے جو ہر وقت مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے جال بنتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ مسلمانوں نے حدیبیہ کے موقع پر جس جاں نثاری اور پھر اطاعت کے جذبے کا مظاہرہ کیا، اُس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں خیبر کی فتح عطا فرمادی جس سے ایک طرف شمالی خطرے کا سد باب ہوگا، اور دوسری طرف بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے قبضے میں آئے گا، اور اس کے نتیجے میں معاشی خوش حالی حاصل ہوگی۔

(۱۷) اس سے مراد وہ فتوحات ہیں جو خیبر کے علاوہ حاصل ہونے والی تھیں۔

(۱۸) یعنی خیبر کے یہودی اور اُن کے حلیف اس فتح میں جوڑ کاوٹ ڈال سکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُسے روک دیا۔

(۱۹) اس سے مراد مکہ مکرمہ اور اُس کے بعد حنین وغیرہ کی فتوحات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ اگرچہ ابھی مسلمان مکہ مکرمہ کو فتح کرنے کی حالت میں نہیں ہیں، لیکن وہ وقت آنے والا ہے جب قریش مکہ خود حدیبیہ کے معاہدے کی خلاف ورزی کر کے اُسے توڑ دیں گے، اور اُس کے بعد مسلمانوں کے لئے فتح مکہ کا راستہ کھل جائے گا، اور اُس کے بعد حنین وغیرہ کی فتوحات حاصل ہوں گی۔

(۲۰) یعنی حدیبیہ کے مقام پر کافروں سے جو صلح کرائی گئی، اُس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مسلمان کمزور تھے، اور جنگ کی صورت میں انہیں شکست اٹھانی پڑتی، بلکہ اگر مقابلہ ہو جاتا تو یہ کافر ہی شکست کھاتے، اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے، لیکن اس وقت کئی مصلحتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جنگ کو روکا تھا، اُن میں سے ایک مصلحت کا بیان آگے آیت نمبر ۲۵ میں آرہا ہے۔



سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۚ (۲۱) وَهُوَ الَّذِي كَفَّ  
 أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَאَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا  
 تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۚ (۲۲) هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْذُوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيِ مَعْكُوفًا  
 أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۗ وَلَوْلَا رِجَالُ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءُ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَّوُّهُمْ  
 فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ لَوْ تَرَىٰٓ إِلَى الْعَذَابِ نَا  
 الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ (۲۳) اذْجَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَبِيَّةَ حَبِيَّةَ  
 الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ  
 وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۚ (۲۴)

جیسا کہ اللہ کا یہی دستور ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے، اور تم اللہ کے دستور میں ہرگز تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ (۲۱) اور وہی اللہ  
 ہے جس نے مکہ کی وادی میں اُن کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے، اور تمہارے ہاتھوں کو اُن تک پہنچنے سے روک دیا، جبکہ وہ  
 تمہیں اُن پر قابو دے چکا تھا، اور جو کچھ تم کر رہے تھے، اللہ اُسے دیکھ رہا تھا۔ (۲۲) یہی لوگ تو ہیں جنہوں نے کفر اختیار  
 کیا، اور تمہیں مسجد حرام سے روکا، اور قربانی کے جانوروں کو جو ٹھہرے ہوئے کھڑے تھے، اپنی جگہ پہنچنے سے روک دیا۔ (۲۳)  
 اور اگر کچھ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں (مکہ میں) نہ ہوتیں جن کے بارے میں تمہیں خبر بھی نہ ہوتی کہ تم انہیں پس  
 ڈالو گے، اور اُس کی وجہ سے بے خبری میں تم کو نقصان پہنچ جاتا (تو ہم ان کافروں سے تمہاری صلح کے بجائے جنگ  
 کروادیتے، لیکن ہم نے جنگ کو اس لئے روکا) تاکہ اللہ جس کو چاہے، اپنی رحمت میں داخل کر دے۔ (البتہ) اگر وہ  
 مسلمان وہاں سے ہٹ جاتے تو ہم ان (اہل مکہ) میں سے جو کافر تھے، انہیں دردناک سزا دیتے۔ (۲۴) (چنانچہ) جب  
 ان کافروں نے اپنے دلوں میں اُس حمیت کو جگہ دی جو جاہلیت کی حمیت تھی تو اللہ نے اپنی طرف سے اپنے پیغمبر اور  
 مسلمانوں پر سکینت نازل فرمائی، اور اُن کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا، اور وہ اسی کے زیادہ حق دار اور اس کے اہل  
 تھے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (۲۵)

(۲۱) اللہ تعالیٰ کا دستور شروع سے یہ چلا آتا ہے کہ جو لوگ حق پر ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی مدد کی شرائط پوری کرتے ہیں، تو  
 اللہ تعالیٰ اُن کو باطل والوں پر غلبہ عطا فرماتا ہے، اور جہاں کہیں باطل والوں کو غلبہ حاصل ہو، وہاں سمجھ لینا چاہئے کہ حق والوں کے  
 طرز عمل میں کوئی خرابی تھی جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم رہے۔



(۲۲) جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ جا کر قریش کے لوگوں کو صلح کا پیغام دے رہے تھے، اُس وقت مکہ مکرمہ کے کافروں نے پچاس آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس غرض سے بھیجے تھے کہ وہ خفیہ طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر کے (معاذ اللہ) آپ کو شہید کر دیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار کر دیا۔ دوسری طرف جب قریش نے ان آدمیوں کی گرفتاری کی خبر سنی تو انہوں نے حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کو روک لیا۔ اُس وقت اگر مسلمان ان پچاس آدمیوں کو قتل کر دیتے تو جواب میں قریش کے لوگ حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرتے، اور مکمل جنگ چھڑ جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ ان قیدیوں کو قتل نہ کریں، اور مسلمانوں کے ہاتھوں کو ان کے قتل سے روک دیا، حالانکہ وہ ان کے قابو میں آچکے تھے، اور دوسری طرف قریش کے ہاتھوں کو مسلمانوں سے لڑنے سے اس طرح روک دیا کہ ان کے دل میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ صلح پر راضی ہو گئے، حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ صاف انکار کر چکے تھے۔

(۲۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ چونکہ عمرے کے ارادے سے تشریف لائے تھے، اس لئے حرم میں قربانی کرنے کے لئے جانور بھی ساتھ لائے تھے جنہیں حرم میں پہنچ کر قربان ہونا تھا، وہ ان کافروں کے رکاوٹ ڈالنے کی وجہ سے حدیبیہ ہی میں کھڑے رہ گئے، اور جس جگہ لے جا کر انہیں قربان کرنے کا ارادہ تھا، وہاں نہیں پہنچ پائے۔

(۲۴) یہ ان مصلحتوں میں سے ایک مصلحت کا بیان ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُس وقت جنگ کو مناسب نہیں سمجھا۔ اور وہ مصلحت یہ تھی کہ مکہ مکرمہ میں بہت سے مسلمان موجود تھے، اور اب حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھی بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ جنگ ہوتی تو پورے زور و شور سے ہوتی، اور اس گھمسان کی جنگ میں مکہ مکرمہ کے مسلمانوں کو خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں بے خبری میں نقصان پہنچ سکتا تھا جس پر بعد میں خود مسلمانوں کو ندامت اور نقصان کا احساس ہوتا۔

(۲۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کے مسلمانوں پر یہ رحمت فرمائی کہ انہیں قتل ہونے سے بچالیا، اور مدینہ منورہ کے مسلمانوں پر یہ رحمت فرمائی کہ انہیں اپنے دینی بھائیوں کے قتل سے بچالیا۔

(۲۶) یعنی اگر مکہ مکرمہ میں جو مسلمان کافروں کے ہاتھوں ظلم سہہ رہے تھے، وہ وہاں سے کہیں اور چلے گئے ہوتے تو ہم ان کافروں سے مسلمانوں کی جنگ کروادیتے جس کے نتیجے میں وہ دردناک شکست سے دوچار ہوتے۔

(۲۷) قریش اگرچہ آخر کار صلح پر راضی ہو گئے تھے، لیکن جب صلح نامہ لکھنے کا وقت آیا تو انہوں نے محض اپنے تکبر اور اپنی جاہلانہ حمیت کی وجہ سے کچھ ایسی باتوں پر اصرار کیا جو صحابہ کرامؓ کو بہت ناگوار ہوئیں۔ مثلاً صلح نامے کے شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ لکھوایا تو انہوں نے اس پر اعتراض کیا، اور اس کے بجائے ”بِاسْمِکَ اللّٰہُمَّ“ لکھوانے پر زور دیا، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے ساتھ ”رسول اللہ“ لکھا گیا تھا، انہوں نے اُسے مٹانے پر اصرار کیا۔ ان باتوں کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو بہت غصہ تھا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو صلح منظور تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے دلوں میں تحمل پیدا فرما دیا، اسی تحمل کو یہاں سکینت سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

(۲۸) تقویٰ کی بات یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کی جائے، چاہے وہ بات نفس کو کتنی ناگوار معلوم ہو رہی ہو۔ صحابہ کرامؓ نے اسی پر عمل فرمایا۔



لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّعْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمَنِينَ ۚ  
 مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ ۚ لَا تَخَافُونَ ۖ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ  
 فَتْحًا قَرِيبًا ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ  
 كُلِّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ  
 رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيِّمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ  
 مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۚ كَزُرْءٍ أَخْرَجَ شَطْئَهُ  
 فَازْرَأَهُ فَاسْتَعْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۚ وَعَدَ اللَّهُ  
 الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا ہے جو واقعے کے بالکل مطابق ہے۔ تم لوگ! ان شاء اللہ ضرور  
 مسجد حرام میں اس طرح امن و امان کے ساتھ داخل ہو گے کہ تم (میں سے کچھ) نے اپنے سروں کو بے خوف و خطر منڈوایا  
 ہوگا، اور (کچھ نے) بال تراشے ہوں گے۔ اللہ وہ باتیں جانتا ہے جو تمہیں معلوم نہیں ہیں۔ چنانچہ اُس نے وہ خواب  
 پورا ہونے سے پہلے ایک قریبی فتح طے کر دی ہے۔ (۲۹) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا  
 ہے، تاکہ اُسے ہر دوسرے دین پر غالب کر دے۔ اور (اس کی) گواہی دینے کے لئے اللہ کافی ہے۔ (۳۰)  
 محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں، (اور)  
 آپس میں ایک دوسرے کے لئے رحم دل ہیں۔ تم انہیں دیکھو گے کہ کبھی رُکوع میں ہیں، کبھی سجدے میں، (غرض) اللہ  
 کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ اُن کی علامتیں سجدے کے اثر سے اُن کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ  
 ہیں اُن کے وہ اوصاف جو تورات میں مذکور ہیں۔ اور انجیل میں اُن کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی  
 کوئیل نکالی، پھر اُس کو مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہو گئی، پھر اپنے تنے پر اس طرح سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کاشتکار اُس سے خوش  
 ہوتے ہیں، تاکہ اللہ ان (کی اس ترقی) سے کافروں کا دل جلائے۔ یہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک  
 عمل کئے ہیں، اللہ نے ان سے مغفرت اور زبردست ثواب کا وعدہ کر لیا ہے۔ (۳۱)

(۲۹) جیسا کہ اس سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سفر سے پہلے خواب دیکھا تھا  
 کہ آپ اور آپ کے صحابہ کرام مسجد حرام میں عمرے کی غرض سے داخل ہوئے ہیں۔ اسی خواب کے بعد آپ نے تمام صحابہ کرام



سے عمرے پر روانہ ہونے کے لئے فرمایا تھا۔ لیکن جب حدیبیہ پہنچ کر صلح کے نتیجے میں احرام کھولنا پڑا اور عمرہ ادا نہ کیا جا سکا، تو بعض حضرات کو یہ خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب تو وحی ہوتا ہے، اور عمرہ کئے بغیر واپس جانا اس خواب کے مطابق نہیں ہے۔ اس آیت میں اس خیال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ وہ خواب یقیناً سچا تھا، لیکن اُس میں مسجد حرام میں داخلے کا کوئی وقت متعین نہیں کیا گیا تھا۔ اب بھی وہ خواب سچا ہے، اور اگرچہ اس سفر میں عمرہ نہیں ہو سکا، لیکن ان شاء اللہ وہ خواب عنقریب پورا ہوگا۔ چنانچہ اگلے سال وہ پورا ہوا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے اطمینان کے ساتھ عمرہ ادا فرمایا۔

(۳۰) اس سے مراد خیبر کی فتح ہے جس کا ذکر آیت نمبر ۱۸ اور اُس کے حاشیہ میں گذر چکا ہے۔

(۳۱) جیسا کہ پیچھے حاشیہ نمبر ۲۷ میں گذرا ہے، کافروں نے صلح نامہ لکھواتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ”مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ لکھوانے سے انکار کیا تھا، اور صرف ”محمد بن عبد اللہ“ لکھوایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ کو ”مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ فرما کر یہ اشارہ دیا ہے کہ کافر لوگ اس حقیقت سے چاہے کتنا انکار کریں، اللہ تعالیٰ نے اس کو قیامت تک قرآن کریم میں ثبت فرما دیا ہے۔

(۳۲) اگرچہ تورات میں بہت سی تبدیلیاں ہو چکی ہیں، لیکن بائبل کے جن صحیفوں کو آج کل یہودی اور عیسائی مذہب میں ”تورات“ کہا جاتا ہے، اُن میں سے ایک یعنی استثناء ۲:۳۳-۳ میں ایک عبارت ہے جس کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ شاید قرآن کریم نے اُس کی طرف اشارہ فرمایا ہو۔ وہ عبارت یہ ہے:

”خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے اُن پر آشکار ہوا، اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا، اور وہ دس ہزار قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشیں شریعت تھی۔ وہ بیشک قوموں سے محبت رکھتا ہے، اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھے ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا۔“ (استثناء: ۲:۳۳-۳)

واضح رہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آخری خطبہ ہے، جس میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی وحی کو سینا پر اُتری، جس سے مراد تورات ہے، پھر کوہ شعیر پر اُترے گی، جس سے مراد انجیل ہے، کیونکہ کوہ شعیر وہ پہاڑ ہے جسے آج جبل الخلیل کہتے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کا مرکز تھا۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ تیسری وحی کوہ فاران پر اُترے گی، جس سے مراد قرآن کریم ہے، کیونکہ فاران اس پہاڑ کا نام ہے جس پر غار حرا واقع ہے۔ اور اسی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی تعداد دس ہزار تھی، لہذا ”دس ہزار قدسیوں میں سے آیا“ سے ان صحابہؓ کی طرف اشارہ ہے۔ (واضح رہے کہ قدیم نسخوں میں دس ہزار کا لفظ ہے، اب بعض نسخوں میں اسے لاکھوں سے تبدیل کر دیا گیا ہے)۔

نیز قرآن کریم فرماتا ہے کہ ”یہ صحابہؓ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں۔“ استثناء کی مذکورہ عبارت میں ہے کہ: ”اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشیں شریعت تھی“ قرآن کریم میں ہے کہ: ”وہ آپس میں ایک دوسرے کے لئے رحم دل ہیں“ اور استثناء کی مذکورہ عبارت میں ہے کہ: ”وہ بیشک قوموں سے محبت رکھتا ہے“ اس لئے یہ بات دُور از قیاس نہیں ہے کہ قرآن کریم نے اس عبارت کا حوالہ دیا ہو، اور وہ تبدیل ہوتے ہوئے موجودہ استثناء کی عبارت کی شکل میں رہ گئی ہو۔



(۳۳) انجیل مرقس میں بالکل یہی تشبیہ ان الفاظ میں مذکور ہے: ”خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے، اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے، اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے۔ زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے، پہلے پتی، پھر بالیس، پھر بالوں میں تیار دانے۔ پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کانٹے کا وقت آپہنچا۔“ (مرقس ۴: ۲۶-۲۹)۔

یہی تشبیہ انجیل لوقا (۱۳-۱۸ و ۱۹) اور انجیل متی (۱۳-۳۱) میں بھی موجود ہے۔

الحمد للہ! آج بروز جمعہ بتاریخ ۱۵ صفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۲ فروری ۲۰۰۸ء نماز جمعہ کے بعد مکہ مکرمہ میں سورہ فتح کا ترجمہ اور تشریحی حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ الْحُجُرَاتِ

## تعارف

اس سورت کے بنیادی موضوع دو ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعظیم کا کیسا رویہ اختیار کرنا چاہئے، اور دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق قائم رکھنے کے لئے کن اصولوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں پہلے تو یہ بتایا گیا ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہوں میں اختلاف پیدا ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں پر کیا فریضہ عائد ہوتا ہے، اور اُس کے بعد وہ اسباب بیان فرمائے گئے ہیں جو عام طور سے رہن سہن کے دوران آپس کے لڑائی جھگڑے پیدا کرتے ہیں، مثلاً ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، غیبت کرنا، دوسروں کے معاملات میں ناحق مداخلت کرنا، بدگمانی کرنا وغیرہ۔ نیز یہ حقیقت پوری وضاحت اور تاکید کے ساتھ بیان فرمائی گئی ہے کہ خاندان، قبیلے، زبان اور قومیت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنی بڑائی جتانے کا اسلام میں کوئی جواز نہیں ہے۔ تمام انسان برابر ہیں، اور اگر کسی کو دوسرے پر کوئی فوقیت ہو سکتی ہے تو وہ صرف اپنے کردار اور تقویٰ کی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔ سورت کے آخر میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ مسلمان ہونے کے لئے صرف زبان سے اسلام کا اقرار کر لینا کافی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام کو دل سے ماننا بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر اسلام کا دعویٰ معتبر نہیں ہے۔

”حجرات“ عربی میں ”حُجْرَة“ کی جمع ہے جو کمرے کو کہتے ہیں۔ اس سورت کی چوتھی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رہائشی حجروں کے پیچھے سے آپ کو آواز دینے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس وجہ سے اس سورت کا نام سورہ حجرات رکھا گیا ہے۔



ایاتھا ۱۸ ﴿۲۹﴾ سُورَةُ الْحُجُرَاتِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۶ ﴿۲﴾ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴿۱﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِرُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَبِيْعٌ عَلِيمٌ ﴿۱﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۲﴾

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً سب کچھ سنتا، سب کچھ جانتا ہے۔ ﴿۱﴾ اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند مت کیا کرو، اور نہ اُن سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں، اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔ ﴿۲﴾

﴿۱﴾ سورت کی یہ ابتدائی پانچ آیتیں ایک خاص موقع پر نازل ہوئی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عرب کے قبائل کے بہت سے وفد آتے رہتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن میں سے کسی کو آئندہ کے لئے قبیلے کا امیر مقرر فرمادیتے تھے۔ ایک مرتبہ قبیلہ تمیم کا ایک وفد آپ کی خدمت میں آیا۔ ابھی آپ نے اُن میں سے کسی کو امیر نہیں بنایا تھا، اور نہ اس سلسلے میں کوئی بات کی تھی۔ لیکن آپ کی موجودگی میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے یہ مشورہ شروع کر دیا کہ ان میں سے کس کو امیر بنایا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ایک نام لیا، اور حضرت عمرؓ نے دوسرا۔ پھر ان دونوں بزرگوں نے اپنی اپنی رائے کی تائید اس طرح شروع کر دی کہ کچھ بحث کا سا انداز پیدا ہو گیا، اور اس میں دونوں کی آوازیں بھی بلند ہو گئیں۔ اس پر پہلی تین آیتیں نازل ہوئیں۔ پہلی آیت میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جن معاملات کا فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنا ہو، اور آپ نے اُن کے بارے میں کوئی مشورہ بھی طلب نہ فرمایا ہو، اُن معاملات میں آپ سے پہلے ہی کوئی رائے قائم کر لینا اور اس پر اصرار یا بحث کرنا آپ کے ادب کے خلاف ہے۔ اگرچہ یہ پہلی آیت اس خاص واقعے میں نازل ہوئی تھی، لیکن الفاظ عام استعمال فرمائے گئے ہیں، تاکہ یہ اصولی ہدایت دی جائے کہ کسی بھی معاملے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنا مسلمانوں کے لئے درست نہیں ہے۔ اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنا ہو تو آپ سے آگے نہ بڑھنا چاہئے۔ نیز آپ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں جو حدود مقرر فرمائی ہیں، اُن سے آگے نکلنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ اس کے بعد دوسری اور تیسری آیتوں میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ آپ کی مجلس میں بیٹھ کر اپنی آواز آپ کی آواز سے بلند نہیں کرنی چاہئے، اور آپ سے کوئی بات کہنی ہو تو وہ بھی بلند آواز سے نہیں کہنی چاہئے، بلکہ آپ کی مجلس میں آواز پست رکھنے کا اہتمام ضروری ہے۔



إِنَّ الَّذِينَ يُعْظُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ  
 لِلتَّقْوَى ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ (۱) إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ  
 لَا يَعْقِلُونَ ۝ (۲) وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (۳)  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا  
 عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝ (۴) وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ۖ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ  
 لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ  
 وَالْعُصْيَانَ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الرُّشْدُونَ ۖ فَضَلَّاهُمُ اللَّهُ وَنِعْمَ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (۵)

یقین جانو جو لوگ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اپنی آوازیں نیچی رکھتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کے  
 دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ اُن کو مغفرت بھی حاصل ہے، اور زبردست اجر بھی۔ (۱)  
 (اے پیغمبر!) جو لوگ تمہیں حجروں کے پیچھے سے آواز دیتے ہیں، اُن میں سے اکثر کو عقل نہیں ہے۔ (۲) اور اگر یہ لوگ  
 اُس وقت تک صبر کرتے جب تک تم خود باہر نکل کر ان کے پاس آ جاتے، تو ان کے لئے بہتر ہوتا، اور اللہ بہت بخشنے  
 والا، بہت مہربان ہے۔ (۳)

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی  
 سے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچا بیٹھو، اور پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ۔ (۴) اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہارے درمیان اللہ  
 کے رسول موجود ہیں۔ بہت سی باتیں ہیں جن میں وہ اگر تمہاری بات مان لیں تو خود تم مشکل میں پڑ جاؤ۔ لیکن اللہ نے  
 تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے، اور اُسے تمہارے دلوں میں پرکشش بنا دیا ہے، اور تمہارے اندر کفر کی اور  
 گناہوں اور نافرمانی کی نفرت بٹھادی ہے۔ (۵) ایسے ہی لوگ ہیں جو ٹھیک ٹھیک راستے پر آچکے ہیں، جو اللہ کی طرف  
 سے فضل اور نعمت کا نتیجہ ہے، اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ (۶)

(۲) تمیم کے جس وفد کا ابھی ذکر کیا گیا، وہ دوپہر کے وقت مدینہ منورہ پہنچا تھا جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے  
 تھے۔ یہ لوگ آداب سے واقف نہیں تھے، اس لئے ان میں سے کچھ لوگوں نے آپ کے گھر کے باہر ہی سے آپ کو پکارنا شروع  
 کر دیا۔ اس پر اس آیت میں تنبیہ فرمائی گئی ہے۔

(۳) اس آیت کے شان نزول میں حافظ ابن جریر اور دوسرے مفسرین نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت ولید بن عقبہؓ کو  
 حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو مصطلق کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ جب یہ اُن کی بستی کے قریب  
 پہنچے تو وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ایلچی کے استقبال کے لئے بڑی تعداد میں بستی کے باہر جمع ہو گئے۔



ولید بن عقبہؓ یہ سمجھے کہ یہ لوگ لڑائی کے لئے باہر نکل آئے ہیں۔ بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ اُن کے اور بنو مصطلق کے درمیان جاہلیت کے زمانے میں کچھ دشمنی بھی تھی۔ اس لئے حضرت ولیدؓ کو یہ خطرہ ہوا کہ وہ لوگ اس پرانی دشمنی کی بنا پر اُن سے لڑنے کے لئے نکل آئے ہیں۔ چنانچہ وہ بستی میں داخل ہونے کے بجائے وہیں سے واپس لوٹ گئے، اور جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بنو مصطلق کے لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے، اور وہ لڑائی کے لئے نکلے ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا کہ واقعے کی تحقیق کے بعد اگر واقعی اُن لوگوں کی سرکشی ثابت ہو تو اُن سے جہاد کریں۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ لوگ تو استقبال کے لئے جمع ہوئے تھے، اور انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار نہیں کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ان روایات کی بنا پر بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ آیت میں جو فاسق کا لفظ استعمال ہوا ہے، اُس سے مراد ولید بن عقبہؓ ہیں، پھر اُس پر جو اشکال ہوتا ہے کہ ایک صحابی کو فاسق قرار دینا بظاہر عدالت صحابہ کے منافی ہے، اُس کا یہ جواب دیا ہے کہ بعض صحابہ سے گناہ سرزد ہوئے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں توبہ کی توفیق عطا فرمادی، اس لئے بحیثیت مجموعی اُن کی عدالت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس واقعے کے بیان میں جو روایتیں آئی ہیں، اول تو وہ سند کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہیں، اور اُن میں تعارض و اختلاف بھی پایا جاتا ہے، دوسرے اس واقعے کی بنا پر حضرت ولیدؓ کو فاسق قرار دینے کی کوئی معقول وجہ بھی سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ اس واقعے میں انہوں نے جان بوجھ کر کوئی جھوٹ نہیں بولا، بلکہ جو کچھ کیا، غلط فہمی کی وجہ سے کیا جس کی وجہ سے کسی کو فاسق نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ولیدؓ بستی کے قریب پہنچے، اور قبیلے کے لوگ بڑی تعداد میں وہاں جمع ہو رہے تھے تو کسی شریر آدمی نے اُن سے یہ کہا ہوگا کہ یہ لوگ آپ سے لڑنے کے لئے نکلے ہیں۔ اُس شریر آدمی کو آیت میں فاسق قرار دیا گیا ہے، اور حضرت ولیدؓ کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ تنہا اُس شریر آدمی کی خبر پر بھروسہ کر کے کوئی اقدام کرنے کے بجائے پہلے اُس خبر کی تحقیق کرنی چاہئے تھی۔ اس خیال کی تائید ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جو حافظ ابن جریرؒ نے نقل کی ہے، اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ: ”فحدثہ الشیطان انہم یریدون قتله“ (تفسیر ابن جریر ج: ۲۲ ص: ۲۸۶) یعنی شیطان نے انہیں یہ بتایا کہ وہ لوگ انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ شیطان نے کسی انسان کی شکل میں آکر انہیں یہ جھوٹی خبر دی ہوگی۔ اس لئے آیت کے لفظ ”فَاسِقٌ“ کو خواہ مخواہ ایک صحابی پر چسپاں کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ انہوں نے جو کچھ کیا غلط فہمی میں کیا۔ اس کے بجائے اُسے اُس منجر پر چسپاں کرنا چاہئے جس نے حضرت ولیدؓ کو یہ غلط خبر دی تھی۔

بہر حال! واقعہ کچھ بھی ہو، قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ اُس کی آیتیں چاہے کسی خاص موقع پر نازل ہوئی ہوں، اکثر اُن کے الفاظ عام ہوتے ہیں، تاکہ اُن سے ایک اصولی حکم معلوم ہو سکے۔ چنانچہ یہ ایک عام حکم ہے کہ کسی فاسق کی خبر پر بغیر تحقیق کے اعتماد نہیں کرنا چاہئے، خاص طور پر جب اُس خبر کے نتیجے میں کسی کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہو۔

(۴) سورت کے شروع میں جو حکم دیا گیا تھا، اور جس کی تشریح اوپر حاشیہ نمبر ۱ میں گزری ہے، اُس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ صحابہ کرامؓ کبھی کوئی رائے ہی پیش نہ کریں، بلکہ رائے قائم کر کے اُس پر اصرار سے منع فرمایا گیا تھا، اب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ مناسب موقع پر کوئی رائے دینے میں تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ضروری نہیں ہے کہ تمہاری ہر رائے پر عمل ضرور کریں، بلکہ آپ مصلحت کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے، اور اگر وہ تمہاری رائے



وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيَّءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝۹۰ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوِيكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝۹۱ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۚ بِئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝۹۲

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر اُن میں سے ایک گروہ دوسرے کے ساتھ زیادتی کرے تو اُس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ چنانچہ اگر وہ لوٹ آئے، تو اُن کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو، اور (ہر معاملے میں) انصاف سے کام لیا کرو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ۹۰ حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، اس لئے اپنے دو بھائیوں کے درمیان تعلقات اچھے بناؤ، اور اللہ سے ڈرو تا کہ تمہارے ساتھ رحمت کا معاملہ کیا جائے۔ ۹۱ اے ایمان والو! نہ تو مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہے ہیں) خود اُن سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہی ہیں) خود اُن سے بہتر ہوں۔ اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو، اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا بہت بُری بات ہے۔ ۹۲ اور جو لوگ ان باتوں سے باز نہ آئیں، تو وہ ظالم لوگ ہیں۔ ۹۳

کے خلاف ہو، تب بھی تمہیں اُس پر راضی رہنا چاہئے، کیونکہ تمہاری ہر بات پر عمل کرنے سے خود تمہیں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، جیسا کہ حضرت ولید بن عقبہؓ کے واقعے میں ہوا کہ وہ تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ بنو مصطلق لڑائی پر آمادہ ہیں، اس لئے اُن کی رائے تو یہی ہوگی کہ اُن سے جہاد کیا جائے، لیکن اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی رائے پر عمل کرتے تو خود مسلمانوں کو نقصان پہنچتا۔ چنانچہ آگے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے، اس لئے وہ اطاعت کے اسی اصول پر عمل کرتے ہیں۔

(۵) معاشرے میں جن باتوں سے لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں، ان آیتوں میں اُن باتوں کو نہایت جامعیت کے ساتھ بیان



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاهُ مِن ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاهُ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱۳﴾

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ (۱۲) اور کسی کی ٹوہ میں نہ لگو، (۱۳) اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ (۱۴) کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو خود تم نفرت کرتے ہو! اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ بڑا تو بہ قبول کرنے والا، بہت مہربان ہے۔ (۱۵)

اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو۔ (۱۶) درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔ یقین رکھو کہ اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔ (۱۷)

فرمایا گیا ہے۔ ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ کسی دوسرے کا کوئی ایسا بُرا نام رکھ دیا جائے جو اُسے ناگوار ہو۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ایسا کرنا گناہ ہے، اور اس سے خود تم گنہگار ہو گے، اور خود تم پر گنہگار ہونے کا نام لگے گا، اور کسی مسلمان پر یہ نام لگنا کہ وہ گنہگار ہے، ایمان لانے کے بعد بہت بُری بات ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کسی دوسرے پر بُرا نام لگا رہے تھے، اور اس عمل سے خود تم پر بُرا نام لگ گیا۔

(۱) یعنی کسی کے خلاف تحقیق کے بغیر بدگمانی دل میں جمالینا گناہ ہے۔

(۲) کسی دوسرے کے عیب تلاش کرنے کے لئے اُس کی ٹوہ اور جستجو میں لگنا بھی اس آیت کی رُو سے گناہ ہے۔ البتہ کوئی حاکم مجرموں کا پتہ لگانے کے لئے تفتیش کرے تو وہ اس میں داخل نہیں ہے۔

(۸) غیبت کی تعریف ایک حدیث میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ: ”تم اپنے بھائی کا تذکرہ اس طرح کرو جو اُسے ناگوار ہو۔“ ایک صحابی نے پوچھا کہ: ”اگر اُس میں واقعی وہ عیب ہو تو (کیا اُس کا بیان کرنا بھی غیبت ہے؟)“ آپ نے فرمایا کہ: ”اگر اُس میں واقعی وہ عیب ہو تب تو وہ غیبت ہے، اور اگر وہ نہ ہو تو بہتان ہے۔“ یعنی وہ دُہرا گناہ ہے۔

(۹) اس آیت کریمہ نے مساوات کا یہ عظیم اصول بیان فرمایا ہے کہ کسی کی عزت اور شرافت کا معیار اُس کی قوم، اُس کا قبیلہ یا وطن نہیں ہے، بلکہ تقویٰ ہے۔ سب لوگ ایک مرد و عورت یعنی حضرت آدم و حوا (علیہما السلام) سے پیدا ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ



قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۖ قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۳﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿۱۴﴾ قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللَّهُ بِدِينِكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۵﴾ يَبْتَغُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا تَتَّبِعُوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۶﴾ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۷﴾

یہ دیہاتی کہتے ہیں کہ: ”ہم ایمان لے آئے ہیں۔“ ان سے کہو کہ: ”تم ایمان تو نہیں لائے، البتہ یہ کہو کہ ہم نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اور اگر تم واقعی اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال (کے ثواب) میں ذرا بھی کمی نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔“ ﴿۱۳﴾ ایمان لانے والے تو وہ ہیں جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کو دل سے مانا ہے، پھر کسی شک میں نہیں پڑے، اور جنہوں نے اپنے مال و دولت اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہے۔ وہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔ ﴿۱۴﴾ (اے پیغمبر! ان دیہاتیوں سے) کہو کہ: ”کیا تم اللہ کو اپنے دین کی اطلاع دے رہے ہو؟ حالانکہ اللہ اُن تمام چیزوں کو خوب جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور اللہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔“ ﴿۱۵﴾ یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ یہ اسلام لے آئے ہیں۔ ان سے کہو کہ: ”مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتلاؤ۔ بلکہ اگر تم واقعی (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اُس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی۔“ ﴿۱۶﴾ واقعہ یہ ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ بات کو خوب جانتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُسے اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔ ﴿۱۷﴾

نے مختلف قبیلے خاندان یا قومیں اس لئے نہیں بنائیں کہ وہ ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتائیں، بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ بے شمار انسانوں میں باہمی پہچان کے لئے کچھ تقسیم قائم ہو جائے۔



(۱۰) دیہات کے کچھ لوگ دل سے ایمان لائے بغیر ظاہری طور پر کلمہ پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہے تھے، جس کا مقصد مسلمانوں جیسے حقوق حاصل کرنا تھا۔ مدینہ منورہ میں آکر انہوں نے راستوں پر گندگی بھی پھیلائی تھی۔ ان آیات میں ان کی حقیقت واضح فرمائی گئی ہے۔ اور یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ سچا مسلمان ہونے کے لئے صرف کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں ہے، بلکہ دل سے اسلامی عقائد کو ماننا اور اپنے آپ کو اسلامی احکام کا پابند سمجھنا ضروری ہے۔

الحمد للہ! سورۃ حجرات کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج بروز اتوار مؤرخہ ۱۷ صفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۴ فروری ۲۰۰۸ء کو مدینہ منورہ میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرما کر اُمت کے لئے مفید بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق خدمت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ ق

## تعارف

اس سورت کا اصل موضوع آخرت کا اثبات ہے۔ اسلام کے عقائد میں عقیدہ آخرت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو انسان کے قول و فعل میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے، اور اگر یہ عقیدہ دل میں پیوست ہو جائے تو وہ ہر وقت انسان کو اس بات کی یاد دلاتا رہتا ہے کہ اُسے اپنے ہر کام کا اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے، اور پھر یہ عقیدہ انسان کو گناہوں، جرائم اور نا انصافیوں سے دُور رکھنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے آخرت کی زندگی کو یاد دلانے پر بہت زور دیا ہے، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ ہر وقت آخرت کی زندگی کو بہتر بنانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ اب جو کئی سورتیں آرہی ہیں، اُن میں زیادہ تر اسی عقیدے کے دلائل اور قیامت کے حالات اور جنت اور دوزخ کی منظر کشی پر زور دیا گیا ہے۔ سورہ ق کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت فجر اور جمعہ کی نمازوں میں اس سورت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ سورت کا آغاز حروف مقطعات میں سے حرف ق سے کیا گیا ہے جس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔ اسی حرف کے نام پر سورت کا نام رکھا گیا ہے۔



﴿ ایتھا ۲۵ ﴾ ﴿ ۵۰ سُورَةُ ق مَكِّيَّةٌ ۲۷ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

ق وَالْقُرْآنِ الْحَمِيدِ ۱ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ الْكَاْفِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۲ ءِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۳ ذَلِكْ رَجْعٌ بَعِيدٌ ۴ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ ۵ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِیْظٌ ۶ بَلْ كَذَّبُوا بِآلِ حَقٍّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَرِیْجٍ ۷ أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بُنِیْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ۸ وَالْأَرْضُ مَدَدُ نَهَاوَالْقَيْنِ فِيهَا رَوَاسِیْ وَأَنْثَبْنَاهَا فِيهَا مِنْ كُلِّ ذَوْجٍ بِهَیْجٍ ۹

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پینتالیس آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

ق، قرآن مجید کی قسم! (ان کافروں نے پیغمبر کو کسی دلیل کی وجہ سے نہیں جھٹلایا) ۱ بلکہ انہوں نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ کوئی (آخرت سے) ڈرانے والا خود انہی میں سے (کیسے) آگیا، چنانچہ ان کافروں نے یہ کہا ہے کہ: ”یہ تو بڑی عجیب بات ہے، ۲ بھلا کیا جب ہم مر کھپ جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے، (اُس وقت ہمیں پھر زندہ کیا جائے گا؟) یہ واپسی تو ہماری سمجھ سے دُور ہے۔“ ۳ واقعہ تو یہ ہے کہ زمین ان کے جن حصوں کو (کھا کر) گھٹا دیتی ہے، ہمیں اُن کا پورا علم ہے، ۴ اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو سب کچھ محفوظ رکھتی ہے۔ ۵ دراصل انہوں نے سچ کو اُسی وقت جھٹلایا تھا جب وہ ان کے پاس آیا تھا، چنانچہ وہ متضاد باتوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۶ بھلا کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اُسے کیسے بنایا ہے؟ اور ہم نے اُسے خوبصورتی بخشی ہے، اور اُس میں کسی قسم کے رخنے نہیں ہیں، ۷ اور زمین ہے کہ ہم نے اُسے پھیلا دیا ہے، اور اُس میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے ہیں، اور اُس میں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اُگائی ہیں، ۸

(۱) یہ اس بات کا جواب ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو، پھر ہمارے جسم کے وہ حصے دوبارہ کیسے جمع ہوں گے جن کو مٹی کھا چکی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ تمہارے جسم کے جن جن حصوں کو مٹی کھاتی ہے، اُن سب کا ہمیں پورا پورا علم ہے، اس لئے ان کو دوبارہ بحال کر دینا ہمارے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

(۲) اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔

(۳) یعنی کبھی کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے، کبھی کہتے ہیں کہ یہ کائنات کی باتیں ہیں، کبھی قرآن کریم کو شاعری قرار دیتے ہیں، اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر (معاذ اللہ) دیوانہ ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔



تَبْصِرَةً وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۝۸ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ  
 الْحَصِيدِ ۝۹ وَالنَّخْلَ بَسَقَتْ لَهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ ۝۱۰ رَزَقْنَا لِلْعِبَادِ ۝۱۱ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلَدَةً مَّيِّتًا  
 كَذَلِكَ الْخُرُوجُ ۝۱۲ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ۝۱۳ وَعَادُ وَفِرْعَوْنُ  
 وَإِخْوَانُ لُوطٍ ۝۱۴ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۝۱۵ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ۝۱۶  
 أَفَعَيَيْنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۝۱۷ بَلْ هُمْ فِي لُبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝۱۸ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ  
 وَنَعَلَمُ مَا تُوَسُّوْسُ بِهِ نَفْسُهُ ۝۱۹ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِّنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝۲۰

تاکہ وہ اللہ سے لو لگانے والے ہر بندے کے لئے بصیرت اور نصیحت کا سامان ہو، ۵ اور ہم نے آسمان سے برکتوں  
 والا پانی اتارا، پھر اُس کے ذریعے باغات اور وہ اناج کے دانے اُگائے جن کی کٹائی ہوتی ہے، ۶ اور کھجور کے  
 اونچے اونچے درخت جن میں تہہ برتہہ خوشے ہوتے ہیں! ۱۰ تاکہ ہم بندوں کو رزق عطا کریں، اور (اس طرح) ہم  
 نے اُس پانی سے ایک مردہ پڑے ہوئے شہر کو زندگی دے دی۔ بس اسی طرح (انسانوں کا قبروں سے) نکلتا بھی  
 ہوگا۔ ۱۱ ان سے پہلے نوح کی قوم اور اَصْحَابُ الرِّس اور ثمود کے لوگوں نے بھی (اس بات کو) جھٹلایا تھا، ۱۲ نیز قوم عاد  
 اور فرعون اور لوط کے بھائیوں نے بھی، ۱۳ اور اَصْحَابُ الْاَيْكَةِ اور تبع کی قوم نے بھی۔ ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا،  
 اس لئے میں نے جس عذاب سے ڈرایا تھا، وہ سچ ہو کر رہا۔ ۱۴ بھلا کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گئے تھے؟ نہیں!  
 لیکن یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے کے بارے میں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۱۵

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے، اور اُس کے دل میں جو خیالات آتے ہیں، اُن (تک) سے ہم خوب  
 واقف ہیں، اور ہم اُس کی شہہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں، ۱۶

(۳) جس طرح ایک مردہ پڑی ہوئی زمین کو اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعے زندگی عطا کر دیتے ہیں کہ اُس میں ڈالے ہوئے بیج سے  
 طرح طرح کی سبزیاں، پھل اور اناج وجود میں آجاتا ہے، اسی طرح جو لوگ قبروں میں مٹی ہو چکے ہیں اُن کو بھی اللہ تعالیٰ نئی  
 زندگی دینے پر قادر ہیں۔

(۵) کسی بھی چیز کو پہلی بار پیدا کرنا یعنی اُسے عدم سے وجود میں لانا ہمیشہ زیادہ مشکل ہوتا ہے، بہ نسبت اس کے کہ اُسے دوبارہ  
 ویسا ہی بنادیا جائے۔ جب اللہ تعالیٰ کو پہلی بار پیدا کرنے میں کوئی دشواری یا تھکن لاحق نہیں ہوئی تو دوبارہ پیدا کرنے میں کیوں  
 کوئی مشکل ہوگی؟



اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَكَلِّمِينَ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ۝ مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَاقِبٌ عَتِيدٌ ۝ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۚ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعْدِ ۝ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَاقٌ وَشَهِيدٌ ۝ لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكْشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۝ وَقَالَ قَرِينُهُ هٰذَا مَا لَدَىٰ عَتِيدٌ ۝ اَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ۝

اُس وقت بھی جب (اعمال کو) لکھنے والے دو فرشتے لکھ رہے ہوتے ہیں، ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے۔ ۱۸ انسان کوئی لفظ زبان سے نکال نہیں پاتا، مگر اُس پر ایک نگران مقرر ہوتا ہے، ہر وقت (لکھنے کے لئے) تیار! ۱۹ اور موت کی سختی سچ سچ آنے ہی والی ہے۔ (اے انسان!) یہ وہ چیز ہے جس سے تو بدکتا تھا۔ ۲۰ اور صور پھونکا جانے والا ہے۔ یہ وہ دن ہوگا جس سے ڈرایا جاتا تھا۔ ۲۱ اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اُس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا، اور ایک گواہی دینے والا۔ ۲۲ حقیقت یہ ہے کہ تو اس واقعے کی طرف سے غفلت میں پڑا ہوا تھا، اب ہم نے تجھ سے وہ پردہ ہٹا دیا ہے جو تجھ پر پڑا ہوا تھا، چنانچہ آج تیری نگاہ خوب تیز ہو گئی ہے۔ ۲۳ اور اُس کا ساتھی کہے گا کہ: ”یہ ہے وہ (اعمال نامہ) جو میرے پاس تیار ہے۔“ ۲۴ (حکم دیا جائے گا کہ) تم دونوں ہر اُس شخص کو جہنم میں ڈال دو جو کٹر کافر اور حق کا پکا دشمن تھا، ۲۵

(۶) یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کے تمام اچھے بُرے کاموں کو ریکارڈ کرنے کے لئے دو فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں جو ہر وقت اُس کے دائیں اور بائیں موجود ہوتے ہیں، لیکن یہ انتظام صرف اس لئے کیا گیا ہے تاکہ انسان کے اعمال نامے کو قیامت کے دن خود اُس کے سامنے حجت کے طور پر پیش کیا جاسکے، ورنہ اللہ تعالیٰ کو انسان کے اعمال جاننے کے لئے کسی اور کی مدد کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وہ ہر انسان کے دل میں پیدا ہونے والے خیالات تک سے خوب واقف ہیں، اور انسان کی شہہ رگ سے بھی زیادہ اُس سے قریب ہیں۔ (الترجمة مبنیة علی ان ”اِذْ“ ظرف لـ ”اَقْرَبُ“ کما فی روح المعانی)۔

(۷) یعنی جب قبروں سے نکل کر انسان میدانِ حشر کی طرف جائیں گے تو دو فرشتے ہر ایک کے ساتھ ہوں گے، اُن میں سے ایک تو انہیں میدانِ حشر کی طرف ہانک کر لے جائے گا، اور ایک فرشتہ اس لئے ہوگا کہ وہ حساب و کتاب کے وقت اُس کے اعمال کی گواہی دے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ وہی دو فرشتے ہوں گے جو دنیا میں اُس کا اعمال نامہ لکھا کرتے تھے۔

(۸) ساتھی سے مراد وہی فرشتہ ہے جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہ کر اُس کے اعمال کو لکھا کرتا تھا، اور قبر سے اُس کے ساتھ گواہ بن کر آیا تھا۔

(۹) یعنی اُن دونوں فرشتوں سے کہا جائے گا جو اُس کے ساتھ آئے تھے۔



مَّنَآءِ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ۝۲۵ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَأَلْقِيَهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ۝۲۶  
 قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝۲۷ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ  
 قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعْدِ ۝۲۸ مَا يُبَدِّلُ الْقَوْلَ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ۝۲۹ يَوْمَ  
 نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتَ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ ۝۳۰ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ  
 بَعِيدٍ ۝۳۱ هَذَا مَا تُوْعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيفٍ ۝۳۲ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبَ وَجَاءَ بِقَلْبٍ  
 مُّنِيبٍ ۝۳۳ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ۝۳۴ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ۝۳۵

جو دوسروں کو بھلائی سے روکنے کا عادی، بے حد زیادتی کرنے والا اور (حق بات میں) شک ڈالنے والا تھا، ۲۵ جس نے اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بنا رکھا تھا۔ لہذا اب تم دونوں اُسے سخت عذاب میں ڈال دو۔ ۲۶ اُس کا ساتھی ۱۰ کہے گا کہ: ”اے ہمارے پروردگار! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا، بلکہ یہ خود ہی پر لے درجے کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔“ ۲۷ اللہ تعالیٰ کہے گا کہ: ”تم میرے سامنے جھگڑے نہ کرو، اور میں تو پہلے ہی تمہارے پاس عذاب کی دھمکی بھیج چکا تھا۔“ ۲۸ میرے سامنے وہ بات بدلی نہیں جاسکتی، اور میں بندوں پر کوئی ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔“ ۲۹ وہ وقت (یاد رکھو) جب ہم جہنم سے کہیں گے کہ: ”کیا تو بھر گئی؟“ اور وہ کہے گی کہ: ”کیا کچھ اور بھی ہے؟“ ۱۴ اور پرہیزگاروں کے لئے جنت اتنی قریب کر دی جائے گی کہ کچھ بھی دُور نہیں رہے گی۔ ۳۰ (اور کہا جائے گا کہ:) ”یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے یہ وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ ہر اُس شخص کے لئے ہے جو اللہ سے خوب لو لگائے ہوئے ہو، (اور) اپنی نگرانی رکھنے والا ہو، ۱۳ جو خدائے رحمن سے اُسے دیکھے بغیر ڈرتا ہو، اور اللہ کی طرف رُجوع ہونے والا دل لے کر آئے۔“ ۳۳ تم سب اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔“ وہ دن ابدی زندگی کا دن ہوگا۔ ۳۴

۱۰ یہاں ساتھی سے مراد شیطان ہے، کیونکہ وہ بھی ہر وقت انسان کو بہکانے کے لئے اُس کے ساتھ رہتا تھا۔ کافر لوگ چاہیں گے کہ اپنے حصے کی سزا یہ کہہ کر اپنے سرداروں پر اور خاص طور سے شیطان پر ڈالیں کہ اس نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ اُس کے جواب میں شیطان یہ کہے گا کہ میں نے گمراہ نہیں کیا، کیونکہ مجھے کوئی ایسا اختیار نہیں تھا کہ اسے زبردستی گمراہی کے راستے پر ڈالوں، زیادہ سے زیادہ میں نے انہیں ترغیب دی تھی، گمراہی میں تو یہ خود اپنے اختیار سے پڑا تھا۔ شیطان کے اس جواب کی تفصیل سورۃ ابراہیم (۲۲: ۱۴) میں ملاحظہ فرمائیے۔

۱۱ یعنی جو بات اُس دھمکی میں کہی گئی تھی کہ کفر اختیار کرنے والا اور کفر کی ترغیب دینے والا دونوں جہنم کے مستحق ہیں۔

۱۲ یعنی جہنم یہ کہے گی کہ میں اور لوگوں کو بھی لینے کے لئے تیار ہوں۔

۱۳ اس بات کی نگرانی کہ میرا کوئی کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہ ہو۔



لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ۝ (۳۵) وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ ۝ (۳۶) إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ۝ (۳۷) وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ۚ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ ۝ (۳۸) فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝ (۳۹) وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ۝ (۴۰) وَاسْتَغْثِ يَوْمَ يُنَادِي الْمُنَادُ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝ (۴۱) يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ۝ (۴۲) إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ۝ (۴۳) يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ۝ (۴۴) نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۚ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ۝ (۴۵)

ان (جنتیوں) کو وہ سب کچھ ملے گا جو وہاں وہ چاہیں گے، اور ہمارے پاس کچھ اور زیادہ بھی ہے۔ (۱۴) اور ان (مکہ کے کافروں) سے پہلے ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کی طاقت پر گرفت ان سے زیادہ سخت تھی، چنانچہ انہوں نے سارے شہر چھان مارے تھے۔ کیا ان کے لئے بھاگنے کی کوئی جگہ تھی؟ (۱۵) یقیناً اس میں اُس شخص کے لئے بڑی نصیحت کا سامان ہے جس کے پاس دل ہو، یا جو حاضرِ دماغ بن کر کان دھرے۔ (۱۶) اور ہم نے سارے آسمان اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا، اور ہمیں ذرا سی تھکاوٹ بھی چھو کر نہیں گذری۔ (۱۷) لہذا (اے پیغمبر!) جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں، تم اُس پر صبر کرو، اور اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو، سورج نکلنے سے پہلے بھی، اور سورج ڈوبنے سے پہلے بھی۔ (۱۸) اور رات کے حصوں میں بھی اُس کی تسبیح کرو، اور سجدوں کے بعد بھی۔ (۱۹) اور ذرا توجہ سے سنو! جس دن ایک پکارنے والا ایک قریبی جگہ سے پکارے گا، (۲۰) جس دن لوگ سچ مچ اُس پکار کی آواز سنیں گے، وہ قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا۔ (۲۱) یقین رکھو ہم ہی ہیں جو زندگی بھی دیتے ہیں، اور موت بھی، اور آخر کار سب کو ہمارے پاس ہی لوٹنا ہے، (۲۲) اُس دن جب زمین پھٹ کر ان کو اس طرح باہر کر دے گی کہ وہ جلدی جلدی نکل رہے ہوں گے۔ اس طرح سب کو جمع کر لینا ہمارے لئے بہت آسان ہے۔ (۲۳) جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں، ہمیں خوب معلوم ہے، اور (اے پیغمبر!) تم ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہو۔ لہذا قرآن کے ذریعے ہر اُس شخص کو نصیحت کرتے رہو جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔ (۲۴)

(۱۴) جنت کی نعمتوں کی کچھ اجمالی جھلک تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں بیان فرمائی ہے، لیکن جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے جنت میں وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کسی کان نے سنی نہیں، اور کسی



شخص کے دل میں اُس کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا۔ یہاں بڑے بلیغ انداز میں اللہ تعالیٰ نے اُن نعمتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہمارے پاس کچھ اور زیادہ بھی ہے۔ انہی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی ہے۔ مزید دیکھئے سورہ یونس (۲۶:۱۰)۔

(۱۵) یعنی اُن کی خوش حالی کا عالم یہ تھا کہ وہ تجارت اور سیاحت کے لئے شہر شہر گھومتے تھے۔ اور اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے عذاب سے بچنے کے لئے مختلف بستیوں میں بہت ہاتھ پاؤں مارے، لیکن عذاب الہی سے بچ نہیں سکے۔

(۱۶) تسبیح سے یہاں مراد نماز ہے۔ چنانچہ طلوع آفتاب سے پہلے کے الفاظ میں نماز فجر، غروب سے پہلے کے الفاظ میں ظہر اور عصر کی نمازیں داخل ہیں، اور رات کے حصوں میں تسبیح کرنے کے الفاظ میں مغرب، عشاء اور تہجد کی نمازیں۔

(۱۷) سجدوں سے مراد فرض نمازیں ہیں، اور اُن کے بعد تسبیح کرنے سے مراد نفلی نمازیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کی یہی تفسیر منقول ہے (روح المعانی)۔

(۱۸) یعنی اُس منادی کی آواز ہر شخص کو بہت قریب سے آتی ہوئی محسوس ہوگی۔ بظاہر یہ منادی حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے جو مَرَدُوں کو قبروں سے نکلنے کے لئے آواز دیں گے۔

(۱۹) اس سے مراد وہی منادی کی پکار بھی ہو سکتی ہے، اور صور پھونکنے کی آواز بھی۔

(۲۰) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ آپ لوگوں کو زبردستی ایمان لانے پر مجبور کریں۔ آپ کا فریضہ صرف یہ ہے کہ نصیحت کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہیں۔ جس کے دل میں کچھ خدا کا خوف ہوگا، وہ آپ کی بات مان لے گا، اور جو نہ مانے، اُس کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔

الحمد للہ! سورہ قی کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج بتاریخ ۲۹ صفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۸ مارچ ۲۰۰۸ء کو کراچی میں عشاء سے ذرا پہلے تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے ساتھ خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الذَّرِّيَّاتِ

## تعارف

یہاں سے سورہ حدید (سورت نمبر ۵۷) تک، سورہ رحمن کے سوا، تمام سورتیں مکی ہیں، اور ان سب کا بنیادی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد کی تعلیم، اور خاص طور پر آخرت کی زندگی، جنت اور دوزخ کے حالات اور پچھلی قوموں کے عبرت ناک انجام کا نہایت فصیح و بلیغ اور انتہائی مؤثر تذکرہ ہے۔ اس تاثیر کو کسی بھی ترجمے کے ذریعے کسی اور زبان میں منتقل کرنا ممکن نہیں ہے، لیکن ترجمے کے ذریعے ان کے مفہوم کو کسی درجے میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چونکہ ان تمام سورتوں کے مضامین ایک جیسے ہیں، اس لئے سورہ واقعہ تک ہر سورت کا الگ تعارف نہیں دیا گیا۔



﴿ ایتھا ۶۰ ﴾ ۵۱ سُورَةُ الذَّارِيَّت مَكِّيَّةٌ ۶۷ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۳ ﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَالذَّارِيَّتِ ذُرْوًا ۝۱ فَالْحَلِيَّتِ وَقْرًا ۝۲ فَالْجَرِيَّتِ يُسْرًا ۝۳ فَالْمُقَسَّاتِ أَمْرًا ۝۴ إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ۝۵ وَإِنَّ الدَّارَيْنِ لَوَاقِعٌ ۝۶ وَالسَّاءِ ذَاتِ الْحُبِّكَ ۝۷ إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝۸ يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ۝۹ قَتَلَ الْخَرْصُونَ ۝۱۰ الَّذِينَ هُمْ فِي غَمْرَةٍ سَاهُونَ ۝۱۱ يَسْأَلُونَ أَيَّانَ يَوْمُ الدَّارَيْنِ ۝۱۲ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ۝۱۳ ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ ۝۱۴ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ۝۱۵ إِنَّ السُّعْقَيْنِ فِي جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ۝۱۶ اخْذَيْنِ مَا أَنَّهُمْ رَأَبُهُمْ ۝۱۷ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُحْسِنِينَ ۝۱۸

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ساٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے اُن (ہواؤں) کی جو گرد اڑا کر بکھیر دیتی ہیں، ۱ پھر اُن کی جو (بادلوں کا) بوجھ اُٹھاتی ہیں، ۲ پھر اُن کی جو آسانی سے رواں دواں ہو جاتی ہیں، ۳ پھر اُن کی جو چیزیں تقسیم کرتی ہیں، ۴ کہ جو وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے، وہ یقینی طور پر سچا ہے، ۵ اور اعمال کا بدلہ یقیناً مل کر رہے گا۔ ۶ قسم ہے راستوں والے آسمان کی، ۷ کہ تم متضاد باتوں میں پڑے ہوئے ہو، ۸ اس (آخرت کی حقیقت) سے وہی منہ موڑتا ہے جو حق سے بالکل ہی مڑا ہوا ہے۔ ۹ خدا کی مار ہو اُن پر جو (عقیدے کے معاملے میں) اٹکل بچوں باتیں بنایا کرتے ہیں، ۱۰ جو غفلت میں ایسے ڈوبے ہیں کہ سب کچھ بھلائے بیٹھے ہیں۔ ۱۱ پوچھتے ہیں کہ: ”جزا و سزا کا دن کب ہوگا؟“ ۱۲ اُس دن ہوگا جب انہیں آگ پر تپایا جائے گا! ۱۳ کہ چکھومزہ اپنی شرارت کا! یہی ہے وہ چیز جس کے بارے میں تم یہ مطالبے کرتے تھے کہ وہ جلدی آجائے! ۱۴ متقی لوگ بیشک باغوں اور چشموں میں اس طرح رہیں گے ۱۵ کہ اُن کا پروردگار انہیں جو کچھ دے گا، اُسے وصول کر رہے ہوں گے۔ وہ لوگ اس سے پہلے ہی نیک عمل کرنے والے تھے، ۱۶

(۱) یہاں دو باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی کسی بات کا یقین دلانے کے لئے قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے، وہ اس بات سے بے نیاز ہے کہ اپنی کسی بات پر قسم کھائے، البتہ قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قسمیں کھائی گئی ہیں، وہ کلام میں فصاحت و بلاغت کا زور پیدا کرنے کے لئے آئی ہیں، اور بسا اوقات اُن میں یہ پہلو بھی مد نظر



ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی جا رہی ہے، اگر اُس پر غور کیا جائے تو وہ اُس بات کی دلیل اور گواہ ہوتی ہے جو قسم کے بعد مذکور ہے۔ چنانچہ یہاں قسم کے بعد جو بات بیان فرمائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ قیامت ضرور آئے گی، اور جزا و سزا کا فیصلہ ضرور ہوگا۔ اور قسم اُن ہواؤں کی کھائی گئی ہے جو گرد اُڑاتی ہیں، اور بادلوں کا بوجھ اُٹھا کر انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں، اور جب وہ برستے ہیں تو اُن کا پانی مردہ زمین میں رزق کا سامان پیدا کر کے اُنہیں مخلوقات میں تقسیم کرتا ہے، اور ان مخلوقات کے لئے نئی زندگی کا باعث بنتا ہے۔ ان کی قسم کھا کر اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ ان ہواؤں اور ان کے نتیجے میں برسنے والے پانی کو نئی زندگی کا ذریعہ بناتا ہے، وہ یقیناً اس بات پر قادر ہے کہ مردہ انسانوں کو دوسری زندگی عطا فرمادے۔

یہ تشریح اس بات پر مبنی ہے کہ جن چار چیزوں کی یہاں قسم کھائی گئی ہے، اُن سب سے مراد ہوائیں ہیں، اور ان کی چار مختلف صفات ذکر فرمائی گئی ہیں۔ ان آیتوں کی ایک اور تفسیر یہ منقول ہے کہ پہلی صفت یعنی گرد اُڑانا تو ہواؤں سے متعلق ہے، اور دوسری صفت سے مراد خود بادل ہیں جو پانی کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، اور تیسری صفت سے مراد کشتیاں ہیں جو پانی میں رواں دواں رہتی ہیں، اور چوتھی صفت سے مراد فرشتے ہیں جو مخلوقات میں رزق وغیرہ تقسیم کرنے کا انتظام کرتے ہیں۔ یہ تفسیر ایک روایت میں خود حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، لیکن اس روایت کے بارے میں علامہ بیہقیؒ نے یہ فرمایا ہے کہ یہ ایک ضعیف راوی ابو بکر ابن ابی سبرہ سے مروی ہے جو متروک ہے۔ (مجمع الزوائد ج: ۷ ص: ۲۴۴ و ۲۴۵ کتاب التفسیر حدیث نمبر: ۱۱۳۶۵) تاہم چونکہ اس تفسیر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نسبت ہے، اس لئے بہت سے مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور ہم نے جو ترجمہ کیا ہے، اگر اُس میں سے قوسین والے الفاظ کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس ترجمے میں اس تفسیر کی بھی گنجائش ہے۔ اس تفسیر کے مطابق ان قسموں سے آخرت کا تعلق بظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ضروریات پوری کرنے کے یہ انتظامات بے مقصد نہیں فرمائے۔ اس سارے نظام کا یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو جو لوگ ٹھیک ٹھیک استعمال کریں، اُنہیں ان کی نیکی کا انعام دیا جائے، اور جو لوگ غلط استعمال کریں، اُنہیں سزا دی جائے، لہذا کائنات کی یہ ساری چیزیں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ کوئی ایسا دن آئے جس میں انعام اور سزا کا یہ فیصلہ ہو۔

(۲) یہاں راستوں سے مراد بظاہر وہ راستے ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتے، لیکن فرشتوں کی آمد و رفت اُن راستوں سے ہوتی ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ آسمان کا لفظ بعض اوقات ہر اُوپر والی چیز کے لئے بھی بولا جاتا ہے، اور یہاں اُوپر کی وہ فضا مراد ہے جس میں ستاروں کے متعین راستے بنے ہوئے ہیں۔

(۳) یعنی ایک طرف اللہ تعالیٰ کو اس کائنات کا خالق مانتے ہو، اور دوسری طرف اُس کی یہ قدرت تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہو کہ وہ مرنے کے بعد انسانوں کو دوبارہ زندگی دے سکتا ہے۔

(۴) جو شخص حق کی طلب رکھتا ہو، اُس کے لئے آخرت کو ماننا ہرگز مشکل نہیں ہے، لیکن اس حقیقت سے وہی انکار کرتا ہے جو حق کی طلب رکھنے کے بجائے اُس سے برگشتہ ہو۔

(۵) یہ سوال حقیقت جاننے کے لئے نہیں، بلکہ اُس کا مذاق اُڑانے کے لئے کرتے ہیں۔

(۶) کافر لوگوں کو جب آخرت کے عذاب سے ڈرایا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ وہ عذاب ابھی کیوں نہیں آ جاتا۔



كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ النَّبِيِّينَ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٤﴾ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٥﴾ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿١٦﴾ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿١٧﴾ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿١٨﴾ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿١٩﴾ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطُقُونَ ﴿٢٠﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢١﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُونَ ﴿٢٢﴾

وہ رات کے وقت کم سوتے تھے، ﴿۱۴﴾ اور سحری کے اوقات میں وہ استغفار کرتے تھے، ﴿۱۵﴾ اور اُن کے مال و دولت میں سائلوں اور محروم لوگوں کا (باقاعدہ) حق ہوتا تھا۔ ﴿۱۶﴾ اور اُن کے لئے جو یقین کرنے والے ہوں، زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں، ﴿۱۷﴾ اور خود تمہارے اپنے وجود میں بھی! کیا پھر بھی تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟ ﴿۱۸﴾ اور آسمان ہی میں تمہارا رِزق بھی ہے، اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ ﴿۱۹﴾ لہذا آسمان اور زمین کے پروردگار کی قسم! یہ بات یقیناً ایسی ہی سچی ہے جیسے یہ بات کہ تم بولتے ہو۔ ﴿۲۰﴾ (اے پیغمبر!) کیا ابراہیم کے معزز مہمانوں کا واقعہ تمہیں پہنچا ہے؟ ﴿۲۱﴾ جب وہ ابراہیم کے پاس آئے، تو انہوں نے سلام کہا۔ ابراہیم نے بھی سلام کہا۔ (اور دل میں سوچا کہ) یہ کچھ انجان لوگ ہیں۔ ﴿۲۲﴾

﴿۷﴾ یعنی رات کا بڑا حصہ عبادت میں گزارنے کے بعد بھی وہ اپنے اس عمل پر مغرور نہیں ہوتے، بلکہ سحری کے وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے استغفار کرتے ہیں کہ نہ جانے ہماری عبادت میں کون کون سی کوتاہیاں رہ گئی ہوں جن کی وجہ سے وہ عبادت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے لائق نہ ہو، اس لئے آخر میں استغفار کرتے ہیں۔

﴿۸﴾ سائل سے مراد تو وہ حاجت مند ہے جو زبان سے اپنی ضرورت کا اظہار کر دے، اور محروم سے مراد وہ ہے جو حاجت مند ہونے کے باوجود کسی سے کچھ مانگتا نہیں۔ اس آیت میں ”حق“ کا لفظ استعمال کر کے بتا دیا گیا ہے کہ انسان ان لوگوں پر زکوٰۃ وغیرہ کی شکل میں جو کچھ خرچ کرتا ہے، وہ کوئی احسان نہیں ہے، بلکہ یہ اُن کا حق ہے جو انہیں پہنچانا ہی چاہئے تھا، کیونکہ مال و دولت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اور اُس کا یہ حکم ہے کہ اس میں حاجت مند لوگوں کا بھی حصہ ہے۔

﴿۹﴾ آسمان سے یہاں مراد عالم بالا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ تمہارے رِزق کے فیصلے بھی آسمان میں ہوتے ہیں، اور تم سے جنت اور دوزخ وغیرہ کا جو وعدہ کیا جا رہا ہے، اُس کا فیصلہ بھی آسمان ہی میں ہوتا ہے۔

﴿۱۰﴾ یعنی جس طرح یہ بات یقینی ہے کہ تم بول رہے ہو، اسی طرح آخرت کی جو بات کہی جا رہی ہے، وہ بھی اتنی ہی یقینی ہے، کیونکہ اس کائنات کے خالق نے بتلائی ہے۔

﴿۱۱﴾ یہ مہمان درحقیقت فرشتے تھے جو ایک طرف تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دینے آئے تھے، اور دوسری طرف حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ ان کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورہ ہود (۱۱: ۶۹ تا ۸۳) اور سورہ حجر (۵۱: ۱۵ تا ۷۷) میں گزر چکا ہے۔



فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَبِيْنٍ ۚ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُوْنَ ۚ ۚ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلَامٍ عَلِيْمٍ ۚ فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَخَةٍ فَصَكَتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيْمٌ ۚ قَالُوا كَذْلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۚ ۚ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۚ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۚ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن طِيْنٍ ۚ ۚ مُّسَوِّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۚ فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ ۚ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۚ وَتَرَكْنَا فِيْهَا آيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْآلِيْمَ ۚ ۚ وَفِي مُّوْسَىٰ إِذْ أُرْسِلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۚ ۚ

پھر وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس گئے، اور ایک موٹا سا بچھڑا لے آئے، ۲۶ اور اُسے ان مہمانوں کے سامنے رکھا۔ کہنے لگے: ”کیا آپ لوگ کھاتے نہیں؟“ ۲۷ اس سے ابراہیم نے اُن کی طرف سے اپنے دل میں ڈر محسوس کیا۔ ۱۲ انہوں نے کہا: ”ڈریے نہیں“ اور انہیں ایک لڑکے کی خوشخبری دی جو بڑا عالم ہوگا۔ ۲۸ اس پر اُن کی بیوی زور سے بولتی ہوئی آئیں، اور انہوں نے اپنا چہرہ پیٹ لیا، اور کہنے لگیں: ”(کیا) ایک باندھ بڑھیا (بچہ جنے گی؟)“ ۲۹ مہمانوں نے کہا: ”تمہارے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ یقین جانو وہی ہے جو بڑی حکمت کا، بڑے علم کا مالک ہے۔“ ۳۰ ابراہیم نے کہا: ”اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتو! تم کس مہم پر ہو؟“ ۳۱ انہوں نے کہا: ”ہمیں کچھ مجرم لوگوں کے پاس بھیجا گیا ہے، تاکہ ہم ان پر پکی مٹی کے پتھر برسائیں ۳۲ جن پر حد سے گزرے ہوئے لوگوں کے لئے تمہارے پروردگار کے پاس سے خاص نشان بھی لگا ہوگا۔“ ۳۳ پھر ہوا یہ کہ اُس بستی میں جو کوئی مؤمن تھا، اُس کو ہم نے وہاں سے نکال لیا، ۳۴ اور اُس میں ایک گھر کے سوا ہم نے کسی اور گھر کو مؤمن نہیں پایا، ۱۳ ۳۵ اور ہم نے اُس بستی میں اُن لوگوں کے لئے (عبرت کی) ایک نشانی چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہوں۔ ۳۶ اور موسیٰ (کے واقعے) میں بھی (ہم نے ایسی ہی نشانی چھوڑی تھی) جب ہم نے اُنہیں ایک کھلی ہوئی دلیل کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا تھا، ۳۷

۱۲) فرشتے چونکہ کچھ کھاتے نہیں ہیں، اس لئے انہوں نے کھانے سے پرہیز کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس علاقے کی عادت کے مطابق یہ سمجھے کہ یہ کوئی دشمن ہیں۔ پھر جب انہوں نے بیٹے کی خوشخبری دی تو وہ سمجھ گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، اس لئے آیت نمبر ۳۰ میں انہوں نے اسی حیثیت سے اُن سے خطاب فرمایا۔ ۱۳) اس سے مراد خود حضرت لوط علیہ السلام کا گھر انہ ہے۔



فَتَوَلَّىٰ بَرَكْنَهُ وَقَالَ سِحْرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿۳۹﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿۴۰﴾  
 وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ  
 كَالْزَرْمِيمِ ﴿۴۲﴾ وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ  
 الصَّعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنْتَصِرِينَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ  
 مِّنْ قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۴۶﴾ وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَنُوسِعُونَ ﴿۴۷﴾  
 وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمُهْدُونَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۴۹﴾

تو فرعون نے اپنی قوتِ بازو کے بل پر منہ موڑا، اور کہا کہ: ”یہ جادوگر ہے، یا دیوانہ ہے۔“ ﴿۳۹﴾ چنانچہ ہم نے اُسے اور  
 اُس کے لشکر کو پکڑا اور سب کو سمندر میں پھینک دیا، اور وہ تھا ہی ملامت کے لائق! ﴿۴۰﴾ نیز قوم عاد میں (بھی ہم نے ایسی  
 ہی نشانی چھوڑی تھی) جب ہم نے اُن پر ایک ایسی آندھی بھیجی جو ہر بہتری سے بانجھ تھی، ﴿۴۱﴾ وہ جس چیز پر بھی گذرتی،  
 اُسے ایسا کر چھوڑتی جیسے وہ گل کر چورا چورا ہو گئی ہو۔ ﴿۴۲﴾

اور ثمود میں بھی (ایسی ہی نشانی تھی)، جب اُن سے کہا گیا تھا کہ: ”تھوڑے وقت تک مزے اڑالو۔“ (پھر سیدھے نہ  
 ہوئے تو عذاب آئے گا) ﴿۴۳﴾ اس پر بھی اُنہوں نے اپنے پروردگار کا حکم ماننے سے سرکشی اختیار کی تو انہیں کڑکے نے  
 آ پکڑا، اور وہ دیکھتے رہ گئے۔ ﴿۴۴﴾ نتیجہ یہ کہ نہ تو اُن میں یہ سکت رہی کہ کھڑے ہو سکیں، اور نہ وہ اس قابل تھے کہ اپنا بچاؤ  
 کرتے۔ ﴿۴۵﴾ اور اس سے بھی پہلے نوح کی قوم کو بھی ہم نے پکڑ میں لیا تھا۔ یقیناً جو وہ بڑے نافرمان لوگ تھے۔ ﴿۴۶﴾  
 اور آسمان کو ہم نے قوت سے بنایا ہے، اور ہم یقیناً وسعت پیدا کرنے والے ہیں۔ ﴿۴۷﴾ اور زمین کو ہم نے فرش بنایا ہے،  
 چنانچہ ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں! ﴿۴۸﴾ اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے پیدا کئے ہیں، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ ﴿۴۹﴾

(۱۳) یعنی وہ عذاب کی آندھی تھی، اس لئے ہواؤں میں عام طور سے جو فائدے ہوا کرتے ہیں، وہ اُس میں نہیں تھے۔ قوم عاد کا  
 تعارف سورہ اعراف (۶۵: ۷) میں اور قوم ثمود کا تعارف سورہ اعراف (۷۳: ۷) میں گذر چکا ہے۔

(۱۵) ان کا تفصیلی واقعہ سورہ ہود (۲۵: ۱۱ تا ۲۸) میں گذر چکا ہے۔

(۱۶) اس کا مطلب کچھ مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسا کر لوگوں کے رزق میں وسعت پیدا فرماتے  
 ہیں۔ کچھ مفسرین نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ: ”ہماری قدرت بہت وسیع ہے۔“ لیکن اس کے یہ معنی بھی ممکن ہیں کہ ہم خود  
 آسمان میں وسعت پیدا کرنے والے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۱۷) قرآن کریم نے یہ حقیقت کئی جگہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں (نرا ور مادہ جیسے) جوڑے پیدا فرمائے ہیں۔  
 یہ بات پہلے سائنس کو دریافت نہیں ہوئی تھی، لیکن اب سائنس نے بھی اس قرآنی حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے۔



فَفِرُّوْا إِلَى اللَّهِ ۖ إِنَّى لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۖ إِنَّى لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ۝ اتَّوَصَوْا بِهِ ۖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ بِلَاوٍمٍ ۝ وَذَكَرَ فَإِنَّ الدِّكَرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُوا ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُنُوبًا مِثْلَ ذُنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ ۝ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِى يُوعَدُونَ ۝

لہذا دوڑو اللہ کی طرف۔ یقین جانو، میں اُس کی طرف سے تمہارے لئے صاف صاف خبردار کرنے والا (بن کر آیا) ہوں۔ ۵۰ اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بناؤ۔ یقین جانو میں اُس کی طرف سے تمہارے لئے صاف صاف خبردار کرنے والا (بن کر آیا) ہوں۔ ۵۱ اسی طرح ان سے پہلے جو لوگ تھے، اُن کے پاس بھی کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا جس کے بارے میں اُنہوں نے یہ نہ کہا ہو کہ: ”جادوگر ہے، یاد یوانہ ہے۔“ ۵۲ کیا یہ ایک دوسرے کو اس بات کی وصیت کرتے چلے آئے ہیں؟ نہیں، بلکہ یہ سرکش لوگ ہیں۔ ۵۳ لہذا (اے پیغمبر!) تم ان سے بے رُخی اختیار کرو، کیونکہ تم قابلِ ملامت نہیں ہو۔ ۵۴ اور نصیحت کرتے رہو، کیونکہ نصیحت ایمان لانے والوں کو فائدہ دیتی ہے۔ ۵۵ اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔ ۵۶ میں ان سے کسی قسم کا رزق نہیں چاہتا، اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ ۵۷ اللہ تو خود ہی رزاق ہے، مستحکم قوت والا! ۵۸ اب تو جن لوگوں نے ظلم کیا ہے، اُن کی بھی ایسی ہی باری آئے گی جیسے ان کے (پچھلے) ساتھیوں کی باری آئی تھی، اس لئے وہ مجھ سے جلدی (عذاب لانے) کا مطالبہ نہ کریں۔ ۵۹ غرض جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے، اُن کی اُس دن کی وجہ سے بڑی خرابی ہوگی جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ ۶۰

(۱۸) یعنی اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے دین پر ایمان لانے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے میں جلدی کرو۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۶ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۵ مارچ ۲۰۰۸ء کو بروز ہفتہ سورہ ذاریات کا ترجمہ اور حواشی کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔



آیتھا ۲۹ ﴿۲۹﴾ سُورَةُ الطُّورِ مَكِّيَّةٌ ۶۷ ﴿۶۷﴾ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴿۲﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالطُّورِ ۱ وَكِتَابٍ مُّسْطُورٍ ۲ فِي رَاقٍ مُّنْشُورٍ ۳ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ۴ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ ۵ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ۶ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۷ مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ ۸ يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ۹ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۱۰

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں انچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے کوہ طور کی، ۱ اور اُس کتاب کی جو ایک کھلے ہوئے صحیفے میں لکھی ہوئی ہے ۲ و ۳ اور قسم ہے بیت معمور کی ۴ اور بلند کی ہوئی چھت کی، ۵ اور بھرے ہوئے سمندر کی، ۶ کہ تمہارے پروردگار کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے، ۷ کوئی نہیں ہے جو اُسے روک سکے، ۸ جس دن آسمان تھر تھرا کر لرز اٹھے گا، ۹ اور پہاڑ ہولناک طریقے سے چل پڑیں گے، ۱۰

(۱) پچھلی سورت کے شروع میں قرآن کریم کی قسموں پر جو حاشیہ ہم نے دیا ہے، اُسے یہاں بھی ملاحظہ فرمایا جائے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ پہلے کوہ طور کی جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں تورات عطا فرمائی۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آخرت میں نافرمانوں کو عذاب ہونا کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ کوہ طور پر جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی، وہ بھی اس بات کی گواہ ہے۔ دوسری قسم ایک کتاب کی کھائی گئی ہے جو ایک صحیفے میں لکھی ہوئی ہے۔ اس سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک تورات ہے، اُس صورت میں اس قسم کا بھی آخرت کے عذاب سے وہی تعلق ہے جو کوہ طور کا عرض کیا گیا۔ البتہ بعض مفسرین نے اس سے مراد نامہ اعمال لیا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انسانوں کا جو نامہ اعمال ہر آن لکھا جا رہا ہے، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ کسی وقت حساب و کتاب ہوگا، اور نافرمانوں کو اُن کے اعمال کی سزا ملے گی۔ تیسری قسم بیت معمور کی کھائی گئی ہے۔ یہ عالم بالا میں ایک ایسا ہی گھر ہے جیسا دنیا میں بیت اللہ ہے۔ عالم بالا کا یہ گھر فرشتوں کی عبادت گاہ ہے۔ اس کی قسم کھا کر اشارہ فرمایا گیا ہے کہ فرشتے اگرچہ انسانوں کی طرح مکلف نہیں، لیکن وہ پھر بھی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔ انسان تو مکلف اسی لئے بنایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اور اگر نہیں کرے گا تو سزا کے لائق ہوگا۔ چوتھی قسم اونچی چھت یعنی آسمان کی اور پانچویں قسم بھرے ہوئے سمندر کی کھائی گئی ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر جزا و سزا نہ ہو تو اس کائنات کا جس کے اوپر آسمان اور نیچے سمندر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، پیدا کرنے کا کوئی مقصد نہیں رہتا، نیز یہ کہ جو ذات اتنی عظیم چیزیں پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ یقیناً انسانوں کو دوسری زندگی دینے پر بھی قادر ہے۔



فَوَيْلٌ لِلْيَوْمِينَ لِلَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ ﴿١٧﴾ يَوْمَ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ نَارٍ  
جَهَنَّمَ دَعَاً ﴿١٨﴾ هَذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١٩﴾ أَفَسِحْرُ هَذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿٢٠﴾  
إِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢١﴾ إِنَّ  
السَّائِقِينَ فِي جَنَّتٍ وَنَعِيمٍ ﴿٢٢﴾ فَكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ ۖ وَوَقَّهَمَ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٢٣﴾ كُلُّوا  
وَأَشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ مُتَكِبِينَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ  
عِينٍ ﴿٢٥﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِّنْ  
عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۖ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿٢٦﴾

تو اُس دن بڑی خرابی ہوگی اُن کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں، ﴿۱۷﴾ جو بے ہودہ باتوں میں دُوبے ہوئے کھیل رہے ہیں، ﴿۱۸﴾ اُس دن جب انہیں دھکے دے دے کر جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا جائے گا، ﴿۱۹﴾ (کہ:) ”یہ ہے وہ آگ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ ﴿۲۰﴾ بھلا کیا یہ جادو ہے یا تمہیں (اب بھی) کچھ نظر نہیں آ رہا؟ ﴿۲۱﴾ داخل ہو جاؤ اس میں! پھر تم صبر کرو، یا نہ کرو، تمہارے لئے برابر ہے۔ تمہیں انہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔“ ﴿۲۲﴾ متقی لوگ بیشک باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے، ﴿۲۳﴾ اُن کے پروردگار نے انہیں جس طرح نوازا اور اُن کے پروردگار ہی نے انہیں دوزخ کے عذاب سے جس طرح بچایا، اُس کا لطف اُٹھارہے ہوں گے۔ ﴿۲۴﴾ (اُن سے کہا جائے گا کہ:) ”خوب مزے سے کھاؤ پیو، اُن اعمال کے صلے میں جو تم کیا کرتے تھے۔“ ﴿۲۵﴾ وہ ایک قطار میں لگی ہوئی اونچی نشستوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے، اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے اُن کا بیاہ کر دیں گے۔ ﴿۲۶﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور اُن کی اولاد نے بھی ایمان میں اُن کی پیروی کی ہے، تو اُن کی اولاد کو ہم انہی کے ساتھ شامل کر دیں گے، اور اُن کے عمل میں سے کسی چیز کی کمی نہیں کریں گے۔ ﴿۲۷﴾ ہر انسان کی جان اپنی کمائی کے بدلے رہن رکھی ہوئی ہے۔ ﴿۲۸﴾

(۲) یہ ترجمہ اس تفسیر پر مبنی ہے جو علامہ آلوسیؒ نے ان الفاظ میں نقل فرمائی ہے: ”وَوَقَّهَمُ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ عطف علی ...

آتاهم ان جعلت ما مصدريه، اى فاكهين بايتانهم ربهم ووقايتهم عذاب الجحيم۔“

(۳) یعنی نیک لوگوں کی اولاد اگر مؤمن ہو تو اگرچہ وہ اپنے اعمال کے لحاظ سے جنت میں اُس اُونچے درجے کی مستحق نہ ہو جو اُس کے والد کو ملا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ والد کو خوش کرنے کے لئے اولاد کو بھی وہی درجہ دے دیں گے، اور والد کے درجے میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(۴) ”رہن“ اُس سامان کو کہتے ہیں جو کسی ادھار دینے والے نے اپنے ادھار کی ادائیگی کی ضمانت کے طور پر مقروض سے لے کر اپنے پاس رکھ لیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو جو صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، وہ انسان کے پاس ادھار ہیں۔ یہ ادھار اُسی صورت میں اُتر سکتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان صلاحیتوں کو استعمال کرے جس کا مظاہرہ دُنیا میں ایمان



وَأَمَدَدْنَاهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝ يَتَنَزَّاعُونَ فِيهَا كُؤُوسًا لَّا لَغْوٌ فِيهَا  
وَلَا تَأْثِيمٌ ۝ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ۝ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ  
يَتَسَاءَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ۝ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَدْنَا عَذَابَ  
السُّؤْمِ ۝ إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ۝

اور ہم انہیں ایک کے بعد ایک پھل اور گوشت، جو بھی اُن کا دل چاہے گا، دیئے چلے جائیں گے۔ ۝ وہاں وہ ایسے جام شراب پر (دوستانہ) چھینا جھٹی کر رہے ہوں گے جس میں نہ کوئی بے ہودگی ہوگی، اور نہ کوئی گناہ ہوگا۔ ۝ اور ان کے ارد گرد وہ نو جوان پھر رہے ہوں گے جو انہی (کی خدمت) کے لئے مخصوص ہوں گے، ایسے (خوبصورت) جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی! ۝ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر حالات پوچھیں گے، ۝ کہیں گے کہ: ”ہم پہلے جب اپنے گھر والوں (یعنی دُنیا) میں تھے تو ڈرے سہمے رہتے تھے، ۝ آخر اللہ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا، اور ہمیں جھلسانے والی ہوا کے عذاب سے بچا لیا۔ ۝ ہم اس سے پہلے اُس سے دُعائیں مانگا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی ہے جو بڑا محسن، بہت مہربان ہے۔“ ۝

لانے اور نیک عمل کرنے سے ہوتا ہے۔ اس اُدھار کے لئے ہر انسان کی جان اس طرح رہن رکھی ہوئی ہے کہ اگر وہ ایمان اور نیک عمل کے ذریعے اپنا اُدھار اُتار دے گا تو آخرت میں اُس کی جان کو آزادی حاصل ہوگی، اور وہ جنت میں اطمینان سے خوش حالی کے ساتھ رہے گا، اور اگر اُس نے یہ قرض نہ اُتارا تو پھر اُس کو دوزخ میں قید رہنا ہوگا۔ اس فقرے کو یہاں لانے کا مطلب یہ ہے کہ جن ایمان والوں کے متعلق اس آیت میں کہا گیا ہے کہ انہیں ثواب ملے گا، اور اُن کی مومن اولاد بھی اُن کے ساتھ ہوگی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کر کے اپنا اُدھار اُتار دیا، اور اپنی جان کو آزادی حاصل کیا ہے، لیکن اگر کسی کی اولاد مومن ہی نہ ہو تو اُسے اپنے ماں باپ کا ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دے گا، کیونکہ اُس نے وہ مطالبہ پورا نہیں کیا جس کے لئے اُس کی جان رہن رکھی ہوئی تھی۔ اس لئے اُسے دوزخ میں جا کر قید رہنا ہوگا۔ نیز اس فقرے کا یہاں ایک اور مطلب بھی ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ باپ کی نیکی کی وجہ سے اُس کی مومن اولاد کا درجہ تو بڑھا دیا جائے گا، لیکن اولاد کی بد عملی کی کوئی سزا باپ کو نہیں ملے گی، کیونکہ ہر شخص کی جان خود اپنی کمائی کے لئے رہن ہے، دوسرے کی کمائی کے لئے نہیں۔

(۵) چھینا جھٹی سے مراد وہ چھینا جھٹی ہے جو بے تکلف دوستوں میں کسی لذیذ چیز سے لطف لینے کے لئے ہوا کرتی ہے اس سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی، بلکہ مجلس کا لطف بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اُس جام شراب میں اُس طرح کی بے ہودگی یا گناہ کی کوئی بات نہیں ہوگی جو دُنیا کے شرابیوں میں پائی جاتی ہے۔ اُس شراب میں وہ نشہ ہی نہیں ہوگا جو انسان کو بے ہودگیوں پر آمادہ کر دے۔



فَذَكَرْنَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ﴿٢٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمُنُونِ ﴿٣٠﴾ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَرِبِينَ ﴿٣١﴾ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَاءُهُمْ بِهَذَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٣٢﴾ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٣٤﴾ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخُلُقُونَ ﴿٣٥﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوقِنُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُضِيِّطُونَ ﴿٣٧﴾

لہذا (اے پیغمبر!) تم نصیحت کرتے رہو، کیونکہ تم اپنے پروردگار کے فضل سے نہ کاہن ہو، نہ مجنون۔ ﴿۲۹﴾ بھلا کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ: ”یہ صاحب شاعر ہیں جن کے بارے میں ہم زمانے کی گردش کا انتظار کر رہے ہیں۔“ ﴿۳۰﴾ کہہ دو کہ: ”کرلو انتظار! میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔“ ﴿۳۱﴾ کیا ان کی عقلیں ان کو یہی کچھ کرنے کو کہتی ہیں، یا وہ ہیں ہی سرکش لوگ؟ ﴿۳۲﴾ ہاں کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ: ”ان صاحب نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے؟“ نہیں! بلکہ یہ (ضد میں) ایمان نہیں لارہے۔ ﴿۳۳﴾ اگر یہ واقعی سچے ہیں تو اس جیسا کوئی کلام (گھڑ کر) لے آئیں۔ ﴿۳۴﴾ کیا یہ لوگ بغیر کسی کے آپ سے آپ پیدا ہو گئے ہیں، یا یہ خود (اپنے) خالق ہیں؟ ﴿۳۵﴾ یا کیا آسمان اور زمین انہوں نے پیدا کئے ہیں؟ نہیں! بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے۔ ﴿۳۶﴾ کیا تمہارے پروردگار کے خزانے ان کے پاس ہیں، یا وہ داروغہ بنے ہوئے ہیں؟ ﴿۳۷﴾

(۲) عربی لغت کے اعتبار سے اس جملے کا یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کہ: ”یہ صاحب شاعر ہیں جن کے بارے میں ہم موت کے حادثے کا انتظار کر رہے ہیں۔“ علامہ سیوطیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ قریش کے کچھ لیڈروں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہا تھا کہ یہ تو ایک شاعر ہیں، اور جس طرح دوسرے شاعر ہلاک ہو گئے، اور ان کی شاعری بھی انہی کے ساتھ دفن ہو گئی، اُسی طرح یہ بھی انتقال کر جائیں گے تو پھر ان کی باتیں انہی کے ساتھ ختم ہو جائیں گی۔ اُس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔

(۷) یعنی یہ لوگ تو بڑے عقل کے دعوے دار ہیں، کیا ان کی عقلوں کا یہی حال ہے کہ انہیں بالکل سامنے کی باتیں بھی سمجھ میں نہیں آتیں، اور وہ اس قسم کی بے ہودہ باتیں کرتے رہتے ہیں؟ یا پھر حق بات ان کی عقل میں تو آ جاتی ہے، لیکن اپنی سرکشی کی وجہ سے اُسے مانتے نہیں ہیں؟

(۸) یہ چیلنج قرآن کریم نے کئی مقامات پر دیا ہے کہ اگر تم قرآن کریم کو گھڑا ہوا کلام کہتے ہو، تو تم لوگوں میں بڑے بڑے ادیب، شاعر اور فصیح و بلیغ لوگ موجود ہیں، وہ سب مل کر قرآن کریم جیسا کلام بنا کر لے آئیں۔ (دیکھئے سورہ بقرہ ۲: ۲۳، سورہ یونس ۱۰: ۳۸، سورہ ہود ۱۱: ۱۳ اور سورہ بنی اسرائیل ۱۷: ۸۸) لیکن اس کھلے چیلنج کو قبول کرنے کے لئے ان میں سے کوئی آگے نہیں بڑھا۔

(۹) مکہ مکرمہ کے کافر لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو پیغمبر بھیجنا ہی تھا تو مکہ مکرمہ یا طائف کے کسی بڑے سردار کو پیغمبر کیوں نہیں بنایا گیا؟ (دیکھئے سورہ زخرف ۴۳: ۳۱) اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے، جن میں کسی کو پیغمبر بنانے کا اختیار بھی شامل ہے، اُن کی خواہشات کے تابع ہیں کہ وہ جسے چاہیں اُسے پیغمبر بنا دیا جائے؟



أَمَلَهُمْ سَلَامٌ يَسْتَبْعُونَ فِيهِ فَلَيَاتِ مُسْتَبْعُهُمْ بِسُلْطَنٍ مُّبِينٍ ۝ أَمَلَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ۝ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ۝ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُمُونَ ۝ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۝ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ۝ أَمْ لَهُمْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۝ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَرْكُومٌ ۝

یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر یہ (عالم بالا کی باتیں) سن لیتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ان میں سے جو سنتا ہو، وہ کوئی واضح ثبوت تو لائے۔<sup>(۱۰)</sup> کیا اللہ کے حصے میں تو بیٹیاں ہیں، اور بیٹے تمہارے حصے میں آئے ہیں؟<sup>(۱۱)</sup> اور کیا تم ان سے کوئی اجرت مانگ رہے ہو جس کی وجہ سے یہ تاوان کے بوجھ میں دبے جا رہے ہیں؟<sup>(۱۲)</sup> یا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے یہ لکھ لیتے ہوں؟<sup>(۱۳)</sup> کیا یہ کوئی مکر کرنا چاہتے ہیں؟ تو درحقیقت جو کافر ہیں، مکر تو انہی پر پڑے گا۔<sup>(۱۴)</sup> کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور خدا ہے؟ پاک ہے اللہ اس شرک سے جو یہ کر رہے ہیں!<sup>(۱۵)</sup> اور اگر یہ آسمان کا کوئی ٹکڑا گرتے ہوئے بھی دیکھ لیں تو یہ کہیں گے کہ یہ کوئی گہرا بادل ہے۔<sup>(۱۶)</sup>

(۱۰) مشرکین مکہ بہت سے ایسے عقیدے رکھتے تھے جن کا تعلق عالم بالا سے تھا، مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کے لئے چھوٹے چھوٹے بہت سے خداؤں کو اختیار دے رکھا ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا، نیز یہ کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، جیسا کہ اگلی آیت میں ان کے اسی عقیدے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عالم بالا کی یہ باتیں آخر کہاں سے تمہیں معلوم ہوئی ہیں؟ کیا تمہارے پاس کوئی ایسی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر تم وہاں کی یہ معلومات حاصل کرتے ہو؟

(۱۱) مشرکین کے جن عقائد کا ذکر پچھلے حاشیہ میں کیا گیا ہے، وہ سب عالم غیب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے یہ فرمایا جا رہا ہے کہ کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے جس کی باتیں انہوں نے لکھ کر محفوظ کر رکھی ہوں؟

(۱۲) اس سے ان سازشوں کی طرف اشارہ ہے جو یہ لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے خلاف کیا کرتے تھے۔

(۱۳) مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نت نئے معجزات دکھانے کا مطالبہ کرتے رہتے تھے، مثلاً یہ کہ آسمان سے کوئی ٹکڑا ہمیں توڑ کر دکھائیے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ان سارے مطالبات کا مقصد حق کی طلب نہیں ہے، بلکہ محض ضد اور عناد ہے، اور اگر ان کو ایسا کوئی معجزہ دکھا بھی دیا جائے تو یہ پھر بھی نہیں مانیں گے، اور یہ کہہ دیں گے کہ یہ آسمان کا ٹکڑا نہیں ہے، بلکہ کوئی گہرا بادل ہے۔



فَذَرَهُمْ حَتَّى يُلْقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿٥٥﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٥٦﴾ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾ وَأَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٥٨﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿٥٩﴾

لہذا (اے پیغمبر!) تم نہیں (ان کے حال پر) چھوڑ دو، یہاں تک کہ یہ اپنے اُس دن سے جا ملیں جس میں ان کے ہوش جاتے رہیں گے، ﴿۵۵﴾ جس دن ان کی مکاری ان کے کچھ کام نہیں آئے گی، اور نہ انہیں کوئی مدد مل سکے گی۔ ﴿۵۶﴾ اور اس سے پہلے بھی ان ظالموں کے لئے ایک عذاب ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگوں کو پتہ نہیں ہے۔ ﴿۵۷﴾ اور تم اپنے پروردگار کے حکم پر جے رہو، کیونکہ تم ہماری نگاہوں میں ہو، اور جب تم اٹھتے ہو، اُس وقت اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کیا کرو، ﴿۵۸﴾ اور کچھ رات کو بھی اُس کی تسبیح کرو، اور اُس وقت بھی جب ستارے ڈوبتے ہیں۔ ﴿۵۹﴾

﴿۱۴﴾ یعنی آخرت میں دوزخ کا جو عذاب ہونے والا ہے، اُس سے پہلے دُنیا میں بھی ان کافروں کو سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ان میں سے بہت سے جنگِ بدر وغیرہ میں مارے گئے، اور آخر کار جزیرہ عرب میں ان کے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں رہی۔ ﴿۱۵﴾ یہ بڑی پیار بھری تسلی ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جا رہی ہے کہ آپ اپنے کام میں لگے رہئے، ہم ہر آن آپ کی نگرانی اور حفاظت کر رہے ہیں۔

﴿۱۶﴾ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب آپ تہجد کے لئے اٹھیں، اُس وقت تسبیح فرمائیں، اور یہ بھی کہ جب آپ اپنی کسی مجلس سے اٹھیں تو تسبیح پر اُس کا اختتام ہونا چاہئے، چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ کسی مجلس کے آخر میں اگر ”سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ“ پڑھ لیا جائے تو یہ اُس مجلس کا کفارہ ہو جاتا ہے، (ابوداؤد، حدیث نمبر ۴۲۱۶) یعنی اگر اُس مجلس میں دینی اعتبار سے کوئی بھول چوک یا غلطی ہو گئی ہو، تو اُس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ ﴿۱۷﴾ اس سے مراد سحری کا وقت یا فجر کا وقت ہے جب ستارے غائب ہونے لگتے ہیں۔

الحمد للہ! سورہ طور کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج ۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۱ مارچ ۲۰۰۸ء کو کراچی سے قاہرہ جاتے ہوئے طیارے میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے ساتھ تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ النَّجْمِ

## تعارف

یہ سورت مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے، بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلی وہ سورت ہے جو آپ نے علی الاعلان ایسے مجمع میں پڑھ کر سنائی جس میں مسلمانوں کے ساتھ مشرکین کی بھی بڑی تعداد موجود تھی۔ نیز یہ پہلی سورت ہے جس میں آیتِ سجدہ نازل ہوئی، اور جس وقت آپ نے سجدے کی آیت اُس مجمع کے سامنے تلاوت فرمائی تو یہ حیرت انگیز واقعہ پیش آیا کہ آپ نے اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے تو سجدہ کیا ہی تھا، اُس وقت جو مشرکین موجود تھے، انہوں نے بھی سجدہ کیا۔ غالباً اس سورت کے پُر شکوہ اور مؤثر مضامین نے انہیں بھی مسلمانوں کے ساتھ سجدہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس سورت کا اصل موضوع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کرنا ہے، اور یہ کہ جو وحی آپ پر نازل ہوتی ہے، وہ کسی شک و شبہ کے بغیر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتی ہے، اور حضرت جبریل علیہ السلام لے کر آتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ حقیقت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دو مرتبہ اپنی اصل صورت میں دیکھا ہے، ان میں سے ایک اُس وقت دیکھا جب آپ معراج پر تشریف لے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اثبات کے ساتھ اس میں مشرکین مکہ کے غلط عقائد اور ان کے بعض بے ہودہ دعوؤں کی تردید بھی ہے اور پچھلی اُمتوں پر نازل ہونے والے عذاب کے حوالے سے انہیں حق کو تسلیم کرنے کی مؤثر دعوت بھی دی گئی ہے۔ ”نجم“ عربی میں ستارے کو کہتے ہیں، اور چونکہ اس سورت کی پہلی ہی آیت میں ستارے کی قسم کھائی گئی ہے، اس لئے اس سورت کا نام سورہٴ نجم ہے۔



آیاتھا ۶۲ ﴿۵۳﴾ سُورَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ۲۳ ﴿۵۴﴾ رُكُوعَاتُهَا ۳ ﴿۵۵﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿۳﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿۴﴾ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ﴿۵﴾ ذُو مِرَّةٍ ﴿۶﴾ فَاسْتَوَىٰ ﴿۷﴾ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ﴿۸﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ﴿۹﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ﴿۱۰﴾ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ﴿۱۱﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ﴿۱۲﴾ أَفَتُكْرَهُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ﴿۱۳﴾ وَلَقَدْ رَأَاهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ﴿۱۴﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ﴿۱۵﴾ عِنْدَ هَاجِئَةِ الْمَأْوَىٰ ﴿۱۶﴾ إِذْ يَخْشَى الْسِدْرَةَ مَا يَخْشَىٰ ﴿۱۷﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں باسٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے، ﴿۱﴾ (اے مکے کے باشندو!) یہ تمہارے ساتھ رہنے والے صاحب نہ راستہ بھولے ہیں، نہ بھٹکے ہیں، ﴿۲﴾ اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، ﴿۳﴾ یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے، ﴿۴﴾ انہیں ایک ایسے مضبوط طاقت والے (فرشتے) نے تعلیم دی ہے ﴿۵﴾ جو قوت کا حامل ہے۔ ﴿۶﴾ چنانچہ وہ سامنے آگیا، ﴿۷﴾ جبکہ وہ بلند افق پر تھا۔ ﴿۸﴾ پھر وہ قریب آیا، اور جھک پڑا، ﴿۹﴾ یہاں تک کہ وہ دو کمانوں کے فاصلے کے برابر قریب آگیا، ﴿۱۰﴾ بلکہ اُس سے بھی زیادہ نزدیک۔ ﴿۱۱﴾ اس طرح اللہ کو اپنے بندے پر جو وحی نازل فرمائی تھی، وہ نازل فرمائی۔ ﴿۱۲﴾ جو کچھ انہوں نے دیکھا، دل نے اُس میں کوئی غلطی نہیں کی۔ ﴿۱۳﴾ کیا پھر بھی تم ان سے اُس چیز کے بارے میں جھگڑتے ہو جسے وہ دیکھتے ہیں؟ ﴿۱۴﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اُس (فرشتے) کو ایک اور مرتبہ دیکھا ہے، ﴿۱۵﴾ اُس بیر کے درخت کے پاس جس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے، ﴿۱۶﴾ اُسی کے پاس جنت المأویٰ ہے۔ ﴿۱۷﴾ اُس وقت اُس بیر کے درخت پر وہ چیزیں چھائی ہوئی تھیں جو بھی اُس پر چھائی ہوئی تھیں۔ ﴿۱۸﴾

(۱) ستارے کے گرنے سے مراد اُس کا غائب ہونا ہے۔ جیسا کہ سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، اس سورت کا اصل موضوع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کرنا ہے، اس لئے سورت کے شروع میں آپ پر نازل ہونے والی وحی کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ ایک قابلِ اعتماد فرشتہ آپ کے پاس لے کر آتا ہے۔ شروع میں ستارے کی قسم کھانے سے اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جس طرح ستارہ روشنی کی ایک علامت ہے، اور عرب کے لوگ اُس سے صحیح راستے کا پتہ لگاتے تھے، اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے لئے روشنی اور ہدایت کا پیکر ہیں۔ اس کے علاوہ ستارے کے سفر کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو راستہ مقرر فرما دیا ہے، وہ اُس سے بال برابر بھی ادھر ادھر نہیں ہوتا، اور نہ اُس سے بھٹکتا ہے، اسی طرح آنحضرت



صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ وہ نہ راستہ بھولے ہیں، نہ بھٹکے ہیں۔ پھر جب ستارہ غائب ہونے والا ہوتا ہے تو اُس کے ذریعے راستہ زیادہ آسانی سے معلوم ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ مسافروں کو اُس کا زبانِ حال سے یہ پیغام ہوتا ہے کہ میں رخصت ہونے والا ہوں، مجھ سے راستہ معلوم کرنے میں جلدی کرو۔ اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں زیادہ عرصے مقیم نہیں رہیں گے، اس لئے آپ سے ہدایت حاصل کرنے والوں کو جلدی کرنی چاہئے۔

(۲) ”تمہارے ساتھ رہنے والے صاحب“ سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور آپ کے لئے یہ لفظ استعمال کر کے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی طرف متوجہ فرمایا ہے کہ آپ نے کہیں باہر سے آکر نبوت کا دعویٰ نہیں کر دیا، بلکہ وہ شروع سے تمہارے ساتھ رہتے ہیں، اور اُن کی پوری زندگی کھلی ہوئی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہے کہ انہوں نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا، اور نہ کبھی کسی کو دھوکا دیا ہے، اس کے برعکس آپ ”صادق“ اور ”امین“ کے لقب سے مشہور ہیں۔ اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ عام زندگی میں تو جھوٹ سے اتنا پرہیز کریں، اور اللہ تعالیٰ پر اتنا بڑا بہتان لگا دیں؟

(۳) اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر تشریف لاتے تھے۔ اُن کی طاقت کا خاص طور سے ذکر فرما کر اس بات کی تردید کی گئی ہے جو کافروں کے دل میں آسکتی تھی کہ اگر کوئی فرشتہ ہی وحی لاتا ہے تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ درمیان میں کوئی شیطانی تصرف نہیں ہوا؟ آیت نے بتا دیا کہ وحی لانے والا فرشتہ اتنا طاقت ور ہے کہ کوئی دوسرا اُسے اپنے مشن سے نہیں ہٹا سکتا۔

(۴) کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو فرشتہ وحی لاتا ہے، وہ انسان ہی کی شکل میں آتا ہے، اس لئے آپ کو یہ کیسے پتہ چلا کہ وہ فرشتہ ہی ہے؟ ان آیتوں میں اُس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس فرشتے کو کم از کم دو مرتبہ اپنی اصل صورت میں بھی دیکھا ہے۔ ان میں سے ایک واقعے کا اس آیت میں تذکرہ فرمایا گیا ہے، اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے یہ فرمائش کی تھی کہ وہ اپنی اصلی صورت میں آپ کے سامنے آئیں۔ چنانچہ وہ اپنی اصلی صورت میں اُفتی پر ظاہر ہوئے، اور آپ نے انہیں دیکھا۔

(۵) یہ عربی زبان کا ایک محاورہ ہے۔ جب دو آدمی آپس میں دوستی کا عہد کرتے تھے تو اپنی کمانیں ایک دوسرے سے ملا لیتے تھے۔ اس وجہ سے جب زیادہ قرب بیان کرنا ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ دو کمانوں کے فاصلے کے برابر قریب آ گئے۔

(۶) یعنی ایسا نہیں ہوا کہ آنکھ نے جو کچھ دیکھا ہو، دل نے اُس کے سمجھنے میں غلطی کر دی ہو۔

(۷) یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اُن کی اصلی صورت میں دیکھنے کا دوسرا واقعہ ہے جو معراج کے سفر میں پیش آیا۔ اس موقع پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ عالم بالا میں ایک بیر کا بہت بڑا درخت ہے، اور اُسی کے پاس جنت واقع ہے جسے ”جنت المآویٰ“ اس لئے کہا گیا ہے کہ ”مآویٰ“ کے معنی ہیں ”ٹھکانا“ اور وہ مومنوں کا ٹھکانا ہے۔

(۸) یہ آیت بھی ایک عربی محاورہ کے مطابق ہے جس کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ اُس کے صحیح تاثر کے ساتھ بہت مشکل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں اُس بیر کے درخت پر چھائی ہوئی تھیں، وہ بیان سے باہر ہیں۔ احادیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعے کی جو تشریح فرمائی ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت لا تعداد فرشتے سونے کے پروانوں کی شکل میں اس درخت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے جمع ہو گئے تھے۔



مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۚ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۝۱۹ أَفَرَأَيْتُمُ اللَّتَّ وَالْعُزَّىٰ ۝۲۰ وَمَنْوَةَ الثَّالِثَةَ الْآخِرَىٰ ۝۲۱ أَلَكُمُ الذَّكْرُ وَلَهُ الْأُنْثَىٰ ۝۲۲ تِلْكَ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ بَعْضَ مَا تُبْصِرُ ۚ وَإِنِ اسْمَاءُ سَبَّيْتُمُوهَا ۖ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مِمَّا أُنْزَلَ اللَّهُ بِهِمْ مِنْ سُلْطٰنٍ ۖ إِنِ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَىٰ ۝۲۳ أَمْرِ لِلْإِنْسَانِ مَا تَبَىٰ ۝۲۴ فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ۝۲۵

(پنجم کی) آنکھ نہ تو چکرائی، اور نہ حد سے آگے بڑھی۔ ۱۹ سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بہت کچھ دیکھا۔ ۲۰

بھلا کیا تم نے لات اور عزیٰ (کی حقیقت) پر بھی غور کیا ہے؟ ۱۹ اور اُس ایک اور تیسرے پر جس کا نام منات ہے؟ ۲۰ کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہوں، اور اللہ کے لئے بیٹیاں؟ ۲۱ پھر تو یہ بڑی بھونڈی تقسیم ہوئی! ۲۲ ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ کچھ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان کے حق میں کوئی ثبوت نازل نہیں کیا۔ درحقیقت یہ (کافر) لوگ محض وہم و گمان اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں، حالانکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔ ۲۳ کیا انسان کو ہر اُس چیز کا حق پہنچتا ہے جس کی وہ تمنا کرے؟ ۲۴ (نہیں!) کیونکہ آخرت اور دنیا تو تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ ۲۵

(۹) یعنی نہ تو نگاہ نے دیکھنے میں کوئی دھوکا کھایا، اور نہ وہ اُس حد سے آگے بڑھی جو اللہ تعالیٰ نے اُس کے لئے مقرر فرمادی تھی کہ اُس سے آگے نہ دیکھے۔

(۱۰) لات، عزیٰ اور منات تینوں بتوں کے نام ہیں جو عرب کے مختلف قبائل نے مختلف جگہوں پر بنا رکھے تھے، اور اُن کو خدا مان کر اُن کی عبادت کی جاتی تھی۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اُن کی حقیقت بے جان پتھروں کے سوا کیا ہے؟ پھر اُن کو خدا ماننا کتنی بڑی جہالت کی بات ہے۔

(۱۱) مشرکین مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ یہ اُن کے اس عقیدے کی طرف اشارہ ہے کہ تم خود تو بیٹیوں کو ناپسند کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹیاں منسوب کر رکھی ہیں۔

(۱۲) یہ مشرک لوگ اپنے من گھڑت خداؤں کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش کریں گے۔ (دیکھئے سورہ یونس ۱۸:۱۰) یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ تمہاری تمنا ضرور ہوگی، لیکن انسان کو ہر وہ چیز نہیں ملا کرتی جس کی وہ تمنا کرے۔



وَكَمْ مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ  
 وَيَرْضٰى ۝۱۳ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةً اَلُنْثٰى ۝۱۴ وَمَا  
 لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ يَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۝۱۵ فَاَعْرَضْ  
 عَنْ مَّنْ تَوَلٰى ۚ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝۱۶ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ ۚ اِنَّ رَبَّكَ  
 هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ۝۱۷ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى  
 الْاَرْضِ ۚ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝۱۸  
 الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبِيْرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ اِلَّا اللَّمَمَ ۚ

اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کسی کے کچھ بھی کام نہیں آسکتی، البتہ اس کے بعد ہی کام آسکتی ہے کہ اللہ جس کے لئے چاہے اجازت دیدے، اور اُس پر راضی ہو جائے۔ (۱۳) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ فرشتوں کو زنانے ناموں سے یاد کرتے ہیں، (۱۴) حالانکہ انہیں اس بات کا ذرا بھی علم نہیں ہے۔ وہ محض وہم و گمان کے پیچھے چل رہے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ وہم و گمان حق کے معاملے میں بالکل کارآمد نہیں۔ (۱۵) لہذا (اے پیغمبر!) تم ایسے آدمی کی فکر نہ کرو جس نے (ہدایت سے) منہ موڑ لیا ہے، اور دُنیوی زندگی کے سوا وہ کچھ اور چاہتا ہی نہیں۔ (۱۶) ایسے لوگوں کے علم کی پہنچ بس یہیں تک ہے۔ تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ کون اُس کے راستے سے بھٹک چکا ہے، اور وہی خوب جانتا ہے کہ کون راہ پا گیا ہے۔ (۱۷) اور آسمانوں میں جو کچھ ہے، وہ بھی اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ بھی اللہ ہی کا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جنہوں نے بُرے کام کئے ہیں، وہ اُن کو اُن کے عمل کا بھی بدلہ دے گا، اور جنہوں نے نیک کام کئے ہیں، اُن کو بہترین بدلہ عطا کرے گا۔ (۱۸) اُن لوگوں کو جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں، البتہ کبھی کبھار پھسل جانے کی بات اور ہے۔ (۱۹)

(۱۳) یعنی جب فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت اور مرضی کے بغیر کسی کی سفارش نہیں کر سکتے تو یہ من گھڑت خدا کیسے کسی کی سفارش کر سکتے ہیں؟

(۱۴) یعنی انہیں خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔

(۱۵) یہ اُن لوگوں پر تبصرہ ہے جو بس اسی دُنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اور آخرت کا اُنہیں کوئی خیال ہی نہیں ہے کہ ان بیچاروں کی رسائی بس یہیں تک ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

(۱۶) قرآن کریم میں اصل لفظ ”لَمَمَ“ استعمال ہوا ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں ”تھوڑا سا“ چنانچہ عام طور سے مفسرین نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے گناہ جو کبھی کبھار سرزد ہو جائیں۔ اور ”لَمَمَ“ کے معنی قریب ہونے کے بھی ہوتے ہیں، اس



إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ  
 أُمَّهَاتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْا أَنْفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى ۚ ۞ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّى ۙ ۞ وَأَعْطَى ۙ ۞  
 قَلِيلًا وَأَكْدَى ۚ ۞ أَعِنْدَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَى ۚ ۞ أَمْ لَمْ يُنَبِّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَى ۚ ۞  
 وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى ۚ ۞ أَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ۚ ۞

یقین رکھو تمہارا پروردگار بہت وسیع مغفرت والا ہے، وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اُس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا، اور  
 جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے، لہذا تم اپنے آپ کو پاکیزہ نہ ٹھہراؤ۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔ (۱۷)  
 (اے پیغمبر!) بھلا تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جو (حق سے) منہ موڑ گیا، (۱۸) اور جس نے تھوڑا سا دیا، پھر رُک گیا؟ (۱۹)  
 کیا اُس کے پاس غیب کا علم ہے جو وہ دیکھ رہا ہو؟ (۲۰) کیا اُسے اُن باتوں کی خبر نہیں ملی جو موسیٰ کے صحیفوں میں درج  
 ہے، (۲۱) اور ابراہیم کے صحیفوں میں بھی، جو مکمل وفادار رہے؟ (۲۲) یعنی یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے (کے  
 گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا، (۲۳)

لحاظ سے بعض مفسرین نے اس لفظ کی تشریح یہ کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی گناہ کے قریب چلا جائے، مگر اُس کا  
 ارتکاب نہ کرے۔

(۱۷) اس آیت میں اپنے آپ کو مقدس اور متقی سمجھنے اور اپنی تعریفیں کرتے رہنے سے منع کیا گیا ہے۔  
 (۱۸) ان آیتوں کا پس منظر حافظ ابن جریر وغیرہ نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک کافر شخص قرآن کریم کی کچھ آیتیں سن کر اسلام لانے  
 کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ اُس کے ایک دوست نے کہا کہ تم اپنے باپ دادا کے دین کو کیوں چھوڑ رہے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ  
 میں آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ دوست نے کہا کہ اگر تم مجھے کچھ پیسے دو تو میں یہ ذمہ داری لیتا ہوں کہ اگر آخرت میں  
 تمہیں عذاب ہونے لگا تو وہ میں اپنے سر لے کر تمہیں بچالوں گا۔ چنانچہ اُس شخص نے کچھ پیسے دے دیئے۔ کچھ عرصے کے بعد  
 اُس نے مزید پیسے مانگے تو اور دے دیئے، لیکن پھر دینا بند کر دیا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ ایک دستاویز لکھ کر دے دی۔ یہ  
 آیات ان دونوں کی حماقت بتا رہی ہیں کہ اول تو جو شخص یہ کہہ رہا تھا کہ میں تمہیں آخرت کے عذاب سے بچالوں گا، کیا اُس کے  
 پاس غیب کا علم ہے کہ وہ اس پر قادر ہوگا؟ دوسرے اللہ تعالیٰ یہ عام قاعدہ بیان فرما رہے ہیں کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا  
 بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ یہ بات آج پہلی بار نہیں کہی جا رہی، بلکہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام پر جو صحیفے نازل ہوئے  
 تھے، اُن میں بھی لکھ دی گئی تھی۔

(۱۹) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مکمل وفاداری کے تذکرے کے لئے دیکھئے سورہ بقرہ (۲: ۱۲۳)۔

(۲۰) چنانچہ آج بھی بائبل کی کتاب حزقیل میں یہ اصول وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ (دیکھئے حزقی ایل ۱۸: ۲۰)۔



وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۚ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ۖ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوَّلَىٰ ۚ وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ ۚ وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَى ۚ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ۚ وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۚ مِنْ نُّطْفَةٍ إِذَا تُنْفِئُ ۚ وَأَنَّ عَلَيْهِ النِّشَاطَ الْآخِرَىٰ ۚ وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ۚ وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشُّعْرَىٰ ۚ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ۚ وَشُودَا نَمًا أَبْلَىٰ ۚ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَىٰ ۚ وَالْمُوتَفِكَةَ أَهْوَىٰ ۚ فَغَشَّيْنَا مَا غَشَّىٰ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارَىٰ ۚ هَذَا نَذِيرٌ مِّنَ النَّذِيرِ الْأُولَىٰ ۚ أَرَفَتِ الْآزِفَةَ ۚ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ۚ أَفَبِمِ هَذَا الْحَدِيثِ تَعَجَّبُونَ ۚ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ۚ وَأَنْتُمْ سِيدُونَ ۚ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ۚ

اور یہ کہ انسان کو خود اپنی کوشش کے سوا کسی اور چیز کا (بدلہ لینے کا) حق نہیں پہنچتا، (۲۱) اور یہ کہ اُس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی، (۲۲) پھر اُس کا بدلہ اُسے پورا پورا دیا جائے گا، (۲۳) اور یہ کہ آخر کار (سب کو) تمہارے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے، (۲۴) اور یہ کہ وہی ہے جو ہنساتا اور رلاتا ہے، (۲۵) اور یہ کہ وہی ہے جو موت بھی دیتا ہے، اور زندگی بھی، (۲۶) اور یہ کہ اُسی نے نر اور مادہ کے دو جوڑے پیدا کئے ہیں (وہ بھی صرف) ایک بوند سے جب وہ ٹپکائی جاتی ہے، (۲۷) اور یہ کہ دوسری زندگی دینے کا بھی اُسی نے ذمہ لیا ہے، (۲۸) اور یہ کہ وہی ہے جو مال دار بناتا اور دولت کو محفوظ کراتا ہے، (۲۹) اور یہ کہ وہی ہے جو شعری ستارے کا پروردگار ہے، (۳۰) اور یہ کہ وہی ہے جس نے پچھلے زمانے کی قوم عاد کو ہلاک کیا، (۳۱) اور ثمود کو بھی، اور کسی کو باقی نہ چھوڑا، (۳۲) اور اس سے پہلے نوح کی قوم کو بھی (ہلاک کیا)۔ بیشک وہ سب سے زیادہ ظالم اور سرکش تھے۔ (۳۳) اور جو بستیاں اونڈھی گری تھیں، اُن کو بھی اُسی نے اٹھا پھینکا تھا، (۳۴) پھر جس (خونفاک) چیز نے اُنہیں ڈھانپا، وہ اُنہیں ڈھانپ کر ہی رہی۔ (۳۵) لہذا (اے انسان!) تو اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں میں شک کرے گا؟ (۳۶) یہ (پیغمبر) بھی پہلے خبردار کرنے والے پیغمبروں کی طرح ایک خبردار کرنے والے ہیں۔ (۳۷) جو گھڑی جلد آنے والی ہے، وہ قریب آ پہنچی ہے، (۳۸) اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے جو اُسے ہٹا سکے۔ (۳۹) تو کیا تم اسی بات پر حیرت کرتے ہو؟ (۴۰) اور (اُس کا مذاق بنا کر) ہنستے ہو، اور روتے نہیں ہو، (۴۱) جبکہ تم تکبر کے ساتھ کھیل کود میں پڑے ہوئے ہو؟ (۴۲) اب (بھی) جھک جاؤ اللہ کے سامنے، اور اُس کی بندگی کر لو۔ (۴۳)

(۲۱) یعنی انسان کو صرف اپنے عمل کے ثواب کا حق پہنچتا ہے، کسی اور کے عمل کا ثواب لینے کا حق نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے



کرم سے اُس کو اُس کے استحقاق کے بغیر کسی اور کے عمل کا ثواب عطا فرمادیں تو یہ اُن کی رحمت ہے جس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ کسی دوسرے شخص کو ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے، اور متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے وہ ثواب مُردے کو پہنچاتے ہیں، کیونکہ عام طور سے کوئی شخص دوسرے کو اُسی وقت ایصالِ ثواب کرتا ہے جب اُس نے اُس کے ساتھ کوئی نیکی کی ہو، یا اور نیک اعمال کئے ہوں۔

(۲۲) نطفہ تو ایک ہی ہوتا ہے، لیکن اُسی سے کبھی نہ پیدا ہوتا ہے، اور کبھی مادہ۔ جو اللہ تعالیٰ نطفے کی چھوٹی سی بوند میں نہ اور مادہ پیدا کرنے کے لئے الگ الگ خصوصیات پیدا فرماتا ہے، کیا وہ اُسی نہ اور مادہ کو موت کے بعد دوبارہ زندگی دینے پر قادر نہیں ہے؟

(۲۳) شعرِی ایک ستارے کا نام ہے، جاہلیت میں عرب لوگ اُس کی عبادت کرتے تھے، کیونکہ سمجھتے تھے کہ وہ ہمیں کچھ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ وہ ستارہ تو ایک مخلوق ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی اُس کے پروردگار ہیں۔

(۲۴) اس سے مراد اُس قوم کی بستیاں ہیں جن کی طرف حضرت لوط علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا، اور اُن کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اُن بستیوں کو اُلٹ دیا گیا تھا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ ہود (۱۱: ۷۷ تا ۸۲)۔

(۲۵) یعنی اے انسان! اللہ تعالیٰ نے تجھے ان عذابوں سے بچا کر جن نعمتوں میں رکھا ہوا ہے، پھر تیری ہدایت کے لئے یہ قرآن کریم جن مختلف طریقوں سے تجھے متنبہ کر رہا ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس محبت سے تجھے سمجھا کر تجھے عذاب سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں، ان عظیم نعمتوں میں سے کس کس نعمت میں شک کرے گا۔

(۲۶) یہ سجدے کی آیت ہے، جو کوئی شخص عربی میں یہ آیت پڑھے یا سنے اُس پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲۷ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ۵ اپریل ۲۰۰۸ء کو اسلام آباد میں سورہ نجم کا ترجمہ اور تشریحی حواشی تکمیل کو پہنچے، جبکہ اس سورت پر کام کا آغاز قاہرہ میں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْقَمَرِ

## تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ میں اُس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ دکھلایا، اسی لئے اس کا نام سورہ قمر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے صحیح بخاری میں روایت ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی، اُس وقت میں بچی تھی، اور کھیلا کرتی تھی۔ سورت کا موضوع دوسری مکی سورتوں کی طرح کفار عرب کو توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دینا ہے، اور اسی ضمن میں عاد و ثمود، حضرت نوح اور حضرت لوط علیہم السلام کی قوموں اور فرعون کے دردناک انجام کا مختصر لیکن بہت بلند انداز میں تذکرہ فرمایا گیا ہے، اور بار بار یہ جملہ دہرایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نصیحت حاصل کرنے کے لئے قرآن کریم کو بہت آسان بنا دیا ہے تو کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟



﴿آیتھا ۵۵﴾ ﴿سُورَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ ۲۷﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۳﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ۝ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (۱) وَانْ يَرَوْا آيَةً يُعَرِّضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَسِرٌّ ۝ (۲)  
وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقَرٌّ ۝ (۳) وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْآثَانِ مَا فِيهِ  
مُزْدَجَرٌ ۝ (۴) حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ التُّذْرُ ۝ (۵)

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پچپن آیتیں اور تین رُکوع ہیں  
شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے  
قیامت قریب آگئی ہے، اور چاند پھٹ گیا ہے۔ (۱) اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں، تو منہ موڑ  
لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ تو ایک چلتا ہوا جادو ہے۔ (۲) انہوں نے حق کو جھٹلایا، اور اپنی خواہشات کے پیچھے چل نکلے۔  
اور ہر کام کو آخر کسی ٹھکانے پر ٹک کر رہنا ہے۔ (۳) اور ان لوگوں کو (پچھلی قوموں کے) واقعات کی اتنی خبریں پہنچ چکی  
ہیں جن میں تنبیہ کا بڑا سامان تھا، (۴) دل میں اتر جانے والی دانائی کی باتیں تھیں، پھر بھی یہ تنبیہات (ان پر) کچھ کارگر  
نہیں ہو رہی ہیں۔ (۵)

(۱) قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا وہ معجزہ بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے  
ہاتھوں ظاہر ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک چاندنی رات میں مکہ مکرمہ کے کافروں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی  
معجزہ دکھانے کا مطالبہ کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ کھلا ہوا معجزہ دکھایا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوئے، جن میں سے ایک ٹکڑا پہاڑ کی  
مشرقی جانب چلا گیا، اور دوسرا مغربی جانب، اور پہاڑ ان کے درمیان آ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ:  
”لو دیکھ لو!“۔ جب سارے لوگوں نے جو وہاں موجود تھے، یہ حیرت انگیز نظارہ کر لیا تو یہ دونوں ٹکڑے دوبارہ آپس میں مل گئے۔  
جو کافر لوگ اُس وقت موجود تھے، وہ اس مشاہدے کا تو انکار نہیں کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے یہ کہا کہ یہ کوئی جادو ہے۔ بعد میں  
مکہ مکرمہ کے باہر سے آنے والے قافلوں نے بھی اس کی تصدیق کی کہ انہوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔  
ہندوستان کی تاریخ فرشتہ میں بھی مذکور ہے کہ گوالیار کے راجہ نے یہ واقعہ دیکھا تھا۔

(۲) اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اسی قسم کے جادو مدت سے چلے آ رہے ہیں، اور یہ بھی کہ یہ ایسا جادو ہے جس کا اثر جلدی ہی  
ختم ہو جائے گا۔

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام کا ایک انجام ہوتا ہے، لہذا جو کچھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں، اور جو کچھ یہ کافر  
کر رہے ہیں، اس کا انجام عنقریب معلوم ہو جائے گا۔



فَقُولْ عَنْهُمْ مُيُومَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَى شَيْءٍ نُّكِرٍ ۝ خُشِعَ أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُنْتَشِرٌ ۝ مُهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْذُونٌ وَازْدُجِرَ ۝ فَذَاعَرَاءَ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرَ ۝ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَرٍ ۝ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ الْأَوَاحِ وَدُسِرَ ۝ تَجَرَّيْ بِأَعْيُنِنَا ۝ جَزَاءً لِّمَن كَانَ كُفِرَ ۝ وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ۝

لہذا (اے پیغمبر!) تم بھی ان کی پروامت کرو۔ جس دن پکارنے والا ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا، اُس دن یہ اپنی آنکھیں جھکائے قبروں سے اس طرح نکل کھڑے ہوں گے جیسے ہر طرف پھیلی ہوئی مڈیاں، دوڑے جارہے ہوں گے اُسی پکارنے والے کی طرف! — یہی کافر (جو قیامت کا انکار کرتے تھے) کہیں گے کہ یہ تو بہت ہی کٹھن دن ہے۔ ۱

ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی جھٹلانے کا رویہ اختیار کیا تھا۔ انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا، اور کہا کہ: ”یہ دیوانے ہیں“ اور انہیں دھمکیاں دی گئیں۔ ۲ اس پر انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ: ”میں بے بس ہو چکا ہوں، اب آپ ہی بدلہ لیجئے۔“ ۳ چنانچہ ہم نے ٹوٹ کر برسنے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے، ۴ اور زمین کو پھاڑ کر چشموں میں تبدیل کر دیا۔ اور اس طرح (دونوں قسم کا) سارا پانی اُس کام کے لئے مل گیا جو مقدر ہو چکا تھا۔ ۵ اور نوح کو ہم نے ایک تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر سوار کر دیا، ۶ جو ہماری نگرانی میں رواں دواں تھی، تاکہ اُس (پیغمبر) کا بدلہ لیا جائے جس کی ناقدری کی گئی تھی۔ ۷ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس کو (عبرت کی) ایک نشانی بنادیا۔ تو کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ۸ اب سوچو کہ میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی تھیں؟ ۹ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنا دیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ۱۰

(۴) یعنی آپ چونکہ اپنا تبلیغ کا فریضہ ادا کر رہے ہیں، اس لئے ان کے طرزِ عمل پر زیادہ صدمہ نہ کیجئے۔

(۵) یعنی ایک تو آسمان سے موسلا دھار پانی برسا، اور دوسرے زمین سے پانی اُبلا بنا شروع ہو گیا۔ دونوں طرح کے یہ پانی مل گئے، اور ان سے وہ طوفان آ گیا جس میں اس قوم کی تباہی مقدر تھی۔ اس کی پوری تفصیل سورہ ہود (۱۱: ۴۰) اور سورہ مؤمنون (۲۳: ۲۷) میں گزر چکی ہے۔



كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي ۝۱۸ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَبْرَ ۝۱۹ تَنْزِعُ النَّاسَ ۚ كَانَتْهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝۲۰ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي ۝۲۱ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ ۝۲۲ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذْرِ ۝۲۳ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّمَّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ ۚ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ۝۲۴ أَلْتَقَى الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌّ ۝۲۵ سَيَعْلَمُونَ عَذَابَ الْكَذَّابِ إِلَّا بَشَرٌ ۝۲۶ إِنَّا مَرْسَلُوا النَّاقَةَ فِتْنَةً لَهُمْ فَأَمَّا تَقَبُّهُمُ وَاصْطَبِرُوا ۝۲۷ وَنَبِّئُهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شَرِبٍ مُّحْتَصَرٌ ۝۲۸ فَتَادُوا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرَ ۝۲۹ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي ۝۳۰

عاد کی قوم نے بھی تنبیہ کرنے والوں کو جھٹلانے کا رویہ اختیار کیا، پھر دیکھ لو کہ میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی تھیں؟ ۱۸ ہم نے ایک مسلسل نحوست کے دن میں اُن پر تیز آندھی والی ہوا چھوڑ دی تھی، ۱۹ جو لوگوں کو اس طرح اکھاڑ پھینک دیتی تھی جیسے وہ کھجور کے اکھڑے ہوئے درخت کے تنے ہوں۔ ۲۰ اب سوچو کہ میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی تھیں؟ ۲۱ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنا دیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ۲۲ ثمود کی قوم نے بھی تنبیہ کرنے والوں کو جھٹلانے کا رویہ اختیار کیا۔ ۲۳ چنانچہ کہنے لگے کہ: ”کیا ہم اپنے ہی میں سے ایک تنہا آدمی کے پیچھے چل پڑیں؟ ایسا کریں گے تو یقیناً ہم بڑی گمراہی اور دیوانگی میں جا پڑیں گے۔“ ۲۴ بھلا کیا ہم سارے لوگوں کے درمیان یہی ایک شخص رہ گیا تھا جس پر نصیحت نازل کی گئی؟ نہیں! بلکہ دراصل یہ پرلے درجے کا جھوٹا شیخی باز شخص ہے۔“ ۲۵ (ہم نے پیغمبر صالح علیہ السلام سے کہا کہ:) ”کل ہی انہیں پتہ چل جائے گا کہ پرلے درجے کا جھوٹا شیخی باز کون تھا؟“ ۲۶ ہم ان کے پاس ان کی آزمائش کے طور پر اونٹنی بھیج رہے ہیں، اس لئے تم انہیں دیکھتے رہو، اور صبر سے کام لو، ۲۷ اور ان کو بتادو کہ (کنویں کا) پانی اُن کے درمیان تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ہر پانی کا حق دار اپنی باری میں حاضر ہوگا۔“ ۲۸ پھر انہوں نے اپنے آدمی کو بلایا، چنانچہ اُس نے ہاتھ بڑھایا، اور (اونٹنی کو) قتل کر ڈالا۔ ۲۹ اب سوچو کہ میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی تھیں؟ ۳۰

(۶) تفصیل کے لئے دیکھئے سورۃ اعراف (۷: ۶۵)۔

(۷) یہ اونٹنی انہی کے مطالبے پر پیدا کی گئی تھی، اور اُن سے کہا گیا تھا کہ بستی کے کنویں سے ایک دن وہ پانی پئے گی، اور ایک دن بستی والے تفصیل کے لئے دیکھئے سورۃ اعراف (۷: ۷۳) اور اُس کے حواشی۔

(۸) اس آدمی کا نام روایتوں میں ”قدار“ آیا ہے۔ اُس نے اونٹنی کو قتل کیا۔



إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ۝ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ نَجَّيْنَاهُمْ بِسَحَرٍ ۝ نِعْمَةٌ مِّنْ عِنْدِنَا ۚ كَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ۝ وَلَقَدْ أَنْذَرَاهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ صَيْفِهِ فطمسنا أعينهم فذوقوا عذابِي وَنُذُرِي ۝ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِي ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝

ہم نے اُن پر بس ایک ہی چنگھاڑ بھیجی، جس سے وہ ایسے ہو کر رہ گئے جیسے کانٹوں کی روندی ہوئی باڑھ ہوتی ہے۔ ۲۱ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنا دیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ۲۲ لوط کی قوم نے (بھی) تنبیہ کرنے والوں کو جھٹلایا۔ ۲۳ ہم نے اُن پر پتھروں کا مینہ برسایا، سوائے لوط کے گھر والوں کے جنہیں ہم نے سحری کے وقت بچا لیا تھا، ۲۴ یہ ہماری طرف سے ایک نعمت تھی۔ جو لوگ شکر گزار ہوتے ہیں، اُن کو ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ ۲۵ اور لوط نے اُن لوگوں کو ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا، لیکن وہ ساری تنبیہات میں مین میکھ نکالتے رہے۔ ۲۶ اور انہوں نے لوط کو اُن کے مہمانوں کے بارے میں پھسلانے کی کوشش کی، ۲۷ جس پر ہم نے اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا کہ: ”چکھو میرے عذاب اور میری تنبیہات کا مزہ! ۲۸ اور صبح سویرے اُن پر ایسا عذاب حملہ آور ہوا جو جم کر رہ گیا ۲۹ کہ: ”چکھو میرے عذاب اور میری تنبیہات کا مزہ!“ ۳۰ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنا دیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ۳۱ اور فرعون کے خاندان کے پاس بھی تنبیہات آئیں، ۳۲ انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا تھا، اس لئے ہم نے اُن کو ایسی پکڑ میں لیا جیسی ایک زبردست قدرت والے کی پکڑ ہوتی ہے۔ ۳۳

(۹) سورہ ہود (۷۸: ۱۱) میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے۔ اُن کی قوم ہم جنسی کی بیماری میں مبتلا تھی، اس لئے انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ان مہمانوں کو اُن کے حوالے کر دیں، اور وہ ان سے اپنی ہوس پوری کریں۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، اور اس طرح وہ مہمانوں تک نہ پہنچ سکے (تفسیر الدد المنثور عن قتادة)۔

(۱۰) سورہ ہود میں گزر چکا ہے کہ ان کی بستیاں الٹ ڈالی گئی تھیں۔



اَكْفَارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَاۓَةٌ فِى الزُّبُرِ ۚ اَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ۚ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۚ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَذْهٰى وَاَمَرٌ ۚ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِى ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۚ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۚ ذُقُوْا مِمَّسَّ سَقَرًا ۚ اِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۚ وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ ۚ كَلِمَةً بِاَلْبَصَرِ ۚ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّاكِرٍ ۚ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِى الزُّبُرِ ۚ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّاَكْبَرٍ مُّسْتَقْتَرٌ ۚ اِنَّ السُّتْقِيْنَ فِى جَنَّتٍ وَّ نَهْرٍ ۚ فِى مَقْعَدٍ صٰدِقٍ عِنْدَ مَلِيْكَ مُّقْتَدِرٍ ۚ

کیا تمہارے یہ کافر لوگ اُن سے اچھے ہیں، یا تمہارے لئے (خدا کی) کتابوں میں کوئی بے گناہی کا پروانہ لکھا ہوا ہے؟ (۱۱) یا ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم ایسی جمعیت ہیں جو اپنا بچاؤ آپ کر لے گی؟ (۱۲) (حقیقت تو یہ ہے کہ) اس جمعیت کو عنقریب شکست ہو جائے گی، اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ (۱۳) یہی نہیں، بلکہ ان کے اصل وعدے کا وقت تو قیامت ہے، اور قیامت اور زیادہ مصیبت اور کہیں زیادہ کڑوی ہوگی۔ (۱۴)

حقیقت یہ ہے کہ یہ مجرم لوگ بڑی گمراہی اور بے عقلی میں پڑے ہوئے ہیں۔ (۱۵) جس دن ان کو منہ کے بل آگ میں گھسیٹا جائے گا، (اُس دن انہیں ہوش آئے گا، اور ان سے کہا جائے گا کہ:) ”چکھو دوزخ کے چھونے کا مزہ!“ (۱۶) ہم نے ہر چیز کو ناپ تول کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ (۱۷) اور ہمارا حکم بس ایک ہی مرتبہ آنکھ جھپکنے کی طرح (پورا) ہو جاتا ہے۔ (۱۸) اور تمہارے ہم مشرب لوگوں کو ہم پہلے ہی ہلاک کر چکے ہیں۔ اب بتاؤ، ہے کوئی جو نصیحت حاصل کرے؟ (۱۹)

اور جو جو کام انہوں نے کئے ہیں، وہ سب اعمال ناموں میں درج ہیں، (۲۰) اور ہر چھوٹی اور بڑی بات لکھی ہوئی ہے۔ (۲۱) (البتہ) جن لوگوں نے تقویٰ کی روش اپنا رکھی ہے، وہ باغات اور نہروں میں ہوں گے، (۲۲) ایک سچی عزت والی نشست میں! — اُس بادشاہ کے پاس جس کے قبضے میں سارا اقتدار ہے! (۲۳)

(۱۱) پچھلی اُمتوں کے واقعات بیان فرمانے کے بعد مکہ مکرمہ کے کافروں سے کہا جا رہا ہے کہ جن قوموں کو ہلاک کیا گیا ہے، تم میں اُن کے مقابلے میں کوئی اچھائی ہے جس کی بنا پر تمہیں عذاب سے محفوظ رکھا جائے؟ اور کیا تمہارے بارے میں کسی آسمانی کتاب میں کوئی معافی یا بے گناہی کا وعدہ کر لیا گیا ہے؟

(۱۲) جب مکہ مکرمہ کے کافروں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تھا تو وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا جتھہ بڑا مضبوط ہے، ہمیں کوئی



نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

(۱۳) یہ پیشین گوئی اُس وقت کی جارہی تھی جب مسلمان ان کافروں کے مقابلے میں بہت کمزور تھے، اور خود اپنا بچاؤ بھی نہیں کر پاتے تھے۔ لیکن دُنیا نے دیکھا کہ یہ خدائی پیشین گوئی جنگِ بدر میں حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں کافروں کے جو بڑے بڑے سردار تھے، سب بدر میں مارے گئے، ستر افراد گرفتار ہوئے، اور باقی بھاگ گئے۔

(۱۴) یہ قومِ شمود کی اُس بات کا جواب ہے جو اُد پر آیت نمبر ۲۴ میں ذکر کی گئی تھی۔ چونکہ مکہ مکرمہ کے کافر بھی اسی جیسی بات کہا کرتے تھے، اس لئے اُن کے بارے میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے۔

(۱۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ناپ تول اور ہر کام کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، اس لئے وہ قیامت اُسی وقت آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے مقدّر فرما رکھا ہے۔

الحمد للہ! سورہ قمر کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج مؤرخہ ۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ۷ اپریل ۲۰۰۸ء کو لندن میں دو دن میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کے کام کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ الرَّحْمٰنِ

## تعارف

یہ سورت وہ واحد سورت ہے جس میں بیک وقت انسانوں اور جنات دونوں کو صراحت کے ساتھ مخاطب فرمایا گیا ہے۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ کی وہ بی شمار نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں جو اس کائنات میں پھیلی پڑی ہیں، اور بار بار یہ فقرہ دہرایا گیا ہے کہ: ”اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟“ اپنے اسلوب اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی یہ ایک منفرد سورت ہے جس کی تاثیر کو کسی اور زبان میں ترجمہ کر کے منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ یہ سورت مکی ہے، یا مدنی۔ عام طور سے قرآن کریم کے نسخوں میں اس کو مدنی قرار دیا گیا ہے، لیکن علامہ قرطبی نے کئی روایتوں کی بنا پر یہ رجحان ظاہر کیا ہے کہ یہ مکی سورت ہے۔ واللہ اعلم۔



آیتها ۷۸ ﴿۵۵﴾ سُورَةُ الرَّحْمَنِ مَدَنِيَّةٌ ۹۷ رُكُوعَاتُهَا ۳

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الرَّحْمٰنُ ۱ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۲ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۳ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۴ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ  
بِحُسْبَانٍ ۵ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۶ وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۷ أَلَّا  
تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۸ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۹ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا  
لِلْأَنَامِ ۱۰ فِيهَا فَاكِهَةٌ ۱۱ وَاللَّيْلُ ذَاتُ الْكُمَامِ ۱۲ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ ۱۳ وَالرَّيْحَانُ ۱۴  
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۱۵

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں اٹھتر آیتیں اور تین رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

وہ رحمن ہی ہے ۱ جس نے قرآن کی تعلیم دی۔ ۲ اُسی نے انسان کو پیدا کیا، ۳ اُسی نے اُس کو بات واضح کرنا سکھایا۔ ۴ سورج اور چاند ایک حساب میں جکڑے ہوئے ہیں، ۵ اور نیلیں اور درخت سب اُس کے آگے سجدہ کرتے ہیں، ۶ اور آسمان کو اُسی نے بلند کیا ہے، اور اُسی نے ترازو قائم کی ہے، ۷ کہ تم تو لے میں ظلم نہ کرو۔ ۸ اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو، اور تول میں کمی نہ کرو۔ ۹ اور زمین کو اُسی نے ساری مخلوقات کے لئے بنایا ہے، ۱۰ اُسی میں میوے اور کھجور کے گابھوں والے درخت بھی ہیں، ۱۱ اور بھوسے والا غلہ اور خوشبودار پھول بھی۔ ۱۲ (اے انسانو اور جنات!) اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ۱۳

(۱) مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کے نام ”رحمن“ کو نہیں مانتے تھے وہ کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے رحمن کیا ہوتا ہے؟، جیسا کہ سورہ فرقان (۶۰:۲۵) میں گزرا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رحمن کے نام سے ان لوگوں کو جو چڑھتی، وہ اس لئے کہ اگر ہر طرح کی رحمت اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص مان لی جائے تو پھر اُن من گھڑت خداؤں کے حصے میں کچھ نہیں آتا جن سے یہ لوگ اپنی مرادیں مانگا کرتے تھے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ کو رحمن مان لینے سے خود بخود اُن کے شرک کی نفی ہو جاتی ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رحمن اُسی اللہ تعالیٰ کا نام ہے جس کی رحمتوں سے یہ ساری کائنات بھری ہوئی ہے۔ اُس کے سوا کوئی نہیں ہے جو تمہیں رزق، اولاد یا کوئی اور نعمت دے سکے۔ اس لئے عبادت کا حق دار صرف وہی ہے، کوئی اور نہیں۔

(۲) سجدہ حقیقی بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ قرآن کریم نے کئی جگہ یہ فرمایا ہے کہ تمام مخلوقات میں کچھ نہ کچھ احساس موجود ہے۔ (دیکھئے سورہ بنی اسرائیل ۱: ۴۴) اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں۔



خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيْنَ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيْنَ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ كُلُّ مَنٍ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ يَسْأَلُهُ مَن فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ۝

اُسی نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھاتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا، اور جنات کو آگ کی لپٹ سے پیدا کیا، اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا پروردگار وہی ہے۔ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اُسی نے دو سمندروں کو اس طرح چلایا کہ وہ دونوں آپس میں مل جاتے ہیں، (پھر بھی) اُن کے درمیان ایک آڑ ہوتی ہے کہ وہ دونوں اپنی حد سے بڑھتے نہیں۔ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان دونوں سمندروں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے، اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اس زمین میں جو کوئی ہے، فنا ہونے والا ہے، اور (صرف) تمہارے پروردگار کی جلال والی، فضل و کرم والی ذات باقی رہے گی۔ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں اُسی سے (اپنی حاجتیں) مانگتے ہیں۔ وہ ہر روز کسی شان میں ہے!

(۳) مشرق دراصل افق کے اُس حصے کا نام ہے جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے، اور مغرب اُس حصے کا جہاں سورج غروب ہوتا ہے۔ چونکہ سردی اور گرمی کے موسموں میں مشرق اور مغرب کے یہ حصے بدل جاتے ہیں، اس لئے ان کو دو مشرقوں اور دو مغربوں سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ نظارہ دو دریاؤں یا دو سمندروں کے سنگم پر ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ دونوں دریاؤں یا سمندروں کے پانی ساتھ ساتھ چل رہے ہوتے ہیں، پھر بھی دونوں کے درمیان ایک لکیر جیسی ہوتی ہے جس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ دریا یا سمندر ہیں۔

(۵) یعنی ہر روز اور ہر آن وہ اپنی کائنات کی تدبیر اور اپنی مخلوقات کی حاجت روائی میں اپنی کسی نہ کسی شان یا صفت کا مظاہرہ فرماتا رہتا ہے۔



فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلَيْنِ ﴿٣١﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٢﴾ يُبْعَثُ الْجِنَّ وَالْإِنْسُ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا ۚ لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ ﴿٣٣﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٤﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوْاظُ مِّنْ نَّارٍ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ ﴿٣٥﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٦﴾ فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٨﴾

اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۰﴾ اے دو بھاری مخلوق! ﴿۳۱﴾ ہم عنقریب تمہارے (حساب کے) لئے فارغ ہونے والے ہیں۔ ﴿۳۲﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۳﴾ اے انسانوں اور جنات کے گروہ! اگر تم میں یہ بل بوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے پار نکل سکو، تو پار نکل جاؤ۔ تم زبردست طاقت کے بغیر پار نہیں ہو سکو گے۔ ﴿۳۴﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۵﴾ تم پر آگ کا شعلہ اور تانبے کے رنگ کا دھواں چھوڑا جائے گا، پھر تم اپنا بچاؤ نہیں کر سکو گے۔ ﴿۳۶﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۷﴾ غرض (وہ وقت آئے گا) جب آسمان پھٹ پڑے گا، اور لال چمڑے کی طرح سرخ گلاب بن جائے گا۔ ﴿۳۸﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۹﴾

(۶) اصل عربی لفظ ”ثَقَلَان“ ہے جس کے معنی ہیں دو بھاری چیزیں۔ اور اس سے مراد جنات اور انسان ہیں، کیونکہ یہی دو مخلوقات ہیں جنہیں اس کائنات میں عقل و شعور کے علاوہ مکلف بننے کی صلاحیت بخشی گئی ہے۔

(۷) یہاں فارغ ہونا مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تو اللہ تعالیٰ کائنات کے دوسرے امور انجام دے رہے ہیں، اور ابھی حساب لینے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، لیکن وہ وقت عنقریب آنے والا ہے جب اللہ تعالیٰ حساب کی طرف متوجہ ہوں گے۔ واضح رہے کہ آگے آیت نمبر ۴۴ تک دوزخیوں کے عذاب کا تذکرہ ہے، اور اُس کے ساتھ بھی یہ فقرہ ہر جگہ فرمایا گیا ہے کہ تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس ہولناک انجام کی جو پہلے سے خبر دے رہا ہے، وہ بذاتِ خود ایک نعمت ہے، اس کو مت جھٹلاؤ، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جھٹلانے کا یہ انجام ہونے والا ہے، کیا اس انجام سے باخبر ہونے کے بعد بھی تم نعمتوں کو جھٹلانے کا رویہ جاری رکھو گے؟

(۸) مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ طاقت نہیں ہے جس کے ذریعے تم اللہ تعالیٰ کی باز پرس اور عذاب سے بھاگ کر کہیں

اور چلے جاؤ۔



فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ ۚ ﴿٣٩﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٤٠﴾ يُعْرِفُ  
 الْمُجْرِمُونَ بِسَيِّئِهِمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ۚ ﴿٤١﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٤٢﴾  
 هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ۚ ﴿٤٣﴾ يَطُوفُونَ فِيهَا وَبَيْنَ حَيْثُمَا إِن ۚ ﴿٤٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ  
 رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٤٥﴾ وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتٍ ۚ ﴿٤٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٤٧﴾  
 ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ۚ ﴿٤٨﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾ فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَانِ ۚ ﴿٥٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ  
 رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٥١﴾ فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ۚ ﴿٥٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٥٣﴾  
 مُتَكَبِّرِينَ عَلَىٰ فُرُشٍ بَطَاطِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۚ ﴿٥٤﴾ وَجَنَّاتُ الْجَنَّةِ دَانٍ ۚ ﴿٥٥﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا  
 تُكَذِّبِينَ ﴿٥٦﴾

پھر اُس دن نہ کسی انسان سے اُس کے گناہ کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور نہ کسی جن سے۔ ﴿۳۹﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں  
 اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۴۰﴾ مجرم لوگوں کو اُن کی علامتوں سے پہچان لیا جائے گا، پھر انہیں سر کے  
 بالوں اور پاؤں سے پکڑا جائے گا، ﴿۴۱﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۴۲﴾ یہ ہے وہ  
 جہنم جسے یہ مجرم لوگ جھٹلاتے تھے! ﴿۴۳﴾ یہ اُسی کے اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر لگائیں گے۔ ﴿۴۴﴾ اب بتاؤ کہ تم  
 دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۴۵﴾

اور جو شخص (دُنیا میں) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا تھا، اُس کے لئے دو باغ ہوں گے۔ ﴿۴۶﴾ اب بتاؤ  
 کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۴۷﴾ دونوں باغ شاخوں سے بھرے ہوئے! ﴿۴۸﴾ اب بتاؤ کہ  
 تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۴۹﴾ اُنہی دو باغوں میں دو چشمے بہہ رہے ہوں گے، ﴿۵۰﴾ اب بتاؤ  
 کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۵۱﴾ اُن دونوں میں ہر پھل کے دو دو جوڑے ہوں گے، ﴿۵۲﴾  
 اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۵۳﴾ وہ (جنتی لوگ) ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے  
 ہوں گے جن کے اُستر دبیز ریشم کے ہوں گے، اور دونوں باغوں کے پھل جھکے پڑ رہے ہوں گے۔ ﴿۵۴﴾ اب بتاؤ کہ تم  
 دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۵۵﴾

(۹) یعنی سوال و جواب اور حساب و کتاب کا مرحلہ تو اُس وقت گذر چکا ہوگا جس میں ان لوگوں سے حجت قائم کرنے کے لئے  
 سوالات بھی کئے گئے تھے۔ لیکن اب ان کو دوزخ میں ڈالنے کے لئے نہ تو اللہ تعالیٰ کو کسی سے یہ پوچھنے کی ضرورت ہوگی کہ اُس  
 نے کیا گناہ کیا تھا، کیونکہ اُسے خود ہی معلوم ہے، اور نہ فرشتوں کو ضرورت ہوگی، کیونکہ جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے، مجرم لوگ  
 اپنے چہرے کی علامتوں ہی سے پہچان لئے جائیں گے۔



فِيهِنَّ قِصْرٌ ۖ الْظَّرْفُ ۚ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۚ ﴿٥٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۚ ﴿٥٧﴾ كَانَهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ۚ ﴿٥٨﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۚ ﴿٥٩﴾ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۚ ﴿٦٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۚ ﴿٦١﴾ وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَيْنِ ۚ ﴿٦٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۚ ﴿٦٣﴾ مُدْهَمَمَتَيْنِ ۚ ﴿٦٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۚ ﴿٦٥﴾ فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَيْنِ ۚ ﴿٦٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۚ ﴿٦٧﴾ فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ۚ ﴿٦٨﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۚ ﴿٦٩﴾ فِيهِنَّ خَيْرٌ حَسَنٌ ۚ ﴿٧٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۚ ﴿٧١﴾ حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ۚ ﴿٧٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۚ ﴿٧٣﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۚ ﴿٧٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۚ ﴿٧٥﴾ مُتَكَبِّرِينَ عَلَى رَافِرٍ خَضِرٍ وَعَبَقَرٍ حَسَنٍ ۚ ﴿٧٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۚ ﴿٧٧﴾ تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۚ ﴿٧٨﴾

انہی باغوں میں وہ نیچی نگاہ والیاں ہوں گی جنہیں ان جنتیوں سے پہلے نہ کسی انسان نے کبھی چھوا ہوگا، اور نہ کسی جن نے! ﴿٥٦﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٥٧﴾ وہ ایسی ہوں گی جیسے یاقوت اور مرجان! ﴿٥٨﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٥٩﴾ اچھائی کا بدلہ اچھائی کے سوا اور کیا ہے؟ ﴿٦٠﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٦١﴾ اور ان دو باغوں سے کچھ کم درجے کے دو باغ اور ہوں گے۔ ﴿٦٢﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٦٣﴾ دونوں سبزے کی کثرت سے سیاہی کی طرف مائل! ﴿٦٤﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٦٥﴾ انہی میں دو اُبلتے ہوئے چشمے ہوں گے، ﴿٦٦﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٦٧﴾ انہی میں میوے اور کھجوریں اور آناں ہوں گے، ﴿٦٨﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٦٩﴾ انہی میں خوب سیرت خوبصورت عورتیں ہوں گی، ﴿٧٠﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٧١﴾ وہ حوریں جنہیں خیموں میں حفاظت سے رکھا گیا ہوگا! ﴿٧٢﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٧٣﴾ انہیں ان جنتیوں سے پہلے نہ کسی انسان نے کبھی چھوا ہوگا، اور نہ کسی جن نے۔ ﴿٧٤﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٧٥﴾ وہ (جنتی) سبز رُفرف اور عجیب و غریب قسم کے خوبصورت فرش پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ ﴿٧٦﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٧٧﴾ بڑا بابرکت نام ہے تمہارے پروردگار کا جو عظمت والا بھی ہے، کرم والا بھی! ﴿٧٨﴾



(۱۰) اکثر مفسرین کے مطابق پہلے (آیت نمبر ۴۶ میں) جن دو باغوں کا ذکر ہوا تھا، وہ اعلیٰ درجے کے مقرب بندوں کے لئے ہیں، جیسا کہ اگلی سورت (سورۃ واقعہ) میں اس کی تفصیل آنے والی ہے، اور اب آیت نمبر ۶۲ سے جن دو باغوں کا ذکر ہو رہا ہے، وہ عام مومنوں کے لئے ہیں۔

(۱۱) سبزہ جب خوب گھنا اور گہرا ہو جائے تو وہ دُور سے سیاہی مائل نظر آتا ہے۔ یہ اُسی کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔  
(۱۲) ان خیموں کے بارے میں صحیح بخاری کی ایک حدیث میں یہ تفصیل آئی ہے کہ یہ موتی سے بنے ہوئے بہت طویل و عریض خیمے ہوں گے۔

(۱۳) رُفرف نقش و نگار والے قالین کو کہتے ہیں۔ یہاں یہ واضح رہنا چاہئے کہ جنت کی نعمتوں میں سے جن جن چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، اگرچہ دُنیا میں بھی اُن کے وہی نام ہیں جو ان آیات میں مذکور ہیں، لیکن اُن کی حقیقت، اُن کا حسن اور اُن کی لذت دُنیا کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہوگی، کیونکہ صحیح حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار فرمائی ہیں جو آج تک نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں، نہ کسی کان نے سنی ہیں، اور نہ کسی کے دل پر اُن کا خیال گذرا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے بہرہ ور فرمائیں۔ آمین۔

الحمد للہ! سورۃ الرحمن کا ترجمہ اور اُس کے حواشی آج بتاریخ یکم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۹ اپریل ۲۰۰۸ء لندن میں ایک ہی دن میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو قبول فرما کر بندے کی مغفرت کا ذریعہ بنادیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْوَاقِعَةِ

## تعارف

یہ سورت مکی زندگی کے ابتدائی دور کی سورتوں میں سے ہے، اور اس میں معجزانہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ پہلے تو قیامت کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں، اور بتایا گیا ہے کہ آخرت میں تمام انسان اپنے انجام کے لحاظ سے تین مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے، ایک گروہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کا ہوگا جو ایمان اور عمل صالح کے لحاظ سے اعلیٰ ترین مرتبے کے حامل ہیں، دوسرا گروہ اُن عام مسلمانوں کا ہوگا جنہیں اُن کے اعمال نامے اُن کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، اور تیسرا گروہ اُن کافروں کا ہوگا جن کے اعمال نامے اُن کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ پھر ان تینوں گروہوں کو جن حالات سے سابقہ پیش آئے گا، اُس کی ایک جھلک بڑے مؤثر انداز میں دکھائی گئی ہے۔ اس کے بعد انسان کو خود اُس کے اپنے وجود اور اُن نعمتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اُسی کا شکر بجالا کر اُس کی وحدانیت کا اعتراف کرے، اور توحید پر ایمان لائے۔ پھر آخری رُکوع میں قرآن کریم کی حقانیت کا بیان فرماتے ہوئے انسان کو اُس کی موت کا وقت یاد دلایا گیا ہے کہ اُس وقت وہ کتنا ہی بڑا آدمی سمجھا جاتا ہو، نہ تو خود اپنی موت سے چھٹکارا پاسکتا ہے، نہ اپنے کسی محبوب کو موت سے بچا سکتا ہے۔ لہذا جو پروردگار موت اور زندگی کا مالک ہے، وہی مرنے کے بعد بھی انسان کے انجام کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے، اور انسان کا کام یہ ہے کہ اُس کی عظمت کے آگے سر بسجود ہو۔

سورت کی پہلی ہی آیت میں ”واقعہ“ کا لفظ آیا ہے جس سے مراد قیامت کا واقعہ ہے، اور اُسی کے نام پر اس

سورت کو سورۃ واقعہ کہا جاتا ہے۔



آیاتها ۹۶ سُورَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ ۲۶ رُكُوعَاتُهَا ۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۱ لَيْسَ لَوْقَعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۲ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۳ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا ۴ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۵ فَكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثًّا ۶ وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۷ فَأَصْحَبُ الْمِئْمَنَةِ ۸ مَا أَصْحَبُ الْمِئْمَنَةِ ۹ وَأَصْحَبُ الْمَشْأَةِ ۱۰ مَا أَصْحَبُ الْمَشْأَةِ ۱۱ وَالسَّيِّقُونَ ۱۲ السَّيِّقُونَ ۱۳ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۱۴ فِي جَنَّتِ النَّعِيمِ ۱۵ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۱۶ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۱۷ عَلَى سُرٍّ مَّوْضُونَةٍ ۱۸ مُتَكَيِّينَ عَلَيْهَا مُتَقَبِّلِينَ ۱۹

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چھپانے والے آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب وہ ہونے والا واقعہ پیش آجائے گا، ۱ تو اُس کے پیش آنے کو کوئی جھٹلانے والا نہیں ہوگا، ۲ وہ ایک تہہ و بالا کرنے والی چیز ہوگی، ۳ جب زمین ایک بھونچال سے جھنجھوڑ دی جائے گی، ۴ اور پہاڑوں کو پیس کر چورا کر دیا جائے گا ۵ یہاں تک کہ وہ بکھرا ہوا غبار بن کر رہ جائیں گے، ۶ اور (لوگو!) تم تین قسموں میں بٹ جاؤ گے۔ ۷ چنانچہ جو دائیں ہاتھ والے ہیں، کیا کہنا اُن دائیں ہاتھ والوں کا! ۸ اور جو بائیں ہاتھ والے ہیں، کیا بتائیں وہ بائیں ہاتھ والے کیا ہیں؟ ۹ اور جو سبقت لے جانے والے ہیں، وہ تو ہیں ہی سبقت لے جانے والے! ۱۰ وہی ہیں جو اللہ کے خاص مقرب بندے ہیں، ۱۱ وہ نعمتوں کے باغات میں ہوں گے، ۱۲ شروع کے لوگوں میں سے بہت سے، ۱۳ اور بعد کے لوگوں میں سے تھوڑے ۱۴ سونے کے تاروں سے بُنی ہوئی اونچی نشستوں پر ۱۵ ایک دوسرے کے سامنے اُن پر تکیہ لگائے ہوئے! ۱۶

(۱) اس آیت میں قیامت کو واقعہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ آج تو یہ کافر لوگ اس کا انکار کر رہے ہیں، لیکن جب وہ واقعہ پیش آجائے گا تو کوئی اُسے جھٹلا نہیں سکے گا۔

(۲) دائیں ہاتھ والوں سے مراد وہ خوش نصیب مومن ہیں جن کا نامہ اعمال اُن کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، جو اس بات کی علامت ہوگی کہ یہ صاحب ایمان ہیں، اور ان کو جنت نصیب ہونے والی ہے۔

(۳) یہ وہ لوگ ہیں جن کو اُن کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، جو اُن کے کفر کی علامت ہوگی۔

(۴) اس سے مراد انبیائے کرام اور وہ اعلیٰ درجے کے پاکباز حضرات ہیں جنہوں نے تقویٰ کا سب سے اونچا مقام پایا ہوگا۔

(۵) یعنی اس اعلیٰ درجے کے لوگوں میں اکثریت قدیم زمانے کے انبیائے کرام وغیرہ کی ہوگی، اور بعد کے زمانوں میں بھی اگرچہ اس درجے کے لوگ ہوں گے، مگر کم۔



يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۚ لَا يَكُوبُ ۖ وَآبَارٌ يُتَّقَى ۚ أَكَّاسٌ مِّنْ مَّعِينٍ ۚ لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزَفُونَ ۚ ۱۹ ۚ وَفَاكِهَةٌ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۚ ۲۰ ۚ وَلَحْمٌ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۚ ۲۱ ۚ وَحُورٌ عِينٌ ۚ ۲۲ ۚ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۚ ۲۳ ۚ جَزَاءُ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ ۲۴ ۚ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۚ ۲۵ ۚ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ۚ ۲۶ ۚ وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ۚ ۲۷ ۚ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۚ ۲۸ ۚ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ۚ ۲۹ ۚ وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ ۚ ۳۰ ۚ وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ۚ ۳۱ ۚ وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ۚ ۳۲ ۚ وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ۚ ۳۳ ۚ لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ۚ ۳۴ ۚ وَفُرُشٌ مَّرْفُوعَةٍ ۚ ۳۵ ۚ

سدا رہنے والے لڑکے اُن کے سامنے گردش میں ہوں گے، ۱۸ ایسی شراب کے پیالے، جگ اور جام لے کر ۱۹ جس سے نہ اُن کے سر میں درد ہوگا، اور نہ اُن کے ہوش اڑیں گے، ۲۰ اور وہ پھل لے کر جو وہ پسند کریں، ۲۱ اور پرندوں کا وہ گوشت لے کر جس کو اُن کا دل چاہے! ۲۲ اور وہ بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں! ۲۳ ایسی جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی! ۲۴ یہ سب بدلہ ہوگا اُن کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ ۲۵ وہ اُس جنت میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے، اور نہ کوئی گناہ کی بات، ۲۶ ہاں جو بات ہوگی، سلامتی ہی سلامتی کی ہوگی۔ ۲۷ اور وہ جو دائیں ہاتھ والے ہوں گے، کیا کہنا اُن دائیں ہاتھ والوں کا! ۲۸ (وہ عیش کریں گے) کانٹوں سے پاک بیڑیوں میں! ۲۹ اور اُوپر تلے لدے ہوئے کیلے کے درختوں میں، ۳۰ اور دُور تک پھیلے ہوئے سائے میں، ۳۱ اور بہتے ہوئے پانی میں، ۳۲ اور ڈھیر سارے پھلوں میں ۳۳ جو نہ کبھی ختم ہوں گے، اور نہ اُن پر کوئی روک ٹوک ہوگی، ۳۴ اور اُوپر چھپے ہوئے فرشوں میں۔ ۳۵

(۶) جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے، جنت کے پھلوں کے نام تو ہمارے سمجھانے کے لئے وہی ہیں جنہیں ہم دُنیا میں جانتے ہیں، لیکن اُن کی کیفیت، اُن کی لذت اور اُن کا حجم ہر چیز یہاں سے کہیں زیادہ خوشنما اور لذیذ ہوگی۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک دیہاتی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بیری کا درخت تو عام طور سے تکلیف دہ ہی ہوتا ہے، قرآن کریم نے اُس کا تذکرہ کیسے فرمایا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ کانٹوں سے پاک ہوگا؟ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہر کانٹے کی جگہ ایک پھل پیدا فرمائیں گے، اور اُس ایک پھل میں بہتر قسم کے مختلف ذائقے ہوں گے، اور کوئی ذائقہ دوسرے سے ملتا جلتا نہیں ہوگا (روح المعانی بحوالہ حاکم و بیہقی، وصححه الحاکم)۔

(۷) جنت کی اُونچی نشستوں کا ذکر قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے، انہی نشستوں پر یہ فرش بچھے ہوں گے، اس لئے انہیں اُوپر چھپے ہوئے فرشوں سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔



إِنَّا أَنشَأْنَهُنَّ إِنِشَاءً ۖ فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا ۖ عُرُبًا أَتْرَابًا ۖ لِأَصْحَابِ الْبَيْتِ ۖ ثَلَاثَةٌ ۖ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۖ وَثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۖ وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ ۖ مَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ ۖ فِي سُومٍ وَحَبِيمٍ ۖ وَظِلٌّ مِّنْ يَّحْصُومٍ ۖ لَا بَارِدٌ وَلَا كَرِيمٌ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُتْرَفِينَ ۖ وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنثِ الْعَظِيمِ ۖ

یقین جانو، ہم نے اُن عورتوں کو نئی اٹھان دی ہے، چنانچہ انہیں کنواریاں بنایا ہے، (شوہروں کے لئے) محبت سے بھری ہوئی، عمر میں برابر! سب کچھ دائیں ہاتھ والوں کے لئے، (جن میں سے) بہت سے شروع کے لوگوں میں سے ہوں گے، اور بہت سے بعد والوں میں سے۔

اور جو بائیں ہاتھ والے ہیں، کیا بتائیں بائیں ہاتھ والے کیا ہیں؟ وہ ہوں گے تپتی ہوئی لو میں، اور کھولتے ہوئے پانی میں، اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں، جو نہ ٹھنڈا ہوگا، نہ کوئی فائدہ پہنچانے والا۔ یہ لوگ اس سے پہلے بڑے عیش میں تھے، اور بڑے بھاری گناہ پر اڑے رہتے تھے۔

(۸) قرآن کریم نے ان خواتین کا ذکر بڑے لطیف انداز میں فرمایا ہے کہ بس ضمیر سے اُن کی طرف اشارہ فرما دیا ہے، صراحت کے ساتھ نام نہیں لیا۔ اس میں بڑی بلاغت بھی ہے، اور ان خواتین کی پردہ داری بھی۔ بعض مفسرین نے اس سے مراد وہ حوریں لی ہیں جو جنتیوں کے لئے خاص طور پر پیدا کی گئی ہیں، یا پیدا کی جائیں گی۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ان سے مراد نیک لوگوں کی وہ نیک بیویاں ہیں جو دنیا میں اُن کی شریک حیات تھیں۔ آخرت میں اُن کو نئی اٹھان دینے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں وہ کیسی ہی رہی ہوں، جنت میں انہیں اپنے شوہروں کے لئے بہت خوبصورت بنا دیا جائے گا، جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اسی طرح جو خواتین دنیا میں بن بیاہی رہ گئی تھیں، انہیں بھی نئی اٹھان دے کر کسی نہ کسی جنتی سے اُن کا نکاح کر دیا جائے گا۔ حدیث کی متعدد روایتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت دونوں قسم کی عورتوں کو شامل ہے، حوروں کو بھی، اور دنیا کی نیک خواتین کو بھی (تفصیل کے لئے دیکھئے روح المعانی)۔

(۹) بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا کنوار پن کبھی ختم نہیں ہوگا۔

(۱۰) اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنے شوہروں کی ہم عمر ہوں گی، کیونکہ اپنی ہم عمر کے ساتھ ہی رفاقت کا صحیح لطف حاصل ہوتا ہے، اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ وہ سب آپس میں ہم عمر ہوں گی۔ بعض احادیث میں ہے کہ جنتیوں کی عمر ۳۳ سال کر دی جائے گی جو شباب کی پختگی کا زمانہ ہوتا ہے (ترمذی عن معاذ)۔

(۱۱) یعنی اس درجے کے مومن پچھلے زمانے کے لوگوں میں سے بھی بہت سے ہوں گے، اور بعد کے زمانوں میں سے بھی بہت سے۔

(۱۲) بڑے بھاری گناہ سے مراد کفر اور شرک ہے۔



وَكَاُنُوا يَقُولُونَ ۚ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا اِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿٥٠﴾ اَوْ اَبَاؤُنَا  
 الْاَوَّلُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِينَ وَالْاٰخِرِينَ ﴿٥٢﴾ لَمَجْمُوعُونَ ۙ اِلٰى مِيقَاتٍ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٥٣﴾  
 ثُمَّ اِنَّا كُمْ اَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ﴿٥٤﴾ لَا كِلُونَ مِنْ شَجَرٍ مِنْ زُقُومٍ ﴿٥٥﴾ فَمَالِئُونَ مِنْهَا  
 الْبُطُونَ ﴿٥٦﴾ فَشَرِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ﴿٥٧﴾ فَشَرِبُونَ شُرْبَ الْهَيْمِ ﴿٥٨﴾ هٰذَا نُرِثُكُمْ يَوْمَ  
 الدِّينِ ﴿٥٩﴾ نَحْنُ خَلَقْنَكُمْ فَلَوْلَا تَصَدَّقُونَ ﴿٦٠﴾ اَفَرَاَيْتُمْ مَا تُثْنُونَ ﴿٦١﴾ اَ اَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ  
 اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ﴿٦٢﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿٦٣﴾ عَلٰى اَنْ نُّبَدِّلَ  
 اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِى مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٤﴾

اور کہا کرتے تھے کہ: ”کیا جب ہم مرجائیں گے، اور مٹی اور ہڈیاں بن کر رہ جائیں گے، تو کیا ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟“ ﴿۵۰﴾ اور کیا ہمارے پہلے گذرے ہوئے باپ دادوں کو بھی؟“ ﴿۵۱﴾ کہہ دو کہ: ”یقیناً سب اگلے اور پچھلے لوگ ﴿۵۲﴾ ایک متعین دن کے طے شدہ وقت پر ضرور اکٹھے کئے جائیں گے، ﴿۵۳﴾ پھر اے جھٹلانے والے گمراہو! تم لوگوں کو ﴿۵۴﴾ ایک ایسے درخت میں سے کھانا پڑے گا جس کا نام زقوم ہے، ﴿۵۵﴾ پھر اُسی سے پیٹ بھرنے ہوں گے، ﴿۵۶﴾ پھر اُس کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی پینا پڑے گا، ﴿۵۷﴾ اور پینا بھی اس طرح جیسے پیاس کی بیماری والے اُونٹ پیتے ہیں۔“ ﴿۵۸﴾ یہ ہوگی جزا و سزا کے دن ان لوگوں کی مہمانی! ﴿۵۹﴾ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے، پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ ﴿۶۰﴾ ذرا یہ بتلاؤ کہ جو نطفہ تم نکالتے ہو، ﴿۶۱﴾ کیا اُسے تم پیدا کرتے ہو، یا پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ ﴿۶۲﴾ ہم نے ہی تمہارے درمیان موت کے فیصلے کر رکھے ہیں، اور کوئی نہیں ہے جو ہمیں اس بات سے عاجز کر سکے ﴿۶۳﴾ کہ ہم تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ لے آئیں، اور تمہیں پھر سے کسی ایسی حالت میں پیدا کر دیں جسے تم نہیں جانتے۔ ﴿۶۴﴾

(۱۳) دوزخ کے اس درخت کا ذکر پیچھے سورہ صافات (۶۲: ۳۷) اور سورہ دُخان (۴۴: ۴۳) میں گذر چکا ہے۔

(۱۴) اس سے مراد وہ اُونٹ ہیں جو استسقاء کی بیماری کی وجہ سے پیتے چلے جائیں، اور ان کی پیاس نہ بجھے۔

(۱۵) اس سے مراد خود نطفے کی تخلیق بھی ہو سکتی ہے کہ اُسے پیدا کرنے میں انسان کا کوئی دخل نہیں ہے، اور اُس نطفے سے جو بچہ پرورش پاتا ہے، اُس کی تخلیق بھی مراد ہو سکتی ہے، کیونکہ نطفے کے اُس قطرے کو کئی مرحلوں سے گذار کر انسان کی شکل دینا، اُس میں جان و الناء، اور پھر اُسے دیکھنے، سُننے اور سمجھنے کی طاقت عطا فرمانا سوائے اللہ تعالیٰ کے کس کا کام ہے؟

(۱۶) یہاں بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح انسان کی تخلیق اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے، اسی طرح اُسے موت دینا بھی اُسی کا کام ہے، اور اُس کے بعد اُس کو کسی بھی ایسی صورت میں دوبارہ پیدا کر دینا بھی اُسی کی قدرت میں ہے جس سے اُس کو کوئی عاجز نہیں کر سکتا۔



وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٣﴾ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ﴿٦٤﴾ ءَأَنْتُمْ  
تَرْزُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الرَّزَّاقُونَ ﴿٦٥﴾ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٦٦﴾ إِنَّا  
لَمُعْرِمُونَ ﴿٦٧﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٦٨﴾ أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿٦٩﴾ ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ  
مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ﴿٧٠﴾ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوَلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧١﴾ أَفَرَأَيْتُمْ  
النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٧٢﴾ ءَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ ﴿٧٣﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا  
تَذَكُّرًا ۖ وَمَتَاعًا لِلْمُقْوِينَ ﴿٧٤﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٥﴾

الواقعة  
۵۶

اور تمہیں اپنی پہلی پیدائش کا پورا پتہ ہے، پھر کیوں سبق نہیں لیتے؟ ﴿۱۷﴾

اچھا یہ بتاؤ کہ جو کچھ تم زمین میں بوتے ہو، ﴿۱۸﴾ کیا اُسے تم اُگاتے ہو، یا اُگانے والے ہم ہیں؟ ﴿۱۹﴾ اگر ہم چاہیں تو اُسے  
چورا چورا کر ڈالیں، جس پر تم بھونچکے رہ جاؤ ﴿۲۰﴾ کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا، ﴿۲۱﴾ بلکہ ہم ہیں ہی بد نصیب! ﴿۲۲﴾ اچھا یہ بتاؤ کہ  
یہ پانی جو تم پیتے ہو، ﴿۲۳﴾ کیا اُسے بادلوں سے تم نے اُتارا ہے، یا اُتارنے والے ہم ہیں؟ ﴿۲۴﴾ اگر ہم چاہیں تو اُسے کڑوا  
بنا کر رکھ دیں، پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے؟ ﴿۲۵﴾ اچھا یہ بتاؤ کہ یہ آگ جو تم سلگاتے ہو، ﴿۲۶﴾ کیا اُس کا درخت تم نے  
پیدا کیا ہے، یا پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ ﴿۲۷﴾ ہم نے ہی اُس کو نصیحت کا سامان اور صحرائی مسافروں کے لئے فائدے کی  
چیز بنایا ہے۔ ﴿۲۸﴾ لہذا (اے پیغمبر!) تم اپنے عظیم پروردگار کا نام لے کر اُس کی تسبیح کرو۔ ﴿۲۹﴾

﴿۱۷﴾ یعنی کم از کم اتنی بات تو تم بھی جانتے ہو کہ تمہاری پہلی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا دخل نہیں تھا، پھر اُسی کو تمہارا  
معبود ماننے، اور اُس کی دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت کی تصدیق کرنے میں کیا رکاوٹ ہے؟

﴿۱۸﴾ یعنی تمہارا کام بس اتنا ہی تو ہے کہ تم زمین میں بیج ڈال دو۔ اس بیج کو پروان چڑھا کر کوئیل کی شکل دینا، اور اُسے درخت یا  
کھیتی بنادینا اور اس میں تمہارے فائدے کے پھل یا غلے پیدا کرنا کیا تمہارے اپنے بس میں تھا؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو  
تمہارے ڈالے ہوئے بیج کو یہاں تک پہنچا دیتا ہے؟

﴿۱۹﴾ اس سے مراد مرغ اور عقار کے درخت ہیں جو عرب میں پائے جاتے تھے، اور ان کی ٹہنیوں کو گرگڑنے سے آگ پیدا ہوتی  
تھی، اور اہل عرب اس سے چقماق یا ماچس کا کام لیتے تھے۔ اس کا ذکر سورہ یس (۸۰:۳۶) میں بھی گذر چکا ہے۔

﴿۲۰﴾ نصیحت کا سامان اس لئے کہ اول تو اس پر غور کر کے انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کو یاد کرتا ہے کہ اُس نے کس طرح ایک  
درخت کو آگ پیدا کرنے کا ذریعہ بنادیا، اور دوسرے اس سے دوزخ کی آگ بھی یاد آتی ہے تو اُس سے بچنے کا داعیہ پیدا ہوتا  
ہے۔ اور اگرچہ یہ درخت سبھی کے لئے آگ جلانے کے کام آتے ہیں، لیکن صحرا میں سفر کرنے والوں کے لئے یہ خاص طور پر بڑی  
نعمت تھی کہ چلتے چلتے یہ درخت مل جائے، اور مسافر اُس سے اپنی ضرورت پوری کر لے۔ اس لئے مسافروں کا بطور خاص ذکر  
فرمایا گیا ہے۔



فَلَا أُقْسِمُ بِمَوْقِعِ النُّجُومِ ۝ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَتَّعْلَبُونَ عَظِيمٌ ۝ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَا يَبْسُغُ إِلَّا بِمُطَهَّرٍ ۝ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝

اب میں اُن جگہوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں جہاں ستارے گرتے ہیں، (۲۱) — اور اگر تم سمجھو تو یہ بڑی زبردست قسم ہے (۲۲) کہ یہ بڑا باوقار قرآن ہے (۲۳) جو ایک محفوظ کتاب میں (پہلے سے) درج ہے، (۲۴) اُس کو وہی لوگ چھوتے ہیں جو خوب پاک ہیں، (۲۵) یہ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا جا رہا ہے۔ (۲۶)

(۲۱) یہاں سے قرآن کریم کی حقانیت اور اُس کے اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کا بیان فرمانا مقصود ہے۔ مکہ مکرمہ کے کافر لوگ بعض اوقات یہ کہا کرتے تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) دراصل کاہن ہیں، اور یہ قرآن کاہنوں کا کلام ہے۔ کاہنوں کا معاملہ یہ تھا کہ وہ اپنی پیشین گوئیوں میں جنّات اور شیطانوں سے مدد لیتے تھے، اور قرآن کریم نے کئی مقامات پر بتلایا ہے کہ شیطانوں کو آسمان کے قریب جا کر وہاں کی باتیں سننے سے روک دیا گیا ہے، اور اگر کوئی شیطان سننے کی کوشش کرتا ہے تو اُس کو شہابِ ثاقب سے مار بھگایا جاتا ہے (دیکھئے سورہ حجر ۱۵: ۱۸ اور سورہ صافات ۷: ۱۰) شہابِ ثاقب کو چونکہ عام بول چال میں تارے ٹوٹنے سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس لئے قرآن کریم نے ستاروں کا ذکر فرماتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ان کو شیاطین سے حفاظت کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ (دیکھئے سورہ صافات ۷: ۳ اور سورہ ملک ۶: ۵) لہذا جب جنّات اور شیاطین کی آسمان تک رسائی ہی نہیں ہے تو وہ کبھی ایسا مستحکم اور سچا کلام پیش نہیں کر سکتے جیسا قرآن کریم ہے۔ اس مناسبت سے یہاں ستاروں کے گرنے کے مقامات کی قسم کھائی گئی ہے کہ اگر ان کی حقیقت پر غور کرو تو صاف پتہ چل جائے گا کہ قرآن کریم ایسا باوقار کلام ہے جو کوئی کاہن بنا کر نہیں لاسکتا، کیونکہ یہ ستارے اُسے عالمِ بالا تک پہنچنے سے روکتے ہیں۔

(۲۲) بیچ میں یہ جملہ معترضہ ہے جس میں ستاروں کے گرنے کی قسم کھانے کی اہمیت کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے۔ ایک تو اس قسم سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ ستارے گرنے کے یہ مقامات خود بتا رہے ہیں کہ کوئی کاہن یہ کلام بنا کر نہیں لایا، دوسرے جس طرح ان ستاروں کا نظام انتہائی مستحکم نظام ہے جس میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بھی نہایت محکم اور ناقابلِ شکست نظام کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

(۲۳) رائج تفسیر کے مطابق اس سے مراد فرشتے ہیں، اور کافروں کے اس اشکال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ہم یہ کیسے یقین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کسی کمی زیادتی کے بغیر اپنی اصلی صورت میں ہمارے پاس پہنچ رہا ہے، اور کسی شیطان وغیرہ نے اس میں کوئی تصرف نہیں کیا؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ قرآن کریم لوحِ محفوظ میں درج ہے، اور اُسے پاک فرشتوں کے سوا کوئی اور چھو بھی نہیں سکتا۔ اگرچہ یہاں ”خوب پاک“ سے مراد فرشتے ہیں، لیکن اس میں ایک اشارہ اس طرف بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح عالمِ بالا میں پاک فرشتے ہی اسے چھوتے ہیں، اسی طرح دنیا میں بھی انہی لوگوں کو چھونا چاہئے جو پاک حالت میں ہوں۔ چنانچہ احادیث میں قرآن کریم کو بغیر وضو کے چھونے کی ممانعت آئی ہے۔



أَفَبِهَذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُذْهِبُونَ ۙ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ۙ فَلَوْلَا إِذَا  
 بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ۙ وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ ۙ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا  
 تُبْصِرُونَ ۙ فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۙ تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۙ فَأَمَّا  
 إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۙ فَرَوْحٌ وَرَیْحَانٌ ۙ وَجَنَّتْ نَعِيمٌ ۙ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ  
 الْيَمِينِ ۙ فَسَلَامٌ لَكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ۙ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ ۙ  
 فَنُزُلٌ مِنْ حَرِيمٍ ۙ وَتَصْلِيَةٌ جَحِيمٍ ۙ إِنَّ هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ۙ فَسَبِّحْ بِاسْمِ  
 رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۙ

۱۱۳۹

کیا پھر بھی تم اس کلام سے بے پروائی برتتے ہو؟ ۱۱ اور تم نے اسی کو اپنا روزگار بنا لیا ہے کہ (اس کو) جھٹلاتے رہو؟ ۱۲  
 پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جب (کسی کی) جان گلے تک پہنچ جاتی ہے، ۱۳ اور اُس وقت تم (حسرت سے اُس کو) دیکھ  
 رہے ہوتے ہو، ۱۴ — اور تم سے زیادہ ہم اُس کے قریب ہوتے ہیں، مگر تمہیں نظر نہیں آتا — ۱۵ اگر تمہارا حساب  
 کتاب ہونے والا نہیں ہے تو ایسا کیوں نہیں ہوتا ۱۶ کہ تم اُس جان کو واپس لے آؤ، اگر تم سچے ہو؟ ۱۷ پھر اگر وہ  
 (مرنے والا) اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہو ۱۸ تو (اُس کے لئے) آرام ہی آرام ہے، خوشبو ہی خوشبو ہے، اور  
 نعمتوں سے بھر اباغ ہے۔ ۱۹ اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہو ۲۰ تو (اُس سے کہا جائے گا کہ:) ”تمہارے  
 لئے سلامتی ہی سلامتی ہے کہ تم دائیں ہاتھ والوں میں سے ہو۔“ ۲۱ اور اگر وہ اُن گمراہوں میں سے ہو جو حق کو  
 جھٹلانے والے تھے ۲۲ تو (اُس کے لئے) کھولتے ہوئے پانی کی مہمانی ہے، ۲۳ اور دوزخ کا داخلہ ہے! ۲۴ اس  
 میں کوئی شک نہیں کہ بالکل صحیح معنی میں یہی یقینی بات ہے۔ ۲۵ لہذا (اے پیغمبر! تم اپنے عظیم پروردگار کا نام لے کر  
 اُس کی تسبیح کرو۔ ۲۶

(۲۲) کافر لوگ قرآن کریم پر ایمان لانے سے جو انکار کرتے تھے، اس کا ایک بڑا حصہ اُن کا یہ دعویٰ تھا کہ ہم مرنے کے بعد  
 دوبارہ زندہ نہیں ہوں گے۔ جیسا کہ اسی سورت کی آیت نمبر ۴۵ میں گزرا ہے۔ اللہ تعالیٰ اب اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ اتنی  
 بات تو تم بھی مانتے ہو کہ اس دُنیا میں جو کوئی آتا ہے، ایک نہ ایک دن اُسے موت ضرور آتی ہے، اور ایسی حالت میں آتی ہے کہ  
 اُس کے عزیز رشتہ دار، دوست احباب اور اُس کے معالج ہر قسم کے جتن کر گزرتے ہیں کہ کسی طرح وہ موت سے بچ جائے، لیکن  
 موت اس طرح آ جاتی ہے کہ وہ سب دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر مرنے کے بعد دوسری زندگی میں حساب و کتاب



ہونا نہیں ہے تو آخر ہر انسان کسی نہ کسی وقت موت کے منہ میں کیوں جا رہا ہے، اور تم اُس کو موت سے بچانے میں اتنے بے بس کیوں ہو؟ دُنیا میں موت اور زندگی کا جو یہ نظام کار فرما ہے، وہ بذاتِ خود اس بات کی دلیل ہے کہ موت اور زندگی کے مالک نے یہ کائنات اس مقصد کے لئے پیدا کی ہے کہ انسان کو عمر بھر کی مہلت دے کر آخر میں اُس سے حساب لیا جائے کہ اُس نے اس مہلت سے کیا فائدہ اٹھایا؟

الحمد للہ! آج بتاریخ ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰ اپریل ۲۰۰۸ء بروز ہفتہ سورہ واقعہ کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اُسے قارئین کے لئے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْحَدِيدِ

## تعارف

اس سورت کی آیت نمبر ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اس موقع پر چونکہ مسلمانوں کے خلاف کافروں کی دشمنی کی کارروائیاں بڑی حد تک دھیمی پڑ گئی تھیں، اور جزیرہ عرب پر مسلمانوں کا تسلط بڑھ رہا تھا، اس لئے اس سورت میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان صفات سے آراستہ کرنے پر زیادہ توجہ دیں جو اُن کے دین کو مطلوب ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہیوں پر مغفرت مانگیں، نیز انہیں ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنا مال خرچ کریں، اور آخرت کی بہبود کو دُنیا کے مال و دولت پر ترجیح دیں جس کے نتیجے میں انہیں آخرت میں ایک ایسا نور عطا ہوگا جو انہیں جنت تک لے جائے گا، جبکہ منافق لوگ اس نور سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ سورت کے آخر میں عیسائیوں کو یاد دلایا گیا ہے کہ جو رہبانیت (ترکِ دُنیا) انہوں نے اختیار کی تھی، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ دُنیا کو بالکل چھوڑ کر بیٹھ جاؤ، بلکہ یہ تاکید فرمائی تھی کہ اسی دُنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو، اور تمام حقوق اُسی کی ہدایت کے مطابق ادا کرو۔ نیز عیسائیوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں تو اس کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اس سورت کی آیت نمبر ۲۵ میں لوہے کا ذکر آیا ہے، لوہے کو عربی میں ”حَدید“ کہتے ہیں، اس لئے سورت کا

نام سورۃ الحديد ہے۔



آیاتها ۲۹ ﴿۵۷﴾ سُورَةُ الْحَدِيدِ مَدَنِيَّةٌ ۹۲ ﴿۵۸﴾ رُكُوعَاتُهَا ۴ ﴿۵۹﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱﴾ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ  
وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲﴾ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ  
وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۳﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ  
اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَدْبُجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا  
يَعْرُجُ فِيهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۴﴾

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں اُن تیس آیتیں اور چار رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے، وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے،<sup>(۱)</sup> اور وہی ہے جو اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی  
مالک۔ ﴿۱﴾ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے، وہی زندگی بخشا اور موت دیتا ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت  
رکھنے والا ہے۔ ﴿۲﴾ وہی اوّل بھی ہے، اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے، اور چھپا ہوا بھی،<sup>(۲)</sup> اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا  
ہے۔ ﴿۳﴾ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر استواء فرمایا۔<sup>(۳)</sup> وہ ہر اُس چیز کو جانتا ہے  
جو زمین میں داخل ہوتی ہے، اور جو اُس سے نکلتی ہے، اور ہر اُس چیز کو جو آسمان سے اُترتی ہے، اور جو اُس میں چڑھتی  
ہے، اور تم جہاں کہیں ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور جو کام بھی تم کرتے ہو، اللہ اُس کو دیکھتا ہے۔ ﴿۴﴾

(۱) دیکھئے سورۃ بنی اسرائیل (۱۷: ۴۴)۔

(۲) اللہ تعالیٰ اوّل اس معنی میں ہے کہ اُس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی، اور وہ ہمیشہ سے موجود ہے۔ وہ آخر اس معنی میں ہے کہ  
جب اس کائنات کی ہر چیز فنا ہو جائے گی، تو وہ اُس وقت بھی موجود رہے گا۔ وہ ظاہر اس لحاظ سے ہے کہ اُس کے وجود، اُس کی  
قدرت اور اُس کی حکمت کی نشانیاں اس کائنات میں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں جو اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ وہ موجود ہے، اور  
چھپا ہوا اس معنی میں ہے کہ یہاں دُنیا میں وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔

(۳) تشریح کے لئے دیکھئے سورۃ اعراف (۷: ۵۴)، سورۃ یونس (۱۰: ۳) اور سورۃ رعد (۱۳: ۲) یہی حقیقت قرآن کریم  
نے سورۃ طہ (۲۰: ۵)، سورۃ فرقان (۲۵: ۵۹)، سورۃ تنزیل السجدہ (۳۲: ۴) اور سورۃ حم السجدہ (۴۱: ۱۱) میں بھی بیان  
فرمائی ہے۔



لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ  
وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۖ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَاسُوْلِهِ وَاَنْفِقُوْا  
مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلِفِيْنَ فِيْهِ ۖ فَاَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ وَمَا لَكُمْ  
لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ  
مُّؤْمِنِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدٍ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۖ  
وَإِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے، اور تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ ۵ وہ رات کو دن  
میں داخل کر دیتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، اور وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ ۶  
اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان رکھو، اور جس (مال) میں اللہ نے تمہیں قائم مقام بنایا ہے، اُس میں سے (اللہ کے راستے  
میں) خرچ کرو۔ چنانچہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے (اللہ کے راستے میں) خرچ کیا ہے، اُن  
کے لئے بڑا اجر ہے۔ ۷ اور تمہارے لئے کوئی وجہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہ رکھو، حالانکہ رسول تمہیں دعوت دے رہے  
ہیں کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان رکھو، اور وہ تم سے عہد لے چکے ہیں، اگر تم واقعی مومن ہو۔ ۸ اللہ وہی تو ہے جو اپنے  
بندے پر کھلی کھلی آیتیں نازل فرماتا ہے، تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ اور یقیناً جانو اللہ تم پر بہت  
شفیق، بہت مہربان ہے۔ ۹

(۴) سورہ آل عمران (۳: ۲۷) میں اس کی تشریح گزر چکی ہے۔ مزید دیکھئے سورہ حج (۲۲: ۶۱)، سورہ لقمان (۳۱: ۲۹) اور  
سورہ فاطر (۳۵: ۱۳)۔

(۵) مال و دولت میں انسان کو قائم مقام بنانے سے دو عظیم حقیقتوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ مال و دولت، خواہ کسی  
قسم کا ہو، اصل میں وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، کیونکہ اُسی نے اُس کو پیدا فرمایا ہے، البتہ اُس نے انسان کو اُس کی ضروریات پوری  
کرنے کے لئے عطا فرمایا ہے، اس لئے انسان اُس کی ملکیت میں اللہ تعالیٰ کا قائم مقام ہے، اور جب وہ قائم مقام ہے تو اُس پر  
لازم ہے کہ وہ اُسے اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی اور اُس کے حکم کے مطابق خرچ کرے۔ اور دوسری حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان جو دولت  
کماتا ہے، وہ اُس سے پہلے کسی اور کے قبضے میں تھی، اور اب خریداری، تحفے یا میراث وغیرہ کے ذریعے سے اُس کے پاس آگئی  
ہے، اس لحاظ سے وہ اپنے سے پچھلے مالک کا قائم مقام یا جانشین ہے۔ اس سے یہ اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ جس طرح یہ دولت تم  
سے پہلے مالک کے پاس ہمیشہ نہیں رہی، بلکہ تمہارے پاس منتقل ہو گئی، اسی طرح یہ تمہارے پاس بھی ہمیشہ نہیں رہے گی، بلکہ کسی  
اور کے پاس چلی جائے گی، اور جب اسے ہمیشہ تمہارے پاس نہیں رہنا، کسی نہ کسی کے پاس جانا ہے تو تمہاری خوش نصیبی یہ ہے کہ  
اس کو ان لوگوں کی طرف منتقل کرو جنہیں دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

(۶) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب کافروں کو ہے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ خطاب اُن مسلمانوں کو ہے جن



وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ  
 أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَتَلُوا ۚ  
 ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا  
 فَيُضْعِفُهُ لَهُ ۖ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ۝

اور تمہارے لئے کوئی وجہ ہے کہ تم اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرو، حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری میراث اللہ ہی کے  
 لئے ہے۔ تم میں سے جنہوں نے (مکہ کی) فتح سے پہلے خرچ کیا، اور لڑائی لڑی، وہ (بعد والوں کے) برابر نہیں ہیں۔ وہ  
 درجے میں اُن لوگوں سے بڑھے ہوئے ہیں جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد خرچ کیا، اور لڑائی لڑی۔ یوں اللہ نے بھلائی  
 کا وعدہ ان سب سے کر رکھا ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ۝  
 کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ اچھا قرض! جس کے نتیجے میں اللہ اُسے دینے والے کے لئے کئی گنا بڑھا دے؟ اور ایسے  
 شخص کو بڑا عزتِ اجر ملے گا ۝

کے ایمان میں کسی قدر کمزوری محسوس کی گئی تھی، جس کی بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ سیاق  
 و سباق کے لحاظ سے شاید یہ دوسری تفسیر زیادہ رائج ہے۔  
 (۷) فتح مکہ (سن ۸ھ) سے پہلے مسلمانوں کی تعداد اور اُن کے وسائل کم تھے، اور دشمنیاں زیادہ، اس لئے اُس زمانے میں جن  
 حضرات نے جہاد کیا، اور اپنا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا، اُن کی قربانیاں زیادہ تھیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ثواب میں  
 بھی اُن کا زیادہ بڑا درجہ رکھا ہے، اور فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کی تعداد اور وسائل میں بھی اضافہ ہو گیا تھا، اور دشمنیاں بھی کم ہو گئی  
 تھیں۔ اس لئے جن حضرات نے فتح مکہ کے بعد جہاد اور صدقات و خیرات میں حصہ لیا، اُن کو اتنی قربانی دینی نہیں پڑی، اس لئے  
 اُن کا درجہ وہاں تک نہیں پہنچا، لیکن اگلے ہی فقرے میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی ہے کہ بھلائی یعنی جنت کی نعمتیں دونوں  
 ہی کو ملیں گی۔

(۸) اللہ تعالیٰ کو نہ مال کی حاجت ہے، نہ کسی سے قرض لینے کی، وہ ہر حاجت سے بے نیاز ہے، لیکن انسان جو کچھ صدقہ خیرات  
 کرتا ہے، یا جہاد اور دینی کاموں میں خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اُسے قرض کے لفظ سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے  
 کہ اللہ تعالیٰ اُس کا صلہ ایسے شخص کو دینا اور آخرت میں اس اہتمام سے عطا فرماتا ہے جیسے کوئی قرض دار اپنا قرض واپس کرتا ہے۔  
 اور اچھے قرض سے مراد یہ ہے کہ وہ پورے خلوص کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیا گیا ہو، دکھاوا  
 مقصود نہ ہو۔ سورہ بقرہ (۲: ۲۴۵) اور سورہ مائدہ (۵: ۱۲) میں بھی اچھے قرض کی یہ تعبیر گزر چکی ہے۔



يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرَاكُمُ  
 الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٩﴾ يَوْمَ يَقُولُ  
 الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُوا نَارَ النَّقْتِيسِ مِنْ نُورِكُمْ ۖ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ  
 فَالْتَمِسُوا نُورًا ۖ فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَهُ بَابٌ ۖ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ  
 الْعَذَابُ ﴿١٠﴾ يُنَادُونَ لَهُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ  
 وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ ﴿١١﴾

اُس دن جب تم مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو دیکھو گے کہ اُن کا نور اُن کے سامنے اور اُن کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا، (اور اُن سے کہا جائے گا کہ:) ”آج تمہیں خوش خبری ہے اُن باغات کی جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں تم ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ یہی ہے جو بڑی زبردست کامیابی ہے۔“ ﴿۹﴾ اُس دن جب منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ: ”ذرا ہمارا انتظار کر لو کہ تمہارے نور سے ہم بھی کچھ روشنی حاصل کر لیں۔“ اُن سے کہا جائے گا کہ: ”تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پھر نور تلاش کرو۔“ پھر اُن کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جس کے اندر کی طرف رحمت ہوگی، اور باہر کی طرف عذاب ہوگا۔ ﴿۱۰﴾ وہ مؤمنوں کو پکاریں گے کہ: ”کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟“ مؤمن کہیں گے کہ: ”ہاں! تھے تو سہی، لیکن تم نے خود اپنے آپ کو فتنے میں ڈال لیا، اور انتظار میں رہے، شک میں پڑے رہے، اور جھوٹی آرزوؤں نے تمہیں دھوکے میں ڈالے رکھا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آگیا، اور وہ بڑا دھوکے باز (یعنی شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکا ہی دیتا رہا۔“ ﴿۱۱﴾

(۹) اس سے مراد غالباً وہ وقت ہے جب تمام لوگ پل صراط سے گزر رہے ہوں گے، وہاں ہر انسان کا ایمان اُس کے سامنے نور بن کر اُسے راستہ دکھائے گا۔

(۱۰) منافق لوگ چونکہ دنیا میں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے، اس لئے شروع میں وہ آخرت میں بھی مسلمانوں کے ساتھ لگ جائیں گے، لیکن جب حقیقی مسلمان تیزی سے آگے نکل جائیں گے تو اُن کے ساتھ وہ نور بھی آگے بڑھ جائے گا، اور منافق لوگ اندھیرے میں پیچھے رہ جائیں گے، اُس وقت وہ اپنے ظاہری طور پر مسلمان ہونے کا حوالہ دے کر آگے جانے والے مسلمانوں کو آواز دیں گے کہ ذرا ہمارا انتظار کر لو، تاکہ تمہارے نور سے ہم بھی فائدہ اٹھا سکیں۔

(۱۱) یعنی یہ فیصلہ پیچھے ہو رہا ہے کہ کس کو نور ملے، کس کو نہ ملے، اس لئے پیچھے جا کر نور حاصل کرنے کی درخواست کرو۔

(۱۲) یعنی اس انتظار میں رہے کہ کب مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئے، اور ہم کھلے بندوں اپنے کفر کا اظہار کریں۔

(۱۳) منافقین اس انتظار اور آرزو میں تھے کہ مسلمانوں کو اُن کے دشمنوں کے ہاتھوں شکست ہو جائے، اور (معاذ اللہ) اسلام کا بالکل خاتمہ ہی ہو جائے۔



فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ مَا أُولَٰئِكَ النَّارُ ۚ هِيَ مَوْلَاكُمْ ۖ وَبِئْسَ  
 الْمَصِيرُ ۝ (۱۵) أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۚ وَلَا  
 يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ  
 مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝ (۱۶) اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ  
 تَعْقِلُونَ ۝ (۱۷) إِنَّ الْمَصْدِقَيْنِ وَالْمَصْدِقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لِيُضْعِفَ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ  
 كَرِيمٌ ۝ (۱۸) وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۖ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ  
 لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ (۱۹)

چنانچہ آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا، اور نہ اُن لوگوں سے جنہوں نے (کھلے بندوں) کفر اختیار کیا تھا۔ تمہارا  
 ٹھکانا دوزخ ہے، وہی تمہاری رکھوالی ہے، اور یہ بہت بُرا انجام ہے۔“ (۱۵)

جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، کیا اُن کے لئے اب بھی وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کے ذکر کے لئے اور جو حق اُترا  
 ہے، اُس کے لئے پہنچ جائیں؟ اور وہ اُن لوگوں کی طرح نہ بنیں جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر اُن پر ایک لمبی مدت  
 گزر گئی، اور اُن کے دل سخت ہو گئے، اور (آج) اُن میں سے بہت سے نافرمان ہیں؟ (۱۶) خوب سمجھ لو کہ اللہ زمین کو  
 اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشا ہے۔ ہم نے تمہارے لئے نشانیاں کھول کھول کر واضح کر دی ہیں، تاکہ تم سمجھ  
 سے کام لو۔ (۱۷) یقیناً وہ جو صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں ہیں — اور انہوں نے اللہ کو قرض دیا ہے،  
 اچھا قرض — اُن کے لئے اُس (صدقے) کو کئی گنا بڑھا دیا جائے گا، اور اُن کے لئے باعزت اجر ہے۔ (۱۸) اور جو  
 لوگ اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں، وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔ اُن کے لئے اُن  
 کا اجر اور اُن کا نور ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا، اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، وہ دوزخی لوگ ہیں۔ (۱۹)

(۱۴) یعنی جن مسلمانوں سے اب تک کچھ غلطیاں ہوئی ہیں، اور وہ اپنے ایمان کے تمام تقاضے پورے نہیں کر سکے، انہیں مایوس  
 نہیں ہونا چاہئے، جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ پڑی ہوئی زمین کو زندگی بخشا ہے، اُسی طرح وہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرما کر  
 انہیں بھی نئی زندگی بخش دیتا ہے۔

(۱۵) ”صدیق“ کے معنی ہیں وہ شخص جو اپنے قول و فعل کا سچا ہو، اور یہ انبیائے کرام کے بعد پرہیزگاری کا سب سے اُونچا درجہ  
 ہے، جیسا کہ سورہ نساء (۷۰:۴) میں گذرا ہے، اور ”شہید“ کے لفظی معنی تو گواہ کے ہیں، اور قیامت میں اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا  
 الصلوٰۃ والسلام) کے پرہیزگار افراد پچھلے انبیائے کرام (علیہم السلام) کے حق میں گواہی دیں گے، جیسا کہ سورہ بقرہ (۱۲۳)  
 میں گذرا ہے، نیز شہید اُن حضرات کو بھی کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے اپنی جان کی قربانی پیش



اعْلَمُوا أَنَّهَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ زِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ  
وَالْأَوْلَادِ ۖ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ  
حُطَامًا ۖ وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۚ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ ۚ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا  
إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝ سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ  
وَالْأَرْضِ ۚ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ  
وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

خوب سمجھ لو کہ اس دُنیا والی زندگی کی حقیقت بس یہ ہے کہ وہ نام ہے کھیل کود کا، ظاہری سجاوٹ کا، تمہارے ایک دوسرے پر فخر جتانے کا، اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنے کا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش جس سے اُگنے والی چیزیں کسانوں کو بہت اچھی لگتی ہیں، پھر وہ اپنا زور دکھاتی ہے، پھر تم اُس کو دیکھتے ہو کہ زرد پڑ گئی ہے، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے۔ اور آخرت میں (ایک تو) سخت عذاب ہے، اور (دوسرے) اللہ کی طرف سے بخشش ہے، اور خوشنودی — اور دُنیا والی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ ۝

ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور اُس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی جیسی ہے، یہ اُن لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جو وہ جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ ۝

کریں۔ یہاں یہ بات منافقوں کے مقابلے میں فرمائی جا رہی ہے کہ صرف زبان سے ایمان کا دعویٰ کر کے کوئی شخص صدیق اور شہید کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا، بلکہ وہی لوگ یہ درجہ حاصل کر سکتے ہیں جو دل سے سچا اور پکا ایمان لائے ہوں، یہاں تک کہ اس ایمان کے آثار اُن کی عملی زندگی میں پوری طرح ظاہر ہوں۔

(۱۶) یہاں اللہ تعالیٰ نے اُن دلچسپیوں کا ذکر فرمایا ہے جن سے انسان اپنی زندگی کے مختلف مرحلوں میں دل لگاتا ہے۔ بچپن میں ساری دلچسپی کھیل کود سے ہوتی ہے، اور جوانی کے دور میں زیب و زینت اور سجاوٹ کا شوق پیدا ہوتا ہے، اور اس زیب و زینت اور دُنیا کے ساز و سامان میں ایک دوسرے کے سامنے اپنی برتری جتانے اور اُس پر فخر کرنے کا ذوق ہوتا ہے۔ پھر بڑھاپے میں مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کو ہی انسان دلچسپی کا مرکز بنا لیتا ہے۔ اور ہر مرحلے میں انسان جس چیز کو اپنی دلچسپی کی معراج سمجھتا ہے، اگلے مرحلے میں وہ بے حقیقت معلوم ہونے لگتی ہے، بلکہ بعض اوقات انسان اُس پر ہنستا ہے کہ میں



مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا ۚ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٢٢﴾ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَافَاتِكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿٢٣﴾ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَا مُرُونِ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۗ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٤﴾

کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں نازل ہوتی یا تمہاری جانوں کو لاحق ہوتی ہو، مگر وہ ایک کتاب میں اُس وقت سے درج ہے جب ہم نے ان جانوں کو پیدا بھی نہیں کیا تھا۔<sup>(۱۷)</sup> یقین جانو یہ بات اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ ﴿۲۲﴾ یہ اس لئے تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے، اُس پر تم غم میں نہ پڑو، اور جو چیز اللہ تمہیں عطا فرمادے، اُس پر تم اتر اؤ نہیں، اور اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اتر اہٹ میں مبتلا ہو، شخی بگھارنے والا ہو، ﴿۲۳﴾ وہ ایسے لوگ ہیں جو کنجوسی کرتے ہیں، اور دوسرے لوگوں کو بھی کنجوسی کی تلقین کرتے ہیں۔<sup>(۱۸)</sup> اور جو شخص منہ موڑ لے تو یاد رکھو کہ اللہ ہی ہے جو سب سے بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف! ﴿۲۴﴾

نے کس چیز کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھا ہوا تھا۔ آخرت میں پہنچ کر انسان کو پتہ چلے گا کہ یہ ساری دلچسپیاں بے حقیقت تھیں، اور اصل حاصل کرنے کی چیز تو یہ آخرت کی خوش حالی تھی۔  
 ﴿۱۷﴾ کتاب سے مراد یہاں لوح محفوظ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قیامت تک ہونے والے تمام واقعات پہلے سے لکھے ہوئے ہیں۔

﴿۱۸﴾ جس شخص کا اس بات پر ایمان ہو کہ دُنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اُسی تقدیر کے مطابق ہو رہا ہے جو لوح محفوظ میں پہلے سے لکھی ہوئی ہے، اُسے کسی ناگوار واقعے پر اتنا صدمہ نہیں ہوتا جو اُسے دائمی پریشانی اور حسرت میں مبتلا رکھے، بلکہ یہ چیز اُس کی تسلی کا باعث ہوتی ہے کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا تھا، وہی ہوا، اور یہ کہ اس دُنیا کی تکلیفیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اسی طرح اگر کوئی خوشی کا واقعہ پیش آتا ہے تو انسان اس پر اتر کر تکبر میں مبتلا نہیں ہوتا، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور تقدیر کے مطابق ہے، اور اس پر انسان کو اترانے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہئے۔

﴿۱۹﴾ چونکہ اس سورت میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنا مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اس لئے یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ تقدیر پر ایمان نہیں رکھتے، وہ اپنے مال کو تنہا اپنی کوشش کا پھل سمجھ کر شخی بگھارتے ہیں، اور نیک کاموں کے لئے کچھ خرچ کرنے میں کنجوسی سے کام لیتے ہیں۔



لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ  
وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنْفَعَةٌ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ  
بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا  
النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ ۚ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی ہوئی نشانیاں دے کر بھیجا، اور اُن کے ساتھ کتاب بھی اُتاری، اور ترازو بھی (۲۰) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں، اور ہم نے لوہا اُتارا جس میں جنگی طاقت بھی ہے، اور لوگوں کے لئے دوسرے فائدے بھی، اور یہ اس لئے تاکہ اللہ جان لے کہ کون ہے جو اُس کو دیکھے بغیر اُس (کے دین) کی اور اُس کے پیغمبروں کی مدد کرتا ہے۔ یقین رکھو کہ اللہ بڑی قوت کا، بڑے اقتدار کا مالک ہے۔ (۲۱) اور ہم نے نوح کو اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا، اور ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ جاری کیا۔ پھر ان میں سے کچھ تو ہدایت پر آ گئے، اور ان میں سے بہت سے لوگ نافرمان رہے۔ (۲۲)

(۲۰) ترازو اصل میں اُس آلے کو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز تولی جائے، اُس کو اُتارنے کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ترازو پیدا کی ہے، اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے مطابق انصاف سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ اور درحقیقت انبیائے کرام اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ ترازو کا ذکر کرنے سے اشارہ یہ ہے کہ انسان کو چاہئے کہ اپنی زندگی کے ہر مرحلے پر توازن اور اعتدال سے کام لے، اور یہی توازن اور اعتدال انبیائے کرام اور آسمانی کتابوں کی تعلیمات میں پایا جاتا ہے۔

(۲۱) لوہا اُن دھاتوں میں سے ہے جس کی ہر صنعت میں ضرورت پڑتی ہے، اس لئے اس کی تخلیق بذات خود اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، لیکن انبیائے کرام، آسمانی کتابوں اور ترازو کے بعد اُس کو ذکر فرما کر اشارہ یہ دیا گیا ہے کہ انسانوں کی اصلاح کا اصل ذریعہ انبیائے کرام اور ان کی لائی ہوئی کتابوں کی تعلیمات ہیں، ان پر ٹھیک ٹھیک عمل ہو جائے تو دنیا میں انصاف قائم ہو سکتا ہے، لیکن شرکی بہت سی طاقتیں ایسی ہیں جو ان تعلیمات سے سدھرنے کے بجائے بگڑی ہی رہتی ہیں، اور انصاف قائم کرنے کے بجائے فساد پھیلاتی ہیں، اُن کی سرکوبی کے لئے اللہ تعالیٰ نے لوہا اُتارا ہے جس سے جنگی طاقت کا سامان تیار ہوتا ہے، اور آخر میں جہاد کے لئے اُسے استعمال کرنا پڑتا ہے۔

(۲۲) یعنی اللہ تعالیٰ کی طاقت اور اس کا اقتدار اتنا بڑا ہے کہ اُسے شرکی طاقتوں کو کچلنے کے لئے کسی انسان کی مدد کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اُس نے انسانوں کو جہاد کا مکلف اس لئے فرمایا ہے تاکہ اُن کی آزمائش ہو، اور یہ بات نکھر کر سامنے آجائے کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت میں جان کی بازی لگاتا ہے، اور کون ہے جو سرکشی اختیار کرتا ہے۔



ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ ۚ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ  
الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَافِقَةً ۖ وَرَاحَةً ۖ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ  
رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ  
فَاسِقُونَ ﴿٢٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرُسُلِهِ يُؤْتِكُمْ كُفْلًا مِّن رَّحْمَتِهِ  
وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٥﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ  
الْكِتَابِ إِلَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّن فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۗ  
وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٦﴾

پھر ہم نے اُن کے پیچھے اُنہی کے نقش قدم پر اپنے اور پیغمبر بھیجے، اور اُن کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا، اور انہیں انجیل عطا  
کی، اور جن لوگوں نے اُن کی پیروی کی، اُن کے دلوں میں ہم نے شفقت اور رحم دلی پیدا کر دی۔ اور جہاں تک  
رہبانیت کا تعلق ہے، وہ انہوں نے خود ایجاد کر لی تھی، ہم نے اُس کو ان کے ذمے واجب نہیں کیا تھا، لیکن انہوں نے  
اللہ کی خوشنودی حاصل کرنی چاہی، پھر اُس کی ویسی رعایت نہ کر سکے جیسے اُس کا حق تھا۔ غرض اُن میں سے جو ایمان  
لائے تھے، اُن کو ہم نے اُن کا اجر دیا، اور ان میں سے بہت لوگ نافرمان ہی رہے۔ ﴿۲۴﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو،  
اور اُس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ، تاکہ وہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصے عطا فرمائے، اور تمہارے لئے وہ نور پیدا کرے جس  
کے ذریعے تم چل سکو، اور تمہاری بخشش فرمادے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے، ﴿۲۵﴾ تاکہ اہل کتاب کو معلوم  
ہو جائے کہ اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر انہیں کوئی اختیار نہیں ہے، اور یہ کہ فضل تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے جو وہ  
جس کو چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے، اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے۔ ﴿۲۶﴾

﴿۲۳﴾ یوں تو شفقت اور رحم دلی سارے ہی انبیائے کرام کی تعلیمات میں شامل رہی ہے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی  
تعلیمات میں اس پر بہت زیادہ زور دیا گیا تھا، اور بظاہر اُن کی شریعت میں جہاد اور قتال کے احکام بھی نہیں تھے، اس لئے اُن کے  
متبعین میں شفقت و رحمت ہی کا پہلو بہت نمایاں تھا۔

﴿۲۴﴾ رہبانیت کا مطلب ہے دُنیا کی لذتوں سے الگ رہنا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے کافی  
عرصے بعد عیسائیوں نے ایک خانقاہی نظام ایسا بنایا تھا کہ جو لوگ اس میں داخل ہو جاتے، وہ دُنیا سے الگ تھلگ رہتے تھے، نہ  
شادی کرتے تھے، نہ دُنیا کی کسی لذت میں حصہ لیتے تھے، ان کے اس خانقاہی نظام کو ”رہبانیت“ کہا جاتا ہے۔ اس کی ابتدا اس  
طرح ہوئی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکاروں پر مختلف بادشاہوں نے بڑے ظلم ڈھائے تو انہوں نے اپنے دین کو  
بچانے کے لئے شہروں سے دُور رہنا شروع کر دیا جہاں دُنیا کی عام سہولیات میسر نہیں تھیں، اور رفتہ رفتہ اسی مشکل طرزِ زندگی کو



بذاتِ خود عبادت سمجھ لیا، اور بعد کے لوگوں نے وسائل دستیاب ہونے کے باوجود اُن کو چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس مشکل طرزِ زندگی کا ہم نے اُنہیں حکم نہیں دیا تھا۔

(۲۵) مطلب یہ ہے کہ شروع میں انہوں نے رہبانیت کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہی اپنایا تھا، لیکن بعد میں وہ اُس کی پوری رعایت نہیں رکھ سکے۔ رعایت نہ رکھنے کے دو پہلو ہیں، ایک یہ کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اُن پر لازم نہیں کیا تھا، انہوں نے اُسے لازم سمجھ لیا، حالانکہ دین میں اپنی طرف سے کسی ایسی بات کو لازم سمجھنا جائز نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے لازم نہ فرمائی ہو، اور دوسرے یہ کہ جو باتیں انہوں نے اپنے ذمے لازم کی تھیں، اُن کی عملی طور پر پابندی نہ کر سکے۔ چونکہ یہ پابندیاں انسانی فطرت کے خلاف تھیں، اس لئے رفتہ رفتہ بشری تقاضوں نے زور دکھایا، اور مختلف حیلوں بہانوں سے یا خفیہ طور پر ان لذتوں کا حصول شروع ہو گیا۔ پابندی تو نکاح پر بھی تھی، لیکن اس پابندی کے نتیجے میں بدکاری کی وبا میں پھوٹ پڑی، اور جس مقصد سے رہبانیت شروع کی گئی تھی، وہ سراسر ناکام ہو کر رہ گیا۔

(۲۶) یہ ان اہل کتاب کا ذکر ہے جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے۔ اُن کے بارے میں سورہ قصص (۵۴:۲۸) میں بھی یہ گزرا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ دُہرا ثواب عطا فرمائیں گے، کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر بھی ایمان رکھا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے۔

(۲۷) اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ وہ نور جہاں بھی تم جاؤ گے، تمہارے ساتھ رہے گا، اور دُوسرا مطلب یہ ہے کہ پل صراط پر وہ تمہارے لئے روشنی پیدا کرے گا جس میں تم چل سکو گے۔

(۲۸) اس فقرے میں اہل کتاب کا تذکرہ فرماتے ہوئے دو اہم حقیقتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ جو یہودی یا عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تھے، ان میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو صرف اس حسد کے مارے ایمان سے محروم رہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم بنو اسرائیل کے بجائے بنو اسماعیل میں کیوں بھیج دیئے گئے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ نبوت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے، یہ تمہارے اختیار کا معاملہ نہیں ہے کہ جس کو تم چاہو، اُسی کو دیا جائے۔ دُوسری حقیقت یہ ہے کہ عیسائیوں میں ایک زمانے میں یہ طریقہ عام ہو گیا تھا کہ عیسائی پادری پیسے لے کر لوگوں کے لئے مغفرت نامے جاری کر دیتے تھے، وہ مغفرت نامہ مرنے والے کے ساتھ ہی دفن کیا جاتا، اور یہ سمجھا جاتا کہ مغفرت کے اس پروانے سے مُردے کی بخشش ہو جائے گی۔ آیت کریمہ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل کسی بندے کے اختیار میں نہیں ہوتا، یہ تمام تر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ کس کو اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

الحمد للہ! سورہ حدید کے ترجمے اور تشریحی حواشی کی آج بروز شنبہ ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۳ مئی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے ساتھ تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ الْمَحْجَاةِ

## تعارف

اس سورت میں بنیادی طور پر چار اہم موضوعات کا بیان ہے۔ پہلا موضوع ”ظہار“ ہے۔ اہل عرب میں یہ طریقہ تھا کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے یہ کہہ دیتا تھا کہ ”اَنْتِ عَلٰی كَظْهَرِ اُمِّی“ یعنی تم میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہو۔ جاہلیت کے زمانے میں اس کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایسا کہنے سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ سورت کی ابتدا میں اسی کے احکام کا بیان ہے جس کی تفصیل ان شاء اللہ ان آیتوں کے حواشی میں آنے والی ہے۔ دوسرا موضوع یہ ہے کہ بعض یہودی اور منافقین آپس میں اس طرح سرگوشیاں کیا کرتے تھے جس سے مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ وہ ان کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں، نیز بعض صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں کوئی مشورہ یا کوئی اور بات کرنا چاہتے تھے۔ اس سورت میں ان خفیہ باتوں کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔ تیسرا موضوع ان آداب کا بیان ہے جو مسلمانوں کو اپنی اجتماعی مجلسوں میں ملحوظ رکھنے چاہئیں۔ چوتھا اور آخری موضوع ان منافقوں کا تذکرہ ہے جو ظاہر میں تو ایمان کا اور مسلمانوں سے دوستی کا دعویٰ کرتے تھے، لیکن درحقیقت وہ ایمان نہیں لائے تھے، اور درپردہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کرتے رہتے تھے۔

سورت کا نام ”مجادلہ“ (یعنی بحث کرنا) اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے جس میں ایک خاتون کے بحث کرنے کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ خاتون کا یہ واقعہ نیچے حاشیہ نمبر ۱ میں آ رہا ہے۔



﴿آیتھا ۲۲﴾ ﴿سُورَةُ الْمَجَادِلَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۵﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۳﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۖ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝ (۱) الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُم مِّن نِّسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ ۖ إِنَّ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا آلٌ وَلَدْنَهُمْ ۖ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا ۖ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ۝ (۲)

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں بائیس آیات اور تین رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) اللہ نے اُس عورت کی بات سن لی ہے جو تم سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث کر رہی ہے، اور اللہ سے فریاد کرتی جاتی ہے۔ (۱) اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے دیکھنے والا ہے۔ (۱) تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، (ان کے اس عمل سے) وہ بیویاں اُن کی مائیں نہیں ہو جاتیں۔ اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے اُن کو جنم دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی بات کہتے ہیں جو بہت بُری ہے، اور جھوٹ ہے، (۲) اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بہت بخشنے والا ہے۔ (۲)

(۱) اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت خولہؓ ایک خاتون تھیں جو حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں جو بوڑھے ہو چکے تھے، اور ایک مرتبہ انہوں نے اپنی اہلیہ کو یہ کہہ دیا کہ: ”تم میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہو“ (یعنی میں نے تم کو اپنے اوپر ماں کی پشت کی طرح حرام کر لیا ہے)۔ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ جملہ کہہ دے تو اسی کو ”ظہار“ کہتے ہیں۔ اسلام سے پہلے ظہار کے نتیجے میں میاں بیوی ہمیشہ کے لئے جدا ہو جایا کرتے تھے، اور پھر ان کے ملاپ کا کوئی راستہ نہیں رہتا تھا۔ اگرچہ حضرت اوس بن صامتؓ یہ جملہ جذبات میں آکر کہہ تو گئے تھے، لیکن بعد میں شرمندہ ہوئے تو یہ خاتون پریشان ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، اور آپ سے پوچھا کہ اس صورت حال کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں ابھی میرے پاس کوئی حکم نہیں آیا، اور یہ شبہ ظاہر فرمایا کہ شاید تم اپنے شوہر کے لئے حرام ہو چکی ہو۔ اس پر خاتون نے بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ: ”میرے شوہر نے مجھ سے طلاق کا کوئی لفظ تو نہیں کہا“ اُن کے اسی بار بار کہنے کو آیت میں بحث کرنے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور اُس کے ساتھ ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے فریاد شروع کر دی کہ: ”یا اللہ! میں آپ سے فریاد کرتی ہوں کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جو ضائع ہو جائیں گے۔“ پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر بار بار کہتی ہی رہیں کہ: ”یا اللہ! میں آپ سے فریاد کرتی ہوں۔“ ابھی وہ یہ فریاد کر رہی تھیں کہ یہ آیات نازل ہو گئیں جن میں ظہار کا حکم اور اُس سے رجوع کرنے کا طریقہ بتلایا گیا۔ (خلاصہ از تفسیر ابن کثیر)۔

(۲) یعنی ایسا کہنا گناہ ہے، لیکن اگلے ہی جملے میں اشارہ فرما دیا گیا ہے کہ اگر کوئی اس گناہ سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرما دیں گے۔



وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّ ۖ ذَلِكُمْ تُوَعُّظُونَ بِهِ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝۳ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّ ۖ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۖ ذَلِكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۴ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝۵ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۖ أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ ۖ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝۶

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر انہوں نے جو کچھ کہا ہے، اُس سے رُجوع کرتے ہیں، تو اُن کے ذمے ایک غلام آزاد کرنا ہے، قبل اس کے کہ وہ (میاں بیوی) ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔<sup>(۳)</sup> یہ ہے وہ بات جس کی تمہیں نصیحت کی جا رہی ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔<sup>(۴)</sup> پھر جس شخص کو غلام میسر نہ ہو، اُس کے ذمے دو متواتر مہینوں کے روزے ہیں، قبل اس کے کہ وہ (میاں بیوی) ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ پھر جس کو اس کی بھی استطاعت نہ ہو، اُس کے ذمے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ یہ اس لئے تاکہ تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں، اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔<sup>(۵)</sup>

یقین رکھو کہ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ایسے ہی ذلیل ہوں گے جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے تھے، اور ہم نے کھلی کھلی آیتیں نازل کر دی ہیں، اور کافروں کے لئے ایسا عذاب ہے جو خوار کر کے رکھ دے گا،<sup>(۶)</sup> اُس دن جب اللہ ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا، پھر انہیں بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا تھا۔ اللہ نے اُسے گن گن کر محفوظ کر رکھا ہے، اور یہ اُسے بھول گئے ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا گواہ ہے۔<sup>(۷)</sup>

<sup>(۳)</sup> یہاں سے ظہار کا حکم بیان فرمایا جا رہا ہے، اور وہ یہ کہ ظہار کے بعد میاں بیوی کے لئے اپنے مخصوص تعلقات، یعنی جماع، بوس و کنار وغیرہ جائز نہیں رہتے، البتہ ظہار سے رُجوع ہو سکتا ہے، جس کے بعد میاں بیوی والے تعلقات بحال ہو جاتے ہیں، لیکن اس کے لئے کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔ ان آیتوں میں کفارہ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کے لئے ایک غلام کو آزاد کرنا ممکن ہو تو اُس کے ذمے واجب ہے کہ وہ غلام آزاد کرنے کی صورت میں کفارہ ادا کرے، لیکن اگر کسی کو غلام کی قدرت نہ ہو، (جیسے کہ آج کل غلاموں کا وجود ہی نہیں رہا) تو اُس کو دو مہینے متواتر روزے رکھنے ہوں گے، اور اگر کوئی شخص بڑھا پے یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے روزے بھی نہ رکھ سکے تو وہ ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے تو اس سے بھی کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔ کفارہ ادا کرنے کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے حلال ہو جاتے ہیں۔



أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا آدْنَىٰ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرُ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۵﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَجَّوْنَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ ۖ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ ۚ وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ ۚ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۖ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۶﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ اُسے جانتا ہے؟ کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو، اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں، اللہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر وہ قیامت کے دن انہیں بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا تھا۔ بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ﴿۵﴾ کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں سرگوشی کرنے سے منع کر دیا گیا تھا، پھر بھی وہ وہی کام کرتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا؟ اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایسی سرگوشیاں کرتے ہیں جو گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اور (اے پیغمبر!) جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو تمہیں ایسے طریقے سے سلام کرتے ہیں جس سے اللہ نے تمہیں سلام نہیں کیا، اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ: ”ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں، اُس پر اللہ ہمیں سزا کیوں نہیں دے دیتا؟“ — جہنم ہی ان کی (خبر لینے) کے لئے کافی ہے، وہ اسی میں جا پہنچیں گے، اور وہ پہنچنے کی بہت بُری جگہ ہے۔ ﴿۶﴾

(۴) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد وہاں کے یہودیوں سے امن و امان کے ساتھ رہنے کا معاہدہ فرمایا تھا۔ دوسری طرف یہودیوں کو مسلمانوں سے جو ولی بغض تھا، اُس کی بنا پر وہ مختلف ایسی شرارتیں کرتے رہتے تھے جو مسلمانوں کے لئے تکلیف کا باعث ہوں، چنانچہ ایک شرارت یہ تھی کہ بعض اوقات جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو آپس میں اس طرح کا نا پھوسی اور ایسے اشارے شروع کر دیتے تھے جیسے وہ ان کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہوں۔ بعض منافقین بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ اس طرح عمل سے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی تھی، اس لئے انہیں اس طرح کی سرگوشیاں کرنے سے منع کر دیا گیا تھا، اس کے باوجود وہ اس سے باز نہیں آئے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

(۵) یہودیوں کی ایک اور شرارت یہ تھی کہ جب وہ مسلمانوں سے ملتے تو ”السَّلام علیکم“ کہنے کے بجائے ”السَّام علیکم“ کہتے تھے۔ السَّلام علیکم کے معنی ہیں: ”تم پر سلامتی ہو“ اور السَّام علیکم کے معنی ہیں کہ ”تم پر ہلاکت ہو“ چونکہ دونوں لفظوں میں صرف ایک لام کا فرق ہے، اس لئے بولتے وقت سننے والے خیال بھی نہیں کرتے تھے، لیکن وہ لوگ اس طرح اپنے بغض کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس آیت میں ان کی اسی شرارت کی طرف اشارہ ہے۔

(۶) اپنی مذکورہ بالا شرارتوں کے بعد وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اگر ہماری یہ باتیں غلط ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر سزا کیوں نہیں دیتا، اور



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩﴾ إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَا رِهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا فَانْشُرُوا يَرَفِعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ ۖ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١﴾

اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے سرگوشی کرو تو ایسی سرگوشی نہ کرو جو گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی پر مشتمل ہو، ہاں ایسی سرگوشی کرو جو نیک کاموں اور تقویٰ پر مشتمل ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب کو جمع کر کے لے جایا جائے گا۔ ﴿۹﴾ ایسی سرگوشی تو شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، تاکہ وہ ایمان والوں کو غم میں مبتلا کرے، اور وہ اللہ کے حکم کے بغیر انہیں ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ ﴿۱۰﴾

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں دوسروں کے لئے گنجائش پیدا کرو، تو گنجائش پیدا کر دیا کرو، اللہ تمہارے لئے وسعت پیدا کرے گا، اور جب کہا جائے کہ اٹھ جاؤ، تو اٹھ جاؤ، تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے، اللہ ان کو درجوں میں بلند کرے گا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۱﴾

چونکہ ہم پر کوئی سزا مسلط نہیں ہو رہی، اس لئے ثابت ہوا کہ ہم برحق ہیں۔

﴿۷﴾ اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے ساتھ اس چبوترے پر تشریف فرما تھے جسے صفہ کہا جاتا ہے۔ آپ کے ارد گرد بہت سے صحابہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں کچھ ایسے بزرگ صحابہ آئے جو غزوہ بدر میں شریک تھے، اور ان کا درجہ اونچا سمجھا جاتا تھا۔ ان کو مجلس میں بیٹھنے کی جگہ نہ ملی تو وہ کھڑے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکائے مجلس سے فرمایا کہ وہ ذرا سمٹ کر آنے والوں کے لئے جگہ پیدا کریں، اس کے باوجود ان کے لئے جگہ کافی نہ ہوئی تو آپ نے بعض شرکائے مجلس سے فرمایا کہ وہ اٹھ جائیں، اور آنے والوں کے لئے جگہ خالی کر دیں۔ اس پر کچھ منافقین نے برا منایا کہ لوگوں کو مجلس سے اٹھایا جا رہا ہے۔ عام طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول نہیں تھا، لیکن شاید کچھ منافقین نے آنے والوں کو جگہ دینے میں تردد کیا ہو، اس لئے آپ نے انہیں اٹھا دیا ہو۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں ایک تو مجلس کا عام حکم بیان فرمایا گیا کہ آنے والوں کے لئے گنجائش پیدا کرنی چاہئے، اور دوسرے یہ حکم بھی واضح کر دیا گیا کہ اگر مجلس کا سربراہ کسی وقت محسوس کرے کہ آنے والوں کے لئے جگہ خالی کرنی چاہئے تو وہ مجلس میں پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو یہ حکم دے سکتا ہے کہ وہ اٹھ کر نئے آنے والوں کو بیٹھنے کی جگہ دیں۔ البتہ کوئی نیا آنے والا خود کسی کو اٹھنے پر مجبور نہیں کر سکتا، جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم مذکور ہے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِ مُوَابِقِينَ يَدَىٰ نَجْوِكُمْ صَدَقَةٌ ۖ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ ۖ فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۲ ءَأَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَىٰ نَجْوِكُمْ صَدَقَاتٍ ۖ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۖ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝۱۳ اَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۚ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكُذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝۱۴

اے ایمان والو! جب تم رسول سے تنہائی میں کوئی بات کرنا چاہو تو اپنی اس تنہائی کی بات سے پہلے کچھ صدقہ کر دیا کرو۔<sup>(۸)</sup> یہ طریقہ تمہارے حق میں بہتر اور زیادہ ستھرا طریقہ ہے۔ ہاں اگر تمہارے پاس (صدقہ کرنے کے لئے) کچھ نہ ہو تو اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔<sup>(۱۲)</sup> کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ اپنی تنہائی کی بات سے پہلے صدقات دیا کرو؟ اب جبکہ تم ایسا نہیں کر سکتے، اور اللہ نے تمہیں معاف کر دیا تو تم نماز قائم کرتے رہو، اور زکوٰۃ دیتے رہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو۔<sup>(۹)</sup> اور جو کام بھی تم کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔<sup>(۱۳)</sup> کیا تم نے اُن کو نہیں دیکھا جنہوں نے ایسے لوگوں کو دوست بنایا ہوا ہے جن پر اللہ کا غضب ہے؟<sup>(۱۰)</sup> یہ نہ تو تمہارے ہیں، اور نہ اُن کے، اور یہ جانتے بوجھتے جھوٹی باتوں پر قسمیں کھا جاتے ہیں۔<sup>(۱۴)</sup>

(۸) جو لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں بات کرنے کا وقت مانگتے تھے، بعض اوقات وہ غیر ضروری طور پر آپ کا زیادہ وقت لے لیتے تھے، چونکہ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص آپ سے بات کرتا تو خود سے اُس کی بات نہیں کاٹتے تھے، اس لئے بعض لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے جن میں کچھ منافقین بھی شامل تھے۔ چنانچہ اس آیت نے یہ حکم دیا تھا کہ جو کوئی شخص آپ سے تنہائی میں بات کرنا چاہے، وہ پہلے کچھ غریبوں کو صدقہ خیرات کر کے آئے۔ البتہ ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا گیا تھا کہ اگر کسی کے پاس صدقہ کرنے کی استطاعت نہ ہو تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ صدقے کی کوئی مقدار متعین نہیں فرمائی گئی تھی، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ تنہائی کا وقت لیا تو ایک دینار صدقہ کیا تھا۔ اس کی ایک مصلحت یہ تھی کہ وہی لوگ تنہائی میں آپ کا وقت لیں جنہیں واقعی ضرورت ہو۔ اگلی آیت میں اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا جیسا کہ اگلے حاشیہ میں آ رہا ہے۔

(۹) صدقہ کرنے کا جو حکم پچھلی آیت میں دیا گیا تھا، اس آیت نے اُس کو منسوخ کر دیا، کیونکہ جس مقصد سے وہ حکم دیا گیا تھا، وہ پورا ہو چکا تھا، لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت لینے سے احتیاط کرنے لگے تھے، اور منافقین کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر وہ اب بھی پہلے جیسا طرز عمل جاری رکھیں گے تو ان کا راز کھل جائے گا۔ چنانچہ اس آیت نے فرمایا کہ اب صدقہ کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ اپنے دوسرے دینی فرائض مثلاً نماز اور زکوٰۃ وغیرہ ادا کرتے رہو۔

(۱۰) اس سے مراد منافقین ہیں جنہوں نے یہودیوں سے ایسی دوستی گانٹھی ہوئی تھی جس کے نتیجے میں وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔



أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً  
فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنْ  
اللَّهِ شَيْئًا ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ  
لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿۱۸﴾ اسْتَحْوَذَ  
عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۖ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۖ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ  
الْخَاسِرُونَ ﴿۱۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللَّهُ  
لَا غَلِبِينَ أَنَا وَرُسُلِي ۖ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ  
يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ  
عَشِيرَتَهُمْ ۖ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ  
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ رَاضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَاضُوا عَنْهُ ۖ أُولَٰئِكَ حِزْبُ  
اللَّهِ ۖ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۲۲﴾

اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت بُرے ہیں وہ کام جو یہ کرتے رہے ہیں۔ ﴿۱۵﴾ انہوں نے اپنی قسموں کو ایک ڈھال بنالیا ہے، پھر وہ دُوسروں کو اللہ کے راستے سے روکتے رہے ہیں۔ اس لئے ان کے لئے ایسا عذاب ہے جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ ﴿۱۶﴾ ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلے میں اُن کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ یہ دوزخ والے لوگ ہیں۔ یہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے۔ ﴿۱۷﴾ جس دن اللہ ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا تو اُس کے سامنے بھی یہ اُسی طرح قسمیں کھائیں گے جیسے تمہارے سامنے کھاتے ہیں، اور یہ سمجھیں گے کہ انہیں کوئی سہارا مل گیا ہے۔ یاد رکھو یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۸﴾ ان پر شیطان نے پوری طرح قبضہ جما کر انہیں اللہ کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ یہ شیطان کا گروہ ہے۔ یاد رکھو شیطان کا گروہ ہی نامراد ہونے والا ہے۔ ﴿۱۹﴾ بیشک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ذلیل ترین لوگوں میں شامل ہیں۔ ﴿۲۰﴾ اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب آئیں گے۔ یقین رکھو کہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اِقتدار والا ہے۔ ﴿۲۱﴾ جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، ان کو تم ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ اُن سے دوستی رکھتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی ہے، چاہے وہ اُن کے باپ ہوں، یا اُن کے بیٹے یا اُن



کے بھائی یا اُن کے خاندان والے یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا ہے، اور اپنی رُوح سے اُن کی مدد کی ہے، اور انہیں وہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہو گیا ہے، اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ہیں۔ یہ اللہ کا گروہ ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔ (۲۲)

(۱۱) یعنی جس طرح ڈھال سے تلوار کے وار کو روکا جاتا ہے، یہ لوگ سازشیں کرنے کے باوجود قسمیں کھا کر اپنے مسلمان ہونے کا یقین دلاتے ہیں، تاکہ مسلمانوں کی طرف سے کسی جوابی کارروائی سے بچ سکیں۔

(۱۲) سورہ آل عمران (۲۸:۳) کے حاشیہ میں تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ غیر مسلموں سے کس قسم کی دوستی جائز اور کس قسم کی ناجائز ہے۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۰ مئی ۲۰۰۸ء کو بروز ہفتہ سورہ مجادلہ کا ترجمہ اور تشریحی حواشی ٹوکیو سے کچھ فاصلے پر جاپان کے شہر ابینا میں مکمل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْحَشْرِ

## تعارف

یہ سورت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے دوسرے سال نازل ہوئی تھی۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ آپس میں امن و امان سے رہیں گے، اور مدینہ منورہ پر حملہ ہونے کی صورت میں مل کر اُس کا دفاع کریں گے۔ یہودیوں نے اس معاہدے کو قبول تو کر لیا تھا، لیکن اُن کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دلی بغض تھا، اس لئے وہ خفیہ طور پر آپ کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے، چنانچہ انہوں نے درپردہ مکہ مکرمہ کے بت پرستوں سے تعلقات رکھے ہوئے تھے، اور اُن کو مسلمانوں کے خلاف اُکساتے رہتے تھے، اور اُن سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ اگر تم مسلمانوں پر حملہ کرو گے تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنو نضیر کہلاتا تھا، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے معاہدے کی کچھ شرائط پر عمل کرانے کے لئے اُن کے پاس تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے یہ سازش کی کہ جب آپ بات چیت کرنے کے لئے بیٹھیں تو ایک شخص اُوپر سے آپ پر ایک چٹان گرا دے جس سے (معاذ اللہ) آپ شہید ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو ان کی اس سازش سے باخبر فرما دیا، اور آپ وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے۔ اس واقعے کے بعد آپ نے بنو نضیر کے پاس پیغام بھیجا کہ اب آپ لوگوں کے ساتھ ہمارا معاہدہ ختم ہو گیا ہے، اور ہم آپ کے لئے ایک مدت مقرر کرتے ہیں کہ اس مدت کے اندر اندر آپ مدینہ منورہ چھوڑ کر کہیں چلے جائیں، ورنہ مسلمان آپ پر حملہ کرنے کے لئے آزاد ہوں گے۔ کچھ منافقین نے بنو نضیر کو جا کر یقین دلایا کہ آپ لوگ ڈٹے رہیں، اگر مسلمانوں نے حملہ کیا تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ بنو نضیر مقررہ مدت میں مدینہ منورہ سے نہیں گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم



نے مدت گزرنے کے بعد اُن کے قلعے کا محاصرہ کر لیا، اور منافقین نے اُن کی کوئی مدد نہیں کی۔ آخر کار اُن لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مدینہ منورہ سے جلا وطن کرنے کا حکم دیا، البتہ یہ اجازت دی کہ ہتھیاروں کے سوا وہ اپنا سارا مال و دولت اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ یہ سورت اس واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئی، اور اس میں اس واقعے پر تبصرہ بھی فرمایا گیا ہے، اور اس سے متعلق بہت سی ہدایات بھی دی گئی ہیں۔ ”حشر“ کے لفظی معنی ہیں: ”جمع کرنا“۔ چونکہ اس سورت کی آیت نمبر ۲ میں یہ لفظ آیا ہے جس کی تشریح آیت نمبر ۲ کے حاشیہ میں آ رہی ہے، اس لئے اس سورت کا نام ”سورہ حشر“ ہے، اور بعض صحابہؓ سے منقول ہے کہ وہ اسے سورہ بنی نضیر بھی کہا کرتے تھے۔



آیتھا ۲۴ ۵۹ سُورَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۱ رُكُوعَاتُهَا ۳

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللَّهِ فَأَتَتْهُمْ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ ۚ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ ○

تقریباً  
۱۰۱

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں چوبیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

آسمانوں اور زمین میں جو بھی کوئی چیز ہے، اُس نے اللہ کی تسبیح کی ہے، اور وہی ہے جو اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ○ وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافر لوگوں کو اُن کے گھروں سے پہلے اجتماع کے موقع پر نکال دیا۔ (۱) (مسلمانو!) تمہیں یہ خیال بھی نہیں تھا کہ وہ نکلیں گے، اور وہ بھی یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اُن کے قلعے انہیں اللہ سے بچالیں گے۔ پھر اللہ اُن کے پاس ایسی جگہ سے آیا جہاں اُن کا گمان بھی نہیں تھا، اور اللہ نے اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ وہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے بھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اُجاڑ رہے تھے۔ لہذا اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کر لو۔ ○

(۱) ”پہلے اجتماع“ کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ اس سے مسلمانوں کا لشکر مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اُن سے جنگ کرنی نہیں پڑی، بلکہ پہلے اجتماع ہی پر وہ قابو میں آ گئے۔ لیکن بیشتر مفسرین نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد جلاوطنی کے لئے بنو نضیر کے یہودیوں کا اجتماع ہے، اور مطلب یہ ہے کہ یہ ان یہودیوں کے لئے پہلا موقع تھا کہ وہ جلاوطنی کے لئے جمع ہوئے ہوں۔ اس سے پہلے کبھی ان کو ایسے اجتماع کا موقع پیش نہیں آیا تھا۔ اور اس لفظ میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ یہ بنو نضیر کی پہلی جلاوطنی تھی، اس کے بعد ان کو ایک اور جلاوطنی سے بھی سابقہ پیش آئے گا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کو دوبارہ خیبر سے جلاوطن فرمایا۔

(۲) چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اجازت دی تھی کہ جتنا مال وہ اپنے ساتھ لے جائیں، اس لئے ان لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازے تک اکھاڑ لئے تھے۔



وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝  
 ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝  
 مَنْ لَيْتِنَا أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ ۝  
 اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ  
 عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝  
 مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ كُنْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ  
 الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ۚ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ  
 إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

وَقَالَ

اور اگر اللہ نے اُن کی قسمت میں جلا وطنی نہ لکھ دی ہوتی تو وہ دنیا ہی میں اُن کو عذاب دے دیتا، البتہ آخرت میں اُن کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ (۱) یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول سے دشمنی ٹھانی، اور جو شخص اللہ سے دشمنی کرتا ہے، تو اللہ بڑا سخت عذاب دینے والا ہے۔ (۲) تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے، یا انہیں اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، تو یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے تھا، اور اس لئے تھا تا کہ اللہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔ (۳) اور اللہ نے اپنے رسول کو اُن کا جو مال بھی فیمیٰ کے طور پر دلویا، اُس کے لئے تم نے نہ اپنے گھوڑے دوڑائے، نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے، تسلط عطا فرما دیتا ہے۔ (۴) اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ (۵) اللہ اپنے رسول کو (دوسری) بستیوں سے جو مال بھی فیمیٰ کے طور پر دلوا دے، تو وہ اللہ کا حق ہے، اور اُس کے رسول کا، اور قرابت داروں کا، اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا، تا کہ وہ مال صرف اُنہی کے درمیان گردش کرتا نہ رہ جائے جو تم میں دولت مند لوگ ہیں۔ اور رسول تمہیں جو کچھ دیں، وہ لے لو، اور جس چیز سے منع کریں، اُس سے رُک جاؤ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (۶)

(۱) یعنی انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کروا دیتا۔

(۲) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کے قلعے کا محاصرہ فرمایا تو اُس پاس کے کچھ کھجور کے درخت کاٹنے پڑے تھے، اس پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ پھل دار درخت کاٹنا مناسب نہیں تھا۔ اس کے جواب میں اس آیت نے فرمایا کہ جو درخت کاٹے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے کاٹے گئے ہیں، اور جنگی حکمتِ عملی کے طور پر اگر کسی برحق جہاد میں ایسا کرنا پڑ جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۳) ”فیمیٰ“ اُس مال کو کہتے ہیں جو کوئی دشمن ایسی حالت میں چھوڑ جائے کہ مسلمانوں کو اُس سے باقاعدہ لڑائی کرنی نہ پڑی ہو۔



لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ  
وَرِضْوَانًا وَيُضَرُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّدِيقُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ  
وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُجْزَوْنَ مِنْهَا جَرِالِيَهُمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا  
أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۖ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ  
هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٩﴾

(نیز یہ مالِ فیئ) اُن حاجت مند مہاجرین کا حق ہے جنہیں اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے بے دخل کیا گیا ہے۔  
وہ اللہ کی طرف سے فضل اور اُس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں، اور اللہ اور اُس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ  
ہیں جو راست باز ہیں۔ ﴿۸﴾ (اور یہ مالِ فیئ) اُن لوگوں کا حق ہے جو پہلے ہی سے اس جگہ (یعنی مدینہ میں) ایمان  
کے ساتھ مقیم ہیں، جو کوئی ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے، یہ اُس سے محبت کرتے ہیں، اور جو کچھ اُن (مہاجرین)  
کو دیا جاتا ہے، یہ اپنے سینوں میں اُس کی کوئی خواہش بھی محسوس نہیں کرتے، اور اُن کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں،  
چاہے اُن پر تنگ دستی کی حالت گذر رہی ہو۔ ﴿۸﴾ اور جو لوگ اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ ہو جائیں، وہی ہیں جو فلاح  
پانے والے ہیں۔ ﴿۹﴾

بنو نضیر کے یہودیوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مال و دولت ساتھ لے جانے کی اجازت دی تھی، اس لئے وہ جو کچھ ساتھ  
لے جاسکتے تھے، لے گئے، لیکن ان کی جو زمینیں تھیں، ظاہر ہے کہ وہ ساتھ نہیں لے جاسکتے تھے، اس لئے وہ چھوڑ کر گئے۔ یہ زمینیں مالِ  
فیئ کے طور پر مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنی یہ نعمت یاد دلا رہے ہیں کہ یہ مالِ فیئ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس  
طرح عطا فرمادیا کہ مسلمانوں کو باقاعدہ لڑائی کی محنت بھی اٹھانی نہیں پڑی۔ آیت میں گھوڑوں اور اونٹوں کو دوڑانے سے مراد لڑائی کی  
کارروائی ہے۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس مالِ فیئ کے مصارف بیان فرمائے ہیں کہ اُسے کن کن لوگوں میں تقسیم کیا جائے۔

﴿۶﴾ یعنی وہ صحابہ جنہیں کافروں نے مکہ مکرمہ سے نکلنے پر مجبور کیا، اور وہ اپنے گھروں اور جائیدادوں سے محروم ہو گئے۔

﴿۷﴾ اس سے مراد وہ انصاری صحابہ ہیں جو مدینہ منورہ کے اصل باشندے تھے، اور انہوں نے مہاجرین کی مدد کی۔

﴿۸﴾ اگرچہ سارے ہی انصار کی یہی کیفیت تھی کہ وہ ایثار سے کام لیتے تھے، لیکن روایات میں ایک صحابی (حضرت ابو طلحہ رضی اللہ  
عنہ) کا خاص طور پر ذکر آیا ہے جن کے گھر میں کھانا بہت تھوڑا سا تھا، پھر بھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو  
ترغیب دی کہ وہ کچھ مہمانوں کو اپنے گھر لے جائیں، اور انہیں کھانا کھلائیں تو یہ کچھ مہمان اپنے ساتھ لے گئے، اور ان کی تواضع  
اس طرح کی کہ خود کچھ نہیں کھایا، اور چراغ بجھا کر مہمانوں کو بھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ کچھ نہیں کھا رہے۔ اس آیت میں اُن  
کے ایثار کی بھی تعریف فرمائی گئی ہے۔



وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝۹ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا ۝۱۰ وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۝۱۱ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝۱۲ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ ۝۱۳ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ ۝۱۴ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلِّنَنَّ الْأُذُنُ بَرًّا ۝۱۵ ثُمَّ لَا يَنْصُرُونَ ۝۱۶ لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ۝۱۷ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝۱۸

اور (یہ مالِ فیئ) اُن لوگوں کا بھی حق ہے جو ان (مہاجرین اور انصار) کے بعد آئے، وہ یہ کہتے ہیں کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہماری بھی مغفرت فرمائیے، اور ہمارے اُن بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے لئے کوئی بغض نہ رکھے۔ اے ہمارے پروردگار! آپ بہت شفیق، بہت مہربان ہیں۔“ ۝۹ کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جنہوں نے منافقت سے کام لیا ہے کہ وہ اپنے اُن بھائیوں سے جو کافراہل کتاب میں سے ہیں یہ کہتے ہیں کہ: ”اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے، اور تمہارے بارے میں کبھی کسی اور کا کہنا نہیں مانیں گے، اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔“ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ ۝۱۰ یہ کچی بات ہے کہ اگر ان (اہل کتاب) کو نکالا گیا تو یہ اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر اُن سے جنگ کی گئی تو یہ اُن کی مدد نہیں کریں گے، اور اگر بالفرض اُن کی مدد کی بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر اُن کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔ ۝۱۱ (مسلمانو!) حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں تمہاری دہشت اللہ سے زیادہ ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں سمجھ نہیں ہے۔ ۝۱۲

(۹) اس سے ایک تو وہ حضرات مراد ہیں جو مذکور صحابہ کے بعد پیدا ہوئے، یا مسلمان ہوئے، ان کو بھی اس مالِ فیئ سے حصہ دیا جائے گا، دوسرے اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مالِ فیئ کا جو حصہ بیت المال میں محفوظ رہے گا، وہ آنے والے مسلمانوں کی ضروریات میں استعمال ہوگا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی آیت کی بنا پر عراق کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کے بجائے اُن پر خراج عائد کر دیا تھا، تاکہ وہ بیت المال میں جا کر تمام آنے والوں کے کام آئے۔ اس مسئلے کی تفصیل کے لئے اہل علم ”معارف القرآن“ اور بندے کی کتاب ”ملکیت زمین کی شرعی حیثیت“ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

(۱۰) یعنی جب یہ منافقین یہودیوں کو یقین دلا رہے تھے کہ ہم تمہاری مدد کریں گے، اُس وقت بھی ان کے دل میں ارادہ نہیں تھا، اور آئندہ بھی اگر کوئی ایسا موقع آئے تو یہ لوگ اتنی جرات نہیں رکھتے کہ جنگ میں کسی کی مدد کریں۔



لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرَىٰ مُّحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ ۚ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۖ  
تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۳﴾ كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ  
قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاتُ أَوْبَالٍ أَمْرِهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۴﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ  
لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ ۖ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۵﴾  
فَكَانَ عَاقِبَتُهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ وَذَٰلِكَ جَزَاُ الظَّالِمِينَ ﴿۱۶﴾ يَا أَيُّهَا  
الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَيْرِ اللَّهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ  
بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۷﴾

یہ سب لوگ اکٹھے ہو کر بھی تم سے جنگ نہیں کریں گے، مگر ایسی بستیوں میں جو قلعوں میں محفوظ ہوں، یا پھر دیواروں کے  
پیچھے چھپ کر۔ ان کی آپس کی مخالفتیں بہت سخت ہیں۔ تم انہیں اکٹھا سمجھتے ہو، حالانکہ ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔ یہ  
اس لئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں عقل نہیں ہے۔ ﴿۱۳﴾ ان کی حالت ان لوگوں کی سی ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے اپنے  
کرتوت کا مزہ چکھ چکے ہیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ﴿۱۴﴾ ان کی مثال شیطان کی سی ہے کہ وہ انسان سے  
کہتا ہے کہ: ”کافر ہو جا“ پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو کہتا ہے کہ: ”میں تجھ سے بری ہوں، میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو  
سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔“ ﴿۱۵﴾ چنانچہ ان دونوں کا انجام یہ ہے کہ وہ دونوں دوزخ میں ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ  
رہیں گے۔ اور یہی ظلم کرنے والوں کی سزا ہے۔ ﴿۱۶﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اُس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ یقین رکھو  
کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۷﴾

﴿۱۱﴾ اس سے مراد ایک اور قبیلے بنو قینقاع کے یہودی ہیں۔ انہوں نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے امن اور باہمی تعاون کا  
معائدہ کیا تھا، لیکن پھر خود ہی آپ سے جنگ ٹھان لی جس کے نتیجے میں انہوں نے شکست بھی کھائی، اور ان کو بھی مدینہ منورہ سے  
جلا وطن کیا گیا۔

﴿۱۲﴾ شیطان کا یہ دھیرہ ہے کہ وہ شروع میں تو انسان کو کفر اور گناہوں پر اکساتا ہے، لیکن جب اُس کے نتیجے میں اُس کی بات  
ماننے والوں کو کسی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو وہ اُن سے بے تعلقی اختیار کر لیتا ہے۔ اس کا ایک واقعہ غزوہ بدر کے سلسلے میں  
سورہ انفال (۸: ۴۸) میں گزر چکا ہے۔ اور آخرت میں تو وہ کافروں کی ذمہ داری لینے سے صاف مکر ہی جائے گا، جس کی



وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١٩﴾ لَا يَسْتَوِي  
 أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢٠﴾ لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا  
 الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۖ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا  
 لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ  
 هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿٢٢﴾ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ أَلَمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ  
 الْمُهَيَّمُنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۖ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٢٣﴾ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ  
 الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۖ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ  
 الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٤﴾

اور تم اُن جیسے نہ ہو جانا جو اللہ کو بھول بیٹھے تھے، تو اللہ نے انہیں خود اپنے آپ سے غافل کر دیا۔ وہی لوگ ہیں جو منافران  
 ہیں۔ ﴿۱۹﴾ جنت والے اور دوزخ والے برابر نہیں ہو سکتے۔ جنت والے ہی وہ ہیں جو کامیاب ہیں۔ ﴿۲۰﴾ اگر ہم نے یہ  
 قرآن کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا تو تم اُسے دیکھتے کہ وہ اللہ کے رُعب سے جھکا جا رہا ہے، اور پھٹا پڑتا ہے۔ اور ہم یہ مثالیں  
 لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں۔ ﴿۲۱﴾ وہ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں  
 ہے۔ وہ چھپی اور کھلی ہر بات کو جاننے والا ہے۔ وہی ہے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے۔ ﴿۲۲﴾ وہ اللہ وہی ہے  
 جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جو بادشاہ ہے، تقدس کا مالک ہے، سلامتی دینے والا ہے، امن بخشنے والا ہے، سب کا  
 نگہبان ہے، بڑے اقتدار والا ہے، ہر خرابی کی اصلاح کرنے والا ہے، بڑائی کا مالک ہے۔ پاک ہے اللہ اُس شرک  
 سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ ﴿۲۳﴾ وہ اللہ وہی ہے جو پیدا کرنے والا ہے، وجود میں لانے والا ہے، صورت بنانے والا ہے،  
 اُسی کے سب سے اچھے نام ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں، وہ اُس کی تسبیح کرتی ہیں، اور وہی ہے جو  
 اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۲۴﴾

تفصیل سورہ ابراہیم (۲۲: ۱۴) میں بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح یہ منافق لوگ شروع میں تو یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف  
 اُکساتے رہے، لیکن جب وقت آیا تو مدد کرنے سے صاف مکر گئے۔

﴿۱۳﴾ یعنی وہ اس بات سے غافل اور بے پروا ہو گئے کہ خود اُن کی جانوں کے لئے کوئی بات فائدے کی اور کوئی نقصان کی ہے،  
 اور غفلت کے عالم میں وہی کام کرتے رہے جو انہیں تباہی کی طرف لے جانے والے تھے۔



(۱۴) اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے کئی اسمائے حسنیٰ ذکر فرمائے گئے ہیں، یہاں اُن کا ترجمہ دیا گیا ہے، لیکن اصل نام یہ ہیں: الرَّحْمَنُ، الرَّحِيمُ، الْمَلِكُ، الْقُدُّوسُ، السَّلَامُ، الْمُؤْمِنُ، الْمُهَيَّمِنُ، الْعَزِيزُ، الْجَبَّارُ، الْمُتَكَبِّرُ، الْخَالِقُ، الْبَارِئُ، الْمُصَوِّرُ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے کل ننانوے نام بیان فرمائے ہیں جنہیں ”اسمائے حسنیٰ“ کہا جاتا ہے۔ واللہ الحمد اولاً و آخراً۔

الحمد للہ! سورہ حشر کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی آج بتاریخ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۵ مئی ۲۰۰۸ء کو جاپان کے شہر کو بے سے کو یو ہاما جاتے ہوئے ریل میں تکمیل کو پہنچے، اور اس سورت کا تمام تر کام جاپان کے سفر میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرما کر اُسے مفید بنادیں، اور باقی سورتوں کے کام کو بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کو پہنچائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْمُنْتَحَنَةِ

## تعارف

یہ سورت صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصے میں نازل ہوئی ہے، ان دونوں واقعات کی تفصیل پیچھے سورہ فتح کے تعارف میں گزر چکی ہے۔ اس سورت کے بنیادی موضوع دو ہیں، ایک یہ کہ صلح حدیبیہ کی شرائط میں جو بات طے ہوئی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئے گا تو مسلمان اُسے واپس بھیجنے کے پابند ہوں گے، اس کا اطلاق مسلمان ہو کر آنے والی عورتوں پر نہیں ہوگا، اور اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر آئے گی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس کا جائزہ لے کر دیکھیں گے کہ کیا واقعی وہ مسلمان ہو کر آئی ہے، یا آنے کا مقصد کچھ اور ہے۔ اگر اس جائزے سے یہ بات ثابت ہو کہ وہ واقعی مسلمان ہو کر آئی ہے تو پھر اُسے واپس نہیں بھیجا جائے گا۔ اس صورت میں اگر وہ شادی شدہ ہو، اور اُس کا شوہر مکہ مکرمہ میں رہ گیا ہو اُس کے نکاح اور مہر وغیرہ سے متعلق کیا احکام ہوں گے؟ وہ بھی اس سورت میں بیان فرمائے گئے ہیں، اور جن مسلمانوں کے نکاح میں ابھی تک بت پرست عورتیں تھیں، اُن کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اب وہ اُن کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں۔ چونکہ اس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان عورتوں کا امتحان یا جائزہ لینے کا حکم دیا گیا تھا، اس لئے اس سورت کا نام محنت ہے، یعنی امتحان لینے والی۔

سورت کا دوسرا موضوع جو بالکل شروع میں بیان ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے غیر مسلموں سے کس قسم کے تعلقات رکھنا جائز ہے، اور کس قسم کے ناجائز۔ چنانچہ سورت کو اس حکم سے شروع فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو دشمنوں سے خصوصی دوستی نہیں رکھنی چاہئے۔ ان آیتوں کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ سورہ فتح کے تعارف میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے معاہدے کو مکہ مکرمہ کے کافروں نے دو سال کے اندر اندر ہی توڑ دیا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لوگوں پر واضح فرما دیا تھا کہ اب وہ معاہدہ باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد آپ نے مکہ مکرمہ کے کفار پر ایک فیصلہ کن حملہ کرنے کی تیاری شروع فرمادی تھی، لیکن ساتھ ہی کوشش یہ تھی کہ قریش کے لوگوں کو آپ کی تیاری کا علم نہ ہو۔ اسی دوران سارہ نام کی ایک عورت جو گابجا کر پیسے کماتی تھی، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئی، اور اس نے



بتایا کہ وہ مسلمان ہو کر نہیں آئی، بلکہ وہ شدید مفلسی میں مبتلا ہے، کیونکہ جنگِ بدر کے بعد قریشِ مکہ کی عیش و عشرت کی محفلیں ویران ہو چکی ہیں، اب کوئی اُسے گانے بجانے کے لئے نہیں بلاتا۔ اس لئے مالی امداد حاصل کرنے کے لئے آئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبدالمطلب کو اُس کی مدد کرنے کی ترغیب دی، اور اُس کو کچھ نقدی اور کچھ کپڑے دے کر رخصت کیا گیا۔

دوسری طرف مہاجر صحابہ کرام میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ایک ایسے بزرگ تھے جو اصل میں یمن کے باشندے تھے، اور مکہ مکرمہ آکر بس گئے تھے، مکہ مکرمہ میں اُن کا قبیلہ نہیں تھا۔ وہ خود تو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے تھے، لیکن ان کے اہل و عیال مکہ مکرمہ ہی میں رہ گئے تھے جن کے بارے میں انہیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں قریش کے لوگ اُن پر ظلم نہ کریں۔ دوسرے مہاجر صحابہ جن کے اہل و عیال مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، انہیں تو کسی قدر اطمینان تھا کہ اُن کا پورا قبیلہ وہاں موجود ہے جو کافروں کے ظلم سے انہیں تحفظ دے سکتا ہے، لیکن حضرت حاطبؓ کے اہل و عیال کو یہ تحفظ حاصل نہیں تھا۔ جب سارہ نامی عورت مکہ مکرمہ واپس جانے لگی تو اُن کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر میں قریش کے لوگوں کو خفیہ طور پر ایک خط میں یہ اطلاع دے دوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اُن پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے مکہ مکرمہ کی فتح کا وعدہ فرما رکھا ہے، لیکن میری طرف سے قریش پر ایک احسان ہو جائے گا، اور اس احسان کی وجہ سے وہ میرے اہل و عیال کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایک خط لکھ کر سارہ کے حوالے کر دیا کہ وہ قریش کے سرداروں کو پہنچا دے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی کہ سارہ ایک خفیہ خط لے کر گئی ہے، اور روضۂ خاخ کے مقام تک پہنچ چکی ہے۔ آپ نے حضرت علیؓ، حضرت مرثدؓ اور حضرت زبیرؓ کو اس مہم پر روانہ فرمایا کہ وہ اُس عورت کا پیچھا کر کے اُس سے وہ خط برآمد کریں، اور یہاں واپس لے آئیں۔ یہ حضرات گئے، اور انہوں نے وہ خط برآمد کر لیا۔ حضرت حاطبؓ سے پوچھا گیا تو انہوں نے معذرت کی، اور اپنی اس غلطی کی وہی وجہ بیان کی جو اوپر ذکر کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی نیک نیتی کی وجہ سے اُن کی اس غلطی کو معاف فرما دیا۔ اسی واقعے پر اس سورت کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔



﴿ آیتھا ۱۳ ﴾ ﴿ ۲۰ سُوْرَةُ الْمُنْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ ۹۱ ﴾ ﴿ رُكُوْعَاتُهَا ۲ ﴾

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْبُودَةِ وَقَدْ  
 كَفَرُوا بِسَاجَاءِكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۖ إِنَّ  
 كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي ۚ تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْبُودَةِ ۚ وَأَنَا عَلِيمٌ  
 بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ (۱) إِنَّ يَتَّقُواكُمْ  
 يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُم بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ۝ (۲)  
 لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُفْصَلُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ  
 بَصِيرٌ ۝ (۳)

۱۳ آیت  
۲۰ سُوْرَةُ الْمُنْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ ۹۱  
۲ رُكُوْعَاتُهَا

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں تیرہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے ایمان والو! اگر تم میرے راستے میں جہاد کرنے کی خاطر اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (گھروں سے) نکلے ہو تو میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ایسا دوست مت بناؤ کہ اُن کو محبت کے پیغام بھیجنے لگو، حالانکہ تمہارے پاس جو حق آیا ہے، انہوں نے اس کو اتنا جھٹلایا ہے کہ وہ رسول کو بھی اور تمہیں بھی صرف اس وجہ سے (کے سے) باہر نکالتے رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لائے ہو۔ تم ان سے خفیہ طور پر دوستی کی بات کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم خفیہ طور پر کرتے ہو، اور جو کچھ علانیہ کرتے ہو، میں اُس سب کو پوری طرح جانتا ہوں۔ اور تم میں سے جو کوئی بھی ایسا کرے، وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔ (۱) اگر تم ان کے ہاتھ آ جاؤ تو وہ تمہارے دشمن بن جائیں گے، اور اپنے ہاتھ اور زبانیں پھیلا پھیلا کر تمہارے ساتھ بُرائی کریں گے، اور اُن کی خواہش یہ ہے کہ تم کافر بن جاؤ۔ (۲) قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں ہرگز تمہارے کام آئیں گی، اور نہ تمہاری اولاد۔ اللہ ہی تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا، اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُسے پوری طرح دیکھتا ہے۔ (۳)

(۱) حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے جس واقعے کے پس منظر میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں، وہ اُس پر سورت کے تعارف میں تفصیل سے عرض کر دیا گیا ہے۔ غیر مسلموں کے ساتھ دوستی کی کیا حدود ہونی چاہئیں؟ اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ آل عمران (۲۸:۳) کا حاشیہ۔



قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ ۚ إِذْ قَالُوا الْقَوْمِ هُمْ إِنَّا بَرَاءٌ وَمِنْكُمْ  
وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا  
حَتَّى تُوْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَهُ ۚ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَا تُتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ  
اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ رَبَّنَا عَلِّمْنَا لَكَ مَا هَدَيْتَنَا ۖ وَرَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً  
لِلَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَأَغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ  
حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝  
عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ كَذَبُوا عَنْهُ مَوَدَّةً ۖ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۖ وَاللَّهُ  
غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

تمہارے لئے ابراہیم اور اُن کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”ہمارا تم سے  
اور اللہ کے سوا تم جن جن کی عبادت کرتے ہو، اُن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں، اور  
ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور بغض پیدا ہو گیا ہے جب تک تم صرف ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔  
البتہ ابراہیم نے اپنے باپ سے یہ ضرور کہا تھا کہ: ”میں آپ کے لئے اللہ سے مغفرت کی دُعا ضرور مانگوں گا، اگرچہ اللہ  
کے سامنے میں آپ کو کوئی فائدہ پہنچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ اے ہمارے پروردگار! آپ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا  
ہے، اور آپ ہی کی طرف ہم رجوع ہوئے ہیں، اور آپ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔“ (۱) اے ہمارے  
پروردگار! ہمیں کافروں کا تختہ مشق نہ بنائیے، اور ہمارے پروردگار! ہماری مغفرت فرما دیجئے۔ یقیناً آپ، اور صرف  
آپ کی ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔“ (۲) (مسلمانو!) یقیناً تمہارے لئے ان  
لوگوں کے طرزِ عمل میں بہترین نمونہ ہے، ہر اُس شخص کے لئے جو اللہ اور روزِ آخرت سے اُمید رکھتا ہو۔ اور جو شخص منہ  
موڑے، تو (وہ یاد رکھے کہ) اللہ سب سے بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف۔ (۳) کچھ بعید نہیں ہے کہ اللہ تمہارے  
اور جن لوگوں سے تمہاری دشمنی ہے، اُن کے درمیان دوستی پیدا کر دے، اور اللہ بڑی قدرت والا ہے، اور اللہ بہت بخشنے  
والا، بہت مہربان ہے۔ (۴)

(۲) مطلب یہ ہے کہ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم اور کنبے سے برائت کا اظہار کر دیا تھا، لیکن شروع میں اپنے  
والد سے مغفرت کی دُعا کا وعدہ ضرور کیا تھا، لیکن جیسا کہ سورہ توبہ (۱۱۴: ۹) میں گزرا ہے، جب انہیں یہ پتہ چل گیا کہ وہ ہمیشہ  
کے لئے اللہ کا دشمن ہے، اور اُس کی قسمت میں ایمان نہیں ہے، تو انہوں نے اس دُعا سے بھی علیحدگی اختیار فرمائی۔  
(۳) یعنی اُمید ہے کہ مکہ مکرمہ میں جو لوگ اس وقت دشمنی پر آمادہ ہیں، اُن میں سے کچھ ایمان بھی لے آئیں گے، اور اُن کی  
دشمنی دوستی میں تبدیل ہو جائے گی۔ چنانچہ فتحِ مکہ کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ ایمان لے آئے۔



لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ  
وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۸ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَتَلُوْكُمْ فِى  
الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَهَرُوا عَلٰى اَخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ؕ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ  
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ ۝۹ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَتُ مُهَاجِرٰتٍ  
فَاَمْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ؕ فَاِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ اِلَى الْكُفَّٰرِ  
لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاتَّوهُم مَّا اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ  
تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَا اَتَيْتُمُوهُنَّ اُجُوْرَاهُنَّ ؕ

اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی، اور تمہیں تمہارے  
گھروں سے نہیں نکالا، اُن کے ساتھ تم کوئی نیکی کا یا انصاف کا معاملہ کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا  
ہے۔ ۸) اللہ تو تمہیں اس بات سے منع کرتا ہے کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ دین کے معاملے میں جنگ کی ہے، اور  
تمہیں اپنے گھروں سے نکالا ہے، اور تمہیں نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے، تم اُن سے دوستی رکھو۔ اور جو لوگ  
اُن سے دوستی رکھیں گے، وہ ظالم لوگ ہیں۔ ۹)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم اُن کو جانچ لیا کرو۔ اللہ ہی اُن کے ایمان  
کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔ پھر جب تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ مؤمن عورتیں ہیں تو تم انہیں کافروں کے پاس  
واپس نہ بھیجنا۔ وہ ان کافروں کے لئے حلال نہیں ہیں، اور وہ کافران کے لئے حلال نہیں ہیں۔ ۵) اور ان کافروں نے جو  
کچھ (ان عورتوں پر مہر کی صورت میں) خرچ کیا ہو، وہ انہیں ادا کر دو۔ ۶) اور تم پر ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی گناہ  
نہیں ہے، جبکہ تم نے اُن کے مہر انہیں ادا کر دیئے ہوں۔

(۴) یعنی جو غیر مسلم مسلمانوں سے نہ جنگ کرتے ہیں، اور نہ انہیں کوئی اور تکلیف دیتے ہیں، اُن سے اچھا برتاؤ اور نیکی کا  
سلوک اللہ تعالیٰ کو ہرگز ناپسند نہیں ہے، بلکہ انصاف کا معاملہ کرنا تو ہر مسلم اور غیر مسلم کے ساتھ واجب ہے۔

(۵) اس آیت نے یہ واضح حکم عطا فرمادیا کہ کوئی مسلمان عورت کسی بھی غیر مسلم کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ اگر کسی غیر مسلم  
کی بیوی مسلمان ہو جائے تو اُس کے شوہر کو بھی اسلام لانے کی پیشکش کی جائے گی، اگر وہ بھی عورت کی عدت کے دوران اسلام  
قبول کر لے تو ان کا نکاح باقی رہے گا، لیکن اگر وہ مسلمان نہ ہو، تو اُس کی مسلمان بیوی اُس کے نکاح سے نکل جائے گی، اور عدت  
کے بعد کسی مسلمان سے نکاح کر سکے گی۔

(۶) جو شادی شدہ عورتیں مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئیں، اُن کے شوہروں سے اُن کا نکاح ختم ہو جاتا تھا، لیکن چونکہ مکہ مکرمہ کے



وَلَا تُنْسِكُوا بِعَصَمِ الْكَوَافِرِ وَسَلُّوا مِمَّا انْفَقْتُمْ وَلَيْسَلُوا مِمَّا انْفَقُوا ۖ ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ ۖ  
يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۷۰﴾

اور تم کافر عورتوں کی عصمتیں اپنے قبضے میں باقی نہ رکھو، اور جو کچھ تم نے (ان کافر بیویوں پر مہر کی صورت میں) خرچ کیا تھا، وہ تم (اُن کے نئے شوہروں سے) مانگ لو، اور انہوں نے جو کچھ (اپنی مسلمان ہو جانے والی بیویوں پر) خرچ کیا تھا، وہ (اُن کے نئے مسلمان شوہروں سے) مانگ لیں۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے، وہی تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے، اور اللہ بڑے علم والا، بڑی حکمت والا ہے۔ ﴿۷۰﴾

کافروں سے اُس وقت صلح کا معاہدہ تھا، اس لئے اُن کو یہ سہولت دی گئی تھی کہ انہوں نے اپنی بیویوں کو جو مہر دیا تھا، وہ ان کو اس طرح واپس کرنے کا حکم دیا گیا کہ جو مسلمان اُن عورتوں سے نکاح کرے، وہ اُس کا مہر اُس کے پہلے کافر شوہر کو ادا کر دے۔

(۷۰) اس آیت کے نزول سے پہلے بہت سے صحابہ ایسے تھے کہ وہ خود تو مسلمان ہو گئے تھے، لیکن اُن کی بیویاں مسلمان نہیں ہوئی تھیں، اور وہ ابھی تک اُن کے نکاح میں چلی آرہی تھیں۔ اس آیت نے حکم دے دیا کہ اب کوئی بت پرست عورت کسی مسلمان کے نکاح میں باقی نہیں رہ سکتی اور جیسا کہ مشرکین کے بارے میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ انہوں نے اپنی مسلمان ہونے والی بیویوں کو جو مہر ادا کیا تھا، وہ انہیں واپس کیا جائے، اسی طرح مسلمانوں کی جن کافر بیویوں کا نکاح مسلمانوں سے ختم ہوا، اُن کا جو مہر اُن کے مسلمان شوہروں نے دیا تھا، اُس کے بارے میں بھی انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ ان عورتوں کے نئے شوہر وہ مہر پُرانے مسلمان شوہروں کو واپس کریں، اس لئے مسلمان شوہروں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنی ان مطلقہ بیویوں کے نئے شوہروں سے مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے بعد ایسے صحابہ نے اپنی مشرک بیویوں کو طلاق دے کر الگ کر دیا، لیکن اس کے بعد اُن سے جن مشرک مردوں نے نکاح کیا، انہوں نے مسلمانوں کو ان کا مہر واپس نہیں کیا۔ اس لئے اگلے فقرے میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جن مسلمانوں کی بیویاں کافر ہونے کی وجہ سے کافروں کے نکاح میں چلی گئیں، اور اُن کے نئے شوہروں نے مسلمانوں کو اُن کا دیا ہوا مہر نہیں لوٹایا، وہ اپنا حق وصول کرنے کے لئے یہ کر سکتے ہیں کہ اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر آئی ہو، اور اُس سے کسی مسلمان نے نکاح کیا ہو، تو اُس پر جو یہ واجب کیا گیا تھا کہ وہ اُن کے پُرانے شوہروں کو اُن کا دیا ہوا مہر لوٹائے، اب وہ اُس کافر شوہر کو دینے کے بجائے اُس مسلمان کو دیدے جس کی بیوی کافر ہونے کی بنا پر کسی کافر کے نکاح میں آگئی ہو، اور اُس کے نئے شوہر نے اُس مسلمان کو مذکورہ قاعدے کے مطابق مہر واپس نہ کیا ہو۔ اس طرح مسلمان کو اُس کا حق مل جائے گا، اور کافر لوگ آپس میں ایک دوسرے سے تصفیہ کر لیں گے۔



وَأَنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعاقِبْتُمْ فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ  
مَا أَنْفَقُوا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۱۱﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ  
يُبَايِعَنَّكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا  
يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ  
وَأَسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا  
غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَسُؤُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَبِيسُ الْكُفَّارُ مِنَ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ﴿۱۳﴾

اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی کافروں کے پاس جا کر تمہارے ہاتھ سے نکل جائے، پھر تمہاری نوبت آئے تو جن  
لوگوں کی بیویاں جاتی رہی ہیں، اُن کو اتنی رقم ادا کر دو جتنی انہوں نے (اپنی ان بیویوں پر) خرچ کی تھی، اور اللہ سے  
ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔ ﴿۱۱﴾ اے نبی! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے  
لئے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں مانیں گی، اور چوری نہیں کریں گی، اور زنا نہیں کریں گی، اور اپنی  
اولاد کو قتل نہیں کریں گی، اور نہ کوئی ایسا بہتان باندھیں گی جو انہوں نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑ لیا ہو، اور  
نہ کسی بھلے کام میں تمہاری نافرمانی کریں گی، تو تم اُن کو بیعت کر لیا کرو، اور اُن کے حق میں اللہ سے مغفرت کی دعا کیا  
کرو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ ﴿۱۲﴾

اے ایمان والو! اُن لوگوں کو دوست نہ بناؤ جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے۔ وہ آخرت سے اسی طرح مایوس ہو چکے ہیں  
جیسے کافر لوگ قبروں میں مدفون لوگوں سے مایوس ہیں۔ ﴿۱۳﴾

(۸) یعنی تمہیں اپنا دیا ہوا مہر اُن عورتوں کے نئے شوہروں سے وصول کرنے کی نوبت آئے۔

(۹) یہ خطاب اُن مسلمانوں سے ہے جنہوں نے مسلمان ہونے والی شادی شدہ عورتوں سے نکاح کیا، اور اُن کے ذمے واجب  
ہو گیا کہ وہ اُن کے پرانے شوہروں کو اُن کا دیا ہوا مہر لوٹائیں۔

(۱۰) عربی محاورے کے مطابق ”ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان“ بہتان باندھنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ کھلم کھلا  
اور جانتے بوجھتے کسی پر جھوٹا بہتان باندھا جائے، اور ”ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان“ بہتان باندھنے کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا  
ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو اپنے شوہر کا بیٹا قرار دیں جو درحقیقت اُس کا نہیں ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں عورتیں یا تو کسی اور کا بچہ  
اٹھالتیں اور کہتیں کہ یہ میرے شوہر کا بچہ ہے، یا جانتے بوجھتے زنا کرتیں، اور اُس حرام کی اولاد کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرتی  
تھیں۔ یہاں اس گھناؤنے جرم سے باز رہنے کا معاہدہ کرنا مقصود ہے۔ واضح رہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی عورت



کو بیعت کرتے تھے تو اُس کا ہاتھ کبھی اپنے ہاتھ میں لے کر نہیں کرتے تھے، بلکہ بس زبانی بیعت فرما لیتے تھے۔  
**(۱۱)** یعنی جس طرح کافر لوگ اپنے مرے ہوئے عزیزوں دوستوں اور باپ دادوں سے مایوس ہیں کہ وہ ان کو کوئی فائدہ پہنچا سکیں گے، اسی طرح یہ لوگ آخرت کی زندگی سے مایوس ہیں۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ: ”یہ لوگ آخرت سے ایسے ہی مایوس ہو چکے ہیں جیسے وہ کافر مایوس ہیں جو قبروں میں جا چکے“ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو کافر قبروں میں جا چکے ہیں، انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ آخرت کی زندگی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے، اسی طرح یہ لوگ بھی آخرت کی زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں۔

الحمد للہ! سورہ ممتحنہ کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی آج بروز دوشنبہ مؤرخہ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۶ اپریل ۲۰۰۸ء کو بحرین میں مکمل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور اسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الصَّفِّ

## تعارف

یہ سورت مدینہ منورہ میں اُس وقت نازل ہوئی تھی جب منافقین آس پاس کے یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کر رہے تھے۔ اس سورت میں بنی اسرائیل کے یہودیوں کا یہ کردار خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے خود اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچائیں، جس کے نتیجے میں اُن کے مزاج میں ٹیڑھ پیدا ہو گئی، اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے اُن کی نبوت کا بھی انکار کیا، اور انہوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی جو بشارتیں دی تھیں، اُن پر بھی کان نہیں دھرا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ آپ کی نبوت پر ایمان لانے سے انکار کر دیا، بلکہ آپ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ بنی اسرائیل کے اس کردار کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اس سورت میں مخلص مسلمانوں کو یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ اگر انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹھیک ٹھیک پیروی کی، اور وہ کام کئے جن کا اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں خاص طور پر حکم دیا ہے، اور اُن میں جہاد خصوصی اہمیت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُن کو عنقریب فتح و نصرت عطا فرمانے والے ہیں جس کے نتیجے میں منافقین اور یہودیوں کی ساری سازشیں خاک میں مل جائیں گی۔ اسی سیاق میں اس سورت کی چوتھی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی تعریف فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں صف بنا کر جہاد کرتے ہیں۔ اس مناسبت سے اس سورت کا نام سورہ صف ہے۔



﴿آیتھا ۱۴﴾ ﴿سُورَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۹﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۲﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ○

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں چودہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

آسمانوں اور زمین میں جو بھی کوئی چیز ہے، اُس نے اللہ کی تسبیح کی ہے، اور وہی ہے جو اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ (۱) اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ (۲)

(۱) یہ بات کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، پیچھے کئی مقامات پر گزر چکی ہے، مثلاً سورہ نور (۲۴:۳۶ اور ۴۱) اور سورہ حشر (۲۴:۵۹) اور سورہ بنی اسرائیل (۲۴:۱۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔ پیچھے سورہ حدید (۵۷) اور سورہ حشر (۵۹) کو اور آگے سورہ جمعہ (۶۲) اور سورہ تغابن (۶۴) کو اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کے بیان سے شروع فرمایا ہے، اور بظاہر اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر تمہیں اپنی توحید پر ایمان لانے اور اپنی عبادت کرنے کا حکم دے رہا ہے تو اس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اُس کی ذات بے نیاز ہے، تم اُس کی عبادت کرو یا نہ کرو، کائنات کی ہر چیز اُس کے آگے سربختم ہے۔

(۲) امام احمد اور امام بغوی نے روایت نقل کی ہے کہ بعض صحابہ کرام نے آپس میں اس قسم کی باتیں کی تھیں کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل سب سے زیادہ پسند ہے تو ہم اُس کے لئے جان تک قربان کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا، اور یہ سورت انہیں پڑھ کر سنائی۔ (تفسیر مظہری اور ابن کثیر) اس میں پہلے تو انہیں یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ کوئی ایسی بات زبان سے نہیں نکالنی چاہئے جس میں دعوے کا کوئی پہلو نکلتا ہو کہ میں فلاں کام ضرور کروں گا، کیونکہ عین ممکن ہے کہ کسی وجہ سے وہ کام ہونہ سکے اور دعویٰ جھوٹا ہو جائے، اور انسان جو کچھ کہہ رہا ہے، وہ نہ کر نہ سکے۔ ہاں اپنے اوپر بھروسہ کرنے کے بجائے عاجزی کے ساتھ کوئی ارادہ ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے بعد اُن کی خواہش کے مطابق بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو جہاد کا عمل بہت پسند ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ قرآن و حدیث میں بہت سے اعمال کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ مختلف حالات اور مختلف انسانوں کے لحاظ سے مختلف اعمال کو سب سے زیادہ محبوب قرار دیا گیا ہے، مثلاً کسی وقت جہاد ہو رہا ہو تو اُس وقت وہی عمل سب سے زیادہ محبوب ہوگا، کسی وقت کسی کے والدین کو خدمت کی ضرورت ہے تو اُس وقت اُن کی خدمت ہی سب سے بہتر عمل قرار پائے گا۔



كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿۴﴾ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَانَتْهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ ﴿۵﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ لِقَوْمٍ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَدْ تَعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ ۖ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۶﴾ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنِي إِسْرَءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدٌ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿۷﴾

اللہ کے نزدیک یہ بات بڑی قابل نفرت ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔ ﴿۴﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اُس کے راستے میں اس طرح صف بنا کر لڑتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہوں۔ ﴿۵﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے تکلیف کیوں پہنچاتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس اللہ کا پیغمبر بن کر آیا ہوں؟“ ﴿۶﴾ پھر جب اُنہوں نے ٹیڑھ اختیار کی تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔ ﴿۷﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا تھا کہ: ”اے بنو اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا ایسا پیغمبر بن کر آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی، میں اُس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور اُس رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہے۔“ ﴿۸﴾ پھر جب وہ اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ: ”یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔“ ﴿۹﴾

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی قوم نے کس کس طرح تکلیفیں پہنچائیں، اس کی تفصیل سورہ بقرہ (۵۹:۲) وغیرہ میں گزر چکی ہے۔

(۴) یعنی جان بوجھ کر ہٹ دھرمی کرنے کی یہ سزا دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل ایسے ٹیڑھے کر دیئے کہ اب ان میں حق بات قبول کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

(۵) ”احمد“ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی نام سے آپ کی بشارت دی تھی۔ اس قسم کی ایک بشارت آج بھی انجیل یوحنا میں تحریف شدہ حالت میں موجود ہے۔ انجیل یوحنا کی عبارت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا: ”اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔“ (یوحنا ۱۴:۱۶) یہاں جس لفظ کا ترجمہ مددگار کیا گیا ہے، وہ اصل یونانی میں ”فارقلیط“ (Periclytos) تھا جس کے معنی ہیں ”قابل تعریف شخص“ اور یہ ”احمد“ کا لفظی ترجمہ ہے، لیکن اس لفظ کو ”Paracletus“ سے بدل دیا گیا ہے، جس کا ترجمہ ”مددگار“ اور بعض تراجم میں ”وکیل“ یا ”شفیع“ کیا گیا ہے۔ اگر ”فارقلیط“ کا لفظ مد نظر رکھا جائے تو صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ:



وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥﴾ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٦﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٧﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تَجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٨﴾

اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، جبکہ اُسے اسلام کی طرف بلایا جا رہا ہو؟ اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔ ﴿۵﴾ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے اللہ کے نور کو بجھا دیں، حالانکہ اللہ اپنے نور کی تکمیل کر کے رہے گا، چاہے کافروں کو یہ بات کتنی بُری لگے۔ ﴿۶﴾ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچائی کا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اُسے تمام دوسرے دینوں پر غالب کر دے، چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی بُری لگے۔ ﴿۷﴾

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت کا پتہ دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دلا دے؟ ﴿۸﴾

”وہ تمہارے پاس اُس قابل تعریف شخص (احمد) کو بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔“ اس میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص علاقے یا کسی خاص زمانے کے لئے نہیں ہوں گے، بلکہ آپ کی نبوت قیامت تک آنے والے ہر زمانے کے لئے ہوگی۔ نیز برنا باس کی انجیل میں کئی مقامات پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارتیں موجود ہیں۔ اگرچہ عیسائی مذہب والے اس انجیل کو معتبر نہیں مانتے، لیکن ہمارے نزدیک وہ اُن چاروں انجیلوں سے زیادہ مستند ہے جنہیں عیسائی مذہب میں معتبر مانا گیا ہے۔ اس کے مفصل دلائل میں نے اپنی کتاب ”عیسائیت کیا ہے؟“ میں بیان کئے ہیں۔

﴿۶﴾ جس شخص کو اسلام کی دعوت دی جائے، اور وہ کسی پیغمبر کی رسالت کا انکار کرے تو درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ پر یہ جھوٹ باندھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا۔

﴿۷﴾ دلیل اور حجت کے میدان میں تو اسلام ہمیشہ سے غالب ہے، اور رہے گا، البتہ دنیا میں مسلمانوں کا غلبہ بہت سی شرائط سے مشروط ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانوں میں، نیز اُس کے بعد بھی صدیوں تک مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا، پھر ان شرائط کے فقدان کی وجہ سے یہ غلبہ ختم ہوا۔ اور آخر زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ اسلام اور مسلمان پھر دنیا پر غالب ہوں گے۔

﴿۸﴾ تجارت میں کوئی چیز کسی کو دے کر اُس کی قیمت حاصل کی جاتی ہے، اسی طرح ایک مسلمان اپنی جان و مال اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے صلے میں جنت اور عذاب سے رہائی عطا فرماتے ہیں۔ دیکھئے سورہ توبہ (۱۱۱:۹)۔



تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ۖ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ  
 إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
 وَمَسْكِنَ طَيِّبَةٍ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ۖ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا ۖ نَصْرٌ مِنَ اللَّهِ  
 وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۖ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ يَٰ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ  
 عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ  
 فَأَمْنَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَآءِيلَ وَكَفَرْتُ طَائِفَةٌ ۚ فَأَيُّ الْبَنِيَّانِ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ  
 فَاصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ۝

۝

(وہ یہ ہے کہ) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اپنے مال و دولت اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستے میں جہاد  
 کرو۔ یہ تمہارے لئے بہترین بات ہے، اگر تم سمجھو۔ ۝ اس کے نتیجے میں اللہ تمہاری خاطر تمہارے گناہوں کو بخش  
 دے گا، اور تمہیں ان باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور ایسے عمدہ گھروں میں بسائے گا جو  
 ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں واقع ہوں گے۔ یہی زبردست کامیابی ہے۔ ۝ اور ایک اور چیز تمہیں دے گا جو تمہیں  
 پسند ہے، (اور وہ ہے) اللہ کی طرف سے مدد، اور ایک ایسی فتح جو عنقریب حاصل ہوگی! اور (اے پیغمبر!) ایمان والوں کو  
 (اس بات کی) خوشخبری سنا دو۔ ۝ اے ایمان والو! تم اللہ (کے دین) کے مددگار بن جاؤ، اسی طرح جیسے عیسیٰ بن  
 مریم (علیہ السلام) نے حواریوں سے کہا تھا کہ: ”وہ کون ہیں جو اللہ کے واسطے میرے مددگار بنیں؟“ حواریوں نے کہا:  
 ”ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں۔“ پھر بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لے آیا، اور ایک گروہ نے کفر اختیار کیا۔  
 چنانچہ جو لوگ ایمان لائے تھے، ہم نے ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ غالب آئے۔ ۝

(۹) ”حواری“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان ساتھیوں کو کہتے ہیں جو آپ پر ایمان لائے تھے، جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے ساتھیوں کو ”صحابہ“ کہا جاتا ہے۔

الحمد للہ! سورہ صف کا ترجمہ اور تشریح آج بتاریخ ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۱ مئی ۲۰۰۸ء  
 کو کراچی میں مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو شرف قبول عطا فرما کر اسے نافع بنائیں، اور باقی  
 سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْحُجَّةِ

## تعارف

اس سورت کے پہلے رُکوع میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کی بعثت کے مقاصد بیان فرما کر پوری انسانیت کو آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اور خاص طور پر یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ جس کتاب یعنی تورات پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اُس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت موجود ہے، اس کے باوجود وہ آپ پر ایمان نہ لا کر خود اپنی کتاب کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ پھر دوسرے رُکوع میں مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ان کی تجارتی سرگرمیاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے راستے میں رُکاوٹ نہیں بننی چاہئیں، چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد ہر قسم کی خرید و فروخت بالکل ناجائز ہے۔ نیز جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے ہوں، اُس وقت کسی تجارتی کام کے لئے آپ کو چھوڑ کر چلے جانا جائز نہیں ہے، اور اگر دنیوی مصروفیات کا شوق کسی دینی فریضے میں رُکاوٹ بننے لگے تو اس بات کا دھیان کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لئے آخرت میں جو کچھ تیار کر رکھا ہے، وہ دُنیا کی ان دُلفریبیوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے، اور دینی فرائض کو رِزق کی خاطر چھوڑنا سراسر نادانی ہے، کیونکہ رِزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، لہذا رِزق اُس کی نافرمانی کر کے نہیں، بلکہ اُس کی اطاعت کر کے طلب کرنا چاہئے۔ چونکہ دوسرے رُکوع میں جمعہ کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں، اس لئے سورت کا نام جمعہ ہے۔



آیتھا ۱۱ ﴿۲۲﴾ سُورَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۰ ﴿۲۱﴾ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴿۲۰﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

يَسْبَحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِي  
بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ  
وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۲﴾ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ  
الْحَكِيمُ ﴿۳﴾ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۴﴾

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے، وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو بادشاہ ہے، بڑے تقدس کا مالک ہے، جس کا اقتدار بھی  
کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔ ﴿۱﴾ وہی ہے جس نے اُمتی لوگوں میں اُنہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو اُن کے  
سامنے اُس کی آیتوں کی تلاوت کریں، اور اُن کو پاکیزہ بنائیں، اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں، جبکہ وہ اس سے  
پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے، ﴿۲﴾ اور (یہ رسول جن کی طرف بھیجے گئے ہیں) ان میں کچھ اور بھی ہیں جو ابھی ان  
کے ساتھ آکر نہیں ملے۔ ﴿۳﴾ اور وہ بڑے اقتدار والا، بڑی حکمت والا ہے۔ ﴿۴﴾ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے، دیتا  
ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ ﴿۵﴾

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے یہی مقاصد سورہ بقرہ (۱۲۹:۲) اور سورہ آل عمران (۱۶۴:۳) میں بھی بیان فرمائے  
گئے ہیں۔

(۲) اس کا مقصد یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان عربوں کے لئے رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے جو آپ کے  
زمانے میں موجود تھے، بلکہ آپ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں، چاہے وہ کسی نسل سے  
تعلق رکھتے ہوں۔

(۳) یہودی یہ چاہتے تھے کہ آخر زمانے کے نبی اُنہی میں سے یعنی بنی اسرائیل میں سے آئیں، اور عرب کے بت پرست یہ کہتے  
تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی نبی بھیجنا تھا تو وہ ہمارے بڑے سرداروں میں سے کوئی ہونا چاہئے تھا (دیکھئے سورہ زُخْرَف ۴۳:۳۱)  
اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے، دیتا ہے۔ کسی اور کے لئے اس معاملے میں دخل  
دینے کی گنجائش نہیں ہے۔



مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۖ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْت أَيْدِيَهُمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٧﴾ قُلْ إِن الْمَوْتَ الَّذِي تَتَرَفُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلْقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩﴾ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠﴾ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنْ تِجَارَةٍ ۚ فَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۚ ذَٰلِكَ هِيَ شَرَابُ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرٌ الرَّزَاقِينَ ﴿١١﴾

جن لوگوں پر تورات کا بوجھ ڈالا گیا، پھر انہوں نے اُس کا بوجھ نہیں اٹھایا، ان کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہو۔ بہت بُری مثال ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا، اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔ ﴿٥﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ”اے لوگو جو یہودی بن گئے ہو! اگر تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ سارے لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے دوست ہو، تو موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو۔“ ﴿٦﴾ اور انہوں نے اپنے ہاتھوں جو اعمال آگے بھیج رکھے ہیں، اُن کی وجہ سے یہ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے، اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿٧﴾ کہو کہ: ”جس موت سے تم بھاگتے ہو، وہ تم سے آملنے والی ہے، پھر تمہیں اُس (اللہ) کی طرف لوٹایا جائے گا جسے تمام پوشیدہ اور کھلی ہوئی باتوں کا پورا علم ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کرتے تھے۔“ ﴿٨﴾

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو، اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم سمجھو۔ ﴿٩﴾ پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ، اور اللہ کا فضل تلاش کرو، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ ﴿١٠﴾ اور جب کچھ لوگوں نے کوئی تجارت یا کوئی کھیل دیکھا تو اُس کی طرف ٹوٹ پڑے، اور تمہیں کھڑا ہوا چھوڑ دیا۔ کہہ دو کہ: ”جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ کھیل اور تجارت سے کہیں زیادہ بہتر ہے، اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔“ ﴿١١﴾



(۴) یعنی تورات کے احکام پر عمل کرنے کی جو ذمہ داری اُن پر ڈالی گئی تھی، اُس کو پورا نہیں کیا۔ اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انہیں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا، لیکن وہ آپ پر ایمان نہیں لائے۔

(۵) یہی بات سورہ بقرہ (۲: ۹۵) میں بھی فرمائی گئی ہے۔ یہ بہت آسان چیلنج تھا جو یہودیوں کو دیا گیا تھا، ان کے لئے کچھ مشکل نہ تھا کہ سامنے آکر یہ کہہ دیں کہ ہم موت کی تمنا کرتے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی یہ کہنے کے لئے آگے نہیں بڑھا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا ہوا چیلنج ہے، اس لئے جو نہی وہ یہ تمنا کریں گے، واقعی انہیں موت آجائے گی۔

(۶) جمعہ کی پہلی اذان کے بعد جمعہ کی تیاری کے سوا کوئی اور کام جائز نہیں، نیز جب تک نماز جمعہ ختم نہ ہو جائے، خرید و فروخت کا کوئی معاملہ جائز نہیں ہے۔ اللہ کے ذکر سے مراد جمعہ کا خطبہ اور نماز ہے۔

(۷) جیسا کہ بارہا گذر چکا ہے، اللہ کا فضل تلاش کرنا قرآن کریم کی اصطلاح میں تجارت وغیرہ کے ذریعے روزگار حاصل کرنے کو کہا جاتا ہے، لہذا مطلب یہ ہے کہ خرید و فروخت پر جو پابندی اذان کے بعد عائد ہوئی تھی، جمعہ کی نماز ختم ہونے کے بعد وہ اٹھ جاتی ہے، اور خرید و فروخت جائز ہو جاتی ہے۔

(۸) حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز کے بعد خطبہ دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب جمعہ کی نماز ختم ہو چکی تھی، اور آپ خطبہ دے رہے تھے تو ایک قافلہ کچھ سامان لے کر آیا، اور ڈھول بجا کر اُسکے آنے کا اعلان بھی کیا جارہا تھا۔ اُس وقت مدینہ منورہ میں کھانے پینے کی چیزوں کی کمی تھی، اس لئے صحابہ کی ایک بڑی تعداد خطبہ چھوڑ کر اُس قافلے کی طرف نکل گئی، اور تھوڑے سے افراد مسجد میں رہ گئے۔ اس آیت میں اس طرح جانے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ خطبہ چھوڑ کر جانا جائز نہیں تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کی صرف نماز ہی فرض نہیں ہے، بلکہ خطبہ سننا بھی واجب ہے۔

الحمد للہ! سورہ جمعہ کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج بروز بدھ ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۴ جون ۲۰۰۸ء کو کراچی سے لاہور جاتے ہوئے طیارے میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی خدمت بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ الْمُنَافِقُونَ

## تعارف

یہ سورت ایک خاص واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنوالمصطلق عرب کا ایک قبیلہ تھا جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکر جمع کر رہا ہے۔ آپ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ خود وہاں تشریف لے گئے، ان سے جنگ ہوئی، اور آخر کار ان لوگوں نے شکست کھائی، اور بعد میں مسلمان بھی ہوئے۔ جنگ کے بعد چند دن آپ نے وہیں ایک چشمے کے قریب پڑاؤ ڈالے رکھا جس کا نام مریسیع تھا۔ اسی قیام کے دوران ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان پانی ہی کے کسی معاملے پر جھگڑا ہو گیا۔ جھگڑے میں نوبت ہاتھ پائی کی آگئی، اور ہوتے ہوتے مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا، اور انصاری نے انصار کو، یہاں تک کہ اندیشہ ہو گیا کہ کہیں مہاجرین اور انصار کے درمیان لڑائی نہ چھڑ جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ تشریف لائے، اور فرمایا کہ مہاجر اور انصار کے نام پر لڑائی کرنا وہ جاہلانہ عصبیت ہے جس سے اسلام نے نجات دی ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ عصبیت کے بدبودار نعرے ہیں جو مسلمانوں کو چھوڑنے ہوں گے۔ ہاں مظلوم جو کوئی بھی ہو، اُس کی مدد کرنی چاہئے، اور ظالم جو کوئی ہو، اُسے ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد جھگڑا فرو ہو گیا، اور جن حضرات میں ہاتھ پائی ہوئی تھی، ان کے درمیان معافی تلافی ہو گئی۔ یہ جھگڑا تو ختم ہو گیا، لیکن مسلمانوں کے لشکر میں کچھ منافق لوگ بھی تھے جو مال غنیمت میں حصہ دار بننے کے لئے شامل ہو گئے تھے، اُن کے سردار عبداللہ بن ابی کوجب اس جھگڑے کا علم ہوا تو اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم نے مہاجروں کو اپنے شہر میں پناہ دے کر اپنے سر پر چڑھالیا ہے، یہاں تک کہ اب وہ مدینے کے اصل باشندوں پر ہاتھ اٹھانے لگے ہیں، یہ صورت حال قابل برداشت نہیں ہے۔ پھر اُس نے یہ بھی کہا کہ جب ہم مدینہ واپس پہنچیں گے تو جو



عزت والا ہے، وہ ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔ اُس کا واضح اشارہ اس طرف تھا کہ مدینے کے اصل باشندے مہاجرین کو نکال باہر کریں گے۔ اس موقع پر ایک مخلص انصاری صحابی حضرت زید بن ارقمؓ بھی موجود تھے، انہوں نے اس بات کو بہت بُرا سمجھا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ عبد اللہ بن اُبی نے ایسا کہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن اُبی سے پوچھا تو وہ صاف مکر گیا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درگزر فرمایا کہ شاید حضرت زید بن ارقمؓ کو غلط فہمی ہوئی ہو۔ حضرت زید بن ارقمؓ کو یہ رنج تھا کہ عبد اللہ بن اُبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُن کو جھوٹا بنایا۔ اُس کے بعد آپ اپنے صحابہ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ابھی مدینہ منورہ نہیں پہنچے تھے کہ یہ سورت نازل ہو گئی جس نے حضرت زید بن ارقمؓ کی تصدیق کی، اور منافقین کی حقیقت واضح فرمائی۔



﴿آیتها ۱۱﴾ ﴿سُورَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۴﴾ ﴿رُكُوْعَاتُهَا ۲﴾

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهُ ۚ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱ اَتَّخِذُوْا اٰيٰتَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَاُطْبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳ وَاِذَا رَاٰیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۚ وَاِنْ يَقُوْلُوْا تَسْمِعْ لِقَوْلِهِمْ ۚ كَاَنَّهُمْ خُشْبٌ مُّسَدَّدٌ ۚ

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب منافق لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ”ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں“ اور اللہ جانتا ہے کہ آپ واقعی اُس کے رسول ہیں، اور اللہ (یہ بھی) گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق لوگ جھوٹے ہیں۔ ۱ انہوں نے اپنی قسموں کو ایک ڈھال بنا رکھا ہے، پھر یہ لوگ دُوروں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت ہی بُرے ہیں وہ کام جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔ ۲ یہ ساری باتیں اس وجہ سے ہیں کہ یہ (شروع میں بظاہر) ایمان لے آئے، پھر انہوں نے کفر اپنالیا، اس لئے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، نتیجہ یہ کہ یہ لوگ (حق بات) سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ ۳ جب تم ان کو دیکھو تو ان کے ڈیل ڈول تمہیں بہت اچھے لگیں، اور اگر وہ بات کریں تو تم ان کی باتیں سنتے رہ جاؤ، ان کی مثال ایسی ہے جیسے یہ لکڑیاں ہیں جو کسی سہارے سے لگی رکھی ہیں۔ ۴

(۱) جس طرح ڈھال سے تلوار سے بچاؤ کیا جاتا ہے، اسی طرح ان لوگوں نے اپنے بچاؤ کے لئے یہ قسمیں کھالی ہیں کہ وہ مؤمن ہیں، تاکہ دُنیا میں کافروں کا جو بُرا انجام ہونے والا ہے، یہ اُس سے بچ جائیں۔

(۲) یعنی ان کا ظاہری حلیہ بڑا پرکشش ہے، اور باتیں بڑی لچھے دار ہیں، کہ آدمی انہیں سنتا ہی رہ جائے، لیکن اندر سے ان میں نفاق کی نجاست بھری ہوئی ہے۔ روایات میں ہے کہ عبد اللہ بن اُبی اپنے ڈیل ڈول کے اعتبار سے پرکشش شخصیت رکھتا تھا، اور اُس کی باتیں بھی بڑی فصاحت و بلاغت کی حامل ہوتی تھیں۔

(۳) لکڑیاں اگر کسی دیوار کے سہارے لگی رکھی ہوں تو دیکھنے میں کتنی اچھی لگیں، اُن کا فائدہ کوئی نہیں ہوتا، اسی طرح یہ منافق لوگ دیکھنے میں کتنے اچھے لگیں، حقیقت میں بالکل بے مصرف ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ لوگ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے تو ان کا جسم اگرچہ مجلس میں ہوتا تھا، لیکن دل و دماغ آپ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا، اس لحاظ سے بھی انہیں بے جان لکڑیوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔



يَحْسَبُونَ كُلَّ صِحَّةٍ عَلَيْهِمْ ۖ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرُهُمْ ۚ قَتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ يُؤْفِكُونَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ۝ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُّوا ۚ وَاللَّهُ خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ۝ يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَاللَّهُ الْعَزِيزُ الرَّسُولُ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝

یہ ہر چیخ پکار کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔ (۴) یہی ہیں جو (تمہارے) دشمن ہیں، اس لئے ان سے ہوشیار رہو۔ اللہ کی مار ہو ان پر! یہ کہاں اوندھے چلے جا رہے ہیں؟ (۵) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ، اللہ کے رسول تمہارے حق میں مغفرت کی دعا کریں، تو یہ اپنے سروں کو مٹکاتے ہیں، اور تم انہیں دیکھو گے کہ وہ بڑے گھمنڈ کے عالم میں بے رخی سے کام لیتے ہیں۔ (۶) (اے پیغمبر!) ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں، چاہے تم ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو، اللہ انہیں ہر گز نہیں بخشے گا۔ یقین جانو اللہ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔ (۷) یہی تو ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو، یہاں تک کہ یہ خود ہی منتشر ہو جائیں گے، حالانکہ آسمانوں اور زمین کے تمام خزانے اللہ ہی کے ہیں، لیکن منافق لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ (۸) کہتے ہیں کہ: ”اگر ہم مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو جو عزت والا ہے، وہ وہاں سے ذلت والے کو نکال باہر کرے گا“ حالانکہ عزت تو اللہ ہی کو حاصل ہے، اور اُس کے رسول کو، اور ایمان والوں کو، لیکن منافق لوگ نہیں جانتے۔ (۹)

(۴) چونکہ ان کے دل میں چور ہے، اس لئے اگر مسلمانوں میں کوئی شور ہو تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے خلاف کچھ ہو رہا ہے۔  
(۵) قرآن کریم نے جو لفظ استعمال فرمایا ہے، اُس کا ترجمہ سر کا موڑنا بھی ہو سکتا ہے، اور ہلانا بھی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے شاید اسی لئے اس کا ترجمہ مٹکانے سے کیا ہے جس میں ایک مکاری کا تصور پنہاں ہے، اور جو اُن کی کیفیت کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔  
(۶) مطلب یہ ہے کہ جب تک یہ لوگ اپنی منافقت سے توبہ کر کے صحیح معنی میں مسلمان نہیں ہو جاتے، اُس وقت تک ان کی بخشش نہیں ہوگی۔

(۷) سورت کے تعارف میں جو واقعہ اُپر آچکا ہے، اُس میں یہ بات عبد اللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہی تھی کہ مسلمانوں پر اپنا مال خرچ کرنا بند کر دو، اُس کے نتیجے میں معاذ اللہ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں گے۔  
(۸) یہ وہی بات ہے جو عبد اللہ بن ابی نے کہی تھی، اور پھر اُس سے مکر گیا تھا۔ تفصیلی واقعہ اُپر آچکا ہے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩﴾ وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۖ فَأَصَّدَّقَ ۚ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٠﴾ وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١١﴾

اے ایمان والو! تمہاری دولت اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں۔ اور جو لوگ ایسا کریں گے، وہ بڑے گھائے کا سودا کرنے والے ہوں گے۔ ﴿۹﴾ اور ہم نے تمہیں جو رزق دیا ہے، اُس میں سے (اللہ کے حکم کے مطابق) خرچ کر لو، قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کے پاس موت آجائے تو وہ یہ کہے کہ: ”اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی دیر کے لئے اور مہلت کیوں نہ دے دی کہ میں خوب صدقہ کرتا، اور نیک لوگوں میں شامل ہو جاتا۔“ ﴿۱۰﴾ اور جب کسی شخص کا معین وقت آجائے گا تو اللہ اُسے ہرگز مہلت نہیں دے گا، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۱﴾

الحمد للہ! سورۃ منافقون کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی آج ۳ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۸ جون ۲۰۰۸ء کو بھور بن کے مقام پر تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ التَّغَابُنِ

## تعارف

اگرچہ بعض مفسرین نے اس سورت کی کچھ آیتوں کو مکی اور کچھ کو مدنی کہا ہے، لیکن اکثر مفسرین نے پوری سورت کو مدنی قرار دیا ہے۔ البتہ اس کے مضامین مکی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد کی دعوت پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے حوالے سے توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان کی دعوت دی گئی ہے، اور پچھلی اُمتوں کی تباہی کے اسباب بتاتے ہوئے توجہ دلائی گئی ہے کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے رسولِ برحق اور ان پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لا کر آخرت کی تیاری کرنی چاہئے، اور اگر انسان کے بیوی بچے اس راستے میں رکاوٹ بنیں تو سمجھنا چاہئے کہ وہ انسان کی خیر خواہی نہیں، دشمنی کر رہے ہیں۔ سورت کا نام آیت نمبر ۹ سے مأخوذ ہے جس کی تشریح اُسی آیت کے حاشیے (حاشیہ نمبر ۱) میں آرہی ہے۔



﴿ آياتها ۱۸ ﴾ ﴿ ۶۴ سُورَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۸ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ  
 قَدِيرٌ ① هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ② وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ③  
 خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ④ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ⑤ يَعْلَمُ مَا  
 فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسْرُوْنَ وَمَا تُعْلِنُونَ ⑥ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑦  
 أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُوءُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ⑧ فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑨ ذَلِكَ  
 بِأَنَّهُ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا ⑩ أَوَاسْتَغْنَى  
 اللَّهُ ⑪ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ⑫

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے، وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے، اور بادشاہی اُسی کی ہے، اور تعریف اُسی کی، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ① وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے، اور کوئی مؤمن۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُسے خوب دیکھتا ہے۔ ② اُس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے، اور تمہاری صورتیں بنائی ہیں، اور تمہاری صورتیں اچھی بنائی ہیں، اور اُسی کی طرف آخر کار (سب کو) پلٹ کر جانا ہے۔ ③ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ اُسے جانتا ہے، اور جو کچھ تم چھپ کر کرتے ہو اور جو کچھ کھلم کھلا کرتے ہو، اُس کا بھی اُسے پورا علم ہے، اور اللہ دلوں کی باتوں تک کا خوب جاننے والا ہے۔ ④ کیا تمہارے پاس اُن لوگوں کے واقعات نہیں پہنچے جنہوں نے پہلے کفر اختیار کیا تھا، پھر اپنے کاموں کا وبال چکھا، اور (آئندہ) ان کے حصے میں ایک دردناک عذاب ہے؟ ⑤ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اُن کے پاس اُن کے پیغمبر روشن دلائل لے کر آتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ: ”کیا (ہم جیسے) انسان ہیں جو ہمیں ہدایت دیں گے؟ غرض انہوں نے کفر اختیار کیا، اور منہ موڑا، اور اللہ نے بھی بے نیازی برتی، اور اللہ بالکل بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف! ⑥



زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا ۖ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۖ  
وَذَلِكُمْ عَلَىٰ اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ فَاْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ  
خَبِيرٌ ۝ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۚ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ  
صَالِحًا يُكْفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ  
ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ  
وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ ۚ  
وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں کبھی دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ کہہ دو: ”کیوں نہیں؟  
میرے پروردگار کی قسم! تمہیں ضرور دوبارہ زندہ کیا جائے گا، پھر تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے کیا کچھ کیا تھا، اور یہ اللہ کے  
لئے معمولی سی بات ہے۔“ ۝ لہذا اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس روشنی پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کی ہے، اور تم  
جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ۝ (یہ دوسری زندگی) اُس دن (ہوگی) جب اللہ تمہیں روزِ حشر  
میں اکٹھا کرے گا۔ وہ ایسا دن ہوگا جس میں کچھ لوگ دُوسروں کو حسرت میں ڈال دیں گے، اور جو شخص اللہ پر ایمان لایا  
ہوگا، اور اس نے نیک عمل کئے ہوں گے، اللہ اُس کے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور اُس کو ایسے باغوں میں داخل  
کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔ ۝ اور جن لوگوں  
نے کفر اختیار کیا ہوگا، اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا، وہ دوزخ والے ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور وہ بہت  
بُر اٹھکا نا ہے۔ ۝ کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی، اور جو کوئی اللہ پر ایمان لاتا ہے، وہ اُس کے دل کو ہدایت  
بخشتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ ۝

(۱) قرآن کریم نے یہاں ”تغابن“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ ایک دُوسرے کو نقصان یا حسرت میں مبتلا  
کریں۔ قیامت کے دن کو تغابن کا دن اس لئے کہا گیا ہے کہ اُس دن جو لوگ جنت میں جائیں گے، دوزخی لوگ انہیں دیکھ کر  
یہ حسرت کریں گے کہ کاش ہم نے دُنیا میں ان جنتیوں جیسے عمل کئے ہوتے تو آج ہم بھی جنت کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے۔  
حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ ”ہارجیت کا دن“ کیا ہے جو مفہوم کو اختصار کے ساتھ واضح کر دیتا ہے۔  
(۲) یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے دل کو مصیبت کے وقت یہ اطمینان عطا فرماتا ہے کہ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کے حکم سے آتی ہے،  
اور اُس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے، چاہے وہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اس تصور کے نتیجے میں ایمان والوں کو  
نا قابل برداشت تکلیف نہیں ہوتی، اور انہیں صبر کی توفیق مل جاتی ہے۔



وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَدُ الْمُبِينُ ۝۱۰ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَعَلَىٰ اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝۱۱ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَرْوَاحِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِنْ تَعَفَّوْا وَتَصَفَّحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۲ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِنْدَ أَجْرٍ عَظِيمٍ ۝۱۳ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْمِعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝۱۴ إِنْ تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضْعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ۝۱۵ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝۱۶

اور تم اللہ کی فرماں برداری کرو، اور رسول کی فرماں برداری کرو۔ پھر اگر تم نے منہ موڑا تو ہمارے رسول کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ صاف صاف بات پہنچا دے۔ ۝۱۲ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ ۝۱۳

اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں، اس لئے اُن سے ہوشیار رہو۔ اور اگر تم معاف کردو، اور درگزر کرو، اور بخش دو تو اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ ۝۱۴ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو تمہارے لئے ایک آزمائش ہیں، اور وہ اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے۔ ۝۱۵ لہذا جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو، اور سنو اور مانو، اور (اللہ کے حکم کے مطابق) خرچ کرو، یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے۔ اور جو لوگ اپنے دل کی لالچ سے محفوظ ہو جائیں، وہی فلاح پانے والے ہیں۔ ۝۱۶ اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے تو اللہ تمہارے لئے اُس کو کئی گنا بڑھا دے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا، اور اللہ بڑا قدر دان، بہت بردبار ہے۔ ۝۱۷ وہ ہر بھید کا اور ہر کھلی ہوئی چیز کا جاننے والا ہے، بڑے اقتدار کا، بڑی حکمت کا مالک! ۝۱۸

(۳) جو بیوی بچے انسان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکسائیں، وہ انسان کے دشمن ہیں۔ البتہ اگر وہ اپنے اس عمل سے توبہ کریں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ انہیں معاف کر دیا جائے، اور درگزر سے کام لے کر اُن سے اچھا سلوک کیا جائے۔

(۴) آزمائش یہ ہے کہ انسان مال و دولت اور اولاد کی محبت میں منہمک ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل تو نہیں ہوتا، اور جو شخص ایسی غفلت سے اپنے آپ کو بچالے، اُس کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر و ثواب ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ واضح فرما دیا ہے کہ انسان کو جو تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے، وہ اُس کی استطاعت کے مطابق ہے،



یعنی کسی انسان کو اُس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا گیا۔ یہی مضمون سورۃ بقرہ (۲: ۲۳۳ و ۲۸۶)، سورۃ أنعام (۱۵۲: ۶)، سورۃ أعراف (۴۲: ۷) اور سورۃ مؤمنون (۶۲: ۲۳) میں گزر چکا ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ کو قرض دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر نیک کاموں میں خرچ کیا جائے۔ اس تعبیر میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح کسی کو قرض دیتے وقت انسان کو یہ اطمینان ہوتا ہے کہ یہ قرض اُسے کسی وقت واپس مل جائے گا، اسی طرح نیک کاموں میں خرچ کرتے وقت انسان کو یہ یقین ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو اس کے بدلے بہترین اجر عطا فرمائیں گے، اور اچھی طرح قرض دینے کا مطلب یہ ہے کہ انسان نیک کاموں میں اخلاص سے خرچ کرے، نام و نمود اور دکھاوا مقصود نہ ہو۔ نیک کاموں میں خرچ کرنے کو سورۃ بقرہ (۲: ۲۴۵)، سورۃ مائدہ (۵: ۱۲)، سورۃ حدید (۵۷: ۱۱ و ۱۸) اور سورۃ مزمل (۲۰: ۷۳) میں بھی قرض حسن سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

الحمد للہ! سورۃ تغابن کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی آج بتاریخ ۴ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۹ جون ۲۰۰۸ء کو بھور بن مری کے مقام پر تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الطَّلَاقِ

## تعارف

کچھلی دو سورتوں میں مسلمانوں کو یہ تنبیہ فرمائی گئی تھی کہ وہ اپنے بیوی بچوں کی محبت میں گرفتار ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہوں۔ اب اس سورت اور اگلی سورت میں میاں بیوی کے تعلقات سے متعلق کچھ ضروری احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔ ازدواجی تعلقات کے مسائل میں طلاق ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں عملاً بہت افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس کے بارے میں متوازن طرز عمل اختیار کرنے کے لئے طلاق کے کچھ احکام سورہ بقرہ (۲: ۲۲۶ تا ۲۳۲) میں بیان فرمائے ہیں۔ اب اس سورت میں طلاق کے وہ احکام بیان فرمائے گئے ہیں جو وہاں بیان نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ بتایا گیا ہے کہ اگر طلاق دینی ہو تو اُس کے لئے صحیح وقت اور صحیح طریقہ کیا ہے، نیز جن عورتوں کو حیض نہ آتا ہو، ان کی عدت کتنی ہوگی، عدت کے دوران اُن کے سابق شوہروں کو ان کا خرچ کس معیار پر اور کب تک اٹھانا ہوگا۔ اگر اولاد ہو چکی ہو تو اُس کو دودھ پلانے کی ذمہ داری کس پر ہوگی۔ اس قسم کے احکام بیان فرماتے ہوئے بار بار اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ہر مرد اور عورت کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اپنے فرائض ادا کرنے چاہئیں، کیونکہ میاں بیوی کا تعلق ایسا ہے کہ ان کی ہر شکایت کا علاج عدالتوں سے نہیں مل سکتا۔ ایک متوازن خاندانی نظام اُس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک ہر فریق اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس کرتے ہوئے اپنے فرائض انجام نہ دے۔ اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں، انہی کو دُنیا اور آخرت میں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔



﴿آياتها ۱۲﴾ ﴿سورة الطلاق مدنية ۹۹﴾ ﴿ركوعاتها ۲﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تَخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ۝ (۱) فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَى عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے نبی! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دینے لگو تو انہیں اُن کی عدت کے وقت طلاق دو، اور عدت کو اچھی طرح شمار کرو، اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا پروردگار ہے۔ اُن عورتوں کو اُن کے گھروں سے نہ نکالو، اور نہ وہ خود نکلیں، الا یہ کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ اور یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدود ہیں، اور جو کوئی اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدود سے آگے نکلے، اُس نے خود اپنی جان پر ظلم کیا۔ تم نہیں جانتے، شاید اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے۔ (۱) پھر جب وہ عورتیں اپنی (عدت کی) میعاد کو پہنچنے لگیں تو تم یا تو انہیں بھلے طریقے پر (اپنے نکاح میں) روک رکھو، یا پھر بھلے طریقے سے اُن کو الگ کر دو، اور اپنے میں سے دو ایسے آدمیوں کو گواہ بنا لو جو عدل والے ہوں۔ اور اللہ کی خاطر سیدھی سیدھی گواہی دو۔ (۲)

(۱) جب میاں بیوی میں طلاق کے ذریعے علیحدگی ہو جائے تو عورت کو دوسرا نکاح کرنے کے لئے کچھ مدت انتظار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس مدت کو ”عدت“ کہا جاتا ہے۔ سورہ بقرہ (۲: ۲۲۸) میں گزر چکا ہے کہ جن عورتوں کو طلاق ہو گئی ہو، اُن کی عدت یہ ہے کہ طلاق کے بعد ان کو تین ماہ واریاں آجائیں۔ اب اس آیت میں طلاق دینے والوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر انہیں طلاق دینی ہو تو وہ ایسے وقت طلاق دیں کہ عدت شروع ہونے والی ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح یہ فرمائی ہے کہ ایسے وقت طلاق نہ دی جائے جب بیوی کو ماہواری آرہی ہو، بلکہ ایسے طہر یعنی پاکی کی حالت میں طلاق دی جائے جس میں بیوی سے جماع بھی نہ کیا ہو۔ اس حکم میں دو مصلحتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ اول تو جب میاں بیوی کا رشتہ ایک مرتبہ قائم ہو جائے تو وہ قائم رہے، اور اگر طلاق کے ذریعے اُس کے ٹوٹنے کی نوبت آئے تو وہ بھی اچھی طرح سوچ سمجھ کر شریفانہ طریقے پر ہو جس میں فریقین میں سے کوئی دوسرے کے لئے ناواجبی تکلیف کا سبب نہ بنے۔ اگر ماہواری کی حالت میں طلاق دی جائے، تو ہو سکتا ہے کہ وہ وقتی نفرت کی وجہ سے دی جا رہی ہو، یا اگر ایسی پاکی کی حالت میں دی جائے جس میں دونوں جماع کر چکے ہوں تب بھی ہو سکتا ہے کہ بیوی کی طرف شوہر کی رغبت کم ہو گئی ہو۔ اس کے برخلاف اگر ایسے طہر میں



طلاق دی جائے جس میں ایک مرتبہ بھی جماع نہ ہوا ہو، تو عام طور پر یہ وقت ایسا ہوتا ہے جب بیوی کی طرف شوہر کی رغبت اپنے شباب پر ہوتی ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ طلاق دے رہا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ طلاق کسی وقتی بے رغبتی کا نتیجہ نہیں ہے۔ دوسری مصلحت یہ ہے کہ اگر ماہواری کے زمانے میں طلاق دی جائے تو عورت کے لئے عدت کا زمانہ بلاوجہ لمبا ہو جاتا ہے، کیونکہ جس ماہواری کے دوران طلاق دی گئی ہے، وہ تو عدت میں شمار نہیں ہوگی، اس لئے عدت اُس وقت شروع ہوگی جب عورت اس ماہواری سے پاک ہو جائے، پھر دوبارہ ماہواری آنے کا انتظار کرے۔ اس سے عورت کو تکلیف ہو سکتی ہے۔ لہذا حکم یہ دیا گیا ہے کہ طلاق ایسے طہر میں دی جائے جس میں جماع نہ ہوا ہو۔

یہ اس آیت کی وہ تفسیر ہے جو اکثر مفسرین نے اختیار کی ہے، اور اس کی تائید کچھ صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ بعض مفسرین نے اس کی ایک اور تفسیر کی ہے، وہ آیت کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ: ”اُنہیں عدت کے لئے طلاق دو“ اور مطلب یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کی ترغیب دے رہے ہیں کہ انسان جب بیوی کو طلاق دے تو رجعی طلاق یعنی ایسی طلاق دے جس سے عدت کے دوران رُجوع کرنا ممکن ہو، گویا عدت تک کے لئے طلاق دی جائے۔ اس دوران سوچنے سمجھنے کا موقع ہوگا، اور اگر حالات معمول پر آجائیں تو طلاق سے رُجوع کر لیا جائے، جیسا کہ اگلی آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔

(۲) عدت کے دوران شوہر کے ذمے واجب ہے کہ جس بیوی کو طلاق دی ہے، اُس کو اپنے گھر میں رہائش فراہم کرے، اور عورت کے ذمے بھی یہ واجب ہے کہ وہ شوہر ہی کے گھر میں عدت گزارے، اور کہیں نہ جائے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے وہ صورت اس سے مستثنیٰ فرمادی ہے جب عورت کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ کسی بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھے، اور دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ لڑائی جھگڑے میں بدزبانی کرنے لگے۔ اس صورت میں بھی اُس کا شوہر کے گھر میں رہنا ضروری نہیں ہے۔

(۳) یہ اسی طرف اشارہ ہے کہ بعض اوقات باہمی جھگڑے کی وجہ سے لوگ طلاق دے ڈالتے ہیں، لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ دونوں کے درمیان صلح صفائی کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں نکاح کا رشتہ دوبارہ قائم ہو سکتا ہے، لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہوگا جب طلاق رجعی دی گئی ہو، اس لئے اس آیت میں ترغیب یہی دی گئی ہے کہ طلاق دینی بھی ہو تو رجعی طلاق دینی چاہئے، کیونکہ طلاق بائن کے بعد شوہر کے ہاتھ سے رُجوع کا اختیار نکل جاتا ہے، اور طلاق مغلظ (تین طلاقیں) کے بعد میاں بیوی دونوں کے ہاتھ سے دوسرا نکاح کرنے کا اختیار بھی ختم ہو جاتا ہے۔

(۴) یہ اُس صورت کا تذکرہ ہو رہا ہے جب شوہر نے طلاق رجعی دی ہو۔ اس صورت میں جب عدت پوری ہونے سے پہلے شوہر کو فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ آیا وہ طلاق سے رُجوع کر کے بیوی سے ازدواجی تعلق بحال کرنا چاہتا ہے، یا اب بھی علیحدگی ہی مناسب سمجھتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اُسے یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ جو کام بھی کرے، بھلے طریقے سے کرے۔ اگر نکاح کا رشتہ باقی رکھنا ہے تو طلاق سے رُجوع کر لے، اور آئندہ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اور اگر علیحدگی چاہتا ہے تب بھی شریفانہ انداز میں بھل منسی کے ساتھ بیوی کو رخصت کرے۔

(۵) رُجوع کی صورت میں ترغیب دی گئی ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں شوہر یہ کہے کہ میں نے طلاق سے رُجوع کر لیا۔ عدل والے گواہوں سے مراد گواہوں کا نیک ہونا ہے۔ یہ رُجوع کا پسندیدہ طریقہ ہے، لیکن رُجوع کی لازمی شرط نہیں ہے۔ اسی طرح اگر شوہر زبان سے کچھ نہ کہے، لیکن بیوی سے حقوق زوجیت ادا کر لے، بلکہ بوس و کنار ہی کر لے، تب بھی رُجوع ہو جاتا ہے۔

(۶) یہ ان گواہوں سے خطاب ہے جن کی موجودگی میں شوہر نے طلاق سے رُجوع کیا ہو کہ اگر کبھی رُجوع کو ثابت کرنے کے لئے گواہی دینی پڑے تو ٹھیک ٹھیک گواہی دیں۔



ذَلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ  
مَخْرَجًا ۚ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ  
بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۚ ۝ وَالَّذِي يَبِيسُنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ  
ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ ۚ وَالَّذِي لَمْ يَحْضَنْ ۚ وَأُولَاتُ الْأَحْصَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ  
حَمْلَهُنَّ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۚ ۝ ذَلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ ۚ  
وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ۚ ۝

لوگو! یہ وہ بات ہے جس کی نصیحت اُس شخص کو کی جا رہی ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ اور جو کوئی اللہ سے  
ڈرے گا، اللہ اُس کے لئے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا، ۲ اور اُسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا  
جہاں سے اُسے گمان بھی نہیں ہوگا۔ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے، تو اللہ اُس (کا کام بنانے) کے لئے کافی ہے۔ یقین  
رکھو کہ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ (البتہ) اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ ۳ اور تمہاری عورتوں  
میں سے جو ماہواری آنے سے مایوس ہو چکی ہوں، اگر تمہیں (ان کی عدت کے بارے میں) شک ہو تو (یاد رکھو کہ) ان  
کی عدت تین مہینے ہے، اور اُن عورتوں کی (عدت) بھی (یہی ہے) جنہیں ابھی ماہواری آئی ہی نہیں۔ اور جو عورتیں  
حاملہ ہوں، اُن کی (عدت کی) میعاد یہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کا بچہ جن لیں۔ اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اُس کے کام  
میں آسانی پیدا کر دے گا۔ ۴ یہ اللہ کا حکم ہے جو اُس نے تم پر اتارا ہے، اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اُس کے  
گناہوں کو معاف کر دے گا، اور اُس کو زبردست ثواب دے گا۔ ۵

(۷) یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، اللہ تعالیٰ اُس کا کام بنادیتا ہے، لیکن کام بنانے کی نوعیت اور اس کا وقت اللہ تعالیٰ خود  
مقرر فرماتا ہے، کیونکہ اس نے ہر چیز کا ایک ناپنا اندازہ طے فرما رکھا ہے۔

(۸) سورہ بقرہ (۲: ۲۲۸) میں طلاق یافتہ عورتوں کی عدت تین ماہواری بتائی گئی ہے۔ اس پر بعض حضرات کے دل میں  
سوال پیدا ہوا کہ جن عورتوں کی ماہواری بڑی عمر میں پہنچنے پر بند ہو جاتی ہے، ان کی عدت کیا ہوگی۔ اس آیت نے واضح  
فرما دیا کہ تین ماہواری کے بجائے ان کی عدت تین مہینے ہوگی۔ اور اسی طرح وہ نابالغ لڑکیاں جنہیں ابھی ماہواری آنی  
شروع ہی نہیں ہوئی، اُن کی عدت بھی تین مہینے ہوگی۔ اور جن عورتوں کو حمل کی حالت میں طلاق دی گئی ہو، ان کی عدت اُس  
وقت تک جاری رہے گی جب تک ان کے یہاں بچہ پیدا ہو جائے، یا حمل کسی وجہ سے گر جائے، چاہے وہ تین مہینے سے کم  
مدت میں ہو یا زیادہ مدت میں۔



أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۖ وَإِنْ كُنَّ  
 أُولَاتٍ حُمِلَ فَاَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاتُّوهُنَّ  
 أُجُورَهُنَّ ۚ وَاتَّبَرُوا بَيْنَكُمْ بِعُرُوفٍ ۚ وَإِنْ تَعَاَسَرْتُمْ فُسْرَتُمْ فَلِئِنْ فُتِحَ لَكُمُ  
 ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ ۖ وَمَنْ قُدِّرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا  
 جِدَّتَهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۚ

ان عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق اُسی جگہ رہائش مہیا کرو جہاں تم رہتے ہو، اور انہیں تنگ کرنے کے لئے انہیں ستاؤ  
 نہیں،<sup>(۹)</sup> اور اگر وہ حاملہ ہوں تو اُن کو اُس وقت تک نفقہ دیتے رہو جب تک وہ اپنے پیٹ کا بچہ جن لیں۔<sup>(۱۰)</sup> پھر اگر وہ  
 تمہارے لئے بچے کو دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت ادا کرو، اور (اجرت مقرر کرنے کے لئے) آپس میں بھلے  
 طریقے سے بات طے کر لیا کرو، اور اگر تم ایک دوسرے کے لئے مشکل پیدا کرو گے تو اُسے کوئی اور عورت دودھ پلائے  
 گی۔<sup>(۱۱)</sup> ہر وسعت رکھنے والا اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے۔ اور جس شخص کے لئے اُس کا رِزق تنگ کر دیا گیا ہو، تو  
 جو کچھ اللہ نے اُسے دیا ہے، وہ اُسی میں سے نفقہ دے۔ اللہ نے کسی کو جتنا دیا ہے، اُس پر اُس سے زیادہ کا بوجھ نہیں  
 ڈالتا۔ کوئی مشکل ہو تو اللہ اُس کے بعد کوئی آسانی بھی پیدا کر دے گا۔<sup>(۱۲)</sup>

(۹) مرد کو یہ نہ سوچنا چاہئے کہ اب بیوی کو رخصت تو کرنا ہی ہے، اس لئے اسے ستا کر رخصت کروں۔ اس کے بجائے اُس کے  
 گھر میں رہنے کے دوران اُس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے، اور اسی آیت سے حنفی حضرات نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ  
 مطلقہ چاہے رجعی ہو یا بائنہ، عدت کے دوران اُس کا نفقہ شوہر کے ذمے واجب ہے، کیونکہ نفقہ نہ دینا ستانے کا ہی ایک طریقہ ہے  
 جس سے اس آیت میں منع فرمایا گیا ہے۔

(۱۰) عام حالت میں تو عدت تین مہینے کے قریب قریب پوری ہو جاتی ہے، لیکن چونکہ حمل کی مدت اس سے لمبی بھی ہو سکتی ہے،  
 اس لئے اس حالت کا خاص طور پر ذکر فرما کر حکم دیا گیا ہے کہ نفقہ بچے کی پیدائش تک جاری رہے گا، چاہے اُس میں کتنی دیر لگے۔  
 (۱۱) مطلقہ عورت خود اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لئے اپنے سابق شوہر اور بچے کے باپ سے اجرت کا مطالبہ کر سکتی ہے، اور  
 آیت میں ترغیب دی گئی ہے کہ اجرت آپس کی رضامندی سے طے کر لینی چاہئے۔ نہ تو شوہر اس میں بخل سے کام لے، کیونکہ اگر  
 آپس کی رضامندی سے بات طے نہ ہو سکی تو کسی اور عورت کو رکھنا پڑے گا، اور ظاہر ہے کہ وہ رواج کے مطابق اجرت مانگے گی،  
 لہذا کیوں نہ بچے کی ماں ہی کو وہ اجرت دے دی جائے۔ نیز ماں کو بھی یہ نہ چاہئے کہ وہ رواج سے زیادہ اجرت کا مطالبہ کرے،  
 کیونکہ اُس صورت میں بچے کا باپ کسی اور عورت سے دودھ پلوانے پر مجبور ہوگا، اور ماں کے لئے یہ اچھی بات نہیں ہے کہ وہ محض  
 زیادہ پیسوں کے لالچ میں اپنے بچے کو کسی اور سے دودھ پلوائے۔

(۱۲) شوہر پر بیوی بچوں کا جو نفقہ واجب ہوتا ہے، وہ اُس کی اپنی مالی حیثیت کے مطابق واجب ہوتا ہے۔ اُس سے زیادہ نہیں۔



وَكَايْنٍ مِّنْ قُرْبَىٰ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَأْسِهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسِبُنَهَا حَسَابًا شَدِيدًا ۚ وَعَذَابُهَا  
 عَذَابًا ثَكْرًا ۙ ﴿٩﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ۙ ﴿١٠﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا  
 شَدِيدًا ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ۚ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ قَدْ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۙ ﴿١١﴾  
 رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ  
 إِلَى النُّورِ ۗ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
 خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۗ قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ۙ ﴿١٢﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ  
 الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۚ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ  
 قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۙ ﴿١٣﴾

اور کتنی ہی بستیاں ایسی ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار اور اُس کے رسولوں کے حکم سے سرکشی کی تو ہم نے اُن کا سخت  
 حساب لیا، اور انہیں سزا دی، ایسی بُری سزا جو انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی! ﴿۹﴾ چنانچہ انہوں نے اپنے اعمال کا وبال  
 چکھا، اور ان کے اعمال کا آخری انجام نقصان ہی نقصان ہوا۔ ﴿۱۰﴾ (اور آخرت میں) ہم نے اُن کے لئے ایک سخت  
 عذاب تیار کر رکھا ہے۔ لہذا اے عقل والو جو ایمان لے آئے ہو، اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ نے تمہارے پاس ایک سراپا  
 نصیحت بھیجی ہے، ﴿۱۱﴾ یعنی وہ رسول جو تمہارے سامنے روشنی دینے والی اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں، تاکہ جو لوگ  
 ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں۔ اور جو شخص اللہ  
 پر ایمان لے آئے، اور نیک عمل کرے، اللہ اُس کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی،  
 جہاں جنتی لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے ایسے شخص کے لئے بہترین رزق طے کر دیا ہے۔ ﴿۱۲﴾ اللہ وہ ہے جس نے  
 سات آسمان پیدا کئے، اور زمین بھی اُنہی کی طرح۔ ﴿۱۳﴾ اللہ کا حکم ان کے درمیان اُترتا رہتا ہے، تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے  
 کہ اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، اور یہ کہ اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ ﴿۱۴﴾

﴿۱۳﴾ یہ قرآن کریم کا خاص اسلوب ہے کہ وہ جو احکام عطا فرماتا ہے، اُن کے آگے پیچھے بار بار یہ یاد دلاتا ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ  
 کے حضور جواب دہی کے احساس سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ یہی وہ احساس ہے جو تمہارے لئے ان احکام پر عمل کرنا آسان  
 بنادے گا۔

﴿۱۴﴾ احادیث سے اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں کی طرح زمینیں بھی سات ہیں۔ البتہ ان کی کوئی تفصیل قرآن و



حدیث نے نہیں بتائی کہ یہ سات زمیںیں تہہ برتہہ ہیں، یا ان کے درمیان فاصلہ ہے، اور اگر فاصلہ ہے تو وہ کہاں واقع ہیں۔ کائنات کی بیشمار چیزیں ایسی ہیں جن تک ابھی انسان کے علم کی رسائی نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کی حقیقت جانتا ہے، اور قرآن کریم کے مقصد کے لئے یہ ساری تفصیلات جاننا ضروری بھی نہیں ہے۔ آیت کا اصل مقصد یہ ہے کہ کائنات کے ان حقائق سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ پر ایمان لانا ہی عقلِ سلیم کا تقاضا ہے۔

الحمد للہ! سورہ طلاق کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج بروز جمعہ مورخہ ۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۳ جون ۲۰۰۸ء کو دبی سے کراچی جاتے ہوئے جہاز میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کا ترجمہ اور تشریح بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ التَّحْرِيمِ

## تعارف

جیسا کہ پچھلی سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، اس سورت کا بنیادی موضوع بھی یہ ہے کہ میاں بیوی کو آپس میں اور اپنی اولاد کے ساتھ کس طرح معتدل اور متوازن رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ ایک طرف اُن سے معقول حدود میں محبت بھی دین کا تقاضا ہے، اور دوسری طرف اُن کی یہ نگرانی بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے انحراف نہ کریں۔ اسی سلسلے میں ایک واقعہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا تھا کہ اپنی کچھ ازواجِ مطہرات کی خوشنودی کی خاطر آپ نے یہ قسم کھالی تھی کہ میں آئندہ شہد نہیں پیوں گا جس کی تفصیل آیت نمبر ۱ کے حاشیہ میں آرہی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ فرمایا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کی ہے، اُسے آپ اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہیں؟ اسی لئے سورت کا نام تحریم ہے جس کے معنی ہیں: ”حرام کرنا“۔



۱۲ آیاتھا ۶۶ سُورَةُ التَّحْرِيمِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۷ رُكُوعَاتُهَا ۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ  
رَّحِيمٌ ○ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْبَانِكُمْ ۚ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ○  
وَإِذَا أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے، تم اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اُسے کیوں حرام کرتے ہو؟ اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ ○ اللہ نے تمہاری قسموں سے نکلنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ ○ اور اللہ تمہارا کارساز ہے، اور وہی ہے جس کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔ ○ اور یاد کرو جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کے طور پر ایک بات کہی تھی۔ ○

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ عصر کے بعد اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اسی معمول کے مطابق آپ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ کو شہد پیش کیا جو آپ نے پیا۔ اس کے بعد آپ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے پاس تشریف لے گئے تو دونوں نے پوچھا کہ کیا آپ نے مغفیر کھایا ہے؟ (مغفیر ایک گھاس کا نام ہے جس میں کچھ بُو ہوتی تھی) آپ نے نفی میں جواب دیا تو انہوں نے پوچھا کہ: ”آپ کے منہ میں یہ بُو کیسی ہے؟“ آپ کو اس سے شبہ ہوا کہ شاید جو شہد میں نے پیا تھا، اُس کی مکھی نے مغفیر چوسا ہو۔ چونکہ آپ کو اپنے مبارک منہ سے کوئی ناگوار بُو محسوس ہونا انتہائی ناپسند تھا، اس لئے آپ نے اُس وقت یہ قسم کھالی کہ میں آئندہ شہد نہیں پیوں گا۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد نہ پینے کی جو قسم کھالی تھی، اُس پر اس آیت میں ہدایت دی گئی ہے کہ آپ وہ قسم توڑ دیں، اور کفارہ ادا کر دیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی نامناسب قسم کھالے تو اُسے قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دینا چاہئے۔ کفارہ وہی ہے جو سورہ مائدہ (۵: ۸۹) میں بیان فرمایا گیا ہے۔

(۳) راز کی بات آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ فرمائی تھی کہ میں نے شہد نہ پینے کی قسم کھالی ہے، مگر یہ بات کسی کو بتانا نہیں، تاکہ حضرت زینب جن کے گھر میں آپ شہد نوش فرماتے تھے، ان کا دل نہ ٹوٹے۔



فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۖ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ  
 قَالَتْ مَنْ أَنْبَاكَ هَذَا ۖ قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ﴿۴﴾ إِنَّ تَتُوبَآ إِلَى اللَّهِ فَقَدْ  
 صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۚ وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ  
 الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ﴿۵﴾ عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ  
 أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قَنَاطَاتٍ سَيَكُنَّ عِبَادَتٌ سَاحَتٍ ثَبَّتِ  
 وَ أَنْبَكَارًا ﴿۶﴾

پھر جب اُس بیوی نے وہ بات کسی اور کو بتلا دی، اور اللہ نے یہ بات نبی پر ظاہر کر دی تو اُس نے اُس کا کچھ حصہ جتلا دیا،  
 اور کچھ حصے کو ٹال گئے۔ (۵) پھر جب انہوں نے اُس بیوی کو وہ بات جتلائی تو وہ کہنے لگیں کہ: ”آپ کو یہ بات کس نے  
 بتائی؟“ نبی نے کہا کہ: ”مجھے اُس نے بتائی جو بڑے علم والا، بہت باخبر ہے۔“ (۴) (اے نبی کی بیویو!) اگر تم اللہ کے  
 حضور تو بہ کر لو (تو یہی مناسب ہے) کیونکہ تم دونوں کے دل مائل ہو گئے ہیں، اور اگر نبی کے مقابلے میں تم نے ایک  
 دوسری کی مدد کی، تو (یاد رکھو کہ) اُن کا ساتھی اللہ ہے، اور جبریل ہیں، اور نیک مسلمان ہیں۔ اور اس کے علاوہ فرشتے  
 ان کے مددگار ہیں۔ (۶) اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو ان کے پروردگار کو اس بات میں دیر نہیں لگے گی کہ وہ اُن کو  
 (تمہارے) بدلے میں ایسی بیویاں عطا فرمادے جو تم سب سے بہتر ہوں، مسلمان، ایمان والی، طاعت شعار، توبہ  
 کرنے والی، عبادت گزار اور روزہ دار ہوں، چاہے پہلے اُن کے شوہر رہے ہوں، یا کنواری ہوں۔ (۷)

(۴) یعنی حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ کو بتلا دی۔

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو یہ تو جتلا دیا کہ انہوں نے راز کی بات جو حضرت عائشہؓ کو بتائی، اُس کا علم  
 مجھے ہو گیا ہے، لیکن پوری بات نہیں بتلائی، تاکہ ان کو زیادہ شرمندگی نہ ہو۔

(۶) یہ خطاب حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ہو رہا ہے، اور اس کا مطلب اکثر مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ:  
 ”تم دونوں کے دل حق سے مائل ہو گئے ہیں، یعنی حق طریقے سے ہٹ گئے ہیں“ لیکن بعض مفسرین نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ  
 تمہارے دل توبہ کی طرف مائل تو ہو ہی گئے ہیں، اس لئے اب تمہیں توبہ کر لینی چاہئے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ  
 غِلَظُ شِدَادٍ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا  
 تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۚ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتُّوبُوا إِلَى اللَّهِ  
 تَوْبَةً نَّصُوحًا ۚ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا  
 الْأَنْهَارُ ۚ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۖ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ  
 وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتِمِّمْ لَنَا رِزْقَنَا وَاعْفِرْ لَنَا ۚ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣﴾ يَا أَيُّهَا  
 النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٤﴾

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ اُس پر  
 سخت کڑے مزاج کے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے کسی حکم میں اُس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی کرتے ہیں جس کا  
 انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ ﴿۱﴾

اے کفر اختیار کرنے والو! آج معذرتیں پیش مت کرو۔ تمہیں انہی اعمال کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔ ﴿۲﴾  
 اے ایمان والو! اللہ کے حضور سچی توبہ کرو۔ کچھ بعید نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری بُرائیاں تم سے جھاڑ دے، اور تمہیں  
 ایسے باغات میں داخل کر دے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اُس دن جب اللہ نبی کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان  
 لائے ہیں اُن کو رُسوا نہیں کرے گا۔ اُن کا نور اُن کے آگے اور اُن کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔ وہ کہہ رہے ہوں گے کہ:  
 ”اے ہمارے پروردگار! ہمارے لئے اس نور کو مکمل کر دیجئے، اور ہماری مغفرت فرما دیجئے۔ یقیناً آپ ہر چیز پر پوری  
 قدرت رکھنے والے ہیں۔“ ﴿۳﴾ اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو، اور اُن کے مقابلے میں سخت ہو جاؤ۔ اور  
 ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ ﴿۴﴾

(۷) پتھر سے مراد پتھر کے وہ بت ہیں جنہیں بت پرست لوگ پوجا کرتے تھے۔ ان کو دوزخ میں عبرت کے طور پر ڈالا جائے گا،  
 تاکہ بت پرست ان پتھروں کا انجام دیکھیں جن کو انہوں نے خدا بنایا ہوا تھا۔

(۸) اس سے مراد غالباً وہ وقت ہے جب تمام لوگ پل صراط سے گزر رہے ہوں گے، وہاں ہر انسان کا ایمان اُس کے سامنے  
 نور بن کر اُسے راستہ دکھائے گا، جیسا کہ سورہ حدید (۱۲:۵۷) میں گزر چکا ہے۔

(۹) یعنی آخر تک اُسے برقرار رکھئے۔ کیونکہ سورہ حدید میں گزر چکا ہے کہ منافق بھی شروع میں اس نور سے فائدہ اٹھائیں گے،  
 لیکن بعد میں اُن سے نور سلب کر لیا جائے گا۔

(۱۰) جہاد کے معنی دراصل جدوجہد کے ہیں۔ اس میں پُر امن جدوجہد بھی داخل ہے جس کے ذریعے کسی کو دین کی دعوت دی



ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَاتَ نُوحٍ وَامْرَأَاتَ لُوطٍ ۖ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحِينَ فَخَانَتُهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّٰخِلِينَ ۝ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَاتَ فِرْعَوْنَ ۖ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَمَرْيَمَ ابْنَتْ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ لَهَا وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ ۝

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے، اللہ اُن کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کو مثال کے طور پر پیش کرتا ہے۔ یہ دونوں ہمارے دوائے بندوں کے نکاح میں تھیں جو بہت نیک تھے۔ پھر انہوں نے ان کے ساتھ بے وفائی کی، تو وہ دونوں اللہ کے مقابلے میں اُن کے کچھ بھی کام نہیں آئے، اور (اُن بیویوں سے) کہا گیا کہ: ”دوسرے جانے والوں کے ساتھ تم بھی جہنم میں چلی جاؤ۔“ ۱۰ اور جن لوگوں نے ایمان اختیار کیا ہے، اُن کے لئے اللہ، فرعون کی بیوی کو مثال کے طور پر پیش کرتا ہے ۱۱ جب اُس نے کہا تھا کہ: ”میرے پروردگار! میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنادے، اور مجھے فرعون اور اُس کے عمل سے نجات دیدے، اور مجھے ظالم لوگوں سے بھی نجات عطا فرما۔“ ۱۲ نیز عمران کی بیٹی مریم کو (مثال کے طور پر پیش کرتا ہے) جنہوں نے اپنی عصمت کی حفاظت کی، تو ہم نے اُس میں اپنی روح پھونک دی، اور ۱۳ انہوں نے اپنے پروردگار کی باتوں اور اُس کی کتابوں کی تصدیق کی، اور وہ طاعت شعار لوگوں میں شامل تھیں۔ ۱۴

جائے، اور دین کی نشر و اشاعت اور اُس کی تنفیذ کے لئے کام کیا جائے، اور مسلح جدوجہد بھی داخل ہے جس کے ذریعے دشمن کا مقابلہ کیا جائے، مگر یہ مسلح جدوجہد کافروں ہی کے مقابلے میں ہو سکتی ہے، منافق چونکہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، اس لئے دُنیا میں اُن کے ساتھ مسلمانوں ہی کا سا معاملہ کیا جاتا ہے، اور عام حالات میں اُن سے لڑائی نہیں کی جاتی، الا یہ کہ وہ بغاوت پر اتر آئیں۔

(۱۱) حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی لوگوں سے اپنے مقدس شوہر کو مجنون کہا کرتی تھی، اور حضرت نوح علیہ السلام کے راز اُن کے دشمنوں کو بتا دیا کرتی تھی۔ اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی آپ کے دشمنوں کی مدد کیا کرتی تھی۔ (روح المعانی) یہ مثال دے کر اللہ تعالیٰ متنبہ فرما رہے ہیں کہ کسی قریب ترین رشتہ دار کا ایمان بھی انسان کو فائدہ نہیں دے سکتا جب تک وہ خود ایمان نہ لائے۔



(۱۲) فرعون کی بیوی کا نام آسیہ تھا، اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جادو گروں پر فتح عطا فرمائی تو اُن جادو گروں کے ساتھ وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھیں جس کے نتیجے میں فرعون نے اُن پر بہت ظلم ڈھائے۔ اس موقع پر انہوں نے یہ دُعا فرمائی۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ فرعون نے اُن کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گاڑ کر اُوپر سے ایک پتھر پھینکنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن اس سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اُن کی رُوح قبض فرمائی۔ (روح المعانی)۔

(۱۳) اسی رُوح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی لئے ان کو ”رُوح اللہ“ کہا جاتا ہے۔

الحمد للہ! سورہ تحریم کا ترجمہ اور اُس کے حواشی آج بروز جمعہ ۱۵ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰ جون ۲۰۰۸ء کو دبی سے کراچی جاتے ہوئے طیارے میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ الْمُلْكِ

## تعارف

یہاں سے قرآن کریم کے آخر تک زیادہ تر مکی سورتیں ہیں۔ تقریباً ان سب سورتوں کا مرکزی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات، جنت و دوزخ کے حالات اور اسلام کی تبلیغ کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایات اور تسلی دینا ہے۔ چونکہ یہ پچھلی سورتوں کے مقابلے میں مختصر سورتیں ہیں، اس لئے ان سب کے الگ الگ تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ جس سورت میں ضرورت محسوس ہوگی، ان شاء اللہ وہاں تعارف عرض کر دیا جائے گا۔



آیتھا ۳۰ ﴿۱﴾ سُورَةُ الْمَلِكِ مَكِّيَّةٌ ۷۷ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴿۲﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱﴾ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ  
لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ﴿۲﴾ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ۚ مَا  
تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِن تَفَوتٍ ۚ فَإِذْ جِئَ الْبَصَرُ ۚ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ  
كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِصَابِغٍ  
وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ﴿۵﴾ وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ  
عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۶﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں تیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

بڑی شان ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں ساری بادشاہی ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ ﴿۱﴾ جس نے  
موت اور زندگی اس لئے پیدا کی تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ بہتر ہے، اور وہی ہے جو مکمل  
اقتدار کا مالک، بہت بخشنے والا ہے، ﴿۲﴾ جس نے سات آسمان اُوپر تلے پیدا کئے۔ تم خدائے رحمن کی تخلیق میں کوئی فرق  
نہیں پاؤ گے۔ اب پھر سے نظر دوڑا کر دیکھو کیا تمہیں کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟ ﴿۳﴾ پھر بار بار نظر دوڑاؤ، نتیجہ یہی ہوگا کہ نظر  
تھک ہار کر تمہارے پاس نامراد لوٹ آئے گی۔ ﴿۴﴾ اور ہم نے قریب والے آسمان کو روشن چراغوں سے سجا رکھا ہے، اور  
ان کو شیطانوں پر پتھر برسانے کا ذریعہ بھی بنایا ہے، اور ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۵﴾ اور جن  
لوگوں نے اپنے پروردگار سے کفر کا معاملہ کیا ہے، اُن کے لئے جہنم کا عذاب ہے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ ﴿۶﴾

(۱) فرق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز ایک خاص توازن اور ربط کے ساتھ پیدا فرمائی ہے، اس میں کہیں  
غیر موزونیت نہیں ہے۔

(۲) چراغوں سے مراد ستارے اور اجرام فلکی ہیں جو رات کے وقت سجاوٹ کا بھی ذریعہ بنتے ہیں، اور ان سے شیطانوں کو  
مارنے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ شیطانوں کو مارنے کی تفصیل سورہ حجر (۱۸:۱۵) کے حاشیہ میں گزر چکی ہے۔



اِذَا اُلْقُوا فِيْهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورٌ ۝۷ تَكَادُ تَبَيِّرُ مِنَ الْغَيْظِ ۝۸ كَلْبًا اُلْقٰ فِيْهَا  
 فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝۹ قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَاۤءَنَا نَذِيرٌ ۝۱۰ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا  
 نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۝۱۱ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِی ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ ۝۱۲ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِی  
 اَصْحَابِ السَّعِیْرِ ۝۱۳ فَاعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ ۝۱۴ فَسَحَقَ اللّٰهُ اَصْحَابَ السَّعِیْرِ ۝۱۵ اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ  
 رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ ۝۱۶ وَاَسْرُوْا قَوْلَكُمْ اَوٰجَهْرُ وَاٰبِهٖ ۝۱۷ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ بِذٰتِ  
 الصُّدُوْرِ ۝۱۸ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۝۱۹ وَهُوَ اللّٰطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝۲۰ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ رَیۡسًا  
 ذُلُوْا لَا فَاُمَشُوْا فِیۡ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۝۲۱ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ۝۲۲

جب وہ اُس میں ڈالے جائیں گے تو اُس کے دھاڑنے کی آواز سنیں گے، اور وہ جوش مارتی ہوگی، ۷ ایسا لگے گا جیسے وہ  
 غصے سے پھٹ پڑے گی۔ جب بھی اُس میں (کافروں کا) کوئی گروہ پھینکا جائے گا تو اُس کے محافظ اُن سے پوچھیں گے  
 کہ کیا تمہارے پاس کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا؟ ۸ وہ کہیں گے کہ ہاں بیشک ہمارے پاس خبردار کرنے والا آیا  
 تھا، مگر ہم نے (اُسے) جھٹلادیا، اور کہا کہ: ”اللہ نے کچھ نازل نہیں کیا، تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم بڑی  
 بھاری گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔“ ۹ اور وہ کہیں گے کہ: ”اگر ہم سن لیا کرتے اور سمجھ سے کام لیا کرتے تو (آج)  
 دوزخ والوں میں شامل نہ ہوتے۔“ ۱۰ اس طرح وہ اپنے گناہ کا خود اعتراف کر لیں گے۔ غرض پھٹکار ہے دوزخ  
 والوں پر! ۱۱ (اس کے برخلاف) جو لوگ بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، اُن کے لئے بیشک مغفرت اور بڑا  
 اجر ہے۔ ۱۲ اور تم اپنی بات چھپا کر کرو، یا زور سے کرو، (سب اُس کے علم میں ہے، کیونکہ) وہ دلوں تک کی باتوں کا  
 پورا علم رکھنے والا ہے۔ ۱۳ بھلا جس نے پیدا کیا وہی نہ جانے؟ جبکہ وہ بہت باریک بین، مکمل طور پر باخبر ہے! ۱۴  
 وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو رام کر دیا ہے، لہذا تم اُس کے مونڈھوں پر چلو پھرو، اور اُس کا رِزق کھاؤ، اور اُسی  
 کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔ ۱۵ (۳)

(۳) یعنی زمین کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے تصرف میں دے دی ہیں، لیکن ان کو استعمال کرتے وقت یہ مت بھولو کہ  
 تمہیں ہمیشہ یہاں نہیں رہنا، بلکہ ایک دن یہاں سے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانا ہے جہاں تمہیں ان نعمتوں کا حساب دینا ہوگا،  
 لہذا یہاں کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی استعمال کرو۔



ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُورٌ ۝۱۸ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ اَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۝۱۹ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرٌ ۝۲۰ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرٌ ۝۲۱ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَفْتٌ وَيَقْبِضُنَّ مَا يَمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۝۲۲ اِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۲۳ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۝۲۴ اِنْ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ۝۲۵ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَزْعُمُ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقُهٗ ۝۲۶ بَلْ لَّجُوْا فِيْ عُتُوٍّ وَنُفُوْرٍ ۝۲۷ اَفَمَنْ يَّسْتَشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖ اَهْدٰى اَمَّنْ يَّسْتَشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۲۸ قُلْ هُوَ الَّذِيْ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۝۲۹ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۳۰

وَقَدْ كَذَّبَ  
الَّذِيْنَ مِنْ  
قَبْلِهِمْ

کیا تم آسمان والے کی اس بات سے بے خوف ہو بیٹھے ہو کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے، تو وہ ایک دم تھر تھرانے لگے؟ ۱۸) یا کیا تم آسمان والے کی اس بات سے بے خوف ہو بیٹھے ہو کہ وہ تم پر پتھروں کی بارش برسا دے؟ پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا؟ ۱۹) اور ان سے پہلے جو لوگ تھے، انہوں نے بھی (پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا۔ پھر (دیکھ لو کہ) میرا عذاب کیسا تھا؟ ۲۰) اور کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر نظر اٹھا کر نہیں دیکھا کہ وہ پروں کو پھیلانے ہوئے ہوتے ہیں، اور سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ اُن کو خدائے رحمن کے سوا کوئی تھا مے ہوئے نہیں ہے۔ یقیناً وہ ہر چیز کی خوب دیکھ بھال کرنے والا ہے۔ ۲۱) بھلا خدائے رحمن کے سوا وہ کون ہے جو تمہارا لشکر بن کر تمہاری مدد کرے؟ کافر لوگ تو نرے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۲۲) اگر وہ اپنا رزق بند کر دے تو بھلا وہ کون ہے جو تمہیں رزق عطا کر سکے؟ اس کے باوجود وہ سرکشی اور بیزاری پر جمے ہوئے ہیں۔ ۲۳) بھلا جو شخص اپنے منہ کے بل اوندھا چل رہا ہو، وہ منزل تک زیادہ پہنچنے والا ہو گا یا وہ جو ایک سیدھے راستے پر سیدھا سیدھا چل رہا ہو؟ ۲۴) کہہ دو کہ: ”وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ (مگر) تم لوگ شکر تھوڑا ہی کرتے ہو۔“ ۲۵)

(۳) آخرت کا عذاب تو اپنی جگہ ہے، لیکن بد اعمالیوں کے نتیجے میں اس دنیا میں بھی عذاب آ سکتا ہے، مثلاً یہ کہ انسان کو قارون کی طرح زمین میں دھنسا دیا جائے، اور زمین تھر تھرانے لگے جس کے نتیجے میں انسان زمین کے اندر اور زیادہ دھنستا چلا جائے۔ (۵) یعنی یہ کافر لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے من گھڑت معبود ہماری مدد کریں گے، وہ خالص دھوکے میں ہیں۔



قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۳﴾ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۴﴾ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سَيِّئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدَّعُونَ ﴿۲۶﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكْنِي اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۷﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَّنُّهُمْ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَّعِينٍ ﴿۲۹﴾

کہہ دو کہ: ”وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا، اور اُسی کے پاس تمہیں اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا۔“ ﴿۲۳﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟“ ﴿۲۴﴾ کہہ دو کہ: ”اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے، اور میں تو بس صاف صاف طریقے پر خبردار کرنے والا ہوں۔“ ﴿۲۵﴾ پھر جب وہ اس (قیامت کے عذاب) کو پاس آتا دیکھ لیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے، اور کہا جائے گا کہ: ”یہ ہے وہ چیز جو تم مانگا کرتے تھے۔“ ﴿۲۶﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ”ذرا یہ بتلاؤ کہ چاہے اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرما دے، (دونوں صورتوں میں) کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟“ ﴿۲۷﴾ کہہ دو کہ: ”وہ رحمٰن ہے، ہم اس پر ایمان لائے ہیں، اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے۔ چنانچہ عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کون ہے جو کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔“ ﴿۲۸﴾ کہہ دو کہ: ”ذرا یہ بتلاؤ کہ اگر کسی صبح تمہارا پانی نیچے کو اتر کر غائب ہو جائے تو کون ہے جو تمہیں چشمے سے اُبلتا ہوا پانی لا کر دیدے؟“ ﴿۲۹﴾

(۱) کافر لوگ بار بار آخرت کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ اگر آخرت کا عذاب برحق ہے تو اس میں دیر کیوں ہو رہی ہے، ابھی کیوں نہیں آ جاتا؟

(۲) بہت سے کافر یہ کہا کرتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے چلے جائیں گے تو ان کا دین ختم ہو جائے گا، چنانچہ وہ آپ کی وفات کا انتظار کر رہے تھے، جیسا کہ سورہ طور (۵۲: ۳۰) میں گزرا ہے۔ یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ چاہے اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے ساتھیوں کو ہلاک فرمائے، یا ان پر رحم فرما کر انہیں فتح عطا فرمائے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے) لیکن اس سے



تمہارے انجام پر تو کوئی فرق نہیں پڑتا، دونوں صورتوں میں کافروں کو عذاب سے ضرور سابقہ پڑے گا۔  
**(۸)** جب یہ بات طے ہے کہ پانی سمیت ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہے تو آخر اُس کے سوا کون ہے جو عبادت کا مستحق ہو، اور کونسی وجہ ہے جس کی بنا پر اُس کی اس قدرت کا انکار کیا جائے کہ وہ انسانوں کو زندہ کر کے انہیں جزایا سزا دے گا؟

الحمد للہ! سورہ ملک کا ترجمہ اور اس کے تشریحی حواشی آج بروز بدھ ۲۶ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۲ جولائی ۲۰۰۸ء مدینہ منورہ میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔  
 آمین ثم آمین۔



﴿ ایتھا ۵۲ ﴾ ﴿ سُورَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ ۲ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴾

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ مَا أَنْتَ بِمَجْنُونٍ ۝ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ  
مَمْنُونٍ ۝ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ۝ بِأَسْيَٰكُمُ الْمَقْتُولُونَ ۝ إِنَّ  
رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۝ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

ن۔ (اے پیغمبر!) قسم ہے قلم کی، اور اس چیز کی جو وہ لکھ رہے ہیں، (۱) اپنے پروردگار کے فضل سے تم دیوانے نہیں  
ہو، (۲) اور یقیناً جانو تمہارے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ (۳) اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہو۔ (۴)  
چنانچہ تم بھی دیکھ لو گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے (۵) کہ تم میں سے کون دیوانگی میں مبتلا ہے (۶) یقیناً تمہارا پروردگار  
اُسے بھی خوب جانتا ہے جو اپنے راستے سے بھٹک گیا ہے، اور اُن لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جنہوں نے سیدھی راہ پالی  
ہے۔ (۷) لہذا تم ان کی باتوں میں نہ آنا جو (تمہیں) جھٹلاتے ہیں، (۸)

(۱) یہاں حرف نون اُنہی حروف مقطعات میں سے ہے جو مختلف قرآنی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، اور جن کے بارے  
میں سورہ بقرہ کے شروع میں عرض کیا جا چکا ہے کہ ان کے ٹھیک ٹھیک معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہیں۔

(۲) مکہ مکرمہ کے کافر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) دیوانہ کہا کرتے تھے۔ اگلی آیت میں اُن کی تردید فرمائی گئی  
ہے، اور اس سے پہلے اس آیت میں اس تردید پر یہ قسم کھائی گئی ہے۔ اس کی تفسیر میں بہت سے مفسرین نے فرمایا ہے کہ قلم سے  
مراد تقدیر کا قلم ہے، اور ”وہ“ سے مراد فرشتے ہیں، یعنی قسم ہے تقدیر کے قلم کی، اور تقدیر کے ان فیصلوں کی جو فرشتے لکھتے ہیں کہ  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیوانے نہیں ہیں۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبر ہونا اور مکہ مکرمہ میں مبعوث ہونا تقدیر میں  
پہلے سے لکھا جا چکا تھا، اس لئے آپ اگر اللہ تعالیٰ کا پیغام دنیا والوں تک پہنچا رہے ہیں تو اس میں نہ کوئی غیر معقول بات ہے، اور  
نہ اس پر کسی کو حیرت ہونی چاہئے۔

دوسرے بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ قلم سے مراد عام قلم ہے، اور ”جو کچھ وہ لکھ رہے ہیں“ سے مراد عام لوگوں کا لکھنا ہے۔ اس  
صورت میں مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ قلم سے لکھنا جاننے والے بھی وہ اعلیٰ مضامین لکھنے سے عاجز ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
قرآن کریم کے ذریعے لوگوں تک پہنچا رہے ہیں، حالانکہ آپ اُمی ہیں، اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ ایک اُمی کی زبان مبارک پر  
ایسا اونچے درجے کا کلام جاری ہونا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آرہی ہے۔ ایسی  
صورت میں آپ کو دیوانگی کا طعنہ دینا خود دیوانگی ہے۔



وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فِیْهِمْ دُهْنًا ۙ وَلَا تُطْعَمُ کُلٌّ حَلَافٍ مَّهِیْنٍ ۙ هَمَّازٍ مَّشَآءٍ بِنَسِیمٍ ۙ مَّنَّاءٍ  
لِّلْخَبْرِ مُعْتَدٍ أَثِیمٍ ۙ عُثْلٌ بِعَدَدٍ ذٰلِکَ زَنِیمٍ ۙ اَنْ کَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِیْنٍ ۙ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ  
اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۙ سَنَسِیْهُ عَلٰی الْخُرْطُوْمِ ۙ اِنَّا بَلَوْنَهُمْ کَمَا بَلَوْنَا  
اَصْحَابَ الْجَنَّةِ ۙ اِذَا قَسَمُوا لَیَّصِرُنَّهَا مُصْبِحِیْنَ ۙ

یہ چاہتے ہیں کہ تم ڈھیلے پڑ جاؤ تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔ (۹) اور کسی بھی ایسے شخص کی باتوں میں نہ آنا جو بہت قسمیں  
کھانے والا، بے وقعت شخص ہے، (۱۰) طعنے دینے کا عادی ہے، چغلیاں لگاتا پھرتا ہے، (۱۱) بھلائی سے روکنے والا،  
زیادتی کرنے والا، بد عمل ہے (۱۲) بد مزاج ہے، اور اس کے علاوہ نچلے نسب والا بھی۔ (۱۳) صرف اس وجہ سے کہ وہ  
بڑے مال اور اولاد والا ہے۔ (۱۴) جب اُس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ پچھلے لوگوں  
کی کہانیاں ہیں۔ (۱۵) عنقریب ہم اُس کی سوئڈ پر داغ لگا دیں گے۔ (۱۶)

ہم نے ان (مکہ والوں) کو اسی طرح آزمائش میں ڈالا ہے جیسے (ایک) باغ والوں کو اُس وقت آزمائش میں ڈالا تھا  
جب انہوں نے قسم کھائی تھی کہ صبح ہوتے ہی ہم اس باغ کا پھل توڑ لیں گے۔ (۱۷)

(۳) کافروں کی طرف سے کئی بار اس قسم کی تجویزیں پیش کی گئی تھیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرائض تبلیغ کی ادائیگی  
میں کچھ نرمی کا مظاہرہ فرمائیں، اور ہمارے بتوں کو باطل نہ کہیں تو ہم بھی آپ کو ستانا چھوڑ دیں گے۔ یہ ان کی اس تجویز کی طرف  
اشارہ ہے۔

(۴) جو کافر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش تھے، اور آپ کو اپنے دین کی تبلیغ سے ہٹانا چاہتے تھے، اُن  
میں سے کئی لوگ ایسے تھے جن میں وہ اخلاقی خرابیاں پائی جاتی تھیں جن کا تذکرہ آیات ۱۰ تا ۱۲ میں فرمایا گیا ہے۔ بعض مفسرین  
نے ایسے افراد کا نام بھی لیا ہے کہ وہ اخض بن شریق، اسود بن عبد یغوث یا ولید بن مغیرہ تھے۔

(۵) یعنی صرف مال دار اور بڑے خاندان والا ہونے کی وجہ سے ایسے آدمی کی باتوں میں نہیں آنا چاہئے۔

(۶) سوئڈ سے مراد ناک ہے جسے اہانت کے طور پر سوئڈ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ایسے شخص کی  
ناک کو داغ کر اُس پر ایک بدنما نشان لگا دیا جائے گا جس سے اُس کی مزید رسوائی ہوگی۔

(۷) مکہ مکرمہ کے بعض مال دار کافروں کو یہ زعم تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہوتا تو ہمیں مال و دولت سے نہ نوازتا، جیسا کہ  
سورہ مؤمنون (۵۶:۲۳) میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کا ذکر فرمایا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ ہم بعض  
اوقات کسی کو مال و دولت اس کو آزمانے کے لئے دیتے ہیں، اور اگر وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بجائے ناشکری کرے  
تو اس پر دنیا ہی میں عذاب آجاتا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں اسی طرح کا ایک واقعہ بیان فرمایا گیا ہے جو اہل عرب میں مشہور تھا۔  
واقعہ یہ ہے کہ ایک نیک شخص کا بہت بڑا باغ تھا۔ اُس نیک آدمی کا معمول یہ تھا کہ وہ اپنے باغ اور کھیت کی پیداوار کا ایک اچھا







قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُوْنَ ۝۳۸ قَالَوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۳۹  
 فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ يَّتَلَوْنَهُمْ ۝۴۰ قَالَوْا يٰوَيْلَنَا اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝۴۱ عَسٰی رَبُّنَا اَنْ  
 يُبَدِّلَنَا خَيْرًا مِنْهَا اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَارْغُبُوْنَ ۝۴۲ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ  
 اَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۳ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتِ النَّعِيْمِ ۝۴۴ اَفَنَجْعَلُ  
 الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝۴۵ مَا لَكُمْ بِهٰذَا ۚ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝۴۶ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ۝۴۷  
 اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَآ تَخَيَّرُوْنَ ۝۴۸ اَمْ لَكُمْ اٰیٰتٌ عَلَيْنَا بِالْعِلْمِ ۚ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ اِنَّ لَكُمْ لَمَآ  
 تَحْكُمُوْنَ ۝۴۹

ان میں جو شخص سب سے اچھا تھا، وہ کہنے لگا: ”کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟“ (۳۸) کہنے لگے: ”ہم اپنے پروردگار کی تسبیح کرتے ہیں، یقیناً ہم ظالم تھے۔“ (۳۹) پھر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ (۴۰) (پھر) سب نے (متفق ہو کر) کہا کہ: ”افسوس ہے ہم سب پر! یقیناً ہم سب نے سرکشی اختیار کر لی تھی۔“ (۴۱) کیا بعید ہے کہ ہمارا پروردگار ہمیں اس باغ کے بدلے اُس سے اچھا عطا فرمادے۔ بیشک ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔“ (۴۲) عذاب ایسا ہی ہوتا ہے، اور آخرت کا عذاب یقیناً سب سے بڑا ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے! (۴۳)

البتہ متقیوں کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس نعمتوں بھرے باغات ہیں۔ (۴۴) بھلا کیا ہم فرماں برداروں کو مجرموں کے برابر کر دیں گے؟ (۴۵) تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسی باتیں طے کر لیتے ہو؟ (۴۶) کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو (۴۷) کہ تمہیں وہاں وہی کچھ ملے گا جو تم پسند کرو گے؟ (۴۸) یا تم نے ہم سے قیامت کے دن تک باقی رہنے والی قسمیں لے رکھی ہیں کہ تمہیں وہی کچھ ملے گا جو تم طے کرو گے؟ (۴۹)

(۱۱) ان بھائیوں میں ایک دوسروں کی بہ نسبت اچھا تھا، اُس نے پہلے بھی بھائیوں سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، اور غریبوں کو منع نہ کرو، لیکن بعد میں وہ بھی دوسرے بھائیوں کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔

(۱۲) اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعے کے بعد انہوں نے توبہ کر لی تھی۔

(۱۳) بعض کافر یہ کہتے تھے کہ اگر بالفرض ہمیں اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا تب بھی وہ ہمیں وہاں جنت کی نعمتیں دے گا، جیسا کہ سورہ حم السجدہ (۵۰:۴۱) میں گزرا ہے۔ یہ آیتیں اس بے بنیاد خیال کی تردید فرما رہی ہیں۔



سَلَامٌ عَلَيْهِمْ بِذَلِكَ زَعِيمٌ ۝۳۰ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ۝۳۱  
يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ۝۳۲ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ  
تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۝۳۳ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ ۝۳۴ فَذَرْنِي وَمَنْ يُكْذِبُ  
بِهَذَا الْحَدِيثِ ۝۳۵ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝۳۶ وَأُمْلِي لَهُمْ ۝۳۷ إِنَّ كَيْدِي  
مَتِينٌ ۝۳۸ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ۝۳۹ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ  
يَكْتُمُونَ ۝۴۰ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ۝۴۱

(اے پیغمبر!) ان سے پوچھو کہ: ”ان میں سے کون ہے جس نے اس بات کی ضمانت لے رکھی ہو؟“ ۝۳۰ کیا خدائی میں ان کے مانے ہوئے کچھ شریک ہیں (جو یہ ضمانت لیتے ہوں؟) تو پھر لے آئیں اپنے ان شریکوں کو، اگر وہ سچے ہیں! ۝۳۱ جس دن ساق کھول دی جائے گی، اور ان کو سجدے کے لئے بلایا جائے گا تو یہ سجدہ کر نہیں سکیں گے۔ ۝۳۲ ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی، ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ اُس وقت بھی انہیں سجدے کے لئے بلایا جاتا تھا جب یہ لوگ صحیح سالم تھے، (اُس وقت قدرت کے باوجود یہ انکار کرتے تھے) ۝۳۳ لہذا (اے پیغمبر!) جو لوگ اس کلام کو جھٹلا رہے ہیں انہیں مجھ پر چھوڑ دو۔ ہم انہیں اس طرح دھیرے دھیرے (تباہی کی طرف) لے جائیں گے کہ انہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔ ۝۳۴ اور میں انہیں ڈھیل دے رہا ہوں۔ یقین رکھو میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔ ۝۳۵ کیا تم ان سے کوئی اجرت مانگ رہے ہو کہ وہ تاوان کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں؟ ۝۳۶ یا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے وہ لکھ رہے ہوں؟ ۝۳۷ غرض تم اپنے پروردگار کا حکم آنے تک صبر کئے جاؤ، اور مچھلی والے کی طرح مت ہو جانا، جب انہوں نے غم سے گھٹ گھٹ کر (ہمیں) پکارا تھا۔ ۝۳۸

(۱۳) ”ساق“ پنڈلی کو کہتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا ہے کہ پنڈلی کا کھل جانا عربی میں ایک محاورہ ہے جو بہت سخت مصیبت پیش آنے کے لئے بولا جاتا ہے، لہذا مطلب یہ ہے کہ جب قیامت کی سخت مصیبت پیش آجائے گی تو ان کافروں کا یہ حال ہوگا۔ اور بہت سے مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھول دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی پنڈلی انسانوں کی پنڈلی کی طرح نہیں ہے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص صفت ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ بہر حال! مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی وہ صفت ظاہر فرمائیں گے، اور لوگوں کو سجدے کے لئے بلایا جائے گا، مگر یہ کافر لوگ اُس وقت سجدے پر قادر نہیں ہوں گے، کیونکہ جب ان کو قدرت تھی، اُس وقت انہوں نے سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ اس تفسیر کی تائید ایک صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

(۱۵) اس سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں جن کا واقعہ سورہ یونس (۹۸:۱۰) اور سورہ انبیاء (۸۷:۲۱) اور سورہ صافات (۱۳۰:۲۷) میں گزر چکا ہے۔



لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ۝۴۹ فَاجْتَنِبْهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝۵۰ وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَلْیُزِلُ قُؤُنُكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ۝۵۱ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝۵۲

اگر ان کے پروردگار کے فضل نے انہیں سنبھال نہ لیا ہوتا تو انہیں بُری حالت کے ساتھ اُسی کھلے میدان میں پھینک دیا جاتا۔ ۴۹ پھر ان کے پروردگار نے انہیں منتخب فرمایا، اور انہیں صالحین میں شامل کر دیا۔ ۵۰ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے جب وہ نصیحت کی یہ بات سنتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ یہ اپنی (تیز تیز) آنکھوں سے تمہیں ڈمگادیں گے، اور وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص تو دیوانہ ہے۔ ۵۱ حالانکہ یہ تو دنیا جہان کے لوگوں کے لئے ایک نصیحت ہی نصیحت ہے۔ ۵۲

(۱۶) اس سے مراد وہ میدان ہے جہاں مچھلی حضرت یونس علیہ السلام کو اُگل کر چلی گئی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے باوجود وہ اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ ان کا زندہ رہنا بہت مشکل تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں سنبھالا، اور وہ دوبارہ تندرست ہو گئے۔

الحمد للہ! سورہ قلم کا ترجمہ اور اس کے حواشی آج بروز جمعہ ۴ جولائی ۲۰۰۸ء مطابق ۲۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ دبی میں تکمیل کو پہنچے، جبکہ اس سورت کی خدمت کی ابتداء مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



﴿ ایتھا ۵۲ ﴾ ﴿ سُورَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ ۸ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَاقَّةُ ۱ مَا الْحَاقَّةُ ۲ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ ۳ كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ۴  
فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ۵ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۶ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ  
سَبْعَ لَيَالٍ وَثَنِيَةً أَيَّامٍ ۷ حُسُومًا ۸ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَارِعِي ۹ كَانَتْهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ  
خَاوِيَةٍ ۱۰ فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ ۱۱

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

وہ حقیقت جو ہو کر رہے گی! ۱ کیا ہے وہ حقیقت جو ہو کر رہے گی؟ ۲ اور تمہیں کیا پتہ کہ وہ حقیقت کیا ہے جو ہو کر رہے  
گی؟ ۳ ثمود اور عاد کی قوموں نے اُسی جھنجھوڑ ڈالنے والی حقیقت کو جھٹلایا تھا۔ ۴ نتیجہ یہ کہ جو ثمود کے لوگ تھے، وہ  
(چنگھاڑ کی) ایسی آفت سے ہلاک کئے گئے جو حد سے زیادہ (خوفناک) تھی۔ ۵ اور جو عاد کے لوگ تھے، انہیں ایک  
ایسی بے قابو طوفانی ہوا سے ہلاک کیا گیا ۶ جسے اللہ نے اُن پر سات رات اور آٹھ دن لگا تار مسلط رکھا۔ ۷ چنانچہ تم (اگر  
وہاں ہوتے تو) دیکھتے کہ وہ لوگ وہاں کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح پچھاڑے ہوئے پڑے تھے۔ ۸ اب کیا اُن میں  
سے کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے؟ ۹

(۱) اس حقیقت سے مراد قیامت ہے۔ عربی محاورے کے مطابق یہ انتہائی پر زور تعبیر ہے جو کسی واقعے کے خوفناک پہلو کو ظاہر  
کرنے کے لئے نہایت بلیغ پیرائے میں بیان فرمائی گئی ہے، اور اُس کو کسی دوسری زبان میں اپنی پوری تاثیر کے ساتھ منتقل کرنا  
ممکن نہیں، لیکن مفہوم واضح کرنے کے لئے قریب قریب لفظی ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

(۲) سورہ اعراف (۷۳: ۷) میں قوم ثمود کا تعارف گزر چکا ہے۔ انہیں حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلانے کی وجہ سے ایک  
زبردست چنگھاڑ کے ذریعے ہلاک کیا گیا تھا جس سے اُن کے کلیجے پھٹ گئے تھے۔

(۳) قوم عاد کا تعارف بھی سورہ اعراف (۶۵: ۷) میں گزر گیا ہے۔ ان پر زبردست آندھی مسلط کی گئی تھی جو آٹھ دن  
جاری رہی۔

(۴) قوم عاد کے لوگ بڑے ڈیل ڈول والے تھے، اس لئے ان کی زمین پر گری ہوئی لاشوں کو کھجور کے تنوں سے تشبیہ دی  
گئی ہے۔



وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكُ بِالْخَاطِئَةِ ۝۹ فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخَذَةً رَابِيَةً ۝۱۰ إِنَّهَا طَغَا الْمَاءُ حَمَلُكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝۱۱ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ ۝۱۲ فَإِذَا نَفَخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ۝۱۳ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ۝۱۴ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱۵ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ۝۱۶ وَالْمَلِكُ عَلَى أَرْجَاءٍ بِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشُ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَنِيَّةٌ ۝۱۷ يَوْمَئِذٍ تُعَرِّضُونَ لَا تَخْفَى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝۱۸ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۝۱۹ فَيَقُولُ هَؤُلَاءِ مَاقَرءُوكِمْ ۝۲۰ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلِقٌ حَسَابِيَّةٌ ۝۲۱ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝۲۲ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝۲۳ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ۝۲۴ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝۲۵

اور فرعون اور اُس سے پہلے کے لوگوں نے اور (لوط علیہ السلام کی) اُلٹی ہوئی بستیوں نے بھی اسی جرم کا ارتکاب کیا تھا، ۹ کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغمبر کی نافرمانی کی تھی، اس لئے اللہ نے انہیں سخت پکڑ میں لے لیا۔ ۱۰ جب پانی طغیانی پر آیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا، ۱۱ تاکہ ہم اس واقعے کو تمہارے لئے سبق آموز بنادیں اور یاد رکھنے والے کان اُسے (سن کر) یاد رکھیں۔ ۱۲ پھر جب ایک ہی دفعہ صور میں پھونک مار دی جائے گی، ۱۳ اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک ہی ضرب میں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا، ۱۴ تو اُس دن وہ واقعہ پیش آ جائے گا جسے پیش آنا ہے۔ ۱۵ اور آسمان پھٹ پڑے گا، اور وہ اُس دن بالکل بودا پڑ جائے گا۔ ۱۶ اور فرشتے اُس کے کناروں پر ہوں گے، اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اُس دن آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ ۱۷ اُس دن تمہاری پیشی اس طرح ہوگی کہ تمہاری کوئی چھپی ہوئی چیز چھپی نہیں رہے گی۔ ۱۸ پھر جس کسی کو اُس کا اعمال نامہ اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا کہ: ”لوگو! لو یہ میرا اعمال نامہ پڑھو، ۱۹ میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ مجھے اپنے حساب کا سامنا کرنا ہوگا۔“ ۲۰ چنانچہ وہ من پسند عیش میں ہوگا، ۲۱ اُس اُونچی جنت میں ۲۲ جس کے پھل جھکے پڑ رہے ہوں گے، ۲۳ (کہا جائے گا کہ:) ”اپنے اُن اعمال کے صلے میں مزے سے کھاؤ پیو، جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں کئے تھے۔“ ۲۴

(۵) اس سے مراد اُس طوفان کا پانی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب کے طور پر بھیجا گیا تھا، اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے، انہیں پانی کی طغیانی سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں کشتی میں سوار کر دیا جس کا مفصل واقعہ سورہ ہود (۱۱: ۳۶ تا ۸۲) میں گزر چکا ہے۔

(۶) نیک لوگوں کو ان کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اور بُرے لوگوں کو بائیں ہاتھ میں۔



وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ<sup>(۱)</sup> فَيَقُولُ يُلَيِّتُنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيهِ<sup>(۲)</sup> وَلَمْ أَدْرِمَا حِسَابِيهِ<sup>(۳)</sup>  
 يُلَيِّتُهَا كَانَتْ الْقَاضِيَةَ<sup>(۴)</sup> مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيهِ<sup>(۵)</sup> هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيهِ<sup>(۶)</sup> خُدُوهُ  
 فَغُلُّوهُ<sup>(۷)</sup> ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ<sup>(۸)</sup> ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ<sup>(۹)</sup> إِنَّهُ كَانَ  
 لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ<sup>(۱۰)</sup> وَلَا يَحْضُ عَلَىٰ طَعَامِ الْمُسْكِينِ<sup>(۱۱)</sup> فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَهُنَا حَبِيبٌ<sup>(۱۲)</sup>  
 وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينَ<sup>(۱۳)</sup> لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ<sup>(۱۴)</sup> فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصَرُونَ<sup>(۱۵)</sup> وَمَا لَا  
 تُبْصَرُونَ<sup>(۱۶)</sup> إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ<sup>(۱۷)</sup> وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ<sup>(۱۸)</sup> قَلِيلًا مَّا تُوْمَنُونَ<sup>(۱۹)</sup> وَلَا  
 بِقَوْلِ كَاهِنٍ<sup>(۲۰)</sup> قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ<sup>(۲۱)</sup>

رہا وہ شخص جس کا اعمال نامہ اُس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، تو وہ کہے گا کہ: ”اے کاش! مجھے میرا اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا، (۱۵) اور مجھے خبر بھی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے؟“ (۱۶) اے کاش! کہ میری موت ہی پر میرا کام تمام ہو جاتا! (۱۷) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، (۱۸) میرا سارا زور مجھ سے جاتا رہا۔“ (۱۹) (ایسے شخص کے بارے میں حکم ہوگا: ”پکڑو اسے، اور اس کے گلے میں طوق ڈال دو، (۲۰) پھر اسے دوزخ میں جھونک دو، (۲۱) پھر اسے ایسی زنجیر میں پر دو جو جس کی پیمائش ستر ہاتھ کے برابر ہو۔ (۲۲) یہ نہ تو خدائے بزرگ و برتر پر ایمان لاتا تھا، (۲۳) اور نہ غریب کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا، (۲۴) لہذا آج یہاں نہ اُس کا کوئی یار و مددگار ہے، (۲۵) اور نہ اُس کو کوئی کھانے کی چیز میسر ہے، سوائے غسلیں کے، (۲۶) جسے گناہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔“ (۲۷)

اب میں قسم کھاتا ہوں اُس کی بھی جسے تم دیکھتے ہو، (۲۸) اور اُس کی بھی جسے تم نہیں دیکھتے (۲۹) کہ یہ (قرآن) ایک معزز پیغام لانے والے کا کلام ہے، (۳۰) اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ (مگر) تم ایمان تھوڑا ہی لاتے ہو، (۳۱) اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے۔ (مگر) تم سبق تھوڑا ہی لیتے ہو۔ (۳۲)

(۷) ”غسلیں“ اصل میں تو اُس پانی کو کہتے ہیں جو زخموں کو دھوتے وقت زخموں سے گرتا ہے، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ جہنمیوں کی کوئی غذا ہوگی جو اُس زخموں کے پانی کے مشابہ ہوگی، واللہ سبحانہ اعلم۔

(۸) اس سے مراد کائنات کی تمام مخلوقات ہیں جن میں سے کچھ انسانوں کو نظر آتی ہیں، اور کچھ نظر نہیں آتیں، جیسے عالم بالا کی مخلوقات۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ”جسے تم دیکھتے ہو“ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور ”جسے نہیں دیکھتے“ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جو آپ پر وحی لے کر آتے۔

(۹) یہ اُن کافروں کی تردید ہے جو کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور کبھی کاہن کہا کرتے تھے۔



تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ﴿۳۴﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿۳۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿۳۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿۳۷﴾ وَإِنَّهُ لَتَذِكْرٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۸﴾ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِينَ ﴿۳۹﴾ وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۴۰﴾ وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ ﴿۴۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۴۲﴾

یہ کلام تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اتارا جا رہا ہے۔ ﴿۳۳﴾ اور اگر (بالفرض) یہ پیغمبر کچھ (جھوٹی) باتیں بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیتے، ﴿۳۴﴾ تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے، ﴿۳۵﴾ پھر ہم ان کی شبہ رگ کاٹ دیتے ﴿۳۶﴾ پھر تم میں سے کوئی نہ ہوتا جو ان کے بچاؤ کے لئے آڑے آسکتا۔ ﴿۳۷﴾ اور یقین جانو کہ یہ پرہیزگاروں کے لئے ایک نصیحت ہے، ﴿۳۸﴾ اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ تم میں کچھ لوگ جھٹلانے والے بھی ہیں۔ ﴿۳۹﴾ اور یہ (قرآن) ایسے کافروں کے لئے حسرت کا سبب ہے۔ ﴿۴۰﴾ اور یہی وہ یقینی بات ہے جو سراسر حق ہے۔ ﴿۴۱﴾ لہذا تم اپنے پروردگار کے عظمت والے نام کی تسبیح کرتے رہو۔ ﴿۴۲﴾

(۱۰) فرمایا جا رہا ہے کہ اگر کوئی شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرے تو اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں اُسے رُسوا بھی فرماتے ہیں، اور اُس کو عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے اگر (خدا نخواستہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت کا دعویٰ درست نہ ہوتا، اور آپ (معاذ اللہ) جھوٹی باتیں بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تو اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں آپ کے ساتھ وہ معاملہ فرماتے جس کا ذکر ان آیتوں میں کیا گیا ہے۔

(۱۱) یعنی آخرت میں جب عذاب ان کے سامنے آئے گا تو انہیں حسرت ہوگی کہ کاش ہم قرآن کریم پر ایمان لے آئے ہوتے۔

الحمد للہ! سورۃ الحاقہ کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی کا کام آج شب جمعہ مورخہ ۷/رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۰ جولائی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو مقبول اور نافع بنا کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



﴿ آیتھا ۲۲ ﴾ ﴿ سُورَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ ۷۹ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ۝ لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۝ مِّنَ اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۝  
تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُ أُولَئِكَ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چوالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

ایک مانگنے والے نے وہ عذاب مانگا ہے جو کافروں پر آنے والا ہے، کوئی نہیں ہے جو اُسے روک سکے۔ (۱) - (۲) وہ اللہ کی طرف سے آئے گا جو چڑھنے کے تمام راستوں کا مالک ہے، (۳) فرشتے اور رُوح القدس اُس کی طرف ایک ایسے دن میں چڑھ کر جاتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ (۴)

(۱) ایک کافر نے اسلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا کہ اگر یہ قرآن اور اسلام برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائیے، یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر لے آئیے، جیسا کہ سورہ انفال (۸: ۳۲) میں گزرا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص نصر بن حارث تھا۔ یہاں اسی کی بات کا حوالہ دیا جا رہا ہے کہ وہ عذاب مانگ رہا ہے، اور اُس کا اصل مقصد مذاق اڑا کر اس عذاب کو جھٹلانا ہے، حالانکہ وہ ایسی چیز ہے کہ جب آجائے گی تو کوئی اُسے روک نہیں سکے گا۔

(۲) چڑھنے کے راستوں سے مراد وہ راستے ہیں جن سے چڑھ کر فرشتے عالم بالا تک پہنچتے ہیں۔ یہاں ان کا حوالہ اس لئے دیا گیا ہے کہ اگلی آیت میں انہی فرشتوں کے چڑھنے کا ذکر آ رہا ہے۔

(۳) اس دن سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک قیامت کا دن ہے جو کافروں کو حساب و کتاب کی سختی کی وجہ سے پچاس ہزار سال کا محسوس ہوگا، ان حضرات کا کہنا ہے کہ اسی دن کو سورہ تنزیل السجدہ (۵: ۳۲) میں ایک ہزار سال کے برابر قرار دیا گیا ہے، وہ اس لئے کہ حساب و کتاب کی سختی کی نوعیت کے لحاظ سے کسی کو وہ ایک ہزار سال کا معلوم ہوگا، اور جس کسی کو اور زیادہ سختی اٹھانی ہوگی، اُسے پچاس ہزار سال کا معلوم ہوگا۔ لیکن اس آیت کی ایک دوسری تفسیر یہ ہے کہ کہ کفار کے سامنے جب یہ کہا جاتا تھا کہ ان کے کفر کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُنیا یا آخرت میں عذاب آئے گا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے، اور کہتے تھے کہ اتنے دن گزر گئے، لیکن کوئی عذاب نہیں آیا، اگر واقعی عذاب آنا ہے تو ابھی کیوں نہیں آ جاتا؟ اس کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ تو ضرور پورا ہوگا۔ رہا اُس کا وقت، تو وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمت کے مطابق متعین ہوگا۔ اور تم جو سمجھ رہے ہو کہ اس کے آنے میں بہت دیر ہوگئی ہے تو درحقیقت تم جس مدت کو ایک ہزار سال یا پچاس ہزار سال سمجھتے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے۔ چنانچہ سورہ حج (۲۲: ۴۷) میں بھی یہ بات اسی سلسلے میں فرمائی گئی ہے کہ یہ لوگ عذاب کو جلدی لانے کا مطالبہ کر رہے ہیں، اور یہاں سورہ معارج میں بھی اُسی شخص کے جواب میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے جو عذاب مانگ رہا تھا۔



فَاصْبِرْ صَبْرًا جَبِيلًا ۝ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝ وَنَرَاهُ قَرِيْبًا ۝ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَاۤءُ  
كَالْهَيْدِلِ ۝ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ وَلَا يَسْأَلُ حَبِيْمٌ حَبِيْمًا ۝ يُبْصَرُوْنَهُمْ يَوْمَ  
الْمُجْرِمِ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابٍ يَوْمَئِذٍ بَنِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتُهُ وَاَخِيْهِ ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِي  
تُؤْيِيْهِ ۝ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝ كَلَّا ۝ اِنَّهَا لَظٰى ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝  
تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلٰى ۝ وَجَمَعَ فَاوْعٰى ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ  
جَزُوْعًا ۝ وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝ اِلَّا الْمُصْلٰىنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ  
دَآئِمُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلْسَآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝

لہذا تم خوبصورتی کے ساتھ صبر سے کام لو۔ ۱) یہ لوگ اُسے دُور سمجھ رہے ہیں، ۲) اور ہم اُسے قریب دیکھ رہے  
ہیں۔ ۳) (وہ عذاب) اُس دن ہوگا جب آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو جائے گا، ۴) اور پہاڑ رنگین رُوئی کی طرح  
ہو جائیں گے، ۵) اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کو پوچھے گا بھی نہیں، ۶) حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھا بھی  
دیئے جائیں گے۔ مجرم یہ چاہے گا کہ اُس دن کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بیٹے فدیہ میں دیدے، ۷) اور  
اپنی بیوی اور اپنا بھائی، ۸) اور اپنا وہ خاندان جو اُسے پناہ دیتا تھا، ۹) اور زمین کے سارے کے سارے باشندے۔ پھر  
(ان سب کو فدیہ میں دے کر) اپنے آپ کو بچالے۔ ۱۰) (لیکن) ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا! وہ تو ایک بھڑکتی ہوئی آگ  
ہے، ۱۱) جو کھال اُتار لے گی، ۱۲) ہر اُس شخص کو بلائے گی جس نے پیٹھ پھیر کر منہ موڑا ہوگا، ۱۳) اور (مال) اکٹھا کیا  
ہوگا، پھر اُسے سینت سینت کر رکھا ہوگا۔ ۱۴) حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے، ۱۵) جب اُسے کوئی  
تکلیف پہنچتی ہے تو بہت گھبرا جاتا ہے، ۱۶) اور جب اُس کے پاس خوش حالی آتی ہے تو بہت بخیل بن جاتا ہے، ۱۷) مگر وہ  
نمازی ایسے نہیں ہیں، ۱۸) جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں، ۱۹) اور جن کے مال و دولت میں ایک متعین حق  
ہے ۲۰) سوالی اور بے سوالی کا ۲۱)

(۲) یعنی جس جس نے دُنیا میں حق سے پیٹھ موڑی ہوگی اُسے وہ اپنے پاس بلا لے گی۔

(۳) یعنی مال پر اللہ تعالیٰ نے جو حقوق عائد فرمائے ہیں، ان کو ادا کئے بغیر وہ اُسے جمع کرتا رہا ہوگا۔

(۴) اس سے مراد زکوٰۃ اور دوسرے واجب حقوق ہیں۔ ان الفاظ میں یہ بھی واضح فرما دیا گیا ہے کہ زکوٰۃ دینا غریبوں پر کوئی  
احسان نہیں ہے، بلکہ یہ اُن کا حق ہے۔

(۵) جو غریب اپنی حاجت ظاہر کر دیتے ہیں، انہیں سوالی سے اور جو حاجت مند ہونے کے باوجود اپنی حاجت کسی سے نہیں کہتے،  
انہیں بے سوالی سے تعبیر کیا گیا ہے۔



وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۖ وَالَّذِينَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۚ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۚ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَأَىٰ ذٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَدُونَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ لَا مُنْتَهَىٰ لَهُمْ وَعَهْدُهُمْ رُءُوعُونَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۚ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّتٍ مُّكْرَمُونَ ۚ فَسَالِ الْوَحْدَانِ كَفَرُوا قَبْلَكَ ۚ مُهْطِعِينَ ۚ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ ۚ أَيْطَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ ۚ

اور جو روزِ جزا کو برحق مانتے ہیں، (۲۶) اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے سہمے رہتے ہیں، (۲۷) — یقیناً اُن کے پروردگار کا عذاب ایسی چیز نہیں ہے جس سے بے فکری برتی جائے — (۲۸) اور جو اپنی شرم گاہوں کی (اور سب سے) حفاظت کرتے ہیں، (۲۹) — سوائے اپنی بیویوں اور اُن باندیوں کے جو ان کی ملکیت میں آچکی ہوں، کیونکہ ایسے لوگوں پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ (۳۰) البتہ جو لوگ ان کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہیں، وہ حد سے گزرے ہوئے لوگ ہیں — (۳۱) اور جو اپنی امانتوں اور عہد کا پاس رکھنے والے ہیں، (۳۲) اور جو اپنی گواہیاں ٹھیک ٹھیک دینے والے ہیں، (۳۳) اور جو اپنی نماز کی پوری پوری حفاظت کرنے والے ہیں، (۳۴) وہ لوگ ہیں جو جنتوں میں عزت کے ساتھ رہیں گے۔ (۳۵) تو (اے پیغمبر!) ان کافروں کو کیا ہو گیا کہ یہ تمہاری طرف چڑھے چلے آ رہے ہیں، (۳۶) دائیں طرف سے بھی اور بائیں طرف سے بھی، ٹولیاں بنا بنا کر! (۳۷) کیا ان میں سے ہر شخص کو یہ لالچ ہے کہ اُسے نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے؟ (۳۸)

(۸) یعنی بیویوں اور باندیوں کے سوا کسی اور طریقے سے جنسی خواہش پوری کرنا حرام ہے، اس لئے ایسے لوگ حد سے گزرے ہوئے ہیں۔

(۹) آیت نمبر ۲۳ میں نماز کی پابندی کا ذکر ہے، اور یہاں اُس کی پوری حفاظت سے مراد اُس کے تمام آداب کی رعایت ہے۔ مسلمانوں کے انہی جیسے اوصاف سورہ مؤمنون کی ابتدائی آیات میں بھی گزرے ہیں۔

(۱۰) جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تو کافر لوگ ٹولیاں بنا بنا کر آپ کے ارد گرد جمع ہو جاتے، اور مذاق اڑاتے ہوئے کہتے کہ اگر یہ صاحب جنت میں جائیں گے تو ہم ان سے پہلے چلے جائیں گے۔ (روح المعانی) یہ آیت اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔



كَلَّا ۖ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِمَّا يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِنَّا لَقَدِرُونَ ﴿۴۰﴾  
 عَلَىٰ أَنْ تُبَدِّلَ خَيْرًا مِنْهُمْ ۚ وَمَنْ حُنْ بِسُبُوتَيْنِ ﴿۴۱﴾ فَذَرَاهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا  
 يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَانَهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ  
 يُوفُضُونَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۴۴﴾

ہرگز ایسا نہیں ہوگا! ہم نے ان کو اُس چیز سے پیدا کیا ہے جسے یہ خود جانتے ہیں۔ ﴿۳۹﴾ اب میں قسم کھاتا ہوں ان تمام مقامات کے مالک کی جہاں سے ستارے نکلتے اور جہاں سے غروب ہوتے ہیں کہ ہم یقیناً اس بات پر قادر ہیں ﴿۴۰﴾ کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں، اور کوئی ہمیں ہر انہیں سکتا۔ ﴿۴۱﴾ لہذا تم انہیں چھوڑ دو کہ یہ اپنی بے ہودہ باتوں میں منہمک اور کھیل کود میں پڑے رہیں، یہاں تک کہ اپنے اُس دن سے جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ ﴿۴۲﴾ جس دن یہ جلدی جلدی قبروں سے اس طرح نکلیں گے جیسے اپنے بتوں کی طرف دوڑے جا رہے ہوں۔ ﴿۴۳﴾ ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوئی ہوگی۔ یہ وہی دن ہوگا جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ ﴿۴۴﴾

(۱۱) یعنی یہ جانتے ہیں کہ ہم نے انہیں نطفے سے پیدا کیا ہے، حالانکہ نطفے سے انسان بننے تک کتنے مراحل آتے ہیں۔ لہذا جب ہم ان تمام مراحل سے گذار کر نطفے کو جیتا جاگتا انسان بنانے پر قادر ہیں تو اُس کی لاش کو دوبارہ زندہ کرنے پر کیوں قادر نہیں؟  
 (۱۲) یعنی ان سب کو ہلاک کر کے ان کی جگہ کوئی اور قوم پیدا کر دیں جو ان سے بہتر ہو۔

الحمد للہ! سورۃ معارج کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج بتاریخ ۷ رجب ۱۴۲۹ھ بروز جمعہ مطابق ۱۱ جولائی ۲۰۰۸ء بلوچستان کے شہر چمن میں مکمل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



ایاتھا ۲۸ ﴿۱﴾ سُورَةُ نُوحٍ مَكِّيَّةٌ ۷۱ ﴿۲﴾ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴿۳﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱﴾ قَالَ لِقَوْمِي إِنِّي نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۲﴾ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُوا ۖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُخِرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ ۚ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ﴿۴﴾ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ﴿۵﴾ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصْرُوا وَاسْتَكْبَرُوا ۖ اسْتِكْبَارًا ﴿۶﴾ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا ﴿۷﴾ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ﴿۸﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس بھیجا کہ اپنی قوم کو خبردار کرو، قبل اس کے کہ اُن پر کوئی دردناک عذاب آکھڑا ہو۔ ﴿۱﴾ (چنانچہ) اُنہوں نے (اپنی قوم سے) کہا کہ: ”اے میری قوم! میں تمہارے لئے ایک صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں ﴿۲﴾ کہ اللہ کی عبادت کرو، اور اُس سے ڈرو، اور میرا کہنا مانو، ﴿۳﴾ اللہ تمہارے گناہوں کی مغفرت فرمائے گا، اور تمہیں ایک مقرر وقت تک باقی رکھے گا۔“ بیشک جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آجاتا ہے تو پھر وہ مؤخر نہیں ہوتا۔ کاش کہ تم سمجھتے ہوتے! ﴿۴﴾ (پھر) نوح نے (اللہ تعالیٰ سے) کہا کہ: ”میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن (حق کی) دعوت دی ہے، ﴿۵﴾ لیکن میری دعوت کا اس کے سوا کوئی نتیجہ نہیں ہوا کہ وہ اور زیادہ بھاگنے لگے۔“ اور میں نے جب بھی اُنہیں دعوت دی، تاکہ آپ اُن کی مغفرت فرمائیں، تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں، اپنے کپڑے اپنے اوپر لپیٹ لئے، اپنی بات پر اڑے رہے، اور تکبر ہی تکبر کا مظاہرہ کرتے رہے۔ ﴿۶﴾ پھر میں نے اُنہیں پکار پکار کر دعوت دی، ﴿۷﴾ پھر میں نے اُن سے علانیہ بھی بات کی، اور چپکے چپکے بھی سمجھایا، ﴿۸﴾

(۱) اس سورت میں صرف حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغی جدوجہد اور اُن کی دعاؤں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ آپ کا مفصل واقعہ سورہ یونس (۷۱: ۱۰) اور سورہ ہود (۳۶: ۱۱) میں گزر چکا ہے۔

(۲) یعنی جب تک تمہاری زندگی مقدر ہے، اُس وقت تک تمہیں زندہ رکھے گا۔



فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝۱۱ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۝۱۲ وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ أَنْهَارًا ۝۱۳ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ۝۱۴ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۝۱۵ أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ۝۱۶ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا ۝۱۷ وَاللَّهُ أَتَبَّتْكُمْ مِنْ الْأَرْضِ نَبَاتًا ۝۱۸ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ۝۱۹ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ بِسَاطًا ۝۲۰ لَتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝۲۱ قَالَ نُوحٌ رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالَهُ وَوَلَدَهُ إِلَّا خَسَارًا ۝۲۲ وَمَكَرُوا مَكْرًا كَبِيرًا ۝۲۳

چنانچہ میں نے کہا کہ: اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو، یقین جانو وہ بہت بخشنے والا ہے، ۱۱ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا، ۱۲ اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا، اور تمہارے لئے باغات پیدا کرے گا، اور تمہاری خاطر نہریں مہیا کر دے گا، ۱۳ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت سے بالکل نہیں ڈرتے؟ ۱۴ حالانکہ اُس نے تمہیں تخلیق کے مختلف مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے، ۱۵ کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اُوپر تلے پیدا فرمائے ہیں؟ ۱۶ اور اُن میں چاند کو نور بنا کر اور سورج کو چراغ بنا کر پیدا کیا ہے، ۱۷ اور اللہ نے تمہیں زمین سے بہترین طریقے پر اُگایا ہے، ۱۸ پھر وہ تمہیں دوبارہ اُسی میں بھیج دے گا، اور (وہیں سے پھر) باہر نکال کھڑا کرے گا۔ ۱۹ اور اللہ نے ہی تمہارے لئے زمین کو ایک فرش بنا دیا ہے، ۲۰ تاکہ تم اُس کے کھلے ہوئے راستوں پر چلو۔“ ۲۱ نوح نے کہا: ”اے میرے پروردگار! حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا، اور اُن (سرداروں) کے پیچھے چل پڑے جن کو اُن کے مال اور اولاد نے نقصان پہنچانے کے سوا کچھ نہیں دیا، ۲۲ اور انہوں نے بڑی بھاری مکاری سے کام لیا ہے، ۲۳

(۳) اشارہ اس طرف ہے کہ انسان نطفے سے لے کر جیتا جاگتا آدمی بننے تک مختلف مرحلوں سے گذرتا ہے جن کا تذکرہ سورہ حج (۵:۲۲) اور سورہ مؤمنون (۱۳:۲۳) میں گذرا ہے۔ یہ سارے مراحل اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ پھر تمہیں اس بات میں کیوں شک ہے کہ وہ تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

(۴) یعنی جس طرح ایک پودا زمین میں مختلف مراحل طے کر کے اُگتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں مختلف مراحل سے گزار کر اس زمین میں پیدا فرمایا ہے، نیز جس طرح زمین سے اُگنے والا سبزہ فنا ہو کر مٹی میں مل جاتا ہے، اور پھر جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، اُس سبزے کو دوبارہ اُسی مٹی سے اُگادیتا ہے، اسی طرح تم بھی مٹی میں مل جاؤ گے، پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تمہیں دوبارہ زندگی عطا فرما کر زمین سے دوبارہ نکال لے گا۔

(۵) یہ اُن سازشوں کی طرف اشارہ ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے دشمن اُن کے خلاف کر رہے تھے۔



وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا ۚ وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۚ  
 وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۝۲۳ مِمَّا خَطَبْتَهُمْ أُغْرِقُوا فَأَذْخَلُوا  
 نَارًا ۚ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا ۝۲۴ وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ  
 مِنْ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝۲۵ إِنَّكَ إِنْ تَذَرَهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَكِدُوا إِلَّا فَاجِرًا  
 كَفَّارًا ۝۲۶ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ  
 وَالْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ۝۲۷

ع ۱

اور (اپنے آدمیوں سے) کہا ہے کہ: ”اپنے معبودوں کو ہرگز مت چھوڑنا۔ نہ وڈ اور سواع کو کسی صورت میں چھوڑنا، اور نہ یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑنا“ ۲۳ اس طرح انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کر دیا ہے، لہذا (یا رب!) آپ بھی ان کو گمراہی کے سوا کسی اور چیز میں ترقی نہ دیجئے۔“ ۲۴ ان لوگوں کے گناہوں کی وجہ ہی سے انہیں غرق کیا گیا، پھر آگ میں داخل کیا گیا، اور انہیں اللہ کو چھوڑ کر کوئی حمایتی میسر نہیں آئے۔ ۲۵ اور نوح نے یہ بھی کہا کہ: ”میرے پروردگار! ان کافروں میں سے کوئی ایک باشندہ بھی زمین پر باقی نہ رکھے، ۲۶ اگر آپ ان کو باقی رکھیں گے تو یہ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے، اور ان سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ بدکار اور پکی کافر ہی پیدا ہوگی۔“ ۲۷ میرے پروردگار! میری بھی بخشش فرما دیجئے، میرے والدین کی بھی، ہر اس شخص کی بھی جو میرے گھر میں ایمان کی حالت میں داخل ہوا ہے اور تمام مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی بھی۔ اور جو لوگ ظالم ہیں، اُن کو تباہی کے سوا کوئی اور چیز عطا نہ فرمائیے۔“ ۲۸

یہ سب اُن بتوں کے نام ہیں جن کو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پوجا کرتی تھی۔

(۷) سورہ ہود (۱۱: ۳۶) میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو وحی کے ذریعے بتا دیا تھا کہ اب تک جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، اب آپ کی قوم میں سے اُن کے سوا کوئی اور ایمان نہیں لائے گا۔

(۸) ایمان کی قید اس لئے لگائی کہ آپ کے گھر والوں میں سے آپ کی بیوی آخر تک کافر رہی، اور ایمان نہیں لائی، جیسا کہ سورہ تحریم (۱۰: ۶۶) میں گزر چکا ہے۔

الحمد للہ! سورہ نوح کا کام آج بروز دوشنبہ ۹ / رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۳ / جولائی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر باقی کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



﴿ آیتھا ۲۸ ﴾ ﴿ ۷۲ سُورَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ ۴۰ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝ يَهْدِي إِلَى  
الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۚ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) کہہ دو: ”میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن) غور سے سنا، اور (اپنی قوم سے جا کر) کہا کہ: ’ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے، جو راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس لئے ہم اُس پر ایمان لے آئے ہیں، اور اُب اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو (عبادت میں) ہرگز شریک نہیں مانیں گے۔‘

(۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح انسانوں کے لئے پیغمبر بنایا گیا تھا، اسی طرح آپ جنات کے لئے بھی پیغمبر تھے۔ چنانچہ آپ نے جنات کو بھی تبلیغ فرمائی۔ اور جنات کو تبلیغ کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا کہ آپ کی نبوت سے پہلے جنات کو آسمانوں کے قریب تک پہنچنے دیا جاتا تھا، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد انہیں آسمانوں کے قریب جانے سے اس طرح روک دیا گیا تھا کہ جب کوئی جن یا شیطان آسمان کے قریب پہنچنا چاہتا تو اُسے ایک روشن شعلے کے ذریعے مار بھگایا جاتا تھا، جیسا کہ سورہ حجر (۱۵: ۱۷) اور سورہ صافات (۳۷: ۱۰) میں گزر چکا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ جنات نے جب اس بدلی ہوئی صورت حال کو دیکھا تو ان کے دل میں یہ جستجو پیدا ہوئی کہ اس تبدیلی کی وجہ کیا ہے کہ اب انہیں آسمان کے پاس بھی پھٹکنے سے روک دیا جاتا ہے۔ اس غرض کے لئے اُن کی ایک جماعت دُنیا کا دورہ کرنے کے لئے نکلی۔ یہ وہ وقت تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لارہے تھے، اور نخلہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ وہاں آپ نے فجر کی نماز میں قرآن کریم کی تلاوت شروع کی تو جنات کی یہ جماعت اُس وقت وہاں سے گزر رہی تھی۔ اُس نے یہ کلام سنا تو وہ اُسے اطمینان سے سننے کے لئے رُک گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے فجر کے وقت قرآن کریم کے پُر اثر کلام نے ان کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ جنات مسلمان ہو گئے، اور پھر اپنی قوم کے پاس بھی اسلام کے داعی بن کر پہنچے۔ انہوں نے اپنی قوم سے جا کر جو باتیں کیں، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن کا خلاصہ بیان فرمایا ہے۔ اس واقعے کی طرف مختصر اشارہ سورہ احقاف (۴۶: ۳۰) میں بھی گزر چکا ہے۔ اس کے بعد جنات کے کئی وفود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور آپ نے انہیں تبلیغ و تعلیم کا فریضہ انجام دیا۔



وَأَنَّهُ تَعْلَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ۚ ۱ وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا ۚ ۲ وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّنْ نَقُولَ الْإِنسَ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۚ ۳ وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ۚ ۴ وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَن لَّنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ۚ ۵ وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلْتَأَةً فَخَشَا أَن يُنْزِلَهُنَّ حَرًّا ۚ ۶ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شَهَابًا رَّصَدًا ۚ ۷

اور یہ کہ: ہمارے پروردگار کی بہت اونچی شان ہے، اُس نے نہ کوئی بیوی رکھی ہے، اور نہ کوئی بیٹا۔ ۱ اور یہ کہ: ہم میں سے بے وقوف لوگ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے تھے جو حقیقت سے بہت دور ہیں۔ ۲ اور یہ کہ: ہم نے یہ سمجھا تھا کہ انسان اور جنات اللہ کے بارے میں جھوٹی بات نہیں کہیں گے۔ ۳ اور یہ کہ: انسانوں میں سے کچھ لوگ جنات کے کچھ لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے، اس طرح ان لوگوں نے جنات کو اور سرچڑھا دیا تھا۔ ۴ اور یہ کہ: جیسا گمان تم لوگوں کا تھا، انسانوں نے بھی یہی گمان کیا تھا کہ اللہ کسی کو بھی مرنے کے بعد دوسری زندگی نہیں دے گا۔ ۵ اور یہ کہ: ہم نے آسمان کو ٹٹولنا چاہا تو ہم نے پایا کہ وہ بڑے سخت پہرے داروں اور شعلوں سے بھرا ہوا ہے۔ ۶ اور یہ کہ: ہم پہلے سن گن لینے کے لئے آسمان کی کچھ جگہوں پر جا بیٹھا کرتے تھے۔ لیکن اب جو کوئی سننا چاہتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ ایک شعلہ اُس کی گھات میں لگا ہوا ہے، ۷

(۲) اس سے مراد کفر، شرک اور بد عقیدگی کی باتیں ہیں۔

(۳) یعنی اب تک جو ہم غلط عقائد رکھتے رہے، اُس کی وجہ یہ تھی کہ سارے انسان اور جنات یہی عقائد رکھتے تھے، اس لئے خیال یہی ہوا کہ اتنے سارے لوگ جھوٹے عقائد نہیں رکھتے ہوں گے، چنانچہ ہم ان کی تقلید میں انہی عقائد کے قائل رہے۔

(۴) زمانہ جاہلیت میں جب لوگ اپنے سفر کے دوران کسی جنگل میں قیام کرتے تو اُس جنگل کے جنات کی پناہ مانگتے تھے۔ یعنی اُس جنگل کے جنات سے یہ درخواست کرتے تھے کہ وہ انہیں اپنی پناہ میں لے کر تکلیف پہنچانے والی مخلوقات سے بچائیں۔ اس عمل سے جنات یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم انسانوں سے افضل ہیں، کیونکہ وہ ہماری پناہ کے محتاج ہیں۔ اس طرح ان کی گمراہی میں اور اضافہ ہو گیا۔

(۵) اس فقرے میں جنات اپنی قوم کے دوسرے جنات سے کہہ رہے ہیں کہ جس طرح تم آخرت کے قائل نہیں تھے، اسی طرح انسان بھی اس کے قائل نہیں تھے۔ لیکن اب یہ بات غلط ثابت ہو گئی ہے۔

(۶) یہ وہی بات ہے جس کا ذکر حاشیہ نمبر ۱ میں اوپر گزرا ہے کہ جنات کو آسمان کے قریب پہنچنے سے بھی روک دیا گیا ہے، اور اس غرض سے فرشتوں کو پہرے پر مقرر کر دیا گیا ہے جو چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننے والے کو شعلے پھینک کر مار بھگاتے ہیں۔



وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنٍ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝ وَأَنَّا مِنَّا الصَّالِحُونَ وَمِنَّا دُونَ ذَلِكَ ۖ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَادًا ۝ وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّنْ نُّعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَن نُّعْجِزَهُ هَرَبًا ۝ وَأَنَّا لَبَّاسِعُنَا هُدًى مِّنَّا بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا ۝ وَأَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ ۖ فَمَن أَسْلَمَ فَأُولَٰئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝ وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝ وَأَن لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَهُمْ مَّاءً غَدَقًا ۝

اور یہ کہ: ہمیں یہ پتہ نہیں تھا کہ آیا زمین والوں سے کوئی بُرا معاملہ کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے، یا اُن کے پروردگار نے اُن کو راہِ راست دکھانے کا ارادہ فرمایا ہے۔ ۱ اور یہ کہ: ہم میں کچھ نیک ہیں، اور کچھ ایسے نہیں ہیں، اور ہم مختلف طریقوں پر چلے آ رہے ہیں۔ ۲ اور یہ کہ: ہم یہ سمجھ چکے ہیں کہ نہ ہم زمین میں اللہ کو عاجز کر سکتے ہیں، اور نہ (کہیں اور) بھاگ کر اُسے بے بس کر سکتے ہیں۔ ۳ اور یہ کہ: جب ہم نے ہدایت کی بات سن لی تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ چنانچہ جو کوئی اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تو اُس کو نہ کسی گھالے کا اندیشہ ہوگا، اور نہ کسی زیادتی کا۔ ۴ اور یہ کہ: ہم میں سے کچھ تو مسلمان ہو گئے ہیں، اور ہم میں سے (اب بھی) کچھ ظالم ہیں۔ چنانچہ جو اسلام لا چکے ہیں، انہوں نے ہدایت کا راستہ ڈھونڈ لیا ہے۔ ۵ اور رہے وہ لوگ جو ظالم ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ ۶ اور (اے پیغمبر! اہل مکہ سے کہو کہ مجھ پر) یہ (وحی بھی آئی ہے) کہ: ”اگر یہ لوگ راستے پر آ کر سیدھے ہو جائیں تو ہم انہیں وافر مقدار میں پانی سے سیراب کریں، ۷

(۷) یعنی ہمیں یقین سے یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کی حفاظت کا جو انتظام فرمایا ہے، اُس سے زمین والوں کو سزا دینا مقصود ہے کہ زمین والے پہلے سے اُس سزا سے باخبر نہ ہو سکیں، یا اس کے پیچھے کوئی بھلائی ہے جو زمین والوں کو پہنچانا پیش نظر ہے، اور جنات کو روکنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس بھلائی میں کھنڈت نہ ڈال سکیں۔ بظاہر مقصد یہ ہے کہ پہلے تو ہمیں یہ بات معلوم نہیں تھی، اسی لئے ہم حالات کا جائزہ لینے کے لئے نکلے تھے، لیکن اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم سن کر یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے زمین والوں کو قرآن کریم کی ہدایت سے سرفراز فرمانا چاہتے تھے، اس لئے یہ انتظام فرمایا گیا تھا۔

(۸) مطلب یہ ہے کہ جنات میں کچھ تو ایسے ہیں جو طبعی طور پر نیک ہیں جو حق بات کو قبول کرنے کا مادہ رکھتے ہیں، اور کچھ ایسے ہیں جو طبعی طور پر شریر ہیں۔ اس کے علاوہ تمام جنات کا مذہب ایک نہیں ہے، بلکہ جنات میں بھی مختلف عقیدوں کے لوگ ہیں۔ اس لئے ہم سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی ضرورت تھی جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پوری ہو گئی ہے۔



لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۖ وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝<sup>(۹)</sup> وَأَنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۝<sup>(۱۰)</sup> وَأَنَّهُ لَبِاقًا مَّعَ عَبْدِ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوْا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝<sup>(۱۱)</sup> قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ۝<sup>(۱۲)</sup> قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ۝<sup>(۱۳)</sup> قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝<sup>(۱۴)</sup> إِلَّا بَلَاغًا مِنَ اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ ۖ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا ۝<sup>(۱۵)</sup> حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ فَيَسْئَلُونَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَّأَقْلَّ عَدَدًا ۝<sup>(۱۶)</sup> قُلْ إِنْ أَدْرَيْتُمْ أَقْرَبُ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا ۝<sup>(۱۷)</sup> عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝<sup>(۱۸)</sup> إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ۝<sup>(۱۹)</sup> لِّيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۝<sup>(۲۰)</sup>

تاکہ اس کے ذریعے اُن کو آزمائیں۔ اور جو کوئی اپنے پروردگار کی یاد سے منہ موڑے گا، اللہ اُسے چڑھتے ہوئے عذاب میں پروردے گا۔“ (۱۰) اور یہ کہ: ”سجدے تو تمام تر اللہ ہی کا حق ہیں، اس لئے اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کرو۔“ (۱۱) اور یہ کہ: ”جب اللہ کا بندہ اُس کی عبادت کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو ایسا معلوم ہوا جیسے یہ لوگ اُس پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔“ (۱۲) کہہ دو کہ: ”میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں، اور اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں مانتا۔“ (۱۳) کہہ دو کہ: ”نہ تمہارا کوئی نقصان میرے اختیار میں ہے، اور نہ کوئی بھلائی۔“ (۱۴) کہہ دو کہ: ”مجھے اللہ سے نہ کوئی بچا سکتا ہے، اور نہ میں اُسے چھوڑ کر کوئی پناہ کی جگہ پاسکتا ہوں۔“ (۱۵) البتہ (جس چیز پر مجھے اختیار دیا گیا ہے، وہ) اللہ کی طرف سے بات پہنچا دینا، اور اُس کے پیغامات ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، تو اُس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۔“ (۱۶) (اور یہ لوگ نافرمانی کرتے رہیں گے) یہاں تک کہ جب وہ چیز انہیں نظر آجائے گی جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے تو اُس وقت انہیں پتہ چل جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور ہیں، اور کون تعداد میں کم ہے۔“ (۱۷) کہہ دو کہ: ”مجھے معلوم نہیں ہے کہ جس چیز سے تمہیں ڈرایا جا رہا ہے، آیا وہ نزدیک ہے یا میرا پروردگار اُس کے لئے کوئی لمبی مدت مقرر فرماتا ہے۔“ (۱۸) وہی سارے بھید جاننے والا ہے، چنانچہ وہ اپنے بھید پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، (۱۹) سوائے کسی پیغمبر کے جسے اُس نے (اس کام کے لئے) پسند فرمالیا ہو۔ ایسی صورت میں وہ اُس پیغمبر کے آگے اور پیچھے کچھ محافظ لگا دیتا ہے، تاکہ اللہ جان لے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں، اور وہ ان کے سارے حالات کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اور اُس نے ہر چیز کی پوری طرح گنتی کر رکھی ہے۔“ (۲۰)



(۹) اب جنّات کا واقعہ سنا کر اہل مکہ سے فرمایا جا رہا ہے کہ جس طرح یہ جنّات حق طلبی کا ثبوت دے کر ایمان لے آئے، اسی طرح تمہیں بھی قرآن کریم پر ایمان لے آنا چاہئے، اور اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں بارشوں سے سیراب فرمائیں گے۔ بارشوں کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اُس وقت اہل مکہ قحط میں مبتلا تھے (بیان القرآن)۔

(۱۰) اس جملے کا دوسرا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ: ”تمام مسجدیں اللہ کی ہیں۔“

(۱۱) اللہ کے بندے سے یہاں مراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور ٹوٹے پڑنے کا مطلب ایک تو یہ ممکن ہے کہ کافر لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہو کر ایسا انداز اختیار کرتے تھے جیسے وہ آپ پر حملہ کر دیں گے، اور بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جب آپ عبادت کے دوران قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تو قرآن سننے کے لئے آپ کے گرد جنّات کے ٹھٹھ لگ جاتے تھے۔

(۱۲) سورہ مریم (۷۳: ۱۹) میں ہے کہ کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ: ”ہم دونوں فریقوں میں سے کس کا مقام زیادہ بہتر ہے اور کس کی مجلس زیادہ اچھی ہے۔“ یعنی کس کے مددگار طاقت اور گنتی میں زیادہ ہیں۔ اس آیت میں کافروں کی اسی قسم کی باتوں کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب سامنے آئے گا، اُس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ کس کے مددگار کمزور یا تعداد میں زیادہ ہیں۔

(۱۳) اس سے مراد قیامت ہے جس کا ٹھیک ٹھیک وقت کوئی نہیں جانتا۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے، البتہ وہ اپنے جس پیغمبر کو چاہتا ہے، وحی کے ذریعے غیب کی خبریں پہنچا دیتا ہے، اور ایسے موقع پر فرشتوں کو اُس وحی کا محافظ بنا کر بھیجا جاتا ہے، تاکہ کوئی شیطان اُس میں کوئی خلل نہ ڈال سکے۔

الحمد للہ! سورہ جن کے ترجمے اور تشریح کی تکمیل آج شب جمعہ ۱۳/ رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۷ جولائی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر باقی کام کی تکمیل کی بھی اپنی رضائے کامل کے ساتھ توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



ایاتھا ۲۰ ﴿۲۰﴾ سُوْرَةُ الْمَزْمِلِ مَكِّيَّةٌ ۳ رُكُوْعَاتُهَا ۲ ﴿۲۱﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

يَا أَيُّهَا الْمُرْسَلُ ﴿۱﴾ قُمْ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۲﴾ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ﴿۳﴾ أَوْزِدْ عَلَيْهِ  
وَرَاتِلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ﴿۴﴾ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ﴿۵﴾ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً  
وَأَقْوَمُ قِيلًا ﴿۶﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں بیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے چادر میں لپٹنے والے! ﴿۱﴾ رات کا تھوڑا حصہ چھوڑ کر باقی رات میں (عبادت کے لئے) کھڑے ہو جایا کرو، ﴿۲﴾ رات کا آدھا حصہ! یا آدھے سے کچھ کم کرلو، ﴿۳﴾ یا اُس سے کچھ زیادہ کرلو، اور قرآن کی تلاوت اطمینان سے صاف صاف کیا کرو۔ ﴿۴﴾ ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔ ﴿۵﴾ بے شک رات کے وقت اٹھنا ہی ایسا عمل ہے جس سے نفس اچھی طرح کچلا جاتا ہے، اور بات بھی بہتر طریقے پر کہی جاتی ہے۔ ﴿۶﴾

(۱) یہ پیار بھرا خطاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ جب آپ پر پہلی پہلی بار غار حراء میں جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے تھے تو آپ پر نبوت کی ذمہ داری کا اتنا بوجھ ہوا کہ آپ کو جاڑا لگنے لگا، اور جب آپ اپنی اہلیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو یہ فرما رہے تھے کہ مجھے چادر میں لپیٹ دو، مجھے چادر میں لپیٹ دو۔ اس واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہاں محبوبانہ انداز میں آپ کو ”اے چادر میں لپٹنے والے“ کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔

(۲) اس آیت میں آپ کو تہجد کی نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ اکثر مفسرین کے مطابق شروع میں تہجد کی نماز نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر، بلکہ تمام صحابہ پر فرض کر دی گئی تھی، اور اُس کی مقدار کم سے کم ایک تہائی رات مقرر فرمائی گئی تھی۔ یہ فرضیت بعض روایات کی رو سے سال بھر تک جاری رہی۔ بعد میں اسی سورت کی آیت نمبر ۲۰ نازل ہوئی جس نے تہجد کی فرضیت منسوخ کر دی، جیسا کہ اس آیت کی تشریح میں آنے والا ہے۔

(۳) اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ چونکہ یہ سورت ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی، اس لئے قرآن کریم کا بیشتر حصہ ابھی نازل ہونا باقی تھا۔

(۴) یعنی رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے سے انسان کے لئے اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پانا آسان ہو جاتا ہے، اور رات کے وقت میں چونکہ شور و غل نہیں ہوتا، اس لئے تلاوت اور دعا ٹھیک ٹھیک اور حضور قلب کے ساتھ ادا ہوتی ہیں۔ دن کے وقت یہ فائدے کم ہوتے ہیں۔



إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۖ وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۖ رَبُّ الْمَشْرِقِ  
وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۖ وَأَصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا  
جَبِيلًا ۖ وَذُرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِيَ النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ۖ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا ۖ  
وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ۖ يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا  
مَّهِيلًا ۖ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۖ  
فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ۖ

دن میں تو تم لمبی مصروفیت میں رواں دواں رہتے ہو۔ (۵) اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو، اور سب سے الگ ہو کر  
پورے کے پورے اُسی کے ہو رہو۔ (۶) وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس لئے اُسی کو  
کارساز بنالو۔ (۷) اور جو باتیں یہ (کافر لوگ) کہتے ہیں، اُن پر صبر سے کام لو، اور خوبصورتی کے ساتھ اُن سے کنارہ  
کرو۔ (۸) اور تمہیں جھٹلانے والے جو عیش و عشرت کے مالک بنے ہوئے ہیں، اُن کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو، اور انہیں  
تھوڑے دن اور مہلت دو۔ (۹) یقین جانو ہمارے پاس بڑی سخت بیڑیاں ہیں، اور دہکتی ہوئی آگ ہے، (۱۰) اور گلے  
میں پھنس جانے والا کھانا ہے، اور دُکھ دینے والا عذاب ہے، (۱۱) اُس دن جب زمین اور پہاڑ لرز اُٹھیں گے، اور  
سارے پہاڑ ریت کے بکھرے ہوئے تو دے بن کر رہ جائیں گے! (۱۲) (جھٹلانے والو!) یقین جانو ہم نے تمہارے  
پاس تم پر گواہ بننے والا ایک رسول اُسی طرح بھیجا ہے، جیسے ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا۔ (۱۳) پھر فرعون  
نے رسول کا کہنا نہیں مانا، تو ہم نے اُسے ایسی پکڑ میں لے لیا جو اُس کے لئے زبردست وبال تھی۔ (۱۴)

(۵) یعنی دن کا وقت چونکہ دوسرے کاموں میں مصروفیت کا وقت ہوتا ہے، اس لئے اُس میں اتنی اجتماعی کے ساتھ عبادت  
مشکل ہے۔

(۶) ذکر میں دونوں باتیں داخل ہیں، زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی، اور دل سے اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھنا بھی۔ اور سب سے الگ  
ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دُنیا کے سارے تعلقات چھوڑ دو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان سارے تعلقات پر اللہ تعالیٰ کے تعلق کو  
غالب رکھو، یہاں تک کہ دُنیا کے تعلقات بھی اللہ تعالیٰ ہی کے احکام کے مطابق اور اُسی کے حکم کی تعمیل میں ہونے چاہئیں۔ اس  
طرح وہ تعلقات بھی اللہ ہی کے لئے ہو جائیں گے۔

(۷) مکی زندگی میں ہمیشہ حکم یہی دیا گیا ہے کہ کافروں کی تکلیف دہ باتوں پر صبر کرو، اور اُن سے لڑائی ٹھاننے کے بجائے  
خوبصورتی سے علیحدگی اختیار کرلو۔



فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ۝ السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ ۝ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ۝ إِنَّ هَذِهِ تَذَكُّرَةٌ ۖ فَمِنْ شَاءِ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثِي اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَآئِفَةٌ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۖ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصَوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَىٰ ۚ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ۚ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

اگر تم بھی نہ مانے تو پھر اُس دن سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا بنادے گا (۱۷) (اور) جس سے آسمان پھٹ پڑے گا۔ اللہ کے وعدے کو تو پورا ہو کر رہنا ہے۔ (۱۸) یہ ایک نصیحت کی بات ہے۔ اب جو چاہے، اپنے پروردگار کی طرف جانے والا راستہ اختیار کر لے۔ (۱۹)

(اے پیغمبر!) تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات کے قریب، اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات (تہجد کی نماز کے لئے) کھڑے ہوتے ہو، اور تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک جماعت (ایسا ہی کرتی ہے)۔ (۸) اور رات اور دن کی ٹھیک ٹھیک مقدار اللہ ہی مقرر فرماتا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ تم اُس کا ٹھیک حساب نہیں رکھ سکو گے، اس لئے اُس نے تم پر عنایت فرمادی ہے۔ (۹) اب تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو۔ (۱۰) اللہ کو علم ہے کہ تم میں کچھ لوگ بیمار ہوں گے، اور کچھ دوسرے ایسے ہوں گے جو اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لئے زمین میں سفر کر رہے ہوں گے، (۱۱) اور کچھ ایسے جو اللہ کے راستے میں جنگ کر رہے ہوں گے۔ لہذا تم اُس (قرآن) میں سے اتنا ہی پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو۔ اور نماز قائم کرو، (۱۲) اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کو قرض دو، اچھا والا قرض! (۱۳) اور تم اپنے آپ کے لئے جو بھلائی بھی آگے بھیجو گے، اُسے اللہ کے پاس جا کر اس طرح پاؤ گے کہ وہ کہیں بہتر حالت میں اور بڑے زبردست ثواب کی شکل میں موجود ہے۔ اور اللہ سے مغفرت مانگتے رہو۔ یقین رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ (۱۴)

(۸) یہ آیت اوپر کی آیات سے کم از کم ایک سال بعد نازل ہوئی، اور اس کے ذریعے تہجد کے حکم میں آسانی پیدا فرمائی گئی۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، شروع میں ایک تہائی رات کی مقدار تہجد پڑھنا ضروری تھا، لیکن چونکہ گھڑیوں وغیرہ کا رواج نہیں تھا، اس لئے



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ احتیاط کے پیش نظر تہائی رات سے کافی زیادہ مقدار تہجد پڑھنے میں گزارتے تھے، کبھی آدھی رات، کبھی دو تہائی کے قریب قریب۔

(۹) مطلب یہ ہے کہ دن اور رات کی ٹھیک ٹھیک مقدار چونکہ اللہ تعالیٰ ہی مقرر فرماتا ہے، اس لئے اُسے معلوم ہے کہ تم لوگوں کے لئے تہائی رات کا حساب رکھنا بھی مشکل ہے، اور اس عمل کو نبھانا بھی، اس لئے اب جبکہ ایک مدت تک تم نے یہ مشقت اٹھالی ہے، اور اس کے ذریعے تمہارے اندر جو صفات پیدا کرنی مقصود تھیں، وہ بڑی حد تک حاصل ہو گئی ہیں، اس لئے اب اللہ تعالیٰ نے تہجد کی فرضیت کو ختم فرمادیا ہے۔

(۱۰) اس سے مراد تہجد کی نماز میں قرآن کریم پڑھنا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اب نہ تو تہجد کی نماز فرض ہے، اور نہ اُس کی کوئی خاص مقدار مقرر ہے۔ اب بھی وہ مستحب ضرور ہے لیکن جتنا آسانی سے پڑھ سکو، پڑھ سکتے ہو۔ واضح رہے کہ اگرچہ تہجد کا افضل طریقہ یہ ہے کہ انسان رات کو سونے کے بعد آخر رات میں بیدار ہو کر تہجد پڑھے، لیکن اگر کوئی ایسا نہ کر سکے تو عشاء کے بعد کسی بھی وقت صلاۃ اللیل کی نیت سے نماز پڑھ لینے سے بھی اس نماز کی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے۔

(۱۱) یعنی تجارت یا روزگار حاصل کرنے کے لئے سفر کر رہے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ آئندہ تمہیں بہت سے ایسے حالات سے سابقہ پڑے گا جن میں رات کے وقت اتنی لمبی نماز کا نبھانا مشکل ہو جائے گا، اس لئے اب وہ فرض نہیں رہی۔

(۱۲) اس سے مراد پانچ وقت کی فرض نمازیں ہیں۔

(۱۳) اس سے مراد صدقہ دینا اور دوسرے نیک کاموں میں خرچ کرنا ہے۔ اُسے مجازی طور پر قرض اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں اُس کے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے، اور ”اچھا والا قرض“ کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں نیت صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہو، دکھاوا وغیرہ مقصود نہ ہو۔

الحمد للہ! ۱۶ رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰ جولائی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں سورۃ مزمل کا ترجمہ اور تشریحات مکمل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی کام کو بھی عافیت اور اپنی رضا کے ساتھ تکمیل کو پہنچائیں۔ آمین ثم آمین۔



﴿ ایتھا ۵۶ ﴾ ﴿ سُورَةُ الْمَذْثَرِ مَكِّيَّةٌ ۴ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الْمَذْثَرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ فَإِذَا أَنْقَرْنَا النَّاقُورَ ۝ قَدْ لِكَ يَوْمَئِذٍ عَسِيرٌ ۝ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ۝ ذُرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۝ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چھپن آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے کپڑے میں لپٹنے والے! ۱ اٹھو اور لوگوں کو خبردار کرو ۲ اور اپنے پروردگار کی تکبیر کہو، ۳ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو، ۴ اور گندگی سے کنارہ کرلو، ۵ اور کوئی احسان اس نیت سے نہ کرو کہ زیادہ وصول کر سکو۔ ۶ اور اپنے پروردگار کی خاطر صبر سے کام لو۔ ۷ پھر جب صور میں پھونک مار دی جائے گی، ۸ تو وہ بڑا مشکل دن ہوگا، ۹ کافروں کے لئے وہ آسان نہیں ہوگا۔ ۱۰ اُس شخص کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا، ۱۱ اور اُس کو مال دیا جو دور تک پھیلا پڑا ہے، ۱۲

(۱) یہ اُسی طرح کا خطاب ہے جیسا کچھلی سورت کے شروع میں گزرا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہاں اصل عربی لفظ ”مزل“ تھا، اور یہاں ”مذثر“ ہے۔ معنی دونوں کے تقریباً ایک ہیں۔ اس کی تشریح کے لئے کچھلی سورت کا حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں۔ صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ پر سب سے پہلی وحی کے طور پر تو سورہ علق (سورت نمبر ۹۶) کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئی تھیں۔ اُس کے بعد ایک عرصے تک وحی کا سلسلہ بند رہا۔ پھر سورہ مذثر کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(۲) بہت سے مفسرین نے یہاں گندگی سے مراد بت لئے ہیں، لیکن الفاظ ہر قسم کی گندگی کے لئے عام ہیں۔

(۳) کسی کو اس نیت سے کوئی ہدیہ تحفہ دینا کہ جواب میں وہ اُس سے زیادہ دے اس آیت کی رو سے ممنوع ہے۔ ایک تفسیر کے مطابق یہی حکم سورہ روم (۳۹:۳۰) میں بھی گزرا ہے۔

(۴) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی تبلیغ کا حکم ہوا تو اس بات کا پورا اندیشہ تھا کہ کافر لوگ آپ کو ستائیں گے۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ فی الحال کوئی مسلح جدوجہد نہیں کرنی ہے، صبر سے کام لینا ہے، اور ان کی زیادتیوں کی اصل سزا انہیں اُس وقت ملے گی جب قیامت کے لئے صور پھونکا جائے گا جس کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے۔

(۵) متعدد تفسیری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے جو مکہ مکرمہ کا بڑا دولت مند سردار تھا۔ اُس کی دولت مکہ مکرمہ سے طائف تک پھیلی پڑی تھی۔ وہ کبھی کبھی حضرت ابوبکرؓ کے پاس جایا کرتا تھا، اور ایک مرتبہ وہ قرآن کریم سن کر



وَبَنِينَ شُهُودًا ۱۳ ۱۴ وَمَهَّدْتُ لَهُ تَهْيِدًا ۱۵ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ۱۶ كَلَّا ۱۷ إِنَّهُ كَانَ لِأَيْتِنَا عَنِيدًا ۱۸ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ۱۹ إِنَّهُ فَكَرَ وَقَدَّرَ ۲۰ فَقَتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۲۱ ثُمَّ نَبْذُوكَ ۲۲ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۲۳ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۲۴ فَقَالَ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَى ۲۵ إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۲۶

اور بیٹے دیئے جو سامنے موجود رہتے ہیں، ۱۳ اور اُس کے لئے ہر کام کے راستے ہموار کر دیئے، ۱۴ پھر بھی وہ یہ لالچ کرتا ہے کہ میں اُسے اور زیادہ دُوں۔ ۱۵ ہر گز نہیں! وہ ہماری آیتوں کا دشمن بن گیا ہے، ۱۶ عنقریب میں اُسے ایک کٹھن چڑھائی پر چڑھاؤں گا۔ ۱۷ اُس کا حال تو یہ ہے کہ اُس نے سوچ کر ایک بات بنائی، ۱۸ خدا کی مار ہو اُس پر کہ کیسی بات بنائی! ۱۹ دوبارہ خدا کی مار ہو اُس پر کہ کیسی بات بنائی! ۲۰ پھر اُس نے نظر دوڑائی، ۲۱ پھر تیوری چڑھائی، اور منہ بنایا، ۲۲ پھر پیچھے کو مڑا، اور غرور دکھایا، ۲۳ پھر کہنے لگا کہ: ”کچھ نہیں، یہ تو ایک روایتی جادو ہے، ۲۴ کچھ نہیں، یہ تو ایک انسان کا کلام ہے۔“ ۲۵

یہ اعتراف کر چکا تھا کہ یہ ایک بے نظیر کلام ہے جو کسی انسان کا نہیں ہو سکتا۔ اس سے ابو جہل کو یہ خوف ہوا کہ وہ کہیں مسلمان نہ ہو جائے۔ چنانچہ اُس نے ولید بن مغیرہ کے پاس جا کر اُسے غیرت دلائی، اور کہا کہ لوگ تمہارے بارے میں یہ باتیں کر رہے ہیں کہ تم مسلمانوں کے پاس دولت حاصل کرنے جاتے ہو۔ ولید کو اس پر غیرت آگئی، اور اُس نے کہا کہ آئندہ میں کبھی ابوبکرؓ وغیرہ کے پاس نہیں جاؤں گا۔ ابو جہل نے کہا کہ جب تک تم قرآن کے خلاف کوئی بات نہیں کہو گے، لوگ مطمئن نہیں ہوں گے۔ ولید نے کہا کہ میں اُسے نہ شعر کہہ سکتا ہوں، نہ کاہنوں کا کلام کہہ سکتا ہوں، نہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مجنون کہہ سکتا ہوں، کیونکہ یہ باتیں چلنے والی نہیں ہیں۔ پھر کچھ سوچنے کے بعد کہا کہ: ”البتہ اُسے سحر (جادو) کہا جا سکتا ہے، کیونکہ جس طرح جادو کے ذریعے جادوگر میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیتے ہیں، اسی طرح اس کلام کو سن کر جو مسلمان ہو جاتا ہے، وہ اپنے کافر ماں باپ وغیرہ سے الگ ہو جاتا ہے۔“ اور بعض روایات میں ہے کہ ولید نے یہ بات اُس موقع پر کہی تھی جب قریش کے لوگوں نے حج سے کچھ پہلے یہ مشورہ کیا کہ حج میں سارے عرب سے لوگ آئیں گے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوالات کریں گے، ہمیں یہ طے کر لینا چاہئے کہ اُن سے کیا کہیں۔ ولید نے کہا کہ انہیں نہ مجنون کہا جا سکتا ہے، نہ شاعر نہ کاہن، نہ جھوٹا۔ لوگوں نے پوچھا کہ پھر کیا کہیں، تو اُس نے کچھ سوچ کر جواب دیا کہ اگر انہیں جادوگر کہا جائے تو بات کچھ چل جائے گی۔ (ابن کثیر)

(۱) قرآن کریم میں اصل لفظ ”صعود“ ہے جس کے لفظی معنی پر مشقت چڑھائی کے ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ یہ دوزخ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔

(۷) یعنی یہی بات بنائی کہ قرآن کو نہ شاعری کہہ سکتے ہیں، نہ کہانت، البتہ جادو کہہ سکتے ہیں۔

(۸) یعنی آس پاس کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اُس کے بارے میں کیا رائے قائم کر رہے ہیں۔



سَاٰصِلِيْهِ سَقَرًا ۚ وَمَا اَدْرَاكَ مَا سَقَرٌ ۚ لَا تُبْقٰی وَلَا تَذَرُ ۚ ۲۸ ۚ لَوَّاحَةٌ لِلْبَشَرِ ۚ ۲۹ ۚ عَلٰیهَا تِسْعَةُ عَشْرِ ۳۰ ۚ وَمَا جَعَلْنَا النَّارَ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۚ وَمَا جَعَلْنٰا عَذٰبَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ لَيَسْتَيِّقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ وَيَزِدّٰا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۚ وَلَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۚ ۳۱ ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَن يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَن يَّشَآءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هٰی اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْبَشَرِ ۚ ۳۲

۳۲

عنقریب میں اس شخص کو دوزخ میں جھونک دوں گا، ۲۸ اور تمہیں کیا پتہ کہ دوزخ کیا چیز ہے؟ ۲۹ وہ نہ کسی کو باقی رکھے گی، اور نہ چھوڑے گی، ۳۰ وہ کھالوں کو جھلس دینے والی چیز ہے، اُس پر اُنیس (کارندے) مقرر ہوں گے۔ ۳۱ اور ہم نے دوزخ کے یہ کارندے کوئی اور نہیں، فرشتے مقرر کئے ہیں۔ اور اُن کی جو تعداد مقرر کی ہے، وہ صرف اس لئے کہ اُس کے ذریعے کافروں کی آزمائش ہو، تاکہ اہل کتاب کو یقین آجائے، اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، اُن کے ایمان میں اور اضافہ ہو، اور اہل کتاب اور مؤمن لوگ کسی شک میں نہ پڑیں، اور تاکہ وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ۱۳ ہے، اور جو لوگ کافر ہیں، وہ یہ کہیں کہ بھلا اس عجیب سی بات سے اللہ کی کیا مراد ہے؟ اسی طرح اللہ جس کو چاہتا ہے، گمراہ کر دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے، اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور یہ ساری بات تو نوع بشر کے لئے ایک یاد دہانی کرانے والی نصیحت ہے، اور بس! ۳۲

(۹) دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہے گا جو جلے نہیں، اور نہ دوزخ کسی مجرم کو اپنے سے باہر رہنے دے گی، کہ اُسے باہر رہنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

(۱۰) جب یہ آیت نازل ہوئی کہ دوزخ پر اُنیس کارندے مقرر ہیں تو کافروں نے اس کا مذاق اڑایا، اور ایک نے تو لوگوں سے یہاں تک کہہ دیا کہ اُنیس میں سے سترہ کے لئے تو میں ہی کافی ہوں، باقی دو سے تم نمٹ لینا۔ (ابن کثیر) اس کے جواب میں یہ آیت ۳۱ نازل ہوئی کہ یہ اُنیس کارندے سب کے سب فرشتے ہیں، کوئی مذاق نہیں کہ تم ان کا مقابلہ کر سکو۔

(۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ کو دوزخ کی نگرانی اور حفاظت کے لئے کسی خاص تعداد کی ضرورت نہیں ہے، لیکن یہ تعداد اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ کافروں کی آزمائش ہو کہ وہ اُس کی تصدیق کرتے ہیں، یا مذاق اڑاتے ہیں۔

(۱۲) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے کے یہودیوں اور عیسائیوں کی کچھ کتابوں میں بھی دوزخ پر متعین فرشتوں کی تعداد اُنیس بیان کی گئی ہوگی، (چاہے وہ اس وقت ہمارے علم میں نہ ہوں) اس لئے فرمایا گیا ہے کہ وہ اس بات پر یقین کر لیں گے۔

(۱۳) روگ سے یہاں مراد شک یا نفاق ہے۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو مخلوقات پیدا فرمائی ہیں، اُن کی نہ صرف تعداد، بلکہ اُن کو عطا فرمائی ہوئی قوتوں کا اللہ تعالیٰ



كَلَّا وَالْقُبْرِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا دُبِرَ ۝ وَالصُّبْحِ إِذَا أَصْفَرَ ۝ إِنَّهَا لِحَدَى الْكُبَرِ ۝ نَذِيرًا  
لِّلْبَشَرِ ۝ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ إِلَّا  
أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۝ فِي جَنَّتٍ يُتَسَاءَلُونَ ۝ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۝ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ ۝  
قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصْلِيِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ نَطْعُمُ الْمُسْكِينِ ۝

خبردار! قسم ہے چاند کی، اور رات کی جب وہ منہ پھیر کر جانے لگے، اور صبح کی جب اُس کا اُجالا پھیل جائے، کہ یہ بڑی بڑی باتوں میں سے ایک ہے جو تمام انسانوں کو خبردار کر رہی ہے، تم میں سے ہر اُس شخص کو جو آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا چاہے۔ ہر شخص اپنے کرتوت کی وجہ سے گروی رکھا ہوا ہے، سوائے دائیں ہاتھ والوں کے کہ وہ جنتوں میں ہوں گے۔ وہ پوچھ رہے ہوں گے مجرموں کے بارے میں، کہ: ”تمہیں کس چیز نے دوزخ میں داخل کر دیا؟“ وہ کہیں گے کہ: ”ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے، اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے،“

کے سوا کسی کو ٹھیک ٹھیک علم نہیں ہے۔ لہذا اُس کی کسی مخلوق کے بارے میں اپنے محدود علم کی بنیاد پر یہ قیاس کر لینا کہ وہ ہم جیسی ہی ہوگی، نری حماقت ہے۔

(۱۵) دوزخ جیسی بڑی مصیبت کا یہ تذکرہ اُن مضامین میں سے ہے جو لوگوں کو غفلت سے ہوش میں آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ بات کہنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے چاند کی قسم کھائی ہے کہ جس طرح چاند پہلے روز بروز بڑھتا اور پھر روز بروز گھٹتا ہے، یہاں تک کہ مہینے کے آخر میں بالکل غائب ہو جاتا ہے، اسی طرح انسان کی طاقت پہلے بڑھتی ہے، پھر بڑھاپے میں گھٹتی شروع ہوتی ہے، یہاں تک کہ ایک دن انسان مر جاتا ہے، اور دنیا کی ہر چیز کا یہی حال ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُس وقت کی قسم کھائی ہے جب رات ڈھلنے لگتی ہے، اور صبح کا اُجالا نمودار ہو کر پورے ماحول کو روشن کر دیتا ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ابھی تو کافروں کے سامنے غفلت کا اندھیرا پھیلا ہوا ہے، پھر ایک وقت آئے گا جب یہ اندھیرا دور ہوگا، اور حق اپنی پوری تابانی کے ساتھ ظاہر ہو کر ماحول کو روشن کر دے گا، یا اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے بہت سے حقائق انسان کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں، جو قیامت میں پوری طرح روشن ہو کر سامنے آجائیں گے۔

(۱۶) یعنی یہ اُس شخص کو بھی خبردار کرتا ہے جو بھلائی کی طرف آگے بڑھے، اور اُس کو بھی جو بھلائی سے پیچھے ہٹے۔

(۱۷) یعنی جس طرح قرض کی توثیق کے لئے کوئی چیز گروی (رہن) رکھی جاتی ہے، کہ اگر قرض ادا نہ ہوا تو قرض خواہ اُسے بیچ کر اپنا حق حاصل کر سکتا ہے، اسی طرح کافر اس طرح رہن رکھا ہوا ہے کہ یا تو ہدایت کا راستہ اختیار کر لے، ورنہ اُس کا پورا وجود دوزخ کا ایندھن بنے گا۔

(۱۸) اس سے مراد وہ نیک لوگ ہیں جن کا اعمال نامہ انہیں اُن کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔



وَكُنَّا خَوْضًا مَعَ الْخَافِضِينَ ۝ وَكُنَّا نَكْذِبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ حَتَّىٰ أَتَيْنَا الْيَقِينَ ۝  
 فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ۝ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكَرَةِ مُعْرِضِينَ ۝ كَانَهُمْ حُرٌّ  
 مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةٌ ۝  
 كَلَّا ۚ بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ۝ كَلَّا إِنَّهُ تَذَكُّرَةٌ ۝ فَمِنْ سَاءِ ذِكْرَةٍ ۝ وَمَا يُذَكِّرُونَ  
 إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝

اور جو لوگ بے ہودہ باتوں میں گھستے، ہم بھی اُن کے ساتھ گھس جایا کرتے تھے، (۱۹) اور ہم روزِ جزا کو جھوٹ قرار دیتے تھے، (۲۰) یہاں تک کہ وہ یقینی بات ہمارے پاس آ ہی گئی۔“ (۲۱) چنانچہ سفارش کرنے والوں کی سفارش ایسے لوگوں کے کام نہیں آئے گی۔ (۲۲) اب ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ نصیحت کی بات سے منہ موڑے ہوئے ہیں؟ (۲۳) اس طرح جیسے وہ جنگلی گدھے ہوں (۲۴) جو کسی شیر سے (ڈر کر) بھاگ پڑے ہوں۔ (۲۵) بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اُسے کھلے ہوئے صحیفے پکڑا دیئے جائیں۔ (۲۶) ہر گز نہیں! بات اصل میں یہ ہے کہ ان کو آخرت کا خوف نہیں ہے۔ (۲۷) ہر گز نہیں! یہ (قرآن ہی) ایک نصیحت ہے، (۲۸) اب جو چاہے، اس سے نصیحت حاصل کر لے۔ (۲۹) اور یہ لوگ نصیحت حاصل کریں گے نہیں، (۳۰) الا یہ کہ اللہ ہی ایسا چاہے۔ وہی اس بات کا اہل ہے کہ اُس سے ڈرا جائے، اور وہی اس کا اہل ہے کہ لوگوں کی مغفرت کرے۔ (۳۱)

(۱۹) اس سے مراد کافروں کے وہ سردار ہیں جو اسلام اور قرآن کا مذاق اڑانے کے لئے محفلیں سجایا کرتے تھے، اور بے ہودہ مذاق سے حق کی تردید کیا کرتے تھے۔ لیکن قرآن کریم کے الفاظ عام ہیں جو ہر قسم کی بے ہودہ گفتگو اور بے ہودہ مشغلوں کو شامل ہیں، جو آخرت میں انسان کے لئے مصیبت کا سبب بنیں گے۔

(۲۰) یہ اُن کافروں کا ذکر ہے جو یہ کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی کیوں نازل ہوا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کو ہدایت کے لئے کوئی کتاب بھیجی تھی تو ہم میں سے ہر شخص پر الگ کتاب آنی چاہئے تھی۔

(۲۱) یعنی یہ ہر گز نہیں ہو سکتا کہ ہر شخص کو الگ کتاب دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمیشہ کسی پیغمبر کے واسطے سے بھیجی جاتی ہے، کیونکہ اگر ہر شخص پر براہِ راست کتاب بھیجی جائے تو اول تو ایمان بالغیب کا تصور ہی ختم ہو جائے جو سارے امتحان کی بنیاد ہے، دوسرے تنہا کتاب انسان کی ہدایت کے لئے کافی نہیں ہو سکتی، جب تک پیغمبر کی شکل میں کوئی معلم ساتھ نہ ہو۔ وہی انسانوں کو کتاب کا صحیح مطلب سمجھاتا ہے، اور وہی اُس پر عمل کرنے کا طریقہ سکھاتا ہے، ورنہ ہر شخص کتاب کی من مانی تشریحات کر کے اُس کا سارا مفہوم ہی خراب کر سکتا ہے۔



(۲۲) یعنی یہ بے سرو پا اعتراضات کسی حق طلبی کی وجہ سے نہیں کئے جا رہے ہیں، بلکہ ان کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے دلوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں، اور انہیں اللہ تعالیٰ کا اور آخرت کا کوئی خوف ہی نہیں ہے۔ اس لئے جو منہ میں آتا ہے کہہ گزرتے ہیں۔

الحمد للہ! سورہ مدثر کا ترجمہ اور اُس کے حواشی آج بروز ہفتہ ۲۱/ رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۶ جولائی ۲۰۰۸ء کو کراچی سے اوسلو (ناروے) جاتے ہوئے جہاز میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی کام کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



﴿اٰیٰتِهَا ۲۰﴾ ۷۵ سُورَةُ الْقِيَمَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۱ ﴿رُكُوْعَاتُهَا ۲﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِيَمَةِ ۱ وَلَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللّٰوَامَةِ ۲ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نُّجْمَعَ عِظَامُهُ ۳ بَلٰی قَدْ رَیْنَا عَلٰی اَنْ تُسَوِّیَ بَنَانَهُ ۴

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی، ۱ اور قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی، ۲ (کہ ہم انسان کو ضرور دوبارہ زندہ کریں گے) ۳ کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیوں کو اکٹھا نہیں کر سکیں گے؟ ۴ کیوں نہیں؟ جبکہ ہمیں اس پر بھی قدرت ہے کہ اُس کی انگلیوں کے پور پور کو ٹھیک ٹھیک بنادیں۔ ۵

(۱) ملامت کرنے والے نفس سے مراد انسان کا وہ ضمیر ہے جو اُسے غلط کاموں پر ملامت کرتا ہے۔ نفس انسان کی اُس اندرونی کیفیت کا نام ہے جس میں خواہشات اور ارادے پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے تین قسم کے نفس کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک نفس امارہ یعنی بُرائی پر مائل کرنے والا۔ (دیکھئے ۱۲: ۵۳) دوسرے نفسِ لَوَامَہ جس کا اس آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے، اور جو اچھائی کی طرف مائل کرتا اور بُرائی پر ملامت کرتا ہے۔ تیسرے نفسِ مطمئنہ (دیکھئے ۸۹: ۲۷) اس سے مراد وہ نفس ہے جو مسلسل کوشش کر کے اچھائی پر مطمئن ہو گیا ہو، اور بُرائی کے تقاضے اُس میں یا تو پیدا ہی نہ ہوتے ہوں، یا بہت کمزور ہو گئے ہوں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے نفسِ لَوَامَہ کی قسم کھائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کی طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا مادہ رکھا ہے جو اُسے بُرائی پر ملامت کرتا رہتا ہے۔ انسان کو غور کرنا چاہئے کہ یہ ملامت کرنے والی چیز جو خود اُس کے وجود میں رکھی ہوئی ہے، خود اس بات کی دلیل ہے کہ جس ذات نے اُسے پیدا کیا ہے، اُس نے ساتھ ساتھ اُس کو ایک تنبیہ کرنے والا وجود عطا فرما دیا ہے۔ اگر آخرت آنے والی نہ ہوتی، اور انسان کو اُس کے اچھے بُرے اعمال کا بدلہ ملنے والا نہ ہوتا تو اس نفسِ لَوَامَہ کی کیا ضرورت تھی۔

(۲) فرمایا جا رہا ہے کہ ہڈیوں کو جمع کر لینا تو بہت معمولی بات ہے، اللہ تعالیٰ تو انسان کی انگلیوں کے ایک ایک پورے کو دوبارہ ٹھیک ٹھیک اُسی طرح دوبارہ بنانے پر قادر ہیں جیسے وہ شروع میں تھے۔ انگلیوں کے پورے کا خاص طور پر اس لئے ذکر فرمایا گیا ہے کہ ان پوروں میں جو باریک باریک لکیریں ہوتی ہیں، وہ ہر انسان کی دوسرے سے الگ ہوتی ہیں، اسی وجہ سے دُنیا میں دستخط کے بجائے انگوٹھے کے نشان کو استعمال کیا جاتا ہے۔ ان لکیروں میں اتنا باریک باریک فرق ہوتا ہے کہ اربوں پدموں انسانوں کی انگلیوں کے اس فرق کو یاد رکھ کر پھر دوبارہ ویسی ہی لکیریں بنادینا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے ممکن نہیں ہے۔



بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ۚ يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ ۖ فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۚ  
 وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۚ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْرُ ۚ كَلَّا  
 لَا وَزَرَ ۖ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۚ يُنْبِئُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ۚ بَلِ  
 الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۚ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ۚ لَا تَحْرِكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۚ  
 إِنَّ عَلَيْكَ جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۚ

اصل بات یہ ہے کہ انسان چاہتا ہے کہ اپنی آگے کی زندگی میں بھی ڈھٹائی سے گناہ کرتا رہے۔ (۳) پوچھتا ہے کہ: ”کب آئے گا وہ قیامت کا دن؟“ (۴) پھر جب آنکھیں چندھیا جائیں گی، (۵) اور چاند بے نور ہو جائے گا، (۶) اور چاند اور سورج اکٹھے کر دیئے جائیں گے، (۷) اُس وقت انسان کہے گا کہ: ”کہاں ہے کوئی جگہ جہاں بھاگ کر جاؤں؟“ (۸) نہیں نہیں! پناہ کی کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ (۹) اُس دن تو ہر ایک کو تمہارے پروردگار ہی کے سامنے جا کر ٹھہرنا پڑے گا۔ (۱۰) اُس دن ہر انسان کو جتلا دیا جائے گا کہ اُس نے کیا کچھ آگے بھیجا ہے، اور کیا کچھ پیچھے چھوڑا ہے۔ (۱۱) بلکہ انسان خود اپنے آپ سے اچھی طرح واقف ہوگا، (۱۲) چاہے وہ کتنے بہانے بنائے۔ (۱۳) (اے پیغمبر!) تم اس قرآن کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو ہلایا نہ کرو۔ (۱۴) یقین رکھو کہ اس کو یاد کرانا اور پڑھوانا ہماری ذمہ داری ہے، (۱۵)

(۳) یعنی آخرت کی زندگی کا انکار یہ لوگ کسی علمی دلیل کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس لئے کرتے ہیں تاکہ آئندہ بھی وہ بے خوف و خطر گناہ کرتے رہیں، اور آخرت کا تصور ان کے لئے اپنی نفسانی خواہشات پوری کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ بنے۔  
 (۴) یعنی کونسے کام وہ دنیا میں کر آیا ہے، اور وہ اُس کے اعمال نامے میں پہنچ چکے ہیں، اور کونسے کام وہ چھوڑ آیا ہے کہ اُسے کرنے چاہئے تھے، لیکن اُس نے نہیں کئے۔  
 (۵) مطلب یہ ہے کہ انسان خود بھی جانتا ہے کہ اُس نے کیا گناہ کئے ہیں، اگرچہ وہ ان کا جواز تلاش کرنے کے لئے بہانوں اور تاویلوں کا سہارا لے۔

(۶) یہ ایک جملہ معترضہ ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل ہوتا تو آپ اُس کے الفاظ ساتھ ساتھ دہراتے جاتے تھے، تاکہ آپ انہیں بھول نہ جائیں۔ ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ زبان مبارک سے الفاظ کو دہرانے کی مشقت نہ اٹھائیں، کیونکہ ہم نے ذمہ داری لے لی ہے کہ ہم انہیں آپ کو یاد بھی کرائیں گے، اور ان کی تشریح بھی آپ کے قلب مبارک میں واضح کر دیں گے۔



فَإِذَا قَرَأْتَهُ فَاسْتَبِمْ قُرْآنَهُ ۚ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۚ ۱۹ ۚ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ۚ ۲۰  
وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ۚ ۲۱ ۚ وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۚ ۲۲ ۚ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ ۲۳ ۚ وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ  
بَاسِرَةٌ ۚ ۲۴ ۚ تَنْظُرُ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۚ ۲۵ ۚ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ الشَّرَاقِ ۚ ۲۶ ۚ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ ۚ ۲۷ ۚ  
وَضَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقِ ۚ ۲۸ ۚ وَالتَّتَقَتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۚ ۲۹ ۚ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقِ ۚ ۳۰ ۚ فَلَا  
صَدَقَ وَلَا صَلَّى ۚ ۳۱ ۚ وَلَكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى ۚ ۳۲ ۚ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّى ۚ ۳۳

پھر جب ہم اسے (جبرئیل کے واسطے سے) پڑھ رہے ہوں تو تم اس کے پڑھنے کی پیروی کرو۔ ۱۹ پھر اُس کی وضاحت  
بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ ۲۰ — خبردار (اے کافرو!) اصل بات یہ ہے کہ تم فوری طور پر حاصل ہونے والی چیز  
(یعنی دنیا) سے محبت کرتے ہو، ۲۱ اور آخرت کو نظر انداز کئے ہوئے ہو۔ ۲۲ اُس دن بہت سے چہرے شاداب ہوں  
گے، ۲۳ اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے، ۲۴ اور بہت سے چہرے اُس دن بگڑے ہوئے ہوں گے، ۲۵  
سمجھ رہے ہوں گے کہ اُن کے ساتھ وہ معاملہ ہوگا جو کمر توڑ دینے والا ہے۔ ۲۶ خبردار! جب جان ہنسلوں تک پہنچ جائے  
گی، ۲۷ اور (تیمارداروں کی طرف سے) کہا جائے گا کہ: ”ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا؟“ ۲۸ اور انسان سمجھ  
جائے گا کہ جدائی کا وقت آگیا، ۲۹ اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی ۳۰ تو اُس دن تمہارے پروردگار ہی کی طرف  
روانگی ہوگی۔ ۳۱

اس کے باوجود انسان نے نہ مانا، اور نہ نماز پڑھی، ۳۲ بلکہ حق کو جھٹلایا، اور منہ موڑ لیا، ۳۳ پھر اکڑ دکھاتا ہوا اپنے گھر  
والوں کے پاس چلا گیا۔ ۳۴

(۷) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی توجہ الفاظ کو یاد رکھنے کے بجائے ان آیات کی عملی پیروی کرنے پر مرکوز رکھیں، اور  
یہ بھی کہ جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام پڑھ رہے ہیں، آئندہ آپ بھی اُسی طرح پڑھا کریں۔  
(۸) یعنی آیات کریمہ کی تشریح بھی ہم آپ کے قلب مبارک میں محفوظ کر دیں گے۔  
(۹) مومنوں کو جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی نصیب ہوگا جو جنت کی تمام دوسری نعمتوں سے بڑی نعمت ہوگی۔  
(۱۰) جب کوئی شخص موت کے قریب پہنچ کر بستر سے لگ جاتا ہے تو اُس کے تیماردار اُس کے علاج کی کوشش کرتے ہیں، اُسی  
علاج کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کسی سے جھاڑ پھونک کرائی جائے۔  
(۱۱) نزع کی حالت میں جو تکلیف ہوتی ہے، اُس میں بسا اوقات مریض دونوں پنڈلیوں کو ملا لیتا ہے۔ یہ اُسی کیفیت کی  
طرف اشارہ ہے۔

(۱۲) یہ کسی خاص کافر کی طرف اشارہ بھی ہو سکتا ہے، اور کافروں کی عام حالت کا تذکرہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اتنے واضح دلائل کے  
سامنے آنے کے بعد بھی ماننے کے بجائے تکبر کا مظاہرہ کرتا ہے۔



أَوَّلِي لَكَ فَأَوَّلِي ۞ ثُمَّ أَوَّلِي لَكَ فَأَوَّلِي ۞ أَيْحَسِبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ۞ أَلَمْ يَكُنْ  
نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُمْنًى ۞ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّى ۞ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ  
وَالْأُنثَى ۞ أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يُّحْيِيَ الْبُوتَىٰ ۞

بربادی ہے تیری، ہاں بربادی ہے تیری! پھر سن لے کہ بربادی ہے تیری، ہاں بربادی ہے تیری! ۞ کیا انسان یہ  
سمجھتا ہے کہ اُسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ ۞ کیا وہ اُس منی کا ایک قطرہ نہیں تھا جو (ماں کے رحم میں) ٹپکایا جاتا  
ہے؟ ۞ پھر وہ ایک لوتھڑا بنا، پھر اللہ نے اُسے بنایا، اور اُسے ٹھیک ٹھاک کیا، ۞ نیز اُسی سے مرد اور عورت کی دو صنفیں  
بنائیں، ۞ کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو پھر سے زندہ کر دے؟ ۞

(۱۳) یعنی اُسے اس دُنیا میں اس طرح چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کسی شرعی قاعدے قانون کا پابند نہ ہو، اور جو جی میں آئے، کرتا  
پھرے۔

(۱۴) انسانی تخلیق کے تمام مراحل کا تذکرہ سورہ مؤمنون (۲۳: ۱۴) میں فرمایا گیا ہے۔

الحمد للہ! سورہ قیامہ کا کام ناروے کے شہر یانلو میں بروز منگل ۲۹ جولائی ۲۰۰۸ء مطابق ۲۵ رجب  
۱۴۲۹ھ کو تکمیل تک پہنچا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی کام کی تکمیل بھی اپنی رضائے کامل کے  
مطابق کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



﴿ آیتها ۳۱ ﴾ ﴿ سُورَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ ۹۸ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا ۝<sup>(۱)</sup> إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَبِيحًا بَصِيرًا ۝<sup>(۲)</sup> إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ۝<sup>(۳)</sup> إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلًا وَأَغْلَلََّا وَسْعِيرًا ۝<sup>(۴)</sup> إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ۝<sup>(۵)</sup> عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ۝<sup>(۶)</sup> يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝<sup>(۷)</sup> وَيُطْعَمُونَ السَّعْيَ عَلَى حَبِّهِ مُسْكِينًا وَيَتَيَمَّمُونَ آمْسِيرًا ۝<sup>(۸)</sup> إِنَّا نَطْعِمُكُمْ لَوْجَاءَ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝<sup>(۹)</sup> إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَتَطِيرًا ۝<sup>(۱۰)</sup>

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں انیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

انسان پر کبھی ایسا وقت آیا ہے کہ نہیں جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا؟<sup>(۱)</sup> ہم نے انسان کو ایک ملے جلے نطفے سے اس طرح پیدا کیا، کہ اُسے آزمائیں، پھر اُسے ایسا بنایا کہ وہ سنتا بھی ہے، دیکھتا بھی ہے۔<sup>(۲)</sup> ہم نے اُسے راستہ دکھایا کہ وہ یا تو شکر گزار ہو، یا ناشکر ابن جائے۔<sup>(۳)</sup> ہم نے ہی کافروں کے لئے زنجیریں، گلے کے طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے۔<sup>(۴)</sup> بیشک نیک لوگ ایسے جام سے مشروبات پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی،<sup>(۵)</sup> یہ مشروبات ایک ایسے چشمے کے ہوں گے جو اللہ کے (نیک) بندوں کے پینے کے لئے مخصوص ہے، وہ اُسے (جہاں چاہیں گے) آسانی سے بہا کر لے جائیں گے۔<sup>(۶)</sup> یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی منتیں پوری کرتے ہیں، اور اُس دن کا خوف دل میں رکھتے ہیں جس کے بُرے اثرات ہر طرف پھیلے ہوئے ہوں گے۔<sup>(۷)</sup> اور وہ اللہ کی محبت کی خاطر مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں،<sup>(۸)</sup> (اور اُن سے کہتے ہیں کہ:) ”ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں، اور نہ کوئی شکریہ!“<sup>(۹)</sup> ہمیں تو اپنے پروردگار کی طرف سے اُس دن کا ڈر لگا ہوا ہے جس میں چہرے بُری طرح بگڑے ہوئے ہوں گے۔“<sup>(۱۰)</sup>

(۱) یعنی مرد اور عورت کے ملے جلے اجزاء سے پیدا کیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ جنتیوں کو یہ اختیار عطا فرمائیں گے کہ وہ اُس چشمے کو جہاں چاہیں لے جاسکیں گے، جس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ اُسی نہر کی شاخیں آسانی سے جہاں چاہیں نکال لیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ جس جگہ چاہیں زمین سے وہ چشمہ جاری کر دیں۔



فَوَقَّعَهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّعَهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ۝ وَجَزَّاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ۝ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ لَا يَرُونَ فِيهَا شُمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ۝ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَذُلَّتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ۝ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِانِيَّةٍ مِّنْ فَضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرًا ۝ قَوَارِيرًا مِّنْ فَضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ۝ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَتْ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ۝ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّى سَلْسَبِيلًا ۝ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ۝ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلَكًا كَبِيرًا ۝ عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُدُوسٌ خُضَرٌ أَسْتَبْرَقٌ وَحُلُّوْا أَسَاوِرًا مِّنْ فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ۝

۱۰۔ حفص بن اللفظ  
۱۱۔ حفص بن اللفظ  
۱۲۔ حفص بن اللفظ  
۱۳۔ حفص بن اللفظ  
۱۴۔ حفص بن اللفظ  
۱۵۔ حفص بن اللفظ  
۱۶۔ حفص بن اللفظ  
۱۷۔ حفص بن اللفظ  
۱۸۔ حفص بن اللفظ  
۱۹۔ حفص بن اللفظ  
۲۰۔ حفص بن اللفظ  
۲۱۔ حفص بن اللفظ  
۲۲۔ حفص بن اللفظ  
۲۳۔ حفص بن اللفظ  
۲۴۔ حفص بن اللفظ  
۲۵۔ حفص بن اللفظ  
۲۶۔ حفص بن اللفظ  
۲۷۔ حفص بن اللفظ  
۲۸۔ حفص بن اللفظ  
۲۹۔ حفص بن اللفظ  
۳۰۔ حفص بن اللفظ  
۳۱۔ حفص بن اللفظ  
۳۲۔ حفص بن اللفظ  
۳۳۔ حفص بن اللفظ  
۳۴۔ حفص بن اللفظ  
۳۵۔ حفص بن اللفظ  
۳۶۔ حفص بن اللفظ  
۳۷۔ حفص بن اللفظ  
۳۸۔ حفص بن اللفظ  
۳۹۔ حفص بن اللفظ  
۴۰۔ حفص بن اللفظ  
۴۱۔ حفص بن اللفظ  
۴۲۔ حفص بن اللفظ  
۴۳۔ حفص بن اللفظ  
۴۴۔ حفص بن اللفظ  
۴۵۔ حفص بن اللفظ  
۴۶۔ حفص بن اللفظ  
۴۷۔ حفص بن اللفظ  
۴۸۔ حفص بن اللفظ  
۴۹۔ حفص بن اللفظ  
۵۰۔ حفص بن اللفظ  
۵۱۔ حفص بن اللفظ  
۵۲۔ حفص بن اللفظ  
۵۳۔ حفص بن اللفظ  
۵۴۔ حفص بن اللفظ  
۵۵۔ حفص بن اللفظ  
۵۶۔ حفص بن اللفظ  
۵۷۔ حفص بن اللفظ  
۵۸۔ حفص بن اللفظ  
۵۹۔ حفص بن اللفظ  
۶۰۔ حفص بن اللفظ  
۶۱۔ حفص بن اللفظ  
۶۲۔ حفص بن اللفظ  
۶۳۔ حفص بن اللفظ  
۶۴۔ حفص بن اللفظ  
۶۵۔ حفص بن اللفظ  
۶۶۔ حفص بن اللفظ  
۶۷۔ حفص بن اللفظ  
۶۸۔ حفص بن اللفظ  
۶۹۔ حفص بن اللفظ  
۷۰۔ حفص بن اللفظ  
۷۱۔ حفص بن اللفظ  
۷۲۔ حفص بن اللفظ  
۷۳۔ حفص بن اللفظ  
۷۴۔ حفص بن اللفظ  
۷۵۔ حفص بن اللفظ  
۷۶۔ حفص بن اللفظ  
۷۷۔ حفص بن اللفظ  
۷۸۔ حفص بن اللفظ  
۷۹۔ حفص بن اللفظ  
۸۰۔ حفص بن اللفظ  
۸۱۔ حفص بن اللفظ  
۸۲۔ حفص بن اللفظ  
۸۳۔ حفص بن اللفظ  
۸۴۔ حفص بن اللفظ  
۸۵۔ حفص بن اللفظ  
۸۶۔ حفص بن اللفظ  
۸۷۔ حفص بن اللفظ  
۸۸۔ حفص بن اللفظ  
۸۹۔ حفص بن اللفظ  
۹۰۔ حفص بن اللفظ  
۹۱۔ حفص بن اللفظ  
۹۲۔ حفص بن اللفظ  
۹۳۔ حفص بن اللفظ  
۹۴۔ حفص بن اللفظ  
۹۵۔ حفص بن اللفظ  
۹۶۔ حفص بن اللفظ  
۹۷۔ حفص بن اللفظ  
۹۸۔ حفص بن اللفظ  
۹۹۔ حفص بن اللفظ  
۱۰۰۔ حفص بن اللفظ

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کو اُس دن کے بُرے اثرات سے بچالے گا، اور اُن کو شادابی اور سرور سے نوازے گا، ۱ اور انہوں نے جو صبر سے کام لیا تھا، اُس کے بدلے میں انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا۔ ۲ وہ ان باغوں میں آرام دہ اونچی نشیمنوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، جہاں نہ وہ دُھوپ کی تپش دیکھیں گے، اور نہ کڑا کے کی سردی۔ ۳ اور حالت یہ ہوگی کہ اُن باغوں کے سائے اُن پر جھکے ہوئے ہوں گے، اور اُن کے پھل مکمل طور سے اُن کے آگے رام کر دیئے جائیں گے۔ ۴ اور ان کے سامنے چاندی کے برتن اور وہ پیالے گردش میں لائے جائیں گے جو شیشے کے ہوں گے، ۵ شیشے بھی چاندی کے ۶ جنہیں بھرنے والوں نے توازن کے ساتھ بھرا ہوگا۔ ۷ اور وہاں ان کو ایسا جام پلایا جائے گا جس میں سوٹھ ملا ہوا ہوگا، ۸ وہاں کے ایسے چشمے سے جس کا نام سلسبیل ہے۔ ۹ ان کے سامنے (خدمت کے لئے) ایسے لڑکے گردش میں ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ ۱۰ جب تم انہیں دیکھو گے تو یہ محسوس کرو گے کہ وہ موتی ہیں جو بکھیر دیئے گئے ہیں۔ ۱۱ اور (حقیقت تو یہ ہے کہ) جب تم وہ جگہ دیکھو گے تو تمہیں نعمتوں کا ایک جہان اور ایک بڑی سلطنت نظر آئے گی۔ ۱۲ اُن کے اوپر باریک ریشم کا سبز لباس اور دبیز ریشم کے کپڑے ہوں گے، اور انہیں چاندی کے کنگنوں سے آراستہ کیا جائے گا، اور اُن کا پروردگار انہیں نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔ ۱۳

(۳) یعنی تمام پھل اُن کی دسترس اور اُن کے قابو میں دے دیئے جائیں گے۔

(۴) یہ جنت کی ایک عجیب خصوصیت بیان فرمائی گئی ہے کہ عام طور سے چاندی شفاف نہیں ہوتی، اس لئے چاندی کا برتن شیشے کی طرح شفاف نہیں ہو سکتا، لیکن وہاں کے یہ گلاس چاندی کے ہونے کے باوجود شیشے کی طرح شفاف ہوں گے۔

(۵) یعنی ان لڑکوں کی عمر ایک جیسی ہی رہے گی، اور ان پر کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا۔



إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا ۝ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ  
تَنْزِيلًا ۝ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ۝ وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً  
وَأَصِيلًا ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ۝ إِنَّ هَؤُلَاءِ يُجِبُونَ الْعَاجِلَةَ  
وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ۝ نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ ۝ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا  
أَمْثَلَهُمْ تَبْدِيلًا ۝ إِنَّ هَذِهِ تَذَكُّرَةٌ ۝ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝ وَمَا تَشَاءُونَ  
إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۝ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ  
وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

(اور فرمائے گا کہ:) ”یہ ہے تمہارا انعام! اور تم نے (دُنیا میں) جو محنت کی تھی، اُس کی پوری قدر دانی کی گئی ہے۔“ (۲۲)  
(اے پیغمبر!) ہم نے ہی تم پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے۔ (۲۳) لہذا تم اپنے پروردگار کے حکم پر ثابت قدم رہو،  
اور ان لوگوں میں سے کسی نافرمان یا کافر کی بات نہ مانو۔ (۲۴) اور اپنے پروردگار کے نام کا صبح و شام ذکر کیا کرو۔ (۲۵) اور  
کچھ رات کو بھی اُس کے آگے سجدے کیا کرو، اور رات کے لمبے وقت میں اُس کی تسبیح کرو۔ (۲۶) یہ لوگ تو (دُنیا کی)  
فوری چیزوں سے محبت کرتے ہیں، اور اپنے آگے جو بھاری دن آنے والا ہے، اُسے نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ (۲۷) ہم  
نے ہی انہیں پیدا کیا ہے، اور اُن کے جوڑ بند مضبوط کئے ہیں۔ اور ہم جب چاہیں ان کے بدلے ان جیسے دوسرے پیدا  
کر دیں۔ (۲۸) حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک نصیحت کی بات ہے۔ اب جو چاہے، اپنے پروردگار کی طرف جانے والا راستہ  
اختیار کر لے۔ (۲۹) اور تم چاہو گے نہیں جب تک اللہ نہ چاہے۔ اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک، (۳۰) وہ  
جس کو چاہتا ہے، اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے، اور یہ جو ظالم لوگ ہیں، ان کے لئے اُس نے دردناک عذاب تیار  
کر رکھا ہے۔ (۳۱)

(۲۱) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ان سب کو ہلاک کر کے ان کی جگہ دوسرے انسان پیدا کر دیں، اور دوسرا  
مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے انہیں شروع میں پیدا کیا تھا، اسی طرح ہم جب چاہیں گے، ان کے مرنے کے بعد بھی انہیں  
دوبارہ پیدا کر دیں گے۔

الحمد للہ! سورۃ دھر کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی آج بروز اتوار ۳ اگست ۲۰۰۸ء کو بحری جہاز میں  
کوپن ہیگن سے اوسلو جاتے ہوئے تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی کام بھی اپنی رضا  
کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



﴿آیاتھا ۵۰﴾ ﴿سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ مَكِّيَّةٌ ۲۲﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۲﴾

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْمُرْسَلَتِ عُرْفًا ۱۰ فَالْعَصْفِ عَصْفًا ۱۱ وَالنَّشْرِ نَشْرًا ۱۲ فَالْفَرْقَتِ فَرْقًا ۱۳  
فَالْمُلْقِيَتِ ذِكْرًا ۱۴ عَذْرًا أَوْ نَذْرًا ۱۵ إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ ۱۶ فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ۱۷  
وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ ۱۸ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۱۹ وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِتَتْ ۲۰ لَا يَمِیْ یَوْمٍ  
أُجِلَتْ ۲۱ لَیَوْمِ الْفَصْلِ ۲۲

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے اُن (ہواؤں) کی جو ایک کے بعد ایک بھیجی جاتی ہیں، ۱۰ پھر جو آندھی بن کر زور سے چلتی ہیں، ۱۱ اور جو  
(بادلوں کو) خوب اچھی طرح پھیلا دیتی ہیں، ۱۲ پھر قسم ہے اُن (فرشتوں) کی جو حق اور باطل کو الگ الگ کر دیتے  
ہیں، ۱۳ پھر نصیحت کی باتیں نازل کرتے ہیں، ۱۴ جو یا تو لوگوں کے لئے معافی مانگنے کا سبب بنتی ہیں، یا ڈرانے کا، ۱۵  
یقیناً وہ واقعہ ضرور پیش آکر رہے گا جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ ۱۶ چنانچہ (وہ واقعہ اُس وقت ہوگا) جب ستارے  
بجھا دیئے جائیں گے، ۱۷ اور جب آسمان کو چیر دیا جائے گا، ۱۸ اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے، ۱۹ اور  
جب پیغمبروں کے جمع ہونے کا وقت آجائے گا۔ ۲۰ (کوئی پوچھے کہ) اس معاملے کو کس دن کے لئے ملتوی کیا گیا  
ہے؟ ۲۱ (تو جواب یہ ہے کہ) فیصلے کے دن کے لئے! ۲۲

(۱) اس دُنیا میں جو ہوائیں چلتی ہیں، اُن میں سے کچھ تو ایسی ہوتی ہیں جو انسان کو فائدہ پہنچاتی اور اُس کے لئے زندگی کا سامان  
مہیا کرتی ہیں، اور کچھ ایسی ہوتی ہیں جو آندھی طوفان بن کر انسان کے لئے نقصان کا باعث ہوتی ہیں۔ اسی طرح فرشتے جو  
اللہ تعالیٰ کا کلام لے کر انسانوں کے پاس آتے ہیں، وہ نیک لوگوں کے لئے خوشخبری اور بُرے لوگوں کے لئے ڈرانے کا سامان  
لے کر آتے ہیں۔ اس لئے پہلی تین آیتوں میں ہواؤں کی قسم کھائی گئی ہے، اور دوسری تین آیتوں میں فرشتوں کی۔

(۲) یعنی نیک لوگوں کو اس کلام کے ذریعے گناہوں سے معافی کی دعوت دی جاتی ہے، اور بُرے لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے۔

(۳) اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے آخرت کا ایک وقت مقرر فرمایا ہوا ہے جس میں تمام پیغمبر جمع ہو کر اپنی اپنی اُمت کے بارے میں گواہی دیں  
گے۔ یہاں وہی وقت مراد ہے۔

(۵) یہ کافروں کا وہی سوال ہے جو وہ اکثر کیا کرتے تھے کہ اگر عذاب و ثواب ہونا ہے تو ابھی کیوں نہیں ہو جاتا؟ دیر کیا ہے؟



وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ أَلَمْ نُهَبِكِ الْآوَالِينَ ۚ ثُمَّ نُنَبِّعُكُمْ الْآخَرِينَ ۚ كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۚ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۚ إِلَى قَدَرٍ مَعْلُومٍ ۚ فَقَدَرْنَا ۚ فَنِعْمَ الْقَدِرُونَ ۚ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۚ أَلَمْ نَجْعَلِ الْإِنْسَانَ كِفَاثًا ۚ أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا ۚ وَجَعَلْنَا فِيهَا رِوَاسِي شِهَابٍ ۚ وَأَسْقَيْنَاكُمْ مَاءً فُرَاتًا ۚ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۚ انْطَلِقُوا إِلَى مَا كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۚ انْطَلِقُوا إِلَى ظِلٍّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ ۚ لَا ظَلِيلٍ وَلَا يُغْنِي مِنَ الْهَبِ ۚ انْهَازِمْ بَشَرًا كَالْقَصْرِ ۚ

اور تمہیں کیا معلوم کہ فیصلے کا دن کیا چیز ہے؟ (۱۳) بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ (۱۴) کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا؟ (۱۵) پھر اُنہی کے پیچھے بعد والوں کو بھی چلتا کر دیں گے۔ (۱۶) ایسا ہی سلوک ہم مجرموں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ (۱۷) بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ (۱۸) کیا ہم نے تمہیں ایک حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ (۱۹) پھر ہم نے اُسے مقررہ وقت تک ایک مضبوط قرار کی جگہ میں رکھا، (۲۰) پھر ہم نے توازن پیدا کیا، چنانچہ اچھا توازن پیدا کرنے والے ہم ہیں! (۲۱) بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ (۲۲) کیا ہم نے زمین کو ایسا نہیں بنایا کہ وہ سمیٹ کر رکھنے والی ہے، (۲۳) زندوں کو بھی، اور مردوں کو بھی؟ (۲۴) اور ہم نے اُس میں گڑے ہوئے اُونچے اُونچے پہاڑ پیدا کئے، اور تمہیں میٹھے پانی سے سیراب کرنے کا انتظام کیا۔ (۲۵) بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ (۲۶) (ان سے کہا جائے گا کہ:) ”چلو اب اُسی چیز کی طرف جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔“ (۲۷) چلو اُس سائبان کی طرف جو تین شاخوں والا ہے، (۲۸) جس میں نہ تو (ٹھنڈک والا) سایہ ہے، اور نہ وہ آگ کی لپٹ سے بچا سکتا ہے۔ (۲۹) وہ آگ تو محل جیسے بڑے بڑے شعلے پھینکے گی، (۳۰)

(۶) یعنی جس طرح پچھلے زمانے کے کافر ہلاک ہوئے، عرب کے یہ کافر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا رہے ہیں یہ بھی ہلاک ہوں گے۔

(۷) اس سے مراد ماں کا پیٹ ہے۔

(۸) یعنی انسان کو ہم نے صرف پیدا ہی نہیں کیا، بلکہ اُس کی بناوٹ میں ایسا بہترین توازن رکھا ہے جو ہمارے سوا کوئی قائم نہیں رکھ سکتا۔ انسان کے جسم کے مختلف حصوں پر جتنا غور کیا جائے، یہ حقیقت اتنی ہی زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

(۹) اس سے مراد دوزخ کی آگ کا دھواں ہے جو سائبان کی طرح بلند ہوگا، اور تین شاخوں میں تقسیم ہو جائے گا۔



كَانَهُ جِئِلَتْ صُفْرًا ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ هَذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ ۝ وَلَا يُؤْذَنُ  
لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝ جَعَلْنَاهُ  
وَالْأَوَّلِينَ ۝ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُوا ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي  
ظِلِّ وَعُيُونٍ ۝ وَفَوَاحِهِ مَائِيشَتُهُمْ ۝ كُلُّوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ إِنَّا  
كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ كُلُّوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ  
مُجْرِمُونَ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْكُثُوا إِنَّا يَرْكَعُونَ ۝ وَيْلٌ  
يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ كَيْدٍ مِمَّنْ ۝

ایسا لگے گا جیسے وہ زرد رنگ کے اونٹ ہوں۔ (۳۳) بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ (۳۴) یہ  
ایسا دن ہے جس میں یہ لوگ بول نہیں سکیں گے، (۳۵) اور نہ انہیں اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ کوئی عذر پیش  
کر سکیں۔ (۳۶) بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ (۳۷) یہ فیصلے کا دن ہے۔ ہم نے تمہیں اور  
پچھلے لوگوں کو اکٹھا کر لیا ہے۔ (۳۸) اب اگر تمہارے پاس کوئی داؤ ہے تو مجھ پر وہ داؤ چلا لو۔ (۳۹) بڑی خرابی ہوگی اُس دن  
ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ (۴۰) جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا، وہ بیشک سایوں اور چشموں کے درمیان ہوں  
گے، (۴۱) اور اپنے من پسند میوؤں کے درمیان! (۴۲) (اُن سے کہا جائے گا کہ:) مزے سے کھاؤ، اور پیو اُن اعمال کی  
بدولت جو تم کیا کرتے تھے۔ (۴۳) ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ (۴۴) بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو  
حق کو جھٹلاتے ہیں۔ (۴۵) (اے کافرو!) کچھ وقت کھاؤ، اور مزے اڑالو۔ حقیقت میں تم لوگ مجرم ہو۔ (۴۶) بڑی خرابی  
ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ (۴۷) اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے آگے جھک جاؤ، تو  
یہ جھکتے نہیں ہیں۔ (۴۸) بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ (۴۹) اب اس کے بعد اور کوئی بات  
ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے؟ (۵۰)

(۱۰) یہاں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ دوزخ کی آگ کے شعلے اتنے بڑے ہوں گے جیسے عظیم الشان محل ہوتے ہیں، اور اُن  
سے جوشا نہیں نکلیں گی، وہ زرد رنگ کے اونٹوں جیسی ہوں گی۔

الحمد للہ! سورۃ مرسلات کا کام ۵ اگست ۲۰۰۸ء مطابق ۳ شعبان ۱۴۲۹ھ کو ناروے کے شہر اوسلو  
میں تکمیل کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی ایک پارے کی خدمت بھی اپنی  
رضائے کامل کے مطابق انجام دلوادیں۔ آمین ثم آمین۔



﴿آیتھا ۳۰﴾ ﴿سُورَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ ۸۰﴾ ﴿رُكُوْعَاتُهَا ۲﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۚ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيمِ ۚ الَّذِي هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُونَ ۙ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۙ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۙ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهْدًا ۙ وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۙ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۙ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۙ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا ۙ وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ۙ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَنَبَاتًا ۙ وَجَنَّتِ الْاَفَاقُ ۙ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۙ

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

یہ (کافر) لوگ کس چیز کے بارے میں سوالات کر رہے ہیں؟ ۱ اُس زبردست واقعے کے بارے میں جس میں خود ان کی باتیں مختلف ہیں! ۲ و ۳ خبردار! انہیں بہت جلد پتہ لگ جائے گا، ۴ دوبارہ خبردار! انہیں بہت جلد پتہ لگ جائے گا۔ ۵ کیا ہم نے زمین کو ایک بچھونا نہیں بنایا؟ ۶ اور پہاڑوں کو (زمین میں گڑی ہوئی) میخیں؟ ۷ اور تمہیں (مرد و عورت کے) جوڑوں کی شکل میں ہم نے پیدا کیا، ۸ اور تمہاری نیند کو تھکن دُور کرنے کا ذریعہ ہم نے بنایا، ۹ اور رات کو پردے کا سبب ہم نے بنایا، ۱۰ اور دن کو روزی حاصل کرنے کا وقت ہم نے قرار دیا، ۱۱ اور ہم نے ہی تمہارے اوپر سات مضبوط وجود (آسمان) تعمیر کئے، ۱۲ اور ہم نے ہی ایک دہکتا ہوا چراغ (سورج) پیدا کیا، ۱۳ اور ہم نے ہی بھرے ہوئے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا، ۱۴ تاکہ اُس سے غلہ اور دوسری سبزیاں بھی اُگائیں، ۱۵ اور گھنے باغات بھی۔ ۱۶ یقین جانو فیصلے کا دن ایک متعین وقت ہے، ۱۷

(۱) اس سے قیامت اور آخرت مراد ہے۔ کافر لوگ قیامت کے بارے میں طرح طرح کی باتیں بنایا کرتے تھے۔ کوئی اُس کا مذاق اڑاتا، کوئی اُس کے خلاف دلیلیں پیش کرتا، کوئی مسلمانوں سے اُس کی تفصیلات کے بارے میں سوالات کرتا، اور سوال کرنے کا مقصد حق کی تلاش نہیں، بلکہ استہزاء ہوتا تھا۔ ان آیتوں میں اُن کے اسی طرزِ عمل کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کائنات میں پھیلی ہوئی اپنی قدرت کی نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جب تم یہ مانتے ہو کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے، تو اُس کی یہ قدرت تسلیم کرنے میں تمہیں کیوں مشکل پیش آرہی ہے کہ وہ اس عالم کو ایک مرتبہ ختم کر کے دوبارہ پیدا فرمادے گا۔



يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۚ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۚ وَسُيِّرَتِ  
 الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۚ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۚ لِلطَّاغِينَ مَابًا ۚ لِبِشِينَ فِيهَا  
 أَحْقَابًا ۚ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۚ إِلَّا حَيْثَآءُ عَسَاقًا ۚ جَزَاءً وِفَاقًا ۚ  
 إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ۚ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَابًا ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۚ  
 فَذُوقُوا فَلَئِنْ زِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۚ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۚ حَدَاقًا وَاعْتَابًا ۚ  
 وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ۚ وَكَأْسًا دِهَاقًا ۚ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذْبًا ۚ جَزَاءً مِمَّنْ  
 رَبَّكَ عَطَاءً حِسَابًا ۚ

وہ دن جب صور پھونکا جائے گا تو تم سب فوج در فوج چلے آؤ گے، (۱) اور آسمان کھول دیا جائے گا، تو اُس کے دروازے  
 ہی دروازے بن جائیں گے، (۲) اور پہاڑوں کو چلایا جائے گا تو وہ ریت کے سراب کی شکل اختیار کر لیں گے، (۳) یقین  
 جانو جہنم گھات لگائے بیٹھی ہے، (۴) وہ سرکشوں کا ٹھکانا ہے (۵) جس میں وہ مدتوں اس طرح رہیں گے (۶) کہ اُس میں  
 نہ وہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے، اور نہ کسی پینے کے قابل چیز کا، (۷) سوائے گرم پانی اور پیپ لہو کے، (۸) یہ اُن کا پورا  
 پورا بدلہ ہوگا۔ (۹) وہ (اپنے اعمال کے) حساب کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے، (۱۰) اور انہوں نے ہماری آیتوں کو بڑھ چڑھ کر  
 جھٹلایا تھا۔ (۱۱) اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے، (۱۲) ”اب مزہ چکھو! اس لئے کہ ہم تمہارے لئے سزا کے سوا  
 کسی چیز میں اضافہ نہیں کریں گے۔“ (۱۳)

جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا تھا، اُن کی بیشک بڑی جیت ہے، (۱۴) باغات اور انگور! (۱۵) اور نو خیز ہم عمر لڑکیاں! (۱۶) اور  
 چھلکتے ہوئے پیمانے! (۱۷) وہاں پر وہ نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے، اور نہ کوئی جھوٹی بات، (۱۸) یہ تمہارے پروردگار کی  
 طرف سے صلہ ہوگا۔ (اللہ کی) ایسی دین ہوگی جو لوگوں کے اعمال کے حساب سے دی جائے گی، (۱۹)

(۲) اصل عربی لفظ ”احقاب“ ہے جو ”حقبہ“ کی جمع ہے جو بڑی طویل مدت کو کہتے ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ ان کے دوزخ میں  
 رہنے کی مدتیں یکے بعد دیگرے بڑھتی ہی چلی جائیں گی۔ بعض لوگوں نے اس لفظ سے جو استدلال کیا ہے کہ جن سرکش لوگوں کا  
 ذکر ہو رہا ہے، وہ بھی طویل مدتیں گزرنے کے بعد دوزخ سے نکل جائیں گے، وہ غلط استدلال ہے، اس لئے کہ قرآن کریم نے  
 بہت سے مقامات پر صریح لفظوں میں وضاحت فرمادی ہے کہ وہ کبھی نہیں نکلیں گے۔ مثلاً دیکھئے سورہ مائدہ (۵: ۳۷)۔

(۳) یہ ترجمہ ایک تفسیر کے مطابق ہے جو حضرت عطاءؒ سے منقول ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہوگی، جو کسی  
 استحقاق کے بغیر ملے گی، لیکن اللہ تعالیٰ یہ دین ہر ایک کو اُس کے اعمال کے حساب سے دیں گے۔ اور اس کا دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا



رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنُ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوْحُ  
وَالْمَلٰئِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اٰذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ  
فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ اِلٰى رَبِّهِ مَابًا ﴿۳۹﴾ اِنَّا اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ  
يَدَاهُ وَيَقُوْلُ الْكَفِرُ لِيَلِيْتَنِيْ كُنْتُ تَرَبًّا ﴿۴۰﴾

۱۰۰

اُسی پروردگار کی طرف سے جو سارے آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان ہر چیز کا مالک، بہت مہربان ہے! کسی کی  
مجال نہیں ہے کہ اُس کے سامنے بول سکے۔ ﴿۳۷﴾ جس دن ساری رُوحیں اور فرشتے قطاریں بنا کر کھڑے ہوں گے، اُس  
دن سوائے اُس کے کوئی نہیں بول سکے گا جسے خدائے رحمن نے اجازت دی ہو، اور وہ بات بھی ٹھیک کہے۔ ﴿۳۸﴾ وہ دن  
ہے جو برحق ہے۔ اب جو چاہے، وہ اپنے پروردگار کے پاس ٹھکانا بنا رکھے۔ ﴿۳۹﴾ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تمہیں ایک  
ایسے عذاب سے خبردار کر دیا ہے جو قریب آنے والا ہے، جس دن ہر شخص وہ اعمال آنکھوں سے دیکھ لے گا جو اُس کے  
ہاتھوں نے آگے بھیج رکھے ہیں، اور کافر یہ کہے گا کہ کاش! میں مٹی ہو جاتا۔ ﴿۴۰﴾

ہے کہ: ”— (اللہ کی) ایسی دین ہوگی جو ہر ایک کے لئے کافی ہو جائے گی،“ یعنی اُن کی ضروریات اور خواہشات کو پورا کرنے  
کے لئے کافی ہوگی۔

(۳) یعنی جس کو جو کچھ دے دیا جائے گا، اُس کے خلاف کسی کو بولنے کی مجال نہیں ہوگی۔

(۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی انسان یا فرشتہ کسی کی سفارش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کچھ بول نہیں سکے گا،  
اور وہ بھی اُس وقت جب وہ سفارش بھی ٹھیک کرے، یعنی اُس طریقے سے کرے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہوگا۔

(۶) بعض روایتوں میں ہے کہ جن جانوروں نے دُنیا میں ایک دوسرے پر ظلم کیا تھا، میدانِ حشر میں اُن کو بھی جمع کر کے اُن سے  
اُن کے ظلم کا بدلہ دلوا دیا جائے گا، یہاں تک کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے کسی بے سینگ والی بکری کو سینگ مارا تھا تو حشر میں اُس  
کا بھی بدلہ دلوا دیا جائے گا۔ اور جب یہ بدلہ پورا ہو جائے گا تو ان جانوروں کو مٹی میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ اُس وقت وہ کافر لوگ  
جنہیں دوزخ کا انجام نظر آ رہا ہوگا، وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! ہم بھی مٹی ہو جاتے (مسلم و ترمذی)۔

الحمد للہ! سورہ نبا کا کام ۹ شعبان ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۲ اگست ۲۰۰۸ء کو کراچی میں تکمیل کو پہنچا۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی کام کی بھی تکمیل اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔

آمین ثم آمین۔



﴿آیتھا ۴۶﴾ ﴿سُورَةُ النَّازِعَاتِ مَكِّيَّةٌ ۸۱﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۲﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالنُّزْعَةُ غَرْقًا ۱ وَالنَّشْطُ نَشْطًا ۲ وَالسَّبْحُ سَبْحًا ۳ فَالسَّبْحُ سَبْقًا ۴  
فَالْمَدْبَرَاتُ أَمْرًا ۵ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۶ تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ ۷ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ  
وَاجِفَةٌ ۸ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۹

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چھیالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے اُن (فرشتوں) کی جو (کافروں کی رُوح) سختی سے کھینچتے ہیں، ۱ اور جو (مومنوں کی رُوح کی) گرہ نرمی سے کھول دیتے ہیں، ۲ پھر (فضائیں) تیرتے ہوئے جاتے ہیں، ۳ پھر تیزی سے لپکتے ہیں، ۴ پھر جو حکم ملتا ہے، اُس (کو پورا کرنے) کا انتظام کرتے ہیں، ۵ کہ جس دن بھونچال (ہر چیز کو) ہلا ڈالے گا، ۶ پھر اُس کے بعد ایک اور جھٹکا آئے گا، ۷ اُس دن بہت سے دل لرز رہے ہوں گے، ۸ اُن کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ ۹

(۱) قرآن کریم میں اصل لفظ صرف اتنا ہے کہ: ”قسم اُن کی جو سختی سے کھینچتے ہیں“ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں یہ فرمایا ہے کہ اس سے مراد رُوح قبض کرنے والے فرشتے ہیں جو کسی کی (اور عام طور سے کافروں کی) رُوح کو سختی سے کھینچتے ہیں، اور کسی کی (اور عام طور سے مومنوں کی) رُوح کو آسانی سے اس طرح کھینچ لیتے ہیں جیسے کوئی گرہ کھول دی ہو۔ پھر وہ ان رُوحوں کو لے کر تیرتے ہوئے جاتے ہیں، اور جلدی جلدی اُن کی منزل پر پہنچا کر اُن احکام کے مطابق اُن کا انتظام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے بارے میں دیے ہوئے ہوتے ہیں۔ پہلی چار آیتوں کا یہی مطلب ہے۔ ان فرشتوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے حالات بیان فرمائے ہیں کہ جب وہ آئے گی تو بہت سے دل لرز رہے ہوں گے۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی بات کا یقین دلانے کے لئے قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن عربی بلاغت کے قاعدے سے بات میں زور پیدا کرنے کے لئے قسمیں کھائی گئی ہیں، اور عام طور سے جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے، وہ اُس دعوے پر گواہ ہوتی ہے جو بعد میں بیان ہو رہا ہے۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ یہ فرشتے اس بات کے گواہ ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعے رُوح قبض فرماتا ہے، اُسی طرح فرشتوں سے صور پھونکا کر انہیں دوبارہ زندہ بھی کر سکتا ہے۔

(۲) اس سے مراد پہلا صور ہے۔ جب وہ پھونکا جائے گا تو ہر جان دار کو موت آجائے گی، اور پوری کائنات زیر و زبر ہو جائے گی۔

(۳) اس سے مراد دوسرا صور ہے۔ پہلے صور کے نتیجے میں سب مر چکے ہوں گے، اور دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو کر حشر کے میدان میں جمع ہو جائیں گے۔



يَقُولُونَ إِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ۖ ؕ إِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۖ ؕ قَالُوا تِلْكَ إِذَا كَرَّتُ  
خَاسِرَةٌ ۖ ؕ فَإِنَّمَا هِيَ زُجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ۖ ؕ فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۖ ؕ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ  
مُوسَى ۖ ؕ إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۖ ؕ إِذْ هَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۖ ؕ فَقُلْ  
هَلْ لَّكَ إِلَىٰ أَنْ تَزْكَىٰ ۖ ؕ وَاهْدِيكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ۖ ؕ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتِنَا ۖ ؕ فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ۖ ؕ ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ۖ ؕ فَحَسْرَةً قُنَاذَىٰ ۖ ؕ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ۖ ؕ فَأَخَذَهُ  
اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ ۖ ؕ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَخْشَىٰ ۖ ؕ

یہ (کافروگ) کہتے ہیں کہ: ”کیا ہم پہلی والی حالت پر لوٹا دیئے جائیں گے؟“ (۱۰) کیا اُس وقت جب ہم بوسیدہ ہڈیوں  
میں تبدیل ہو چکے ہوں گے؟“ (۱۱) کہتے ہیں کہ: ”اگر ایسا ہوا تو یہ بڑے گھائے کی واپسی ہوگی۔“ (۱۲) حقیقت تو یہ ہے  
کہ وہ بس ایک زور کی آواز ہوگی، (۱۳) جس کے بعد وہ اچانک ایک کھلے میدان میں ہوں گے۔ (۱۴)  
(اے پیغمبر!) کیا تمہیں موسیٰ کا واقعہ پہنچا ہے؟ (۱۵) جب اُن کے پروردگار نے اُنہیں طویٰ کی مقدس وادی میں آواز دی  
تھی (۱۶) کہ: ”فرعون کے پاس چلے جاؤ، اُس نے بہت سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔ (۱۷) اور اُس سے کہو کہ کیا تمہیں یہ  
خواہش ہے کہ تم سنور جاؤ؟“ (۱۸) اور یہ کہ میں تمہیں تمہارے پروردگار کا راستہ دکھاؤں تو تمہارے دل میں خوف پیدا  
ہو جائے؟“ (۱۹) چنانچہ موسیٰ نے اُس کو بڑی زبردست نشانی دکھائی، (۲۰) پھر بھی اُس نے (اُنہیں) جھٹلایا، اور کہنا نہیں  
مانا، (۲۱) پھر دوڑ دھوپ کرنے کے لئے پلٹا، (۲۲) پھر سب کو اکٹھا کیا، اور آواز لگائی (۲۳) اور کہا کہ: ”میں تمہارا اعلیٰ درجے  
کا پروردگار ہوں۔“ (۲۴) نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اُسے آخرت اور دُنیا کے عذاب میں پکڑ لیا۔ (۲۵) حقیقت یہ ہے کہ اس  
واقعے میں اُس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو اللہ کا خوف دل میں رکھتا ہو۔ (۲۶)

(۴) یعنی کیا ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کی حالت میں واپس لایا جائے گا؟

(۵) مطلب یہ ہے کہ اگر ہمیں واقعی دوبارہ زندہ کیا گیا تو یہ ہمارے لئے گھائے کا سودا ہوگا، کیونکہ اس دوسری زندگی کے لئے ہم  
نے کوئی تیاری نہیں کر رکھی ہے۔

(۶) اس سے مراد صحرائے سینا کی وہ وادی ہے جس میں پہلی بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنایا گیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے  
سورۃ طہ (۲۰: ۸۲ تا ۸۴ اور ان کے حواشی)۔

(۷) یعنی یہ معجزہ دکھایا کہ اُن کی لٹھی سانپ بن گئی، اور اُن کا ہاتھ چمکنے لگا (دیکھئے سورۃ طہ ۲۰: ۲۲ تا ۲۴)۔

(۸) دُنیا کا عذاب یہ کہ اُسے اور اُس کے لشکر کو غرق کر دیا گیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سورۃ شعراء (۲۶: ۶۱ تا ۶۴) اور آخرت  
میں دوزخ کا عذاب ہوگا۔



ءَأَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا مِّنَ السَّمَاءِ ۖ بَنَاهَا ۚ رَفَعَ سُبُكَهَا فَسَوَّيَهَا ۚ وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا ۚ  
وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا ۚ أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءً وَأَوْرَعَهَا ۚ وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا ۚ مَتَاعًا  
لَّكُمْ وَلِأَنعَامِكُمْ ۚ فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ ۚ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعَىٰ ۚ  
وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ۚ فَأَمَّا مَن طَغَىٰ ۚ وَاشْرَا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۚ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ  
الْمَأْوَىٰ ۚ وَأَمَّا مَن خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۚ  
يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۚ فِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا ۚ إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا ۚ  
إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرُ مَن يَخْشَاهَا ۚ كَانَتْهُمْ يَوْمَ يُدْعَوْنَ إِلَىٰهَا مَنَاسِكُ الْوَعَةِ ۚ أَوْضَحَاهَا ۚ

(انسانو!) کیا تمہیں پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے، یا آسمان کو؟ اُس کو اللہ نے بنایا ہے، اُس کی بلندی اٹھائی ہے، پھر اُسے ٹھیک کیا ہے، اور اُس کی رات کو اندھیری بنایا ہے، اور اُس کے دن کی دُھوپ باہر نکال دی ہے، اور زمین کو اُس کے بعد بچھا دیا ہے، اُس میں سے اُس کا پانی اور اُس کا چارہ نکالا ہے، اور پہاڑوں کو گاڑ دیا ہے، تاکہ تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچائے۔ پھر جب وہ سب سے بڑا ہنگامہ برپا ہوگا، جس دن انسان اپنا سارا کیا دھرا یاد کرے گا، اور دوزخ ہر دیکھنے والے کے سامنے ظاہر کر دی جائے گی، تو وہ جس نے سرکشی کی تھی، اور دُنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی، تو دوزخ ہی اُس کا ٹھکانا ہوگی۔ لیکن وہ جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا تھا، اور اپنے نفس کو بُری خواہشات سے روکتا تھا، تو جنت ہی اُس کا ٹھکانا ہوگی۔ یہ لوگ تم سے قیامت کی گھڑی کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی؟ تمہارا یہ بات بیان کرنے سے کیا کام؟ اس کا علم تو تمہارے پروردگار پر ختم ہے۔ جو شخص اُس سے ڈرتا ہو، تم تو صرف اُس کو خبردار کرنے والے ہو۔ جس دن یہ اُس کو دیکھ لیں گے، اُس دن انہیں ایسا معلوم ہوگا جیسے وہ (دُنیا میں یا قبر میں) ایک شام یا ایک صبح سے زیادہ نہیں رہے۔

(۹) عرب کے کافر لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا جواز نکارتے تھے، اُس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کسی مُردے کے زندہ ہونے کو بہت مشکل سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ کائنات کی دوسری چیزوں، مثلاً آسمان، کے مقابلے میں انسان کو پیدا کرنا زیادہ آسان ہے، اگر تم مانتے ہو کہ آسمان اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے تو پھر انسان کو دوبارہ پیدا کرنا اُس کے لئے کیا مشکل ہے؟  
(۱۰) یعنی آخرت میں پہنچنے کے بعد دُنیا میں گزری ہوئی زندگی یا قبر کے عالم برزخ میں قیام کی مدت بہت مختصر معلوم ہوگی۔

الحمد للہ! سورہ نازعات کا کام ۱۸ شعبان ۱۴۲۹ھ ۲۱ اگست ۲۰۰۸ء کو کراچی میں مکمل ہوا۔  
اللہ تعالیٰ قبول فرما کر باقی کام کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



ایاتھا ۲۲ ﴿۸۰﴾ سُورَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ ۲۲ ﴿۱﴾ رُكُوعًا ۱ ﴿۱﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عَبَسَ وَتَوَلَّى ۱ أَنْ جَاءَهُ إِلَّا عَلَى ۲ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهِ يَزْكَى ۳ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ  
الذِّكْرَى ۴ أَمَّا مَنْ اسْتَغْنَى ۵ فَأَنْتَ لَهُ تَصَدَّى ۶ وَمَا عَلَيْكَ أَلَا يَزْكَى ۷ وَأَمَّا مَنْ  
جَاءَكَ يَسْعَى ۸ وَهُوَ يَخْشَى ۹ فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّى ۱۰

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں بیالیس آیتیں ہیں اور ایک رُکوع

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(پیغمبر نے) منہ بنایا، اور رخ پھیر لیا، ۱ اس لئے کہ اُن کے پاس وہ نابینا آگیا تھا۔ ۲ اور (اے پیغمبر!) تمہیں کیا خبر؟ شاید وہ سدھر جاتا، ۳ یا وہ نصیحت قبول کرتا، اور نصیحت کرنا اُسے فائدہ پہنچاتا! ۴ — وہ شخص جو بے پروائی دکھا رہا تھا، ۵ اُس کے تو تم پیچھے پڑتے ہو، ۶ حالانکہ اگر وہ نہ سدھرے تو تم پر کوئی ذمہ داری نہیں آتی، ۷ اور وہ جو محنت کر کے تمہارے پاس آیا ہے، ۸ اور وہ دل میں اللہ کا خوف رکھتا ہے، ۹ اُس کی طرف سے تم بے پروائی برتتے ہو! ۱۰

(۱) یہ آیات ایک خاص واقعے میں نازل ہوئی تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے کچھ بڑے بڑے سرداروں کو اسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے، اور اُن سے گفتگو میں مشغول تھے کہ اتنے میں آپ کے ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ وہاں آگئے، اور چونکہ وہ نابینا تھے، اس لئے یہ نہ دیکھ سکے کہ آپ کن کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہیں، چنانچہ انہوں نے آتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سکھانے کی درخواست شروع کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کا یہ طریقہ پسند نہ آیا کہ دوسروں کی بات کاٹ کر انہوں نے بیچ میں مداخلت شروع کر دی۔ اس لئے آپ کے چہرہ مبارک پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے، اور آپ نے اُن کی بات کا جواب دینے کے بجائے اُن کافروں کے ساتھ اپنی گفتگو جاری رکھی۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو یہ سورت نازل ہوئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقے پر اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ منہ بنانے کو عربی میں ”عبس“ کہتے ہیں، چونکہ یہ سورت اسی لفظ سے شروع ہوئی ہے، اس لئے اس کا نام ”عبس“ ہے، اور اس میں بنیادی تعلیم یہ دی گئی ہے کہ جو شخص دل میں حق کی طلب رکھتا ہو، اور سچے دل سے اپنی اصلاح چاہتا ہو، وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اُس کو وقت دیا جائے۔ اس کے برخلاف جن لوگوں کے دل میں حق کی طلب ہی نہیں ہے، اور وہ اپنی کسی اصلاح کی ضرورت نہیں سمجھتے، حق کے طلبگاروں سے منہ موڑ کر انہیں ترجیح نہیں دینی چاہئے۔



كَلَّا إِنَّمَا تَدْكُرُ ۚ ۱۱ فَمَنْ شَاءَ ذَكَّرْهُ ۚ ۱۲ فِي صُحُفٍ مُّكْرَمَةٍ ۚ ۱۳ مَرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۚ ۱۴  
بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ۚ ۱۵ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۚ ۱۶ قَتَلَ الْإِنْسَانَ مَا أَكْفَرَهُ ۚ ۱۷ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ  
خَلَقَهُ ۚ ۱۸ مِنْ نُطْفَةٍ ۚ ۱۹ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ۚ ۲۰ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ۚ ۲۱ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ۚ ۲۲ ثُمَّ  
إِذَا شَاءَ أَنشَرَهُ ۚ ۲۳ كَلَّا لَبَّأً يَقْضِ مَا أَمَرَ ۚ ۲۴ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ ۚ ۲۵ أَنَا  
صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۚ ۲۶

ہرگز ایسا نہیں چاہئے! یہ قرآن تو ایک نصیحت ہے، ۱۱ اب جو چاہے، اُسے یاد کر لے، ۱۲ وہ ایسے صحیفوں میں درج ہے جو بڑے مقدس ہیں، ۱۳ اونچے رُتبے والے ہیں، پاکیزہ ہیں، ۱۴ اُن لکھنے والوں کے ہاتھ میں رہتے ہیں ۱۵ جو خود بڑی عزت والے، بہت نیک ہیں۔ ۱۶

خدا کی مار ہو ایسے انسان پر، وہ کتنا ناشکرا ہے! ۱۷ (وہ ذرا سوچے کہ) اللہ نے اُسے کس چیز سے پیدا کیا؟ ۱۸ نطفے کی ایک بوند سے! اُسے پیدا بھی کیا، پھر اُس کو ایک خاص انداز بھی دیا۔ ۱۹ پھر اُس کے لئے راستہ بھی آسان بنا دیا، ۲۰ پھر اُسے موت دی، اور قبر میں پہنچا دیا، ۲۱ پھر جب چاہے گا، اُسے دوبارہ اُٹھا کر کھڑا کر دے گا۔ ۲۲ ہرگز نہیں! جس بات کا اللہ نے اُسے حکم دیا تھا، ابھی تک اُس نے وہ پوری نہیں کی۔ ۲۳ پھر ذرا انسان اپنے کھانے ہی کو دیکھ لے! ۲۴ کہ ہم نے اوپر سے خوب پانی برسایا، ۲۵

(۲) یعنی قرآن کریم کی بات کو قبول کر کے اُس پر عمل کرے۔

(۳) اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اس میں دوسری باتوں کے علاوہ قرآن کریم بھی محفوظ ہے۔

(۴) اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں۔

(۵) یعنی ماں کے پیٹ میں اُس کے ایسے اعضاء اور ایسی صورت بنائی جو حیرت انگیز توازن کی حامل ہے۔ نیز اس کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اُس کی تقدیر طے فرمائی۔

(۶) اس کی ایک تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ بچے کو ماں کے پیٹ سے باہر آنے کا راستہ اللہ تعالیٰ نے آسان بنا دیا کہ وہ ایک تنگ جگہ سے بہ آسانی باہر آ جاتا ہے۔ اور بعض حضرات نے اس کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ انسان کے دنیا میں جینے کا راستہ آسان بنا دیا، اور اُس کی ساری ضروریات دنیا میں مہیا فرمادیں۔

(۷) اس سے مراد کافر بھی ہو سکتے ہیں کہ اُن کی نافرمانی بالکل ظاہر ہے، اور اگر مسلمان مراد ہوں تب بھی یہ بات صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا پورا پورا حق کون ادا کر سکتا ہے؟



ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۚ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۚ وَعَيْنًا وَقُضْبًا ۚ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۚ  
وَحَدَآئِقَ غُلْبًا ۚ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۚ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ۖ فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاحَّةُ ۚ  
يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۚ وَأُمُّهُ وَأَبِيهِ ۚ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ  
يَوْمَ مِذِّ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۚ وَجُودَةُ يَوْمَ مِذِّ مُسْفِرَةٌ ۚ ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ ۚ وَجُودَةُ يَوْمَ مِذِّ  
عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۚ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۚ

پھر ہم نے زمین کو عجیب طرح پھاڑا، (۸) پھر ہم نے اُس میں غلے اُگائے، (۹) اور انگور اور ترکاریاں، (۱۰) اور زیتون اور کھجور، (۱۱) اور گھنے گھنے باغات، (۱۲) اور میوے اور چارہ، (۱۳) سب کچھ تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدے کی خاطر! (۱۴)

آخر جب وہ کان پھاڑنے والی آواز آ ہی جائے گی، (۱۵) اُس وقت اس ناشکری کی حقیقت پتہ چل جائے گی (۱۶) یہ اُس دن ہوگا جب انسان اپنے بھائی سے بھی بھاگے گا، (۱۷) اور اپنے ماں باپ سے بھی، (۱۸) اور اپنے بیوی بچوں سے بھی، (۱۹) (کیونکہ) ان میں سے ہر ایک کو اُس دن اپنی ایسی فکر پڑی ہوگی کہ اُسے دوسروں کا ہوش نہیں ہوگا۔ (۲۰) اُس روز کتنے چہرے تو چمکتے دھکتے ہوں گے، (۲۱) ہنستے، خوشی مناتے ہوئے، (۲۲) اور کتنے چہرے اُس دن ایسے ہوں گے کہ اُن پر خاک پڑی ہوگی، (۲۳) سیاہی نے انہیں ڈھانپ رکھا ہوگا۔ (۲۴) یہ وہی لوگ ہوں گے جو کافر تھے، بدکار تھے۔ (۲۵)

(۸) ایک ننھے سے پودے کی کوئیل اتنی بھاری زمین کو پھاڑ کر جس طرح باہر نکل آتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان لانے کے لئے کافی ہونی چاہئے۔

(۹) اس سے مراد قیامت ہے جس کا آغاز صور کی آواز سے ہوگا۔

الحمد للہ! سورہ عبس کا کام دُبی سے برسنگھم جاتے ہوئے ۲۰ شعبان ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۳ اگست ۲۰۰۸ء کو طیارے میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ اور باقی کام کی تکمیل کی بھی اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



﴿آیتھا ۲۹﴾ ۸۱ سُورَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ ۷ ﴿رُكُوْعھا ۱﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝ وَاِذَا الْمَوْءِدَةُ سُيِّلَتْ ۝ بِاَمِّيْ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اُن تیس آیتیں اور ایک رُکوع ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، (۱) اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں گے، (۲) اور جب پہاڑوں کو چلایا جائے گا، (۳) اور جب دس مہینے کی گاہن اونٹنیوں کو بھی بیکار چھوڑ دیا جائے گا، (۴) اور جب وحشی جانور اکٹھے کر دیئے جائیں گے، (۵) اور جب سمندروں کو بھڑکایا جائے گا، (۶) اور جب لوگوں کے جوڑے جوڑے بنا دیئے جائیں گے، (۷) اور جس بچی کو زندہ قبر میں گاڑ دیا گیا تھا، اُس سے پوچھا جائے گا (۸) کہ اُسے کس جرم میں قتل کیا گیا؟ (۹)

(۱) یہاں سے آیت نمبر ۱۴ تک قیامت اور آخرت کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں۔ سورج کو لپیٹنے کی کیا کیفیت ہوگی؟ اس کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ اس کے نتیجے میں سورج میں روشنی باقی نہیں رہے گی۔ چنانچہ بعض حضرات نے اس آیت کا ترجمہ یہ بھی فرمایا ہے کہ: ”جب سورج بے نور ہو جائے گا۔“ چونکہ لپیٹنے کو عربی میں ”تکویر“ کہا جاتا ہے، اس لئے اس سورت کا نام سورۃ تکویر ہے۔

(۲) اونٹنی اُس وقت عرب کے لوگوں کے لئے سب سے بڑی دولت سمجھی جاتی تھی، اور اگر اونٹنی گاہن یعنی حاملہ ہو تو اُس کی قیمت اور بڑھ جاتی تھی، اور دس مہینے کی گاہن ہو تو اُسے سب سے زیادہ قیمتی سمجھا جاتا تھا۔ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے وقت ہر شخص پر ایسی حالت طاری ہوگی کہ اُسے اتنی بڑی دولت کو بھی سنبھالنے کا ہوش نہیں رہے گا، اس لئے ایسی اونٹنیاں بھی بیکار چھوٹی پھریں گی۔

(۳) قیامت کے ہولناک منظر کو دیکھ کر سارے وحشی جانور بھی گھبراہٹ کے عالم میں اکٹھے ہو جائیں گے، جیسے کہ کسی عام مصیبت کے موقع پر تنہا رہنے کے بجائے دوسروں کے ساتھ رہنے کو پسند کیا جاتا ہے۔

(۴) سمندروں کو بھڑکانے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن میں طغیانی آجائے گی، اور دریا سمندر آپس میں مل کر ایک ہو جائیں گے، اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ ان کا پانی خشک ہو جائے گا، اور ان میں آگ لگا دی جائے گی۔

(۵) یعنی ایک قسم کے لوگ ایک جگہ جمع کر دیئے جائیں گے۔ کافر ایک جگہ، اور مؤمن ایک جگہ۔ نیز نیک لوگ ایک جگہ، اور بدکار ایک جگہ۔

(۶) جاہلیت کے زمانے میں ایک انتہائی وحشیانہ رسم یہ تھی کہ لوگ عورتوں کو منحوس سمجھتے تھے، اور بعض قبیلے ایسے تھے کہ اگر اُن میں



وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۖ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۖ وَإِذَا الْجَبَابِغُ سُعِّرَتْ ۖ وَإِذَا الْجَنَّةُ  
 أُزْلِفَتْ ۖ عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرْتُ ۖ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنُوسِ ۖ الْجَوَارِ الْكُنُوسِ ۖ وَاللَّيْلِ  
 إِذَا عَسْعَسَ ۖ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۖ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۖ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي  
 الْعَرْشِ مَكِينٍ ۖ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۖ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۖ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ  
 الْمُبِينِ ۖ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۖ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ۖ فَأَيْنَ  
 تَذْهَبُونَ ۖ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۖ لَسَنَ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ۖ وَمَا تَشَاءُونَ  
 إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۖ

اور جب اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے، اور جب آسمان کا چھلکا اُتار دیا جائے گا، اور جب دوزخ بھڑکائی  
 جائے گی، اور جب جنت قریب کر دی جائے گی، تو اُس وقت ہر شخص کو اپنا سارا کیا دھرا معلوم ہو جائے گا۔  
 اب میں قسم کھاتا ہوں اُن ستاروں کی جو پیچھے کی طرف چلنے لگتے ہیں، جو چلتے چلتے دُک جاتے ہیں، اور قسم کھاتا  
 ہوں رات کی جب وہ رُخصت ہو، اور صبح کی جب وہ سانس لے، کہ یہ (قرآن) یقینی طور پر ایک معزز فرشتے کا  
 لایا ہوا کلام ہے، جو قوت والا ہے، جس کا عرش والے کے پاس بڑا رتبہ ہے۔ وہاں اُس کی بات مانی جاتی ہے  
 وہ امانت دار ہے۔ اور (اے مکہ والو!) تمہارے ساتھ رہنے والے یہ صاحب (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم)  
 کوئی دیوانے نہیں ہیں، اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ انہوں نے اس فرشتے کو کھلے ہوئے اُفق پر دیکھا ہے، اور  
 وہ غیب کی باتوں کے بارے میں بخیل بھی نہیں ہیں۔ اور نہ یہ (قرآن) کسی مردود شیطان کی (بنائی ہوئی) کوئی  
 بات ہے۔ پھر بھی تم لوگ کدھر چلے جا رہے ہو؟ یہ تو دنیا جہان کے لوگوں کے لئے ایک نصیحت ہے، تم  
 میں سے ہر اُس شخص کے لئے جو سیدھا سیدھا رہنا چاہے! اور تم چاہو گے نہیں، الا یہ کہ خود اللہ چاہے جو سارے  
 جہانوں کا پروردگار ہے۔

سے کسی کے یہاں بچی پیدا ہو جاتی تو وہ شرم کے مارے اُس بچی کو زندہ زمین میں دفن کر دیتا تھا۔ قیامت میں اُس بچی کو لا کر پوچھا  
 جائے گا کہ تمہیں کس جرم میں موت کے گھاٹ اُتارا گیا تھا؟ اس سے اُن ظالموں کو مزادینا مقصود ہوگا جنہوں نے اُس بچی کے  
 ساتھ ایسی درندگی کا معاملہ کیا۔

(۷) بعض ستارے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ کبھی مشرق سے مغرب کی طرف چلتے نظر آتے ہیں، اور کبھی مغرب سے مشرق کی  
 طرف۔ گویا وہ ایک سمت میں چلتے چلتے واپس پلٹ رہے ہیں، پھر چلتے چلتے نگاہوں سے غائب ہو جاتے ہیں، گویا وہ کہیں دُک



کر چھپ گئے ہیں۔ ان ستاروں کی یہ گردش اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا عجیب مظہر ہے۔ اس لئے اُن کی قسم کھائی گئی ہے۔  
(۸) صبح کے وقت عموماً ہلکی ہلکی ہوا چلتی ہے جسے بادِ نسیم کہا جاتا ہے۔ اس ہوا کے چلنے کو بڑی بلاغت کے ساتھ صبح کے سانس لینے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

(۹) اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی کے ذریعے قرآن کریم لایا کرتے تھے۔

(۱۰) یعنی دوسرے فرشتے اُن کی بات مانتے ہیں۔

(۱۱) حضرت جبرئیل علیہ السلام عام طور پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی انسان کی صورت میں آیا کرتے تھے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ انہیں اپنی اصلی صورت میں دیکھنے کی فرمائش کی تھی۔ اس موقع پر وہ افق پر اپنی اصل صورت میں بھی آپ کے سامنے ظاہر ہوئے۔ اس آیت میں اُس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل سورہ نجم میں پیچھے گزر چکی ہے۔ اس موقع پر اُس سورت کے حواشی نمبر ۲، ۳ اور ۴ ضرور دیکھ لئے جائیں۔

(۱۲) یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے غیب کی جو باتیں معلوم ہوتی ہیں، وہ انہیں لوگوں سے چھپاتے نہیں ہیں، بلکہ سب کے سامنے ظاہر فرما دیتے ہیں۔ جاہلیت کے زمانے میں جو لوگ کاہن کہلاتے تھے، وہ بھی غیب کی باتیں بتانے کا دعویٰ کرتے تھے، اور شیطانوں سے دوستی کر کے اُن سے کچھ جھوٹی سچی باتیں سن لیا کرتے تھے، لیکن جب لوگ اُن سے پوچھتے تو وہ انہیں فیس لئے بغیر کچھ بتانے سے انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کافروں سے فرما رہے ہیں کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن کہتے ہو، حالانکہ کاہن تو تمہیں جھوٹی باتیں بتانے میں بھی بڑے بخل سے کام لیتے ہیں، اور پیسے لئے بغیر کچھ نہیں بتاتے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی جو سچی باتیں معلوم ہوتی ہیں، وہ بتانے میں بھی نہ بخل سے کام لیتے ہیں، اور نہ اُس پر کوئی معاوضہ مانگتے ہیں۔

الحمد للہ! سورہ تکویر کا کام ۲۲ شعبان ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۵ اگست ۲۰۰۸ء کو برطانیہ کے شہر والسال میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ مقبول اور نافع بنائیں، اور باقی کام کی اپنی رضا کے مطابق تکمیل فرمائیں۔  
آمین ثم آمین۔



﴿ آیاتھا ۱۹ ﴾ ﴿ ۸۲ سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ ۸۲ ﴾ ﴿ رُكُوعُهَا ۱ ﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِذَا السَّمَاءُ اِنْفَطَرَتْ ۙ (۱) وَاِذَا الْكُوَاكِبُ اُنْتَثَرَتْ ۙ (۲) وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۙ (۳) وَاِذَا  
الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۙ (۴) عَلِمْتَ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۙ (۵) يَا أَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ  
الْكَرِیْمِ ۙ (۶) الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوِّكَ فَعَدَلَكَ ۙ (۷) فِیْ اَمِّیْ صُوْرَةٍ مَّشَآءَ رَكَبِكْ ۙ (۸) كَلَّا بَلْ  
تُكَذِّبُوْنَ بِالْدِّیْنِ ۙ (۹) وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحَافِظِیْنَ ۙ (۱۰) كَرَامًا كَاتِبِیْنَ ۙ (۱۱) یَعْلَمُوْنَ مَا  
تَفْعَلُوْنَ ۙ (۱۲) اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۙ (۱۳) وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۙ (۱۴) یَصْلَوْنَهَا یَوْمَ  
الدِّیْنِ ۙ (۱۵) وَمَا هُمْ عَنْهَا بِبِیْنٍ ۙ (۱۶) وَمَا اَدْرَاكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۙ (۱۷) ثُمَّ مَا اَدْرَاكَ مَا  
یَوْمُ الدِّیْنِ ۙ (۱۸) یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا ۙ (۱۹) وَالْاَمْرُ یَوْمَیْنِ لِلّٰهِ ۙ (۲۰)

ع ۲

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں انیس آیتیں اور ایک رُکوع ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب آسمان چر جائے گا، (۱) اور جب ستارے جھڑ پڑیں گے، (۲) اور جب سمندروں کو اُبال دیا جائے گا، (۳) اور جب  
قبریں اکھاڑ دی جائیں گی، (۴) اُس وقت ہر شخص کو پتہ چل جائے گا کہ اُس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا۔ (۵)  
اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے اُس پروردگار کے معاملے میں دھوکا لگا دیا ہے جو بڑا کرم والا ہے، (۶) جس نے تجھے  
پیدا کیا، پھر تجھے ٹھیک ٹھیک بنایا، پھر تیرے اندر اعتدال پیدا کیا؟ (۷) جس صورت میں چاہا، اُس نے تجھے جوڑ کر تیار  
کیا۔ (۸) ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہئے، لیکن تم جزا و سزا کو جھٹلاتے ہو، (۹) حالانکہ تم پر کچھ نگران (فرشتے) مقرر ہیں، (۱۰)  
وہ معزز لکھنے والے (۱۱) جو تمہارے سارے کاموں کو جانتے ہیں۔ (۱۲) یقین رکھو کہ نیک لوگ یقیناً بڑی نعمتوں میں ہوں  
گے، (۱۳) اور بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہوں گے۔ (۱۴) وہ اُس میں جزا و سزا کے دن داخل ہوں گے، (۱۵) اور وہ اُس  
سے غائب نہیں ہو سکتے۔ (۱۶) اور تمہیں کیا پتہ کہ جزا و سزا کا دن کیا چیز ہے؟ (۱۷) ہاں تمہیں کیا پتہ کہ جزا و سزا کا دن کیا چیز  
ہے؟ (۱۸) یہ وہ دن ہوگا جس میں کسی دوسرے کے لئے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہیں ہوگا، اور تمام تر حکم اُس دن اللہ ہی کا  
چلے گا۔ (۱۹)



(۱) ”جو آگے بھیجا“ سے مراد وہ اعمال ہیں جو کسی شخص نے دُنیا میں کر کے انہیں آخرت کے لئے آگے بھیج دیا، یعنی انہیں آخرت کا ذخیرہ بنالیا، اور ”جو پیچھے چھوڑا“ سے مراد وہ اعمال ہیں جو اُسے کرنے چاہئیں تھے، لیکن اُس نے نہیں کئے، اور دُنیا میں چھوڑ آیا۔

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں یہ دھوکا نہیں کھانا چاہئے کہ معاذ اللہ وہ مُردوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔  
(۳) اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کے سارے اعمال کو لکھتے رہتے ہیں، اور اسی سے اُس کا اعمال نامہ تیار ہوتا ہے۔

الحمد للہ! اس سورت پر کام کی تکمیل وال سال برطانیہ میں ۲۳ شعبان ۱۴۲۹ھ

مطابق ۲۶ اگست ۲۰۰۸ء کو ہوئی۔

تَقَبَّلَ اللَّهُ تَعَالَى وَوَفَّقَنِي لِمَا يُحِبُّهُ وَيَرْضَاهُ



ایاتھا ۲۶ ﴿۸۳﴾ سُورَةُ الطَّفَفِینِ مَكِّيَّةٌ ۸۲ ﴿۸۴﴾ رُكُوعُهَا ۱ ﴿۸۵﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ﴿۱﴾ الَّذِیْنَ اِذَا اكْتَالُوا عَلٰی النَّاسِ یَسْتَوْفُونَ ﴿۲﴾ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ  
وَزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ ﴿۳﴾ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿۴﴾ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵﴾ یَّوْمَ یَقُوْمُ  
النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶﴾ كَلَّا اِنَّ كِتٰبَ الْفَجَّارِ لَفِی سَجِیْنٍ ﴿۷﴾ وَمَا اَدْرٰکَ مَا سَجِیْنٍ ﴿۸﴾  
كِتٰبٌ مَّرْکُومٌ ﴿۹﴾ وَّیْلٌ یَّوْمَیْنِ لِّلْمُكْذِبِیْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِیْنَ یُكْذِبُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۱۱﴾ وَمَا  
یُكْذِبُ بِهٖ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ ﴿۱۲﴾ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ الْیْتِنٰ قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۳﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چھتیس آیتیں اور ایک رُکوع ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی ﴿۱﴾ جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ لوگوں سے خود کوئی چیز ناپ کر لیتے  
ہیں تو پوری پوری لیتے ہیں، ﴿۲﴾ اور جب وہ کسی کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔ ﴿۳﴾ کیا یہ لوگ یہ  
نہیں سوچتے کہ انہیں ایک بڑے زبردست دن میں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟ ﴿۴﴾ و ﴿۵﴾ جس دن سب لوگ  
رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ ﴿۶﴾ ہرگز ایسا نہیں چاہئے! یقین جانو کہ بدکار لوگوں کا اعمال نامہ سنجین  
میں ہے ﴿۷﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ سنجین (میں رکھا ہوا اعمال نامہ) کیا چیز ہے؟ ﴿۸﴾ وہ ایک لکھی ہوئی کتاب  
ہے۔ ﴿۹﴾ اُس دن بڑی خرابی ہوگی حق کو جھٹلانے والوں کی، ﴿۱۰﴾ جو جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔ ﴿۱۱﴾ اور اُس  
دن کو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرا ہوا گنہگار ہو، ﴿۱۲﴾ اُسے جب ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہوں تو وہ کہتا ہو کہ:  
”یہ تو پچھلے لوگوں کے افسانے ہیں۔“ ﴿۱۳﴾

(۱) ان آیتوں میں اُن لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید بیان فرمائی گئی ہے جو دُوسروں سے اپنا حق وصول کرنے میں تو بڑی  
سرگرمی دکھاتے ہیں، لیکن جب دُوسروں کا حق دینے کا وقت آتا ہے تو ڈنڈی مارتے ہیں۔ یہ وعید صرف ناپ تول ہی سے متعلق  
نہیں ہے، بلکہ ہر قسم کے حقوق کو شامل ہے، اور اس طرح ڈنڈی مارنے کو عربی میں ”تطفیف“ کہتے ہیں، اسی لئے اس سورت کا  
نام تطفیف ہے۔

(۲) سنجین کے لفظی معنی قید خانے کے ہیں۔ یہ اُس جگہ کا نام ہے جہاں مرنے کے بعد کافروں کی رُحوں کو رکھا جاتا ہے۔ وہیں پر  
اُن کا اعمال نامہ بھی موجود رہتا ہے۔



كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٣﴾ كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ ﴿١٤﴾ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ﴿١٥﴾ ثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُونَ ﴿١٦﴾ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ ﴿١٧﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ ﴿١٨﴾ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ﴿١٩﴾ يُشْهَدُ بِهِ الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٠﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿٢١﴾ عَلَى الْأَرَآئِكِ يَنْظُرُونَ ﴿٢٢﴾ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿٢٣﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْمُومٍ ﴿٢٤﴾ خَشَعَتِ أَسْمَاعُكَ فِي ذَٰلِكَ ﴿٢٥﴾ فَلْيَتَنَافَسِ الْهَٰتِفَانِ ﴿٢٦﴾ وَمِرَاجُهُ مِنَ التَّسْنِيمِ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾

ہرگز نہیں! بلکہ جو عمل یہ کرتے رہے ہیں، اُس نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے۔ (۱۳) ہرگز نہیں! حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اُس دن اپنے پروردگار کے دیدار سے محروم ہوں گے۔ (۱۴) پھر ان کو دوزخ میں داخل ہونا پڑے گا۔ (۱۵) پھر کہا جائے گا کہ: ”یہ ہے وہ چیز جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے!“ (۱۶) خبردار! نیک لوگوں کا اعمال نامہ علیین میں ہے۔ (۱۷) اور تمہیں کیا معلوم کہ علیین (میں رکھا ہوا اعمال نامہ) کیا چیز ہے؟ (۱۸) وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے (۱۹) جسے مقرب فرشتے دیکھتے ہیں (۲۰) یقین جانو کہ نیک لوگ بڑی نعمتوں میں ہوں گے۔ (۲۱) آرام دہ نشستوں پر بیٹھے نظارہ کر رہے ہوں گے۔ (۲۲) اُن کے چہروں پر نعمتوں میں رہنے سے جو رونق آئے گی، تم اُسے صاف پہچان لو گے۔ (۲۳) انہیں ایسی خالص شراب پلائی جائے گی جس پر مہر لگی ہوگی، (۲۴) اُس کی مہر بھی مشک ہی مشک ہوگی۔ اور یہی وہ چیز ہے جس پر لپچانے والوں کو بڑھ چڑھ کر لپچانا چاہئے۔ (۲۵) اور اُس شراب میں تسنیم کا پانی ملا ہوا ہوگا، (۲۶) جو ایک ایسا چشمہ ہے کہ جس سے اللہ کے مقرب بندے پانی پیئیں گے۔ (۲۷)

جو لوگ مجرم تھے، وہ ایمان والوں پر ہنسا کرتے تھے۔ (۲۸) اور جب اُن کے پاس سے گذرتے تھے تو ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرتے تھے۔ (۲۹)

(۳) علیین کے لفظی معنی بالا خانوں کے ہیں۔ یہ اُس جگہ کا نام ہے جہاں مومنوں کی رُو صیں مرنے کے بعد بھیجی جاتی ہیں، اور وہیں پر اُن کا اعمال نامہ بھی رہتا ہے۔

(۴) مومنوں کا اعمال نامہ چونکہ نیکیوں پر مشتمل ہوتا ہے، اس لئے مقرب فرشتے اُس کے اعزاز و اکرام کے طور پر اُسے دیکھتے ہیں، اور دیکھنے کا مطلب اُس کی نگرانی بھی ہو سکتا ہے۔

(۵) جیسا کہ اگلی آیت میں آ رہا ہے، تسنیم جنت کے ایک چشمے کا نام ہے۔ اُس کا پانی جب اُس شراب میں ملے گا تو اُس کے ذائقے اور لطف میں بہت اضافہ کر دے گا۔



وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلِبُوا فِيهِمْ ۖ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ۚ  
وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَفِظِينَ ۚ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ۚ عَلَى  
الْأَرَائِكِ لَا يَنْظُرُونَ ۚ هَلْ تُؤْتَوْنَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۚ

اور جب اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جاتے تھے، تو دل لگی کرتے ہوئے جاتے تھے۔ (۳۱) اور جب ان (مؤمنوں) کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ لوگ یقیناً گمراہ ہیں، (۳۲) حالانکہ ان کو ان مسلمانوں پر نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا۔ (۳۳) آخر ہوگا یہ کہ آج ایمان لانے والے کافروں پر ہنس رہے ہوں گے، (۳۴) آرام دہ نشستوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے (۳۵) کہ کافر لوگوں کو واقعی ان کاموں کا بدلہ مل گیا جو وہ کیا کرتے تھے۔ (۳۶)

الحمد للہ! سورہ تطفیف کا کام ۲۳ شعبان ۱۴۲۹ھ ۲۶ اگست ۲۰۰۸ء کو برمنگھم سے دُبی جاتے ہوئے جہاز میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی کام کو بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل تک پہنچائیں۔ آمین ثم آمین۔



ایاتھا ۲۵ ﴿۸۴﴾ سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ۸۴ ﴿۸۳﴾ رُكُوعًا ۱ ﴿۸۲﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

اِذَا السَّمَاءُ اُنْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وُحُوتٌ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وُحُوتٌ ﴿۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلْقِيْهِ ﴿۶﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهُ بِيَمِيْنِهٖ ﴿۷﴾ فَسَوْفَ يَحَاسِبُ حَسٰبًا يَّسِيْرًا ﴿۸﴾ وَاَيُّهَا اَهْلِلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۹﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پچیس آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب آسمان پھٹ پڑے گا، ﴿۱﴾ اور وہ اپنے پروردگار کا حکم سن کر مان لے گا، اور اُس پر لازم ہے کہ یہی کرے، ﴿۱﴾ اور جب زمین کو کھینچ دیا جائے گا، ﴿۲﴾ اور اُس کے اندر جو کچھ ہے، وہ اُسے باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی، ﴿۳﴾ اور وہ اپنے پروردگار کا حکم سن کر مان لے گی، اور اُس پر لازم ہے کہ یہی کرے، ﴿۳﴾ (اُس وقت انسان کو اپنا انجام معلوم ہو جائے گا) ﴿۴﴾ اے انسان! تو اپنے پروردگار کے پاس پہنچنے تک مسلسل کسی محنت میں لگا رہے گا، یہاں تک کہ اُس سے جا ملے گا۔ ﴿۵﴾ پھر جس شخص کو اُس کا اعمال نامہ اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، ﴿۶﴾ اُس سے تو آسان حساب لیا جائے گا، ﴿۷﴾ اور وہ اپنے گھر والوں کے پاس خوشی مناتا ہوا واپس آئے گا، ﴿۸﴾

(۱) پچھلی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی قیامت کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں۔ عربی میں پھٹ پڑنے کو ”انشقاق“ کہتے ہیں، اسی لئے اس سورت کا نام انشقاق ہے۔

(۲) روایات سے اس کی تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ قیامت میں زمین کو ربر کی طرح کھینچ کر موجودہ سائز سے بڑا کر دیا جائے گا، تاکہ اُس میں تمام اگلے پچھلے لوگ سما سکیں۔

(۳) اس سے مراد وہ مُردے ہیں جو قبروں میں مدفون ہیں کہ ان کو قبروں سے باہر نکال دیا جائے گا۔ البتہ آیت کے الفاظ عام ہیں، اس لئے یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ زمین کے اندر جو اور چیزیں مثلاً معدنیات وغیرہ ہیں، انہیں بھی باہر نکال دیا جائے گا۔

(۴) انسان کی پوری زندگی کسی نہ کسی کوشش میں خرچ ہوتی ہے۔ جو نیک لوگ ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں محنت کرتے ہیں، اور جو دنیا پرست ہیں، وہ صرف دنیا کے فوائد حاصل کرنے کے لئے محنت کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ ہر انسان کا آخری انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ محنت کرتا کرتا اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔



وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَأَى ظَهْرَهُ ۖ فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا ۖ وَيَصْلِي سَعِيرًا ۚ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۚ إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ ۚ بَلَىٰ ۚ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ۚ فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۚ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۚ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ۚ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ۚ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۚ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ۚ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَكْذِبُونَ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ۚ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۚ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۚ

لیکن وہ شخص جس کو اُس کا اعمال نامہ اُس کی پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا، وہ موت کو پکارے گا، اور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا، پہلے وہ اپنے گھر والوں کے درمیان بہت خوش رہتا تھا، اُس نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ وہ کبھی پلٹ کر (اللہ کے سامنے) نہیں جائے گا۔ بھلا کیوں نہیں؟ اُس کا پروردگار اُسے یقینی طور پر دیکھ رہا تھا۔ اب میں قسم کھاتا ہوں شفق کی، اور رات کی اور اُن تمام چیزوں کی جنہیں وہ سمیٹ لے، اور چاند کی جب وہ بھر کر پورا ہو جائے، کہ تم سب ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف چڑھتے جاؤ گے۔ پھر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے؟ اور جب اُن کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے؟ بلکہ یہ کافر لوگ حق کو جھٹلاتے ہیں، اور جو کچھ یہ جمع کر رہے ہیں، اللہ کو خوب معلوم ہے۔ اب تم انہیں ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ البتہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کو ایسا ثواب ملے گا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

(۵) سورہ الحاقہ (۲۵:۶۹) میں فرمایا گیا ہے کہ بُرے لوگوں کو ان کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیں ہاتھ میں بھی پیچھے کی طرف سے دیا جائے گا۔

(۶) یعنی جن چیزوں کو رات اپنے اندھیرے میں چھپا لے۔ یہاں شفق، رات اور چاند کی قسم کھائی گئی ہے۔ یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں، ان کی قسم کھا کر یہ فرمایا گیا ہے کہ انسان بھی ایک منزل سے دوسری منزل تک سفر کرتا رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے گا۔

(۷) انسان اپنی زندگی میں مختلف مرحلوں سے گذرتا ہے۔ بچپن، جوانی، ادھیڑ عمر اور پھر بڑھاپا۔ نیز اس کی سوچ میں بھی مسلسل تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ یہ سارے مراحل اس آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔



(۸) یہ سجدے کی آیت ہے، یعنی اس آیت کو جب عربی میں تلاوت کیا جائے تو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔

(۹) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال کا جو ذخیرہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اُس کو خوب جانتا ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے دلوں میں جو باتیں چھپا رکھی ہیں، اللہ تعالیٰ اُن سے خوب واقف ہے۔

الحمد للہ! سورہ انشقاق کا کام ۲۴ شعبان ۱۴۲۹ھ، ۲۷ اگست ۲۰۰۸ء کو دُبی میں مکمل ہوا۔  
اللہ تعالیٰ قبول فرما کر باقی کام بھی اپنی رضا کے مطابق مکمل فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



آیتھا ۲۲ ﴿۸۵﴾ سُورَةُ الْبُرُوجِ مَكِّيَّةٌ ۲۷ رُكُوعُهَا ۱

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۝۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۝۲ وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ ۝۳ قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ ۝۴ النَّارِ ذَاتِ الْوُقُودِ ۝۵ إِذْهُمْ عَلَيْهَا قُودٌ ۝۶ وَهُمْ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ۝۷ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝۸ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝۹ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝۱۰

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں بائیس آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے برجوں والے آسمان کی، ۱ اور اُس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے، ۲ اور حاضر ہونے والے کی اور اُس کی جس کے پاس لوگ حاضر ہوں، ۳ کہ خدا کی مار ہے اُن خندق (کھودنے) والوں پر ۴ اُس آگ والوں پر جو ایندھن سے بھری ہوئی تھی، ۵ جب وہ اُس کے پاس بیٹھے تھے، ۶ اور وہ ایمان والوں کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے، اُس کا نظارہ کرتے جاتے تھے۔ ۷ اور وہ ایمان والوں کو کسی اور بات کی نہیں، صرف اس بات کی سزا دے رہے تھے کہ وہ اُس اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو بڑے اقتدار والا، بہت قابل تعریف ہے، ۸ جس کے قبضے میں سارے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ ۹

(۱) یعنی قیامت کا دن۔

(۲) قرآن کریم میں اصل لفظ ”شاہد“ اور ”مشہود“ ہیں۔ شاہد کا ترجمہ ”حاضر ہونے والے“ سے، اور مشہود کا ”جس کے پاس لوگ حاضر ہوں“ سے کیا گیا ہے۔ اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے، اور مشہود سے مراد عرفہ کا دن ہے۔ اس کی تائید ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام ترمذی نے ضعیف کہا ہے، اور طبرانی میں حضرت ابومالک اشعریؓ کی ایک حدیث سے بھی جسے علامہ بیہقی نے ضعیف کہا ہے۔ اس کی ایک دوسری تفسیر یہ ہے کہ شاہد سے مراد انسان ہے، اور مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے، کیونکہ ہر انسان اُس دن اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو جائے گا۔ حافظ ابن جریر نے یہ تفسیر حضرت مجاہدؒ اور حضرت ضحاکؒ وغیرہ سے نقل کی ہے۔ ”شاہد“ کا ایک ترجمہ گواہ بھی کیا جاسکتا ہے، اور ”مشہود“ کا وہ جس کے بارے میں گواہی دی جائے۔ قیامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل ایمان کے ایمان کی گواہی دیں گے، اس لئے اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ یہ سب تفسیریں نقل کر کے فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے الفاظ میں ان سب کی گنجائش موجود ہے۔



(۳) مشہور تفسیر کے مطابق ان آیتوں میں ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح مسلم کی ایک حدیث میں منقول ہے۔ اور وہ یہ کہ کچھلی کسی اُمت میں ایک بادشاہ تھا جو ایک جادوگر سے کام لیا کرتا تھا۔ جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اُس نے بادشاہ سے کہا کہ میرے پاس کوئی لڑکا بھیج دیا کرو جسے میں جادو سکھاؤں، تاکہ میرے بعد وہ تمہارے کام آ سکے۔ بادشاہ نے ایک لڑکے کو جادوگر کے پاس بھیجنا شروع کر دیا۔ یہ لڑکا جب جادوگر کے پاس جاتا تو راستے میں ایک عبادت گزار شخص کے پاس سے گذرتا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصلی دین پر تھا (ایسے شخص کو راہب کہتے تھے) اور تو حید کا قائل تھا۔ یہ لڑکا اُس کے پاس بیٹھ جاتا اور اُس کی باتیں سنتا تھا جو اُسے اچھی لگتی تھیں۔ ایک دن وہ جارہا تھا تو راستے میں ایک بڑا جانور نظر آیا جس نے لوگوں کا راستہ روکا ہوا تھا، (بعض روایتوں میں ہے کہ وہ جانور شیر تھا، اور لوگ اُس سے ڈر رہے تھے) لڑکے نے ایک پتھر اٹھایا، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! اگر راہب کی باتیں آپ کو جادوگر کی باتوں سے زیادہ پسند ہیں تو اس پتھر سے اس جانور کو مروا دیجئے۔ اب جو اُس نے پتھر اُس جانور کی طرف پھینکا تو جانور مر گیا، اور لوگوں کا راستہ کھل گیا۔ اس کے بعد لوگوں کو اندازہ ہوا کہ اس لڑکے کے پاس کوئی خاص علم ہے۔ چنانچہ ایک اندھے شخص نے اُس سے درخواست کی کہ اُس کی بینائی واپس آجائے۔ لڑکے نے اُس سے کہا کہ شفا دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے، اس لئے اگر تم یہ وعدہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آؤ گے تو میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا۔ اُس نے یہ شرط مان لی۔ لڑکے نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو بینائی عطا فرمادی، اور وہ توحید پر ایمان لے آیا۔ ان واقعات کی خبر جب بادشاہ کو ہوئی تو اُس نے اُس نابینا کو بھی گرفتار کر لیا، اور لڑکے اور راہب کو بھی۔ اور ان سب کو توحید کے انکار پر مجبور کیا۔ جب وہ نہ مانے تو اُس نے اُس نابینا شخص اور راہب کو تو آری سے چروادیا، اور لڑکے کے بارے میں اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ اُسے کسی اونچے پہاڑ پر لے جا کر نیچے پھینک دیں۔ لیکن جب وہ لوگ لڑکے کو لے کر گئے تو اُس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، پہاڑ پر زلزلہ آیا جس سے وہ لوگ مر گئے، اور لڑکا زندہ رہا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اُسے کشتی میں لے جا کر سمندر میں ڈبو دیا جائے۔ لڑکے نے پھر دعا کی، جس کے نتیجے میں کشتی الٹ گئی، وہ سب ڈوب گئے، اور لڑکا پھر سلامت رہا۔ بادشاہ جب عاجز آ گیا تو لڑکے نے اُس سے کہا کہ اگر تم مجھے واقعی مارنا چاہتے ہو تو اُس کا ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ یہ کہ تم سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر کے مجھے سولی پر چڑھاؤ، اور اپنے ترکش سے تیر نکال کر کمان میں چڑھاؤ، اور یہ کہو کہ: ”اُس اللہ کے نام پر جو اس لڑکے کا پروردگار ہے“ پھر تیر سے میرا نشانہ لگاؤ۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا، اور تیر اُس لڑکے کی کنپٹی پر جا کر لگا، اور اُس سے وہ شہید ہو گیا۔ لوگوں نے جب یہ نظارہ دیکھا تو بہت سے ایمان لے آئے۔ اس موقع پر بادشاہ نے اُن کو سزا دینے کے لئے سڑکوں کے کناروں پر خندقیں کھدوا کر اُن میں آگ بھڑکائی، اور حکم دیا کہ جو کوئی دین حق کو نہ چھوڑے، اُسے ان خندقوں میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ اس طرح ایمان والوں کی ایک بڑی تعداد کو زندہ جلا دیا گیا۔

صحیح مسلم کی اس حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ سورہ بروج میں خندق والوں کا جو ذکر ہے، اُس سے یہی واقعہ مراد ہے۔ محمد بن اسحاق نے اس سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ بیان کیا ہے، اور اُس کو سورہ بروج کی تفسیر قرار دیا ہے۔ یہاں اس تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ حضرت مولانا حفص الرحمن صاحب سیوہاروی نے ”قصص القرآن“ میں اس پر بہت مفصل بحث کی ہے۔ اہل علم اُس کی مراجعت فرمائیں۔



إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ  
 الْحَرِيقِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۝  
 ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ۝ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ۝ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِي وَيُعِيدُ ۝ وَهُوَ الْغَفُورُ  
 الْوَدُودُ ۝ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ۝ فَعَالٌ لَبِائِدٌ ۝ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ۝  
 فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ۝ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ۝ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ۝ بَلْ هُوَ  
 قُرْآنٌ مَجِيدٌ ۝ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ۝

یقین رکھو کہ جن لوگوں نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو ظلم کا نشانہ بنایا ہے، پھر توبہ نہیں کی ہے، اُن کے لئے جہنم کا  
 عذاب ہے، اور اُن کو آگ میں جلنے کی سزا دی جائے گی۔ ۱۰ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے  
 ہیں، اُن کے لئے بیشک (جنت کے) ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ ہے بڑی کامیابی! ۱۱  
 حقیقت یہ ہے کہ تمہارے پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے۔ ۱۲ وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے، اور وہی دوبارہ پیدا کرے  
 گا۔ ۱۳ اور وہ بہت بخشنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے، ۱۴ عرش کا مالک ہے، بزرگی والا ہے، ۱۵ جو کچھ ارادہ کرتا  
 ہے، کر گزرتا ہے۔ ۱۶ کیا تمہارے پاس اُن لشکروں کی خبر پہنچی ہے، ۱۷ فرعون اور ثمود (کے لشکروں) کی؟ ۱۸ اس کے  
 باوجود کافر لوگ حق کو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں، ۱۹ جبکہ اللہ نے اُن کو گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ ۲۰ (ان کے جھٹلانے  
 سے قرآن پر کوئی اثر نہیں پڑتا) بلکہ یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے، ۲۱ جو لوح محفوظ میں درج ہے۔ ۲۲

(۴) یعنی کفر کا برا انجام معلوم ہو جانے کے باوجود وہ اپنے کفر سے باز نہیں آ رہے ہیں۔

الحمد للہ! سورہ بروج کا کام کراچی میں ۲۸ شعبان ۱۴۲۹ھ، ۳۱ اگست ۲۰۰۸ء کو مکمل ہوا۔  
 اللہ تعالیٰ قبول فرما کر باقی کام کی تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



ایاتھا ۱۷ سُورَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ ۳۶ رُكُوعًا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالسَّاعِ وَالطَّارِقِ ۱ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۲ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۳ إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۴ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۵ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۶ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۷ إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ۸ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ۹ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ۱۰ وَالسَّاعِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۱۱ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۱۲ إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ ۱۳ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۱۴ إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ۱۵ وَأَكِيدُ كَيْدًا ۱۶ فَبَهْلٍ الْكَافِرِينَ أَمْهَلُهُمْ مُوَدًّا ۱۷

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں سترہ آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے آسمان کی، اور رات کو آنے والے کی (۱) — اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ (۲) چمکتا ہوا ستارا! — (۳) کہ کوئی جان ایسی نہیں ہے جس کی کوئی نگرانی کرنے والا موجود نہ ہو۔ (۴) اب انسان کو یہ دیکھنا چاہئے کہ اُسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ (۵) اُسے ایک اُچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے (۶) جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ (۷) بیشک وہ اُسے دوبارہ پیدا کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ (۸) جس دن تمام پوشیدہ باتوں کی جانچ ہوگی، (۹) تو انسان کے پاس نہ اپنا کوئی زور ہوگا، نہ کوئی مددگار۔ (۱۰) قسم ہے بارش بھرے آسمان کی، (۱۱) اور پھوٹ پڑنے والی زمین کی (۱۲) کہ یہ (قرآن) ایک فیصلہ کن بات ہے، (۱۳) اور یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ بیشک یہ (کافر لوگ) چالیں چل رہے ہیں، (۱۴) اور میں بھی اپنی چال چل رہا ہوں۔ (۱۵) لہذا (اے پیغمبر!) تم ان کافروں کو ڈھیل دو، انہیں تھوڑے دنوں اپنے حال پر چھوڑ دو۔ (۱۶)

(۱) یہ ”طارق“ کا ترجمہ ہے، اور اسی کے نام پر سورت کا نام رکھا گیا ہے۔ اور اگلی دو آیتوں میں اس کا مطلب خود بتا دیا گیا ہے کہ اس سے مراد چمکتا ہوا ستارا ہے، کیونکہ وہ رات ہی کے وقت نظر آتا ہے۔ اُس کی قسم کھا کر فرمایا گیا ہے کہ کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس پر کوئی نگرانی مقرر نہ ہو۔ ستارے کی قسم کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ جس طرح ستارے آسمان پر دنیا کی ہر جگہ نظر آتے ہیں، اور دنیا کی ہر چیز اُن کے سامنے ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ خود بھی ہر انسان کے ہر قول و فعل کی نگرانی فرماتا ہے، اور اُس کے فرشتے بھی اس کام پر مقرر ہیں۔



(۲) اس سے مراد وہ مادہ منویہ ہے جس سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے، اور اُس کے پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے دھڑکا یہ درمیانی حصہ ہی اس مادے کا اصل مرکز ہے۔

(۳) یعنی اُس زمین کی جو پانی برسنے کے بعد کونپل کو باہر نکالنے کے لئے پھٹ پڑتی ہے۔ یہاں بارش اور زمین کے پھٹ پڑنے کی قسم کھانے سے بظاہر یہ اشارہ مقصود ہے کہ بارش کے پانی سے وہی زمین فائدہ اٹھاتی ہے جس میں اُگنے کی صلاحیت ہو، اسی طرح قرآن کریم سے وہی شخص فائدہ اٹھاتا ہے جس کے دل میں حق کو قبول کرنے کی گنجائش ہو۔

(۴) یعنی ابھی ان کافروں کو سزا دینے کا وقت نہیں آیا۔ اس لئے ان کو فی الحال اپنی حالت پر چھوڑ دو۔ جب وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ ان کو خود اپنی پکڑ میں لے لے گا۔

کراچی ۲۹ شعبان ۱۴۲۹ھ یکم ستمبر ۲۰۰۸ء



ایاتھا ۱۹ ﴿۸۷﴾ سُورَةُ الْأَعْلَىٰ مَكِّيَّةٌ ۸ ﴿۸۸﴾ رُكُوعُهَا ۱ ﴿۸۹﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ ﴿۱﴾ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ﴿۲﴾ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ﴿۳﴾ وَالَّذِي أَخْرَجَ  
الْمَرْعَىٰ ﴿۴﴾ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ ﴿۵﴾ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰ ﴿۶﴾ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ يَعْلَمُ  
الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ ﴿۷﴾ وَنُيْسِرُكَ لِلْيُسْرَىٰ ﴿۸﴾ فَذِكْرٌ إِن تَفْعَلِ الذِّكْرَىٰ ﴿۹﴾ سَيَذَكِّرُ مَنْ  
يَخْشَىٰ ﴿۱۰﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَىٰ ﴿۱۱﴾ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا  
يَحْيَىٰ ﴿۱۳﴾ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ﴿۱۵﴾ بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾  
وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿۱۷﴾ إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ﴿۱۸﴾ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ﴿۱۹﴾

یہ کی سورت انیس آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کرو جس کی شان سب سے اونچی ہے، ﴿۱﴾ جس نے سب کچھ پیدا کیا، اور ٹھیک ٹھیک  
بنایا، ﴿۲﴾ اور جس نے ہر چیز کو ایک خاص انداز دیا، پھر راستہ بتایا، ﴿۳﴾ اور جس نے سبز چارہ (زمین سے) نکالا، ﴿۴﴾ پھر  
اُسے کالے رنگ کا کوڑا بنا دیا۔ ﴿۵﴾ (اے پیغمبر!) ہم تمہیں پڑھائیں گے، پھر تم بھولو گے نہیں، ﴿۶﴾ سوائے اُس کے جسے  
اللہ چاہے۔ ﴿۷﴾ یقین رکھو وہ کھلی ہوئی چیزوں کو بھی جانتا ہے، اور اُن چیزوں کو بھی جو چھپی ہوئی ہیں۔ ﴿۸﴾ اور ہم تمہیں آسان  
شریعت (پر چلنے کے لئے) سہولت دیں گے۔ ﴿۹﴾ لہذا تم نصیحت کئے جاؤ، اگر نصیحت کا فائدہ ہو۔ ﴿۱۰﴾ جس کے دل میں  
اللہ کا خوف ہوگا، وہ نصیحت مانے گا، ﴿۱۱﴾ اور اُس سے دُور وہ رہے گا جو بڑا بد بخت ہوگا، ﴿۱۲﴾ جو سب سے بڑی آگ میں  
داخل ہوگا، ﴿۱۳﴾ پھر اُس آگ میں نہ مرے گا، اور نہ جئے گا۔ ﴿۱۴﴾

فلاح اُس نے پائی ہے جس نے پاکیزگی اختیار کی، ﴿۱۵﴾ اور اپنے پروردگار کا نام لیا، اور نماز پڑھی۔ ﴿۱۶﴾ لیکن تم لوگ  
دُنوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو، ﴿۱۷﴾ حالانکہ آخرت کہیں زیادہ بہتر اور کہیں زیادہ پائیدار ہے۔ ﴿۱۸﴾ یہ بات یقیناً پچھلے  
(آسمانی) صحیفوں میں بھی درج ہے، ﴿۱۹﴾ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔ ﴿۲۰﴾

(۱) اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز ایک خاص انداز سے بنائی ہے، پھر ہر ایک کو اُس کے مناسب دُنیا میں رہنے کا طریقہ بھی  
بتا دیا ہے۔



(۲) اشارہ اس طرف ہے کہ اس دُنیا میں ہر چیز اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ کچھ عرصے اپنی بہار دکھانے کے بعد وہ بد شکل اور پھر فنا ہو جاتی ہے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر رہتی تھی کہ کہیں آپ قرآن کریم کا کچھ حصہ بھول نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اطمینان کرادیا کہ ہم آپ کو بھولنے نہیں دیں گے۔ البتہ اللہ تعالیٰ جن احکام کو منسوخ کرنا ہی چاہے گا، انہیں آپ بھول سکتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ (۱۰۶:۲) میں گدرا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شریعت عطا فرمائی ہے، وہ بذاتِ خود آسان ہے، پھر مزید تسلی دی گئی ہے کہ ہم اُس پر چلنے کو بھی آپ کے لئے آسان کر دیں گے۔

(۵) یعنی زندہ رہنے کا کوئی آرام اُسے حاصل نہیں ہوگا۔

سورۃ اعلیٰ کا ترجمہ اور اُس کے حواشی یکم رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ، ۲ ستمبر ۲۰۰۸ء کو  
دَما م اور مدینہ منورہ کے درمیان لکھے گئے۔



ایاتھا ۲۶ ﴿۸۸﴾ سُورَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ ۲۸ ﴿۸۹﴾ رُكُوعُهَا ۱ ﴿۹۰﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۝ وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلِي نَارًا حَامِيَةً ۝ تُسْقَى مِنْ عَيْنٍ آنِيَةٍ ۝ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ ۝ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ۝ وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝ لِسَعِيهَا رَاضِيَةٌ ۝ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَا غِيَةً ۝ فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝ فِيهَا سُرُرٌ مَرْفُوعَةٌ ۝ وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ ۝ وَنَبَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ۝ وَزَرَّابِي مَبْثُوثَةٌ ۝ أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝

اس کی سورت میں چھبیس آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کیا تمہیں اُس واقعے (یعنی قیامت) کی خبر پہنچی ہے جو سب پر چھا جائے گا؟ ۱ بہت سے چہرے اُس دن اترے ہوئے ہوں گے، ۲ مصیبت جھیلنے ہوئے، تھکن سے چور! ۳ وہ دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے، ۴ انہیں کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلایا جائے گا، ۵ اُن کے لئے ایک کانٹے دار جھاڑ کے سوا کوئی کھانا نہیں ہوگا، ۶ جو نہ جسم کا وزن بڑھائے گا، اور نہ بھوک مٹائے گا۔ ۷ بہت سے چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے، ۸ (دُنیا میں) اپنی کی ہوئی محنت کی وجہ سے پوری طرح مطمئن ۹ عالیشان جنت میں ہوں گے، ۱۰ جس میں وہ کوئی لغوبات نہیں سنیں گے۔ ۱۱ اُس جنت میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے، ۱۲ اُس میں اونچی اونچی نشتیں ہوں گی ۱۳ اور سامنے رکھے ہوئے پیالے، ۱۴ اور قطار میں لگائے ہوئے گداز تکیے، ۱۵ اور بچھے ہوئے قالین! ۱۶ تو کیا یہ لوگ اُونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ انہیں کیسے پیدا کیا گیا؟ ۱۷ اور آسمان کو کہ اُسے کس طرح بلند کیا گیا؟ ۱۸

(۱) یہ ”غاشیہ“ کا ترجمہ ہے، اور اسی وجہ سے اس سورت کا نام غاشیہ ہے۔

(۲) عرب کے لوگ عام طور سے صحراؤں میں اُونٹوں پر سفر کرتے تھے، اور اُونٹ کی تخلیق میں جو عجیب خصوصیات ہیں، اُن سے واقف تھے، نیز اُونٹوں پر سفر کرتے وقت انہیں آسمان، زمین اور پہاڑ نظر آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ لوگ اگر اپنے آس پاس کی چیزوں پر ہی غور کر لیں تو انہیں پتہ چل جائے کہ جس ذات نے کائنات کی یہ حیرت انگیز چیزیں پیدا فرمائی ہیں، اُسے اپنی خدائی میں کسی شریک کی ضرورت نہیں ہو سکتی، نیز یہ کہ جو اللہ تعالیٰ کائنات کی ان چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ



وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۖ (۱۹) وَقِفْهُ ۖ فَذَكِّرْ ۖ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۖ (۲۰) لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ ۖ (۲۱) إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ ۖ (۲۲) فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۖ (۲۳) إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۖ (۲۴) ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۖ (۲۵)

اور پہاڑوں کو کہ انہیں کس طرح گاڑا گیا؟ (۱۹) اور زمین کو کہ اُسے کیسے بچھایا گیا؟ (۲۰) اب (اے پیغمبر!) تم نصیحت کئے جاؤ۔ تم تو بس نصیحت کرنے والے ہو۔ (۲۱) آپ کو ان پر زبردستی کرنے کے لئے مسلط نہیں کیا گیا۔ (۲۲) ہاں مگر جو کوئی منہ موڑے گا، اور کفر اختیار کرے گا، (۲۳) تو اللہ اُس کو بڑا زبردست عذاب دے گا۔ (۲۴) یقیناً جانو ان سب کو ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، (۲۵) پھر یقیناً ان کا حساب لینا ہمارے ذمے ہے۔ (۲۶)

یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ انسانوں کو مرنے کے بعد دوسری زندگی عطا کر دے، اور اُن سے اُن کے اعمال کا حساب لے۔ کائنات کا یہ عظیم کارخانہ اللہ تعالیٰ نے یونہی بے مقصد پیدا نہیں فرمایا ہے، بلکہ اس کا مقصد یہی ہے کہ نیک لوگوں کو ان کی نیکی کا انعام دیا جائے، اور بدکاروں کو اُن کی بدکاری کی سزا دی جائے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی ہٹ دھرمی سے جو تکلیف ہوتی تھی، اُس پر آپ کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا فریضہ صرف تبلیغ کر کے پورا ہو جاتا ہے، آپ پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ انہیں زبردستی مسلمان بنائیں۔ اس میں ہر مبلغ اور حق کے داعی کے لئے بھی یہ اصول بیان فرمایا گیا ہے کہ اُسے اپنا تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہنا چاہئے، اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ ان سے زبردستی اپنی بات منوانے کا ذمہ دار ہے۔

مدینہ منورہ، شب ۲ / رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ ۳ / ستمبر ۲۰۰۸ء



آیتھا ۳۰ ۸۹ سُورَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۰ رُكُوعًا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسِرُّ ۝ هَلْ فِي ذَلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ۝ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ إِرْمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝

تیس آیتوں پر مشتمل یہ سورت مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے فجر کے وقت کی، ۱ اور دس راتوں کی، ۲ اور جفت کی اور طاق کی، ۳ اور رات کی جب وہ چل کھڑی ہو (کہ آخرت میں جزا و سزا ضرور ہوگی) ۴ ایک عقل والے (کو یقین دلانے) کے لئے یہ قسمیں کافی ہیں کہ نہیں؟ ۵ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا سلوک کیا ۶ اُس اونچے ستونوں والی قوم ارم کے ساتھ ۷ جس کے برابر دنیا کے ملکوں میں کوئی اور قوم پیدا نہیں کی گئی؟ ۸

(۱) فجر کا وقت دنیا کی ہر چیز میں ایک نیا انقلاب لے کر نمودار ہوتا ہے، اس لئے اُس کی قسم کھائی گئی ہے۔ بعض مفسرین نے اس آیت میں خاص دس ذوالحجہ کی صبح مراد لی ہے۔ اور دس راتوں سے مراد ذوالحجہ کے مہینے کی پہلی دس راتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی تقدس عطا فرمایا ہے، اور اس میں عبادت کا بہت ثواب ہے۔

(۲) جفت سے مراد ۱۰ رذوالحجہ کا دن اور طاق سے مراد عرفہ کا دن ہے جو ۹ رذوالحجہ کو آتا ہے۔ ان ایام کی قسم کھانے سے ان کی اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) یعنی جب رات رخصت ہونے لگے۔ ان تمام دنوں اور راتوں کا حوالہ شاید اس لئے دیا گیا ہے کہ عرب کے کافر لوگ بھی ان کو مقدس سمجھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ تقدس ان دنوں اور راتوں میں خود سے نہیں آگیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ اس لئے یہ سارے دن رات اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلالت کرتے ہیں، اور اسی قدرت اور حکمت کا ایک مظاہرہ یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک اور بد کے ساتھ ایک جیسا سلوک نہ فرمائے، بلکہ نیک لوگوں کو انعام دے، اور بُرے لوگوں کو سزا۔ چنانچہ اس سورت میں انہی دونوں باتوں کو نہایت بلیغ انداز میں بیان فرمایا گیا ہے۔

(۴) ”ارم“ قوم عاد کے جدِ اعلیٰ کا نام ہے، اس لئے قوم عاد کی جس شاخ کا یہاں ذکر ہے، اُس کو عاد ارم کہا جاتا ہے۔ اور اُن کو ستونوں والا کہنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اُن کے قد و قامت اور ذیل و ذول بہت زیادہ تھے اسی لئے آگے فرمایا گیا ہے کہ ان جیسے لوگ کہیں اور پیدا نہیں کئے گئے۔ اور بعض حضرات نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ انہوں نے اپنی تعمیرات میں بڑے بڑے



وَتَشُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۝ الَّذِينَ طَعَوْا فِي الْبِلَادِ ۝  
فَاكْثَرُوا فِيهَا الْفُسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ إِنَّ رَبَّكَ لِبِالِرْصَادِ ۝ فَأَمَّا  
الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ۝ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ  
فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ۝ كَلَّا بَلْ لَا تَهْدِي مُونَ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا تَحْصُونَ عَلَى  
طَعَامِ الْمُسْكِينِ ۝ وَتَأْكُلُونَ الثَّرَاثَ أَكْلًا لَهًّا ۝ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ كَلَّا إِذَا  
دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝

اور شمود کی اُس قوم کے ساتھ کیا کیا جس نے وادی میں پتھر کی چٹانوں کو تراش رکھا تھا؟ ۹ اور میخوں والے فرعون کے  
ساتھ کیا کیا؟ ۱۰ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دنیا کے ملکوں میں سرکشی اختیار کر لی تھی، اور ان میں بہت فساد مچایا  
تھا، ۱۱ چنانچہ تمہارے پروردگار نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ ۱۲ یقین رکھو تمہارا پروردگار سب کو نظر میں رکھے  
ہوئے ہے۔ ۱۳ لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ جب اُس کا پروردگار اُسے آزماتا ہے، اور انعام و اکرام سے نوازتا ہے تو وہ  
کہتا ہے کہ: ”میرے پروردگار نے میری عزت کی ہے۔“ ۱۴ اور دوسری طرف جب اُسے آزماتا ہے، اور اُس کے  
رزق میں تنگی کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ: ”میرے پروردگار نے میری توہین کی ہے۔“ ۱۵ ہرگز ایسا نہیں چاہئے۔ صرف  
یہی نہیں، بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے، ۱۶ اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے، ۱۷ اور  
میراث کا مال سمیٹ سمیٹ کر کھا جاتے ہو، ۱۸ اور مال سے بے حد محبت کرتے ہو۔ ۱۹ ہرگز ایسا نہیں چاہئے۔ جب  
زمین کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا، ۲۰ اور تمہارا پروردگار اور قطاریں باندھے ہوئے فرشتے (میدانِ حشر  
میں) آئیں گے، ۲۱

ستون بنائے ہوئے تھے۔ ان کے پاس حضرت ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا جن کا مفصل واقعہ سورۃ اعراف (۶۵:۷)  
اور سورۃ ہود (۵۰:۱۱) میں گزر چکا ہے۔

(۵) قومِ شمود کے پاس حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اُن کے تعارف کے لئے دیکھئے سورۃ اعراف  
(۷۳:۷)۔

(۶) فرعون کو میخوں والا اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو سزا دینے کے لئے اُن کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گاڑ دیا کرتا تھا۔  
(۷) اللہ تعالیٰ نے رزق کی تقسیم اپنی حکمت کے مطابق فرمائی ہے، لہذا رزق میں تنگی ہو تو اُسے اپنی توہین سمجھنا بھی غلط ہے، اور  
رزق میں زیادتی ہو تو اُسے لازماً اپنی عزت سے تعبیر کرنا بھی غلط ہے، کیونکہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے ایسے لوگوں کو مال  
و دولت سے نوازا ہے جو نیک نہیں ہیں۔



وَجَائِيَّ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۚ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ ۚ يَقُولُ يَلَيْتَنِي  
 قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ۚ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ۚ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ۚ يَا أَيَّتُهَا  
 النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۖ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۖ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۚ  
 وَادْخُلِي جَنَّاتٍ ۖ

اور اُس دن جہنم کو سامنے لایا جائے گا، تو اُس دن انسان کو سمجھ آئے گی، اور اُس وقت سمجھ آنے کا موقع کہاں ہوگا؟ (۸)  
 وہ کہے گا کہ: ”کاش! میں نے اپنی اس زندگی کے لئے کچھ آگے بھیج دیا ہوتا!“ (۹) پھر اُس دن اللہ کے برابر کوئی  
 عذاب دینے والا نہیں ہوگا، (۱۰) اور نہ اُس کے جکڑنے کی طرح کوئی جکڑنے والا ہوگا۔ (۱۱) (البتہ نیک لوگوں سے کہا  
 جائے گا کہ:) ”اے وہ جان جو (اللہ کی اطاعت میں) چین پا چکی ہے!“ (۱۲) اپنے پروردگار کی طرف اس طرح لوٹ کر  
 آ جا کہ تو اُس سے راضی ہو، اور وہ تجھ سے راضی، (۱۳) اور شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں، (۱۴) اور داخل ہو جا  
 میری جنت میں۔“ (۱۵)

(۸) یعنی اُس وقت اگر کوئی شخص ایمان لانا بھی چاہے تو ایمان اُس کے لئے فائدہ مند نہیں ہوگا۔ ایمان تو وہی معتبر ہے جو قیامت  
 اور موت کے آنے سے پہلے پہلے ہو۔

(۹) یہ قرآن کریم کے اصل لفظ ”نفس مطمئنہ“ کا ترجمہ ہے۔ اس سے مراد انسان کا وہ دل ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے  
 کرتے بالکل سکون پا گیا ہو، اور نافرمانی سے محفوظ ہو گیا ہو۔

مکہ مکرمہ شب ۴؎ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ ۵؎ ستمبر ۲۰۰۸ء



آیتھا ۲۰ ۹۰ سورۃ البلد مکیۃ ۲۵ رکوع ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۱ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۲ وَوَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ ۳ لَقَدْ خَلَقْنَا  
الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۴ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۵ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَا لَا لُبًّا ۶  
اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهُ اَحَدٌ ۷ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۸ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۹ وَهَدَيْنٰهُ  
النَّجْدَيْنِ ۱۰ فَلَا اقْتَحَمَ الْعُقَبَةَ ۱۱ وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْعُقَبَةُ ۱۲ فَكُ رَقَبَةً ۱۳ اَوْ اِطْعَمَ فِيْ  
يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۱۴ يَتَّبِعَاْ ذَا مَقْرَبَةٍ ۱۵ اَوْ مَسْكِيْنَا ذَا مَثْرَبَةٍ ۱۶ ثُمَّ كَانَ مِنَ الْاٰزِلِ اِمْنُوْا  
وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَةِ ۱۷ اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۱۸ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا  
بِاٰتِنَاهُمْ اَصْحَابُ الشِّمَّةِ ۱۹ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّوَصَّدَةٌ ۲۰

اس کی سورت میں بیس آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی ۱ جبکہ (اے پیغمبر!) تم اس شہر میں مقیم ہو، ۲ اور (قسم کھاتا ہوں) باپ کی اور اُس کی  
اولاد کی، ۳ کہ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔ ۴ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اُس پر کسی کا بس نہیں چلے گا؟ ۵ کہتا  
ہے کہ: ”میں نے ڈھیروں مال اڑا ڈالا ہے۔“ ۶ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اُس کو کسی نے دیکھا نہیں؟ ۷ کیا ہم نے اُسے  
دو آنکھیں نہیں دیں؟ ۸ اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ ۹ اور ہم نے اُس کو دونوں راستے بتا دیئے ہیں۔ ۱۰  
پھر بھی وہ اُس گھاٹی میں داخل نہیں ہو سکا، ۱۱ — اور تمہیں کیا پتہ کہ وہ گھاٹی کیا ہے؟ ۱۲ کسی کی گردن (غلامی سے)  
چھڑا دینا، ۱۳ یا پھر کسی بھوک والے دن میں کھانا کھلا دینا ۱۴ کسی رشتہ دار یتیم کو، ۱۵ یا کسی مسکین کو جو مٹی میں رُل  
رہا ہو، ۱۶ پھر وہ اُن لوگوں میں بھی شامل نہ ہو جو ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے ایک دوسرے کو ثابت قدمی  
کی تاکید کی ہے، اور ایک دوسرے کو رحم کھانے کی تاکید کی ہے۔ ۱۷ یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے نصیب والے ہیں، ۱۸  
اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہے، وہ نحوست والے لوگ ہیں۔ ۱۹ اُن پر ایسی آگ مسلط ہوگی جو اُن پر بند  
کردی جائے گی۔ ۲۰

(۱) اس شہر سے مراد مکہ مکرمہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے خصوصی تقدس عطا فرمایا ہے، اور اُس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے



مقیم ہونے کی بنا پر اُس کے تقدس میں اور اضافہ ہوا ہے، کیونکہ آپ کی تشریف آوری کے لئے اس شہر کا انتخاب فرما کر اللہ تعالیٰ نے اُس کی شان اور بڑھادی ہے۔ اس جملے کی دو تفسیریں اور بھی ہیں جن کی تفصیل ”معارف القرآن“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) باپ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور چونکہ تمام انسان اُنہی کی اولاد ہیں، اس لئے اس آیت میں تمام نوع انسانی کی قسم کھائی گئی ہے۔

(۳) یہ ہے وہ بات جو قسم کھا کر فرمائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں انسان کو اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ وہ کسی نہ کسی مشقت میں لگا رہتا ہے۔ چاہے کوئی کتنا بڑا حاکم ہو، یا دولت مند شخص ہو، اُسے زندہ رہنے کے لئے مشقت اٹھانی ہی پڑتی ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اُسے دنیا میں کبھی کوئی محنت کرنی نہ پڑے تو یہ اُس کی خام خیالی ہے۔ ایسا کبھی ممکن ہی نہیں ہے۔ ہاں مکمل راحت کی زندگی جنت کی زندگی ہے جو دنیا میں کی ہوئی محنت کے نتیجے میں ملتی ہے۔ ہدایت یہ دی گئی ہے کہ انسان کو دنیا میں جب کسی مشقت کا سامنا ہو تو اُسے یہ حقیقت یاد کرنی چاہئے۔ خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو مکہ مکرمہ میں جو تکلیفیں پیش آرہی تھیں، اس آیت نے اُن کو بھی تسلی دی ہے۔ اور یہ بات کہنے کے لئے اول تو شہر مکہ کی قسم کھائی ہے، شاید اس لئے کہ مکہ مکرمہ کو اگرچہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا سب سے مقدس شہر بنایا ہے، لیکن وہ شہر بذاتِ خود مشقتوں سے بنا، اور اُس کے تقدس سے فائدہ اٹھانے کے لئے آج بھی مشقت کرنی پڑتی ہے، پھر خاص طور پر اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقیم ہونے کا حوالہ دینے میں شاید یہ اشارہ ہے کہ افضل ترین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم افضل ترین شہر میں مقیم ہیں، لیکن مشقتیں اُن کو بھی اٹھانی پڑ رہی ہیں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی ساری اولاد کی قسم کھانے سے اشارہ ہے کہ انسان کی پوری تاریخ پر غور کر جاؤ، یہ حقیقت ہر جگہ نظر آئے گی کہ انسان کی زندگی مشقتوں سے پُر رہی ہے۔

(۴) مکہ مکرمہ میں کئی کافر ایسے تھے جنہیں اپنی جسمانی طاقت پر ناز تھا۔ جب انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو وہ کہتے کہ ہمیں کوئی قابو نہیں کر سکتا۔ نیز وہ آپس میں دکھاوے کے طور پر کہتے تھے کہ ہم نے ڈھیر ساری دولت خرچ کی ہے۔ اور خرچ کرنے کو اڑا ڈالنے سے تعبیر اس لئے کرتے کہ گویا ہمیں اس خرچ کی بالکل پروا بھی نہیں ہوئی۔ خاص طور پر یہ بات وہ اُس دولت کے بارے میں کہتے تھے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور دشمنی میں خرچ کی۔

(۵) یعنی جو کچھ خرچ کیا، دکھاوے کے لئے کیا، پھر اُس پر ناز کرنا کیسا؟ کیا اللہ تعالیٰ دیکھ نہیں رہے تھے کہ وہ کس کام میں اور کس مقصد سے خرچ کر رہا ہے۔

(۶) انسان کو اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بدی دونوں کے راستے دکھادیئے ہیں، اور اختیار دیا ہے کہ اپنی مرضی سے جو راستہ چاہو اختیار کر سکتے ہو، لیکن بدی کا راستہ اختیار کرو گے تو سزا ہوگی۔

(۷) گھائی دو پہاڑوں کے درمیانی راستے کو کہتے ہیں۔ عام طور سے جنگ کے دوران ایسے راستے کو دشمن سے بچنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے، اور یہاں گھائی میں داخل ہونے سے مراد ثواب کے کام کرنا ہے، جیسے کہ اگلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے خود تشریح فرمادی ہے۔ ان کو گھائی میں داخل ہونا اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے میں مدد دیتے ہیں۔



(۸) یہ ”أَصْحَابُ الْيَمِينِ“ کا ترجمہ ہے، اور اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ: ”وہ دائیں ہاتھ والے ہیں“ اور ان سے مراد وہ نیک لوگ ہیں جن کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

(۹) یہ ”أَصْحَابُ الشِّمَالِ“ کا ترجمہ ہے، اور اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ: ”وہ بائیں ہاتھ والے ہیں“ اور ان سے مراد وہ بدکار ہیں جن کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

(۱۰) یعنی اُس کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے، تاکہ دوزخیوں کے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

سورۃ بلد کا ترجمہ اور حواشی ۵ / رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ کو بفضلہ تعالیٰ مکہ مکرمہ ہی میں تکمیل کو پہنچے

جہاں کی اس سورت میں قسم کھائی گئی ہے۔

تَقَبَّلَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى وَاکْرَمَنِي بِتَوْفِيقِهِ



﴿ آیاتہا ۱۵ ﴾ ۹۱ سُورَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ ۲۶ ﴿ رُكُوعُهَا ۱ ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا ۝ وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا ۝ وَالنَّهَارُ إِذَا جَدَّهَا ۝ وَاللَّيْلُ إِذَا يَغْشَاهَا ۝  
وَالسَّمَاءُ وَمَا بَنَاهَا ۝ وَالْأَرْضُ وَمَا طَحَاهَا ۝ وَنَفْسٌ وَمَا سَوَّاهَا ۝ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا  
وَتَقْوَاهَا ۝ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ۝ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا ۝  
إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ۝ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا ۝  
فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذُنُوبِهِمْ فَحَسَّوْهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ۝

پندرہ آیتوں پر مشتمل یہ سورت مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے سورج کی اور اُس کی پھیلی ہوئی دھوپ کی، (۱) اور چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے پیچھے آئے، (۲) اور دن کی جب وہ سورج کا جلوہ دکھادے، (۳) اور رات کی جب وہ اُس پر چھا کر اُسے چھپالے، (۴) اور قسم ہے آسمان کی، اور اُس کی جس نے اُسے بنایا، (۵) اور زمین کی، اور اُس کی جس نے اُسے بچھایا، (۶) اور انسانی جان کی، اور اُس کی جس نے اُسے سنوارا، (۷) پھر اُس کے دل میں وہ بات بھی ڈال دی جو اُس کے لئے بدکاری کی ہے، اور وہ بھی جو اُس کے لئے پرہیزگاری کی ہے، (۸) فلاح اُسے ملے گی جو اس نفس کو پاکیزہ بنائے، (۹) اور نامراد وہ ہوگا جو اُس کو (گناہ میں) دھنسا دے۔ (۱۰) قوم ثمود نے اپنی سرکشی سے (پیغمبر کو) جھٹلایا، (۱۱) جب ان کا سب سے سنگدل شخص اُٹھ کھڑا ہوا، (۱۲) تو اللہ کے پیغمبر نے اُن سے کہا کہ: ”خبردار! اللہ کی اُونٹنی کا اور اُس کے پانی پینے کا پورا خیال رکھنا“۔ (۱۳) پھر بھی اُنہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا، اور اُس اُونٹنی کو مار ڈالا۔ (۱۴) نتیجہ یہ کہ اُن کے پروردگار نے اُن کے گناہ کی وجہ سے اُن کی اینٹ سے اینٹ بجا کر سب کو برابر کر دیا۔ (۱۵) اور اللہ کو اس کے کسی بُرے انجام کا کوئی خوف نہیں ہے۔ (۱۶)

(۱) سورج کو عربی میں ”شمس“ کہتے ہیں، اور اسی کے نام پر اس سورت کا نام سورۃ الشمس ہے۔ سورت میں اصل مضمون یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں نیکی اور بدی دونوں قسم کے تقاضے پیدا فرمائے ہیں، اب انسان کا کام یہ ہے کہ وہ نیکی کے تقاضوں پر عمل کرے، اور بُرائی سے اپنے آپ کو روکے۔ یہ بات کہنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند اور دن اور رات کی قسمیں کھائی ہیں۔ اس میں شاید اشارہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے سورج کی اور دن کی روشنی بھی پیدا کی ہے، اور رات کا اندھیرا بھی، اسی طرح انسان کو نیکی کے کاموں کی بھی صلاحیت دی ہے، اور بدی کے کاموں کی بھی۔



(۲) نفس کو پاکیزہ بنانے کا مطلب یہی ہے کہ انسان کے دل میں جو اچھی خواہشات اور اچھے جذبات پیدا ہوتے ہیں، انہیں ابھار کر ان پر عمل کرے، اور جو بُری خواہشات یا جذبات پیدا ہوتے ہیں، انہیں دبائے۔ اسی طرح مسلسل مشق کرتے رہنے سے نفس پاکیزہ ہو کر وہ نفس مطمئنہ بن جاتا ہے جس کا ذکر سورۃ الفجر کی آخری آیتوں میں گزرا ہے۔

(۳) قومِ شمود کے مطالبے پر اللہ تعالیٰ نے یہ اُونٹنی پیدا فرمائی تھی، اور لوگوں سے کہا تھا کہ ایک دن کنویں سے یہ پانی پئے گی، اور دوسرے دن تم پانی بھر لیا کرنا۔ لیکن اس قوم کے ایک سنگدل شخص نے جس کا نام ”قذار“ بتایا جاتا ہے، اُونٹنی کو قتل کر دیا، اُس کے بعد اس قوم پر عذاب آیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سورۃ اعراف (۷: ۷۳) اور اُس کا حاشیہ۔

(۴) یعنی سب فنا ہو گئے، اور کوئی باقی نہیں بچا۔

(۵) جب انسانوں کا کوئی لشکر کسی بستی میں تباہی مچائے تو اُسے یہ خوف بھی ہوتا ہے کہ کوئی اُس سے انتقام نہ لے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو ہلاک کرتا ہے تو اُسے کسی کے انتقام کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔

کراچی، شب ۸ / رمضان ۱۴۲۹ھ ۹ / ستمبر ۲۰۰۸ء



﴿آیتھا ۲۱﴾ ۹۲ سُورَةُ الْيَلِ مَكِّيَّةٌ ۹ ﴿رکوعھا ۱﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ۝ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ۝ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى ۝ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى ۝ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۝ فَسَنِيَرُهُ لِلْيُسْرَى ۝ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ۝ فَسَنِيَرُهُ لِلْعُسْرَى ۝ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى ۝ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَى ۝ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَى ۝ فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّى ۝ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ۝ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّى ۝ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ وَمَا لِحَدِّ عُنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ ۝ الْأَعْلَى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ۝

اس کی سورت میں اکیس آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے، ۱ اور دن کی جب اُس کا اُجالا پھیل جائے، ۲ اور اُس ذات کی جس نے نراور مادہ کو پیدا کیا، ۳ کہ حقیقت میں تم لوگوں کی کوششیں الگ الگ قسم کی ہیں۔ ۴ اب جس کسی نے (اللہ کے راستے میں مال) دیا، اور تقویٰ اختیار کیا، ۵ اور سب سے اچھی بات کو دل سے مانا، ۶ تو ہم اُس کو آرام کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کر دیں گے۔ ۷ رہا وہ شخص جس نے بخل سے کام لیا، اور (اللہ سے) بے نیازی اختیار کی، ۸ اور سب سے اچھی بات کو جھٹلایا، ۹ تو ہم اُس کو تکلیف کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کر دیں گے۔ ۱۰ اور جب ایسا شخص تباہی کے گڑھے میں گرے گا تو اُس کا مال اُس کے کچھ کام نہیں آئے گا۔ ۱۱ یہ سچ ہے کہ راستہ بتلا دینا ہمارے ذمے ہے، ۱۲ اور یہ بھی سچ ہے کہ آخرت اور دنیا دونوں ہمارے قبضے میں ہیں۔ ۱۳ لہذا میں نے تمہیں ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے خبردار کر دیا ہے۔ ۱۴ اس آگ میں کوئی اور نہیں، وہی بد بخت داخل ہوگا ۱۵ جس نے حق کو جھٹلایا، اور منہ موڑا، ۱۶ اور اُس سے ایسے پرہیزگار شخص کو دور رکھا جائے گا ۱۷ جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے (اللہ کے راستے میں) دیتا ہے، ۱۸ حالانکہ اُس پر کسی کا کوئی احسان نہیں تھا جس کا بدلہ دیا جاتا، ۱۹ البتہ وہ صرف اپنے اُس پروردگار کی خوشنودی چاہتا ہے جس کی شان سب سے اونچی ہے۔ ۲۰ یقین رکھو ایسا شخص عنقریب خوش ہو جائے گا۔ ۲۱



(۱) کوششوں سے مراد اعمال ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے اعمال مختلف قسم کے ہیں، اچھے بھی اور بُرے بھی، اور اُن اعمال کے نتائج بھی مختلف ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ یہ بات کہنے کے لئے رات اور دن کی قسم کھانے کا شاید یہ مقصد ہے کہ جس طرح رات اور دن کے نتائج مختلف ہیں، اسی طرح نیکی اور بدی کے نتائج بھی مختلف ہیں۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے نرا اور مادہ کی خاصیتیں الگ الگ رکھی ہیں، اسی طرح اعمال کی خاصیتیں بھی جدا جدا ہیں۔

(۲) سب سے اچھی بات سے مراد دین اسلام اور اُس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی جنت ہے۔

(۳) آرام کی منزل سے مراد جنت ہے، کیونکہ حقیقی آرام کی جگہ وہی ہے، دُنیا میں تو ہر آرام کے ساتھ کوئی نہ کوئی تکلیف لگی رہتی ہے۔ اور تیاری کرانے سے مراد یہ ہے کہ اُن اعمال کی توفیق دیں گے جو جنت تک پہنچانے والے ہوں۔ واضح رہے کہ قرآن کریم میں جو لفظ ”نيسرة“ آیا ہے، اُس کا ترجمہ جو ”تیاری کر دینے“ سے کیا گیا ہے، وہ اس لفظ کی تشریح میں علامہ آلوسیؒ کی پیروی میں کیا گیا ہے (دیکھئے رُوح المعانی ۳۰: ۵۱۲)۔

(۴) تکلیف کی منزل سے مراد دوزخ ہے، کیونکہ حقیقی تکلیف وہیں کی ہے۔ اور تیاری کرانے سے مراد یہ ہے کہ وہ جس جس گناہ میں مبتلا ہونا چاہے گا، اُسے مبتلا ہونے دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے نیکی کی توفیق نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ہولناک وعید سے محفوظ رکھیں۔ آمین

(۵) لہذا یہ حق ہم کو ہی حاصل ہے کہ دُنیا میں رہنے کے لئے انسان کو احکام اور ہدایات عطا فرمائیں، اور آخرت میں اُن احکام و ہدایات کی تعمیل یا خلاف ورزی پر ثواب اور عذاب کا فیصلہ کریں۔

(۶) یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو کچھ خرچ کرتا ہے، اُس میں دکھاوا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہوتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے خرچ کرنے سے انسان کو اخلاقی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیاتیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف میں نازل ہوئی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں بہت مال خرچ کرتے تھے۔ تاہم الفاظ عام ہیں، اور ہر اُس شخص کے لئے خوشخبری پر مشتمل ہیں جو ان صفات کا حامل ہو۔

اس مختصر جملے میں نعمتوں کی ایک کائنات پوشیدہ ہے۔ یعنی جنت میں اُس کو اپنے اعمال کا ایسا صلہ ملے گا کہ وہ صحیح معنی میں خوش ہو جائے گا۔

کراچی، شب ۸ / رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ



﴿آیاتھا ۱۱﴾ ﴿سُورَةُ الضُّحٰی مَكِّيَّةٌ ۱۱﴾ ﴿رُكُوْعُهَا ۱﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَالضُّحٰی ۝ وَاللَّیْلُ اِذَا سَجٰی ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَاقَلٰی ۝ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُولٰی ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۝ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاَوٰی ۝ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰی ۝ وَوَجَدَكَ عَآیِلًا فَاَغْنٰی ۝ فَاَمَّا الْیَتِیْمُ فَلَا تُفْقَرُ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلُ فَلَا تَنْهَرُ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثُ ۝

اس کی سورت میں گیارہ آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی، (۱) اور رات کی جب اُس کا اندھیرا بیٹھ جائے، (۲) کہ تمہارے پروردگار نے نہ تمہیں چھوڑا ہے، اور نہ ناراض ہوا ہے، (۳) اور یقیناً آگے آنے والے حالات تمہارے لئے پہلے حالات سے بہتر ہیں۔ (۴) اور یقین جانو کہ عنقریب تمہارا پروردگار تمہیں اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ (۵) کیا اُس نے تمہیں یتیم نہیں پایا تھا، پھر (تمہیں) ٹھکانا دیا؟ (۶) اور تمہیں راستے سے ناواقف پایا تو راستہ دکھایا، (۷) اور تمہیں نادار پایا تو غنی کر دیا۔ (۸) اب جو یتیم ہے، تم اُس پر سختی مت کرنا، (۹) اور جو سوال کرنے والا ہو، اُسے جھڑکنا نہیں، (۱۰) اور جو تمہارے پروردگار کی نعمت ہے، اُس کا تذکرہ کرتے رہنا۔ (۱۱)

(۱) نبوت کے بعد شروع شروع میں کچھ دن ایسے گزرے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی وحی نہیں آئی، اس پر ابولہب کی بیوی نے طعنہ دیا کہ تمہارے پروردگار نے ناراض ہو کر تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ اُس پر یہ سورت نازل ہوئی تھی۔ ”ضحیٰ“ عربی میں دن چڑھنے کے وقت جو روشنی ہوتی ہے، اُس کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں اُس کی قسم کھائی ہے، اس لئے اس سورت کا نام سورۃ الضحیٰ ہے۔ اور چڑھتے دن اور اندھیری رات کی قسم کھانے سے غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ رات کو جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اب دن کی روشنی نہیں آئے گی، اسی طرح اگر کسی مصلحت کی وجہ سے وحی کچھ دن نہیں آئی تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض ہو گیا ہے۔

(۲) آگے آنے والے حالات سے مراد آخرت کی نعمتیں بھی ہو سکتی ہیں، اور پہلے حالات سے دُنیا، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں ہر آن آپ کے درجات میں ترقی ہوتی رہے گی، اور دشمنوں کی طرف سے آپ کو جو تکلیفیں پہنچ رہی ہیں، آخر کار وہ دُور ہو کر آپ ہی کا بول بالا ہوگا۔

(۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والد آپ کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے، اور والدہ کا بھی بہت کم عمری میں



انتقال ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دادا عبدالمطلب اور آپ کے چچا ابوطالب کے دل میں آپ کی ایسی محبت ڈال دی کہ انہوں نے آپ کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھ کر پالا تھا۔

(۴) یعنی آپ وحی نازل ہونے سے پہلے شریعت کے احکام سے ناواقف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو شریعت عطا فرمائی۔ نیز بعض روایتوں میں کچھ ایسے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں جن میں آپ کسی سفر کے دوران راستہ بھول گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی طریقے پر آپ کو راستے پر لگا دیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں اس قسم کے کسی واقعے کی طرف بھی اشارہ ہو۔

(۵) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ نے تجارت میں جو شرکت فرمائی، اُس سے آپ کو اچھا خاصا نفع حاصل ہوا تھا۔  
(۶) سوال کرنے والے سے مراد وہ شخص بھی ہو سکتا ہے جو مالی مدد چاہتا ہو، اور وہ بھی جو حق طلبی کے ساتھ دین کے بارے میں کوئی سوال کرنا چاہتا ہو۔ دونوں کو جھڑکنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر کوئی عذر ہو تو نرمی سے معذرت کر لینی چاہئے۔



﴿آیتھا ۸﴾ ﴿۹۴﴾ سُورَةُ الْمُنَافِقَاتِ مَكِّيَّةٌ ۱۲ ﴿۱﴾ رُكُوعُهَا ۱ ﴿۲﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَلَمْ نُشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۖ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۖ  
الَّذِي أَتَقَضَّ ظَهْرَكَ ۖ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۖ  
فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ  
فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۖ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۖ

یہ کی سورت آٹھ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) کیا ہم نے تمہاری خاطر تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟ (۱) اور ہم نے تم سے تمہارا وہ بوجھ اتار دیا ہے (۲) جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی، (۳) اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے تذکرے کو اونچا مقام عطا کر دیا ہے۔ (۴) چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے، (۵) یقیناً مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے۔ (۶) لہذا جب تم فارغ ہو جاؤ تو (عبادت میں) اپنے آپ کو تھکاؤ، (۷) اور اپنے پروردگار ہی سے دل لگاؤ۔ (۸)

(۱) جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کی عظیم ذمہ داریاں سونپی گئیں تو شروع میں آپ نے اُن کا زبردست بوجھ محسوس فرمایا۔ اس بوجھ کی وجہ سے شروع میں آپ بے چین رہتے تھے۔ لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ حوصلہ عطا فرمایا جس کے نتیجے میں آپ نے مشکل سے مشکل کام انتہائی اطمینان اور سکون کے ساتھ انجام دیئے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے اسی انعام کا تذکرہ ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام کو یہ بلند مقام عطا فرمایا ہے کہ دنیا کے ہر خطے میں پانچ وقت آپ کا مبارک نام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مسجدوں سے بلند ہوتا ہے۔ نیز آپ کے مبارک تذکرے دنیا بھر میں انتہائی عقیدت کے ساتھ ہوتے ہیں، اور انہیں ایک عظیم عبادت قرار دیا جاتا ہے۔ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ شروع میں آپ کو فرائض رسالت کی ادائیگی میں جو مشکلات پیش آرہی ہیں، وہ غریب آسانی میں تبدیل ہو جائیں گی۔ اُس کے ساتھ ایک عام قاعدے کے طور پر یہ حقیقت بتلا کر عام انسانوں کو بھی یہ سبق دیا گیا ہے کہ دنیا میں مشکلات پیش آئیں تو یہ سمجھ لیں کہ ان کے بعد آسانی کا وقت بھی آئے گا۔

(۴) ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مصروفیت تمام تر دین ہی کے لئے تھی، تبلیغ ہو یا تعلیم، جہاد ہو یا حکمرانی، سارے کام ہی دین کے لئے ہونے کی وجہ سے بذات خود عبادت کا درجہ رکھتے تھے۔ لیکن فرمایا جا رہا ہے کہ جب ان کاموں سے فراغت ہو تو خالص عبادت، مثلاً نفل نمازوں، اور زبانی ذکر وغیرہ میں اتنے لگنے کہ جسم تھکنے لگے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہوں، اُن کو بھی کچھ وقت خالص نفل عبادتوں کے لئے مخصوص کرنا چاہئے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوتا ہے، اور اسی سے دوسرے دینی کاموں میں برکت پیدا ہوتی ہے۔



ایاتھا ۸ ﴿۹۵﴾ سُورَةُ التِّينِ مَكِّيَّةٌ ۲۸ ﴿۹۶﴾ رُكُوعُهَا ۱ ﴿۹۷﴾

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ۝۱ وَطُورِ سِينِينَ ۝۲ وَهَٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝۵ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝۶ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدَ بِالذِّينِ ۝۷ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَكَمِينَ ۝۸ ﴿۹۷﴾

آٹھ آیتوں پر مشتمل یہ سورت بھی مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے انجیر اور زیتون کی، ۱ اور صحرائے سینا کے پہاڑ طور کی، ۲ اور اس امن و امان والے شہر کی، ۳ کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا ہے، ۴ پھر ہم اُسے پستی والوں میں سب سے زیادہ نچلی حالت میں کر دیتے ہیں، ۵ سوائے اُن کے جو ایمان لائے، اور انہوں نے نیک عمل کئے، تو اُن کو ایسا اجر ملے گا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ ۶ پھر (اے انسان!) وہ کیا چیز ہے جو تجھے جزا و سزا کو جھٹلانے پر آمادہ کر رہی ہے؟ ۷ کیا اللہ سارے حکمرانوں سے بڑھ کر حکمران نہیں ہے؟ ۸

(۱) انجیر اور زیتون فلسطین اور شام میں زیادہ پیدا ہوتے ہیں، اس لئے ان سے فلسطین کے علاقے کی طرف اشارہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا، اور انہیں انجیل عطا فرمائی گئی تھی۔ اور صحرائے سینا کا پہاڑ طور وہ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی گئی تھی، اور ”اس امن و امان والے شہر“ سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا، اور آپ پر قرآن کریم نازل ہوا۔ ان تینوں کی قسم کھانے سے مقصود یہ ہے کہ جو بات آگے کہی جا رہی ہے، وہ ان تینوں کتابوں میں درج ہے، اور تینوں پیغمبروں نے اپنی اپنی اُمتوں کو بتائی ہے۔

(۲) اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ جو لوگ مؤمن نہ ہوں، وہ دنیا میں چاہے کتنے خوبصورت رہے ہوں، آخرت میں وہ انتہائی نچلی حالت کو پہنچ جائیں گے، کیونکہ انہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا، اسی لئے آگے اُن انسانوں کا استثنا کیا گیا ہے جو ایمان لائیں، اور نیک عمل کریں۔ اور اکثر مفسرین نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہر انسان بڑھاپے میں جا کر انتہائی خستہ حالت کو پہنچ جاتا ہے۔ اُس کی خوبصورتی بھی جاتی رہتی ہے، اور طاقت بھی جواب دے جاتی ہے، اور آئندہ کسی اچھی حالت کے واپس آنے کی اُنہیں کوئی اُمید نہیں ہوتی، کیونکہ وہ آخرت کے قائل ہی نہیں ہوتے۔ البتہ نیک مسلمان چاہے اس بڑھاپے کی



بُری حالت کو پہنچ جائیں، لیکن اُن کو یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ بُری حالت عارضی ہے، اور آگے دوسری زندگی آنے والی ہے جس میں ان شاء اللہ انہیں بہترین نعمتیں میسر آئیں گی، اور یہ عارضی تکلیفیں ختم ہو جائیں گی۔ اس احساس کی وجہ سے ان کی بڑھاپے کی تکلیفیں بھی ہلکی ہو جاتی ہیں۔

(۳) ابوداؤد اور ترمذی کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کو پڑھنے کے وقت یہ کہنا مستحب ہے کہ: ”بَلِّیٰ، وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ“ (کیوں نہیں؟ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سارے حکمرانوں سے بڑھ کر حکمران ہے)۔

کراچی شب ۹ / رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ



﴿آیتھا ۱۹﴾ ﴿سُورَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ ۱﴾ ﴿رُكُوعُهَا ۱﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝  
الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّاظٍ ۝  
اَسْتَعْثَىٰ ۝ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ۝ اَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ۝ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ۝ اَرَأَيْتَ  
اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ۝ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ۝ اَرَأَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝ اَلَمْ يَعْلَم بِاَنَّ  
اللَّهَ يَرَىٰ ۝ كَلَّا لَیِّنٌ لَّمْ يَنْتَهُ ۝ لَنُفَعَّآ بِالْاِثْمِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝ فَلْيَدْعُ  
نَادِيَهُ ۝ سَدْعُ الزَّبَانِیَّةِ ۝ كَلَّا ۝ لَا تَطْعُهُ وَاَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝

انیس آیتوں پر مشتمل یہ سورت کی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

پڑھو اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے سب کچھ پیدا کیا، (۱) اُس نے انسان کو جنے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے۔ (۲)  
پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے، (۳) جس نے قلم سے تعلیم دی، (۴) انسان کو اُس بات کی تعلیم دی جو  
وہ نہیں جانتا تھا۔ (۵) حقیقت یہ ہے کہ انسان کھلی سرکشی کر رہا ہے (۶) کیونکہ اُس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا  
ہے۔ (۷) سچ تو یہ ہے کہ تمہارے پروردگار ہی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔ (۸) بھلا تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جو ایک  
بندے کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے؟ (۹) - (۱۰) بھلا بتلاؤ کہ اگر وہ (نماز پڑھنے والا) ہدایت پر ہو، (۱۱) یا تقویٰ  
کا حکم دیتا ہو، (تو کیا اُسے روکنا گمراہی نہیں؟) (۱۲) بھلا بتلاؤ کہ اگر وہ (روکنے والا) حق کو جھٹلاتا ہو، اور منہ موڑتا  
ہو، (کیا اُسے یہ معلوم نہیں ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟) (۱۳) خبردار! اگر وہ باز نہ آیا، تو ہم (اُسے) پیشانی کے بال پکڑ کر  
گھسیٹیں گے، (۱۴) اُس پیشانی کے بال جو جھوٹی ہے، گنہگار ہے۔ (۱۵) اب وہ بلا لے اپنی مجلس والوں کو! (۱۶) ہم دوزخ  
کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔ (۱۷) ہرگز نہیں! اُس کی بات نہ مانو، اور سجدہ کرو، اور قریب آ جاؤ۔ (۱۸)

(۱) اس سورت کی پہلی پانچ آیتیں سب سے پہلی وحی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حراء میں نازل ہوئی۔ آپ نبوت  
سے پہلے کئی دن اس غار میں عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک روز اسی دوران حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے، اور



آپ کو دبایا، اور کہا کہ: ”پڑھو“ آپ نے فرمایا کہ: ”میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔“ یہ مکالمہ تین مرتبہ ہوا، پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ پانچ آیتیں پڑھیں۔

(۲) اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگرچہ تعلیم دینے کا عام طریقہ یہی ہے کہ قلم سے لکھی ہوئی کوئی تحریر پڑھوائی جاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس کے بغیر بھی کسی کو تعلیم دے سکتا ہے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمی ہونے کے باوجود وہ علوم عطا فرمائے گا جو کتاب سے پڑھنے والوں کے خیال میں بھی نہیں آئے۔

(۳) یہاں سے سورت کے آخر تک جو آیتیں ہیں، وہ غار حراء کے مذکورہ بالا واقعے کے کافی بعد نازل ہوئی تھیں۔ اور اُن کا واقعہ یہ ہے کہ ابو جہل، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں نماز پڑھ رہے تھے تو اُس نے آپ کو نماز پڑھنے سے منع کیا، اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ نے نماز پڑھی تو میں (معاذ اللہ) آپ کی گردن کو پاؤں سے کچل دوں گا۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئی تھیں۔

(۴) یعنی اپنے مال و دولت اور سرداری کی وجہ سے اپنے آپ کو بے نیاز اور بے پروا سمجھتا ہے کہ کوئی مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا، اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سب کو آخر کار اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹنا ہے، وہاں یہ ساری بے نیازی اور بے پروائی دھری رہ جائے گی۔

(۵) شروع میں جب ابو جہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکا تھا تو آپ نے اُسے جھڑک دیا تھا۔ اُس پر ابو جہل نے کہا تھا کہ مکہ میں میری مجلس میں بڑا مجمع ہوتا ہے، وہ سب میرے ساتھ ہے۔ اُس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کے لئے اپنی مجلس والوں کو بلائے گا تو ہم دوزخ کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ابو جہل آپ کو تکلیف پہنچانے کے لئے بڑھا تو تھا، لیکن پھر رُک گیا، ورنہ فرشتے اُس کی بوٹیاں نوچ ڈالتے (الدر المنثور)۔

(۶) یہ بڑا پیار بھرا فقرہ ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو سجدے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا خاص قرب عطا ہوتا ہے۔ یہ آیت سجدے کی آیت ہے، اور اس کی تلاوت کرنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔



ایاتھا ۵ ۹۷ سُورَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ ۲۵ رُكُوعُهَا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

پانچ آیتوں پر مشتمل یہ سورت مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

بیشک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے۔ (۱) اور تمہیں کیا معلوم کہ شبِ قدر کیا چیز ہے؟ (۲) شبِ قدر ایک ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔ (۳) اُس میں فرشتے اور رُوح اپنے پروردگار کی اجازت سے ہر کام کے لئے اترتے ہیں، (۴) وہ رات سراپا سلامتی ہے فجر کے طلوع ہونے تک۔ (۵)

(۱) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ پورا قرآن لوحِ محفوظ سے اس رات میں اُتارا گیا، پھر حضرت جبریل علیہ السلام اُسے تھوڑا تھوڑا کر کے تیس سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے رہے۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کا نزول سب سے پہلے شبِ قدر میں شروع ہوا۔ شبِ قدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کسی رات میں ہوتی ہے۔ یعنی اکیسویں، تیسویں، پچیسویں، ستائیسویں یا اثنیسویں رات میں۔

(۲) یعنی اس ایک رات میں عبادت کرنے کا ثواب ایک ہزار مہینوں میں عبادت کرنے سے بھی زیادہ ہے۔

(۳) اس رات میں فرشتوں کے اترنے کے دو مقصد ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اُس رات جو لوگ عبادت میں مشغول ہوتے ہیں، فرشتے اُن کے حق میں رحمت کی دُعا کرتے ہیں، اور دوسرا مقصد آیتِ کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس رات میں سال بھر کے تقدیر کے فیصلے فرشتوں کے حوالے فرما دیتے ہیں، تاکہ وہ اپنے اپنے وقت پر اُن کی تعمیل کرتے رہیں۔ ”ہر کام اُترنے“ کا یہی مطلب مفسرین نے بیان فرمایا ہے۔



ایاتھا ۸ ﴿۹۸﴾ سُورَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۰ ﴿۹۹﴾ رُكُوعُهَا ۱ ﴿۱۰۰﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۱﴾  
رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُطَهَّرَةً ﴿۲﴾ فِيهَا كُتِبَ الْقِيبَةُ ﴿۳﴾ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا  
الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ ﴿۴﴾ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ  
الْدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ ﴿۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا  
مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿۶﴾ إِنَّ  
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿۷﴾ جَزَاءُ وَّهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ  
عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ﴿۸﴾ ذَلِكَ  
لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ﴿۹﴾

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر تھے، وہ اُس وقت تک باز آنے والے نہیں تھے جب تک کہ اُن کے پاس  
روشن دلیل نہ آتی ﴿۱﴾ یعنی ایک اللہ کا رسول جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے، ﴿۲﴾ جن میں سیدھی سچی تحریریں لکھی ہوں۔ ﴿۳﴾  
اور جو اہل کتاب تھے، انہوں نے جدا راستہ اُسی کے بعد اختیار کیا جب اُن کے پاس روشن دلیل آچکی تھی۔ ﴿۴﴾ اور انہیں  
اس کے سوا کوئی اور حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ بندگی کو بالکل یکسو ہو کر صرف اُسی کے لئے  
خالص رکھیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور یہی سیدھی سچی اُمت کا دین ہے۔ ﴿۵﴾ یقیناً جانو کہ اہل کتاب  
اور مشرکین میں سے جنہوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ جہنم کی آگ میں جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ لوگ ساری  
مخلوق میں سب سے بُرے ہیں۔ ﴿۶﴾ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، وہ بیشک ساری مخلوق  
میں سب سے بہتر ہیں۔ ﴿۷﴾ اُن کے پروردگار کے پاس اُن کا انعام وہ سدا بہار جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی  
ہیں۔ وہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے خوش ہوگا، اور وہ اُس سے خوش ہوں گے۔ یہ سب کچھ اُس کے لئے  
ہے جو اپنے پروردگار کا خوف دل میں رکھتا ہو۔ ﴿۸﴾



(۱) ان آیتوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجنے کی وجہ بتائی جا رہی ہے، اور وہ یہ کہ جاہلیت کے زمانے میں جو کافر لوگ تھے، چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا بت پرستوں میں سے، وہ اُس وقت تک اپنے کفر سے باز نہیں آ سکتے تھے جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ایک روشن دلیل اُن کے سامنے نہ آ جاتی۔ چنانچہ جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر کھلے دل سے غور کیا، وہ واقعی اپنے کفر سے توبہ کر کے ایمان لے آئے۔ البتہ جن کی طبیعت میں ضد تھی، وہ اس نعمت سے محروم رہے۔

(۲) یہ اُن اہل کتاب کی بات ہو رہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے روشن دلائل دیکھنے کے بعد بھی آپ پر ایمان نہیں لائے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری کو ایک نعمت سمجھنے کے بجائے ان لوگوں نے ضد اور حسد کی وجہ سے آپ کی بات نہیں مانی، اور الگ راستہ اختیار کر لیا، حالانکہ ان کے پاس روشن دلیل آچکی تھی۔

کراچی، شب ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ



آیتھا ۸ ۹۹ سُورَةُ الزَّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ ۹۳ رُكُوعًا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ۝  
يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ  
أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝  
وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

یہ مدنی سورت ہے، اور آٹھ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب زمین اپنے بھونچال سے جھنجھوڑ دی جائے گی، ۱ اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی، ۲ اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے؟ ۳ اُس دن زمین اپنی ساری خبریں بتا دے گی، ۴ کیونکہ تمہارے پروردگار نے اُسے یہی حکم دیا ہوگا۔ ۵ اُس روز لوگ مختلف ٹولیوں میں واپس ہوں گے، تاکہ اُن کے اعمال اُنہیں دکھادیئے جائیں۔ ۶ چنانچہ جس نے ذرہ برابر کوئی اچھائی کی ہوگی، وہ اُسے دیکھے گا، ۷ اور جس نے ذرہ برابر کوئی بُرائی کی ہوگی، وہ اُسے دیکھے گا۔ ۸

(۱) یعنی سارے مُردے جو زمین میں دفن ہیں، وہ بھی باہر آ جائیں گے، اور زمین میں جو خزانے دفن ہیں، زمین اُن کو بھی اُگل دے گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس کسی نے مال کی خاطر کسی کو قتل کیا ہوگا، یا جس نے مال و دولت کی خاطر رشتہ داروں کا حق پامال کیا ہوگا، یا اُس کی خاطر چوری کی ہوگی، وہ اس مال کو دیکھ کر یہ کہے گا کہ یہ ہے وہ مال جس کی وجہ سے میں نے یہ گناہ کئے تھے۔ پھر کوئی بھی اس سونے چاندی کی طرف توجہ نہیں دے گا۔

(۲) زمین پر کسی نے جو اچھے یا بُرے عمل کئے ہوں گے، زمین اُن کی گواہی دے گی۔

(۳) واپس آنے سے مراد قبروں سے نکل کر میدانِ حشر کی طرف جانا بھی ہو سکتا ہے، اُس صورت میں اعمال دکھانے کا مطلب یہ ہوگا کہ اعمال نامہ دکھادیا جائے گا۔ اور واپسی کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگ حساب و کتاب سے فارغ ہو کر مختلف حالتوں میں واپس آئیں گے تاکہ اُنہیں اُن کے اعمال کا نتیجہ دکھادیا جائے۔ نیک لوگوں کو اپنی نیکیوں کا انعام دکھادیا جائے گا، اور بُرے لوگوں کو اُن کے اعمال کی سزا دکھادی جائے گی۔

(۴) بُرائی سے مراد وہ بُرائی ہے جس سے کسی شخص نے دُنیا کی زندگی میں توبہ نہ کی ہو، کیونکہ سچی توبہ سے گناہ معاف ہو کر ایسے ہو جاتے ہیں جیسے وہ کئے ہی نہیں تھے، اور سچی توبہ میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جس گناہ کی تلافی ممکن ہو، اُس کی تلافی بھی کی جائے۔ مثلاً کسی کا حق ہے تو اُسے دے دیا جائے، یا اُس سے معاف کر لیا جائے، یا فرائض چھوٹے ہیں تو اُن کی قضا کر لی جائے۔



آیتھا ۱۱ ۱۰۰ سُورَةُ الْغُدَيْتِ مَكِّيَّةٌ ۱۲ رُكُوعُهَا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْغُدَيْتِ صُبْحًا ۱ فَاَلْمُورِيتِ قَدْ حَا ۲ فَاَلْمُغِيرَتِ صُبْحًا ۳ فَاَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا ۴  
فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا ۵ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۶ وَاِنَّهُ عَلَىٰ ذٰلِكَ لَشَهِيدٌ ۷  
وَاِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۸ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُورِ ۹  
وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُورِ ۱۰ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۱۱

یہ مکی سورت گیارہ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو ہانپ ہانپ کر دوڑتے ہیں، ۱ پھر جو (اپنی ٹاپوں سے) چنگاریاں اڑاتے ہیں، ۲ پھر صبح کے وقت یلغار کرتے ہیں، ۳ پھر اُس موقع پر غبار اڑاتے ہیں، ۴ پھر اُسی وقت کسی جگہ کے پتھروں سے بچ جاگتے ہیں، ۵ کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے، ۶ اور وہ خود اس بات کا گواہ ہے۔ ۷ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ مال کی محبت میں بہت پکا ہے۔ ۸ بھلا کیا وہ وقت اُسے معلوم نہیں ہے جب قبروں میں جو کچھ ہے، اُسے باہر بکھیر دیا جائے گا، ۹ اور سینوں میں جو کچھ ہے، اُسے ظاہر کر دیا جائے گا۔ ۱۰ یقیناً اُن کا پروردگار اُس دن اُن (کی جو حالت ہوگی اُس) سے پوری طرح باخبر ہے۔ ۱۱

(۱) اس سے مراد وہ جنگی گھوڑے ہیں جن پر سوار ہو کر اُس زمانے میں لڑائیاں لڑی جاتی تھیں۔ ان کی قسم کھانے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ گھوڑے اپنے مالکوں کے اتنے وفادار ہوتے تھے کہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اپنے مالکوں کے حکم کی تعمیل بھی کرتے تھے، اور اُن کی جان کی حفاظت بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اتنے مضبوط جانور کو انسان کا ایسا تابع دار اور وفادار بنا دیا ہے۔ گنہگار انسان کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ وہ اپنے مالک اور خالق کے اس احسان کا شکر ادا کرنے کے بجائے اُس کی نافرمانی کرتا ہے اور اپنے پروردگار کا اتنا بھی وفادار نہیں جتنے اُس کے گھوڑے اُس کے وفادار ہوتے ہیں، چنانچہ اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ انسان، یعنی گنہگار انسان، بڑا ناشکرا ہے۔

(۲) یعنی اُس کا طرز عمل گواہی دیتا ہے کہ وہ ناشکرا ہے۔

(۳) اس سے مراد مال کی وہ محبت ہے جو انسان کو اپنے دینی فرائض سے غافل کر دے، یا گناہوں میں مبتلا کر دے۔

(۴) یعنی مردوں کو قبروں سے نکال دیا جائے گا، اور لوگوں کے سینوں میں چھپے ہوئے راز کھل جائیں گے۔



﴿آیتھا ۱۱﴾ ﴿سُورَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۰﴾ ﴿رُكُوعُهَا ۱﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْقَارِعَةُ ۱ مَا الْقَارِعَةُ ۲ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ۳ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ  
كَالْفَرَّاشِ الْمَبْتُوثِ ۴ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۵ فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ  
مَوَازِينُهُ ۶ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۷ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۸  
فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۹ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَةٌ ۱۰ نَارُ حَامِيَةٍ ۱۱

یہ مکی سورت گیارہ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(یاد کرو) وہ واقعہ جو دل دہلا کر رکھ دے گا! ۱ کیا ہے وہ دل دہلانے والا واقعہ؟ ۲ اور تمہیں کیا معلوم وہ دل دہلانے والا واقعہ کیا ہے؟ ۳ جس دن سارے لوگ پھیلے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے، ۴ اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے، ۵ اب جس شخص کے پلڑے وزنی ہوں گے ۶ تو وہ من پسند زندگی میں ہوگا، ۷ اور وہ جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے ۸ تو اُس کا ٹھکانا ایک گہرا گڑھا ہوگا۔ ۹ اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ گہرا گڑھا کیا چیز ہے؟ ۱۰ ایک دہکتی ہوئی آگ! ۱۱

کراچی، شب ۱۱ / رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ



ایاتھا ۸ ۱۰۲ سُورَةُ التَّكْوِيْنِ مَكِّيَّةٌ ۱۲ رُكُوْعًا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْهٰكُمُ التَّكْوِيْنُ ۝۱ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳  
ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶  
ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝۷ ثُمَّ لَتَسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ النَّعِيْمَ ۝۸

یہ کی سورت آٹھ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے

ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر (دُنیا کا عیش) حاصل کرنے کی ہوس نے تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے، (۱) یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو، (۲) ہرگز ایسا نہیں چاہئے۔ تمہیں عنقریب سب پتہ چل جائے گا، (۳) پھر (سن لو کہ:) ہرگز ایسا نہیں چاہئے۔ تمہیں عنقریب سب پتہ چل جائے گا۔ (۴) ہرگز نہیں! اگر تم یقینی علم کے ساتھ یہ بات جانتے ہو تے (تو ایسا نہ کرتے) (۵) یقین جانو تم دوزخ کو ضرور دیکھو گے، (۶) پھر یقین جانو کہ تم اُسے بالکل یقین کے ساتھ دیکھ لو گے۔ (۷) پھر تم سے اُس دن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا (کہ اُن کا کیا حق ادا کیا)۔ (۸)

(۱) یعنی دُنیا سمیٹنے کی دُھن میں لگ کر تم آخرت کو بھولے ہوئے ہو۔

(۲) جو لوگ جنت میں جائیں گے، انہیں بھی دوزخ دکھائی جائے گی، تاکہ انہیں جنت کی صحیح قدر معلوم ہو۔ دیکھئے سورہ مریم (۷۱:۱۹)۔

(۳) یعنی دُنیا میں جو نعمتیں میسر تھیں، اُن پر اللہ تعالیٰ کا شکر کیسے ادا کیا؟ اور اُس کی کس طرح فرماں برداری کی؟



﴿ آیاتھا ۳ ﴾ ﴿ سُورَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۲ ﴾ ﴿ رُكُوعُهَا ۱ ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
وَتَوَصَّوْا بِالْحَقِّ ۝ وَتَوَصَّوْا بِالصَّبْرِ ۝

اس کی سورت میں تین آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے  
زمانے کی قسم، ۱ انسان درحقیقت بڑے گھائے میں ہے، ۲ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں، اور نیک عمل  
کریں، اور ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کریں، اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کریں۔ ۳

(۱) یعنی زمانے کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جو لوگ ایمان اور نیک عمل سے محروم ہوتے ہیں، وہ بڑے گھائے میں ہیں۔ اس  
لئے کہ ایسی بہت سی قوموں کو دنیا ہی میں آسمانی عذاب کا سامنا کرنا پڑا، اور ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابیں اور  
اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر خبردار کرتے رہے ہیں کہ اگر ایمان اور نیک عمل کی روش اختیار نہ کی گئی تو آخرت میں بڑا سخت  
عذاب انسان کا منتظر ہے۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ خود نیک بن جانا ہی نجات کے لئے کافی نہیں ہے، بلکہ اپنے اپنے اثر و رسوخ کے دائرے میں دوسروں  
کو حق بات اور صبر کی تلقین کرنا بھی ضروری ہے۔ اور جیسا کہ پہلے بھی کئی جگہوں پر گزرا ہے، ”صبر“ قرآن کریم کی ایک اصطلاح  
ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان کی دلی خواہشات اُسے کسی فریضے کی ادائیگی سے روک رہی ہوں، یا کسی گناہ پر آمادہ  
کر رہی ہوں، اُس وقت ان خواہشات کو کچلا جائے، اور جب کوئی ناگوار بات سامنے آئے تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض سے  
اپنے آپ کو روکا جائے۔ ہاں تقدیر کا شکوہ کئے بغیر اُس ناگوار چیز کے تدارک کی جائز تدبیر کرنا صبر کے خلاف نہیں ہے۔ مزید  
دیکھئے سورہ آل عمران کی آخری آیت پر ہمارا حاشیہ۔

کراچی، شب ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ



ایاتھا ۹ ﴿۱۰۴﴾ سُورَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ ۲۲ ﴿۱﴾ رُكُوعُهَا ۱ ﴿۱﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ﴿۱﴾ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ﴿۲﴾ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ﴿۳﴾  
كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ﴿۴﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴿۵﴾ نَارُ اللَّهِ الْمَوْقَدَةُ ﴿۶﴾  
الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْآفِئَةِ ﴿۷﴾ إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّوَصَّدَةٌ ﴿۸﴾ فِي عَمَدٍ مُمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾

اس کی سورت میں نو آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

بڑی خرابی ہے اُس شخص کی جو پیٹھ پیچھے دوسروں پر عیب لگانے والا، (اور) منہ پر طعنے دینے کا عادی ہو، (۱) جس نے مال اکٹھا کیا ہو، اور اُسے گنتا رہتا ہو، (۲) وہ سمجھتا ہے کہ اُس کا مال اُسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ (۳) ہرگز نہیں! اُس کو تو ایسی جگہ میں پھینکا جائے گا جو چوراچورا کرنے والی ہے، (۴) اور تمہیں کیا معلوم وہ چوراچورا کرنے والی چیز کیا ہے؟ (۵) اللہ کی سلگائی ہوئی آگ (۶) جو دلوں تک جا چڑھے گی! (۷) یقین جانو وہ اُن پر بند کر دی جائے گی، (۸) جبکہ وہ (آگ کے) لمبے چوڑے ستونوں میں (گھرے ہوئے) ہوں گے۔ (۹)

(۱) پیٹھ پیچھے کسی کا عیب بیان کرنا غیبت ہے جسے سورہ حجرات (۱۲:۴۹) میں نہایت گھناؤنا گناہ قرار دیا گیا ہے، اور کسی کے منہ پر طعنے دینا جس سے اُس کی دل آزاری ہو، اُس سے بھی بڑا گناہ ہے۔  
(۲) جائز طریقے سے مال حاصل کرنا کوئی گناہ نہیں ہے، لیکن اُس کی ایسی محبت کہ ہر وقت انسان اُسی کی گنتی میں لگا رہے، اُسے گناہ پر آمادہ کر دیتی ہے، اور جب کسی شخص پر مال کی محبت اس طرح سوار ہو جائے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ میری ہر مشکل اسی مال کے ذریعے آسان ہوگی، اور وہ موت سے غافل ہو کر دنیا داری کے منصوبے اس طرح بناتا رہتا ہے جیسے یہ مال اُسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔

(۳) اللہ بچائے، دوزخ میں آگ کے شعلے لمبے چوڑے ستونوں کی شکل میں ہوں گے، اور وہ چاروں طرف سے دوزخیوں کو اس طرح گھیر لیں گے کہ باہر نکلنے کا راستہ بند ہوگا۔



آیتھا ۵ ﴿۱۰۵﴾ سُورَةُ الْفِيلِ مَكِّيَّةٌ ۱۹ ﴿۱﴾ رُكُوعُهَا ۱ ﴿۱﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ﴿۱﴾ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ﴿۲﴾  
وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ﴿۳﴾ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ ﴿۴﴾  
فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ﴿۵﴾

پانچ آیتوں پر مشتمل یہ سورت مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ ﴿۱﴾ کیا اُس نے ان لوگوں کی ساری چالیں بیکار نہیں کر دی تھیں؟ ﴿۲﴾ اور اُن پر غول کے غول پرندے چھوڑ دیئے تھے، ﴿۳﴾ جو اُن پر پکی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے، ﴿۴﴾ چنانچہ انہیں ایسا کر ڈالا جیسے کھایا ہوا بھوسا! ﴿۵﴾

(۱) یہ ابرہہ کے لشکر کی طرف اشارہ ہے جو کعبے پر چڑھائی کرنے کے لئے ہاتھیوں پر سوار ہو کر آیا تھا۔ ابرہہ یمن کا حکمران تھا، اور اُس نے یمن میں ایک عالیشان کلیسا تعمیر کر کے یمن کے لوگوں میں یہ اعلان کر دیا کہ آئندہ کوئی شخص حج کے لئے مکہ مکرمہ نہ جائے، اور اسی کلیسا کو بیت اللہ سمجھے۔ عرب کے لوگ اگرچہ بت پرست تھے، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم و تبلیغ سے کعبے کی عظمت اُن کے دلوں میں پیوست تھی، اس اعلان سے اُن میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی، اور اُن میں سے کسی نے رات کے وقت اُس کلیسا میں جا کر گندگی پھیلا دی، اور بعض روایتوں میں ہے کہ اُس کے کچھ حصے میں آگ بھی لگائی۔ ابرہہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اُس نے ایک بڑا لشکر تیار کر کے مکہ مکرمہ کا رخ کیا، راستے میں عرب کے کئی قبیلوں نے اُس سے جنگ کی، لیکن ابرہہ کے لشکر کے ہاتھوں انہیں شکست ہوئی۔ آخر کار یہ لشکر مکہ مکرمہ کے قریب مغس نامی ایک جگہ تک پہنچ گیا۔ لیکن جب اگلی صبح اُس نے بیت اللہ کی طرف بڑھنا چاہا تو اُس کے ہاتھی نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا، اور اُسی وقت سمندر کی طرف سے عجیب و غریب قسم کے پرندوں کا ایک غول آیا اور پورے لشکر پر چھا گیا۔ ہر پرندے کی چونچ میں تین تین کنکر تھے جو انہوں نے لشکر کے لوگوں پر برسائے۔ ان کنکروں نے لشکر کے لوگوں پر وہ کام کیا جو بارودی گولی بھی نہیں کر سکتی۔ جس پر بھی یہ کنکری لگتی، اُس کے پورے جسم کو چھیدتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ یہ عذاب دیکھ کر سارے ہاتھی بھاگ کھڑے ہوئے، لشکر کے سپاہیوں میں سے کچھ وہیں ہلاک ہو گئے، اور کچھ جو بھاگ نکلے، وہ راستے میں مرے، اور ابرہہ کے جسم میں ایسا زہر سرایت کر گیا کہ اُس کا ایک ایک جوڑ گل سر کر گرنے لگا۔ اسی حالت میں اُسے یمن لایا گیا، اور وہاں اُس کا سارا بدن بہہ بہہ کر ختم ہو گیا، اور اُس کی موت سب



سے زیادہ عبرت ناک ہوئی۔ اُس کے دو ہاتھی بان مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے جو اپانچ اور اندھے ہو گئے۔ یہ واقعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے کچھ ہی پہلے پیش آیا تھا، اور حضرت عائشہ اور اُن کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہما نے ان دو اندھے پاجوں کو دیکھا ہے۔ (تفصیلی واقعات کے لئے ملاحظہ ہو معارف القرآن)۔ اس سورت میں اس واقعے کا تذکرہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے، اس لئے جو لوگ آپ کی دشمنی پر کمر باندھے ہوئے ہیں، آخر میں وہ بھی اصحاب الفیل کی طرح منہ کی کھائیں گے۔



﴿اٰیٰتِہَا ۲﴾ ﴿سُوْرَةُ قُرٰیْشٍ مَّکِیَّةٌ ۲۹﴾ ﴿رُکُوْعٰہَا ۱﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

لَا یَلْفِ قُرَیْشٍ ۱) الْفِہُمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۲) فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۳)  
الَّذِیْ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۴) وَّامْنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۵)

چار آیتوں پر مشتمل یہ سورت مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

چونکہ قریش کے لوگ عادی ہیں، ۱) یعنی وہ سردی اور گرمی کے موسموں میں (یعمن اور شام کے) سفر کرنے کے عادی ہیں، ۲) اس لئے انہیں چاہئے کہ وہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں ۳) جس نے بھوک کی حالت میں انہیں کھانے کو دیا، اور بد امنی سے انہیں محفوظ رکھا۔ ۴)

(۱) اس سورت کا پس منظر یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں، یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے عرب میں قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ کوئی شخص آزادی اور امن کے ساتھ سفر نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ راستے میں چور ڈاکو یا اُس کے دشمن قبیلے کے لوگ اُسے مارنے اور لوٹنے کے درپے رہتے تھے۔ لیکن قریش کا قبیلہ چونکہ بیت اللہ کے پاس رہتا تھا، اور اسی قبیلے کے لوگ بیت اللہ کی خدمت کرتے تھے، اس لئے سارے عرب کے لوگ اُن کی عزت کرتے تھے، اور جب وہ سفر کرتے تو کوئی انہیں لوٹتا نہیں تھا۔ اس وجہ سے قریش کے لوگوں کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنی تجارت کی خاطر سردیوں میں یمن کا سفر کرتے تھے، اور گرمیوں میں شام جایا کرتے تھے۔ اسی تجارت سے اُن کا روزگار وابستہ تھا۔ اور اگرچہ مکہ مکرمہ میں نہ کھیت تھے، نہ باغ، لیکن انہی سفروں کی وجہ سے وہ خوشحال زندگی گزارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس سورت میں انہیں یاد دلا رہے ہیں کہ اُن کو سارے عرب میں جو عزت حاصل ہے، اور جس کی وجہ سے وہ سردی اور گرمی میں آزادی سے تجارتی سفر کرتے ہیں، یہ سب کچھ اس بیت اللہ کی برکت ہے کہ اُس کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے سب اُن کا احترام کرتے ہیں۔ لہذا انہیں چاہئے کہ اس گھر کے مالک، یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں، اور بتوں کو پوجنا چھوڑیں، کیونکہ اسی گھر کی وجہ سے انہیں کھانے کو مل رہا ہے، اور اسی کی وجہ سے انہیں امن و امان کی نعمت ملی ہوئی ہے۔ اس میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ جس کسی شخص کو کسی دینی خصوصیت کی وجہ سے دنیا میں کوئی نعمت میسر ہو، اُسے دوسروں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرنی چاہئے۔

شب ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ



آیاتھا ۷ ۱۰۷ سُورَةُ الْمَاعُونِ مَكِّيَّةٌ ۱۷ رُكُوعُهَا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۚ ۱ ۚ فَذَلِكَ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيمَ ۚ ۲ ۚ وَلَا يَحْضُ عَلَى طَعَامِ  
الْمُسْكِينِ ۚ ۳ ۚ فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ۚ ۴ ۚ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۚ ۵ ۚ  
الَّذِينَ هُمْ يُرْآءُونَ ۚ ۶ ۚ وَيَسْتَعُونَ الْمَاعُونَ ۚ ۷ ۚ

یہ مکی سورت سات آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کیا تم نے اُسے دیکھا جو جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؟ ۱ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے ۲ اور مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا۔ ۳ پھر بڑی خرابی ہے اُن نماز پڑھنے والوں کی جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں، ۴ - ۵ جو دکھاوا کرتے ہیں ۶ اور دوسروں کو معمولی چیز دینے سے بھی انکار کرتے ہیں۔ ۷

(۱) کئی کافروں کے بارے میں روایت ہے کہ اُن کے پاس کوئی یتیم خستہ حالت میں کچھ مانگنے کو آیا تو انہوں نے اُسے دھکا دے کر نکال دیا۔ یہ عمل ہر ایک کے لئے انتہائی سنگدلی اور بڑا گناہ ہے، لیکن کافروں کا ذکر فرما کر اشارہ یہ کیا گیا ہے کہ یہ کام اصل میں کافروں ہی کا ہے، کسی مسلمان سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

(۲) یعنی خود تو کسی غریب کی مدد کیا کرتا، دوسروں کو بھی ترغیب نہیں دیتا۔

(۳) نماز سے غفلت برتنے میں یہ بھی داخل ہے کہ نماز پڑھے ہی نہیں، اور یہ بھی کہ اُس کو صحیح طریقے سے نہ پڑھے۔

(۴) یعنی اگر پڑھتے بھی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے لوگوں کو دکھاوا کرنے کے لئے پڑھتے ہیں۔ اصل میں تو یہ کام منافقوں کا تھا۔ اگرچہ مکرمہ میں جہاں یہ سورت نازل ہوئی، منافق موجود نہ ہوں، لیکن چونکہ قرآن کریم عام احکام بیان فرماتا ہے، اور آئندہ ایسے منافق پیدا ہونے والے تھے، اس لئے ان گناہوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۵) ”معمولی چیز“ قرآن کریم کے لفظ ”ماعون“ کا ترجمہ کیا گیا ہے، اسی لفظ کے نام پر سورت کا نام ماعون ہے۔ اصل میں ”ماعون“ اُن برتنے کی معمولی چیزوں کو کہتے ہیں جو عام طور سے پڑوسی ایک دوسرے سے مانگ لیا کرتے ہیں، جیسے برتن وغیرہ۔ پھر ہر قسم کی معمولی چیز کو بھی ماعون کہہ دیتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور کئی صحابہؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس کی تفسیر زکوٰۃ سے کی ہے، کیونکہ وہ بھی انسان کی دولت کا معمولی (چالیسواں) حصہ ہوتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر یہی فرمائی ہے کہ کوئی پڑوسی دوسرے سے کوئی برتنے کی چیز مانگے تو انسان اُسے منع کرے۔



﴿آیتھا ۳﴾ ۱۰۸ سُورَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ ۱۵ ﴿رُكُوعُهَا ۱﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا آعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝

تین آیتوں پر مشتمل یہ سورت مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) یقین جانو ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دی ہے، ۱ ۝ لہذا تم اپنے پروردگار (کی خوشنودی) کے لئے نماز پڑھو، اور قربانی کرو، ۲ ۝ یقین جانو تمہارا دشمن ہی وہ ہے جس کی جڑ کٹی ہوئی ہے۔ ۳ ۝

(۱) ”کوثر“ کے لفظی معنی ہیں ”بہت زیادہ بھلائی“۔ اور کوثر جنت کی اُس حوض کا نام بھی ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں دی جائے گی، اور آپ کی امت کے لوگ اُس سے سیراب ہوں گے۔ حدیث میں ہے کہ اُس حوض پر رکھے ہوئے برتن اتنے زیادہ ہوں گے جتنے آسمان کے ستارے۔ یہاں یہ لفظ اگر ”بہت زیادہ بھلائی“ کے معنی میں لیا جائے تو اُس بھلائی میں حوض کوثر بھی داخل ہے۔

(۲) قرآن کریم میں اصل لفظ ”اَبتر“ ہے، اس کے لفظی معنی ہیں: ”جسکی جڑ کٹی ہوئی ہو“ اور عرب کے لوگ اُس شخص کو اَبتر کہتے تھے جس کی نسل آگے نہ چلے، یعنی جس کی کوئی نرینہ اولاد نہ ہو۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کا انتقال ہوا تو آپ کے دشمنوں نے جن میں عاص بن وائل پیش پیش تھا، آپ کو یہ طعنہ دیا کہ معاذ اللہ آپ اَبتر ہیں، اور آپ کی نسل نہیں چلے گی۔ اُس کے جواب میں اس آیت نے فرمایا ہے کہ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے کوثر عطا فرمائی ہے، آپ کے مبارک ذکر اور آپ کے دین کو آگے چلانے والے تو بے شمار ہوں گے۔ اَبتر تو آپ کا دشمن ہے جس کا مرنے کے بعد نام و نشان بھی نہیں رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اور آپ کی سیرت طیبہ تو الحمد للہ زندہ جاوید ہے، اور طعنہ دینے والوں کو کوئی جانتا بھی نہیں، اور اگر کوئی اُن کا ذکر کرتا بھی ہے تو بُرائی سے کرتا ہے۔



ایاتھا ۶ ﴿۱۹﴾ سُورَةُ الْكُفْرَانِ مَكِّيَّةٌ ۱۸ ﴿۲۰﴾ رُكُوعُهَا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكُفْرُونَ ﴿۱﴾ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ﴿۲﴾ وَلَا أَنْتُمْ عِبِدُوا مَا أَعْبُدُ ﴿۳﴾  
وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُمْ ﴿۴﴾ وَلَا أَنْتُمْ عِبِدُوا مَا أَعْبُدُ ﴿۵﴾ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ﴿۶﴾

یہ کی سورت چھ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تم کہہ دو کہ: ”اے حق کا انکار کرنے والو! ﴿۱﴾ میں اُن چیزوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو، ﴿۲﴾ اور تم اُس کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں عبادت کرتا ہوں، ﴿۳﴾ اور نہ میں (آئندہ) اُس کی عبادت کرنے والا ہوں جس کی عبادت تم کرتے ہو، ﴿۴﴾ اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ ﴿۵﴾ تمہارے لئے تمہارا دین ہے، اور میرے لئے میرا دین۔ ﴿۶﴾

(۱) یہ سورت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب مکہ مکرمہ کے کچھ سرداروں نے جن میں ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ شامل تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی یہ تجویز پیش کی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کر لیا کریں تو دوسرے سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کر لیں گے۔ کچھ اور لوگوں نے اسی قسم کی کچھ اور تجویزیں بھی پیش کیں جن کا خلاصہ یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی نہ کسی طرح ان کافروں کے طریقے پر عبادت کے لئے آمادہ ہو جائیں تو آپس میں صلح ہو سکتی ہے۔ اس سورت نے دو ٹوک الفاظ میں واضح فرمادیا کہ کفر اور ایمان کے درمیان اس قسم کی کوئی مصالحت قابل قبول نہیں ہے جس سے حق اور باطل کا امتیاز ختم ہو جائے، اور دین برحق میں کفر یا شرک کی ملاوٹ کر دی جائے۔ ہاں! اگر تم حق کو قبول نہیں کرتے تو تم اپنے دین پر عمل کرو جس کے نتائج تم خود بھگتو گے، اور میں اپنے دین پر عمل کروں گا، اور اُس کے نتائج کا میں ذمہ دار ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں سے کوئی ایسی مصالحت جائز نہیں ہے جس میں اُن کے دین کے شعائر کو اختیار کرنا پڑے۔ البتہ اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے امن کا معاہدہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم نے سورہ انفال (۸: ۶۱) میں فرمایا ہے۔



﴿ آیاتھا ۲ ﴾ ﴿ ۱۱۰ سُورَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۳ ﴾ ﴿ رکوعھا ۱ ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ○

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ○ وَاسْتَغْفِرْهُ ○ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ○

ترجمہ  
اگر آپ نے  
اس سورۃ کو  
پڑھا ہے

تین آیتوں پر مشتمل یہ سورت مدنی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے ○ اور تم لوگوں کو دیکھ لو کہ وہ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں، ○ تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو، اور اُس سے مغفرت مانگو۔ یقیناً جو وہ بہت معاف کرنے والا ہے۔ ○

(۱) اس سے مراد مکہ مکرمہ کی فتح ہے، یعنی جب مکہ مکرمہ آپ کے ہاتھوں فتح ہو جائے۔ زیادہ تر مفسرین کے مطابق یہ سورت فتح مکہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی تھی، اور اس میں ایک طرف تو یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ مکہ مکرمہ فتح ہو جائے گا، اور اُس کے بعد عرب کے لوگ جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہوں گے، چنانچہ واقعہ بھی یہی ہوا، اور دوسری طرف چونکہ اسلام کے پھیل جانے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا میں تشریف لانے کا مقصد حاصل ہو جائے گا، اس لئے آپ کو دُنیا سے رخصت ہونے کی تیاری کے لئے حمد، تسبیح اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو اس میں دی ہوئی خوشخبری کی وجہ سے بہت سے صحابہ خوش ہوئے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اسے سن کر رونے لگے، اور وجہ یہ بیان کی کہ اس سورت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا سے تشریف لے جانے کا وقت قریب آ رہا ہے۔

(۲) اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرح کے گناہوں سے بالکل پاک اور معصوم تھے، اور اگر آپ کی شان کے لحاظ سے کوئی بھول چوک ہوئی بھی ہو تو سورہ فتح (۲:۴۸) میں اللہ تعالیٰ نے اُس کو بھی معاف کرنے کا اعلان فرما دیا تھا، اس کے باوجود آپ کو استغفار کی تلقین اُمت کو یہ بتانے کے لئے کی جا رہی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استغفار کرنے کو کہا جا رہا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو تو اور زیادہ اہتمام کے ساتھ استغفار کرنا چاہئے۔

شب ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ



ایاتھا ۵ ۱۱۱ سُورَةُ الْاَلْهَبِ مَكِّيَّةٌ ۶ رُكُوعُهَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهُ وَمَا کَسَبَ ۝ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَامْرَاَتُهُ ۝ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِیْ جِیْدٍهَا جَبَلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

یہ مکی سورت پانچ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

ہاتھ ابولہب کے برباد ہوں، اور وہ خود برباد ہو چکا ہے، <sup>(۱)</sup> اُس کی دولت اور اُس نے جو کمائی کی تھی، وہ اُس کے کچھ کام نہیں آئی۔ <sup>(۲)</sup> وہ بھڑکتے شعلوں والی آگ میں داخل ہوگا، <sup>(۳)</sup> اور اُس کی بیوی بھی، لکڑیاں ڈھوتی ہوئی، <sup>(۴)</sup> اپنی گردن میں مونجھ کی رسی لئے ہوئے۔ <sup>(۵)</sup>

(۱) ابولہب، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک چچا تھا جو آپ کی دعوتِ اسلام کے بعد آپ کا دشمن ہو گیا تھا، اور طرح طرح سے آپ کو تکلیف پہنچاتا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار اپنے خاندان کے لوگوں کو صفا پہاڑ پر جمع فرما کر اُن کو اسلام کی دعوت دی تو ابولہب نے یہ جملہ کہا تھا کہ: ”تَبَّ لَکَ! اَلْهَذَا جَمَعْتُنَا؟“ یعنی ”بربادی ہو تمہاری! کیا اس کام کے لئے تم نے ہمیں جمع کیا تھا؟“ اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی، اور اس میں پہلے تو ابولہب کو بددعا دی گئی ہے کہ بربادی (معاذ اللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے، بلکہ ہاتھ ابولہب کے برباد ہوں۔ (عربی محاورے میں ہاتھوں کی بربادی کا مطلب انسان کی بربادی ہی ہوتا ہے) پھر فرمایا گیا ہے کہ وہ برباد ہو ہی گیا ہے، یعنی اُس کی بربادی اتنی یقینی ہے جیسے ہو ہی چکی۔ چنانچہ جنگِ بدر کے سات دن بعد اُسے طاعون جیسی بیماری ہوئی جسے عدسہ کہتے ہیں، عرب کے لوگ چھوت چھات کے قائل تھے، اور جسے عدسہ کی بیماری ہوتی، اُسے ہاتھ بھی نہیں لگاتے تھے۔ چنانچہ وہ اسی حالت میں مر گیا، اور اُس کی لاش میں سخت بدبو پیدا ہو گئی، یہاں تک کہ لوگوں نے کسی لکڑی کے سہارے اُسے ایک گڑھے میں دفن کیا (روح المعانی)۔

(۲) بھڑکتے شعلے کو عربی میں ”لَهَب“ کہتے ہیں۔ ابولہب بھی اُس کو اس لئے کہتے تھے کہ اُس کا چہرہ شعلے کی طرح سرخ تھا۔ قرآن کریم نے یہاں دوزخ کے شعلوں کے لئے یہی لفظ استعمال کر کے یہ لطیف اشارہ فرمایا ہے کہ اُس کے نام میں بھی شعلے کا مفہوم داخل ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام بھی سورۃ اللہب ہے۔

(۳) ابولہب کی بیوی اُمّ جمیل کہلاتی تھی، اور وہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں اپنے شوہر کے ساتھ برابر کی شریک تھی، بعض روایتوں میں ہے کہ وہ رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے دار لکڑیاں بچھا دیا کرتی تھی، اور آپ کو طرح طرح ستایا کرتی تھی۔



(۴) اس کا مطلب بعض مفسرین نے تو یہ بتایا ہے کہ وہ اگرچہ ایک باعزت گھرانے کی عورت تھی، لیکن اپنی کنجوسی کی وجہ سے ایندھن کی لکڑیاں خود ڈھوکراتی تھی، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں جو کانٹے دار لکڑیاں بچھاتی تھی، اُس کی طرف اشارہ ہے۔ ان دونوں صورتوں میں لکڑیاں ڈھونے کی یہ صفت دُنیا ہی سے متعلق ہے۔ اور بعض مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ یہ اُس کے دوزخ میں داخلے کی حالت بیان فرمائی گئی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ وہ دوزخ میں لکڑیوں کا گٹھڑ اٹھائے داخل ہوگی۔ قرآن کریم کے الفاظ میں دونوں معنی ممکن ہیں، اور ہم نے جو ترجمہ کیا ہے، اُس میں بھی دونوں تفسیروں کی گنجائش موجود ہے۔

(۵) پہلی تفسیر کے مطابق جب یہ عورت لکڑیاں ڈھوکراتی تو اُن کو مونجھ کی رسی سے باندھ کر رسی کو اپنے گلے میں پیٹ لیتی تھی۔ اور دوسری تفسیر کے مطابق یہ بھی دوزخ میں داخلے کی کیفیت بیان ہو رہی ہے کہ اُس کے گلے میں مونجھ کی رسی کی طرح طوق پڑا ہوا ہوگا۔ واللہ سبحانہ اعلم۔



﴿آیتھا ۳﴾ ﴿سُورَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ ۲۲﴾ ﴿رُكُوعُهَا ۱﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝  
وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝

یہ مکی سورت چار آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کہہ دو: ”بات یہ ہے کہ اللہ ہر لحاظ سے ایک ہے۔“ ۱؎ اللہ ہی ایسا ہے کہ سب اُس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، ۲؎ نہ اُس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ ۳؎ اور اُس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں۔“ ۴؎

(۱) بعض کافروں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ آپ جس خدا کی عبادت کرتے ہیں، وہ کیسا ہے؟ اُس کا حسب نسب بیان کر کے اُس کا تعارف تو کرایئے۔ اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔ (روح المعانی بحوالہ بیہقی و طبرانی وغیرہ)۔

(۲) یہ قرآن کریم کے لفظ ”اَحَدٌ“ کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ صرف ”ایک“ کا لفظ اس کے پورے معنی ظاہر نہیں کرتا۔ ”ہر لحاظ سے ایک“ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی ذات اس طرح ایک ہے کہ اُس کے نہ اجزاء ہیں، نہ حصے ہیں، اور نہ اُس کی صفات کسی اور میں پائی جاتی ہیں۔ وہ اپنی ذات میں بھی ایک ہے، اور اپنی صفات میں بھی۔

(۳) یہ قرآن کریم کے لفظ ”الصَّمَدُ“ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس لفظ کا مفہوم بھی اُردو کے کسی ایک لفظ سے ادا نہیں ہو سکتا۔ عربی میں ”صمد“ اُس کو کہتے ہیں جس سے سب لوگ اپنی مشکلات میں مدد لینے کے لئے رُجوع کرتے ہوں، اور سب اُس کے محتاج ہوں، اور وہ خود کسی کا محتاج نہ ہو۔ عام طور سے اختصار کے پیش نظر اس لفظ کا ترجمہ ”بے نیاز“ کیا جاتا ہے، لیکن وہ اس کے صرف ایک پہلو کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ لیکن یہ پہلو اُس میں نہیں آتا کہ سب اُس کے محتاج ہیں۔ اس لئے یہاں ایک لفظ سے ترجمہ کرنے کے بجائے اُس کا پورا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

(۴) یہ اُن لوگوں کی تردید ہے جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے، یا حضرت عیسیٰ یا حضرت عزیر علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے تھے۔

(۵) یعنی کوئی نہیں ہے جو کسی معاملے میں اُس کی برابری یا ہمسری کر سکے۔ اس سورت کی ان چار مختصر آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید کو انتہائی جامع انداز میں بیان فرمایا گیا ہے۔ پہلی آیت میں اُن کی تردید ہے جو ایک سے زیادہ خداؤں کے قائل ہیں۔



دوسری آیت میں اُن کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کو ماننے کے باوجود کسی اور کو اپنا مشکل کشا، کارساز یا حاجت روا قرار دیتے ہیں۔ تیسری آیت میں اُن کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد مانتے ہیں، اور چوتھی آیت میں اُن لوگوں کا رد کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی کسی بھی صفت میں کسی اور کی برابری کے قائل ہیں، مثلاً بعض مجوسیوں کا کہنا یہ تھا کہ روشنی کا خالق کوئی اور ہے، اور اندھیرے کا خالق کوئی اور، یا بھلائی پیدا کرنے والا اور ہے، اور بُرائی پیدا کرنے والا کوئی اور۔ اس طرح اس مختصر سورت نے شرک کی تمام صورتوں کو باطل قرار دے کر خالص توحید ثابت کی ہے۔ اسی لئے اس سورت کو سورۃ اخلاص کہا جاتا ہے، اور ایک صحیح حدیث میں اس کو قرآنِ کریم کا ایک تہائی حصہ قرار دیا گیا ہے، جس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے بنیادی طور پر تین عقیدوں پر زور دیا ہے: توحید، رسالت اور آخرت۔ اور اس سورت نے ان میں سے توحید کے عقیدے کی پوری وضاحت فرمائی ہے۔ اس سورت کی تلاوت کے بھی احادیث میں بہت فضائل آئے ہیں۔



آیتھا ۵ ۱۱۳ سُورَةُ الْفَلَقِ مَدَنِيَّةٌ ۲۰ رُكُوعُهَا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝۳  
وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثِ فِي الْعُقَدِ ۝۴ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝۵

یہ مدنی سورت ہے، اور اس میں پانچ آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کہو کہ: ”میں صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں، ۱ ہر اُس چیز کے شر سے جو اُس نے پیدا کی ہے، ۲ اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ پھیل جائے، ۳ اور اُن جانوں کے شر سے جو (گنڈے کی) گرہوں میں پھونک مارتی ہیں ۴ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔“ ۵

(۱) قرآن کریم کی یہ آخری دو سورتیں معوذتین کہلاتی ہیں۔ یہ دونوں سورتیں اُس وقت نازل ہوئی تھیں جب کچھ یہودیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرنے کی کوشش کی تھی، اور اُس کے کچھ اثرات آپ پر ظاہر بھی ہوئے تھے۔ ان سورتوں میں آپ کو جادو ٹوٹنے سے حفاظت کے لئے ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ اور کئی احادیث سے ثابت ہے کہ ان سورتوں کی تلاوت اور اُن سے دم کرنا جادو کے اثرات دور کرنے کے لئے بہترین عمل ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے ان سورتوں کی تلاوت کر کے اپنے مبارک ہاتھوں پر دم کرتے، اور پھر ان ہاتھوں کو پورے جسم پر پھیر لیتے تھے۔

(۲) اندھیری رات کے شر سے خاص طور پر اس لئے پناہ مانگی گئی ہے کہ عام طور پر جادو گروں کی کارروائیاں رات کے اندھیرے میں ہوا کرتی ہیں۔

(۳) ”جانوں“ کے لفظ میں مرد اور عورت دونوں داخل ہیں۔ جادو گر مرد ہوں یا عورت، دھاگے کے گنڈے بنا کر اُس میں گرہیں لگاتے جاتے ہیں، اور اُن پر کچھ پڑھ کر پھونکتے رہتے ہیں۔ اُن کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔



آیتھا ۶ ۱۱۴ سُورَةُ النَّاسِ مَدَنِيَّةٌ ۲۱ رُكُوعًا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ إِلَهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ  
الْخَنَاسِ ۝ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

یہ آخری سورت بھی مدنی ہے، اور اس میں چھ آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کہو کہ: ”میں پناہ مانگتا ہوں سب لوگوں کے پروردگار کی، ۱ سب لوگوں کے بادشاہ کی، ۲ سب لوگوں کے معبود کی، ۳ اُس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو پیچھے کو چھپ جاتا ہے ۴ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، ۵ چاہے وہ جنات میں سے ہو، یا انسانوں میں سے۔“ ۶

(۱) پچھلی سورت کا حاشیہ نمبر ملاحظہ فرمائیے۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں جو سب کا پروردگار بھی ہے، صحیح معنی میں سب کا بادشاہ بھی، اور سب کا معبود حقیقی بھی۔

(۳) ایک مستند حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ: ”جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے، اُس کے دل پر وسوسہ ڈالنے والا (شیطان) مسلط ہو جاتا ہے۔ جب وہ ہوش میں آ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو یہ وسوسہ ڈالنے والا پیچھے کو دبک جاتا ہے، اور جب وہ غافل ہوتا ہے تو دوبارہ آ کر وسوسے ڈالتا ہے۔“ (روح المعانی، بحوالہ حاکم وابن المنذر روضیاء)۔

(۴) قرآن کریم نے سورہ انعام (۶: ۱۱۲) میں بتایا ہے کہ شیطان جنات میں سے بھی ہوتے ہیں، اور انسانوں میں سے بھی۔ البتہ شیطان جو جنات میں سے ہے، وہ نظر نہیں آتا، اور دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، لیکن انسانوں میں سے جو شیطان ہوتے ہیں، وہ نظر آتے ہیں، اور اُن کی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں سن کر انسان کے دل میں طرح طرح کے بُرے خیالات اور وسوسے آ جاتے ہیں۔ اس لئے اس آیت کریمہ میں دونوں قسم کے وسوسہ ڈالنے والوں سے پناہ مانگی گئی ہے۔

ان آیتوں میں اگرچہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی طاقت کا ذکر فرمایا گیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تلقین کر کے یہ بھی واضح فرمادیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے اور اُس کا ذکر کرنے سے وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے، نیز سورہ نساء (۴: ۷۶) میں فرمایا گیا ہے کہ اُس کی چالیں کمزور ہیں، اور اُس میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ انسان کو گناہ پر مجبور کر سکے۔ سورہ ابراہیم (۱۴: ۲۲) میں خود اُس کا یہ اعتراف اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے کہ مجھے انسانوں پر کوئی اقتدار حاصل نہیں۔ یہ تو انسان کی ایک آزمائش ہے کہ وہ انسان کو بہکانے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جو بندہ اُس کے بہکائے میں آنے سے انکار کر کے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لے تو شیطان اُس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔



قرآن کریم کا آغاز سورہ فاتحہ سے ہوا تھا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد اللہ تعالیٰ ہی سے سیدھے راستے کی ہدایت کی دعا کی گئی ہے، اور اختتام سورہ ناس پر ہوا ہے جس میں شیطان کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے، کیونکہ سیدھے راستے پر چلنے میں اُس کے شر سے جو رکاوٹ پیدا ہو سکتی تھی، اُسے دور کرنے کا طریقہ بتا دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفس اور شیطان دونوں کے شر سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور توفیق سے آج رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ کی سترہویں شب میں (بروز چہار شنبہ ۱۸ ستمبر ۲۰۰۸ء) قرآن کریم کی اس خدمت کو تکمیل تک پہنچایا۔ یا اللہ! کوئی زبان اور کوئی قلم آپ کا شکر ادا کرنے کے قابل نہیں کہ آپ نے ایک ذرہ بے مقدار کو اپنے کلام مجید کی اس خدمت کی سعادت بخشی۔ یا اللہ! جب آپ نے یہ توفیق عطا فرمائی تو خالص اپنے فضل و کرم ہی سے اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما لیجئے، اس کو اس ناکارہ مترجم کے لئے قبر سے لے کر حشر و نشر تک کے تمام مراحل آسان فرما کر آخرت کا ذخیرہ بنا دیجئے، اور اُس کے ذریعے پڑھنے والوں کے دل میں قرآن کریم کو سمجھنے، اُس پر عمل کرنے اور اُس کے مقدس پیغام کو عام کرنے کا داعیہ پیدا فرما دیجئے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قُلُوْبِنَا وَجَلَاءَ اَحْزَانِنَا وَذَهَابَ هُمُوْمِنَا، وَاَنْ تُخَلِّطَهُ بِلُحُوْمِنَا وَدِمَائِنَا وَاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَتَسْتَعْمِلَ بِهِ اَجْسَادَنَا، وَاَنْ تُذَكِّرَنَا مِنْهُ مَا نَسِيْنَا وَتُعَلِّمَنَا مِنْهُ مَا جَهِلْنَا، وَاَرْزُقْنَا تِلَاوَتَهُ اَنَاءَ اللَّيْلِ وَاَنَاءَ النَّهَارِ، وَاجْعَلْهُ لَنَا حُجَّةً يَّارَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔ وَصَلِّ اللّٰهُمَّ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ، الْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ، وَعَلٰى اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ اٰمِيْن يَّارَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔